

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سوم

مقبولین پر شرح تفسیر حلالین

مؤلفین

الشیخ عبدالرحمن بن ابی کحلان الدکتیوطی
الشیخ عبدالرحمن بن ابی کحلان الدکتیوطی

مترجمہ و شاح

ڈاکٹر عائشہ الدین

تداراتی و تفسیری غونڈ

مولانا حافظ عبدالمشکان صاحب

مکمل ہجرت



مقبولین

اردو شرح

تفسیر جلالین

جلد سوم

التوبة ۹ تا الكهف ۱۸

مؤلفین: شیخ عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی دمشقی
شیخ عبدالرحمن جلال الدین محمد بن محمد علی دمشقی

ترجمہ و شرح
حضرت مولانا شمس الدین عظیمی
حقیقی کتب خانہ محمد معاذ خان
۱۰۰، گلشن، لاہور۔
تلفون نمبر: ۳۷۲۱۱۷۰۰

مترجم و شارح

حضرت مولانا شمس الدین عظیمی

نظر ثانی و تفسیری فوائد

مولانا حافظ عبدالمنان صاحب

۱۸-۱۹، گلشن، لاہور۔
37231700 37211700

مکتبہ
الاسلام
لاہور

فہرست مضامین

صفحہ عنوان صفحہ عنوان

۳۸	مساجد میں کیا کیا کام ممنوع ہیں؟
۳۹	مسجد کی صفائی کا اجر و ثواب:
	حجاج کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا ایمان اور
۳۹	جہاد کے برابر نہیں:
۴۰	ترک موالات و سودت کا حکم:
	غزوہ حنین میں مسلمانوں کا اپنی کثرت پر اترنا
۴۳	اور اوائل جنگ میں شکست کا سامنا ہونا:
۴۴	غزوہ حنین کا مفصل واقعہ:
	مقام ادطاس میں مشرکین سے مقابلہ اور ان کی
۴۵	شکست:
۴۵	طائف کا محاصرہ پھر وہاں سے واپسی:
۴۶	حجرانہ میں تقسیم غنائم:
۴۶	حنین میں فرشتوں کا نزول:
	مشرکین نجس ہیں مسجد حرام کے پاس نہ
۴۷	جائیں:
۴۹	اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم:
۵۵	اہل کتاب کے فضاخ اور قباخ کا بیان:
۵۷	عقیدہ اہنیت کا آغاز کیسے ہوا؟

التَّوْبَاتِ

۱۵	بسم اللہ لکھنے کا سبب:
۱۵	سورۃ کا نام:
۱۵	ربط و مناسبت:
۱۶	سورہ براءت کی خصوصیت:
۲۲	ربط اور مناسبت:
۲۳	ترک تسمیہ درابتداء سورۃ براءت:
۲۵	ایک شبہ اور اس کا ازالہ:
	اعلان براءت: (یعنی مشرکین عرب سے قطع
	تعلقات اور سابقہ معاہدات کے اختتام کا اعلان
۲۹	عام):
	مشرکین کو کسی قرابت داری اور معاہدہ کی پاسداری
۳۲	نہیں:
	مشرکین اس کے اہل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو
۳۷	آباد کریں:
۳۸	مساجد کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے:

صفحہ

سوال

صفحہ

سوال

۱۱۱ ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا حکم:

۱۱۲ منافقوں کی مکاری اور جھوٹی قسمیں:

۱۱۳ منافقین نے احسان کا بدلہ برائی سے دیا:

منافقین کا مخلصین کے صدقات پر طعن و تمسخر

کرتا:

۱۱۴ حاصل کلام //

منافقین کا اس پر خوش ہونا کہ رسول اللہ کے ساتھ

نہ گئے:

۱۱۸ منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان میں سے کسی

کی قبر پر کھڑے ہونے کی ممانعت:

۱۲۰ مؤمنین صادقین کے اعذار صادقہ کا ذکر

۱۲۳

پارہ ۱۱

دیہاتیوں میں سخت نفاق والے بھی ہیں اور مخلصین

بھی:

۱۲۹ سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار اور

ان کے تبعین سے اللہ تعالیٰ راضی ہے:

۱۳۵ حضرات مہاجرین و انصار اور ان کا اتباع کرنے

والے جنتی ہیں:

۱۳۶ حاصل کلام //

۱۳۷ منافقت کے خوگر شہری:

مؤمنین مخلصین کی توبہ کا تذکرہ جو غزوہ تبوک میں

۵۹ یہود و نصاریٰ دین حق سے روکتے ہیں:

قصہ غزوہ تبوک اور مسلمانوں کو جہاد و قتال کی تاکید

۶۶ اکید اور منافقوں کو تہدید شدید:

اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی

جب اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں تھے:

۶۸ غلط گو غلط کار کفار و منافق:

۷۸ تہذیب و فساد کی آگ اور منافقین:

۷۹ منافقین کی بد باطنی کا مزید تذکرہ:

۸۰ منافقین کا مال مقبول نہیں:

۸۰ تقسیم صدقات و عنائتم پر بعض منافقین کا طعن اور

اس کا جواب

۸۲ خلاصہ تفسیر:

۸۷ معارف و مسائل، مصارف الصدقات:

۸۷ ایک اور سوال عبادت پر اجرت:

۹۲ ایک عظیم فائدہ:

۹۳ مسئلہ تملیک:

۹۹ ادائے زکوٰۃ کے متعلق بعض اہم مسائل:

۱۰۱ منافقین اور منافقات کا اعمال و صفات میں تشابہ مع

بیان و وعید:

۱۰۵ مدح اہل ایمان مع بشارت غفران

۱۰۷ درضوان:

کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے اور ان کے

سوال	سوال
مکتبہ میں آخرت کی عذاب کے لیے جملہ فی اور اس کے جواب: ۱۷۹	نہیں کے تھے: ۱۳۹
مکتبہ میں اس بات کا جواب کہ دوسرا قرآن لے آئے یا اس کو بدل دیتے: ۱۸۲	منافقوں کی ایک بہت بڑی کاری اور مسجد ضراری بناؤ: ۱۴۰
رسالت محمدیہ کے متعلق مشرکین کے ایک معاندانہ سوال کا جواب: ۱۸۷	اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جنت کے عوض انگی جانوں اور مالوں کو خرید لیا: ۱۴۵
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی: ۱۹۰	مشرکین کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت: ۱۴۷
انفاق توحید و ابطال شرک: ۱۹۳	حضرت ابراہیمؑ کا اپنے والد کے لیے استغفار کرنا پھر اس سے بیزار ہونا: ۱۴۸
دلیل دیگر: ۱۹۵	تین حضرات کا مفصل واقعہ جو غزوہ تبوک میں جانے سے روک گئے تھے: ۱۴۹
دلیل دیگر بر ابطال شرک: ۱۹۵	حاصل کلام //
خاتمہ کلام: ۱۹۶	جہاد اور تعلقہ فی الدین میں مشغول رہنے کی اہمیت اور ضرورت: ۱۵۷
قرآن حکیم کی حقانیت پر واضح دلیل اور اس جیسی ایک سورت بنانے کا چیلنج: ۱۹۶	جہاد کی قسمیں: ۱۵۷
مشرکین سے اجتناب فرما لیجئے: ۲۰۱	تفقیہ اور تعلقہ کی ضرورت: ۱۵۷
مکذیب کرنے والوں کی بے حسی عذاب آنے کی وعید: ۲۰۱	منافقوں کی کافرانہ باتیں: ۱۶۵
// حاصل کلام	
تحقیق معاد مع جوابات شبہات کفار و ذکر حسرت مکذبین رسالت در روز قیامت: ۲۰۲	
قرآن موعظت ہے سینوں کیلئے شفا ہے اور ہدایت و رحمت ہے: ۲۰۷	
اولیاء اللہ نہ خوفزدہ ہوں گے نہ غمگین: ۲۱۲	
	یونسؑ
	انطباق عظمت قرآن و اثبات رسالت محمدیہ: ۱۷۰
	قدم صدق کی تفسیر: ۱۷۲
	ذکر تکوین عالم برائے اثبات ربوبیت رب اکرم: ۱۷۲

سوال

۲۱۸	انسان کا نفسیاتی تجزیہ:	۲۱۸	نوح علیہ السلام کی قوم کا کردار:
۲۳۹	مفتریت (دس سورتیں) خود ساختہ۔ اپنی طرف سے بنائی ہوئی:	۲۱۹	موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف مبعوث ہونا اور ان کے مقابلہ میں جادو گروں کا شکست کھانا:
۲۵۰	اللہ جل شانہ پہ بہتان باندھنے والے:	۲۲۳	بزدلی ایمان کے درمیان دیوار بن گئی:
۲۵۱	شبه		فرعون کی لاش کی حفاظت نشان عبرت کے طور پر:
//	ازالہ شبه	۲۲۶	تمہ قصہ موسویہ:
//	قوم نوح علیہ السلام کے شبہات اور ان کے جوابات:	۲۲۹	عذاب دیکھ کر یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان لانا اور عذاب سے بچ جانا:
۲۵۵	قوم کا جواب:	۲۳۰	اثبات توحید و حقانیت دین اسلام:
۲۵۶	حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے جواب باصواب:	۲۳۳	اتمام حجت اور تبلیغ دعوت:
۲۵۶	لطائف و معارف:	۲۳۴	
۲۵۹	قوم نوح کا مانگا ہوا عذاب اسے ملا:		سورۃ ہود کا تعارف:
۲۶۵	قوم نوح پر عذاب الہی کا نزول:		
۲۶۶	کشتی نوح پر کون کون سوار ہوا؟		
۲۶۷	طوفان نوح علیہ السلام کی روداد:		
۲۶۸	نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کے لیے نجات کی دعا اور جواب:		
۲۷۰	طوفان نوح کا آخری منظر:		
۲۷۱	قوم عاد کو ہود علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا ہلاک ہونا:		
۲۷۳	قوم ثمود کو صالح علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور قوم کا نافرمانی		

ہود

پارہ ۵: ۱۳

زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے

۲۳۱

۲۳۲

رِزْقٌ مُّسْتَقَرٌّ وَرِزْقٌ مُّسْتَوْدَعٌ کی تفسیر:

رزق مقدر پورا کئے بغیر کسی کو موت نہ آئے گی:

۲۳۲

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کی اجازت نہ	۲۷۸	کی وجہ سے ہلاک ہونا:
۳۰۲	ہوگی:		ابراہیم کی خدمت میں فرشتوں کا حاضر ہونا اور
	تحدیر از اختلاف وافتراق وحصم استقامت	۲۸۳	فرشتوں کا بیٹے اور پوتے کی بشارت دینا:
۳۰۸	براحکام شریعت:	۲۸۶	لطائف و معارف:
		۲۸۶	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا علم اور ترجم:
			فرشتوں کا لوط علیہ السلام کے پاس آنا، انکی بدکار قوم کا
		۲۸۷	ہلاک ہونا اور اہل ایمان کا نجات پانا:
			مدین دالوں کو شعیب علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور ان
		۲۹۲	لوگوں کا لٹے جواب دینا اور استہزاء کرنا:
		۲۹۳	قوم مردود کا جواب:
		۲۹۵	شعیب علیہ السلام کا قوم کو جواب باصواب:
		۲۹۵	ترہیب قوم از مخالفت و معاندت:
		۲۹۶	قوم کا جواب:
		//	حاصل کلام
			شعیب علیہ السلام کی طرف سے قوم کی دھمکیوں کا
		۲۹۶	جواب:
			موسیٰ علیہ السلام کی بعثت، فرعون اور آل فرعون
			کی بغاوت اور دنیا و آخرت میں آل فرعون پر
		۳۰۰	لعنت:
			اللہ تعالیٰ ظالموں کی گرفت فرماتا ہے اسکی گرفت
		۳۰۱	دردناک اور سخت ہے:
			قیامت کے دن سب جمع ہوں گے اللہ تعالیٰ کی
			تعمیر دینے سے پہلے یوسف علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور
			آیات قرآنی کی عظمت کا ذکر و بیان:
۳۱۳	قرآن حکیم اپنی صداقت و حقانیت کی دلیل		
	خود:		
۳۱۳	حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اور ان کے والد کی		
	تعبیر اور ضروری تاکید:		
۳۱۵	معاملہ برادران یوسف علیہ السلام:		
۳۲۰	بازار مصر سے شاہی محل تک:		
۳۲۹	عزیز مصر کی بیوی کا یوسف علیہ السلام کے سامنے مطلب		
	براری کے لیے پیش ہونا اور آپ کا پاکدامن		
	رہنا:		
۳۳۱	دونوں کا دروازہ کی طرف دوڑنا اور عزیز کو دروازہ		
	پر پانا:		
۳۳۲	داستان عشق اور حسینان مصر:		
۳۳۹	جیل میں در قیدیوں کا خواب دیکھنا اور یوسف		
	علیہ السلام سے تعبیر دینے کی درخواست کرنا:		
۳۳۳	تعمیر دینے سے پہلے یوسف علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور		

سنان صلی سنان صلی

پورے خاندان کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس	۲۳۴	توحید کی دعوت دینا:
مصر پہنچنا ان کے والدین	۳۳۵	تعبیر خواب:
حاصل کلام		شاہ مصر کا خواب اور تلاش تعبیر میں یوسف علیہ السلام
اور بھائیوں کا ان کو سجدہ کرنا اور خواب کی تعبیر	۳۴۸	تک رسائی:
پوری ہونا:		تعبیر کی صداقت اور شاہ مصر کا یوسف علیہ السلام کو
اسلام پر مرنے اور صالحین میں شامل ہونے کی	۳۵۱	وزارت سونپنا:
دعا:		
لوگ بہت ہی آیات نکوینیہ پر گزرتے ہیں مگر		پارہ: ۱۳
ایمان نہیں لاتے:		
آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ انسان ہی		بادشاہ کا آپ کو دوبارہ طلب کرنا اور معاملہ کی صفائی
تھے:	۳۵۵	کے بعد آپ کا بادشاہ کے
ہمارا عذاب مجرموں سے ہٹایا نہیں جاتا		پاس پہنچنا اور زمین کے خزانوں کا ذمہ دار
ان حضرات کے قصوں میں عقل والوں کے لیے	۳۵۵	بننا:
عبرت ہے:		برادران یوسف کا غلہ لینے کے لیے مصر آنا اور آپ
	۳۶۱	کا فرمانا کہ آئندہ اپنے
	۳۶۱	علاقے بھائی کو بھی لانا:
	۳۶۸	باردوم آمدن برادران یوسف علیہ السلام:
	۳۷۰	فائدہ جلیلہ در تحقیق مسئلہ جلیلہ:
		برادران یوسف علیہ السلام کی سفروم سے
	۳۷۷	واپسی:
	۳۷۹	برادران یوسف علیہ السلام کی تیسری بار مصر آمد:
		برادران یوسف علیہ السلام کی سفروم سے
	۳۸۳	واپسی:

الرعد

- عظیم الشان آیات:
- ۱۔ احسان اور دھمکی کے دونوں پہلوؤں کی طرف
- اشارہ: ۳۹۸
- ۲۔ پیغمبر کے لیے تسکین و تسلیہ: ۳۹۸
- ۳۔ ہٹ دھرمی محرومی کی جڑ بنیاد۔ والعیاذ
- باللہ: ۳۹۸

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۱۵	آیت: وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ كَاسْبِ زَوْلٍ:	۳۹۹	قدرت کے بعض عظیم الشان مظاہر حکمت میں غورو فکر کی دعوت:
۴۱۶	ذکر حال و مال محققین و مہتممین:	۳۹۹	استدلال باحوال عالم علوی:
۴۲۱	بروج و بالاخانے:	۴۰۰	استدلال بہ تسخیر شمس و قمر:
۷۲	منکرین و مکذبین کے حال و مال کا ذکر و بیان:	۴۰۱	آسمانوں کے بارے میں فلسفہ جدیدہ کا نظریہ:
۴۲۲	مشرکین کا ایک اعتراض:	۴۰۱	استدلال باحوال عالم سلفی:
۴۲۵	معاندین فرمائشی معجزات ظاہر ہونے پر بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں:	۴۰۲	استدلال دیگر:
۴۲۸	سچائی کا مذاق اڑانا آج بھی جاری ہے:	۴۰۳	کفار و منکرین کا حال قابلِ تعجب:
۴۳۲	عالم خیر و شر:	۴۰۳	کافروں کی گردنوں میں طوق:
//	حاصل کلام	۴۰۵	فرمائشی معجزہ طلب کرنے والوں کا عناد:
۴۳۳	کافر موت مانگیں گے:	۴۱۱	علم الہی:
۴۳۵	شاداں و فرحاں لوگ:	۴۱۲	نگران فرشتوں کی تذکیر و یاد دہانی:
یہ قرآن کریم حکم خاص ہے عربی زبان میں ہے:	۴۱۳	نگران فرشتوں کی حفاظت کا ذکر و بیان:	
۴۳۶	آپ (ﷺ) سے پہلے جو رسول بھیجے گئے وہ اصحاب ازواج و اولاد تھے:	۴۱۳	عذاب کے بارے میں دستور خداوندی کا ذکر و بیان:
۴۳۹	کوئی رسول از خود معجزہ لانے پر قادر نہیں:	۴۱۳	کسی قوم کی بد عملی اس کی محرومی کا باعث - العیاذ باللہ:
اللہ جو چاہتا ہے محو فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے:	۴۱۳	اللہ کے عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا:	
۴۴۰	کفر کا زوال اور اسلام کا اقبال:	//	حاصل کلام
۴۴۲		۴۱۳	بادل اور بجلی اور رعد کا تذکرہ:
		۴۱۵	رعد کیا ہے؟

سوان صف سوان صف

ظالموں کا درخواست کرنا کہ مہلت دیدی جائے: ۳۷۳

الخجیر

قرآن حکیم کی عظمت شان کا ایک اہم پہلو: ۳۸۰
 قرآن حکیم ایک کامل کتاب: ۳۸۱
 قرآن حکیم کی عظمت اس کی صفت میں کے اعتبار سے: ۳۸۱

پارہ: ۱۴

کافر بار بار تمنا کریں گے کہ کاش مسلمان ہوتے: ۳۸۳
 ہر قوم اپنے مقررہ وقت پر اپنے انجام کو پہنچ کر رہی: ۳۸۵
 حاصل کلام //
 اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا محافظ ہے: ۳۸۵
 ستارے آسمان کیلئے زینت ہیں اور انکے ذریعہ شیاطین کو مارا جاتا ہے: ۳۸۹
 بروج سے کیا مراد ہے؟ ۳۹۰
 زمین کا پھیلاؤ اور اس کے پہاڑ اور درخت معرفت الہی کی نشانیاں ہیں: ۳۹۱

ابراہیم

کافروں کی صفات: ۳۴۷
 نصرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کی زبان بولنے والے تھے: ۳۴۷
 محمد رسول اللہ کی بعثت عامہ اور عربی زبان میں قرآن نازل ہونے اور نماز و اذان شروع ہونے کی حکمت: ۳۴۸
 شکر نعمت اور اس کی صورتیں: ۳۵۱
 کفران نعمت باعث وبال و نکال: ۳۵۲
 دعوت حق سے امراض و روگردانی کا نتیجہ قلق و اضطراب: ۳۵۲
 حاصل کلام //
 قیامت کے دن کی باہم گفتگو اور پیشوایان کفر کی ذلت اور ندامت کا ذکر: ۳۵۸
 اہل ایمان کا ثواب: ۳۶۲
 کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال: ۳۶۲
 مذمت کفار و مشرکین و مدح مؤمنین صالحین: ۳۶۵
 دعاء ابراہیمی کا ذکر: ۳۶۸
 قیامت کے دن کا ایک منظر، عذاب آنے پر

سورہ النحل

۵۰	بنی انی: یعنی: جمعوں پر نازل ہونے کا	۳۹۱	سما: نہایت زینت کے بارے میں دعوت غور
۵۱	آل: کوئی نہا ہوا ہے:	۳۹۲	رازی: رسالے میں اللہ وحدہ لا شریک: ۳۹۲
۵۱۱	قرآن: تعلیم صحیح دینی اور ایک لازوال	۳۹۳	ذکر: پیدائش افس و جن و آتش: پیدائش آدم علیہ
۵۱۲	وہات: : ساتھ آیتوں نے اپنی کتابوں کے اجزاء بتائے	۳۹۴	اسلام: : بدن انسانی میں اللہ روح اور اس کو سمجھنا تاکہ بنائے
۵۱۳	رسول: اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر کا عہد کتاب	۳۹۵	کی مختلف قسمیں: : روح اور افس کے متعلق حضرت قاضی شامہ اللہ کی
۵۱۴	انجام: : یقین کا مفہوم:	۳۹۶	مختلف: : خلاصہ کلام:
		۳۹۷	اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں پر شیطان کا تسلط نہ
		۳۹۸	ہونے کے معنی: : متعلق باغوں اور چشموں میں ہوں گے، سلامتی کے
		۵۰۱	ساتھ رہیں گے آپس میں کوئی کینہ نہ ہوگا: ۵۰۱
		//	حاصل کلام
		۵۰۲	ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا تذکرہ، ان سے خوفزدہ
		۵۰۳	ہوئے اور انکو بیٹے کی بشارت دینا: ۵۰۲
		۵۰۴	ابراہیم نے کہا: اے فرستادگان (انبیاء) ۵۰۳
		۵۰۵	(آنے کا) معاملہ کیا ہے؟ ۵۰۴
		۵۰۶	حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی شرارت اور
		۵۰۷	بلاکت: ۵۰۶
		۵۰۸	لوط علیہ السلام کی قوم کی بلاکت سے عبرت حاصل کریں
		۵۰۹	
		۵۱۰	
		۵۱۱	
		۵۱۲	
		۵۱۳	
		۵۱۴	
		۵۱۵	
		۵۱۶	
		۵۱۷	
		۵۱۸	
		۵۱۹	
		۵۲۰	
		۵۲۱	
		//	
		۵۲۲	
		۵۲۳	
		۵۲۴	
		۵۲۵	
		۵۲۶	
		۵۲۷	
		۵۲۸	
		۵۲۹	
		۵۳۰	
		۵۳۱	
		۵۳۲	
		۵۳۳	

النحل

قیامت کا آقا یقینی ہے، انسان بڑا بھڑا اور

۵۱۸	ہے:
۵۱۹	ذکر دلائل توحید:
۵۲۱	تفصیل دلائل توحید
//	حاصل کلام
۵۲۳	جملہ معترضہ برائے بیان اثر و دلائل مذکورہ: ۵۲۳
۵۲۶	احوال نباتات سے استدلال: ۵۲۶
۵۲۸	تہدید بر اعراض از دلائل والحد: ۵۲۸
۵۳۰	قرآن حکیم کے ارشادات کو افسانے کہنا کفر کی
۵۳۳	علامت ہے: ۵۳۰ معاندین سابقین کے عذاب کا تذکرہ: ۵۳۳

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳۳	محبود صرف ایک ہی ہے ہر نعمت اسی کی طرف سے ہے اسی سے ڈرو: ۵۵۵	۵۳۳	شرکین کی جان کنی کا عالم:
۵۶۲	چوپایوں میں اور شہد کی مکھی میں تمہارے لیے عبرت ہے:	۵۳۵	اہل تقویٰ کا اچھا انجام، انہیں جنت کے باغوں میں وہ سب کچھ نصیب ہوگا جو ان کی خواہش ہوگی:
۵۶۲	معاش میں درجات کا اختلاف انسانوں کے لئے رحمت ہے:	۵۳۸	سترکین کے ایک مغالطے کی تردید:
۵۶۷	ارتقا و دولت کے خلاف قرآنی احکام:	۵۳۹	موجودہ کفار و شرکین اپنے پیشروں کے طریقے پر:
۵۶۹	بندوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان:	۵۳۹	پنجمبروں (علیہم السلام) کے ذمے پیغام رسانی ہے اور نہیں:
۵۷۰	اللہ پاک کیلئے مثالیں بیان کرنے کی ممانعت:	۵۳۹	کیا پاکستان و ہندوستان میں بھی اللہ کا کوئی رسول آیا ہے؟
۵۷۰	اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ:	۵۳۹	نی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں سے دنیا و آخرت کی خیر و خوبی کا وعدہ:
۵۷۱	دو مثالیں پیش فرما کر شرکین کی تردید فرمائی:	۵۴۴	کیا ہجرت دنیا میں بھی فراخی عیش کا سبب ہوتی ہے؟
۵۷۱	اللہ تعالیٰ ہی کو غیب کا علم ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے:	۵۴۵	حاصل کلام
۵۷۵	دلائل نفسی میں غور و فکر کی دعوت:	۵۴۶	انسان اور منصب رسالت پر اختلاف:
۵۷۵	کانوں اور آنکھوں کی نعمت کے بارے میں غور و فکر کا سامان:	۵۴۸	مکرمین حدیث کی تردید:
۵۷۵	نعمت دل کی عنایت اور اس کا تقاضا:	۵۴۹	اللہ عز و جل کا غضب:
۵۷۶	احسانات الہی کی ایک جھلک:	۵۵۰	ہر مخلوق فرشتے وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں:
۵۷۹	قیامت کے دن کے چند مناظر، کافروں اور مشرکوں کیلئے عذاب کی وعید:	۵۵۳	ہر چیز کا واحد مالک وہی ہے:

سوال

تین چیزوں کا حکم اور تین چیزوں کی ممانعت: ۵۸۵
 حیات طیبہ کیا چیز ہے؟ ۵۹۰
 منکرین نبوت کے چند شبہات اور ان کے جوابات ۵۹۵
 مسلسل کلام //

کافروں کا دوسرا اعتراض اور اس کا جواب: ۵۹۶
 ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جانے کی سزا، جس سے زبردستی کفر کہلوا یا جائے اس کا حکم: ۵۹۷
 ہجرت کر کے ثابت قدم رہنے والوں کا اجر و ثواب، قیامت کے دن کی پیشی کا ایک منظر: ۵۹۹
 ایک ایسی بستی کا تذکرہ جسے اللہ تعالیٰ نے خوب نعمتیں دیں پھر ناشکری کی وجہ سے ان کی نعمتیں چھین لی گئیں: ۶۰۲

محرمات مذکورہ میں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں: ۶۰۳

تحریمات الہیہ کا ذکر و بیان: ۶۰۴
 غیر اللہ کی طرف منسوب چیز کی حرمت کا ذکر و بیان: ۶۰۵

مضطر کیلئے اکل حرام کی مشروط اجازت: ۶۰۵
 ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف عالیہ اور ان کی ملت کے اتباع کا حکم: ۶۰۸

مسئلہ ۱۵
 ہفتہ کے دن کی تنظیم: یہودیوں پر لازم تھی: ۶۰۹
 داعی حق کو کوئی ایذا پہنچانے تو بدلہ لینا بھی جائز ہے مگر مہربانتر ہے: ۶۱۱
 آیات مذکورہ کا شان نزول اور رسول کریم ﷺ سے روایت: ۶۱۲
 دشمنان کی طرف سے تعمیل حکم:

پارہ: ۱۵
 الإِسْتِزَاءُ

واقعہ معراج کا مفصل تذکرہ: ۶۲۱
 براق پر سوار ہو کر بیت المقدس کا سفر کرنا اور وہاں حضرات انبیائے کرام کی امامت کرنا: ۶۲۱

الكهف

غار کی کیفیت، سورج کا کتر کر جانا، کتے کا ہاتھ بچھا کر بیٹھا رہنا: ۷۲۸
 اصحاب کھف کا بیدار ہو کر آپس میں اپنی مدت قیام کے بارے میں سوال و جواب کرنا اور اپنے ایک آدمی کو کھانا لانے کے لیے شہر بھیجنا:

مسئلہ مسنون

۷۷۴	دنیا کے فنا و زوال کی ایک مثال:	//	مسئلہ کم
	انسان اور شیطان گناہ کرنے کے لیے موزوں نہیں		اصوبہ کبف کی تعداد میں اختلاف اور اس کا
۷۸۱	ہے:	۷۵۱	جواب:
	اختتام پارہ ۱۵ پر آخری رکوع کی تفصیلی اضافت	۷۶۱	ان شاء اللہ کہنے کا حکم:
	(مختصراً) تاکہ بات واضح ہو جائے:	۷۶۲	اصوبہ کبف کتنا سونے؟
	اختتام جلد سوم	۷۶۲	حکم تلاوت قرآن و مدارات دوریشان:
		۷۶۹	بغی اسرائیل کے دو بجائیوں کی مثال:



سُورَةُ التَّوْبَةِ

آياتها ۱۲۹

۹ سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۳

رُكُوعَاتُهَا ۱۶

پوری سورہ توبہ مدنی ہے۔ یا بحسب نزول حسری آیتوں کے مدنی ہے۔ اس کی کل آیات ایک سو تیس ہیں
یا بحسب آراء آیتوں کے ایک آیت مدنی ہونے سے مستثنیٰ ہے

بمسلّم نہ لکھنے کا سبب:

وَلَمْ تُكْتَبْ فِيهَا الْبِسْمَلَةُ: اور اس سورہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھا گیا اس وجہ سے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کا یعنی بسم اللہ لکھنے کا حکم نہیں فرمایا جیسا کہ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اسی کے ہم معنی حضرت علی سے مروی ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور سورہ توبہ تلوار کے ذریعہ امان کو اٹھانے کے لئے ہے۔
فائدہ: یہ حضرت علی سے مروی ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورہ رفع امان کے لئے آئی ہے سو یہ علت نہیں بلکہ بطور نکتہ کے ایک حکمت ہے۔ (بیان القرآن حکیم الامت)

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَنَسٍ: اور حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ تم لوگ اس سورہ کا نام سورہ توبہ رکھتے ہو حالانکہ یہ سورہ عذاب ہے اور امام بخاری نے حضرت براء سے روایت نقل کی ہے کہ نزول کے اعتبار سے آخری سورہ یہی سورہ براء یعنی سورہ توبہ ہے۔ (بخاری جلد ثانی ص ۶۲۶ ص ۶۲۲)

فائدہ: قرآن مجید کی آخری سورہ اور یہی سورہ کے لئے نصر اہلباری آٹھویں جلد کتاب المغازی ص ۷۳۳ کا مطالعہ فرمائیں۔

سورۃ کا نام:

اس سورہ کے سورہ فاتحہ کی طرح بہت سے نام ہیں علامہ زنجشیری نے تفسیر کشاف میں اور امام فخر الدین نے تفسیر کشاف کے حوالے سے تقریباً بارہ نام ذکر فرمائے ہیں جن میں سے دو زیادہ مشہور ہیں:

- ① ایک البراءۃ کہ اس میں کفار سے امن برداری کا اعلان ہے۔
 - ② سورہ توبہ اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے۔ (مظہری)
- اور اس کے علاوہ ایک نام فاشحہ ہے کیونکہ منافقوں کو رسوا کرنے والی ہے وغیرہ مزید کے لئے تفسیر کبیر اور تفسیر مظہری دیکھئے۔

رابطہ و مناسبت:

گزشتہ سورت یعنی سورہ انفال میں اکثر غزوہ بدر اور کچھ غزوہ بنی قریظہ کا ذکر تھا اور اخیر سورہ میں کافروں سے عہد اور صلح کا

ذکر تھا اور کافروں سے مقابلہ و مقابلہ کے لئے سامان جنگ کی تیاری کا حکم تھا کافروں سے صلح محض جائز اور صلح کے درجہ سے ہے اصل حکم تو کافروں کے حق میں جہاد و قتال ہی ہے اور اگر جہاد نہ ہو تو کم از کم دشمنان اسلام سے براءت اور بیزارگی تو ہمہ جاہ واجب اور لازم ہے۔

اور اس سورت میں بھی چند غزوات اور چند واقعات اور چند اعلانات کا ذکر ہے۔
 آغاز سورت میں نقض عہد کرنے والوں سے براءت و بیزارگی کا اعلان ہے اور قبائل عرب کے معاہدین اور نقضین عہد کے متعلق کچھ احکام کا ذکر ہے اور ان سے جہاد و قتال کی ترغیب ہے اور پھر فتح مکہ اور غزوہ تبوک کے واقعات کا ذکر ہے اور غزوہ تبوک میں شرک نہ کرنے والوں پر عتاب و ملامت کا ذکر ہے۔

غرضیکہ دونوں سورتوں کا انفال کے آخر میں مؤمنین کے باہمی موالات اور اخوت کا ذکر تھا اور اس سورہ کے شروع میں دشمنان اسلام سے تبری اور بیزارگی کے فرمان اور اعلام کا ذکر ہے کہ یہ مشرکین بالکل نجس اور ناپاک ہیں ان کو اجازت نہیں کہ مسجد حرام کے قریب بھی آسکیں، مبارک اور شرک کی نجاست اور گند کی بو مسجد میں نہ آجائے۔

مطلب یہ ہوا کہ سورہ انفال کے اخیر میں مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی اور دوست بنے رہیں اور اس سورہ کے شروع میں یہ حکم ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار و مشرکین سے بالکل قطع سہا کر لیں اور ان سے برائی اور بیزاری ہو جائیں جب تک کفر و کفرین سے تبری بیزاری نہ ہوگی اس وقت تک ایمان کامل نہ ہوگا جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں اس کا بیان گزر چکا ہے غرض یہ کہ ان دونوں سورتوں کے مضامین ملتے جلتے ہیں اس لئے مناسبت ظاہر ہے گویا کہ سورہ توبہ انفال کا تہہ اور تکرار ہے۔

یہ سورت غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئی، آنحضرت ﷺ جب غزوہ تبوک کے لئے ۹ھ میں روانہ ہوئے تو منافقین قسم قسم کی جھوٹی خبریں اور افواہیں اڑانے لگے تاکہ مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی پھیلے اور مشرکین نے ان عہدوں اور بیانیوں کو توڑنا شروع کیا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کر رکھے تھے۔

مشرکین کا گمان و خیال یہ تھا کہ مسلمان قیصر شام کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اس لئے یہ سورہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ مشرکین سے براءت اور بیزارگی کا اعلان کر دیں اور ان کے عہدوں کو واپس کر دیں کما قال اللہ تعالیٰ: واما تخافن من قوم خيانة فاني اذنب اليهم على سواء (انفال)

تاکہ مسلمانوں کی طرف نقض عہد کی نسبت نہ ہو اور اس بار اس سورت کی شروع کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں۔

(معارف القرآن مولانا کاظمی بحوالہ تفسیر کبیر تفسیر مظہری)

سورہ براءت کی خصوصیت:

اس سورہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ قرآن مجید کی اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی جاتی ہے اس کے سوا تمام قرآنی سورتوں کے شروع میں بسم اللہ لکھی جاتی ہے۔

اس کی وجہ معلوم کرنے سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ قرآن مجید تیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے ایک ہی سورہ کی آیتیں مختلف اوقات میں نازل ہوئیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے تو ساتھ ہی بسم اللہ لے کر آتے تھے کہ یہ آیت نازل ہو رہی تھی اور جب ایک سورت ختم ہو کر دوسری سورت شروع ہوتی تھی تو سورت شروع ہونے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی تھی جس سے یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ نئی سورت ختم ہو گئی اب دوسری سورت شروع ہو رہی ہے قرآن مجید کی تمام سورتوں میں یہی سورتیں ہوا۔

سورہ توبہ قرآن مجید کی انیسویں سورت ہے اور نزول کے اعتبار سے بالکل آخری سورتوں میں سے ہے اس کے شروع میں عام دستور کے مطابق نہ بسم اللہ نازل ہوئی اور نہ سوال کریم پڑھنے کے بعد وحی کا تب وحی کی ہدایت فرمائی اسی حال میں رسول کریم ﷺ نے وحی دہرائی۔

جامع قرآن حضرت عثمان غنی نے اپنی خلافت کے عہد میں جب قرآن مجید و کتابی صورت میں ترتیب دیا تو سب سورتوں کے خلاف سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھی اس لئے یہ شبہ ہو گیا کہ شاید کوئی مستقل سورت نہ ہو بلکہ کسی دوسری سورت کا جز ہو اب اس کی کونسی سورت کا جز ہو تو وہ کونسی سورت ہو سکتی ہے؟

مضامین کے اعتبار سے سورہ انفال اس کے مناسبت معلوم ہوئی۔ اور حضرت عثمان نے ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ان دونوں سورتوں (انفال اور توبہ) کو دو بیٹھ لکھی گئی ہوئی کہا جاتا تھا۔ (معمری)

اس لئے سورہ انفال کے بعد اس کو رکھ دیا گیا۔ یہ احتیاط تو اس لیے لیا گیا کہ دوسری سورت کا جز ہو تو اس کے ساتھ رہنا چاہئے مگر احتمال یہ بھی تھا کہ چند مستقل سورت ہوں لہذا اس میں یہ سورت اختیار کی گئی کہ سورہ انفال کے ختم پر سورہ توبہ کے شروع سے پہلے پھر جگہ خالی چھوڑ دی گئی جیسے عام سورتوں میں بسم اللہ کی جگہ ہوتی ہے۔

سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کی یہ تحقیق خود جامع قرآن حضرت عثمان سے ابو داؤد نسائی مسند امام احمد اور ترمذی میں مفسر قرآن عبداللہ بن عباس کے ایک سوال کے جواب میں منقول ہے۔

اس سوال میں حضرت ابن عباس نے حضرت عثمان سے یہ بھی پوچھا تھا کہ قرآن مجید کی سورتوں کی جو ترتیب قائم کی گئی ہے کہ سب سے پہلے بڑی سورتیں رکھی گئی ہیں جن میں سورتوں سے لیا وہ ہیں جن کو اصطلاح میں مستثنیٰ کہا جاتا ہے اس کے بعد دو بڑی سورتیں رکھی گئی ہیں جن میں سورتیں کم آیات ہیں جن کو مثالی کہا جاتا ہے اس کے بعد چھوٹی سورتیں رکھی گئی ہیں جن کو مفصلات کہا جاتا ہے۔

اس ترتیب کا بھی تقاضہ یہ ہے کہ سورہ توبہ کو سورہ انفال سے پہلے رکھا جائے کیونکہ سورہ توبہ کی آیتیں سو سے زائد ہیں اس کے خلاف کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

حضرت عثمان نے فرمایا کہ یہ سب باتیں صحیح ہیں لیکن قرآن مجید کے معاملہ میں احتیاط کا مقتضی وہی ہے جو اختیار کیا گیا کیونکہ اگر سورہ توبہ مستقل سورت نہ ہو بلکہ سورہ انفال کا جز ہو تو یہ ظاہر ہے کہ سورہ انفال کی آیات پہلے نازل ہوئی ہیں اور توبہ کی اس کے بعد اس لئے ان و انفال کی آیات پر مقدم کرنا بغیر وحی کے جائز نہیں اور وحی میں کوئی ایسی ہدایت نہیں ملی اس لئے انفال کو مقدم اور توبہ کو مؤخر کیا گیا۔

اس تحقیق سے یہ معلوم ہو گیا کہ سورہ توہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا احتمال ہے کہ سورہ توہ علیہ
سورت نہ ہو بلکہ انزل کا جز ہو اس احتمال پر یہاں بسم اللہ لکھنا ایسا نا درست ہو گا جیسے کوئی شخص کسی سورت کے درمیان بسم اللہ
لکھ دے اس بنا پر حضرات فقہاء نے فرمایا کہ جو شخص اوپر سے سورہ انزل کی تلاوت کرنا آیا ہو اور سورہ توہ شروع کر رہا ہو وہ بسم
اللہ نہ پڑھے۔

لیکن جو شخص اس سورہ سے شروع کر رہا ہے یا درمیان سے اپنی تلاوت شروع کر رہا ہے اس کو چاہئے کہ بسم اللہ الرحمن
الرحیم پڑھ کر شروع کرے۔

بعض نادانف یہ سمجھتے ہیں کہ سورہ توہ کی تلاوت میں کسی حال میں بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں یہ غلط ہے۔ (مس الدین)

وَلَمْ تُكْتَبْ فِيهَا الْبِسْمَلَةُ لِأَنَّه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَأْمُرْ بِذَلِكَ كَمَا يُؤْخَذُ مِنْ حَدِيثِ زَوَاهِ الْحَاجِمِ
وَأُخْرِجَ فِي مَعْنَاهُ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ الْبِسْمَلَةَ أَمَانٌ وَهِيَ نَزَلَتْ لِرُفْعِ الْأَمْنِ بِالشَّيْفِ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ
سُوَيْدٍ أَنَّ سُورَةَ التَّوْبَةِ وَهِيَ سُورَةُ الْعَذَابِ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ عَنِ الْبِرَاءِ أَنَّهَا آخِرُ سُورَةٍ نَزَلَتْ هَذِهِ
بِرَاءَةَ مَنْ اللَّهُ وَرَسُولِهِ وَأَصْلُهُ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ عَاهِدًا مُطْلَقًا أَوْ ذُونَ أَرْبَعَةِ
أَشْهُرٍ أَوْ فَوْقَهَا وَنَقَضَ الْعَهْدَ بِمَا يُذَكَّرُ فِي قَوْلِهِ فَيَسِيحُوا سِيحُوا آمِنِينَ أَيُّهَا الْمُشْرِكُونَ فِي الْأَرْضِ
أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ أَزَلَّهَا سُؤَالَ بَدِيلِ مَا سَيَأْتِي وَلَا أَمَانَ لَكُمْ بَعْدَهَا وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ عِيدٌ مُعْجِزِي اللَّهِ
أَيُّ فَايِسِي عَذَابُهُ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكُفْرِينَ ۝ مَذَلُّهُمْ فِي الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْآخِرَى بِالنَّارِ وَأَذَانٌ إِغْلَامٍ
مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ يُذَكِّرُ أَنَّ أَيُّ بَانَ اللَّهُ بِرِيٍّ ۝ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ وَ
عَهْدِهِمْ وَرَسُولُهُ ۝ بَرَى الْأَضَا وَقَدْ بَعَثَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا مِنَ السَّنَةِ وَهِيَ سَنَةٌ تَسْعُ فَأَذَّنَ يَوْمَ
الشَّحْرِ بِمَنْ بِهِ الْأَيَاتُ وَأَنَّ لَا تَحْجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عَزْزَانًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فَإِنْ
تُبِّعْتُمْ مِنَ الْكُفْرِ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۝ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ عَنِ الْإِيمَانِ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ عِيدٌ مُعْجِزِي اللَّهِ ۝ وَ
يَسِّرُ أَخْبِرَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابِ الْيَوْمِ ۝ مَوْلِمٌ وَهُوَ الْقَتْلُ وَالْإِسْرُ فِي الدُّنْيَا وَالنَّارِ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا
الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا مِنْ شُرُوطِ الْعَهْدِ وَ لَمْ يَظَاهِرُوا
بِعَاوُنَا عَلَيْكُمْ أَحَدًا مِنَ الْكُفَّارِ فَأَتَوْا إِلَيْهِمْ عَاهِدُهُمْ إِلَى انْقِضَاءِ مَدَّتِهِمْ ۝ أَلَيْسَ عَاهِدْتُمْ عَلَيْهَا

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٢٠﴾ بِأَسْمَاءِ الْمَلَكُوتِ فَإِذَا اسْلَخَ خَزَجَ الْأَشْهُدُ الْحَوْمَةَ وَهِيَ اخْرَاجَةُ الشَّاهِدِينَ
فَأَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ فِي جَلِّ أَوْ خَزَمٍ وَخَدَّوهُمْ بِالْأَشْرِ وَأَحْصُرُوهُمْ فِي الْفَلَاحِ
وَالْحِطُونَ حَتَّى تَضْطَرُّوا إِلَى الْقَتْلِ أَرِ الْإِسْلَامَ وَأَقْعِدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ طَرَفِي بِسَلْكَؤُهُ وَنَعَسِ
كُلَّ عَلَى تَرْعِ الْعَانِيضِ فَإِنْ تَابُوا دَمِنَ الْكُفْرِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَجَلَوْا سَبِيلَهُمْ
وَلَا تَتَفَرَّسُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢١﴾ لِمَنْ تَابَ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ مَرَدُّوعٌ بِغَلْبِ نَفْسِهِ
اسْتَجَارَكَ إِسْتِثْنَانُكَ مِنَ الْقَتْلِ فَاجْعَلْهُ أَمِينًا حَتَّى يَسْمَعَ كَلِمَةَ اللَّهِ الْقُرْآنَ ثُمَّ أَرْبِغْهُ مَأْمِنَةً أَيْ
مَوْضِعَ آئِنِهِ وَهُوَ ذَا قَوْمِهِ إِنْ لَمْ يُؤْمِنْ لِيَنْظُرْ فِي أَمْرِهِ الْمُدْكُورِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ دِينُ اللَّهِ
فَلَا يَدْعُهُمْ مِنْ سَمَاعِ الْقُرْآنِ لِيَتَعَلَّمُوا

ترجمہ چھلہا: وَلَمْ تُكْتَبْ فِيهَا الْبِسْمَلَةُ الخ اس صورت کے آغاز میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے اسکا حکم نہیں فرمایا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور اسی کے ہم معنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا گیا ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورت تلوار (جہاد) کے ذریعے اس کے لئے نازل ہوئی ہے اور حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ تم اس سورت کو تو بہ کہتے ہو حالانکہ یہ سورت عذاب ہے اور امام بخاری نے حضرت براء بن عازب سے روایت کیا ہے کہ یہ آخری سورت ہے جو نازل ہوئی بِرَأْسِ الْوَالِدِ الْخَالِ بِرَأْسِ الْوَالِدِ الخ یہ دست برداری ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے (جو پہنچنے والی ہے) ان مشرکین کو جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا (عہد مطلق یعنی بلا تعین مدت، یا چار مہینے سے کم یا زیادہ کا اور ان مشرکوں نے عہد شکنی بھی کر دی ہو اس براءت و دست برداری کا ذکر اس قول میں ہے) سو تم لوگ چل پھرو (اے مشرک تم اس ملک میں امن و امان کے ساتھ چل پھرو) چار مہینے (جس کی ابتدا اشوال سے ہوگی اس دلیل سے جو عنقریب آ رہی ہے اور اس چار مہینے کے بعد تم لوگوں کے لئے کوئی امان نہیں ہے اور یاد رکھو تم بھی اللہ کو عاجز نہیں کر سکو گے (یعنی ان کے عذاب سے بچ کر نہیں نکل سکو گے) اور یہ کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کر کے رہیں گے (دنیا میں تو قتل کی زلت میں مبتلا کر کے اور آخرت میں جہنم کی آگ میں جھونک کر) اور اللہ اور رسول کی طرف سے حج کے بڑے دن (قربانی کے دن) کی تاریخوں میں منادی (اعلان) کیا جاتا ہے کہ اللہ بری الذمہ ہے اور اس کا رسول (بھی) مشرکین (اور ان کے عہد) سے (چنانچہ نبی کریم نے اسی سال حضرت علیؑ کو مامور فرمایا یعنی ۹ھ میں انہوں نے قربانی کے روز ان آیات کا اعلان فرمایا اور بتلایا کہ آئندہ سال کوئی مشرک حج کیلئے آسکے گا اور نہ کوئی ننگا ہو کر طواف کر سکے گا۔ جیسا کہ بخاری نے روایت کی ہے) پھر اگر تم تو بہ کر لو (کفر سے) تو تمہارے لیے اس میں بہتری ہے اور اگر نہ مانو گے (ایمان لانے کو) تو جان رکھو تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور خوشخبری سنا دیجئے (خبر دے دیجئے) ان کافروں کو دردناک عذاب کی (جو تکلیف دہ ہوگا۔ دنیا میں تو قتل و قید کی صورت میں اور آخرت میں آگ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْنَا الْقُرْاٰنَ الْعَرَبِیَّ الْعِلْمَ الَّذِیْ یُبَیِّنُ لَنَا کُلَّ شَیْءٍ عَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا ۗ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۰﴾ (تجوید: ۱- التوبة: ۹)

کی نظر میں ماہر اور مشرکین اس قسم سے مستحق ہیں۔ جن سے تم نے عہد لیا۔ پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کی نہیں کی۔
 اثر انہما کی رو سے اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی (کافر) کی مدد (اعانت) کی۔ سو چاہیے کہ ان کے معاہدہ کو مینہ کے نعم
 ہونے تک پورا کرو اور جو نعم نے مقرر کی تھی اور انھی اللہ تعالیٰ دوست رکھتے ہیں (عہد پورا کرنے میں) احتیاط برتنے والوں کو۔ پھر
 بہت مدت کے مینہ گزار (نعم اور اجاکیں)۔ (جو معاہدہ کی آخری مدت ہوگی) تو ان مشرکین کو مارو جہاں پاؤ (حرم ہو یا غیر حرم)
 اور گناہ کرو اور گھبر لو (قتلوں میں اور عاصرو کرو۔ یہاں تک کہ جنگ یا اسلام کیلئے مجبور ہو جائیں) اور داؤ گھات کی
 جگہوں میں ان کی تاک میں بیٹھ جاؤ (عام حال اور استوں میں اور لفظ کل منسوب ہے مگر حذف جار کے ساتھ) پھر اگر توبہ کر لیں
 (کفر سے) اور ناز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو (ان سے تعرض نہ کرو) واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت
 کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں (جو توبہ کرے) اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص (لفظ احد مرفوع ایسے فعل سے
 جس کی تعبیر آگے ہے) آپ سے پناہ چاہے (یعنی قتل ہونے سے امان طلب کرے) تو آپ اسے پناہ دیجئے تاکہ وہ کلام الہی
 (قرآن پاک) سن سکے۔ پھر اسے اس کے ٹکانے پہنچا دو (یعنی امن کی جگہ اور وہ جگہ وہ ہے جہاں اس کے قرابت دار ہوں۔
 تاکہ اگر ایمان نہ لایا ہو تو فوراً موقع مل سکے) یہ بات اس لئے ضروری ہے کہ یہ لوگ پوری طرح آگاہ نہیں (دین الہی سے) وہ جس
 ان کے آگاہ ہونے کیسے ان کا قرآن کی سماعت کرنا اہم ترین ٹھہرا۔

کلمات تفسیر یہ کی توضیح و تشریح

- قوله: عَنْ حُدَيْفَةَ: اس اثر رفع امان للكفار کی تائید کی گئی ہے۔
 قوله: هَذِهِ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یہ مبتداء محذوف ہے براہۃ اس کی خبر ہے۔
 قوله: وَاصِلَةٌ: اس سے اشارہ کر دیا من ابتداء یہ محذوف سے متعلق ہے اور وہ ملانے والا ہے۔ خورد صلہ نہیں ہے۔
 قوله: فَيَسْبِغُونَ: تقدیر یہ ہے کہ فقولوا لهم سبحوا۔ اگر یہ مقدر نہ لیا تو جملہ درست نہیں پڑتا۔
 قوله: بِدَلِيلٍ مَا سَيَأْتِي: یہ ما اشراف میں نازل ہوئی۔
 قوله: يَاۤ اِنَّ اللّٰهَ: ہا کر رابطہ کے لئے مقدر مانا گیا ہے۔
 قوله: عَمُوْدٍ هِمْ: مضاف محذوف ہے۔
 قوله: اَيْضًا: اس سے اشارہ کیا کہ مقدر کا مطلق بربری میں پائی جانے والی ضمیر ہے۔ آپ کے عمل نہیں۔ وہ ہا محذوف
 کے ماتحت داخل ہے۔
 قوله: يَاۤ اِنَّ فَلَئِنْ تَرَوْهُ: مگر جب اس سے معبود مشرک مراد لے جائیں تاکہ عہد نہ توڑنے والوں کا استشہاد ثابت ہو۔
 قوله: اِنْ قِضَاءً: مدت کی طرف مضاف محذوف ہے۔

قوله: وَهِيَ آخِرُ مُدَّةِ النَّاجِلِ: اس سے مراد عہد توڑنے والوں کو اعلان سے لے کر جو چار ماہ کی بہت ملی۔ اشہر حُرْمِ مَرَاتِبِهِ۔

قوله: مَرْفُوعٌ بِفِعْلِ يُقَسِّرُهُ: ابتداء کی وجہ سے نہیں کیونکہ اِنْ لَوْ اَخْلَعْل سے ہے نہ کہ اسم سے۔
قوله: دِينِ اللَّهِ: اس کا مفعول دین ہے مطلق نہیں۔

تفسیر مقبولین

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

سورۃ انفال اوائل ہجرت میں اور یہ سورۃ براءۃ اور ہجرت میں نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ کی عادت یہ تھی کہ جو آیات قرآنی نازل ہوتیں۔ فرمادیتے کہ ان کو فلاں سورت میں فلاں موقع پر رکھو۔ ان آیات کے متعلق (جنہیں اب سورۃ توبہ براءۃ کہا جاتا ہے) آپ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں درج کی جائیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستقل سورت ہے کسی دوسری سورت کا جز نہیں لیکن عام قاعدہ یہ تھا کہ جب نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جدا کرنے کے لیے بسم اللہ آتی تھی۔ سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ آئی۔ جو شہر ہے کہ یہ جداگانہ سورت نہیں۔ ان وجوہ پر نظر کر کے مصاحف عثمانیہ میں اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی لیکن کتابت میں اس کے اور انفال کے درمیان فصل کر دیا گیا کہ نہ پوری طرح اس کا استقلال ظاہر ہو اور نہ دوسری سورت کا جز ہوتا۔ باقی انفال کے بعد متصل رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ مضامین باہم اس قدر مرتبط و مستمسک واقع ہوئے ہیں کہ گویا براءۃ کو انفال کا تتمہ اور کلمہ کہا جاسکتا ہے۔ سورۃ انفال تمام تر غزوہ بدر اور اس کے تعلقات پر مشتمل ہے۔ یوم بدر کو قرآن نے یوم الفرقان کہا کیونکہ اس نے حق و باطل، اسلام و کفر اور موحدین و مشرکین کی پوزیشن کو بالکل جدا جدا کر کے دکھا دیا۔ بدر کا معرکہ فی الحقیقت خالص اسلام کی عالمگیر اور طاقتور برادری کی تعمیر کا سنگ بنیاد اور حکومت الہی کی جاسیس کا ریا پاجہ تھا۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَابْتَغَوْا آلِهَةً مِّن دُونِ اللَّهِ (الانفال: ۳۰) کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف انفال کے خاتمہ پر (تَفْعَلُوهُ كَأَن تَكُن فِئْتَةً فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كِبِيرٌ) (اینا) کہہ کر توجہ دلائی ہے اس کا صریح اقتضاء ہے کہ اس عالمگیر برادری کا کوئی طاقتور اور زبردست مرکز حسی طور پر دنیا میں قائم ہو، جو ظاہر ہے کہ جزیرۃ العرب کے سوا نہیں ہو سکتا جس کا صدر مقام مکہ معظمہ ہے انفال کے اخیر میں یہ بھی جٹا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں، اور اناسلام کے آزاد مسلمانوں پر ان کی ولایت و وفات کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ (مَا لَكُمْ مِّنْ وَلَا تَعْبُدُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ مِّمَّا خَشِيَ إِلَٰهَاجُؤُوا) (الانفال: ۷۲) ہاں حسب استطاعت ان کے لیے دینی مدد و بہم پہنچانی چاہیے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرکز اسلام میں مولانا و اخوت اسلامی کی کڑیوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کے لیے دو باتوں میں سے ایک ہونی چاہیے یا تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آجائیں اور اسلامی برادری میں بے دوک ٹوک شامل ہوں اور یا آزاد مسلمان مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کی سطح ایسی ہموار کریں کہ

کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت ہی باقی نہ رہے یعنی تقریباً سارا جزیرہ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور غیر مخلوط مستقر بن جائے جس کے دامن سے عالمگیر اسلامی برادری کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہو سکے۔ یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز روز کے فتنہ فساد کی بیخ کنی ہو سکتی تھی، اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے بالکل پاک و صاف اور آئے دن کی بدعہدیوں اور ستم رانیوں سے پورا مومن و مطمئن ہو کر تمام دنیا کو اپنی عالمگیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکتا تھا۔ اسی اعلیٰ اور پاک مقصد کے لیے مسلمانوں نے ۶ ہجری میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اٹھایا تھا۔ جو آخر کار ۶ ہجری میں مکہ معظمہ میں فتح عظیم پر منتہی ہوا جو فتنے اشاعت یا حفاظت اسلام کی راہ میں مزاحم ہوتے رہتے تھے فتح مکہ نے ان کی جڑوں پر تیشہ لگایا۔ لیکن ضرورت تھی کہ (وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً) (الانفال: ۳۹) کے ایشال میں اسلامی برادری کے مرکز اور حکومت الہیہ کے مستقر (جزیرہ العرب) کو فتنہ کے جرائم سے بالکل صاف کر دیا جائے، تاکہ وہاں سے تمام دنیا کو اسلامی دیانت اور حقیقی تہذیب کی دعوت دیتے وقت تقریباً سارا جزیرہ العرب یک جان و یک زبان ہو اور کوئی اندرونی کمزوری یا خلفشار بیرونی مزاحمتوں کے ساتھ مل کر اس مقدس مشن کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ پس جزیرہ العرب کو ہر قسم کی کمزوریوں اور فتنوں سے پاک کرنے اور عالمگیر دعوت اسلامی کے بلند ترین مقام پر کھڑا کرنے کے لیے لازم ہوا کہ دعوت اسلام کا مرکز خالص اسلامیت کے رنگ میں رنگین ہو۔ اس کے قلب و جگر سے صدائے حق کے سوا کوئی دوسری آواز نکل کر دنیا کے کانوں میں نہ پہنچے۔ پورا جزیرہ سارے جہان کا معلم اور ہادی بنے اور ایمان و کفر کی کشمکش کا ہمیشہ کے لیے یہاں سے خاتمہ ہو جائے۔ سورۃ براءۃ کے مضامین کا یہی حاصل ہے۔ چنانچہ چند روز میں خدا کی رحمت اور سچائی کی طاقت سے مرکز اسلام ہر طرح کے دسائس کفر و شرک سے پاک ہو گیا اور سارا عرب متحد ہو کر شخص واحد کی طرح تمام عالم میں نور ہدایت اور عالمگیر اسلامی اخوت پھیلانے کا کفیل و ضامن بنا۔ فلله الحمد علی ذلک۔ الغرض سورۃ انفال میں جس چیز کی ابتداء تھی سورۃ توبہ (براءۃ) میں اس کی انتہاء ہے۔ اسی لیے اول باختر نسبتے وارد کے موافق براءۃ کو انفال کے ساتھ بطور تکملہ ملحق کر دیا گیا۔ اور بھی مناسبات ہیں جن کو علماء نے تفاسیر میں بیان کیا ہے۔

رابطہ اور مناسبت:

1۔ اس سورت کا گزشتہ سورت سے ربط یہ ہے کہ گزشتہ سورت یعنی سورۃ انفال میں اکثر غزوہ بدر اور کچھ غزوہ بنی قریظہ کا ذکر تھا اور اخیر سورۃ میں کافروں سے عہد اور صلح کا ذکر تھا اور کافروں کے مقابلہ اور مقابلہ کے لیے سامان جنگ کی تیاری کا حکم تھا کافروں سے صلح محض جائز اور مباح کے درجہ میں ہے اصل حکم ان کے حق میں جہاد و قتال ہے اور اگر جہاد نہ ہو تو کم از کم دشمنان اسلام سے براءت اور بیزاری تو بہر حال واجب اور لازم ہے اس لیے اس سورت میں بھی چند غزوات اور چند واقعات اور چند اعلانات کا ذکر ہے۔ آغاز سورت میں نقض عہد کر نیوالوں سے براءت اور بیزاری کا اعلان ہے اور قبائل عرب کے معاہدین اور ناقضین عہد کے متعلق کچھ احکام کا ذکر ہے اور ان سے جہاد و قتال کی ترغیب ہے اور پھر فتح مکہ اور غزوہ تبوک کے واقعات کا ذکر ہے اور اس غزوہ میں شرکت نہ کرنے والوں پر عتاب اور ملامت ہے۔

غرض یہ کہ دونوں سورتوں میں جہاد و قتال کا ذکر ہے اس لیے دونوں سورتوں میں مناسبت ظاہر ہے۔

2۔ نیز سورۃ انفال کے اخیر میں مؤمنین کے باہمی موالات اور اخوت کا ذکر تھا۔ اور اس سورۃ کے شروع میں دشمنان اسلام سے تبری اور بیزاری کے فرمان اور اعلان کا ذکر ہے کہ یہ مشرکین بالکل نجس اور ناپاک ہیں ان کو اجازت نہیں کہ مسجد حرام کے قریب بھی آسکیں مبارک کفر اور شرک کی نجاست اور گندگی کی بومسجد میں آجائے مطلب یہ ہوا کہ سورۃ انفال کے اخیر میں مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی اور دوست بنے رہیں اور اس سورۃ کے شروع میں یہ حکم ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار اور مشرکین سے بالکل یہ مرقطع کر لیں اور ان سے بری اور بیزار ہو جائیں۔ جب تک کفر اور کافرین سے تبری اور بیزاری نہ ہوگی اس وقت تک ایمان کامل نہ ہوگا جیسا کہ سورۃ بقرہ کے شروع میں اس کا بیان گزر چکا ہے غرض یہ کہ دونوں سورتوں کے مضامین ملتے جلتے ہیں اس لیے مناسبت ظاہر ہے گویا کہ سورۃ توبہ سورۃ انفال کا تتمہ اور کلمہ ہے۔

ترک تسمیہ درابتداء سورۃ براءت:

اس سورت کے ابتداء میں بس اللہ نہ لکھے جانے کی علماء نے چند وجوہ بیان کی ہیں:

1۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ سورۃ انفال مدینہ میں ابتداء ہجرت میں نازل ہوئی اور سورۃ توبہ اواخر ہجرت میں نازل ہوئی اور آں حضرت ﷺ پر ایک ہی زمانہ میں کئی کئی سورتوں اور آیتوں کا نزول ہوتا رہتا تھا آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو کاتب وحی کو بلا کر یہ فرمادیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھ دو اور ان آیات (جن کو سورۃ توبہ یا سورۃ براءت کہا جاتا ہے) کے متعلق آپ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں ان کو درج کیا جائے اسی میں آں حضرت ﷺ کا وصال ہو گیا اور آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ یہ سورت مستقل سورت ہے یا سورۃ انفال کا جزء ہے اور سورۃ توبہ کا مضمون سورۃ انفال سے ملتا جلتا تھا اس لیے میں نے یہ گمان کیا کہ سورۃ توبہ گزشتہ سورت یعنی سورۃ انفال کا جزء ہے اس بناء پر ہم نے (یعنی صحابہ نے) اس سورۃ کو سورۃ انفال کے ساتھ متصل رکھ دیا اور بیچ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی اور توبہ اور انفال دونوں کو سبع طواں میں رکھ دیا۔

(اخرج ابن ابی شیبہ و احمد و ابو داؤد و الترمذی و حسنہ و الحاكم و صحیحہ۔ تفسیر درمنثور ص: ۲۰۶، ج ۳)

واخرج النحاس في ناسخه عن عثمان رضي الله عنه قال كانت الانفال وبراءة يدعيان في زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم القرينتين فلذلك جعلتهما في السبع الطوال

امام نحاس نے اپنی کتاب ناسخ و المنسوخ میں روایت کیا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورۃ انفال اور سورۃ توبہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قرینتین (یعنی دو ساتھیں) کہلاتی تھیں۔ اس لیے میں نے دونوں سورتوں کو ملا کر سبع طوال میں رکھ دیا۔

شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورۃ براءت کے متعلق حضرت نے بیان نہیں فرمایا کہ جدا سورت ہے یا اور سورت میں کتنی آیتیں ہیں۔ سورۃ کا نشان تھا بسم اللہ نازل نہ ہوئی اس واسطے اس پر بسم اللہ نہیں اور کسی سورت میں داخل بھی نہیں۔ (موضح القرآن)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ مجھے یہ تحقیق نہیں ہوئی کہ سورۃ توبہ انفال کا ایک حصہ ہے یا مستقل سورت ہے اور دونوں سورتوں کا مضمون ملتا جلتا تھا۔ کیونکہ دونوں سورتیں دربارہ قتال نازل ہوئیں اور آنحضرت ﷺ اس کی

کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ اس کو کس سورت میں درج کیا جائے تاکہ حقیقت حال واضح ہو جاتی اس لیے میں نے سورۃ توبہ کو سورۃ انفال کے بعد رکھا۔ اور بیچ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی اور چونکہ اس سورت کا مضمون مستقل تھا۔ اس لیے اس کو انفال میں شامل بھی نہیں کیا کہیں درمیان میں فاصلہ چھوڑ دیا تاکہ نہ پوری طرح استقلال ظاہر ہو اور نہ دوسری سورت کا جزء ہونا ظاہر ہو یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بارہ میں اختلاف تھا کہ آیا یہ دونوں علیحدہ علیحدہ دوسورتیں ہیں یا ایک ہی سورت ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں مل کر ایک سورت ہے۔ اور دونوں کے مجموعہ کی دو سو پانچ آیتیں ہیں اور اس طرح یہ دونوں مل کر سبع طوال میں سورۃ ہفتم شمار ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دوسورتیں ہیں اور ان دونوں سورتوں کے درمیان فاصلہ رکھنے اور بسم اللہ نہ لکھنے سے ان دونوں باتوں کی طرف اشارہ ہو گیا فاصلہ تو ان لوگوں کی رعایت سے چھوڑا گیا جو انفال اور توبہ کو دوسورتیں کہتے ہیں اور بسم اللہ ان لوگوں کی رعایت سے نہیں لکھی گئی جو یہ کہتے ہیں کہ دونوں مل کر ایک سورت ہیں۔ (دیکھو فتح الباری ص: ۲۳۵، ۸۷)

2- مستدرحاکم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے براءت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی تو فرمایا کہ بسم اللہ امان کے لیے ہے اور اس سورت میں کافروں پر نکواری چلانے کا حکم ہے اس لیے بسم اللہ نہیں لکھی گئی تاکہ قہر الہی اور غضب خداوندی کے آثار ظاہر ہوں (درمنثور)

مگر یہ وجہ دراصل ترک بسم اللہ کی علت نہیں پہلی تک بسم اللہ کا ایک نکتہ ہے اور اس کی ایک حکمت ہے اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قرآن مصحف عثمانی کے مطابق تھا۔

3- امام قشیری فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ بسم اللہ اس سورۃ کے شروع میں اس لیے نہیں لکھی گئی کہ جبریل امین اس سورت کے شروع میں بسم اللہ لے کر نازل نہیں ہوئے عام قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو اس کو پہلی سورت سے فصل کرنے یعنی جدا کرنے کے لیے اس کے ساتھ بسم اللہ نازل ہوتی مگر سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نازل نہ ہوئی اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی طرف سے اس سورت کے شروع میں بسم اللہ کی زیادت نہ کی۔

* اوقیل لانہم لما جمعوا القرآن شکوا اهلہی والانفال واحدة او اثنان ففصلوا بیہما بطر لا کتابہ فیہ ول یکتبوا فیہ البسملة روى ذالک ابن عباس رضی اللہ عنہما عن عثمان وهو المعتمد اخرہ اجحمد والحاکم و بعض اصحاب السنن۔ فتح اباری ص 235 ج 8 سورۃ براءت۔

2- قشیری گفتہ است کہ صحیح آنت کہ جبریل علیہ السلام تمیہ نیارودہ پس ہجرتاں نوشندہ و زیادتی بخردند تمیر القاری شرح صحیح البخاری للشیخ نورالحق دہلوی رحمہ اللہ۔

اور یہی قول راجح اور مختار ہے کہ سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ اس لیے نہیں لکھی گئی کہ اور سورتوں کی طرح اس کے ساتھ بسم اللہ نازل نہیں ہوئی جب کوئی سورت نازل ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس کے شروع میں بسم اللہ لکھنے کا حکم دیتے مگر اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام آیات اور سورتوں کی ترتیب تو یہی ہے آں حضرت ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ فلاں سورت، فلاں سورت کے بعد ہے اس لیے یہ مستبعد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو یہ نہ بتلایا ہو کہ سورۃ توبہ۔ سورۃ انفال کے بعد ہے اس لیے کہ قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب سب متوجہ اللہ اور متجانب الرسول ہے جس میں کسی

رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں اور صحیح یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ نے وحی خداوندی کی بناء پر سورۃ توبہ کا سورۃ انفال کے بعد لکھنے کا حکم دیا اور سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کا نہ لکھوانا یہ بھی وحی خداوندی تھا اور صحابہ کرام نے اسی کا اتباع کیا۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص: ۵۸۱، ۵۸۲)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس ترتیب سے قرآن کریم کو نبی کریم ﷺ لیا تھا اسی ترتیب کے ساتھ بلا کم و کاست امت تک پہنچا دیا اور ذرہ برابر اس میں کوئی نئے اور تبدل نہیں کیا۔ (اتقان)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت پہلے گزر چکی ہے کہ ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی الی آخرہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں کی باہمی ترتیب تو قیسی نہیں بلکہ اجتہادی ہے۔ جو صحابہ کرام کے اجتہاد سے وقوع میں آئی۔

جواب: آیات قرآن کی ترتیب بالجماع تو قیسی ہے اس میں ذرہ برابر بھی کسی کا اختلاف نہیں البتہ ترتیب سور میں بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب اجتہادی ہے اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ صرف سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کی ترتیب اجتہادی ہے اور باقی تمام سورتوں کی ترتیب تو قیسی ہے۔ شیخ جمال الدین سیوطی کامیلان اسی قول کی طرف معلوم ہوتا ہے مگر جمہور علماء امت اس طرف گئے ہیں کہ جس طرح آیات کی ترتیب تو قیسی ہے اس طرح سورتوں کی ترتیب بھی تو قیسی ہے آیتوں کی طرح سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک ہی میں قائم ہو گئی تھی اور اسی ترتیب کے ساتھ ہر سال نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک میں جبریل امین کے ساتھ پورے قرآن کا ورد کیا کرتے تھے، اس میں ترتیب ہوتی تھی اور جس سال آپ ﷺ کا وصال ہوا اس سال دوبارہ دور کیا اور اسی ترتیب کے ساتھ صحابہ نے قرآن کریم کو حفظ کیا اور اسی ترتیب کے مطابق قرآن کو نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ صحابہ کرام نے جس طرح آں حضرت ﷺ سے سنا تھا، اسی طرح قرآن کو یاد رکھا اور جس ترتیب سے آں حضرت ﷺ سے حاصل کیا تھا اسی ترتیب کے ساتھ امت کو پہنچا دیا۔ نہ ذرہ برابر اس میں کوئی تقدیم و تاخیر کی اور نہ اپنی طرف سے کوئی ترتیب قائم کی۔

*1۔ قال القاضي يبعد ان يقال انه عليه السلام لم يبين كون هذه للسورة تالية سورة الانفال لان القرآن مرتب من قبل الله تعالى ومن قبل رسوله ﷺ على الوجه الذي نقل ولوجوزنا في بعض السور ان لا يكون ترتيبها من الله على سبيل الوحي لجوزنا مثله في سائر السور وفي آيات السورة الواحدة وتجويزه بطرق ما يقوله الامامية من تجويز الزيادة والنقصان في القرآن وذلك يخرج من كونه حجة بل الصحيح انه عليه السلام امر بوضع هذه السورة بعد سورة الانفال وحيا وانه عليه السلام حذف بسم الله الرحمن الرحيم من اول هذه السورة وحيا۔ (تفسیر کبیر ص: ۵۸۱، ۵۸۲)

امام ابو بکر انباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی سورت یا آیت نازل ہوتی تو جبریل امین آنحضرت ﷺ کو اس سورت و آیت کے محل اور موقع سے واقف کر دیتے۔ پس سورتوں کا باہمی اتصال ایسا ہی ہے جیسا کہ آیات اور حروف کا اور سب آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہے جس کو آپ نے اللہ رب العزت سے نقل کیا ہے پس جس نے کسی سورت کو مقدم یا

مؤخر کیا تو اس نے نظم قرآنی کو فاسد اور مخل کیا۔ (تفسیر قرطبی ص: ۱۶۰ ج ۱۲)

اور حضرت عثمان نے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سوال کا جواب دیا اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب تو قیفی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جس سورت کو جس جگہ لکھنے کا حکم دیا اسی جگہ لکھ دی گئی اور اسی طرح سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کی ترتیب بھی تو قیفی ہے جو صحابہ کے اتفاق سے لکھی گئی اور کسی ایک صحابی نے بھی سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کی ترتیب میں اختلاف نہیں کیا۔ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہلے گزر چکی ہے کہ یہ دونوں سورتیں (سورۃ انفال اور سورۃ توبہ) آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں قریشین کے نام سے پکاری جاتی تھیں جو اس امر کی صاف دلیل ہے کہ ان دونوں سورتوں کا اقرار اور اتصال عہد نبوت میں معروف و مشہور اور زبان زد خلایق تھا۔ مگر چونکہ عام قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جدا کرنے کے لیے بسم اللہ نازل ہوتی۔ بسم اللہ کا نازل ہونا یہ سورت کا نشان تھا۔ پس جب کہ سورۃ براءت کے شروع میں بسم اللہ نازل نہ ہوئی تو عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ تردد ہوا کہ یہ مستقل سورت ہے یا پہلی سورت کا جزء اور اس کا تتمہ ہے سو حضرت عثمان کا یہ تردد اور یہ گمان مسئلہ ترتیب سے متعلق نہیں تھا بلکہ مسئلہ جزئیت سے متعلق ہے کہ سورۃ توبہ گزشتہ سورت کا جزء ہے یا نہیں باقی سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کی باہمی ترتیب میں ذرہ برابر کوئی شبہ نہ تھا لہذا سورۃ توبہ کو سورۃ انفال کے بعد رکھنا تو قیفی بھی تھا اور وفاتی اور اجماعی بھی تھا جو تمام صحابہ کے اجماع اور اتفاق سے بلا کسی خلاف کے عمل میں آیا۔ اور علی ہذا درمیان میں بسم اللہ نہ رکھنا یہ بھی امر تو قیفی تھا اور وفاتی اور اجماعی بھی تھا جس کی اصل علت یہ تھی کہ جبریل امین اس سورت کے شروع میں بسم اللہ لے کر نازل نہیں ہوئے اس لیے صحابہ کرام نے اس سورت کو بلا بسم اللہ کے لکھا اور اپنی طرف سے کوئی زیادتی نہیں کی یہ ناممکن ہے کہ نبی اکرم ﷺ تمام سورتوں کی ترتیب تو بتلا دیں مگر سورۃ انفال اور توبہ کی ترتیب نہ بتلا میں سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر رمضان میں جبریل امین کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے۔ جس میں سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کا دور بھی شامل ہے اور دور کے لیے ترتیب لازم ہے معلوم ہوا کہ ان دو سورتوں کی ترتیب بھی تو قیفی ہے اور درمیان میں بسم اللہ کا نہ لکھنا یہ بھی تو قیفی ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عباس کے جواب میں جو کچھ فرمایا وہ درحقیقت ان دو سورتوں کے باہمی اتصال اور درمیان میں فصل چھوڑ دینے کی ایک حکمت اور نکتہ کا بیان ہے اصل علت تو قیف نبوی ہے۔ اور ابن عباس نے حضرت عثمان سے جو سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کے متعلق سوال کیا سو وہ قرآن کریم کے جمع و ترتیب کے ایک عرصہ بعد کیا اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اطمینان کے لیے ان دونوں سورتوں کے اقرار اور اتصال کی ایک حکمت بیان کر دی۔ عہد رسالت میں ان دو سورتوں کا قریشین کے نام سے مشہور ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ان دو سورتوں کا باہمی اتصال اور اقرار ان سب حضور پر نور کے حکم سے تھا اور تمام صحابہ میں معروف اور مشہور تھا اسی لیے ترتیب قرآن کے وقت صحابہ کرام کو نہ کوئی تردد پیش آیا اور نہ ان میں کوئی اختلاف ہوا۔

ثناؤں نزل: یہ سورت غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ جب غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو منافقین قسم قسم کی جھوٹی خبریں اور افواہیں اڑانے لگے تاکہ مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی پھیلے اور مشرکین نے ان عہدوں اور پیانوں کو توڑنا شروع کیا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کر رکھے تھے۔ مشرکین کا گمان اور خیال یہ تھا کہ مسلمان قیصر شام کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اس لیے یہ سورت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ مشرکین سے براءت اور بیزارگی کا

اعلان کر دیں اور ان کے عہدوں کو واپس کر دیں، کما قال تعالیٰ: واما تخلفن من قوم خیانة فانذنا الیہم علی سواہ تاکہ مسلمانوں کی طرف نقض عہد کی نسبت نہ ہو اور اس بارہ میں اس سورت کی شروع کی چالیس آیتیں نافذ ہوں گی۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص 47، 583 تفسیر ابی حیان ص 57 و تفسیر مظہری ص 133 ج 4)

اور حکم ہوا کہ جن (1) لوگوں کا آں حضرت ﷺ سے کوئی عہد موقت اور میعاد کی ہو اور وہ اپنے عہد پر قائم ہوں تو ان کے عہد کی مدت پوری کر دی جائے خواہ وہ کتنی ہی مدت ہو جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی عہد پر قائم رہو کما قال تعالیٰ: فَأْتُوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مَدَنِهِمْ ۗ اٰوَر (2) جن لوگوں نے نقض عہد کیا ان سے براءت اور بیزارگی کا اعلان کر دیا جائے اور چار مہینے کی ان کو مہلت دے دی جائے کہ اس مدت میں جہاں چاہیں پھریں کوئی روک ٹوک نہیں۔ اگر اس مدت کے اندر اندر اسلامی برادری میں داخل ہو جائیں تو بہتر ہے ورنہ اس مدت کے گزر جانے کے بعد جہاں پائے جائیں گے قتل کیے جائیں گے۔ اب راستے دو ہی ہیں یا تو اسلام لے آئیں یا قتل پر تیار ہو جائیں اور خوب سمجھ لیں کہ تمہاری جنگی تیاری اور تدبیر تم کو خدا کی گرفت سے بچا نہیں سکتی۔

اور (3) جن لوگوں سے آپ کا کوئی عہد ہی نہ تھا یا عہد مطلق تھا جس کی کوئی مدت مقرر نہ تھی ان کو بھی یہ اطلاع دے دی گئی کہ اب ہم آئندہ تم سے کوئی معاہدہ کرنا اور رکھنا نہیں چاہتے۔ کفر سے صلح اور عہد کا وقت ختم ہوا سب کی بد عہدی کا تجربہ ہو گیا۔ اس لیے ازرہ ترحم و کرم تم کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے اگر اسلام قبول کر لو تو تمہاری سعادت ہے ورنہ یا تو مرکز اسلام کو اپنے ناپاک دجود سے خالی کر دو ورنہ جہاں پائے جاؤ گے پکڑے جاؤ گے اور کوئی تدبیر تم کو خدا کی مشیت سے نہیں روک سکتی۔ من جانب اللہ ان سب کو چار مہینے کی مہلت دے دی گئی کہ اپنے انجام کو سوچ لیں اور ان کو اختیار دے دیا گیا کہ چاہیں اسلام قبول کر لیں یا مقابلہ اور مقابلہ کے لیے تیار ہوں اور اس وسیع مدت میں اپنی نجات کا جو چاہیں بندوبست کر لیں۔ یہ چار مہینے کی مہلت کافی مہلت ہے اور انتہائی شفقت ہے کہ کل کو یہ نہ کہیں کہ ہم کو اچانک پکڑ لیا گیا اور مسلمانوں پر غدر اور عہد شکنی کی تہمت نہ لگائیں۔ نہیں نہیں۔ بلکہ پوری مہلت کے بعد تم کو پکڑا گیا اور دشمن کو چار مہینے کی کھلی چھٹی دے دینا یہ اسلام کی انتہائی مرحمت سعادت اور مروت ہے دنیا کی کوئی مستدن اور رحم دل حکومت اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ سورۃ براءت کی ان آیات میں اس بد عہدی کی طرف اشارہ ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد ظہور میں آئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال آں حضرت ﷺ اور قریش مکہ کے درمیان مقام حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا تو بنی خزاعہ مسلمانوں کے حلیف ہو گئے اور بنو بکر قریش کے حلیف ہو گئے اور ان دونوں قبیلوں میں مدت سے عداوت چلی آ رہی تھی۔ اس لیے کچھ عرصہ بنو بکر نے خلاف معاہدہ بنو خزاعہ پر شیخون مارا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ان کی مدد کی اس طرح عہد شکنی کی ابتداء ان لوگوں کی طرف سے ہوئی خزاعہ نے اس ظالمانہ عہد شکنی کی آں حضرت ﷺ کو اطلاع کر دی کچھ عرصہ بعد آں حضرت ﷺ نے اس کے جواب میں بلا اطلاع قریش بن 8ھ میں مکہ پر حملہ کر دیا اور نہایت آسانی کے ساتھ اس کو فتح کر لیا اس وقت قریش کے بہت سے قبائل تھے جو ہنوز اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے تو بعض تو وہ تھے جن سے آپ کا کوئی معاہدہ ہی نہ تھا اور بعض سے مطبق عہد تھا جس کی کوئی مدت مقرر نہ تھی اور بعض سے عہد موقت تھا جس کی مدت مقرر تھی پھر ان میں سے بعض نے عہد شکنی کی اور بعض اپنے عہد پر قائم رہے۔ سو اس سورت کے شروع میں ان جماعتوں کے احکام کا بیان ہے فتح مکہ کے بعد جنہیں اور طائف فتح ہوئے پھر بن 9

۹ میں غزوة تبوک پیش آیا جب آپ تبوک سے واپس آئے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں اور زمانہ حج کا تھا اور آپ کو یہ معلوم ہوا کہ مشرکین اپنی عادت کے مطابق برہنہ طواف کریں گے اس لیے آپ نے حضرت ﷺ خود تشریف نہیں لے گئے اور ابو بکر صدیق کو حاجیوں کا سالار بنا کر بھیج دیا تھوڑی دیر گئی ہوں گے کہ آپ نے حضرت علی کو بلا کر فرمایا کہ تم یہ آیت براءت لے کر جاؤ اور موسم حج میں ان کا اعلان کرو چنانچہ وہ روانہ ہوئے راستہ میں حضرت صدیق سے جا ملے صدیق اکبر نے پوچھا کہ امیر بن کر آئے ہو یا مامور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مامور ہو کر آیا ہوں۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھیجنے میں مصیبت یہ تھی کہ عرب کا دستور تھا کہ نقض عہد کا پیغام کوئی عزیز و قریب ہی پہنچایا کرتا تھا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خاندانی عزیز و قریب نہ تھے اس لیے آپ نے اتمام حجت کی غرض سے حضرت علی کو روانہ کیا حج کا خطبہ اور نماز صدیق اکبر ہی نے پڑھائی صرف سورۃ براءت کی تیس یا چالیس آیتیں یعنی شروع سورت سے لے کر ولو کرہ المشرکون تک موسم حج میں عید الاضحیٰ کے دن یعنی دسویں تاریخ ذی الحجہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر کافروں کو سنا دیں اور ان آیات کے ساتھ یہ بھی اعلان کر دیں کہ سال آئندہ کوئی مشرک حج نہ کرنے پائے گا اور نہ کوئی برہنہ طواف کرنے پائے گا یہ اعلان زیادہ تر دسویں تاریخ ذی الحجہ کو منیٰ میں ہوا اور اس وقت تمام قبائل عرب وہاں موجود تھے وہ سب سن لیں کہ اب کفار و مشرکین سے کوئی صلح اور عہد نہیں رہا۔ سابق میں جو عہد و پیمانے تھے وہ سب ختم ہوئے اب تمام کافروں کو صرف چار مہینہ کی مہلت لے چار ماہ گزارنے کے بعد وہی راہیں ہیں یا اسلام لے آئیں یا قتل کے لیے تیار ہو جائیں یا جزیرۃ العرب سے باہر نکل جائیں تاکہ اسلام کا قلب اور مرکز کفر اور شرک سے پاک ہو جائے غرض یہ کہ اس اعلان براءت سے مقصود یہ تھا کہ جزیرۃ العرب کفر اور شرک کی نجاست سے پاک ہو جائے۔ اور مرکز اسلام میں کفر و شرک کی نجاست باقی نہ رہے۔

ایک ضروری تفسیر یہ: اس سورت میں چند غزوات اور چند واقعات کا ذکر ہے جو وہ بھی حکم میں غزوات کے ہیں۔ سب سے پہلے اعلان براءت کا ذکر ہے یہ آیتیں غزوة تبوک کے بعد شوال سن ۹ھ میں نازل ہوئی بعد ازاں کچھ آیتیں صلح حدیبیہ کے معاہدہ سے متعلق معلوم ہوتی ہیں ان میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ جیسے: الا تقاتلون قوما نكثوا ايمانهم وهم باخراج الرسول وهم بدموكم اول مرة۔ اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں کافروں کی اس عہد شکنی کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد کی تھی اس صورت میں ان آیات کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوگا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں دیگر قبائل عرب اور یہودی عہد شکنیوں کی طرف اشارہ ہے جو غزوة احزاب میں ان کی طرف سے ظہور میں آئیں اور جنہوں نے آپ حضرت ﷺ کو مدینہ منورہ سے نکالنے کا ارادہ کیا اس لیے آپ حضرت ﷺ کا سوائے قبیلہ قریش کے دوسرے قبائل عرب سے بھی معاہدہ تھا جن میں بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے اور بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا سو اس سورت کی یہ آیتیں علاوہ قبیلہ قریش کے دیگر قبائل عرب سے متعلق ہیں اس صورت میں ان آیات کا نزول فتح مکہ کے بعد ہوگا اور اگر ظاہر نظم اور تہا در لفظی کے اعتبار سے یہ کہا جائے کہ ان آیات میں واراندہ علی کے واقعات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ اس سے مقصود ان کی جنایات قدیمہ اور عداوت پارینہ کی تذکیر اور یاد دہانی ہو تو اس اعتبار سے اگر ان آیات کا نزول فتح مکہ کے بعد بھی مانا جائے تب بھی درست ہے اس لیے

اس سے متصور محض تذکیر اور یاد دہانی ہے تاکہ ان کی عداوت پارینہ کا استحضار ہو جائے اور مسلمان متنبہ ہو جائیں کہ ان کی اس عداوت کو ملحوظ رکھ کر ان کے ساتھ معاملہ کریں۔

بعد ازاں آیات متعلقہ بہ غزوہ حنین ہیں ان کا نزول فتح مکہ کے بعد ہوا پھر جو آیتیں غزوہ تبوک کی ترفیب کے بارے میں ہیں وہ غزوہ تبوک سے پہلے نازل ہوئیں اور جو آیتیں غزوہ تبوک سے مختلف کی ملامت اور عقاب میں ہیں ان کا نزول غزوہ تبوک کے بعد ہوا اور بعض آیات اثناء غزوہ تبوک نازل ہوئیں اور بعض روایات سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ توبہ پوری بعد تبوک نازل ہوئی سو اس سے مراد یہ ہے کہ اس سورت کا اکثر حصہ غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوا کیونکہ اس سورت کا بہت سا حصہ ان منافقین کے پردہ دردی کے بارہ میں ہے جنہوں نے غزوہ تبوک سے غیر حاضر بنی کے متعلق جھوٹے عذر تراشے تھے۔ نیز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ سورت ابتداء میں بہت بڑی تھی جس میں منافقین کے احوال نفاق کا تفصیل سے بیان تھا مگر اب بقدر ربح رہ گئی اور باقی منسوخ الطلاوت ہو گئی پس ممکن ہے کہ وہ تین ربح دفعۃً نازل ہوئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

اعلان براءت: (یعنی مشرکین عرب عرب سے قطع تعلقات اور سابقہ معاہدات کے اختتام کا اعلان عام):

قبائل عرب اور یہود مدینہ کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ مشرکین عرب کے عہدوں براءت اور بیزاری کا اعلان کر دیں۔ مسلمانوں کا کافروں کے معاہدات کے بھروسہ پر زندہ رہنا ناممکن ہے چار مہینہ کی مہلت دے کر ان کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال دیا جائے تاکہ جزیرۃ العرب خالص مسلمانوں کے لیے ہو جائے اور اسلام کے قلب اور مرکز میں کوئی اسلام کا دشمن باقی نہ رہے۔ نیز سال آئندہ آنحضرت ﷺ کا ارادہ حج بیت اللہ کا تھا اس لیے آپ نے یہ پسند نہ کیا کہ موسم حج میں کفار کے ساتھ آپ کا اختلاط یا اجتماع ہو اس لیے اعلان کر دیا گیا کہ سال آئندہ کوئی کافر اور مشرک مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے پائے چنانچہ فرماتے ہیں یہ قطع تعلق اور بیزاری ہے خدا کی طرف سے اور اس کے رسول کی جانب سے ان مشرکوں سے جن سے تم نے کوئی عہد کیا تھا مگر یہ مشرک اپنے عہد پر قائم نہ رہے اور بار بار نقض عہد کیا پس اعلان کرو کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی عہد نہیں رہا اور یہ بھی اعلان کر دو کہ اے مشرک تم چار مہینے اس ملک میں امن وامان کے ساتھ چل پھر لو یعنی تم کو چار مہینہ کی مہلت ہے چار ماہ تک جہاں چاہو پھر اس مدت میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا تم کو اجازت ہے کہ اس مدت میں اپنے لیے کوئی ٹھکانہ اور جائے پناہ ڈھونڈ لو اس مہلت کی ابتداء حج اکبر کے دن یعنی عید کے دن سے ہے اور اس کا اختتام دس ربیع الاول پر ہوگا اور خوب جان لو کہ تم اللہ کو پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے زمین کے جس گوشہ اور خطہ میں چلے جاؤ خدا کے قبضہ قدرت سے نہیں نکل سکتے اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا ہی میں رسوا کرنے والا ہے بظاہر آیت میں دنیا کی رسوائی مراد ہے۔ کما قال تعالیٰ: كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَاَتَتْهُمْ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۰﴾ فَأَذَابَتْهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۗ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾ وقال تعالیٰ: في قوم عاد فارسلنا عليهم رجلاً صرصراً في أيام النحسات لنذيقهم عذاب الخزي في الحياة الدنيا وللعذاب الآخرة اخزى وهم لا ينصرون۔ ان آیات میں دنیاوی ذلت اور رسوائی کی تصریح ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ کافروں کو باوجود کثرت کے دنیا میں ذلیل اور خوار کرے اور مسلمانوں کو باوجود قلت اور کمزوری کے منظر و منصور بنائے۔

زجاج کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: **وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخَيِّرٌ لِّلْكَافِرِيْنَ** ۵ کہ تحقیق اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل و خوار کرنے والا ہے۔ یہ مسلمانوں کی فتح و نصرت کی ذمہ داری ہے کہ مسلمان ضرور فتحیاب اور کامران ہوں گے اور ان کے دشمن مغلوب اور ذلیل اور خوار ہوں گے۔ (تفسیر کبیر ص 585 ج 4)

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن یعنی بقرعید کے دن یہ اعان عام ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری اور بیزار ہے یعنی اب اللہ اور اس کا رسول تمہاری عصمت اور حفاظت کا ذمہ دار نہیں حج اکبر کے دن سے دسویں تاریخ ذی الحجہ کی مراد ہے کہ اس حج تمام ہوتا ہے اور رمی اور قربانی اور حلق اور طواف زیارت کر کے محرم حلال ہو جاتا ہے حج اکبر شریعت میں ہرج کو کہتے ہیں کیونکہ وہ عمرہ کے مقابل ہے جو حج اصغر کہلاتا ہے عوام الناس میں جو یہ مشہور ہے کہ حج اکبر وہ حج ہے جو خاص جمعہ کے دن ہو اس کی کوئی اصل نہیں سوائے مشرکوں اگر تم کفر و شرک اور بے وفائی سے توبہ کر لو تو وہ تمہارے حق میں بہتر ہے؛ اور اگر ایمان لانے اور شرک سے توبہ کرنے سے اور اگر ایمان لانے اور شرک سے توبہ کرنے سے منہ موڑ دو تو جان لو کہ تم اللہ کو پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے۔ اور تمہاری قوت و طاقت تم کو خدا کے قہر سے بچا نہیں سکتی نہ تم کہیں بھاگ سکتے ہو اور نہ اس کا مقابلہ کر سکتے ہو یہ تو دنیا کی ذلت اور رسوائی ہوئی اور آخرت میں کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے عذاب کی خبر کو بشارت سے تعبیر کرنا تمک بجراحت پاشیدن کا مضمون ہے مگر وہ مشرکین اس براءت اور بیزاری اور قطع تعلق کے حکم سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ عہد باندھا پھر انہوں نے ایفاء عہد میں تم سے کوئی کوتاہی نہیں کی یعنی بد عہدی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں تمہارے کسی دشمن کی مدد کی سوائے لوگوں کے عہد کون کی مدت تک پورا کرو اور اللہ سے ڈرو اور نقض عہد نہ کرو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو اور تقویٰ میں عہد کا پورا کرنا بھی داخل ہے۔ یہ حکم قبیلہ کنانہ کی شاخ بنو نضیرہ سے متعلق ہے ان لوگوں نے اپنے عہد کو نہیں توڑا اور ان کے عہد کی میعاد کے نو مہینے باقی تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کر دو کیونکہ جب انہوں نے اپنا عہد نہیں توڑا تو تم کیوں توڑو تم ایفاء عہد کے ان سے زیادہ سزا دار ہو بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے اور غادر اور غیر غادر کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا خلاف تقویٰ ہے، سدی سے منقول ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ نے کسی سے عہد نہیں کیا پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ حرمت والے مہینوں سے مراد وہی چار مہینے ہیں جن کی مہلت دی گئی تھی ان کو حرمت والے مہینے اس لیے کہا گیا کہ جب کفار کو یہ مہلت دے دی گئی تو ان کی جان و مال سے تعرض کرنا حرام ہو گیا۔ اور جہاں پاؤ وہاں قتل کرنے سے مراد یہ ہے کہ حل اور حرم میں جہاں کہیں بھی ان کو پاؤ قتل کرو ان کے لیے ہر زمان اور ہر مکان یکساں ہے نہ کوئی مکان ان کو پناہ دے سکتا ہے اور نہ کوئی وقت اور زمان ان کو بچا سکتا ہے اور ان کو پکڑو اور ان کو قید کرو اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھو۔ یعنی ان کی راہیں بند کر دو تاکہ شہروں اور بستوں میں نہ پھیلیں سلف اور خلف کے نزدیک اس آیت کو آیت السیف کہتے ہیں جس میں کافروں کے قتل عام کا حکم دیا گیا ہے اور یہ آیت اس سے قبل ہر عہد کے لیے ناسخ ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کسی مشرک سے کوئی عہد اور ذمہ باقی نہیں رہا۔ پس اگر وہ اپنے شرک سے توبہ کر لیں جس نے ان مشرکوں کو مسلمانوں کی عداوت پر برا بیختہ کر رکھا ہے اور کفر و شرک سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں یعنی شعائر اسام بہا لائیں تو ان کی راہ چھوڑ دو کہ جہاں چاہیں چلیں پھر میں بے شک اللہ تعالیٰ تائبین کی مغفرت کرنے والا اور ان پر رحمت کرنے والا

ہے کہ توبہ سے کفر اور شرک کا جرم بھی معاف کر دیتا ہے اور اے نبی اگر ان مشرکین سے جن سے تعرض کرنا چاہئے نہیں سے اگر کوئی ماہ حرام گزر جانے کے بعد آپ سے اللہ کے کلام کو سن لے اور دین اسلام کی حقیقت کو سمجھ لے پھر وہ اگر ایمان نہ لائے تو اس کو اس کے امن کی جگہ یعنی اس کی قوم اور قبیلہ میں پہنچا دو اور اس سے کوئی تعرض نہ کرو یہ رعایت ان کے ساتھ اس لیے ہے کہ وہ لوگ اللہ کے دین سے اس کے کلام سے بے خبر اور ناواقف ہیں اس لیے ان کو یہ مہلت دی گئی۔

(عارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی)

كَيْفَ اَيُّ لَا يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهِ وَ هُمْ كَاْفِرُوْنَ بِهَمَّا غَاْدِرِيْنَ اِلَّا
 الَّذِيْنَ عَاهَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ وَلَمْ قَرِيْشِ الْمُسْتَشْتَرِيْنَ مِنْ قَبْلِ فَمَا اسْتَقَامُوْا
 لَكُمْ اَقَامُوْا عَلٰى الْعَهْدِ وَلَمْ يَنْقُضُوْهُ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۗ عَلٰى الْوَفَاۤءِ بِهٖ وَمَا شَرَطْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
 الْمُتَّقِيْنَ ۝ وَقَدْ اسْتَقَامَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى عَهْدِهِمْ حَتّٰى نَقَضُوْا بِاِعَانَةِ بَنِي بَكْرٍ عَلٰى خُرَاةٍ
 كَيْفَ يَكُوْنُ لَهُمْ عَهْدٌ وَّ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَظْفَرُوْا بِكُمْ لَا يَرْقُبُوْا اِيْرَاعُوْا فِيْكُمْ اِلَّا قَرَابَةً وَّ لَا
 ذِمَّةً ۗ عَهْدًا بَلْ يُوْذُوْكُمْ مَا اسْتَطَاعُوْا وَ جُمْلَةُ الشَّرْطِ خَالٍ يَرْضَوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ بِكَلَامِهِمْ
 الْحَسَنِ وَ تَابٰى قُلُوْبُهُمْ ۗ الْوَفَاۤءِ بِهٖ وَاكْثَرُهُمْ لَيْسِقُوْنَ ۝ نَقِضُوْنَ لِلْعَهْدِ اِشْرَاوْا بِاٰيَاتِ اللّٰهِ الْفُرْاٰنِ
 فَمَا قَلِيْلًا مِّنَ الدُّنْيَا اَيُّ تَرْكُوْا اِتِّبَاعَهَا لِلشَّهَوَاتِ وَالْهَوٰى فَصَدَّوْا عَنِ سَبِيْلِهِ ۗ دِيْنِهٖ اِنَّهُمْ سَاۤءَ
 بَشَرٌ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ مَلَهُمْ هٰذَا لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَّ لَا ذِمَّةً ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
 الْمَعْتَدُوْنَ ۝ اِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ اَتَوْا الزَّكٰوةَ فَآخَاؤِكُمْ اَيُّ فَهَمَّ اِخْوَانِكُمْ فِي الدِّيْنِ ۗ وَ
 نَقِضُ الْبَيْتِ الْاَيْتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ۝ يَنْدَبُوْنَ وَاِنْ تَكْتُمُوْا اَنْقَضُوْا اَيْمَانَهُمْ مَّوَاثِقَهُمْ مِّنْ بَعْدِ
 عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ عَابُوْهُ فَقَاتِلُوْا اِيْمَةَ الْكُفْرِ ۗ رُوْسَاءُ فِيْهِ وَضَعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ
 الْمُضْمَرِ اِنَّهُمْ لَا اِيْمَانَ عَلَيْهِمْ ۗ وَ فِى قِرَاةٍ بِالْكَسْرِ لَعَلَّهُمْ يَذْتَهُوْنَ ۝ عَنِ الْكُفْرِ اِلَّا
 لِلتَّحْضِيْضِ اِلَّا تَقَاتِلُوْنَ قَوْمًا تَكْتُمُوْا اَنْقَضُوْا اَيْمَانَهُمْ عَلَيْهِمْ ۗ وَ هُمُوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ مِنْ
 مَكَّةَ لِمَا تَشَاوَرُوْا فِيْهِ بِدَارِ النَّدْوَةِ وَ هُمْ بَدَّءُوْكُمْ بِالْقِتَالِ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۗ حَيْثُ قَاتَلُوْا خُرَاةً خَلَفَاكُمْ
 مَعَ بَنِي بَكْرٍ فَمَا يَمْنَعُكُمْ اَنْ تُقَاتِلُوْهُمْ اَتَخَشَوْنَهُمْ ۗ اَتَخَافُوْنَهُمْ فَاَللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ فِي تَرْكِ

فَقَاتِلْهُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ بِقَتْلِهِمْ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِيهِمْ يُذَلُّهُمْ بِالْأَسْرِ
وَالْقَهْرِ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُودَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۝ مِمَّا فَعَلَ بِهِمْ هُمُ بِنُؤُخْرَاعَةٍ وَيُذْهِبْ
غَيْظَ قُلُوبِهِمْ لَكَرْبَهَا وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ بِالرَّجُوعِ إِلَى الْإِسْلَامِ كَابِي سُفْيَانَ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ ۝ أَمْ بِمَعْنَى هَمْزَةِ الْإِنْكَارِ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا لَمْ يَعْلَمْ اللَّهُ عِلْمَ ظُهُورِ الَّذِينَ جَاهَدُوا
مِنْكُمْ بِإِخْلَاصٍ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِجَنَّةٍ بَطَانَةٌ وَآلِيَاءُ
بِغِ الْمَعْنَى وَلَمْ يُظْهِرِ الْمُخْلِصُونَ وَهُمْ الْمُؤْصِفُونَ بِمَا ذُكِرَ مِنْ غَيْرِهِمْ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

ترجمہ: یہ کیسے ہو سکتا ہے (یعنی نہیں ہو سکتا) کہ ان مشرکوں کے عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عہد ہو؟ (وہ کافر مراد ہیں جنہوں نے اللہ و رسول سے غداری کی) ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب عہد و پیمانہ باندھا تھا (صلح حدیبیہ کے موقع پر۔ اس سے مراد قریش ہیں جن کا پہلے استثناء ہو چکا ہے) تو جب تک وہ تمہارے ساتھ قائم رہیں (عہد پر جتے رہیں اور اس کو نہ توڑیں) تو تم بھی ان کے ساتھ قائم رہو (عہد پورا کرنے پر مامور ہے) اللہ انہیں دوست رکھتے ہیں جو تمہاری ہیں (چنانچہ آنحضرت ﷺ اپنے عہد پر برقرار رہے۔ حتیٰ کہ مشرکین نے خزاعہ کے مقابلہ میں بنو بکر کی مدد کر کے خود ہی اس عہد کو توڑ کر رکھ دیا) کیسے (ان مشرکین کا عہد ہو سکتا ہے) جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر کہیں آج تم پر غلبہ پاجائیں (تمہارے مقابلہ میں کامیاب ہو جائیں) تو نہ تو تمہارے لئے رشتہ (قرابت) کا پاس (لحاظ) کریں اور نہ کسی عہد و پیمانہ کا (بلکہ جہاں تک ہو سکے تمہیں تکلیف پہنچائیں گے۔ جملہ شرطیہ حال ہے) وہ اپنی باتوں (اچھے کلام) سے تمہیں راضی کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ان کے دل نہیں مانتے (ان وعدوں کو پورا کرنا) اور ان میں زیادہ تر لوگ شریر ہیں (عہد کو توڑنے والے) ان لوگوں نے اللہ کی آیتیں (قرآن پاک) ایک بہت ہی حقیر قیمت پر بیچ ڈالیں (دنیا کے بدلے، یعنی شہوت اور خواہشات میں پڑ کر ان لوگوں نے آیات الہی کو چھوڑ دیا ہے) اس لئے لوگوں کو اللہ کی راہ (دین) سے یہ رد کرتے ہیں۔ یقیناً یہ لوگ بہت ہی برے ہیں (اپنے اس عمل کے اعتبار سے) یہ لوگ کسی مسلمان کیلئے نہ تو قرابت کا پاس کرتے ہیں اور نہ قول و قرار کا۔ یہی لوگ ہیں جو ظلم میں حد سے گزر گئے ہیں۔ بہر حال اگر یہ لوگ باز آجائیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے اور ہم سمجھدار (تدبر کرنے والے) لوگوں کیلئے احکام کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اور اگر توڑ ڈالیں یہ لوگ اپنی قسموں (عہد و پیمانہ) کو عہد کرنے کے بعد اور تمہارے دین کو برا بھلا کہیں (اس میں عیب لگائیں) تو پھر کفر کے سرداروں سے جنگ کرو (جوان میں مٹھ ہیں یہاں بجائے اسم ظاہر کے ضمیر لائی گئی ہے) ان لوگوں کی قسمیں قسمیں نہیں ہیں (ایک قرأت میں لفظ ایمان کسرہ کے ساتھ ہے) تاکہ یہ لوگ (کفر سے) باز آجائیں۔ کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے (لفظ الا

ابھارنے اور آمادہ کرنے کیلئے ہے) جنہوں نے اپنی قسموں (عہد و پیمان) کو توڑ ڈالا اور رسول کو ان کے وطن سے نکال باہر کر دینے کا منصوبہ باندھا) مکہ سے جلا وطن کرنے کا جس وقت دارالندوہ میں مشورہ کر رہے تھے) پھر انہوں نے (تمہارے برخلاف لڑائی کرنے میں) پہل بھی کر دی؟ (جب مسلمانوں کے حلیف خزاعہ سے ان کے حریف بنو مکہ کا ساتھ دے کر جنگ کر دی۔ اس لئے تمہیں ان کے ساتھ جنگ کرنے سے کیا چیز روک رہی ہے) کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ (خوف کھاتے ہو) سو اللہ اس بات کے زیادہ سزاوار ہیں کہ ان کا ڈر تمہارے دلوں میں بسا ہو (جہاد سے باز رہنے کے سلسلہ میں) اگر تم ایمان رکھتے ہو ان سے جنگ کرو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں قتل کر کے (عذاب دیں گے اور انہیں رسوا کریں گے) (قید و غصہ میں مبتلا کر کے) اور ان پر تمہیں فتح دیں گے اور مسلمانوں کے دلوں کو شفاء دیں گے (ان کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا گیا ہے اور اس سے مراد بنو خزاعہ ہیں) اور ان کے دلوں کے غصہ (دکھ درد) کو دور فرما دیں گے اور جس پر اللہ کو منظور ہوگا اللہ تعالیٰ تو جہ فرما دیں گے۔ (اسلام کی طرف پھر جانے کی توفیق بخش کر۔ جیسے کہ ابوسفیان وغیرہ کو) اللہ سب کچھ جانتے ہیں اور بڑی حکمت والے ہیں کیا تم (لفظ ام اپنا ہمزہ انکار کے معنی میں ہے) یہ خیال کرتے ہو کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تک اللہ نے ان لوگوں کو (ظاہری طور پر) پوری طرح آزمائش میں ڈالا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے (اخلاص کے ساتھ) جہاد کیا ہو اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کو چھوڑ کر کسی کو اپنا جگری دوست نہ بنایا ہو۔ (خالص و مخلص دوست حاصل یہ ہے کہ ابھی تک مخلصین جن کا ذکر ابھی آیا ہے وہ غیر مخلصین سے ممتاز بھی نہیں ہوئے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی سب کچھ خبر ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: لَا يَكُونُ: یہاں استفہام انکاری ہے۔
 قوله: يَكُونُ لَكُمْ: کیوں فعل کو حذف کیا اور وہ کیوں ہے۔
 قوله: يَظْفَرُوا بِكُمْ: يَظْفَرُوا یہ يعلموا کے معنی میں نہیں ہے۔
 قوله: بِكَلَامِهِمُ الْحَسَنِ: اس میں عمل کو ذکر کر کے حال مراد لیا ہے۔
 قوله: فَهُمْ إِخْوَانُكُمْ: مبتداء کو مقدر کیا کیونکہ جزء کا جملہ ہونا ضروری ہے۔ فعل کو مقدر نہیں مانا کہ یہ فاعل کے قرینہ جملہ فعلیہ نہ بن جائے۔
 قوله: نُبَيِّنُ: اس سے اشارہ ہے کہ تفصیل یہاں وضاحت کے معنی میں ہے۔ تفریق کے معنی میں نہیں۔
 قوله: مَوَائِقَهُمْ: اس سے عام معاہدہ مراد ہے خواہ اس میں قسم ہو یا نہ ہو یہ مجازی اطلاق ہے۔
 قوله: فَقَاتِلُوا: یہ عہد توڑنے والوں کے متعلق حکم جاری ہوگا اگرچہ شرط کا تقاضا ہے کہ قسم والے معاہدے سے خاص ہو۔
 قوله: رُؤْسَاءَ: رؤساء کے ساتھ خاص کیا کیونکہ ان کا قتل زیادہ اہم و ضروری ہے۔

قوله: فِيهِ وَضَعُ الظَّاهِرِ: اسکی دلالت کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اس توڑے اور عن میں مردار اور قتل کے زیادہ حقدار بن گئے۔
 قوله: قِرَاءَةٌ بِالْكَسْرِ: أَيْمَانٌ لَهُمْ اب اس کا معنی یہ ہے ان کے لیے نہ امن ہے نہ سلامتی۔
 قوله: بِمَعْنَى هَمْزَةِ الْأَنْكَارِ: یہ ام منقطعہ ہے۔ انکار سے مفید کر کے اشارہ کیا کہ انکار حقیقی نہیں بلکہ گمان پر تو بخ ہے۔

تفسیر مقبولین

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ

مشرکین کو کسی مترابست داری اور معاہدہ کی پاسداری نہیں:

ان آیات میں اول تو مشرکین کی بد عہدی کے مزاج کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ان کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ انہوں نے پہلے بھی عہد توڑا ہے اور آئندہ بھی توڑتے رہیں گے۔ ان کا حال یہ ہے کہ ظاہر میں زبانوں سے عہد ہے اور دلوں میں بغض کی آگ ہے اگر مسلمانوں پر غلبہ پا جائیں تو نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ کریں اور نہ کسی معاہدہ کی ذمہ داری کا۔ بس یہ مسلمانوں کو اپنی زبانی باتوں سے راضی رکھنا چاہتے ہیں۔ (وفائے عہد اور اطاعت کا زبانی وعدہ کرتے ہیں) اور ان کے دل ان کی اپنی زبانی باتوں سے راضی نہیں ہیں۔ اور ان میں اکثر فاسق ہیں۔ یعنی شرارت سے بھرے ہوئے ہیں کہ کسی بھی عہد کی پاسداری کرنے کو تیار نہیں۔ اکادکا کوئی شخص عہد کی پاسداری کرنا چاہے تو اس کی بات چلنے والی نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ کے احکام کو قبول نہیں کرتے کیونکہ ان کے سامنے حقیر دنیا ہے۔ انہوں نے حقیر دنیا کو لے لیا اور اللہ کے احکام کو چھوڑ دیا۔ تھوڑی سی حقیر دنیا کے جانے کا جو وہم تھا اس کی وجہ سے انہوں نے ایمان قبول نہ کیا کیونکہ جو شخص دنیا ہی کو سامنے رکھے گا وہ اللہ کے راستے پر نہیں چل سکتا ایسے لوگ خود بھی ایمان قبول نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی ایمان قبول نہیں کرنے دیتے۔ جن کاموں میں یہ لگے ہوئے ہیں ان کے یہ کام برے ہیں۔ (لَا يَرْجُونَ فِي هُمُومِنَ إِلَّا وَلَا ذَمَّةً) (کسی مؤمن کے بارے میں ان کے پاس نہ قرابت داری کی رعایت ہے۔ نہ معاہدہ کی پاسداری ہے) (وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ) (اور یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم و زیادتی کرنے والے ہیں۔) (كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ) (فرمانے کے بعد مصلحت ہی یوں فرمایا: (إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْنَا عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) علامہ نسفی فرماتے ہیں کہ استثناء میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے مسجد حرام کے قریب عہد ہوا تھا اور جو عہد پر قائم رہے۔ اور ان کی مدت معاہدہ باقی تھی جیسے بنی کنانہ اور بنی ظمرہ۔ ایسے لوگوں کے بارے میں حکم دیا کہ ان کے عہد کی رعایت کرو۔ (فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ) (جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں یعنی مدت معاہدہ میں نقض عہد نہ کریں) (فَأَسْتَقِيمُوا لَهُمْ) (تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو) یعنی وفاء عہد کر د عہد کی خلاف ورزی نہ کرو۔ کیونکہ یہ تقویٰ کے خلاف ہے اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو دوست رکھتا ہے۔ اس میں (أَتَمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ) کے مضمون کا اعادہ ہے اور اتنی بات زائد ہے کہ جب تک وہ مستقیم رہیں تم بھی مستقیم رہو اگر وہ عہد توڑ دیں تو تم پر عہد پورا کرنے کی

پابندی نہیں۔ صاحب روح المعانی نے بھی یہی بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں: وایاً ما کان فحکم الامر بالاستقامة یتهی بانتهاء مدة العهد فیرجع هذا الی الامر بالانعام للمارخ (ص ۵۵ ج ۱۰) اور جو بھی ہو عہد ہر استقامت کا حکم معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر ختم ہو جاتا ہے پھر یہ حکم گزشتہ عہد کی تکمیل کی طرف لوٹتا ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْبُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ بِالْأَفْزَادِ وَالْجَمْعِ بِدُخُولِهِ وَالْقُعُودِ فِيهِ شُهَدَاءٍ عَلَى
 أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ ۗ أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ لِعَدَمِ شَرْطِهَا وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ۝ إِنَّمَا
 يَعْبُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ أَمِنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ
 فَعَسَىٰ أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَىٰ
 أَهْلَ ذَلِكَ كَمَنْ أَمِنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ فِي الْفَضْلِ ۖ وَ
 اللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الْكَافِرِينَ نَزَلَتْ رَدًّا عَلَىٰ مَنْ قَالَ ذَلِكَ وَهُوَ الْعَبَّاسُ أَوْ غَيْرُهُ الَّذِينَ
 آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۖ أَعْظَمُ دَرَجَةً رُتْبَةً عِنْدَ اللَّهِ ۗ مِنْ
 غَيْرِهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ الظَّالِمُونَ بِالْخَيْرِ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّتْ
 لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۖ دَائِمٌ خَالِدِينَ ۖ حَالٌ مُّقَدَّرَةٌ فِيهَا أَبَدًا ۗ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ
 عَظِيمٌ ۝ وَنَزَلَ فِيمَنْ تَرَكَ الْهَجْرَةَ لِأَجْلِ أَهْلِهِ وَتَجَارَتِهِ يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَ
 إِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ ۖ إِنِ اسْتَحَبُّوا اخْتَارُوا ۖ الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۗ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاُولَئِكَ هُمُ
 الظَّالِمُونَ ۝ قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ أَقْرَبًاؤُكُمْ وَ
 فِي فِرَآءِ عَشِيرَتِكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا كُنْتُمْ تَهَاوُنُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا عَدَمَ نَفَاقِهَا وَ
 مَسْكَنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبُّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَعَذَّلْتُمْ لِأَجْلِ عَنِ الْهَجْرَةِ وَ
 الْجِهَادِ فَتَرْبِصُوا أَنْتَظِرُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ تَهْدِيذٌ لَّهُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

توجیحاً: مشرکوں کو یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ اللہ کی مسجد میں آباد کریں (لفظ مسجد مفرد اور جمع دونوں طرح آیا ہے یعنی مشرکوں کو مسجد میں داخل ہونے اور بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے) ایسی حالت میں کہ وہ خود اپنے کفر کا اقرار کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سارے اعمال (بیکار گئے) اکارت گئے (شرط قبولیت نہ پائے جانے کی وجہ سے) اور وہ

دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ فی الحقیقت اللہ کی مسجدوں کو آباد کر نیوالے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔ نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا (کسی سے) نہیں ڈرتے۔ ایسے ہی لوگوں سے توقع کی جاسکتی ہے کہ اپنے مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ کیا تم لوگوں نے حاجیوں کیلئے بسیل لگادی اور مسجد حرام کو آباد رکھنا (ان کاموں کے کرنیوالوں کو) ایک درجہ میں رکھ رکھا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اللہ کے نزدیک تو (مرتبہ میں) یہ دونوں برابر نہیں ہیں اور اللہ بے انصاف لوگوں کو سمجھ نہیں دیا کرتے (جو کافر ہیں۔ یہ آیت ان لوگوں کی تردید میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے ایسا کیا تھا۔ یعنی حضرت عباسؓ وغیرہ) جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ تو یقیناً اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ (رتبہ) ہے (دوسروں کی نسبت) اور یہی لوگ پورے کامیاب (بامراد) ہیں۔ ان کا پروردگار انہیں اپنی بڑی رحمت اور کامل خوشنودی کی بشارت سناتا ہے اور ایسے باغوں کی جہاں ان کیلئے دائمی نعمت ہوگی اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (یہ حال مقدرہ ہے) بلاشبہ اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے (اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جنہوں نے اپنے مال بچوں اور تجارت کی وجہ سے ہجرت نہیں کی تھی) مسلمانوں! اگر تمہارے ماں باپ اور تمہارے بھائی بند ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں (پسند کریں) تو انہیں اپنا رفیق مت بناؤ اور جو کوئی بنائے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو بڑے نافرمان ہیں۔ کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی اور تمہاری بیویاں برادری (رشتہ دار اور ایک قرأت میں عشیرہ اتکم آیا ہے۔ اور تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے (حاصل کیا ہے) اور تمہارے کاروبار جس کے مندا پڑ جانے (نکاسی نہ ہونے) کا تمہیں کھٹکا لگا رہتا ہے اور تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں حد درجہ دل پسند ہیں۔ یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے، اس کے رسولؐ سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں (جن کی وجہ سے تم ہجرت و جہاد چھوڑ کر بیٹھ رہو) تو انتظار کرو (ٹھہرے رہو) یہاں تک کہ جو کچھ اللہ کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے (یہ ان کی دھمکی دی جا رہی ہے) اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو مقصود تک پہنچنے نہیں دیتے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: الجَنُوعِ: اس صورت میں معنی یہ ہے کہ کسی بھی مسجد میں جو مساجد سے ہو چہ جائیکہ کہ مسجد حرام میں۔

قولہ: أَهْلَ ذَلِكَ: عمارہ سقایہ سے پہلے مضاف کو مقدر مانا تا کہ مفہوم درست ہو۔

قولہ: رُتْبَةً: مراد ایک درجہ نہیں بلکہ مرتبہ مراد ہے۔

قولہ: أَعْظَمَ دَرَجَةً: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان تمام سے درجہ میں بڑھ کر ہیں جن میں یہ صفت نہیں اور نہ ہی وہ

ہجرت و جہاد والا ہے اگر چہ وہ مؤمن ہی ہو۔ چہ جائیکہ کافر ہو۔

قوله: اِخْتَارُوا: اسْتَحَبُّوا کی تفسیر اختیار والے کر کے اشارہ کیا کہ مراد محبت اختیاری ہے نہ کہ طہی۔
 قوله: اقْرَبَاؤكُمْ: یہ عیشہ کی تفسیر کی کیونکہ لغوی طور پر تو ساتھ رہنے والے اور خاندان پر بولا جاتا ہے۔
 قوله: عَدَمَ نَفَاقِهَا: یعنی بیچ کے چل چلاؤ کا وقت فوت ہونے کا خطرہ۔
 قوله: فَقَعَدْتُمْ: اس سے اشارہ ملتا ہے کہ محبت سے اختیاری ہی مراد ہے۔
 قوله: تَهْدِيدٌ: توبہ کے لئے ڈراوا ہے۔ امر سے مراد سزا ہے جو جلد ترے یا بدیر۔

تفسیر مقبولین

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ

مشرکین اس کے اہل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد کریں:

معالم التنزیل (ص ۲۷۳ ج ۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ جب غزوہ بدر کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قید کر لیا گیا تو مسلمانوں نے عباس رضی اللہ عنہ کو عار دلائی کہ تم کفر اختیار کیے ہوئے ہو اور تمہارے اندر قطع رحمی بھی ہے (کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو مشرکین نے مکہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا) اور اس بارے میں حضرت علی نے سخت باتیں کہہ دیں تو اس کے جواب میں عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ لوگ ہماری برائیاں تو ذکر کرتے ہیں کیا بات ہے کہ ہماری خوبیاں ذکر نہیں کرتے حضرت علی نے فرمایا کیا تمہارے پاس خوبیاں بھی ہیں؟ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں! ہم مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں اور کعبہ کی دربانی کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ (آخر تک) نازل فرمائی۔ اور یہ بتا دیا کہ مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ مسجدوں کو آباد کریں۔ مشرک ہوتے ہوئے مسجد کی آبادی کا کوئی معنی نہیں۔ کعبہ شریف تو مشرک کے دشمن حضرات ابراہیم (علیہ السلام) نے بنایا تھا۔ کعبہ اور کعبہ کی مسجد کی بنیاد تو حید پر ہے جو لوگ اپنے اقرار و اعمال سے یہ گواہی دے رہے ہیں کہ ہم کافر ہیں یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے دین کو نہیں مانتے ان کا مسجد کو آباد کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہاں یہ لوگ مشرک کرتے ہیں اگر ظاہری کوئی آبادی کر دی یعنی اس کے متولی بن کر کچھ درو دیوار کی دیکھ بھال کر لی تو کفر اور مشرک جیسی بغاوت کے سامنے یہ بے حقیقت ہے پھر مسجد حرام میں جاتے تھے تو سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے (جیسا کہ سورہ انفال کے چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے) ایسا آباد کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک آباد کرنے میں شمار نہیں ہے، صاحب معالم التنزیل (ص ۲۷۳ ج ۲) لکھتے ہیں: آی ما ینبغی للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ، او جب علی المسلمین منعہم من ذلك لأن المساجد انہا تعمر لعبادة الله وحده فمن كان كافرا بالله فليس من شأنه ان یعمرها (یعنی اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا مشرکوں کا کام نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ مشرکوں کو اللہ کے گھر سے روکیں کیونکہ مسجدیں خاص اللہ تعالیٰ کی عبادت سے آباد ہوتی ہیں جو اللہ کا منکر ہے مسجدوں کو آباد کرنا اس کا کام نہیں

ہے) پھر فرمایا: (أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ) کہ ان کے سب اعمال اکارت چلے گئے (کیونکہ کفر کے ساتھ کوئی بھی عمل اگرچہ بظاہر عبادت ہو آخرت میں کوئی نفع دینے والا نہیں) (وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ) (اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں)۔

ساحد کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے:

اس کے بعد فرمایا: (إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنَ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَ آتَى الزَّكَاةَ وَ لَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ) (اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے) اس میں بتایا کہ مسجدوں کو آباد کرنا اہل ایمان کا کام ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے مقرر فرمودہ فرائض کو انجام دیتے ہیں (اس میں دو چیزوں کا خصوصی تذکرہ فرمایا یعنی نماز قائم کرنا زکوٰۃ دینا) اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو احکام بھیجے ہیں ان پر عمل کرنے میں قوم یا قبیلہ اور اہل وطن کے اعتراض کو نہیں دیکھتے کہ کوئی کیا کہے گا اللہ کے دین پر کسی کا خیال کیے بغیر عمل کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ پھر ان لوگوں کا اخروی انجام بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: (قَعَسَىٰ أُولَئِكَ أَن يَكُونُوا مِمنَ الْمُهْتَدِينَ) (یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنت تک پہنچنے کا راستہ بتا دے گا۔ دنیا میں اللہ کی اطاعت اور عبادت میں لگنا نصیب ہوگا اور پھر یہ اطاعت اور عبادت جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ بن جائے گی، مسجد بنانا اور اس کا نظم و نسق سنبھالنا، مرمت کرنا، نمازیوں کی واقعی ضرورتیں پوری کرنا یہ سب مسجد کی آباد کاری میں داخل ہے۔ لیکن مسجد کی آباد کاری جو دوسری شان سے ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ مساجد کو نمازوں سے، ذکر سے تلاوت سے تعلیمی حلقوں سے مدرسے قرآن سے آباد رکھا جائے کیونکہ مساجد کی اصل بناء انہی امور کے لیے ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مسجد کا دھیان رکھتا ہے تو اس کے لیے ایمان کی گواہی دے دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنَ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ) (اللہ کی مسجدوں کو وہی شخص آباد رکھتا ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۶۹ عن الترمذی و ابن ماجہ والدارمی)

ساحد میں کیا کام ممنوع ہیں؟

جیسے اعمال صالحہ نماز، ذکر، تلاوت وغیرہ سے مسجد کو آباد رکھنے کی فضیلت ہے وہاں ان چیزوں کا ارتکاب مسجد کی آباد کاری کے خلاف ہے۔ مساجد میں ایسے اشعار پڑھنا جو دینی اعتبار سے اچھے نہ ہوں اور خرید و فروخت کرنا اور بدبودار چیزیں کھاپی کر مسجد میں جانا (جس میں بیڑی، سگریٹ، تمباکو والے پان کی بدبو بھی شامل ہے) اور مساجد میں دنیا کی باتیں کرنا۔ مساجد میں تھوک، بلغم ڈالنا، گم شدہ چیز تلاش کرنا اور مخلوق سے سوال کرنا۔ یہ سب امور مسجد میں ممنوع ہیں اور مسجد کی شان کے خلاف ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص مسجد میں کسی گمشدہ چیز کے تلاش کرنے والے کی آواز سنے تو یوں کہہ دے: لا ردھا للہ علیک (کہ اللہ تجھے یہ چیز واپس نہ دے) کیونکہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔ (رد اسم ص ۲۱۰ ج ۱۰ ابوداؤد ص ۶۸ ج ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ مسجد میں بیچتا ہے یا خریدتا ہے تو کہہ دو کہ اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔ (مشکوٰۃ ص ۷۰)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مسجدوں میں ان کی باتیں دنیاوی امور کے بارے میں ہوں گی۔ سو تم ان کے پاس مت بیٹھنا کیونکہ اللہ کو ان کی حاجت نہیں ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۱ من المعنی فی شعب الایمان)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل مبغوض ہے ان کے پاس بیٹھ کر اپنا برانہ کرو۔ حضرت حکیم بن حزام نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مساجد میں حدود قصاص جاری کرنے سے اور (غیر دینی) اشعار پڑھنے سے منع فرمایا (رواہ ابوداؤد ص ۲۶۱ ج ۲) حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں درختوں یعنی پیاز اور لہسن کے کھانے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ جو شخص انہیں کھائے ہماری مسجد کے پاس نہ آئے اور فرمایا کہ اگر تمہیں کھانا ہو تو ان کو پکا کر کھاؤ۔ جس سے ان کی بدبو چلی جائے گی۔ (رواہ ابوداؤد ص ۱۲۹ ج ۲، فی مسلم عدۃ روایات فی ہذا المعنی ص ۲۰۹ ج ۱)

مسجد کی صفائی کا اجر و ثواب:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے ثواب کے کام پیش کیے گئے یہاں تک کہ کوئی شخص اگر مسجد سے ایسی چیز نکال دے جو دیکھنے میں ناگوار ہو (اگرچہ معمولی سا کوڑا کچرا نکالے) تو وہ بھی مجھے امت کے ثواب کے کاموں میں دکھایا گیا اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے تو اس سے بڑھ کر میں نے کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن مجید کی کوئی سورت یا آیت عطا کی گئی پھر وہ اسے بھول گیا۔ (ابوداؤد ص ۶۶ ج ۱)

آج کل مسجدوں کی ظاہری آبادی ہی رہ گئی ہے۔ خوبصورت قالین، جھاڑ، فانوس، درود دیوار پر پھول دار نقشے، چمکدار فرش وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں میں بڑھ چڑھ کر مقابلہ میں حصہ لیا جاتا ہے اور نمازوں میں حاضری اور تلاوت اور نمازوں کے انتظار میں بیٹھے رہنے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی اور یہ ظاہری زیب و زینت کی چیزیں شرعاً پسندیدہ بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ ان سے نمازوں کے خشوع و خضوع میں فرق آتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگ مسجدیں بنا بنا کر آپس میں فخر کریں گے۔ (رواہ ابوداؤد ص ۶۵ ج ۱)

ایک حدیث میں مسجدوں کی زیب و زینت پر توجہ دینے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ: مساجد ہم عامرۃ وہی خراب من الہدی (ان کی مسجدیں آباد ہوں گی اور ہدایت کے اعتبار سے ویران ہوں گی)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۸)

أَجْعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّجِ ...

حجاج کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا ایمان اور جہاد کے برابر نہیں:

پھر فرمایا: (أَجْعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّجِ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ...) اس کے بارے میں دو سبب نزول نقل کیے گئے ہیں۔ ان میں ایک تو وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا کہ جب بدر میں مشرکین کو قید کیا جن میں عباس بن عبدالمطلب بھی تھے اور

عباس بن ہشام کو کفر اختیار کرنے پر عار دلائی گئی تو انہوں نے کہا کہ اگر تم ہم سے اسلام میں اور ہجرت میں اور جہاد میں آگے بڑھ گئے تو ہم بھی تو مسجد حرام کو آباد کرتے ہیں اور حجاج کو پانی پلاتے ہیں اس پر آیت بالاناازل ہوئی۔

(مسلم التسنزیل ص ۲۷۵ ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ کیا حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے درو دیوار کی دیکھ بھال کرنے کو تم نے اس شخص کے عمل کے برابر کر دیا جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان لایا اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے یعنی ایمان اور جہاد والوں کے مقابلہ میں حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال جبکہ ایمان نہ ہو اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔ کفر و شرک کے ساتھ کوئی بھی عمل مقبول اور معتبر نہیں۔

اور دوسرا سبب نزول یہ لکھا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر کے پاس تھا۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر میں حجاج کو پانی پلاؤں اور اس کے بعد دوسرا کوئی نیک عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ دوسرے نے کہا کہ اگر میں مسجد حرام کو آباد کرنے کے علاوہ کوئی عمل نہ کروں تو مجھے دوسرے اعمال کے چھوٹ جانے کی کوئی پرواہ نہیں، تیسرے شخص نے کہا کہ تم نے جو اپنے اعمال کے بارے میں کہا ان اعمال سے بڑھ کر جہاد فی سبیل اللہ ہے، ان لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جھڑک دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالی میں حاضر ہو کر اس بارے میں دریافت کروں گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو، چنانچہ انہوں نے خدمت عالی میں حاضر ہو کر سوال کیا اس پر آیت بالاناازل ہوئی۔

(مسلم التسنزیل ص ۲۷۵ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو تمام اعمال سے افضل ہے ہی جہاد فی سبیل اللہ بھی حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال اور تولیت سے افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: (لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ) یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہیں۔ (وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ) اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا (ظالموں سے مشرک مراد ہیں وہ مشرک پر قائم ہوتے ہوئے حق اور صحیح بات کو نہیں مانتے)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ

ترکِ موالات و مودت کا حکم:

اللہ تعالیٰ کافروں سے ترکِ موالات کا حکم دیتا ہے ان کی دوستیوں سے روکتا ہے گو وہ وہاں باپ ہوں بہن بھائی ہوں۔ بشرطیکہ وہ کفر کو اسلام پر ترجیح دیں اور آیت میں ہے: (لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ) اللہ پر اور قیامت پر ایمان لانے والوں کو تو ہرگز اللہ رسول کے دشمنوں سے دوستی کرنے والا نہیں پائے گا گو وہ ان کے باپ ہوں بیٹے یا بھائی ہوں یا رشتے دار ہوں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان رکھ دیا گیا ہے اور اپنی خاص روح سے ان کی تائید فرمائی ہے۔ انہیں نہروں والی جنت میں پہنچائے گا۔ بیٹھی میں ہے حضرت ابو عبید بن جراح رضی اللہ عنہ کے باپ نے بدر والے دن ان کے سامنے اپنے بتوں کی تعریفیں شروع کیں آپ نے اسے ہر چند روکنا چاہا لیکن وہ بڑھتا ہی چلا گیا۔ باپ بیٹوں میں جنگ شروع ہو گئی آپ نے اپنے باپ کو قتل کر

دیا۔ اس پر آیت لا تجدن نازل ہوئی۔ پھر ایسا کرنے والوں کو ڈراتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر وہ رشتے دار اپنے حاصل کئے ہوئے مال اور مندرے ہو جانے کی دہشت کی تجارتیں اور پسندیدہ مکانات اگر تمہیں اللہ اور رسول سے اور جہاد سے بھی زیادہ مرغوب ہیں تو تمہیں اللہ کے عذاب کے برداشت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ایسے بدکاروں کو اللہ بھی راستہ نہیں دکھاتا۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ جا رہے تھے حضرت عمر کا ہاتھ آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت عمر کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں بجز میری اپنی جان کے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میرا لیس ہے تم میں سے کوئی مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ رکھے۔ حضرت عمر نے فرمایا اللہ کی قسم اب آپ کی محبت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا اے عمر (تو مؤمن ہو گیا) (بخاری شریف) صحیح حدیث میں آپ کا فرمان ثابت ہے کہ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی ایماندار نہ ہوگا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ سے اولاد اور دنیا کے کل لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں مندا احمد اور ابوداؤد میں ہے آپ فرماتے ہیں جب تم عین کی خرید و فروخت کرنے لگو گے اور گائے نمل کی دہلیں تمام لوگے اور جہد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کرے گا وہ اس وقت تک دور نہ ہوگی جب تک کہ تم اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آؤ۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ لِلْحَرْبِ كَيْسِيَّةَ وَكَيْدِيَّةَ وَفَرِيقَةَ وَالْتَضْيِيرِ وَأَذْكَرَ يَوْمَ حُنَيْنٍ وَأَدْبِنَ
 مَكَّةَ وَالطَّائِفِ أَيُّ يَوْمَ بَاتِلِكُمْ فِيهِ هَوَازِنَ وَذَلِكَ فِي شَوَّالِ سَنَةِ ثَمَانٍ إِذْ بَدَّلَ مِنْ يَوْمٍ أَعْجَبَتْكُمْ
 كَثْرَتُكُمْ فَقُلْتُمْ لَنْ نُغَلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قَلْبَةٍ وَكَانُوا الثَّنِي عَشَرَ أَلْفًا وَالْكَفَّارُ أَرْبَعَةَ أَلْفٍ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ
 شَيْئًا وَصَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحَبَتْ مَا مَضَدْرِيَّةَ أَيُّ مَعَ رَحْبَتِهَا أَيُّ سَعَتِهَا فَلَمْ تَجِدُوا مَكَانًا
 تَطْمَئِنُّونَ إِلَيْهِ لِشِدَّةِ مَا لِحَقَّكُمْ مِنَ الْخَوْفِ ثُمَّ وَلِيَكُمْ قُدُّوسُ بْنُ مَثَرٍ مِثْرٌ وَتَمَّتِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَعْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ وَلَيْسَ مَعَهُ غَيْرُ الْعَبَّاسِ وَالْأَبُوسُفْيَانَ إِخْدِيرَ كَابِهَ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ
 طَمَئِنَّتْ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ فَرَدُّوا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَادَاهُمُ الْعَبَّاسُ بِأَذْنِهِ
 وَقَاتَلُوا وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا مَلَائِكَةٌ وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْقَتْلِ وَالْإِسْرِ وَذَلِكَ جَزَاءُ
 الْكَافِرِينَ ۝ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْهُمْ بِالْإِسْلَامِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا
 الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَحِبُّونَ بَاطِنَهُمْ فَلَا يَقْرَأُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ أَيُّ لَا يَدْخُلُوا
 الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا ۝ عَامٌ تَسْعُ مِنَ الْهِجْرَةِ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَتَكُمْ فَمُرُوا بِانْقِطَاعِ تِجَارَتِهِمْ عَنْكُمْ
 فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۝ وَقَدَاغْنَاهُمْ بِالْمُنْجَحِ وَالْجِزْيَةِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيمٌ

حَكِيمٌ ۝ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ أَلَا لَأَمْتُوا بِاللَّيْلِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ

لَا يَحْزَمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ كَالْخَمْرِ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ الْكَاتِبِ النَّاسِخِ لِغَيْرِهِ مِنْ

الْأَدْبَانِ وَمُواالْإِسْلَامِ مِنْ بَيَانَ لِلَّذِينَ الَّذِينَ أُولُوا الْكُشْبِ أَيِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ

الْجِزْيَةَ وَالْمَصْرُوبِ عَلَيْهِمْ كُلِّ عَامٍ عَن قِيَا خَالَ أَيِ مُنْقَادِينَ أَوْ بِأَيْدِيهِمْ لَا يُؤْكَلُونَ بِهَا وَ هُمْ

صَغِيرُونَ ۝ إِذْ لَا يُنْقَادُونَ لِحُكْمِ الْإِسْلَامِ

ترجمہ چوتھا: یہ واقعہ ہے کہ اللہ تمہاری مدد کر چکے ہیں۔ بہت سے (جنگ کے) موقعوں پر (جیسے جنگ بدر، قرظہ وغیرہ کے موقع پر) اور (یاد کیجئے) جنگ خنین کا واقعہ (حنین ایک میدان کا نام ہے جو مکہ اور طائف کے درمیان تھا۔ یعنی جب قبیلہ ہوازن کے ساتھ وہاں تمہاری لڑائی ہو رہی تھی شوال ۸ھ میں) جب کہ (یہ لفظ یوم سے بدل ہے) تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے (اور کہنے لگے تھے کہ آج ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہیں ہو سکتے کیونکہ مسلمان بارہ ہزار اور کفار صرف چار ہزار تھے) مگر پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی کشادگی کے باوجود بھی تمہارے لئے تنگ ہو گئی (مارجت میں ما مصدر یہ ہے بمعنی مع رحبہا یعنی زمین کی وسعت کے باوجود تمہیں اس میں کہیں قابل اطمینان جگہ نہیں مل رہی تھی۔ خوف و دہشت پیش آنے کی وجہ سے) بالآخر تم پینہ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے (فلکت کما کر۔ لیکن نبی کریم ﷺ اپنے سفید ٹمچر پر ثابت قدمی کے ساتھ سوار رہے۔ حالانکہ آپ کے ساتھ صرف حضرت عباس اور حضرت ابوسفیانؓ آپ کی رکاب تھامے کھڑے تھے) پھر اللہ نے اپنے رسول اور دوسرے مسلمانوں پر اپنی طرف سے سکون (اطمینان) نازل فرمایا (چنانچہ آنحضرت ﷺ کے حکم سے جب حضرت عباس نے مسلمانوں کو آواز دی تو سب حضور کی طرف دوڑ پڑے اور شریک جنگ ہو گئے) اور ایسی فوجیں اتار دیں جو تمہیں نظر نہیں آتی تھیں (فرشتے) اور کفر کی راہ اختیار کرنے والوں کو (قتل اور قید کے) عذاب میں مبتلا کر دیا اور کافروں کی سزا کی ہوتی ہے۔ پھر (ان میں سے) جس کو چاہیں اللہ توبہ (اسلام) نصیب کر دیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے، بڑی رحمت کرنے والے ہیں۔ مسلمانو! مشرک بننے کا پاک ہیں (اپنی اندرونی خباثت کی وجہ سے نجس ہیں) اس لئے چاہیے کہ اب مسجد حرام کے پاس ہی بھٹکنے نہ پاویں (مسجد حرام میں داخل نہ ہونے پائیں) اس برس کے بعد (۹ھ کے بعد سے) اور اگر تمہیں مفلسی کا اندیشہ ہو (کہ تجارت ٹھپ ہو جانے سے فقر و فاقہ ہو جائے گا) تو اگر اللہ چاہیں گے تو عنقریب تمہیں اپنے فضل سے توجہ کر دیں گے (چنانچہ فتوحات اور جزیہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوش حال بنا دیا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں۔ ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر (ورنہ تو یہ لوگ حضور پر ایمان نہ لے آتے) اللہ نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے اور ان کے رسول نے حرام ٹھہرا دیا ہے (جیسے شراب) اور نہ سچے دن ہی کو قبول کرتے ہیں (جو ثابت ہے اور تمام ادیان سابقہ کو منسوخ کر دینے والا ہے یعنی مذہب اسلام) یعنی (یہ الذین کا معنی ہے) اللہ کتاب (بیوروہ نصاریٰ) میں سے لڑو یہاں تک کہ وہ جزیہ دینا منظور کر لیں (سالانہ دو ٹیکس جو ان پر لگایا جائے)

اپنی خوشی سے (یہ حال ہے یعنی رعیت اور ماتحت بن کر۔ یا خود اپنے ہاتھوں سے پیش کریں۔ کسی دوسرے کی معرفت نہ بھجوائیں) اور حالت ایسی ہو جائے کہ ان کی سرکشی ٹوٹ چکی ہو (اسلام حکم کے سامنے سرنگوں ہو کر جھک چکے ہوں)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **مَوَاطِنَ**: جمع موطن۔ یہ موقع کے معنی میں ہے اور اس سے لڑائی کے مواقع مراد ہیں۔

قوله: **اِذْ كُرْ**: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ فعل محذوف کا مفعول ہے اس کا موطن پر عطف نہیں۔

قوله: **أَغْجَبْتَكُمْ**: یہ یوم حنین سے بدس ہے۔ اگر موطن پر عطف ہوتا تو پھر اذ موطن کا بدل ہوتا اور وہ باطل ہے کیونکہ کثرت پر خود پسندی کا تعلق صرف غزوہ حنین سے ہے تذبذب۔

قوله: **مَعَ رَحِبَهَا**: یہاں باء مع کے معنی میں ہے۔ یعنی اپنی وسعت کے ہوتے ہوئے۔

قوله: **فَلَمْ تَجِدُوا مَكَانًا**: جگہ سے مراد یہ ہے کہ اطمینان کی جگہ نہ مل رہی تھی۔

قوله: **مُنْهَزِ مِئِنَ**: یہ تفسیر اس لئے کی کہ تاکہ استدراک لازم نہ آئے کیونکہ ادبار تو دلالت سے سمجھ آ رہا ہے۔

قوله: **بِالْإِسْلَامِ**: یعنی اسلام کی توفیق دی اور وہ اسلام مانے۔

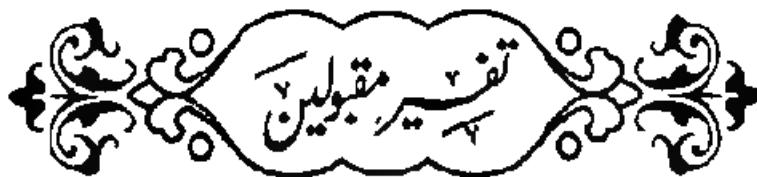
قوله: **يَقْدَرُ**: مصدر کو مضاف مقدر مان کر صفت کی جگہ لائے اسے ذوی قدر۔ اس سے مقصود وصف میں مبالغہ ہے۔

قوله: **لَا يَدْخُلُوا الْحَرَامَ**: تراب کا ذکر کر کے دخول مراد لیا تاکہ مبالغہ ہو۔

قوله: **وَالْأَمْنُ**: یعنی اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ نبی اکرم ﷺ پر ضرور ایمان لے آتے۔

قوله: **الْقَابِطِ**: اس سے اشارہ کیا کہ جناب نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد جو ثابت و برحق ہے۔

قوله: **الْخِرَاجِ الْمَضْرُوبِ**: وہ ٹیکس جو ان پر ایمان کی آراضی پر لگایا جائے۔



لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ.....

غزوہ حنین میں مسلمانوں کا اپنی کثرت پر اترانا اور اوائل جنگ میں شکست کا سامنا ہونا:

ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے یہ فرمایا کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی۔

پھر خصوصیت کے ساتھ غزوہ حنین میں مدد فرمانے کا واقعہ یاد دلایا۔ حنین مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے۔ مکہ فتح

ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ بنی ہوازن کی طرف تشریف لے گئے۔ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بہت بڑی جماعت تھی،

۴۴

۱۰۔ التوبة ۹

مقبلیں شرح صحابہ

بعض صحابہ کے منہ سے نکل گیا کہ آج ہم کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمانوں کو اول شکست ہوئی اور بہت زیادہ پریشانی ہوئی اور چند افراد کے علاوہ سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔

غزوة حنین کا منفصل واقعہ:

اس واقعہ کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ جب قبیلہ ہوازن کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا ہے تو مالک بن عوف نضری نے جو ان کا سردار تھا یعنی ہوازن کو جمع کیا ان کے ساتھ بنو ثقیف، بنو نضیر، بنو جشم، بنو سعد بن بکر اور کچھ بنی ہلال میں سے جمع ہو گئے۔ ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے قتال کریں، ان کے ارادوں کی خبر ملنے پر جب آپ نے ان کی طرف تشریف لے جانے کا ارادہ کیا تو مالک بن عوف نے اپنی جمعیت اور اپنے اموال اور عورتوں اور بچوں کو مقام حنین میں جمع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن ابی حدردا سلمی رضی اللہ عنہ کو ان کی خبر لینے کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ تم ان کے اندر جا کر ہو اور صحیح حال معلوم کر کے ان کی خبر لے آؤ۔ حضرت عبداللہ بن ابی حدردا رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور ان میں داخل ہو کر ان کی خبریں لیں اور حالات معلوم کیے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو صورت حال سے باخبر کیا اور بتایا کہ ان لوگوں کی نیت جنگ کرنے کی ہے۔ آپ نے مکہ معظمہ سے جب ان کے مقابلہ کے لیے سفر شروع فرمایا تھا تو آپ کے ساتھ دس ہزار افراد تو وہ تھے جو فتح مکہ کے لیے مدینہ منورہ سے ہوا آئے تھے اور دو ہزار آدمی مزید اہل مکہ میں سے ساتھ ہو گئے تھے۔ حضرت ہبل بن حنظلہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے اسی اثناء میں نماز ظہر کا وقت آ گیا اس وقت ایک گھوڑ سوار آدمی آیا اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں آپ کے آگے چلا گیا تھا میں فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھ گیا تو میں نے دیکھا کہ بنی ہوازن سب کے سب اپنی عورتوں اور اپنے اموال اور اپنے بکریوں کو لے کر حنین میں جمع ہو گئے ہیں آپ نے مسکرا کر فرمایا: ان شاء اللہ کل کو یہ سب مسلمانوں کے لیے مال غنیمت ہوں گے۔ آنے والی رات میں حضرت انس ابن ابی مرہد جو کیداری کرتے رہے اور ادھر ادھر مختلف گھائیوں پر گھوڑے پر سوار ہو کر پھرتے رہے تاکہ دشمن کی خبر رکھیں۔

جب صبح ہوئی تو مسلمانوں کے لشکر اور بنی ہوازن کی جمعیت کا مقابلہ شروع ہوا۔ یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ بات نکل گئی تھی کہ اس وقت ہماری تعداد بہت ہے انفرادی کی وجہ سے آج شکست نہیں کھائیں گے۔ بنی ہوازن کے لوگ تیر اندازی میں بہت ماہر تھے۔ انہوں نے تیر اندازی شروع کی تو مسلمان پشت پھیر کر بھاگ لیے۔ دشمن کے مقابلہ میں صرف رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ چند افراد رہ گئے تھے جن میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ برابر پکارتے رہے۔ اِنْهَا النَّاسُ هَلُمُّوا اِلَيَّ اَنَا رَسُولُ اللّٰهِ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ (اے لوگو! میری طرف آ جاؤ۔ میں رسول اللہ ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں) اس موقع پر رسول اللہ ﷺ سفید خچر پر سوار تھے اور بطور جریہ پڑھ رہے تھے۔

اَنَا الشَّيْءُ لَا كَذِبُ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

(میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبدالطلب کی اولاد ہوں)

اس موقع پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور عرض کیا: اَللّٰهُمَّ نَزِّلْ نَصْرَكَ (اے اللہ! اپنی مدد نازل فرما) آپ نے

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لوگوں کو پکارو کہ اے انصار کی جماعت ادھر آؤ اے اصحاب شجرہ (جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی) ادھر آؤ یہ حضرات آوازن کر لیک لیک کہتے رہے اور رسول اللہ ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر مشرکین کی طرف پھینک دی اور فرمایا: شاہنت الوجوه (ان کی صورتیں بگڑ جائیں) اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ کنکریاں دشمنوں کی آنکھوں میں پڑ گئیں اور ان میں سے ایسا کوئی بھی باقی نہ رہا جس کی آنکھ میں سنی نہ پڑی ہو۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بنی ہوازن اور ان کے ساتھ جمع ہونے والے قبائل کو شکست ہو گئی۔ ان میں بہت سے مقتول ہوئے اور بڑی تعداد میں قید کر کے خدمت عالی میں حاضر کیے گئے جن کی مشکلیں بندھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کے اموال اور عورتیں اور آل اولاد سب مسلمانوں کو بطور غنیمت مل گئے۔ (جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کے اموال انشاء اللہ کل کو مسلمانوں کے لیے مال غنیمت ہوں گے)۔

جن لوگوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول نہیں کیا تھا یوں ہی ساتھ چلے آئے تھے انہوں نے جب اللہ کی مدد دیکھی تو اس موقع پر اسلام قبول کر لیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو فتح یابی نصیب فرمائی تو آپ نے مال غنیمت کو جس میں اونٹ، بکریاں اور غلام باندیاں سبھی تھے۔ مقام حمرانہ پر لے جانے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ وہاں لے جا کر سب جمع کر دیے جائیں اور حضرت مسعود بن عمرو انصاری کو ان اموال کو لے جانے کا ذمہ دار بنا دیا۔

مقام اوطاس میں مشرکین سے معتابلہ اور ان کی شکست:

اس کے بعد میدان سے بھاگنے والے دشمنوں کی ایک جماعت نے مقام اوطاس پر پڑاؤ ڈالا، اندازہ تھا کہ یہ لوگ جنگ کریں گے رسول اللہ ﷺ نے ان کے مقابلہ کے لیے حضرت ابو مرثدہؓ کو بھیجا، ان سے جنگ ہوئی تو ان پر غلبہ پالیا۔ لیکن حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ وہیں شہید ہو گئے ان کے بعد ان کے چچا زاد بھائی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے مجتہد اسنبالا اور قتال کیا اللہ تعالیٰ نے فتح یابی نصیب فرمائی اور انہی کے ہاتھوں وہ شخص مقتول ہوا جس نے حضرت ابو عامر کو شہید کیا تھا۔ جنگ اوطاس کے موقع پر بھی مال غنیمت ملا جن میں مشرکین کی بہت سی عورتیں بھی تھیں۔

طائف کا محاصرہ پھر وہاں سے واپسی:

غزوہ حنین سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ طائف کی طرف روانہ ہوئے وہاں مالک بن عوف بنی ہوازن کا سردار اور اس کے ساتھی اور دوسرے لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے رسول اللہ ﷺ نے چوبیس دن اور ایک روایت کے مطابق سترہ دن ان کا محاصرہ کیا قلعہ کے اندر رہتے ہوئے وہ لوگ تیر پھینکتے رہے اور باہر نہ آئے۔ مسلمانوں میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے منجیق استعمال فرمائی اور اس کے ذریعہ قلعہ کے اندر پتھر پھینکے (یہ اس زمانہ میں پتھر پھینکنے کا ایک آلہ تھا، دور حاضر کی توپ اس کی ترقی یافتہ ایک شکل ہے) واقعہ کا بیان ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے منجیق بنائی تھی اور استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ جب فتح یابی کی کوئی صورت نہ بنی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہم کل واپس ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپ اگلے دن وہاں سے واپس ہو گئے اور چلتے دقت یوں رہی۔

(اے اللہ ان کو ہدایت دے اور ہمارے لیے تو ہی کافی ہو جا) تاکہ ہمیں ان سے نبتانہ پڑے) اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بنی ثقیف کا وفد (جو طائف کے رہنے والے تھے) آئندہ سال رمضان المبارک میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا (یا رہے کہ طائف والے وہی تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو زخمی کیا تھا۔ پھر بھی آپ انہیں ہدایت کی دعا دے کر تشریف لے آئے)۔

جعرانہ میں تقسیم غنائم:

آپ طائف سے واپس ہوئے تو مقام جعرانہ میں پہنچے آپ کے ساتھ مسلمانوں کا لشکر عظیم تھا۔ وہاں پہلے سے غنیمت کے اموال بھیج دیئے تھے۔ جن میں بنی ہوازن کے قیدی بھی تھے۔ ان قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی جن میں بچے اور عورتیں بھی تھیں اور بہت بڑی بیماری اوند میں بھی تھی اور بکریاں بھی تھیں۔ آپ نے ان کو اپنے لشکر میں تقسیم فرما دیا۔ پھر ان کی درخواست پر غنائم سے اجازت لے کر ان کے قیدی واپس کر دیئے کیونکہ بنی ہوازن نے اسلام قبول کر کے اس کی درخواست کی تھی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا مالک بن عوف جو بنی ہوازن کا سردار تھا وہ طائف میں قلعہ بند ہو گیا تھا۔ آپ نے اس کو خبر بھیجی کہ اگر اسلام قبول کر کے میرے پاس آ جائے تو اس کے کنبہ کے لوگ اور اس کا مال واپس کر دوں گا اور اس کو سواونٹ بھی دے دوں گا جب مالک بن عوف کو یہ بات پہنچی تو اس نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت ﷺ نے اپنے وعدہ کے مطابق اس کے اہل و عیال واپس کر دیئے اور سواونٹ بھی عنایت فرما دیئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا پھر مدینہ منورہ ہالیت اور سلامتی کے ساتھ تشریف لے آئے۔

(من البدایة والہایة للحافظ ابن کثیر ص ۳۲۲ تا ص ۳۶۸ مختصراً وملتقطاً)

لَمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ.....

حسین میں فرشتوں کا نزول:

مسلمانوں کو اول شکست ہوئی۔ اور ایسی شکست ہوئی کہ زمین ان کے لیے تنگ ہو گئی اور سب اس کا وہی ہوا کہ بعض مسلمانوں نے کہہ دیا کہ آج تو ہم اعدا میں بہت ہیں شکست کا احتمال ہی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور رسول اللہ ﷺ پر سکینہ نازل فرمایا اور سکون و اطمینان کے ساتھ دوبارہ جنگ کرنے لگے جس سے دشمنوں نے شکست کھائی۔ قرآن مجید میں غزوة حنین کا ذکر کرتے ہوئے (وَ أَنْزَلْنَا جُنُودًا لَّهُمْ نَدْوَاهَا) بھی فرمایا (اور اللہ نے لشکر اتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا) صاحب معالم التنزیل (ص ۲۸۱ ج ۲) میں فرماتے ہیں یعنی: الملائكة قبيل لا للقتال و لكن لتجيب الكفار و تشجيع المسلمين لأنه يروى أن الملائكة لم يقاتلوا الا يوم بدر، (فرشتوں کا نزول بعض نے کہا قال کے لیے نہیں تھا بلکہ اس لیے تھا کہ وہ کفار کو بزدل بنائیں اور مسلمانوں کو بہادر، کیونکہ مروی ہے کہ فرشتوں نے قال صرف بدر میں کیا تھا) یعنی لشکروں سے فرشتے مراد ہیں۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ فرشتے جنگ کرنے

کے لیے نہیں بلکہ کافروں کو بزدل بنانے کے لیے اور مسلمانوں کو دلیر کرنے کے لیے نازل کیے گئے تھے۔ کیونکہ یہ بات روایت کی جاتی ہے کہ فرشتوں نے بدر کے موقع کے علاوہ اور کسی موقع پر قتال میں حصہ نہیں لیا۔ صاحب روح المعانی ص ۷۰ ج ۱۰ نے بھی (جَوْنُذًا لَمْ تَدُوْهَا) کی تفسیر فرشتوں سے کی ہے اور لکھا ہے کہ جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ فرشتوں نے بدر کے علاوہ کسی اور موقع پر قتال نہیں کیا وہ مؤمنین کے قلوب کی تقویت کے لیے اور مشرکین کے قلوب میں رعب ڈالنے کے لیے آئے تھے۔ پھر ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے قتال بھی کیا تھا لیکن اخیر میں لکھا ہے: ولبس له سند يعول عليه، یعنی اس کی کوئی سند معتد نہیں۔

فرشتوں کے اتارنے کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا: وَعَذَابَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ وَاللّٰهُ لَعَلَّكَ تَتَذَكَّرُ (جو مشغول ہوئے اور قیدی بنے)۔ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِيْنَ ۗ اور یہ کافروں کی سزا ہے۔ (جو دنیا میں ہے) اور آخرت میں جو سزا ہے وہ دنیاوی سزا کے علاوہ ہے جو کفر پر مرے گا وہاں دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّهَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ...

مشرکین نجس ہیں مسجد حرام کے پاس نہ جائیں:

یہ آیت بھی سورۃ براءت کی شروع کی ان چالیس آیات میں سے ہے جن کا اعلان ۹ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حج کے موقع پر کرایا گیا تھا جس میں حضرت ابو بکر امیر المومنین تھے۔ جن چیزوں کا اعلان کیا تھا۔ ان میں یہ بھی تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں طواف نہ کرے (جیسا کہ مشرکین کیا کرتے تھے) اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ ”مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں۔“ اس میں حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ حکم دیا ہے کہ آئندہ مشرکین کو حج نہ کرنے دیا جائے، مسجد حرام میں نہ آنے دینے کا یہی مطلب ہے۔ اگر کسی کافر کو مسجد حرام میں یا کسی بھی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے تو حضرت امام صاحب کے نزدیک یہ جائز ہے۔ اور پلید ہونے سے مراد ان کی اندرونی ناپاکی یعنی عقائد شرکیہ اور کفریہ مراد ہیں۔ ہاں اگر ان میں کوئی مرد عورت جنابت والا ہو یا کوئی عورت حیض والی ہو یا جسم پر کوئی عابری نجاست لگی ہوئی ہو تو ان نجاستوں کی وجہ سے داخل نہ ہونے دیا جائے گا اور اس میں مؤمن اور کافر کا حکم ایک ہی ہے۔ دیگر ائمہ کا مذہب اس میں مختلف ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ کسی کافر کو خواہ ذمی ہو یا یتیم لے کر آیا ہو کسی بھی صورت میں مسجد حرام میں داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کافروں کی طرف سے کوئی قاصد آئے تو امام المسلمین مسجد سے باہر نکل کر اس سے گفتگو کرے۔

یہ تو ان حضرات کا مذہب مسجد حرام کے داخلہ کے بارے میں ہے۔ رہا دوسری مساجد کا مسئلہ تو حضرت امام شافعی دوسری مسجدوں میں کافر کے داخلہ کی اجازت دیتے ہیں اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ تمام مسجدوں کا حکم برابر ہے کسی بھی مسجد میں کافر کا داخلہ جائز نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ نے جو آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کافروں کو حج اور عمرہ کرنے سے روکا جائے اور بعض حالات میں

کافروں کے مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت ہے اس کی دلیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد پیش کیا جاتا ہے جسے درمنثور (ص ۲۲۶ ج ۳) میں مصنف عبدالرزاق وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ **فَلَا يَقْرَأُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا** الا ان يكون عبدا او احدا من اهل الذمة (کہ مشرکین اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر یہ کہ کوئی غلام ہو یا کوئی شخص ذمی ہو) اور یہ معلوم ہے کہ کافر مشرک ہونے میں غلام باندی اور ذمی اور دوسرے مشرکین سب برابر ہیں۔ جب غلام اور ذمی کو اجازت دے دی گئی تو معلوم ہوا کہ ہر کافر کے داخلہ کی اجازت ہے۔ البتہ اس بات کی ممانعت ہے کہ ان کو حج یا عمرہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ حدیث بالا درمنثور میں موقوفہ ہی نقل کی ہے لیکن علامہ ابو بکر جصاص نے احکام القرآن (ص ۱۸۹ ج ۳) میں مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح نقل کی ہے پھر لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے دونوں طرح صحیح ہو۔ حضرت جابر نے بعض اوقات ارشاد نبوی کے طور پر نقل کر دیا اور بھی اپنی طرف سے فتویٰ دے دیا۔

مراہیل ابوداؤد میں ہے کہ بنی ثقیف کا وفد جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ نے ان کے لیے مسجد کے آخری حصہ میں ایک قبہ لگوا دیا تاکہ وہ مسلمانوں کی نمازیں اور ان کا رکوع سجدہ دیکھیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ انہیں مسجد میں ٹھہراتے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ زمین ناپاک نہیں ہوتی ابن آدم ناپاک ہوتا ہے۔ امام طحاوی نے اس واقعہ کو شرع معانی الآثار کے سب سے پہلے باب میں نقل کیا ہے۔ اس کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: فقال رسول الله ﷺ انه ليس على الارض من انجاس الناس شيء انما انجاس الناس على انفسهم (لوگوں کی نجاستوں میں سے زمین پر کچھ بھی نہیں ان کی نجاستیں ان کی اپنی جانوں پر ہیں)۔

ثمامہ بن اثال کا واقعہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ کافر کو مسجد میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ ثمامہ ایک شخص تھے جنہیں حضرات صحابہ گرفتار کر کے لے آئے تھے اور ان کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا تھا۔ بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

(مسحیح بخاری ص ۱۶۶)

فَلَا يَقْرَأُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ.... (مشرکین مسجد حرام کے قریب نہ جائیں) اس کی تصریح فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: **وَلَنْ يَخْفَظَهُ عَلَيْكُمْ فَسَوْفَ يُغْلِبُكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ** (اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو عنقریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر چاہے)۔

اس کا سبب نزول بتاتے ہوئے درمنثور میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یوں نقل کیا ہے کہ مشرکین جب حج کے لیے آتے تھے تو اپنے ساتھ غلہ (گیہوں، جو وغیرہ) بھی لے آتے تھے اور ان کو فروخت کرتے تھے۔ جب حج کے لیے ان کا آثاروک دیا گیا تو مسلمانوں نے کہا کہ اب ہمیں کفار کی چیزیں کہاں سے ملیں گی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان سے وعدہ فرمایا کہ اللہ اگر چاہے تو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت مجاہد سے بھی یہ بات منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مسلمان کافروں سے اور ان اموال تجارت سے بے نیاز ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے رزق کے دوسرے دروازے کھول دیئے اور انہیں جو سحاشی مشکلات کا اندیشہ تھا انہیں دور فرما دیا۔ (انوار البیان)

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ....

اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم:

سابقہ آیات میں مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم تھا۔ اس آیت میں اہل کتاب سے قتال کرنے کا حکم ہے۔ اسلام کا قانون ہے کہ کافروں سے جب جہاد کیا جائے تو اول ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو آگے کوئی جنگ نہیں۔ اب وہ اپنے ہو گئے ان سے جنگ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہا۔ اب تو انہیں دین سکھائیں گے۔ اسلام کے احکام بتائیں گے اور نئے پرانے مسلمان سب اتحاد و اتفاق کے ساتھ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ کر چلیں گے۔ اگر کافر اسلام قبول نہ کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ تم جزیہ دو یعنی ملک ہمارا ہو گا تم اس ملک میں رہو اور تمہاری جانوں کی ہم حفاظت کریں گے۔ اس حفاظت کے بدلہ ہمیں مال دینا ہو گا۔ اگر ملک پر کوئی حملہ آدر ہو گا تو تمہیں ساتھ مل کر لڑنا ہو گا۔ اگر وہ اس کو قبول کریں تو بھی آگے لڑائی کا کوئی موقعہ نہیں یہ جو جانوں کی حفاظت کا بدلہ ہو گا اس کو جزیہ کہا جاتا ہے۔ یہ جزیہ یجزی کا مصدر ہے، جو فعلتہ کے وزن پر ہے جزیہ کفر کی سزا کے طور پر مقرر کیا گیا ہے۔ یہ ہر شخص سے نہیں لیا جاتا اور سب سے برابر بھی نہیں لیا جاتا۔ جس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ ابھی لکھی جائے گی۔

اگر کافر جزیہ دینے سے بھی انکاری ہوں تو پھر قتال یعنی جنگ کی صورت اختیار کی جائے گی اس بارے میں فرمایا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یہاں تک کہ ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کریں۔ اس میں اہل کتاب کی قید احرازی نہیں ہے۔ دوسرے کافروں کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مشرکوں سے جزیہ وصول کیا تھا۔

آیت میں قتال اور جزیہ کا ذکر ہے۔ دعوت اسلام پیش کرنے کا ذکر نہیں اس لیے کہ جن لوگوں کو پہلے سے دعوت اسلام پہنچ ہوئی ہو انہیں قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری نہیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اسلام سے پوری طرح واقف تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو پوری طرح پہچان گئے تھے کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس سب کے باوجود منکر تھے۔ رسالت کے تو منکر تھے ہی، اللہ کی توحید کو بھی چھوٹ چکے تھے اور آخرت پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے، اگر کسی درجے میں آخرت کا تصور تھا تو وہ آخرت کو نہ ماننے کے درجے میں تھا کیونکہ جانتے بوجھتے کفر اختیار کرنا اور آخرت میں جو کفر کی سزا ہے یعنی عذاب دائمی، اسے بھٹکنے کے لیے تیار رہنا یہ آخرت کو نہ ماننے کے درجے میں ہے۔ نیز وہ حشر اجماع یعنی مادی اجسام کے دوبارہ زندہ ہونے اور حساب کتاب کے قائل نہیں تھے۔ جنت اور دوزخ کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ کوئی خاص مقام نہیں ہے روح کی خوشی کا نام جنت اور غم کا نام جہنم رکھا ہوا تھا۔ اسی لیے قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ فرمایا۔ قال صاحب الروح: وایمانہم الذی یزعمونہ لیس علی ما ینبغی فهو کلا ایمان (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں ان کا ایمان جسے وہ ایمان خیال کرتے تھے وہ درحقیقت ایمان نہیں وہ تو ایمان کا نہ ہوتا ہے)۔ (ص ۶۸ ج ۱۰)

اہل کتاب کا حال بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا: وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو حرام نہیں سمجھتے۔ جب دین اسلام کو قبول نہیں کرتے تو حرام و حلال کی تفصیلات کو بھی نہیں

مانتے۔ صاحب روح المعانی نے اس کی تفسیر میں بعض علماء کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ان کا جس رسول پر ایمان لانے کا دعویٰ ہے اس نے جس چیزوں کو حرام قرار دیا خواہشات نفس کے اتباع کی وجہ سے ان کو حرام قرار نہیں دیتے۔ ان کی شریعت کو بھی بدل دیا اور عمل سے بھی دور ہو گئے مثلاً رشوت اور سود کا لینا دینا ان کے ہاں عام تھا۔ جن کی حرمت ان کی کتابوں میں تھی۔

اہل کتاب کا مزید حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ کہ وہ دین حق یعنی اسلام کو قبول نہیں کرتے۔ ان کی یہ صفات اور ان کے یہ حالات اس بات کو مقتضی ہیں کہ ان سے جنگ کی جائے۔ اگر اسلام قبول کر لیں تو بہتر ہے ورنہ مزید دینے پر آمادہ ہو جائیں اس صورت میں ان سے قتال روک دیا جائے گا اور جنگ نہیں کی جائے گی۔

پھر فرمایا: حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ، اس میں لفظ عَنْ يَدٍ سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ جس شخص پر جزیہ دینا مقرر کر دیا گیا وہ خود آ کر ادا کرے کسی دوسرے کے ذریعہ نہ بھیجے کیونکہ جزیہ لینے سے ان کی تحقیر بھی مقصود ہے۔ خود گھر میں بیٹھے رہے اور کسی کو وکیل بنا کر جزیہ بھیج دیا تو اس میں ان کا اعزاز ہے۔ اس لیے وکیل کے واسطے سے بھیجنا منظور نہ کیا جائے بلکہ ان کو مجبور کیا جائے کہ وہ خود آ کر ادا کریں اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ منقاد اور فرمانبردار اور تابع ہو کر جزیہ ادا کریں۔ بعض اکابر نے اس قول کے مطابق یوں ترجمہ کیا ہے کہ ماتحت ہو کر رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ نقد ہاتھ در ہاتھ جزیہ دینا منظور کریں۔

پھر آخر میں فرمایا: وَهُمْ صِغَرُونَ ﴿۱۰﴾ کہ اس حالت میں جزیہ دیں کہ وہ ذلیل ہوں۔ بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ کھڑے ہو کر ادا کریں اور جو مسلمان لینے والا ہو وہ بیٹھ کر وصول کرے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ذمی کا گلا پکڑ کر یوں کہا جائے گا کہ: اعط الجزية يا ذمي (اے ذمی جزیہ دے) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وصول یا بی کرنے والا یوں کہے: اذِ حَقَّ اللّٰهُ تَعَالٰی يَا عَدُوَّ اللّٰهِ (اے اللہ کے دشمن، اللہ کا حق ادا کر) اور حضرت امام شافعی نے فرمایا کہ ذمیوں کے ذلیل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں جو ادا کام دیئے جائیں گے ان پر عمل کریں گے اور مسلمانوں کی ماتحتی میں رہیں گے۔ یہ اقوال صاحب روح المعانی نے (ص ۷۹ ج ۱۰) نقل کیے ہیں، پھر آخر میں لکھا ہے کہ آج کل مسلمانوں کا ان میں سے کسی قول پر بھی علم نہیں۔ وہ اپنے نائب کے ذریعہ ہی جزیہ بھیج دیتے ہیں۔ ان سے لے لیا جاتا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو مجبور کیا جائے کہ خود لے کر آئیں۔ پیدل آئیں۔ سوار نہ ہوں اور اس کی خلاف ورزی اسلام کے ضعف کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ صاحب روح المعانی نے اپنے زمانہ کے ملوک اور امراء کی شکایت کی کہ مسلمان امراء نائب سے جزیہ قبول کریتے ہیں لیکن آج تو یہ حال ہے کہ مسلمان کسی ملک میں جزیہ لینے کا قانون جاری کرتے ہی نہیں۔ یہ لوگ کافروں سے ڈرتے ہیں جزیہ مقرر نہیں کرتے بلکہ ملک میں رہنے والے کافروں کو مسلمانوں سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور ان کا اکرام کرتے ہیں۔ ان کو اسٹیبل کا ممبر بھی بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہمت اور حوصلہ دے اور کفر اور کافر کی قباحت اور شاعت اور نجاست اور بغض اور نفرت مسلمانوں کے دلوں میں ڈال دے تاکہ اہل کفر کو ذلیل سمجھیں اور ذلیل بنا کر رکھیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ ذمی کافروں کو دارالاسلام میں کوئی عبادت خانہ نیا بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اسلام کے غلبہ ہونے سے پہلے جو ان کا کوئی عبادت

خانہ ہو اور وہ منہدم ہو جائے تو اسے دوبارہ بنا سکتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے لباس میں اور سوار یوں میں اور ٹوپوں میں اور مسلمانوں کے لباس اور سوار یوں وغیرہ میں امتیاز رکھا جائے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ لوگ گھوڑوں پر سوار نہیں ہو سکتے اور ہتھیار بند ہو کر نہیں چل پھر سکتے۔ مسلمان ان سب احکام کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں کیونکہ کفر اور کافر سے بغض نہیں ہے۔ (العیاذ باللہ) مسلمانوں کے ملکوں میں کافروں کی مشنریاں کام کر رہی ہیں۔ جاہل اور غریب مسلمانوں کو اپنے دین میں داخل کر رہی ہیں لیکن مسلمانوں کے اصحاب اقتدار ذرا بھی توجہ نہیں دیتے، وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں رواداری ہے اور کافر اقوام سے ڈرتے بھی ہیں اور جھینپتے بھی ہیں، ملک مسلمانوں کا ہو اور کفر کی کھلی تبلیغ ہو یہ احکام اسلامیہ کی کتنی بڑی خلاف ورزی ہے؟ اس کو اصحاب اقتدار نہیں سوچتے۔ فاللہ یہدیہم۔

جزیرہ کی مقدار کیا ہے؟ اس کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک جزیرہ تو وہ ہے جو آپس کی رضامندی اور صلح سے مقرر کر لیا جائے۔ جتنی مقدار پر اتفاق ہو جائے اسی قدر لے لیا جائے اس میں ہر فرد سے وصول کرنے کی ضرورت نہیں ان کے جو ذمہ دار ہوں وہ جس طرح چاہیں آپس میں وصولیابی کر کے امیر المؤمنین کو پہنچادیں۔ سالانہ ماہانہ جتنے جتنے وقفہ کے بعد لینا دینا طے ہو اسی کے مطابق عمل کرتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نصاریٰ نجران سے یوں معاملہ فرمایا تھا کہ پوری جماعت سالانہ دو ہزار حلو ادا کیا کرے حلو دو چاروں کو کہتے ہیں یعنی ایک تہہ اور ایک چادر اور ہر حلو کی قیمت کا اندازہ بھی طے کر دیا گیا تھا کہ ایک اوقیہ (چندی) کی قیمت کا ہوگا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا اور ایک درہم کا وزن ۳ ماشہ ایک رتی اور ۱۰ رتی ہوتا تھا۔ ایک دوسری صورت یہ ہے کہ امیر المؤمنین ان کے ملک پر قابض ہو کر انہیں ان کی اماں پر باقی رکھے اور ان پر نفی کس مخصوص رقم مقرر کر دے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے مالدار آدمی پر سالانہ از تالیس درہم مقرر کیے تھے جن میں سے ہر ماہ چار درہم ادا کرنا لازم تھا اور جو شخص متوسط درجے کا مالدار ہو اس پر چوبیس درہم مقرر کیے تھے۔ ہر ماہ اس سے دو درہم لیے جاتے تھے اور جو شخص مالدار نہ ہو مزدوری کر کے کھاتا کھاتا ہو اس پر پارہ درہم کی ادائیگی لازم کی تھی جس میں سے ہر ماہ ایک درہم وصول کیا جاتا تھا۔

عورت، بچہ پانچ اور وہ نادار جو محنت کر کے کمانے کے لائق نہیں اور وہ لوگ جو اپنے عبادت خانوں میں رہتے ہوں لوگوں سے ان کا میل ملاپ نہ ہو ان لوگوں پر کوئی جزیرہ نہیں۔

اہل کتاب پرست، آتش پرست ان سب سے جزیرہ لیا جائے گا۔ البتہ اہل عرب جو بت پرست ہیں ان پر جزیرہ نہیں لگایا جائے گا بلکہ ان سے کہا جائے گا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہارے لئے تلوار ہے۔

مسلمانوں میں سے جو لوگ مرتد ہو جائیں (العیاذ باللہ) ان پر جزیرہ نہیں لگایا جائے گا۔ ان سے بھی یہ کہا جائے گا کہ اسلام قبول کرو ورنہ تمہارے لئے تلوار ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزِّيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصْرَى الْمَسِيْحُ عِيسَى ابْنُ اللَّهِ ذَلِكِ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ
لَا مُسْتَنْدَ لَهُمْ عَلَيْهِ بَلْ يَضَاهُونَ يَشَابَهُونَ بِهِ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ مِنْ آبَائِهِمْ تَقْلِيْدًا لَهُمْ
قَتَلَهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ أَلَيْ كَيْفَ يُوَفِّكُونَ ۝ بَصُرْفُونَ عَنِ الْحَقِّ مَعَ قِيَامِ الدَّيْلِ إِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ

غُلَمَاءَ الْبُهُودِ وَرُهْبَانَهُمْ عِبَادَ النَّصْرَى أَرْبَابًا مَن دُونَ اللَّهِ حَيْثُ اتَّبَعُوهُمْ فِي تَحْلِيلِ مَا حَرَّمَ وَ
 تَحْرِيمِ مَا أُجِلَ وَالسَّيِّحِ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا أَمُرُوا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ إِلَّا لِيَعْبُدُوا أَيُّ بَأْنٍ يُعْبُدُوا
 إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ تَزْيِينًا لَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ شَرَعَهُ
 وَيَرَاهِبُونَ بِأَقْوَامِهِمْ بِأَقْوَالِهِمْ فِيهِ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ بِظَهْرٍ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ ذَلِكَ هُوَ
 الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ مُحَمَّدًا بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدُّنْيَا كُلِّهَا ۚ جَمِيعَ الْأَدْيَانِ
 إِلَّا الْمُخَالِفَةَ لَهُ ۚ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ ذَلِكَ يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَجْبَارِ وَالرُّهْبَانِ
 لَيَأْكُمُونَ بِأَيْدِيهِمْ وَأَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ كَالرَّذَى فِي الْحُكْمِ وَيَصُدُّونَ النَّاسَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ
 دِينُهُ وَالَّذِينَ مَبْتَدَأُوا بِكَفْرٍ مِّنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أَيُّ لَا يُؤَدُّونَ
 مِنْهَا حَقَّهُ مِنَ الزَّكَاةِ وَالْخَيْرِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ مَوْلِمٌ يُؤْمَرُ بِحَقِّهَا فِي نَارِ
 جَهَنَّمَ فَتَكْوَى تُحْرَقُ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۚ تُوسَعُ جُلُودُهُمْ حَتَّى تُرَوِّعَ عَلَيْهِ
 كُلُّهَا وَيُنَادَى لَهُمْ هَذَا مَا كَفَرْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ ١٠ جَزَاءُ إِنْ عَدَاةَ
 الشُّهُورِ الْمُعْتَدِبِهَا لِلْمَسْنَةِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ اللَّوْحِ الْمُحْفُوظِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَيُّ الشُّهُورِ أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ مُحَرَّمَةٌ ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبٌ ذَلِكَ أَيُّ
 تَحْرِيمِهَا الدِّينِ الْقِيمِ ۚ الْمُسْتَقِيمِ فَلَا تَطْلُبُوا فِيهِنَّ أَيُّ الْأَشْهُرِ الْحُرَامِ أَنفُسَكُمْ بِالْمَعَاصِي
 فَإِنَّهَا فِيهَا أَعْظَمُ وَرُزْأُ وَقِيلَ فِي الْأَشْهُرِ كُلِّهَا وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً أَيُّ جَمِيعًا فِي كُلِّ الشُّهُورِ
 كَمَا يَقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ إِنَّمَا النَّسِيءُ أَيُّ التَّأخِيرِ
 لِحُرْمَةِ شَهْرٍ إِلَى آخَرَ كَمَا كَانَتْ الْجَاهِلِيَّةُ تَفْعَلُهُ مِنْ تَأخِيرِ حُرْمَةِ الْمُحَرَّمِ إِذَا هَلَ وَهُمْ فِي الْقِتَالِ إِلَى
 صَفْرِ زِيَادَةٍ فِي الْكُفْرِ لِكُفْرِهِمْ بِحُكْمِ اللَّهِ فِيهِ يُضَلُّ بِضَمِّ الْبَاءِ وَفُتِحَتْ بِهَا الدِّينِ كَفَرُوا يُجَلِّتُونَهُ أَيُّ
 النَّسِيءِ ۚ عَامًا وَيَحْرِمُونَهُ عَامًا لِيُؤَاظِنُوا ۚ يُؤَاظِنُوا تَحْلِيلَ شَهْرٍ وَتَحْرِيمَ آخَرَ بِدَلَّةِ عِدَّةٍ عِدَّةٍ مَا حَرَّمَ

اللَّهُ مِنَ الْأَشْهَرِ فَلَا يَزِيدُونَ عَلَى تَحْرِيمِ أَرْبَعَةٍ وَلَا يَنْقُضُونَ وَلَا يَنْظُرُونَ إِلَىٰ أَعْيَانِهَا فَيُحِبُّوهُمَا حَرَّمَ
اللَّهُ زَيْنَ لَهُمْ سُوءَ أَعْمَالِهِمْ ۖ فَظَنُّوهُ حَسَنًا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

صح ۱۱

ترجمہ: وَقَالَتِ الْيَهُودُ آخِ اور یہود نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح (علیہ السلام) خدا کے بیٹے ہیں یہ ان کا قول ہے (محض) ان کے منہ کی بات ہے (جس پر ان کے پاس کوئی سند و دلیل نہیں ہے۔ يَضَاهُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا) يَضَاهُونَ بمعنی يُشَابِهُونَ کے ہے (بلکہ یہ لوگ (یعنی اہل کتاب) بھی اگلے کافروں کے قول کے مشابہت پیدا کرنا چاہتے ہیں (یعنی اپنے باپ دادا کی تقلید کر کے، اللہ ان کو غارت کرے (ان پر اللہ کی لعنت ہو) یہ کدھر بھٹکے جا رہے ہیں یعنی دلیل قائم ہونے کے باوجود حق سے بھرے جا رہے ہیں۔ اِتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمُ آخِ انہوں نے اپنے عالموں کو (علماء یہود کو) اور اپنے درویشوں کو (مشائخ نصاریٰ کو) رب بنا رکھا ہے خدا کو چھوڑ کر (اس اعتبار سے کہ ان لوگوں نے اتباع کر رکھی ہے ان علماء مشائخ کی حرام کی ہوئی چیز کے حلال کرنے میں اور حلال کی ہوئی چیز کے حرام کرنے میں) وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۗ اور مسیح ابن مریم (علیہ السلام) کو بھی (ایک اعتبار سے رب بنا رکھا ہے حالانکہ یہ لوگ نہیں حکم دئے گئے (توریت اور انجیل میں) مگر اس بات کا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ان کے شرک سے پاک (منزہ) ہے۔ يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا آخِ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی اللہ کے دین اسماں اور اس کے دلائل کو اپنے مونہوں سے (اپنی باتوں سے) بجھا دیں حالانکہ اس کو اس کے سوا کچھ منظور نہیں کہ اپنے نور کو پوری طرح پھیلا دے (غائب کر دے) اگرچہ کافروں کو (یہ) برا معلوم ہو۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ آخِ وہی اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول (محمد ﷺ) کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ (دنیا میں) بھیجا تا کہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے (جو اس کے مخالف ہوں) اگرچہ مشرکین کو (یہ) برا معلوم ہو۔ اے ایمان والو! اکثر اہل کفر اور ہمان (یعنی یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ) البتہ کھا جاتے ہیں (لے لیتے ہیں) لوگوں کے مال نا جائز طریقے سے (جیسے مقدمات کے فیصلے میں رشوت مینا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں) (یعنی اللہ کے دین میں روکتے ہیں)۔ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ الْغَيْرَ (الذین مکتبہ ہے) اور جو لوگ سونا، چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو (یعنی جمع کردہ خزانوں کو) اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (یعنی ان خزانوں میں سے مالی حقوق یعنی زکوٰۃ و خیرات ادا نہیں کرتے) سو آپ (اے نبی) ان لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔ بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی (جس کا ایک سال کے لئے شمار کیا گیا ہے بارہ مہینے میں کتاب الہی (یعنی لوح محفوظ) میں جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا (ان بارہ مہینوں میں سے) چار مہینے حرمت والے ہیں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب)۔ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۗ (یعنی ان مہینوں کی تحریم و باحرمت ہونا) دین مستقیم ہے۔ فَلَا تَطْلِمُوا فِيهِنَّ آخِ پس تم ان مہینوں میں (یعنی اشہر حرم میں) اپنی جانوں پر ظلم مت کرو (گناہوں کے ذریعہ یعنی ان مقدس و محترم مہینوں میں گناہ مت کرو کیونکہ ان مہینوں میں گناہ عظیم تر ہے۔ ان بارہ مہینوں میں گناہ کر کے اپنے اوپر ظلم مت کرو۔ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً

الخ اور تم تمام مشرکوں سے لڑو (یعنی سب سے اور سب مہینوں میں لڑو جیسا کہ وہ لڑتے ہیں تم سب سے اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے (بلحاظ نصرت اور مدد کے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: لَا مُسْتَنَدَ لَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ بلا دلیل بات وہ فقط منہ کا بول اور نرا ڈھول ہے۔
- قوله: بِهِ: اس سے مراد وہ قول ہے۔ اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ جار مجرور مقدر ہے اور ضمیر قول کی طرف راجع ہے۔
- قوله: قَتَلَهُمْ: یہ بد دعا ہے اس لئے عطف نہیں کیا گیا۔
- قوله: حَيْثُ اتَّبَعُوهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ ان کا رب بنانا ان کے ساتھ معاملے سے لازم آتا ہے۔
- قوله: يَا نَّيْبُدُوا: لام یہ با کے معنی میں ہے۔
- قوله: شَرَعَهُ: نُورُ اللَّهِ سے مراد شریعت الہیہ ہے۔ وہ نور ذاتی مراد نہیں۔
- قوله: يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لَكُمْ عِلْمٌ: محل کا ذکر کر کے مال مراد لیا گیا ہے۔
- قوله: يُظْهِرُ: یعنی اتمام کا معنی اظہار و غلبہ ہے۔
- قوله: الْمُخَالِفَةِ لَهُ: اس کو مقدر مان کر بتلایا کہ مخالف ادیان مراد ہیں۔
- قوله: يَا خَذُونَ: کھانے کو استعارہ کے طور پر لینے اور حاصل کرنے کے معنی میں لیا ہے۔ کیونکہ اس کی مجملہ اغراض میں بڑی غرض یہی ہے۔
- قوله: مَبْتَدَأُ: اس سے اشارہ کیا اور اذعانہ نہیں کیونکہ سابقہ کلام کا تعلق کفار سے ہے۔
- قوله: الْكُنُوزَ: ضمیر کنوز کی یکنیزون سے سمجھ آتی ہے کیونکہ عام طور پر سونا و چاندی اس سے سمجھی جاتی ہے اور خصوصاً ان کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ مالداروں کا قانون ہیں۔
- قوله: لَا يَزِدُونَ: تمام کا تذکرہ کر کے جزء مراد لیا۔
- قوله: أَخْبِرْهُمْ: سے اشارہ کیا کہ یہ ان کے حق میں مقولے کی تاویل میں ہے۔
- قوله: تُوسِّعُ: اس کے جسم کو بڑھا دیا جائے گا۔
- قوله: وَيُقَالُ لَهُمْ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اس کے بغیر کلام منظم نہیں بنا۔
- قوله: جَزَاؤُهُ: اس سے اشارہ کیا کہ جزاء محذوف ہے۔
- قوله: مُحَرَّمَةٌ: یہ مصدر ہے جو مفعول کے معنی میں آیا ہے۔

قوله: بِالْمَعاصِي: جمهور فرماتے ہیں کہ ظلم سے یہاں مراد معاصی ہیں متبادر معنی مراد نہیں۔

قوله: بجميعة: یہ کافہ مصدر ہے کف عن الشئ تمام مل کر زیادتی سے روکنے والے ہیں۔

قوله: بِحُكْمِ اللَّهِ: وہ حلت و حرمت ہے جو اپنی طرف سے کرنا کفر ہے جس کو انہوں نے اپنے کفر کے ساتھ ملا لیا۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ ...

اہل کتاب کے فساح اور قباح کا بیان:

(ربط): گزشتہ آیات میں مشرکین کے قباح کا بیان ہوا اب اہل کتاب کے قباح اور فساح اور ان کے عقائد باطلہ اور افعال شرکیہ کو بیان کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ مشرکین کی طرح اہل کتاب بھی دین حق کے مطیع اور فرمانبردار نہیں اور ان کی طرح یہ مستوجب قتل و قتال ہیں اس لیے اب آئندہ آیات میں اہل کتاب کے عقائد باطلہ اور ان کے کفریات قولیہ و فعلیہ اور جہالت علمیہ کی کسی قدر تفصیل کرتے ہیں تاکہ گزشتہ آیت میں جو اہل کتاب کے متعلق لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ اور وَلَا يَكْفُرُونَ دِينَ الْحَقِّ فرمایا تھا اس کی کسی قدر تفصیل ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ اہل کتاب کے متعلق جو قتال اور جزیہ کا حکم دیا گیا اس کی وجہ ان کے یہ اعمال کفریہ ہیں۔ اول یہود سے شروع فرمایا کہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ یہ عقیدہ یہود کے تمام فرقوں کا نہیں بلکہ ان میں کے ایک خاص فرقہ کا ہے جو بقول بعض علماء مدینہ کے بعض یہود یعنی یہود بنی قریظہ تھے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ شام کے بعض یہودی بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے اس سرزنش اور توہین کا مخاطب یہی فرقہ ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سلام بن مشکم اور نعمان بن اوفی اور ابوانس اور شاس بن قیس نے آنحضرت ﷺ سے یہ کہا۔

كيف نتبعك وقد نرتك قبلتنا وانت لا تزعم ان عزير ابن الله - رواه ابن اسحاق وابن جرير

(تفسیر در سنن شوری ص 229 ج 3 در دیکھو تفسیر کبیر ص 620 ج 3)

ہم کیسے آپ کی پیروی کریں در انحالیکہ آپ نے قبلہ (بیت المقدس) چھوڑ دیا اور آپ حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے

(ابن اسحاق و ابن جریر نے روایت کیا)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں جو یہود مدینہ رہتے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت زبیر خدا کے بیٹے تھے اس آیت کا نزول اس خاص فرقہ کے بارے میں ہوا جن کا یہ عقیدہ تھا۔ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ اس عقیدہ کی ایک جماعت نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں موجود تھی (دیکھو ادا لیسیر ص 424 ج 3) امام ابو بکر رازی احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ یہود میں کا ایک خاص فرقہ اس کا قائل تھا کہ حضرت عزیر خدا کے بیٹے ہیں تمام یہودی اس کے قائل نہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہودی کا ایک خاص جماعت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جن میں سلام بن مشکم اور

نعمان بن اوفی اور شمس بن قیس اور مالک بن صیف تھے ان لوگوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت عزیر کے متعلق یہ کہا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اب اس فرقہ کا کوئی وجود نہیں اور ہمارے علم میں اب کوئی اس کا قائل نہیں واللہ اعلم۔

(دیکھو احکام القسراّن للامام الجصاص ص 103 ج 3)

(قال تعالى وقالت اليهود عزير ابن قیل اراد به فرقة من اليهود وقالت ذلك والدليل على ذلك ان اليهود قد سمعت ذلك في عهد النبي ﷺ فلم تنكره والمراد فرقة منهم لا جميعهم كقولك جاءني بنو تميم والمراد بعضهم قال ابن عباس قال ذلك جماعة من اليهود جاءوا الى النبي ﷺ فقالون ذلك وهم سلام بن مشكم و نعمان اوفى وشماس بن قيس ومالك بن الصيف فانز الله تعالى هذه الآية وليس في اليهود من يقول ذلك الان فيها نعلم ونها كانت فرقة منهم قال تذلک فانقرضت۔

(کذابی احکام القسراّن ص 103 ج 3)

غرض یہ تھی کہ حق جل شانہ نے اس آیت میں اول یہود کے اس خاص فرقہ کا ذکر کیا جو حضرت عزیر کو خدا تعالیٰ کا فرزند کہتے تھے بعد ازاں نصاریٰ کا حال بیان کیا جو حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے یہود اور نصاریٰ اس عقیدہ میں مشرکین کے ہم نوا ہیں جو ملائکہ اللہ کو خدا کی بیٹیاں بتلاتے تھے۔

پھر یہود و نصاریٰ نے فقط حضرت عزیر اور حضرت مسیح کے خدا بنانے پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے احبار اور رہبان کو بھی خدا بنا لیا بایں صورت کہ ان کے احبار اور رہبان جو فتویٰ دیتے وہ اس کو حکم الہی کے برابر مانتے اور ان کے احکام کو شریعت الہیہ کے احکام کا بدل سمجھتے احبار اور رہبان کو رب بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قول کو اپنا دین اور ایمان سمجھے کہ جو وہ کہیں مان لیں اور جس چیز منع کریں اسے چھوڑ دیں پس اس قسم کے جرائم کی بناء پر حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان لوگوں سے جہاد و قتال کرو یہاں تک کہ یہ لوگ ذلت و خواری کے ساتھ جزیہ دینا قبول کریں

(پہلا جرم) ان لوگوں کا یہ ہے کہ دین الہی کے مصلح اور فرمانبردار نہیں یعنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے۔

(دوم) یہ کہ یہود نے حضرت عزیر کو اور نصاریٰ نے حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ یہود اور نصاریٰ اگرچہ اللہ پر ایمان لانے کے مدعی ہیں مگر فقہان توحید کی وجہ سے وہ ایمان کا عدم قرار دیا گیا۔

(سوم) یہ کہ اپنے احبار اور رہبان کو حلال اور حرام کا مختار مطلق قرار دیا اور ان کے حکم کو خدا کے حکم کی طرح واجب الاتباع سمجھا بجائے دین حق کے اتباع کے احبار اور رہبان کے اتباع کو مدار نجات جانا اور نصاریٰ نے بہت سے محرمات کو محض پولوس کے مباح کر دینے سے حلال مان لیا۔ حالانکہ توریت میں ان چیزوں کی حرمت صراحتاً موجود ہے اور آج کل کے نصاریٰ کا تو حال علی نہ پوچھو ان لوگوں نے تو شراب اور زنا سب کو حلال کر لیا جو تمام شریعتوں میں حرام تھا۔ غرض یہ کہ ان لوگوں نے اپنے احبار اور رہبان کو حق تشریح عطا کیا اور ان کے حکم کو خدا کے حکم کی طرح واجب الاطاعت سمجھا اور ظاہر ہے کہ تشریح احکام اور تحلیل و تحریم صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا اور ائمہ دین جو فتویٰ دیتے ہیں وہ کتاب و سنت سے استنباط کر کے دیتے ہیں ان کا اتباع درحقیقت خدا اور رسول کا اتباع ہے ائمہ دین: وَجَعَلْنَهُمْ آيَةً يُهْدُونَ بِالْحَقِّ وَالْبَيِّنَاتِ لِقَوْمٍ يُعَذِّبُ

اس لیے ان کا اتباع کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام: یہ کہ اہل کتاب بھی شرک میں مشرکین کے مشابہ ہیں اگرچہ شرک کا طریقہ مختلف ہے مشرکین بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور یہ لوگ حضرت مسیح کی پرستش کرتے ہیں۔ شرک میں دونوں شریک ہیں بلکہ ایک اعتبار سے عابد مسیح عابد منم سے شرک میں بڑھ کر ہے اس لیے کہ عابد مسیح کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ معاذ اللہ مسیح بن مریم میں حلول کر آیا ہے اور اس کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرح مسیح بھی خالق عالم اور مدبر عالم ہے۔ اور مشرکین کا بتوں کے متعلق یہ عقیدہ کی نہیں۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص 620 تا 647)

چونکہ اہل کتاب نے دین حق کو قبول نہیں کیا۔ اس لیے یہود نے تو یہ کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے یہ کہا عیسیٰ مسیح اللہ کا بیٹا ہے ان کی منہ کی باتیں ہیں۔ محض ان کی زبانوں سے نکلی ہیں جن کی نہ کوئی حقیقت اور اصلیت ہے اور نہ کوئی سند اور نہ کوئی دلیل ہے کما قال تعالیٰ: وما جعل ادعیائکم ابداءکم ذلکم قولکم بافواہکم۔ اذ تلقونہ بالسننکم وتقولون بافواہکم مالہس لکم بہ علم ویلد الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا مالہم بہ من علم ولا لا باہم کبرت کلمۃ تخرج من افواہہم ان یقولون الا کذباً۔

ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام یہود اس کے قائل ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ سو جاننا چاہئے کہ ظاہری عموم مراد نہیں بلکہ ایک خاص فرقہ مراد ہے جو آں حضرت ﷺ کے زمانے میں موجود تھا اور مدینہ میں رہتا تھا انہوں نے آں حضرت ﷺ کے زمانے میں یہ بات کہی تھی جس پر یہ آیت اتری اور یہود کو پڑھ کر سنائی گئی مگر کسی نے اس آیت کو سن کر انکار نہیں کیا اور نہ اس کی تکذیب کی حالانکہ وہ آں حضرت ﷺ کی بات بات میں تکذیب کرتے تھے اور آپ کے سخت دشمن تھے۔ اگر عہد نبوی میں یہود کا کوئی فرقہ اس کا قائل نہ ہوتا ضرور تھا کہ یہود اس وقت قرآن کی تکذیب اور تخلیط کرتے یہ کیسے ممکن ہے کہ دشمن طعنہ چلین کی طرف ایک غلط عقیدہ منسوب کیا جائے اور وہ سن کر خاموش بیٹھا ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہ کرے ہاں یہ ممکن ہے کہ بعد میں یہودیوں نے اس عقیدہ کو غلط سمجھ کر چھوڑ دیا ہو مگر قرآن میں اس عقیدہ کا درج ہونا اور ایک عرصہ دراز تک کسی یہودی کا اس پر اعتراض نہ کرنا اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ یہود متقدمین میں یہ عقیدہ رائج تھا گوئی الحال کوئی یہودی اس کا قائل نہ رہا ہولہذا کسی کا قرآن کریم کی اس حکایت پر اعتراض کرنا کہ یہودیوں میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں یہ اعتراض غلط ہے جس وقت قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اس وقت اس عقیدہ کے لوگ مدینہ میں موجود تھے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہم ذکر کر چکے ہیں۔

اور علیٰ ہذا نصاریٰ کا یہ کہنا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ بھی نصاریٰ کے ایک گروہ کا قول ہے سب کا نہیں مگر عام طور پر نصاریٰ میں یہ عقیدہ رائج ہے اس لیے اس کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔

عقیدہ اہنیت کا آغاز کیسے ہوا؟

امام رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد اکیاسی سال تک عیسائی دین حق پر قائم رہے بعد میں ان میں اور یہود میں لڑائی چھڑ گئی یہودیوں میں ایک شخص جس کا نام بولس (پولوس) تھا بڑا شجاع تھا اس نے

عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کی ایک جماعت کو قتل کیا اور چونکہ وہ عیسائیوں کا سخت دشمن تھا اس لیے اس نے ان کے گمراہ کرنے کی ایک تدبیر نکالی وہ یہ کہ ایک روز یہودیوں سے یہ کہا کہ اگر بالفرض عیسیٰ (علیہ السلام) حق پر ہوں تو ہمارے کافر اور دوزخی ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور اگر عیسائی جنت میں گئے اور ہم دوزخ میں گئے تو ہم بڑے گھانے میں رہے اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی حیلہ سے ان کو گمراہ کر دوں تاکہ وہ بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں جائیں۔ یہود کو یہ سمجھا کر اپنے اس گھوڑے پر سوا ہوا جس پر سوار ہو کر عیسائیوں سے جنگ کیا کرتا تھا۔ پھر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے سر پر مٹی ڈالی اور اپنے اس فعل سے ندامت اور توبہ ظاہر کرتا ہوا نصاریٰ کے مجمع میں آیا تو انہوں نے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا میں تمہارا دشمن پولوس ہوں مجھ کو آسمان سے یہ ندا آئی ہے تیری توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوگی جب تک تو نصرانی نہیں ہوگا اس لیے میں یہودیت سے تائب ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں انہوں نے اس کو کلیسا میں داخل کر کے نصرانی بنا لیا اور اس کو ایک حجرے میں جگہ دے دی سال بھر تک وہ وہاں رہا اور اس عرصہ میں اس نے انجیل کی تعلیم حاصل کی ایک سال کے بعد اس نے کہا مجھے آسمان سے یہ ندا دی گئی ہے کہ اللہ نے تیری توبہ قبول کی۔ نصاریٰ نے اس کے اس قول کی تصدیق کی اور ان کے دل میں اس کی محبت پیدا ہو گئی اور ان کی نظروں میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہو گیا۔ جب نصاریٰ میں اس کی شان بڑھ گئی تو بیت المقدس چلا گیا اور وہاں جا کر خفی طور پر اپنی تعلیم کے لیے تین آدمیوں کو منتخب کیا۔ ایک کا نام نسطور دوسرے کا نام یعقوب اور تیسرے کا نام ملکان تھا ان تینوں کو اپنا شاگرد بنایا۔ نسطور کو یہ تعلیم دی کہ عیسیٰ اور مریم اور خدا یہ تین خدا ہیں اور یعقوب کو یہ سکھایا کہ عیسیٰ انسان نہیں تھا بلکہ وہ خدا کا بیٹا تھا اور ملکان کو یہ پڑھایا کہ عیسیٰ بعینہ اللہ ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جب یہ تعلیم ان کے دلوں میں گھر کر گئی تو اس نے ان میں سے ہر ایک کو خلوت میں بلایا اور کہا کہ تو میرا خاص اور معتمد رفیق ہے فلاں ملک میں چلا جا اور وہاں جا کر لوگوں کو یہ تعلیم دے اور انجیل کی طرف لوگوں کو بلا۔ پھر اس نے لوگوں کو بلا کر یہ کہا کہ میں نے خواب میں عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے وہ مجھ سے راضی ہو گئے ہیں اور اب میں عیسیٰ کے نام پر اپنی جان قربان کر دوں گا پھر وہ مذبح میں گیا اور اپنے آپ کو ذبح کر لیا پھر اس کے تینوں شاگرد ملک میں متفرق ہو گئے ایک روم میں پہنچا اور بیت المقدس اور تیسرا کسی اور ملک میں اور ان میں سے ہر ایک نے لوگوں کو اس عقیدہ کی طرف بلایا اور جو پولوس نے اس کو تعلیم دی تھی اس میں لوگوں نے ان کا اتباع کی اس طرح عیسائیوں میں تین فرقے ہو گئے

(تفسیر کبیر ص 631 ج 4)

اہل کتاب اس قول کے ذریعہ سے اگلے کافروں کے قول سے مشابہت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی ان کا عقیدہ اہیت یا الوہیت پرانے مشرکین کے عقیدہ کے مشابہ ہے جس طرح وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اسی طرح یہ عزیز اور مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں خدا انہیں غارت کرے کہاں بھٹکے جا رہے ہیں۔ توحید کی روشنی کو چھوڑ کر شرک کی تاریکی کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ تو ان کے اقوال کفریہ کا بیان تھا اب آگے ان کے افعال کفریہ ذکر کرتے ہیں کہ ان اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور ردویشوں کو رب بنا رکھا ہے کہ جو فتویٰ دیدیں اس کو حکم خداوندی کی طرح واجب العمل سمجھتے ہیں اور ان کے قول کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں اگرچہ وہ توریت اور انجیل کے نصوص کے خلاف ہی کیوں نہ ہو تو ایسی بے چون و چرا اطاعت عبادت کے حکم میں ہے جو شرک ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں عالم کا قول عوام کو سنا ہے جب کہ وہ شرع سے سمجھ کر کہے جب معلوم ہو کہ خود اپنی طرف سے کہ یا طمع سے کہا تو پھر سنا نہیں، اور ان لوگوں نے سچ بن مریم کو بھی رب بنایا حالانکہ تمام کتب الہیہ اور صحف سادہ میں یہی حکم دیا گیا ہے کہ صرف ایک معبود کی پرستش کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں نہ اس کے سوا کوئی مستحق عبادت ہے اور نہ کسی کی بے چون و چرا اطاعت واجب ہے اور نہ کوئی اس کا بیٹا ہے اور نہ بیٹی ہے تو بیان تھا اتہار باطل اور دین حق سے انحراف کا اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ دین حق کے ابطال اور اس کی رد میں کس درجہ ساعی اور کوشاں ہیں۔ وہ یہ کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور ہدایت کو یعنی دین اسلام کو اپنے منہوں سے پھونک مار مار کر بجھا دیں یعنی دین اسلام کا نور اور آفتاب ہدایت چمک اٹھا ہے یہ لوگ اپنے وہی تہا ہی اعتراضات سے دین اسلام میں طرح طرح کے عیب نکالتے ہیں کہ وہ پھیلنے نہ پائے گویا کہ یہ لوگ پھونکیں مار کر سورج کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کو اس کے سوا کچھ منظور نہیں کہ اپنے نور کو پوری طرح پھیلا دے اگرچہ کافروں کو برا معلوم ہو یعنی یہ کافر دین اسلام کے مٹانے کی لاکھ کوشش کریں بھلا کہیں ان کے مٹانے سے مٹ سکتا ہے اللہ اپنے نور کو تمام جہان میں پھیلا دے گا اور یہ کافر اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوں گے۔ چراغ ہو تو منہ کی پھونکوں سے بجھ بھی جائے بھلا کہیں آفتاب کا نور بھی پھونکوں سے بجھتا سنا ہے اور نور اسلام تو آفتاب کے نور سے لاکھوں درجہ بڑھ کر ہے وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اگرچہ مشرکین کو برا معلوم ہو اس آیت میں غلبہ اسلام کی پیش گوئی ہے کہ دین اسلام تمام دینوں پر غالب آ جائے گا اور قیامت تک باقی رہے گا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ الْكِبَارَ وَالرُّهْبَانَ...

یہود و نصاریٰ دین حق سے روکتے ہیں:

اس آیت میں اول تو اہل کتاب کے علماء اور مشائخ یعنی درویشی اختیار کرنے والے لوگوں کا حال بیان فرمایا کہ یہ لوگ باطل طریقہ پر لوگوں کا مال کھاتے ہیں۔ ان میں بعض لوگ پرہیز بھی کرتے ہوں گے اس لیے لفظ کثیر کا اضافہ فرما دیا۔ ان کا باطل طریقہ پر مال کھانا اس طرح سے تھا کہ توریت شریف میں تحریف کرتے تھے اور اپنے پاس سے احکام بنا دیتے تھے اور اس پر اپنے عوام سے پیسے لے کر کھا جاتے تھے۔ اہل ایمان کو خطاب فرما کر اہل کتاب کے علماء اور مشائخ کی حرام خوری کا تذکرہ فرمایا جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہارے اندر بھی اس طرح کے علماء اور مشائخ ہو سکتے ہیں۔ ان سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ جھوٹے بیہ جو گدیاں سنبھالے بیٹھے ہیں ان کا یہی حال ہے۔ نہ صاحب شریعت، نہ صاحب طریقت اندر سے خالی ہیں۔ تصوف سے عاری ہیں طالب دنیا ہیں فکر آخرت نہیں خوف و خشیت نہیں تقویٰ نہیں۔ لوگوں سے مال وصول کرنے کے لیے طرح طرح کے ڈھنگ بنا رہے ہیں۔ حضرت امام غزالی نے لکھا ہے، جو کچھ کسی شخص کو اس کے دیندار اور صالح ہونے کے خیال سے دیا جائے اس کا لینا اس شخص کے لیے حلال نہیں ہے جو اندر سے فاسق ہو، اگر دینے والے کو اس کا اندرونی حال معلوم ہوتا تو ہرگز نہ دیتا۔

اہل کتاب کے علماء اور مشائخ کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں ان لوگوں نے رسول اللہ

کے لئے کو پہچان لیا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں جن کے تشریف لانے کا انتظار تھا لیکن ان لوگوں نے آپ کی صفات کو بدل دیا اور اپنے ماننے والوں کو یہ باور کرایا کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں ہم جن کے انتظار میں تھے۔

یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ کا جو طریقہ اسلام کے عہد اول میں تھا ابھی تک وہی ہے یہودیت اور نصرانیت کے ذمہ دار یہ جانتے ہوئے کہ اسلام دین حق ہے نہ خود قبول کرتے ہیں اور نہ اپنے ماننے والوں کو قبول کرنے دیتے ہیں۔ انہوں نے بہت ساری جماعتیں اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔ مختلف طریقوں سے یہ لوگ مسلمان نوجوانوں کو اپنے دین میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مال کا لالچ بھی دیتے ہیں۔ عورتیں بھی پیش کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مسلمان نوجوان ان کے قابو میں نہیں آتے جب اسلام دل میں رچ جاتا ہے تو پھر کوئی طاقت اسے قلوب کی گہرائی سے نہیں نکال سکتی۔ جتنے اسواں کفر اور شرک کو پھیلانے کے لیے خرچ کیے جاتے ہیں اور اسلام کو پھیلنے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کا نتیجہ صفر کے درجہ میں ہی رہتا ہے۔

اسلام کے عہد اول سے جو دشمنان اسلام کی کوششیں رہی ہیں اور اب تک ہو رہی ہیں ان کو دیکھا جائے تو اسلام کی دعوت مکہ مکرمہ کے ایک گھر سے بھی آگے نہ بڑھتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو آگے بڑھایا اور کروڑوں افراد اس وقت سے آج تک اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور برابر داخل ہو رہے ہیں۔ دشمنوں کی کوششیں ٹل جاتی ہیں۔ اسلام برابر آگے بڑھ رہا ہے۔ پھیل رہا ہے۔ یورپ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا اور ایشیاء کے بہت سے ممالک کے غیر مسلم اسلام کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ اسلام قبول کر رہے ہیں اور اب یہ سیلاب انشاء اللہ رکنے والا نہیں ہے دلیل و حجت سے اسلام ہمیشہ غالب ہے اور اپنے پھیلاؤ کے اعتبار سے بھی اب پورے عالم میں گھر گھر میں داخل ہو رہا ہے۔

دشمنان اسلام ہمیشہ سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد اہل اسلام کے ساتھ ہے اور یہ بھی سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہماری کوششیں اسلام کے خلاف کامیاب نہیں ہیں پھر بھی اپنی ناکامی سے اسلام کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا پھر بھی مخالفت سے باز نہیں آتے۔ یورپ امریکہ میں لاکھوں مسلمان رہتے ہیں۔ دشمنان اسلام ان کی اذانیں سنتے ہیں۔ نمازیں دیکھتے ہیں۔ اسلام پھیل رہا ہے۔ چرچ بک رہے ہیں۔ ان کی جگہ مسجدیں بن رہی ہیں پھر بھی ہوش کی آنکھیں نہیں کھولتے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اسلام کی مخالفت سے اسلام کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جو لوگ کفر اور شرک والے ادیان کے ذمہ دار ہیں وہ اپنے عوام کو اسلام پر آنے نہیں دیتے۔ اور ان کو کفر ہی پر مطمئن رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی محنتوں کے باوجود ان کے عوام کے دل اپنے دین سے مطمئن نہیں ہیں۔ سرکاری کاغذات میں پیدائشی طور پر ان کا جو دین لکھ دیا گیا تھا وہ دل سے منحرف ہیں گوزبان سے اظہار نہیں کرتے۔ یہ اسلام کی حقانیت اور دیگر ادیان کے عوام کا اپنے دینوں سے قلوب کے اعتبار سے منحرف ہونا انشاء اللہ تعالیٰ رنگ لائے گا۔ اور وہ دن دور نہیں کہ دنیا میں اسلام ہی اسلام ہوگا۔

جو لوگ ادیان باطلہ کے داعی اور قائد ہیں وہ اپنی جانوں اور اپنی عوام کی جانوں پر رحم کھائیں اور اسلام قبول کریں اور اپنے عوام کو بھی اس کی دعوت دیں اگر یہ لوگ اسلام کی طرف آگے نہ بڑھے تو انہیں میں سے آگے بڑھنے والے، آگے بڑھ جائیں گے اور اسلام قبول کر کے ان پر لعنت کریں گے جو اسلام سے روکتے رہے۔ لہذا دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی سے اپنے

کو اور اپنے عوام کو بچائیں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے آنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیں۔ ہم بالکل علی الاعلان ڈکے کی چوٹ پر اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔

اس کے بعد ان لوگوں کے لیے وعید ذکر فرمائی جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے یٰ کَافِرُونَ کو ناقص پر معظوف نہیں فرمایا بلکہ اسم موصول لاکر مستقل جملہ کے ذریعہ چاندی سونا جمع کرنے والوں کے لیے وعید بیان فرمائی الفاظ کے عموم میں یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ بھی داخل ہیں جو مال جمع کرنے کی وجہ سے تو ریت شریف کے احکام میں تحریف کرتے تھے اور اس امت کے وہ افراد بھی مراد ہیں جو سونا چاندی جمع کریں اور اس میں سے شریعت کے مقرر کردہ فرائض و واجبات میں خرچ نہ کریں۔ ارشاد فرمایا (وَ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ) (اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے) بشارت خوش کرنے والی چیز کی ہوتی ہے لیکن عذاب کی خبر کو بشارت سے تعبیر فرمایا اس میں یہ نکتہ ہے کہ وہ مال جمع کرنے کو اپنے لیے اچھا سمجھتے تھے۔ ان کے گمان کے برخلاف ارشاد فرمایا کہ تمہیں اس کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ عذاب کو اچھا سمجھتے ہو تو خوش ہو جاؤ۔

إِنْ عَذَابَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا....

پچھلی آیات میں کفار و مشرکین کے کفر و شرک، گمراہی اور بد اعمالیوں کا ذکر تھا، ان دو آیتوں میں بھی اسی سلسلہ کا ایک مضمون اور عرب جاہلیت کی ایک جاہلانہ رسم بد کا بیان اور مسلمانوں کو اس سے اجتناب کی ہدایت ہے وہ رسم بد آپک واقعہ سے متعلق ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ عہد قدیم سے تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں میں سال کے بارہ مہینے مانے جاتے تھے اور ان میں سے چار مہینے بڑے متبرک اور ادب و احترام کے مہینے سمجھے جاتے تھے تین مہینے مسلسل ذیقعدہ، ذی الحجہ و محرم اور ایک رجب کا۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں اس پر متعلق ہیں کہ ان چار مہینوں میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، اور ان میں کوئی گناہ کرنے تو اس کا وبال اور عذاب بھی زیادہ ہے، سابق شریعتوں میں ان مہینوں کے اندر قتل و قتال بھی ممنوع تھا۔

مکہ مکرمہ کے عرب چونکہ اسلعلیل علیہ السلام کے واسطے سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں، اس لئے یہ سب لوگ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی نبوت و رسالت کے قائل اور ان کی شریعت کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے، اور چونکہ ملت ابراہیم میں بھی ان چار مہینوں (یعنی اشہر حرم) میں قتل و قتال اور شکار ممنوع تھا، عرب جاہلیت پر اس حکم کی تعمیل اس لئے سخت دشوار تھی کہ دور جاہلیت میں قتل و قتال ہی ان کا پیشہ بن کر رہ گیا تھا، اس لئے اس میں آسانی پیدا کرنے کے لئے انہوں نے اپنی نفسانی اغراض کے لئے طرح طرح کے حیلے نکالے کبھی اشہر حرم کے کسی مہینہ میں جنگ کی ضرورت پیش آئی یا لڑتے لڑتے شہر حرام آ جاتا تو کہہ دیتے کہ اب کے سال یہ مہینہ حرام نہیں ہوا، اگلا مہینہ حرام ہوگا، مثلاً محرم آ گیا تو کہتے کہ اس سال محرم کا مہینہ حرام نہیں بلکہ صفر کا مہینہ حرام ہوگا، اور مزید ضرورت پڑتی تو کہتے کہ ربیع الاول حرام ہوگا، یہ یہ کہتے کہ اس سال صفر کا مہینہ پہلے آ گیا، محرم بعد میں آئے گا اس طرح محرم کو صفر بنا دیا، غرض سال بھر میں چار مہینے تو پورے کر لیتے تھے لیکن اللہ کی متعین کردہ ترتیب اور تعین کا لحاظ نہ کرتے تھے، جس مہینہ کو چاہیں ذی الحجہ کہہ دیں اور جس کو چاہیں رمضان کہہ دیں جس کو چاہیں مقدم

کر دیں جس کو چاہیں موخر کر دیں، اور کبھی زیادہ ضرورت پڑتی مثلاً لڑتے لڑتے دس مہینے گذر گئے اور سال کے صرف دو ہی مہینے باقی رہ گئے تو ایسے موقع پر سال کے مہینوں کی تعداد بڑھا دیتے، اور کہتے کہ اب کے برس سال چودہ مہینوں کا ہوگا، اسی طرح باقی ماندہ چار مہینوں کو اشہر حرم بنا لیتے تھے۔ غرض دین ابراہیمی کا اتنا تو احترام کرتے تھے کہ سال میں چار مہینوں کا احترام کرتے اور ان میں قتل و قتال سے باز رہتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے جو ترتیب مہینوں کی متعین فرمائی اور اسی ترتیب سے چار مہینوں کو اشہر حرم قرار دیا، اس میں طرح طرح کی تاویلیں کرنے اپنی اغراض نفسانی کو پورا کرتے تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس زمانہ میں اس کا امتیاز ہی دشوار ہو گیا تھا کہ کونسا مہینہ رمضان یا شوال کا ہے اور کونسا ذی القعدہ ذی الحجہ یا ربیعہ کا ہے، ہجرت کے آٹھویں سال جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور نویں سال میں آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبر کو موسم حج میں تمام کفار و مشرکین سے براءت کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا تو یہ مہینہ حقیقی حساب سے اگرچہ ذی الحجہ کا مہینہ تھا، مگر جاہلیت کے اسی پرانے دستور کے مطابق یہ مہینہ ذی القعدہ کا قرار پایا تھا، اور اس سال ان کے نزدیک حج کا مہینہ بجائے ذی الحجہ کے ذی القعدہ مقرر تھا، پھر ۱۰ھ میں جب رسول کریم ﷺ نے اپنے منیٰ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ((ان الزمان قد استدار كهيئة يوم خلق الله السموات والارض)) یعنی زہ نہ پھر پھر اگر پھر اپنی اسی ہیئت پر آ گیا جس پر اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت رکھا تھا، یعنی جو مہینہ اصلی ذی الحجہ کا تھا جاہلیت والوں کے نزدیک بھی اس سال وہی مہینہ ذی الحجہ کا مہینہ قرار پایا۔

یہ بھی وہ رسم جاہلیت جو مہینوں کی تعداد اور ترتیب اور تعیین میں کمی بیشی اور رد و بدل کر کے کی جاتی تھی، جس کے نتیجہ میں ان تمام احکام شرعیہ میں خلل آتا تھا جو کسی خاص مہینہ یا اس کی کسی خاص تاریخ سے متعلق ہیں، یا جو سال کے شروع یا ختم سے متعلق ہیں، مثلاً عشرہ ذی الحجہ میں احکام حج اور عشرہ محرم کے روزے اور ختم سال پر زکوٰۃ وغیرہ کے احکام۔

بات تو مختصر سی تھی کہ مہینہ کا نام بدل کر مقدم و موخر کر دیا کہ محرم کو صفر اور صفر کو محرم بنا دیا لیکن اس کے نتیجہ میں سینکڑوں احکام شرعیہ کی تحریف ہو کر عمل برباد ہوا، قرآن مجید کی ان دو آیتوں میں اس رسم جاہلیت کی خرابی اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کی ہدایت ہے۔

پہلی آیت میں ارشاد ہے: **إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا**، اس میں لفظ عِدَّة تعداد کے معنی میں ہے اور شہور شہر کی جمع ہے، شہر کے معنی مہینہ ہے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ متعین ہے اس میں کسی کو کمی بیشی کا کوئی اختیار نہیں۔

اس کے بعد فی کتیب اللہ کا لفظ بڑھا کر بتلا دیا کہ یہ بات ازل سے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تھی، پھر **يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** فرما کر اشارہ کر دیا کہ قضاء خداوندی اس معاملہ میں اگرچہ ازل میں جاری ہو چکی تھی، لیکن یہ مہینوں کی ترتیب اور تعیین اس وقت عمل میں آئی جب آسمان زمین پیدا کئے گئے۔

پھر ارشاد فرمایا: **مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ**، یعنی ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، ان کو حرمت والادو معنی کے اعتبار سے کہا گیا، یک تو اس لئے کہ ان میں قتل و قتال حرام ہے، دوسرے اس لئے کہ یہ مہینے تبرک اور واجب الاحترام ہیں، ان میں عبادت کا ثواب زیادہ ملتا ہے، ان میں سے پہلا حکم تو شریعت اسلام میں منسوخ ہو گیا، مگر دوسرا حکم احترام و ادب اور ان

میں عبادت گزاری کا اہتمام اسلام میں بھی باقی ہے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ یوم النحر میں رسول کریم ﷺ نے ان مہینوں کی تشریح یہ فرمائی کہ تین مہینے مسلسل ہیں، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک مہینہ رجب کا ہے، مگر ماہ رجب کے معاملہ میں عرب کے دو قول مشہور تھے، بعض قبائل اس مہینہ کو رجب کہتے تھے جس کو ہم رمضان کہتے ہیں، اس قبیلہ مضر کے نزدیک رجب وہ مہینہ تھا جو جمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کو رجب مضر فرما کر یہ وضاحت بھی فرمادی کہ جو جمادی الثانیہ اور شعبان کے درمیان ہے، اس سے ماہ رجب مراد ہے۔

ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰتُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ حَقِّ دِيْنِهِمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۗ (سورۃ الحجہ ۱۸)

یہ ہے دین مستقیم یعنی مہینوں کی تعیین اور ترتیب اور ان میں ہر مہینہ خصوصاً اشہر حرم کے متعلق جو احکام ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم ازلی کے مطابق رکھنا ہی دین مستقیم ہے، اس میں اپنی طرف سے کسی بیشی اور تغیر و تبدل کرنا کج نہیں اور کج طبعی کی علامت ہے۔ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْہِمْۙ اَنْفُسَکُمْۙ لَیْسَ لَکُمْ عَلَیْہِمْ جُنَاحٌۙ اَنْ تَطْلِمُوْاۙ اِنْ کُنْتُمْ عَادِلِیْنَ (سورۃ الحجہ ۹۰)

مہینہ احکام و احترام کی خلاف ورزی کر دیا ان میں عبادت گزاری میں کوتاہی کرو۔

امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور امت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص کوشش کر کے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور برے کاموں سے بچے تو باقی سال کے مہینوں میں اس کو ان برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے، اس لئے ان مہینوں سے فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے۔

یہاں تک مشرکین مکہ کی ایک خاص رسم جاہلیت کا بیان اور اس کا ابطال تھا، آخر آیت میں پھر اس حکم کا اعادہ ہے جو شروع سورۃ میں دیا گیا تھا کہ میعاد معاملہ ختم ہونے کے بعد تمام مشرکین و کفار سے جہاد واجب ہے۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ الْغٰلِیُّنَ ۗ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمْ اِنْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اِنَّا قٰلْتُمْ بِاَدْعَامِ النَّارِ فِی الْاَضْلٰی فِی الْمَثَلٰتِ وَاَجْتَلٰبِ هَمْزَةِ الْوُضْلِ اٰی تَبٰطَلْتُمْ وَاَمَلْتُمْ عَنِ الْجِهَادِ اِلَی الْاَرْضِ ۗ وَالْقُعُوْدِ فِیْہَا وَاِلٰسْتِنْفٰہَامِ لِلتَّوْبِیْخِ اَرْضِیْنٰکُمْ بِالْحَیٰوٰةِ الدُّنْیَا وَاَلذٰلِکَ مِنَ الْاٰخِرٰتِ ۗ اٰی بَدَلْ نَعِیْمَہَا فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوٰةِ الدُّنْیَا فِی جَنَّبِ مَتَاعِ الْاٰخِرٰةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ۗ حَقِیْقًا اِلَّا بِاَدْعَامِ تُوْنِ اِنْ الشَّرْطِیَّةِ فِی لَافِی الْمَوْضِعِیْنِ تَنْفِرُوْا نَحْرَ جُؤَامِعِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْجِهَادِ یَعْنٰ بِکُمْ عَدَا اَبَا الْیَمٰمٰةِ مُؤَلِمًا وَاَوْ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ اٰی یَاتِ بِہُمْ بَدَلُکُمْ وَلَا تَضُرُّوْہَا اٰی اللّٰهِ اَوِ النَّبِیِّ شَیْئًا ۗ بِتَرٰکِ نَضْرِہٖ فَاِنَّ اللّٰهَ نَا صِرُ دِیْنِہٖ وَاَللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۗ وَمِنْہٗ نَضْرُ دِیْنِہٖ وَنَبِیْہٖ اِلَّا تَنْصُرُوْہَا اٰی النَّبِیِّ فَقَدْ نَصَرٰہُ اللّٰهُ اِذْ

جَنِينَ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْخُرُوجِ لِمَا أَرَادُوا تَتْلُوهُ أَوْ حَبْسَهُ أَوْ نَفْيَهُ بِدَارِ النَّدْوَةِ
 ثَانِي الثَّنِينَ خَالَ أَيُّ أَخْدَانَيْنِ وَالْآخِرُ أَبُو بَكْرٍ الْمَعْلِيُّ نَصْرَهُ فِي مِثْلِ تِلْكَ الْحَالَةِ فَلَا يَخْدِلُهُ فِي غَيْرِهَا
 إِذْ بَدَلَ مِنْ إِذْ قَبْلَهُ هُمَا فِي الْغَارِ نَقَبَ فِي جَبَلٍ ثَوْرٍ إِذْ بَدَلَ نَانَ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ أَبِي بَكْرٍ وَقَدْ قَالَ لَهُ
 لَمَّا رَأَى أَقْدَامَ الْمُشْرِكِينَ لَوْ نَظَرَ أَحَدُهُمْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ لَا يَبْصُرُ نَانًا تَحْزَنُ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا نَبْصُرُهُ
 فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ طَمَأْنِينَتَهُ عَلَيْهِ قِيلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقِيلَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ وَابْتَدَأَ
 أَيُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا مَلَائِكَةٌ فِي الْغَارِ وَمَوَاطِنَ قِتَالِهِ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ
 كَفَرُوا أَيُّ دَعْوَةِ الشِّرْكِ السُّفْلَى الْمَعْلُوبَةِ وَكَلِمَةَ اللَّهِ أَيُّ كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ هِيَ الْعُلْيَا الظَّاهِرَةُ
 الْعَالِيَةُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ فِي مَلِكِهِ حَكِيمٌ ۝ فِي صُنْعِهِ إِفْرُوا إِخْفَافًا وَثِقَالًا نِشَاطًا وَغَيْرِ نِشَاطٍ وَقِيلَ
 أَقْوِيَاءَ وَضَعْفَاءَ أَوْ أَعْيِيَاءَ وَفُقَرَاءَ وَهِيَ مَشْهُوخَةٌ بِآيَةِ لَيْسَ عَلَى الضُّعْفَاءِ الْحَجُّ وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَ
 أَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ أَنَّهُ خَيْرٌ لَكُمْ فَلَا تَنَاقَلُوا وَنَزَلَ فِي
 الْمُتَافِقِينَ الَّذِينَ تَخَلَّفُوا لَوْ كَانَ مَا دَعَوْتَهُمْ إِلَيْهِ عَرْضًا مَتَاعًا مِنَ الدُّنْيَا قَرِيبًا سَهْلًا الْمَاخِذِ وَسَفَرًا
 قَاصِدًا أَوْ سَطًا لَا تَبْعُوكَ طَلَبًا لِلْفَيْئَةِ وَلَكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ الْمَسَافَةُ فَتَخَلَّفُوا وَ
 سَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ لَوْ اسْتَطَعْنَا الْخُرُوجَ لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ
 ۝ بِالْخَلْفِ الْكَاذِبِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ فِي قَوْلِهِمْ ذَلِكَ

ترجمہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْخَالِجُ إِلَى الْإِيمَانِ وَالْوَالِجُ لَوْ كُيُوهَا كَمَا جَاءَتْهُمُ الرَّاهُ فِي (یعنی جہاد کے لئے) نکلنا تو تم زمین کی طرف گئے جا رہے ہو۔ (إِنَّمَا قُلْتُمْ) اصل میں تناقلتم تھا تاہم کوئی مثلث سے بدل کر تاہم اس ادا نام کر کے ہمزہ وصل لے آئے۔ تَبَاتَلْتُمْ وَمِلْتُمْ عَنِ الْجِهَادِ یعنی تم لوگ جہاد کے لئے اٹھنے اور چلنے میں تاخیر کر کے زمین یعنی وطن کی طرف بیٹھے رہنے کی طرف مائل ہو رہے ہو۔ اور استفہام تو بخ یعنی تنبیہ کے لئے ہے۔ أَرْضِيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا الْخَالِجُ كَمَا تَمُّوهُ دُنْيَا كِي زَمْدُكِي پَر (اور اس کی لذتوں پر) بمقابلہ آخرت کے (یعنی آخرت کی نعمت کے بدلے) راضی ہو گئے؟ سو دنیا کی زندگی کا نفع تو آخرت کے (نفع کے) مقابلہ میں کچھ بھی نہیں بہت قلیل (حقیر) ہے۔ إِلَّا تَنْظُرُوا الْخَالِجُ (الا اس میں ان شرطیہ کا ادا نام ہے لہٰذا میں دونوں جگہوں میں اگر (نبی کریم ﷺ) کے ساتھ جہاد کے لئے نہیں نکلو گے تو اللہ

تعالیٰ تم کو دردناک (تکلیف دہ) عذاب دے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کر دے گا (یعنی تمہارے بدلے ان لوگوں کو لے آئے گا اور تم اس کو (یعنی اللہ کو یا نبی کو) کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے) (اس کی مدد چھوڑ کر س لے کہ اللہ اپنے دین کی مدد کرنے والا ہے) اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (اور اسی میں اپنے دین اور اپنے نبی کی مدد بھی شامل ہے)۔ وَلَا تَضْمُونًا أَرْتَمَ لُوكِ اس کی (یعنی اس کے نبی کی) مدد نہیں کرو گے پس تحقیق اللہ انکی مدد کر چکا ہے اس وقت جب کہ کافروں نے ان کو (مکہ سے) نکالا (یعنی کفار مکہ نے آپ کو نکلنے پر مجبور دیا تھا جب کفار مکہ نے دارالندوہ میں مشورہ کر کے ارادہ کر لیا تھا آپ کے قتل یا قید یا شہر بدر کرنے کا) ایسی حالت میں کہ وہ رسول دو میں کے دوسرے تھے (ثِقَاتِي أَشْتَاتِينَ حال ہے اخرجہ کی ضمیر سے یعنی اس حال میں آپ کو نکالا کہ آپ صرف دو میں سے ایک آپ تھے اور دوسرے ابو بکر تھے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے آپ کی اس نازک حالت میں مدد فرمائی تو اسکے علاوہ دوسرے حال میں بھی آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِخ (اذ بدل ہے ما قبل کے اذ سے ہے) جب کہ وہ دونوں غار میں (یعنی کوہ ثور کے سوراخ میں) تھے اذ یقول لصاحبه اِخ (جب حضرت ابو بکر نے مشرکین کے قدموں کو دیکھا تو آنحضرت ﷺ سے کہا یا رسول اللہ اگر ان مشرکین میں سے کسی نے اپنے قدموں پر نظر ڈالی تو یقیناً ہمیں دیکھ لیں گے، آپ نے فرمایا: تم غم نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے ساتھ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے بعض منافقین کو غزوة تبوک میں شرکت نہ کرنے کی اجازت دیدی تھی اپنے اجتہاد سے اس پر بطور تمہیہ آپ کے لئے کلام نازل ہو۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: اِنَّا قَاتَلْتُمْ بِیْہِ اِخ میں ثنا قاتلتم ہے ملتی اختیار کرنا۔

قوله: وَیَمَلُتُمْ عَنِ الْجِهَادِ: اس کو مقدر مانا کیونکہ الی تکامل کا صلہ نہیں بن سکتا اور اس سے اشارہ کر دیا کہ یہ میلان کے معنی کو مضمّن ہے۔

قوله: بَدَلًا نَعْنِیْہَا: من مقابلہ کے لئے ہے ابتدا یہ نہیں مضاف کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ متروک آخرت کی نعمتیں ہوئیں ذات آخرت کا ترک نہیں۔

قوله: بِیْہِمْ: یعنی ایک قوم ماخوذ ہے متروک نہیں کیونکہ جس کی طرف فعل بذات خود متعدی ہو وہ ماخوذ ہوتا ہے بخلاف لفظ تبدیل کے۔

قوله: اَبِی النَّبِیِّ: ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوثی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جیسا سابقہ کلام میں کیونکہ اس کی ذات کسی کی محتاج نہیں۔

قوله: اِخ: یعنی آپ دو میں سے ایک تھے یہ نہیں کہ آپ دو کے مغائر ہوں اور ان کے تیسرے ہوں۔

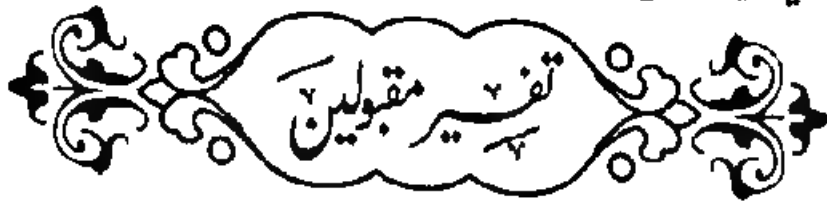
قوله: الْمَغْلُوبَةُ: شغلی کلمہ کو بچا کرنا مطلوب کرنا کہلاتا ہے۔

قوله: فَلَا تَتَأَقْلُوا: یہ جزامخلاف ہے نہ کہ مائل

قوله: مَتَاعًا مِنَ الدُّنْيَا: دنیا کے منافع جو پیش نظر ہوتے ہیں۔

قوله: الشَّقَّةُ: اس سے مراد وہ سفر ہے جو مشقت آمیز ہو۔

قوله: يَهْلِكُونَ: یہ سَيَخْلِفُونَ کا بدل ہے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ....

قصہ غزوہ تبوک اور مسلمانوں کو جہاد و قتال کی تاکید اور منافقوں کو تہدید شدید:

آیات مذکورہ میں رسول کریم ﷺ کے غزوات میں سے ایک اہم غزوہ کا بیان اور اس کے ضمن میں بہت سے احکام اور ہدایات ہیں، یہ غزوہ غزوہ تبوک کے نام سے موسوم ہے اور رسول کریم ﷺ کا تقریباً آخری غزوہ ہے۔

تبوک مدینہ کے شمال میں سرحد شام پر ایک مقام کا نام ہے، شام اس وقت رومی مسیحیوں کی حکومت کا ایک صوبہ تھا، رسول کریم ﷺ ۸ ہجری میں جب فتح مکہ اور غزوہ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ پہنچے تو اس وقت جزیرۃ العرب کے اہم حصے اسلامی حکومت کے زیر نگیں آچکے تھے اور مشرکین مکہ کی ہشت سالہ مسلسل جنگوں کے بعد اب مسلمانوں کو ذرا سکون کا وقت ملا تھا۔

مگر جس ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی: لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ، نازل فرما کر پورے عالم کی فتوحات اور اس میں اپنے دین حق کو غالب کرنے کی بشارت دے دی تھی اس کو اور اس کے رفقاء کا رکو فرصت کہاں، مدینہ پہنچتے ہی ملک شام سے آنے والے تجارت پیشہ لوگ جو شام سے زیتون کا تیل لا کر مدینہ وغیرہ میں فروخت کیا کرتے تھے، ان لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ شاہ روم ہرقل نے اپنی فوجیں مقام تبوک میں سرحد شام پر جمع کر دی ہیں اور فوجیوں کو پورے ایک سال کی تنخواہیں شغلی دے کر مطمئن اور خوش کر دیا ہے، اور عرب کے بعض قبائل سے بھی ان کی ساز باز ہے ان کا تہیہ یہ ہے کہ مدینہ پہنچ کر یبارگی حملہ کریں۔

جب رسول کریم ﷺ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے یہ ارادہ فرمایا کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے پیش قدمی کر کے وہیں مقابلہ کیا جائے جہاں ان کی فوجیں جمع ہیں۔ (تفسیر مظہری بحوالہ محمد بن یوسف مائلی)

یہ زمانہ اتفاق سے سخت گرمی کا زمانہ تھا، اور مدینہ کے حضرات عموماً زراعت پیشہ لوگ تھے، ان کی کھیتیاں اور باغات کے پھل پک رہے تھے جس پر ان کی ساری معیشت اور پورے سال کے گزارہ کا مدار تھا اور یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح ملازمت پیشہ لوگوں کی جیبیں مہینہ کے آخری دنوں میں خالی ہو جاتی ہیں اسی طرح زراعت پیشہ لوگ فصل کے ختم پر خالی ہاتھ ہوتے ہیں،

ایک طرف افلاس دوسری طرف قریب آمدنی کی امید، اس پر مزید موسم گرما کی شدت اس قوم کے لئے جس کو ابھی ابھی ایک حریف کے ساتھ آٹھ سال مسلسل جنگوں کے بعد زرادم لینے کا موقع ملا تھا، ایک انتہائی سبر آزما امتحان تھا۔

مگردت کا تقاضا تھا اور یہ جہاد اپنی نوعیت میں پہلی سب جنگوں سے اس لئے بھی ممتاز تھا کہ پہلے تو اپنی ہی طرح کے عوام سے جنگ تھی، اور یہاں ہر قل شاہ روم کی تربیت یافتہ فوج سے مقابلہ تھا، اس لئے رسول کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے پورے مسلمانوں کو اس جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیدیا، اور کچھ آس پاس کے دوسرے قبائل کو بھی شرکت جہاد کے لئے دعوت دی تھی۔

یہ اعلان عام اسلام کے فداکاروں کا ایک سخت امتحان تھا، اور منافق دعویداروں کا امتیاز بھی، اس کے علاوہ لازمی نتیجہ کے طور پر اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کے مختلف حالات ہو گئے، قرآن کریم نے ان میں سے ہر حالت کے متعلق جدا جدا ارشادات فرمائے ہیں۔

ایک حالت ان کا مل مکمل حضرات کی تھی جو بلا تردد جہاد کے لئے تیار ہو گئے، دوسرے وہ لوگ جو ابتداء کچھ تردد کے بعد ساتھ ہو گئے، ان دونوں طبقوں کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا: الَّذِينَ اتَّبَعُوا كَافِيَ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ وَمِنْ بَعْدِهَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ قَوْمٍ مِّنْهُمْ، یعنی وہ لوگ قابل مدح ہیں جنہوں نے سخت تنگی کے وقت رسول کریم کا اتباع کیا، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک فریق کے قلوب لغزش کرنے لگے تھے۔

تیسری حالت ان لوگوں کی تھی جو کسی صحیح عذر کی بنا پر اس جہاد میں نہ جاسکے، اس کے متعلق قرآن کریم نے: لَيْسَ عَلَى الضَّعْفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى، میں ان کے عذر کی قبولیت کا اظہار فرمادیا۔

چوتھی قسم ان لوگوں کی تھی جو باوجود کوئی عذر نہ ہونے کے کابلی کے سبب جہاد میں شریک نہیں ہوئے ان کے متعلق کئی آیتیں نازل ہوئیں: وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ اور وَآخِرُونَ مُرْجُونَ لِأَمْرِ اللَّهِ اور وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا، تینوں آیتیں ایسے ہی حضرات کے بارے میں نازل ہوئیں، جن میں ان کی کابلی پر زجر و تنبیہ بھی ہے اور بالآخر ان کی توبہ کے قبول ہونے کی بشارت بھی۔

پانچواں طبقہ منافقین کا تھا جو اپنے نفاق کی وجہ سے اس سخت امتحان میں اپنے نفاق کو چھپانہ سکا اور شرکت جہاد سے الگ رہا، اس طبقہ کا ذکر بہت سی آیات میں آیا ہے۔

چھٹا طبقہ ان منافقین کا تھا جو جاسوسی اور شرازت کے لئے مسلمانوں کے ساتھ ہو لیا تھا ان کی حالت کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں ہے: وَفِيكُمْ سَمْعُونُ لَهُمْ. وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ. وَهُمْ أُولَئِكَ يَتَأَلَوْنَ.

لیکن اس ساری سختی اور تکلیف کے باوجود شرکت جہاد سے باز رہنے والوں کی مجموعی تعداد پھر بھی برائے نام تھی، بھاری اکثریت انہی مسلمانوں کی تھی جو اپنے سر سے منافع اور راحت کو قربان کر کے اللہ کی راہ میں ہر طرح کی مشقت برداشت کرنے کے لئے تیار ہو گئے، اسی لئے اس جہاد میں نکلنے والے اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی، جو اس سے پہلے کسی جہاد میں نظر نہیں آئی۔

نتیجہ اس جہاد کا یہ ہوا کہ جب ہر قل شاہ روم کو مسلمانوں کی اتنی بڑی جمعیت کے مقابلہ پر آنے کی خبر پہنچی تو اس پر رعب

طاری ہو گیا، مقابلہ پر نہیں آیا، رسول کریم ﷺ اپنے فرشتہ خصلت صحابہ کرام کے لشکر کے ساتھ چند روز عماذ جنگ پر قیام کر کے جب مخالف کے مقابلہ پر آنے سے مایوس ہو گئے تو واپس تشریف لے آئے۔

جو آئیں وہ پر لکھی گئی ہیں بظاہر ان کا تعلق اس چوتھی جماعت سے ہے جو بغیر کسی صحیح عذر کے اپنی سستی اور کاہلی کی بنا پر شریک جہاد نہیں ہوئے، پہلی آیت میں ان کو اس کاہلی اور غفلت پر تنبیہ کی گئی اور اس کے ساتھ ان کے اس مرض غفلت و کاہلی کا سبب اور پھر اس کا علاج بھی ارشاد فرمایا گیا، جس کے ضمن میں یہ بھی واضح ہو گیا کہ:

دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت تمام جرائم کی بنیاد ہے؛ کیونکہ مرض کا جو سبب اور علاج اس جگہ بیان فرمایا گیا ہے اگرچہ اس جگہ اس کا تعلق ایک خاص واقعہ سے تھا، لیکن اگر غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ دین کے معاملہ میں ہر کوتاہی سستی اور غفلت اور تمام جرائم اور گناہوں کا اصلی سبب یہی دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت ہے اسی لئے حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((حب الدنيا راس كل خطيئة)) یعنی دنیا کی محبت ہر خطیہ و گناہ کی بنیاد ہے اسی لئے آیت مذکورہ میں فرمایا گیا کہ: اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تمہیں اللہ کے راستہ میں نکلنے کے لئے کہا جاتا ہے تو تم زمین کو لگے جاتے ہو (حرکت کرنا نہیں چاہتے) کیا تم آخرت کے بدلے صرف دنیا کی زندگی پر لگن ہو گئے۔

تشخیص مرض کے بعد اس کا علاج اگلے جملہ میں اس طرح ارشاد ہوا کہ:

دنوی زندگی سے نفع اٹھانا تو کچھ بھی نہیں بہت قلیل و حقیر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بڑی فکر آخرت کی دائمی زندگی کی چاہئے، اور یہ فکر آخرت ہی درحقیقت سارے امراض کا واحد اور مکمل علاج ہے اور انسداد جرائم کے لئے بے نظیر نسخہ اکسیر ہے۔

عقائد اسلام کے بنیادی اصول تین ہیں، توحید، رسالت اور آخرت، ان میں عقیدہ آخرت درحقیقت اصلاح عمل کی روح اور جرائم اور گناہوں کے آگے ایک آہنی دیوار ہے، اگر غور کیا جائے تو بدیہی طور پر معلوم ہوگا کہ دنیا میں امن و سکون اس عقیدہ کے بغیر قائم ہی نہیں ہو سکتا آج کی دنیا میں مادی ترقیات اپنے شباب کو پہنچی ہوئی ہیں، جرائم کے انسداد کے لئے بھی کسی ملک و قوم میں مادی تدبیروں کی کوئی کمی نہیں، قانون کی جکڑ بندی اور اس کے لئے انتظامی مشینری روز بروز ترقی پر ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی آنکھوں دیکھا حال ہے کہ جرائم ہر جگہ اور ہر قوم میں روز بروز ترقی ہی پر ہیں، ہماری نظر میں اس کی وجہ اس کے سوا نہیں کہ مرض کی تشخیص اور علاج کا رخ صحیح نہیں، مرض کا سرچشمہ مادہ پرستی اور مادیات میں اٹھنا کہ اور آخرت سے غفلت و اعراض ہے، اور اس کا واحد علاج ذکر اللہ اور آخرت کی فکر ہے، جس وقت اور جس جگہ بھی دنیا میں اس اکسیری نسخہ کو استعمال کیا گیا پوری قوم اور اس کا معاشرہ صحیح انسانیت کی تصویر بن کر فرشتوں کے سنے قابل رشک ہو گیا، عہد رسالت اور عہد صحابہ کرام کا مشاہدہ اس کے لئے کافی دلیل ہے۔

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَإِنِّي اتَّخِذُ...

اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد نہ فرمائی جب اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں تھے:

اللہ جل شانہ نے مسلمانوں سے یوں بھی خطاب فرمایا کہ اگر تم رسول کریم ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اس سے اللہ کو اور اللہ کے رسول کو اور اللہ کے دین کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب انہیں مکہ کے

کافروں نے مکہ معظمہ سے نکال دیا اور وہ اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں پہنچ گئے۔ اول تو دشمنوں کے درمیان سے صحیح سالم نکال دینا پھر غار ثور تک عافیت اور سلامتی کے ساتھ پہنچا دینا پھر جب دشمن غار کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت بھی ان کی حفاظت فرمانا اور جو لوگ تلاش میں نکلے تھے ان کو ناکام واپس کر دینا اور پھر غار ثور سے نکال کر چھپا کرنے والے دشمنوں سے محفوظ فرما کر عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا۔ یہ سفر ہجرت کے واقعات ہیں پورے سفر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ جب آپ نے سفر کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ پر لٹا دیا اور آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے جب صبح ہوئی تو لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ کی جگہ پایا اور ان سے پوچھا کہ آپ کے ساتھی کہاں ہیں اس پر انہوں نے لاعلمی ظاہر کی، وہ لوگ آپ کو تلاش کرنے کے لیے چل دیے۔ اور غار ثور کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان میں سے اگر کوئی شخص اپنے قدموں کی طرف نظر کرے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا: لَا تَخْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (تمگین نہ ہو بے شک اللہ ہرے ساتھ ہے) آپ نے تین دن غار ثور میں قیام فرمایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہرہ رضی اللہ عنہ روزانہ رات کو دودھ لے جا کر پیش کر دیتے تھے۔ دونوں حضرات اس کو پی لیتے تھے۔ تین دن گزارنے کے بعد مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے اور دسویں دن قبا پہنچ گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ مکڑی نے غار کے دروازہ پر جال بن دیا تھا۔ اسے دیکھ کر ان لوگوں نے سمجھا کہ اگر یہ حضرات اندر گئے ہوتے تو یہ جال ٹوٹا ہوا ہوتا۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۵۴۳) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر اطمینان نازل فرمایا اور آپ کے قلب مبارک پر تسلی نازل فرمائی۔ آپ نے نہایت اطمینان کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ تمگین نہ ہو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ غار ثور کے ذکر کے ساتھ وَ آيَاتُهَا يَجْتَوِدُّ لَمْ تَدْرُوَهَا هِيَ فَرَمَا يَا كَمَا اللَّهُ نَظَرَ رَسُوْلًا كِي اِيْسَ لَشْكُرُوْا كَ ذَرِيْعَهٗ سَ مَدْفَرَمَائِيْ جَنُهِيْسَ تَمَّ نَظِيْسَ دِيْكُهَآ۔ ان لشکروں سے کیا مراد ہے صاحب معالم التقریل نے اس بارے میں تین قول لکھے ہیں۔ اول یہ کہ اس سے فرشتے مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لیے بھیجے گئے تھے کہ کافروں کی آنکھوں کو پھیر دیں۔ اور ان کی نظریں آپ پر نہ پڑیں۔ دوم یہ کہ فرشتوں نے کفار کے دلوں پر رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے واپس ہو گئے۔ سوم یہ کہ خاص اسی موقع پر فرشتے نازل ہونا مراد نہیں ہے بلکہ بدر میں مدد کے لیے جو فرشتے آئے تھے وہ مراد ہیں۔ گویا وَ آيَاتُهَا يَجْتَوِدُّ لَمْ تَدْرُوَهَا جملہ متانفہ ہے جس میں بدر کے موقع پر جو مدد ہوئی تھی وہ یاد دلانی، پھر فرمایا: وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى (اور اللہ نے کافروں کے کلمہ کو نیچے کر دیا) اس سے کلمہ شرک مرد ہے جو قیامت تک کے لیے نچا ہو گیا۔ شرک والے اہل ایمان کے مقابلہ میں کبھی سراٹھا کر بات نہیں کر سکتے، وَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا (اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کلمۃ اللہ سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مراد ہے۔ یہ ہمیشہ سے بلند ہے اور بلند رہے گا۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ کافروں کے کلمہ سے ان کا وہ مشورہ مراد ہے جس میں انہوں نے طے کر لیا تھا کہ صبح ہونے پر آپ کو شہید کر دیا جائے گا اور کلمۃ اللہ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ نصرت مراد ہے۔ (معلم التقریل ص ۲۶۶)

آیت کے ختم پر فرمایا: وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ ۝ کہ اللہ تعالیٰ غلب والا ہے وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اسی کا ارادہ غالب ہے وہ حکیم بھی ہے اس کی طرف سے کبھی ایسے حالات پیدا کر دیئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے اہل ایمان مشکلات میں پھنس

جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان مشکلات سے نجات دے دیتا ہے۔ اور اس میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں۔ جن میں ایک حکمت یہ ہے کہ اہل ایمان کا ایمان مضبوط تر ہو جائے اور پھر مشکلات و مصائب سے نہیں گھبراتے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے اہل ایمان کو بڑی بڑی مشکلات سے نجات دی ہے۔

فائدہ: اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ سفر ہجرت میں اور غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے خادم خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ جُونر مایا اس سے حضرت ابوبکر ہی مراد ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں ان کے صاحب ہونے کی تصریح ہے اس لیے حضرات علماء نے فرمایا ہے کہ ان کی صحابیت کا منکر کافر ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو ساتھ لیا، یا غار بنایا۔ انہوں نے پورے سفر میں خدمت کی تکلیفیں اٹھائیں، سواری کا انتظام کیا اپنے غلام کو روزانہ دودھ بھیجنے پر مامور کیا، ان کے بیٹے عبدالرحمن بن ابی بکر روزانہ رات کو حاضر ہوتے تھے اور مشرکین کے مشوروں سے مطلع کرتے تھے۔ یہ ساری محنت اور قربانی روافض کے نزدیک کوئی چیز نہیں (دشمن کو تو ہنر بھی عیب نظر آتا ہے) ان کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ العیاذ باللہ کافر تھے۔ ان کی بات سے رسول اللہ ﷺ پر حرف آتا ہے کہ آپ نے ایک کافر کو ساتھ لیا اور اپنا رفیق سفر اور راز دار بنایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ نہ لیا جبکہ وہ مخلص مسلمان تھے۔ ان بغض رکھنے والوں کو اور کوئی بات نہ ملی تو یہ نکتہ نکالا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار ثور پر کافروں کے پہنچنے سے گھبرا گئے۔ یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ یہ امور طبیعہ میں سے ہے۔ حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ جو اللہ کے نبی تھے جب ان کے سامنے جادو گروں نے لائٹھیاں ڈالیں اور وہ سانپ بن گئیں تو ان کے جی میں خوف کا احساس ہوا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ شانہ نے اس سے پہلے ان کی لائٹھی کو سانپ بنا کر پھر سانپ کی لائٹھی بنا کر دکھایا تھا اور جب فرعون کو تبلیغ کرنے کے لیے اپنے بھائی ہارون رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: (لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمَا أَسْمِعُ وَأَذِي) اس سب کے باوجود جب جادو گروں کی لائٹھیاں اور رسیاں سانپوں کی صورت میں نظر آئیں تو طبیعی طور پر خوف محسوس کرتے گئے۔ یہ خوف طبعی تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی غار ثور کے منہ پر دشمنوں کے پہنچنے سے طبیعی طور پر فکر لاحق ہو گیا تو اس میں کون سے اشکال و اعتراض کی بات ہے؟ روافض یوں بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے انزال سکینہ کا ذکر فرماتے ہوئے: فَاقْرَأْ لِلَّهِ سَكِينَةً عَلَيْهِ فَرَمَا بِهَا نَسِيمًا نَسِيمًا نَسِيمًا فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سکینہ نازل نہیں ہوئی۔ یہ بھی ان لوگوں کی ضلالت اور جہالت کی بات ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر بلا واسطہ سکینہ نازل فرمائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ کے واسطے سے تسلی دی آپ نے: لَا تَحْزُنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَرَمَا مَعَنَا میں جو ضمیر جمع متکلم کی ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے) روافض اس کو نہیں دیکھتے اور علی رضی اللہ عنہ کی ضمیر کو دیکھتے ہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ عَلَيَّوْكَ ضمیر میں دونوں احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا مرجع رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہو۔ اور دوسرا یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ضمیر راجع ہو جیسا کہ بعض مفسرین نے اس کو اختیار فرمایا ہے۔ یہ بھی درست ہے بلکہ اقرب ہے کیونکہ قریب ترین مرجع صاحبہ ہے اور یہ احتمال اس لیے بھی اقرب ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو فکر لاحق ہوئی تھی جسے فکر لاحق ہو انزال سکینہ اسی پر ہونا چاہئے۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو بہت ہی مطمئن تھے اور آپ کو پہلے ہی سے سکینہ حاصل تھا۔ ورنہ گھبراہٹ کا الزام رسول اللہ ﷺ پر آ جاتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فکرمند ہونا بزدلی کی وجہ سے اور اپنی جان کی وجہ سے نہیں تھا انہیں رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کی حفاظت کا خیال ہو رہا تھا۔ انہوں نے کہا: ان اقتل فانارجل واحد وان قتلت هلك الامنة (اگر میں مقتول ہو گیا تو میں ایک آدمی ہوں اور اگر آپ کی ذات مبارک مقتول ہو گئی تو پوری امت ہلاک ہو جائے گی)۔

درمنثور (ص ۲۴۱ ج ۲) میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار ثور میں پہنچنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے خیال سے کبھی آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے اور کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف اور مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی تکلیف پہنچے تو مجھے پہنچ جائے آپ محفوظ اور صحیح سالم رہیں۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس خیال سے کہ دشمنوں کو نشان ہائے قدم کا پتہ نہ چل جائے آنحضرت ﷺ کو اپنے اوپر اٹھا کر انگلیوں کے بل چلے یہاں تک کہ ان کی انگلیاں چھل گئیں۔

پھر جب غار ثور میں پہنچے تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ باہر تشریف رکھیں، میں پہلے اندر داخل ہوتا ہوں اگر کوئی تکلیف وہ صورت حال پیش آئے تو مجھ ہی پر گزر جائے آپ محفوظ رہیں گے اس کے بعد پہلے خود اندر گئے غار کو صاف کیا اس میں جو سوراخ تھے اپنا کپڑا اچھاڑ پھاڑ کر انہیں بند کرتے رہے ایک سوراخ رہ گیا جس کا منہ بند کرنے کے لیے کچھ بھی نہ ملا لہذا انہوں نے اس پر ایزھی لگا دی اور آنحضرت سرور عالم ﷺ کو اندر بلا لیا۔ آپ تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سوراخ کے اندر سے سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن انہوں نے اس ڈر سے کہیں آپ کی آنکھ نہ کھل جائے سوراخ کے منہ سے نہ تو پاؤں ہٹایا اور نہ ذرا سی حرکت کی۔ تکلیف کی وجہ سے ان کے آنسو بہنے لگے جو رسول اللہ ﷺ کے چہرہ النور پر گر گئے۔ آنسو گرنے سے آپ کی آنکھ کھل گئی اور آپ نے فرمایا کہ ابوبکر کیا بات ہے؟ عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر ترہان ہوں مجھے تو کسی نے ڈس لیا ہے۔ آپ نے اپنا لعاب مبارک لگا دیا جس کی وجہ سے ان کی تکلیف جاتی رہی۔ (درمنثور ص ۲۴۱ ج ۲ و مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۰۶)

اس جاں نثاری اور فداکاری کو دیکھو اور روافض کی اس جاہلانہ بات کو دیکھو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمان ہی نہیں تھے۔

(العیاذ باللہ)

روافض یہ بھی کہتے ہیں کہ رضاجیب سے سانھی ہونا مراد ہے صحابی ہونا نہیں۔ یہ بھی ان کی جہالت کی بات ہے۔ صحابی اسی کو تو کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو بحالت ایمان دیکھ لے اور ایمان پر اس کی موت ہو جائے۔ سورۃ الفتح میں شہداء حدیبیہ کی تعریف کرتے ہوئے جو فرمایا ہے: (لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ) اس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مؤمن ہونے کی بھی شہادت ہے اور سکینہ نازل ہونے کی بھی، بیعت حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کی تھی اگر انزال سکینہ ایمان کے لیے شرط ہے تو حدیبیہ کے تمام حاضرین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمانے کی خبر دی ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ لیکن کچھ لوگ نہ اللہ سے راضی ہیں نہ اللہ کے رسول سے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کفر کے قائل ہیں اور انہیں یہ فکرمند نہیں کہ ہمیں خود مسلمان ہونا چاہیے۔ قرآن کا منکر اپنے ایمان کی فکر تو کرے۔ جسے شقاوت گھیر لے اور جس پر گمراہی مسلط ہو جائے اسے کہاں

سے ہدایت نصیب ہوگی۔ (فَإِنَّمَا لَا تَغْمِسُ الْإِكْبَارَ وَ لَكِنَّ تَغْمِسُ الْقُلُوبَ الَّتِي فِي الصُّدُورِ) (پس بے شک ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں لیکن دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں)

حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد سنئے۔ ان کے سامنے کسی نے کہہ دیا کہ آپ ابو بکر رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں تو وہ اس پر رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ کی قسم ابو بکر رضی اللہ عنہما کی ایک رات اور ایک دن عمر (رضی اللہ عنہما) کے تمام اعمال سے بہتر ہے۔ رات تو یہی غار ثور والی جس کا ذکر اوپر ہوا اور دن وہ جب کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہو گئی تو عرب کے بعض قبائل مرتد ہو گئے ان میں سے بعض نے کہا ہم نماز پڑھیں گے زکوٰۃ دے دیں گے اور بعض نے کہا نہ نماز پڑھیں گے نہ زکوٰۃ دیں گے۔ حضرت ابو بکر نے ان سے جہاد کا اعلان فرما دیا۔ میں خیر خواہ بن کر ان کی خدمت میں آیا اور میں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ لوگوں کو مانوس رکھئے اور نرمی اختیار فرمائیے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ تم جاہلیت کے زمانہ میں بڑے بہادر تھے اسلام میں بزدل بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی۔ وحی آنا ختم ہو گیا۔ اللہ کی قسم اگر ایک رشی بھی رسول اللہ ﷺ کو زکوٰۃ کی مدد میں دیتے تھے اور اسے روک لیں گے۔ تب بھی ان سے جنگ کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پھر ہم نے ان کے ساتھ قتال کیا۔ اللہ کی قسم ان کی رائے صحیح تھی ان کا یہ دن بھی ایسا ہے کہ میرے سارے اعمال اس کے برابر نہیں ہو سکتے۔ (در منثور ص ۲۱۲ ج ۲)

وَ كَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذِنَ لِيَجْمَاعِيَةَ فِي التَّخْلِيفِ بِاجْتِهَادٍ مِنْهُ فَتَزَلَّ عِنَابَاتُكَ وَقَدَّمَ الْعَفْوَ تَطْمِينًا لِقَلْبِهِ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَبْتَ لَهُمْ فِي التَّخْلِيفِ وَهَلَّا تَرَ كُنْهَهُمْ حَتَّى يَتَّبِعِينَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا فِي الْعُدْرِ وَتَعَلَّمَ الْكُذِبِينَ ۝ فِيهِ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يَوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فِي التَّخْلِيفِ عَنْ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ فِي التَّخْلِيفِ الَّذِينَ لَا يَوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ شَكَّتْ قُلُوبُهُمْ فِي الدِّينِ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ۝ يَخْتَارُونَ وَكُوَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً أَهْبَاءً مِنَ الْأَلَةِ وَالزَّادِ وَلَكِنَّ كَرِهَ اللَّهُ انكِبَاتِهِمْ أَي لَمْ يَرْضَوْهُمْ فَشَبَّهَهُمْ كَسَلَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ۝ الْمَرْضَى وَالنِّسَاءَ وَالضُّبَّيَّانِ أَي قَدَّرَ اللَّهُ تَعَالَى ذَلِكَ لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا فَأَسَادًا يَتَخَذِلُ الْمُؤْمِنِينَ وَ لَا أَوْضَعُوا خِلْفَكُمْ أَي أَسْرَعُوا بَيْنَكُمْ بِالْمَشْيِ بِالْتِمِيمَةِ يَبْغُونَكُمْ أَي يَطْلُبُونَ لَكُمْ الْفِتْنَةَ ۝ بِالْقَاءِ الْعِدَاوَةِ وَفِيكُمْ سَمْعُونَ لَهُمْ ۝ مَا يَقُولُونَ سِنَاعٌ قُبُولٌ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ لَقَدْ ابْتِغَاوُا الْفِتْنَةَ لَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِيَكَ الْمَدِينَةُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ أَي أَحْبَلُوا الْفِكَرَ فِي كَيْدِكَ وَابْتِغَالِ دِينِكَ حَتَّى جَاءَ الْحَقُّ التَّعْظُرُ وَظَهَرَ عَزَّ أَمْرُ اللَّهِ دِينُهُ وَهُمْ كَرِهُونَ ۝ لَهُ فَدَحَلُوا فِيهِ ظَاهِرًا وَ مِنْهُمْ

مَنْ يَقُولُ ائْتَنَنْ فِي التَّخْلُفِ وَلَا تَفْتِنِي ۝ وَهُوَ الْجَدُّ بْنُ قَيْسٍ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ هَلْ لَكَ فِي جِلَادِ بَنِي
الْأَصْفَرِ فَقَالَ اِنِّي مُفْرَمٌ بِالنِّسَاءِ وَأُخْشَى اِنْ رَأَيْتُ نِسَاءَ بَنِي الْأَصْفَرِ اَنْ لَا أَصْبِرَ عَنْهُنَّ فَالْتَمَسْتُ قَالَ تَعَالَى
آلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۝ بِالتَّخْلُفِ وَفُرِيَ سَقِطٌ وَاِنْ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ لَا مَجْبُوعَ لَهُمْ
عَنْهَا اِنْ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ كُنْظِرْ وَغَيْمَةٌ تَسُوْهُمْ ۝ وَاِنْ تُصِيبَكَ مُصِيبَةٌ شِدَّةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا
أَمْرًا بِالْحَرْمِ حِينَ تَخْلَفْنَا مِنْ قَبْلُ قَبْلَ هَذِهِ الْمُصِيبَةِ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ۝ بِمَا أَصَابَكَ قُلْ
لَهُمْ لَنْ يُصِيبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَنَا ۝ اِصَابَتُهُ هُوَ مَوْلَانَا نَاصِرُنَا وَمَتَوَلَّيْنَا اَمْرًا نَا وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ هَلْ تَرَبُّصُونَ فِيهِ حَذِيفِ اِحْدَى التَّائِيْنِ فِي الْاَصْلِ اَيُّ تَنْظُرُونَ اِنْ تَنَعَّ بِنَا اِلَّا
اِحْدَى الْعَاقِبِيْنَ الْحُسْنِيْنَ ۝ تَنْبِيْهُ حُسْنِي نَائِيْتُ اَحْسَنَ النَّظْرِ اَوْ اَشْهَادُهُ وَنَحْنُ نَتَرَبُّصُ نَنْظُرُ
بِكُمْ اَنْ يُصِيبَكُمْ اللهُ بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهِ بِقَارِعَةٍ مِنَ السَّمَاءِ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۝ اِنْ يَازُنْ لَنَا بِقَالِكُمْ
فَاتَرَبُّصُوْا بِنَاذَلِكَ اِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُونَ ۝ عَاقِبَتِكُمْ قُلُ الْفِقْوَانِي طَاعَةِ اللهِ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَنْ
يُتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۝ مَا انْفَقْتُمُوْهُ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَسِقِيْنَ ۝ وَالْاَمْرُ هِنَا بِمَعْنَى الْخَبْرِ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ
تُقْبَلَ بِالنَّاءِ وَالْبَاءِ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ اِلَّا اَنَّهُمْ فَاعِلٌ مَنَعَهُمْ وَاَنْ تُقْبَلَ مَفْعُوْلُهُ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَ
لَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كَسَالِي مُتَنَاقِلُونَ وَلَا يُنْفِقُونَ اِلَّا وَهُمْ كِرْهُونَ ۝ الْنَّفَقَةُ لِاَنَّهُمْ يَخْلُقُوْنَهَا
مَغْرَمًا فَلَا تُعْجِبُكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ ۝ اَيُّ لَا تَسْتَحْسِبُ نِعْمًا عَلَيْنَا فِيْهِ اسْتِزَارًا اِنْ مَا
يُرِيْدُ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ اَيُّ اَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بِمَا يُلْقُونَ فِيْ جَمْعِهَا مِنَ الْمَشَقَّةِ وَفِيْهَا
مِنْ الْمَصٰئِبِ وَتَرْهَقُ تَخْرُجُ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُونَ ۝ فَيُعَذِّبُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اَشَدَّ الْعَذَابِ وَ
يَخْلِفُونَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَكٰفِرُونَ ۝ اَيُّ مُؤْمِنُونَ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ۝ خَافُونَ اَنْ
تُفْعَلُوا بِهِمْ كَالْمُشْرِكِيْنَ فَيَخْلِفُونَ تَقِيَّةً وَيَجِدُوْنَ مَلْجَأًا يُجَاوِزُ اِلَيْهِ اَوْ مَغْرِبًا سَرَادِيْبًا اَوْ
مَدْخَلًا مَوْضِعًا يَدْخُلُوْنَهُ لَوْ لَوْ اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْحَدُونَ ۝ يَسْرَعُونَ فِي دُخُوْلِهِ وَالْاِنْصِرَافِ عَنْكُمْ
اِسْرَاعًا لَا يَرُدُّهُ شَيْءٌ كَالْفَرَسِ الْجَمُوحِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْبِزُكَ بِعِيْبِكَ فِي قَلْبِهِ لَصَدَقْتَ ۝ اِنْ اَعْطُوا

وَمِنْهَا رِضْوَانٌ لِّمَن لَّمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿۹﴾ مِنَ الْغَنَائِمِ وَنَحْوِهَا وَ لَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا أَشْهَرُوا

اللَّهُ وَرَسُولَهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا مِنْ غَشِيَةِ آخِرِي

عَمَلِنَا كُنِينَا إِنَّا إِلَى اللَّهِ وَرُغْبُونُ ﴿۱۰﴾ أَنْ يُغَيِّبَنَا وَحَوَابِ لَوْلَا كَانَ خَيْرٌ لَّهُمْ

ترجمہ: عَفَا اللَّهُ عَنْكَ ؕ اَللّٰهُ تَعَالٰی نے آپ کو معاف کر دیا آپ نے لوگوں کو (جہاد سے پیچھے رہنے کی) اجازت کیوں دیدی (اور کیوں نہیں آپ نے انکو ان کے حال پر چھوڑ دیا یہاں تک کہ آپ پر وہ لوگ ظاہر ہو جاتے جو لوگ (اپنے عذر میں) ہے ہیں اور آپ جان لیتے ان لوگوں کو جو (اپنے عذر میں) چھوٹ بولنے والے ہیں جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان یقین رکھتے ہیں وہ اپنی جانوں سے جہاد کرنے کے بارے میں پیچھے رہنے کے متعلق کبھی) اجازت نہ مانگیں گے۔ اور اللہ پر ہیزگاروں کو خوب جاننے والا ہے۔ اَللّٰمَ اِسْتَاذِنَكَ اَللّٰمَ (التَّخْلُفِ كِى لَعْنِي جِهَادِ سِى پِيچھے رہنے كى) آپ سے اجازت صرف وہى لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور ان كے دل شك میں پڑے ہیں (دين اسلام كے بارے میں) سو وہ بنے شك میں پڑے ہوئے حيران ہیں (سرگرداں بھرتے ہیں)۔ وَ لَوْ اَرَادُوا اَلْخُرُوجَ اَللّٰمَ اور اگر وہ لوگ (آپ كے ساتھ) نكلنے كا اراده كرتے تو ضرور اس كے لئے كوئى سامان تيار كرتے۔ اَلْغَنَةُ : ساز و سامان لَعْنِي ہتھیار اور زراد راہ كچھ لیکن اللہ نے ان كا اٹھنا پسند نہیں كیا (یعنی ان كے نكلنے كو نہیں چاہا) اس لئے اللہ نے ان كو حركت كرنے سے روك دیا (ان كو كامل اور بوجھل كر دیا اور (ان سے) كہہ دیا كیا تم لوگ بیٹھے والوں كے ساتھ بیٹھے رہو (یعنی جس طرح انا حج مریض لوگ اور عورتیں اور بچے گھر میں بیٹھے رہتے ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر كر دیا۔ لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ اَللّٰمَ اگر وہ لوگ تم میں شامل ہو كر (جہاد كے لئے) نكلتے تو سوائے فتنہ و فساد كے اور كوئى شئى زیادہ نہ كرتے (مسلمانوں كو ذلیل كر كے فساد برپا كرتے اور تمہارے درمیان فتنہ پھیلانے كے لئے دوڑے دوڑے بھرتے (یعنی تمہارے درمیان چغلیاں پھیلانے میں تیری كرتے وَ فِيكُمْ سَمْعُونَ لَهُمْ ؕ اور تم میں بعض ان كے جاسوس بھی ہیں یعنی جو وہ لوگ كہتے ہیں اس كو سماع قبول كرتے ہیں اور اللہ ظالموں كو خوب جاننے والا ہے۔ لَقَدْ اِنتَعَمُوا الْفِتْنَةَ اَللّٰمَ ان لوگوں نے اس سے پہلے بھی (آپ كے لئے) فتنہ پردازى كى فكر میں لگ چكے ہیں (جب شروع شروع میں آپ مدینہ آئے۔ وَ قَلْبُوا لَكَ الْاُمُورَ اَللّٰمَ اور (اس كے علاوہ بھی) آپ كى كارروائیوں كى الرٹ پھیر كرتے ہی رہے (یعنی آپ كى تدبیر اور آپ كے دین كو باطل و برباد كرنے میں فكر دوڑاتے رہے) یہاں تک كہ اللہ كا حق وعدہ (مدد كا وعدہ) آگیا اللہ كا حکم (اللہ كا دین) غالب رہا اور اسلام كى فتح و مبرہندہ كونا پسند كرتے رہے اس سے ناخوش تھے مگر ظاہر اس دین میں داخل ہو گئے)۔ وَ مِنْهُمْ مَن يَقُولُ اَللّٰمَ اور ان منافقوں میں سے بعض شخص وہ ہیں جو كہتے ہیں كہ مجھ كو (جہاد میں نہ جانے یعنی گھر بیٹھ رہنے كى) اجازت دیدیتے اور مجھ كو فتنہ میں نہ ڈالے (اور وہ منافق (جد بن) قیس تھا جس سے نبی كرم ﷺ نے فرمایا كہ بنی الاصفہر یعنی رومیوں سے قتال و جہاد كے بارے میں تمہارا كیا خیال ہے؟ تو جدنے عرض كیا میں عورتوں كا دلدادہ شیفته آدی ہوں اور میں ڈرتا ہوں كہ اگر میں نے رومیوں كى عورتوں كو دیکھ لیا تو صبر و ضبط نہ كر سكوں گا اور فتنہ میں پڑ جاؤں كا حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ؕ اَللّٰمَ خرب بن لوكہ یہ لوگ فتنہ میں تو پڑی

کے ہیں (تخلف کے ذریعہ یعنی جہاد سے باز رہ کر اور ایک قراءت میں سکتا ہے اور بے شک دوزخ کافروں کو کھیرے ہوئے ہے) (جس سے انکو چھٹکارا نہیں ہے)۔ إِنْ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ فَاذْكُرْهَا لِلَّهِ (مثلاً نبی مزا اور مال غنیمت) پہنچتی ہے تو ان کو بری معلوم ہوتی ہے اور اگر آپ کو کوئی مصیبت (مشقت) پہنچتی ہے تو یہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنا معاملہ اختیار کر لیا تھا (دانا ئی اور دور اندیشی کے ذریعہ جس وقت جو ہم نے مخلف کیا) اس (مصیبت) سے پہلے۔ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ (یہ کہہ کر) چلے جاتے ہیں خوش خوش (آپ کی مصیبت سے)۔ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَانَتْ مِنَّا۔ اے نبی آپ ان (مانفقتوں) سے فرما دیجئے کہ ہم کو ہرگز نہیں پہنچے گی مگر وہ چیز جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے (جس مصیبت کا پہنچنا) وہی ہمارا ملک ہے) (وہی ہمارا مددگار و کارساز ہے) اور اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ قُلْ هَلْ تَرَوْنَ مَن يَتَّبِعُونَ آلَ مَن يَكْفُرُ میں تیرے بھائیوں میں ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے اصل میں) آپ کہہ دیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں دو بھائیوں (دوانجماوں) ہی میں سے ایک بھلائی کے (ذوق کے) منتظر رہتے ہو (لفظ حسنین مشیہ ہے حسنی کا جو احسن کا مؤنث ہے اور دو بھائیوں سے مراد ادا الہی یا شہادت ہے) وَنَحْنُ نَتَّبِعُكَ يَوْمَ يَكْفُرُ اور ہم تمہارے حق میں اس کا انتظار کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تم پر عذاب واقع کرے گا اپنی طرف سے (آسانی عذاب) یا ہمارے ہاتھوں سے (ہائیں طور کہ تمہارے قتل کی ہم کو اجازت دیدے) پس تم ہمارے انجام کے منتظر ہو ہم بھی تمہارے ساتھ (تمہارے انجام کے) منتظر ہیں قُلْ أَنْتُمْ أَوْلَىٰ بِمَا كَسَبْتُمْ اے نبی آپ ان منافقین سے خرچ کے متعلق کہہ دیجئے کہ تم (عامت الہی میں) خوشی سے خرچ کر دیا یا ناخوشی سے تم سے ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا (کیونکہ بلاشبہ تم نافرمانی کرنے والے لوگ ہو اور یہاں امر بمعنی خبر ہے۔ وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ تَاكُفُّوا وَاذْكُرُوا اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔ مِنْهُمْ لَفَقَاتِهِمْ إِلَّا أَنَّهُمْ کا فاعل ہے اور أَنْ تُقْبَلَ اس کا مفعول ہے)۔ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ اور وہ نہیں حاضر ہوتے نماز کے لئے مگر کابلی کے ساتھ اور (نیک کام میں خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ) (کیونکہ وہ اس خرچ کو تاوان سمجھتے ہیں)۔ فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں (یعنی ان پر ہماری نعمتوں کو آپ اچھا نہ خیال فرمائیں کیونکہ یہ تو امتداد راج یعنی ذلیل ہے اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان ہی (نعمتوں) کے ذریعہ انہیں دنیا کی زندگی میں بھی گرفتار عذاب رکھے) جو مشقت اموال کے جمع کرنے میں پاتے ہیں اور ان کی دیکھ رکھ حفاظت میں جو مصیبت پہنچتی ہے) اور ان کی جانیں کفر کی حالت میں لگیں (تاکہ آخرت میں انہیں سخت ترین عذاب دے)۔ وَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ اور یہ (منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تحقیق وہ تم ہی میں سے ہیں (یعنی مسلمان ہیں) حالانکہ (واقع میں) وہ تم میں سے نہیں لیکن وہ لوگ ڈرپوک ہیں اس بات سے ڈرتے ہیں کہ تم لوگ ان کے ساتھ وہی سلوک کرو گے جو مشرکوں کے ساتھ کرتے چنانچہ بچنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں)۔ وَيَجِدُونَ مَلْجَأًا کہ یہ پائیں کوئی جائے پناہ (کہ اس میں پناہ لیں) یا کہیں پہاڑ وغیرہ میں) غار (تہ خانے) یا کوئی گھسنے کی جگہ (جس میں یہ لوگ داخل ہو سکیں) تو یہ ضرور پیٹھ پھیر کر اس طرف چل دیتے سر پٹ تیزی کے ساتھ (اور تم سے تیزی کے ساتھ پھر جاتے کہ کوئی چیز ان کو تم لوگوں کی طرف لوٹا نہیں سکتی جیسے بے لگام گھوڑا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَلْمِزُكَ اور ان منافقین میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو

صدقات (تقسیم کرنے) کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں۔ **فَإِنْ أَعْطُوا مِنْهَا رِضْوَانًا** تو اگر ان صدقات میں سے انکو مل جاتا تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان صدقات میں سے انکو نہ دیا جائے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں اور اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے (مال غنیمت وغیرہ میں سے) ان کو دیا اور یہ کہتے کہ ہم کو اللہ کا دیا) کافی ہے قریب ہے کہ آئندہ اللہ ہم کو اپنے فضل و کرم سے اور اس کا رسول (دوسرے اموال غنائم میں سے) ہم کو عنایت کریں گے جو ہم کو کفایت کریگا تحقیق ہم (دل سے) اللہ ہی کی طرف راغب ہیں) کہ اللہ تعالیٰ ہی ہم کو غنی بنا دے اور لو کا جواب **لَوْ لَكُنَّا خَيْرًا لَّهِمْ** معذرف ہے۔ یعنی یہ ان کے لیے اچھا ہوتا۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: **فَنَزَلَ عِتَابًا**: آپ کو ترک افضل پر عتاب ہو۔
- قوله: **هَلَّا تَرَكَتَهُمْ**: اس کو مقدر ماننا ضروری ہے تاکہ حتی **يَتَّبِعِينَ** کے متعلق ہو سکے۔
- قوله: **فِي الشَّخْلَفِ**: ان یہ معذوف کا صلہ ہے نہ کہ مذکور کا اس کا قریب **إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ** ہے۔ اس سے مراد پیچھے رہنے کی نقطہ اجازت ہے۔ یہ **أَنْ** تفسیر یہ نہیں۔
- قوله: **لَمْ يُرِدْ خُرُوجَهُمْ**: کردہ اللہ! **أَنْبِعَانَهُمْ** کی یہ تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا نکلنا پسند ہی نہ تھا۔
- قوله: **كَسَلَهُمْ**: یہ وہل کا معنی کیا یعنی جانے کے لئے ان کا میلان نہایت کمزور تھا۔ یہ تقدیر الہی جو ان کے متعلق تھی اس کو تشبیل میں ذکر فرمایا۔
- قوله: **يَأْسَرَعُوا**: یہ وضع البیر سے لیا گیا جس کا معنی تیزی کرنا ہے۔ **يَبْغُونَكُمْ** یہ حال ہے۔
- قوله: **مَا يَقُولُونَ**: **مَا يَقُولُونَ** یہ من لہلم کی جگہ مقدر ہے کیونکہ ذوات کا سماع تو محال ہے۔
- قوله: **بَنِي الْأَصْفَرِ**: اصغر جشی اور اس کی رومی بیوی کی اولاد کو **بَنِي الْأَصْفَرِ** کہا جاتا ہے۔
- قوله: **لَا مَحِيصَ**: کوئی ہناہ گاہ نہیں یعنی ان کے اسباب کا احاطہ کرنے والا ہے۔
- قوله: **بِالْحَزْمِ**: احتیاطی اور یقینی معاملہ کو اختیار کر لیا۔
- قوله: **إِصَابَتَهُ**: کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ تا موصولہ کی لونٹے والی ضمیر مقدر ہے۔
- قوله: **أَنْ يَقَعَ**: اس کو مقدر ماننا تاکہ اشارہ کر دیا جائے کہ تر بھس کا صلہ الی ہوتا ہے با نہیں۔
- قوله: **مَا أَنْفَقْتُمُوهُ**: اس میں ما قبل سے ربط کا بنیان ہے **أَنْفَقُوا** سے سمجھی جانے والی ضمیر نائب فاعل ہے **لَنْ** **يَتَّقَبَل** کی مطلب یہ ہے تم پسند و ناپسند جو فرج کرو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا۔
- قوله: **مُتَّقِلُونَ**: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ تصد اس کو بوجھ قرار دیتے ہیں طبعی طور پر نہیں۔

قوله: يَعْدُوْنَهَا: یہاں کرامت سے طبعی مراڈ نہیں بلکہ اختیاری مراد ہے۔

قوله: أَنْ يَّعْدِبَهُمْ: اُن کو مقدر مانا کیونکہ حرف جراسم کے خواص سے ہے۔

قوله: تَخْرُجْ أَنْفُسُهُمْ: یعنی مشکل سے ان کی جان نکلے۔

قوله: يَلْجَأُوْنَ إِلَيْهِ: یعنی پہاڑ کی چوٹی یا قلعہ میں پناہ لیں۔

قوله: كَالْفَرَسِ الْجُمُوحِ: وہ گھوڑا جو سواری کے وقت منہ زور ہو۔

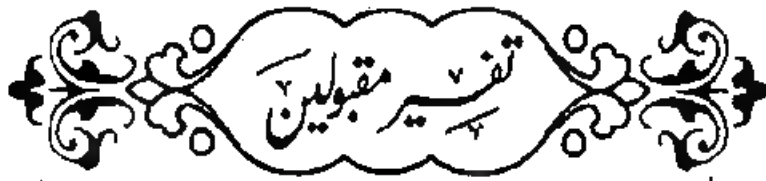
قوله: فِي قَسَمِ الصَّدَقَاتِ: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ صدقات کی تقسیم میں وہ طعنہ زنی کرتے ہیں نفس صدقات میں نہیں۔

قوله: كَافَيْنَا اللَّهُ: حَسْبُنَا مصدر بمعنی اسم فاعل ہے۔

قوله: مَا يَكْفِينَا: یہ سَيُؤْتِينَا کا مفعول ہے۔

قوله: أَنْ يُغْنِيَنَا: یعنی فی اَنْ يُغْنِيَنَا یہ مقدر ماننے سے رُغِبُوْنَ کے لزوم پر اشکال نہ رہے۔

قوله: وَجَوَابُ لَوْ: جواب اس کا محذوف ہے، اور وہ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ہے اور اس کا قابل تمام شرط کے موقع پر ہے۔



عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ.....

اس پورے رکوع کی سترہ آیتوں میں پیشتر ان منافقین کا ذکر ہے، جنہوں نے جھوٹے عذر پیش کر کے غزہ تبوک میں نہ جانے کی اجازت رسول کریم ﷺ سے حاصل کر لی تھی، اس کے ضمن میں بہت سے احکام و مسائل اور ہدایات ہیں۔

پہلی آیت میں ایک لطیف انداز سے رسالت مآب ﷺ سے اس بات کی شکایت ہے کہ ان منافقین نے جھوٹ بول کر اپنے آپ کو معذور ظاہر کیا اور آپ نے قبل اس کے کہ ان کے حال کی تحقیق کر کے جھوٹ سچ کا پتہ لگاتے ان کو رخصت دیدی، جس کی بنا پر یہ لوگ خوشیاں مناتے اور یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خوب دھوکہ دیا، اگرچہ اگلی آیتوں میں حق تعالیٰ نے اس کا بھی اظہار فرمایا کہ یہ لوگ محض حیلہ جوئی کے لئے عذر پیش کر رہے تھے، ورنہ اگر ان کو اجازت نہ دی جاتی جب بھی یہ لوگ جانے والے نہ تھے اور ایک آیت میں اس کا بھی اظہار فرمایا کہ اگر بالفرض یہ لوگ اس جہاد میں جاتے بھی تو ان سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچتا، بلکہ ان کی سازش اور فتنہ پردازی سے اور خطرہ ہوتا۔

لیکن منشاء یہ ہے کہ ان کو اگر اجازت نہ دی جاتی تو پھر بھی یہ جانے والے تو نہ تھے، مگر ان کا نفاق کھل جاتا، اور ان کو مسلمانوں پر یہ طعنے کسے کا موقع نہ ملتا کہ ہم نے ان کو خوب بیوقوف بنایا، اور مقصد درحقیقت عتاب نہیں بلکہ یہ بات ہے کہ آئندہ ان لوگوں کی چالوں سے باخبر رہیں، اور صورتہ جو ایک قسم کا عتاب بھی ہے تو کس لطف عنایت کے ساتھ کہ عتاب کی بات جو لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ سے شروع ہوئی ہے، یعنی آپ نے ان لوگوں کو کیوں اجازت دے دی اس کے ذکر کرنے سے پہلے ہی عفاً

اللَّهُ عَنَّكَ؟ ذکر فرمادیا جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سوف فرمادیا۔

اور رسول کریم ﷺ کے منصب و مقام اور آپ کے تعلق مع اللہ پر نظر رکھنے والے حضرات نے فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جو غایت تعلق حضرت حق جل شانہ کے ساتھ تھا اس کے پیش نظر آپ کا لقب مبارک اس کا حق ہی نہ کر سکتا تھا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے کسی معاملہ میں آپ سے جواب طلب کیا جائے، اگر شروع میں لَعْنَةُ كُفْرٍ کے الفاظ ذکر فرمادئے جاتے جن میں سورۃ جواب طلبی کا عنوان ہے تو آنحضرت ﷺ کا لقب مبارک اس کا تحمل نہ کر سکتا، اس لئے اس سے پہلے عَنَّكَ اللَّهُ فرمایا کہ ایک طرف تو اس پر مطلق کر دیا کہ کوئی ایسا کام ہو گیا ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہ تھا، دوسری طرف اس کی معافی کی اطلاع پہلے دے دی تاکہ انکا کلام قلب مبارک پر زیادہ شاق نہ ہو۔

اور لفظ معافی سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ معافی تو جرم و گناہ کی ہوا کرتی ہے، اور رسول اللہ ﷺ گناہ سے معصوم ہیں تو پھر معافی کے یہاں کیا معنی ہو سکتے ہیں وجہ یہ ہے کہ معافی جیسے گناہ کی ہوتی ہے ایسی ہی خلاف اولیٰ اور ناپسندیدہ چیز کے لئے بھی معافی کا استعمال کیا جاسکتا ہے، اور وہ عصمت کے معافی نہیں۔

وَلَوْ آرَادُوا الْخُرُوجَ.....

عناط کو عنایہ کا رکفار و منافی:

عذر کرنے والوں کے غلط ہونے کی ایک ظاہری دلیل یہ بھی ہے کہ اگر ان کا ارادہ ہوتا تو کم از کم سامان سفر تو تیار کر لیتے لیکن یہ تو اعلان اور حکم کے بعد بھی کئی دن گزرنے کے باوجود ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے ایک تنکا بھی ادھر سے ادھر نہ کیا دراصل اللہ کو ان کا تمہارے ساتھ نکلنا پسند ہی نہ تھا اس لئے انہیں پیچھے ہٹا دیا اور قدرتی طور پر ان سے کہہ دیا گیا کہ تم تو بیٹھے والوں کا ہی ساتھ دو۔ ان کے ساتھ کو ناپسند رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ پورے نامراد اعلیٰ درجے کے بزدل بڑے ہی ڈرپوک ہیں اگر یہ تمہارے ساتھ ہوتے تو پتہ کھڑکا اور بندہ سرکا کی مثل کو اصل کر دکھاتے اور ان کے ساتھ ہی تم میں بھی فساد برپا ہو جاتا۔ یہ ادھر کی ادھر ادھر کی ادھرنگا بکر بجا کربات کا بنگلہ بنا کر آپس میں پھوٹ اور عداوت ڈلوادیتے اور کوئی نیافتہ کھڑا کر کے تمہیں آپس میں ہی الجھا دیتے۔ ان کے ماننے والے ان کے ہم خیال ان کی پالیسی کو اچھی نظر سے دیکھنے والے خود تم میں بھی موجود ہیں وہ اپنے بھولے پن سے ان کی شراغیزیوں سے بے خبر رہتے ہیں جس کا نتیجہ مومنین کے حق میں نہایت برا نکلتا ہے آپس میں شرفساد پھیل جاتا ہے۔ مجاہد وغیرہ کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کے حامی اور ہمدرد ہیں یہ لوگ تمہاری جاسوسی کرتے رہتے ہیں اور تمہاری ہل چل کی خبریں انہیں پہنچاتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ معنی کرنے سے وہ لطافت باقی نہیں رہتی جو شروع آیت سے ہے یعنی ان لوگوں کا تمہارے ساتھ نہ نکلنا اللہ کو اس لئے بھی ناپسند رہا کہ تم میں بعضے وہ بھی ہیں جو ان کی مان لیا کرتے ہیں یہ تو بہت درست ہے لیکن ان کے نہ نکلنے کی وجہ کے لئے جاسوسی کی کوئی خصوصیت نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے قتادہ وغیرہ مفسرین کا یہی قول ہے۔ امام محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ اجازت طلب کرنے والوں میں عبد اللہ بن ابی بن سلول اور جہد بن قیس بھی تھا اور یہی بڑے بڑے رؤساء اور ذی اثر منافق تھے اللہ نے انہیں در ڈال دیا اگر یہ ساتھ ہوتے تو ان کے سامنے ان کی بات مان لینے والے وقت پر ان کے ساتھ ہو کر مسلمانوں کے نقصان کا باعث بن جاتے محمدی لشکر

میں اتنی پھیل جاتی کیونکہ یہ لوگ وجاہت والے تھے اور کچھ مسلمان ان کے حال سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان کے ظاہری اسلام اور چرب کلامی پر مفتون تھے اور اب تک ان کے دلوں میں ان کی محبت تھی۔ یہ ان کی لاعلمی کی وجہ سے تھی سچ ہے پورا علم اللہ ہی کو ہے غائب حاضر جو ہو چکا ہو اور ہونے والا ہو سب اس پر روشن ہے۔ اسی اپنے علم غیب کی بنا پر وہ فرماتا ہے کہ تم مسلمانو! ان کا نہ لکنا ہی نصیحت سمجھو یہ ہوتے تو اور فساد و فتنہ برپا کرتے نہ خود جہاد کرتے نہ کرنے دیتے۔ اسی لئے فرمان ہے کہ اگر کفار دوبارہ بھی دنیا میں لوٹائے جائیں تو نئے سرے سے پھر وہی کریں جس سے منع کئے جائیں اور یہ جموٹے کے جموٹے ہی رہیں۔ ایک اور آیت میں ہے کہ اگر علم اللہ میں ان کے دلوں میں کوئی بھی خیر ہوتی تو اللہ تعالیٰ عز و جل انہیں ضرور سنا دیتا لیکن اب تو یہ حال ہے کہ شیخ بھی تو منہ موڑ کر لوٹ جائیں اور جگہ ہے کہ اگر ہم ان پر لکھ دیتے کہ تم آپس میں ہی موت کا کھیل کھیلو یا جلاوطن ہو جاؤ تو سوائے بہت کم لوگوں کے یہ ہرگز اسے نہ کرتے۔ حالانکہ ان کے حق میں بہتر اور اچھا یہی تھا کہ جو نصیحت انہیں کی جائے یہ اسے بجالائیں تاکہ اس صورت میں ہم انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم دیں اور راہ مستقیم دکھائیں۔ ایسی آیتیں اور بھی بہت ساری ہیں۔

لَقَدْ ابْتِغُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ.....

فتنہ و فساد کی آگ اور منافقین:

اللہ تعالیٰ منافقین سے نفرت دلانے کے لئے فرما رہا ہے کہ کیا بھول گئے مدتوں تو یہ فتنہ و فساد کی آگ سلگاتے رہے ہیں اور تیرے کام کے لٹ دینے کی بیسیوں تدبیریں کر چکے ہیں مدینے میں آپ کا قدم آتے ہی تمام عرب نے ایک ہو کر مصیبتوں کی بارش آپ پر برسادی۔ باہر سے وہ چڑھ دوڑے اندر سے یہود مدینہ اور منافقین مدینہ نے بغاوت کر دی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دن میں سب کی کمانیں توڑ دیں ان کے جوڑ ڈھیلے کر دیئے ان کے جوش ٹھنڈے کر دیئے بدر کے معرکے نے ان کے ہوش حواس بھلا دیئے اور ان کے ارمان زبح کر دیئے۔ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی نے صاف کہہ دیا کہ بس اب یہ لوگ ہمارے بس کے نہیں رہے اب تو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ظاہر میں اسلام کی موافقت کی جائے دل میں جو ہے سو ہے وقت آنے دو دیکھا جائے گا اور دکھا دیا جائے گا۔ جیسے جیسے حق کی بلندی اور توحید کا بول بالا ہوتا گیا یہ لوگ حسد کی آگ میں جلتے گئے آخر حق نے قدم جمائے، اللہ کا کلمہ غالب آ گیا اور یہ یونہی سینہ پٹیتے اور ڈنڈے بجاتے رہے۔

وَمَنْهُمْ مَن يُقُولُ اٰذِنُنِيْ وَلَا تَقْتُلْنِيْ.....

اس کے بعد ایک منافق کے بیان کردہ عذر کا تذکرہ کیا اور فرمایا: وَمَنْهُمْ مَن يُقُولُ اٰذِنُنِيْ وَلَا تَقْتُلْنِيْ اور ان میں سے ایک شخص ایسا بھی ہے جو یوں کہتا ہے کہ مجھے جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیجیے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالنے معاملہ التنزیل (ص ۲۹۹ ج ۲) میں لکھا ہے کہ جب بن قیس ایک منافق تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے غزوہ تبوک میں شریک ہونے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کیا تجھے ردیوں سے جنگ کرنے میں رغبت ہے؟ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میرا حال یہ ہے کہ عورتوں سے مجھے عشق ہے اور عورتوں کو دیکھ کر قابو میں نہیں رہتا ردیوں کی گورے رنگ کی لڑکیاں دیکھ کر مجھ سے مہر نہ ہوگا آپ

مجھے یہیں رہنے کی اجازت دیجیے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے۔ میں مال سے امداد کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس نے یہ بہانہ تلاش کیا تھا اور منافقت کے سوا اس کی کوئی معذوری نہ تھی۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اس سے فرمایا اور اس کو اجازت دے دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا (خبردار! فتنہ میں پڑ چکے ہیں) اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لانا اور منافقت اختیار کرنا یہ سب سے بڑا فتنہ ہے۔ وَ اِنْ جَهَنَّمَ لَكَيْفٍ بِهَا لَكٰفِيْرِيْنَ ﴿۱۰﴾ اور بلاشبہ جہنم کالروں کو اپنے گھبرے میں لینے والی ہے (یہ ان کے اس فتنہ کی سزا ہے جس میں وہ پڑ چکے ہیں۔ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُوْهُمُ ۙ....

منافقین کی بد باطنی کا مزید تذکرہ:

اللہ آیات میں منافقین کی مزید بد باطنی کا اظہار فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ اے نبی ﷺ یہ لوگ ایمان کے مدعی تھے کہ آپ کے ساتھ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اندر سے ان کا یہ حال ہے کہ اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے مثلاً شہر میں مقابلہ میں کامیابی ہو جائے مال قیمت مل جائے تو انہیں یہ بات بری لگتی ہے وہ اس سے ناخوش ہوتے ہیں کہ آپ کو دشمنوں کا غلبہ حاصل ہو یا کسی بھی طرح کی کوئی خیر مل جائے۔ اور اگر آپ کو کبھی کوئی تکلیف پہنچ گئی تو اپنی سمجھداری کی تعریف کرتے ہیں کہتے ہیں کہ دیکھو ہم کیسے اچھے رہے، ہم نے پہلے ہی احتیاط کا پہلا اختیار کر لیا تھا ان کے ساتھ لگتے تو ہم بھی مصیبت میں پڑتے یہ باتیں کرتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں، مومن کی شان تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہر حال میں رہے، خوشحالی میں بھی آپ کا ساتھی ہو اور مصیبت میں بھی۔

روح المعانی (ص ۱۱۴ ج ۱۰) میں بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ منافقین غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہ گئے وہ لوگوں سے کہتے رہے کہ بس جی محمد ﷺ اور ان کے ساتھی تو بڑی مصیبت میں پڑ گئے بڑی مشقت کا سفر اختیار کیا۔ اب یہ ہلاک ہو کر رہیں گے۔ پھر جب انہیں یہ خبر ملی کہ دشمن مرعوب ہو گیا اور آپ صحیح سالم اپنے محلہ بنی نضل کے ساتھ واپس تشریف لارہے ہیں تو انہیں یہ برا لگا۔ اس پر آیت شریفہ: اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُوْهُمُ ۙ نازل ہوئی۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا....

منافقین کا مال مقبول نہیں:

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ آیت: قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا جہد بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی جس نے کہا تھا کہ میں رویوں کی عورتیں دیکھ کر بے مبر ہو جاؤں گا۔ اس لیے مجھے ساتھ نہ لے جائیے لیکن مال کے ذریعہ آپ کی مدد کروں گا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ تم خوشی سے خرچ کر دیا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ قبول نہ ہونے کے مطلب ہیں ایک یہ کہ مال لے کر آؤ گے تو اللہ کے رسول ﷺ قبول نہ فرمائیں گے۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ثواب نہ دے گا۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ دونوں ہی معنی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ اِنَّا كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسِيْقِيْنَ ﴿۱۰﴾ بے شک تم منافقان لوگ ہو۔ آیت کا سبب نزول خواہ جہد بن قیس ہی کا واقعہ ہو لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں جو تمام منافقین کو

شمل ہیں۔

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ.....

اس کے بعد فرمایا: فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ... (کہ ان کے ماں اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں) کیونکہ یہ چیزیں مقبولیت عند اللہ کی دلیل نہیں ہیں۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ یہ لوگ اللہ کے ہاں مردود ہوتے تو ان کے اموال اور اولاد میں کثرت کیوں ہوتی۔ یہ کثرت بطور استدراج ہے جو ان کے لیے باعث عذاب ہے۔ لِنَسْأَلُ بِؤْتَا اللَّهِ لِيُعْذِبَ بِهِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (اللہ یہی چاہتا ہے کہ دنیا میں ان چیزوں کے ذریعہ انہیں عذاب دے) پہلا عذاب تو یہ ہے کہ مال جمع کرنے میں تکلیفیں اٹھاتے ہیں، مصیبت جھیلتے ہیں اور اس میں اللہ کی رضا کا ذرا دھیان نہیں کرتے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے جو تکلیف اٹھائی جائے وہ ہلکی اور آسان ہو جاتی ہے۔ نیز یہ مال ان کے لیے اس لیے بھی دنیا میں عذاب بنے ہوئے ہیں کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے شرمناک تھوڑی زکوٰۃ بھی دے دیتے ہیں اور جہاد میں بھی خرچ کرتے ہیں جس سے ان کا دل دکھتا ہے۔ یہ دل کا دکھنا بھی عذاب ہے۔ ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے خرچ کرتے تو یہ خرچ کرنا خوشی کا باعث بن جاتا۔ اور اولاد کے ذریعہ دنیا میں عذاب دیئے جانے کا یہ مطلب ہے کہ اولاد کی پرورش اور پرداخت میں بہت تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اور اس تکلیف پر کسی ثواب کی امید نہیں پھر بعض مرتبہ ان کے بیٹے جہاد میں مقتول ہو جاتے ہیں اور اس قتل پر بھی رنجیدہ ہوتے ہیں کیونکہ ایمان سے محروم ہونے کی وجہ سے شہادت کے ثواب کا یقین نہیں رکھتے۔

پھر فرمایا: تَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۱۰﴾ اور اللہ چاہتا ہے کہ ان کی جانیں اس حال میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں۔ (تاکہ آخرت کے عذاب میں بھی گرفتار ہوں) اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ رہتے ہیں اس کی کتاب سنتے ہیں معجزات دیکھتے ہیں، پھر بھی ایمان نہیں لاتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان لانے کا ارادہ نہیں فرمایا۔ اب کفر پر ہی مریں گے۔

وَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمُنْكَرُونَ...

پھر منافقین کی قسموں کا ذکر فرمایا: وَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمُنْكَرُونَ (اور ان کا یہ طریقہ ہے کہ قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم ہی میں سے ہیں) سچے مومن کو اپنے ایمان پر قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اہل ایمان اس کے حالات اور معاملات اور احوال و اعمال اور برتاؤ کو دیکھ کر ہی اسے مومن سمجھتے ہیں اور منافقین کا رنگ ڈھنگ بتاتا ہے کہ یہ اندر سے مومن نہیں ہیں اس لیے اہل ایمان اس سے بچتے ہیں اور انہیں اپنا نہیں سمجھتے لہذا بار بار قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تم ہی میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا هُمْ بِمُنْكَرُونَ (اور وہ تم میں سے نہیں ہیں)۔

وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْتَرُونَ ﴿۱۱﴾ (لیکن بات یہ ہے کہ وہ ڈرنے والے لوگ ہیں) وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم ایمان کا دعویٰ نہ کریں تو ہمارے ساتھ بھی وہی معاملہ ہوگا جو مشرکین اور یہود کے ساتھ ہوا۔ اب جبکہ یہ دنیا دار اسلام بن گیا اور کافر ہو کر جینے کا موقع نہ رہا۔ تو جھوٹ موٹ ایمان کا دعویٰ کر دیا تاکہ جان مال محفوظ رہے اور جو منافع مسلمانوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ ڈرپوک آدمی کھل کر سامنے نہیں آ سکتا۔ اس لیے ان لوگوں نے ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر دیا اور قسموں کے ذریعہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں تاکہ مسلمانوں کی زد سے بچے رہیں۔

پھر منفقین یا قہمی بے تعلقی کا نہ کرنا، یا کہ انہیں کوئی دوسرا ٹھکانہ میسر نہیں، اس لیے تم سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں اور تمہاری برکت کی طرف منسوب ہوتے ہیں اگر انہیں کوئی ٹھکانہ مل جائے جس میں پناہ لے سکیں یا کوئی غار مل جائے جس میں چھپ سکیں یہ داخل ہونے کے لیے دوسری جگہ مل جائے تو تیزی کے ساتھ اس میں چلے جائیں گے اور تمہاری طرف سے نظریں پھیریں گے۔ اور پوری طرح خود چشمی اختیار کر لیں گے۔ تم سے انہیں بالکل بھی تعلقی نہیں ہے۔ ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر کے اور تمہیں کھانکے تمہیں مطمئن رکھتا چاہتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ قَوْمٌ يَتَّبِعُونَكَ فِي الضَّلَالَةِ

تقسیم صدقات و غنائم پر بعض منافقین کا طعن اور اس کا جواب

وَمِنْهُمْ قَوْمٌ يَتَّبِعُونَكَ فِي الضَّلَالَةِ ...

(روہٹا) ان آیات میں تقسیم صدقات کے بارے میں منافقین کے ایک طعن کا ذکر کرتے ہیں۔ جس کا منشاء صرف حرص اور طمع تھا۔ بعض منافقین نے تقسیم صدقات کے بارے میں آپ پر ناانسانی کا الزام لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ لوگوں کا یہ طعن محض حرص اور طمع پر مبنی ہے کہ اگر ان لوگوں کو ان کی خواہش اور حرص کے مطابق دیدیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کرتے اس لیے آئندہ آیات میں صدقات کے مصارف بیان فرمائیں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون صدقہ دینے کے قابل ہیں اور کون نہیں اور ان منافقین میں کی ایک نوع وہ ہے جو آپ پر تقسیم صدقات کے بارے میں ناانسانی کا عیب لگاتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ معاذ اللہ آپ تقسیم صدقات میں عدل و انصاف کا لحاظ نہیں رکھتے۔ بخاری وغیرہ کی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ طعن کرنے والا ذوالخویصرہ تھی تھا جو خارجیوں کا اس رئیس اور اصل اصول تھا اور بعض نے اس کا شان نزول اور لوگوں کو بتلایا پس خوب سمجھ لو کہ ان کا یہ طعن خود غرضی کی راہ سے ہے سوان صدقات میں سے اگر ان کو ان کے حسب منشاء دے دیا جائے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں۔ اور پھر آپ کی تقسیم پر ان کو کوئی اعتراض نہیں رہتا اور اگر ان صدقات میں سے ان کو ان کی خواہش کے سوا کچھ دیا جائے تو فوراً ہی کڑھینتے ہیں اور زبان طعن دراز کرتے ہیں پس معلوم ہوا کہ اس حرف گیری کا منشاء صرف خود غرضی ہے جو خود اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے اور اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے خیرات اور صدقات سے ان کو دیا اور یہ کہتے کہ ہمیں کافی ہے اللہ کا فضل قریب ہے کہ آئندہ اللہ ہم کو اپنے فضل و کرم سے اور اس کا رسول اپنے لطف و عنایات سے عطا کرے گا۔ تحقیق ہم دل و جان سے اللہ کی طرف راغب ہیں اور اس کے فضل و کرم کے امیدوار ہیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

إِنَّمَا الضَّلَاتُ الْمَضْرُوبَةُ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفَعُ مَوْقَعًا مِنْ كِفَايَتِهِمْ وَالْمَسْكِينِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَكْفِيهِمْ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا أَيِ الضَّلَاتِ مِنْ حَبَابٍ وَقَاسِمٍ وَكَاتِبٍ وَحَاشِرٍ وَ الْمُؤَلَّفَةِ قَوْلِهِمْ لِيَسْلِمُوا أَوْ يَنْبِئُوا عَنِ الْمُسْلِمِينَ أَلْسَانًا وَأَوَّلِ

وَالْأَخِيرَ لَا يُعْطِيَانِ التَّوْبَةَ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ لِعِزِّ الْإِسْلَامِ بِخِلَافِ الْأَخْرَجِيِّ فَيُعْطِيَانِ عَلَى الْأَصَحِّ وَفِي
 كِتَابِ الرِّقَابِ أَيِ الْمَكَاتِبِينَ وَالْغُرَمِيِّينَ أَهْلَ الدِّينِ إِنْ اسْتَدَانُوا الْعَيْرَ مَعْصِيَةً أَوْ تَابُوا أَوْ لَيْسَ لَهُمْ وَفَاءٌ أَوْ
 لِإِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَعِينِ وَلَوْ أَعْتَبَاءُ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ أَيِ الْقَائِمِينَ بِالْجِهَادِ مِمَّنْ لَاقَى لَهُمْ وَلَوْ أَعْتَبَاءُ وَابْنُ
 السَّبَّيْهِ الْمُنْقَطِعُ فِي سَفَرِهِ فَرِيضَةٌ نُصِبَ لِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلَيْهِ بِخَلْقِهِ حَكِيمٌ ①
 فِي صَنْعِهِ فَلَا يَجُوزُ صَرْفُهَا لِغَيْرِ هَذَا وَلَا مَنَعَ صَنْفٍ مِنْهُمْ إِذَا وَجَدَ فَيُقَسِّمُهَا لِإِمَامٍ عَلَيْهِمْ عَلَى السَّوَاءِ
 وَلَهُ تَفْضِيلٌ بَعْضُ أَحَادِ الصَّنْفِ عَلَى بَعْضٍ وَأَقَادَتِ اللَّامُ وَجُوبُ اسْتِعْرَاقِ أَقْرَابِهِ لَكِنْ لَا يَجِبُ عَلَى
 صَاحِبِ الْمَالِ إِذَا قَسَمَ لِعَشْرِهِ بَلْ يَكْفِيهِ إِعْطَاءُ ثَلَاثَةٍ مِنْ كُلِّ صَنْفٍ وَلَا يَكْفِيهِ ذُوْنَهَا كَمَا أَفَادَتْهُ صِيغَةُ
 الْجَمْعِ وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ أَنَّ شَرْطَ الْمُعْطَى مِنْهَا الْإِسْلَامُ وَأَنْ لَا يَكُونَ هَاشِمِيًّا وَلَا مُطَّلِبِيًّا وَمِنْهُمْ أَيِ
 الْمُنَافِقِينَ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ بِعَيْبِهِ وَنَقَلَ حَدِيثُهُ وَيَقُولُونَ إِذَا هُوَ أَعْرَضَ ذَلِكَ لِيَلَّا يَتَلَعَّهُ هُوَ أَذُنٌ
 أَيِ يَسْمَعُ كُلَّ قَبِيلٍ وَيُقْبَلُهُ فَإِذَا خَلَقْتَالَهُ إِنَّا لَمْ نَقُلْ صَدَقْنَا قُلْ هُوَ أَذُنٌ مَسْمُوعٌ خَيْرٌ لَكُمْ لَا مَسْمُوعٌ
 شَرٌّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ بِصِدْقِ الْمُؤْمِنِينَ فِيمَا أَخْبَرُوا بِهِ لَا لِعَيْرِهِمْ وَاللَّامُ زَائِدَةٌ لِلْفَرْقِ بَيْنَ
 إِيمَانِ التَّسْلِيمِ وَغَيْرِهِ وَرَحْمَةٌ بِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلَى أَذُنٍ وَالْجَرِّ عَطْفًا عَلَى خَيْرِ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ②
 الَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ③ يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ فِيمَا بَلَّغَكُمْ
 عَنْهُمْ مِنْ أَدَى الرَّسُولِ مَا اتَّبَعْتُمْ لِيَرْضَوْكُمْ ④ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْا بِالطَّاعَةِ لَنْ
 كَانُوا مُؤْمِنِينَ ⑤ حَقًّا وَتَوْجِيهًا الضَّمِيرُ لِلتَّلَازُمِ الرِّضَائِيِّينَ أَوْ خَيْرَ اللَّهِ أَوْ رَسُولِهِ مَحْدُوفٌ أَلَمْ
 يَعْلَمُوا أَنَّهُ أَيُّ الشَّيْءِ مَنْ يُحَادِدِ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خِزْيًا خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ
 الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ⑥ يَخْدَرُ يَخَافُ الْمُنْفِقُونَ أَنْ تُنزَلَ عَلَيْهِمْ أَيِ الْمُؤْمِنِينَ سُورَةٌ تَنْبِئُهُمْ بِمَا فِي
 قُلُوبِهِمْ ⑦ مِنَ التَّفَاقُ وَهُمْ مَعَ ذَلِكَ يَسْتَهْزِئُونَ قُلْ اسْتَهْزِئُوا ⑧ أَمْ تَهْتَدُونَ إِنْ اللَّهُ مُخْرِجٌ مظهرٌ مَا
 تَحْدَرُونَ ⑨ إِخْرَاجُهُ مِنْ نِفَاقِكُمْ وَلَكِنْ لَا مَقْسَمٌ سَأَلْتَهُمْ عَنْ اسْتِهْزَائِهِمْ بِكَ وَالْقُرْآنُ وَهُمْ سَاهُونَ

مَعَكَ إِلَىٰ تَبْرُكَ لِيَقُولَنَّ مُفْتَدِرِينَ إِنَّمَا كُنَّا نَحْوُضٌ وَنَلْعَبُ فِي الْحَدِيثِ لِنُقْطَعَ بِهِ الطَّرِيقُ وَنَلْعَبُ
نُقْطِذُ ذَلِكَ قُلْ لَهُمْ يَا اللَّهُ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا عَنْهُ قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ
إِيمَانِكُمْ ۝ أَيُّ ظَهَرَ كُفْرُكُمْ بَعْدَ إِظْهَارِ الْإِيمَانِ إِنْ نَعَفُ بِأَنْبِيَاءٍ مِثِّيًّا لِلْمُفْعُولِ وَالتَّوْبِ مِثِّيًّا لِلنَّفَاعِ
عَنْ طَائِفَةٍ مِّنْكُمْ بِإِخْلَاصِهَا وَتَوْبَتِهَا كَمَجْشِيِّ بْنِ حَمِيرٍ نَعَّابٌ بِأَنْبَاءِ وَالتَّوْبِ طَائِفَةٌ بِأَنْبَاءِ

ع ۱۳۱ کاتوا صجر مبین ۝ مُصِرِّينَ عَلَى التَّفَاقُ وَالْإِسْتِهْزَاءِ

وز الکرم اتیتہ بخدیعہ فرایتہ فیما تروم یسارع
فاعلم بانک لم تخادع جاهلا ان الکرم لفضله متخادع

ترجمہ: إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ الرِّقَابُ (یعنی زکوٰۃ معروفہ) صرف حق ہے فقیروں کا (فقیر وہ شخص ہے جو اس قدر نہ پائے
کہ اس کے موقع کفایت میں واقع ہو اور مسکینوں (جو بقدر کفایت اپنے پاس مال نہیں پاتے ہیں) وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهِمَا اور ان
کارکنوں کا حق ہے جو ان صدقات پر متعین ہیں (یعنی مالداروں سے زکوٰۃ وصول کرنے والے) اور فقیروں و مسکینوں میں تقسیم
کرنے والے) اور زکوٰۃ کے حسابات لکھنے والے مَنَشَىٰ وَالْمَوْلَاةُ قَوْلُهُمْ اور ان لوگوں کے لئے ہے جن کی تالیف قلب کی
جائے (یعنی جن کی دلجوئی منظور ہے تاکہ اسلام قبول کر لیں یا تو مسلم اپنے اسلام پر پختہ ہو جائیں یا اس مسلمان کے امثال مثلاً
خاندان والے اسلام قبول کر لیں یا ایسے غیر مسلم جو مسلمانوں سے مدافعت کریں یہ مذکورہ چار اقسام ہیں ان میں اول اور اخیر کی
دو قسموں کو امام شافعی کے نزدیک نہیں دیا جائے گا چونکہ اسلام کو عزت و شوکت حاصل ہو چکی ہے البتہ باقی دو قسموں کو اصح قول کی
بتا پر دیا جائے گا۔ وَ إِنِّي فَكِّ الْوَقَائِبِ اور غلاموں (یعنی مکاتبین) کی گردن چھڑانے میں صرف کیا جائے۔ وَالْغُرْمِيْنَ
اور قرض داروں کو قرض ادا کرنے میں (ایسے قرض دار جنہوں نے گناہ کے علاوہ یعنی جائز کاموں میں قرض لیا ہو یا قرض لیا تو تھا
گناہ کے کام میں لیکن توبہ کر لی مگر قرض ادا کرنے کے لئے مال نہ ہو یا مسلمانوں کی باہمی اصلاح کے لئے لیا اگرچہ وہ خود مالدار
ہی کیوں نہ ہوں) وَ إِنِّي سَبِيلِ اللَّهِ اور اللہ کی راہ میں (یعنی جہادنی سبیل میں جانے والے ہوں اور ان کے لئے نئی نہ ہو اگرچہ
وہ مالدار ہوں۔ وَ ابْنِ السَّبِيلِ اور مسافروں کی امداد میں کہ جن کے لئے مال منقطع ہونے کی وجہ سے سفر جاری رکھنا دشوار
ہو گیا ہو۔ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ اراد یہ حکم مقرر ہے اللہ کی طرف سے (فَرِيضَةٌ منصوب ہے فعل مقدر کی وجہ سے اور اللہ (اپنی
مخلوق کو) بڑا جاننے والا ہے اور اپنے کام میں بڑی حکمت والا ہے، فَلَا يَجْزُوْهُ حَصْرُ فَهِيَ الْعَبْرُ هُنَالَا پس ان لوگوں کے علاوہ
ان مالوں کو خرچ کرنا جائز نہیں اور شان اقسام میں سے کسی قسم کو محروم کرنا جائز ہے جب کہ پائے جائیں یعنی موجود ہوں پس ان
سب پر برابر تقسیم کر دے، البتہ امام کے لئے جائز ہے کہ کسی قسم کے بعض کو بعض پر ترجیح دے۔ اور لام سے یہ فائدہ معلوم ہوا کہ
ان میں سے ہر صنف کے تمام افراد کا استفراق واجب ہے یعنی ہر صنف کے تمام افراد کو دینا چاہئے لیکن نہایت دشوار ہے اس
لئے صاحب مال پر تقسیم کرتے وقت یہ وجوب ساقط ہے یعنی پابندی لازم نہیں دشواری کی وجہ سے بلکہ ہر صنف میں سے تین کو

دے دینا کافی ہے اس سے کم دینا کافی نہیں جیسا کہ جمع کے صیغہ سے بات معلوم ہوتی ہے وَبَيَّنْتَ الشُّنَّةَ اَخ اور سنت نے بیان فرمادیا کہ جس شخص کو زکوٰۃ دی جائے اس کا مسلمان ہونا شرط ہے اور یہ کہ ہاشمی اور مطہلی نہ ہو۔ وَمِنْهُمْ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اَخ اور ان میں سے (یعنی منافقین میں سے) کچھ لوگ وہ ہیں جو نبی (ﷺ) کو ایذا دیتے ہیں (ان میں عیب لگا کر اور ان کی باتیں نقل کر کے) اور (جب انہیں روکا جاتا ہے اس حرکت سے کہ کہیں آپ کو گزند پہنچ جائے) تو کہتے ہیں کہ وہ تو محض ایک کان ہیں (یعنی سن لیتے ہیں ہر بات کو جو کہی جاتی ہے اور قبول کر لیتے ہیں یعنی مان لیتے ہیں تو جب ان کے سامنے قسم کھالیں گے کہ ہم نے نہیں کہا ہے تو ہمیں بھی سچا مان لیں گے: قُلْ اُذُنٌ خَيْرٌ لِّكُمْ اَخ آپ فرمادیجئے کہ (وہ نبی) وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں بھلائی و بہتری کی ہو شر اور بگاڑ کی بات نہیں سنتے۔ يُوْهِنُ بِاللّٰهِ وَيُوْهِنُ بِصِدْقِ لِمُؤْمِنِيْنَ اَخ وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مؤمنین (مخلصین کی باتوں) کا یقین کرتے ہیں (تصدیق کرتے ہیں جس بات کی وہ آپ کو اطلاع دیتے ہیں نہ کہ مؤمنین کے علاوہ دوسروں یعنی منافقوں کی اور لام للمؤمنین میں زائد ہے ایمان تسلیم اور ایمان تصدیق میں فرق واضح کرنے کے لئے۔ وَرَحْمَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ اور تم میں سے جو خالص ایماندار ہیں ان کے لئے آپ مجسمہ رحمت ہیں) رحمتہ رفع کے ساتھ اذن پر عطف ہوگا اور جر کی صورت میں خیر پر عطف ہوگا) اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے) يَخْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اَخ (اے مسلمانو!) یہ منافقین تمہارے سامنے اللہ کی (جھوٹی) قسمیں کھاتے ہیں اس سلسلے میں جو ان کی طرف رسول اللہ (ﷺ) کو ایذا پہنچانے کی جو خبریں تمہیں پہنچی ہیں ان کی یہ تردید کرتے ہیں یعنی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی ہے) تاکہ تم کو راضی کریں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہیں کہ اس کو راضی کریں (اطاعت کے ذریعہ) اگر یہ لوگ سچے ایماندار ہیں تو حید الضمير لثلاثم الرضائين، اس میں ضمير ثمنية کے بجائے ضمير واحد اس لئے لائی گئی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول دونوں کی رضاء ایک دوسرے کے لئے لازم ہے ایک ہی ہے یا یہ کہ اللہ اور اس کے رسول میں سے کسی ایک کی خبر مخدوف ہے اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّهٗ (اَنَّهُ) میں ضمير شان ہے) کیا ان منافقوں نے یہ نہیں جانا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا (نا فرمانی کرے گا) پس بلاشبہ اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے (بطور سزا) ہمیشہ اسی آگ میں رہے گا اور یہ بڑی رسوائی ہے يَحْذَرُ يَخَافُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَخ منافق لوگ (طبعاً) اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان پر (یعنی مسلمانوں پر) کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو ان منافقوں کے دلوں کی بات (یعنی نفاق) سے مسلمانوں کو آگاہ کر دے (اس کے باوجود یہ لوگ استہزا کرتے ہیں) قُلْ اَسْتَهْزِءُوْا اَخ آپ فرمادیجئے کہ اچھا تم استہزا کرتے رہو (یہ امر تہدیدي ہے) بے شک اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے اس چیز کو جس سے (یعنی تمہارے اس نفاق کو جس کے اظہار سے) تم ڈر رہے ہو۔ وَ لٰكِيْن سَاَلْتَهُمْ اور (ظاہر ہو جانے کے بعد) اگر (لام قسمیہ ہے) آپ ان سے پوچھیں گے آپ کی ذات کے ساتھ اور قرآن مجید کے ساتھ استہزا کے متعلق درانحالیکہ یہ لوگ آپ کے ساتھ جوک کی طرف جارہے تھے) تو کہہ دیں گے (معذرت کرتے ہوئے) کہ ہم تو محض مشغفہ اور دل لگی کر رہے تھے بات میں تاکہ بات چیت میں ہم راستہ کاٹ لیں اور ہمارا مقصد استہزا نہیں تھا) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے، لَا تَعْتَبِرُوْا اَخ اب عذر مت کرو (یعنی

بہانے مت بناؤ، تحقیق کہ تم نے اپنے ایمان کے (دعوئی کے) بعد کفر کیا ہے (یعنی اظہار ایمان کے بعد تمہارا کفر ظاہر ہو گیا) اِنْ نَّعَفُ لَخَ اِیْکَ قِرَاةَ یَاۤءَ کَ سَاۤتِہٖ بِصِیۡنَہٖ مَّجْہُوۡلَہٗ ہِ اِنْ نَّعَفُ یعنی اگر تم میں سے کچھ لوگوں کو ان کے اخلاص اور توبہ کی وجہ سے جیسے منشی بن حمیر جیسے کو معاف کر دیا جائے دوسری قراءت نون کے ساتھ بصیغہ معروف ہے اِنْ نَّعَفُ اگر ہم تم میں سے ایک فریق کا قصور معاف کر دیں گے (جو صدق دل سے توبہ کر لیں گے) تو دوسرے فریق کو عذاب دیں گے۔ اس سبب سے کہ وہ (علم ازلی میں) مجرم تھے یعنی وہ مسلمان نہیں ہوئے اپنے نفاق اور استہزاء پر قائم رہے۔ منافق مرد اور منافق عورتیں بعض بعض کا جزء ہیں (یعنی دین میں ایک دوسرے کے مشابہ اور ہم جنس ہیں جیسے ایک چیز کے اجزاء ایک دوسرے کے ہم جنس ہوتے ہیں) ایک دوسرے کو بری بات (کفر اور گناہ) کا حکم دیتے ہیں اور اچھے کاموں سے روکتے ہیں (یعنی ایمان اور اللہ کی فرمانبرداری سے روکتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ سے) اپنے ہاتھوں کو سمیٹ لیتے ہیں اللہ کو بھول گئے (اللہ کی فرمانبرداری چھوڑ دی) تو اللہ نے بھی ان کو فراموش کر دیا (یعنی اپنے لطف و کرم سے ان کو نظر انداز کر دیا) ﴿۷﴾ اللہ تعالیٰ تو نسیان اور بھول سے پاک ہیں؟ ﴿۸﴾ یہاں مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے احکام کو اس طرح چھوڑ دیا جیسے بھول گئے ہوں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ثواب آخرت اور لطف و کرم کے معاملہ میں ان کو اس طرح چھوڑ دیا کہ نیکی اور ثواب میں کہیں ان کا نام نہ رہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: الزَّكَاةُ: عام کو ذکر کر کے خاص فرض زکوٰۃ مراد لی۔

قوله: مَصْرُوفَةٌ: سے اشارہ کیا کہ ان مصارف میں تقسیم کی جائے گی ان کی مملوک نہ ہوگی۔

قوله: مِنْ كِفَايَتِهِمْ: یعنی ان کے پاس نہ کمائی کا ذریعہ اور نہ مال ہے جو ان کی ضرورت کو پورا کرے۔

قوله: الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ: مال و کاروبار تو ہو مگر کفایت نہ کرے۔

قوله: لِيَسْلِمُوا: وہ قوم کے سردار تھے اسلام نہ لائے لیکن ان کو اس لئے دیا تاکہ مانوس ہو کر اسلام کو قبول کر لیں یا اس پر پختہ ہو جائیں۔

قوله: اَوْ يَسْلِمُوا: وہ شرفاء ہیں اسلام قبول کیا ان کو اس لئے دیا تاکہ ان کے ہم مثل لوگ اسلام کی عزت افزائی دیکھ اسلام لے آئیں۔

قوله: اَقْسَامٌ: یہ خبر ہے اس کا مبتداء المَوْلُفَةُ اِقْتُلُوہَا مَحْذُوفٌ ہے۔

قوله: فِي فَلَاكٍ: اس سے اشارہ کیا کہ گردن خرید کر آ زاد کرنے میں خرچ نہیں ہو سکتی۔

قوله: وَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ: آخری چار میں الی کی بجائے فی کو صلہ میں لائے۔ اس سے اشارہ کیا کہ استحقاق میں یہ سابقین سے زیادہ ہیں کیونکہ فی دعا کے لئے ہے بس اس کو لاخر بردار کر دیا کہ ان میں زکوٰۃ لگانا زیادہ بہتر ہے۔

قوله: مُظْلِيًّا: اس سے مراد مطلب بن عبد مناف ہے، نہ کہ عبدالمطلب۔

قوله: بَيْنَ اِيْمَانِ التَّسْلِيْمِ: اس سے تصدیقی ایمان مراد ہے جو کفر کی ضد ہے وہ با سے متعدی ہوتا ہے ایمان امان یہ لام سے متعدی ہوتا ہے۔

قوله: مِنْكُمْ: اے منافقین اس طرح کہ تم سے تمہارا ظاہری ایمان قبول کر لیا اور تمہارے راز نہیں کھولے۔

قوله: بِشَاقِقٍ: اس کا معنی مخالفت کرنا آتا ہے۔

قوله: اَمْرٌ تَهْدِيْدٌ: اس سے اشارہ کیا کہ استہزاء کا امر تہدیدی ہے۔

قوله: اٰخِرَ اَجَهٍ: یہ مخدرون کا مفعول مقدر ہے۔

قوله: ظَهَرَ كُفْرُكُمْ: سے قَدْ كَفَرْتُمْ کی تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ کفر تو پہلے ہی تھا۔ اب کھل کر سامنے آ گیا۔

تفسیر مقبولین

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالسَّكِيْنِ.....

خلاصہ تفسیر:

(فرض) صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات (کی تحصیل وصول کرنے) پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا (منظور) ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں (صرف کیا جائے) اور قرض وادوں کے قرضہ (ادا کرنے) میں اور جہاد والوں کے سامان) میں اور مسافروں کی (امداد) میں یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

معارف و مسائل، مصارف الصدقات:

اس سے پہلی آجوں میں صدقات کے بارے میں رسول کریم کا ذکر تھا، جن میں منافقین نے آنحضرت ﷺ پر یہ الزام لگایا تھا آپ (معاذ اللہ) صدقات کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے، جس کو چاہتے ہیں جو چاہتے ہیں دیدیتے ہیں۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے مصارف صدقات کو متعین فرمایا کہ ان کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات خود متعین فرمادی ہے کہ صدقات کن لوگوں کو دینے چاہئیں، اور رسول کریم ﷺ تقسیم صدقات میں اسی ارشاد ربانی کی تعمیل فرماتے ہیں، اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتے۔

اس کی تصدیق اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ابوداؤد اور دارقطنی نے حضرت زیاد بن حارث صدائی کی روایت سے نقل کی ہے، یہ فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو معلوم ہوا کہ آپ ان کی قوم کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر مسلمانوں کا روانہ فرما رہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ لشکر نہ بھیجیں، میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ وہ سب

مطبخ و فرما ہر دار ہو کر آجائیں گے، پھر میں نے اپنی قوم کو خط لکھا تو سب کے سب مسلمان ہو گئے، اس پر آپ نے فرمایا: ((إخاصداء المطاع فی قومہ)) جس میں گویا ان کو یہ خطاب دیا گیا کہ یہ اپنی قوم کے محبوب اور مقتدا ہیں میں نے عرض کیا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں، اللہ تعالیٰ کے کرم سے ان کو ہدایت ہو گئی اور وہ مسلمان ہو گئے، یہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی اس مجلس میں حاضر تھا کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کچھ سوال کرنے کے لئے حاضر ہوا، آپ نے اس کو یہ جواب دیا کہ:

صدقات کی تقسیم کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے بھی حوالہ نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین فرمادئے، اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو تمہیں دے سکتا ہوں، اتنی۔ (تفسیر قرطبی، ص ۱۶۸ ج ۸)

آیت کا شان نزول معلوم کرنے کے بعد آیت کی مکمل تفسیر اور تشریح سننے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اللہ جل شانہ نے تمام مخلوقات انسان و حیوان وغیرہ کو رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے، وَمَا مِنْ ذَاتِ نَفْسٍ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا، اور ساتھ ہی اپنی حکمت بالذہ سے ایسا نہیں کیا کہ سب کو رزق میں برابر کر دیتے، غنی و فقیر کا فرق نہ رہتا، اس میں انسان کی اخلاقی تربیت اور نظام عالم سے متعلق سینکڑوں حکمتیں ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں غریب فقیر کا حصہ لگا دیا، ارشاد فرمایا: وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ، جس میں بتلا دیا کہ ممداروں کے مال میں اللہ تعالیٰ نے ایک معین مقدار کا حصہ فقراء کے لئے رکھ دیا ہے، جو ان فقراء کا حق ہے۔

اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ مال داروں کے مال میں سے جو صدقہ نکالنے کا حکم دیا گیا ہے یہ کوئی ان کا احسان نہیں، بلکہ فقراء کا ایک حق ہے، جس کی ادائیگی ان کے ذمہ ضروری ہے، دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حق اللہ تعالیٰ کے نزدیک متعین ہے، یہ نہیں کہ جس کا جی چاہے جب چاہے اس میں کسی بیشی کر دے، اللہ تعالیٰ نے اس معین حق کی مقدار بھی بتلانے کا کام رسول کریم ﷺ کے سپرد فرمایا، اور اسی لئے آپ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا کہ صحابہ کرام کو صرف زبانی بتلا دینے پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ اس معاملہ کے متعلق مفصل فرمان لکھوا کر حضرت فاروق اعظم اور عمر بن حزم کو سپرد فرمائے جو جس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ زکوٰۃ کے نصاب اور ہر نصاب میں سے مقدار زکوٰۃ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے واسطے سے متعین کر کے بتلا دیئے ہیں، اس میں کسی زمانہ اور کسی ملک میں کسی کوئی بیشی یا تغیر و تبدل کا کوئی حق نہیں۔

صدقہ، زکوٰۃ کی فرضیت صحیح یہ ہے کہ اوائل اسلام ہی میں مکہ مکرمہ کے اندر نازل ہو چکی تھی، جیسا کہ امام تفسیر ابن کثیر نے سورۃ مزمل کی آیت: فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ سے استدلال فرمایا ہے کیونکہ یہ سورۃ بالکل ابتداء وحی کے زمانہ کی سورتوں میں سے ہے، اس میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم بھی ہے، البتہ روایات حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء اسلام میں زکوٰۃ کے لئے کوئی خاص نصاب یا خاص مقدار مقرر نہ تھی، بلکہ جو کچھ ایک مسلمان کی اپنی ضرورتوں سے بچ رہے وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا تھا، نصابوں کا تعین اور مقدار زکوٰۃ کا بیان بعد ہجرت مدینہ طیبہ میں ہوا ہے، اور پھر زکوٰۃ و صدقات کی وصول یا بلی کا نظام حکمانہ انداز کا توح مکہ کے بعد عمل میں آیا ہے۔

اس آیت میں باجماع صحابہ و تابعین اسی صدقہ واجبہ کے مصارف کا بیان ہے جو نماز کی طرح مسلمانوں پر فرض ہے، کیونکہ جو مصارف اس آیت میں متعین کے گئے ہیں وہ صدقات فرض کے مصارف ہیں، نفلی صدقات میں روایات کی تصریحات کی بنا پر بہت وسعت ہے وہ ان آٹھ مصارف میں منحصر نہیں ہیں۔

اگر چہ اوپر کی آیات میں صدقات کا لفظ عام صدقات کے لئے استعمال ہوا ہے، جس میں واجب اور نفل دونوں داخل ہیں، مگر اس آیت میں باجماع امت صدقات فرض ہی کے مصارف کا بیان مراد ہے، اور تفسیر قرطبی میں ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں لفظ صدقہ مطلقاً بولا گیا ہے اور کوئی قرینہ نفل صدقہ کا نہیں ہے تو وہاں صدقہ فرض ہی مراد ہوتا ہے۔

اس آیت کو لفظ انما سے شروع کیا گیا ہے، یہ لفظ حصر و انحصار کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس شروع ہی کے کلمہ نے بتلا دیا کہ صدقات کے جو مصارف آگے بیان ہو رہے ہیں تمام صدقات واجبہ صرف انہیں میں خرچ ہونے چاہئیں ان کے علاوہ کسی دوسرے مصرف خیر میں صدقات واجبہ صرف نہیں ہو سکتے، جیسے جہاد کی تیاری یا بناء مسجد و مدارس یا دوسرے رفاہ عام کے ادارے، یہ سب چیزیں بھی اگر چہ ضروری ہیں، اور ان میں خرچ کرنے کا بہت بڑا ثواب ہے، مگر صدقات فرض جن کی مقدار میں متعین کر دی گئی ہیں، ان کو ان میں نہیں لگایا جاسکتا۔

آیت کا دوسرا لفظ صدقات، صدقہ کی جمع ہے، صدقہ لغت میں اس مال کے جزء کو کہا جاتا ہے جو اللہ کے لئے خرچ کیا جائے (قاموس) امام راغب نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ صدقہ کو صدقہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا دینے والا گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے قول و فعل میں صادق ہوں، اس کے خرچ کرنے کی کوئی غرض دنیوی نہیں، بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لئے خرچ کر رہا ہوں، اسی لئے جس صدقہ میں کوئی نام و نمود یا دنیوی غرض شامل ہو جائے قرآن کریم نے اس کو کالعدم قرار دیا ہے۔

لفظ صدقہ اپنے اصلی معنی کی رو سے عام ہے، نفل صدقہ کو بھی کہا جاتا ہے، فرض زکوٰۃ کو بھی، نفل کے لئے اس کا استعمال عام ہے ہی، فرض کے لئے بھی قرآن کریم میں بہت جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جیسے: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً، اور آیت زیر بحث اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ وَغَيْرُهَا، بلکہ قرطبی کی تحقیق تو یہ ہے کہ قرآن میں جب مطلق لفظ صدقہ بولا جاتا ہے تو اس سے صدقہ فرض ہی مراد ہوتا ہے، اور روایات حدیث میں لفظ صدقہ ہر نیک کام کے لئے بھی استعمال ہوا ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان سے خوش ہو کر ملنا بھی صدقہ ہے، کسی بوجھ اٹھانے والے کا بوجھ اٹھانا دینا بھی صدقہ ہے، کنویں سے پانی کا ڈول اپنے لئے نکالنا اس میں سے کسی دوسرے کو دیدینا بھی صدقہ ہے، اس حدیث میں لفظ صدقہ مجازی طور پر عام معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

تیسرا لفظ اس کے بعد لِفَقْرٍ آئے سے شروع ہوا ہے، اس کے شروع میں حرف لام ہے جو تخصیص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس لئے معنی جملہ کے یہ ہوں گے کہ تمام صدقات صرف انہی لوگوں کا حق ہے، من کا ذکر بعد میں لیا گیا ہے۔

اب ان آٹھ مصارف کی تفصیل سنئے جو اس کے بعد مذکور ہیں:

ان میں پہلا مصرف فقراء ہیں، دوسرا مساکین، فقیر اور مسکین کے اصلی معنی میں اگرچہ اختلاف ہے، ایک کے معنی ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو، دوسرے کے معنی ہیں جس کے پاس نصاب سے کم ہو، لیکن حکم زکوٰۃ میں دونوں یکساں ہیں اختلاف نہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اس کی ضروریات اصلہ سے زائد بقدر نصاب مال نہ ہو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، اور اس کے لئے زکوٰۃ لینا بھی جائز ہے، ضروریات میں رہنے کا امکان استمالی برتن اور کپڑے اور فرنیچر وغیرہ سب داخل ہیں، نصاب یعنی سونا ساڑھے سات تولہ یا چاندی ساڑھے باون تولہ یا اس کی قیمت جس کے پاس ہو اور وہ قرضدار بھی نہ ہو نہ اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے نہ دینا، اسی طرح وہ شخص جس کے پاس کچھ چاندی یا کچھ پیسے نقد ہیں اور تھوڑا سا سونا ہے تو سب کی قیمت لگا کر اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو وہ بھی صاحب نصاب ہے، اس کو زکوٰۃ دینا اور لینا جائز نہیں، اور جو شخص

صاحب نصاب نہیں مگر تندرست، قوی اور کمانے کے قابل ہے اور ایک دن کا گزارہ اس کے پاس موجود ہے اس کو دیکھ کر دینا جائز ہے مگر یہ چڑھ نہیں کہ وہ لوگوں سے سوال کرنا پھرے، اس میں بہت سے لوگ غفلت برتتے ہیں، سوال کرنا ایسا ہے اس کے لئے حرام ہے، ایسا شخص جو کچھ سوال کر کے حاصل کرتا ہے اس کو رسول کریم ﷺ نے جہنم کا انکار فرمایا ہے۔

(ابو داؤد بروایت مسلمی مترجمی)

حاصل یہ ہے کہ لغیر اور مسکین میں زکوٰۃ کے باب میں کوئی فرق نہیں، البتہ وصیت کے حکم میں فرق پڑتا ہے کہ مسکین کے لئے وصیت کی ہے تو کیسے لوگوں کو دیا جائے، اور فقراء کے لئے ہے تو کیسے لوگوں کو دیا جائے، جس کے بیان کی یہاں ضرورت نہیں، لغیر اور مسکین کے دونوں مصروفوں میں یہ بات قدر مشترک ہے کہ جس کو مال زکوٰۃ دیا جائے وہ مسلمان ہو اور حاجات اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال کا مالک نہ ہو۔

اگرچہ عام صدقات غیر مسلموں کو بھی دیے جاسکتے ہیں، رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: تصدقوا علی اهل الادیان کما: یعنی ہر مذہب والے پر صدقہ کرو۔ لیکن صدقہ زکوٰۃ کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن بھیجنے کے وقت یہ ہدایت فرمائی تھی کہ مال زکوٰۃ صرف مسلمانوں کے اغنیاء سے لیا جائے، اور انہی کے فقراء پر صرف کیا جائے، اس لئے مال زکوٰۃ کو صرف مسلم فقراء و مسکین ہی پر صرف کیا جاسکتا ہے زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات یہاں تک کہ صدقہ الفطر بھی غیر مسلم فقیر کو دینا جائز ہے۔ (ہدایہ)

اور دوسری شرط مالک نصاب نہ ہونے کی خود فقیر و مسکین کے معنی سے واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ یا تو اس کے پاس کچھ نہ ہوگا، یا کم از کم مال نصاب کی مقدار سے کم ہوگا، اس لئے ان دونوں مصروفوں کے بعد اور چھ مصارف کا بیان آیا ہے، ان میں پہلا مصرف عالمین صدقہ ہیں۔

تیسرا مصرف الغیبلین علیہما، یہاں عالمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات زکوٰۃ و عشر وغیرہ لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں، یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں، اس لئے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے، قرآن کریم کی اس آیت نے مصارف زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھ کر یہ متعین کر دیا کہ ان کا حق الخدمت اسی مد زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔

اس میں اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں سے زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کا فریضہ براہ راست رسول کریم ﷺ کے سپرد فرمایا ہے، جس کا ذکر اسی سورت میں آگے آنے والی اس آیت میں ہے: نَحْنُ مِنَ اَمْرِ الْيَوْمِ صَدَقَةٌ، یعنی وصول کریں آپ مسلمانوں کے اموال میں سے صدقہ، اس آیت کا مفصل بیان تو آئندہ آئے گا، یہاں یہ بتلانا منظور ہے کہ اس آیت کی رد سے مسلمانوں کے امیر پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ زکوٰۃ صدقات وصول کرے، اور یہ ظاہر ہے کہ امیر خود اس کام کو پورے ملک میں بغیر اموان اور مددگاروں کے نہیں کر سکتا، انہی اموان اور مددگاروں کا ذکر مذکور الصدرا آیت میں وَالْغَيْبِلَيْنِ عَلَيْنَا کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔

انہی آیات کی تفسیر میں رسول کریم ﷺ نے بہت سے صحابہ کرام کو صدقات وصول کرنے کے لئے عامل بنا کر مختلف خطوں میں بھیجا ہے، اور آیت مذکورہ کی ہدایت کے موافق زکوٰۃ ہی کی حاصل شدہ رقم میں سے ان کو حق الخدمت دیا ہے، ان میں

وہ حضرات صحابہ بھی شامل ہیں جو اغنیاء تھے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ کسی نفی یعنی مال دار کے لئے حلال نہیں، بجز پانچ شخصوں کے، ایک وہ شخص جو جہاد کے لئے نکلا ہے اور وہاں اس کے پاس بقدر ضرورت مال نہیں، اگرچہ وہ شخص کہ اگرچہ اس کے پاس مال ہے مگر وہ موجودہ مال سے زیادہ کا مقروض ہے، چوتھے وہ شخص جو صدقہ کا مال کسی غریب مسکین سے پیسے دے کر خرید لے، پانچویں وہ شخص جسکو کسی غریب فقیر نے صدقہ کا حاصل شدہ مال بطور ہدیہ تحفہ پیش کر دیا ہو۔

رہا یہ مسئلہ کہ عالمین صدقہ کو اس میں سے کتنی رقم دی جائے سو اس کا حکم یہ ہے کہ ان کی محنت و عمل کی حیثیت کے مطابق دی جائے گی۔ (اکام القرآن ج ۱ ص ۱۷۱ قرطبی)

البتہ یہ ضروری ہوگا کہ عالمین کی تنخواہیں نصف زکوٰۃ سے بڑھنے نہ پائیں، اگر زکوٰۃ کی اصول یا بی اتنی کم ہو کہ عالمین کی تنخواہیں دے کر نصف بھی باقی نہیں رہتی تو پھر تنخواہوں میں کمی کی جائے گی، نصف سے زائد صرف نہیں کیا جائے گا۔

(تفسیر مظہری ظہیریہ)

بیان مذکور سے معلوم ہوا کہ عالمین صدقہ کو جو رقم مد زکوٰۃ سے دی جاتی ہے وہ بخشیت صدقہ نہیں بلکہ ان کی خدمت کا معاوضہ ہے، اسی لئے باوجود غنی اور مال دار ہونے کے بھی وہ اس رقم کے مستحق ہیں، اور زکوٰۃ سے ان کو دینا جائز ہے، اور مصارف زکوٰۃ کی آٹھ مدتوں میں سے صرف ایک یہی مدد ایسی ہے جس میں رقم زکوٰۃ بطور معاوضہ خدمت دی جاتی ہے، اور نہ زکوٰۃ نام ہی اس عطیہ کا ہے جو غریبوں کو بغیر کسی معاوضہ خدمت کے دیا جائے، اور اگر کسی غریب فقیر کو کوئی خدمت لے کر مال زکوٰۃ دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

اسی لئے یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں، اول یہ کہ مال زکوٰۃ کو معاوضہ خدمت میں کیسے دیا گیا، دوسرے یہ کہ مال دار کے لئے اصلی حیثیت کو سمجھ لیا جائے، وہ یہ ہے کہ یہ حضرات فقراء کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ سب جانتے ہیں کہ وکیل کا قبضہ اصل موکل کے قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اپنا قرض وصول کرنے کے لئے کسی کو وکیل مختار بنا دے، اور قرضدار یہ قرض وکیل کو سپرد کر دے تو وکیل کا قبضہ ہوتے ہی قرضدار بری ہو جاتا ہے، تو جب رقم زکوٰۃ عالمین صدقہ نے فقراء وکیل ہونے کی حیثیت سے وصول کر لی تو ان کی زکوٰۃ ادا ہو گئی، اب یہ پوری رقم ان فقراء کی ملک ہے جن کی طرف سے بطور وکیل انہوں نے وصول کی ہے اب جو رقم بطور حق الخدمت کے ان کو دی جاتی ہے وہ مال داروں کی طرف سے نہیں بلکہ فقراء کی طرف سے ہوئی، اور فقراء کو اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار ہے، ان کو یہ بھی حق ہے کہ جب اپنا کام ان لوگوں سے لیتے ہیں تو اپنی رقم میں سے ان کو معاوضہ خدمت دیدیں۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ فقراء نے تو ان کو وکیل مختار بنایا نہیں، یہ ان کے وکیل کیسے بن گئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ جس کو امیر کہا جاتا ہے وہ قدرتی طور پر بجانب اللہ پورے ملک کے فقراء غریبوں کا وکیل ہوتا ہے، کیونکہ ان سب کی ضروریات کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، امیر مملکت جس جس کو صدقات وصول یا بی پر عاقل بنا دے وہ سب ان کے نائب کی حیثیت سے فقراء کے وکیل ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ عالمین صدقہ کو جو کچھ دیا گیا وہ درحقیقت زکوٰۃ نہیں دی گئی، بلکہ زکوٰۃ جن فقراء کا حق ہے ان کی طرف سے معاوضہ خدمت دیا گیا، جیسے کوئی غریب فقیر کسی کو اپنے مقدمہ کا وکیل بنا دے اور اس کا حق الخدمت زکوٰۃ کے حاصل

شدہ مال سے ادا کر دے تو یہاں نہ تو دینے والا بطور زکوٰۃ کے دے رہا ہے اور نہ لینے والا زکوٰۃ کی حیثیت سے لے رہا ہے۔
 قائل: تفصیل مذکور سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آجکل جو اسلامی مدارس اور انجمنوں کے مہتمم یا ان کی طرف سے بھیجے ہوئے سفیر
 صدقات زکوٰۃ وغیرہ مدارس اور انجمنوں کے لئے وصول کرتے ہیں، ان کا وہ حکم نہیں جو عالمین صدقہ کا اس آیت میں مذکور ہے کہ
 زکوٰۃ کی رقم میں سے ان کی تنخواہ دی جاسکے، بلکہ ان کو مدارس اور انجمن کی طرف سے جداگانہ تنخواہ دینا ضروری ہے زکوٰۃ کی رقم
 سے ان کی تنخواہ نہیں دی جاسکتی، وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فقراء کے وکیل نہیں بلکہ اصحاب زکوٰۃ مال داروں کے وکیل ہیں، ان کی
 طرف سے مال زکوٰۃ کو مصرف پر لگانے کا اختیار دیا گیا ہے، اسی لئے ان کے قبضہ ہو جانے کے بعد بھی زکوٰۃ اس وقت تک
 ادا نہیں ہوتی جب تک یہ حضرات اس کو مصرف پر خرچ نہ کر دیں۔

فقراء کا وکیل نہ ہونا اس لئے ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر کسی فقیر نے ان کو اپنا وکیل بنایا نہیں، اور امیر المؤمنین کی ولایت عام
 کی بناء پر جو خود بخود وکالت فقراء حاصل ہوتی ہے وہ بھی ان کو حاصل نہیں، اس لئے بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ ان کو اصحاب
 زکوٰۃ کا وکیل قرار دیا جائے اور جب تک یہ اس مال کو مصرف پر خرچ نہ کر دیں ان کا قبضہ ایسا ہی ہے جیسا کہ زکوٰۃ کی رقم خود مال
 والے کے پاس رکھی ہو۔

اس معاملہ میں عام طور پر غفلت برتی جاتی ہے، بہت سے ادارے زکوٰۃ کا فنڈ وصول کر کے اس کو سالہا سال رکھے رہتے
 ہیں، اور اصحاب زکوٰۃ سمجھتے ہیں کہ ہماری زکوٰۃ ادا ہوگئی، حالانکہ ان کی زکوٰۃ اس وقت ادا ہوگی جب ان کی رقم مصارف زکوٰۃ
 میں صرف ہو جائے۔

اسی طرح بہت سے لوگ نادانیت سے ان لوگوں کو عالمین صدقہ کے حکم میں داخل سمجھ کر زکوٰۃ ہی کی رقم سے ان کی تنخواہ
 دیتے ہیں، یہ نہ دینے والوں کے لئے جائز ہے نہ لینے والوں کے لئے۔

ایک اور سوال عبادت پر احسرت:

یہاں ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے اشارات اور احادیث رسول ﷺ کی بہت سی تصریحات سے یہ
 بات ثابت ہے کہ کسی عبادت پر اجرت و معاوضہ لینا حرام ہے، مسند احمد کی حدیث میں بروایت عبدالرحمن بن شبل منقول ہے کہ
 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اقرأوا القرآن ولا تأکلوا بہ)) یعنی قرآن پڑھو، مگر اس کو کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ اور
 بعض روایات میں اس معاوضہ کو قطعہ جہنم فرمایا ہے جو قرآن پر لیا جائے، اس کی بناء پر فقہاء امت کا اتفاق ہے کہ طاعات و
 عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صدقات وصول کرنے کا کام ایک دینی خدمت اور عبادت ہے رسول کریم
 ﷺ نے اس کو ایک قسم کا جہاد فرمایا ہے، اس کا مقصد یہ تھا کہ اس پر بھی کوئی اجرت و معاوضہ لینا حرام ہوتا، حالانکہ قرآن کریم
 کی اس آیت نے صراحتاً اس کو جائز قرار دیا، اور زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں اس کو داخل فرمایا۔

امام قرطبی اپنی تفسیر میں اس کے متعلق فرمایا کہ جو عبادات فرض یا واجب عین ہیں ان پر اجرت لینا مطلقاً حرام ہے، لیکن
 جو فرض کفایہ ہیں ان پر کوئی معاوضہ لینا اسی آیت کی رد سے جائز ہے، فرض کفایہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک کام پوری امت یا پورے
 شہر کے ذمہ فرض کیا گیا ہے، مگر یہ لازم نہیں کہ سب ہی اس کو کریں، اگر بعض لوگ ادا کر لیں تو سب سبکدوش ہو جاتے ہیں، البتہ

اگر کوئی بھی نہ کرے تو سب گنہگار ہوتے ہیں۔

امام قرظی نے فرمایا کہ اسی آیت سے ثابت ہوا کہ امامت و خطابت کا معاوضہ لینا بھی جائز ہے، کیونکہ وہ بھی واجب علی العین نہیں بلکہ واجب علی الکفایہ ہیں، انہی۔ اسی طرح تعلیم قرآن و حدیث اور دوسرے دینی عوم کا بھی یہی حال ہے، کہ یہ سب کام پوری امت کے ذمہ فرض کفایہ ہیں، اگر بعض لوگ کر لیں تو سب سبکدوش ہو جاتے ہیں، اس لئے اگر اس پر کوئی معاوضہ اور تنخواہ لی جائے تو وہ بھی جائز ہے۔

چوتھا مصرف مصارف زکوٰۃ میں سے مؤلفۃ القلوب ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دل جوئی کے لئے ان کو صدقات دیئے جاتے تھے، عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں تین چار قسم کے لوگ شامل تھے، کچھ مسلمان کچھ غیر مسلم، پھر مسلمانوں میں بعض تو وہ لوگ تھے جو غریب حاجت مند بھی تھے، اور نو مسلم بھی، ان کی دل جوئی اس لئے کی جاتی تھی کہ اسلام پر پختہ ہو جائیں، اور بعض وہ تھے جو مال دار بھی تھے اور مسلمان ہو گئے تھے، مگر ابھی تک ایمان کا رنگ ان کے دلوں میں رچا نہیں تھا، اور بعض وہ لوگ تھے جو خود تو بچے مسلمان تھے مگر ان کی قوم کو ان کے ذریعہ شر سے بچنے کے لئے ان کی دل جوئی کی جاتی تھی، اور بعض وہ تھے جن کے بارے میں یہ تجربہ تھا کہ نہ تبلیغ و تعلیم سے اثر پذیر ہوتے ہیں، نہ جنگ و تشدد سے بلکہ احسان و حسن سلوک سے متاثر ہوتے ہیں، رحمۃ للعالمین ﷺ تو یہ چاہتے تھے کہ خلق خدا کو کفر کی ظلمت سے نکال کر نور ایمان میں لے آئیں، اس کے لئے ہر وہ جائز تدبیر کرتے تھے جس سے یہ لوگ متاثر ہو سکیں، یہ سب قسمیں عام طور پر مؤلفۃ القلوب میں داخل سمجھی جاتی ہیں، جن کو صدقات کا چوتھا مصرف اس آیت میں قرار دیا ہے۔

چوتھا مصرف مؤلفۃ القلوب میں، ان کے متعلق گذشتہ صفحات میں یہ بتلایا جا چکا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دل جوئی کے لئے ان کو صدقات سے حصہ دیا جاتا تھا، عام خیرل کے مطابق ان میں مسموم و غیر مسلم دونوں طرح کے لوگ تھے، غیر مسلموں کی دل جوئی اسلام کی ترغیب کے لئے اور نو مسلموں کی دل جوئی اسلام پر پختہ کرنے کے لئے کی جاتی تھی، عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ان کو رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک خاص علت اور مصلحت کے لئے جس کا ذکر ابھی آچکا ہے صدقات دیئے جاتے تھے، آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جبکہ اسلام کو مادی قوت بھی حاصل ہو گئی اور کفر کے شر سے بچنے یا نو مسلموں کو اسلام پر پختہ کرنے کے لئے اس طرح کی تدبیروں کی ضرورت نہ رہی تو وہ علت اور مصلحت ختم ہو گئی، اس لئے ان کا حصہ بھی ختم ہو گیا جس کو بعض فقہاء نے منسوخ ہو جانے سے تعبیر فرمایا، فاروق اعظم حسن بصری، ابوحنیفہ، مالک بن انس رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف یہی قول منسوب ہے۔

اور بہت سے حضرات نے فرمایا کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ منسوخ نہیں، بلکہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے زمانہ میں اس کو ساقط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے ان کا حصہ ساقط کر دیا گیا، آئندہ کسی زمانہ میں پھر ایسی ضرورت پیش آجائے تو پھر دیا جاسکتا ہے، امام زہری، قاضی عبدالوہاب ابن عربی، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے، لیکن تحقیق اور صحیح بات یہ ہے کہ غیر مسلموں کو صدقات وغیرہ سے کسی وقت کسی زمانہ میں حصہ نہیں دیا گیا، اور نہ وہ مؤلفۃ القلوب میں داخل ہیں، جن کا ذکر مصارف صدقات میں آیا ہے۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں ان سب لوگوں کے نام تفصیل کے ساتھ شمار کئے ہیں جن کی دلجوئی کے لئے رسول کریم ﷺ نے صدقات سے حصہ دیا ہے، اور یہ سب شمار کرنے کے بعد فرمایا: وبالجملة فكلهم مؤمن ولم يكن فيهم كافر، یعنی خلاصہ یہ ہے کہ مولفۃ القلوب سب کے سب مسلمان ہی تھے، ان میں کوئی کافر شامل نہیں تھا۔

اسی طرح تفسیر مظہری میں ہے: لم يثبت ان النبي ﷺ اعطى احدا من الكفار لابلاف شيئا من الزكوة، یعنی یہ بات کسی روایت سے ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کافر کو مال زکوٰۃ میں سے اس کی دلجوئی کیلئے حصہ دیا ہو، اس کی تائید تفسیر کشاف کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مصارف صدقات کا بیان یہاں ان کفار منافقین کے جواب میں آیا ہے جو رسول اللہ ﷺ پر تقسیم صدقات کے بارے میں اعتراض کیا کرتے تھے کہ ہم کو صدقات نہیں دیتے، اس آیت میں مصارف صدقات کی تفصیل بیان فرمانے سے مقصد ہے کہ ان کو بتلادیا جائے کہ کافر کا کوئی حق مال صدقات میں نہیں ہے، اگر مولفۃ القلوب میں کافر بھی داخل ہوں تو اس جواب کی ضرورت نہ تھی۔

تفسیر مظہری میں اس مغالطہ کو بھی اچھی طرح واضح کر دیا ہے جو بعض روایات حدیث کے سبب لوگوں کو پیش آیا ہے، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض غیر مسلموں کو کچھ عطیات دیئے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم اور ترمذی کی روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صفوان بن امیہ کو کافر ہونے کے زمانے میں کچھ عطیات دیئے، اس کے متعلق امام نووی کے حوالہ سے تحریر فرمایا کہ یہ عطیات زکوٰۃ کے مال سے نہ تھے، بلکہ غزوہ حنین کے مال غنیمت کا جو خمس بیت المال میں داخل ہوا اس میں سے دیئے گئے، اور یہ ظاہر ہے کہ بیت المال کی اس مد سے مسلم وغیر مسلم دونوں پر خرچ کرنا با اتفاق فقہاء جائز ہے، پھر فرمایا کہ امام بیہقی، ابن سید الناس، امام ابن کثیر وغیر ہم سب نے یہی قرار دیا ہے کہ یہ عطاء مال زکوٰۃ سے نہیں بلکہ خمس غنیمت سے تھی۔

ایک عظیم ناکدہ:

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خود رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک میں اموال صدقات اگرچہ بیت المال میں جمع کئے جاتے تھے مگر ان کا حساب بالکل جدا تھا، اور بیت المال کی دوسری مدت جیسے خمس غنیمت یا خمس معادن وغیرہ ان کا حساب جدا، اور ہر ایک کے مصارف جدا تھے، جیسا کہ حضرات فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اسلامی حکومت کے بیت المال میں چار مد علیحدہ رہنی چاہئیں، اور اصل حکم یہ ہے کہ صرف حساب علیحدہ رکھنا نہیں بلکہ ہر ایک مد کا بیت المال الگ ہونا چاہئے تاکہ ہر ایک کو اس کے مصرف میں خرچ کرنے کی پوری احتیاط قائم رہے، البتہ اگر کسی وقت کسی خاص مد میں کمی ہو تو دوسری مد سے بطور قرض لے کر اس پر خرچ کیا جاسکتا ہے یہ مدت بیت المال یہ ہیں:

اول خمس غنائم: یعنی جو مال کفار سے بذریعہ جنگ حاصل ہو اس کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر کے باقی پانچواں حصہ: بیت المال کا حق ہے، خمس معادن یعنی مختلف قسم کی کانوں سے نکلنے والی اشیاء میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے، خمس رکاز: یعنی جو قدیم خزانہ کسی زمین سے برآمد ہو اس کا بھی پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے، یہ تینوں قسم کے خمس بیت المال کی ایک ہی مد میں داخل ہیں۔

دوسری مد صدقات ہیں، جس میں مسلمانوں کی زکوٰۃ، صدقہ الفلہ، اور ان کی زمینوں کا اشتراک شامل ہے۔ تیسری مدخراج اور مال لئی ہے، جس میں طبر مسلمانوں کی زمینوں سے حاصل شدہ خراج اور ان کا بڑا حصہ اور ان سے حاصل شدہ تجارتی ٹیکس اور وہ تمام اسوا دامل ہیں جو طبر مسلمانوں سے ان کی رضامندی کے ساتھ مصالحتانہ طور پر حاصل ہوں۔ چوتھی مد ضوابط کی ہے، جس میں لا وارث مال، لا وارث شخص کی میراث دلیہ دامل ہیں، ان چار مدات نے مصارف اگرچہ الگ الگ ہیں، لیکن فقراء و مسکین کا حق ان چاروں مدات میں رکھا گیا ہے، جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی حکومت میں قوم کے اس ضعیف عنصر کو قوی کرنے کا کس قدر اہتمام کیا گیا ہے، جو در حقیقت اسلامی حکومت کا طبری امتیاز ہے ورنہ دنیا کے عام نظاموں میں ایک مخصوص طبقہ ہی بڑھتا رہتا ہے، غریب کو بھرنے کا موقع نہیں ملتا، جس کے رد عمل نے اشتراکیت اور کمیونزم کو جنم دیا، مگر وہ بالکل ایک غیر فطری اصول اور ہارش سے بھاگ کر پر نالہ کے پتے کھڑے ہو جانے کے مرادف اور انسانی اخلاق کے لئے سم قاتل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں چار بیت المال چار مدات کے لئے الگ الگ مقرر ہیں اور فقراء و مسکین کا حق چاروں میں رکھا گیا ہے، ان میں سے پہلی تین مدوں کے مصارف خود قرآن کریم نے تفصیل کے ساتھ متعین فرما کر واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں، پہلی مد یعنی خمس غنائم کے مصارف کا بیان سورۃ انفال دسویں پارہ کے شروع میں مذکور ہے، اور دوسری مد یعنی صدقات کے مصارف کا بیان سورۃ توبہ کی مذکور الصدرا مشہور آیات میں آیا ہے، جس کی تفصیل اس وقت زیر بحث ہے، اور تیسری مد جس کو اصطلاح میں مال لئی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کا بیان سورۃ حشر میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے، اسلامی حکومت کی اکثر مدات فوجی اخراجات اور عمال حکومت کی تنخواہیں وغیرہ اسی مد سے خرچ کی جاتی ہیں، چوتھی مد یعنی لا وارث مال رسول کریم ﷺ کی ہدایات اور خلفائے راشدین کے تعامل سے اپنا حق محتاجوں اور لا وارث بچوں کے لئے مخصوص ہے۔

(سہانی کتاب الزکوٰۃ)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرات فقہاء نے بیت المال کی چاروں مدات بالکل الگ الگ رکھنے اور اپنے اپنے معینہ مصارف میں خرچ کرنے کی جو ہدایات دی ہیں، یہ سب قرآنی ارشادات اور رسول کریم ﷺ پھر خلفائے راشدین کے تعامل سے واضح طور پر ثابت ہیں۔

تحقیق، محدثین و فقہاء کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ کسی کافر کو کسی وقت بھی نہیں دیا گیا، نہ رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک میں اور نہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں، اور جن غیر مسلموں کو دینا ثابت ہے وہ مد صدقات و زکوٰۃ سے نہیں بلکہ خمس غنیمت میں سے دیا گیا ہے، جس میں سے ہر حاجت مند مسلم و غیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے، تو مؤلفۃ القلوب صرف مسلم رہ گئے، اور ان میں جو فقراء ہیں ان کا حصہ بدستور باقی ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے، اختلاف صرف اس صورت میں رہ گیا کہ یہ لوگ غنی صاحب نصاب ہوں تو امام شافعی امام احمد کے نزدیک چونکہ تمام مصارف زکوٰۃ میں فقرو حاجت مندی شرط نہیں، اس لئے وہ مؤلفۃ القلوب میں ایسے لوگوں کو بھی داخل کرتے ہیں جو غنی اور صاحب نصاب ہیں، امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک عاملین صدقہ کے علاوہ باقی تمام مصارف میں فقرو حاجت مندی شرط ہے، اس لئے مؤلفۃ

القلوب کا حصہ بھی ان کو اسی شرط کے ساتھ دیا جائے گا کہ وہ فقیر و حاجت مند ہوں جیسے غار میں اور رقاب، ابن سبیل وغیرہ سب میں اسی شرط کے ساتھ ان کو زکوٰۃ دی جاتی ہے کہ وہ اس جگہ حاجت مند ہوں، گو وہ اپنے مقام میں مال دار ہوں۔

اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ ائمہ اربعہ کے نزدیک منسوخ نہیں فرق صرف اتنا ہے کہ بعض حضرات نے فقراء و مساکین کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں فقر و حاجت مندی کے ساتھ مشروط نہیں کیا، اور بعض نے یہ شرط کی ہے، جن حضرات نے یہ شرط رکھی ہے وہ مؤلفۃ القلوب میں بھی صرف انہی لوگوں کو دیتے ہیں جو حاجت مند اور غریب ہوں، بہر حال یہ حصہ قائم اور باقی ہے۔ (تفسیر مظہری)

یہاں تک صدقات کے آٹھ مصارف میں سے چار کا بیان آیا ہے، ان چاروں کا حق حرف لام کے تحت بیان ہوا، لِيُقْفَرِ آيَةً وَالتَّسْكِينِ، آگے جن چار مصارف کا ذکر ہے ان میں عنوان بدل کر لام کی جگہ حرف نون استعمال فرمایا: وَفِي الرِّقَابِ وَالتَّغْرِيْمِ، زنجیری نے کشاف میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ آخری چار مصرف پہ نسبت پہلے چار کے زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ حرف نون ظرفیت کے لئے بولا جاتا ہے، جس کی وجہ سے معنی یہ پیدا ہوتے ہیں کہ صدقات کو ان لوگوں کے اندر رکھ دینا چاہئے، اور ان کے زیادہ مستحق ہونے کی وجہ ان کا زیادہ ضرورت مند ہونا ہے، کیونکہ جو شخص کسی کا مملوک غلام ہے وہ بہ نسبت عام فقراء کے زیادہ تکلیف میں ہے، اسی طرح جو کسی کا قرض دار ہے اور قرضوں کا اس پر تقاضا ہے وہ عام غریب فقراء سے زیادہ تنگی میں ہے کہ اپنے اخراجات کے فکر سے بھی زیادہ قرض داروں کے قرض کی فکر اس کے ذمہ ہے۔

ان باقی ماندہ چار مصارف میں سب سے پہلے وَفِي الرِّقَابِ کا ذکر فرمایا ہے، رقاب رقبہ کی جمع ہے، اصل میں گردن کو رقبہ کہتے ہیں، عرف میں اس شخص کو رقبہ کہہ دیا جاتا ہے جس کی گردن کسی دوسرے کی غلامی میں مقید ہو۔

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ رقاب سے مراد اس آیت میں کیا ہے؟ جمہور فقہاء و محدثین اس پر ہیں کہ اس سے مراد وہ غلام ہیں جن کے آقاؤں نے کوئی مقدار مال کی متعین کر کے کہہ دیا ہے کہ اتنا مال کما کر ہمیں دے دو تو تم آزاد ہو جس کو قرآن و سنت کی اصطلاح میں مکاتب کہا جاتا ہے ایسے شخص کو آقا اس کی اجازت دیدیتا ہے کہ وہ تجارت یا مزدوری کے ذریعہ مال کمائے، اور آقا کو لا کر دے، آیت مذکورہ میں رقاب سے مراد یہ ہے کہ اس شخص کو رقم زکوٰۃ میں سے حصہ دے کر اس کی گلو خلاصی میں امداد کی جائے۔

یہ قسم غلاموں کی بافتاق مفسرین و فقہاء لفظ وَفِي الرِّقَابِ کی مراد ہے کہ رقم زکوٰۃ ان کو دے کر ان کی گلو خلاصی میں امداد کی جائے، ان کے علاوہ دوسرے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا یا ان کے آقاؤں کو رقم زکوٰۃ دے کر یہ معاہدہ کر لینا کہ وہ ان کو آزاد کر دیں گے، اس میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور ائمہ ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل وغیرہ رحمہم اللہ اس کو جائز نہیں سمجھتے، اور حضرت امام مالک بھی ایک روایت میں جمہور کے ساتھ متفق ہیں کہ وَفِي الرِّقَابِ کو صرف مکاتب غلاموں کے ساتھ مخصوص فرماتے ہیں، اور ایک روایت میں امام مالک سے یہ بھی منقول ہے وَفِي الرِّقَابِ میں عام غلاموں کو داخل کر کے اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ رقم زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کئے جائیں۔ (احکام القرآن ابن عربی مالک)

جمہور ائمہ و فقہاء جو اس کو جائز نہیں رکھتے، ان کے پیش نظر ایک فقہی شکل ہے کہ اگر رقم زکوٰۃ سے غلام کو خرید کر آزاد کیا گیا تو اس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہیں آتی، کیونکہ صدقہ وہ مال ہے جو کسی مستحق کو بلا معاوضہ دیا جائے، رقم زکوٰۃ اگر آقا کو دی جائے تو ظاہر ہے کہ نہ وہ مستحق زکوٰۃ ہے اور نہ اس کو یہ رقم بلا معاوضہ دی جا رہی ہے، اور غلام جو مستحق زکوٰۃ ہے اس کو یہ رقم دی نہیں گئی، یہ الگ بات ہے کہ اس رقم کے دینے کا فائدہ غلام کو پہنچ گیا کہ اس نے خرید کر آزاد کر دیا، مگر آزاد کرنا صدقہ کی تعریف میں داخل نہیں ہوتا، اور حقیقی معنی کو بلاوجہ چھوڑ کر صدقہ کے مجازی معنی عام مراد لینے کا بلا ضرورت کوئی جواز نہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ میں مصارف صدقات کے بیان کئے جا رہے ہیں، اس لئے قرنی الزکات کا مصداق کوئی ایسی چیز نہیں بن سکتی جس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہ آئے، اور اگر یہ رقم زکوٰۃ خود غلام کو دی جائے تو غلام کی کوئی ملک نہیں ہوتی وہ خود بخود آقا کا مال بن جائے گا، پھر آزاد کرنا نہ کرنا بھی اس کے اختیار میں رہے گا۔

اس فقہی اشکال کی وجہ سے جمہور ائمہ اور فقہاء نے فرمایا کہ قرنی الزکات سے مراد صرف غلام مکاتب ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ صدقہ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی مستحق کو مالک بنا کر اس کے قبضہ میں دے دیا جائے جب تک مستحق کا مالکانہ قبضہ اس پر نہیں ہو گا زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

چھٹا مصرف الغریمین، غارم کی جمع ہے، جس کے معنی مدیون یعنی قرضدار کے ہیں یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ پانچواں اور چھٹا مصرف جو حرف فی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے استحقاق میں پہلے چاروں مصارف سے زیادہ ہے، اس لئے غلام کی کلہ خلاصی کے لئے یا قرضدار کو ادائے قرض کے لئے دینا عام فقراء و مساکین کو دینے سے زیادہ افضل ہے، شرط یہ ہے کہ اس قرضدار کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ قرض ادا کر سکے، کیونکہ غارم لغت میں ایسے ہی قرضدار کو کہا جاتا ہے، اور بعض ائمہ فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ یہ قرض اس نے کسی ناجائز کام کے لئے نہ لیا ہو، اور اگر کسی گناہ کے لئے قرض کر لیا جیسے شراب وغیرہ یا شادی نامی کی ناجائز رسمیں وغیرہ تو ایسے قرضدار کو مذکوٰۃ سے نہ دیا جائے گا، تاکہ اس کی معصیت اور اسراف بے جا کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔ ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے، یہاں پھر حرف فی کا اعادہ کیا گیا۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ اس اعادہ سے اس طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ مصرف پہلے سب مصارف سے افضل اور بہتر ہے، وجہ یہ ہے کہ انہیں دو فائدے ہیں ایک تو غریب مفلس کی امداد دوسرے ایک دینی خدمت میں امانت، کیونکہ فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی اور مجاہد ہے، جس کے پاس اسلحہ اور جنگ کا ضروری سامان خریدنے کے لئے ہال نہ ہو، یا وہ شخص جس کے ذمہ حج فرض ہو چکا ہو مگر اس کے پاس اب مال نہیں رہا جس سے وہ حج فرض ادا کرے، یہ دونوں کام خالص دینی خدمت اور عبادت ہیں، اس لئے مال زکوٰۃ کو ان پر خرچ کرنے میں ایک مفلس کی امداد بھی ہے اور ایک عبادت کی ادائیگی میں تعاون بھی، اسی طرح حضرات فقہاء نے غالب علموں کو بھی اس میں شامل کیا ہے کہ وہ بھی ایک عبادت کی ادائیگی کے لئے لیتے ہیں۔ (روح بحوالہ ظہیر یہ)

اور صاحب بدائع نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیک کام یا عبادت کرنا چاہتا ہے اور اس کی ادائیگی میں مال کی ضرورت ہے تو وہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، بشرطیکہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کام کو پورا کر سکے، جیسے دین کی تعلیم اور تبلیغ اور ان کے لئے نشر و اشاعت کہ اگر کوئی مستحق زکوٰۃ یہ کام کرنا چاہے تو اس کی امداد مال زکوٰۃ سے کر دی جائے مگر مال دار صاحب

نصاب کو نہیں دیا جاسکتا۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان تمام صورتوں میں جو فی سبیل اللہ کی تفسیریں مذکور ہیں فقروہا جہتمندی کی شرط ملحوظ ہے۔ ان صاحب نصاب کا اس مد میں بھی حصہ نہیں، بجز اس کے کہ اس کا موجودہ مال اس ضرورت کو پورا نہ کر سکتا ہو، جو جہاد یا حج کے لئے درپیش ہے، تو اگرچہ بقدر نصاب مال موجود ہونے کی وجہ سے اس کو غنی کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں اس کو غنی کہا گیا ہے، مگر وہ بھی اس اعتبار سے فقیر و جاہتمندی ہو گیا، کہ جس قدر مال جہاد یا حج کے لئے درکار ہے وہ اس کے پاس موجود نہیں، ان القدیر میں شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ آیت صدقات میں جتنے مصروف ذکر کئے گئے ہیں ہر ایک کے لفاظ خود اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ فقروہا جہتمندی کی بناء پر مستحق ہیں، لفظ فقیر، مسکین میں تو یہ ظاہر ہی ہے، رقاب، غارمین، فی سبیل اللہ، ابن اسئل کے الفاظ بھی اس طرف مشیر ہیں کہ ان کی حاجت ردائی کی بناء پر ان کو دیا جاتا ہے، البتہ علی طور معاوضہ خدمت دیا جاتا ہے، اسی لئے اس میں غنی و فقیر برابر ہیں، جیسے غارمین کے مصروف میں بیان کیا جا چکا ہے کہ جس شخص کے ذمہ دس ہزار روپیہ قرض ہے اور پانچ ہزار روپیہ اس کے پاس موجود ہے تو اس کو بقدر پانچ ہزار کے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، کیونکہ جو مال اس کے پاس موجود ہے وہ قرض کی وجہ سے نہ ہونے کے حکم میں ہے۔

تشبیہ: لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں، جو جو کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کئے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، جو لوگ رسول کریم ﷺ کی تفسیر و بیان اور ائمہ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لفظی ترجمہ کے ذریعہ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں یہاں ان کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ دیکھ کر زکوٰۃ کے مصارف میں ان تمام کاموں کو داخل کر دیا جو کسی حیثیت سے نیکی یا عبادت میں، مساجد، مدارس، شفا خانوں، مسافر خانوں وغیرہ کی تعمیر، کنوئیں اور پل اور سڑکیں بنانا، اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات ان سب کو انہوں نے فی سبیل اللہ میں داخل کر کے مصروف زکوٰۃ قرار دیدیا، جو سراسر غلط ہے، اور اجماع امت کے خلاف ہے، صحابہ کرام جنہوں نے قرآن کو براہ راست رسول کریم ﷺ سے پڑھا اور سمجھا ہے ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ کے متعلق منقول ہیں ان میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لئے مخصوص قرار دیا گیا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے ایک اونٹ کو فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا تو آنحضرت ﷺ نے اس کو فرمایا کہ اس اونٹ کو حجاج کے سفر میں استعمال کرو۔ (مسوط سرخسی، ص ۱۰۷ ج ۱)

امام ابن جریر، ابن کثیر، قرآن کی تفسیر روایات حدیث ہی سے کرنے کے پابند ہیں، ان سب نے لفظ فی سبیل اللہ کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لئے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو اور جن حضرات فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و جاہتمند ہوں، اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و جاہتمند تو خود ہی مصروف زکوٰۃ میں سب سے پہلا مصروف ہیں، ان کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا جب بھی وہ مستحق زکوٰۃ تھے، لیکن ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ رفاہ عام کے اداروں اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصروف زکوٰۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مال زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں، فقہاء حنفیہ میں سے شمس الانامہ سرخسی نے مسوط اور شرح سیر میں اور فقہاء شافعیہ میں ابو عبید نے کتاب الاموال میں اور

فقہاء مالکیہ میں سے زردیر نے شرح مختصر خلیل میں اور فقہاء حنبلیہ میں سے موثق نے معنی میں اس کو پوری تفصیل سے لکھا ہے۔
ائمہ تفسیر اور فقہاء امت کی مذکورہ تصریحات کے علاوہ اگر ایک بات پر غور کر لیا جائے تو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے وہ یہ کہ اگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات و عبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہو تو پھر قرآن میں ان آٹھ مصروفوں کا بیان (معاذ اللہ) بالکل فضول ہو جاتا ہے، اور رسول کریم ﷺ کا ارشاد جو پہلے اسی سلسلہ میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو بھی سپرد نہیں کیا بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین فرما دیئے۔

تو اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں داخل ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جاسکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشاد ذہبی بالکل غلط ٹھہرتا ہے، معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے جو ناواقف کو عموم سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے، بلکہ مراد وہ ہے جو رسول کریم ﷺ کے بیان اور صحابہ و تابعین کی تصریحات سے ثابت ہے۔
آٹھوں مصرف ابن السبیل ہے، سبیل کے معنی راستہ، اور ابن کا لفظ اصل میں تو بیٹے کے لئے بولا جاتا ہے، لیکن عربی محاورات میں ابن اور اب اور اخ وغیرہ کے الفاظ ان چیزوں کے لئے بھی بولے جاتے ہیں جن کا گہرا تعلق کسی سے ہو، اسی محاورہ کے مطابق ابن السبیل راہ گیر و مسافر کو کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کا گہرا تعلق راستہ قطع کرنے اور منزل مقصود پر پہنچنے سے ہے، اور مصارف زکوٰۃ میں اس سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس سفر میں بقدر ضرورت مال نہ ہو، اگرچہ اس کے وطن میں اس کے پاس کتنا ہی مال ہو، ایسے مسافر کو مال زکوٰۃ دیا جاسکتا ہے، جس سے وہ اپنے سفر کی ضروریات پوری کر لے، اور وطن واپس جاسکے۔
یہاں تک ان آٹھ مصارف کا بیان پورا ہو گیا جو آیت مذکورہ میں صدقات و زکوٰۃ کے لئے بیان فرمائے گئے ہیں، اب کچھ ایسے مسائل بیان کئے جاتے ہیں جن کا تعلق ان تمام مصارف سے یکساں ہے۔

مسئلہ تملیک:

جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، وغیرہ، لکانہ قبضہ دینے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کے لئے خرچ کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ رقم زکوٰۃ کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہنچتا ہے جو مصرف زکوٰۃ ہیں، مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔
البتہ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کا کھانا کپڑا اور وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک رقم زکوٰۃ صرف ہو سکتی ہے، اسی طرح شفاخانوں میں جو دوا حاجت مند غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دے دی جائے اس کی قیمت رقم زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے، اسی طرح فقہاء امت کی تصریحات ہیں کہ لاوارث میت کا کفن رقم زکوٰۃ سے نہیں لگایا جاسکتا، کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ رقم زکوٰۃ کسی غریب مستحق کو دے دی جائے اور وہ اپنی خوشی سے اس رقم کو لاوارث میت کے کفن پر خرچ کر دے، اسی طرح اگر اس میت کے ذمہ قرض ہے تو اس قرض کو رقم زکوٰۃ سے براہ راست ادا نہیں

کیا جاسکتا ہے، وہ اس رقم کے مالک ہو کر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میت کا قرض ادا کر سکتے ہیں، اسی طرح رفاہ عام کے سب کام جیسے کنواں یا پل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر، اگرچہ ان کا فائدہ مستحقین زکوٰۃ کو بھی پہنچتا ہے، مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

ان مسائل میں چاروں ائمہ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور فقہاء امت متفق ہیں، شمس الائمہ سرخسی نے اس مسئلہ کو امام محمد کی کتابوں کی شرح مبسوط اور شرح میر میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور فقہاء شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ کی عام کتابوں میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

فقہ شافعی امام ابو سعید نے کتاب الاموال میں فرمایا کہ میت کی طرف سے اس کے قرض کی ادائیگی یا اس کے دفن کے اخراجات میں اور مساجد کی تعمیر میں، نہر کھودنے وغیرہ میں مال زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ سفیان ثوری اور تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اس میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ یہ ان آٹھ مصارف میں سے نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

اسی طرح فقہ حنبلی موفی نے معنی میں لکھا ہے کہ بجز ان مصارف کے جن کا بیان قرآن کریم میں مذکور ہے اور کسی نیک کام میں مال زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں جیسے مساجد یا پلوں اور پانی کی سبیلوں کی تعمیر، یا سڑکوں کی درستی یا مردوں کو کفن دینا یا مہمانوں کو کھانا کھلانا وغیرہ جو بلاشبہ موجب ثواب ہیں، مگر مصارف صدقات میں داخل نہیں۔

ملک العلماء نے بدائع میں ادائیگی زکوٰۃ کے لئے شرط تملیک کی یہ دلیل دی ہے کہ قرآن میں عموماً زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا لفظ ایفاء کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے: **أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ**، اقام الصلوة وایتاء الزکوٰۃ، وایتاء الزکوٰۃ، وایتاء حصادہ، وغیرہ اور لفظ ایفاء لغت میں عطاء کرنے کے معنی میں آتا ہے، امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا اذالایفاء الاعطاء وخص وضع الصدقة فی القران بالایفاء، یعنی ایفاء کے معنی عطاء فرمانے کے ہیں، اور قرآن میں صدقہ واجبہ ادا کرنے کو ایفاء کے لفظ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے، اور ظاہر ہے کہ کسی کو کوئی چیز عطاء کرنے کا مفہوم حقیقی یہی ہے کہ اس کو اس چیز کا مالک بنا دیا جائے۔

اور علاوہ زکوٰۃ و صدقات کے بھی لفظ ایفاء قرآن کریم میں مالک بنا دینے ہی کے لئے استعمال ہوا ہے، مثلاً: **وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ** یعنی دے دو عورتوں کو ان کے مہر، ظاہر ہے مہر کی ادائیگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب رقم مہر پر عورت کو مالکانہ قبضہ دیدے۔

دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں زکوٰۃ صدقہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، **إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ**، اور صدقہ کے معنی حقیقی یہی ہیں کہ کسی فقیر یا محتاج کو اس کا مالک بنا دیا جائے۔

کسی کو کھانا کھانا دینا یا رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کر دینا حقیقی معنی کے اعتبار سے صدقہ نہیں کہلاتا، شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ حقیقت صدقہ کی بھی یہی ہے کہ کسی فقیر کو اس مال کا مالک بنا دیا جائے اسی طرح امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ لفظ صدقہ تملیک کا نام ہے۔ (جصاص، ص ۱۰۲، ج ۲)

ادائے زکوٰۃ کے متعلق بعض اہم مسائل:

مسئلہ صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ کو صدقات وصول کرنے کے بارے میں یہ ہدایت دی تھی کہ: **خذھا من اغنیائھم وردھا فی فقرائھم**، یعنی صدقات مسلمانوں کے اغنیاء سے لے کر انہی کے فقراء میں صرف کر دو، اس کی بناء پر فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ بلا ضرورت ایک شہر یا بستی کی زکوٰۃ دوسرے شہر یا بستی میں نہ بھیجے جائے، بلکہ اسی شہر اور بستی کے فقراء اس کے زیادہ حق دار ہیں، البتہ اگر کسی شخص کے عزیز قریب غریب ہیں اور وہ کسی دوسرے شہر میں ہیں تو اپنی زکوٰۃ ان کو بھیج سکتا ہے، کیونکہ رسول کریم ﷺ نے اس میں دوسرے اجر و ثواب کی بشارت دی ہے۔

اسی طرح اگر کسی دوسری بستی کے لوگوں کا فقر و فاقہ اور اپنے شہر سے زیادہ ضرورت معلوم ہو تو بھی وہاں بھیجا جاسکتا ہے، کیونکہ مقصد صدقات دینی کا فقراء کی حاجت کو رفع کرنا ہے، اسی وجہ سے حضرت معاذ یمن کے صدقات میں اکثر کپڑے لیا کرتے تھے تاکہ فقراء مہاجرین کے لئے مدینہ طیبہ بھیج دیں۔ (ترمذی، بحوالہ دارقطنی)

اگر ایک شخص خود کسی شہر میں رہتا ہے، مگر اس کا مال دوسرے شہر میں ہے تو جس شہر میں خود رہتا ہے اس کا اعتبار ہوگا، کیونکہ ادائے زکوٰۃ کا مخاطب یہی شخص ہے۔ (ترمذی)

حدیث: جس مال کی زکوٰۃ واجب ہے اس کی ادائیگی کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اسی مال کا چالیسواں حصہ نکال کر مستحقین کو دیدے، جیسے تجارتی کپڑا، برتن، فرنیچر وغیرہ اور یہ بھی ہے کہ مقدار زکوٰۃ مال کی قیمت نکال کر وہ مستحقین میں تقسیم کرے، احادیث صحیحہ سے ایسا کرنا ثابت ہے (ترمذی) ائمہ فقہاء نے فرمایا کہ اس زمانہ میں نقد قیمت ہی دینا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ فقراء کی ضرورتیں مختلف اور کثیر ہیں بیسوں کو کسی بھی ضرورت کے کام میں مایا جاسکتا ہے۔

حدیث: اگر اپنے عزیز یا غریب لوگ مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو زکوٰۃ و صدقات دینا زیادہ بہتر اور اردو ہر اتواب ہے، ایک ثواب صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا، اس میں یہ بھی ضرورت نہیں کہ ان کو یہ جتلا کر دے کہ صدقہ یا زکوٰۃ دے رہا ہوں، کسی تحفہ یا ہدیہ کے عنوان سے بھی دیا جاسکتا ہے، تاکہ لینے والے شریف آدمی کو اپنی خفت محسوس نہ ہو۔

حدیث: جو شخص اپنے آپ کو اپنے قول یا عمل سے مستحق زکوٰۃ حاجت مند ظاہر کرے اور صدقات وغیرہ کا سوال کرے، کیا دینے والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے حقیقی حالات کی تحقیق کریں، اور بغیر اس کے صدقہ نہ دیں، اس کے متعلق روایات حدیث اور اقوال فقہاء یہ ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے ظاہری حال سے اگر یہ گمان غالب ہو کہ یہ شخص حقیقت میں فقیر حاجت مند ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں کچھ لوگ نہایت شکستہ حال آئے، آپ نے ان کے لئے لوگوں سے صدقات جمع کرنے کے لئے فرمایا کافی مقدار جمع ہو گئی تو وہ ان کو دے دیکھی، آنحضرت ﷺ نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ ان لوگوں کے اندرونی حالات کی تحقیق فرماتے۔ (ترمذی)

البتہ ترمذی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ مصارف صدقات میں سے ایک مدیون بھی ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے ذماتہ قرض ہے اس کی ادائیگی کے لئے مجھے زکوٰۃ کی رقم دی جائے تو اس قرض کا ثبوت اس سے طلب کرنا چاہئے (ترمذی) اور ظاہر ہے کہ غلام، بی سبیل اللہ، ابن اسبیل وغیرہ میں بھی ایسی تحقیق کر لینا دشوار نہیں، ان مصارف میں حسب موصوفہ تحقیق کر لینا چاہئے۔

محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ صرف ایک شخص بن جمیر انجیل کا جرم معاف کیا گیا (ابن اسحاق کی مراد شاید یہ ہے کہ عَنْ طَائِفَةٍ سے مراد صرف ایک شخص ہے یا یہ مراد ہے کہ روایت صرف ایک شخص کا تصور معاف ہونا ثابت ہے باقی لوگوں کا علم نہیں) شخص منافقوں کے ساتھ ہنستا تو تھا مگر زبان سے اس نے کچھ نہیں کہا تھا اور سب سے الگ الگ راستہ میں چل رہا تھا بلکہ منافقوں کی بعض باتوں کو پسند بھی نہ کرتا تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس نے نفاق سے توبہ کی اور دعا کی: اے اللہ! میں اسکی آیت سن رہا ہوں جس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک مل رہی ہے۔ اس کے سننے سے تو رو ٹکٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل لرز جاتے ہیں۔ اے اللہ! میری موت اپنی راہ میں قتل کی شکل میں مقدر کر دے (اور یہ بھی) کوئی نہ کہے کہ میں نے غسل دیا! میں نے ذن کیا (یعنی مجھے کوئی غسل بھی نہ دے نہ ذن کرنے) چنانچہ جنگ یمامہ میں یہ شہید ہو گئے اور سوائے ان کے کسی مسلمان کو معلوم بھی نہ ہوا کہ وہ کہاں شہید ہوئے (اور جنازہ کہاں گیا) شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا: یا رسول اللہ ﷺ! میرا نام اور ولدیت بدل دیجئے (گو یا کفر کے زمانہ کے نام سے بھی ان کو نفرت ہو گئی تھی) حضور ﷺ نے ان کا نام عبدالرحمن یا عبداللہ رکھ دیا۔

الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۗ أُو۟ىُّ مُشَابَهَاتٍۭ فِي الدِّينِ كَمَا بَغَضِ الشَّيْءُ ۗ وَالْوَاحِدِ
يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِي ۗ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ الْإِيمَانِ وَالطَّاعَةِ ۗ وَيَقْبِضُونَ
أَيْدِيَهُمْ ۗ عَنِ الْإِنْفَاقِ فِي الطَّاعَةِ نَسُوا اللَّهَ تَرْكُؤًا طَاعَتَهُ فَنَسِيَهُمْ ۗ تَرَكَهُمْ مِنْ لُطْفِهِ إِنَّ
الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝ وَعَدَّ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكٰفِرَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ
هِيَ حَسْبُهُمْ ۗ جَزَاءُ وَعِقَابًا ۗ لَعْنَهُمُ اللَّهُ ۗ أَبْعَدَهُمْ عَنْ رَحْمَتِهِ ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝ دَائِمٌ أَنْتُمْ
أَيُّهَا الْمُنَافِقُونَ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَ أَكْثَرَ أَمْوَالًا وَ أَوْلَادًا ۗ فَاسْتَمْتَعُوا
نَمَتُمْزًا بِخَلْقِهِمْ نَمِيهِمْ مِنَ الدُّنْيَا فَاسْتَمْتَعْتُمْ أَيُّهَا الْمُنَافِقُونَ بِخَلْقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلْقِهِمْ وَ خُضْتُمْ فِي الْبَاطِلِ وَ الطُّغْيٰنِ فِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَالَّذِي
خَاصُوا ۗ أَى كَخَوْضِهِمْ أَوْلِيكَ حَيْطُتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ ۗ وَ أَوْلِيكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ۝
أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ خَيْرِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَ عَادٍ قَوْمِ هُودٍ وَ ثَمُودَ ۗ قَوْمٍ ضَالِحٍ وَ قَوْمِ
إِبْرٰهِيْمَ ۗ وَ أَصْحٰبِ مَدْيَنَ قَوْمِ شَعْبٍ وَ الْمُؤْتَفِكَةِ ۗ فَرَى قَوْمٌ لُّوطٍ أَى أَهْلَهَا اتَّهَمُوا رُسُلَهُمْ
بِالْبَيِّنَاتِ ۗ بِالْمُعْجَزَاتِ فَكَذَّبُوهُمْ فَأَهْلِكُوا ۗ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ ۗ بَأْسٌ عَنَدَهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ وَ لٰكِن

كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظُنُّونَ رَأَىٰ رَدَّكَابِ الذُّنُوبِ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ

بَعْضُ يَا مَرْوَانَ بِالْمَعْرُوفِ وَيُنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ

وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ لَّا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ وَعَنْ أَنْجَارٍ وَعَنْ عُيُبِهِ وَوَعْدِهِ سَيَكْفُمُ

أَيَضَعُ شَيْئًا إِلَّا فِي مَنَاحِلِهِ وَعَدَّ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَلَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكَنٌ طَيِّبَةٌ فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ۖ إِنَّمَا هِيَ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ أَعْظَمَ مِنْ ذَلِكَ هُوَ

الفوز العظيم

ترجمہ: منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں سب ایک ہی طرح کے ہیں، بری باتوں کا حکم کرتے ہیں اور اچھی باتوں سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ بلاشبہ منافق ہی فاسق ہیں۔ وَعَدَّ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہ ان کو کالی ہے سزا اور عذاب کی رو سے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر خاص لعنت کی ہے (یعنی انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے) اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے (ہمیشہ قائم رہنے والا۔ انتہہ ایسا المنافقون کا لذت من قبلکم الخ) (اے منافق تم کفر و نفاق میں) ان لوگوں کے مانند ہو جو تم سے پہلے (زمانہ میں) ہو چکے ہیں وہ پچھلے لوگ بدنی قوت اور مال اولاد میں تم سے بہت زیادہ تھے سوانہوں نے اپنے حصہ سے (یعنی اپنے دنیوی حصہ سے) خوب فائدہ اٹھایا تم نے بھی (اے منافقو) اپنے دنیاوی حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا اور تم بھی (برائیوں اور نبی اکرم ﷺ پر طعن کرنے میں) اس طرح گھس گئے ہو جس طرح وہ گھسے تھے (ان کے گھسنے کی طرح اور جس طرح انہوں نے ایمان والوں کے ساتھ استہزا کیا تھا ویسا ہی تم نے کیا)۔ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو کر رہے اور ایسے ہی لوگ بڑے نقصان میں ہیں۔ اللَّهُ يَأْتِيهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ كَانُوا لَوْ كَانُوا لَوْ كَانُوا لَوْ كَانُوا کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں جیسے قوم نوح اور قوم عاد (یعنی ہود علیہ السلام کی قوم اور قوم ثمود (یعنی صالح علیہ السلام کی) اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور اہل مدین (یعنی شعیب علیہ السلام کی قوم)۔ وَالْمُؤْتَفِكِ اور اٹنی ہوئی بستیاں (قری قوم لوط علیہ السلام کی بستیاں مراد ہستی والے ہیں۔ ان سب کے پاس ان کے پیغمبر روشن دلائل (معجزات) لے کر آئے (مگر ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی چنانچہ سب ہلاک و برباد ہو گئے پس اللہ ایسا نہیں کسان پر ظلم کرتا) تاکہ بغیر جرم کے ان پر عذاب نازل کر دے) لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے (جرم کا ارتکاب کر کے نافرمانیاں کر کے)۔ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٌ اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں بعض بعض کے دوست ہیں نیک باتوں کا (آپس میں) حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور رحمت فرمائے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ

غائب ہے (اللہ تعالیٰ کو ان کے وعدہ اور وعید پورا کرنے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی) حکمت والا ہے (ہر چیز اسی کے کل پر رکھتا ہے)۔ وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے ایسے باغوں کا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ہمیشہ ان ہی باغوں میں رہیں گے اور (وعدہ کر رکھا ہے) نفیس مکانوں کا جو کہ ان ہمیشگی کے باغوں میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی (جو ان سب نعمتوں سے بڑی چیز ہے) یہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی) بڑی کامیابی ہے۔

کلمات تفسیریہ کے توضیح و تشریح

قوله: أَيْ مُتَشَابِهُونَ: یعنی حقیقی بعصیت مرد نہیں بلکہ مشابہت مراد ہے۔

قوله: عَنِ الْإِنْفَاقِ فِي الطَّاعَةِ: قبض الیہ یہ بخل سے مجاز ہے۔

قوله: تَرَكْتُمْ مِنْ لُطْفِهِ: یہ حال مقدرہ ہے یہاں نسیان کو ترک سے مجاز قرار دیا گیا۔

قوله: أَنْتُمْ أَيُّهَا الْمُنَافِقُونَ: اس میں اشارہ ہے کہ كَالَّذِينَ كَانُوا يَمُنُّونَ بِمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ میں مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ یہ محل نصب میں مفعول نہیں۔

قوله: نَصَبْنَاهُمْ مِنَ الدُّنْيَا: یہ خلق ہے مشتق ہے اور اس کا معنی اندازہ ہے یعنی انسان کے لئے جو خیر مقدر کیا گیا۔

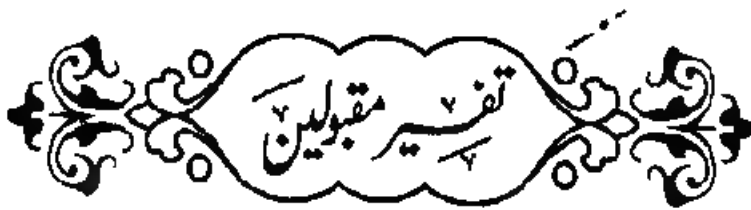
قوله: كَخَوْضِهِمْ: مصناف کو حذف اور ضمیر کو جمع لاکر اشارہ کیا کہ الذی سے نون گرا ہوا ہے۔

قوله: قَوْمٌ نُوحٌ كُفْرًا: قوم نوح کو فریق قوم ہو کہ وہ اور قوم صالح کو زلزلہ اور قوم شعیب کو آگ بادل سے ہلاک کیا۔

قوله: أَهْلُهَا: اس میں مضاف محذوف ہے۔

قوله: إِقَامَةٍ: اس سے اشارہ کیا کہ عدن اقامت کے معنی میں ہے۔

قوله: أَعْظَمُ مِنْ ذَلِكَ: کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہر کامیابی و سعادت کا سبب ہے۔ اس سے اشارہ ہے کہ من تفضیلیہ مقدر ہے۔



الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنَ بَعْضٍ

منافقین اور منافقات کا اعمال و صفات میں تشابہ مع بیان و وعید:

(ربط): گزشتہ آیات میں منافقین کے اعمال فاسدہ اور افعال خبیثہ کو بیان کیا اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ تمام منافقین اور

منافقات ان قبائح اور فضائح میں ایک دوسرے کے مماثل اور متشابہ ہیں اور اسلام کی عداوت میں سب ایک ہیں۔ مرد اور عورت

سب کا ایک ہی مذہب ہے جو بری خصلتیں ان کے مردوں میں ہیں وہی ان کی عورتوں میں بھی ہیں جس طرح مرد غیبت کشا کی طرح عورتیں بھی غیبت ہیں۔ سب کے دل ملتے جلتے ہیں پھر ان منافقوں کو مستحب کرنے کے لیے گزشتہ امتوں کے کافروں سے منات یہ دلاتے ہیں کہ وہ کھو وہ ل و دولت اور قوت و طاقت میں تم سے کہیں زیادہ تھے مگر جب انہوں نے ہمارے احکامات سرکشی کی اور ہمارے پیغمبروں کی تکذیب کی تو انہیں اس کا کیا نتیجہ ملا تمہیں معلوم نہیں کہ قوم عاد اور ثمود کا اور ان استیوں کا جب انہیں اس سرکشی اور نافرمانی کی بدولت کیا انجام ہوا؟ سوچو اور عبرت پکڑو آخر تم خدائی تہرے اس قدر بے فکر کیوں بیٹھے ہو۔

ربطہ وغیرہ گزشتہ آیات میں ان منافقین کا ذکر تھا۔ جن کا نفاق غروہ جوک سے متعلق اب ان آیات میں عام منافقین کے لئے بیان ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت بد باطنی اور اخلاق ذمیرہ میں سب ایک دوسرے کے مشابہ ہیں گویا کہ مرد اور عورت سب ایک ہی ٹھکانے کے اجزاء ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں منافق مرد اور منافق عورتیں بعض بعض کا جزء ہیں یعنی سب نفاق اور بد باطنی سب ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور سب اسلام اور مسلمانوں کی عداوت اور مخالفت پر طبعی طور پر متفق ہیں ان منافقین اور مرتدوں کا حل یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کو بری بات کا حکم دیتے ہیں یعنی کفر اور شرک اور مخالفت اسلام کی تلقین کرتے ہیں اور معنوں اور پسندیدہ کام سے منع کرتے ہیں یعنی ایمان و اسلام اور اتباع رسول سے لوگوں کو منع کرتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ کرنے سے اپنی ٹھکانی بند رکھتے ہیں عاجز اور محتاجوں کی مدد سے اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں وہ اللہ کو بھول گئے فَكَيْسِيَّةٍ مِّمَّنْ جَنَى النَّوْصِيَیَّةَ نے اللہ کے حکم کو فراموش کیا اللہ نے ان کو اپنے فضل و رحمت سے فراموش اور نظر انداز کر دیا۔ تحقیق جنس منافقین خواہ مرد ہوں یا عورت فاسق کا مثل یہی لوگ ہیں ہر ایک گناہگار اور ہر کافر فاسق ہے مگر منافقوں کا فسق سب سے بڑھ کر ہے یہ لوگ اگرچہ خدا کو فراموش کر چکے ہیں مگر خدا تعالیٰ ان کے تہر اور انتقام سے فراموش اور خاموش نہیں۔

وعدہ کہیے اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے اور تمام کافروں سے مرد ہوں یا عورت دوزخ کی آگ کا وہ ہمیشہ اسی آگ میں رہیں گے وہ ان کو کافی ہے یعنی ان کے کفر و نفاق کی کافی سزا ہے اور مزید برآں اللہ نے ان پر خاص لعنت کی ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے جو کبھی ان سے جدا نہ ہوگا۔

سے منفق اور نفاق اور حق کی عداوت میں تمہاری حالت ان لوگوں کے مانند ہے جو تم سے پہلے تھے جیسے وہ رسول نے فرمایا کہ دوزخی ہوئے ویسے ہی تم بھی رسول کی نافرمانی کر کے دوزخی بنے وہ پچھلے لوگ بدنی قوت اور مال و اولاد میں تم سے بہت زیادہ تھے سوانہوں نے اپنے دنیوی حصہ یعنی مال و اولاد سے فائدہ اٹھایا یعنی دنیاوی لذتوں اور شہوتوں میں مبتلا رہے اور آخرت کی کچھ پروا نہ کی جس اب ان کے جہنم نے بھی اپنے دنیاوی حصہ سے فائدہ اٹھایا جیسا کہ تم سے پہلے لوگ دنیا سے فائدہ اٹھاتے تھے تم نے یہ سب نہ کیا ان کے لئے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر بھی اتنی ہی باتوں میں اسی طرح کھس گئے ہو جس طرح وہ کھسے تھے۔ جتنی جس طرح انہوں نے رسولوں کے ساتھ ستم کیا تھا ویسا ہی تم نے بھی کیا ایسے ہی کافروں اور منافقوں کے لئے دنیا و آخرت میں نیست و نابود اور تباہ اور برباد ہوئے جن کے اعمال خیر پر بھی دنیا و آخرت میں کوئی ثواب مرتب نہ ہوگا۔ درایسے ہی وقت دنیا و آخرت میں خسرو اور نقصان میں ہیں۔ جب کھتی کاٹنے کا وقت آیا تو ساری کھتی جس مرتبہ ہوتی جس وقت وہ نگوں کو چیرے کہ پھولوں کے حال اور مال کا خیال کریں۔

کیا ان منافقوں اور کافروں کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گزرے ہیں اور عذاب دوہا لے آنے سے پہلے دنیاوی لذتوں میں غرق تھے اور آخرت سے بے فکر تھے۔ ان کو چاہئے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑیں مثلاً قوم نوح علیہ السلام جو طوفان میں غرق ہوئی اور قوم عاد جو آندھی سے ہلاک ہوئی اور قوم ثمود جو زلزلہ سے ہلاک ہوئی اور قوم ابراہیم علیہ السلام جو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوئی اور نمرود و محمر کے ڈنگ مارنے سے ہلاک ہوا اور اہل مدین جو شعیب علیہ السلام کی قوم تھی وہ یوم نملہ کے عذاب سے ہلاک ہوئے اور اٹھی ہوئی بستیوں والے یعنی قوم لوط کی بستیاں وہ بھی ہلاک ہوئے ان سب کے پاس ان کے رسول اور پیغمبر اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل اور صاف صاف نشانیاں لے کر آئے اور عذاب خداوندی سے ان کو ڈرایا مگر ان ظالموں نے ایک نہ سنی بالآخر تباہ اور برباد ہوئے سوائے انہوں نے تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے اور بلا جرم کے ان پر عذاب نازل کر دے لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان قوموں پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ ان کی عتوبت میں جلدی نہیں کی پیغمبر بھیج کر ان پر اپنی حجت پوری کر دی جب کسی طرح ہمارے پیغمبروں کی تکذیب اور ان کے استہزاء اور تمسخر سے ہار نہ آئے تب ان پر عذاب اتارا ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا خود انہی لوگوں نے تمہارا سرکشی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا پس اس زمانہ کے کفار اور منافقین کو بھی ان سے عبرت پکڑنی چاہئے کہ انبیاء کرام کی تکذیب کا انجام ایسا ہوتا ہے تم بھی ویسے ہی کرتوت کر رہے ہو تم بھی اسی انجام بد کے مستحق ہو۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ.....

مدح اہل ایمان مع بشارت غفران و رضوان:

(ربط) گزشتہ آیات میں منافقین کے فضائل اور قبائح اوصاف قبیحہ اور اعمال شنیعہ کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ یہ سب کے سب ان قبائح اور فضائل میں ایک دوسرے کے مشابہ اور مماثل ہیں۔ اب بطور مقابلہ مؤمنین کے صفات خیر اور اعمال فاضلہ کو بیان کرتے ہیں کہ ہمارے اطاعت شعار اور مخلص اور وفادار بندوں کا یہ حال ہے جو منافقوں کے حال کے برعکس ہے جس طرح منافقین اور منافقات رذائل میں ایک دوسرے کے مشابہ تھے اسی طرح مؤمنین اور مؤمنات فضائل میں ایک دوسرے کے مشابہ اور مماثل ہیں۔

اور اس کے بعد ان سے جو رحمت اور مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کا ذکر کیا اور یہ بتلایا کہ ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر جو نعمت ان کو ملے گی وہ یہ ہوگی کہ ان محبین خاصین کو دائمی رضا کا پر دانہ ملے۔ اللہم اجعلنا منهم آمین برحمتک یا ارحم الراحمین یا ذا الجلال والاكرام۔ اور خفایہ راشدین کا اوصاف مذکور کے ساتھ موصوف ہونا احادیث متواترہ سے ثابت ہے لہذا وہ اس بشارت کے اولین مستحق اور سزاوار ہیں غرض یہ کہ اوپر کی آیتوں میں منافقین کے فضائل اور قبائح کا ذکر تھا۔ اب ان آیتوں میں اہل ایمان کے مدائح کا بیان ہے جیسا کہ قاعدہ ہے و بصدھاتتین الاشیاء۔ خدا کے ذکر کرنے سے اصل ہی کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے دوست اور کارساز ہیں اور صفات فاضلہ میں ایک دوسرے کے مماثل اور مشابہ ہیں زبان سے حکم کرتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور فعل ان کا یہ ہے کہ نماز کو ٹھیک طرح سے پابندی

کے ساتھ پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور حال ان کا یہ ہے کہ دل و جان سے وہ اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہے۔
 ایسے لوگوں پر جن میں یہ صفات جمع ہوں ان پر اللہ ضرور اپنی خاص رحمت فرمائے گا۔ جس سے ان کی نفسانیت، غیور،
 روحانیت اور نورانیت غالب رہے گی۔ تحقیق اللہ غالب ہے جو چاہے کرے حکمت والا ہے۔ ہر چیز کو اس کے عمل پر فرماتا ہے۔
 وعدہ کیا ہے اللہ نے۔ ذمہ مندوں اور مؤمن عورتوں سے ایسے باغوں کا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ بڑے
 انہی باغوں میں رہیں گے اور وعدہ کیا ہے ان سے پاکیزہ گھروں اور نفیس مکانوں کا عدن کے باغوں میں۔ بعد اللہ بن مسعود
 فرماتے ہیں کہ عدن وسط جنت کا نام ہے یعنی جنت کے درمیانی حصہ کو عدن کہتے ہیں۔ جو سب سے اعلیٰ اور برتر ہے اور بعض
 یہ کہتے ہیں کہ عدن کے معنی اقامت کے ہیں اور یہ لفظ کسی خاص مقام کا نام نہیں بلکہ جنت کی صفت ہے اور کل جنت عدن ہے
 جنت کی جگہ ہے اور ان سب نعمتوں کے علاوہ اللہ کے طرف سے خوشنودی سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے جنت اسی وجہ سے
 جنت اور نعمت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی رضامندی کا ذریعہ ہے یہ یعنی خدا کی رضامندی یہی کامیابی ہے جس سے بڑھ کر وہی
 نعمت نہیں تمام سعادتوں اور تمام کرامتوں کا مبداء اور مقنا یہی رضائے خداوندی ہے۔ صحیحین وغیرہ میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے
 روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ اہل جنت کو ندادے گا کہ اے جنتیو! عرض کریں گے: لیبیک
 ربنا وسعدیک والخیر فی یدیک ہم حاضر ہیں پھر فرمائے گا کہ کیا تم راضی ہو گئے وہ عرض کریں گے کہ اے پروردگار ہم
 راضی کیوں نہ ہوں تو نے ہم کو وہ کچھ عنایت فرمایا جو آپ نے اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا میں تم کو اس سے
 بھی افضل اور بہتر نہ عطا کروں عرض کریں گے کہ اس سے افضل اور بہتر کون سی چیز ہے فرمائے گا کہ میں تم پر اپنی رضامندی
 نازل کرتا ہوں اب اس کے بعد بھی تم سے ناخوش اور ناراض نہ ہوں گا۔

نکتہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خدا کی رضامندی سے افضل کوئی نعمت نہیں رضاء خداوندی کا درجہ بہشت سے بھی
 بڑھ کر ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق دنیا ہی میں اعلان کر دیا گیا۔ رضی اللہ عنہم رضوا عنہ۔ اس سے بڑھ کر کیا سعادت
 اور کرامت ہوگی کہ مرنے سے پہلے ہی صحابہ کرام نے اپنے لیے رضاء خداوندی کا مژدہ جانفزا سن لیا اور قرآن میں تصریح ہے:
 فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۱۰۸﴾ اللہ فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام فاسق نہ تھے۔ بلکہ صحابہ
 سے ناراض ہونے والا فاسق ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاللِّسَانَ وَالْحِجَابَ وَأَغْلَظْ عَلَيْهِمْ ۗ بِالْإِنْتِهَارِ
 وَالْحَفَّتِ وَمَا وَهُمْ جَهَنَّمُ ۗ وَالْمَرْجِعُ هِيَ يَخْلِفُونَ أَيُّ الْمُنَافِقُونَ يَا اللَّهُ مَا
 قَالُوا مَا بَلَغَكَ عَنْهُمْ مِنَ الشَّتِّ وَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ أَظْهَرُوا الْكُفْرَ
 بَعْدَ إِظْهَارِ الْإِسْلَامِ وَهَمَّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۗ مِنَ الْفِتْنَةِ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْعَقْبَةِ
 عِنْدَ عَوْدِهِ مِنْ تَبُوكَ وَهُمْ بِضِعْفَةِ عَشْرٍ رَجُلًا فَضَرَبَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ رُجُومًا تَرَوَّاجِلَ لِمَا عَشَرُوا فَرَدُّوْا

مَا تَقْبُوا أَنْتُمْ وَاللَّهِ وَرَسُولَهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ بِالْفَنَائِمِ بَعْدَ شِدَّةِ حَاجَتِهِمُ الْمَعْنَى لَمْ
تَلْتَمِمْ مِنْهُ إِلَّا هَذَا وَلَيْسَ بِمَا يُنْقَمُ فَإِنْ يَتُوبُوا عَنِ النِّفَاقِ وَيُؤْمِنُوا بِكَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا عَنِ
الْإِيمَانِ يُعَذِّبْهُمْ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْآخِرَةِ ۚ بِالنَّارِ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ
وَلِيٍّ يَحْفَظُهُمْ مِنْهُ وَلَا يُصِيرُ ۝ يَمْنَعُهُمْ وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهُ لِيَنْتَهِبُوا مِنْ فَضْلِهِ لَنْصَدَّقَنَّهُ
فِيهِ إِذْ غَامَ النَّبِيُّ فِي الْأَضَلِّ فِي الضَّادِ وَ لَنْكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَهُوَ ثَعْلَبَةُ ابْنُ حَاطِبٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُدْعُوَهُ أَنْ يُرْفِقَهُ اللَّهُ مَا لَا وَيُؤَدِّي مِنْهُ كُلُّ ذِي حَقٍّ فَحَقُّهُ فَدَعَا لَهُ فَوَسَّعَ عَلَيْهِ فَانْقَطَعَ
عَنِ الْجُمُعَةِ وَالْجَمَاعَةِ وَمَتَعَ الزُّكْرَةَ كَمَا قَالَ تَعَالَى فَلَمَّا أَتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ يَخْلُؤُا بِهِ وَتَوَلَّوْا عَنْ
طَاعَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۝ فَأَعْقَبَهُمْ أَيِ فَصَّيْرٍ عَاقِبَتُهُمْ نِفَاقًا نَابِتًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمِ
يَلْقَوْنَهُ أَيِ اللَّهِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝ فِيهِ فَجَاءَ بَعْدَ
ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرِكَابِهِ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ مَنَّعَنِي أَنْ أَتَيْلَ مِنْكَ فَجَعَلَ يَحْتَلُو الثَّرَابَ عَلَى
رَأْسِهِ لَمْ يَجَأَ بِهَا إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَلَمْ يَقْبَلْهَا لَمْ يَأْتِ عُمَرَ فَلَمْ يَقْبَلْهَا لَمْ يَأْتِ عُمَانَ فَلَمْ يَقْبَلْهَا لَمْ يَأْتِ فِي
زَمَانِهِ لَمْ يَعْلَمُوا أَيِ الْمُنَافِقُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ مَا اسْتُرُّوهُ فِي أَنْفُسِهِمْ وَنَجْوَاهُمْ مَا تَنَاجَوْا بِهِ
بَيْنَهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ مَا غَابَ عَنِ الْعِبَانِ وَلَمَّا نَزَلَتْ آيَةُ الصَّدَقَةِ جَاءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِشَيْءٍ
كَبِيرٍ فَقَالَ الْمُنَافِقُونَ مَرَّاهُ وَجَاءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِضَاعٍ فَقَالُوا إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنْ صَدَقَةِ هَذَا فَتَزَلَّ الَّذِينَ
بَيْنَهُمْ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا
جُهْدَهُمْ طَائِفَتٌ مِّنْهُمْ يَتَّبِعُونَ بِهٖ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ وَالْخَبَرَ سَخَّرَ اللَّهُ مِنْهُمْ ۚ جَازَاَهُمْ عَلَى
سَخَرِيَّتِهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ اسْتَغْفِرُ بِمَا أَحْمَدُ لَهُمْ أَوْ لَا كَسْتَغْفِرُ لَهُمْ ۚ تَخْيِيرٌ لَهُ فِي
الْإِسْتِغْفَارِ وَتَرْكِيهِ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي خَيْرٌ فَخَيْرٌ تَعْنِيهِ إِلَّا اسْتَغْفَرَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ إِنَّ
كَسْتَغْفِرُ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ قِيلَ الْمُرَادُ بِالسَّبْعِينَ الْمُبَالَغَةُ فِي كَثْرَةِ

الإِسْتِغْفَارِ وَفِي الْبُخَارِيِّ حَدِيثٌ لَوْ أَعْلَمَ نَبِيٌّ لَوْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِينَ غُفْرَةً لَزِدْتُ عَلَيْهَا وَقِيلَ الْغُفْرَةُ
 الْعَدْدُ الْمَخْصُوصُ لِحَدِيثِهِ أَيْضًا وَ سَأَزِيدُ عَلَى السَّبْعِينَ فَبَيَّنَ لَهُ حَسْمَ الْمَغْفِرَةِ بِأَيَّةٍ سِوَاهُ عَلَيْهِ
 اسْتَغْفَرَتْ لَهُمْ أُمَّ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
 الْفَاسِقِينَ

ترجمہ: اسے نبی کافروں سے (تکواری کے ذریعہ) اور منافقوں سے (زبان اور برہان کے ذریعہ) جہاد کیجئے اور ان سے سختی
 کیجئے (ڈانٹ ڈپٹ کر اور خفا ہو کر اور انکا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے) (برائٹھکانہ ہے) (يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ اِنْ يَرَوْا
 مَنَافِقِينَ) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے (وہ بات نہیں کہی، جو بری بات آپ تک پہنچی ہے) اور حالانکہ انہوں نے
 یقیناً کفر کی بات کہی ہے اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے (یعنی انہوں نے اپنے کفر کو ظاہر کیا اپنے اسلام کے ظاہر کرنے کے
 بعد) اور قصد کیا ان لوگوں نے اس چیز کا جس کو وہ حاصل نہ کر سکے (یعنی ان لوگوں نے ارادہ کیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کو قتل کر
 دیں جوک سے واپسی کے وقت عقبہ کی رات قتل کی سازش کی تھی اور یہ لوگ دس سے کچھ زائد تھے، جب یہ لوگ حضور اقدس کے
 سامنے آئے تو حضرت عمار بن یاسر نے انکی سواریوں کے منہ پر مار مار کر رخ پھیر دیا چنانچہ وہ سب واپس پھر گئے۔ یہ منافقین
 ایسے ہیں جو ظنی صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور ان لوگوں پر بھی جن کو بجز اپنی
 مشقت کے (اپنی طاقت آمدنی کے) کچھ نہیں پاتے (اسی کو لے کر وہ حاضر ہو جاتے ہیں) پھر ان سے تمسخر کرتے ہیں (یعنی
 مذاق اڑاتے ہیں) تمسخر اللہ منہم الخ بہ الذین مبتدا کی خبر ہے) اللہ (قیامت کے دن) ان سے تمسخر کرے گا (یعنی اللہ
 تعالیٰ ان کے تمسخر کا بدلہ دے گا یعنی تمسخر سے ملے گا) ان کے لئے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے۔ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ
 لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ - الخ آپ (اسے محمد ﷺ) ان منافقین کے لئے دعائے مغفرت کریں یا دعائے مغفرت نہ
 کریں (آپ کو استغفار کرنے کا اختیار دیا گیا ہے) آپ نے فرمایا کہ چونکہ اختیار لایا گیا ہے اسلئے میں استغفار یعنی مغفرت کی
 دعاء کرنے کا اختیار رکھتا ہوں (رواہ البخاری)۔ آپ اگر ان کے لئے ستر مرتبہ بھی دعائے مغفرت کریں جب بھی اللہ ان کو ہرگز
 نہیں بخشے گا۔ (قَبْلِ الْمُرَادِ بِالسَّبْعِينَ الخ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ستر کے عدد سے مراد کثرت استغفار میں مبالغہ مقصود
 کے اور بخاری ایک حدیث ہے کہ حضور اقدس نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں تو اللہ
 تعالیٰ اس کو بخش دیں گے تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ اگر استغفار کروں گا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عدد مخصوص ہی مراد ہے
 اسی حدیث کی وجہ سے کہ لَوْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِينَ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت: سِوَاهُ عَلَيْهِمْ الخ سے قطع مغفرت کی
 وضاحت کر دی یعنی قابل استغفار ہونے کو اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا۔ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
 الْفَاسِقِينَ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ تعالیٰ ایسے سرکش لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: بِاللِّسَانِ وَالْحُجَّةِ: اس لئے کہ تلواریں ان سے ساقط ہے۔

قوله: الْمُنَافِقُونَ: یہ جلاس کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اگر محمد ہمارے ساتھیوں سے متعلق سچا ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی زیادہ برے ہوئے۔ عامر بن قیسؓ نے فرمایا اللہ کی قسم بات اسی طرح ہے محمد ﷺ سچے ہیں اور تم گدھے سے بدتر ہو۔ آپ نے اس کو بلا کر پوچھا تو اس نے اقرار کر کے سچی تو پہ کری۔

قوله: الْفُتُكِ: یعنی جوک سے واپسی پر منافقین نے آپ کو اچانک حملہ کر کے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔

قوله: الْعَقَبَةِ: مشکل پہاڑی گھاٹی۔

قوله: فَضْرَبَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ: آپ کی اونٹنی کی مہارت تھانے والے تھے انہوں نے مارا، رکراکی اونٹنیوں کو بھگا دیا۔

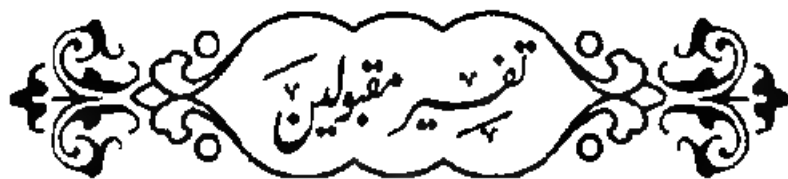
قوله: فَضَصَّرَ عَاقِبَتَهُمْ: اعقب عاقبہ سے ہے تعقیب اور عقبہ سے نہیں ہے۔ اشارہ کیا کہ ہمزہ صیرورت کے لئے ہے۔ ضمیر فاعلی اللہ تعالیٰ کی طرف لڑتی ہے۔

قوله: مَا تَنَاجَوِيهِ: اس سے دین کے احکام سے متعلق طعنہ زنی کے کلمات ہیں۔ جس کو وہ اپنی مجالس میں جانتے تھے۔

قوله: جَا زَا هُمْ: اس کو مقدر مانا تاکہ اللہ کا مطلب واضح ہو۔

قوله: تَخَيَّرَ لَهُ: یہ امر خبر کے معنی میں ہے۔ گویا اس طرح فرمایا خواہ تم ان کے لئے استغفار کرو یا نہ کرو اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو بخشے۔

قوله: الْمُبَالِغَةَ فِي كَثْرَةِ الْإِسْتِغْفَارِ: عرب سات یا ستر کا استعمال کثرت کے لئے کرتے ہیں کیونکہ سات تمام اقسام زوج فرد کو شامل ہے۔



يَأْتِيهَا النَّبِيُّ جَاهِدَ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۗ

کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا حکم:

عام کافروں سے اور منافقوں سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیفیں پہنچتی رہتی تھی۔ یہ لوگ اسلام کے خلاف منصوبے بناتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاً صبر اور درگزر کا حکم فرمایا تھا پھر جہاد کی اجازت دے دی جیسا کہ سورہ حج میں (أَذِينَ لَلَّذِينَ يُفْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا) فرمایا۔ پھر کفار سے جہاد اور قتال کرنے کا حکم فرمایا جو اس سورت میں مذکور ہے۔ اوپر جن آیات کا

ترجمہ لکھا گیا ان میں پہلی آیت میں کافروں سے اور منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ لفظ جہاد ہر طرف کی کوشش و شامل ہے جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے اختیار کی جائیں۔ اس کی ایک صورت قتال کرنا اور جنگ کرنا بھی ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ کافروں سے جہاد بالسیف یعنی قتال کرنے کا حکم دیا ہے اور منافقین سے ان کے حال کے مطابق جہاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ یعنی ان سے جہاد باللسان کا حکم فرمایا ہے کہ انہیں نصیحت کی جاتی رہے اور ان پر حجت قائم کی جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کرتے تھے منافقین کو قتل نہیں فرمایا کیونکہ یہ ظاہری طور پر اسلام کے دعویدار تھے۔

مزید فرمایا: اغْلَظْ عَلَيْهِمْ کہ عام کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کرنے میں سختی اختیار کیجئے کافروں سے تو جنت میں سختی کا برتاؤ ہوتا ہی تھا۔ منافقوں کے ساتھ سختی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ احکام شرعیہ نافذ کرنے میں سختی برتی جائے جب وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو علامتہ المسلمین کی طرح ان لوگوں پر بھی احکام شرعیہ نافذ کیے جائیں اور تو انہیں اسلامیہ نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہ کی جائے۔ اگر کوئی کام ایسا کر جنہیں جس کی وجہ سے حد واجب ہوتی ہو تو اس کے نافذ کرنے میں مسامتہ نہ کی جائے۔ (راجع روح المعانی وسالم البقریل)

پھر فرمایا: وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ ۙ وَبِئْسَ الْبَصِيرَةُ ۝ (ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے) دنیا میں وہ ایمان سے بچ رہے ہیں اور آخرت میں اپنے کفر اور نفاق کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہو گئے۔ دوزخ کو معمولی چیز نہ سمجھیں، وہ برا ٹھکانہ ہے۔

يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا ۙ.....

منافقوں کی مکاری اور جھوٹی قسمیں:

آگے بڑھنے سے پہلے آیت: (يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا) کا سبب نزول جان لینا چاہئے۔ سبب نزول کے بارے میں مفسرین نے متعدد روایات لکھی ہیں۔ صاحب معالم البقریل (ص ۲۱۱ ج ۲) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص تمہارے پاس آنے والا ہے وہ تمہیں شیطانی آنکھوں سے دیکھے گا جب وہ آ جائے تو تم اس سے بات نہ کرنا۔ ذرا سی دیر بھی نہ گزری تھی کہ نبلی آنکھوں والا ایک شخص آ گیا اسے رسول اکرم ﷺ نے بلایا اور فرمایا تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا کہتے ہیں۔ وہ فوراً کیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر آیا، اور وہ سب لوگ قسم کھا گئے کہ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ اور دوسرا واقعہ یہ نقل کیا ہے کہ ایک دن تبرک میں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور منافقین کا تذکرہ فرمایا اور ان کو جس یعنی ناپاک بتایا اور ان کی برائیاں بیان کیں اس پر جلاس بن سوید نامی ایک شخص نے کہا کہ محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں اگر یہ سچ ہو تو ہم گدھوں سے بھی برتر ہیں۔ اس کی اس بات کو عامر بن قیس (صحابی رضی اللہ عنہ) نے سن لیا تھا۔ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو عامر بن قیس رضی اللہ عنہ نے آپ کو جلاس کی بات بتادی۔ جلاس نے کہا کہ یا رسول اللہ اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے۔ اس پر آپ نے حکم فرمایا کہ دونوں منبر کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھائیں۔ جلاس نے نماز عصر کے بعد منبر کے پاس قسم کھائی کہ میں نے نہیں کہا اور مجھ پر عامر نے تہمت باندھی ہے۔ اس کے بعد عامر کھڑے ہوئے اور انہوں نے قسم کھائی کہ اس نے ضرور کہا ہے میں نے اس پر جھوٹ نہیں باندھا پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ اے اللہ ہم دونوں میں جو سچا ہے اس کی سچائی کو ظاہر فرمانے کے لیے اپنے نبی ﷺ پر کوئی آیت نازل فرمائیے، اس

پر رسول اللہ ﷺ نے اور جو منافقین حاضر تھے سب نے آمین کہا ابھی مجلس سے متفرق ہونے نہ پائے تھے کہ آیت شریفہ نازل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا) کہ یہ لوگ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ یہ واقعی بات ہے کہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے (دل سے تو پہلے بھی کافر تھے ظاہر میں جو اسلام کا دعویٰ کیا تھا اس دعویٰ کا جھوٹ ہونا علی الاعلان ثابت ہو گیا)

اب هَمُّوا بِمَا لَمْ يَنُكِرُوا سے متعلقہ سبب نزول معلوم کیجئے اور وہ یہ ہے کہ منافقین میں سے بارہ آدمی تبوک کے راستہ میں ایک گھاٹی پر ٹھہر گئے۔ انہوں نے یہ مشورہ کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزریں گے تو اچانک رات کے اندھیرے میں آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیں گے۔ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے آپ کو ان کی نیتوں کا حال بتا دیا اور عرض کیا کہ ان لوگوں کے پاس کسی شخص کو بھیج دیں جو ان کا رخ دوسری طرف کو موڑ دے۔ آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے بھیج دیا۔ صاحب معالم المتزیل (ص ۲۳۱ ج ۲) نے بلا جمال یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے لیکن صاحب روح المعانی (ص ۱۳۹ ج ۱۰) نے بیہقی کی دلائل النبوة سے قدرے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور وہ یہ کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب آنحضرت سرور عالم ﷺ غزوة تبوک سے واپس ہو رہے تھے تو میں آپ کی اذن کی باگ پکڑے ہوئے آگے چل رہا تھا اور عمار پیچھے پیچھے جا رہے تھے یہاں تک کہ جب ایک گھاٹی آگئی تو وہاں بارہ آدمیوں کو پایا جو سواریوں پر سوار تھے اور انہوں نے راستہ روک رکھا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات بتادی آپ نے جو زور سے آواز دی تو وہ لوگ پیٹھ پھیر کر چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے پہچانا کہ یہ کون لوگ تھے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نہیں پہچان سکے۔ کیونکہ یہ لوگ چہروں پر کپڑے باندھے ہوئے تھے۔ البتہ ہم نے ان کی سواریوں کو پہچان لیا۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ منافق تھے جو قیامت تک منافق ہی رہیں گے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ ان کا کیا ارادہ تھا؟ ہم نے عرض کیا نہیں! فرمایا ان کا ارادہ یہ تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو گھاٹی میں نیچے گرا دیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ان کے قبیلوں کے پاس یہ حکم نہیں بھیجتے کہ ان میں سے ہر ایک کا سر کاٹ کر بھیج دیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات گوارا نہیں ہے کہ اہل عرب یوں باتیں کریں کہ محمد ﷺ نے ایک قوم کو ساتھ لے کر قتال کیا یہاں تک کہ جب اللہ نے آپ کو غلبہ دے دیا تو ان لوگوں کو قتل کرنے لگے جو جہادوں میں ساتھ تھے۔ منافقین کی نیووں اور حرکتوں کو ان الفاظ میں بیان فرمایا: هَمُّوا بِمَا لَمْ يَنُكِرُوا (انہوں نے اس چیز کا ارادہ کیا جس میں کامیاب نہ ہوئے)

منافقین نے احسان کا بدلہ برائی سے دیا:

وَمَا لَكُمْ أَلَّا أَنْ آخَذَهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ، کہ ان لوگوں نے جو حرکتیں کی ہیں ان کا کوئی سبب نہیں ہے ان کو کسی نے تکلیف نہیں دی اور نہ ان کے خلاف کسی نے منصوبہ بنایا اگر کوئی بات ہے تو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے انہیں فضل خداوندی سے مالا مال کر دیا پہلے تنگدست تھے فقیر تھے اسلام آیا تو اس کی برکتیں بھی ساتھ آئیں وہ برکتیں ان کو بھی شامل حال ہو گئیں۔ اللہ کے اس فضل و کرم کا انہوں نے یہ بدلہ دیا کہ داعی اسلام ﷺ کے خلاف منصوبہ بنایا۔ اسی ہی چال چلے۔ احسان کا بدلہ احسان سے دینے اور شکر گزار ہونے کی بجائے برے منصوبے بنانے میں مشغول ہو گئے۔ عام طور

سے تو اسلام کی برکات سب کو شامل نہیں لیکن بعض ایسی صورتیں بھی پیش آئیں کہ خاص خاص نامی شخص کو اس کے ایک لام کے مقتول ہوجانے پر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے بارہ ہزار درہم کی وصیت دلا دی تھی۔ یہ عالم التنزیل میں لکھا ہے اور روح المعانی بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت عروہ بن زینب سے نقل کیا ہے کہ جلاس کے امام قرظہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف سے ادا فرمادیا تھا۔

اس کے بعد فرمایا: **فَإِنْ يَتَوْبُوا بِكَ خَيْرًا لَهُمْ** (پس اگر یہ توبہ کر لیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہوگا)۔ عالم التنزیل میں ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو جلاس وہیں موجود تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر توبہ پیش فرمائی ہے میں اقرار کرتا ہوں کہ عامر بن قیس نے جو بیان کیا وہ سچ تھا واقعی میں نے یہ بات کہی تھی جو عامر نے میری طرف منسوب کی اور اب میں استغفار کرتا ہوں اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات مان لی اور صحیح معنی میں اس نے توبہ کر لی۔

مزید فرمایا: **وَإِنْ يَتَوَكَّلُوا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ** (اور اگر وہ توبہ سے اعراض کریں۔ ایمان خالص پر نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا)

وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ دُولٍ وَلَا أُلْيَوْمٍ (یعنی پوری دنیا میں کوئی ان کا حمایتی اور مددگار نہ ہوگا جو انہیں عذاب سے بچالے) آخرت میں تو ہر منافق اور ہر کافر کو جہنم کا عذاب ہے ہی منافقوں کو دنیا میں جس عذاب الیم کی وعید سنائی گئی اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ بارہا رسوائی ہونا۔ اور اہل ایمان کے دلوں میں ان کی وقعت نہ ہونا، سب کی نظروں سے گر جانا اور موت کے وقت عذاب میں مبتلا ہونا مراد ہے۔ چونکہ دنیا میں ان کو قتل نہیں کیا گیا اور ایمان کے ظاہری دعویٰ کی وجہ سے ان کے ساتھ مروّت کا معاملہ کیا جاتا رہا اس لیے مفسرین نے عذاب دنیوی کی مذکورہ بالا تفسیر کی ہے۔

الَّذِينَ يَكْمِزُونَ الْمُطَّيِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ....

منافقین کا مخلصین کے صدقات پر طعن و تمسخر کرنا:

منافقین کے دلوں میں چونکہ ایمان نہیں تھا اس لیے اہل ایمان کو طرح طرح سے تکلیف دیتے تھے ان تکلیفوں میں یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے اعمال اور احوال کو طعن اور طنز اور مسخرہ بازی کا نشانہ بناتے تھے۔ صحیح بخاری (ص ۶۷۲ ج ۲) میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب ہمیں صدقہ کرنے کا حکم ہوتا تھا تو ہم محنت مزدوری کر کے اپنی کمروں پر بوجھ اٹھا کر کچھ مال حاصل کرتے تھے (جس کو صدقہ میں پیش کر دیتے تھے)۔ اور تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایک موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے صدقہ دینے کی ترغیب دی تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار ہزار درہم پیش کر دیے اور عامر بن عدی نے سو دس کھجوریں حاضر کر دیں اس پر منافقین نے طنز کیا کہنے لگے اچی کچھ نہیں، یہ تو ریا کاری ہے، ایک صحابی حضرت ابو عقیل رضی اللہ عنہ بھی تھے وہ ایک صاع کھجور لے کر آئے اور صدقہ کے مال میں ڈال دیا۔ اس پر منافقین آپس میں ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ کو اس کے ایک صاع کی کیا ضرورت تھی؟ (چونکہ یہ صدقہ تھوڑا سا تھا اس لیے ان لوگوں نے ان کا مذاق بنایا) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابو عقیل نے خوب زیادہ محنت کر کے دو صاع کھجوریں حاصل کیں (ایک صاع ساڑھے سیر کا ہوتا ہے) ان میں سے ایک صاع گھردالوں کو دے دیا اور ایک صاع لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور پوری صورت حال عرض کر

دی، آپ نے فرمایا اس کو مال صدقہ میں ڈال دو۔ منافق ان کا مسخر کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اس مسکین کے صدقہ سے اللہ بے نیاز تھا (کیا ذرا سی چیز لے کر آیا) اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مسخر کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس مسخر پر سزا دے گا اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۷۵ ج ۲، ص ۲۷۶ ج ۲)

حضرت ابو قتیل جو محنت مشقت کر کے تھوڑی سی کھجوریں کسب کر کے لائے تھے اس کا خصوصی تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: وَ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ ۗ (جو لوگ اپنی محنت مشقت کے علاوہ کچھ بھی نہیں پاتے ان پر یہ لوگ طنز کرتے ہیں) اس میں صدقہ کرنے کے لیے محنت کرنے والوں کی تعریف ہے کہ وہ یہ سمجھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھتے کہ ہمیں پاس کچھ ہے ہی نہیں ہم کیا صدقہ کریں، محنت و مشقت سے کچھ مال حاصل کر کے اللہ کی رضامندی کے لیے پیش کر دیتے ہیں، معلوم ہوا کہ صدقہ کرنے کے لیے مالدار ہونا ضروری نہیں جس کے پاس کچھ بھی نہیں وہ بھی صدقہ کرنے کا راستہ نکال سکتا ہے اور جسے جانی و مالی عبادات کا ذوق ہو وہ بہت کچھ کر سکتا ہے۔ حضرات صحابہ نے بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے خیر کی کیسی کیسی نظیریں چھوڑی ہیں۔ منافقین چونکہ کافر ہیں (اگرچہ بظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں) اس لیے ان کے ساتھ آخرت میں کافروں والا ہی معاملہ ہوگا۔ یعنی دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان کی مغفرت کا کوئی راستہ نہیں اس کو واضح طور پر بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا: اِسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ ۗ اِنْ تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۗ اگر آپ ان کے لیے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تو اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہ فرمائے گا۔ کہانی سورۃ المنافقین: (سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ) یعنی آپ ان کے لیے استغفار کریں یا نہ کریں (یہ ان کے لیے برابر ہے) ذَلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ۗ (یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا) وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا)۔

(انوار البیان)

فِرْحَ الْمُخَلَّفُونَ عَنْ تَبُوكَ بِمَقْعَدِهِمْ بِمَقْعُدِهِمْ خِلفَ اَيْ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كِرِهًا اَنْ يَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا اَيُّ قَالٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لَا تَنْفِرُوْا الْاَتَّخِذُوْا اِلَى الْجِهَادِ فِي الْحَيِّ ۗ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًا ۗ مِنْ تَبُوكَ فَاَلَا وَلِيٌّ اَنْ تَنْفِرُوْا بِتَرْكِ التَّخَلْفِ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ ذٰلِكَ مَا تَخَلَّفُوْا فَلَیَضْحَكُوْا قَلِيْلًا فِي الدُّنْيَا وَ لَيَبْكُوْا فِي الْاٰخِرَةِ كَثِيْرًا ۗ جَزَاءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ خَبِرَ عَنْ خَالِهِمْ بِصِيغَةِ الْاَمْرِ فَاِنْ رَجَعَكَ رَدَكَ اللّٰهُ مِنْ تَبُوكَ اِلَى طَافِيَةِ مِنْهُمْ مِثْنُ تَخَلْفٍ بِالْمَدِيْنَةِ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ فَاَسْتَاذَلُوْكَ لِخُرُوْجِ مَعَكَ اِلَى غُرُوْةٍ اٰخَرَى قُلْ لَّهُمْ لَنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّ كَنْ تَقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ

فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَافِينَ ۝ الْمُتَخَلِّفِينَ عَنِ الْغُرُوبِ مِنَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَغَيْرِهِمْ وَلَمَّا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ابْنِ أَبِي نَزَلٍ وَلَا تَصِلَ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ ۖ لَدُنْ
 أَرْزِيقَ إِتْمَانِهِمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَسِقُونَ ۝ كَانُوا زُرُونَ وَلَا تُعْجِبُكَ أَمْوَالُهُمْ
 وَأَوْلَادُهُمْ ۖ لَا إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ تَاجِرٌ أَنْفُسَهُمْ وَهُمْ
 كَافِرُونَ ۝ وَإِذَا أَنْزَلْتَ سُورَةً أَيْ طَائِفَةً مِنَ الْقُرْآنِ أَنْ أَيْ بَانَ أَمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ
 اسْتَأْذَنَكَ أُولُوا الظُّلُمِ ذُو الْاِغْنَى مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَاعِدِينَ ۝ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ
 الْخَوَالِفِ جَمْعُ خَالِيفَةِ أَيْ النِّسَاءِ اللَّائِي تَخَلَّفْنَ فِي الْبَيْتِ وَطَبَعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۝
 الْخَيْرِ لَكِنَّ الرُّسُولَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ فِي
 الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَلِيدِينَ
 فِيهَا ۖ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

ترجمہ: قِرْحَ الْمُتَخَلِّفُونَ (غزوہ تبوک سے) پیچھے چھوڑ دئے گئے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اپنے
 پیٹھ رہنے پر خوش ہوئے۔ اور اپنے جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کو کمرہ سبھا اور (آپس میں بعض بعض سے) کہنے
 لگے کہ گرمی میں (جہاد کے لئے) نہ نکلواے نبی آپ کہہ دیجئے جہنم کی آگ اس سے کہیں زیادہ سخت گرم ہے (تبوک کی گرمی
 سے اس لئے مخالفت چھوڑ کر تار جہنم کی گرمی سے بچنا زیادہ بہتر ہے) کاش کہ یہ منافقین سمجھتے ہوتے (یعنی اس کو جان لیتے کہ جہنم
 کی گرمی کیسی ہے تو بیٹھے نہیں رہتے) تھوڑے دنوں (دنیا میں) اٹس لیں اور (آخرت میں) بہت دنوں (یعنی ہمیشہ روتے
 رہیں)۔ فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ (اے نبی تو اگر اللہ تعالیٰ آپ کو (سفر تبوک سے) واپس لائے ان میں سے کسی گروہ کی طرف (یعنی
 منافقین میں سے جو مدینہ میں رہ گئے تھے ان کی طرف) پھر یہ لوگ (کسی دوسرے غزوہ میں آپ کے ساتھ) نکلنے کی اجازت
 مانگیں تو آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ کبھی ہرگز نہیں نکلو گے اور میرے ساتھ ہو کر کبھی کسی دشمن سے نہیں لڑو گے۔
 تحقیق تم پہلی بار اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے پر خوش رہے (سواب دوسری بار بھی) پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو (یعنی جو
 لوگ غزوہ سے پیچھے رہنے والے ہیں یعنی عورتوں اور بچے وغیرہ جیسے پانچ) وَلَمَّا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى
 ابْنِ أَبِي نَزَلٍ (یہاں سے مفسر علامہ آئندہ آیت: وَلَا تَصِلَ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ كَمَا شَانَ نَزُولِ بَيَانِ كَرِهَ هِيَ جَسَ كِ
 تفصیل یہ ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی منافق مر گیا تو آپ اس کے مسلمان بیٹے کی خاطر اس کے جنازے کی نماز پڑھنے کے لئے
 تشریف لے گئے جس طرح آنحضرت ﷺ نے اس کی زندگی میں اس کے ساتھ مسلمان کا برتاؤ کیا اسی طرح اس کے مرنے

مقبول ہو جائے۔ جلد ۱۱۷

کے بعد بھی اس کے مسلمان بیٹے کے اصرار پر آپ نے اسکے ساتھ مسلمان کا برتاؤ کیا اور نماز جنازہ پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے، حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ منافق تھا آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَافِرُ الرَّحِيمُ**۔ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے یعنی ممانعت نہیں کی ہے میں ستر بار سے بھی زیادہ استغفار کروں گا اور جب آپ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی پر نماز پڑھی تو یہ آیت نازل ہوئی اور ان منافقوں میں سے کوئی مر جائے تو آپ ان میں سے کسی کی بھی جنازہ نہ پڑھئے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور حالت کفر ہی میں مرے ہیں۔ مسئلہ ۱۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کافر کے جنازہ کی نماز اور اس کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں۔ مسئلہ ۲۔ اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کافر کے اعزاز و اکرام کے لئے اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کیلئے جانا حرام ہے عبرت حاصل کرنے کے لیے ہو یا کسی مجبوری کے لئے تو وہ اس کے منافی نہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کسی مسلمان کا کافر رشتہ دار مر جائے اور اس کا کوئی ولی وارث نہیں تو مسلمان دار اس کو اسی طرح بغیر رعایت طریق مسنون کے گڑھے میں دبا سکتا ہے اور تعجب میں نہ ڈالیں آپ کو ان منافقین کے مال اور اولاد اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان جرمین کو ان کے مال و اولاد کے سبب دنیا میں عذاب دے اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔ **وَ اِذَا اَنْزَلْتُمْ سُورَةَ النَّازِعَاتِ** اور جب کوئی سورت (قرآن کا کوئی حصہ) نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو جو ان میں سے قدرت والے (دولت والے) ہیں وہ آپ سے اجازت مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ دیجئے تاکہ ہم رہ جائیں، گھر بیٹھے والوں کے ساتھ وہ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے، کہ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہیں (خوالف خالفة کی جمع ہے یعنی وہ عورتیں جو مردوں کے جانے کے بعد اپنے گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں) اور ان کے دلوں پر (کفر و نفاق) کی مہر لگادی گئی ہے جس سے وہ بھلائی (کو نہیں سمجھتے، لیکن رسول اللہ ﷺ اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ شامل ہو کر ایمان لائے ان لوگوں نے اپنے، لوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور یہی ہیں وہ لوگ جن کے لئے (دنیا اور آخرت میں) خوبیاں ہیں اور یہی لوگ نلاج پانے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان ہی باغوں میں رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔

کلمات تفسیر کی توضیح و تشریح

- قوله: **بِقَعْدِهِمْ**: مقعد کا لفظ مصدر میسی ہے ظرف نہیں اسی لئے اس کی تفسیر قعود مصدر سے کی گئی ہے۔
- قوله: **خَلْفَ اَيِّ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ**: یہ مقعد کا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ خلاف کا معنی بعد اور خلاف ہے۔
- قوله: **مَا تَخَلَّفُوا**: یہ لو مقدر کا جواب ہے۔ ما قبل جواب نہیں۔
- قوله: **خَيْرٌ عَنِ حَالِهِمْ**: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ضحک کا امر نہیں بلکہ ان کی حالت کی اطلاع ہے۔
- قوله: **اَوَّلَ مَرَّةٍ**: معرفہ متعدده کی طرف جو اسم مضاف ہو اس میں تذکیر و تانیث ہر دو درست ہے جیسے کہتے ہیں افضل

النساء وغیره۔

قوله: وَلَمَّا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: یعنی آپ نے نماز کا ارادہ فرمایا۔

قوله: لِيَدْفِنَ أَوْزِيَارَةَ: جناب رسول اللہ ﷺ جب کسی میت کو دفن کر لیتے تو اس کی قبر پر رک جاتے اور اس کے لئے دعا فرماتے تھے۔

قوله: طَائِفَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ: اس سے مراد ایک سورۃ ہو یا سورۃ کا کچھ حصہ۔ کیونکہ سورۃ کا اطلاق تمام سورت پر اور بعض پر اور قرآن کا اطلاق بعض یا تمام قرآن پر ہوتا رہتا ہے۔

قوله: فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ: خیرات یہاں مطلق بھلائی کے معنی میں ہے۔ یہاں حور کے معنی میں نہیں۔

تفسیر مقبولین

فَرِيحَ الْمُخْلَقُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خَلَفَ رَسُولُ اللَّهِ....

منافقین کا اس پر خوش ہونا کہ رسول اللہ کے ساتھ نہ گئے:

ان آیات میں بھی منافقین کی مذمت ہے جو غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے آپ تشریف لے گئے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہ گئے۔ ان کو پیچھے رہ جانے پر کوئی افسوس نہیں تھا بلکہ خوشیاں منا رہے تھے کہ اچھا ہوا ہم نہ گئے۔ انہوں نے آپ کے ہمراہ نہ جانے پر خوشی منائی اور انہیں یہ ناگوار ہوا کہ اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اپنے گھروں میں بیٹھے رہ جانے پر افسوس تو کیا ہوتا دوسروں کو بھی جانے سے روک رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ گرمی میں مت نکلو۔ ایسی سخت گرمی میں جانے کا موقعہ نہیں ہے۔ انہوں نے دنیا کی گرمی کا تو خیال کیا۔ دوزخ کی آگ کی گرمی سے بچنے کا ارادہ نہ کیا۔ حالانکہ وہ دنیا والی گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے اور اس سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کی جائے، دنیا کی گرمی تو قابل برداشت ہے۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کے لیے نکلے تھے کوئی پگھل تو نہیں گئے، تکلیف تو ہوئی مگر خیریت کے ساتھ واپس آگئے دوزخ کی آگ کی کس کو سہا رہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہاری یہ آگ (جو دنیا میں ہے) دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا جلانے کو (تو) یہی بہت ہے آپ نے فرمایا (اس کے باوجود) دنیا کی آگ کی بہ نسبت دوزخ کی آگ میں ۶۹ درجہ زیادہ گرمی بڑھادی گئی ہے۔ ہر درجہ کی گرمی اسی قدر ہے جتنی دنیا کی آگ کی گرمی ہے۔ (بخاری ص ۴۶۲ ج ۱) دنیا کی گرمی سے گھبرا کر فرانس اور اوجبات چھوڑنے والے اس پر غور کر لیں۔ ان لوگوں کا خود جانے کا ارادہ نہ تھا اور کونسی طور پر بھی ان کے بارے میں یہی فیصلہ تھا کہ یہ لوگ نہ جائیں جیسا کہ: (وَلَكِنَّ كَرَاةَ اللَّهِ أَنْ يَبْعَانَهُمْ فَيَنْبَطِلَهُمْ) میں فرمایا ہے اس لیے الْمُخْلَقُونَ فرمایا کہ یہ لوگ پیچھے ڈال دیے گئے۔

فَلَرَضًا حَكَمُوا قَلِيلًا وَ لَيْبَكُوا كَثِيرًا

یعنی یہ دنیا میں تھوڑا سا ہنس لیں اور آخرت میں زیادہ روئیں گے۔ یہاں تھوڑی سی خوشی ہے جس میں ہنسی بھی ہے اور دوسروں کا مذاق بنانا بھی ہے جس کو خوشی طبعی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن آخرت میں کافروں کی جو بد حالی ہوگی اس پر جو روئیں گے اس رونے کا تصور کریں تو یہاں کی ڈرا سی خوشی کو بھول جائیں۔ وہاں تو ان کا رونا ہی رونا ہے۔ حضرت عبداللہ بن قیس (یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ دوزخی اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسوؤں میں اگر کشتیاں چلائی جائیں تو جاری ہو جائیں (اور ان کے آنسو عام آنسو نہ ہوں گے بلکہ) وہ آنسوؤں کی جگہ خون سے روئیں گے۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک (ص ۶۰۰ ج ۱، وقال هذا حديث صحيح الاسناد وأقره الذهبي) (حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے اس حدیث کی سند صحیح ہے اور علامہ ذہبی نے بھی اسے یہی مقام دیا ہے)

جو لوگ دنیا میں اللہ کے خوف سے روتے ہیں ان کا یہ رونا رحمت اور نعمت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں (دوزخ کی) آگ نہ چھوئے گی ایک وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر سے روئی اور ایک وہ آنکھ جس نے فی سبیل اللہ (جہاد میں) چوکیداری کرتے ہوئے رات گزاری۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس چیز میں نجات ہے آپ نے فرمایا اپنی زبان کو قابو میں رکھنا کہ تجھے نقصان نہ پہنچادے اور تیرے گھر میں تیری گنجائش رہے۔ (یعنی بلا ضرورت گھر سے باہر نہ نکل کیونکہ باہر فتنے ہیں اور گناہوں کے کام ہیں اور اپنے گناہوں پر روتا رہے)۔ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

جو لوگ آخرت کے فکر مند نہیں ہیں وہ یہاں نہیں روتے انہیں وہاں رونا ہوگا۔ جَزَاءً لِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۰﴾ (ان کاموں کے بدلے جو یہ کیا کرتے تھے) یعنی ان کا یہ بہت زیادہ رونا کفر و نفاق اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے ہوگا۔

فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ

یعنی اگر اللہ آپ کو غزوة تبوک کے سفر سے ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائیں جو آپ کے واپس پہنچنے تک مدینہ میں موجود ہوں اور پھر آپ کو کسی دوسرے موقع پر جہاد کے لیے جانا ہو اور یہ لوگ ہمراہ چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ ان سے فرمادیں کہ تم کبھی بھی میرے ساتھ جہاد میں نہ چلو گے اور نہ میرے ہمراہ کسی دشمن سے لڑو گے۔ یعنی میں تمہیں ہرگز ساتھ نہ لے جاؤں گا۔ چونکہ تم نے پہلے بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا لہذا اب بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو پیچھے رہ جانے کے لائق ہیں (یعنی بوزے بچے اور عورتیں) تم انہیں میں رہو۔ وہ معذوری کی وجہ سے نہیں جاتے تو بغیر معذوری ہی کے ان کے ساتھ رہ جاؤ میں تمہیں ساتھ نہیں لیتا۔ قال صاحب الروح هو اخبار بمعنى النهي للمبالغة (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یہ خبر دینا ہے نکما کے معنی میں مبالغہ کی وجہ سے)۔

بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم جو ساتھ چلنے کی اجازت لے رہے ہو یہ اجازت لینا جھوٹا ہے اور دنیا سازی

کے طور پر ہے۔ جب جانے کا وقت ہوگا تو ہمراہ نہ چلو گے بلکہ بیٹھے ہی رہ جاؤ گے جیسا کہ تم پہلے بھی رہ گئے تھے۔ لہذا تم کو چھوڑ
 جانے والوں ہی میں اب بھی اپنے کو شمار کر لو جھوٹی اجازت لے کر اہل ایمان کو کیوں دھوکہ دے رہے ہو۔ فہو خیر بعینی
 الباری و هو المنبدر من لفظ التنزیل العزیز۔ (پس وہ خبر ہے اور خبر ہی کے معنی میں ہے اور قرآن کریم کے الفاظ سے بھی
 یہی واضح ہوتا ہے۔)

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَهْلِ قَبْرِهِمْ مَاتَ أَبَدًا....

مسائل فقہ کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان میں سے کسی کی قبر کھنڈے ہونے کی ممانعت:

صحیح بخاری (ص ۶۷۳، ص ۶۷۴ ج ۲) میں ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی (رئیس المنافقین) مر گیا تو اس کا بیٹا عبد اللہ بن
 عبد اللہ خدمت عالی میں حاضر ہوا (جو خالص مسلمان تھا) اور اس نے کہا کہ میرے باپ کی موت ہو گئی ہے آپ اپنا کرتہ عنایت
 فرمادیں جو اسے بطور کفن پہنا دیا جائے آپ نے اپنا کرتہ عنایت فرما دیا پھر عرض کیا کہ آپ نماز بھی پڑھائیں آپ نماز
 پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا کہ آپ اس کی نماز پڑھاتے ہیں حالانکہ وہ
 منافق ہے۔ آپ نے پھر بھی اس کی نماز پڑھادی اس پر آیت بالا (وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَهْلِ قَبْرِهِمْ مَاتَ أَبَدًا) نازل
 ہوئی۔ فتح الباری (ص ۳۳۶ ج ۸) میں ہے کہ آپ نے اس کے بعد کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، باقی
 رہی یہ بات کہ عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے میں کیا مصلحت تھی؟ اس کے بارے میں فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس کے
 بیٹے عبد اللہ کی خوشی کے لیے اور قبیلہ خزرج کی تالیف قلب کے لیے ایسا فرمایا۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ
 میرا کرتہ اسے کیا ناکدہ دے گا۔ میں نے تو یہ عمل اس لیے کیا ہے کہ اس کی قوم کے ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں اور روح المعانی
 (ص ۱۵۴ ج ۱۰) میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ میرے اس عمل سے قبیلہ خزرج کے ایک ہزار سے زیادہ
 افراد مسلمان ہو جائیں گے، پھر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امید پوری کی اور ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ عبد اللہ بن ابی
 کو جو آپ نے اپنا کرتہ عطا فرمایا تھا اس کی وجہ تفسیر حدیث کی کتابوں میں یہ لکھی ہے کہ آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کو جب بدر
 کے قیدیوں میں لایا گیا تھا تو اس وقت ان کے بدن پر کپڑا نہ تھا۔ قد آور بھاری ہونے کی وجہ سے کسی کا کپڑا ان کے جسم پر نہیں
 آتا تھا۔ اس وقت عبد اللہ بن ابی نے اپنا کرتہ پہنا دیا تھا۔ لہذا آپ نے اس کی مکافات کے لیے اپنا کرتہ کفن میں شامل کرنے
 کے لیے عنایت فرمادیا۔ (روح المعانی ص ۱۵۴ ج ۱۰)

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ بِأَدْغَامِ النَّارِ فِي الْأَصْلِ فِي الدَّالِ أَيِ الْمُعْتَذِرُونَ بِمَعْنَى الْمُعَذِّرِينَ وَفَرِيءٌ بِهِ مِنَ
 الْأَعْرَابِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ فِي الْمُعُودِ لِعُدْرِهِمْ فَأَذِنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَ
 رَسُولَهُ فَبِإِذْعَانِ الْإِيمَانِ مِنْ مُتَافِقِي الْأَعْرَابِ عَنِ الْمُعْجِبِ لِلْإِعْتِذَارِ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ
 عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ كَيْسَ عَلَى الضَّعْفَاءِ كَالشُّبُوحِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى كَالْعَمَى وَالزَّمَلَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا

يُجَادُونَ مَا يُنْفِقُونَ فِي الْجِهَادِ حَتَّىٰ يَمُوتُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَإِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ لَبَّيْ خَالٍ نَعُودُ
 بِهِ نَعْدَمُ الْأَرْجَاءِ وَالْتِطِيطِ وَالطَّاعَةِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ بِذَلِكَ مِنْ سَبِيلٍ طَرِيقٍ بِأَمْرٍ آخِذَةٌ وَنَهْيٌ
 غَفُورٌ لَهُمْ رَجِيمٌ ۝ بِهِمْ فِي التَّوَشُّعِ فِي ذَلِكَ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ مَعْتَرِي
 نَزَرُوا لَهُمْ سُبُعًا مِنَ الْأَنْصَارِ وَقِيلَ بِتَوْمُؤْمَرِينَ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْبَبْتُ عَلَيْهِ خَالَ تَوَلَّوْا أَنْصَابًا إِذَا
 أَيْ أَنْصَرْنَا وَأَعَيْنَهُمْ تَفِيضٌ نَسِيلٌ مِنَ اللَّيْتَانِ الدَّمْعِ حَزْنًا لِأَجْلِ الْإِلَاحِ وَلَا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ۝ فِي
 الْجِهَادِ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ فِي التَّخَلُّفِ وَكَمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ
 الْخَوَالِفِ وَطَمَحَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ تَقَدَّمَ بِشَيْءٍ

ترجمہ: اصل میں میں ہاں کو ذوال میں ادغام کر کے یعنی معتذرون معنی میں معذورین کے ہے اور ایک قرأت میں معتذرون بھی آیا ہے اور آئے دیہاتیوں میں سے عذر کرنے والے آپ ﷺ کے پاس تاکہ ان کو (جہاد سے) بچھڑے رہنے کی یعنی ان کے عذر کی وجہ سے گھر بیٹھے رہنے کی اجازت مل جائے چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے انہیں اجازت دے دی (اجازت مل جائے اور) ان دیہاتیوں میں سے (جنہوں نے خدا سے اور اس کے رسول سے (دعویٰ ایمان میں) بائیں ہی جھوٹ پر اتفاقاً معذرت کے لئے بھی آنے سے بالکل ہی بیٹھ رہے ان میں جو کافر رہیں گے ان کو دردناک عذاب پہنچے گا۔ لیس عَلَى الضَّعْفَاءِ وَلَا عَلَى السَّرْعَىٰ اِخ اور ان لوگوں کا ذکر تھا جو حقیقت میں معذور نہیں تھے مگر باوجود قدرت کے غنہ کی وجہ سے جہاد میں جانا نہیں چاہتے اور جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں ایسے لوگوں کا عذر عند اللہ مقبول نہیں۔ اب ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں جو درحقیقت معذور ہیں اور ضعیف بوزھے اور بیمار کمزور ہیں اور ان کے عذر واقعی ہیں ایسے لوگوں کے عذر اللہ کے نزدیک مقبول ہیں چنانچہ ارشاد ہے: لیس عَلَى الضَّعْفَاءِ اِخ ضعیفوں (جیسے بوزھے لوگ) پر گناہ نہیں اور نہ یہ پر (جیسے اذخا پانچ وغیرہ) اور نہ ان لوگوں پر جن کو (سامان جہاد کی تیاری میں) خرچ کرنے کو میسر نہیں (ایسے لوگوں پر جہاد سے بچھڑو جانے میں کوئی گناہ نہیں) جب کہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خلوص رکھیں (یعنی اپنے گھر بیٹھ رہنے میں غنہ پر دبی اور شرکت جہاد سے لوگوں کو باز کھنے میں نہ لگے اور اطاعت میں لگے رہیں) ایسے نیکو کاروں پر کوئی الزام یعنی مواخذہ نہیں (اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بخشے والا ہے اور بڑا مہربان ہے) ان کے ساتھ کہ اس میں ان کو آسانی پہنچادی) وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جب وہ آپ کے پاس آئیں (اس غرض سے) کہ آپ ان کو ساری دیں (تاکہ وہ آپ کے ساتھ غزوہ میں شریک ہو جائیں اور وہ سارے انصاری تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بنو نضیر تھے) تو آپ نے ان کو جواب دیا کہ میں اپنے پاس کوئی سواری نہیں پاتا ہوں جس پر تم کو سوار کر دوں (یہ جملہ حال ہے اور تو لو اذاکا جو ب ہے)۔ تَوَلَّوْا وَأَعَيْنَهُمْ تَفِيضٌ تو وہ داہیں ہوتے ہیں اس حال میں ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے

اس غم میں کہ (تَسْبِيلٌ مِّنَ اللَّيْبَانِ الذَّمِّعِ مِثْلُ مَن بَيَانِيهِ هُوَ) وہ (جہاد میں) خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے۔ اِنَّمَا التَّسْبِيلُ عَلَى الَّذِينَ رِغْزَايَسِ نِسْتِ كِه اِلْزَامِ صِرْفِ اِن لُوْغُوْلٍ پَر هُوَ جُوْآپ سَه جِهَادِ مِثْلِ نَه جَانَه كِي اِجَازَتِ مَانْجَتِه هِيْنَ اَحَالَا نَكِه وَوَه تَمْنَدِ هِيْنَ اَنهِيْوْلٍ نَه اِس بَا ت كُو پَسْنَدِ كِيَا كِه خَانَه نَشِيْنِ عُوْرَتُوْلٍ كِه سَا تَهْ كِهْرِ مِثْلِ بِيْطِه رِهِيْنَ اُوْر اَللّٰه نَه اِن لُوْغُوْلٍ پَر مِهْر كَرْدِي هُوَ پَس وَوَه نِيْسِ جَانَتِه هِيْنَ (اِس طَرَحِ كِي آيْتِ پَهْلِه بِيْجِيْ كَزْر چَكِي هُوَ)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: يَا ذِغَامِ النَّاءِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ باب افتعال سے ہے یہ حقیقی معذور لوگ تھے۔
 قوله: قَعَدَ الَّذِينَ: یہ منافقین ہیں جو ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ناراض کر لیا۔
 قوله: بِعَدَمِ الْاِرْجَافِ: اس کا تعلق تنصیح سے ہے۔
 قوله: لِاَجَلٍ: اس کا تعلق حَزَنًا سے ہے اس میں اشارہ کر دیا کہ یہ لام اجلیہ مقدر ہے کیونکہ ان اپنے مدخول سمیت مفرد ہے اس کا تعلق سابقہ حروف جر سے ضروری ہے۔

تفسیر مقبولین

وَجَاءَ الْمُعَذَّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ.....

(رہط): اوپر کی آیتوں میں شہر مدینہ کے منافقوں کے احوال بیان کیے اب اس آیت میں منافقین اور ان کے اعذار کا ذبہ کا حال بیان ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور آئے جنگ جوک کی روانگی کی وقت دیہاتیوں میں سے عذر کرنے والے جنہوں نے قلت مال اور کثرت عیال کا ذکر کیا تا کہ ان کو جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ معذروں کی اصل معذروں ہے جو اعذار سے مشتق ہے اور اعذار کا استعمال عذر کا ذب اور عذر صادق دونوں میں صحیح ہے اس بناء پر مفسرین میں اختلاف ہے کہ آیا یہ عذر کرنیوالے دیہاتی اپنے عذر میں سچے تھے یا جھوٹے تھے بعض کہتے ہیں کہ سچے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ جھوٹے تھے بہر حال انکا عذر سچا ہو یا جھوٹا مطلب یہ ہے کہ ان دیہاتیوں نے جہاد میں جانے سے عذر کیا اور آں حضرت ﷺ سے پیچھے رہنے کی اجازت مانگی اور ان دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جو عذر کرنے بھی نہ آئے اور انہوں نے اسلام کا جھوٹا دعویٰ کر کے خدا اور رسول سے جھوٹ بولا تھا۔ یہ بلا اجازت مانگے ہی اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور بالکل ہی چھپ کر گھروں میں بیٹھے رہے اور عذر کرنے کے لیے بھی آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے ان میں سے جو آخر تک کفر پر قائم رہے ان کو آخرت میں دردناک عذاب پہنچے گا اور جو توبہ کر لیں گے وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ تو ایسے تھے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے پیچھے رہنے کی اجازت مانگی

آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی اور بعض تو اس قدر بے باک نکلے کہ اپنے گھروں ہی میں بیٹھ رہے اور خدا کرنے میں نہ آئے اور ظاہر داری کا بھی خیال نہ کیا۔

لَيْسَ عَلَى الضَّعَفَاءِ ...

مؤمنین صاداتین کے اعذار صاف کا ذکر

(ابطال): اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جو حقیقت میں معذور نہیں تھے مگر باوجود قدرت کے نفاق کی وجہ سے جہاد میں جاتا نہیں چاہتے اور جھوٹے جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں۔ ایسوں کے عذر خدا تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔ اب ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں جو درحقیقت معذور ہیں اور ضعیف اور بوڑھے اور بیمار اور ناتواں ہیں اور ان کے مذہبے اور ذاتی ہیں ایسے لوگوں کے عذر اللہ سے نزدیک مقبول ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

جہاد سے پیچھے رہ جانے میں ناتواؤں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر بہن سے پاس خرچ نہیں کہ جس سے سامان جہاد مہیا کر سکیں ایسے لوگ اگر جہاد میں نہ جائیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں اور ہر کی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے جھوٹے عذر کے جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی مذمت فرمائی تھی۔ اب اس آیت میں راقی اہل عذر کا بیان فرمایا کہ وہ جہاد کی شرکت سے مستثنیٰ ہیں وہ یہ تھا۔

① کمزور اور ناتواں یعنی بوڑھے اور بچے اور عورتیں اور نحیف اور لاغر لوگ جو جہاد کی مشقت کو برداشت نہیں کر سکتے۔

② مریض بیمار اور معذور اس میں اندھے اور لولے اور لنگڑے بھی داخل ہیں۔

③ غریب و نادار جن کے پاس نہ سواری ہے نہ ہتھیار اور نہ اس قدر روپیہ ہے جس سے جہاد کا سامان مہیا کر سکیں ایسے لوگوں پر جہاد سے پیچھے رہ جانے میں کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ یہ لوگ دل و جان سے اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ اور مخلص ہوں معذوری کی وجہ سے اگر جہاد میں شرکت نہ کر سکیں تو مجاہدین کے اہل و عیال کی حفاظت کریں ایسے نیکوں پر الزام کی کوئی راہ نہیں۔ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا جو خیر خواہ ہو اور معذوری کی وجہ سے کوئی خدمت انجام نہ دے سکے اس پر کوئی لامت اور عتاب نہیں اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی اگر نیکوں سے ہدایت کوئی لغزش ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔

اور جہاد سے پیچھے رہ جانے میں ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ اور الزام نہیں کہ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئے۔ اور آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ان کو سواری دیں تو آپ نے ان کو یہ جواب دیا کہ میں اپنے پاس سواری نہیں پاتا جس پر تم کو سوار کروں تو وہ اس وقت نہایت افسردگی کی حالت میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس غم میں کہ وہ جہاد میں خرچ کرنے کو اپنے پاس کچھ نہیں پاتے۔ اس قسم کے لوگ اگر جہاد میں نہ جاسکیں تو ان پر کوئی عتاب اور ملامت نہیں۔ یہ سات آدمی تھے۔ جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے کہ جب آپ ﷺ غزوہ تبوک کی تیاری کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے لیے بھی سواری کا کچھ انتظام کر دیجئے تاکہ ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد میں چلیں آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں جس پر تم کو سوار کروں اس پر وہ غم کے مارے روتے

ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہوئے یہ سات آدمی تھے جو اس رونے کی وجہ سے بکائین کے نام سے مشہور ہیں ان کے اسما گرامی

- یہ ہیں۔
- 1- سالم بن عمیر۔ 2- علیہ بن زید۔ 3- ابویعلیٰ عبدالرحمن بن کعب۔ 4- عمرو بن حمام بن جموح۔ 5- عبداللہ بن معقل۔ 6-
 - عرباض بن ساریہ۔ 7- ہری بن عبداللہ مزنی۔ رضی اللہ عنہم۔ یہ ساتوں آدمی جو روتے ہوئے واپس ہوئے انصار میں سے تھے
- (روح المعانی)

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ.....

(اور ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس آئے کہ آپ انہیں سواری دے دیں ان کے جواب میں آپ نے فرما دیا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کرادوں)۔ البدایہ والنہایہ (ص ۵ ج ۵) میں لکھا ہے کہ سات افراد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواری طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک سالم بن عمیر، دوسرے علیہ بن زید، تیسرے ابویعلیٰ عبدالرحمن بن کعب جو تھے عمرو بن الحمام، پانچویں عبداللہ بن معلق چھٹے حری بن عبداللہ اور ساتویں عرباض بن ساریہ بنی نضیر تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اپنے دل سے پوری طرح تیار ہیں آپ کے ساتھ سفر میں جانا چاہتے ہیں لیکن سواری نہ ہونے سے مجبور ہیں آپ ہمیں سواری عنایت فرمادیں: قُلْتُ لَا أَجِدُ مَا أَحْبَبْتُكُمْ عَلَيْهِ ۗ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی سامان نہیں تاکہ تمہارے لیے سواری کا انتظام کر دوں۔

تَوَلَّوْا وَاعْيَبْتُهُمْ تَفِيضًا مِّنَ الدَّفْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ﴿۱۰﴾ (وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے اس وجہ سے آنسو بہ رہے تھے کہ وہ خرچ کرنے کے لیے نہیں پاتے) اول تو یہ حضرات معذور تھے واقعی معذوری ہی جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لیے کافی تھی۔ پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ اور واقعی عذر کو بھی عذر نہ سمجھا۔ اور انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے جائیں اور خود پیچھے رہ جائیں۔ وہ خدمت عالی میں حاضر ہوئے کہ ہمارے لیے سواری کا انتظام فرمادیں۔ جب آپ نے فرما دیا کہ میرے پاس کوئی انتظام نہیں ہے تو اس پر بھی بس نہ کیا اور اپنے دلوں میں یوں نہ کہا کہ اب تو ہم نے اپنی آخری کوشش کر لی اب جہاد میں نہ گئے تو کیا خرچ ہے؟ وہ اپنی معذوری والی مجبوری پر رنجیدہ ہو رہے تھے۔ اور رنج بھی معمولی نہیں۔ ان کے چہروں پر آنسوؤں کی لڑی تھی اور وہ اس رنج میں کھلے جا رہے تھے کہ ہائے ہمارے پاس انتظام نہیں ہے انتظام ہوتا تو ہم ضرور ساتھ جاتے۔ اس موقع پر جہاں وہ لوگ موجود تھے جو جھوٹے عذر بنا بنا کر پیچھے ہٹ رہے تھے، ان میں وہ حضرات بھی تھے جو عذر ہوتے ہوئے بھی جہاد کی شرکت کے لیے تڑپ رہے تھے۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے امت کے لیے کیسی کیسی قابل اقتداء روایات چھوڑی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے بعض حضرات کے لیے سواری کا انتظام فرما دیا۔ اور بعض حضرات کے لیے انتظام کی صورت یہ ہوئی کہ ابویعلیٰ عبدالرحمن بن کعب اور عبداللہ بن مغفل بنی نضیر کی راستہ میں یامین بن عمیر نظری بنی نضیر سے ملاقات ہو گئی۔ یہ دونوں روتے ہوئے جا رہے تھے۔ یامین نے دریافت کیا تم کیوں رو رہے ہو۔ انہوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں تاکہ آپ کے ساتھ سفر میں جائیں۔ آپ ہمارے لیے سواری

مقبلاً میں جہاد کا انتظام فرمادیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس بھی سواری نہیں تھی جو منانیت لڑا دیتے دار اور اتالیقی سے نہ کہ شرکت جہاد سے رہے جا رہے تھے۔ اس پر یامین نے اپنی ایک اونٹنی پیش کر دی اور اپنے پاس سے ہلور توشہ سمجوریں بھی دے دیں اور عمار بن زید کے ساتھ یہ ہوا کہ وہ رات کو نماز پڑھتے رہتے اور روتے رہتے اور یوں دعا کی کہ اسے اللہ آپ نے جہاد کا علم فرمایا اور اس میں شریک ہونے کی ترغیب دی پھر مجھے مال نہیں دیا جس سے میں جہاد کی شرکت کے لیے ثروت حاصل کر لیتا اور نہ آپ نے اپنے رسول کو (اس وقت) مال عطا فرمایا تاکہ میرے لیے سواری کا انتظام فرمادیتے۔ اب میں جہاد سے غمروں کے بدلہ لٹاؤں کرتا ہوں کہ جس کسی مسلمان سے مجھے کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا کسی کا مجھ پر کوئی مالی حق ہے میں اسے معاف کرتا ہوں۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سوال فرمایا کہ اس رات کس نے صدقہ دیا۔ کسی نے بھی جواب نہ دیا، آپ نے فرمایا آج رات جس نے صدقہ دیا وہ کھڑا ہو جائے اس پر عمار بن زید کھڑے ہوئے اور اپنا حال بیان کیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارے لیے قبولِ زکوٰۃ کا ثواب لکھا گیا۔

غزوہ تبوک کی تیاری کے لیے حضرت ابوسوسی اشجری کے قبیلہ کے چند افراد نے بھی حضرت ابوموسیٰ کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں درخواست پیش کی تھی کہ ہمارے لیے سواری کا انتظام کیا جائے اس وقت آپ نے ان کے لیے چھ اونٹوں کا انتظام فرمایا۔ (ایضاً ص ۶۷)

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ....

یعنی الزام انہیں لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے آپ سے اجازت لیتے ہیں زکوٰۃ ادا نہ کرنا منع الخواتم یہ لوگ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اپنی مالی استطاعت کی وجہ سے غزوہ میں جا سکتے ہیں اور ان کو ضعف اور مرض بھی نہیں ہے پھر بھی نہیں جاتے اپنے آپ کو عورتوں کے زمرہ میں شمار کر لیا نہ وہ گنہگار اور نہ یہ نوبت جاننے پر راضی ہوئے۔ وَ طَلَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی لہذا وہ نہیں جانتے کہ دنیاوی تکلیف اٹھا کر آخرت کے بہت بڑے ثواب اور بلند درجات کا مستحق ہونا بہت بڑی کامیابی ہے۔

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ فِي التَّخَلُّفِ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ مِنْ الْعَزْوِ قُلْ لَهُمْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ
 نُصَدِّقُكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ أَيُّ أَخْبَرْنَا بِأَخْوَالِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ
 تَرَدُّونَ بِالْبُعْثِ إِلَى عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَيُّ اللَّهِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ فَيَجَازِيكُمْ عَلَيْهِ
 سَيِّئَاتِكُمْ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ مِنْ تَبْوَكِ أَنْتُمْ مَعْدُورُونَ فِي التَّخَلُّفِ لِتَعْرِضُوا
 عَنْهُمْ ۝ بِتَرْكِ الْمُعَاتَبَةِ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۝ إِنَّهُمْ رَجَسٌ قَدَّرَ لِحُبِّ بَاطِنِهِمْ وَ مَا وَهُمْ جَهَنَّمَ
 جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ يَخْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۝ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَى عَنِ
 الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝ أَيُّ عَنْهُمْ وَلَا يَنْفَعُ رِضَاكُمْ مَعَ سَخَطِ اللَّهِ الْأَعْرَابُ أَهْلُ الْبَدْوِ أَشَدُّ كُفْرًا وَ
 نِفَاقًا مِنْ أَهْلِ الْمَدِينِ لِحِفَايَتِهِمْ وَ غِلْظِ طَبَاعَتِهِمْ وَ بَعْدِهِمْ عَنْ سِمَاعِ الْقُرْآنِ وَ أَجْدَادِ أَوْلَى أَنْ أَيُّ بَانَ
 الْأَمِنْ الْأَحْكَامِ وَالشَّرَائِعِ يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ ۝ بِخَلْقِهِ وَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ فِي طَبَعِهِ
 بِهِمْ حَكِيمٌ ۝ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ مِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ غَرَامَةً وَ تَحْسُرُ أَنَا لَئِنْ لَا يَرَوْا جُزْأَتَهُ
 بَلْ يَنْفِقُهُ خَوْفًا وَ هُمْ يَتَوَّسَدُونَ وَ غِطْفَانٌ مَعْرَمًا يَنْتَظِرُونَ وَ يَتَرَبَّصُّونَ دَوَائِرَ الزَّمَانِ أَنْ يَنْقَلِبَ عَلَيْكُمْ
 فَتَخْلُصَ بِكُمْ الدَّوَابُّ ۝ بِالضَّمِّ وَ الْفَتْحِ أَيُّ يَلْزَمُ الْعَذَابَ وَ الْهَلَاكَ عَلَيْهِمْ لَا عَلَيْكُمْ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ
 السُّوءِ ۝ لِأَقْوَالِ عِبَادِهِ وَ اللَّهُ سَمِيعٌ بِالْعَالِمِينَ عَلَيْهِمْ ۝ كَجَهَنَّمَ وَ مَرْيَمَةَ وَ مِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ
 بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فِي سَبِيلِهِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ نَفَرًا قَرِيبًا وَ سَبِيلًا إِلَى عِنْدِ اللَّهِ وَ دَعَاؤَاتِ صَلَوَاتٍ
 لَهُمُ الرَّسُولُ ۝ أَيُّ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا إِيَّاهُ بِصَمِّ التَّرَاوُحِ وَ سُكْرِنَهَا قَرِيبَةً عِنْدَهُ لَهُمْ ۝ جَنَّتِهِ سَيِّدًا خَلَمَهُ اللَّهُ فِي
 رَحْمَتِهِ ۝ لِأَهْلِ طَاعَتِهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ بِهِمْ

ترجمہ: وہ تمہارے پاس معذرت کرنے آئیں گے (جہاد میں پیچھے رہ جانے کے سلسلے میں) جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے (جہاد سے) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ "معذرت کی باتیں نہ بناؤ" اب ہم تم پر یقین کرنے والے نہیں ہیں (تمہیں سچا نہیں سمجھیں گے) اللہ نے ہم کو تمہارے حالات سے باخبر کر دیا ہے (تمہارے حالات کی خبر دے دی ہے) اور آئندہ بھی اللہ اور اس کا رسول تمہارے کام کو دیکھ لیں گے اور پھر (قیامت میں) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو چھپی ہوئی اور ظاہر ہر طرح کی باتوں سے واقف کار ہے یعنی (اللہ) ہمیں وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو (لہذا وہ اس پر تم کو

بدلہ بھی دے گا) جب تم لوٹ کے ان سے ملو گے (تبوک سے واپس ہونے پر جہاد میں شریک نہ ہونے کا عذر کرتے ہوئے) تو یہ تمہارے سامنے بالیقین اللہ کی قسم کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو (ملامت نہ کر کے) سو چاہئے کہ تم ان سے درگزر ہی کر لو یہ ناپاک ہیں (باطنی خباثت کی وجہ سے یہ لوگ گندے ہیں) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اس چیز کے بدلہ کے طور پر جو وہ کھاتے رہے ہیں یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ لہذا اگر تم راضی بھی ہو گئے تو اللہ ایسے بدلے لوگوں سے راضی ہونے والے نہیں ہیں (اور اللہ کی ناراضگی کے ہوتے ہوئے تمہارا راضی ہونا نفع بخش نہ ہو سکے گا) دیہاتی (دیہات کے باشندے) کفر و نفاق میں سب سے زیادہ سخت ہیں (شہریوں کے مقابلے میں اپنے اکھڑنے اور قرآن سننے سے دور رہنے کی وجہ سے) اور اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اللہ نے اپنے پیغمبر پر جو احکام نازل کیے ہیں ان سے نا آشنا ہیں (یعنی احکام اور شریعت کی باتیں) اور اللہ تعالیٰ بہت زیادہ جاننے والے ہیں (اپنی مخلوق کو) اور (ان کے ساتھ کارروائی کرنے میں) بڑی حکمت رکھنے والے ہیں اور ان دیہاتیوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو خرچ کرتے ہیں (اللہ کے راستے میں) اسے جرمانہ سمجھ کر (تاوان اور ڈنڈ سمجھتے ہیں کیونکہ اس کے ثواب کی امید نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں ڈاکر کرتے ہیں اور وہ قبیلہ بنو اسد و بنو غطفان کے لوگ ہیں) اور آس لگائے بیٹھے ہیں (انتظار میں ہیں) کہ تم پر کوئی گردش آئے زمانہ کا کوئی چکر ایسا آئے کہ جو تمہارے خلاف ہو جائے اور انہیں کسی طرح نجات مل جائے (حقیقت یہ ہے کہ بری گردش کے دن انہیں پر آنے والے ہیں) لفظ سوء ضمہ اور فتح کے ساتھ ہے یعنی تباہی اور عذاب کی گردش کا رخ خود ان کے خلاف ہو گا نہ کہ تمہارے) اور اللہ اپنے بندوں کی سب باتیں سنتا ہے اور ان کے کاموں سے (پوری طرح باخبر ہے اور دیہات کے دہنے والوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں (جیسے قبیلہ جمہیہ اور مزنیہ کے لوگ) اور (راہ خدا میں) جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس سے اللہ کی قربت اور رسول کی دعاؤں کا وسیلہ سمجھتے ہیں تو سن رکھو کہ یہ (خرچ کرنا) بے شک ان کے لیے قرب ہی کا باعث ہے لفظ "قربة" راہ کے سکون کے ساتھ ہے ان کے لیے (اللہ کے نزدیک) اللہ انہیں اپنی رحمت (جنت) کے دروازہ میں داخل کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ (فرمانبرداروں کی) بڑی بخشش کرنے والے ہیں اور (ان پر) بڑا رحم کرنے والے ہیں۔

کلمات تفسیر کے توضیح و تشریح

قوله: يَا خَوَالِكُمْ: یہاں اخبار حالات کے معنی میں ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ تھے۔
 قوله: اللَّهُ: اس سے اشارہ دیا کہ بظاہر یہاں عالم الغیب کی بجائے عَلَيَّہِ ضَمِيرٌ كَانِي تھی مگر وصف لا کر بتلایا کہ وہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔
 قوله: لِيَتَرْضَوْا عَنْهُمْ: اور ان پر عتاب نہ کر کے ان پر خوش ہو جاؤ۔ اگر تم راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہ ہو گا۔

قوله: عَنَّهُمْ: یہاں ضمیر کی جگہ ظاہر لائے۔ تاکہ اس بات کی صراحت ہو کہ وہ فاسق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے راضی نہ ہونے کی وجہ بھی معلوم ہو جائے۔

قوله: فَإِنْ: ان مصدر یہ ہے تفسیر یہ نہیں کیونکہ اس کی شرط نہیں اور باکو ماقبل سے ربط کے لیے مقدر مانا۔

قوله: غَرَامَةً: اس سے اشارہ کیا کہ مغرما مصدر مسمیٰ ہے، ظرف نہیں

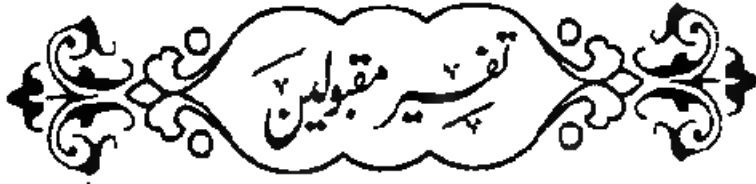
قوله: دَوَائِرِ الزَّمَانِ: حوادث دہر پر بولا جاتا ہے۔

قوله: كَأَيِّرِ كَالسَّوْرِ: دائرۃ کی نسبت سوء کی طرف اس میں اظہار مبالغہ کے لیے ہے۔

قوله: تَقَرَّبُ: اس سے اشارہ کیا کہ قربات مصدر ہے جمع نہیں کیونکہ یہ متحد کا دوسرا مفعول ہے جبکہ پہلا ماضی ہے۔ مفرد ہے اس کا معنی سبب قربت ہے۔

قوله: وَبَسِيلَةٍ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ جو وہ خرچ کرتا ہے وہ نہ عینِ دعا ہے اور نہ عینِ قرب ہے۔

قوله: جَنَّتِهِ: ان کے احوال کا ذکر کر کے کُل مراد لیا اور یہ مجاز ہے۔



يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۗ

ربط: او پر ان منافقین کا ذکر تھا جنہوں نے غزوہ تبوک کی روانگی کے وقت طرح طرح کے عذر اور حیلے بہانے تراشے تھے اب ان آیات میں ان منافقین کے متعلق خبر دی جاتی ہے جو اس غزوہ سے واپس آنے کے بعد تمہارے پاس آ کر اپنے نہ جانے کے عذر بیان کریں گے۔ یہ آیتیں غزوہ تبوک کی واپسی سے پہلے نازل ہوئیں جن میں یہ خبر دے دی گئی کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی واپسی کے بعد آپ ﷺ کے پاس آ کر آپ کے ساتھ نہ جانے کے عذر بیان کریں گے اور قسمیں کھائیں گے مگر اے نبی آپ ان سے صاف کہہ دیجئے کہ اب کوئی عذر نہ کرو۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری اندرونی کیفیت سے بخوبی آگاہ کر دیا ہے ہم تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کریں گے اور نہ تمہاری کوئی بات سنیں گے اور اگر تم اپنے سچے ہونے پر اصرار کرتے ہو تو خیر اب اس قصہ کو چھوڑو آئندہ تمہارا طرز عمل دیکھا جائے گا کہ کیا کرتے ہو ظاہر کے مطابق تم سے معاملہ کیا جائے گا اور باطن کا حال عالم الغیب و الشہادۃ کے حوالہ کیا جائے گا ان آیات میں حق تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسليم اور اہل ایمان کو حکم دیا کہ تم ان کا عذر قبول نہ کرنا اور نہ ان کے حلف کو سچا سمجھنا بلکہ ان کو گندہ اور ناپاک سمجھ کر اعراض کرنا اور منہ پھیر لینا یہ لوگ غیبت اور گندے اور ناپاک باطن ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے یہ لوگ قابل التفت نہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے مسلمانوں کو ان کے جھوٹ کی خبر دے دی تاکہ وقت پر خوب فصیحت اور رسوا ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہ نادان منافق تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے۔ جب تم غزوہ تبوک سے ان کی طرف مدینہ واپس آؤ گے۔ اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ تم حیلے بہانے نہ بناؤ ہم ہرگز تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری باتوں اور حالات سے ہم کو خبر دے

دی ہے اور آئندہ اللہ اور اس کا رسول تمہارے کاموں کو دیکھے گا۔ اور اس کے مطابق تمہارے ساتھ معاملہ کرے گا۔ پھر تم قیامت کے دن عالم الغیب والشہادۃ کی طرف لٹائے جاؤ گے سو وہ تم کو آگاہ کر دے گا۔ جو کچھ تم کرتے تھے یعنی تمہارے نفاق کو ظاہر کر دے گا۔ جس سے تم سب کے سامنور سوا ہوؤ گے۔
الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ.....

دیہاتیوں میں سخت نفاق والے بھی ہیں اور مخلصین بھی:

ان آیات میں اعراب یعنی دیہات کے رہنے والوں کا حال بتایا ہے۔ اول تو یہ بتایا کہ دیہاتی کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں۔ اور علم کے ماحول سے دور ہونے کی وجہ سے ان کا یہی حال ہونا چاہئے کہ اللہ کے احکام کا انہیں علم نہ ہو جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائے۔ ایمان و یقین اور علم و عمل کے ماحول میں رہیں تو کفر سے بھی بچیں اور نفاق سے بھی، اور اللہ کے احکام کو بھی جانیں، لیکن مرکز علم و عمل سے دوری کی وجہ سے ان میں کفر بھی شدید ہے اور نفاق اور جہالت میں بھی آگے آگے ہیں۔ قال صاحب الروح (ص ۱۱۶، ج ۱) أشد کفرا و نفاقا من اهل الحضرة الکفار و المنافقین لتوحشهم و قساوة قلوبهم و عدم مخالطتهم اهل الحکمة و حرمانهم استماع الکتاب و السنة و هم أشبه شع بالبهائم (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں دیہاتوں کے کفار و منافقین اپنے کفر اور نفاق میں سخت اس لیے ہیں کہ ان کی طبیعت نامانوس ہے اور ان کے دل سخت ہیں اور اہل علم سے میل نہ ہونے کی وجہ سے اور کتاب و سنت کے سننے سے محروم ہونے کی وجہ سے وہ چوپایوں کے بہت زیادہ مشابہ ہیں)۔

دیہاتیوں میں عموماً سخت مزاجی ہوتی ہے۔ سنن ابوداؤد (باب فی اتباع الصيد) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((من سكن البادية جفا و من اتبع الصيد غفل و من اتى السلطان افتتن)) (جو شخص دیہات میں رہا وہ سخت مزاج ہو اور جو شخص شکار کے پیچھے لگا وہ غافل ہو اور جو شخص صاحب اقتدار کے پاس آتا جاتا رہا وہ فتنے میں پڑ گیا) درحقیقت دیہات کا مزاج ہی ایسا ہے کہ طبیعت میں سختی آ جاتی ہے اور علم سے دور رہتے ہیں جس کی وجہ سے علم سے بھی محروم رہتے ہیں اس کے بعد دیہاتیوں کی دو قسمیں بتائیں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو جہاد وغیرہ میں کچھ خرچ کر دیتے ہیں تو اسے ایک قسم کا جرمانہ اور تادان سمجھتے ہیں کیونکہ ثواب کے امیدوار نہیں اس لیے یہ خرچ ان کے نفسوں پر شاق گزرتا ہے جیسے خواہ مخواہ کا تادان بھگت رہے ہوں اور اس بخل کی صفت کے ساتھ ان کی عداوت کا یہ عالم ہے کہ وہ مسلمانوں کے لیے گردشوں کے منظر رہتے ہیں کہ ان پر کوئی ایسی گردش پڑ جائے جس سے ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَلَيْهِمْ ذَا بَعْرَةُ السَّوَادِ (انہی لوگوں پر بری گردش پڑنے والی ہے) چنانچہ ایسا ہی ہوا مسلمانوں کی ترقی ہوتی چلی گئی۔ ممالک فتح ہوئے منافق اور کافر ذلیل ہوئے۔ اپنی امیدوں میں ناکام ہوئے اور ان کی آرزوئیں جو مسلمانوں کے خلاف تھیں دل ہی دل میں رہ گئیں وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (اور اللہ تعالیٰ ان کے کفر و نفاق کی باتیں سننے والا ہے اور ان کے احوال کو اور ان کی نیتوں اور ارادوں کو جاننے والا ہے) ان کے احوال و اعمال کے مطابق سزا دے دے گا۔ دیہاتیوں کی دوسری قسم کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمَنْ الْأَعْرَابُ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ... اور دیہاتیوں میں بعض ایسے لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان

لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی نزدیکی کا اور رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا ذریعہ بنا دیتے ہیں ان کا مقصد اجر و ثواب حاصل کرنا اور اللہ کو راضی کرنا ہے اور رسول اللہ ﷺ سے دعائیں لینا ہے۔ لہذا جو مال خرچ کرتے ہیں اور جو مال خرچ کیا ہے بطور تادان بددلی کے ساتھ نہیں بلکہ پوری بشارت کے ساتھ اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں ان کے اموال جو خرچ ہوتے ہیں واقعی وہ اللہ کی نزدیکی کا سبب ہیں اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ عزوجل غفور ہے رحیم ہے۔

وَالسَّيِّئُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَهُمْ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا أَوْ جَمِيعَ الصُّخَايَةِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ بِإِحْسَانٍ ۗ فِي الْعَمَلِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ بِطَاعَتِهِ وَرَضُوا عَنْهُ بِنَوَابِهِ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَفِيهَا فِرَازَةٌ بَرِيذَةٌ مِنْ خَلِيدِينَ فِيهَا أَبْدَانٌ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝۷

قوله مع من حولكم يا أهل المدينة من الأعداب منفقون ۝ كاشلم وأشجع وغفار ومن أهل المدينة منفقون أيضا مردوا على النفاق ۝ لجوابه واستمروا لا تعلمهم ۝ خطاب للنبي صلى الله عليه وسلم نحن نعلمهم ۝ سعد بهم ۝ قرتين بالفضيحة أو القتل في الدنيا وعذاب القبر ثم يردون في الآخرة إلى عذاب عظيم ۝ هو النار وقوم وآخرون مبتدأ اعترفوا بذنوبهم من التخلف نعتهم والخير خاطوا عملا صالحا ومو جهادهم قبل ذلك وآخر سيئاً ۝ وهو تخلفهم عسى الله أن يتوب عليهم ۝ إن الله غفور رحيم ۝ نزلت في أبي لُبابة وجماعة أو نفقوا أنفسهم في سؤاري المسجد لما بلغهم ما نزل في المتخلفين وخافوا أن لا يجعلهم إلا النبي صلى الله عليه وسلم فحلهم لما نزلت خذ من أموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها من ذنوبهم فآخذت أموالهم وتصدق بها وصلى عليهم ۝ أذع لهم إن صلواتك سكن رحمة لهم ۝ وقيل طمأنينة يقبل توبتهم والله سميع عليم ۝ ألم يعلموا أن الله هو يقبل التوبة عن عباده ويأخذ بالصدقات وأن الله هو الثواب على عباد يقبل توبتهم الرحيم ۝ بهم والإستفهام للتقرير والقصد به تهيبهم إلى التوبة والصدقة وقيل لهم أول الناس أعمالوا ما شئتم فسيرى الله عملكم ورسوله والمؤمنون ۝ و ستردون بالبعث إلى علم الغيب والشهادة أي الله فينتكم بما كنتم تعملون ۝ فيجازيكم به

وَأَخْرَجُوا مِنَ الْمُتَخَلِّفِينَ مَرْجُونَ بِالْهَمْزَةِ وَتَرْكِهٍ مُؤَخَّرُونَ عَنِ التَّوْبَةِ لِأَمْرِ اللَّهِ فِيهِمْ بِمَاتِشَاءِ إِمَامٍ
يُعَذِّبُهُمْ بِأَنْ يَمِيتَهُمْ بِلا تَوْبَةٍ وَإِمَامٍ يَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ بِخَلْقِهِ حَكِيمٌ ٥ فِي ضَنْعِهِ بِهِمْ وَهُمْ
الثَّلَاثَةُ الْأَثُونُ بَعْدَ مِرَازَةِ بَنِ الرَّبِيعِ وَكَعْبُ بْنُ مَالِكٍ وَهَيْلَالُ بْنُ أُمَيَّةَ تَخَلَّفُوا كَسْلاً وَمَيْلًا إِلَى الدَّعَاةِ لَا
بِنَافِقًا وَلَمْ يَعْتَدِرُوا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَعْتَبِهِمْ فَوَقَّفَ أَمْرَهُمْ خَمْسِينَ لَيْلَةً وَهَجَرَ هُمْ النَّاسَ
حَتَّى نَزَلَتْ تَوْبَتُهُمْ بَعْدَ مَنَّهُمْ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا وَهُمْ اثْنَا عَشَرَ مِنَ الْمُتَنَافِقِينَ ضَرَارًا مُضَازَةً
لِأَهْلِ مَسْجِدِ قُبَاءٍ وَكَفَرُوا لِأَنَّهُمْ بَنَوْهُ بِأَمْرِ أَبِي عَامِرِ الرَّاهِبِ لِيَكُونَ مَعْقلاً لَهُ يُقَدِّمُ فِيهِ مَنْ يَأْتِي مِنْ
عِنْدِهِ وَكَانَ ذَهَبَ لِيَأْتِي بِجُنُودٍ مِنْ قَبْضِ لِقِتَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَفْرِيقًا بَيْنَ
الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَصَلُّونَ بِقُبَاءٍ بِصَلَاةٍ بَعْضِهِمْ فِي مَسْجِدِهِمْ وَارْصَادًا لِرِقَابِ لَيْسَ حَارِبَ اللَّهِ وَ
رَسُولَهُ مِنْ قَبْلِ ٥ أَيْ قَبْلِ بِنَائِهِ وَهُوَ أَبُو عَامِرٍ الْمَدَكُورُ لِيَخْلِفَنَّ إِنْ مَا أَرَدْنَا بِنَائِهِ إِلَّا الْفِغْلَةَ
الْحُسْنَى ٥ مِنَ الرَّفْقِ بِالْمَسْكِينِ فِي الْمَطْرِ وَالْحَرِّ وَالتَّوَسُّعِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ
لَكَذِبُونَ ٥ فِي ذَلِكَ وَكَانُوا سَأَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَلِّيَ فِيهِ فَتَنَزَّلَ لَا تَقُمْ تُصَلِّيَ فِيهِ
أَبَدًا ٥ فَازْ سَلَ جَمَاعَةٌ هَدْمُوهُ وَحَرَّقُوهُ وَجَعَلُوا مَكَانَهُ كُنَاسَةً تُلْفَى فِيهَا الْجِنْفُ لِمَسْجِدِ أُسَسِ
بِنَيْتِ تَوَاعُدِهِ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ وَضِعَ يَوْمَ حُلَلْتِ بَدَارِ الْهَجْرَةِ وَهُوَ مَسْجِدُ قُبَاءٍ كَمَا فِي
الْبُخَارِيِّ أَحَقُّ مِنْهُ أَنْ أَيْ بَانَ تَقْوَاهُ تُصَلِّيَ فِيهِ ٥ فِيهِ رِجَالٌ هُمْ الْأَنْصَارُ يُجِبُّونَ أَنْ يُتَطَهَّرُوا ٥
اللَّهُ يُحِبُّ الطَّهْرَيْنِ ٥ أَيْ يُحِبُّهُمَا وَفِيهِ إِذْ غَامَ النَّارُ فِي الْأَصْلِ فِي الطَّاهِرِ رَوَى ابْنُ حُرَيْمَةَ فِي صَحِيحِهِ
عَنْ غُرَيْبِ بْنِ سَاعِدَةَ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَاهُمْ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ أَحْسَنَ
عَلَيْكُمْ الشَّاءَ فِي الطَّهْرَيْنِ فِي قِصَّةِ مَسْجِدِكُمْ فَمَا هَذَا الطَّهْرُ الَّذِي تَطَهَّرُونَ بِهِ فَقَالُوا وَاللَّهِ يَا رَسُولَ
اللَّهِ مَا نَعْلَمُ شَيْئًا إِلَّا أَنَّهُ كَانَ لَنَا جِرَانٌ مِنَ الْيَهُودِ فَكَانُوا يُغْسِلُونَ أَدْبَارَهُمْ مِنَ الْغَائِطِ فَغَسَلْنَا كَمَا
غَسَلُوا وَفِي حَدِيثٍ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فَقَالُوا كُنَّا نَسْبِعُ الْحِجَارَةَ بِالْمَاءِ فَقَالَ هُوَ ذَلِكَ فَعَلَيْكُمْ مَرَّةٌ أَكْفَى
بَيَانَهُ عَلَى تَقْوَى مَخَافَةٍ مِنَ اللَّهِ وَرَجَاءِ رِضْوَانٍ مِنْهُ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَسَ بِنْيَانَهُ عَلَى شَفَاظِرِ

جُرُفٍ بِضَمِّ الرَّاءِ وَشُكُونِهَا جَانِبٍ هَاكِرٍ مُشْرِفٍ عَلَى الشُّمُوطِ فَأَنْهَارٌ بِهِ سَقَطَ مَعَ بَابِيهِ فِي نَارِ
 جَهَنَّمَ خَيْرٌ تَمْبِيلٌ لِلْبِنَاءِ عَلَى ضِدِّ التَّقْوَى بِمَا يُؤَلِّئُ إِلَيْهِ وَالْإِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيرِ أَيْ الْأَوَّلُ خَيْرٌ وَهُوَ مِثَالُ
 مَسْجِدِ قُبَاءٍ وَالثَّانِي مِثَالُ مَسْجِدِ الضَّرَارِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي
 بَنَوْا رِيبَةً شَكَا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ نَفْصِلَ قُلُوبِهِمْ ۖ بَأْسٌ يُمُوتُونَ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِخَلْفِهِ
 حَكِيمٌ ۝ فِي ضَعْفِهِ بِهِمْ

ترجمہ: اور جو لوگ پہلے کرنے والے ہیں مہاجرین و انصار میں سے (اس سے بدر میں شہید ہونے والے مراد ہیں یا تمام صحابہ) اور جتنے لوگ ان کی پیروی کرنے والے ہیں (قیامت تک) اخلاص کے ساتھ (عمل میں) تو اللہ ان سب سے (ان کی پیروی سے) راضی ہو اور وہ سب اس سے (اس کے بدلے سے) خوش ہیں اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اور ایک قراءت میں لفظ کن زیادہ ہے وہ دائمی طور پر اس میں رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور تمہارے آس پاس (اے اہل مدینہ!) کچھ دیہاتی منافق (جیسے قبیلہ اسلم اور شعیخ اور غفار کے لوگ) اور کچھ مدینہ والوں میں (بھی ایسے منافق) رہتے ہیں جو نفاق میں پوری طرح منجھے ہوئے ہیں (حد کمال کو پہنچے ہوئے ہیں اور اس پر ڈٹے رہتے ہیں) آپ انہیں نہیں جانتے (نبی کریم ﷺ سے خطاب ہے) ان کو تو ہم ہی جانتے ہیں ہم انہیں دوہری سزا دیں گے (دنیا میں ان کی رسوائی ہوگی اور قتل ہوں گے و قبر میں جا کر بتلائے عذاب ہوں گے) پھر وہ (آخرت میں) بڑے بھاری عذاب (دوزخ) کی طرف بھیجے جائیں گے اور کچھ لوگ اور ہیں (مبتدا ہے) جنہوں نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر لیا ہے (جہاد میں نہ جانے کے متعلق) یہ مبتدا کی صفت ہے اور خبر آگے ہے) انہوں نے ملے جلے کام کیے تھے۔ کچھ اجماع (اس سے پہلے جہاد میں شرکت کرنا) اور کچھ برے (یعنی حالیہ جہاد میں شرکت نہ کرنا) تو کچھ بعید ہے کہ (اللہ) ان پر توجہ مبذول فرماتے بلاشبہ اللہ بڑے ہی بخشنے والے، بڑی رحمت والے ہیں۔ اگلی آیت ابولہبابہ جیسے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے خود کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا تھا جب انہیں جہاد میں شریک نہ ہونے والوں کے بارے میں وعیدوں کا نازل ہونا معلوم ہوا اور انہوں نے قسم کھائی کہ جب تک اللہ کے رسول ﷺ ہی ان کو نہیں کھولیں گے وہ یوں ہی بندھے رہیں گے چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کو اپنے دست مبارک سے کھول ڈالا۔ آپ (ﷺ) ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر لیجئے جس کے ذریعہ آپ نہیں پاک صاف کر دیں گے (ان کی خطاؤں سے چنانچہ آپ نے ان سے تہائی مال لے کر صدقہ کر دیا) نیز آپ ان کے حق میں دعائے خیر کیجئے (انہیں برکت کی دعائے کیجئے) یقیناً آپ کی دعاء ان کے دلوں کے لیے سکون (راحت) ہے۔ (اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی قبولیت توبہ کے اطمینان کرنے کے ہیں) اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں، خوب جانتے ہیں کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے اور بڑا ہی رحمت والا ہے (ان پر اللہ معلوموا استفہام تقریری ہے اور مقصد توبہ اور صدقہ کی ترغیب دینا

ہے) آپ (ان سے یا عام لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ (جیسے چاہو) عمل کیے جاؤ اب اللہ دیکھ لے گا کہ تمہارے عمل کیسے ہوتے ہیں اور اللہ کا رسول بھی دیکھے گا اور مسلمان بھی دیکھیں گے اور ضرور تمہیں اسی کے پاس (قیامت میں) جانا ہے جس کے علم سے نہ تو کوئی ظاہر بات پوشیدہ ہوگی اور نہ چھپی ہوئی (یعنی اللہ) سو وہ تمہیں تمہارا سب کیا ہوا بتا دے گا (پس وہ تمہیں اس پر بدلہ دے گا)۔ اور کچھ اور لوگ ہیں (جہاد میں شریک نہ ہونے والوں میں سے) جن کا معاملہ ملتوی ہے (یہ لفظ ہمزہ اور بلا ہمزہ کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی توبہ کا معاملہ معصوم ہے) اللہ کا حکم آنے تک (ان کے بارے میں جو چاہے حکم دے دے) وہ انہیں عذاب دے (بلا توبہ موت دے کر) یا ان کی توبہ قبول فرمائے اور اللہ تعالیٰ (اپنی مخلوق کو خوب جاننے والے ہیں) ان کے ساتھ کارروائی کرنے میں (بڑی حکمت والے ہیں) اور وہ تین حضرات تھے جو ابھی تک نہیں آسکے تھے مرادہ بن ربیع، کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، یہ لوگ سستی اور آرام طلبی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے یہ منافق نہیں تھے مگر دوسروں کی طرح آپ ﷺ کی خدمت میں معذرت کے لیے حاضر بھی نہ ہو سکے جس کی وجہ سے ان کا معاملہ پچاس دن تک لٹکارا ہوا اور تمام صحابہؓ نے ان کا بازیکٹ کر دیا تھا یہاں تک کہ پھر ان کی توبہ قبول ہو گئی۔) اور (منافقین میں سے) بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد کھڑی کی (وہ بارہ منافق تھے) اس غرض سے کہ نقصان پہنچائیں (مسجد قبائلوں کو نقصان پہنچانے کے لیے) اور کفر کریں (ابو عامر راہب کے مشورہ سے یہ مسجد بنائی گئی تھی تاکہ اس کے لیے یہ ایک سازش گاہ بن سکے اور ان لوگوں کے لیے بھی جو ان کے آس پاس آئیں جائیں اور ابو عامر قبصر روم کے پاس نبی کریم ﷺ کے خلاف فوج کشی کرنے کے لیے گیا ہوا تھا) اور ایمانداروں میں تفرقہ ڈالیں (مسجد قبائلوں کو توڑنے کے لیے)۔ اور ان لوگوں کے لیے کہیں گاہ بنائیں جو آج سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکے ہیں (یعنی اس مسجد ضرار کے بنانے سے پہلے) (اس سے مراد وہی ابو عامر راہب ہے) وہ ضرور قسم کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مطلب (اس کے بنانے سے) اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی (کا کام) ہو (بارش اور گرمی کے موسم میں غریبوں کے لیے سانی اور مسلمانوں کے لیے سہولت ہو) اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں (اس بارے میں ان لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے اس مسجد ضرار میں نماز پڑھنے کی درخواست کی تھی اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تم بھی اس مسجد میں (نماز پڑھنے کے لیے) کھڑے نہ ہونا (چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہؓ کی ایک جماعت بھیج کر اس مسجد کو منہدم کر دیا اور آگ لگا دی اور وہاں بوڑھا کباز مراد چیزیں پھکوا دیں) البتہ جس مسجد کی بنیاد (داغ نیل) اول دن تقویٰ پر رکھی گئی ہے (مسجد قبائلوں کے سلسلہ میں تشریف آوری کے وقت رکھی گئی تھی جیسا کہ بخاری میں ہے) وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے لیے) کھڑے ہوں وہاں ایسے آدمی ہیں (انصار) کہ وہ خوب پاک صاف ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں (یعنی انہیں ثواب دیں گے لفظ تطہرون میں دراصل تاء کا ادغام طاء میں ہو رہا ہے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ٹوم بن سعید کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ قبہ والوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تمہاری مسجد کے واقعہ میں حق تعالیٰ نے تمہاری پاکی کی تعریف کی ہے تو وہ کون سی پاکی ہے جو تم کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس کے علاوہ ہمیں اور کچھ معلوم نہیں کہ ہمارے پڑوس میں یہودی رہتے ہیں اور نضائے حاجت کے بعد پانی سے استنجا کرنے کے مادی ہیں ہم بھی ان

کی دیکھا دیکھی میں یہی کرنے لگے اور بزار کی حدیث ہے کہ ہم لوگ پانی کے ساتھ پتھر یا ڈھیلوں کو بھی استعمال کرتے تھے، بہر حال آپ ﷺ نے فرمایا کہ بس یہی بات ہے لہذا آئندہ بھی اسی پر عمل کرتے رہو (کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی خوشنودی (کی امید) پر رکھی ہو یا وہ جس نے ایک کھائی (گھائی) کے کنارے پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھی (لفظ جرف راء کے ضمہ اور سکون دونوں کے ساتھ ہے کنارہ کے معنی ہیں) جو گرنے ہی کو ہے (گرنے کے قریب ہے) پھر وہ اس کو لے کر (بنانے والے سمیت) جہنم کی آگ میں گر پڑی کیا وہ بہتر ہے۔ یہ مثال ہے اس عمارت کی جو تقویٰ کے خلاف بنیاد پر بنائی گئی ہو اور استفہام تقریری یعنی اول بہتر ہے جس کی مثال مسجد قبا ہے اور دوسری مسجد ضرار کی مثال ہے اور اللہ ایسے ظالموں کو سمجھ ہی نہیں دیتے یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں کھکتی رہے گی ہاں مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں (یا مرجائیں) اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں (اپنی مخلوق کے بارے میں) اور ان کے ساتھ کارروائی میں) بڑی حکمت داے ہیں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: جَوَافِيهِ : عرب کہتے ہیں مرد علی الشئ۔ اس میں مہارت حاصل کی اور اس پر دوام اختیار کیا۔

قوله: وَقَوْمٌ : قوم اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ موصوف محذوف ہے۔

قوله: مُبْتَدَأً : یہ گزشتہ پر عطف نہیں کیونکہ حکم میں اس کے ساتھ شریک نہیں۔

قوله: وَآخِرَ سَبْتًا : یہ اس طرح ہے جیسے عرب بولتے ہیں بعت الثاء شاة ودرہما۔ میں نے بکری کو بکری اور درہم کے

بدلے بیچا۔

قوله: سَوَارِي : جمع سار یہ ستون۔

قوله: تُظَهَّرُهُمْ : صدقہ کی صفت ہے ضمیر صدقہ کی طرف لوٹنے والی ہی رابطہ ہے جبکہ مؤنث غائب کا مان جائے۔ اگر

صیغہ مخاطب کا ہو تو پھر بہتاً ضمیر ہوگی اور اس کا تعلق دونوں فعلوں تُظَهَّرُ اور تُزَكِّي سے ہوگا۔ اس صورت میں یہ فاصدق

واکن، کی قسم سے ہوگا۔

قوله: مُرَجَّوْنَ : یعنی وہ اس بات پر رکے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں اپنا حکم ظاہر فرما دے۔

قوله: مَوْخَرُونَ : یہ تفسیر کر کے اشارہ کیا ہے کہ یہ ارجاء یعنی تاخیر ہے۔

قوله: إِمَّا يَتُوبُ : اے تردید یہ بندوں کے لحاظ سے ہے۔

قوله: مِنْهُمْ : یعنی منافقین سے۔ مِنْهُمْ کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ الَّذِينَ۔ مبتداء اور اس کی خبر محذوف ہے یہ

آخرون کا معطوف نہیں کیونکہ دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔ یہ منافقین سے متعلق ہے اور وہ مؤمنین سے۔

قوله: **بَنَوُهُ بِأَمْرِ أَبِي عَامِرٍ**: یہ ابو عامر راہب ہے جو حنین کے بعد شام بھاگا اور قسریں میں اپنے انجو کو پہنچا۔

قوله: **الْفِعْلَةَ**: کسی اس لیے مؤنث ہے کہ اس کا موصوف مؤنث مقدر ہے۔

قوله: **مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ**: میں مکان و زمان میں ابتداء غایت کے لیے آتا ہے۔

قوله: **وُضِعَ**: یہ **يَوْمٍ** کی صفت ہے اسی اول یوم وضع المسجد۔

قوله: **أَقْمَنَ آتَبَسَ**: اس کا معنی یہ ہے کہ آیا وہ شخص جس نے اپنے دین کی بنیاد مضبوط قاعدہ کے مطابق رکھی ہو اور وہ تقویٰ ہے۔

قوله: **وَرَجَاءِ رِضْوَانٍ**: اس سے اشارہ کیا کہ رضوان سے پہلے مصناف محذوف ہے اس کا عطف تقویٰ پر ہے اسم اللہ پر نہیں۔

قوله: **عَلَىٰ ضِدِّ التَّقْوَىٰ**: جس پر انہوں نے اپنے دین کی بنیاد رکھی وہ باطن ہونے مٹنے اور آگ میں جا پڑنے اور رضامندی کے مقابلہ میں واقع ہے۔

قوله: **بِمَا يَوَّلُ**: کہہ کر اشارہ کیا کہ یہ گرانہ تو قیامت میں ہوگا مگر یہاں آئندہ کے لحاظ سے خبر دی۔

قوله: **تَفْصِيلًا**: تفصل کہہ کر اشارہ کیا کہ **تَقَطَّعَ** لازم یہاں تفصل کے معنی میں ہے۔

تفسیر مقبولین

وَالشُّبُّونَ الْأَوْلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ.....

سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار اور ان کے قبضین سے اللہ تعالیٰ راضی ہے:

اس آیت میں حضرات مہاجرین اور انصار میں جو سابقین اولین تھے ان کی تعریف فرمائی۔ اور جنہوں نے احسان اور اخلاص کے ساتھ ان کا اتباع کیا ان کی بھی تعریف فرمائی، اور یہ اعلان فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ بھی اللہ سے راضی ہوئے۔ ان کی اخروی نعمتوں کا بھی تذکرہ فرمایا کہ ان کے لیے ایسے باغ تیار فرمائے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور آخر میں فرمایا کہ یہ بڑی کامیابی ہے۔

جن حضرات نے اسلام کی طرف سبقت کی مہاجرین میں سے ہوں یا انصار میں سے اور جن حضرات نے ان کا اتباع کیا اور یہ اتباع اخلاص کے ساتھ تھا ان سب کی فضیلت اور مقببت آیت بالا سے ظاہر ہو رہی ہے۔ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کا اتباع کیا ان میں وہ صحابہ بھی ہیں جو ان کے بعد مسلمان ہوئے اور وہ لوگ بھی ہیں جو صبی بیت کے عظیم مرتبہ سے مشرف نہ ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سابقین اولین مہاجرین و انصار کی راہ پر چلے۔ جنہیں تابعین کہا جاتا ہے۔ اس آیت سے واضح طور پر مہاجرین اور انصار کے بارے میں اللہ جل شانہ کی طرف سے اس بات کا اعلان ہے کہ یہ حضرات جنتی

ہیں اور اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، سب یقین اولین میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔

لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اعلان صحیح نہیں ان کے عقیدہ میں تین چار صحابہ کے علاوہ باقی سب دوزخ میں ہیں اور خاص کر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے معذب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان سے راضی ہونے کا اعلان فرما دیا اور ہمیشہ ہمیشہ ان کے جنت میں رہنے کی خوشخبری دے دی تو اس پر وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بداد ہو گیا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اس وقت معلوم نہیں تھا جب رضامندی کا اعلان فرمایا کہ یہ لوگ مرتد ہو جائیں گے (الہماز باللہ ثم العیاذ باللہ) اپنی بات کی حج میں اللہ تعالیٰ کی طرف جہل کی نسبت کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اعلان کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ طہروں اور زندقوں کی ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں۔ (مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذُوهُمْ فِي ظُغْيَانٍ يَنْهَهُمْ يَعْتَهُونَ) (جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی گمراہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑا ہے) آیت بالا میں مہاجرین و انصار میں جو سابقین اولین تھے وہ اور ان کا اتباع کرنے والوں کی منقبت بیان فرمائی۔ اور اس کے بعد والے رکوع میں مطلق مہاجرین و انصار کی تعریف فرمائی۔ اور سورۃ الحج کی آیت: (لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ) میں ان سب حضرات سے راضی ہونے کا اعلان فرمایا جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر بیعت کی تھی جن میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ پھر سورۃ الحج کے ختم پر تمام صحابہ کی تعریف بیان فرمائی۔ اور فرمایا: (مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ....) اور آخر میں ان کے لیے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

حضرات مہاجرین و انصار اور ان کا اتباع کرنے والے جنتی ہیں:

فَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ جو فرمایا ہے اس میں قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا اعلان ہو گیا اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتباع کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جنہیں اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔ بہت سے فرقے اسلام کے وعویدار ہیں لیکن ان میں جو بھی کوئی حضرات صحابہ کے دین پر نہیں ہیں وہ سب گمراہ ہیں۔ قرآن مجید بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطے سے ملا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بھی انہی حضرات کے ذریعہ پہنچے ہیں جو ہر مسلمان کے لیے مشعل راہ ہیں۔ جو لوگ حضرات صحابہ کرام کو مسلمان نہیں مانتے ان کے پاس خود ان کے دعویٰ کے مطابق نہ تو وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور نہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں۔ اور اسی لیے ان کی زندگی میں اسلامی اعمال نہیں ہیں آیت بالا میں اور سورۃ نساء کی آیت (وَيَتَّبِعْ غِلْمًا تَرْبِيًّا) (مُؤْمِنِينَ) میں حضرات صحابہ اور ان کے تبعین کو اور اہل ایمان کو معیار حق قرار دیا ہے آپ نے یہ فرمایا کہ میرے بعد بہت زیادہ اختلاف دیکھو گے اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا: ((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهْتَدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ)) (تمہارے لیے میری سنت اور میری خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑنا ضروری ہے اس کو کھاسے رہو اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑو) (مشکوۃ المصابیح ص ۶) پھر جب تمبر فرقوں کا ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ ان میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہو گا تو اس پر حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ وہ فرقہ کونسا ہے؟

اس پر آپ نے فرمایا: ((مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي)) کہ جس طریقے پر میں اور میرے صحابہ ہیں جو جماعت اس طریقہ پر ہوگی وہ نجات والی ہے (مشکوۃ المصابیح ص ۲۰) اس میں بھی حضرات صحابہ کو معیار حق بتایا، اب ہر مدعی اسلام سوچ لے کہ وہ خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرم کے راستہ پر ہے یا نہیں، اپنے انکار، عقائد و اعمال کا جائزہ لے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ.....

منافقت کے خوگر شہسری:

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو بتلاتا ہے کہ مدینے کے ارد گرد رہنے والے گنواروں میں اور خود اہل مدینہ میں بہت سے منافق ہیں۔ جو برابر اپنے نفاق کے خوگر ہو چکے ہیں۔ ترمذی فلان علی اللہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی اور نافرمانی کرے۔ پھر فرماتا ہے کہ تم تو انہیں جانتے نہیں، ہم جانتے ہیں۔ اور آیت میں ہے اگر ہم چاہیں تو ان کو تجھے دکھ دیں اور تو ان کی علامات اور چہروں سے انہیں پہچان لے۔ یقیناً تو انہیں انکی باتوں کے لب و لہجے سے جان لے گا۔ غرض ان دونوں آیتوں میں کوئی فرق نہ سمجھنا چاہیے۔ نشانوں سے پہچان لینا اور بات ہے اور اللہ کی طرف کا قطعی علم کہ فلاں فلاں منافق ہے اور چیز ہے پس بعض منافق لوگوں کی منافقت حضرت محمد ﷺ پر کھل گئی تھی مگر آپ ﷺ کا تمام منافقوں کو جاننا ممکن نہیں تھا۔ آپ ﷺ تو صرف اتنا جانتے تھے کہ مدینے میں بعض منافق ہیں۔ صبح و شام وہ دربار رسالت میں حاضر رہا کرتے تھے اور آپ ﷺ کی نگاہوں کے سامنے تھے۔ اس قوس کی صحت مسند احمد کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آپ ﷺ سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مکے کا ہمارا کوئی اجر نہیں۔ آپ نے فرمایا تمہارے پاس تمہارے اجر آ ہی جائیں گے گو تم لومڑی کے بھٹ میں ہو۔ پھر آپ نے ان کے کان سے اپنا منہ لگا کر فرمایا کہ میرے ان ساتھیوں میں بھی منافق ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا کہ بعض منافق غلط سلط باتیں بک دیا کرتے ہیں، یہ بھی ایسی ہی بات ہے۔ (وَهُمْ مَوَالِمًا لَّهُ يَتَّالُونَ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يُتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ وَإِنْ يَتُوبُوا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَاقٍ وَلَا تَصِيبُ) (التوبة: ۷۴) کی تفسیر میں ہم کہہ آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بارہ یا پندرہ منافقوں کے نام بتائے تھے۔ پس اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک ایک کر کے تمام منافقوں کا آپ ﷺ کو علم تھا۔ نہیں بلکہ چند مخصوص لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم کرا دیا تھا واللہ اعلم۔ ابن عساکر میں ہے کہ حرمہ نامی ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا ایمان تو یہاں ہے اور اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا۔ اور نفاق یہاں ہے اور ہاتھ سے اپنے دل کی طرف اشارہ کیا اور نہیں ذکر کیا اللہ کا مگر تھوڑا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اے اللہ اسے ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل دے اور اسے میری اور مجھ سے محبت رکھنے والوں کی محبت عنایت فرما اور اس کے کام کا انجام بخیر کر۔ اب تو وہ کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ میرے ساتھی اور بھی ہیں جن کا میں سردار تھا، وہ سب بھی منافق ہیں اگر اجازت ہو تو انہیں بھی لے آؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سنو جو ہمارے پاس آئے گا ہم اسکے لیے استغفار کریں گے اور جو اپنے دین (نفاق) پر ازار ہے گا اللہ ہی اس کے ساتھ اولیٰ ہے۔ تم کسی کی پردہ دہری نہ کرو۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ

تکلف سے اوروں کا حال بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں کہ فلاں جنتی ہے اور فلاں دوزخی ہے۔ اس سے خود اس کی حالت پوچھو تو یہی کہے گا کہ میں نہیں جانتا۔ حالانکہ انسان اپنی حالت سے بہ نسبت اوروں کی حالت کے زیادہ عالم ہوتا ہے۔ یہ لوگ وہ تکلف کرتے ہیں جو تکلف انبیاء علیہم السلام نے بھی نہیں کیا۔ نبی اللہ حضرت نوح علیہ السلام کا قول ہے: وما علمی بماکانا یعملون، ان کے اعمال کا مجھے علم نہیں۔ نبی اللہ حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں: وَمَا اَنَا عَلَیْكُمْ بِمَحْفِیْطٍ (الانعام: ۱۰۴) میں تم پر کوئی نگہبان نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: (لَا تَعْلَمُهُمْ هَاتِحُونَ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَاتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلَیَّ عَذَابٍ عَظِیْمٍ) (التوبہ: ۱۰۱) تو انہیں نہیں جانتا ہم ہی جانتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جمعہ کے خطبے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے فلاں تو نکل جا تو منافق ہے اور اے فلاں تو بھی یہاں سے چلا جا تو منافق ہے۔ پس بہت سے لوگوں کو آپ ﷺ نے مسجد سے چلے جانے کا حکم فرمایا۔ ان کا نفاق مسلمانوں پر کھل گیا یہ پورے رسوا ہوئے۔ یہ تو مسجد سے نکل کر جا رہے تھے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آ رہے تھے۔ آپ ان سے ذرا کتر گئے یہ سمجھ کر کہ شاید نماز ہو چکی اور یہ لوگ فارغ ہو کر جا رہے ہیں اور میں غیر حاضر رہ گیا۔ اور وہ لوگ بھی آپ سے شرمائے یہ سمجھ کر کہ ان پر بھی ہمارا حال کھل گیا ہوگا۔ اب مسجد میں آ کر دیکھا کہ ابھی نماز تو ہوئی نہیں۔ تو ایک شخص نے آپ کو کہا لیجئے خوش ہو جائیے۔ آج اللہ نے منافقوں کو خوب شرمندہ و رسوا کیا۔ یہ تو تھا پہلا عذاب جبکہ حضور ﷺ نے انہیں مسجد سے نکلوا دیا۔ اور دوسرا عذاب عذاب قبر ہے۔ دو مرتبہ کے عذاب سے مجاہد کے نزدیک مراد قتل و قید ہے۔ اور روایت میں بھوک اور قبر کا عذاب ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں عذاب دنیا اور عذاب قبر مراد ہے۔ عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں دنیا کا عذاب تو مال و اولاد ہے۔ جیسے قرآن میں ہے: (فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِمَا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَتَرْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ کٰفِرُوْنَ) (التوبہ: ۵۵) یعنی تجھے انکمال و راہگی اولادیں اچھی نہ لگنی چاہیں اللہ کا ارادہ تو ان کی وجہ سے انہیں دنیا میں عذاب دینا ہے۔ پس یہ مصیبتیں ان کے لیے عذاب ہیں ہاں مؤمنوں کے لیے اجر و ثواب ہیں۔ اور دوسرا عذاب جہنم کا آخرت کے دن ہے۔ محمد بن اسحاق فرماتے ہیں پہلا عذاب تو یہ کہ اسلام کے احکام بظاہر ماننے پڑے، اسکے مطابق عمل کرنا پڑا جو دلی منتا کے خلاف ہے۔ دوسرا عذاب قبر کا۔ پھر ان دونوں کے سوا دائمی جہنم کا عذاب۔ قتادہ کہتے ہیں کہ عذاب دنیا اور عذاب قبر پر عذاب عظیم کی طرف لوٹا یا جانا ہے۔ مذکور ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے پوشیدہ طور پر بارہ منافقوں کے نام بتائے تھے۔ اور فرمایا تھا کہ ان میں سے چھ کو دبید۔ کافی ہوگا جو جہنم کی آگ کا انگارہ ہوگا۔ جو ان کے شانے پر ظاہر ہوگا اور سینے تک پہنچ جائے گا۔ اور چھ بری موت مریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب دیکھتے کہ کوئی ایسا دینا عذاب شخص مرا ہے تو انتظار کرتے کہ اس کے جنازے کی نماز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ پڑھتے تو آپ بھی پڑھتے ورنہ نہ پڑھتے۔ مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا میں بھی ان میں ہوں؟ انہوں نے جواب دیا نہیں آپ ان منافقوں میں نہیں۔ اور آپ کے بعد مجھے اس سے کسی پر بے خوفی نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخِرًا سَيِّئًا....

مؤمنین مخلصین کی توبہ کا تذکرہ جو غزوة تبوک میں نہیں گئے تھے:

جو منافقین غزوة تبوک میں شرکت کے لیے جانے سے رہ گئے تھے پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ کے واپس تشریف لانے پر جھوٹے عذر پیش کرتے رہے (جن میں اہل مدینہ اور مدینہ منورہ کی آس پاس کی بستیوں کے رہنے والے دیہاتی بھی تھے) ان کا تذکرہ فرمانے کے بعد ان چند مؤمنین مخلصین کا تذکرہ فرمایا جو اپنے ایمان میں سچے ہوتے ہوئے سستی اور کاہلی کی وجہ سے غزوة تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت تو رہ گئے اور ساتھ نہ گئے لیکن بعد میں پچھتائے اور نادام ہوئے کہ ہم غزوتوں کے ساتھ ساریوں میں زندگی گزار رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ دھوپ کی گرمی اور سفر کی مشقت اور تکلیف میں ہیں ہمارے لیے پیچھے رہ جانا کسی طرح درست نہ تھا۔ جب ان حضرات کو رسول اللہ ﷺ کے واپس تشریف لانے کی خبر ملی تو انہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا اور کہنے لگے کہ ہم اپنی جانوں کو نہیں کھولیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ ہی اپنے دست مبارک سے ہمیں نہ کھولیں، آپ کا جب ان کی طرف گزر ہو تو دریا نت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے کہ جب تک آپ ان کو نہ کھولیں گے اور ان سے راضی نہ ہوں گے اس وقت تک وہ بندھے ہی رہیں گے، آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں بھی انہیں نہیں کھوں گا جب تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے کھولنے کا حکم نہ ہوگا۔ ان لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑا اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہ نکلے۔ لہذا اب مجھے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار ہے جیسا حکم ہوگا اس پر عمل کروں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: **وَآخِرُونَ اعْتَرَفُوا...** نازل فرمائی اور آپ نے ان کو کھول دیا۔ چونکہ یہ حضرات مخلص مؤمن تھے اور اپنے گناہ کا اقرار بھی کر لیا جو توبہ کا جزو اعظم ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والے عس سے انہوں نے توبہ بھی کر لی اور پہلے سے بھی نیک عمل کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے بھی ادا فرمائش اور دیگر نیک کاموں میں لگے رہے اس لیے ان کے بارے میں یہ فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا اور نیک عمل کو برے عمل کے ساتھ ملا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کی خوشخبری دی **عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ** کہ عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا (چنانچہ ان کی توبہ قبول ہوگئی) **إِنَّ اللَّهَ عَفُودٌ رَحِيمٌ** (بلاشبہ اللہ مغفرت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے)۔

(انوار البیان)

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً....

جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس جو یہ اموال ہیں انہیں نے ہم کو پیچھے ڈالا اور جہاد کی شرکت سے روکا۔ لہذا ہم ان کا صدقہ کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اموال میں سے کچھ لینے کا حکم نہیں ہوا اس پر آیت کریمہ: **خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا** نازل ہوئی یعنی آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک اور صاف کر دیں۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ ۗ (اور آپ ان کے لیے دعا کیجیے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے اطمینان قلب کا ذریعہ ہے) اللہ سُبْحٰنَ عِلْمِهِ ۙ (اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے) وہ سب کی باتیں سنتا ہے اور سب کے احوال ظاہرہ باطنہ جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ کن لوگوں نے جھوٹے عذر پیش کیے۔ اور جن مخلصین نے سچے دل سے توبہ کی اور ان خاص کے ساتھ اپنے اموال پیش کیے اللہ تعالیٰ کو ان کا بھی علم ہے، جن حضرات نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا تھا یہ کتنے حضرات تھے اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ دس افراد تھے اور سعید بن جبیر اور زید بن اسلم نے فرمایا کہ آٹھ افراد تھے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ یہ سات آدمی تھے حضرت ابن عباس کا ایک قول یہ بھی ہے کہ پانچ آدمی تھے ان سب میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہما کا اسم گرامی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اگرچہ مشہور یہ ہے کہ ان کا مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ دینا قتل بنی قریظہ کے سلسلہ میں تھا (کہ انہوں نے انہیں پہلے سے اشارہ کر کے بتا دیا تھا کہ تمہارے قتل کا فیصلہ ہو چکا ہے) معالم استزیل (ص ۳۲۳-۳۲۴ ج ۲) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ آیت کریمہ: وَآخِذُوا بِعُرْوَاتِ الْأَشْيَارِ بِأُفْوَاهٍ يُسْوِغُونَ لَهَا مَا يَدْعُونَ مِنْ حَمَلِ الْبَعِيرِ اس کا حکم تمام گناہ گاروں کے لیے عام ہے۔ جو گناہوں میں بھی ملوث رہتے ہیں اور نیک اعمال بھی کرتے ہیں ۱ھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص گناہوں میں لگا رہتا ہو، وہ یہ نہ سمجھے کہ میں تو گناہ گار ہوں۔ نیک کاموں میں کیا لگوں، اگر گناہ نہیں چھوڑتا تو جہاں تک ممکن ہو نیک کاموں کو بھی نہ چھوڑے۔ یہ نیک کام سینات کا کفارہ بھی بنتے رہتے رہیں گے اور توبہ کی توفیق ہونے کا بھی ذریعہ بنیں گے۔ گناہوں کے ہوتے ہوئے بھی بشرط اخلاص نیک اعمال نیکوں ہی میں شمار ہوتے ہیں (الامامان حابط اللاعمال)

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا أَسْجِدًا أُضْرَآءَ....

منفقوں کی ایک بہت بڑی مکاری اور مسجد ضرار کی ہنساء:

پہلے ان لوگوں کا ذکر تھا جن سے بظاہر ایک بر اکام ہو گیا (تخلف عن الجہاد) مگر صحت اعتقاد اور اعتراف خطا کی بدولت معافی مل گئی۔ یہاں ایسی جماعت کا بیان ہے جنہوں نے بظاہر اچھا کام کیا (تعمیر مسجد) لیکن یہ اعتقادی کی وجہ سے وہاں بن گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے آئے تو اول مدینہ سے باہر بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں فرودش ہوئے۔ پھر چند روز بعد شہر مدینہ میں تشریف لے گئے اور مسجد نبوی تعمیر کی، اس محلہ میں جہاں آپ بیشتر نماز پڑھتے تھے وہاں کے لوگوں نے مسجد تیار کر لی جو مسجد قباء کے نام سے مشہور ہے۔ اکثر ہفتہ کے روز وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے اور بڑی فضیلت اس کی بیان فرماتے تھے۔ بعض منافقین نے چاہا کہ پہلوں کی ضد پر اسی کے قریب ایک اور مکان مسجد کے نام سے تعمیر کریں۔ اپنی جماعت جدا ٹھہرائیں اور بعض سادہ دل مسلمانوں کو مسجد قبا سے ہٹا کر ادھر لے آئیں۔ فی الحقیقت اس ناپاک تجویز کا محرک اصلی شخص ابو عامر راہب خزرجی تھا۔ ہجرت سے پہلے اس شخص نے نصرانی بن کر رہا ہوا زندگی اختیار کر لی تھی۔ مدینہ اور آس پاس کے لوگ خصوصاً قبیلہ خزرج اس کے زہد و رویشی کے معتقد تھے اور بڑی تعظیم کرتے تھے حضور ﷺ کے قدم میں سنت لزوم سے جب مدینہ میں ایمان و عرفان کا آفتاب چکا تو اس طرح کے درویشوں کا بھرم کھلنے لگا۔ بھلا

نور آفتاب کے سامنے چراغ مردہ کو کون پوچھتا۔ ابو عامر یہ دیکھ کر چراغ پا ہو گیا حضور ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں ٹھیک ملت ابراہیمی لے کر آیا ہوں۔ کہنے لگا کہ میں پہلے سے اس پر قائم ہوں لیکن تم نے اپنی طرف سے ملت ابراہیم میں اس کے خلاف چیزیں داخل کر دی ہیں۔ حضور ﷺ نے بہت زور سے اس کی تردید فرمائی۔ آخر اس کی زبان سے نکلا کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہو خدا اس کو وطن سے درود تہا غربت و یکسوی کی موت مارے۔ آپ ﷺ نے فرمایا آمین خدا ایسا ہی کرے۔ جنگ بدر کے بعد جب اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور مسلمانوں کا عروج و فروغ حاسدوں کی نگاہوں کو خیرہ کرنے لگا۔ ابو عامر کو تاب نہ رہی۔ بھاگ کر مکہ پہنچا۔ تاکہ کفار مکہ کو حضور ﷺ کے مقابلہ میں چڑھا کر لائے۔ چنانچہ معرکہ احد میں قریش کے ساتھ خود آیا۔ مبارزہ شروع ہونے سے پہلے آگے بڑھ کر انصار مدینہ کو جو عہد جاہلیت میں اس کے بڑے معتقد تھے خطاب کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ احس یہ نہ سمجھا کہ پیغمبرانہ تصرف کے سامنے اب وہ پرانا جادو کہاں چل سکتا ہے۔ آخر انصار نے جو اسے پہلے راہب کہہ کر پکارتے تھے جواب دیا کہ اوفاسق دشمن خدا! تیری آنکھ خدا کبھی ٹھنڈی نہ کرے۔ کیا رسول خدا کے مقابلہ میں ہم تیرا ساتھ دیں گے؟ انصار کا ایوں کن جواب سن کر کچھ حواس درست ہوئے اور غیظ میں آ کر کہنے لگا کہ اے محمد! ﷺ آئندہ جو قوم بھی تیرے مقابلہ کے لیے اٹھے گی میں برابر اس کے ساتھ رہوں گا۔ چنانچہ جنگ حنین تک ہر معرکہ میں کفار کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑتا رہا۔ احد میں اسی کی شرارت سے حضور ﷺ کو زخم پہنچا۔ دونوں صفوں کے درمیان اس نے پوشیدہ طور پر کچھ گڑھے کھدوادیئے تھے۔ وہیں چہرہ مبارک کے زخمی ہونے اور دندان مبارک شہید ہونے کا واقعہ پیش آیا حنین کے بعد جب ابو عامر نے محسوس کر لیا کہ اب عرب کی کوئی طاقت اسلام کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تو بھاگ کر ملک شام پہنچا۔ اور منافقین مدینہ کو خط لکھا کہ میں قیصر روم سے مل کر ایک لشکر جرار محمد ﷺ کے مقابلہ میں لانے والا ہوں جو چشم زدن میں ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دے گا اور مسلمانوں کو بالکل پامال کر کے چھوڑے گا۔ (العیاذ باللہ) تم فی الحال ایک عمارت مسجد کے نام سے بنا لو۔ جہاں نماز کے بہانے سے جمع ہو کر اسلام کے خلاف ہر قسم کے سازشی مشورے ہو سکیں۔ اور قاصد تم کو وہیں میرے خطوط وغیرہ پہنچا دیا کرے اور میں بذات خود آؤں تو ایک موزوں جگہ ٹھہرنے اور ملنے کی ہو۔ یہ غیبت مقاصد تھے جن کے لیے مسجد ضرار تعمیر ہوئی اور حضور ﷺ کے روبرو بہانہ یہ کیا کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہماری نیت بری نہیں بلکہ بارش اور سردی وغیرہ میں بالخصوص بیماروں، ناتوانوں اور ارباب حوائج کو مسجد قبا تک جانا دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے یہ مسجد بنائی گئی ہے تاکہ نمازیوں کو سہولت ہو اور مسجد قبا میں تنگی مکان کی شکایت نہ رہے حضور ﷺ ایک مرتبہ وہاں چل کر نماز پڑھ لیں تو ہمارے لیے سوجب برکت و سعادت ہو۔ یہ اس لیے کہ حضور ﷺ کا طرز عمل دیکھ کر بعض سادہ دل مسلمان حسن ظن کی بنا پر ان کے جال میں پھنس جائیں۔ آپ اس وقت تبوک جانے کے لیے پابریکاب تھے۔ فرمایا کہ اللہ نے چاہا تو واپسی پر ایسا ہو سکے گا۔ جب حضور ﷺ تبوک سے واپس ہو کر بالکل مدینہ کے نزدیک پہنچ گئے، تب جبرائیل یہ آیات لے کر آئے جن میں منافقین کی ناپاک اغراض پر مطلع کر کے مسجد ضرار کا پول کھول دیا۔ آپ ﷺ نے مالک بن دشتم اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ اس مکان کو (جس کا نام ازراہ خدایع دفریب مسجد رکھا تھا) مگر اگر یہوئد زمین بنا دو۔ انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا اس طرح منافقین اور ابو عامر فاسق

کے سب ارمان دل کے دل میں رہ گئے اور ابو عامر اپنی دعا اور حضور ﷺ کی آمین کے موافق قنسرین (ملک شام) میں تھا سخت بے کسی کی موت مرا۔ (فَقُطِعَ دَايِرَةُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ) (الانعام: ۲۵) سے یہی ابو عامر فاسق مراد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِمِثْلِهِمْ طَاعَتِهِ كَالْجِهَادِ بِأَنَّ لَهُمُ
 الْجَنَّةَ ۖ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ جُمْلَةُ اسْتِثْنَانِ بَيَانٍ لِلشِّرَاءِ وَفِي قِرَاءَةِ تَقْدِيمِ
 الْمُبْنِيِّ لِلْمَفْعُولِ أَيْ فَيُقْتَلُ بَعْضُهُمْ وَيُقَاتِلُ الْبَاقِي وَعَدًّا عَلَيْهِ حَقًّا مَضَرَّانِ مَتَّصُوبَانِ بِفِعْلِهِمَا
 الْمَحْدُوفِ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۖ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ أَيْ لَا اخْتِفَافَ وَتَشْرِيحًا
 فِيهِ التَّفَاتِ عَنِ الْعَيْبَةِ بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ ۖ وَذَلِكَ الْبَيْعُ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ التَّيْلُ غَايَةُ
 الْمَطْلُوبِ التَّكَايُوبُونَ رَفَعُ عَلَى الْمَدْحِ بِتَقْدِيرِ مُبْتَدَأٍ مِنَ الشُّرُوكِ وَالتِّفَاقِ الْعِيدُونَ الْمُخْلِضُونَ
 الْعِبَادَةَ لِلَّهِ الْحَمْدُونَ لَهُ عَلَى كُلِّ خَالِ السَّابِحُونَ الصَّائِمُونَ الرَّكْعُونَ السَّجِدُونَ أَيْ الْمُضَلُّونَ
 الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۖ لِأَحْكَامِهِ بِالْعَمَلِ بِهَا وَبَشِيرِ
 الْمُؤْمِنِينَ ۝ بِالْجَنَّةِ وَنَزَلَ فِي اسْتِغْفَارِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهِ أَبِي طَالِبٍ وَاسْتِغْفَارِ بَعْضِ
 الصَّحَابَةِ لِابْتِرَائِهِ الْمَشْرِكِينَ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا
 أَوْلَىٰ قُرْبَىٰ ذَوِي قِرَابَةٍ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ الْكَافِرِينَ بَانَ مَا شَاءَ عَلَى الْكُفْرِ وَ
 مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَاةٍ إِيَّاهُ ۖ بِقَوْلِهِ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي رَجَاءً
 يُسَلِّمُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ بِمَوْتِهِ عَلَى الْكُفْرِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۖ وَتَرَكَ الْإِسْتِغْفَارَ لَهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ
 لَأَوَّاهٌ كَثِيرُ النَّضْرِ وَالِدَعَاءِ حَلِيمٌ ۝ صَبْرٌ عَلَى الْأَذَى وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ
 لِلْإِسْلَامِ حَتَّىٰ يَبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ ۖ مِنَ الْعَمَلِ فَلَا يَتَّقُوهُ فَتَسْحِقُوا الْإِضْلَالَ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
 عَلِيمٌ ۝ وَمِنْهُ مُسْتَحَقُّ الْإِضْلَالِ وَالْهُدَايَةِ إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُخَيِّ وَيُيَمِّتُ ۖ وَمَا
 لَكُمْ أَيْهَا النَّاسُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَىٰ غَيْرِهِ مِنْ وَّلِيٍّ يَحْفَظُكُمْ مِنْهُ وَلَا يُصِيرُ ۝ يَمْنَعُ عَنْكُمْ ضَرَرَهُ لَقَدْ

تَابَ اللَّهُ أَيَّ أَدَامَ تَوْبَتَهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ أَيَّ وَقْتِهَا
 وَهِيَ حَالُهُمْ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ كَانَ الزُّجْلَانِ يَفْتَسِمَانِ تَمْرَةً وَالْعُسْرَةُ يَعْتَقِبُونَ الْبَعِيرَ الْوَاحِدَ وَاشْتَدَّ
 الْحَرْ حَتَّى شَرِبُوا الْفَرْثَ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيدُ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ تَبِيلٌ قُلُوبٌ فَرِيْقٌ مِنْهُمْ عَنْ اتِّبَاعِهِ
 إِلَى التَّخَلُّفِ لِمَا هُمْ فِيهِ مِنَ الشَّدَّةِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ بِالثَّنَاتِ إِنَّهُ بِهِمْ رَعُوفٌ رَحِيمٌ ۝ تَابَ وَعَلَى
 الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا ۝ عَنِ التَّوْبَةِ عَلَيْهِمْ بِقَرِينَةٍ حَتَّى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ أَيَّ مَعَ
 رَحِبِهَا أَيَّ سَعَتِهَا فَلَا يَجِدُونَ مَكَانًا يَطْمَئِنُّونَ إِلَيْهِ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ فُلُوبُهُمْ لِلْغَمِّ وَالْوَحْشَةِ
 بِتَأَخِيرِ تَوْبَتِهِمْ فَلَا يَسْغَعُهَا سُرُورٌ وَلَا أُنْسٌ وَظَنُّوا أَيَّقِنُوا أَنَّ مُخَفَّفَةٌ لَأَمَلَجًا مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ۝ ثُمَّ
 تَابَ عَلَيْهِمْ وَقَفَّهِمُ لِلتَّوْبَةِ لِيَتُوبُوا ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

۱۲۰

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں بھی خرید لیں اور ان کا مال بھی (تا کہ جہاد وغیرہ نیک کاموں میں اس کو صرف کریں) اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کے لیے جنت ہو اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں جس میں مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں (یہ جملہ مستانفہ ہے، شراہ کا بیان ہے اور ایک قراءت میں صیغہ مجہول پہلے ہے یعنی بعض شہید ہوجاتے ہیں اور باقی لڑتے رہتے ہیں) اس پر ان سے سچا وعدہ کیا گیا ہے (یہ دونوں مصدر فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہیں) توراہ انجیل قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ (یعنی اس سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کوئی نہیں) سو خوشیاں کرو (اس میں صیغہ غائب سے التفات پایا جاتا ہے) اپنے اس سودے پر جو اللہ تعالیٰ سے تم نے کیا ہے (اور یہی تجارت) ہے جو بڑی سے بڑی کامیابی ہے (کامیابی جو انتہائی مطلوب ہے) وہ توبہ کرنے والے (اس پر رفع مدح کی وجہ سے ہے اور مبتدا محذوف ہے یعنی کفر و شرک سے توبہ کرنے والے ہیں) عبادت گزار (اللہ کے لیے خالص عبادت کرنے والے) اللہ کی حمد و ثناء کرنے والے (ہر حال میں) روزے دار (روزے رکھنے والے) رکوع سجدہ کرنے والے (نمازی) نیک باتوں کی تعلیم دینے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حد بندیوں کی حفاظت کرنے والے (اللہ کے احکام پر عمل کر کے) اور ایسے ایمانداروں کو آپ خوشخبری سنا دیجئے (جنت کی) اور لائق نہیں نبی کو اور دوسرے مسلمانوں کو، کہ مشرکین کے لیے دعاء مغفرت مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار (قرابت دار) ہی ہوں اس بات کے واضح ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ روزخی ہیں (بشرطیکہ یہ لوگ کفر کی حالت میں مرجائیں اور ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لیے بخشش کی آرزو کی تھی تو صرف اس وجہ سے کہ اپنا وعدہ پورا کر دیں جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا (اس کے مسلمان ہونے کی توقع پر یہ کہہ دیا تھا کہ میں بارگاہ الہی میں تمہارے لیے استغفار کروں گا لیکن واضح ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے) کفر پر مرجانے کی وجہ سے) تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے اور استغفار کرنا چھوڑ دیا بلشب ابراہیم علیہ السلام بڑے درد مند (بے حد عاجزی کرنے والے) بڑے ہی برو بار

تھے (مصیبتوں میں صبر کرنے والے)۔ اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو (اسلام کی) ہدایت کے بعد گمراہ کر دے جب تک ان پر وہ ساری باتیں واضح نہ کر دے جن سے انہیں بچنا چاہئے (پس جب وہ ایسے کاموں سے نہ بچے تو گمراہی کے مستحق ہو گئے) بے شک اللہ کے علم سے کوئی بات باہر نہیں (وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ہدایت پانے کا مستحق کون ہے اور گمراہ کرنے کا مستحق کون ہے) بے شک آسمان و زمین کی بارشاہت اللہ ہی کے لیے ہے وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور (اے لوگو!) تمہارے لیے اللہ کے سوانہ کوئی دوست ہے (جو تمہاری حفاظت کر سکے) اور نہ کوئی مددگار ہے (جو تمہیں نقصان سے بچا سکے) یقیناً اللہ مہربان ہوا (یعنی ہمیشہ سے مہربان ہے) پیغمبر کے حال پر اور مہاجرین و انصار کے حال پر بھی جنہوں نے تنگی کی گھڑی میں پیغمبر کا ساتھ دیا (یعنی تنگی کے وقت بھی جب کہ غزوہ تبوک میں ان کی یہ حالت تھی کہ دو رو آدی ایک کھجور میں شریک تھے اور دس دس آدی باری باری ایک ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے اور انتہائی گرمی سے بلبلا کر لیدھ نچوڑ کر پینے پر مجبور ہو گئے) جب کہ ایسی حالت ہو گئی تھی قریب تھا (لفظ یزلیغ تاء اور یاء کے ساتھ ہے یعنی مائل ہو جائیں) ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈمگے جائیں (انتہائی مشکلات کی وجہ سے آپ کے ساتھ چلنے سے)۔ پھر وہ اپنی رحمت سے ان سب پر متوجہ ہو گیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب پر شفیق اور مہربان ہیں ان تین شخصوں کے حال پر بھی (توجہ فرمائی) جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا (تو بہ سے بچے رہ جانے کی وجہ سے اگلے الفاظ کے قرینہ کی وجہ سے) یہاں تک کہ زمین اپنی کشادگی کے باوجود بھی جب ان کے لیے تنگ ہو گئی (یعنی اپنی وسعت کے باوجود کوئی جگہ انہیں اطمینان کی نصیب نہیں ہو سکی) اور وہ خود اپنی جان سے تنگ گئے (ان کے دلوں پر غم و وحشت سوار ہو گئی تھی تو بہ کا معاملہ ملتوی ہونے کی وجہ سے اس میں خوشی اور محبت کی رمت باقی نہیں رہی تھی) اور انہوں نے سمجھ لیا تھا (جان لیا تھا) کہ اللہ سے بھاگ کر انہیں کوئی پناہ نہیں مل سکتی مگر خود اس کے دامن میں پس پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی (انہیں تو بہ کی توفیق دے کر) تاکہ وہ آئندہ بھی اللہ کی طرف جھکتے رہا کریں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی مہربان رحم والا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: يَبْدُلُوهَا: یہ ایک تمثیل ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے مال و جان کو خرچ کر کے جنت کو پالینے کی بیان کی ہے۔
- قوله: جُمَّلَةٌ اِسْتِيْنَاَفٍ: یہ کہہ کر بتلایا کہ اس کا ما قبل سے تعلق نہیں۔
- قوله: يَفْعَلِيْهَمَا: اس کا قرینہ یہ ہے کہ شراہ یہ وعدے کے معنی میں ہے۔
- قوله: رَفَعَ عَلَي الْمَدْح: اس سے اشارہ کیا کہ یہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع نہیں ورنہ خبر کا محتاج ہوگا۔
- قوله: بِتَقْدِيْرِ مُبْتَدَاٍ: سے اشارہ ملا کہ اَلتَّأْبِيْطُوْنَ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔
- قوله: عَلٰى كُلِّ حَالٍ: یعنی ہر حال میں شکر ہے فقط نعمتیں ملنے کے وقت نہیں۔
- قوله: وَبَشِيْرٍ الْمُؤْمِنِيْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ اس سے مذکور لوگ مراد ہیں پھر تعظیم کے لیے مبشر کو حذف کر دیا۔
- قوله: فِيْ اِسْتَعْفَاْرِهِ ﷺ: جب خواجہ ابو طالب نے کلمہ پڑھنے سے انکار کیا تو آپ نے فرمایا میں تمہارے لیے

استغفار کرتا رہوں گے جب تک مجھے اس سے روکا نہ گیا تو یہ آیت اتری۔

قوله: **بَانَ مَاتُوا عَلَى الْكُفْرِ**: زندوں کے لیے استغفار کہ اللہ تعالیٰ سے ایمان کی توفیق مانگی جائے درست ہے۔

قوله: **مَا يَتَّقُونَ**: ممانعت کے سبب جس سے بچنا لازم ہے۔ یہ درحقیقت ان لوگوں کے عذر کا بیان جو استغفار برائے مشرکین پر مواخذہ سے ڈرے۔

قوله: **مِنَ الْعَمَلِ**: یہ قید بڑھا کر اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اعتقاد کا مدار سماع پر موقوف نہیں بلکہ عقلاً واجب ہے۔
قوله: **أَمَى وَقْتَهَا**: یہاں ساعت کا معروف معنی مراد نہیں بلکہ مطلق وقت، گھڑی مراد ہے۔

قوله: **ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ**: اس لیے کہ دل کا میلان زلیخ کی طرف بہ ایک قسم کا گناہ ہے۔

قوله: **تَابَ**: اس کا اشارہ دیا کہ اس کا عطف قریب پر نہیں بلکہ **عَلَيْهِمْ** پر ہے۔

قوله: **قُلُوبُهُمْ**: افس کی تفسیر قلوب سے اس لیے کی کہ ذات کی تنگی کا کوئی معنی نہیں۔

قوله: **سُرُورٌ**: یہ یسع کا فاعل ہے۔

قوله: **أَيَقْنُوا**: یقن کی تفسیر یقان سے کرنا احوال مؤمن کے مناسب دلائل ہے۔

قوله: **وَوَقَّعَهُمُ**: کو مقدر مان کر للتَّوْبَةِ کی تاویل کردی کہ توفیق مراد ہے۔ قدر

تفسیر مقبولین

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ....

دبط: اوپر کی آیتوں میں ان منافقین کے فضائل اور قبائح کا بیان تھا۔ جنہوں نے جہاد سے کد رکھی کی تھی۔ اب ان آیات میں مجاہدین کے فضائل اور ان کی صفاتِ فاضلہ کو بیان کرتے ہیں۔ جنہوں نے راہِ خداوندی میں اپنی جان بازی اور سرفروشی کے جوہر دکھائے جس سے مقصود جہاد کی ترغیب دینا ہے اور یہ بتلانا ہے کہ تم نے منافقین کا حال سن لیا۔ اور اس کے بعد مؤمنین مقررین کا بھی حال معلوم کر لیا جن کی توبہ قبول ہوئی اب سنو کہ مؤمنین صادقین اور محبین مخلصین کیسے ہوتے ہیں ان کی صفات یہ ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں اور نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ ایسے مؤمنین کو بشارت سنا دیں اور مبارک باد دے دیں اور بتا دیں کہ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی سود مند تجارت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جنت کے عوض انکی جانوں اور مالوں کو خرید لیا:

معالم التنزیل (ص ۲۹۳ ج ۲) اور ابن کثیر (ص ۲۹۱ ج ۲) میں محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ جب حضرات انصار لیلیۃ العقبہ میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے لگے (جو ستر افراد تھے) تو عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنے رب کے لیے اور اپنے لیے جو چاہیں مشروط فرمائیں آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے لیے اس بات

کو مشروط کرتا ہوں کہ اس کی عبادت کرو گے اور کسی چیز کو اس کا شریک نہیں بناؤ گے اور اپنے لیے یہ شرط لگاتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حفاظت کرو گے جیسی اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم ان شرطوں کو پورا کریں گے تو ہمیں کیا ملے گا؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہیں جنت ملے گی۔ کہنے لگے کہ یہ تو نفع کا سودا ہے ہم اس معاملہ کو فسخ نہیں کریں گے اس پر آیت شریفہ: **إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ آخِرَتَكُمْ بِأَمْوَالِكُمْ**۔ اس آیت میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ جان اور مال سب کچھ اسی کا دیا ہوا ہے پھر بھی اس نے نام خریداری رکھ دیا۔ اگر وہ جان و مال خرچ کرنے کا حکم دیتا اور اس کی راہ میں مقتول ہو جانے پر کچھ بھی عطا نہ فرماتا تو اسے اس کا حق تھا۔ لیکن اس نے اپنی راہ میں جان و مال خرچ کرنے پر جنت عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا اور ذرا سی قربانی پر بہت بڑی جنت دینے کا وعدہ فرمادیا۔ یہ اعلان سچا ہے اور وعدہ پکا ہے۔ توریت، انجیل اور قرآن میں یہ وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے کیونکہ اس کا وعدہ سچا بھی ہے اور اسے ہر طرح کی قدرت بھی حاصل ہے۔ دنیا والے بعض مرتبہ وعدہ کر لیتے ہیں اور وعدہ سچا بھی ہوتا ہے لیکن قدرت نہ ہونے کی وجہ سے وعدہ پورا کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ وعدہ کے پورا کرنے سے عاجز نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے جو معاملہ ہوا بندے اس پر خوشی منائیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا فرمایا تھا یعنی جان اور مال وہ اس کو اللہ کے لیے خرچ کرتے ہیں اپنا ذاتی کچھ نہیں سمجھتے جو کچھ خرچ کریں گے اس کے عوض انہیں جنت ملے گی۔ جنت کے سامنے اس معمولی سی قربانی کی کوئی حیثیت نہیں۔ دیا تھوڑا سا اور ملا بے حساب وہ بھی دائمی ابد الآباد کے لیے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا: **ثامنهم الله عز وجل فاغلب لهم** کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے لین دین کا معاملہ کیا اور بہت زیادہ قیمتی چیز عطا فرمائی، حضرت حسن نے فرمایا کہ:

اسعوا الى بيعة ربيعة یعنی نفع والی بیع کی طرف دوڑو جس کا معاملہ اللہ نے ہر مؤمن سے کیا ہے۔ آیت کریمہ میں **فَيُقْتَلُونَ وَيُقْتَلُونَ** فرمایا کہ مؤمنین اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں پھر کافروں کو قتل کرتے ہیں اور مقتول ہو جاتے ہیں۔ دونوں حالتیں مؤمن کے لیے خیر ہیں اور بعض مجاہدین کو دونوں ہی باتیں نصیب ہو جاتی ہیں اولاً کافروں کو قتل کرتے ہیں پھر خود مقتول ہو جاتے ہیں۔ سورۃ نساء میں فرمایا: **(وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا)** (اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے پھر وہ مقتول ہو جائے یا غالب ہو جائے تو ہم اسے عنقریب اجر عظیم عطا کریں گے) مؤمن کا قاتل ہونے میں بھی فائدہ ہے اور مقتول ہونے میں بھی۔ اگر مال غنیمت مل گیا تو وہ بھی خیر اس سے ثواب باطل نہیں ہوتا۔ جبکہ وہ مقصود نہ ہو۔ مقصود صرف اللہ کی رضا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے گھر سے نکلا اور اس کا یہ نکلنا (کسی دنیاوی مقصد کے لیے نہیں ہے) صرف اللہ کی رضا مندی کے لیے اور اللہ کے رسولوں کی تصدیق کرتے ہوئے نکلا ہے اس کے ہارے میں اللہ تعالیٰ کی ضمانت ہے کہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا یا اس کو ثواب اور غنیمت کے مال کے ساتھ اس کے گھر واپس لوٹا دے گا جہاں سے وہ گیا تھا۔ (رواہ مالک فی الموطا اول کتاب الجہاد)

فائدہ: جہاد کی فضیلت جاتے ہوئے جو (وَعَدْنَا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ) فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے لیے بھی جہاد شروع تھا۔ یہ جو مشہور ہے کہ شریعت عیسویہ میں جہاد نہیں تھا یہ ان لوگوں کی تحریف ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور اس نسبت میں جھوٹے ہیں۔ صاحب معالم التزئیل فرماتے ہیں۔ وفيہ دلیل علی أن أهل الملل كلهم امر و ابا الجهاد علی ثواب الجنة۔

مَا كَانَ لِلْبَنِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا.....

مشرکین کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت:

صحیح البخاری (ص ۱۸۱ ج ۲) میں لکھا ہے کہ جب (آنحضرت سرور عالم ﷺ کے چچا) ابوطالب کی موت کا وقت آیا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے وہاں ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ تھے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ اے چچا! اِلَٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لو میں اس کو (تمہاری سفارش کے لیے) اللہ کے حضور میں پیش کر دوں گا۔ آپ برابر یہ بات فرماتے رہے لیکن وہ دونوں شخص جو موجود تھے یعنی ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ ابوطالب سے کہتے رہے، کیا تم عبدالمطلب کے دین سے ہٹ رہے ہو؟ بالآخر ابوطالب نے یہ کہہ دیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔ (پھر اسی پر ابوطالب کو موت آگئی) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری بخشش کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت کریمہ: مَا كَانَ لِلْبَنِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا آخِرُكَ نازل فرمائی۔

سنن الترمذی ابواب التفسیر (سورۃ القصص) میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کہہ دو، میں قیامت کے دن تمہارے لیے گواہی دوں گا تو اس پر ابوطالب نے کہا اگر قریش مجھے یہ عار نہ دلاتے کہ گھبراہٹ میں اس نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیا تو میں اسے پڑھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرویتا۔ (بالآخر انہوں نے کلمہ نہ پڑھا اور دین شرک پر ہی ان کی موت ہو گئی) چونکہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے قلب میں ان کے ایمان لانے کا بہت بڑا داعیہ تھا (اس لیے) اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ: (اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَخْبَهْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ) (سورۃ قصص رکوع ۱۶) نازل فرمائی۔ (آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت والوں کو خوب جانتا ہے) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ سے اپنی والدہ کے لیے استغفار کرنے کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت نہیں دی گئی اور میں نے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو اجازت فرما

دی۔ سو تم قبروں کی زیارت کرو وہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۱۵۱)

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ.....

حضرت ابراہیم کا اپنے والد کے لیے استغفار کرنا پھر اس سے بیزار ہونا:

مشرکین کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت بیان فرمانے کے بعد فرمایا: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاٰبِيْهِ..... (اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے استغفار کرنا صرف اس لیے تھا کہ انہوں نے اپنے باپ سے ایک وعدہ کر لیا تھا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو ایمان کی دعوت دی، توحید کی طرف بلایا۔ بت پرستی چھوڑنے کے لیے کہا اس نے نہ مانا۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر تو اپنی بات سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا: (سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيْظًا) (سورۃ مریم رکوع ۲۷) (اب میں تمہارے لیے اپنے رب سے مغفرت کی درخواست کروں گا بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے) اس وعدہ کے مطابق انہوں نے اپنے باپ کے لیے استغفار کیا تھا۔ جیسا کہ سورۃ شعراء میں مذکور ہے۔ (وَاسْتَغْفِرُ لِاٰبِيْهِ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ) (اور میرے باپ کو بخش دیجیے، بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا) سورۃ توبہ کی مذکورہ بالا آیت میں اسی کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے باپ کے لیے استغفار کیا تھا۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَيَّنَ لَهٗ مِنْهُۥٓ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الضّٰلِّيْنَ) کہ جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس کی طرف سے بیزار ہو گئے۔ صاحب روح المعانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر واضح ہو گیا کہ ان کے باپ کی موت کفر پر ہو چکی ہے۔ لہذا انہوں نے بیزاری کا اظہار کر دیا اور استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ اگر تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الضّٰلِّيْنَ کا مطلب یہ لیا جائے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے تو سورۃ شعراء میں جو (كَانَ مِنَ الضّٰلِّيْنَ) ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میرے باپ کو بخش دیجیے جو گمراہوں میں سے ہے۔ كَانَ اپنے معروف معنی میں نہ ہوگا۔ اور چونکہ کافروں کی مغفرت نہیں ہو سکتی اس لیے دعائے مغفرت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسے ایمان کی توفیق دے اور اس کو بخش دے۔ اس صورت میں یوں کہا جائے گا کہ یہ دعا باپ کی موت سے پہلے کی تھی۔ بعض حضرات نے فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الضّٰلِّيْنَ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ واضح ہو گیا کہ میرا باپ اللہ کی دشمنی پر اور اللہ پر ایمان نہ لانے کا موت آنے تک برابر مصر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اس بات کی وحی آگئی تو انہوں نے بیزاری اختیار کر لی (كما ذكره في الروح) اس صورت میں سورۃ شعراء میں جو (اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضّٰلِّيْنَ) ہے اس کا معنی یہ لیا جائے گا کہ جب میں اپنا وطن چھوڑ کر چلا ہوں اس وقت میرا باپ گمراہوں میں سے تھا اب مجھے اس کا حال معلوم نہیں۔ ایمان کی توفیق دے کر اسے بخش دیا جائے۔ پھر جب وحی کے ذریعہ یہ معلوم ہو گیا کہ وہ کفر ہی پر مرے گا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔ بہر حال اب کسی کافر کے لیے مغفرت کی دعا جائز نہیں ہے۔ سورۃ ممتدہ میں جو (اَلَا قَوْلُ اِبْرٰهِيْمَ لِاٰبِيْهِ لَاسْتَغْفِرُ لَكَ) فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم اور ان کے ساتھی جو توحید اور اعمال میں ان کے شریک حال تھے ان میں تمہارے لیے اسوۂ حسنہ ہے سوائے اس بات کے جو ابراہیم نے اپنے باپ سے استغفار کرنے کا وعدہ کیا۔ اس بات میں ان کا اسوۂ نہیں ہے۔

آخر میں فرمایا: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَآفَاةٌ حٰلِيْمٌ ۝۱۰ کہ بلاشبہ ابراہیم بڑے رحم دل تھے بردبار تھے۔ ان کے باپ نے بڑی

سخت باتیں کہیں انہوں نے حلم سے کام لیا اور شفقت کی وجہ سے استغفار کا وعدہ بھی فرمایا۔ جب تک استغفار کے نفع کی امید تھی اس کے لیے استغفار کیا پھر جب یہ واضح ہو گیا کہ استغفار کرنا اس لیے ناکامہ مند نہیں ہو سکتا تو استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

مضمون بالا سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کسی کافر اور مشرک کے لیے استغفار کرنا جائز نہیں ہے کسی کافر سے کیسا ہی تعلق ہو خواہ اپنا رشتہ دار ہی ہو اور خواہ کیسا ہی محسن ہو اس کے لیے استغفار کرنا حرام ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرمادیا کہ کافر اور مشرک کی کبھی بھی بخشش نہ ہوگی تو اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنا یوں ہی بے سود ہے۔ ابوطالب رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے بہت بڑے ہمدرد بھی تھے انہوں نے آپ کی بہت مدد کی۔ دشمنوں سے آپ کو محفوظ رکھنے میں ظاہری اسباب کے اعتبار سے ان کا بڑا کردار ہے۔ جب ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگنے کی ممانعت فرمادی گئی تو آگے اور کسی کے لیے اس کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے؟ اگر کسی کے والدین یا دونوں میں ایک کافر یا مشرک ہو تو مغفرت کی دعا کرنا ممنوع ہے۔

بہت سے فرقے ایسے ہیں جو اسلام کے دعویدار ہیں لیکن اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے اسلام سے خارج ہیں وہ مرجاتے ہیں تو یہ جانتے ہوئے کہ اس کا عقیدہ کفریہ تھا بعض لیڈر اور رؤساء، وزراء ایسے شخص کی نماز جنازہ میں حاضر ہو جاتے ہیں بلکہ نماز پڑھاتے ہیں اور اسے رواداری کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں اس میں اول تو قرآنی ممانعت کی واضح خلاف ورزی ہے دوسرے حاضرین کو اور جس فرقہ کا یہ شخص تھا اس فرقہ کو اس دھوکے میں ڈالتے ہیں کہ کفریہ عقیدہ والے کی بھی مغفرت ہو سکتی ہے (العیاذ باللہ) قرآن کے خلاف کیسی جسارت ہے؟ بہت سے لیڈر اور صحافی کفریہ عقیدہ والوں کی موت کے بعد ”مرحوم“ لکھ دیتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگئی یا اس پر رحمت ہو جائے یہ رواداری شریعت اسلامیہ کے سراسر خلاف ہے۔

وَعَلَى الْكَلْبَةِ الَّذِينَ خَلَقُوا.....

تین حضرات کا مفصل واقعہ جو غزوہ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے:

اس کے بعد ان تین حضرات کی توبہ قبول فرمانے کا خصوصی تذکرہ فرمایا جو مخلص بھی تھے۔ اور غزوہ تبوک میں ساتھ نہ گئے تھے انہوں نے بالکل سچ بولا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالی میں صاف صاف عرض کر دیا کہ ہم بغیر عذر کے رہ گئے تھے یہ حضرات کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ آیت کریمہ (وَ أَخْرُؤْنَ مُؤْجُونَ لِأَمْرِ اللَّهِ) میں اجمالی طور پر ان کا ذکر ہو چکا ہے یہاں دوبارہ ان کا تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ نے ان تین شخصوں پر بھی اپنی مہربانی سے توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔ ان تینوں حضرات کو زمین تنگ معصوم ہونے لگی اور اپنے نفسوں میں بھی تنگی محسوس کرنے لگے یعنی ان کا جینا بہت زیادہ دشوار اور درد بھر ہو گیا۔ اول تو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی اور اوپر مقاطعہ کا حکم کہ کوئی ان سے نہ بولے یہ سب باتیں مل کر بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گئے تھے جن کا واقعہ تفصیل سے حضرت کعب بن مالک کی زبانی امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کتاب المغازی (ص ۶۳، ۶۴) میں یوں بیان کیا ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لانے لگے تو مجھے زیادہ فکر لاحق ہوگئی میں سوچتا رہا کہ میں آپ کی ناگواری سے کیسے نکلوں گا اس بارے میں یہ بھی خیال آتا تھا کہ جھوٹے

عذر پیش کر دوں گا۔ اور اپنے گھر والوں سے بھی اس بارے میں مشورہ کرتا تھا۔ جب آپ بالکل ہی مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے تو جھوٹ بولنے کا جو خیال تھا وہ بالکل ختم ہو گیا اور میں نے یہ طے کر لیا کہ سچ ہی بولوں گا اور سچ ہی کے ذریعہ میں آپ کی ناراضگی سے نکل سکتا ہوں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے ہی آئے۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب سفر سے تشریف لاتے تھے تو اول مسجد میں جاتے تھے وہاں دو رکعتیں پڑھ کر تشریف فرما ہو جاتے تھے۔ جب آپ اپنے اس عمل سے فارغ ہو گئے تو وہ لوگ آگئے جو غزوہ تبوک میں شریک ہونے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور اپنے اپنے عذر پیش کرتے رہے اور قسمیں کھاتے رہے۔ یہ لوگ تعداد میں اسی سے کچھ اوپر تھے۔ آپ ظاہری طور پر ان کے عذر قبول فرماتے رہے۔ ان کو بیعت بھی فرمایا۔ اور ان کے لیے استغفار بھی کیا اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد فرما دیا۔

حضرت کعب نے بیان کیا میں بھی حاضر خدمت ہوا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ مسکرائے جیسے کوئی غصہ والا شخص مسکراتا ہو پھر فرمایا آ جا، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

آپ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے پیچھے ڈالا (غزوہ تبوک میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟) کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی۔ میں نے عرض کیا داغت میں نے سواری خرید لی تھی۔ اللہ کی قسم اگر اصحاب دنیا میں سے کسی کے پاس بیٹھتا تو میں اس کی ناراضگی سے عذر پیش کر کے نکل سکتا تھا میں بات چیت کرنے کا ڈھنگ جانتا ہوں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں اور اس پر قسم کھاتا ہوں کہ اگر آج میں آپ کے سامنے جھوٹی بات پیش کر کے آپ کو راضی کر لوں تو عنقریب ہی اللہ تعالیٰ (صحیح بات بیان فرما کر) آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا۔ اور اگر میں سچی بات بیان کروں تو آپ غصہ تو ہوں گے لیکن میں اس میں اللہ سے معافی کی امید رکھتا ہوں، اللہ کی قسم مجھے کوئی عذر نہ تھا اور جتنا قوی اور غنی میں اس موقع پر تھا جبکہ آپ سے پیچھے رہ گیا ایسی قوت والا اور ماں والا میں کبھی بھی نہیں ہوا۔ میری بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص نے سچ کہا پھر فرمایا کھڑے ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ تمہارے بارے میں فیصلہ فرمائے۔

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے اٹھا اور قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ میرے ساتھ ہو لیے انہوں نے اللہ کی قسم جہاں تک ہمارا علم ہے اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ کیا تم یہ نہ کر سکتے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسی طرح عذر پیش کر دیتے جیسے دوسرے لوگوں نے اپنے عذر پیش کیے اور پھر رسول اللہ ﷺ کا استغفار فرمانا تمہارے لیے کافی ہو جاتا، اللہ کی قسم ان لوگوں نے مجھے اتنی ملامت کی کہ میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ واپس جا کر اپنے بیان کو جھٹلا دوں (اور کوئی عذر پیش کر دوں) پھر میں نے ان لوگوں سے کہا کہ یہ بتاؤ میرا شریک حال اور کوئی شخص بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو آدمی ہیں انہوں نے بھی اسی طرح اپنا بیان دیا ہے جیسا تم نے بیان دیا ہے اور ان کو وہی جواب دیا گیا جو تم کو دیا گیا، میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ ہیں۔ ان لوگوں نے میرے سامنے ایسے دو شخصوں کا ذکر کیا جو صالحین میں سے تھے۔ میں نے کہا کہ میں ان دونوں کی اقتداء کرتا ہوں۔ جو ان کا حال ہو گا وہی میرا حال ہو جائے گا۔

حضرت کعب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے بات چیت کرنے سے منع فرما دیا۔ لہذا لوگ ہم سے بچ کر رہنے لگے اور یکسر بدن گئے۔ میرا تو یہ حال ہوا کہ زمین بھی مجھے

دوسری زمین معلوم ہونے لگی گویا کہ میں اس زمین میں رہتا ہوں جسے جانتا بھی نہیں۔ رات دن برابر گزر رہے تھے میں مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا لیکن مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میری حاضری ہوتی تھی، آپ نماز کے بعد تشریف فرما ہوتے تو میں سلام عرض کرتا اور اپنے دل میں یہ خیال کرتا تھا کہ سلام کے جواب کے لیے آپ ہونٹ ہلاتے ہیں یا نہیں؟ پھر میں آپ کے قریب نماز پڑھتا تھا اور نظر چرا کر آپ کی طرف دیکھتا تھا۔ جب میں نماز پڑھتا تھا تو آپ میری طرف توجہ فرماتے تھے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ اعراض فرمالتے تھے۔ یہ تو میرا حال تھا۔ لیکن میرے جو دوست تھے وہ تو بالکل ہی عاجز ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور برابر روتے رہے۔

اس مقاطعہ کے زمانہ میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ میں اپنے چچا زاد بھائی ابوقنادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھا جن سے مجھے بہ نسبت اور لوگوں کے سب سے زیادہ محبت تھی، میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابوقنادہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور ان کو قسم دلائی تو انہوں نے اتنا کہہ دیا: اللہ ورسولہ اعلمہ (اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے والا ہے) یہ بات سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس ہو گیا اور دیوار پھاند کر چلا آیا۔

اور دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ میں مدینہ منورہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ شام کے کاشکاروں میں سے ایک شخص جو غلہ بیچنے کے لیے مدینہ منورہ آیا ہوا تھا لوگوں سے پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک کون شخص ہے؟ لوگ میری طرف اشارے کرنے لگے۔ وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ سختی کا معاملہ کیا ہے اور اللہ نے تمہیں گرا پڑا آدمی نہیں بنایا۔ لہذا تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری دلدادگی کریں گے۔ یہ خط پڑھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک اور آزمائش سامنے آگئی۔ میں نے اس خط کو لے کر تنور میں جھونک دیا۔

مقاطعہ کے سلسلہ میں ایک یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم تینوں کو حکم بھیجا کہ اپنی بیویوں سے علیحدہ رہیں۔ ہلال بن امیہ کی بیوی تو حاضر خدمت ہو کر یہ خبر پیش کر کے اجازت لے آئی کہ وہ بہت زیادہ بوڑھے ہیں ان کا کوئی خادم نہیں ہے آپ نے خدمت کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ وہ میاں بیوی والا جو خاص تعلق ہے اس کو کام میں نہ لایا جائے۔ میرے خاندان والوں نے مجھے بھی مشورہ دیا کہ تم بھی اجازت طلب کر لو کہ تمہاری بیوی تمہاری خدمت کر دیا کرے۔ میں نے کہا کہ میں جوان آدمی ہوں میں ایسا نہیں کر سکتا۔

جب اس مقابلہ پر پچاس راتیں گزر گئیں تو نماز فجر کے بعد جبکہ میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میرا حال وہ ہو چکا تھا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے کہ اپنی جان سے بھی تنگ آ گیا اور زمین بھی میرے لیے اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی تو میں نے ایک بلند آواز سنی جنہل سلع پر چڑھ کر کوئی شخص بلند آواز سے پکار رہا تھا کہ اے کعب بن مالک خوش ہو جاؤ یہ

آوازن کر میں سجدہ میں گر پڑا اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ مصیبت دور ہونے کی کوئی صورت سامنے آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کا اعلان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول فرمائی۔ یہ اعلان نماز فجر کے بعد فرمایا تھا۔ اعلان سن کر لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لیے روانہ ہوئے۔ میرے ساتھیوں کی طرف بھی خوشخبری دینے والے چلے اور ایک صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میری طرف چلے۔ لیکن قبیلہ بنی اسلم کے ایک صاحب دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکار کر توبہ کی خوشخبری سنادی۔ اس شخص کی آواز گھوڑے سے پہلے پہنچ گئی۔ جب وہ شخص میرے پاس پہنچا جس کی آواز میں نے سنی تھی تو اسے میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر دے دیئے۔ اس وقت میرے پاس یہی دو کپڑے تھے (اگرچہ مال بہت تھا) میں نے دونوں کپڑے دے دیئے اور خود دو کپڑے مانگ کر پہن لیے۔

میں رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہوا۔ صحابہ کرام مجھ سے فوج در فوج ملاقات کرتے تھے اور توبہ قبول ہونے پر مبارکبادی دیتے تھے میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں آپ کے چاروں طرف حاضرین موجود ہیں۔ میری طرف طلحہ بن عبید اللہ دوڑے ہوئے آئے یہاں تک کہ مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکبادی میں ان کے اس عمل کو کبھی نہیں بھولوں گا اس کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی بھی میری طرف اٹھ کر نہیں آیا۔ (وچہ اس کی یہ تھی کہ اگر سبھی اٹھتے تو مسجد نبوی جو سکون و اطمینان کے ساتھ جسی ہوئی تھی وہ ٹوٹ جاتی، سب کی طرف سے ایک شخص کا کھڑا ہونا کافی ہو گیا)۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اس وقت آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا آپ نے فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو۔ جب سے تمہاری پیدائش ہوئی ہے تم پر آج سے بہتر کوئی دن نہیں گزرا اس سے اسلام لانے کا دن مستثنیٰ ہے (کمانی حاشیہ البخاری عن القسطلانی) رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی خوشی کا موقع آتا تھا تو آپ کا چہرہ نور ایسا روشن ہو جاتا تھا جیسے چاند کا نکلا ہے۔ ہم آپ کی خوشی کو اسی سے پہچان لیتے تھے۔ جب میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اپنی توجہ میں اس بات کو بھی شامل کر لیا کہ میں پناہ سارا مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے لیے خرچ کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا کچھ مال رکھ لو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ میں نے کہا اچھا تو میں اپنا وہ حصہ روک لیتا ہوں جو مجھے خیر کے مال غنیمت سے ملا تھا۔

پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ نے مجھے سچ ہی کے ذریعہ نجات دی ہے اور میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو بھی شامل کر لیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ ہی بولوں گا کہنے کو تو میں نے کہہ دیا لیکن میرے عم میں مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں جو سچ بولنے کے بارے میں مجھ سے زیادہ جلا کیا گیا ہو۔ میں آج تک اس پر قائم ہوں، جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سچ بولنے کا عہد کیا اس وقت سے لے کر آج تک کبھی میں نے جان کر جھوٹ نہیں بلایا اور اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ باقی زندگی بھی میری حفاظت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے توبہ قبول فرمانے کی بشارت دیتے ہوئے آیت شریفہ: لَقَدْ نَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ سے لے کر وَكُنُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ تک آیات نازل فرمائیں۔ حضرت کعب نے یہ بھی فرمایا کہ نعمت اسلام کے بعد اس سے بڑی کوئی نعمت مجھے حاصل نہیں ہوئی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

ضرر ہو کر سچ بات کہہ دی تھی۔ اگر میں جھوٹ کہہ دیتا تو میں بھی ہلاک ہو جاتا جیسے دوسرے لوگ جھوٹے عذر پیش کر کے ہلاک ہو گئے۔

نوابع ضروریہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے واقعہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں۔

(۱) مؤمن بندوں پر لازم ہے کہ ہمیشہ سچ بولیں، سچی بات کہیں، سچ ہی میں نجات ہے۔ اور جھوٹ میں ہلاکت ہے۔ منافقین نے غزوہ تبوک کے موقع پر جھوٹے عذر پیش کر کے دنیا میں جائیں چھڑا لیں لیکن آخرت کا عذاب اپنے سر لے لیا اور مخلصین مؤمنین نے سچ بولا اور سچی توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی کا اعلان فرمادیا۔ اگر کوئی شخص اپنے اکابر سے اور متعلقین سے جھوٹ بولے چند دن ممکن ہے کہ اس کا جھوٹ چل جائے لیکن پھر اس کی پول کھل ہی جاتی ہے۔ اور ذلت کا منہ دیکھتا پڑتا ہے۔

(۲) امیر المؤمنین اگر مناسب جائے تو بعض افراد کے بارے میں مقاطعہ کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ عامۃ المسلمین کو حکم دے سکتا ہے کہ فلاں فلاں شخص سے سلام کلام بند رکھیں۔ جب وہ صحیح راہ پر آ جائے تو مقاطعہ ختم کر دیا جائے۔

(۳) بعض مرتبہ ابتلاء پر ابتلاء ہو جاتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ رسوایاں کی ناراضگی میں اور مقاطعہ کی مصیبت میں مبتلا تو تھے ہی ادھر سے شاہ عثمان کا یہ خط ملا کہ تم ہمارے پاس آ جاؤ تو ہم تمہاری قدر دانی کریں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان پر استقامت بخشی اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضامندی ہی کو سامنے رکھا اور بادشاہ کے خط کو نور میں جھونک دیا۔ اگر وہ اس وقت اپنے عزائم میں کپے پڑ جاتے اور شاہ عثمان کی طرف چلے جاتے تو اس وقت کی ظاہری مصیبت بظاہر دور ہو جاتی لیکن ایمان کی دولت سے محروم ہو کر آخرت برباد ہو جاتی۔ اس قسم کے ابتلاءات اور امتحانات سامنے آتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرے اور استقامت پر رہے۔

(۴) حضرت کعب رضی اللہ عنہ مقاطعہ کے باوجود مسجد میں حاضر ہوتے رہے نمازیں پڑھتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام بھی پیش کرتے رہے۔ یہ نہیں سوچا کہ چلو آپ روٹھے ہم چھوٹے، جیسا کہ ان لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے جن کا تعلق اصلی نہیں ہوتا۔

(۵) جب اللہ اور اس کے رسول کا حکم آ جائے تو اس کے مقابلہ میں کسی عزیز قریب کی کوئی سیثیت نہیں رہتی۔ حضرت قتادہ جو حضرت کعب بن مالک کے چچا زاد بھائی اور انہیں سب سے زیادہ محبوب تھے جب انہیں سلام کیا تو جواب نہیں دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے سلام کلام کی ممانعت تھی۔

(۶) جب آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں تینوں حضرات کی توبہ قبول فرمانے کا ذکر تھا تو حضرات صحابہ نے کعب بن مالک اور ان کے دونوں ساتھیوں کو جلدی سے بشارت دینے کی کوشش کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں کسی کو کوئی کامیابی حاصل ہو جائے جس کا اسے علم نہ ہو تو اسے بشارت دینی چاہئے اور اس میں جلدی کرنی چاہئے۔

(۷) پھر جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ توبہ کا اعلان سننے کے بعد اپنے گھر سے نکلے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو حق درجوق ان سے ملاقاتیں کیں اور برابر انہیں مبارکباد دیاں رہے یہ مبارکبادی توبہ قبول ہونے پر تھی، معلوم ہوا کہ دینی امور میں اگر

کسی کو کامیابی حاصل ہو جائے تو اسے مبارک بادی دینا چاہئے۔

(۸) جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت کعب پہنچے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارک بادی دی اس سے معلوم ہوا کہ زبانی مبارک بادی کے ساتھ عملی طور پر مبارکباد دینا بھی مستحب ہے۔

(۹) آئندہ کے لیے گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا اور جو کچھ گناہ کیا ہو اس پر سچے دل سے نادم ہونے سے توبہ قبول ہو جاتی ہے (اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی کرنا بھی لازم ہوتا ہے) لیکن توبہ کو اقرب الی القبول بنانے کے لیے مزید کوئی عمل کرنا مستحب ہے۔ اور توبہ قبول ہونے کے بعد بطور شکر کچھ مال خیرات کرنا بھی مستحب ہے۔ صلاۃ التوبہ جو مشروع ہے اس میں یہی بات ہے کہ توبہ کی قبولیت جلد ہو جائے اور قبول کرانے کے لیے ندامت کے ساتھ کوئی اور عمل بھی شامل ہو جائے۔ حضرت کعب نے توبہ قبول ہو جانے کے بعد جو یہ عرض کیا کہ میں نے اللہ کی رضا کے لیے بطور صدقہ اپنا پورا مال خرچ کرنے کی نیت کی ہے۔ یہ نیت اگر پہلے سے تھی تو صلوة التوبہ کی طرح ایک عمل ہے اور اگر بعد میں نیت کی تھی تو بطور ادائے شکر تھی۔

(۱۰) حضرت کعب نے عرض کیا کہ میری توبہ کا یہ بھی جزو ہے کہ میں اپنا پورا مال بطور صدقہ خرچ کر دوں، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سب خرچ نہ کرو کچھ مال روک لو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تو میں اپنا خیر والا حصہ روک لیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پورا مال صدقہ کر کے پریشانی میں نہ پڑ جائے۔ البتہ اگر کسی نے پورا مال صدقہ کرنے کی نذرمان لی (جو زبان سے ہوتی ہے) تو اس کو پورا مال صدقہ کرنا واجب ہے لیکن اس سے بھی یوں کہا جائے گا کہ اپنے اور اپنے مال بچوں کے لیے بقدر ضرورت کچھ روک لے اور آئندہ جب مال تیری ملکیت میں آ جائے تو جو مال روک لیا تھا اسی جس کا مال صدقہ کر دینا تا کہ نذر پر پوری طرح عمل ہو جائے۔ حضرت کعب کے واقعہ میں چونکہ نذر نہیں تھی محض نیت تھی، اس لیے جتنا مال روک لیا تھا۔ اس کے برابر میں صدقہ کرنے کا ذکر حدیث میں نہیں ہے۔

(۱۱) جو شخص جس قدر کسی گناہ سے بچنے کا اہتمام کرنے کا عہد کر لیتا ہے اسے عموماً ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں جن میں اس گناہ کے کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اور یہ ایک بڑا امتحان ہوتا ہے۔ حضرت کعب نے چونکہ ہمیشہ سچ بولنے کا عہد کر لیا تھا اس لیے اس بارے میں ان کا بار بار امتحان ہوتا رہتا تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ بِتِلْكَ مَعَاصِيهِ وَ كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿۹﴾ فِي الْإِيمَانِ وَالْعَهْدِ بَأَنْ تَلْزَمُوا

الصِّدْقَ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنِ رَسُولِ اللَّهِ إِذَا غَزَا وَلَا

يَرْعَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنِ نَفْسِهِ ۗ أَنْ يَضُورُواَهَا عَمَّا رَضِيَ لِنَفْسِهِ مِنَ الشَّدَائِدِ وَهُوَ نَهَى بِلَفْظِ الْخَبْرِ ذَلِكَ

أَيِ النَّهْيِ عَنِ التَّخَلُّفِ بِأَكْثَرِهِمْ بِسَبَبِ أَنََّّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمًا عَطَشٌ وَلَا نَصَبٌ تَعَبٌ وَلَا مَخْصَصَةٌ

جُزْعٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطْعُونَ مَوْطِئًا مَضْدَرًا بِمَعْنَى رَطْبًا يَغِيظُ يَغْضَبُ الْكُفَّارَ وَلَا يَتَأَلَوْنَ مِنْ

عَدُوِّ اللَّهِ كَيْلًا قِتْلًا أَوْ اسْرَاؤُنْهُمَا إِلَّا كَتَيْبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ۗ يُجَاوِزُ عَلَيْهِ إِنْ اللَّهُ لَا يُضَيِّعُ

أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ أَيُّ أَجْرِهِمْ بَلَّ بَعْثُهُمْ وَلَا يُنْفِقُونَ فِيهِ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا تُؤْتَمَرُ وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يُقَطَّعُونَ وَادِيًا بِالشَّيْبِ إِلَّا كَتَبَ لَهُمْ ذَلِكَ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ أَيُّ جَزَائِهِ وَلَمَّا وَبَحُوا عَلَى التَّخَلُّفِ وَأَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً نَفَرُوا جَمِيعًا فَتَزَلَّ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا إِلَى الْغَزْوِ كَأَنَّ فُلُوكَ لَا فَهْلًا نَفَرُوا مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ قَبِيلَةٌ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ جَمَاعَةٌ وَمَكَتَ الْبَاقُونَ لِيَتَفَقَّهُوا أَيُّ الْمَا كَثُرْنَ فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ مِنَ الْغَزْوِ بِتَعْلِيمٍ مَا تَعَلَّمُوهُ مِنَ الْأَحْكَامِ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝ عِقَابُ اللَّهِ بِامْتِنَالِ أَمْرِهِ وَنَهْيِهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ص فَهَذَا مَخْصُوصَةٌ بِالشَّرَابِ وَالنَّبِيِّ قَبْلَهَا بِالنَّهْيِ عَنْ تَخَلُّفِ أَحَدٍ فِيْمَا إِذَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو (گناہ ترک کر کے) اور سچوں کے ساتھ رہو (ایمان اور عہد کے بارے میں سچ کی پابندی کرو۔) مدینہ کے رہنے والوں اور جو دیہاتی کے گرد پیش ہیں ان کو یہ زیارت تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ ندیں (غزوہ کے موقع پر) اور نہ یہ زیارت تھا کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں (کہ جن مصائب سے آپ ﷺ کو دوچار ہونا پسند کرتے ہیں ان سے یہ لوگ اپنا بچو کرنے لگیں۔ الفاظ تو یہاں نبی کے ہیں مگر مقصود خبر ہے) یہ یعنی جہاد میں نہ جانے سے روکنا (اس لیے) اس لیے کہ انہیں جو پیاس لگی ہے اور جو محنت (تکلیف) انہوں نے جھیلی ہے اور جو بھوک لگی ہے اللہ کی راہ میں اور وہ قدم جو چلتا ایسا چلنا (یہ مصدر ہے روندنے کے معنی ہیں) جو کفار کے لیے غیظ (غضب) کا باعث ہوتا ہے اور شمنوں کی جو کچھ خبر لی (انہیں قتل کیا یا گرفتار کیا یا لوٹا) ان سب پر ان کے نام ایک نیک کام لکھا گیا ہے (اسی کے مطابق بدلے کا) یقیناً اللہ تعالیٰ نیک کرداروں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے (بلکہ انہیں اجر مرحمت فرماتے ہیں) اور وہ کوئی رقم خرچ نہیں کرتے وہ چھوٹی ہو (جیسے کھجور) یا بڑی اور کوئی میدان (چل کر) انہیں طے کرنا نہیں پڑے گا مگر ان کے نام ان کی نیکی کا جسی گئی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمادے (یعنی جو کچھ انہوں نے کیا اس کا اجر چونکہ تنوک میں نہ جانے پر لوگوں کو جھڑ جھڑا دیا گیا تھا اس لیے پھر بعد میں جب کسی موقع پر نبی کریم ﷺ نے کہیں کوئی نوجی دستہ بھیجنا چاہا سب کل کھڑے ہوئے پس ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ہر بڑی جماعت (خاندان) میں سے ایک مختصر حصہ (جماعت) نکل جایا کرے (اور باقی لوگ ٹھہرے رہیں) تاکہ یہ (باقی ماندہ) لوگ دنیا کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور جب یہ لوگ (جہاد سے فٹ کر) اپنی قوم کی طرف واپس جائیں تو لوگوں کو ڈر دلائیں (جو احاطہ انہوں نے خود کیے ہیں وہ دوسروں کو سکھلا کر) تاکہ وہ لوگ بھی (اللہ کے عذاب سے شرعی احکام کی پابندی کر کے اور ممانعتوں سے بچ کر، امن مہاس کی رائے ہے کہ یہ حاکم معمولی لڑائیوں کے متعلق ہے لیکن آیتیں جن میں نہ جانے والوں کی سرزنش کی گئی ہے وہ اس وقت ہے جبکہ بنفس نفیس آنحضرت ﷺ بھی تشریف لے جائیں۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و شرح

قوله: فِي الْإِيمَانِ: اس سے اشارہ کیا مکان و معاملہ میں ساتھ کافی نہیں اصل ایمان میں ساتھ مفید ہے۔

قوله: مَّضْرُ: موطأ یہ مصدر میسی ہے ظرف نہیں۔

قوله: وَلَا يَنَالُونَ: جو تکلیف ان کو پہنچے، نال منہ کم کرنے کو کہتے ہیں۔

قوله: أَجْرُهُمْ: یہاں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو لا کر اشارہ کیا وہ مخلص ہیں ان کا اجر ضائع نہ ہوگا۔

قوله: بِذَلِكَ: کتب کی ضمیر انفاق کی طرف راجع ہے۔ اور وادی کا طے کرنا بھی اسی تاویل میں ہے۔

قوله: جَزَائِهِ: اس سے اشارہ کیا کہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بہترین بدلہ ملے گا اور اس کے علاوہ کو ان کا اجر بڑھانے کے لیے ساتھ ملا یا جائے گا۔

قوله: بَجَمَاعَةٍ: گویا طائفہ اور فرقہ باہمی فرق کی ترکیب سے اس کو اخذ کیا گیا ہے کیونکہ قلیل کثیر کی نسبت تیزی کرتا ہے۔

قوله: وَالَّتِي قَبْلَهَا: یہ بھی سرا یا دغزوات سے متعلق ہے اور پہلے والی تخلف سے متعلق تھی (کذا قال ابن عباس)

تفسیر مقبولین

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ.....

رہط: ان آیات میں مختلفین پر عتاب عام فرمایا ہے کہ جن اہل مدینہ اور اعراب نے اس غزوہ میں آرام طلبی کی بناء پر رسول کا ساتھ نہیں دیا اور ان خیرات و برکات سے محروم رہے کہ جو آپ کے رفقاء سفر کو نصیب ہوئیں و آئندہ کے لیے نصیحت کی کہ مسلمانوں کو یہ سزا نہیں کہ جب کوئی موقعہ جاں نثاری کا آئے تو رسول اللہ ﷺ سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنی راحت اور حفاظت کو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مقدم سمجھیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں رہنے والوں کو روا نہیں تھا کہ وہ رسول اللہ کے ہمراہ جہاد میں جانے سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ روا تھا کہ اپنی جانوں کو رسول اللہ ﷺ کی جان سے زیادہ عزیز سمجھیں کہ اپنی جان کی تو فکر کریں اور رسول خدا تکلیفیں، ٹھائیں اور ان کو آپ کی تکلیف اور مشقت کا خیال نہ آئے اپنے لیے تو عیش و آرام پسند کریں اور رسول اللہ ﷺ کو جہاد کی شدت اور مشقت میں چھوڑ دیں۔ اور یہ یعنی جہاد میں آپ ﷺ کے ساتھ جانا اس لیے بھی ضروری تھا کہ علاوہ اذائے حق محبت کے اگر یہ لوگ جہاد میں حضور پر نور ﷺ کے ساتھ رہتے تو ان کو اجر عظیم ملتا۔ کیونکہ جو لوگ سفر جہاد میں آپ کے ساتھ رہتے ہیں ان کو راہ خدا میں یعنی جہاد میں جو پیاس اور رنج و محنت اور بھوک کی تکلیف پہنچتی ہے اور جو قدم وہ دشمن کی زمین پر رکھتے ہیں۔ جس سے کافر غیظہ اور طیش میں آتے ہیں اور جو چیز وہ دشمن سے چھینتے ہیں اور اس کو تکلیف پہنچاتے ہیں یعنی ان کو گرفتار کرتے ہیں یا قتل کرتے ہیں یا شکست دیتے یا ان سے مال غنیمت

حاصل کرتے ہیں۔ ان سب پر ان کے لیے نیک عمل کا ثواب لکھا جاتا ہے باوجودیکہ ان میں بعض افعال غیر اختیاری ہیں۔ لیکن جہاد فی سبیل اللہ اس درجہ عظیم ہے کہ اس کے ضمن میں افعال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ سب ہی پر ثواب لکھا جاتا ہے حتیٰ کہ جہاد کے گھوڑے کے کودنے اور پھاندنے اور لید کرنے پر بھی اجر ملتا ہے اور اس وعدے میں تخیل کا احتمال نہیں اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔

مطلب یہ ہے کہ مجاہدین کو ان کے ہر عمل پر اجر ملتا ہے کسی حالت میں ان کا ثواب ضائع نہیں جاتا۔ پس ایسی حالت میں جہاد سے جان چرانا اور رسول کا ساتھ چھوڑنا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ (معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی)

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً ۝

جہاد اور تفرقہ فی الدین میں مشغول رہنے کی اہمیت اور ضرورت:

دین اسلام کامل ہے، مکمل ہے، جامع ہے۔ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اس میں اعتقادات بھی ہیں اور عبادات بھی، اخلاق بھی ہیں اور آداب بھی، معاشرت کے طریقے بھی ہیں اور معاملات کے احکام بھی، یہ وہ شادی بھی ہے اور اولاد کی پرورش بھی، مال کمانے کے جتنے طریقے ہیں ان کے احکام بھی بتائے ہیں۔ کفر کو مٹانے اور اہل کفر کو نینچا دکھانے کا اور اللہ کا بول بالا کرنے کے لیے جہاد اور قتال بھی مشروع ہے اور یہ بھی دین کا ایک ضروری اور بہت اہم کام ہے۔ جسے حدیث شریف میں چوٹی کا عمل بتلایا ہے (ذروۃ سنا مہ الجہاد) لیکن اگر سارے ہی افراد جہاد میں لگ جائیں تو تعلیم و تعلم کا کام کون کرے جس کے ذریعہ علم و اعمال زندہ رہتے ہیں۔ اور فضائل و مسائل کا پتہ چلتا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں کے احکام معلوم ہوتے ہیں۔

جہاد کی قسمیں:

اس لیے عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں ہے۔ فرض عین اسی وقت ہوتا ہے جبکہ دشمن کسی علاقہ پر دھاوا بول دیں۔ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے۔ پس جہاد فرض کفایہ ہے اور دین کی دوسری ضروریات بھی ہیں۔ خصوصاً جبکہ علوم اسلامیہ کا جانا، اور پہنچانا اور پھیلانا بھی لازم ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہر وقت جہاد کے لیے ہر فرد نکل کھڑا ہو، اسی کو فرمایا: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً ۝ کہ اہل ایمان کو یہ نہ چاہئے کہ سب ہی نکل کھڑے ہوں ہاں ایسا ہو کہ جہاد میں بھی جاتے رہیں ہر بڑی جماعت میں سے چھوٹی جماعت جایا کرے۔ اور علوم میں مشغول رہنے والے بھی ہوں۔ جہاد میں جانے والے جہاد کو قائم رکھیں جس سے فرض کفایہ ادا ہوتا رہے۔

تفقیہ اور تفرقہ کی ضرورت:

جو لوگ جہاد میں نہ نکلیں وہ دینی سمجھ حاصل کریں۔ یعنی ایک جماعت علوم دینیہ پڑھانے والوں کی بھی رہے۔ جن کے ساتھ علوم دینیہ حاصل کرنے والے لگے رہیں اور سرسری علوم پر اکتفا نہ کریں۔ بلکہ فقہ فی الدین حاصل ہونا ضروری ہے علوم کی وسعت بھی حاصل ہو اور علوم کی گہرائی میں اتریں، تاکہ اس قابل ہو جائیں کہ یہ سمجھ سکیں کہ کس آیت اور کس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے اس کو تَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ سے تعبیر فرمایا جو لوگ جہاد میں نہیں گئے وہ وطن میں رہ کر علم دین حاصل کریں

اور جو لوگ جہاد میں گئے وہ بھی واپس آ کر علم حاصل کریں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ علم دین سے نااہل رہیں۔ اگر جاہل محض رہیں گے تو جہاد سے متعلقہ اعمال شرعیہ کی تعمیل نہ کر سکیں گے۔ جب یہ لوگ جہاد سے واپس آ جائیں تو وہ جو حضرات علم کی تحصیل میں مشغول تھے ان واپس آنے والوں کو اللہ سے ڈرامیں یعنی دینی احکام سکھائیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچے رہیں۔ اسی کو فرمایا: لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذْ رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۰۸﴾ جہاد میں جانے والے نوبت بہ نوبت جایا کریں۔ ایک جماعت جہاد میں چلی گئی (جن کے پاس ضروری علم پہلے سے ہے) اور جب یہ جماعت واپس آ جائے تو یہ علوم دینیہ میں مشغول ہو جائے اور دوسری جماعت چلی جائے۔ جب جہاد ہمیشہ ہی فرض کفایہ ہے اور علوم دینیہ کو زندہ رکھنا بھی ضروری ہے اور مجاہدین کی خانگی حاجات اور ضروریات بھی ہیں تو ایسا کرنا ضروری ہوگا کہ فرض کفایہ کو قائم رکھنے کے لیے جماعت جہاد میں چلی جایا کرے اور ان کی واپسی پر بلکہ ان سے پہلے ہی دوسری جماعت جہاد کے لیے روانہ ہو جایا کرے۔ جو لوگ علوم میں مشغول تھے وہ مجاہدین کے پیچھے ان کے گھر والوں کی خیر خبر رکھیں اور جب وہ واپس آ جائیں تو ان کو احکام شرعیہ بنا کر، قرآن و حدیث کی تعلیم دیں۔

بطور فرض کفایہ امت مسلمہ کے ذمہ یہ بھی لازم ہے کہ علوم شرعیہ کو محفوظ رکھیں اور ان کو پڑھتے پڑھاتے رہیں۔ قرآن مجید کا محفوظ رکھنا (مطبوعہ مصاحف پر بھروسہ کر کے حفظ کو نہ چھوڑ دیا جائے) قرآن کی تفاسیر کو محفوظ رکھنا احادیث شریفہ اور ان سے متعلقہ علوم کو محفوظ رکھنا، قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے جو احکام و مسائل مجتہدین نے مستنبط کیے ہیں ان کو محفوظ رکھنا بلکہ علوم عربیہ صرف و نحو، معانی و بیان اور عربی لغات کا باقی رکھنا بھی لازم ہے کیونکہ ان چیزوں پر قرآن و حدیث کا فہم موقوف ہے۔ اگر یہ چیزیں محفوظ نہ ہوں گی تو مجتہدین اور زنادقہ اپنے پاس سے غلط ترجمے کریں گے اور قرآن و حدیث کے مفاہیم اور معانی بدل دیں گے۔ ہر شخص پر عقائد اسلامیہ کا جاننا اور ان کا عقیدہ رکھنا، نماز کے احکام و مسائل جاننا اور نماز کو یکجا اور یاد رکھنا، طہارت و نجاست کے مسائل جاننا، اور ان تمام احکام کا جاننا جن سے ہر شخص کو روزانہ واسطہ پڑتا ہے یہ فرض عین ہے۔ جو لوگ تجارت کرتے ہیں ان کو تجارت کے مسائل جاننا فرض عین ہے اسی طرح جو لوگ زراعت میں صنعت و حرفت میں ملازمت میں لگے ہوئے ہیں اپنے اپنے مشاغل اور مکاسب کے بارے میں احکام و مسائل سیکھیں جو ان پر فرض عین ہے تاکہ خلاف شرع طریقوں سے مال نہ کھائیں۔ محنت بھی کریں اور مال حرام ملے اور مال کمانے میں خلاف شرع اور کام اور کباب کر کے گنہگار ہوں اس سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے اپنے کاروبار اور کام کاج کے بارے میں شریعت کے احکام معلوم کریں۔ جن کے پاس مال ہے وہ خصوصیت کے ساتھ وجوب زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے مسائل معلوم کریں۔

لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ غیر قوموں کی طرح اپنے کو آزاد سمجھتے ہیں اور جیسے چاہتے ہیں زندگی گزار لیتے ہیں نہ میاں ہوئی کے حقوق کا پتہ، نہ اولاد کی تعلیم و تادیب کی خبر، نہ ماں باپ اور دیگر اقرباء کے حقوق کی ادائیگی کا فکر، نہ حلال کمانے کا دھیان۔ یہ طریقہ اہل ایمان کا طریقہ نہیں ہے۔

فقہ دینی سمجھ کا نام ہے عہد اول میں اس کا مفہوم بہت زیادہ عام تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: معرفة النفس مالها وما عليها کہ ہر شخص کا یہ پہچان لینا کہ میری ذمہ داری کیا ہے۔ میں دنیا اور آخرت میں کن کن چیزوں کا مسؤل ہوں اور وہ کیا کیا چیزیں ہیں جن کا انجام دینا میرے ذمے لازم ہے۔ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد

ان سب کو جانے اور جاننے کے مطابق عمل کرے۔ اس میں پورے دین کا سمجھنا اور اپنی جان پر نافذ کرنا آ گیا۔ (درحقیقت یہ فقہ کی بہت جامع تعریف ہے۔ اور لَيْتَنَفَقَهُوْا فِي الدِّيْنِ کے مفہوم میں یہ سب احکام و مسائل آ جاتے ہیں احکام و مسائل کا جو عم ہے اور جو امور روح قلب اور تزکیہ نفس سے متعلق ہیں فقہ ان سب کو شامل ہے۔ حضرت حسن سے کسی نے کچھ دریافت کیا انہوں نے کچھ جواب دے دیا، سائل نے کہا دوسرے فقہاء تو آپ کی مخالفت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا تم نے کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟ اس کے بعد فقیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: انا الفقيه الزاهد في الدنيا، الراغب في الآخرة، البصير بدينه المداوم على عبادة ربه الورع الكاف عن اعراض المسلمين العفيف عن اموالهم الناصح لجماعتهم۔ یعنی فقیہ وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو، مسلمانوں کی بے آبروئی کے درپے نہ رہتا ہو (یعنی ان کی غمبختیں نہ کرتا ہو۔ ان پر تہمت نہ دھرتا ہو) ان کے مالوں سے دور رہتا ہو، اور مسلمانوں کی جماعت کا خیر خواہ ہو۔ (روح المعانی ص ۴۸ ج ۱۷)

فقہ فی الدین بہت بڑی دولت ہے جس کو بھی حاصل ہو جائے وہ بڑا سعادت مند ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ)) کہ اللہ تعالیٰ جس کو خیر سے نوازنے کا ارادہ فرماتے ہیں اسے فقہ فی الدین کی دولت عطا فرماتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۱۶ ج ۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو عادی تھے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے بارگاہ الہی میں یوں عرض کیا: ((اللَّهُمَّ فَفِّهْهُ فِي الدِّيْنِ)) کہ اے اللہ! اسے فقہ فی الدین نصیب فرما، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تفقهوا قبل أن تُسودوا یعنی اس سے پہلے فقیہ بن جاؤ کہ تم کو سرداری سپرد کی جائے یعنی نو عمری ہی سے فقہ میں لگنا چاہئے۔ (صحیح بخاری ص ۱۷ ج ۱)

جو حضرات آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے غیر منصوص مسائل کا استنباط کرتے ہیں جیسے ائمہ اربعہ نے کیا یہ بھی فقہ فی الدین ہے اور جو لوگ اصلاح قلوب اور تزکیہ نفوس کے شغل میں لگے ہوئے ہیں اور امت کی اصلاح کی اجتماعی اور انفرادی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں وہ بھی فقہ فی الدین میں لگے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ فقہ کا نام سنتے ہی کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں اور گویا اس کو بدعت سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں اس کا حکم دیا ہے اور حدیث شریف میں اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے خیر سے نوازا نا چاہیں اسے فقہ فی الدین سے نوازا دیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ فقہ کی کیا ضرورت؟ حدیث دیکھ کر عمل کر لیں گے۔ حالانکہ حدیث پر عمل کرنے کے لیے سمجھ کی ضرورت ہوتی ہے ناسخ منسوخ دیکھنا پڑتا ہے ظاہری طور پر جو تعارض ہو اس کے رفع کرنے کے لیے تطبیق بین الاحادیث کی ضرورت ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ قال صاحب الدر المختار واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين وهو بقدر ما يحتاج لدينه وفرض كفاية وهو ما زاد عليه لنفع غيره ومندوبا وهو التبحر في الفقه وعلم القلب، وحرام وهو علم الفلسفة والشعبدة والتنجيم والرمل وعلوم الطبعين والسحر والكهانة اه۔ قال الشامي في حاشية قوله علم القلب أي علم الاخلاق وهو علم يعرف به انواع الفضائل و كيفية اكتسابها و أنواع الرذائل و كيفية اجتنابها۔ (صاحب در مختار نے فرمایا ہے کہ جان لے! ایک علم کا حاصل کرنا فرض عین ہے اور وہ علم کی اتنی مقدار ہے جو دین پر عمل کے لیے ضروری ہو اور ایک علم فرض کفایہ ہے یہ وہ ہے جو اپنے عمل سے زائد ہو دوسرے سے نفع کے لیے اور ایک مندوب ہے اور

یہ فقہ میں مہارت حاصل کرنا اور دلوں کا عمل ہے۔ اور ایک علم حرام ہے اور یہ فلسفہ، شعبہ بازی، نجوم، رمل مادہ پرستی کا علم اور جادو و کہانت کا علم ہے۔ علامہ شامی نے حاشیہ میں کہا ہے علم دل سے مراد ہے علم اخلاق اور یہ وہ علم ہے جس سے فضائل کی اقسام اور ان کے حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور برائیوں کی اقسام اور ان سے بچنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ (رد المحتار ص ۲۰ ج ۱)

فانذار: لَفْظًا لَيَتَنَفَّقُوا بِاب تَفْعَل سے ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ کلمہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فقہ تفتقہ سے حاصل ہوگا یعنی اس میں تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ اور بغیر محنت اور کوشش کے حاصل نہ ہوگا۔ نیز صاحب روح المعانی یہ بھی لکھتے ہیں کہ لَيُنْتَفِقُوا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دین پڑھانے والے کی غرض ارشاد اور انداز ہونی چاہئے یعنی امور خیر کی تعلیم دے اور گناہوں کی تفصیل بتائے اور ان سے بچنے کی تاکید کرے۔ اور متعلم کا مقصود بھی خوف و خشیت ہو، وہ علم حاصل کر کے شریعت پر چلنے کی نیت کرے اور خوف و خشیت کو اپنی زندگی کا وظیفہ بنائے۔ دنیا حاصل کرنے اور بڑا بننے کی نیت سے علم نہ پڑھے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے اس حال میں موت آگئی کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کے لیے علم طلب کر رہا تھا تو اس کے اور نبیوں کے درمیان ایک ہی درجے کا فرق ہوگا۔

(رواہ الدارمی فی سننہ ص ۸۵ ج ۱)

چونکہ لَيَتَنَفَّقُوا فِي الدِّينِ کے بعد و لَيُنْتَفِقُوا قَوْمَهُمْ بھی فرمایا اس لیے اصحاب علم پر ضروری ہے کہ جو لوگ بھی علم دین حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس پہنچیں ان کی خیر خواہی، ہمدردی اور دلداری کریں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ لوگ تمہارے تابع ہوں گے۔ (یہ حضرات صحابہ کو خطاب ہے) اور بہت سے لوگ تمہارے پاس زمین کے دور دراز گوشوں سے آئیں گے تاکہ وہ تفتقہ فی الدین حاصل کریں۔ سو جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان سے اچھی طرح پیش آنا میں تمہیں اس کی وصیت کرتا ہوں۔ راوی حدیث حضرت ابوسعید خدری کا طریقہ تھا کہ جب کوئی طالب علم ان کے پاس پہنچتا تو فرماتے تھے: مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ (رواہ الترمذی فی ابواب العلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو اس طرح پاؤ گے جیسے (سونے چاندی کی) کانیں ہوتی ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر مختلف قسم کی قوت اور استعداد رکھی ہے) جاہلیت کے زمانہ میں جو لوگ (مکارم الاخلاق اور محاسن الاعمال کے اعتبار سے) بہتر تھے اسلام میں بھی وہ بہتر ہوں گے۔ جبکہ وہ فقیہ ہو جائیں (رواہ مسلم ص ۳۰۷) جب اسلام میں داخل ہو کر فقیہ ہوں گے تو اپنی استعداد کو دینی سمجھ کے مطابق خرچ کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((فَقِيدُوا احْدَاثَ عَلِيِّ السَّبْطَانِ مِنْ الْفِعَابِ)) یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب العلم)

فقہ کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ ہزار عابدوں سے بہتر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص صرف عبادت گزار ہو شیطان کے مکر و فریب اور بہکانے کے طریقوں سے واقف نہیں ہوتا شیطان اسے آسانی سے درغلا دیتا ہے اور جو شخص فقیہ ہو وہ

شیطان کے داؤ گھات مکر و فریب اور بہکانے کے طریقوں کو جانتا پہچانتا ہے۔ وہ اپنے علم و فقہ کے ذریعہ خود بھی شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رہتا ہے اور دوسروں کو بھی بچاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جو میری بات کو سنے اور یاد رکھے اور اسے دوسروں تک پہنچا دے۔ کیونکہ بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو خود فقہیہ نہیں ہوتے اور بہت سے حامل فقہ ایسے ہوتے ہیں جو اس شخص کو پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقہیہ ہو۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احادیث شریفہ کے ظاہری الفاظ سے جو مسائل ثابت ہوتے ہیں ان کے علاوہ ان میں وہ مسائل بھی ہیں جن کی طرف ہر شخص کا ذہن نہیں پہنچتا، جن کو اللہ تعالیٰ نے فقہ کی دولت سے نوازا ہے وہ ان مسائل اور احکام کو سمجھتے ہیں، اور احادیث کی عبارات اور سیاق کلام، طرز بیان، وجوہ دلالت سے انہیں وہ چیزیں مل جاتی ہیں جو ان کو نہیں ملتیں جو فقہ سے عاری ہیں۔ اسی فقہ یعنی دینی سمجھ کو کام میں لانے کا نام استنباط ہے۔

یہ تو معلوم ہو گیا کہ دین اسلام میں تفقہ فی الدین کی بہت زیادہ اہمیت اور ضرورت ہے لیکن اس میں افراط و تفریط پائی جاتی ہے ایک جماعت تو ایسی ہے جسے فقہ کے نام سے ہی چڑ ہے اور ساتھ ہی ان میں یہ غفلت ہے کہ احادیث شریفہ کی پوری کتابیں بھی نہیں پڑھتے پڑھاتے چند منتخب احادیث یاد کر کے فتوے دینے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ امام بخاری اور امام شافعی اور ہم میں کوئی فرق نہیں۔ اور ایک جماعت ایسی ہے جس نے اساتذہ سے قرآن پڑھا نہ حدیث پڑھی خود رو عالم ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنی سمجھ سے دینی احکام بتانے اور فتوے دینے کا حق ہے ایسے لوگ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں یہ لوگ نہ عربی جانتے ہیں نہ صرف نحو سے واقف ہیں۔ نہ وجوہ استنباط سے باخبر ہیں نہ فصاحت و بلاغت کی کتابیں پڑھیں نہ لغات پڑھاوی ہیں۔ حروف اصلیہ اور حروف زائدہ کو بھی نہیں جانتے لیکن اپنی جاہلانہ سمجھ سے فتویٰ دینے کو تیار ہیں۔ اور ساتھ ہی یوں بھی کہتے ہیں کہ اجتہاد ختم نہیں ہوا اور اس بات کی لپیٹ میں وہ اپنے کو مجتہد قرار دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اجتہاد کی ایجاد سے بھی واقف نہیں۔ میں نے ان لوگوں کے لیے چند سوال رکھے ہیں۔ عزیز طلبہ سے ان لوگوں کا واسطہ پڑ جائے تو ان سے دریافت کر لیں کہ لُتَيْفٌ کیا صیغہ ہے؟ دونوں کے حروف اصلی بتائیں؟ اور حروف مخدوفہ اور زائدہ بیان فرمائیں؟ اور یہ بتائیں کہ تَيْضٌ مُؤَنٌّ اور (أَمْ مَنْ لَا يَهْدِي) اور وَاذْكَرْ کیا صیغہ ہے کس باب سے ہے اور یہ بھی واضح کریں کہ قَانَسْتَيْنَا كُنُوزًا اور قَلَامَاتٍ فِيهِمْ میں کتنے کلمات ہیں؟ ان میں اسم، فعل، حرف کیا کیا ہیں اور ساتھ ہی معرب و جہنی کی تعبیریں بھی کرتے چلیں؟

اجتہاد، استنباط اور فقہ کوئی حلوہ کا لقمہ نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے مجتہد اور فقہ بن جائے۔ یہ ضروری باتیں دور حاضر کے بے پڑھے مجتہدوں سے امت کو محفوظ رکھنے کے لیے لکھی گئی ہیں۔

آیت بالا کی تفسیر جو اوپر لکھی گئی یہ اس بنیاد پر ہے کہ لَيْتَفَّقَهُوْا اور وَ لِيُنْذِرُوا كِي ضمیر اس جماعت کی طرف راجع ہو جو جہاد کے لیے نکلنے والوں کے ساتھ نہ گئے اور گھروں میں رہ گئے اور ان کا یہ رہنا اس لیے ہے کہ علم دین حاصل کریں اور

مجاہدین واپس ہوں تو ان کو علم سکھائیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ بہت سے حضرات نے لیتَفَقَّهُوْا اور دَلِيْنُوْا کو
ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع کی ہے جو گھروں کو چھوڑ کر باہر نکل گئے اس صورت میں باہر نکلنے والوں سے علم کے لیے سز
کرنے والے مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح جہاد کے لیے جماعتیں جاتی ہیں اسی طرح طلب علم کے لیے بھی اہل
ایمان باہر نکلیں اور باہر نکل کر علم حاصل کریں۔ پھر واپس ہو کر ان لوگوں کو دین سکھائیں اور اللہ سے ڈرائیں جو طلب علم کے
لیے بہر نہ گئے تھے۔ یہ تفسیر سیاق کلام سے قریب تر ہے۔ صاحب روح المعانی نے یہ تفسیر لکھ کر لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ
کے بعض اصحاب دیہاتوں میں چلے گئے تھے۔ وہ وہاں کی چیزوں سے منتفع ہوئے اور ساتھ ہی لوگوں کی ہدایت کے کام میں
مشغول رہے۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ تم تو ہمارے پاس آ کر بس گئے اور اپنے ساتھیوں کو چھوڑ آئے یہ بات سن کر انہیں رنج
ہوا اور دیہات چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس سے ان کی پریشانی
دور ہو گئی کیونکہ جو علم حاصل کیا ہے دیہات میں رہ کر اس کا پھیلا نا اور ہدایت دینے کی کوشش کرنا بھی ایمانی تقاضوں میں شامل
ہے لیتَفَقَّهُوْا اور دَلِيْنُوْا کا مرجع جو بھی ہو اور ترجمہ اور تفسیر میں جو رخ بھی اختیار کیا جائے ہر حال میں آیت شریفہ سے یہ
بات معلوم ہوئی کہ ایک جماعت کا تفقہ فی الدین میں مشغول ہونا ضروری ہے۔ یہ لوگ خود علم دین حاصل کریں اور پھر اپنی
قوم کو علم بانیں بتائیں، ادارہ دوائی سے آگاہ کریں تاکہ قوم کے افراد نگہباری سے بچ سکیں۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا دین اسلام میں بہت پھیلاؤ ہے۔ انسانوں کی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ اسلام کے
تمام علوم کو محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔ یہ علوم قرآن کریم میں اور حدیث شریف میں کتب تفسیر میں شروع حدیث میں۔ فقہ کی
کتابوں میں مدون ہیں۔ پوری امت کی ذمہ داری ہے کہ پورے دین کو علما و علماء محفوظ رکھے۔ ان علوم کی تعلیم و تدریس ہوتی
رہے۔ خود بھی پڑھیں۔ اپنی اولاد کو بھی پڑھائیں۔ اور تمام مسلمانوں کے لیے یہ مواقع فراہم کریں کہ ان علوم میں مشغول ہو
سکیں۔ اس میں کتبیں لکھنا بھی ہے مدارس کا قیام بھی ہے اور مدارس کی امداد بھی ہے۔ بعض علاقوں میں کچھ لوگوں نے ایسے
مدارس قائم کیے جن کے نصاب سے کتاب الجہاد اور کتاب العتاق وغیرہ کو یہ کہہ کر نکال دیا کہ ان پر عمل تو نہیں رہا لہذا ان کے
پڑھانے کی ضرورت نہیں، یہ ان لوگوں کی نارانی ہے۔ عمل ہو یا نہ ہو ہر حال میں پورے دین کو باقی رکھنا اور محفوظ رکھنا
مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ اگر بعض علوم کو چھوڑ دیا اور بعض علوم کو نصاب سے خارج کر دیا تو جب کبھی حالات پلٹا کھائیں
گے اور ان چیزوں پر عمل کرنے کا موقع آ جائے گا جن پر آج عمل کرنے کا موقع نہیں ہے تو اس وقت بھولے ہوئے احکام پر
کیسے عمل ہوگا؟ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جن احکام پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ یہ بھی تو امت ہی کا قصور ہے نہ جہاد چھوڑنے جو فرض
کفایہ ہے نہ یہ دن دیکھنے میں آتے کہ احکام جہاد و احکام استرقاق کو نصاب سے خارج کرنے کا مشورہ کرتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ أَيُّ الْأَقْرَبِ فَلَا اقْرَبَ مِنْهُمْ وَ لِيَجِدُوا فِيكُمْ

عِلْمَهُمْ سِدَّةً أَيْ أَعْلَظُوا عَلَيْهِمْ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ بِالْعَوْنِ وَ النَّصْرِ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ

سُورَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ فَمِنْهُمْ أَيُّ الْمُنَافِقِينَ ۝ مَنْ يَقُولْ لِأَصْحَابِهِ اسْتَهْزِءُوا بِكُمْ زَادَتْهُ هُدًى إِيْمَانًا

تَضِدُّ بِمَا قَالَتْ تَعَالَى فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فزَادَتْهُمْ إِيمَانًا لِتَضِدُّ فِيهِمْ بِهَا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ يَفْرَحُونَ
 بِهَا وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ ضَعُفَ اعْتِقَادُهُمْ فزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَى رِجْسِهِمْ كَفَرُوا إِلَى كُفْرِهِمْ
 لِكُفْرِهِمْ بِهَا وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ۝ أَوْ لَا يَرُونَ ۝ بِالْبَيْتِ أَيِ الْمُنَافِقِينَ وَالتَّائِبِينَ أَيِهَا الْمُؤْمِنُونَ أَنَّهُمْ
 يَفْتَنُونَ يَبْتَلُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ بِالْمُحْطِ وَالْأَمْرَاضِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ مِنْ نِفَائِهِمْ وَلَا
 هُمْ يَذْكُرُونَ ۝ يَتَعَطَّوْنَ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فِيهَا ذِكْرُهُمْ وَقَرَأَهَا النَّبِيُّ نَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ
 يَرِيدُونَ الْهَرَبَ وَيَقُولُونَ هَلْ يَرِيكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِذَا قُمْتُمْ فَإِنْ لَمْ يَرَهُمْ أَحَدًا قَامُوا وَالْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ انصَرَفُوا
 عَلَى كُفْرِهِمْ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ عَنِ الْهُدَى بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝ الْحَقُّ لِعَدَمِ تَدْبِيرِهِمْ لَقَدْ
 جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَيُّكُمْ مِثْلُكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَزِيزٌ شَدِيدٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ أَيْ
 عَشَّكُمْ أَيْ مَشَقَّتْكُمْ وَلَقَاؤُكُمْ الْمَكْرُوهَ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ أَنْ تَهْتَدُوا بِالْمُؤْمِنِينَ رَعُوفٌ شَدِيدٌ
 الرَّحْمَةِ رَحِيمٌ ۝ يُرِيدُ لَهُمُ الْخَيْرَ فَإِنْ تَوَلَّوْا عَنِ الْإِيمَانِ بِكَ فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا
 هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ بِهِ وَنُفِثَ لَا بَعِيرَهُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۝ خَصَّهُ بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُ أَعْظَمُ
 الْمَخْلُوقَاتِ رَوَى الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي نَزَلَتْ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ إِلَى

اخیر السورۃ

ترجمہ: مسلمانوں ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس ہیں (جو زیادہ نزدیک ہوں سب سے پہلے ان سے)
 اور چاہئے کہ وہ تمہاری سختی محسوس کریں (یعنی ان پر سختی کرو) اور یاد رکھو اللہ ان کا ساتھی ہے جو تمہاری (مدد اور اعانت کے
 لحاظ سے) اور جب (قرآن کی) کوئی سورۃ اترتی ہے تو ان (منافقین) میں سے بعض لوگ کہتے ہیں (اپنے ساتھیوں سے
 تمہارے طور پر) اس سورۃ نے تم میں سے کسی کے ایمان (تصدیق) میں اضافہ کیا۔ (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) سو حقیقت یہ
 ہے کہ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کا ایمان تو ضرور زیادہ کر دیا (کیونکہ وہ ان آیات کی تصدیق کرتے ہیں) اور وہ اس پر
 خوشیاں منا رہے ہیں (خوش ہو رہے ہیں) جن کے دلوں میں روگ (اعتقاد کی کمزوری ہے) تو بلاشبہ اس سورت نے ان کی
 ناپاکی پر ایک اور ناپاکی بڑھا دی (ان آیات کا کفر کرنے کی وجہ سے کفر دوگنا ہو گیا) اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر گئے اور کیا
 انہیں دکھلائی نہیں دیتا (یرون یاء) کے ساتھ ہے منافقین مراد ہیں اور تاء کے ساتھ ہو تو مسلمان کو خطاب ہے) کہ یہ لوگ کسی
 نہ کسی آفت (مصیبت) میں پھنسے رہتے ہیں آئے سال ایک دو مرتبہ (قطع سالی کی دلدل میں) پھر بھی باز نہیں آتے (اپنے

نفاق سے) اور نہ نصیحت (کچھ) پکڑتے ہیں اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے (جس میں ان کا ذکر ہوتا ہے اور پھر اسے رسول اللہ ﷺ پڑھ کر سناتے ہیں) تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں (جن میں ان کا ذکر ہوتا ہے اور پھر اسے رسول اللہ ﷺ پڑھ کر سناتے ہیں) تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں (بھاگنے کی سوچتے ہوئے کہنے لگتے ہیں) تم پر کسی کی نگاہ تو نہیں پڑی؟ جب تم کھڑے ہوئے تھے پس اگر کسی نے دیکھا تو کھڑے ہو گئے وہ ظہر جاتے (پھر چل دیے) (اپنے کفر کی طرف) اللہ نے ان کے دل ہی پھیر دیے (راہ ہدایت سے) کیونکہ یہ لوگ سمجھ بوجھ سے کورے ہو گئے (غور نہ کرنے کی وجہ سے حق کو نہیں سمجھتے)۔ تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تم ہی میں سے ہیں (یعنی محمد ﷺ) جو تمہارے ہی ہم جنس ہیں) ان پر بہت ہی شاق (ناگوار) گزرتا ہے تمہارا رنج و کلفت میں پڑنا (یعنی تمہاری تکلیف، مشقت اور مصیبت سے دو چار ہونا) (انہیں کھلکتا ہے) وہ تمہاری بھلائی (ہدایت) کے لیے بڑے ہی خواہشمند ہیں وہ مومنوں کے لیے شفقت رکھنے والے (بڑے ہی شفیق) مہربان ہیں (مسلمانوں کا بھلا چاہتے ہیں) اس پر بھی اگر یہ لوگ آپ پر ایمان لانے سے) سر تابی کریں تو ان سے کہہ دو میرے لیے اللہ کا سہارا بس (کافی) ہے اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے مانق نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا (اسی پر اعتماد کیا کسی دوسرے پر نہیں) وہ عرش عظیم (کرسی) کا مالک ہے خاص طور پر عرش کا ذکر اس لیے کیا کہ وہ ساری مخلوق میں سب سے بڑھ کر ہے۔ کم نے مستدرک میں ابی ابن کعب سے روایت کی ہے کہ سب سے آخری آیت: لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ اِنْ هُوَ

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: اِسْتَهْزَآءٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ بطور استفسار نہیں بلکہ بطور تمسخر تھا۔
- قوله: وَهُمْ كُفْرُوْنَ: اس سے اشارہ ہے کہ ان میں کفر مستحکم ہو چکا ہے۔
- قوله: يَقُولُوْنَ: اس کو مقدر مانے بغیر عبارت درست نہیں بنتی۔
- قوله: وَ اِلَّا نُبْتُوا: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ لَمَّا اَنْصَرَفُوْا اس کا عطف مقدر ہے۔
- قوله: بَصَرَ فِ اللّٰهِ: ان کے متعلق بددعا کی کیونکہ وہ مقام کے موافق ہے، یہ خبر نہیں۔
- قوله: بِاِنَّهُمْ: با کا تعلق انصروا سے ہے صرف سے نہیں کیونکہ وہ جملہ معترضہ دعائیہ ہے۔
- قوله: اِلْحٰقٌ: یہ مفعول ہے۔
- قوله: مِنْكُمْ: وہ تمہاری جنس سے عربی، قرشی تمہاری مثل ہے۔
- قوله: بِعَيْشِكُمْ: مآ مصدر یہ ہے نہ کہ موصول۔
- قوله: اَنْ تَهْتَدُوْا: اس قید کو بڑھا کر اشارہ کیا کہ حرص تو واقعی غیر موجود امر پر ہوتی ہے۔
- قوله: بَشِدِيْدُ الرَّحْمَةِ: فواصل کے لحاظ سے اس طرح لائے۔

تفسیر مقبولین

وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ قَرْصٌ فَزَادَتْهُمْ

منافقوں کی کاسراندہ باتیں:

اس کے بعد منافقوں کی ایک حرکت بدکا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب قرآن کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں دل لگی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ بتاؤ اس آیت کے ذریعہ تمہارے ایمان میں کیا ترقی ہوئی۔ اور کیا اضافہ ہوا؟ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ جو اہل ایمان ہیں ان کے دلوں میں قرآن کی سورتوں کے نزل سے ترقی ہوتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض یعنی نفاق ہے ان کے دل کی ناپاکی میں اس سے اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے پہلے جو سورتیں نازل ہو چکی تھیں اب تک انہیں کے منکر تھے اب جوئی سورت نازل ہوگئی اس کے بھی منکر ہو گئے اور ساتھ ہی اس کا مذاق بھی بنایا لہذا ان کے کفر میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور یہ کفر پر جہنا اور کفر میں ترقی کرتے جانا ان کے کفر پر مرنے کا سبب بن گیا۔

پھر فرمایا کیا یہ منافق لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں۔ امراض میں مبتلا ہوتے ہیں، جہاد میں جانے کا حکم ہوتا ہے تو چھپے رہ جاتے ہیں جن سے ان کا نفاق کھل جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے رسوا ہوتے ہیں۔ پھر بھی توبہ نہیں کرتے۔ اور نصیحت بھی حاصل نہیں کرتے۔

پھر منافقوں کا ایک اور طریق کار ذکر فرمایا اور وہ یہ کہ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو چپکے سے فرار ہونے کے لیے ایک دوسرے کی طرف منکھیوں سے دیکھتے ہیں، اور اس تاک میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے کوئی کھسکتے ہوئے دیکھ نہ لے۔ آپس میں کہتے ہیں کہ دیکھو ہمیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ اگر کوئی مسلمان دیکھ رہا ہو تو وہیں مجلس میں بیٹھے رہتے ہیں اور جب دیکھا کہ کسی کی بھی نظر نہیں پڑ رہی ہے تو چپکے سے چل دیتے تھے۔ اپنے خیال میں انہوں نے بڑی ہوشیاری کی، لیکن اس کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایمان سے پھیر دیا، صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ یہ اس موقع میں ہوتا تھا جب کوئی ایسی آیت نازل ہوتی تھی جس میں منافقین کے بارے میں زجر و توہین کا مضمون نازل ہوتا تھا اور منافقین کے عیوب منکشف ہوتے تھے۔

سُورَةُ يُونُسَ

سورة يونس

سورة يونس
١٠ آيات

آياتها ١٠
آياتها ١١

سورة يونس مكية من نازل هوئي شرح الله ك نام سے جو ہے حد میں ان نہایت رحم والا ہے اور اس کی ایک سو نو آیتیں ہیں اور کیا شروع

الرُّبُّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِذَلِكَ تِلْكَ أَيْ هَذِهِ الْآيَاتُ أَيْتُ الْكِتَابِ الْقُرْآنِ وَالْإِضَافَةُ بِمَعْنَى مِرْ
 الْحَكِيمِ ۝ الْمُحْكَمِ أَكَانَ لِلنَّاسِ أَيْ أَهْلِ مَكَّةَ اسْتَفْهَامُ الْكَاثِرِ وَالْجَارُ وَالْمَجْرُورُ خَالٌ مِنْ قَوْلِ
 عَجَبًا بِالتَّصْبِيبِ خَيْرٌ كَانَ وَبِالتَّرْفِيعِ اسْمُهَا وَالْخَيْرُ وَهُوَ اسْمُهَا عَلَى الْأُولَى أَنْ أَوْحَيْنَا أَيْ إِحَاوْنَا إِلَى
 رَجُلٍ مِنْهُمْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ مَفْسِرَةٌ أَنْدِرَ خَوْفَ النَّاسِ الْكَافِرِينَ بِالْعَذَابِ وَ
 يُشِيرُ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ أَيْ بَانَ لَهُمْ قَدَامَ سَلَفٍ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۝ أَيْ أَجْرًا أَحْسَنًا بِمَا قَدَّمُوا مِنْ
 الْأَعْمَالِ قَالَ الْكُفْرُونَ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ الْمُسْتَمَلٌ عَلَى ذَلِكَ لَسَجْرٌ مُبِينٌ ۝ بَيْنَ وَفِي فِرَاقَةِ لَسَاجِرِ
 وَالْمُشَارِ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَبَّكُمْ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ
 مِنْ أَيَّامِ الدُّنْيَا أَيْ فِي قَدَرِهَا لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ ثَمَّةَ شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ وَلَا شَيْءٌ لَخَلْقُهَا فِي لَمَحَّةٍ وَالْعُدُولُ عَنَّا
 لِتَعْلِيمِ خَلْقِهِ الْكَثِيبُ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَاءً يَلِيقُ بِهِ يَدِيرُ الْأُمُورَ ۝ بَيْنَ الْخَلَائِقِ مَا مِنْ زَائِدَةٍ
 شَفِيعٍ يَشْفَعُ لِأَحَدٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۝ رَدُّ لِقَوْلِهِمْ أَنْ الْأَصْنَامَ تَشْفَعُ لَهُمْ ذَلِكَمُ الْخَالِقُ الْمُدَبِّرُ اللَّهُ
 رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۝ وَخُدُّوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ بِأَذْغَامِ النَّارِ فِي الْأَضْلَى فِي الدَّلَالِ إِلَيْهِ تَعَالَى مَرْجِعُكُمْ
 جَمِيعًا ۝ وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا ۝ مُضْطَرَانِ مُضْطَرَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ إِنَّهُ بِالْكَسْرِ اسْتِيفَانًا وَالْفَتْحِ عَنِ
 تَقْدِيرِ اللَّامِ يَبْدُوا الْخَلْقَ أَيْ بَدَأَهُ بِالْإِنْشَاءِ ثُمَّ يَعِيدُهُ بِالْبَعْثِ لِيَجْزِيَ لِيُنِيبَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
 الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حِينٍ مَّاءٍ بَالِغِ نَهَائَةِ الْحَرَارَةِ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ

الَّذِينَ

مؤلم بما كانوا يكفرون ۝ اى ليبيبت بسبب كفرهم هو الذى جعل الشمس ضياءً ذات ضياء اى نور
 والقمر نورا وقدره من حيث سيره منازل ثمانية وعشرين منزلا فى ثمان وعشرين ليلة من كل
 شهر ويستبر ليلتين ان كان الشهر ثلاثين يوما وليلة ان كان تسعة وعشرين يوما لتعلموا بذلك
 عدد السنين والحساب ۝ ما خلق الله ذلك المذكور الا بالحق ۝ لا عبثا تعالى عن ذلك يفصل
 بالياء والتوبين بين الايت لقوم يعلمون ۝ يتدبرون ان فى اختلاف الليل والنهار بالذهب والفضة
 والزبادة والنفسان وما خلق الله فى السموات من مالا يكة وشمس وقمر ونجوم وغير ذلك وفى
 الارض من حيون وجبال وبحار وانهار واشجار وغيرها لايت دلالا على قدرته تعالى لقوم
 يتقون ۝ فيؤمنون خصهم بالذكرا لانهم المنتفعون بها ان الذين لا يرجون لقاءنا بالبعث ورضوا
 بالحياة الدنيا بدل الاجرة لانكارهم لها واطمانوا بها سكنوا اليها والذين هم عن آياتنا دلال
 وخذائتنا غفلون ۝ تاركون النظر فيها اولئك ماوسهم النار بما كانوا يكسبون ۝ من الشرك
 والمعاصي ان الذين امنوا وعملوا الصالحات يهديهم ربهم بايمانهم ۝ به بان يجعل
 لهم نورا يفتنون به يوم القيمة تجرى من تحتهم الانهر فى جنت النعيم ۝ دعوتهم فيها دعوتهم
 فيها طلبهم لما يشتهون فى الجنة ان يقولوا سبحانك اللهم اى يا الله فاذا ما طلبوه بين ايديهم و
 تحيتهم فيها يسلموا ۝ واخر دعوتهم ان ففسرة العباد لله رب العالمين ۝

ع

ترجمہ: یہ (آیتیں) ایسی کتاب کی آیتیں ہیں (مراد قرآن ہے بواسطہ من) جو پراز حکمت (مضبوط) ہے کیا لوگوں کو
 (مکہ والوں کو استفہام انکاری ہے اور جار مجرور ترکیب میں حال واقع ہے اگلے لفظ سے) اس بات سے تعجب ہوا (یہ لفظ نصب
 کے ساتھ تو کان کی خبر ہے اور رفع کے ساتھ کان کا اسم ہے اور اس صورت میں اس کی خبر آگے ہے جو پہلی صورت میں کان کا
 اسم تھا اس بات سے کہ ہم نے وحی بھیج دی (یعنی ہمارا وحی بھیجنا) انہیں میں ایک شخص (محمد ﷺ) پر کہ (ان مفسرہ ہے) سب
 لوگوں (کافروں) کو ڈرائے (عذاب کا خوف دلائے اور جو ایمان لے آئے انہیں یہ خوشخبری سنائے کہ پروردگار کے یہاں
 ان کے لیے اچھا مقام ہے (یعنی ان کے اعمال کا بہترین صلہ ہوگا) کافر کہنے لگے بلاشبہ یہ (قرآن) جو ان مضامین پر مشتمل
 ہے (کھلا صریح) جادو ہے اور ایک قرأت میں ساحر ہے اس صورت میں مشار الیہ نبی کریم ﷺ ہوں گے بلاشبہ تمہارے

پروردگار تو ہی اللہ ہیں جنہوں نے آسمان کو اور زمین کو کل چھ دنوں میں پیدا کیا (دنیا کے دنوں کے لحاظ سے یعنی اسے متعین وقت میں کیونکہ اس وقت نہ تو سورج تھا نہ چاند کہ جن سے دنوں کا اندازہ کیا جاتا اور اللہ چاہتا تو ان سب کو ایک لمحہ میں پیدا فرما سکتا تھا لیکن مخلوق کو تدریج کی تعلیم دینے کے لیے ایسا کیا ہے۔ پھر اپنے عرش پر متمکن ہوا (جو تمکن اس کے شایان شان ہو) اور (مخلوق کے) تمام کاموں کا بندوبست کر رہے ہیں، کوئی سفارشی نہیں (جو کسی کی سفارش کرے) اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر (کفار کے) اس قول کی تردید ہوگئی کہ بت ہمارے سفارشی ہو جائیں گے یہ (پیدا کرنے والا اور بندوبست کرنے والا) اللہ ہے جو تمہارا پروردگار ہے لہذا اسی کی بندگی کرو (توحید بجا لاؤ) کیا تم غور و فکر سے کام نہیں لیتے (دراصل اس میں تاہکا ادغام ذال میں ہو رہا ہے) تم سب کو بالآخر اسی (اللہ) کی طرف لوٹنا ہے یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے (یہ دنوں کا مصدر ہیں جو اپنے فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہیں) بے شک وہی ہے (ان ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے اور فتح کے ساتھ لام کو مقدر ماننے کی صورت میں) جو پہلی بار پیدا کرتا ہے (پیدائش شروع بھی وہی کرتا ہے) اور پھر دوبارہ بھی پیدا کرے گا (قیامت کے دن) تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے انہیں انصاف کے ساتھ بدلہ (ثواب) عطا کرے وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو انہیں کھولتا ہوا پانی (جو انتہائی طور پر گرم ہوگا) پینے کو ملے گا اور دردناک (تکلیف دہ) عذاب ان کے کفر کی پاداش میں (یعنی ان کے کفر کی وجہ سے یہ سزا انہیں ملے گی) وہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا (رڈش والا نور) بنایا اور چاند کو نورانی اور پھر چاند کی منزلوں کا اندازہ (اس کی رفتار کے اعتبار سے) ٹھہرا دیا (ہر مہینہ کی اٹھائیس راتوں میں اٹھائیس منزلیں طے کرتا ہے اگر پورا مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے تو دورات اور اٹھائیس تاریخ کا چاند ہونا ہوتا ہے تو صرف ایک رات چھپا رہتا ہے) تاکہ تم (اس کے ذریعہ برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو، اللہ نے یہ سب (ذکر کردہ) چیزیں نہیں بنائیں مگر حکمت اور مصلحت کے ساتھ (بیکار فائدہ نہیں کہ اللہ اس سے ہالا ہے) ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے (تدبر کرنے والے) ہیں وہ دلیلیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے بلاشبہ رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات آنے میں (ان کے آنے جانے اور کمی زیادتی میں) اور ان تمام چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں میں (فرشتے، سورج، چاند ستارے وغیرہ) اور زمین میں (جانور پھاڑ، سمندر، نہریں، درخت وغیرہ) پیدا کی ہیں نشانیاں ہیں (جو اللہ کی قدرت پر دلالت کرنے والی ہیں) ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں (اور ایمان لے آتے ہیں خاص طور پر ان کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ اس سے بچی لوگ نفع اٹھانے والے ہیں) جنہیں ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے (قیامت کے دن) اور وہ صرف دنیاوی زندگی ہی پر مگن ہیں (آخرت کے بجائے) کیونکہ وہ آخرت کو مانتے ہی نہیں ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں (مطمئن ہو گئے) اور جو لوگ ہماری نشانوں (دلائل وحدانیت) سے بالکل غافل ہیں (ان میں قطعاً نظر نہیں کرتے) تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے (ان کے کرتوتوں) (شرک اور گناہوں) کی وجہ سے، جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے تو ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا پروردگار ان پر راہ کھول دے گا (ان کو ایک نور عطا فرمائے گا جس سے وہ قیامت کے دن راہنمائی پا سکیں گے) ان کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہوں گی جب کہ وہ نعمت الہی کے باغوں میں ہوں گے ان کا نعرہ (ان کی پکار جب کہ وہ جنت میں کچھ کہنا چاہیں گے) یہ ہوگا کہ خدایا! ساری پاکیاں آپ ہی کے لیے ہیں (یعنی پس جب وہ کسی چیز کی طلب کریں گے تو فوراً

اسے اپنے سامنے پائیں گے) اور ان کا (باہمی) سلام جنت میں یہ ہوگا السلام علیکم اور خیر بات یہ ہوگی (ان مفسرہ ہے) کہ الحمد لله رب العلمین۔

کلمات تفسیرہ کی توضیح و شرح

- قوله: هَذِهِ الْآيَاتُ: اشارہ قریب سے تفسیر کر کے بتلایا وہی آیات مراد ہیں جن پر یہ سورت مشتمل ہے۔
- قوله: وَالْإِضَافَةُ بِمَعْنَى مِنْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ اضافت لازمی ہے۔
- قوله: الْمُحْكَمُ: اس سے اشارہ کیا کہ قرآن مجید کی باتیں پختہ دلائل والی ہیں۔
- قوله: أَهْلَ مَكَّةَ: یہ کہہ کر اہل لام کے عہدی ہونے کی طرف اشارہ کیا کیونکہ اولین مخاطب وہی تھے۔
- قوله: حَالٌ مِنْ قَوْلِهِ: یہ صفت نہیں بن سکتی کیونکہ صفت کبھی موصوف سے پہلے نہیں آتی۔
- قوله: أَنْ أَوْحَيْنَا: یہ مقدر خبر ہے۔ اس کی تاویل مصدر سے کی تاکہ کان کا اسم یا خبر بن سکے۔
- قوله: أَنْ مَفْسِرَةٌ: کیونکہ ایحاء میں قول کا معنی ہے۔ یہ ناصبہ نہیں ہے کیونکہ موتی جملہ ہوتا ہے۔
- قوله: الْكَافِرِينَ بِالْعَذَابِ: اس سے قرینہ تقابل کی وجہ سے کافر مراد ہیں۔
- قوله: أَجْرًا حَسَنًا: یہ قدم صدق کی تفسیر کر کے اشارہ کیا گیا کہ بڑھنے والے کو اسی طرح قدم بولتے ہیں جیسے نعمت کو اور صدق کی طرف اضافت فضل میں اضافہ کو ظاہر کرتی ہے۔
- قوله: التَّتَبُّتُ: دیر کرنا۔
- قوله: بِالْإِنْشَاءِ: اس سے تعبیر کیا کیونکہ مخلوق پہلے ثابت ہونے والی ہے۔
- قوله: ذَاتَ ضِيَاءٍ: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔
- قوله: مَنزَلًا فِي ثَمَانٍ: اس سے اشارہ کیا کہ قدرہ کی خمیر صرف قرقر کی طرف ہے۔ اور تخفیف کی وجہ تیز رفتاری ہے۔
- قوله: الْحِسَابِ: مہینوں اور ایام کے معاملات کے سلسلہ میں اوقات۔
- قوله: سَكَنُوا إِلَيْهَا: اس سے اشارہ کیا کہ وہ اپنی ہمتوں کو لہذا نذر دنیا میں بند کرنے والے ہیں۔
- قوله: دَلَائِلٍ وَحَدَائِيَّتِنَا: اس سے اشارہ کیا آیات سے دلائل عقلیہ و نقلیہ مراد ہیں۔
- قوله: طَلَبُهُمْ: یہاں ان کی پسندیدہ اشیاء میسر ہوں گی تو دعاء یہاں طلب کے معنی میں ہے۔
- قوله: يَقُولُوا: اس کو مقدر مانا تاکہ سبحانک کا دعا پر حمل کرنا درست ہو۔

تفسیر مقبولین

الَّذِي تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝ الی لَسَجْرٌ مُّبِينٌ ۝

اظہار عظمت قرآن و اشبات رسالت محمدیہ:

رہط: گزشتہ سورت کی آخری آیتوں میں دو باتوں کا ذکر تھا۔ اول: نزول وحی کے وقت مضامین قرآن پر ہنسا اور ازراہ عقارت ایک کا دوسرے کی طرف آنکھوں سے اشارہ کرنا جس سے ان کا مقصود وحی کے ساتھ استہزاء کرنا ہوتا تھا۔ و اذا ما انزلت سورۃ نظر بعضهم الی بعض میں اسی امر کا ذکر تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ان لوگوں کو آپ کی نبوت و رسالت پر تعجب تھا کہ یہ شخص ہم جیسا ایک بشر اور انسان ہے یہ کیسے نبی ہو سکتا ہے: لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ مِثْلُ مَا جَاءَ بَنِي إِسْرَائِيلَ۔ یہ شخص اگرچہ تمہاری ہی جنس سے ہے مگر فضائل و کمالات کے اعتبار سے سب سے افضل اور اکمل ہے۔

پس اس سورت کے آغاز میں بھی انہی دو باتوں کو بیان کرتے ہیں۔ اول قرآن کی عظمت اور جلالت شان کو بیان کرتے ہیں کہ وہ سراپا نور حکمت ہے اور چشمہ ہدایت ہے اور اس کے دلائل و براہین نہایت قوی ہیں۔ دوم: نبی کریم کی عظمت و جلالت قدر بیان کرتے ہیں کہ وہ کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ ایک عجیب مرد کامل ہے جس کو خدا تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: الَّذِي تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ اس قسم کے الفاظ کو جو بعض سورتوں کے شروع میں آئے ہیں حروف مقطوعہ کہتے ہیں۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس قسم کے حروف کتاب خداوندی کے رموز ہیں جن کی مراد کلام خداوندی سمجھے اور ان کے معنی اور تاویل کی فکر میں نہ پڑے بلکہ ان کی مراد کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی طرف اشارہ ہے۔ تفصیل سورۃ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہ سورت آیتیں ہیں پر حکمت کتاب کی جو سراپا نور اور حکمت اور منبع ہدایت و موعظت اور نسخہ شفا ہے یا حکیم کے معنی محکم اور مضبوط کے ہیں کہ اس کی ہر بات سچی ہے ہر قسم کے عیب اور غل سے پاک ہے جس میں غلطی اور خطا کا امکان نہیں اس کے الفاظ تحریف و تبدیلی سے محفوظ ہیں اور اس کے علوم و معارف عقل اور حکمت کے مطابق ہیں اور اس کے احکام نسخ سے محفوظ ہیں۔ اس لیے کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے اس کے بعد کوئی دوسری نسخ کتاب آنے والی نہیں اور اس کے تمام اخبار اور قصص ٹھیک اور واقع کے مطابق ہیں خلاصہ کلام یہ کہ یہ آیتیں ایک محکم اور مضبوط کتاب کی ہیں جس سے تم کو شرف ہے اور جب اس کتاب حکیم کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو تم اس کی سراپا حکمت و موعظت ہاتوں کا نسخہ کرتے ہو اور جس مرد کامل اور مرد حکیم پر یہ کتاب حکیم نازل ہو رہی ہے اس کی نبوت و رسالت پر تم تعجب کرتے ہو حالانکہ یہ کتاب مستطاب اس مرد کامل کی نبوت اور رسالت کی روشن دلیل ہے۔

کیا لوگوں کے لیے یہ بات باعث تعجب ہوئی کہ ہم نے لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کے لیے انہیں میں سے ایک مرد کامل کی طرف وحی بھیجی جس کے حسب اور نسب اور امانت و دیانت سے یہ لوگ بخوبی واقف ہیں اور اس وحی کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کو خدا کی نافرمانی سے ڈرائے اور جو لوگ ایمان لے آتے ہیں ان کو خوشخبری سنائے کہ ان کے لیے ان کے پروردگار

کے ہاں پایہ صدق یعنی بہت بلند مرتبہ ہے اور کیسی سعادت اور فلاح ازل میں ان کے لیے لکھی جا چکی ہے اور بشارت و نذارت کوئی امر تعجب نہیں بلکہ لوگوں کو حیوانات کی طرف مہمل چھوڑ دینا کہ انسان ہو کر شتر بے مہار کی طرح پھرا کرے جہاں چاہے منہ مارے اور جس مادہ سے چاہے جفتی کرے (جیسا کہ یورپ میں ہو رہا ہے) یہ امر سراسر خلاف حکمت اور لائق تعجب ہے۔ ایچسب الانسان ان یتوکل سدی۔ بشارت اور نذر رت سے انسان کی تکمیل اور اصلاح ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی برگزیدہ بندہ اور مرد کامل پر لوگوں کی ہدایت اور ان کی بشارت و نذارت کا مضمون ہذریہ وحی نازل فرمائے تو کوئی تعجب کی وجہ نہیں مگر یہ کافر تعجب سے گزر کر طعن و تشنیع تک پہنچ گئے اور آپ کے ہجرات کو دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے وحی قرآن کی تاثیر بلیغ کو دیکھ کر قرآن کو جادو بتلایا اور یہ بالکل غلط ہے اسکی سراپا حکمت و موعظت کتاب کا جادو ہونا اور ایسے صاحب کرامات و معجزات کا جادوگر ہونا ناممکن اور محال ہے آپ تو خدا کے رسول ہیں خدا کی صفات و کمالات کو بیان کرتے ہیں جیسا کہ آئندہ آیت: **لَإِنَّا رَبُّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ** میں آتا ہے اور یہ معجزات آپ کی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین ہیں کفار عرب اللہ کے رسول کو جادوگر بتلاتے تھے اور یہ نہیں سمجھتے تھے کہ دراصل ان کا متکبر اور مغرور شخص جو صفات فرعونیہ کا حامل ہے اصل جادوگر وہ ہے جس نے تمہاری عقل کو مسح کر دیا ہے فرعون کی طرح علو اور استکبار کا طالب ہے خدا کے برگزیدہ بندے کے سامنے تواضع اور انکساری کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے مشرکین عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ بشر کے لیے نبوت ممکن نہیں لوگ اپنی جہالت سے بلا دلیل بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے آں حضرت کو رسول بنا کر بھیجا تو اہل عرب نے اس کو ایک تعجب انگیز امر سمجھا اور کہا کہ اللہ کی شان اس سے بالا اور برتر ہے کہ محمد ﷺ جیسے انسان کو رسول بنا کر بھیجے اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بشر اور تمہارے ہم جنس انسان پر وحی کا نازل ہونا قابل تعجب نہیں اور نہ تنہا اور فقیر ہونے کے اعتبار سے قابل تعجب ہے اس لیے کہ نبوت کے لیے مالدار ہونا شرط نہیں بلکہ مکارم اخلاق اور عاقل اعمال کے اعتبار سے چیدہ اور برگزیدہ ہونا شرط ہے اور یہ صفت آپ میں علی وجہ الکمال موجود ہے آپ کی ذات بابرکت مکارم اخلاق اور عاقل کا منبع اور سرچشمہ ہے اور انبیاء سابقین کی طرح آپ بھی خدا کی طرف سے بشیر و نذیر بن کر آئے ہیں اور تمام انبیاء سابقین جنس بشر سے تھے۔ فرشتہ نہ تھے۔ معلوم ہوا کہ نبوت کے لیے فرشتہ ہونا ضروری نہیں اور فقیری اور روٹھی نبوت و رسالت میں قاذر نہیں آپ سے پہلے بھی جنس بشر سے بہت سے نبی گزر چکے ہیں جن پر اللہ کی وحی نازل ہوتی رہی اس لیے نبوت اور وحی کوئی عجیب چیز نہیں جب بھی خدا کی طرف سے کوئی نبی آیا تو ان کے ہم جنس معاندین نے اس وقت بھی تعجب سے یہی کہا جو اس وقت کے معاندین کہہ رہے ہیں۔ **کَمَا قَالَ تَعَالَى: وَاللَّيْلِ إِذَا سَأَلَ وَرَأَى مَدِينًا بَدَأَ يَعْرِفُ مِصْرَ الْيَهُودِ الْيَهُودِيَّةَ وَقَدْ خَرَّبَهَا**۔ **لَقَدْ جَاءكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ فَخَرَّبَكُمْ بِآيَاتِهِ وَلَقَدْ كَانَ مِنكُمْ ذُرِّيَّتٌ مِّنْ قَبْلِهِ فَلَمَّا إِذْ هَمَّ نَزَلَ بِآيَاتِنَا فَتَوَلَّى**۔ **وَلَقَدْ جَاءكُمْ ذُرِّيَّتٌ مِّنْ قَبْلِهِ فَلَمَّا إِذْ هَمَّ نَزَلَ بِآيَاتِنَا فَتَوَلَّى**۔ **وَلَقَدْ جَاءكُمْ ذُرِّيَّتٌ مِّنْ قَبْلِهِ فَلَمَّا إِذْ هَمَّ نَزَلَ بِآيَاتِنَا فَتَوَلَّى**۔ **وَلَقَدْ جَاءكُمْ ذُرِّيَّتٌ مِّنْ قَبْلِهِ فَلَمَّا إِذْ هَمَّ نَزَلَ بِآيَاتِنَا فَتَوَلَّى**۔

کہ جو شخص مکارم اخلاق اور عمارت اعمال اور حکمت نظریہ اور حکمت عملیہ کے خالق اور معارف بیان کرتا ہو اور حلال و حرام کی تفصیل کرتا ہو وہ کہاں سے جاوے گا ہو سکتا ہے اور کتاب حکیم جو اس پر نازل ہو رہی ہے وہ کہاں سے جاوے ہو سکتی ہے اس لیے کہ سحر تو محض ایک طبع کاری ہوتی ہے اور یہ کتاب حکیم تو حکمت نظریہ اور حکمت عملیہ کی ہدایت اور رہنمائی کرتی ہے۔

قدم صدق کی تفسیر:

قَدَّمَ صِدْقٍ کے معنی میں اہل تفسیر کے کئی قول ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: وقل رب ادخلنی مدخل صدق اور ایک روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ہے کہ اس سے مراد سعادت ازلیہ ہے اور زجاج کہتے ہیں کہ اس سے مراد درجہ عالیہ ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ اعمال صالحہ مراد ہے اور زید بن اسلم اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے آں حضرت ﷺ کی شفاعت مراد ہے اور قدم کی اضافت صدق کی طرف۔ موصوف کی صفت کی طرف ہے چونکہ وہ مرتبہ عالیہ اور سعادت ازلیہ صدق و اخلاص کے بدولت ملے گا یا اس کا وقوع حق اور صدق یعنی قطعی اور یقینی ہے اس لیے قدم کو صدق کی طرف مضاف کر دیا گیا۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ....

ذکر تکوین عالم برائے اشبات ربوبیت رب اکرم:

وہبط: اوپر قرآن کریم کی عظمت اور نبوت و رسالت کی حقانیت کا ذکر تھا اب ان آیات میں تکوین عالم کو بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے اللہ کی معرفت اور اس کی ربوبیت کا عظم حاصل ہو جو بعثت کا اولین مقصد ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ تمہارا پروردگار اور تمہارا معبود وہ ذات بابرکات ہے جس نے چھ دن میں عرش سے لے کر فرش تک تمام کائنات کو پیدا کیا اور یہ تمام کارخانہ اسی کی تدبیر اور حکمت سے چل رہا ہے اسی پروردگار عالم نے تمہاری ہدایت اور تربیت کے لیے ایک مرد کامل کو مبعوث کیا ہے اور اس مرد کامل پر جو کتاب بذریعہ وحی نازل ہو رہی ہے وہ سحر نہیں بلکہ کیمیائے سعادت اور نسخہ ہدایت ہے جس سے مقصود تمہاری اصلاح اور تربیت ہے پس اگر تمہارا پروردگار تمہاری تربیت اور ہدایت کے لیے کسی برگزیدہ بندہ پر وحی کے ذریعے کوئی کتاب نازل کرے تو کیوں تعجب کرتے ہو۔

اس کتاب کے نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اپنے پروردگار کے احکام پر عمل کریں جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور یقین رکھیں کہ ایک دن ان اعمال پر جزا و سزا بھی ضرور ملنی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق تمہارا امر بی اور مدبر امور وہ اللہ ہے جس نے محض اپنی قدرت سے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن کی مقدار میں پیدا کیا ہے اگر وہ چاہتا تو ایک لمحہ میں بنا دیا اس نے کسی حکمت سے جتنی دیر چھ دن میں لگتی ہے اتنی دیر میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا جن سے بڑھ کر دنیا کا کوئی جسم طویل عریض نہیں تم اگر ایک معمولی مکان بنا نا چاہو تو مہینے اور سال خرچ ہو جاتے ہیں اور آسمان اور زمین کو پیدا کرنا یہ اس کے کمال قدرت کی روشن دلیل ہے اور تمام عقلاء کی عقلیں اس اقتدار عظیم کو دیکھ کر حیران اور انگشت بندھاں ہیں اور کیوں نہ ہو ایسا اقتدار عظیم اندازہ فہم اور ادراک بشری سے کہیں بالا اور برتر ہے پس اگر ملک مقتدر نے اپنی قدرت کا ملہ اور حکمت بالغہ سے تمہاری جنس میں سے ایک رسول تمہاری طرف بھیجا یا تو کیوں تعجب کرتے ہو اور آسمان سے زمین پر نزل وحی کا کیوں انکار کرتے ہو پھر آسمان اور زمین کی پیدائش سے بڑھ کر عجیب امر یہ ہے کہ وحکم الحاکمین اپنی شان کے مطابق عرش پر قائم ہوا۔

یعنی جلوہ فرما ہوا جو سب مخلوقات میں سب سے بڑا ہے اور اتنا بڑا ہے کہ آسمان اور زمین بھی اس کے سامنے بیچ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا عرش پر قائم ہوتا اس بناء پر نہیں کہ وہ کسی عرش یا فرش کا محتاج ہے اس لیے کہ وہ کون و مکان اور زمین و سماں کے پیدا کرنے سے پہلے تھا۔ اسی طرح وہ مکان و زمان کے پیدا کرنے کے بعد بھی اسی شان سے موجود ہے معاذ اللہ عرش اللہ تعالیٰ کا مکان اور اس کی نشست گاہ نہیں کیونکہ جس چیز کے لیے مکان اور چھت ہو وہ متناہی اور محدود ہوتی ہے اور جو محدود ہے وہ مخلوق ہے اور اللہ پاک خالق ہے مخلوق نہیں غرض حق جل شانہ کے عرش پر قائم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور عرش اس کا مکان ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بلاشبہ اور تمثیل کے یوں سمجھو کہ عرش عظیم بمنزلہ سریر سلطنت اور تخت شاہی کے ہے جس پر رب کریم اپنی شان کے مطابق بلا حکن اور استقرار کے جلوہ فرما ہے اور عرش عظیم معاذ اللہ اس کا مکان نہیں بلکہ اس کی شان احکم و الجا کسینی کی جلوہ گاہ ہے جہاں سے احکام خداوندی کا صدور ہوتا ہے۔ اور کائنات کے ہر امر کی بلا شرکت غیرے وہ تدبیر کرتا ہے کسی سفارش کرنے والے کی مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے سفارش کا کوئی حرف اپنی زبان سے نکال سکے۔ پس جو ذات اس خلق اور تقدیر اور تدبیر اور عظمت اور حکمت کے ساتھ موصوف ہے وہی اللہ ہے جو تمہارا پروردگار ہے اور تم کو معلوم ہے کہ ان صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ پس تم اسی کی عبادت کرو اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے یا اپنے دل میں فکر نہیں کرتے کہ عبادت اسی ذات کا حق ہے جو اس قدرت اور حکمت اور عظمت کے ساتھ موصوف ہو یا یہ مطلب ہے کہ تم اس کے دلائل وحدانیت میں غور نہیں کرتے کہ وہ آسمان و زمین کی تخلیق و تکوین میں اور اسکی تدبیر اور تصرف میں مستقل ہے وہ کسی کے اذن کا محتاج نہیں۔ معلوم ہوا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکین کا یہ زعم کہ بت خدا کے یہاں ہماری شفاعت کریں گے یہ ان کا خیال خام ہے۔ (طائف و سفار)

۱۔ حق جل شانہ نے ان آیات میں عالم علوی اور عالم سفلی کی تخلیق و تکوین کو بیان کیا تا کہ تم کو صانع عالم کی معرفت حاصل ہو اس لیے کہ آسمان و زمین کا اجسام عظیمہ ہونا اور بے شمار اجزاء سے انکا مرکب ہونا اور مختلف صفات اور مختلف حالات اور مختلف کیفیات کے ساتھ ان کا موصوف ہونا اور جسم قسم کے تغیرات اور انقلابات ان میں واقع ہونا یہ سب اس امر کی دلیل ہے کہ اجرام علویہ و اجسام سفلیہ کی یہ حرکات و سکنات خود ان کے اختیار میں نہیں اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مادہ اس کے ذرات بسطہ کی حرکت قدیم ان تغیرات اور تنوعات کی علت ہے اس لیے کہ باتفاق فلاسفہ جدید و قدیم مادہ میں نہ کوئی ادراک اور شعور ہے اور نہ کسی جسم کا ارادہ اور اختیار ہے۔ مادہ میں یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی جسم کو حرکت دے سکے یا کسی کو کب اور سیارہ کی حرکت کی جہت اور سمت کو بدل سکے یا اس کی روشنی میں کوئی کمی اور زیادتی کر سکے یا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھر سکے پس جس مادہ کی مجبوری اور لاچارگی اور در ماندگی کا یہ حال ہے کہ اپنی ذات سے وہ اندھا اور گونگا اور بہرا اور ایک اپانچ سب کچھ ہے وہ ان اجرام علویہ اور اجسام سفلیہ کے تغیرات اور انقلابات کی علت کیسے ہو سکتا ہے معلوم ہوا کہ یہ کون و مکان اور زمین و آسمان کسی قادر حکیم اور صنّاع عظیم کی صنعت کا کرشمہ ہیں۔ اور سب اس کی تدبیر محکم کے تابع ہیں کہ وہ اپنی حکمت کے مطابق ان میں تصرف کرتا ہے۔ مادہ عالم کے ذرات بسطیل کر کتنی ہی کانفرنس کریں اور کتنی ہی کمیٹیاں بنائیں اور زمین و آسمان کے قلابے بھی لائیں مگر یہ دریافت کرنے سے عاجز اور در ماندہ ہیں کہ یہ کارخانہ عالم کس طرح چل رہا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ عالم علوی اور عالم سفلی کی تمام کائنات اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن بھی ہیں اور حادث بھی ہیں۔ عدم کے بعد وجود میں آئی ہیں اور ہر لمحہ اور ہر لمحہ اس کا امکان ہے کہ یہ ذات یا یہ صفت معدوم ہو جائے یا اس میں کوئی تغیر اور تبدل ہو جائے اور عقلاً یہ امر بدیہی ہے کہ کوئی ممکن اور حادث بغیر واجب قدیم کے سہارے کے قائم نہیں رہ سکتا۔ پس یہ تمام ممکنات خداوندی و قیوم کے سہارے قائم ہیں خوب سمجھ لو کہ کائنات عالم کا امکان ذاتی اور امکان صفاتی اور حدوث ذاتی اور حدوث صفاتی ان میں سے ہر ایک وجود صانع کی دلیل قطعی ہے اس اجمال کی تفصیل کے لیے امام رازی کی تفسیر کبیر دیکھیں۔ جزاء اللہ تعالیٰ عن الاملاہ والمسلمین خیراً۔ آمین۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو چھ دن میں اس لیے پیدا کیا تا کہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے اور تا کہ وقتاً فوقتاً اللہ کی قدرت کے کرشمے ظاہر ہوں اور کل یوم ہونی شان کا جلوہ نظر آئے۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ انسان کو ایک لمحہ میں پیدا کر دے مگر اس نے انسان کی پیدائش کے لیے مدت مقرر کر دی ہے جن میں اس کی حکمتیں ہیں جن کا علم سوائے اس کے کسی کو نہیں اسی طرح آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کرنے کو سمجھو اہل ظاہر اور حشر یہ استوی علی العرش کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور وہیں بیٹھے بیٹھے ساری دنیا کا انتظام کر رہا ہے۔ (دیکھو تفسیر حیدری صفحہ 207)

اہل حق یہ کہتے ہیں کہ کتاب رسالت میں حق جل شانہ کے لیے جو صفات و افعال ثابت کیے گئے ہیں۔ ہم ان پر بلا تشبیہ و تمثیل کے اور بلا حدود اور بلا تعطیل کے ایمان لاتے ہیں اور حسب ارشاد باری تعالیٰ ذلیس کمشلہ شبیع اور لم یکن لہ کفوا احد۔ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کو نہ کوئی مکان گھیرے ہوئے ہے اور نہ کوئی زمانہ اس پر گزرتا ہے اور نہ اس کے لیے کوئی حد ہے اور نہ نہایت اور نہ اس کے لیے کوئی جہت اور سمت ہے اس کی ذات باہرکت۔ مخلوقات کی مشابہت اور مماثلت سے پاک اور منزہ ہے اس بنا پر اہل حق یہ کہتے ہیں کہ استوی علی العرش سے معاذ اللہ یہ مراد نہیں کہ خداوند ذوالجلال۔ بادشاہوں کی طرح تخت سلطنت پر بیٹھا ہوا ہے۔ بلکہ یہ کلام خداوند ذوالجلال والا کرام کی حکمرانی سے کنایہ ہے چونکہ سلاطین عالم۔ عرش (تخت) پر بیٹھ کر حکمرانی کرتے ہیں اس لیے سمجھانے کے لیے اللہ کی حکومت اور حکمرانی کو استوی علی العرش سے تعبیر کر دیا گیا اہل عرب اپنے محاورات میں بولتے۔ فلان استوی علی العرش یعنی فلان اپنے عرش (یعنی سریر سلطنت) پر متمکن ہو گیا اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ فلان کو سلطنت حاصل ہو گئی اسی طرح اس آیت میں سمجھو کہ استوی علی العرش سے حکمن اور استقر اور بیٹھنے کے معنی مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو اور کائنات عالم کو پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد سریر سلطنت پر قائم ہوا اور مخلوقات پر حکمرانی کرنے لگا کیونکہ حکمرانی کے لیے حکومت چاہئے۔ اس لیے اس احکم الحاکمین نے اپنی قدرت ازلیہ سے اول محکوم کو پیدا کیا اور پھر حکمرانی اور تدبیر کرنے لگا۔ اس کی حاکیت اور مالکیت اور رزاقیت وغیرہ وغیرہ قدیم اور ازلی ہے مخلوقات کو اس لیے پیدا کیا کہ اس کی صفات کو یہ کاظہر ہو۔

جو محتاج گدایاں چوں گدا۔ آب نبی گوید کہ ای طالب یا

یہ قتال مردوزی کا قول ہے جس کا امام رازی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے اور سورۃ اعراف میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے

فرض یہ کہ استوی علی العرش سے ظاہری اور حسی معنی یعنی تخت پر بیٹھنا مراد نہیں بلکہ حکمرانی اور تدبیر سے کنایہ ہے۔ اور چونکہ عرش آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اس لیے حکمرانی سے کنایہ کے لیے استواء کے ساتھ علی العرش کا لفظ ذکر کیا۔ امام ابو الحسن اشعری فرماتے ہیں کہ استواء سے اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص فعل مراد ہے جو اس نے عرش میں کیا۔ اور صوفیائے کرام یہ فرماتے ہیں کہ استواء سے اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص تجلی مراد ہے اور امام ابو بکر بن قورک کہتے ہیں کہ استواء سے علو اور رفعت کے معنی مراد ہیں اور امام بخاری نے بھی اسی معنی کو اختیار فرمایا ہے۔ لفظ ثم کلام عرب میں متعدد معنی کے لیے آتا ہے۔

اول: تراخی رتبہ بیان کرنے کے لیے جیسے: ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا۔ یعنی استقامت کا مرتبہ ربنا اللہ کہنے سے کہیں بڑھ کر ہے۔

دوم: بمعنی قبل جیسے ثم استوی علی العرش معنا قبل ذلك استوی علی العرش کیونکہ حق تعالیٰ کا یہ قول وکان عرشه علی الماء اس پر دلالت کرتا ہے کہ عرش کا وجود آسمان وزمین کی پیدائش سے مقدم ہے۔

سوم: بمعنی راد۔ جیسے ثم کان من الذین امنوا ومعنا ومع ذلك کان من الذین امنوا۔

چہارم: بمعنی ابتداء و استئناف جیسے الم نهلك الاولین ثم نتبعهم الاخرین۔ معنا لمن نتبعهم۔

پنجم: بمعنی تعجب جیسے الحمد لله الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمات والنور۔ ثم الذین کفروا برہم یعدلون۔ معنا تعجبوا منهم کیف یکفرون برہم اور آیت ہذا یعنی ثم استوی علی العرش۔ میں لفظ ثم تعجب شان کے لیے یعنی عرش کا مرتبہ آسمان وزمین سے بڑھ کر ہے پس لفظ ثم اس جگہ تراخی رتبہ کے لیے ہے نہ کہ تراخی وقت کے لیے۔

5۔ اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ تمام کائنات عالم قادر مختار اور صانع کردگار کی صنعت ہیں فلاسفہ اور دھرمین کہتے ہیں کہ یہ سب افتضاء طبیعت ہے۔

جواب: یہ ہے کہ اگر طبیعت کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو ہم یہ کہیں گے کہ طبیعت سے جو شئی حاصل اور موجود ہوتی ہے وہ بقدر حاجت اور بقدر ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بقدر طاقت اور قوت ہوتی ہے۔ آگ جس چیز کو جلاتی ہے وہ اپنی قوت اور طاقت کے بقدر جلاتی ہے نہ بقدر ضرورت و حاجت۔ عاقل اور دانا کا کام ہے کہ آگ کو بقدر ضرورت استعمال کرے۔ پانی اپنی طاقت اور قوت کے بقدر ارنے کا اور بہانے کا اور حکیم اور دانا پانی کو بقدر ضرورت اور بقدر حاجت استعمال کرے گا۔

عمارت کی بلندی پانی اور قلعی اور چوڑی کی طبیعت پر موقوف نہیں بلکہ معمار کے اختیار اور اس کے تصرف پر موقوف ہے اور اس کی مصلحت کے تابع ہے اسی طرح سمجھو کہ اس سرائے ذنی کی تمام عمارت اس کے بنانے والے کی قدرت اور اختیار اور اس کی حکمت اور مصلحت کے تابع ہے اس میں آسمان وزمین کی طبیعت اور مزاج کو دخل نہیں۔ (معارف القرآن مولانا اورس کا نہ بلوی)

بِالْخَيْرِ لَقَطِينٍ بِالْبِنَاءِ لِلْمَعْقُولِ وَالْفَاعِلِ إِلَيْهِمْ أَجْلَهُمْ بِالرَّفْعِ وَالنَّصْبِ بِأَنْ يُهْلِكَهُمْ وَلَكِنْ
 يُهْلِكُهُمْ فَتَدَارُ تَرْكِي الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْبَهُونَ ① يَتَرَدَّدُونَ فَتَحْتَرِبِينَ وَأَوْدَانَ
 مَسَّ الْإِنْسَانَ الْكَافِرَ الضَّرَّ الْمَرَضُ وَالْفَقْرُ دَعَانًا لِحَيْبَتِهِ مَضْطَجِعًا أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا أَي نِي
 كَمَلِ خَالَ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ عَلَى كُفْرِهِ كَأَن مَخْفَفَةً وَاسْمُهَا مَحْدُوفٌ أَي كَأَنَّهُ كَمَرٌ يَدْعُو
 إِلَى ضَيْرٍ مَسَّهُ ② كَذَلِكَ كَمَا زَيْنَ لَهُ الدُّعَاءُ عِنْدَ الضَّرِّ وَالْإِعْرَاضُ عِنْدَ التَّرَلُّسِ لِلْمُسْرِفِينَ
 الْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ③ وَ لَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأَمَّ مِنْ قَبْلِكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ لَمَّا ظَلَمْتُمْ
 بِالشِّرْكِ وَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ الدَّلَالِ عَلَى صِدْقِهِمْ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ④ عَطَلُ
 عَلَى ظَلَمْتُمْ كَذَلِكَ كَمَا أَهْلَكْنَا أَوْلَادَكَ فَجَزَى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ⑤ الْكَافِرِينَ لَمْ جَعَلْنَاكُمْ يَا أَهْلَ
 مَكَّةَ خَلِيفَ جَمْعُ خَلِيفَةٍ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ⑥ فِيهَا رَهْلٌ تَعْتَبِرُونَ بِهِمْ
 فَصَدِّقُوا زَاوِئَنَا وَإِذَا تَشَلَّى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا الْفُرَانَ بَيِّنَاتٍ ظَاهِرَاتٍ خَالَ تَمَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا
 لَا يَخَافُونَ الْبَعْثَ أَي يَقْرَأُونَ غَيْرَ هَذَا لَيْسَ فِيهِ عَيْبٌ إِلَيْنَا أَوْ بَدَلُهُ ⑦ مِنْ تَلْقَاءِ نَفْسِكَ قُلْ مَا
 يَكُونُ يُبَيِّنُ أَنَّ الْبَدَلَ مِنْ تَلْقَاءِ نَفْسِي ⑧ إِنْ مَا أَشْبَعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ
 عَصَيْتُ رَبِّي بِبَدَلِهِ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ⑨ هُوَ يَوْمُ الْفِيضَةِ قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا
 أَدْرِكُكُمْ أَغْلَمْتُكُمْ بِهِ وَلَا نَافِيَةَ عَطْفٍ عَلَى مَا قَبْلَهُ وَفِي قِرَاءَةِ بِلَامِ جَوَابِ لَوْ أَيَّ لَا غَلَمْتُكُمْ بِهِ عَلَى
 لِسَانٍ غَيْرِي فَقَدْ كَيْفَ مَكَّنْتُ فِيكُمْ عَمْرًا سِتِّينًا أَرْبَعِينَ مِّنْ قَبْلِهِ ⑩ لَا أَخَذْتُكُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا
 تَعْقِلُونَ ⑪ أَنَّهُ لَيْسَ مِنْ قَبْلِي مَنَ أَيَّ لَا أَخَذْتُكُمْ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا يَنْسِبُهُ الشِّرْكَ أَوْ
 كَذَابَ بِأَيْتِهِ ⑫ الْقُرْآنَ إِنَّهُ أَي الشَّانَ لَا يُفْلِحُ بِسَعْدِ الْمُجْرِمُونَ ⑬ الْمُسْرِفُونَ وَ يَعْبُدُونَ مِنْ
 دُونِ اللَّهِ أَي غَيْرِهِ مَا لَا يَصُرُّهُمْ أَنْ لَمْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يَنْفَعُهُمْ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَهُوَ الْأَضْنَامُ وَيَقُولُونَ عَنَّا
 هُوَ لَا يَشْفَعُؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ لَهُمْ أَتَتَّبِعُونَ اللَّهَ لِحَيْرُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ

اَسْتَفْهَامِ اِنْكَارِ اَيُّ لَوْ كَانَ لَهُ شَرِيكَ لَعَلِمَهُ اِذْ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ سُبْحٰنَكَ تَنْزِيْهًا لَكَ وَ تَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰﴾ مَعَهُ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّةً وَّاحِدَةً عَلٰى دِيْنٍ وَّاحِدٍ وَهُوَ الْاِسْلَامُ مِنْ لَدُنْ اَدَمَ اِلَى نُوْحٍ وَ قَبْلَ مِنْ عَهْدِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَى عَمْرٍو بْنِ لُحٰى فَاخْتَلَفُوْا بِاَنَّ ثَبِتَ بَعْضٌ وَ كَفَرَ بَعْضٌ وَ كَوَّلَا كَلِمَةً سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ بِتَاخِيْرِ الْجَزَا اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لِقَضٰى بَيْنَهُمْ اَيُّ النَّاسِ فِى الدُّنْيَا فَيَمَّا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱﴾ مِنَ الدِّيْنِ بِتَعْدِيْبِ الْكٰفِرِيْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ اَيُّ اَهْلِ مَكَّةَ لَوْ لَا هَلَا اَنْزَلَ عَلَيْهِ عَلٰى مُحَمَّدٍ اٰيَةً مِنْ رَبِّهِ ؕ كَمَا كَانَ لِلْاَنْبِيَاءِ مِنَ النَّاقَةِ وَالْعَصَا وَ الْيَدِ فَقُلْ لَهُمْ اِنَّمَا الْغَيْبُ مَتَاعَابٌ عَنِ الْعِبَادِ اَيُّ اٰتْرَهُ لِلّٰهِ وَمِنَ الْاٰيٰتِ فَلَا يَأْتِيْ بِهَا اِلَّا هُوَ وَ اِنَّمَا عَلٰى التَّبٰلِغِ فَاَنْتَظِرُوْا ؕ الْعَذَابُ اِنْ لَّمْ تُوْمِنُوْا اِنَّىْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۲﴾

۲
سج

توجہ بہا: (مشرکین نے جب نزول عذاب کا مطالبہ کیا تو اگلی آیت نازل ہوئی) اور اگر جلدی پہنچا دے اللہ لوگوں کو برائی (جیسے وہ لوگ) جلدی مانگتے ہیں بھلائی کو تو ختم کر دی جائے (مجبور و معروف دونوں طرح ہے) ان کی عمر (رفع و نصب دونوں طرح ہے یعنی لوگوں کو تباہ کر دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نلاتے رہتے ہیں) پس جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں سو ہم ان کو چھوڑ دیتے ہیں ان کی سرکشیوں میں سرگرداں (کہ وہ حیران و متردد رہتے ہیں) اور جب کبھی انسان (کافر) کو کوئی دکھ (بیماری تنگ دستی) پہنچتا ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے خواہ کسی حال میں ہو، کروت کے بل لیٹا ہو، بیٹھا ہو کھڑا ہو (ہر حال میں) لیکن جب ہم اس کا رنج دور کر دیتے ہیں تو پھر اسی طرح (اپنے کفر پر) چل دیتا ہے گویا کہ (ان مخففہ ہے اور اس کا اسم مخدوف ہے یعنی کانہ) رنج و مصیبت میں کبھی اس نے ہمیں پکارا ہی نہیں تھا اسی طرح (جیسے مصیبت کے وقت دہائی دینا اور مصیبت ہٹ جانے پر بھی انجان بن جانا خوشنما معلوم ہوتا ہے) خوشنما کر دیئے گئے ہیں حد سے گزرنے والوں (مشرکین) کی نگاہوں میں ان کے کارنامے اور تم سے پہلے (اے مکہ والو!) کتنی ہی امتیں گزری ہیں کہ جب انہوں نے ظلم (شرک) کی راہ اختیار کی تو ہم انہیں ہلاک کر دیا حالانکہ ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلین (جو ان کی صداقت پر گواہ ہیں) لے کر آئے مگر وہ اس پر بھی ایمان نہیں لائے (اس کا عطف ظلموا پر ہے) مجرموں (کافروں) کو ہم اسی طرح ان کے جرموں کا بدلہ دیتے ہیں (جیسا کہ ان کو ہلاک کر کے رکھ دیا ہے) پھر تمہیں (اے مکہ والو!) ان امتوں کے بعد ہم نے دنیا میں ان کا جانشین (ظائف خلیفہ کی جمع ہے) کیا ہے تاکہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو؟ اس دنیا میں آیا ان لوگوں کی حالت دیکھ کر ان سے عبرت پکڑتے ہو اور ہمارے رسولوں کو سچا سمجھتے ہو؟ اور جب تم ہماری کھلی کھلی (واضح) آیتیں (قرآن کی) انہیں پڑھ کر سنا تے ہو تو جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کی کوئی امید نہیں (قیامت کا ڈر نہیں ہے) وہ کہتے ہیں اس قرآن کے سوا دوسرا قرآن لا کر سناؤ (جس میں ہمارے معبودوں کی برائیاں نہ ہوں) یا اس میں کچھ ردو بدل کر دو (اپنی طرف سے) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ

سے یہ نہیں ہو سکتا (یہ میرے بس میں نہیں ہے) کہ میں اپنی طرف سے اس میں کچھ تبدیلی کروں میں تو اس حکم میں تابعداری کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنے پروردگار کے حکم سے مرتابی کروں (اس کے حکم میں رو بدلتا کر کے) تو عذاب کا ایک بہت بڑا دن آنے والا ہے (روز قیامت) آپ یوں کہتے اگر خدا کو منظور ہوتا تو نہ میں تم کو قرآن سنانا اور نہ تمہیں اس سے خبردار کرتا اس میں لانا فیہ ہے جس کا ماقبل پر عطف ہو رہا ہے اور ایک قراءت میں لام کے ساتھ ہے لو کے جواب میں اور معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو تمہارے علاوہ کسی اور ذریعہ سے تمہیں اس کی اطلاع دیتا) پھر دیکھو یہ واقعہ ہے کہ میں اس معاملہ سے پہلے تم لوگوں میں عمر کا ایک بڑا حصہ (چالیس سال) بسر کر (گزار) چکا ہوں (جس میں کبھی ایک بات بھی اس طرح کی تم سے بیان نہیں کی) کیا تم اتنی عقل بھی نہیں رکھتے ہو؟ (کہ یہ کلام میری اپنی طرف سے نہیں ہو سکتا) پھر بتاؤ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے؟ (کوئی نہیں ہو سکتا) جو اپنی طرف سے جھوٹ بات بنا کر اللہ پر افتراء کرے (شریک کی نسبت اللہ کی طرف کر کے) یا اس (قرآن) کی آیتوں کو جھٹلائے یقیناً مجرم (مشرک) لوگ فلاح نہیں پاتے اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں (اگر ان کی پوجا نہ کی جائے) اور نہ فائدہ (اگر ان کی پوجا کی جائے مراد بت ہیں) اور (ان جنوں کے متعلق) کہتے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں (ان سے) کہہ دو کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر (اطلاع) دینا چاہتے ہو جو خود اسے معلوم نہیں نہ تو آسمانوں میں نہ زمینوں میں (یہ استفہام انکاری ہے یعنی اگر اس کا کوئی شریک ہوتا تو ضرور اللہ کو معلوم ہوتا کیونکہ کوئی چیز بھی اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے پاک (صاف) اور برتر ہے اس کی ذات اس شرک سے جو یہ (اس کے ساتھ) کر رہے ہیں اور تمام آدمی ایک ہی طریقہ کے تھے (ایک دین اسلام پر تھے آدم علیہ السلام سے لے کر نوح تک اور بعض کی رائے میں ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے لے کر عمرو بن لہی کے زمانہ تک) پھر یہ الگ الگ ہو گئے (بعض تو ایمان پر قائم رہے اور بعض نے کفر کا راستہ اختیار کیا) اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے پہلے ایک بات نہ ٹھہرا دی گئی ہوتی (قیامت تک عذاب ملتوی کرنے کی) تو (ان لوگوں کے درمیان دنیا ہی میں) کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا جن (نذابی) باتوں میں یہ اختلاف کر رہے ہیں (اس طرح کہ کافروں کو عذاب دیا جاتا) اور یہ لوگ (مکہ والے) یوں کہتے ہیں کہ ان (محمد ﷺ) پر ان کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری؟ (جیسا کہ پچھلے انبیاء پر اوتنی، لاٹھی، اور ید بیضاء کے معجزات اتر چکے ہیں) سو (ان سے) کہہ دو غیب کا علم (جو چیزیں بندوں سے غائب ہیں ان کی خبر) تو صرف اللہ ہی کو ہے (معجزات بھی انہیں میں داخل ہیں اس لیے ان کو وہی ظاہر کر سکتا ہے میرا کام تو صرف پیغام پہنچانا ہے) بس انتظار کرو (عذاب کا ایمان نہ لانے کی صورت میں) میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: كَاسْتِعْجَالِهِمْ: کاف کو مقدر مانا کیونکہ استعجال بالخیر یہ تعجیل شر نہیں اس کی اصل یہ ہے وَ لَوْ يُعْجَلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ تَعَجِيلَهُمْ الخیر۔ تو گویا ان کے جلد خیر مانگنے کو ان کو جلد خیر دینے کی جگہ لائے۔ تاکہ سرعت قبولیت

معلوم ہو اور ان کا جلد مانگنا اس کا جلد دینا ہو جائے۔

قوله: وَلَكِنْ يَنْهَلُهُمْ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ فہر کا عطف محذوف پر ہے اس پر شرطیت دلالت کرتی ہے۔

قوله: وَقَدْ: تدکوبڑھایا کیونکہ ماضی اس کے بغیر حال نہ بن سکے گا۔

قوله: عَظْفٌ عَلَى ظَلْمُوا: اس سے اشارہ ہے کہ اس کا عطف جاہت پر نہیں کیونکہ ان کا معلوم عدم ایمان اس کے ہاں انکے ہلاک کیے جانے کا سبب ظلم کی طرح بنے گا پس عطف درست نہیں۔

قوله: قَبْلُ: یعنی تَلْقَاءِ مصدر ہے جو ظرف کے معنی میں لیا گیا ہے۔

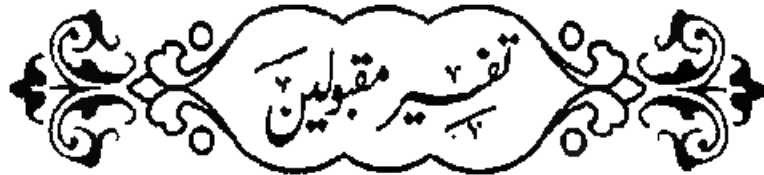
قوله: لَوْ شَاءَ اللَّهُ: شاء کا مفعول محذوف ہے۔ ای غیر ذلک

قوله: جَوَابِ لَوْ: اس کا جواب لَوْ پر عطف کیا گیا ہے۔

قوله: لَا غَلَبَ لَكُمْ: وہ حق جس کے سوا چارہ نہیں اگر میں اس کے لیے نہ بھی بھیجا جاتا تو اور کسی کو بھیج دیا جاتا میری طاوت آیات صرف مشیت الہی سے ہے اپنی جانب سے نہیں۔

قوله: لَا أَحَدٌ نُّكْمُ بَشِيءٌ: قرآن جیسی اور نہ اس پر مجھے قدرت ہے اور نہ میں اس کے عم و بیان سے منصف ہوتا کہ تم مجھ پر اس کے ایجاد کی تہمت دھرتے اس سے ثابت ہوا کہ قرآن معجز ہے۔

قوله: إِذْ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ: آسمان وزمین کی تخصیص تاکیدی کی خاطر ہے۔ جو ان میں موجود نہیں وہ معدوم ہے۔



منکرین آخرت کی عذاب کے لیے جلدی اور اس کا جواب:

وَلَوْ يَعْجَلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ....

اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو آخرت کے منکر ہیں، اسی وجہ سے جب ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ بطور استہزا کہنے لگتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ عذاب ابھی بلا لو یا یہ کہ پھر یہ عذاب جلد کیوں نہیں آ جاتا جیسے نظر بن حارث نے کہا تھا یا اللہ اگر یہ بات سچی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسات دیجئے یا اور کوئی سخت عذاب بھیج دیجئے۔

پہلی آیت میں اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہیں، یہ عذاب موعود فوراً اس وقت بھی نازل فرما سکتے ہیں مگر وہ اپنی حکمت بالغہ اور لطف و کرم سے ایسا نہیں کرتے یہ نادان جو اپنے حق میں بددعا کرتے اور مصیبت طلب کرتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ان کی بددعا کو بھی اسی طرح جلد قبول فرمایا کرتے جس طرح ان کی اچھی دعا کو اکثر کر لیتے ہیں تو یہ سب ہلاک ہو جاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دعائے خیر اور اچھی دعا کے متعلق تو حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ اکثر جلد قبول کر لیتے ہیں اور کبھی کسی حکمت و مصلحت سے قبول نہ ہونا اس کے منافی نہیں، مگر جو انسان کبھی اپنی نادانی سے اور کبھی کسی غصہ اور رنج سے اپنے لیے یا اپنے اہل و عیال کے لیے بد دعا کر بیٹھتا ہے یا انکار آخرت کی بنا پر عذاب کو کھیل سمجھ کر اپنے لیے دعوت دیتا ہے اس کو فوراً قبول نہیں کرتے بلکہ مہلت دیتے ہیں تاکہ منکر کو غور و فکر کر کے اپنے انکار سے باز آنے کا موقع ملے اور اگر کسی وقتی رنج و غصہ یا دل تنگی کے سبب بد دعا کر بیٹھا ہے تو اس کو اس کی مہلت مل جائے کہ اپنے بھلے برے کو دیکھے اور انجام پر نظر ڈال کر اس سے باز آ جائے۔

امام ابن جریر طبری نے بروایت قتادہ اور بخاری و مسلم نے بروایت مجاہد نقل کیا ہے کہ اس جگہ بد دعا سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی انسان غصہ کی حالت میں اپنی اولاد یا مال و دولت کے تباہ ہونے کی بد دعا کر بیٹھتا یا ان چیزوں پر لعنت کے الفاظ کہہ ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ایسی دعا قبول کرنے میں جلدی نہیں فرماتے۔ امام قرطبی نے اس جگہ ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ جل شانہ سے دعا کی ہے کہ وہ کسی دوست عزیز کی بد دعا اس کے دوست عزیز کے متعلق قبول نہیں فرماویں، اور شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ جو فرشتے انسانوں کی حاجت روائی پر مقرر ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو یہ ہدایت کر رکھی ہے کہ میرا بندہ جو رنج و غصہ میں کچھ بات کہے اس کو نہ لکھو۔ (قرطبی)

اس کے باوجود بعض اوقات کوئی قبولیت کی گھڑی آتی ہے جس میں انسان کی زبان سے جو بات نکلے وہ فوراً قبول ہو جاتی ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی اولاد اور مال کے لیے کبھی بد دعا نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ وہ وقت قبولیت دعا کا ہو اور یہ بد دعا فوراً قبول ہو جائے (اور تمہیں بعد میں پچھتا نا پڑے) صحیح مسلم میں یہ حدیث حضرت جابر کی روایت سے غزوہ بواط کے واقعہ کے تحت نقل کی گئی ہے۔

ان سب روایات کا حاصل یہ ہے کہ آیت مذکورہ کا اصل خطاب اگرچہ منکرین آخرت اور ان کے فوری مطالبہ عذاب سے متعلق ہے لیکن اس کے عموم میں وہ مسلمان بھی داخل ہیں جو کسی رنج و غصہ کی وجہ سے اپنے یا اپنے مال و اولاد کے لیے بد دعا کر بیٹھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عادت اس کے فضل و کرم کی وجہ سے دونوں کے ساتھ یہی ہے کہ ایسی بد دعاؤں کو فوراً ناند نہیں فرماتے، تاکہ انسان کو سوچنے اور غور کرنے کا موقع مل جائے۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ.....

اس آیت میں انسان کی ایک اور بے راہی بیان فرمائی جو اس کی طبیعت بنی ہوئی ہے۔ ارشاد فرمایا: وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَاكَ لِجَبَلَيْهِ أَوْ قَاعًا أَوْ قَابًا ۗ أَوْ قَابًا ۗ اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں لیٹے لیٹے ہوئے بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے پکارتا ہے۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ غُضُّوهُ مَكَانًا لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضَرْبٍ مِّمَّهَا ۗ پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو ایسے گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے تکلیف پہنچ جانے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ یہ مضمون قرآن مجید کی دیگر آیات میں بھی وارد ہوا ہے۔ سورہ زمر میں فرمایا: (وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضَرْبًا مِّمَّهَا مَكَانًا لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضَرْبٍ مِّمَّهَا ۗ أَوْ قَابًا ۗ أَوْ قَابًا ۗ) اور اگر انسان کو تکلیف پہنچ جائے تو وہ ہمیں پکارے گا جیسے پہلے پکارا تھا۔

يُنذِرُوا إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لَهُ آتِدَادًا لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ) (اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اپنے رب کو پکارنے لگتا ہے اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے پھر جب وہ اسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرمادیتا ہے تو اس سے پہلے جس کے لیے پکار رہا تھا اسے بھول جاتا ہے اور اللہ کے لیے شریک بنانے لگتا ہے تاکہ اس کی راہ سے دوسروں کو گمراہ کرے) پھر انسان کا یہ بھی مزاج ہے کہ حدود سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے گنہ کے کام کرتا ہے اور گناہ کے کاموں کو اچھا بھی سمجھتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: كَذَلِكَ نُؤَيِّنُ لِلْمُتَسِرِّفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾ (اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے وہ کام زمین کر دیئے گئے جو وہ کرتے ہیں)۔

قال البغوی فی معالم التنزیل (ص ۳۴۵ ج ۲) معناه لو یعجل الله الناس اجابة دعاءهم فی الشر والکفر وہ استعجالهم بالخیر ای کہما یحبون استعجالهم بالخیر لقضی الیہم اجلہم ای لا ھلک من دعا علیہ وامانہ' وفی روح المعانی (ص ۷۸ ج ۱۱) والاصل علی ما قال ابو البقاء تعجیلاً مثل تعجیلہم' فحذف تعجیلاً وصفته المضافۃ واقیم المضاف الیہ مقامہا۔ اہ۔ (علامہ بغوی معالم میں لکھتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شر اور تکلیف وہ معاملہ میں بھی ان کی دعاء اسی طرح قبول کرتا جیسا کہ یہ بھلائی میں جلدی ملنے کو پسند کرتے ہیں تو ان کی میعاد پوری ہو چکی ہوتی یعنی جس کے خلاف یہ دعا کرتے اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دیتا اور موت دے دیتا۔ اور روح المعانی میں ہے اور ابو البقاء کے قول کے مطابق اصل میں یہ عبارت تھی تعجیلاً مثل تعجیلہم پھر تعجیلاً اور اس کی صفت جو کہ مضاف ہے اسے حذف کر دیا گیا اور مضاف الیہ کو اس جگہ رکھا گیا)۔

آیت شریفہ کے مضمون سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ شرکی دعائیں مانگنی چاہئے انسان شرکی بھی دعا کرتا ہے اور خیر کی بھی دعا کرتا ہے۔ اور دونوں کی قبولیت کے لیے جلدی چاہئے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق دعائیں قبول فرماتا ہے شرکی دعا جلد قبولیت نہیں پاتی اور خیر کی دعاء عموماً جلدی قبول فرمالتا ہے مؤمن بندوں کو چاہئے کہ شرعی نقصان مرض و تکلیف کی دعا نہ کریں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی جانوں کے لیے اور اپنی اولاد کے لیے اور اپنے اموال کے لیے بددعا نہ کیا کرو ایسا نہ ہو کہ یہ بددعا قبولیت کی گھڑی میں کر بیٹھو اور تمہاری یہ بددعا قبول ہو جائے۔ (رواہ مسلم) دعاء ہمیشہ خیر کی کرنے اور جلدی نہ چاہئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کی دعاء قبول ہوتی ہے بشرطیکہ گناہ کی یا ظلم رحمی کی دعا نہ کرے جب تک کہ جلدی نہ چاہئے عرض کیا گیا یا رسول اللہ جلدی چھانا کیا ہے؟ فرمایا جلدی چھانا یہ ہے کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے تو دعا کی پھر دعا کی مجھے تو قبول ہوتی نظر نہیں آتی پھر دعا سے تنگ دل ہو جائے اور دعا کرنا چھوڑ دے (رواہ مسلم ص ۳۰۶ ج ۲) مطلب یہ ہے کہ دعاء خیر میں برابر لگا رہے تنگ دل ہو کر دعا نہ چھوڑے۔

آیت شریفہ سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ دکھ تکلیف میں مبتلا ہو یا کوئی مصیبت آئی ہوئی ہو یا آرام و راحت اور خیر و خوبی سے بالامال ہو ہر حال میں دعا کرتے رہنا چاہئے یہ جو بندوں کا طریقہ ہے کہ مصیبت کے وقت بڑی بڑی دعائیں کرتے ہیں وہ ظنی پڑھتے ہیں، تسبیحیں کھس دیتے ہیں اور پھر جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو دعاؤں کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں

اور بالکل ہی بھول جاتے ہیں گویا کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگا ہی نہ تھا، مصیبت آئی تو اللہ کے سامنے گڑگڑائے اور جب اللہ تعالیٰ نے مصیبت دور فرمادی تو اب سارا بھروسہ اسباب پر کر لیا اور ساری خیر و خوبی کو اپنی ہنرمندی اور سمجھداری کی طرف منسوب کر دیا یہ سب آداب عبودیت کے خلاف ہے سورہ زمر میں فرمایا: (فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّمَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ) (پھر جس وقت آدمی کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرمادیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھ کو میری تدبیر سے ملی ہے بلکہ وہ ایک آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسے اس بات کی خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں میں اس کی دعا قبول فرمائے اسے چاہئے کہ آسائش کے زمانے میں زیادہ دعا کیا کرے۔ (رواہ الترمذی)

وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا الْقُرُونِ مِن قَبْلِكَمُ.....

دعوت: گزشتہ آیت میں کفار و مشرکین کا مستحق عذاب ہونا بیان کیا اب ان آیات میں کفار سابقین کا نافرمانی کے جرم میں ہلاک ہونا ذکر کرتے ہیں تاکہ حاضرین اور موجودین اور آنحضرت ان سابقین کے حالات سے عبرت حاصل کریں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب اور مخالفت سے باز آجائیں اور سمجھ لیں کہ اللہ کی یہ قدیم سنت ہے کہ جو لوگ انبیاء و مرسلین کے کلمے نشانات دیکھنے کے بعد ان کی تکذیب پر کمر بستہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانی عذاب سے ہلاک کر ڈالا مگر ایک زمانہ کے بعد ہلاک کیا فوراً نہیں ہلاک کیا۔ اللہ تعالیٰ حلیم ہے پکڑنے پر جلدی نہیں کرتا اس لیے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حلم سے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے اہل مکہ ہم نے تم سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کیا جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی کفر اور شرک کیا اور انبیاء کرام کی تکذیب کی اور ان کی آیات بینات اور حجج و اضمحاث کا انکار کیا اور ہم نے محض ان کے ظلم پر نہیں پکڑا بلکہ بعد اس کے کہ ان کے پاس ان کے رسول اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل لے کر آئے اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی حجت ان پر پوری ہو گئی اور غایت عناد کی وجہ سے وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے جس طرح ہم نے ان کو ہلاک کیا اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو مزا دیا کرتے ہیں۔

پھر ان کے ہلاک اور برباد کرنے کے بعد زمین میں تم کو ان کا جانشین کیا اور ان کے بجائے تم کو آہا دیا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ایمان لاتے ہو یا تکذیب کرتے ہو تمہارا اعمال کے موافق ہم معاملہ کریں گے۔

عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان پچھلوں سے عبرت پکڑے اور بلا و اذیت کے نازل ہونے سے پہلے اپنی حالت درست کر لے۔

وَإِذَا تُنذِرُهُمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ.....

مسکریں کی اس بات کا جواب کہ دوسرا قرآن لے آئیے یا اس کو بدل دیجئے:

معالم التنزیل (ص ۲۴۷ ج ۲) میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ وَإِذَا تُنذِرُهُمْ سے مشرکین مکہ مراد ہیں اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ اہل مکہ میں سے پانچ آدمیوں نے آنحضرت سرور عالم ﷺ سے یوں کہا تھا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم

آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آئیں جس میں لات اور عزی اور منات کی عبادت چھوڑنے کا حکم نہ ہو اور ان بتوں کا برائی کے ساتھ ذکر بھی نہ ہو اگر اللہ تعالیٰ نے ایسی آیات نازل نہیں کی ہیں تو آپ اپنے پاس سے بنا دیں یا اس قرآن کو بدل ہی دیں۔ آیت عذاب کی جگہ آیت رحمت لکھ دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی جن پانچ آدموں نے یہ بات کہی تھی ان کے نام یہ ہیں (۱) عبد اللہ بن امیہ (۲) ولید بن مغیرہ (۳) مکرز بن حفص (۴) عمرو بن عبید اللہ بن ابی قیس (۵) عامر بن عامر بن ہشام ان لوگوں کی اس بات پر آیت بالا نازل ہوئی کہ جب ان پر ہماری واضح آیت تلاوت کی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے (یعنی آخرت کو نہیں مانتے) یوں کہتے ہیں کہ آپ اس قرآن کے علاوہ دوسرا قرآن لے آئیے یا اس کو بدل دیجئے آپ فرما دیجئے کہ میں یہ نہیں کر سکتا کہ اپنے پاس سے بدل دوں میں تو صرف وحی کا پابند ہوں میری طرف جو وحی آتی ہے اس کا اتباع کرتا ہوں نہ اپنے پاس سے کچھ کہہ سکتا ہوں نہ اسے بدل سکتا ہوں۔ وحی کو بدلنا بہت بڑا گناہ ہے میں تمہیں جیسے اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں ایسے ہی اپنے بارے میں ڈراتا ہوں کہ اگر اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی تو بڑے دن کا عذاب پہنچ جائے گا۔ میرا کام صرف پہنچانے کا ہے اپنے پاس سے قرآن بنانے کا نہیں ہے میں تو اللہ کا بندہ ہوں نافرمانی کروں تو عذاب میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رکھتا ہوں میں اللہ کا مامور ہوں اللہ کے حکم دینے پر تم کو اس کی کتاب سناتا ہوں وہ نہ چاہتا تو میں تم پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ تمہیں بتاتا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔

حناطین کو یہ دیکھنا اور سوچنا چاہئے کہ میں عرصہ دراز تک تمہارے اندر رہا ہوں یعنی اسی سرزمین پر چالیس سال تک زندگی گزاری ہے اس دوران میں نے کبھی نہیں کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور مجھ پر اللہ نے کتاب نازل فرمائی ہے۔ اگر میں اپنے پاس سے بنا کر کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کر کے تمہارے اندر اپنا کوئی مقام بنانا چاہتا تو اس سے بہت پہلے ایسا کر چکا ہوتا جب یہ میرا کلام نہیں ہے تو اس میں کیسے تمیم کروں؟ تم مجھ سے کیسے کہتے ہو کہ میں اپنے پاس سے بنا کر لے آؤں کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔

آخر میں فرمایا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے اللہ کا رسول جھوٹ نہیں بل سکتا اور اپنی بنائی ہوئی بات کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔ ہاں تم لوگ جو اللہ کی آیات کو جھٹلا رہے ہو یہ ظلم تمہاری اپنی جانوں پر ہے اور برا ہجرم ہے (اللہ لَا يُفْلِحُ الْبَاطِلُ الْمُجْرِمُونَ) بلاشبہ جرم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے۔

وَلَا إِذْ قُلْنَا لِلنَّاسِ ائْتُوا مَكَّةَ رَحْمَةً مَطَرًا وَخَضْبًا قُرْبًا بَعْدَ ضَرْأِ بُوَيْسٍ وَجَدِبَ مَسْتَهْمٌ إِذَا لَهُمْ مَكْرٌ فِي آيَاتِنَا بِالْإِسْتِهْزَاءِ وَالتَّكْذِيبِ قُلْ لَهُمُ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا مُجَازَاةً إِن رَسَلْنَا الْخَفْظَةَ يَلْتَبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۝ بِالنَّارِ وَالتَّبَاهِ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ وَفِي قِرَاءَةِ يُنَشِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالتَّبَاهِ حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ السُّفِينِ وَجَرْتُمْ بِهِمْ فِيهِ النَّفَثَ عَنِ الْخَطَابِ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ لِيَنبِئَهُمْ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ شَدِيدَةٌ الْهُبُوبِ تَكْسِرُ كُلَّ شَيْءٍ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا

أَلَهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۚ أَيُّ أَهْلِكُمْ أَدْعُوا دَعَا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ الدُّعَاءُ لِيُنْ لَامٌ قَسَمِ أَنْجِينَا مِنْ
هَذِهِ الْأَهْوَالِ لِنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ الْمُؤَخِّدِينَ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ
الْحَقِّ ۚ بِالشِّرْكِ يَأْتِيهَا النَّاسُ إِنَّمَا بِغَيْبِكُمْ ظَلَمْتُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ ۚ لِأَنَّ إِثْمَهُ عَلَيْهَا هُوَ تَمْتَعُونَ فِيهَا
فَلَبِلا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ فَذُنُوبَكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ فَجَازِيكُمْ عَلَيْهِ وَفِي قِرَاءَةِ
بِنَصَبِ مَنَاعٍ أَيُّ تَمْتَعُونَ إِنَّمَا مَثَلُ صِفَةِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَا مَطَرٌ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ
بِسَبَبِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ وَاشْتَبَكَ بَعْضُهُ بِبَعْضٍ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ مِنَ الْبَرِّ وَالشَّعِيرِ وَغَيْرِهِمَا وَالْأَنْعَامُ
مِنَ الْكَلْبِ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا بِهَجَّتْهَا مِنَ النَّبَاتِ وَازْدَيَّتْ بِالزُّهْرِ وَأَصْلُهُ تَزَيَّنَتْ
أَبْدَلَتْ النَّارُ زَايَا وَأُدْغِمَتْ فِي الزَّايِ ثُمَّ أُجْتَلِبَتْ مَمْرُةُ الرُّضْلِ وَظَنَّ أَهْلَهَا أَنَّهُمْ قَدِ ابْتَدَأُوا عَلَيْهَا
مُتَمَكِّنُونَ مِنْ تَحْصِيلِ ثَمَارِهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا فَصَارُوا نَاوِعًا بِنَا لِيَلَّا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا أَيُّ زَرْعَهَا
حَصِيدًا كَالْمَحْضُودِ بِالْمَنَاجِلِ كَانَ مَخْفَفَةً أَيُّ كَانَ مَهْمًا لَمْ تَعْنِ تَكُنْ بِالْأَمْسِ ۚ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ
لِيُبَيِّنَ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ ۚ أَيُّ السَّلَامَةِ وَهِيَ الْجَنَّةُ بِاللُّغَةِ إِلَى
الْإِيمَانِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ هِدَايَتَهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ دِينِ الْإِسْلَامِ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْإِيمَانِ
الْحُسْنَى الْجَنَّةَ وَزِيَادَةٌ ۚ هِيَ النَّظَرُ إِلَيْهِ تَعَالَى كَمَا فِي حَدِيثِ مُسْلِمٍ وَلَا يَرَهُنَّ يُغْشَىٰ وَجُوهَهُمْ
قَتْرٌ سَوَادٌ وَلَا دِلَّةٌ ۚ كَاتِبَةُ أَوْلِيكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ عَظِفَ عَلَىٰ لِلَّذِينَ
أَحْسَنُوا أَيُّ وَلِلَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ عَمِلُوا الشِّرْكَ جَزَاءً سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۚ وَتَرَهَقَهُمْ ذِلَّةٌ ۚ مَا لَهُمْ
مِنَ اللَّهِ مِنْ زَائِدَةٍ عَاصِمٍ ۚ مَانِعٌ كَأَنَّهَا أُغْشِيَتْ الْبَسْتُ وَجُوهَهُمْ قَطْعًا بِفَتْحِ الطَّاءِ جَمْعُ قِطْعَةٍ وَ
إِسْكَانِهَا أَيُّ جُزْأَيْنِ اللَّيْلِ مُظِيمًا ۚ أَوْلِيكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ إِذْ كُرَّ وَ يَوْمَ
نَحْشُرُهُمْ أَيُّ الْخَلْقِ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ نُصِيبُ بِالزُّمُومِ الْمُقَدَّرَا أَنْتُمْ تَأْكُلُونَ
لِلضَّمِيرِ الْمُسْتَرِّ فِي الْفِعْلِ الْمُقَدَّرِ لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ وَشُرَكَاءُكُمْ أَيُّ الْأَصْنَامِ فَزَيَّلْنَا مِيزَانًا بَيْنَهُمْ

وَيُنِيبُ الْمُؤْمِنِينَ كَمَا فِي آيَةِ وَامْتَأَزُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ وَقَالَ لَهُمْ شُرَكَاءُ وَهُمْ مَا كُنْتُمْ إِلَّا نَا
تَعْبُدُونَ ۝ مَا نَنْفَعُكُمْ قَدَمُ الْمُفْعُولِ لِلْفَاعِلِ فَكُنْفِي بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ مَخَفْتُمْ أَيُّنَا كُنَّا
عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغْفِيلِينَ ۝ هُنَالِكَ أَيُّ ذَلِكَ الْيَوْمِ تَبْلَوْنَ مِنَ التَّلْوِي وَفِي قِرَاءَةِ بَنَاتَيْنِ مِنَ التَّلَاوَةِ كُلِّ
نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ قَدَمَتْ مِنَ الْعَمَلِ وَرُدُّوْا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمْ الْحَقَّ الثَّابِتِ الدَّائِمِ وَضَلَّ غَاب عَنْهُمْ
مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ عَلَيْهِ مِنَ الشَّرِّ كَاءِ

ع ۲
۸

توجہ لیں: اور جب چکھا میں ہم لوگوں (کفار مکہ) کو دکھ تکلیف (کئی قحط سالی) کے بعد اپنی رحمت (بارش اور سرسبزی) کا
مزہ تو اس وقت بنانے لگے حیلے ہماری نشانوں میں (تمسخر کرنے اور جھٹلانے لگتے ہیں) تم (ان سے) کہہ دو اللہ جلد بنا سکتا
ہے حیلے (سزا دینے کے ذریعہ) ہمارے فرشتے (حافظین) تمہاری ساری مکاریاں قلمبند کر رہے ہیں (لفظی کتبوں تاء
اور یاء کے ساتھ ہے) وہی تم کو پھراتا ہے (اور ایک قراءت میں ین شمر کہ ہے) خشکی اور تری میں یہاں تک کہ جب تم
جہاز میں سوار ہوتے ہو اور جہاز موافق (نرم) ہوا پا کر تمہیں لے چلتے ہیں (لفظ بھم میں صیغہ خطاب سے التفات ہے) اور
مسافر خوش ہوتے ہیں پھر اچانک تند ہوا (ایسے سخت جھکڑ جن سے ہر شی نہیں نہیں ہو جائے) کے جھوکے آجاتے ہیں اور ہر
طرف سے موجیں گھیر لیتی ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ بس اب ان میں آگھرے (پھنس گئے) تو اس وقت خالص اعتماد کر
کے (دعا میں) اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں خدا یا! اگر (لام قسمیہ ہے) اس (دہشت ناک) حالت سے آپ ہمیں نجات دے
دیں تو ہم ضرور آپ کے شکر (توحید) گزار ہوں گے پھر جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک ملک میں ناحق (شرک
کرے) سرکشی اور فساد کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی (ظلم) کا وبال تو خود تمہاری ہی جانوں پر پڑنے والا ہے
(کیونکہ ظلم کا گناہ ظالم ہی کو ہوگا) یہ دنیا کی زندگی کے فائدے ہیں (دنیا میں تھوڑے دنوں اکڑ لو) پھر تمہیں ہماری طرف لوٹ
کر آنا ہے (مرنے کے بعد) اس وقت ہم تمہیں بتائیں گے کہ تم دنیا میں جو کچھ کرتے رہے اس کی حقیقت کیا تھی (ہنذا تمہیں
اس پر بدلہ دے گا اور ایک قراءت میں متاع منصوب ہے یعنی تم فائدہ اٹھاتے رہو) دنیا کی زندگی کی مناس (حالت) تو بس
ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے (بارش کا) پانی برسایا پھر اس پانی (کی وجہ) سے خوب گنجان ہو کر نکلے زمین کی نباتات
(ایک دوسرے میں گندھ کر) جو انسانوں کی غذا میں کام آتی ہے (گیہوں جو وغیرہ) اور جانوروں کے چارہ میں کام آتی ہے
(گھاس پھوس) یہاں تک کہ جب زمین اپنی رونق کے سارے زیور پہن چکی (لہلہاتی ہوئی گھاس سے) اور خوب شاداب
ہوئی (سرسبزی سے اصل میں تزینت تھا تاء کو زاء سے بدل کر زاء میں ادغام کر دیا گیا ہے پھر ہمزہ وصل کر گیا) اور زمین کے
مالک سمجھے کہ اب فصل بہار ہمارے قابو میں آگئی ہے (اس کے پھلوں پر اب ہم قابض ہو چکے ہیں) تو اچانک ہماری طرف
سے کوئی حادثہ (فیصلہ یا عذاب) آ پڑا رات کے وقت یا دن کے وقت سو ہم نے اسے (کھیت کو) ایسا صاف کر کے رکھ دیا
(جیسے درانیوں سے کاٹ دیا جائے) گویا کہ (ان نفعہ یعنی کاٹنا) ایک دن پہلے تک اس کا نام و نشان تک نہ تھا اسی طرح ہم

دیلوں کو کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے (جہن جنت کی طرف ایمان کی دعوت دیتے ہوئے) اور جسے چاہتا ہے (ہدایت دیتا ہے) اسے سیدھی راہ (اسلام) پر لگا دیتا ہے جن لوگوں نے نیکی کی (ایمان لائے) ان کی بھلائی (جنت) ہوگی اور اس سے بھی کچھ زیادہ (اللہ کے جمال کی طرف نظر کرنا جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے) ان کے چہروں پر نہ تو کالک (سیاہی) تھپے گی (چھائے گی) اور نہ ذلت (پشیمانی) بر سے گی ایسے ہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ جنت میں رہنے والے اور جن لوگوں نے (اس کا عطف لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا پر ہے یعنی وَالَّذِينَ هُمْ بِهَا) بد کام کیے (شرک کیا) تو برائی کا نتیجہ دیا ہی نکلے گا اور ان پر ذلت چھا جائے گی اللہ سے بھی انہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا (من زیادہ ہے) ان کے چہروں پر اس طرح کالک چھا جائے گی جیسے پرت کے پرت ان کے چہروں پر اڑھادیے (پہنچا دیئے) گئے ہوں (لفظ قطعاً کے فتح اور سکون کے ساتھ قطعہ کی جمع ہے بمعنی نکلا) اندھیری رات کے سوا ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے اور (یاد کیجئے) اس وقت کو جبکہ ہم سب (مخلوقات) کو اپنے حضور جمع کریں گے پھر مشرکین سے کہیں گے ٹھہرو! (لفظ مکان الزموا مقدر کی وجہ سے منسوب ہے) تم (یہ فعل مقدر کی ضمیر مستتر کی تاکید ہے عطف کر صحیح کرنے کے لیے) اور وہ سب معبود جنہیں تم نے شریک ٹھہرایا تھا (بت) پھر پھوٹ ڈال دیں گے (الگ الگ کر دیں گے) ان میں (اور مسلمانوں میں جیسا کہ دوسری آیت: وامتازوا ایہا المجرمون میں ہے اور (اب سے شرکاء کہیں گے تم نے ہماری عبادت نہیں کی تھی) مانا یہ ہے اور مفعول کو فاصلہ کی رعایت سے مقدم کیا گیا ہے) سو ہمارے تمہارے درمیان اللہ گواہ کافی ہے کہ (ان مخففہ ہے یعنی اتنا تھا) ہم تمہاری پرستشوں سے یکسر بے خبر تھے اس مقام پر (اس دن) جانچ لے گا (یہ لفظ بلوی سے ماخوذ ہے اور ایک قراءت میں یہ لفظ دو تاء کے ساتھ آیا ہے تلاوت سے مشتق کر کے) ہر آدمی جو کچھ کہ وہ پہلے کر چکا ہے (کار نامہ انجام دے چکا ہے) سب اللہ کے حضور جو ان کا مالک حقیقی (ثابت اور قائم رہنے والا) ہے لوٹائے جائیں گے اور جو تار ہے گا (غائب ہو جائے گا) ان کے پاس سے جو جھوٹ باندھا کرتے تھے (اللہ پر شرکاء کے ذریعہ)۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: مُجَازَاةً: نکر کا لفظ ان کو دی جانے والی سزا پر بولا گیا۔
- قوله: الْحَفْظَةَ: اس انتقام کا معنی ہونا ظاہر کیا کہ انکی تدابیر تو ہمارے فرشتوں سے بھی مخفی نہیں چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ سے ہوں۔
- قوله: أَهْلِكُمْ: یعنی ان پر چھٹکارے کی تمام راہیں بند کر دی گئیں جیسے دشمن پر گھیرا ڈال لے۔
- قوله: الدُّعَاءَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں دین دعا کے معنی میں ہے نہ کہ ایمان کے معنی میں۔
- قوله: هَذِهِ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ متاع مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ یہ بَغْيٌ كَثِيرٌ کی خبر نہیں۔
- قوله: صِفَةً: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں مثل صفت کے معنی میں ہے اپنے معرّف معنی میں نہیں۔

قولہ: **بُهَجَّتْهَا**: یہ کلام بطور تمثیل دھڑ ذکر کی گئی ہے زمین کی رونق و زینت نباتات ہے۔

قولہ: **زَرَعَهَا**: ضمیر ارض کی طرف مضاف محذوف ہے۔

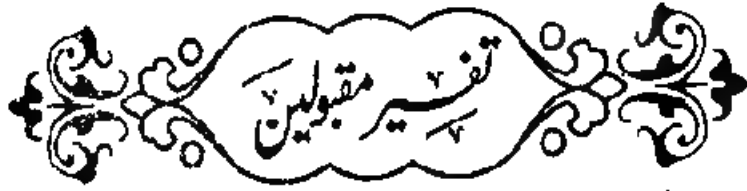
قولہ: **كَانَهَا لَمْ تَعْن**: گویا زمین آباد ہی نہ تھی۔ نفس زمین کو معدوم قرار دیا۔ فعلی بمعنی مفعول ہے۔

قولہ: **مُظْلِمًا**: یہ لیل سے حال ہے صفت نہیں۔

قولہ: **إِنَّا تَعْبُدُونَ**: تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے بلکہ شیاطین کے کہنے پر ان کی عبادت کرتے تھے۔

قولہ: **إِنْ**: یہ **مُخَفَّفَةٌ** من المنقلبه ہے نافیہ اور شرطیہ نہیں۔

قولہ: **ذَلِكَ الْيَوْمِ**: مکان کا نام تو زمانے کے لیے مستعار استعمال کیا گیا ہے۔



وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۖ

رسالت محمدیہ کے متعلق مشرکین کے ایک معاندانہ سوال کا جواب:

(بط: اس آیت میں منکرین نبوت کے چوتھے شبہ کو ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ مشرکین مکہ آنحضرت ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ جب تک آپ ہماری فرمائش کے مطابق معجزہ نہ دکھائیں گے اس وقت تک ہم آپ کی نبوت کو نہ مانیں گے حالانکہ قرآن خود ایک معجزہ تھا جسے وہ دیکھ چکے تھے تو اس کے بعد یہ کہنا کہ فلاں قسم کا معجزہ دکھلاؤ گے تو ایمان لائیں گے۔ یہ خود اس کے معاند اور ضدی ہونے کی دلیل ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا جواب دیا حاصل جواب یہ ہے کہ میری نبوت کے دلائل اور براہین کا تم بار بار مشاہدہ کر چکے ہو اور میری صداقت کا نشان دیکھ چکے ہو۔ تمہاری فرمائش کے مطابق نشان دکھانا ضروری نہیں اور نہ مفید ہے اور نہ مصلحت ہے یہ دنیا دار العمل اور دار الامتحان ہے۔ مجرموں کو مہلت دینا ضروری ہے تم جیسے معاندین کا جواب صرف اتنا ہے کہ نتیجہ کا انتظار کرو کہ تمہاری اس تکذیب کا کیا نتیجہ تمہارے سامنے آتا ہے (یہ فرمانا کہ نتیجہ کا انتظار کرو یہ بھی ایک دلیل تھی) باقی معجزہ کا ظاہر کرنا میرے اختیار میں نہیں وہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

دعا جانے کہ کب ظاہر کرے۔ یہ غیب کی بات ہے مجھے اس کا علم نہیں اور کفار مکہ یہ کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی جیسے ہم چاہتے ہیں کیوں نہیں نازل کی گئی۔ سو آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ تمہارا یہ سوال معاندانہ ہے تم میری صداقت کے بہت سے نشان دیکھ چکے ہو۔ باقی ایسا نشان جسے دیکھ کر لوگ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں اس عالم شہادت میں نہیں دکھلایا جاسکتا۔ یہ امر مصلحت کے خلاف ہے باقی رہا یہ امر کہ آئندہ کیا ہوگا۔ سو کہہ دیجئے کہ غیب کی خبر صرف اللہ کو ہے بس تم انتظار کرو تحقیق میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ یعنی عنقریب دیکھ لو گے کہ خدائے تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان کیا فیصلہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ حق کو باطل پر غلبہ دے گا۔ میری صداقت اور

میرے دین کی حقانیت تم پر ظاہر ہو جائے گی۔ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ اگر کہیں کہ ہم کہاں سے جانیں کہ تمہاری بات سچ ہے فرمایا آگے دیکھو حق تعالیٰ اس دین کو روشن کرے گا اور مخالف ذلیل ہوں گے اور برباد ہو جائیں گے سو دیکھو یہاں ہوا۔ سچ کی نشانی ایک بار کافی ہے اور ہر بار مخالف ذلیل ہوں تو فیصلہ ہو جائے حالانکہ اصل فیصلہ کا دن دنیا میں نہیں ہے۔ انتہی۔

آگے یہ بیان کرتے ہیں کہ ان مشرکوں کی عادت یہ ہے کہ جب اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھتے ہیں تو مجبور ہو کر حق کی طرف جھکتے ہیں اور جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر اپنی سابقہ شرارت کی طرف لوٹ جاتے ہیں یہ معجزہ دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں گے۔

اور جب ہم ان لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں بعد اس مصیبت اور تکلیف کے جو ان کو پہنچی ہے تو فوراً ہی ہماری قدرت کی نشانیوں میں حیلے بہانے شروع کر دیتے ہیں۔ کفار کہہ پر اللہ تعالیٰ نے قحط ایسا مسلط کیا جس میں وہ سات برس متواتر بھتا رہے یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مرنے لگے اور انہوں نے مرداروں کی ہڈیاں پی کر کھائیں تو گھبرا کر حضور پر نور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ اگر یہ عذاب ہم سے اٹھ جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی دعا سے ان کا قحط دور کر دیا۔ بلا کا دور ہونا تھا کہ پھر وہی شرارتیں کرنے لگے۔ بجائے اس کے کہ آپ کی دعا سے سات سالہ قحط کے دور پہنے کو خدا کی قدرت اور نعمت کا کرشمہ اور آپ کی نبوت و صداقت کا نشان جان کر ایمان لاتے۔ اپنی سابقہ سرکشی اور عناد کی طرف رجوع کر کے اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے لگے بلکہ اس انعام الہی کی نسبت کو اکب اور نجوم کی طرف کرنے لگے کہ یہ بارش فلاں ستارہ اور فلاں برج کی تاثیر سے ہوئی ہے۔ اے نبی آپ ان مکاروں سے کہہ دیجئے کہ اللہ جیلہ اور تدبیر میں تم سے زیادہ جلدی کرنے والا ہے۔ تمہارے حیلے اور بہانے کی خدا کی تدبیر کے سامنے کیا حقیقت ہے اور تحقیق ہمارے فرشتے یعنی کراما کا تبین تمہارے مکر اور حیلے لکھتے رہتے ہیں تاکہ قیامت کے دن تم کو اس کی پوری سزا ملے جب تمہاری تدبیر ہمارے فرشتوں پر پوشیدہ نہیں تو ہم پر کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے مکر سے اللہ تعالیٰ کا استدراج اور امہال مراد ہے کہ مجرم کی باگ ڈھیلی چھوڑتا ہے یہاں تک کہ مجرم نہ غفلت میں چور ہو کر یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ کوئی عذاب نہیں آئے گا اور اس کو یہ خیال ہی نہیں آتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف مہلت ہے پس جب کفر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو غفلت اور بے خبری میں اس کو پکڑ لیتا ہے اللہ تعالیٰ کے مکر سے مہلت دینا اور غفلت اور بے خبری کی حالت میں یکا یک پکڑ لینا مراد ہے لہذا عاقل کو چاہئے کہ خدا کے علم اور بردباری سے مفرور نہ ہو۔ معلوم نہیں کہ کب پڑے۔

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ

ربط: اوپر توحید کا بیان تھا۔ اب پھر توحید کا مضمون بیان ہوتا ہے جو جزا اور وعید کو بھی متضمن ہے اور اثبات صانع کی دلیل بھی ہے اور یہ آیت درحقیقت گزشتہ آیت: وَإِذَا أَدَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَمِنْ بَعْضِ ضُرَّاءِ مَسْتَهْمِهِمْ إِذَا لَهْمُ مَكْرُوفِي الْهَاتِنَا ك تفسیر اور تشریح ہے جس میں ضراء کے بعد رحمت پہنچنے کی اور پھر رحمت اور نعمت ملنے کے بعد ان کے مکر فی الآیات کی مثال بیان کی گئی ہے کیونکہ مثال سے شے کی حقیقت اور کیفیت واضح ہو جاتی ہے۔

حکایت: امام جعفر صادق سے کسی نے سوال کیا کہ میرے لیے اثبات صانع کی کوئی دلیل ذکر کیجئے تو فرمایا کہ بتلا تو کیا پیش کرتا ہے اس نے کہا میں بحری تجارت کرتا ہوں کشتیوں پر سامان لادتا ہوں اور لے جاتا ہوں۔ فرمایا کبھی ایسی صورت بھی پیش آئی ہے کہ کشتی ٹوٹ گئی ہو اور تو ایک تختہ پر بیٹھا رہ گیا ہو اور ہر طرف سے تیز ہوائیں آرہی ہوں۔ اس نے کہا ہاں ایک مرتبہ ایسا بھی پیش آیا ہے تو امام جعفر نے کہا اس وقت تو نے کیا کیا۔ اس نے کہا گر یہ وزاری کی اور دعا مانگی تو امام جعفر نے فرمایا۔ پس تیرا خدا وہ ہے جس سے تو اس وقت دعا مانگ رہا تھا۔ (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ 576 ج 4)

غرض یہ کہ گزشتہ آیات کی طرح آئندہ آیات میں بھی توحید کا مضمون مع الزام اور مع زبرد و عید کے بیان ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں وہ اللہ وہی ہے جو تم کو خشکی اور تری یعنی جنگل اور دریا میں پیدل اور سوار یوں پر پھراتا ہے۔ یعنی تم پیدل اور سوار یوں پر خشکی میں اور کشتیوں اور جہازوں میں سوار ہو کر سمندروں میں پھرتے ہو تا کہ اپنی معاش پیدا کر دو تم کو چاہئے کہ اللہ کے اس احسان کا شکر ادا کرو۔ یہاں تک کہ بعض اوقات جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیاں اپنی سوار یوں کو یعنی تم کو لے کر موافق ہوا کے ساتھ روانہ ہوتی ہیں اور وہ کشتیوں کے سوار اس ہوا سے خوش ہوتے ہیں اور اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ گویا مقصد حاصل ہو گیا۔ ناگہاں اس حالت میں دفعۃً ان پر ایک تند و تیز ہوا آئی اور ہر طرف سے موج ان پر چڑھ آتی ہے اور دریا کے تلامح سے کشتی ڈانواں ڈول ہونے لگتی ہے اور گمان کرنے لگتے ہیں کہ ہم بلاؤں میں گھر گئے۔ یعنی اب کوئی دم میں کشتی ڈوبی اور وہ ہلاک ہوئے تو اس وقت اللہ کو اپنے اوپر سے بلا دفع کرنے کو پکارنے لگتے ہیں در آنحالیکہ وہ خالص اللہ کی عبادت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس وقت اس میں کوئی آمیزش شرک کی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک اللہ کی رحمت سے نعمت میں رہے تو مست رہے اور جب خدا کی رحمت مبدل بہ زحمت ہو گئی تو اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگے۔ اس لیے کہ جانتے ہیں کہ مصیبت سے بچانے والا صرف اللہ ہے اس لیے ایسے وقت میں صرف اللہ کو پکارتے ہیں اور بتوں کو بھول جاتے ہیں اور اس وقت یہ کہتے ہیں اے اللہ اگر تو نے ہم کو اس ڈوبنے کی مصیبت سے بچالیا تو ہم تیرے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ تیری توحید پر قائم رہیں گے۔

پھر جب اللہ نے ان کی دعا قبول کی تو فعل شاکرین کا کرتے مگر بجائے اس کے فعل مشرکین کرنے لگے۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہاری ہی جانوں پر ہے تمہاری یہ سرکشی و نیادی زندگی کا چند روزہ فائدہ ہے آخرت میں تمہارے کچھ کام نہ آئے گی پھر اس چند روزہ زندگی کے بعد تم سب کو ہماری ہی طرف بوٹ کر آنا ہے سو اس وقت ہم تم کو تمہارے اعمال سے خبر دار کریں گے۔ اور ان کے مناسب تم کو جزا دیں گے اس تمام بحری سفر کی مثال کا خلاصہ مطلب وہ ہے جو حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ سختی کے وقت آدمی کی نظر اسباب سے اٹھ کر صرف اللہ پر رہتی ہے جہاں سخت گھڑی گزری اور کام بن گیا۔ پھر خدا کو بھول کر اسباب پر آجاتا ہے۔ ذرا تا نہیں کہ خدا پھر ویسی ہی تکلیف اور سختی کا سبب کھڑا کر دے اسی کے ہاتھ میں سب اسباب کی باگ ہے انتہی کلام۔

يَذُنُّونَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ، وَزِيَادًا ۖ

عمل سے زندگی سستی ہے جنت بھی جہنم بھی:

یہاں جس نے نیک اعمال کیے اور بائمان رہا وہاں اسے بھلائیاں اور نیک بدلے ملیں گے۔ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ ایک ایک نیکی بڑھا چڑھا کر زیادہ ملے گی ایک کے بدلے سات سات سو تک۔ جنت حور قصور وغیرہ وغیرہ آنکھوں کی طرح طرح کی ٹھنڈک، دس کی لذت اور ساتھ ہی اللہ عزوجل کے چہرے کی زیارت یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا لطف و رحم ہے۔ بہت سے سلف خلف صحابہ وغیرہ سے مروی ہے کہ زیاد گٹ سے مراد اللہ عزوجل کا دیدار ہے۔ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے اور اس وقت ایک منادی کرنے والا نرا کرے گا کہ اے جنتیو! تم سے اللہ کا ایک وعدہ ہوا تھا، اب وہ بھی پورا ہونے کو ہے۔ یہ کہیں گے الحمد للہ ہمارے میزان بھاری ہو گئے، ہمارے چہرے نورانی ہو گئے، ہم جنت میں پہنچ گئے، ہم جہنم سے دور ہوئے، اب کیا چیز باقی ہے؟ اس وقت جاہ ہٹ جائے گا اور یہ اپنے پاک پروردگار کا دیدار کریں گے۔ واللہ کسی چیز میں انہیں وہ لذت و سرور نہ حاصل ہوا ہوگا جو دیدار الہی میں ہوگا۔ (مسلم وغیرہ) اور حدیث میں ہے کہ منادی کہے گا حسنیٰ سے مراد جنت تھی اور زیارت سے مراد دیدار الہی تھا۔ ایک حدیث میں یہ فرمان رسول اللہ ﷺ سے بھی مروی ہے۔ میدان محشر میں ان کے چہروں پر سیاہی نہ ہوگی نہ ذلت ہوگی۔ جیسے کہ کافروں کے چہروں پر یہ دونوں چیزیں ہوں گی۔ غرض ظاہری اور باطنی اہانت سے وہ دور ہوں گے۔ چہرے پر نور دل راحتوں سے سرور۔ اللہ ہمیں بھی انہیں میں کرے آمین۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ لَهُمْ مَنْ يَبْرِزُهُمْ مِنَ السَّمَاءِ بِالْمَطَرِ وَالْأَرْضِ بِالنَّبَاتِ أَفَمَنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ بِمَعْنَى الْأَسْمَاعِ أَيْ خَلَقَهَا وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأُمُورَ بَيْنَ الْخَلَائِقِ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ لَهُمْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ فَمُؤْمِنُونَ فَذَلِكُمُ الْفَعَالُ لِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ اللَّهُ رَبُّكُمْ الْحَقُّ ۝ الثَّابِتُ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۝ اسْتَفْهَامٌ تَقْرِيرٌ أَيْ لَيْسَ بَعْدَهُ غَيْرُهُ فَمَنْ أَخْطَأَ الْحَقَّ وَهُوَ عِبَادَةُ اللَّهِ وَقَعَ فِي الضَّلَالِ فَأَيَّ كَيْفٍ تُصْرَفُونَ ۝ عَنِ الْإِيمَانِ مَعَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ كَذَلِكَ كَمَا صَرَفَ مُؤَلَّاكٍ عَنِ الْإِيمَانِ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا كَفَرُوا وَهِيَ لَا مَلَانَ جَهَنَّمَ الْأَبَاءُ أَوْهَىٰ أَلَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدُوا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ قُلْ اللَّهُ يَبْدُوا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ قُلْ تَتُوفَكُونَ ۝ تُصْرَفُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ مَعَ قِيَامِ الدَّلِيلِ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۖ بِنُصْبِ الْحُجَجِ وَخَلْقِ الْإِهْتِدَاءِ قُلْ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۖ أَفَمَنْ

يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَهُوَ اللَّهُ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمْ لَا يَهْدِي يَهْدِي إِلَّا أَنْ يَهْدِيَ ۚ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ
 اسْتِفْهَام تَقْرِيرٌ وَتَوْبِيخٌ آيَةُ الْاَوَّلِ أَحَقُّ فَمَا لَكُمْ ۚ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ هَذَا الْحُكْمُ الْقَاسِدُ مِنْ اِتِّبَاعِ
 مَا لَا يَجُزُّ اِتِّبَاعُهُ وَمَا يُتَّبَعُ أَكْثَرُهُمْ فِي عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ إِلَّا ظَنًّا ۚ حَيْثُ قَلَّدُوا فِيهِ اِبْنَاءَهُمْ إِنَّ الظَّنَّ لَا
 يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ فِيمَا الْمَطْلُوبُ مِنْهُ الْعِلْمُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝ فَيَجَازِيهِمْ عَلَيْهِ وَمَا
 كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ أَيُّ اِفْتِرَاءٍ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَيُّ غَيْرِهِ ۚ وَلَكِنْ أَنْزَلَ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ
 مِنَ الْكُتُبِ وَتَفْصِيلَ الْكُتُبِ تَبَيِّنُ مَا كَتَبَ اللَّهُ مِنَ الْأَحْكَامِ وَغَيْرِهَا لَا رَيْبَ شَكٍّ فِيهِ مِنْ رَبِّ
 الْعَالَمِينَ ۝ مُتَعَلِّقٌ بِتَصْدِيقِ أَوْ بِأَنْزَلِ الْمَحْدُوفِ وَقُرَيْئٌ يَرْفَعُ تَصْدِيقَ تَفْصِيلِ بِتَقْدِيرِ هُوَ أَمْرٌ بَلْ
 يَكُونُ اِفْتِرَاءً ۚ اخْتَلَفَهُ مَحْتَدٍ اَقْلُ فَاتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ عَلَىٰ وَجْهِ الْاِئْتِرَاءِ
 نَائِكُمْ عَرَبِيُونَ فَصَحَاءُ مِثْلِي ۚ وَادْعُوا إِلَىٰ عَانَةِ عَلَيْهِ مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَيُّ غَيْرِهِ ۚ إِنَّ كُنْتُمْ
 صَادِقِينَ ۝ فِي أَنْهُ اِفْتِرَاءٌ فَلَمْ يَقْدِرُوا عَلَىٰ ذَلِكَ قَالَ تَعَالَىٰ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعَلِيمِهِ أَيُّ
 بِالْقُرْآنِ وَلَمْ يَتَدَبَّرُوهُ وَكَمَا لَمْ يَأْتِيهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ غَائِبَةٌ مَا فِيهِ مِنَ الرَّعِيدِ كَذَلِكَ التَّكْذِيبُ كَذَابُ
 الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۝ بِتَكْذِيبِ الرُّسُلِ أَيُّ اخْتِرَ امْرِهِمْ مِنْ
 الْهَلَاكِ فَكَذَلِكَ يَهْلِكُ هَؤُلَاءِ ۚ وَمِنْهُمْ أَيُّ أَهْلِ مَكَّةَ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ لَعَلَّمَ اللَّهُ ذَلِكَ مِنْهُ وَمِنْهُمْ مَنْ
 لَا يُؤْمِنُ بِهِ ۚ أَبَدًا وَرَبِّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ۝ تَهْدِيدٌ لَهُمْ

۱۰

ترجمہ: تو پوچھو کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان (بارش) سے اور زمین سے (نباتات کے ذریعہ) کون ہے جس کے قبضہ
 میں تمہارا سنا (سبح یعنی اسماع ہے یعنی کس نے سننے کی طاقت پیدا کی ہے) اور دیکھتا ہے اور کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا
 ہے اور مردہ کو زندہ سے؟ اور پھر کون ہے جو تمام کارخانہ ہستی کا انتقام کر رہا ہے؟ یہ بول انھیں کے کہ (وہ) اللہ ہے پس تم (ان
 سے) کہو ایسا ہی ہے تو پھر تم ڈرتے نہیں؟ (تمہیں ایمان لے آنا چاہئے تھا) یہی (ان کاموں کو سرانجام دینے والا) اللہ ہے جو
 تمہارا پروردگار حقیقی ہے پھر بتا دو سچائی کے جان لینے کے بعد اسے نہ ماننا گمراہی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ (استفہام تقریری ہے
 یعنی وضوح کے بعد حق کو تسلیم نہ کرنا گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں ہے پس جو حق یعنی حق تعالیٰ کی عبادت سے ہٹے گا وہ گمراہی میں
 پڑ جائے گا) تم منہ پھیرے کدھر جا رہے ہو؟ (دلائل موجود ہوتے ہوئے ایمان سے روگردانی کر رہے ہو) اسی طرح (جیسے

ان لوگوں کو ایمان سے پھیر دیا ہے) آپ کے پروردگار کا فرمان ان لوگوں پر صادق آ گیا جو سرکش ہیں (کافر ہیں وہ فرمان الہی یا تو لَاصَلِّحٌ جَهَنَّمَ اِلٰیہِ یا پھر اگلی بات ہے) کہ وہ ایمان لانے والے نہیں، اے پیغمبر! ان سے پوچھئے کیا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو خلقت کی پیدائش شروع کرے اور پھر اسے دوہرائے؟ تم کہو یہ تو اللہ ہے جو پیدا کرتا ہے پھر اسے دوہرائے گا پس غور کرو تمہاری الٹی چال تمہیں کدھر لے جا رہی ہے؟ (دلیل ہوتے ہوئے اس کی عبادت سے کہاں پھرے جا رہے ہو؟) ان سے پوچھو کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کی راہ دکھاتا ہے (دلائل قائم کر کے اور سیدھی راہ چلنے کی توفیق بخش کر) تم کہہ دو اللہ ہی حق کا راستہ دکھاتا ہے پھر جو حق کا راستہ دکھائے (یعنی اللہ) وہ اس کا حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہی راہ نہیں پاتا جب تک اسے راہ نہ دکھائی جائے (اس کا مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے، استفہام تقریری ہے تو بیخ کے لیے یعنی پہلی ہی صورت والی استیحق دار ہے) تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ (اس طرح کے غلط فیصلے کہ جو پیروی کے لائق نہیں اس کی پیروی کی جائے) اور ان لوگوں میں (بت پرستی کے متعلق) زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو صرف وہم و گمان کی باتوں پر چلتے ہیں (چنانچہ ایسی باتوں میں یہ لوگ اپنے باپ دادا کی پیروی کرتے ہیں) اور فی الحقیقت سچائی اور حق کے پہچاننے میں بے اصل خیالات ذرا بھی مفید نہیں ہو سکتے (جہاں مقصد علم کا حاصل کرنا ہو) یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے (لہذا وہ اس پر انہیں بدلہ دے گا) اور اس قرآن کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اپنے جی سے اسے گھڑ لائے بلکہ یہ تو ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے (کتابیں) نازل ہو چکی ہیں اور احکام ضروریہ کی تفصیل ہے (یعنی احکام وغیرہ جو اللہ نے فرض کیے ہیں) اس میں کوئی شبہ نہیں تمام جہانوں کے پروردگار کی جانب سے ہے (اس کا تعلق تصدیق کے ساتھ ہے یا انزل مخدوف کے ساتھ ہے اور تصدیق و تفصیل کو مرفوع بھی پڑھا گیا ہے ہو کی تقدیر کے ساتھ) کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اس شخص (محمد ﷺ) نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے؟ تم کہو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو قرآن جیسی ایک سورۃ بنا کر پیش کر دو (جو فصاحت و بلاغت میں قرآن کا نمونہ ہو تم بھی بنا لاؤ آخر تم بھی میری طرح فصیح عربی بولنے والے ہو) اور خدا کے سوا (علاوہ) جن جن ہستیوں کو اپنی مدد (اعانت) کے لیے بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو (اس سلسلہ میں کہ یہ قرآن من گھڑت ہے لیکن تمہیں اس پر قدرت حاصل نہیں ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں) نہیں یہ بات نہیں بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ جس بات پر اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے (قرآن کا اور اس میں تدبر کرنے کا) اور جس بات کا نتیجہ ابھی پیش نہیں آیا (قرآن میں جو وعیدیں ہیں ان کا انجام) اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے اسی طرح (جیسے انہوں نے جھٹلایا) ان لوگوں نے بھی (اپنے نبی کو) جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں تو دیکھو کہ ظلم کرنے والوں کا کیسا انجام ہو چکا ہے (جنہوں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا) (یعنی ان کا انجام تباہی ہوا پس ایسے ہی یہ بھی برباد ہوں گے) اور ان (مکہ والوں میں) کچھ تو ایسے ہیں جو قرآن پر ایمان لائیں گے (علم الہی کے مطابق) کچھ ایسے ہیں جو ایمان لانے والے نہیں (کبھی بھی) اور آپ کا پروردگار مفسدین کو خوب جانتا ہے (یہ ان کے لیے دھمکی ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: بِمَعْنَى الْأَسْمَاعِ: لام استغراقی ہے پس یہ جمع کے معنی میں ہوگا۔

قوله: هُوَ لَآءٍ: اسم باری تعالیٰ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قوله: فَتُؤْمِنُونَ: اس سے مراد شرک سے بچنا ہے۔

قوله: أَلْفَعَالُ: کمال امتیاز کی وجہ سے یہ محسوس کے قائم مقام ہے۔

قوله: اوہی: صورت اول میں یہ قول علت ہے یعنی اس لیے کہ وہ ایمان نہ رکھتے تھے۔

قوله: بِنَصْبِ الْحُجَجِ: ہدایت سے یہاں مراد راستہ دکھانا اور بیان و وضاحت نہیں۔

قوله: يَهْدِي: یہ اصل میں يَهْتَدِي تھا تعلیل سے اس طرح بنا۔

قوله: أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ: أَمَّنْ لَا يَهْدِي کی خبر ہے جو قرینہ ماقبل سے حذف کر دی گئی ہے۔

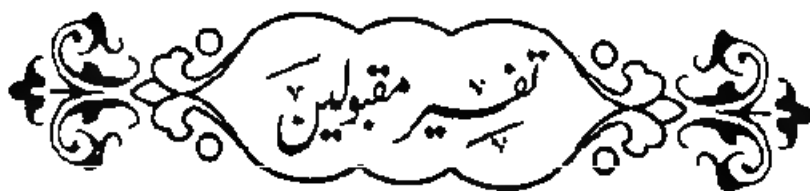
قوله: لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ: حق سے یہاں علم مراد ہے معنی یہ ہے۔ وہ قطعاً علم کی جگہ کام نہیں دے سکتا۔

قوله: إِفْتِرَاءً: ان ناصبہ مصدر یہ ہے تفسیر یہ نہیں اس لیے کہ اس کی شرط نہیں پائی جاتی۔

قوله: أَنْزَلَ: اس سے اشارہ کیا نفل محذوف کی علت ہونے کی وجہ سے تصدیق محذوف ہے۔

قوله: مُتَعَلِّقٌ بِتَصْدِيقٍ: یہ لاریب سے متعلق نہیں۔

قوله: لَعَلَّمَ اللَّهُ: اس سے اشارہ کیا کہ وہ عنقریب ایمان لا کر توبہ کریں گے۔



قُلْ مَنْ يَدْرُكُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.....

رابطہ: گزشتہ آیات میں بھی دلائل قاطعہ کے ساتھ اثبات توحید اور ابطال شرک کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں پھر یہی ابطال شرک کا مضمون اس طرح بیان ہوتا ہے کہ منکر کو سوائے اعتراف اور اقرار کے کوئی چارہ نہ رہے۔

احقاق توحید و ابطال شرک:

ان آیات میں حق تعالیٰ نے بطلان شرک پر دلیل یہ بیان فرمائی کہ قابل پرستش اور لائق عبادت وہ ذات ہے جس میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں اور کافر بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ کہ یہ اوصاف بجز وحدہ لا شریک لہ کے کسی اور میں نہیں پائے جاتے تو پھر کیوں دوسروں کی پرستش کرتے ہیں۔ اور اس مقام پر الوہیت کے چار خواص ذکر کیے جن کو بت پرست بھی اللہ

کے لیے مخصوص مانتے ہیں۔

- 1- قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ: یعنی آسمان اور زمین سے مخلوق کو روزی دینا۔
- 2- أَقْنُ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ: یعنی حاسہ سمع و بصر کا مالک ہونا جس کو چاہا شنوا اور بینا بنایا اور جس کو چاہا بہرا اور نابینا

بنایا۔

- 3- دَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ: یعنی مردہ سے زندہ کو پیدا کرنا اور اس کے برعکس یعنی

موت اور حیات کا اس کے اختیار میں ہونا۔

- 4- دَمَنْ يُدَبِّرُ الْأُمُورَ: یعنی تدبیر عالم عموماً و سفلی۔ جس کو چاہے بلند کرے اور جس کو چاہے پست کرے اور اس کے

علاوہ اور بھی الوہیت کے خواص مختصر کا بیان فرمایا اور مطلب یہ ہے کہ قابل پرستش وہ ذات ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں کہ وہ رزق کا۔ اور ارشاد کا مالک ہو ان دلائل کو بصورت استفہام و سوال پیش کیا اور جواب ان کے سپرد کیا تاکہ حجت اور الزام مکمل ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

دلیل اول: اے نبی آپ ان مشرکوں سے پوچھیے کہ تم کو آسمان اور زمین سے کون روزی دیتا ہے یعنی آسمان سے کون

بینہ برساتا ہے اور زمین سے کون اناج اور درخت اگاتا ہے جس پر تمہاری روزی کا دار و مدار ہے مطلب یہ ہے کہ بتلاؤ کہ تمہارا رازق کون ہے۔

دلیل دوم: اور پوچھیے کہ وہ کون ہے کہ جو تمہاری شنوائی اور بینائی کا مالک ہے یعنی کون ہے جس نے تم کو سماعت اور

بصارت عطا کی بتلاؤ تو سہی کہ سننے کو کان اور دیکھنے کو آنکھیں کس نے دی ہیں اور کون ان کا محافظ ہے۔

دلیل سوم: اور وہ کون ہے کہ جو زندہ کو مردہ سے نکالتا، اور مردہ کو زندہ سے نکالتا۔ جس کی صد ہا مثالیں ہیں انسان جاندار

ہے اور نطفہ بے جان ہے اللہ نطفہ سے انسان نکالتا ہے اور انسان میں سے نطفہ۔ پرندہ جاندار ہے اور انڈہ بے جان۔ اللہ

پرندہ میں سے انڈہ نکالتا ہے اور انڈے میں سے پرندہ۔ مؤمن زندہ ہے اور کافر مردہ ہے۔ اللہ مؤمن سے کافر کو نکالتا ہے اور

کافر سے مؤمن کو نکالتا ہے۔

دلیل چہارم: اور بتلاؤ کہ کون ہے جو آسمان اور زمین کی تدبیر کرتا ہے اور سارے عالم کا انتظام کرتا ہے پس کافر ان

سوالات مذکورہ کے جواب میں مجبور ہو کر یہی کہیں گے کہ ایسی صفتوں والا تو اللہ ہی ہے کیونکہ اس میں انکار اور مکابہ کی گنجائش

نہیں اور عالم کے اس نظام محکم کو دہریا مادہ کی طرف منسوب کرنا محض حماقت ہے پس ان کا یہ اقرار دلیل ہے اس بات پر کہ

بت پرستی کا طریقہ باطل ہے پس اے نبی! آپ ﷺ ان سے کہیے کہ جب تم یہ اقرار کر چکے کہ ایسی صفتوں والا صرف اللہ

ہے تو پھر تم خدا کے تہر و عذاب سے ڈرتے کیوں نہیں۔

پس خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی تمہارا حقیقی پروردگار ہے جس کی صفت او پر مذکور ہوئی۔ وہ مستحق عبادت ہے۔ بت جو کسی چیز

پر بھی قدرت نہیں رکھتے وہ مستحق عبادت نہیں ہو سکتے۔ پس اس صریح اور واضح حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا رہا۔ پھر تم

حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف کہاں پھرے جا رہے ہو۔ یعنی جب کہ تم نے خدا کی ہستی اور اس کے مالک اور قادر اور نافع اور

نہ ہونے کا اقرار کر لیا تو پھر وہ کیا چیز ہے جو تم کو حق سے باطل کی طرف مائل اور منحرف کر رہی ہے۔

اسی طرح تیرے پروردگار کی قضا ایسے بدکاروں پر ثابت ہو چکی ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے کہ جو دائرہ صریح سے نکل گیا اور اس نے تم کو اختیار کر لیا وہ کہاں سے ایمان لائے گا۔ یعنی اللہ کو ان کے عناد کا پہلے ہی سے علم تھا اس نے ان کی قسمت میں لکھ دیا تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ خدا کا نوشتہ ان کے حق میں پورا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی وحدانیت کے انکار کی کوئی وجہ تو ہے نہیں اس پر اگر کوئی ایمان نہ لائے تو سمجھ کہ اس کی تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا۔

دلیل دیگر:

اب پھر اس مدعا یعنی ابطال شرک کی ایک اور دلیل بیان کرتے ہیں جس میں مشرکین کی غایت تفسیح اور غایت تفسیح ہے۔ اے نبی! آپ ان مشرکین سے پوچھیے کہ بھلا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں سے جن کو تم شریک خدائی سمجھتے ہو کوئی ایسا بھی ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرے پھر وہی مرنے کے بعد اس کو پہلی صورت پر دوبارہ پیدا کرے اور ظاہر ہے کہ ان شرکاء میں سے کوئی بھی یہ قدرت نہیں رکھتا۔ پس اگر وہ اپنی عار اور شرکاء کی توہین کی وجہ سے اس سوال کا جواب دینے میں تامل کریں تو آپ یہ کہہ دیجئے کہ تم ان دلائل قاطعہ کے ہوتے ہوئے کہاں راہ حق سے بہکے جا رہے ہو مطلب یہ ہے کہ جن کو تم شریک خدائی ٹھہراتے ہو نہ وہ کسی کو پیدا کر سکتے ہیں بلکہ یہ وصف سوائے ذات خداوندی کے کسی میں نہیں پایا جاتا پھر کسی اور کی کیوں عبادت کرتے ہو۔ اس سوال کا جواب ذکر نہیں فرمایا کیونکہ ایسا بہہی امر ہے کہ کسی کو اس میں انکار کی مجال نہیں اور چونکہ مشرکین معاد اور حشر کے منکر ہیں اس لیے وہ اس کا جواب نہیں دیں گے کہ کہیں اقرار کر کے پکڑ میں نہ آ جائیں۔ پس ثابت ہوا کہ معبود حقیقی وہ ہے جو مبدئی اور معید ہو اور اس سوال سے مقصود ان کی جہالت اور حماقت کو ظاہر کرنا ہے۔ اور یہ دلیل جس طرح اثبات وحدانیت کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح اثبات معاد کے لیے بھی کافی ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ جب خدا تعالیٰ کی قدرت کا مدعا اور جنوں کا معجز تم پر ظاہر ہو گیا تو پھر تعجب ہے کہ تم جان بوجھ کر خدائے قادر کی عبادت سے منہ موڑتے ہو اور عاجز جنوں کو پوجتے ہو۔

دلیل دیگر بر ابطال شرک:

اے نبی! آپ ان سے یہ بھی پوچھیے کہ تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو لوگوں کو حق کا راستہ دکھائے اور حق اور باطل کے فرق کو بتلا سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ بجز اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے معبودوں میں کوئی بھی ایسا نہیں کیونکہ بت تو پیمائی اور شنوائی اور گویائی سب سے کورے ہیں تو پھر آپ ﷺ ان سے یہ کہیے کہ اللہ ہی لوگوں کو حق کا راستہ دکھاتا ہے اب آپ ﷺ ان سے یہ سوال کیجئے کیا وہ شخص جو دوسروں کو حق کا راستہ دکھاتا ہو وہ پیردی کیسے جانے کا زیادہ مستحق ہے یا وہ شخص کہ جس کو بغیر کسی کی رہنمائی کے خود بھی راستہ دکھائی نہ دیتا ہو یعنی اللہ جو حق کی راہ دکھاتا ہے اور دلائل اور براہین سے حق اور باطل کے فرق کو تم پر واضح کرتا ہے وہی اتباع اور اطاعت کا زیادہ مستحق ہے۔ بت نہیں ہیں جو دوسروں کو ہدایت کرتا تو کجا ان کا حال تو یہ ہے کہ بغیر دوسرے کے بتلائے راہ نہیں پاسکتے۔ جنوں کو راہ دکھلانے کے معنی یہ ہیں کہ لوگ ان کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جاتے ہیں اور اگر بہت بہت بھاری اور وزنی ہو تو چو پاہی پر باندھ کر اور لا کر ایک جگہ

سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ بت ایسے عاجز ہیں کہ جب تک کوئی ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ کرے تو خود نقل و حرکت نہیں کر سکتے۔ پس تم کو کیا ہو گیا کیسا برا فیصلہ کرتے ہو۔ فیصلہ سے مراد ان کا یہ اعتقاد کہ بت اللہ کے شریک اور مستحق عبادت ہیں۔ ان آیات: **قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۗ هُوَ الَّذِي يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۗ** یعنی ابطال شرک کی ایک دلیل کو بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو تمہارے شرکاء کسی کو ہدایت نہیں کر سکتے یعنی دینی اور دنیوی منافع کی کسی کو تعلیم نہیں دے سکتے اور نہ کسی کو مضرت سے بچنے کی تدبیر بتا سکتے ہیں بلکہ یہ وصف اللہ ہی کی ذات میں پایا جاتا ہے پھر تم اسے چھوڑ کر دوسرے کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ غرض یہ کہ اس تمام کلام سے مشرکین پر رد کرنا اور ان پر حجت قائم کرنا ہے جس نے ان باتوں کا اقرار کر لیا۔ اس پر الزام ظاہر ہے اور جس نے ازراہ عناد اقرار نہ کیا تو اس پر بالبداہت حجت قائم ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص 335 جلد 8)

خاتمہ کلام:

یہاں تک ابطال شرک پر ایسے دلائل قائم فرمائے کہ جن کے جواب سے مشرکین بھی عاجز تھے۔ اب اخیر میں یہ بتلاتے ہیں کہ تم نے جو عقیدہ بنا رکھا ہے اس پر کوئی دلیل نہیں محض تمہارا گمان اور خیال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اکثر ان میں سے صرف اٹکل پر چل رہے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ بے دلیل حق کو جھٹلا رہے ہیں اور بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔ تحقیق بے دلیل گمان اور خیال علم حق اور اعتقاد حق کے مقابلہ میں ذرہ برابر کارآمد نہیں ان کا یہ گمان ہے کہ یہ بت ہماری شفاعت کریں گے انہیں عذاب حق سے نہیں بچا سکے گا۔ تحقیق اللہ کو خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ کرتے ہیں ان کے جھوٹے دعوے اور بے دلیل اپنے گمان کی پیروی اور ان کی بدکرداریاں خدا سے مخفی نہیں۔

وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ....

قرآن حکیم کی حقانیت پر واضح دلیل اور اس جیسی ایک سورت بنانے کا چیلنج:

توحید کے دلائل بیان کرنے کے بعد اب کتاب اللہ کی حقانیت بیان فرمائی جس کے ذیل میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی مزید تصدیق ہوگئی۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے بنا لیا ہے اول تو ان کی تردید فرمائی کہ یہ ایسی کتاب نہیں ہے کہ جو غیر اللہ کی طرف سے ہو یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے جو اس سے پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور جو احکام اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بھیجے ہیں اس میں ان کی بھی تفصیل ہے۔ پھر ان لوگوں کو چیلنج کیا اور فرمایا کہ آپ ان سے فرمادیں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ قرآن اپنے پاس سے بنا لیا ہے تو تم اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر لے آؤ اور اللہ کے سوا ساری مخلوق میں سے اس مقصد کے لیے جس جس سے مدد لے سکتے ہو ان سب سے مدد لے لو۔ سورۃ بقرہ کی آیت (رکوع ۳) **(وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا) کی تفسیر کے ذیل میں اس کی تشریح کی جا چکی ہے۔ سورۃ ہود (رکوع ۲) میں فرمایا ہے کہ تم اس جیسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ پہلے قرآن کے مقابلہ میں دس سورتیں بنا کر لانے کا چیلنج کیا گیا پھر ایک سورت تک بات آگئی آج تک کوئی بھی قرآن کے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی سورت بھی بنا کر نہیں لاسکا اور نہ کبھی لاسکیں گے۔ جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا:**

قُلْ لَئِن اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا) (آپ فرمادیجئے کہ اگر سارے انسان اور سارے جنات اس بات کیلئے جمع ہو جائیں کہ قرآن جیسا بنا کر لے آئیں تو نہیں لاسکیں گے اگرچہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں)۔

جب قرآن کی سچائی ثابت ہوگئی تو قرآن لانے وال یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی سچائی بھی ثابت ہوگئی اس کے بعد فرمایا کہ ان لوگوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جو ان کے احاطہ علمی میں نہیں ہے۔ قرآن کو سمجھتے نہیں اور نہ سمجھنے کا ارادہ کرتے ہیں غور کرتے تو اس کی حقیقت اور حقانیت سمجھ میں آ جاتی اب جبکہ جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں تو اس جھٹلانے کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔ یعنی ان کی اس تکذیب کا برا انجام سامنے آئے گا۔ دنیا میں ذلیل اور ہلاک ہوں گے اور کفر پر مرنے کی وجہ سے آخرت میں دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے ان سے پہلے تکذیب کرنے والوں پر عذاب آچکا ہے۔ دیکھ لیجئے ان کا انجام کیا ہوا؟ پھر فرمایا ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان لائیں گے اور کچھ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ پنا کام کیے جائیں۔ بہت سے لوگ وہ ہیں جنہیں ایمان لانا نہیں ہے آپ کو دلگیر ہونے کی ضرورت نہیں۔ جو ایمان نہ لائے گا اس کی سزا بھگت لے گا۔ اللہ تعالیٰ مفسدین کو خوب جانتا ہے۔ وہ ان کے کفر کی سزا دے دے گا۔ مزید فرمایا کہ یہ لوگ جو تکذیب پر مصر ہیں حجت قائم ہونے پر بھی حق کو نہیں مانتے اور آپ کی تصدیق نہیں کرتے تو آپ ان سے فرمادیجئے کہ میرا عمل میرے لیے ہے تمہارا عمل تمہارے لیے ہے۔ تم میرے عمل سے بری ہو میں تمہارے عمل سے بری ہوں مجھے میرے عمل کا ثواب ملے گا تم اپنی بد عملی کی سزا بھگتو گے۔

وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِي عَمَلِي وَلكُمْ عَمَلِكُمْ ۗ أَىٰ لِكُلِّ جَزَاءٍ عَمَلِهِ ۖ أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُوا

أَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۖ وَهَذَا مُسْتَوْحٍ بِآيَةِ السَّيْفِ ۗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۖ إِذَا قُرِئَ

الْقُرْآنُ أَفَأَنْتُمْ تُسْمِعُ الصُّمَّ شَبَّهُهُمْ بِهِمْ فِي عَدَمِ الْإِنْتِفَاعِ بِمَا يُنَالِي عَلَيْهِمْ وَكَو كَأُلْوَامَعَ الصَّمَمُ لَا

يَعْقِلُونَ ۖ يَتَذَكَّرُونَ ۖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ ۖ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْى وَ كَو كَأُلْوَا لَا يُبْصِرُونَ ۖ

شَبَّهُهُمْ بِهِمْ فِي عَدَمِ الْإِهْتِدَاءِ بَلْ هُمْ أَعْظَمُ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي

الضُّدُورِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۖ وَ يَوْمَ يُحْشَرُهُمْ كَأَن

أَي كَانَتْهُمْ لَمْ يَلْبَثُوا فِي الدُّنْيَا أَوْ الْقُبُورِ إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ لِيَهْوَلَ مَا رَأَوْا وَ جُمْلَةُ الشَّبِيهِ خَالٍ مِّنَ

الضَّمِيرِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۖ يَعْرِفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِذَا بُعِثُوا ثُمَّ يَنْقَطِعُ التَّعَارُفُ لِشِدَّةِ الْأَهْوَالِ

وَالْجُمْلَةُ خَالٍ مُّقَدَّرَةٌ أَوْ مُتَعَلِّقَةٌ بِالظَّرْفِ قَدْ حَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِإِقَاءِ اللَّهِ بِالْبُعْثِ وَ مَا كَانُوا

مُهْتَدِينَ ۝ وَإِنَّمَا فِيهِ إِذْ غَامُ نُورِدَانِ الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا زَايَدَةَ لِرَيْتِكَ بَعْضَ الَّذِي نَعُدُّهُمْ بِهِ مِنَ الْعَذَابِ
 فِي حَيَاتِكَ وَجَوَابِ الشَّرْطِ مَحْدُوفِ أَيْ فِذَلِكَ أَوْ تَوَقُّفِكَ قَبْلَ تَعْدِيهِمْ فَأَلَيْنَا مَرْجِعَهُمْ ثُمَّ اللَّهُ
 شَهِيدًا مَطْلَعٌ عَلَى مَا يَفْعَلُونَ ۝ مِنْ تَكْذِيبِهِمْ وَكُفْرِهِمْ فَيَعَذِّبُهُمْ أَشَدَّ الْعَذَابِ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ مِنَ الْأُمَمِ
 رَسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ إِلَيْهِمْ فَكَذَّبُوهُ قَضَىٰ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ فَيَعَذِّبُوا وَيُنَجِّي الرَّسُولَ وَمَنْ
 صَدَقَهُ وَهُمْ لَا يظلمُونَ ۝ بِتَعْدِيهِمْ بِغَيْرِ حُزْمٍ فَكَذَلِكَ يُفْعَلُ بِهِؤْلَاءِ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ
 بِالْعَذَابِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فِيهِ قَوْلٌ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا أَدْفَعُهُ وَلَا نَفْعًا أَجْلِيهِ إِلَّا مَا شَاءَ
 اللَّهُ ۚ أَنْ يُقَدِّرَنِي عَلَيْهِ فَكَيْفَ أَتَمِّكُ لَكُمْ خُلُوقَ الْعَذَابِ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ مَدَّةٌ مَعْلُومَةٌ لِهَلَاكِتِهِمْ
 إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ بِنَاخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ يَتَقَدَّمُونَ عَلَيْهِ قُلُوبًا
 أَرَأَيْتُمْ أَخْبَرُونِي إِنْ أَنْتُمْ عَذَابُهُ أَيْ اللَّهُ بَيِّنَاتًا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا مَا ذَا أَيْ شَيْءٍ يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ أَيْ
 الْعَذَابِ الْمَجْرُمُونَ ۝ الْمُشْرِكُونَ فِيهِ وَضَعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ وَجُمْلَةُ الْإِسْتَفْهَامِ جَوَابِ
 الشَّرْطِ كَقَوْلِكَ إِنْ أَتَيْتَكَ مَا ذَا تُعْطِينِي وَالْمَزَادَةُ التَّهْوِيلُ أَيْ مَا عَظُمَ مَا اسْتَعْجَلُوهُ أَلَمْ إِذَا مَا وَقَعَ
 خَلَّ بِكُمْ أَمَنْتُمْ بِهِ ۚ أَيْ اللَّهُ أَوِ الْعَذَابِ عِنْدَ تَرْوُلِهِ وَالْهَمْزَةُ لِإِنْكَارِ التَّأخِيرِ فَلَا يَقْبَلُ مِنْكُمْ وَيَقَالُ لَكُمْ
 آلَنْ تُؤْمِنُونَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ۝ إِسْتَهْزَاءٌ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ
 أَيْ الَّذِي تَحْلُدُونَ فِيهِ هَلْ مَا تُجْرُونَ إِلَّا جَزَاءٌ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ۝ وَيَسْتَلْغِيكَ يَسْتَخْبِرُونَكَ
 أَحَقُّ هُوَ ۚ أَيْ مَا وَعَدْتْنَا بِهِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْبَعْثِ قُلُوبًا إِي نَعَمْ وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۚ وَمَا أَنْتُمْ
 بِمُعْجِزِينَ ۝ بِفَاتِيهِنَّ الْعَذَابِ

ترجمہ: اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا میں تو (ان سے) کہہ دو میرے لیے میرا علم ہے تمہارے لیے تمہارا (یعنی ہر ایک کو اس
 کے لیے کا پھل ملے گا) میں جو کچھ کرتا ہوں اس کی ذمہ داری تم پر نہیں (یہ حکم آیت جہاد سے منسوخ ہے) اور ان میں کچھ لوگ
 ایسے ہیں جو آپ کی باتوں کی طرف کان لگا لگا بیٹھتے ہیں (جب آپ تلاوت فرماتے ہیں) پھر کیا آپ بہروں کو بات سنائیں
 گے (انہیں بہروں سے اس لیے تشبیہ دی کہ قرآن کی تلاوت سے انہیں فائدہ نہیں ہوتا) گو ان کو (بہرے ہونے کے ساتھ)
 سمجھ بھی نہ ہو (تدبر نہ کرتے ہوں) اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ کو تکتے رہتے ہیں پھر کیا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں

گے اگرچہ انہیں کچھ سوجھ نہ پڑتا ہو (انہیں اندھوں سے تشبیہ دی ہے راہ بھائی نہ دینے میں) بلکہ یہ ان سے بھی بڑھ کر ہیں کیونکہ یہ ظاہری آنکھوں کا جانا نہیں بلکہ اندرونی بینائی کا ختم ہو جاتا ہے (یہ یقینی بات ہے اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتے مگر خود انسان ہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، اور جس دن کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا اس دن انہیں ایسا معلوم ہوگا کہ گویا (یہ لوگ) اس سے زیادہ (دنیا میں یا قبروں میں) نہیں ڈھیرے جیسے گھڑی بھر کو لوگ ٹھہر جائیں (ہولناک منظر کی وجہ سے اور جملہ تشبیہ ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے) ایک دوسرے کو پہچانیں گے (قبروں سے اٹھتے ہی ایک دوسرے کو پہچانیں گے بعد میں پھر ہولناکیوں کی وجہ سے جان پہچان ختم ہو جائے گی یہ جملہ حال مقدرہ ہے یا ظرف کے متعلق ہے) بلاشبہ وہ لوگ بڑے ہی خسارے میں رہے جنہوں نے (قیامت میں) اللہ سے ملنے کو جھٹلایا اور ادوہ کبھی راہ پانے والے نہ تھے اور یا (ان شرطیہ کے نون کا مازائدہ میں ادغام ہو رہا ہے) جن جن باتوں کا ہم نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے ان میں سے بعض باتیں آپ کو دکھلا دیں گے (یعنی عذاب آپ کی زندگی ہی میں جو اب شرط محذوف ہے یعنی جب تو خیر) یا ہم آپ کو وفات دیدیں (ان پر عذاب آنے سے پہلے) جب تو ہمارے پاس انہیں آنا ہی ہے پھر اللہ ان کے سب کاموں پر مطلع ہے (یعنی جو انہوں نے تکذیب اور کفر اختیار کیا ہے لہذا انہیں بدترین عذاب میں مبتلا کرے گا) اور سابقہ امتوں میں سے ہر امت کے لیے ایک رسول آچکا ہے پھر جب کسی امت میں ان کا رسول آچکتا ہے (اور وہ لوگ اس کے جھٹلانے پر تامل جاتے ہیں) تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے (کہ انہیں عذاب میں گرفتار کر لیا جاتا ہے اور رسول اور اس کی تصدیق کرنے والوں کو بچا لیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا) کہ بلا جرم ان کو عذاب دے دیا جائے ایسے ہی ان کے ساتھ بھی کیا جائے گا) اور یہ لوگ کہتے ہیں اگر تم (اس بارے میں) سچے ہو تو بتلاؤ یہ وعدہ (عذاب) کب پورا ہوگا آپ فرمادیتے کہ میں تو خود اپنی جان کا نقصان بھی اپنے اختیار میں نہیں رکھتا (کہ اس کو ہٹا سکوں) اور نہ نفع کا مالک ہوں (کہ اسے حاصل کر سکوں) وہی ہوتا ہے جو اللہ نے چاہا ہے (جس چیز پر مجھے قدرت دینا چاہتا ہے پھر بھلا تم پر عذاب اتارنے کا مجھے کیا اختیار ہے؟) ہر امت کے لیے مقررہ وقت ہے (ان کی بربادی کی مدت متعین ہے) جب وہ وقت آ پہنچتا ہے تو پھر نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں (اس سے) نہ ایک گھڑی آگے (سرک سکتے ہیں) تم ان لوگوں سے کہو کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا (یہ بتلاؤ) اگر تم پر (اللہ کا) عذاب رات کو آ پڑے یا دن میں تم پر مسلط ہو جائے تو تم کیا کرو گے کوئی چیز ایسی ہے جس (عذاب) کے لیے مجرم (مشرک) جلدی چار ہے ہیں؟ (اس میں ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے اور جملہ استفہام جواب شرط ہے جیسے کہا جائے: "ان اتینک ما ذاتعیبنی" اور مقصد ڈرانا ہے یعنی کونسی ایسی بڑی بات ہے جس کی وجہ سے یہ جلدی چار ہے ہیں) پھر کیا جب وہ آ ہی پڑے گا اور ہمزہ تاخیر کے انکار کے لیے ہے پس اس وقت تمہارا ایمان لانا مقبول نہیں ہوگا تم سے یوں کہا جائے گا کہ بیشکی کا عذاب چکھو (جس میں تم پختہ رہو گے) تم کو تو تمہارے ہی کیے کا بدلہ ملا ہے اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں (پوچھتے ہیں) کہ کیا یہ بات واقعی سچ ہے؟ یعنی عذاب یا قیامت کی بابت جو آپ وعدہ کر رہے ہیں تم کہو ہاں (بے شک) قسم ہے میرے پروردگار کی یہ سچائی کے سوا کچھ نہیں ہے اور تم کسی طرح اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے (عذاب سے ہماگ نہیں سکتے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: كَانَهُمْ: یہ ان مخففہ من المشكلہ ہے اور اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہے۔
- قوله: وَجُمْلَةُ التَّشْبِيهِ حَالٌ: اس میں عدم وصل کا بیان ہے یہ یوم کی صفت نہیں۔
- قوله: وَتَقْدِيرِ حَالٍ: حال مقدرہ اس طرح ہوگا: حال كونهم مشبهين بمن لم يلبث الا ساعة. ان کے مشابہ ہونے کی حالت اس آدمی جیسی ہے جو ایک گھڑی ٹھہرا ہو۔
- قوله: وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مُّقَدَّرَةٌ: اس میں عدم وصل کو بیان کر دیا کہ یہ صفت نہیں کیونکہ ضمیر کی صفت نہیں آتی۔
- قوله: أَوْ مُتَعَلِّقُ الظَّرْفِ: وہ ظرف یوم ہے۔ تقدیر یہ ہے يتعارفون يوم يحشرهم
- قوله: قد فسر الذين: یہ سابقہ کلام کا تمہ ہے۔
- قوله: بِهِ مِنَ الْعَذَابِ: اس سے اشارہ ہے کہ موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے۔
- قوله: أَشَدَّ الْعَذَابِ: اس میں زہد کا ذکر کیا اور مراد اس کا نتیجہ اور مقتضی لیا۔
- قوله: فَكَذَّبُوهُ: اس کو مقدر مانا کیونکہ تکذیب سے پہلے تو قضا بالفصل کی ضرورت نہیں۔
- قوله: أَنْ يُقَدَّرَ رَنَى: اس کا مفعول خاص ہے نہ کہ عام۔
- قوله: يَسْتَأْخِرُونَ: یہاں یتاخرون جو کہ باب استفعال ہے وہ تفاعل کے معنی میں ہے۔
- قوله: لَيْلًا: مصدر کا ذکر کیا کیونکہ بیات بمعنی بیوتہ (رات گزارنا) اور مراد اس سے وقت ہے۔
- قوله: أَيُّ شَيْءٍ: إِنَّ مَا ذَا يَهْتَمُّ أَيُّ شَيْءٍ کے معنی میں استفہام ہے۔
- قوله: مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ: اس میں یہ دلالت ہے کہ وعید آنے سے پہلے وہ اپنے جرم سے پناہ طلب کریں۔
- قوله: وَالْمُرَادُ بِهِ التَّهْوِيلُ: اس سے خوف دلانا مراد ہے استعمال مقصود نہیں۔
- قوله: وَيُقَالُ لَكُمْ: اس کو مقدر مانا گیا تاکہ عطف درست ہو سکے۔
- قوله: نُؤْمِنُونَ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ مقولہ جملہ ہوتا ہے۔
- قوله: أَبِي الَّذِي تَحَلَّدُونَ فِيهِ: یعنی عذاب کی التحلید کی طرف اضافت مجازی ہے جو عذاب والے کے اعتبار سے ہے۔
- قوله: أَحَقُّ هُوَ: یہ سوال کفار بطور انکار کرتے ہیں۔

تفسیر مقبولین

وَإِنْ كَذَّبُوا فَقُلْ لِي عَمَلِي وَلكُمْ عَمَلِكُمْ ۗ

مشرکین سے اجتناب فرما لیجئے:

فرمان ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ اگر یہ مشرکین تجھے جھوٹا ہی بتلاتے رہیں تو تو ان سے اور ان کے کاموں سے اپنی بے زاری کا اعلان کر دے۔ اور کہہ دے کہ تمہارے اعمال تمہارے ساتھ میرے اعمال میرے ساتھ۔ جیسے کہ سورۃ قل یا ایہا الکافرون میں بیان ہوا ہے۔ اور جیسے کہ حضرت ظلیل اللہ اور آپ کے ساتھیوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ ہم تم سے اور تمہارے محبوبوں سے بیزار ہیں۔ جنہیں تم نے اللہ کے سوا اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ ان میں سے بعض تیرا پاکیزہ کلام بھی سنتے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ کا بلند و بالا کلام بھی ان کے کانوں میں پڑ رہا ہے۔ لیکن ہدایت نہ تیرے ہاتھ نہ ان کے ہاتھ گو یہ فصیح و صحیح کلام دلوں میں گھر کرنے والا، انہوں کو پورا نفع دینے والا ہے۔ یہ کافی اور وافی ہے لیکن بہروں کو کون سنا سکے؟ یہ دل کے کان نہیں رکھتے۔ اللہ ہی کے ہاتھ ہدایت ہے۔ یہ تجھے دیکھتے ہیں، تیرے پاکیزہ اخلاق، تیری ستھری تعلیم تیری نبوت کی روشنی دلیلیں ہر وقت ان کے سامنے ہیں لیکن ان سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ مؤمن تو انہیں دیکھ کر ایمان بڑھاتے ہیں لیکن ان کے دل اندھے ہیں عقل و بصیرت ان میں نہیں ہے۔ مؤمن وقار کی نظر ڈالتے ہیں اور یہ حقارت کی۔ ہر وقت ہنسی مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ بس اپنے اندھے پن کی وجہ سے راہ ہدایت دیکھ نہیں سکتے۔ اس میں بھی اللہ کی حکمت کا رہنے کا ایک تو دیکھے اور سنے اور نفع پائے دوسرا دیکھے سنے اور نفع سے محروم رہے۔ اسے اللہ کا ظلم نہ سمجھو وہ تو سراسر عدل کرنے والا ہے، کسی پر کبھی کوئی ظلم وہ روا نہیں رکھتا۔ لوگ خود اپنا برا آپ ہی کر رہے ہیں۔ اللہ عزوجل اپنے نبی ﷺ کی زبانی فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور تم پر بھی اسے حرام کر دیا ہے۔ خبردار ایک دوسرے پر ظلم ہرگز نہ کرنا۔ اس کے آخر میں ہے اے میرے بندو! یہ تو تمہارے اپنے اعمال ہیں جنہیں میں جمع کر رہا ہوں پھر تمہیں ان کا بدلہ دوں گا۔ پس جو شخص بھلائی پائے وہ اللہ کا شکر بجالائے اور جو اس کے سوا کچھ اور پائے وہ صرف اپنے نفس کو ہی ملامت کرے۔

(مسلم)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَعِينُ إِلَيْكَ ۗ

تکذیب کرنے والوں کی بے حسی عذاب آنے کی وعید:

گزشتہ آیات میں مکذبین اور معاندین کا ذکر تھا ان آیات میں ان کے مزید عذاب اور تکذیب کا تذکرہ فرمایا۔ اولاً تو یہ فرمایا کہ ان میں بعض ایسے لوگ ہیں جو بظاہر آپ کی طرف کان لگا کر بیٹھتے ہیں لیکن ان میں نہ حق طلبی ہے نہ ایمان لانے کا ارادہ ہے۔ ان کا سنا اور نہ سنا برابر ہے۔ لہذا ان کی حالت بہرے انسانوں کی طرح ہوگئی۔ جیسے بہروں کو سنانا فائدہ مند نہیں ہو سکتا اسی طرح ان کو سنانا اور نہ سنانا برابر ہے۔ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ بہروں کی مانند ہیں بلکہ سمجھ سے بھی محروم ہیں۔ انہیں کان

لگانے والوں کی طرح وہ لوگ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں ان کا ارادہ بھی حق کے قبول کرنے کا نہیں۔ لہذا دیکھا ان دیکھا ان کے نزدیک برابر ہے۔ اندھوں میں اور ان میں کوئی فرق نہیں آپ اندھوں کو کیسے ہدایت دیں گے۔ حالانکہ وہ دیکھ نہیں رہے۔ اس مضمون کو سورہ انفال میں یوں بیان فرمایا: (وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ) (اور تم لوگ ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا.....

تحقیق معاد مع جوابات شبہات کفار و کفر رسالت در روز قیامت:

دبظا: گزشتہ آیات میں مکذبین رسالت کی تکذیب اور ان کی قلت تفکر اور عدم تدبر کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں ان مکذبین کی حسرت کا بیان ہے جو ان کو روز قیامت میں پیش آئے گی۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہ کافر جس چند روزہ ناز و نعمت پر اترا رہے ہیں اور اس کے نشہ میں نعیم ابدی اور عیش جاودانی پر لات ار رہے ہیں جب یہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو اس وقت ان کو اپنا خسارہ نظر آ جائے گا۔ جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں اور قیامت کے دن ان کو اپنی طویل زندگی ایک گھڑی سے بھی کم معلوم ہوگی اور سوائے حسرت و ندامت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور یہ مال و اسباب جس پر آج ان کو ناز ہے وہ آخرت میں ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور اگر بالفرض عذاب الہی کے بدلہ میں کچھ فدیہ دینا چاہیں گے تو ہرگز قبول نہ ہوگا اور عذاب الہی سے کسی طرح رہائی نہ ہوگی۔ نیز ان آیات میں منکرین نبوت کے پانچویں شبہ کا جواب دیا گیا ہے وہ یہ کہ جب آنحضرت ﷺ ان کو عذاب الہی سے ڈراتے اور ایک زمانہ گزر جاتا کہ وہ عذاب نازل نہ ہوتا تو یہ کہتے: مَتَىٰ هٰذَا الْوَعْدُ (وہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا) اس شبہ کے دو جواب دیئے اول یہ کہ اے نبی! آپ یہ کہہ دیجئے کہ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ کی حکمت اور مشیت کے تابع ہے اللہ نے جس کام کے لیے جو وقت مقرر کیا ہے وہ اس سے پہلے نہیں ہو سکتا۔

دوم یہ کہ بالفرض اگر وہ عذاب تمہاری فرمائش کے مطابق جلدی نازل ہو جائے تو تم کو کیا فائدہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تم کوئی بچاؤ تو کر نہیں سکتے۔ اور اگر یہ کہو کہ عذاب دیکھ کر ہم ایمان لے آئیں گے تو اس وقت کا ایمان معتبر اور مفید نہیں۔ وہ ایمان اضطراری ہے، اختیاری نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین جو عذاب کے بارے میں جلدی کرتے ہیں اور اس کا وقت پوچھتے ہیں یہ سب عبث اور بیجا ہے۔ عذاب الہی کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ناگہاں آیا کرتا ہے کبھی دن میں کبھی رات میں چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کر اس دن کو کہ جب کہ سب لوگوں کو میدان حشر میں جمع کرے اور اس دن ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہ دنیا میں یا برزخ میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے تھے قیامت کی شدت اور ہول سے گزشتہ زندگی ایک ساعت معلوم ہوگی۔ اور جب قبر سے اٹھیں گے تو ایک دوسرے کو پہچانیں گے گویا کہ مفارقت کو زیادہ زمانہ نہیں گزر رہا تھوڑی دیر کی جدائی میں آدنی بھولتا نہیں مگر یہ حال ابتداء حشر میں ہوگا اس کے بعد جب قیامت کی شدت اور دہشت ہوگی تو یہ جان پہچان جاتی رہے گی اور ایک دوسرے کو بھول جائیں گے بے شک گھائے میں رہیں گے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا۔ یعنی حساب و کتاب اور جزا و سزا کے منکر ہوئے اور نہ تھے وہ دنیا میں راہ پانے والے بہت تھوڑی سی زندگی کے لیے غیر متناہی زمانہ کی مصیبت مول لے لی اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہوگا۔ حق تعالیٰ نے دنیا میں ان کو اپنی معرفت اور اطاعت کا سامان دیا

یعنی عقل و شعور اور قدرت و اختیار دیا مگر سب کا سب اپنی جہالتوں میں ضائع کر دیا اور اے نبی! اگر ہم اس عذاب اور وعید میں کا کچھ حصہ جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں آپ کی زندگی ہی میں آپ کو دکھلا دیں یا دنیا میں اس عذاب کو دکھلانے سے پہلے ہی آپ کو وفات دے دیں تو بہر حال ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے کافروں سے جو وعدہ عذاب کا کیا ہے وہ ضرور واقع ہوگا۔ کچھ عذاب تو آپ کی زندگی میں ہوگا اور کچھ آپ کے بعد اور آخرت کا عذاب آخرت میں چنانچہ حق جل شانہ نے فتوحات اور غلبہ اسلام کے جو وعدے کیے تھے ان میں سے بعض کا ظہور تو حضور پر نور ﷺ کی زندگی میں ہو گیا اور واقعہ کا باقی ماندہ حصہ خلفاء راشدین کے دور خلافت میں پورا ہوا اور آخرت کا عذاب قیامت کو ہوگا معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ بہر حال پورا ہوتا ہے۔ **إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيثَاقَ**۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے غلبہ اسلام اور فتوحات کا وعدہ فرمایا مگر اس کا کوئی وقت معین نہیں فرمایا۔ اور آپ کی تسلی کے لیے یہ فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو فتوحات اور غلبہ اسلام کا غیر موقت وعدہ کیا ہے وہ ضرور اپنے وقت پر پورا ہوگا ان میں سے بعض فتوحات آپ ﷺ کے زمانہ میں ہوں گی، جیسے بدر وغیرہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ذلت آپ ﷺ کو دکھلا دی، اور اور بعض فتوحات آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء کے ہاتھوں واقع ہوں گی۔ اس طرح بتدریج اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوگا آپ ﷺ مطمئن اور بے فکر رہیں پھر اللہ تعالیٰ مطلع ہے ان اعمال پر جو وہ کر رہے ہیں۔ ان کو ان کی سزا دے گا۔ حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں یعنی غلبہ اسلام کچھ حضرت کے روبرو ہوا اور باقی آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے گویا کہ **تَتَوَلَّيْنَاكَ** میں اس طرف اشارہ ہے، واللہ اعلم۔

اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہوا ہے سو جب ان کا رسول ان کے پاس آ گیا یعنی معجزات اور آیات لے کر آیا اور اللہ کی حجت ان پر پوری ہو گئی۔ مگر انہوں نے اس رسول کو جھٹلایا تو وہ لوگ جہلائے عذاب ہے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا یعنی رسول جھٹلانے والوں کے درمیان عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا کہ رسول اور اس کے قہقین کو نجات ہوئی اور جھٹلانے والے ہلاک ہوئے اور اس فیصلہ میں ان پر ظلم نہیں کیا جاتا کیونکہ ظلم جب ہوتا کہ جب ان کو بے قصور عذاب دیا جاتا۔ حجت پوری ہونے کے بعد مواخذہ ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے اور یہ لوگ عذاب کی وعیدیں سن کر استہزاء یہ کہتے ہیں اے نبی! اور اے مسلمانو! یہ نزول عذاب کا وعدہ اور وعید کب پورا ہوگا۔ اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو تو وہ عذاب لا کر دکھلاؤ (اے نبی!) آپ ﷺ جواب میں کہہ دیجئے کہ مجھے عذاب نازل کرنے کا تو کیا اختیار ہوتا میں تو اپنی ذات کے لیے نقصان اور نفع کا مالک نہیں یعنی میں تو بشر ہوں مجھ میں یہ قدرت نہیں کہ اپنی ذات کے لیے کوئی نفع حاصل کر سکوں یا اپنے سے کسی ضرر کو دور کر سکوں جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے پھر میں تم پر عذاب کیسے نازل کر سکتا ہوں اللہ نے عذاب کا وعدہ کیا ہے مگر اس کا وقت نہیں بتلایا کہ کب آئے گا جب اللہ کو منظور ہوگا وہ نازل کر دے گا۔ جلدی کیوں چاتے ہو ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے تمہارے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے۔ پس جب ان کا وقت معین آ پہنچتا ہے تو وہ اپنے وقت معین سے نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح تم اپنے وقت مقررہ پر غارت ہو گے اے نبی! آپ کافروں سے کہہ دیجئے جلاؤ تو سہی کہ اگر وہ عذاب جس کے نازل کرنے کی جلدی کر رہے ہو رات کو یا دن کو ناگہانی طور پر وہ عذاب آ جائے بہر حال

وہ عذاب ہی تو ہوگا تو یہ مجرم کس چیز کو جلدی مانگ رہے ہیں یعنی عذاب میں کوئی خوبی اور لذت نہیں جس کے لیے تم اس قدر بے تاب ہو رہے ہو اور اگر یہ کہو کہ اگر ہم پر عذاب نازل ہوا تو ہم اس کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں تو کیا پھر جب وہ عذاب واقع ہو جائے گا اور تم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے جب ہی تم اس پر ایمان لاؤ گے۔ جب ایمان لانا کوئی مفید نہیں اس وقت ہم کہیں گے کہ اب تم نے اس کا یقین کیا اور اس سے پہلے تم بطور مذاق اس کے نزول میں جلدی مچایا کرتے تھے سو اب اس کا مزہ چکھو اس وقت کے ایمان اور یقین سے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ پھر ان ظالموں سے جنہوں نے رسول کی تکذیب کی کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ نہیں جزا دیئے جا رہے تم مگر اس کفر اور معصیت کی جسے تم ساری عمر کھاتے رہے اور دنیا کی محبت میں آخرت سے اندھے بنے رہے

اور یہ کافر بطور تعجب اور بطریق دل لگی آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا وہ عذاب جس کا آپ ﷺ ہم سے وعدہ کرتے ہیں یا بعثت اور قیامت اور معاد جس سے آپ ﷺ ہم کو ڈراتے ہیں حق ہے یعنی واقعی آنے والا ہے۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے ہاں قسم ہے میرے پروردگار کی البتہ تحقیق وہ عذاب موجود یا بعثت اور معاد بلاشبہ حق ہے یعنی واقعی آنے والا ہے اور تم میں اتنی قدرت نہیں کہ تم خدا کو اپنے پکڑنے سے عاجز کر سکو۔ اور اس کے عذاب اور قہر کو روک سکو۔ تمہارا امر کر مٹی میں مل جانا اور ریزہ ریزہ ہو جانا خدا کو اس سے عاجز نہیں کر سکتا کہ وہ تم کو دوبارہ زندہ کر سکے اور تمہیں کفر و شرک کے عذاب کا مزہ چکھائے اور آپ ﷺ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ کفر و شرک کا جرم اس قدر عظیم ہے کہ اگر ہر نفس کے پاس جس نے کفر اور شرک کر کے اپنی جان پر ظلم کیا ہے روئے زمین کا ماں و متاع ہو تو وہ قیامت کے دن اپنے آپ کو عذاب سے چھڑانے کے لیے یہ سب کچھ فدیہ دینے کے لیے تیار ہوگا مگر قبول نہ ہوگا۔ پس اے انسان! آج جس دنیا کے پیچھے تو دیوانہ بنا ہوا ہے اور آخرت سے نہ موڑے ہوئے ہے کل کو عذاب آخرت سے ربائی کے لیے تو ہی تمام خزانوں اور اموال کو فدیہ میں دینے کے لیے تیار ہوگا اللہ تو دنیا میں تجھ سے کچھ مال نہیں مانگتا صرف ایک آسان بات چاہتا ہے کہ تو خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت کر اور جب وہ آخرت میں عذاب کو دیکھیں گے تو ندامت اور شرمندگی کو اپنے یاروں اور ہوا خواہوں سے چھپائیں گے۔ تاکہ دوسرے لوگ ان کو ملامت نہ کریں اور سب کے سامنے نفضیحت نہ اور دیکھنے والے اور زیادہ نہ بنیں۔ اور بعض علماء نے کہا کہ اسرار کے معنی اظہار کے ہیں۔ یہ لغات متضادہ میں سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ مشرکین عذاب آخرت کو دیکھ کر اپنے اعمال پر اظہار ندامت کریں گے شاید اظہار ندامت سے کچھ کام چل جائے اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی ان کو اتنی ہی سزا دی جائے گی جتنا ان کا قصور ہوگا آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے اس کو کسی کے فدیہ کی حاجت نہیں آگاہ ہو جاؤ کہ خدا کا وعدہ ثواب اور عذاب کے بارے میں حق ہے۔ اس کے وقوع پر کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں اس لیے وہ دنیا پر مغرور ہیں اور آخرت سے دور ہیں اور قصور عقل سے فقط دنیاوی زندگی کو حیات سمجھتے ہوئے ہیں وہی جلاتا اور مارتا ہے پس اسے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور مرنے کے بعد تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور حساب و کتاب ہوگا لہذا آخرت کو حق سمجھو اور اس کے لیے تیاری کرو۔

وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ كَفَرْتُ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنَ الْأَمْوَالِ لَا فُتِنَتْ بِهِ^۱ مِنَ الْعَذَابِ يَوْمَ
 الْقِيَامَةِ وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ عَلَى تَرْكِ الْإِيمَانِ لَبَارِأُوا الْعَذَابَ^۲ أَيِ أَخْفَاهَا رَوْسَاؤُهُمْ عَنِ الضُّعْفَاءِ
 الَّذِينَ أَضَلُّوهُمْ مَخَافَةَ التَّعْيِيرِ وَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ بَيْنَ الْخَلَائِقِ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ وَهُمْ لَا يظَلْمُونَ^۳
 فَبَيَّنَّا الْآيَاتِ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ^۴ الْآيَاتِ وَعَدَّ اللَّهُ بِالْبَعْثِ وَالْخِرَاءِ حَقًّا نَابِتًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ
 أَيِ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ^۵ ذَلِكَ هُوَ يَوْمُ الْحِسَابِ وَالَّذِينَ تَرْجَعُونَ^۶ فِي الْآخِرَةِ فَيَجْازِيكُمْ بِأَعْمَالِكُمْ
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّ أَهْلِ مَكَّةَ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ كِتَابٌ فِيهِ مَالِكُمْ وَعَلَيْكُمْ وَهُوَ الْقُرْآنُ وَ
 شِفَاءٌ لِّذَوِي الْأَلْبَابِ فِي الضُّرُورِ^۷ مِنَ الْعَقَائِدِ الْفَاسِدَةِ وَالشُّكُوكِ وَهُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ وَرَحْمَةٌ
 لِلْمُؤْمِنِينَ^۸ بِهِ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ الْإِسْلَامِ وَبِرَحْمَتِهِ الْقُرْآنُ فَبِذَلِكَ الْفَضْلِ وَالرَّحْمَةِ فَلْيَفْرَحُوا
 هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ^۹ مِنَ الدُّنْيَا بِالْبَيَاءِ وَالنَّيِّ^{۱۰} قُلْ أَرَأَيْتُمْ أَنخَبِرُوكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِّن
 زُرْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا^{۱۱} كَالْبَحِيرَةِ وَالسَّائِبَةِ وَالْمَيْتَةِ قُلْ اللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ فِي ذَلِكَ
 النَّعْرِيمِ وَالتَّحْلِيلِ لَا أَمْرٌ بَلْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ^{۱۲} تَكْذِبُونَ بِسَبِّهِ ذَلِكَ إِلَهُكُمْ وَمَا ظَنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ
 عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ أَيُّ شَيْءٍ ظَنَنْتُمْ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ^{۱۳} أَيَحْسَبُونَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُهُمْ لَا إِنَّ اللَّهَ لَدَدٌ وَفَضِيلٌ
 عَلَى النَّاسِ بِأَنْعَامِهِمْ وَالْإِنْعَامِ عَلَيْهِمْ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ^{۱۴}

ح

تو چھٹا: اور اگر ہر ظالم (کافر) کے قبضہ میں وہ سب کچھ آجائے جو روئے زمین میں ہے (سب مال و دولت) تو وہ ضرور
 اپنے نذیہ میں دے دے (عذاب قیامت سے بچنے کے لیے) اور دل ہی دل میں پچھتانے لگے (ایمان نہ لانے پر) جب
 انہوں نے اپنے سامنے عذاب دیکھا (سرداروں نے ان عوام سے چھپانا چاہا جن کو بے عزتی کے اندیشہ سے گمراہ کیا تھا) پھر
 ان (مخلوق) کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ان پر کسی طرح کی زیادتی واقع ہو یا رکھو
 آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لیے ہے اور یہ بات کبھی مت بھولو کہ اللہ کا وعدہ (قیامت اور جزاء کے بارے
 میں) حق ہے لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ (اس بات کو) جانتے ہی نہیں، وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے اور وہی ہے جس
 کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے (آخرت میں لہذا وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا) اے لوگو! (مکہ والو!) تمہارے پاس
 تمہارے پروردگار کی جانب سے ایک ایسی چیز آگئی جو نصیحت ہے (کتاب جس میں تمہارے نفع اور نقصان کی باتیں درج
 تھیں یعنی قرآن کریم) اور دلوں کے تمام روگوں کے لیے شفاء ہے (یعنی فاسد عقائد اور شکوک سے) اور اللہ کی رحمت

(قرآن) ہے پس چاہئے کہ اس (فضل و رحمت) پر خوشی منائیں اور یہ ان ساری چیزوں سے بدرجہا بہتر ہے جسے وہ (دنیا میں) جمع کرتے رہتے ہیں (یہ لفظ یا اور تا دونوں طرح ہے) آپ ان سے کہئے کہ تم نے اس پر بھی غور کیا (ذرا یہ تو جلاؤ) کہ جو روزی اللہ نے تمہارے لیے پیدا کی ہے تم نے اس میں سے بعض کو حرام ٹھہرا دیا اور بعض کو حلال سمجھ لیا ہے (جسے بھیرہ، ساہبہ اور مردار جانور) تو پوچھو کہ کیا اللہ نے اجازت دی ہے (اس کو حرام حلال کرنے کی؟ نہیں ایسا نہیں ہے) یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو؟ جھوٹ بولتے ہو اللہ کی طرف (اس کی نسبت کرتے ہوئے) اور جن لوگوں کی جراتوں کا یہ حال ہے کہ اللہ کے نام پر جھوٹ بول کر افتراء پر دازی کر رہے ہیں انہوں نے کیا سمجھ رکھا ہے (ان کا کیا گمان ہے) قیامت کی نسبت (کیا ان کا خیال ہے کہ ان پر عذاب نہیں ہوگا؟ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا) واقعی اللہ لوگوں پر بڑا ہی فضل کرنے والا ہے (کہ انہیں ڈھیل دینا رہتا ہے بلکہ ان پر اندام کرتا رہتا ہے) لیکن ان میں سے زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جو اس کا شکر بجا نہیں لاتے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: أَخْفَاهَا: یہ تفسیر کر کے اَسْرُوا کے دیگر معانی اخلاص، اظہار سے احتراز کیا۔

قوله: كَتَابَ فِيهِ: آنے کی نسبت موعظہ کی طرف جس میں نصیحت ہو اس کے لحاظ سے مجازی ہے۔

قوله: الْإِسْلَام: اس سے اشارہ کیا کہ ہر جگہ فضل و رحمت سے قرآن مراد نہیں۔

قوله: مِنَ الدُّنْيَا: مِنَ تفضیلیہ مقدر ہے۔

قوله: وَالنَّاءِ: اس سے اس معنی کی طرف اشارہ ہے کہ اے مخاطبین! جس چیز کو تم جمع کر رہے ہو وہ اس سے بہتر ہے پس

اس پر مومنوں کو خوش ہونا چاہئے۔

قوله: بَلْ: اس سے اشارہ ہے کہ اُمّ منقطعہ ہے متصل نہیں۔

قوله: آئِي شَيْءٍ: مَا استفہامیہ ہے موصولہ اور نافیہ نہیں۔

قوله: لَا: اس سے اشارہ ہے کہ یہ استفہام انکاری ہے

تفسیر مقبولین

وَلَوْ أَنَّ لِلْحَيِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ -

فیصلہ روز جزاء باوجود اپنی ساری ہولناکیوں کے بہر حال عادلانہ ہی ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ کسی کے حق میں سزا کی زیادتی ہو جائے جیسا کہ غضبناک دیوی، دیوتاؤں کے ہاں ہوتا رہتا ہے۔ وَلَوْ أَنَّ - یوم قیامت کے ہول و شدت کا بیان ہو رہا ہے کہ بالفرض سارے روئے زمین کا خزانہ بھی مشرکوں کے پاس ہو۔ تو اپنی جان بچانے کو اس سب کے دے ڈالنے پر وہ

آ رہا ہو جائیں گے۔ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ.... یعنی ہر ہر مشرک۔ ای اشركت و كفرت (قرطبی) وَأَسْرُوا النَّكَامَةَ: یہ ندامت کا اظہار مزید نصیحت و رسوائی کے خوف سے ہوگا۔ اور ندامت سے مراد ندامت کے آثار ظاہری ہیں، رونانا دھونا، منہ پینٹنا وغیرہ۔ المراد اخفاء آثارها كالبعاء وعض الید (روح) لَمَّا دَاوُوا الْعَذَابَ، محققین نے یہاں یہ قید لگا دی ہے کہ یہ اخفاء ندامت شروع شروع ہوگا۔ ورنہ بعد کو جب عذاب میں پڑ لیں گے تو اس پر بھی قادر نہ رہیں گے اور اس قید کے بعد اس آیت اور ان آیتوں میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا جن میں مشرکوں منکروں کے جزع و فزع کا بیان ہے۔ و هذا قبل الاحراق بالنار فاذا وقعوا فى النار الهتهم النار عن التصنع (قرطبی) قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ“ سے مفسرین نے یہ مراد بھی لی ہے کہ کافروں کے بڑوں اور چھوٹوں کے درمیان سرداروں اور جیلوں کے درمیان فیصلہ حق و انصاف ہی سے ہوگا۔ ای بین الرؤساء والسفل بالعدل (قرطبی)

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ....

قرآن موعظت ہے، سینوں کیلئے شفا ہے اور ہدایت و رحمت ہے:

منکریں سے خطاب کرنے کے بعد مؤمنین کو خطاب فرمایا لیکن اسے يَا أَيُّهَا النَّاسُ سے شروع فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی کتاب بھیجی ہے اور ہدایت نازل فرمائی ہے وہ تمام انسانوں کیلئے ہے سب انسان اسے قبول کریں۔ جن لوگوں نے اسے قبول کر لیا ان کے لیے خوشخبری ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام اور رحمت و اکرام پر خوش ہونا چاہئے کہ ہمیں اللہ نے وہ کچھ عطا فرمایا جس کے مقابلہ میں ساری دنیا بیچ ہے دنیا میں لوگ جو کچھ جمع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ قرآن مجید کو موعظت (نصیحت) اور سینوں کے لیے شفا اور مؤمنین کے لیے ہدایت اور رحمت بتایا۔ موعظت، نصیحت کو کہتے ہیں جس میں برائیوں کو چھوڑنے اور حکام پر عمل کرنے اور مکارم اخلاق اور محسن اعمال اختیار کرنے کی تلقین اور تعلیم ہو اور آخرت کے احوال اور احوال کی تذکیر ہو۔ قرآن مجید میں بار بار ان سب امور کے اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

قرآن مجید کو شفا اور ہدایت بھی فرمایا یعنی اس کے ذریعہ دلوں کی بیماریوں کا علاج ہوتا ہے اور جو شخص اس کی ہدایات پر عمل کرے اس کا دل روحانی بیماریوں سے شفا یاب ہو جاتا ہے۔ حسد، کینہ، تکبر، بخل، خود پسندی اور حب دنیا اور وہ سب امور جو انسان کے دل کو تباہ کرتے ہیں قرآن مجید میں ان سب کا علاج ہے اس علاج کو اختیار کرے تو شفا حاصل ہوگی۔ نیز قرآن مجید کو ہدایت اور رحمت بھی فرمایا اس میں لَقَدْ لَخِّنَّا لِلْمُؤْمِنِينَ كَافًا فرمایا۔ قرآن مجید ہدایت اور رحمت تو سبھی کے لیے ہے لیکن چونکہ اس سے ال ایمان ہی مستفید ہوتے ہیں اور اسے اپنے لیے ذریعہ ہدایت اور رحمت بنا لیتے ہیں۔ اس لیے خصوصیت کے ساتھ ان کے لیے ہدایت اور رحمت ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کے شروع میں قرآن کے لیے (هُدًى تِلْكَ آيَاتُهَا) فرمایا ہے مزید فرمایا کہ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہو جائیں۔ صاحب مدارک التزمیل لکھتے ہیں کہ فضل اور رحمت سے کتاب اللہ اور دین اسلام مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے فضل فرمایا کہ قرآن مجید نازل فرمایا اور دین اسلام قبول کرنے کی توفیق دی جو رحمت عظیمہ ہے اور

انعام برانعام ہے۔ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوش ہونے کا حکم فرمایا۔ کیونکہ یہ بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ ان پر جتنی بھی خوشی کی جائے اور مسرت کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ دنیا میں ہدایت پر ہونا اور آخرت میں نعمتوں سے مالا مال ہونا اس پر خوش ہونا اور چیز ہے اور دنیاوی نعمتوں پر اترنا دوسری چیز ہے پہلی چیز کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری چیز سے منع فرمایا ہے۔ دنیاوی مال اور جہاں پر اترنا مست ہونا اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھلا دیتا ہے اور اس میں دوسروں کی تحقیر بھی ہوتی ہے۔ اس لیے اس سے منع فرمایا جیسا کہ سورہ انعام میں ہے: (حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً) اور سورہ بقرہ میں فرمایا: (إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ)۔ آخرت سے متعلقہ اعمال اور نعمتوں پر خوش ہونے میں چونکہ حب دنیا کا دخل نہیں اور اللہ تعالیٰ کی شکرگزاری کا ذریعہ ہے اس لیے محمود ہے آیت بالا میں اسی کا حکم فرمایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اہل دنیا جو کچھ جمع کرتے ہیں نعمت اسلام اور نعمت قرآن کے سامنے اس کی کچھ بھی حیثیت نہیں کیونکہ دنیا تھوڑی ہے اور ذنی ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا آتَاكُمُ اللَّهُ لَكُمْ....

مشرک جاہلی قوموں نے ماکولات کے حرام و حلال کے باب میں بڑی گڑبڑ کی ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے اس پر بار بار گرفت کی ہے۔ اور بار بار صراحت کی ہے کہ حرام تو بس وہی چیزیں ہیں جنہیں شریعت الہی حرام قرار دے نہ کہ وہ جنہیں تم اپنے دل سے گڑھ کر حرام ٹھہرا رہے ہو۔ اتنی دور رس اور دقیقہ رس نگاہ جو غذاؤں کے قرب و بعد، جلی و خلی، سارے فوائد و نقصانات پر محیط ہو، بجز شریعت الہی کے اور کہیں ممکن نہیں، بعض کج فہموں نے آیت کوئی قیاس فقہی کے موقع پر پیش کیا ہے اور استنباط مسائل کو اس کی رو سے ناجائز ٹھہرانا چاہا ہے۔ حالانکہ فقہ کی اصل دلیل تو نصوص ہی ہوتے ہیں وہ صرف اپنے فہم و ذکا سے ان چیزوں کو باہر نکال لیتا ہے جو ان کے اندر مخفی ہوتی ہیں۔ بنیاد تو بہر حال کلام باری ہی رہتا ہے۔ استدلال بہدہ الایۃ من نفی القیاس و هذا بعید فان القیاس دلیل الله تعالیٰ فیكون التحريم والتحلیل۔ من الله تعالیٰ (ترجمہ) (دہا احتج بعض من نفاة القیاس بهذه الایۃ فی ابطاله لانه زعم ان القانن یحرم بقیاسه ریحل و هذا جهل من قائله لان القیاس دلیل الله تعالیٰ کما ان حجة العقل دلیل الله تعالیٰ و کالنصوص والسنن کل هذه دلائل فالقائس انما یتبع موضع الدلالة علی الحکم فیكون الله هو المحرم والمحلل بنصبه الدلیل علیہ (بصاح) مرشد تھانوی نے فرمایا کہ آیت میں ان غالی صوفیہ کا رو ہے، جو مباحات کو بر بنیاد تفسیر و تہ اپنے اوپر اعتقاداً یا عملاً حرام کر لیتے ہیں۔ ہاں بہ طور اپنے معالجہ کے کوئی شخص اپنے لیے کسی چیز کو ترک کر دے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ (تفسیر ماہدی)

وَمَا تَكُونُ يَوْمَئِذٍ فِي شَأْنٍ أَمْرٍ وَمَا تَكُونُ مِنْهُ أَى مِنَ الشَّيْءِ أَوْ اللَّهِ مِنْ قُرْآنٍ أَنْزَلَهُ عَلَيْكَ وَلَا تَعْمَلُونَ خَاطَبُهُ وَآمَنَهُ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ تَأْخِذُونَ فِيهِ أَى الْعَمَلِ وَمَا يُعْرَبُ يَجِبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ وَزْنٍ ذَرَّةً أَصْغَرَ نَمْلَةً فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا

اصغر من ذلك ولا اكبر الا في كتيب قبيين ﴿٥﴾ بين هو اللوح المحفوظ الا ان اولياء الله لا خوف
 عليهم ولا هم يحزنون ﴿٦﴾ في الاخرة هم الذين امنوا وكانوا يتقون ﴿٧﴾ الله يامتنال امره ونهيه
 لهم البشري في الحيوۃ الدنيا فسرت في حديث صححه الح كيم بالرواۃ الصالحة يراها الرجل
 المؤمن او ترى له وفي الاخرة بالجنة والثواب لا تبدل لكلمت الله لا خلف لمواعيده ذلك
 المذکور هو الفوز العظيم ﴿٨﴾ ولا يحزنك قولهم لك لست مر سلا وغيره ان استيناف العزة
 القوة لله جميعا هو السميع للقول العليم ﴿٩﴾ بالفعل فبجاز بهم وينصرك الا ان لله من في السموت
 ومن في الارض عبيدا وملكا وخلقا وما يتبع الذين يدعون يعبدون من دون الله اى غيره
 اضنا مشركاء له على الحقيقة تعالى عن ذلك ان ما يتبعون في ذلك الا الظن اى ظنهم انها الهة
 تسفح لهم وان ما هم الا يخرصون ﴿١٠﴾ يكذبون في ذلك هو الذي جعل لكم اليل لتسكنوا فيه و
 النهار ومبصرا استناد الابصار اليه مجاز لانه مبصر فيه ان في ذلك لايات على
 وحدانيته تعالى ليقوم يسعون ﴿١١﴾ سماع تدبر واتعاط قالوا اى اليهود والنصارى ومن زعم ان
 الملكة بناك الله اتخذ الله وكذا قال تعالى لهم سبحنه تنزيها له عن الولد هو الغنى عن كل
 احد وانما يطلب الولد من يحتاج اليه له ما في السموت وما في الارض ملكا وخلقا وعبيدا ان ما
 عندكم من سلطان حجة بهذا اى الذي تقولونه اتقولون على الله ما لا تعلمون ﴿١٢﴾ استيفها م
 تويخ قل ان الذين يفترون على الله الكذب ينسبه الولد اليه لا يفلحون ﴿١٣﴾ لا يسعدون لهم متاع
 قليل في الدنيا يمتعون به مدة حياتهم ثم ايناصرحهم بالموت ثم نذيقهم العذاب الشديد
 بعد الموت بما كانوا يكفرون ﴿١٤﴾

۱۰
 ۱۱
 ۱۲
 ۱۳
 ۱۴

ترجمہ: اور (اے محمد!) آپ کسی حال میں ہوں اور آپ کوئی سی بھی آیت پڑھ کر سنا تے ہو (وہ آیت آپ کے حال سے
 متعلق ہو یا اللہ سے) قرآن کی (جو آپ پر نازل ہوا ہے) اور تم کوئی سا بھی کام کرتے ہو (اس میں آپ کو اور آپ کی امت
 کو خطاب کیا ہے) مگر ہمیں سب کی خبر رہتی ہے (ہم گراں ہیں) جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو اور آپ کے رب سے

کوئی چیز ذرہ (کے وزن کے) برابر بھی (جو چیونٹی سے کم مقدار ہوتی ہے) غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں یا اس سے چھوٹی یا بڑی سب کچھ ایک واضح کتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے۔ یاد رکھو جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لیے نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ کسی طرح کی عملیاتی (آخرت میں) یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور زندگی میں ڈرتے ہی رہے (اللہ سے اس کے حکام کی تعمیل اور اس کی ممانعتوں سے بچتے ہوئے) ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے (جس کی تفسیر ایک حدیث میں آتی ہے جس کی تصحیح حاکم نے کی ہے کہ اچھے خواب مراد ہیں جو مومن خود دیکھے یا اس مومن کے متعلق کوئی دوسرا دیکھے) اور آخرت کی زندگی میں بھی (جنت و ثواب کی خوشخبری ہے) اللہ کے فرمان اٹل ہیں کبھی بدلنے والے نہیں (اس کی دھمکیاں کبھی خلاف نہیں ہو سکتیں) اور یہی (مذکورہ باتیں) سب سے بڑی کامیابی ہے اور آپ ان کی باتوں سے آزرہ نہ ہوں (اس قسم کی باتیں کہ جو آپ کو سناتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں) بے شک (جملہ مستانفہ ہے) ساری عزتیں (قوتیں) اللہ ہی کے لیے ہیں وہ (باتیں) سننے والا اور (کاموں کو) جاننے والا ہے (لہذا وہ انہیں سزا دے گا اور تمہاری مدد کرے گا) یاد رکھو وہ تمام ہستیاں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ جو زمین میں ہیں اللہ کے تابع فرمان ہیں (بندہ اور غلام اور مخلوق ہونے کے لحاظ سے) اور جو لوگ اللہ کے سوا اپنے بظہرائے ہوئے شریکوں (یعنی بتوں کو جو غیر اللہ ہیں) پکارتے ہیں (اللہ کا شریک حقیقی مان کر حالانکہ اللہ اس سے کہیں برتر ہے) تم جانتے ہو وہ کس بات کی پیروی کرتے ہیں؟ محض وہم و گمان کی وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ محض بے سند بات کی پیروی کرتے ہیں (یعنی یہ کہ بت ہمارے معبود ہیں اور ہمارے سفارشی ہوں گے) اور محض اپنی انگلیں دوڑا رہے ہیں (اس بارے میں جھوٹ کہتے ہیں) وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات کا وقت بنایا کہ اس میں آرام پاؤ اور دن کا وقت کہ اس کی روشنی میں دیکھو بھالو (دکھلانے کی نسبت دن کی طرف مجازاً ہے) درنہ وہ تو دیکھنے کا وقت ہوتا ہے (بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں (جن سے اللہ تعالیٰ کی یکتائی معلوم ہوتی ہے) جو سنتے ہیں (غور اور نصیحت کا سننا) کہتے ہیں (میسود و نصاریٰ اور جو لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے ہیں) اللہ نے ایک بیٹا بنا رکھا ہے (حق تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں) سبحان اللہ (اسی کے لیے اولاد سے پاکی ہے) وہ تو بے نیاز ذات ہے (سب سے اور اولاد کی ضرورت تو اسے ہوتی ہے جو اولاد کا محتاج ہو) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے لیے ہے (غلام، مخلوق اور بندہ ہونے کے لحاظ سے) تمہارے پاس ایسی بات کہنے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے (جو کچھ تم کہ رہے ہو) کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہنے کی جرأت کرتے ہو جس کے لیے تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے؟ (استفہام تو بخنی ہے) آپ کہہ دیجئے جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں (اولاد کی نسبت کر کے) وہ بھی فلاح پانے والے نہیں (کامیاب نہیں ان کے لیے) صرف دنیا ہی کی تھوڑی سی پونجی ہے (زندگی بھر جس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں) پھر ہماری طرف لوٹنا ہے (مرکز) تب ہم انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے (مرنے کے بعد) کہ جیسی کچھ کفر کی باتیں کرتے رہے ہیں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **آمر**: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں نشان کا اصل معنی تصدیق یا مراد نہیں بلکہ معاملہ مراد ہے۔

قوله: مِنَ الشَّانِ: یہ معنی امر ہے ضمیر کو اس کی طرف لوٹایا کیونکہ قرآن امور میں سب سے عظیم تر امر ہے۔

قوله: هُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ الَّذِينَ مبتداء مخذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ منصوب نہیں

قوله: أَصْنَامًا: یہ يَدْعُونَ کا مفعول اور شرکاء یہ تیج کا مفعول ہے۔ یہ اس طرح بنا پیدا عون من دون اللہ شرکاء۔ تو ایک پر اکتفاء کیا یہ عون کا مفعول ضروری ہے۔ جب شرکاء تیج کا مفعول بن گیا تو یہ عون کا مفعول مقدر ماننا پڑا وہ اصنام ہے۔

قوله: لِأَنَّهُ مُبْصَرٌ فِيهِ: طرف سے رخ اس لیے موڑا تا کہ طرف بگرد اور ظرف سہمی میں فرق واضح ہو کیونکہ دن ابصار کا سبب ہے۔

قوله: قَالَ تَعَالَى لَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ان کا مقولہ نہیں بلکہ مقولہ خداوندی ہے۔

قوله: لَهُمْ مَتَاعٌ: اس سے اشارہ کر دیا کہ متاع مبتداء ہے اور اس کی خبر مخذوف ہے۔ یہ مبتداء مخذوف کی خبر نہیں۔

تفسیر مقبولین

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ.....

پہلے قرآن کریم کے اوصاف بیان کیے تھے کہ وہ سراپا نور ہدایت، شفا، قلب، نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ ہیں۔ پھر اشارہ کیا کہ ہدایت و بصیرت کی ایسی صاف روشنی کو چھوڑ کر لوگ اپنے اوہام و خیالات کے اندھیرے میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور خدا پر افتراء کر کے اس کے فضل و انعام کی ناقدری کرتے ہیں۔ اس آیت میں متنبہ کیا کہ لوگ کس حال میں ہیں اور پیغمبر ﷺ کی کیا شان ہے۔ آپ شب دروز مالک حقیقی کی وفاداری، ہمدردی خلاق کی جن شوخ عظیمہ کے مظہر بنتے ہیں، خصوصاً آپ ﷺ کی جو امتیازی شان قرآن پڑھنے پڑھانے کے وقت ظاہر ہوتی ہے یعنی قرآن کے ذریعے سے جو جہاد آپ کر رہے ہیں وہ سب خدا کے حضور میں ہے اور لوگ جو کچھ اچھا یا برا معاملہ کرتے ہیں وہ سب بھی خدا کی نظر کے سامنے ہیں۔ جس وقت مخلوق کوئی کام شروع کرتی اور اس میں مشغول و منہمک ہو جاتی ہے، خواہ اسے خدا کا تصور نہ آئے۔ لیکن خدا اس کو برابر دیکھ رہا ہے۔ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ زمین و آسمان میں کہیں ایک ذرہ برابر یا اس سے چھوٹی بڑی چیز نہیں جو خدا تعالیٰ کے علم محیط سے غائب ہو۔ بلکہ علم الہی سے نیچے اتر کر تمام مَا كَانُ وَمَا يَكُونُ کا حال کتاب مبین (لوح محفوظ) میں ثبت ہے۔ جسے عالم تدبیر میں صحیفہ علم الہی کہنا چاہیے۔ جب حق تعالیٰ پر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز پوشیدہ نہیں تو ان مکذبین معاندین کے معاملات و احوال کیسے مخفی رہ سکتے ہیں، پھر روز جزاء کی کارروائی کے متعلق یہ کیا خیال کر رہے ہیں۔ وہ خوب سمجھ لیں کہ ان کی ہر چھوٹی بڑی حرکت خدا کے سامنے ہے وہاں کوئی خیانت اور چوری نہیں چل سکے گی۔ ہر عمل کی سزا مل کر رہے گی۔ اور جس طرح دشمنوں کے معاملات اس کے سامنے ہیں، ان کے بالمقابل دوستوں کا ذرہ ذرہ حال بھی اس کے علم میں ہے، اگلی آیات میں ان کو بشارت سنائی گئی۔

الْآنَ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۰﴾
 اولیاء اللہ نہ خوفزدہ ہوں گے نہ غمگین:

یہ تین آیات ہیں ان میں اولیاء اللہ کی فضیلت اور روایت کی حقیقت بتائی اور یہ بتایا کہ اولیاء اللہ کے لیے دنیا میں اور آخرت میں بشارت ہے۔ اولیاء ولی کی جمع ہے ولی دوست اور قریب کو کہتے ہیں۔ اولیاء کون لوگ ہیں اس کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیا یہ لوگ اولیاء اللہ ہیں۔ ایمان کے بغیر تو اللہ کا کوئی دوست ہو ہی نہیں سکتا۔ خواہ کیسی ہی ریاضت کرے اور عبادت کے نام سے کچھ بھی عمل کرے۔ کافر اور مشرک اللہ کا مقرب اور مقبول بندہ اور اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔ اہل ایمان کے درجات مختلف ہیں۔ ایمان کی صفات کے کم و بیش ہونے اور ایمانی تقاضوں پر عمل کرنے میں اور عبادت و تلاوت ذکر کی کیفیات اور کمیات کے اختلاف سے فرق مراتب ہو جاتا ہے اور کون شخص کس درجہ کا ولی ہے ہندسے اس کے ظاہری حالات سے اندازہ لگا سکتے ہیں چونکہ ہر ایک کے ظاہر و باطن کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس لیے فرق مراتب کا صحیح علم بھی اسی کو ہے۔ فرائض اور واجبات کا اہتمام اتباع سنت کا وہیمان۔ نوافل کی کثرت۔ ذکر اللہ کی مشغولیت اور صفت احسان (أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَمَا أَنْتَ تَرَاهُ كَافِرًا لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ) کا حصول۔ خشوع خضوع اخلاص مکارم اخلاق محاسن الافعال ان سب چیزوں کے ذریعہ حسب مراتب درجہ بدرجہ اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اسی کا نام ولایت ہے۔ صحیح مسلم (ص ۷۴، ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً وَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَذْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الظَّرْبِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ)) ستر سے کچھ اور ایمان کے شعبے میں سے سب سے افضل لا الہ الا اللہ کہہ لینا ہے (یعنی سچے اعتقاد کے ساتھ کلمہ طیبہ پر ایمان لانا ہے) اور ان میں سب سے کم درجہ کی بات یہ ہے کہ راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دی جائے اور حیا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

اس میں ایمان کے ستر سے کچھ اور شعبے بتائے ہیں جس میں ادنیٰ شعبہ یہ بتایا ہے کہ راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ حیا کو ایمان کے شعبوں میں شمار فرمایا ہے ہر وہ عمل جو ایمان کے تقاضوں کے موافق ہو اور اللہ کی رضا کے لیے ہو وہ سب قرب خداوندی اور رضائے الہی کا ذریعہ ہے۔ اولیاء اللہ کی تعریف میں جو الَّذِينَ آمَنُوا فرمایا یہ ایمان کے تمام تقاضوں کو شامل ہے فرائض سے لے کر مستحبات تک جو بھی کرنے کے کام ہیں وہ سب اللہ کا قرب حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں۔ یہ تو ایمان کے تقاضوں کا ذکر ہوا جن پر عمل کرنا ہے ان کے علاوہ دوسرے تقاضے بھی ہیں جن کا تعلق ان اعمال سے ہے جن کے ارتکاب کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کو وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۱۰﴾ میں بیان فرمایا۔ حرام سے بچ کر مکروہ تنزیہی تک جو اعمال ترک کرنے کے ہیں ان سے بچنا بھی رضائے الہی کا ذریعہ ہے۔ اور یہ بھی عبادت ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔

(اتَّقِ الْمَعَاصِرَ تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ) کہ تو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچ، ایسا کرنے سے تو دوسروں سے بڑھ کر عبادت گزار ہوگا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۰۰) جو شخص ماسورات پر عمل کرتا رہے اور منہیات سے بچتا رہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کے اتباع کا اہتمام کرتا رہے جسے (قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحِبُّكُمْ اللَّهُ) میں بیان

فرمایا ہے ایسے شخص کو اپنے اپنے عمل کے اعتبار سے قرب الہی حاصل ہوگا اور اسی درجہ کی ولایت حاصل ہوگی جس درجہ کے اعمال ہوں گے اور جس قدر دنیاوی اشغال و افکار سے ذہن فارغ ہوگا اور اللہ تعالیٰ سے لوگی ہوگی اسی قدر قرب الہی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان الله تعالى قال من عادى لي وليا فقد آذنته بالحرب وما تقرب الي عبدى بشيء احب الي مما افترضته عليه وما يزال عبدى يتقرب الي بالنوافل حتى احببته فاذا احببته فكنتم سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصره به ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها۔ (بے شک اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے جس نے میرے ولی سے عداوت کی میں نے اس سے اعلان جنگ کیا اور میرے بندے کا میرے فرائض کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب فرائض کی ادائیگی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور نوافل کے ذریعہ بھی تقرب بڑھتا رہتا ہے ان امور کو سمنے رکھ کر سمجھ لیا جائے کہ ولایت فرائض واجبات اور مستحبات اور مندوبات اور اتباع سنت کے اہتمام اور ترک منہیات کا نام ہے یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ ولی وہ ہے جس سے کوئی کرامت صادر ہو یا صوفیہ کے کسی سلسلہ میں داخل ہو یا کسی خانقاہ کا گدی نشین ہو یا نسب کے اعتبار سے سید ہو وہ ولی ہے خواہ کیسے ہی اعمال کرتا ہو اور کیسا ہی دنیا دار ہو اور کیسا ہی تارک فرائض اور مرتکب محرمات ہو۔ یہ جہالت کی بات ہے جو شخص قبیح شریعت نہیں دہ اللہ کا دوست نہیں ہے۔ اب تو گدیاں عموماً جلب زرہی کے لیے رہ گئی ہیں۔

جہاں کہیں تھوڑا بہت ذکر و شغل اور ریاضت ہے وہ بھی منکرات کے ساتھ ہے۔ قلب جاری ہے لیکن اکل حلال کا اہتمام نہیں۔ بینک میں کام کرتے ہیں پھر بھی صوفی ہیں داڑھی کٹی ہوئی ہے پھر بھی بزرگ ہیں۔ نماز نہیں پڑھتے اور مریدوں سے کہہ دیتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں پڑھتا ہوں بزرگی کے ڈھنگ رہ گئے ہیں اور ایسے لوگوں کو ولی سمجھا جاتا ہے۔ ولایت اتباع شریعت کا نام ہے اور حضرات صوفیاء کرام اسی کے لیے محنت اور ریاضت کراتے تھے کہ شریعت طبعیت تائب بن جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلنا آسان ہو جائے۔ اب تو گدی نشینوں کے نزدیک ولایت اور بزرگی کا مفہوم ہی پلٹ گیا۔

یہاں تک تو ولایت کی حقیقت بیان کی گئی جس سے یہ معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کون ہیں اب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اولیاء اللہ کے لیے جس انعام کا وعدہ فرمایا وہ لا خوف علیہم ولا هم یحزنون ﴿۱﴾ ہے۔ سورہ بقرہ میں فرمایا ہے: (لَاَ الْذِّئْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَتَوْا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ) (بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا ثواب ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں اور وہ رنجیدہ نہ ہوں گے) اس آیت سے معلوم ہوا کہ: لَاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱﴾ کی خوشخبری مؤمنین صالحین کے لیے ہے اور دونوں آیتوں کے ملانے سے ولایت کا مصداق بھی

یومس ۱۰

معلوم ہو گیا (جس کی تشریح ہم اوپر کر چکے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں بہت سے ایسے بندے ہوں گے جو نہ نبی ہیں نہ شہید ہیں قیامت کے دن انبیاء اور شہداء بھی ان کے اس مرتبہ کی وجہ سے جو اللہ کے نزدیک ہے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ کون لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں ایک دوسرے سے قرآن کی وجہ سے محبت کریں گے ان کی آپس کی یہ محبت نہ آپس کی رشتہ داریوں کی وجہ سے ہوگی اور نہ اسواں کے لین دین کی وجہ سے (یہ محبت صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بنیاد پر ہوگی) اللہ کی قسم ان کے چہرے نور ہوں گے اور وہ نور پر بیٹھے ہوں گے جس دن لوگ خوف زدہ ہوں گے۔ یہ خوف زدہ نہ ہوں گے اور جس دن لوگ رنجیدہ ہوں گے اس دن یہ لوگ رنجیدہ نہ ہوں گے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہی آیت: لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۰۰﴾ تلاوت فرمائی۔ (رواہ ابوداؤد کما فی مشکوٰۃ ص ۲۶۶) اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ اولیاء اللہ کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ غم زدہ ہوں گے اس سے قیامت کے دن بے خوف اور بے اطمینان ہونا مراد ہے لہذا یہ اشکال دور ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ حضرات انبیاء کرام کو خوف لاحق ہوا اور بعض احوال میں غمگین ہوئے اسی طرح بہت سے اولیاء اللہ پر بعض حالات میں خوف اور حزن یعنی غم طاری ہوا کیونکہ یہ دنیاوی احوال ہیں آخرت میں یہ حضرات خوف و حزن سے محفوظ ہوں گے۔ یہ جو فرمایا کہ حضرات انبیاء اور شہداء بھی ان کا مرتبہ دیکھ کر ان پر رشک کریں گے اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرات انبیاء اور شہداء خوفزدہ اور غمگین ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے حضرات انبیاء کرام اپنی امتوں کے مسائل حل کرنے اور ان کے بارے میں گواہی دینے اور ان کی سفارشیں کرنے میں مشغول ہوں گے اور حضرات شہداء کرام بھی سفارش میں لگے ہوئے ہوں گے دوسرے اولیاء اللہ بے فکر بے غم ہوں گے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ رشک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات ان لوگوں کی تعریف کریں گے جنہوں نے اللہ کے لیے آپس میں محبت کی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ہر مؤمن کو کچھ نہ کچھ ولایت کا درجہ حاصل ہے اس درجہ کی وجہ سے جنت کا داخلہ مل جائے گا اور جنہوں نے گناہوں کے ذریعے اس ولایت کو کم کر دیا ان میں سے جو شخص سزا پانے کے لیے دوزخ میں جائے گا وہ بھی سزا پا کر اس ولایت کی وجہ سے جو اسے حاصل تھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اگر اپنی ولایت کی لاج رکھتا اور گناہوں سے بچتا جس سے اونچے درجہ کی ولایت حاصل ہوتی تو دوزخ میں نہ بھیجا جاتا۔

اولیاء اللہ کے لیے مزید انعام کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: كَهُمْ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرٰتِ كَمَا وَاٰتٰى كَثِيْرًا مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ لِيُوَفِّيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ اس بشارت سے کیا مراد ہے اس بارے میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اس بشارت سے کیا مراد ہے آپ ﷺ نے فرمایا تم نے مجھ سے ایسی بات کا سوال کیا ہے جو اس سے پہلے مجھ سے کسی نے بھی دریافت نہیں کی پھر فرمایا کہ اس سے اچھی خواہیں مراد ہیں جنہیں آدمی خود دیکھ لے یا اس کے لیے دیکھ لی جائے۔ (مسند احمد ص ۳۱۵ ج ۵)

مطلب یہ ہے کہ مؤمن بندے ایسے خواب دیکھ لیتے ہیں جن میں ان کے لیے خیر و خوبی کی اور حسن خاتمہ کی اور اعمال کے مقبول عند اللہ ہونے کی نیز جنت میں داخل ہونے کی خوشخبری ہوتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو ایسی خواہیں

دکھائی جاتی ہیں جن میں کسی مؤمن بندے کے لیے بشارت ہوتی ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بشارت کا ایک مصداق بیان فرمایا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت بوذرجمیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیے ایک شخص کوئی خیر کا کام کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں (اس کی وجہ سے اس کا ثواب ختم تو نہیں ہو جاتا جبکہ اس نے وہ عمل اللہ کے لیے کیا ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ تو مؤمن کے لیے ایک بشارت ہے جو اس دنیا میں اسے مل گئی۔ (رواہ مسلم ۲۳۲۲ ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ کسی صالح بندہ سے لوگوں کا محبت کرنا ان کی تعریف کرنا اور ان کو اچھا سمجھنا اس میں اس بات کی بشارت ہے کہ وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ کا مقبول بندہ ہے۔ کیونکہ اہل ایمان کا کسی کو اچھا کہنا یہ اس کے اچھا ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دنیا کی بشارت یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتے بشارت لے کر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے جو ایک طویل حدیث موت اور مابعد الموت کے احوال کے بارے میں مروی ہے اس میں موت کے وقت اللہ کی رضامندی کی بشارت کا ذکر ہے۔ نیز قبر میں بشارت دیئے جانے کا ذکر بھی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۲)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے وہ بشارت مراد ہے جس کا اللہ نے مؤمنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں جنت کا داخلہ نصیب ہوگا اور ان کے اعمال کا بہت اچھا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ سورہ بقرہ (ع ۲) میں فرمایا (وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ) اور سورہ بقرہ (ع ۱۹) (وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ) اور سورہ بقرہ (ع ۲۸) میں (وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ) فرمایا ہے۔ بشارتیں اس دنیا میں دے دی گئیں، لا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ، اللہ کی باتوں یعنی اللہ کے وعدوں میں کوئی تبدیلی نہیں جو وعدے فرمائے ہیں وہ سب پورے ہوں گے جو بشارتیں دی ہیں وہ سچی ہیں ان کے مطابق انہی میں دیا جائے گا۔ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۰﴾ (یہ بشارت بڑی کامیابی ہے)۔

وَأَنْتَ يَا مُحَمَّدُ عَلَيْهِمْ أَى كُفَّارٍ مَكَّةَ نَبَأَ خَيْرِ لُجُجٍ وَبِنْدَلٍ مِنْهُ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَقُولُونَ إِنْ كَانَ كَبُرَ
شَسَّ عَلَيْكُمْ مَقَامِي لَبِيٍّ فِيكُمْ وَتَذَكِيرِي وَعَظِي إِيَّاكُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمَعُوا
أَمْرَكُمْ أَغْرِمُوا عَلَيَّ أَمْ تَفْعَلُونَ بِي وَشُرَكَاءِ كَمَا الْوَارِثُ بِمَعْنَى مَعٍ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرَكُمْ عَلَيْكُمْ عَمَلًا
مَشُورًا بَلْ أَظْهَرُوهُ وَجَاهِرُونِي بِهِ ثُمَّ أَقْضُوا إِلَيَّ أَمْضُوا فَنِي مَا أَرَدْتُمْوهُ وَلَا تَنْظُرُونَ ﴿۱۰﴾ تَنْهَلُونَ
فَأَنبِي لَسْتُ مُبَالِغًا بِكُمْ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ عَنْ تَذَكِيرِي فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ ۚ ثَوَابٌ عَلَيْهِ فَتَوَلَّوْا إِنْ مَا
أَجْرِي ثَوَابِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۚ وَأَمْرٌ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۰﴾ فَكَذَّبُوهُ فَجَبْنَهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي
الْفَلَاقِ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهُمْ أَى مَنْ مَعَهُ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ وَاعْرَفْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

بِالظُّفَانِ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۵﴾ مِنْ أَهْلِكَ كَيْفَ نَفَعْنَا مِنْكَ لَمَّا كُنَّا
 مِنْ بَعْدِهِ أَيُّ نُوْحٍ رُسُلًا إِلَى قَوْمِهِمْ كَمَا بَرَأَهُمْ كَمَا بَرَأَهُمْ وَهُوَ ذَرِّصَالِحٍ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ بِالْمُفْجِرَاتِ فَمَا
 كَانُوا لِيَوْمِهِمْ أَنَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۖ أَيُّ قَبْلِ نَعْتِ الرُّسُلِ إِلَيْهِمْ كَذَلِكَ نَطْبَعُ نَسْتَمِعُ عَلَى قُلُوبِ
 الْمُعْتَدِينَ ﴿۶﴾ فَلَا تُقْبَلُ الْإِيمَانُ كَمَا طَبَعْنَا عَلَى قُلُوبِ أَوْلِيكَ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَى وَهَارُونَ
 إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ قَوْمِهِ بِآيَاتِنَا التَّسْعِ فَاسْتَكْبَرُوا وَعَنِ الْإِيمَانِ بِهَا كَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ ﴿۷﴾ فَلَمَّا
 جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا السِّحْرُ قَبِيضٌ ﴿۸﴾ بَيْنَ ظَاهِرٍ قَالَ مُوسَى اسْتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا
 جَاءَهُمْ أَنَّهُ لَسِحْرٌ أَسْحَرُ هَذَا ۖ وَقَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَتَى بِهِ وَأَبْطَلَ سِحْرَ السَّحَرَةِ وَلَا يُفْلِحُ السَّحَرُونَ ﴿۹﴾ وَ
 الْإِسْتِفْهَامُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِلْإِنْكَارِ قَالُوا إِحْمَدُنَا لِتَلْفِئَتِنَا لِتَرَدُّنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونُ
 لَكُمْ الْكِبْرِيَاءُ الْمَلِكُ فِي الْأَرْضِ ۖ أَرْضٌ مُضْرٌ وَمَا نَحْنُ لَكُمْ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰﴾ مُضْدِقِينَ وَقَالَ
 فِرْعَوْنُ أَتَمُونِي بِكُلِّ سِحْرٍ عَلَيْهِ ﴿۱۱﴾ زَائِقٍ فِي عِلْمِ السِّحْرِ فَلَمَّا جَاءَ السَّحْرَةَ قَالَ لَهُمْ مُوسَى نَفِّسُوا
 مَا قَالُوا لَهُ إِنَّمَا أَنْ تُلْفِي وَإِنَّا أَنْ نَكُونُ نَحْنُ الْمُلْقِينَ الْقَوْمَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا أَلْقَوْا حَبْلَهُمْ
 وَعَصَبَهُمْ قَالَ مُوسَى مَا اسْتَفْهَمْتُمْ فَبِنْدَاءِ خَيْرِهِ جَنَّمُ بِهِ السِّحْرُ ۖ بَدَلٌ وَفِي قِرَاءَةِ بِهَمْزَةٍ وَاحِدَةٍ
 إِخْبَارٌ فَمَا مَوْضُوعَةٌ مُبْتَدَأُ إِنَّ اللَّهَ سَيَبْطِلُهُ ۖ سَيُجْحَفُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۱۳﴾ وَيَجِبُ
 يُبْتُ وَيُظْهِرُ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَتِهِ بِمَوَاعِيدِهِ وَكَوْكَرَهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: اور (اے محمد ﷺ!) انہیں (کفار کہہ کر) نوح کا حال (خبر) سنائیے (آگے بدل واقع ہو رہا ہے) جب کہ
 انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا: اے میری قوم! اگر تم پر یہ بات شاق (گراں گزرتی ہے) کہ میں تم میں کھڑا ہوں (رہوں) اور
 اللہ کی نشانیوں کے ساتھ (تم کو) میری نصیحت (وعظ) ہے تو میرا بھروسہ صرف اللہ پر ہے تم میرے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے
 اسے ٹھان لو (یعنی جو کچھ کارروائی تم کرنا چاہتے ہو اسے پختہ کر لو) اور اپنے شریکوں کو بھی اپنے ساتھ لے لو (واضع کے معنی
 میں ہے) پھر جو کچھ تمہارا منصوبہ ہوا ہے اسے اچھی طرح سمجھو جو لو کہ کہیں کوئی پہلو نظر سے رہ نہ جائے (پوشیدہ بلکہ اسے گنا
 بر ملا ظاہر کر دو) پھر جو کچھ میرے خلاف کرنا ہے کر گزرو (جو کچھ ارادہ ہوا سے پورا کر لو) اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو (دیر نہ
 کرو، مجھے تمہاری کوئی پروا نہیں ہے) پھر بھی اگر (میرے وعظ سے) روگردانی کیے جاؤ تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں
 مانگا (کچھ ٹمن کہ جس کی وجہ سے تم جان بچاتے پھرتے ہو) میرا معاوضہ (ثواب) تو صرف اللہ کے ذمہ ہے مجھے علم دیا گیا

ہے کہ اس کے فرمانبرداروں میں شامل رہوں اس پر بھی لوگوں نے انہیں جھٹلایا (اس لیے ہم نے انہیں اور ان کی کشتی کے سوار ساتھیوں کو بچالیا اور ان (ساتھیوں) کو ہم نے (زمین میں) جانشین بنالیا اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں انہیں ہم نے (طوفان میں) غرق کر دیا تو دیکھو ان لوگوں کا حشر کیسا ہوا جو خبردار کر دیئے گئے تھے؟ ان کی تہا ہی کی نسبت، پس یہی انجام ان لوگوں کا بھی ہوگا جو آپ کو جھٹلائیں گے) پھر نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے رسولوں کو ان کی قوموں میں پیدا کیا (جیسے ابراہیم، ہود، صالح علیہم السلام) وہ ان کے پاس روشن دلیلیں (معجزات) لے کر آئے اس پر بھی ان کی قومیں تیار نہ تھیں کہ جو بات پہلے جھٹلا چکی ہیں (ان کے پاس پیغمبروں کے آنے سے پہلے) وہ اسے مان لیں، سو دیکھو جو لوگ حد سے گزر جاتے ہیں ہم اسی طرح ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں (پس ان کا ایمان قبول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے) پھر ہم نے ان رسولوں کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون اور (اس کی قوم کے) درباریوں کی طرف اپنی (نو) نشانوں سمیت بھیجا مگر انہوں نے (ایمان لانے سے) گھمنڈ کیا اور وہ لوگ جرائم پیشہ تھے پھر جب ہماری جانب سے سچائی ان پر نمودار ہوگئی تو کہنے لگے یقیناً صریح (کھلا ہوا) جادو ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم سچائی کے حق میں جب وہ نمودار ہوگئی ایسی بات کہتے ہو؟ (کہ وہ جادو ہے) کیا یہ جادو ہے؟ (حالانکہ اس کو پیش کرنے والا کامیاب ہوگا اور جادو گروں کا جادو ٹوٹ گیا) حالانکہ جادو گر تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے؟ (دونوں جگہ استفہام انکاری ہے) انہوں نے کہا کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ جس راہ پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چتے دیکھا ہے اس سے ہمیں ہٹا دو اور ملک (مصر) میں تم دونوں بھائیوں کے لیے سرداری ہو جائے ہم تمہیں ماننے والے (سچا سمجھنے والے) نہیں ہیں۔ فرعون بولا میری سلطنت میں جتنے ماہر جادو گر (جو جادو گری میں یکتائے فن) ہوں سب کو میرے دربار میں حاضر کر دو جب جادو گر آ موجود ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا (جب کہ جادو گروں نے پوچھا کہ آپ پہل کرتے ہیں یا ہم پہلے کریں؟) تمہیں جو کچھ میدان میں ڈالنا ہے ڈال دو جب انہوں نے ڈال دیا (اپنی رسیاں اور لاٹھیاں) تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم جو کچھ (ما) استفہامیہ ہے مبتدا ہے جس کی خبر آگے ہے) بنا کر لائے ہو یہ جادو ہے (یہ بدل ہے اور ایک قراءت میں ہمزہ کے ساتھ اخبار ہے پس موصولہ مبتدا ہے) اور یقیناً اللہ سے ملیا میٹ (درہم برہم) کر دے گا اور اللہ تعالیٰ مفسدوں کا کام نہیں سنوارتا۔ وہ حق کو اپنے وعدے کے مطابق ضرور ثابت (ظاہر) کر دکھائے گا اگرچہ مجرم لوگ کیسا ہی ناگوار سمجھیں۔

کلمات تفسیریہ کے توضیح و تشریح

- قولہ: **أَعَزِمُوا عَلٰی** أمر: یہ اجماع عزم کے معنی میں ہے۔ اتفاق کے معنی میں نہیں۔
 قولہ: **عَلٰی** أمر تَفَعَّلُوْهُ: عَلٰی کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ عزم علی کے بغیر متعدی نہیں ہوتا۔
 قولہ: **الْوَاوُ**: یبع کے معنی میں ہے بعد والا اسم مفعول معہ ہے۔
 قولہ: **فَتَوَلَّوْا**: یعنی اس پر تم سے کوئی مزدوری کا مطالبہ نہیں کرتا کہ جس کے بوجھ کی وجہ سے تم منہ موڑو۔
 قولہ: **الْفِیہ**: مفرد لا کر اشارہ کیا کہ فلک یہاں مفرد ہے نہ کہ جمع۔

قوله: قَبْلَ بَعَثِ الرَّسُلِ: اس میں قبل کے معنی ہونے کی وجہ کی طرف اشارہ کیا۔

قوله: اِنَّهٗ لَسِحْرٌ: اس میں اشارہ ہے کہ ان کے قوس کا مقولہ محذوف ہے ماقبل اس کا قرینہ ہے نہ کہ اَسِحْرٌ هٰذَا۔
قوله: الْمَلِكُ: الْكِبْرِيَاۗءِ کی بادشاہت سے تفسیر فی الْأَرْضِ کے قرینہ کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ عموماً بادشاہ حکم ہوتے ہیں۔

قوله: زَانِقٍ فِي عِلْمٍ: فِي عِلْمٍ کے معنی میں ہے جو اظہار مبالغہ کے لیے ہے۔

قوله: بَدَّلُ: السِّحْرُ يَهٗ جِئْتُمْ بِهٖ سے حذف مبتداء کے ساتھ بدل ہے تقدیر یہ ہے اھو سَحْرٌ

قوله: ابو عمرو کی قراءت میں السِّحْرُ یہ دو ہمزہ سے ہوگا ما استفہامیہ اور السحر یہ ما استفہامیہ کا بدل بنے گا معنی یہ ہوگا تم کیا لائے ہو؟ کیا وہ جادو ہے؟

دوسرے قراء کے ہاں ایک ہمزہ ہے ما موصولہ اور یہ جئتم صلہ مل کر مبتداء اور السحر اس کی خبر ہے۔ جملہ فریہ ہوا یعنی جو کچھ

تم لائے ہو وہ جادو ہے نہ وہ جو کہ میں لایا ہوں۔

تفسیر مقبولین

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَا نُوحٍ ...

نوح علیہ السلام کی قوم کا کردار:

اے رسول ﷺ تو انہیں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کی خبر دے کہ ان کا اور ان کی قوم کا کیا حشر ہوا جس طرح کفار مکہ تجھے جھٹلاتے اور ستاتے ہیں، قوم نوح نے بھی یہی وطیرہ اختیار کر رکھا تھا۔ بالآخر سب کے سب غرق کر دیے گئے، سارے کافر دریا برو ہو گئے۔ پس انہیں بھی خبر دار رہنا چاہیے اور میری پکڑ سے بے خوف نہ ہونا چاہئے۔ اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مرتبہ ان سے صاف فرمایا کہ اگر تم پر یہ گراں گزرتا ہے کہ میں تم میں رہتا ہوں اور تمہیں اللہ کی باتیں سنارہا ہوں، تم اس سے چڑتے ہو اور مجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہو تو سنو میں صاف کہتا ہوں کہ میں تم سے نڈر ہوں۔ مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ میں تمہیں کوئی چیز نہیں سمجھتا۔ میں تم سے مطلقاً نہیں ڈرتا۔ تم سے جو ہو سکے کر لو۔ میرا جو بگاڑ سکو بگاڑ لو۔ تم اپنے ساتھ اپنے شریکوں اور اپنے جھوٹے معبودوں کو بھی بلا لو اور مل جل کر مشورے کر کے بات کھول کر پوری قوت کے ساتھ مجھ پر حملہ کرو، تمہیں قسم ہے جو میرا بگاڑ سکتے ہو اس میں کوئی کسر اٹھانہ رکھو، مجھے بالکل مہلت نہ دو، اچانک گھیر لو، میں بالکل بے خوف ہوں، اس لیے کہ تمہاری روش کو میں باطل جانتا ہوں۔ میں حق پر ہوں، حق کا ساتھی اللہ ہوتا ہے، میرا بھروسہ اسی کی عظیم الشان ذات پر ہے، مجھے اس کی قدرت کی بڑائی معلوم ہے۔ یہی حضرت ہود نے فرمایا تھا کہ اللہ کے سوا جس جس کی بھی تم پوجا کر رہے ہو۔ میں تم سے اور ان سے بالکل بری ہوں، خوب کان کھول کر سن لو، اللہ بھی سن رہا ہے تم سب مل کر میرے خلاف کوشش کرو، میں تو تم سے مہلت بھی نہیں مانگتا۔ میرا بھروسہ اپنے اور تمہارے حقیقی مربی پر ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں اگر تم اب بھی مجھے جھٹلاؤ میری اطاعت سے منہ پھیر لو تو میرا جرح ضائع نہیں جائے گا۔ کیونکہ میرا جردینے والا میرا ربی ہے، مجھے تم سے کچھ نہیں لینا۔ میری خیر خواہی، میری تبلیغ کسی معاوضے کی بنا پر نہیں، مجھے تو جو اللہ کا حکم ہے میں اس کی بجا آوری میں لگا ہوا ہوں، مجھے اس کی طرف سے مسلمان ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ سو الحمد للہ میں مسلمان ہوں۔ اللہ کا پورا فرمان بردار ہوں۔ تمام نبیوں کا دین اول سے آخر تک صرف اسلام ہی رہا ہے۔ گو احکامات میں تدریجاً اختلاف رہا ہو۔ جیسے فرمان ہر ایک کے لیے راہ اور طریقہ ہے دیکھئے یہ نوح علیہ السلام جو اپنے آپ کو مسلم بتاتے ہیں یہ ہیں ابراہیم علیہ السلام جو اپنے آپ کو مسلم بتاتے ہیں۔ اللہ ان سے فرماتا ہے اسلام لا۔ وہ جواب دیتے ہیں رب الغلیمین کے لیے میں اسلام لایا۔ اسی کی وصیت آپ اور حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد کو کرتے ہیں کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کو پسند فرمایا ہے۔ خبردار یاد رکھنا مسلم ہونے کی حالت میں ہی موت آئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی دعا میں فرماتے ہیں اللہ مجھے اسلام کی حالت میں موت دینا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ اگر تم مسلمان ہو تو اللہ پر توکل کرو۔ آپ کے ہاتھ پر ایمان قبول کرنے والے جادوگر اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں تو ہمیں مسلمان اٹھانا بلقیس کہتی ہیں میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ پر مسلمان ہوتی ہوں۔ قرآن فرماتا ہے کہ تورات کے مطابق وہ انبیاء حکم فرماتے ہیں جو مسلمان ہیں۔ حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہتے ہیں آپ گواہ رہے ہم مسلمان ہیں۔ خاتم ارسل سید البشر ﷺ نماز کے شروع کی دعا کے آخر میں فرماتے ہیں۔ میں اول مسلمان ہوں یعنی اس امت میں۔ ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں ہم انبیاء ایسے ہیں جیسے ایک باپ کی اولاد دین ایک اور بعض بعض احکام جدا گانہ۔ پس توحید میں سب یکساں ہیں گو فروری احکام میں علیحدگی ہو۔ جیسے وہ بھائی جن کا باپ ایک ہو مائیں جدا جدا ہوں۔ پھر فرماتا ہے قوم نوح نے نوح نبی ﷺ کو نہ مانا بلکہ انہیں جھوٹا کہا آخر ہم نے انہیں غرق کر دیا۔ نوح نبی علیہ السلام کو مع ایمانداروں کے اس بدترین عذاب سے ہم نے صاف بچالیا۔ کشتی میں سوار کر کے انہیں طوفان سے محفوظ رکھ لیا۔ وہی وہ زمین پر باقی رہے پس ہماری اس قدرت کو دیکھ لے کہ کسی طرح ظالموں کا نام و نشان مٹا دیا اور کس طرح مومنوں کو بچالیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا....

موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف مبعوث ہونا اور ان کے مقابلہ میں جادو گروں کا شکست کھانا:

ان آیات میں اول تو اجمالی طور پر ان پیغمبروں کی آمد اور تبلیغ اور قوموں کی تکذیب کا حال بیان فرمایا جو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان تھے۔ جب لوگوں کے پاس حق آیا تو پیسے سے جس کفر پر جتے ہوئے تھے اسی پر جتے رہے اور حق کو قبول نہ کیا ان لوگوں کے عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر فہر لگا دی گئی۔ لہذا حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) کی بعثت کا تذکرہ فرمایا کہ ان دونوں کو ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا جو ہماری آیات و معجزات لے کر پہنچے جب فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس ان دونوں حضرات نے حق پیش کیا اور توحید کی دعوت دی اور غیر اللہ کی عبادت چھوڑنے کا حکم فرمایا تو ان لوگوں نے تکبر کیا اور حق قبول کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھا جیسا کہ سورہ مومنوں میں ان کا قول نقل فرمایا ہے: (الَّذِينَ مِنْ بَشَرٍ مِثْلًا

وَقَوْمُهُمَالِنَاغِبُدُونَ) (کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں حالانکہ ان کی قوم ہمارے زیر حکم ہے) یہ لوگ پہلے سے مجرم تھے کافر تھے اور کفر پر ہی پرستے رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حجت بازی کی ان سے کہا کہ اپنے رسول ہونے کی نشانی پیش کرو انہوں نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو بہت زیادہ سفید تھا اور اپنی لاشمی زمین پر ڈال دی تو وہ اتر دھابن گئی اس پر وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم حق کو جادو کہتے ہو۔ ہوش کی دوا کرو۔ کیا یہ جادو ہے؟ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جادو گر کامیاب نہیں ہوتے۔ وہ تو دنیا میں ذلیل رہتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لیے تہاں ہے اور خاص کر جو شخص جادو کے ذریعہ نبوت کا دعویٰ کرے وہ تو اپنے دعویٰ میں کامیاب ہو ہی نہیں سکتا۔ اس میں یہ بات بیان فرمائی کہ دیکھو میں تو کامیاب ہوں اور کامیاب رہوں گا اور جو شخص میرے مقابلہ میں آئے گا وہ ناکام ہوگا۔

فرعون اور اس کے درباری کہنے لگے جی ہاں ہم نے سمجھ لیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو جس دین پر پایا ہے اس سے تم ہمیں ہٹا دو اور جب ہم تم پر ایمان لے آئیں تو پھر زمین میں تمہارا ہی حکم چلے اور تمہیں ہی سرداری مل جائے اور تم ہی صاحب اقتدار ہو جاؤ۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ اہل دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور جس طرح خود دنیا کے طالب ہوتے ہیں اسی طرح دوسروں کے بارے میں ایسا ہی خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی طالب دنیا ہے۔ اور اس کی ساری محنت کوشش اس لیے ہے کہ سے ملک مل جائے۔ آخرت کی بڑائی و بلندی ان کے سامنے ہوتی ہی نہیں۔ فرعون نے اور اس کی جماعت نے موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) سے یہی کہا کہ تم دنیا کے طالب ہو مرز مین مصر کی حکومت چاہتے ہو (والعیاذ باللہ)۔

چونکہ ان کی لاشمی والا معجزہ دیکھ کر فرعون اور اس کے درباریوں نے یوں کہا کہ یہ کھل ہوا جادو ہے اس لیے جادو کا مقابلہ کرانے کے لیے جادو گروں کو طلب کرنے کی سوچھی۔ فرعون نے کہا میری قلم رو میں جتنے بھی ماہر جادو گر ہیں سب کو بلاؤ۔ چنانچہ جادو گر بلائے گئے اور مقابلے کی بات چلی جب وہ لوگ سامنے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ بولنے آپ اپنی لاشمی ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلے تم ڈالو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاشمیاں ڈالیں جو ان کے جادو کی وجہ سے ددڑتے ہوئے سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاشمی ڈالی تو وہ اتر دھابن گئی۔ اور ان کی ڈالی ہوئی چیزوں کو اس نے چٹ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ دیکھو تم جو کچھ لے کر آئے ہو جادو ہے اور میں جو کچھ لے کر آیا ہوں وہ جادو نہیں ہے۔ فرعون اسے جادو کہہ رہا ہے۔ بلاشبہ ابھی ابھی اللہ تمہارے جادو کو باطل قرار دے گا۔ چنانچہ سب نے دیکھ لیا کہ جادو گر اپنی جادو گری میں ناکام ہوئے پھر وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کیا کہ جو کچھ موسیٰ کے پاس ہے وہ جادو نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا: إِنَّ اللَّهَ لَا يُصَلِّحُ عَمَلِ الْمُفْسِدِينَ © (بلاشبہ اللہ نساہ کرنے والوں کا کام نہیں بنے دیتا) اللہ کے نبی کے مقابلہ میں جو شخص آئے گا وہ فساد ہی ہوگا وہ مقابلہ میں ناکام نہیں سکتا۔ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكُلِّ مِثْبَةٍ وَكَوْ كُوهَ الْمُجْرِمُونَ © (اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے موافق حق کو ثابت فرماتا ہے اگرچہ مجرمین کو یہ ناکوار ہو) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو اللہ کا وعدہ تھا إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ وَه پورا ہوا۔ فرعون اور فرعونوں کو اور جادو گروں کو شکست فاش ہوئی۔ فالحمد لله على ما قضى۔

فَمَا أَمَّنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّتُهُ طَائِفَةٌ مِّنْ أَوْلَادِ قَوْمِهِ أَى فِرْعَوْنَ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَآئِهِمْ أَنْ

يَقْتَنَهُمْ ۖ بَصُرَ فُهُمْ عَنْ دِينِهِمْ بِتَعْدِيهِ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ مُتَكَبِّرٍ فِي الْأَرْضِ ۗ أَرْضَ مِصْرَ وَإِنَّهُ
لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ۝ أَلَمْ تَجَاوِزِينَ الْحَدَّ بِإِدْعَاءِ الرَّبُّوبِيَّةِ وَقَالَ مُوسَى يَقَوْمِ إِن كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ
فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُسْلِمِينَ ۝ فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ
الظَّالِمِينَ ۝ أَيْ لَا تُظْهِرْهُمْ عَلَيْنَا فَيُظَنُّوا أَنَّهُمْ عَلَى الْحَقِّ فَيَفْتِنُوا بَنَاءً وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ
الكَافِرِينَ ۝ وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ اتِّخَذَا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بَيْوتًا وَأَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ
قِبْلَةً ۖ تُصَلُّونَ فِيهَا لِتَأْمِنُوا مِنَ الْخَوْفِ وَكَانَ فِرْعَوْنُ مَنَعَهُمْ مِنَ الضَّلُوعِ وَآقَبُوا الصَّلَاةَ
أَتَمُّهَا وَبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ بِالنَّصْرِ وَالْجَنَّةِ وَقَالَ مُوسَى رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَآئِكَ زِينَةً
وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا إِنِّي أَتَّبِعُكَ رَبَّنَا رَبَّنَا اطْمِسْ
عَلَى أَمْوَالِهِمْ امْسَحْهَا وَاشْدُدْ عَلَى قُلُوبِهِمْ اطْبَعْ عَلَيْهَا وَاسْتَوْثِقْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّى يَرَوْا
الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ أَلَمْ نَدْعَا عَلَيْهِمْ وَأَمْرًا هَارُونَ عَلَى دُعَائِهِ قَالَ تَعَالَى قَدْ أُجِيبْتُ دَعْوَتِكُمْ
فَمَسَحْتُ أَمْوَالَهُمْ حِجَارَةً وَلَمْ يُؤْمِنْ فِرْعَوْنُ حَتَّى أَدْرَكَهُ الْعَرْقُ فَاسْتَقِيمًا عَلَى الرِّسَالَةِ وَالِدَعْوَةِ
إِلَى أَنْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ وَلَا تَتَّبِعِينَ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ فِيهِ اسْتِعْجَالِ قَضَائِي رَوَى أَنَّهُ مَكَثَ
بَعْدَهَا أَرْبَعِينَ سَنَةً وَجُوزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ لِحَقِّهِمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغِيًّا وَعَدُوًّا
مَفْعُولٌ لَهُ حَتَّى إِذَا أَدْرَكَهُ الْعَرْقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ أَيْ بَانَ وَفِي قِرَاءَةِ الْكُفْرِ اسْتِحْنَاؤًا لَا إِلَهَ إِلَّا
الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ كَرَّرَهُ لِيُقْبَلَ مِنْهُ فَلَمْ يَقْبَلْ وَدَسَّ جِبْرِيلُ فِيهِ
فِيهِ مِنْ حَمَاةِ الْبَحْرِ مَخَافَةً أَنْ تَنَالَهُ الرَّحْمَةُ وَقَالَ لَهُ الْكُنْ يُؤْمِنُ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلَ وَ كُنْتُ مِنَ
الْمُفْسِدِينَ ۝ بِضَلَالِكَ وَأَضْلَالِكَ عَنِ الْإِيمَانِ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ نُخْرِجُكَ مِنَ الْبَحْرِ بِمَدَانِكَ
جَسَدِكَ الَّذِي لَا رُوحَ فِيهِ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ بَعْدَكَ آيَةً ۖ عِبْرَةً لِّمَنْ يَخْشَى فَرَاغِبُوا عِبُودِيَّتِكَ وَلَا يَفْتَدُوا عَلَى
مِثْلِ فِعْلِكَ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ بَعْضَ بَنِي إِسْرَائِيلَ شَكُّوا فِي مَوْتِهِ فَأَخْرَجَ لَهُمْ لِيَرَوْهُ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنْ

سُجَّ النَّاسِ أَيْ أَهْلِ مَكَّةَ عَنِ آيَتِنَا لَعْنَةُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰﴾ لَا يَغْتَبِرُوْنَ بِهَا

توجہ چاہئے: پس اس پر بھی موسیٰ پر کوئی ایمان نہیں لایا مگر تھوڑے آدمی ایمان لاسکے جو (فرعون) کی قوم کے (نوجوانوں) میں سے تھے وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں کسی مصیبت میں نہ ڈال دیں (کسی عذاب میں مبتلا کر کے ہمیں مذہب سے نہ پھیر لیں) اور اس میں شک نہیں کہ فرعون ملک (مصر) میں بڑا ہی سرکش (مغرور) بادشاہ تھا اور بالکل ہی ہاتھ چھوڑ رکھا تھا (خدائی کا دعویٰ کر کے حد سے بڑھ گیا تھا) اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اگر تم سچ سچ اللہ پر ایمان لائے ہو اور اس کی فرمانبرداری کرنا چاہتے ہو تو صرف اسی پر بھروسہ کرو انہوں نے کہا ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا، پروردگار! ہمیں اس ظالم طبقہ کے لیے تختہ مشق مت بنا (یعنی ہم پر ان کو غلبہ نہ دے کہ انہیں یہ گمان کرنے کا موقع ملے کہ وہ حق پر ہیں جس سے وہ ہمیں قتلہ میں مبتلا کر دیں) اور اپنی رحمت کے صدقے ہمیں ان کافروں کے پنجہ سے نجات بخش، ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی پر وحی کی کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے مکانوں کو قبلہ رخ تعمیر کرو (نماز کے لیے مساجد بناؤ تاکہ خوف سے مامون رہو فرعون نے انہیں نماز پڑھنے سے منع کر دیا تھا اور نماز قائم کرو (پوری کرو) اور ایمان لانے والوں کو (نصرت اور جنت کی) بشارت دو اور موسیٰ علیہ السلام نے دعاء مانگی خدا یا! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا کی زندگی میں زیب و زینت کی چیزیں اور طرح طرح کے مال و دولت بخشے ہیں تو خدا یا! کیا (آپ نے انہیں یہ سب کچھ اس لیے دیا ہے کہ) حیرت راہ (دین) سے لوگوں کو (انجام کار) بھٹکائیں، خدا یا! ان کے مال و دولت کو مٹا دے (محو کر دے) اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے (مہر لگا کر سخت کر دے) کہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک اپنے سامنے دردناک عذاب نہ دیکھ لیں (جو تکلیف وہ ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا مانگتے رہے اور حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے رہے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) تم دونوں کی دعاء قبول کر لی ہے (چنانچہ ان کا مال تو پتھروں کی صورت میں تبدیل کر دیا اور فرعون ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اس کے ڈوبنے کا وقت آ گیا) پس اب تم دونوں ثابت رہو (رسالت اور پیغام رسالت پر یہاں تک کہ ان پر عذاب الہی آ جائے) اور ان کی پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے (میرے فیصلے کے متعلق جو جہد بازی مچانے کو نہیں جانتے، روایت ہے کہ اس کے بعد چالیس سال تک موسیٰ علیہ السلام ٹھہرے رہے یعنی قبولیت دعاء میں چالیس سال لگ گئے) پھر ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار اتار دیا، یہ دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر نے پیچھا کیا (پیچھے لگے) (یہ ظلم و شرارت کرنے کے لیے) (یہ مفعول لہ ہے) مگر جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ فرعون ڈوبنے لگا تو اس وقت پکاراٹھا میں یقین کرتا ہوں کہ (ایک قراءت میں ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ جملہ متاثر ہے) اس کی ہستی کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور میں بھی فرمانبرداری میں داخل ہوتا ہوں (اس بات کو اس لیے دہرایا کہ شاید اس کا ایمان قبول ہو جائے مگر قبول نہیں ہوا اور جبرئیل علیہ السلام نے اس کے منہ میں کیچڑ ٹھونس دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رحمت الہی اسے نواز دے اور اس سے کہنے لگے) ہاں اب تو ایمان لاتا ہے حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا اور دنیا کے فساد کرنے والوں میں ایک فساد کرنے والا تھا (خود گمراہ رہا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیے رکھا) پس آج ہم بچالے رہے ہیں (سمندر سے نکال رہے ہیں تیری لاش (بے جان جسم) کو تاکہ (تیرے بعد) آنے والوں کے لیے سامان عبرت ہو) (نشانی ہو جس سے تیرے بندے ہونے کو

جان سکیں اور تیری جیسی حرکت نہ کر سکیں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کچھ بنی اسرائیل کو چونکہ اس کے مرنے میں شبہ تھا اس لیے لاش ظاہر کر دی گئی تاکہ وہ پچھتم خود دیکھ لیں اور اکثر (مکہ کے) لوگ ہماری نشانوں سے یکسر غافل رہتے ہیں۔ (ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: **فَمَا أَمَّنَ لِمَوْلَانِي**: یعنی آپ کے ابتداء نبوت میں۔
- قوله: **فِرْعَوْنَ**: ضمیر فرعون کی طرف راجع ہے نہ کہ موی علیہ السلام کی طرف۔
- قوله: **أَرْضَ مِصْرَ**: اس تفسیر سے اشارہ کیا کہ لام عہد خارجی کا ہے۔
- قوله: **مُصَلًّى**: یہاں ذکر قبلہ کا کر کے مراد مجازاً توجہ کا مقام مراد لیا گیا ہے۔
- قوله: **فِي عَاقِبَتِهِ**: اس سے اشارہ ہے کہ لام عاقبت کا ہے نہ کہ علت ہے۔
- قوله: **بِدِينِكَ**: اس سے اشارہ کیا کہ سبیل کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ادنیٰ ملاہست کی وجہ سے ہے اس لیے وہی تو اس کی بارگاہ تک پہنچانے والا ہے۔
- قوله: **لِحَقِّهِمْ**: یہ تفسیر اس محاورہ عرب کے مطابق کی کہ میں نے اسکا پیچھا کیا یہاں تک کہ اس کے پیچھے لگ کر اس کو جالیا۔
- قوله: **مَفْعُولٌ لَّهٗ**: اس سے وضاحت کی یہ حال کی وجہ سے منصوب نہیں بلکہ مَفْعُولٌ لَّهٗ ہونے کی وجہ سے ہے۔
- قوله: **بِالْكَسْرِ اسْتَيْنَا فَا**: یہ امت کی تفسیر ہونے کی وجہ سے اس کا بدل ہے اور جملہ متانہ ہے۔
- قوله: **الَّذِينَ تَوَمَّنُوا**: الَّن کا عامل محذوف ہے اور ما سبق اس کا قرینہ ہے **عَصَيْتُمْ** نہیں۔
- قوله: **بِضَلَالِكَ**: کافر کا جب کوئی جرم گناہیں نسق وغیرہ تو وہ اس کی انتہائی سرکشی مراد ہوتی ہے۔
- قوله: **بِإِدْنِكَ**: یہ حال کی جگہ ہے اس وقت تیرے بے روح جسم کو بچائیں گے۔
- قوله: **لِيَرَوْهُ**: مطلب یہ ہوا کہ پانی پر تیرا یہ اس کی موت کا نشان ہوگا کیونکہ بعض اسرائیلیوں نے اس کی موت سے انکار کیا تھا۔
- قوله: **لَا يَعْتَبِرُونَ بِهَا**: اس سے حقیقی غفلت مراد نہیں۔

تفسیر مقبولین

فَاٰمَنَ يٰمُؤْمِنِيْٓ اِلَّا ذَرِيَّةً....

بزودی ایمان کے درمیان دیوار بن گئی:

ان زبردست روشن دلیلوں کے اور معجزوں کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بہت کم فرعونی ایمان لاسکے۔ کیونکہ ان کے دل میں فرعون کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ خبیث رعب دبدبہ والا بھی تھا اور ترقی پر بھی تھا۔ حق ظاہر ہو گیا تھا لیکن کسی کو اس کی مخالفت کی جرات نہ تھی ہر ایک کا خوف تھا کہ اگر آج میں ایمان لے آیا تو کل اس کی سخت سزاؤں سے مجبور ہو کر دین حق چھوڑنا پڑے گا۔ پس بہت سے ایسے جانناز موصد جنہوں نے اس کی سسنت اور سزا کی کوئی پرواہ نہ کی اور حق کے سامنے سر جھکا دیا۔ ان میں خصوصیت سے قابل ذکر فرعون کی بیوی تھی اس کی آل کا ایک اور شخص تھا جو فرعون کا خزانچی تھا۔ اس کی بیوہ تھی وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد اس سے حضرت موسیٰ پر بنی اسرائیل کی تھوڑی سی تعداد کا ایمان لانا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ذریت سے مراد قلیل ہے یعنی بہت کم لوگ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اولاد بھی مراد ہے۔ یعنی جب حضرت موسیٰ نبی بن کر آئے اس وقت جو لوگ ہیں ان کی موت کے بعد ان کی اولاد میں سے کچھ لوگ ایمان لائے۔ امام ابن جریر تو قول مجاہد کو پسند فرماتے ہیں کہ قومہ میں ضمیر کا مرجع حضرت موسیٰ ہیں کیونکہ یہی نام اس سے قریب ہے۔ لیکن یہ محل نظر ہے کیونکہ ذریت کے لفظ کا تقاضا جوان اور کم عمر لوگ ہیں اور بنو اسرائیل تو سب کے سب مؤمن تھے جیسا کہ مشہور ہے یہ تو حضرت موسیٰ کے آنے کی خوشیاں منا رہے تھے ان کی کتابوں میں موجود تھا کہ اس طرح نبی اللہ آئیں گے اور ان کے ہاتھوں انہیں فرعون کی غلامی کی ذلت سے نجات ملے گی ان کی کتابوں کی یہی بات تو فرعون کے ہوش و حواس گم کیے ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس نے حضرت موسیٰ کی دشمنی پر کمر کس لی تھی اور آپ کی نبوت کے ظاہر ہونے سے پہلے اور آپ کے آنے سے پہلے اور آپ کے آجانے کے بعد ہم تو اس کے ہاتھوں بہت ہی تنگ کیے گئے ہیں۔ آپ نے انہیں تسلی دی کہ جلدی نہ کرو۔ اللہ تمہارے دشمن کا ناس کرے گا، تمہیں ملک کا مالک بنائے گا پھر دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو؟ پس یہ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس آیت سے مراد قوم موسیٰ کی نئی نسل ہو۔ اور یہ کہ بنو اسرائیل میں سے سوائے قارون کے اور کوئی دین کا چھوڑنے والا ایسا نہ تھا جس کے فتنے میں پڑ جانے کا خوف ہو۔ قارون گو قوم موسیٰ میں سے تھا لیکن وہ باقی تھا فرعون کا دوست تھا۔ اس کے حاشیہ نشینوں میں تھا، اس سے گہرے تعلق رکھتا تھا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ملہم میں ضمیر فرعون کی طرف مائد ہے اور بطور اس کے تابعداری کرنے والوں کی زیادتی کے ضمیر جمع کی لائی گئی ہے۔ یا یہ کہ فرعون سے پہلے لفظ ال جو مضاف تھا مخدوف کر دیا گیا ہے۔ اور مضاف الیہ اس کے قائم مقام رکھ دیا ہے۔ ان کا قول بھی بہت دور کا ہے۔ گو امام ابن جریر نے بعض نحوویوں سے بھی ان دونوں اقوال کی حکایت کی ہے اور اس سے اگلی آیت جو آ رہی ہے وہ بھی دلالت کرتی ہے کہ بنی اسرائیل سب مؤمن تھے۔

وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰی مُؤْمِنِيْٓ وَاٰخِيْنِيْٓ ..

آیات مذکورہ میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور بنی اسرائیل و قوم فرعون کے کچھ عادات اور ان سے متعلقہ احکام مذکور ہیں پہلی آیت میں ایک خاص واقعہ سے متعلق حکم ہے وہ یہ کہ بنی اسرائیل جو دین موسوی پر عامل تھے یہ سب عام عادت کے مطابق نمازیں صرف اپنے صومعوں (عبادت گاہوں) میں ادا کرتے تھے، اور پچھلی آیتوں کے لیے حکم بھی یہی تھا کہ ان کی نماز اپنے گھروں میں ادا نہیں ہوتی تھی، یہ خصوصی سہولت امت محمدیہ کو عطا ہوئی کہ ہر جگہ جہاں چاہیں نماز ادا کر لیں، شیخ مسلم کی ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے اپنی چھ خصوصیات میں سے ایک یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے کہ نماز ہر جگہ ادا ہو جاتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ فرض نمازوں کا مسجدوں میں ہی ادا کرنا جماعت کے ساتھ سنت مؤکدہ قرار دیا گیا، اور نفل نمازوں کا گھروں میں ادا کرنا افضل ہے، رسول کریم ﷺ کا عمل اسی پر تھا کہ مسجد میں صرف فرض نماز پڑھتے تھے، سنن اور نوافل گھر میں جا کر ادا فرماتے تھے۔ بنی اسرائیل اپنے مذہب کے مطابق اس کے پابند تھے کہ نماز صرف اپنے عبادت خانوں میں ادا کریں، فرعون جو ان کو طرح طرح کی ایذا میں دیتا اور ان پر ظلم ڈھاتا تھا، اس نے یہ دیکھ کر ان کے تمام عبادت خانوں کو مسمار کر دیا تاکہ یہ اپنے مذہب کے مطابق نماز نہ پڑھ سکیں، اس پر حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دونوں پیغمبروں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو وہ حکم دیا جو اس آیت میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کیلئے مصر میں مکان نئے بنائے جائیں اور ان مکانات کا رخ قبلہ کی طرف ہو، تاکہ وہ انہی سکونتی مکانات میں نماز ادا کر سکیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ پچھلی آیتوں میں اگرچہ عام حکم یہی تھا کہ نمازیں صرف عبادت خانوں میں پڑھی جائیں، لیکن اس خاص حادثہ کی وجہ سے بنی اسرائیل کے لیے اس کی عارضی اجازت دے دی گئی کہ گھروں ہی میں نماز ادا کر لیا کریں اور اپنے گھروں کا رخ قبلہ کی طرف سیدھا رکھیں، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس ضرورت کے وقت بھی ان کو مخصوص گھروں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی جن کا رخ قبلہ کی طرف کیا گیا تھا، عام گھروں اور عام مقامات پر نماز کی اجازت اس وقت بھی نہیں تھی، جس طرح امت محمدیہ کو شہر اور جنگل کے ہر مقام پر نماز ادا کرنے کی سہولت حاصل ہے۔ (روح)

یہاں یہ سوال بھی قابل غور ہے کہ اس آیت میں بنی اسرائیل کو جس قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد کون سا قبلہ ہے؟ کعبہ یا بیت المقدس؟ حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کعبہ ہے اور کعبہ ہی حضرت موسیٰ ﷺ اور ان کے اصحاب کا قبلہ تھا۔ (قرطبی ردح) بلکہ بعض علماء نے فرمایا کہ تمام انبیاء سابقین کا قبلہ اصل میں کعبہ ہی تھا۔ اور جس حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ یہود اپنی نمازوں میں صخرہ بیت المقدس کی طرف رخ کرتے ہیں اس کو اس زمانہ پر محمول کیا جائے گا جب کہ حضرت موسیٰ ﷺ مصر چھوڑ کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے، یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ قیام مصر کے زمانہ میں آپ کا قبلہ بیت اللہ ہی ہو۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز کے لیے استقبال قبلہ کی شرط انبیاء سابقین کے زمانہ میں بھی تھی، اسی طرح طہارت اور ستر عورت کا تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں میں شرط نماز ہونا بھی معتبر روایات سے ثابت ہے۔

گھروں کو قبلہ رخ بنانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ ان میں نمازیں ادا کی جائیں اس لیے اس کے بعد اَقْبِمُوا الصَّلَاةَ کا حکم دے کر یہ ہدایت کر دی گئی کہ اگر فرعون عبادت گاہوں میں نماز ادا کرنے سے روکتا ہے تو اس سے نماز ساقط نہیں ہوتی اپنے

گھروں میں ادا کرو۔

آخر آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے حکم دیا گیا کہ مؤمنین کو آپ خوشخبری سنا دیں کہ ان کا مقصود پورا ہوگا۔

دُشمن پر ان کو غلبہ نصیب ہوگا اور آخرت میں جنت ملے گی۔ (روح)

آیت کے شروع میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو بصیغہ تمثیہ خطاب کیا گیا کیونکہ مکانات قبلہ رخ کر کے ان میں

نماز پڑھنے کی اجازت انہیں کا کام تھا، اس کے بعد بصیغہ جمع سب بنی اسرائیل کو شامل کر کے اقامت نماز کا حکم دیا گیا کیونکہ

اس حکم میں پیغمبر اور امت سب داخل ہیں، آخر میں بشارت دینے کا حکم خاص موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا کیونکہ اصل صاحب شریعت

نبی آپ ہی تھے، بشارت جنت دینے کا آپ ہی کو حق تھا۔

قَالِیَوْمَ نُنَبِّئُكَ بِبَدَنِكَ لَتُنكَوْنَنَّ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیةٌ.....

فرعون کی لاش کی حفاظت نشان عبرت کے طور پر:

ارشاد فرمایا گیا کہ اب ہم تیری لاش کو ہی بچالیں گے تاکہ تو نشان عبرت بن جائے اپنے پیچھے آنے والوں کے لیے کہ یہ

ہے انجام اس شخص کا جو کہ (اَنَّا اَرْسَلْنَاكَ بِالْبَيِّنَاتِ اَلَا تُحٰدِثُنَا كَمَا دَعَوٰی رَحْمٰتِنَا اَنْ تَكْفُرَ) اس طرح ایک طرف تو بنی اسرائیل کو اس کی موت کا یقین

ہو جائے جو کہ صدیوں سے اس کی غلامی میں جکڑے ہوئے طرح طرح سے اس کے ظلم و ستم سہہ رہے تھے کہ ان کو ایسے جاہلو

ظالم کے مرنے کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا (ابن کثیر وغیرہ) اور دوسری طرف خود اس کی اپنی قوم قہیط کی آنکھیں بھی کھل جائیں کہ

جس کی وہ پوجا کر رہے تھے اس کا آخری انجام یہ ہے۔ اسی لیے حضرات علمائے کرام فرماتے ہیں کہ (المجینا) یہاں پر نوحہ

سے ماخوذ مشتق ہے۔ جس کے معنی بلند جگہ کے آتے ہیں۔ یعنی اس کی لاش کو اس کی موت کے بعد ہم نے سمندر کے کنارے

ایک اونچی جگہ پر ڈال دیا تاکہ وہ دیکھنے والوں کے لیے نشان عبرت بن جائے۔ چنانچہ وہ جگہ جزیرہ نما ہے سینا کے مغرب

ساحل پر آج تک موجود اور معروف ہے جہاں فرعون کی لاش پڑی ہوئی پائی گئی تھی۔ اس کو موجودہ زمانے میں جبل فرعون کہا

جاتا ہے۔ اس کے نزدیک گرم پانی کا ایک چشمہ بھی موجود ہے جس کو مقامی آبادی نے حمام فرعون کے نام سے موسوم کر رکھا

ہے اور علاقے کے باشندے اسی جگہ کی نشاندہی کرتے ہیں کہ فرعون کی لاش یہیں پڑی ہوئی ملی تھی۔ سواگر یہ ڈوبنے والا وہی

فرعون ہے جس کا نام تاریخی روایات اور اثاریات میں منصفہ ذکر کیا گیا ہے تو اس کی لاش آج تک قاہرہ کے میوزیم میں موجود

ہے جس کو حنوط کے ذریعے محفوظ کر لیا گیا تھا۔ 1907ء میں حفریات اور آثار قدیمہ کے ایک ماہر سٹریٹ سمٹھ نے جب اس

کی مٹی پر سے پٹیاں کھولیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کہ اس کے کھارے پانی میں غرق ہونے کی

ایک کھلی علامت تھی۔ بہر کیف فرعون کی غرقابی کے بعد اس کی لاش کو محفوظ رکھ دیا گیا تاکہ وہ دیکھنے والوں کے لیے عبرت بن

سکے۔ اور یاد رکھیے کہ اپنی خدائی کا دعویٰ دار کس انجام سے دوچار ہوا؟ (تفسیر مدنی کبیر)

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا اَنْزَلْنَا بِنَبِيِّ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّآ صِدْقٍ مِّنْزَلٍ كَرَامَةٍ وَهُوَ الشَّمَامُ وَمِصْرُ وَاَرْزَقْنٰهُمْ مِّنْ

الطَّیْبَاتِ فَمَا اَخْتَلَفُوْا اَبَانَ اَمِنْ بَعْضٍ وَكَفَرَ بَعْضٌ حَتّٰی جَآءَهُمُ الْعِلْمُ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ

الْقِيَمَةَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ بِإِنجَاءِ الْمُؤْمِنِينَ وَتَعَذِيبِ الْكَافِرِينَ إِنْ كُنْتَ بِإِسْحَاقَ فِي شَكِّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْقُرْآنِ فَزُجِرْنَا فَرَضًا فَسْئَلِ الَّذِينَ يُقْرَأُونَ الْكِتَابَ تَنْزِيلًا مِنْ قِبَلِكَ ۚ فَإِن مَّا نَبِئْتَهُمْ بِعِزِّ رَسُولِكَ بِصِدْقِهِ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَشْكُ وَلَا أَشْأَلُ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُسْتَكْبِرِينَ ۝ الشَّاكِكِينَ فِيهِ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ بِالْعَذَابِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَوْ جَاءَهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ فَلَا يَنْفَعُهُمْ حِينُجِدُ فُلُوكَ لَافَهْلًا كَانَتْ قَرْيَةٌ أُرِيدَ أَنْ يُنزلَ عَلَيْهَا آيَاتِنَا فَتَوَلَّى إِلَّا إِلَهًا لَهَا إِلَّا إِلَهًا لِكُلِّ قَوْمٍ يُؤْمِنُ ۚ لَبَّأً أَعْمَى عِنْدَ رُؤْيَا آيَاتِنَا الْعَذَابِ الْمَوْعُودِ وَلَمْ يُؤْخِرُوا إِلَى حُلُولِهِ كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَشَفْنَا عَنْهُمْ إِلَى جَهَنَّمَ ۝ أَنْقَضْنَا آجَالَهُمْ وَكَوْشَاءَ رَبِّكَ لَأَمِّنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جِوْشَاءٌ أَفَأَنْتَ تُكذِّبُ النَّاسَ بِمَا لَمْ يَشَاءِ اللَّهُ مِنْهُمْ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ لَا دَمَآ كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا أَرْسَلْنَا اللَّهُ بِأَذْنِ اللَّهِ ۚ بَارِئًا مِنْهُ وَجَعَلَ الرِّجْسَ الْعَذَابَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝ يَتَذَكَّرُونَ آيَاتِ اللَّهِ قَلِيلًا لَكِن مَّا نَكَّرَ أَفْكَرُوا مَا ذُكِّرُوا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ مِنَ الْآيَاتِ الذَّلِيلَةِ عَلَى وَحْدَانِيَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَ مَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنَّذِيرُ جَمْعُ نَذِيرٍ أَيِ الرُّسُلِ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ فِي عِلْمِ اللَّهِ أَيُّ مَا تَنْفَعُهُمْ فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ بِكَذِّبِكَ إِلَّا مِثْلَ آيَاتِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ مِنَ الْأُمَمِ أَيِ مِثْلِ وَقَائِمِهِمْ مِنَ الْعَذَابِ قَلِيلًا فَانْتَظِرُوا ذَلِكَ إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۝ ثُمَّ نُنزِلُ الْمُضَارِعَ لِحِكَايَةِ الْحَالِ الْمَاضِيَةِ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْعَذَابِ كَذَلِكَ ۚ الْإِنجَاءُ حَقًّا عَلَيْنَا نُنَجِّ الْمُؤْمِنِينَ ۝ لَتَبَيَّنَّ

۱۰

صلى الله عليه وسلم وأصحابه حين تعذيب المشركين

ترجمہ: اور جبکہ وہی (انارا) ہم نے بنی اسرائیل کو اجماع مقام پر (عزت کی جگہ میں اور وہ شام اور مصر کا خط ہے) اور پاکیزہ چیزوں سے ان کی روزی کا سامان کر دیا تھا مگر جب کبھی انہوں نے اختلاف کیا (کہ بعض ایمان لائے اور بعض نے کفر اختیار کیا) تو علم کی روشنی ضرور ان پر نمودار ہوئی قیامت کے دن تمہارا پروردگار ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن

میں باہم اختلاف کرتے رہے ہیں (یعنی دین کی بات کہ اہل ایمان کی نجات ہو گیا اور اہل کفر کو عذاب) اور اگر آپ (وہ) اس محمد ﷺ کسی طرح کا شک ہو جو ہم نے آپ پر (قصے) اتارے ہیں (بالفرض) تو آپ ان لوگوں سے پوچھ کر دیکھیں کہ آپ سے پہلے کتاب (تورات) پڑھتے ہیں کیونکہ یہ واقعات ان کے یہاں ثابت ہیں ان کے سچ ہونے کی آپ کو یہ بتا دیں گے آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ مجھے شک ہے اور نہ مجھے پوچھنے کی ضرورت کہ یقیناً سچائی ہے جو آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر اتری ہے آپ ہرگز شک (شبہ) کرنے والوں میں نہ ہوں اور نہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے انہیں نشانیاں جھٹلائی اور نتیجہ یہ نکلا کہ نامراد ہوئے جن لوگوں پر آپ کے پروردگار کا فرمان (عذاب) صادق آ گیا (ثابت ہو گیا) وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے اگر ساری نشانیاں بھی ان کے سامنے آ جائیں جب بھی یہ نہ مانیں گے یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں (مگر اس وقت ایمان لانا نفع بخش نہیں ہوگا) پھر کیوں نہ کوئی بستی (اہل بستی مراد ہیں) ایسی نکلی کہ یقین کر لیتی (اس عذاب پر نازل ہونے سے پہلے) اور ایمان کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتی بجز یونس علیہ السلام کی قوم کے کہ جب یہ لوگ ایمان لے آئے (مقررہ عذاب کی علامات دیکھتے ہی اور عذاب اترنے کا انتظار انہوں نے نہیں کیا) تو ہم نے رسوائی کا وہ عذاب ان پر سے نال دیا جو دنیاوی زندگی میں پیش آنے والا تھا اور ایک خاص مدت تک زندگی کے سردسامان سے فائدہ اٹھانے کی مہلت دے دی (مدت زندگی ختم ہونے تک) اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا آپ ان پر زبردستی کر سکتے ہیں (جب کہ اللہ ان سے نہ چاہے) کہ وہ ایمان ہی لے آئیں (ہرگز نہیں) حالانکہ کسی کا ایمان لانا اللہ کے حکم (ارادہ) کے بغیر اس کے اختیار میں نہیں اور اللہ (عذاب کی) گندگی میں چھوڑ دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے (اللہ کی نشانوں میں غور نہیں کرتے) آپ (کفار مکہ سے) کہتے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (وہ نشانیاں جو اللہ کی یکتائی پر ولالت کرنے والی ہیں) ان سب پر نظر ڈالو لیکن جو لوگ (علم الہی) میں ایمان لانے والے نہیں ہوتے ان کے لیے نہ تو نشانیاں ہی کچھ سود مند ہوتی ہیں اور نہ دھمکیاں (مذہب نذیر کی جمع ہے مراد رسول ہے) ہی فائدہ پہنچاتی ہیں (انہیں کوئی نفع نہیں ہوتا) پھر اگر یہ لوگ (آپ کو جھٹلا کر) صرف ان لوگوں کے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں (سابقہ امتوں میں یعنی جیسے ان پر عذاب واقع ہوا ہے) تو کہہ دو! اچھا (اس کا) انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں پھر ہم بچا لیتے تھے (یہ مضمر ہے ماضی کا حال کی حکایت کے لیے) اپنے رسولوں کو اور ایمان والوں کو (عذاب سے) اسی طرح ہم نے اپنے اوپر ضروری ٹھہرایا ہے کہ سب ایمان والوں کو بچا لیں (نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کو مشرکین کو تکلیفیں پہنچاتے وقت)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: بعض لوگ تورات پر یا محمد ﷺ پر ایمان لائے۔
- قوله: مِنَ الْقِصَصِ قَرَضًا: یہ بالفرض و التقدیر کیا گیا اور نہ ان کی ذات تو شک سے بری الذمہ ہے۔
- قوله: بِالْعَذَابِ: اس قید سے اشارہ کیا کہ ان کی موت کفر پر آئے گی۔

قوله: **أُرِيدَ أَهْلَهَا**: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف مخذوف ہے۔
 قوله: **فَنَفَعَهَا إِيْمَانَهَا**: اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اس سے قبول فرمائیں اور عذاب کو ہٹادیں۔
 قوله: **نَزُولِ الْعَذَابِ بِهَا**: ان کی طرف عذاب کا بھیجنا مؤخر نہ کیا جیسا فرعون کے لیے مؤخر کیا۔
 قوله: **لِيَكُنَّ**: الا کا یہ معنی کر کے اشارہ کیا یہ مستثنیٰ منقطع ہے، متصل نہیں۔
 قوله: **لَا**: استفہام انکاری ہے۔
 قوله: **فِي عِلْمِ اللَّهِ**: اس قید سے اشارہ کیا کہ علم الہی میں جو ایمان نہ لائیں گے وہ مراد ہیں نہ کہ جو فی الحال ایمان نہ لائیں گے۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ.....

قصہ موسویہ:

رابطہ: یہ قصہ موسویہ کا تتمہ اور خاتمہ ہے جس میں اول اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمت عظمیٰ یاد دلوائی کہ ہم نے تم کو کیسے موذی سے نجات دی اور ملک مصر اور ملک شام کا تم کو وارث بنایا اور پھر بنی اسرائیل کی شکایت کی کہ تم نے کفران نعمت کیا اور علم آجانے کے بعد تم نے اختلاف کیا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتارنے اور فرعون کے غرق کرنے کے بعد ایک اچھے ٹھکانہ پر جا بٹھایا یعنی ان کو ملک شام میں آباد کر دیا اور سرزمین مصر کا مالک بنا دیا اور ہم نے پاکیزہ چیزیں ان کو کھانے کو دیں۔ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کی ذلت کو عزت میں بدل دیا۔ اور ان کے فقر و تنگدستی کو مال و دولت سے بدل دیا ان کو چاہئے تھا کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس کی محبت اور اطاعت میں غرق ہو جاتے کہ اس نے دشمن کی عزت و دولت اس سے چھین کر تم کو دے دی لیکن یہ تو اختلاف میں بڑھ گئے پس انہوں نے نہیں اختلاف ڈالا دین حق میں یعنی اپنے دین کے بارے میں یا آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارے میں یہاں تک کہ ان کے پاس احکام تورات کا علم پہنچ گیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ اصل عزت و ہدایت اتباع شریعت میں ہے مال و دولت کی عزت چند روزہ اور فانی ہے۔ چاہئے تھا کہ سب اتباع شریعت پر متفق ہو جاتے۔ جس کے ذریعے یہ عزت ملی لیکن انہوں نے مختلف ہو گئے یا یہ معنی ہیں کہ بنی اسرائیل کو علم تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی نعمتیں اور صفات تورات اور انجیل میں مذکور ہیں اور بنی اسرائیل آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے آپ کی نبوت پر ایمان رکھتے تھے اور آپ کی آمد اور ظہور کے منتظر تھے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا تو اذراہ حسد و عداوت آپ کے بارے میں اختلاف کیا بعض آپ پر ایمان لائے اور بعض نے انکار کیا (اے نبی) کچھ شک نہیں کہ تیرا پروردگار قیامت کے دن ظاہر کر دے گا کہ ان کا یہ اختلاف حسد اور عداوت

اور جہالت پر مبنی تھا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قُوَّةُ اٰمَنَّا فَنَقَعَهَا اِيْسَانَهَا.....

عذاب دیکھ کر یونس علیہ السلام کی قوم کا ایمان لانا اور عذاب سے بچنا:

اس سے پہلے فرعون کے تذکرہ میں فرمایا کہ وہ ڈوبنے لگا تو ایمان لے آیا، لیکن اس کا ایمان لانا مقبول نہیں ہوا۔ آیات میں واضح طور پر بتایا کہ وہ دوزخ میں جائے گا۔ سورہ ہود میں فرمایا: (تَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْرَظَهُمُ النَّارَ) (وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور انہیں دوزخ میں داخل کر دے گا) اور سورہ النازعات میں فرمایا: (فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاٰوَّلِي) (سواللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے اور دنیا کے عذاب میں پکڑا) اور سورہ زمر میں فرمایا: (فَاَخَذْنَاهُ وَجُودًا فَتَبَدَّلْنَاهُمْ فِي الْيَوْمِ ؕ فَاَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَجَعَلْنَاهُمْ اٰهْبٰتًا يّٰبَاطِلِيْنَ ۝ النَّارُ ۝ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَنْصُرُوْنَ ۝ وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدّٰنْيَا لَعْنَةً ۝ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝) (اور اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا۔ سو دیکھئے ظالموں کا کیا انجام ہوا اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا پیشوا بنا دیا جو دوزخ کی طرف بلا تے رہے۔ اور قیامت کے روز کوئی ان کا ساتھ نہ دے گا اور دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت دی اور قیامت کے دن بھی وہ بد حال لوگوں میں سے ہوں گے)۔

اور سورہ الذاریات میں فرمایا: (فَاَخَذْنَاهُ وَجُودًا فَتَبَدَّلْنَاهُمْ فِي الْيَوْمِ ؕ وَهُوَ مُلِيْمٌ) (سو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا اور اس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا) اللہ تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ جب عذاب نہ جائے اس وقت ایمان قبول نہیں ہوتا۔ سورہ مؤمن میں فرمایا: (فَلَمْ يَكْ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاُوْا اَبْسٰنًا سَلْتَنَّا اللّٰهَ الْاِيْمٰنِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِيْهِ وَخَيْرٌ هٰذَا لِكَ الْكٰفِرُوْنَ) (سو ان کو ان کا ایمان لانا نافع نہ ہوا جب انہوں نے عذاب دیکھ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر فرمایا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے اور اس وقت پناہ خسارہ میں رہ گئے)۔

اس قانون سے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا استثنا فرمایا۔ ان لوگوں نے جب عذاب دیکھا تو ایمان قبول کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے عذاب ہٹا لیا اور اس کے بعد ایک زمانہ تک وہ لوگ زندہ رہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی چیزوں کے ذریعہ فائدہ پہنچایا، ان میں سے ہر شخص اپنی اپنی موت پر مرتا رہا اور عذاب کے ذریعہ اجتماعی طور پر جو ہلاکت کا معاملہ تھا وہ ختم ہو گیا۔ آیت بالا میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نینوی بستی کے رہنے والوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو موصل کی سرزمین (عراق) میں ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام ان پر محنت کرتے رہے ایمان کی دعوت دیتے رہے۔ انہوں نے ایمان قبول نہ کیا بالآخر حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم دن کے اندر تم پر عذاب آجائے گا وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس شخص نے کبھی جھوٹ تو بولا نہیں ہمیں دیکھنا ہے کہ تیسری رات کو یہ یہاں رہتے ہیں یا نہیں۔ اگر یہ رات کو وہ گئے تو ہم سمجھیں گے کہ عذاب کچھ نہیں صرف دھمکی ہے اور انہوں نے ہمارے ساتھ رات نہ گزاری تو ہم سمجھ لیں گے کہ صبح کو عذاب آنے والا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام اسی رات وہاں سے نکل گئے جب صبح ہوئی تو ان کی قوم نے اپنی آنکھوں سے عذاب سے

آثار دیکھ لیے۔ آسمان پر سخت سیاہ بادل چھا گئے اور دھواں نازل ہونے لگا جو ان کی سستی اور ان کے گمراہی کی تہوں پہ تھا گیا۔ جب ہلاکت کا یقین ہو گیا تو ان لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا لیکن نہ پایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو توبہ کی طرف متوجہ فرما دیا۔ وہ اپنی جانوں، عورتوں، بچوں اور جانوروں کو لے کر میدان میں اٹھ گئے۔ ٹاٹ کے کپڑے پہن لیے اور اخلاص کے ساتھ توبہ کی اور ایمان قبول کیا اور خوب زیادہ چپے چائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کے ساتھ توجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ یونس جو کچھ لے کر آئے تھے ہم اس پر ایمان لائے۔ اللہ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کی دعا قبول فرمائی اور عذاب روک دیا ادھر یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت یونس علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ عذاب سے قوم ہلاک نہ ہوئی تو قوم کے سامنے آنے میں حجاب محسوس ہوا۔ لہذا وہاں سے چلے گئے دریا کے کنارے پہنچے تو ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ کشتی حرکت کرنے لگی۔ ملاحوں نے کہا کہ تم لوگوں میں کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے آقا کو چھوڑ کر بھاگ آیا ہے لہذا ہم ترمذال لیتے ہیں جس کا نام نکلے گا اسے دریا میں ڈال دیں گے۔ تین مرتبہ ترمذال تو حضرت یونس علیہ السلام کا نام لگا انہوں نے فرمایا کہ میں وہ غلام ہوں جو اپنے آقا کے فرمان کا انتظار کیے بغیر بھاگ آیا ہوں لہذا انہوں نے اپنی جان کو سمندر میں ڈال دیا (چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم کو چھوڑ کر چلے جانے کا حکم نہیں ہوا تھا اس لیے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ عبد الباق (بھاگنے والا غلام) میں ہی ہوں۔ کشتی کے سارے سواروں کو بچانے کے لیے مجھے ہی اپنی جان کو سمندر میں ڈال دینا چاہئے۔ لہذا سمندر میں خود سے چھلانگ لگا دی اور ایک مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ وہیں اللہ کو یاد کرتے رہے اور تسبیح میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ میں آپ کی حفاظت فرمائی اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید میں کسی جگہ ذوالنون اور کسی جگہ صاحب الحوت فرمایا ہے (دونوں کا ترجمہ ہے مچھلی والا) ان کا مچھلی کے پیٹ میں رہنے کا واقعہ سورۃ انبیاء (ع ۶) اور سورۃ صافات (ع ۸) اور سورۃ النعم (ع ۲) میں مذکور ہے۔ سورۃ صافات میں کشتی میں سوار ہونے اور ترمذال لے کر سمندر سے باہر ڈال دیئے جانے اور ان کے اوپر کدو کا درخت اگا دینے کا تذکرہ ہے اور وہاں یوں فرمایا ہے: (فَأَمْتُوا فَمَتَّعْنَاهُمْ إِيَّاهُ جَنَّاتٍ) جیسا کہ یہاں ایمان لانے پر عذاب ٹل جانے اور بعد میں آئندہ کچھ زمانہ تک دنیا سے نفع حاصل کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عذاب کے آثار دیکھنے پر بھی حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں عذاب سے ہلاک نہ فرمایا۔ اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مختار مطلق ہے اسے پورا اختیار ہے کہ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہے کوئی اور بشری قانون نافذ فرمائے اور جس کو چاہے عذاب دے اور جس کو چاہے نجات دے۔

قال صاحب الروح (ص ۱۹۳ ج ۱۱) و ظاهر الآية يستدعي ان القوم شاهدوا العذاب لمكان (كشفتنا) وهو الذي يقتضيه اكثر الاخبار واليه ذهب كثير من المفسرين ونفع الايمان لهم بعد المشاهدة من خصوصياتهم فان ايمان الكفار بعد مشاهدة ما وعدوا به ايمان باس غير نافع لارتفاع التكليف حينئذ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں آیت کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ انہوں نے عذاب دیکھا تھا لفظ "كشفتنا" کی وجہ سے اور اکثر احادیث بھی اسی کا تقاضا کرتی ہیں اور اکثر مفسرین کی رائے بھی یہی ہے اور عذاب دیکھنے کے بعد ایمان کا نافع ہونا اسی قوم کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ عذاب موعود کے مشاہدہ کے بعد کافروں کا ایمان لانا ایمان باس ہے جو کہ نفع

مند نہیں ہے کہ اس وقت شرعی تکلیف ختم ہو جاتی ہے)

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّ أَهْلِ مَكَّةَ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي أَنَّهُ حَقٌّ فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ

دُونِ اللَّهِ أَيُّ غَيْرِهِ وَهُوَ الْأَصْنَامُ لِشَكِّكُمْ فِيهِ ۖ وَلَكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَقَّكُمْ ۖ بِقَبْضِ أَرْوَاحِكُمْ وَ

أَمْرُتُ أَنْ أَيُّ بَارِئُ الْكُونِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَقِيلَ لِي أَنْ أِقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا مَآبِلَ اللَّهِ وَ

لَا تَكُونَنَّ مِنَ الشِّرْكِينَ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ تَعْبُدْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ إِنْ عْبَدْتَهُ وَلَا يَضُرُّكَ ۖ إِنْ لَمْ

تَنْبُدْهُ فَإِنْ فَعَلْتَ ذَلِكَ فَرَضًا فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۖ وَإِنْ يَسْسُكَ يُصَبِّكَ اللَّهُ بِطَيْرٍ كَقَفَرٍ

وَمَرَضٍ فَلَا كَاشِفَ رَافِعَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ دَافِعَ لِفَضْلِهِ ۖ الَّذِي أَرَادَكَ بِهِ

يُصِيبُ بِهِ أَيُّ بِالْخَيْرِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۖ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّ هَلْ مَكَّةَ

قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ لِأَنَّ ثَوَابَ اهْتِدَائِهِ لَهُ وَمَنْ ضَلَّ

فَأِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ لِأَنَّ وَبَالَ ضَلَالِهِ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ۖ فَأَجْبِرْكُمْ عَلَى الْهُدَى وَالْبَيْعِ

مَا يُؤْوَى إِلَيْكَ وَاصْبِرْ عَلَى الدَّعْوَةِ وَادَامُمْ حَتَّى يَحْكُمَ اللَّهُ ۖ فِيهِمْ بِأَمْرِهِ وَهُوَ خَيْرُ

الْحَكِيمِينَ ۖ أَعَدَّ لَهُمْ وَقَدَّصَّرَ حَتَّى حَكَمَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ بِالْقِتَالِ وَأَهْلَ الْكِتَابِ بِالْحِزْبِ

توجہ دینا: آپ کہہ دیجئے اے لوگو! (مکہ والو!) اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی طرح کے شک میں ہو (کہ وہ حق ہے یا نہیں؟) تو اللہ کے علاوہ جن ہستیوں کی تم بندگی کرتے ہو میں ان کی بندگی نہیں کرتا (یعنی اللہ کے علاوہ جن کی کیونکہ تمہیں اس میں شک ہے) میں تو اللہ کی بندگی کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے (تمہاری روح نکال کر) اور مجھے اسی کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں کے زمرہ میں رہوں اور مجھے یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ میں اپنا رخ اللہ کے دین کی طرف کر لوں ہر طرف سے ہٹ کر (اس کی طرف جھک جاؤں) اور ایسا ہرگز نہ کرنا کہ شرک کرنے والوں میں سے ہو جاؤ اور اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو (بندگی مت کرو) کیونکہ وہ تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتا (اگر تم اس کی بندگی کر بھی لو) اور نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا (اگر تم اس کی بندگی نہ کرو) اگر تم نے ایسا کیا (بالفرض) تو پھر تم بھی یقیناً شرک کرنے والوں میں شمار ہو گے اور اگر اللہ کے حکم سے تمہیں کوئی دکھ پہنچے (جیسے فاقہ یا بیماری) تو جان لو کہ اسے دور کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں (جو تمہارے متعلق اس نے طے کر لیا ہے) وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل مبذول فرما دے وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والا ہے آپ کہہ دیجئے۔ اے لوگو! (مکہ والو!)

۱۰ یونس ۱۰
 کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس سوائے کچھ ہی باتوں کی راہ اختیار کرے گا تو اپنے ہی ہاتھ کے لیے
 کرے گا (کیونکہ ہدایت پانے کا ثواب اسی کو ملے گا اور جو لوگ اس کی گمراہی اسی کے آگے آئے گی) (کیونکہ اس کی
 گمراہی کا وہ ناپ ہی پر پڑے گا) میں تم پر گمراہ نہیں (کہ تمہیں ہدایت کے قبول کرنے پر مجبور کر سکوں) آپ پر وحی کی جاتی
 ہے اس پر مہتے رہتے اور مہتے رہتے (اوپنی دعوت پر اور ان کی ایذا رسانیوں پر) یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے (اس کے
 بارے میں اپنا کوئی حکم بھیج کر) اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے (انصاف کا فیصلہ نبی
 کریم ﷺ نے مبر سے کام لیا یہاں تک کہ مشرکین سے آپ کو جہاد کرنے کا اور اہل کتاب پر جزیہ واجب کرنے کا حکم
 ہو گیا)

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: **يَا نَصْرُ عِزِّكَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ** : اس سے اشارہ کیا کہ تجھی مضارع ہے مگر ماضی کی حالت کو بیان کے لیے آیا ہے۔
 قولہ: **بِقَبْضِ أَرْوَاحِكُمْ** : اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے اور وہ ارواح ہیں۔
 قولہ: **أَيُّ يَأْتِي** : ان مصدر یہ ہے تفسیر یہ نہیں کیونکہ اس کی شرط موجود نہیں جار کو حذف کر دیا۔
 قولہ: **بِالَّذِي أَرَادَكَ** : مطلب یہ ہے کہ فضل کی اضافت عہد کے لیے ہے۔
 قولہ: **فَأَجْبِرْكُمْ عَلَى الْهُدَى** : میں بشیر دندیر ہوں۔
 قولہ: **عَلَى الدَّعْوَةِ** : اس تید کو بڑھا کر باقی سے اس کا ربط پیدا کر دیا۔

تفسیر مقبولین

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ...

اثبات توحید و حقانیت دین اسلام:

(ادھت): ابتداء سورت سے یہاں تک اصول دین۔ توحید و رسالت اور حشر نشر اور قیامت اور دین اسلام کی حقانیت کو
 روشن دلیلوں سے واضح کیا گیا اور یہ ثابت کر دیا گیا کہ کفار کا دین انکل کے تابع ہے۔ اور حق سے دور ہے۔ اور اس کی ہر بات
 مشکوک اور مشتبہ ہے۔ اب آں حضرت ﷺ کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ ان منکرین اور مرتدین سے علی الاعلان یہ کہہ دیں کہ
 اگر اب بھی تم کو میرے اس روشن دین کے بارے میں شک اور تردد ہے تو خیر ہو مگر تم اس خیال خام میں نہ رہنا کہ میں تمہارے
 مہمل اور باطل دین کو قبول کر لوں گا۔ میں تمہارے اس مہمل اور شکلی اور وہی دین سے بیزار ہوں مجھے اللہ کی طرف صراط مستقیم
 پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے جس کا اصل اصول توحید اور توکل ہے میں تمہارے ان فرضی معبودوں سے سخت نفور اور بیزار ہوں

جو کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں میں تو اس خداوند قدوس کا پرستار ہوں جس کے قبضہ قدرت میں تمہاری جان ہے۔ اور جو تمہاری موت و حیات کا مالک ہے۔ یہ میرے دین کا خلاصہ ہے جس میں ذرہ برابر مجھے شک نہیں۔ آپ ﷺ ان لوگوں سے جو آپ کے دین کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں یہ کہہ دیجئے اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف شک میں پڑے ہوئے ہو تو میں تمہارے سامنے اپنے دین کا خلاصہ بیان کیے دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں خدا کے سوا ان چیزوں کو نہیں پوجتا جن کو تم پوجتے ہو کیونکہ وہ کسی نفع و ضرر کے مالک نہیں۔ لیکن میں اس قادر مطلق کی پرستش کرتا ہوں جو تم کو موت دیتا ہے۔ یعنی جو تمہاری موت و حیات کا مالک ہے اور تمہارا وجود اور عدم وجود اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور مجھ کو منجانب اللہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس خدا کے ماننے والوں میں سے ہوں جو موت و حیات اور نفع اور ضرر کا مالک ہے۔

اور نیز مجھ کو یہ حکم دیا گیا کہ تو اپنا رخ سیدھا دین اسلام کی طرف رکھ یک سو ہو کر۔ یعنی دین اسلام اور توحید خالص پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہ اور آئنا لیکہ تو اور تیرا چہرہ حنیف ہو یعنی صرف ایک خدا کی طرف متوجہ ہو اور تیرا رخ سوائے خدا کے کسی طرف نہ ہو اور نیز مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تو شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو۔ ظاہر و باطن توحید کے رنگ میں ایسا رنگ ہوا کہ شرک جلی یا خفی کا کوئی شائبہ بھی نہ آنے پائے۔

اور نیز مجھ کو یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا ایسی چیز کو مت پکار کہ جو نہ تجھے کچھ نفع ہی پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان ہی پہنچا سکے۔ پس اگر تو نے ایسا کیا یعنی ایسی چیز کو پکارا تو اس میں شک نہیں کہ تو اس وقت ظالموں میں سے ہوگا یعنی یہ تیرا پکارنا بے محل ہوگا۔ مومن خوب جان لے کہ نفع و ضرر کا مالک سوائے خدا کے کوئی نہیں کیونکہ اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے۔ بیماری یا محتاجی میں مبتلا کرے تو اس کے سوا کوئی اس تکلیف کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھ کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں۔ پہنچاتا ہے اپنا فضل جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور وہی کوتاہیوں کو بخشنے والا مہربان ہے۔ بندوں کی کوتاہیوں کی وجہ سے فضل کو روکتا نہیں۔

قَدْ يَأْتِيهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ؕ

اتمام حجت اور تبلیغ دعوت:

ذبط: جب دین اسلام اور اس کے اصول کی حقانیت ظاہر ہو گئی تو بطور اتمام حجت کافروں سے خطاب ہوتا ہے کہ دیکھو تمہارے پاس دین حق آ گیا اور نبی کے ذریعہ سے تم تک پہنچ گیا اور اللہ کی حجت تم پر پوری ہو گئی اب تم حق تعالیٰ کے سامنے اپنی گمراہی کا کوئی عذر اور حیلہ پیش نہیں کر سکتے۔ اب اگر اس سے ہدایت حاصل کر لو تو تمہارا ہی فائدہ ہے ورنہ تمہارا ہی نقصان ہے رسول کا کام خیر دے دینا ہے وہ کسی کا ذمہ دار نہیں اور اس کے بعد آپ کو صبر کرنے اور وحی کی پیروی کرنے کا حکم دیا جس سے مقصود آپ کی تسلی ہے کہ اگر یہ معاندین آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں۔ اور برابر اسی سابقہ عداوت اور ایذا رسانی پر قائم رہیں تو آپ صبر کیجئے عنقریب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے گا یعنی حسب وعدہ آپ ﷺ کو غالب اور منصور کرے گا۔ یہ مضمون گویا کہ تمام سورت کا خلاصہ اور اجمال ہے۔ ایسا اختتام بلاشبہ حسن اختتام اور مسک الخاتم کا مصداق ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے نبی آپ ﷺ کہہ دیجئے اے لوگو تمہارے پاس حق آچکا ہے تمہارے پروردگار کی

طرف سے اب تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ پروردگار کی طرف سے تم پر حجت پوری ہو چکی ہے اب تمہارے لیے کوئی عذر لاعلمی اور بے خبری کا باقی نہیں رہا۔ پس جس نے ہدایت کی راہ اختیار کی یعنی ایمان لایا اور اطاعت کی۔ پس جزایں نیست وہ اپنے ہی نفع کے لیے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہوا یعنی کفر پر اڑا رہا۔ اور خدا اور اس کے رسول کو نہ مانا تو اس کی گمراہی کا وبال اس کی ذات پر ہوگا۔ ساری روئے زمین کے باشندے بھی اگر کفر کرنے لگیں تو خدا کی عظمت میں ذرہ برابر کمی نہیں آئے گی اور نہ رسول خدا کا کوئی نقصان ہوگا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارا نگہبان اور داروغہ نہیں کہ تمہارے کفر کے متعلق مجھ سے باز پرس ہو میں تو فقط پہنچانے والا ہوں۔ اور بس۔

اور اے نبی آپ تو اس چیز کی پیروی کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے آپ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دیجئے چاہے کوئی مانے یا نہ مانے اور اگر تبلیغ اور دعوت اسلام پر یہ لوگ آپ کو ایذا پہنچائیں تو آپ صبر کیجئے یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے۔ کہ حق کو غلبہ دے اور کفر کو ذلیل و خوار کرے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس لیے کہ وہ ظاہر و باطن اور ماضی اور حال اور استقبال سب کو یکساں جانتا ہے اور اس کے حکم اور فیصلہ میں بھول چوک اور غلطی کا امکان نہیں۔ لہذا اے نبی کریم! آپ ان دشمنوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کیجئے۔ اور اللہ کے فیصلہ کا انتظار فرمائیے۔ وہ انشاء اللہ حسب وعدہ آپ کو فتح و نصرت عطا کرے گا یا جہاد اور جزیہ کا حکم نازل کرے گا۔

سُورَةُ هُودٍ

آیتوں کی تعداد ۱۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ هُودٍ
الآیة ۵۲

۱۱۳ آیتوں کی تعداد اور ۱۱۳ آیتوں اور ایک روایتیں

الرَّحْمٰنُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِمُرَادِهِ بِذٰلِكَ هَذَا کِتٰبٌ اُحْکِمْتُ اٰیٰتُهُ بِعَجِیْبِ النَّظْمِ وَیَدْمِعُ الْمَعٰنِیَ ثُمَّ فَضَّلَتْ
 یَبِیْنُ بِالْاَحْکَامِ وَالْقِصَصِ وَالْمَوَاعِظِ مِنْ لَدُنْ حَکِیْمٍ حَبِیْرٍ ۝ اٰی اللّٰهِ اٰی بَانَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا
 اللّٰهَ ۚ اِنِّیْ لَکُمْ مِنْهُ نَذِیْرٌ بِالْعَذَابِ اِنْ کَفَرْتُمْ وَبَشِیْرٌ ۝ بِالْثَوَابِ اِنْ اٰمَنْتُمْ وَاِنْ اَسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ
 مِنْ الشِّرْکِ ثُمَّ تَوْبُوْا اِزْجِعُوْا اِلَیْهِ بِالطَّاعَةِ یَسْتَعْمِکُمْ فِی الدُّنْیَا مَتَاعًا حَسَنًا یَطِیْبُ عَیْشٌ وَسَبْعَةٌ
 رَزَقَ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی هُوَ الْمَوْتُ وَیُوْتِ فِی الْاٰخِرَةِ کُلُّ ذِی فِضْلِ فِی الْعَمَلِ فَضْلُهُ ۚ جَزَاءُ وَاِنْ
 تَوَلَّوْا فِیْهِ حُدُفٌ اِحْدٰی الثَّانِیْنَ اٰی تُعْرِضُوْا فَاِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ کَبِیْرٍ ۝ هُوَ یَوْمُ
 الْقِیٰمَةِ اِلٰی اللّٰهِ مُرْجِعُکُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ وَمِنْهُ الثَّوَابُ وَالْعَذَابُ وَنَزَلَ کَمَا رَوٰهُ
 الْبُخَارِیُّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْمَنْ کَانَ یَسْتَحِیْ اَنْ یَنْخَلِیْ اَوْ یَجَامِعَ فِیْفِضِیْ اِلٰی السَّمَاءِ وَقَبِلَ فِی
 الْمُنَافِقِیْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صِدُوْرَهُمْ لَیَسْتَحْفُوْا مِنْهُ ۚ اٰی اللّٰهِ اَلَا جِئْنَ یَسْتَغْفِرُوْنَ شِیْءًا بِهُمْ
 یَسْفُطُوْنَ بِهَا یَعْلَمُ تَعَالٰی مَا یُسْرُوْنَ وَا مَا یُعْلِنُوْنَ ۚ فَلَا یُعْنِیْ اِسْتِحْفَاؤُهُمْ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذٰلِکَ
 الصُّدُوْرِ ۝ اٰی بِمَآئِی الْقُلُوْبِ

ترجمہ: یہ کتاب جس کی آیتیں مضبوط کی گئی ہیں (ان کو بھی عبارت اور بہترین معانی کے ساتھ) پھر کھول کھول کر واضح
 کر دی گئی ہیں (احکام، واقعات اور نصیحتیں بیان کی گئی ہیں) ایک حکمت والی باخبر ذات (اللہ) کی طرف سے ہے یہ کہ اللہ
 کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو تمہیں کرو کہ میں اسی کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والا (عذاب سے کفر کرنے کی صورت میں) اور
 خوشخبری دینے والا ہوں (ثواب کی، ایمان کی صورت میں) اور یہ کہ اپنے پروردگار سے معافی کے طلبگار ہو (شرک سے) پھر

اس کی طرف (فرمانبرداری کر کے) متوجہ ہو جاؤ (رجوع کرو) تمہیں (دنیا میں) زندگی کے فوائد بہت انہیں میں بہت مند کرے گا (اچھی زندگی اور وسعت رزق کے ساتھ) ایک مقررہ وقت (مرنے) تک اور عطا کرے گا (آثار میں) زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب (جزاء) لیکن اگر تم نے روزگردانی کی (دو تہ میں سے ایک تا و حذاف ہے یعنی آیت نے منہ پھیرا) تو میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایک بڑا دن نمودار نہ ہو جائے (قیامت کا دن) تم سب و اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اس کی قدرت سے کوئی باہر نہیں (اور اسی میں ثواب و عذاب بھی ہے جیسا کہ بخاری نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا کہ اگلی آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ جو بیت اتلاء جانے کے وقت یا ہم ہتر جوتے ہوئے آسمان کا سامنا ہونے سے شرم محسوس کرتے تھے اور بعض کی رائے ہے کہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے) یہ در کھوکہ و لوگ دوہرا کیے دیتے ہیں اپنے سینوں کو تاکہ اپنی باتیں اللہ سے چھپا سکیں یا در کھوکہ وہ لوگ جس وقت اپنے پچھنے پھینتے تھے (ڈھانچتے ہیں) وہ اس وقت بھی سب کچھ جانتا ہے جو کچھ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں اور جو کچھ ہم باتیں کرتے تھے (اس لیے چھپانا نہیں ہے) وہ تو سینوں کے اندر کے راز جاننے والا ہے (یعنی دلوں میں جو باتیں تھیں)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قولہ: هَذَا: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ کتاب مبتداء مخدوف کی خبر ہے۔ مبتداء نہیں کہ اس کی خبر و حکمت آیا تو نہیں۔
- قولہ: بِعَجِيبِ التَّظْمِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ حکم ہے اس میں لفظ و معنی کے اعتبار سے کوئی غلط آئی نہیں سکتا۔
- قولہ: اَيُّ اللّٰهِ: حکیم و خیر یہ غیر کی صفت نہیں بن سکتے۔
- قولہ: بِالْعَذَابِ اِنْ كَفَرْتُمْ: واد اتوزبر و تقسیم کے لیے ہے۔ جمع کے لیے نہیں۔
- قولہ: مِنَ الشِّرْكِ: اس قید کا اضافہ کیا تاکہ تو بوا سے استدراک نہ کرنا پڑے کیونکہ استغفار یہ توبہ کو مستلزم ہے۔
- قولہ: هُوَ الْمَوْتُ: اجل سے مراد انتہاء مدت ہے تمام مراد نہیں۔
- قولہ: فِي الْعَمَلِ: نہ کہ دنیا وغیرہ میں۔
- قولہ: جَزَاؤُهُ: یعنی مضاف مخدوف ہے۔
- قولہ: فَيُفْضِي اِلَى السَّمَاءِ: یعنی وہ اس کو اہل سماء تک پہنچا دے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم کر لے۔
- قولہ: وَيُقِيلُ فِي الْمُنَافِقِيْنَ: پس معنی یہ ہے کہ وہ تحریف کر کے اور حق سے اپنے سینے پھیرتے ہیں تاکہ وہ اس سے بچ سکیں۔
- قولہ: بِسَافِي الْقُلُوْبِ: اس سے مراد جو سینوں میں ہے نہ کہ صاحب سینہ۔

تفسیر مقبولین

الر - كَتَبَ اُحْكَمَتْ اَيْتُهُ لَمَّا فَصَلَّتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ۝

یعنی یہ قرآن کریم وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ہے جس کی آیتیں لفظی و معنوی ہر حیثیت سے نہایت تہمتی تھیں۔ ان میں تناقض ہے نہ کوئی مضمون حکمت یا واقعہ کے خلاف ہے نہ باعتبار معجزانہ فصاحت و بلاغت کے ایک حرف پر توجہ نہیں ہو سکتی ہے جس مضمون کو جس عبارت میں ادا کیا ہے حال ہے کہ اس سے بہتر تعبیر ہو سکے۔ الفاظ کی قبا معانی کی قامت پر ذرا غور نہ ڈھلی ہے نہ تنگ۔ جن اصول و فروع، اخلاق و اعمال اور قیمتی ہند و نصیحت پر یہ آیات مشتمل ہیں اور جو دلائل و براہین اثبات و دعویٰ کے لیے استعمال کی گئی ہیں۔ وہ سب علم و حکمت کے کانٹے میں تلی ہوئی ہیں۔ قرآنی حقائق و دلائل ایسے مضبوط و متحد ہیں کہ زمانہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے ان کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ عالم کے مزاج کی پوری تشخیص کرے اور قیامت تک پیش آنے والے تغیرات و حوادث کو من کل الوجوه جانچ تول کر ایسی معتدل اور ابدی غذائے روح، مانند قرآنی کے ذریعے سے پیش کی گئی ہے جو تناول کرنے والوں کے لیے ہر وقت اور ہر حالت میں مناسب و ملائم ہو۔ ان تمام حکیمانہ خوبیوں کے باوجود یہ نہیں کہ اجمال و ابہام کی وجہ سے کتاب معمور و چستان بن کر رہ جاتی بلکہ معاش و معاد کی تمام مہمات کو خوب کھول کر سمجھایا ہے اور موقع بہ موقع دلائل توحید، احکام، مواعظ، قصص، ہر چیز بڑی خوبصورتی اور قرینہ سے الگ الگ رکھی ہے۔ اور تمام ضروریات کا کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ نزدیکی حیثیت میں بھی یہ حکمت مرعی رہی ہے کہ پورا قرآن ایک دم نہیں اتارا بلکہ وقتاً فوقتاً موقع و مصلحت کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ آیات کا نزول ہوتا رہا۔ قرآن میں ان تمام پارکیوں کو مجتمع دیکھ کر آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ مگر حیرت کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر حکیم مطلق اور خیر برحق کے کلام میں سب حکمتیں اور خوبیاں جمع نہ ہوں گی تو اور کس کلام میں توقع کی جاسکتی ہے۔

وَ اِنْ اسْتَعْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا اِلَيْهِ يُغْفِرْ لَكُمْ ...

جو پچھلی تنصیرات معاف کرائے اور آئندہ کے لیے خدا کی طرف دل سے رجوع ہو، تو دنیا کی زندگی اچھی طرح گزرے کیونکہ مؤمن قانت خواہ کسی حال میں ہو مگر خدا کے فضل و کرم کی بڑی بڑی امیدیں رکھتا ہے وہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور مستغنی کی عظیم الشان خوشحالی کے تصور میں اس قدر مگن رہتا ہے کہ یہاں کی بڑی بڑی سختیوں کو خاطر میں نہیں لاتا وہ جب خیال کرتا ہے کہ میں اپنی زندگی کے فرائض صحیح طور پر انجام دے رہا ہوں جس کا صلہ مجھ کو ضرور ایک دن عرش والی سرکار سے ملنے والا ہے تو اپنی کامیابی اور حق تعالیٰ کے وعدوں پر اعتماد کر کے اس کا دل جوش مسرت سے اچھلنے لگتا ہے۔ اسے دنیا کی تھوڑی سی پونجی میں وہ سکون قلبی اور راحت باطنی نصیب ہوتی ہے جو بادشاہوں کو پیشتر سامانوں اور اموال و خزانوں سے حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ بعض اوقات یہاں کے چند روزہ تکلیفوں اور سختیوں میں وہ لذت پاتے ہیں جو افضیاء و ملوک اپنے عیش و تنعم میں محسوس نہیں کرتے۔ ایک محب وطن سیاسی قیدی کو اگر فرض کیجئے یقین ہو جائے کہ میری اسیری سے ملک اجنبیوں کی غلامی سے آزاد ہو جائے گا اور مجھے قید سے لگتے ہی ملک کی جمہور یہ کامدرد بتا دیا جائے گا تو کیا اسے جیل خانہ کی بند کوٹھڑی میں سرور و اطمینان کی

کیفیت اس بادشاہ سے زیادہ حاصل نہ ہوگی؟ جس کے لیے ہر جرم کا سامان پیش و طلب فراہم ہیں مگر انہیں پتہ نہ کہ وہ اپنے لیے وہ ایک ہفتہ کے اندر نہایت ذلت کے ساتھ تخت شاہی سے اتار امانے والا ہے۔ اس پر انہما کے ذیل خانہ میں ایک ذمہ دار کی زندگی کو قیاس کر لو۔ جو جس قدر زیادہ بڑھ کر مل کرے گا اسی قدر خدا کے فضل سے زیادہ دوسرے پانے گا۔ آخرت میں اوروں کو اب اور دنیا میں مزید طمانیت حاصل ہوگی۔

آلَا إِنَّهُمْ يَكْتُمُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۗ

سزا دینے کے لیے ضروری ہے کہ مجرم حاضر ہو، حاکم سزا دینے کی پوری قدرت اور کامل اختیار رکھتا ہو۔ مجرمین کی نکل کارروائیاں اس کے علم میں ہوں۔ اَلَا لَيْسَ مَرُوجَعُكُمْ فِي تِلْكَ يَوْمَئِذٍ كَمَا كُنْتُمْ تَفْتَحُونَ۔ وہ تو نکلی گئے تھے، قَدِيرٌ ۝ میں قدرت و اختیار کا عموم بیان فرمایا اور آلَا إِنَّهُمْ يَكْتُمُونَ صُدُورَهُمْ (۱۱:۵) سے پنداشت الصُّدُورِ ۝ تک اس کے علم محیط کی وسعت کو ظاہر کیا کہ خدا ہر کھلی چھپی چیز کو یکساں جانتا ہے حتیٰ کہ دلوں کی تہ میں جو خیالات، ارادے اور نیتیں پوشیدہ ہوتی ہیں ان پر بھی مطلع ہے۔ پھر کوئی مجرم اپنے جرم کو کس طرح اس سے چھپی رکھ کر نجات پا سکتا ہے۔ (تسبیہ) ان آیات کے شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے صحیح ترین روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بتاری میں ہے کہ بعض مسلمانوں پر حیا کا اس قدر حد سے زیادہ غلبہ ہوا کہ استنجا یا جماع وغیرہ ضروریات بشری کے وقت کسی حصہ بدن کو برہنہ کرنے سے شرماتے تھے کہ آسمان والا ہم کو دیکھتا ہے۔ برہنہ ہونا پڑتا تو غلبہ حیا سے جھک جاتے اور شرم گاہ کو چھپانے کے لیے سینہ کو دوہرا کیے لیتے تھے۔ اس طرح کے آثار کبھی کبھی غایت تادب مع اللہ اور غلبہ حیا سے ناشی ہو سکتے ہیں۔ اور ایسے لوگ صوفیہ کی اصطلاح میں مغلوب الحال کہلاتے ہیں چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کسی مسئلہ میں ایسا نہوا اور تعمق آئندہ امت کو ضیق میں مبتلا کر سکتا تھا اس لیے قرآن نے اَلَا جِئْنَا بِسَنَابِلٍ لِّئَلَّا يَعْلَمُوا مَا حُمِلُوا فِيهَا ۚ سے ان کی اصلاح فرمادی یعنی اگر بوقت ضرورت بدن کو کھولنے میں خدا سے حیا آتی ہے اس لیے جھک جاتے ہو تو غور کر دو کہ کپڑے پہننے کی حالت میں تمہارا ظاہر و باطن کیا خدا کے سامنے نہیں ہے؟ جب انسان اس سے کسی وقت نہیں چھپ سکتا پھر ضروریات بشریہ کے متعلق اس قدر غلو سے کام لینا ٹھیک نہیں۔ واضح ہو کہ ربط آیات کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک آیت کا مضمون دوسری کے مضمون سے مناسبت رکھتا ہو، سبب نزول سے مناسبت رکھنا ضروری نہیں۔ (تفسیر طبری)

۱۱

وَمَا مِنْ زَائِدَةٍ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ مِنْ مَادَّتْ عَلَيْهَا إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا يُكَفَّلُ بِهِ فَضْلًا مِثْلَهُ وَيَعْلَمُ
 مُسْتَقَرَّهَا مَسْكَنَهَا فِي الدُّنْيَا أَوِ الصُّلْبِ وَهُسْوَدَعَهَا ۖ بَعْدَ الْمَوْتِ أَوْفَى الرَّحْمِ بِمَا ذَكَرَ كُلِّ فِي
 كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ بَيْنَ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوظُ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ أُولَئِكَ
 الْأَخْدَ وَآخِرُهَا الْجُمُعَةُ وَكَانَ عَرْشُهُ قَبْلَ خَلْقِهَا عَلَى الْمَاءِ وَهُوَ عَلَى مِثْرِ الرِّيحِ لِيَبْلُوكُمْ فَتَعْلَمُ
 بِخَلْقِ أَيِّ خَلْقِيهِمَا وَمَا فِيهِمَا مَنَافِعَ لَكُمْ وَمَضَالِحَ لِيُخْتَبَرَ كُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ أَيُّ أَطْرَعِ لِلَّهِ وَ
 لَيْسَ قُلْتُ بِأَمْحَدَ لَهُمْ إِنَّكُمْ قَبْعُوْتُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولُنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ مَا هَذَا الْفُرْقَانُ
 النَّاطِقُ بِالْبَعْثِ أَرِ الَّذِي تَقُولُ إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ بَيْنَ زَيْنِ قِرَاطَةٍ سَاجِرٍ وَالْمَشَارِقِ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ أَحْرَنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِلَى مَجْنَى ۖ أُمَّةٌ جَمَاعَةٌ أَوْ قَابٍ مَعْدُودَةٍ لَيَقُولُنَّ اسْتَهْزَأَ
 مَا يَحْبِسُهُ ۗ يَمْنَعُهُ مِنَ النَّزُولِ قَالَ تَعَالَى إِلَّا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا مَدْفُوعًا عَنْهُمْ وَحَاقَ نَزْلُ
 بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ مِنَ الْعَذَابِ

۱۲

ترجمہ چیمپا: اور کوئی نہیں چلے والا زمین پر (مازائکہ ہے اور دابہ سے مراد وہ چیز ہے جو زمین پر چلے) نہیں ہے جس کے رزق کا بندوبست اللہ پر نہ ہو (جو اللہ نے محض اپنے فضل سے اپنے ذمہ لیا ہے) اور وہ نہ جانتا ہو کہ زمین میں اس کا ٹھکانہ کہاں ہے (دنیا میں رہنے کی جگہ یا باپ کی پیٹھ میں ٹھہرنا) اور وہ جگہ کہاں ہے جو انجام کار اس وجود کے سپرد کی جائے گی (مرنے کے بعد یا ماں کے رحم کی قرار گاہ) یہ سب (ذکر) واضح کتاب میں درج ہے (لوح محفوظ مراد ہے) اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا (جس کی ابتداء اتوار کو اور آخر جمعہ کا دن ہے) اور اس کے تحت کی فرمانبرداری (آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے) پانی پر تھی (اور پانی ہوا پر تھا) تاکہ تمہیں آزما سکے (اس کا تعلق خلق کے ساتھ ہے یعنی آسمان و زمین اور اس میں رہنے والی مخلوق کو تمہارے منافع اور مصالح کے لئے پیدا فرمایا تاکہ تمہیں آزمائے) کہ تم میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے (اللہ کا زیادہ سے زیادہ فرمانبردار) اور اگر آپ (اے محمد) ان لوگوں سے کہو کہ تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے تو جو لوگ منکر ہیں وہ ضرور بول اٹھیں گے کہ یہ (قرآن جس سے قیامت کا ہونا معلوم ہے یا وہ بات جو تم کہہ رہے ہو) تو صریح جادو کی باتیں ہیں (اور ایک قراءت میں لفظ ساحر ہے جس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں) اور اگر ان پر عذاب نازل کرنا ہم ملتوی کر دیتے تھوڑے دنوں (کے آنے) تک تو یہ کہنے لگتے ہیں (مذاق اڑانے کے طور پر) کہ کون سی چیز عذاب کو روک رہی ہے؟ (عذاب آنے میں کیا رکاوٹ ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں) سوں رکھو جس دن ان پر عذاب آئے گا تو پھر کسی کے ہالے نہیں ملے گا (ہٹے گا) اور جس بات (عذاب) کی یہ ہنسی اڑایا کرتے تھے ہنسی انہیں آ لے گا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

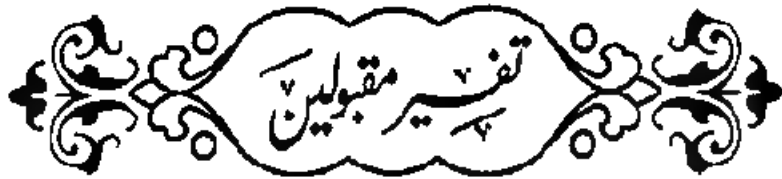
قوله: **تُكْفَلُ بِهِ فَضْلًا مِّنْهُ**: یہ مقدر مان کر بتایا کہ کفالت اس پر لازم نہیں اس نے محض فضل سے اپنے ذمہ کر لی ہے۔

قوله: **مِمَّا ذُكِرَ**: کل کی توین یہ مضاف الیہ کا بدل اور اس کا فائدہ ماسبق سے ربط ہے تاکہ وہ مبتداء بن سکے۔
 قوله: **عَلَى الْمَاءِ**: اس کا معنی یہ ہے کہ آسمان وزمین کی تخلیق سے پہلے اس کے نیچے اور کوئی مخلوق نہ تھی۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ فرش پانی پر تھا۔

قوله: **مُتَعَلِّقٌ بِمَخْلُوقٍ**: یعنی قریب کان عرشہ سے متعلق نہیں کیونکہ اختیار تو ان اشیاء کی تخلیق سے متعلق ہے کیونکہ یہ ان کے وجود و معاش کے اسباب ہیں اور صفات باری تعالیٰ کے دلائل ہیں پس شکر و اطاعت کو لازم کرنے والے ہیں۔
 قوله: **لِيُخْتَبِرَكُمْ**: یعنی تم سے مخبر کا سامعہ کرتے۔

قوله: **أَطْوَعُ لِلَّهِ**: سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا مطیع صیغہ تفضیل افضل محاسن پر تخریض کے لئے لائے۔
 قوله: **جَمَاعَةٍ**: اس سے لوگوں کی جماعت مراد نہیں۔

قوله: **إِسْتِهْزَاءً**: کفار یہ بات بطور استفسار نہ کرتے بلکہ بطور استہزاء و مسخر کرتے تھے۔



وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ....

ربط: پہلی آیت میں حق تعالیٰ کے علم محیط کا ذکر تھا جس سے کائنات کا کوئی ذرہ اور دلوں کے چھپے ہوئے راز بھی مخفی نہیں، آیات مذکورہ میں سے پہلی آیت میں اس مناسبت سے انسان پر ایک عظیم الشان احسان کا ذکر کیا گیا ہے، وہ یہ کہ اس کے رزق کی کفالت حق تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے لی اور نہ صرف انسان کی بلکہ زمین پر چلنے والے ہر جاندار کی، وہ جہاں کہیں رہتا ہے یا چلا جاتا ہے اس کی روزی اس کے پاس پہنچتی ہے۔

زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے

ارشاد فرمایا کہ زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں۔ انسان ہوں یا حیوان چھوٹے ہوں یا سونے جانور ہوں کبڑے مکوڑے ہوں ان سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے، یعنی ان کا رزق اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لگایا ہے یہ اس کا فضل و کرم ہے مہربانی ہے کیونکہ اس پر کسی کا کوئی حق اور رزق واجب نہیں ہے۔ زمین پر چلنے پھرنے والے ہیں ان سب کے جو ٹھکانے ہیں اسے سب کا علم ہے اور اسے سب کے رہنے کی جگہوں کا پتہ ہے ایسا نہیں کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کو بھول گیا ہو وہ اپنے علم کے موافق

اپنی ساری مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔ پہاڑوں کے اندر رہنے والے کیڑے اور زمین کے سوراخوں میں آباد ہونے والی ہڈیاں اور دوسری مخلوق اور سمندروں کی تہوں میں رہنے والے جانور سب اس کے عم میں ہیں وہ سب کو رزق پہنچاتا ہے۔

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كِي تَفْسِير:

مستقر و مستودع کی تفسیر کئی طرح سے کی گئی ہے۔ ہم نے جو ترجمہ میں ان دونوں کا معنی اختیار کیا ہے وہ شانِ رازقیت کی توضیح سے قریب تر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمین پر رہنے والوں کے ٹھکانے دو طرح کے ہیں کچھ تو وہ ہیں جن میں ان کا مستقل قیام ہے اور کچھ عارضی ٹھکانے ہیں جہاں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں ٹھکانوں پر رزق پہنچاتا ہے۔ بعض چیزیں ایک براعظم میں پیدا ہو رہی ہیں اور دوسرے براعظم کے لوگ کھا رہے ہیں یہ سب کے سامنے ہے اور یہ روزانہ کا مشاہدہ ہے صاحب روح المعانی نے بحوالہ مشدرک حاکم حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ مستقر سے ماں کا رحم اور مستودع سے موت آنے کے مواقع مراد ہیں اور مطلب اس کا یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر رزق پانے والے کی ابتدائی حالت کا علم ہے کہ اسے کس وقت سے رزق کی حاجت ہوتی ہے اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کی حاجت کب ختم ہوگی یعنی موت کے وقت رزق کی حاجت ختم ہو جائے گی اور موت کب ہوگی کہاں ہوگی اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ رزق پانے والے کی زندگی جس جگہ ختم ہوگی اس جگہ کا اس کو علم ہے وہ اس کے وہاں پہنچنے تک اس کو رزق دیتا رہے گا۔

رزق مقدر پورا کئے بغیر کسی کو موت نہ آئے گی:

اللہ تعالیٰ نے جس کے لیے جتنا رزق مقدر فرما دیا ہے اس کو پورا کئے بغیر وہ دنیا سے نہیں جاسکتا جتنا رزق مقدر ہے وہ مل کر عیاں ہے گا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ بیشک میرے دل میں جبرائیل امین نے یہ بات ڈال دی ہے کہ اس وقت تک کسی شخص کو موت نہ آئے گی جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کر لے سو تم لوگ اللہ سے ڈرو اور رزق طلب کرنے میں خوبی کا خیال رکھو اور رزق ملنے میں دیر ہو جائے تو اللہ کی نافرمانیوں کے ذریعہ طلب نہ کرو کیونکہ اللہ کا فضل اس کی نافرمانی کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ (رواہ الحاکم کمالی الترمذی ص ۵۳۰ ج ۲)

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ رزق بندہ کو اسی طرح طلب کر لیتا ہے جس طرح سے موت طلب کر لیتی ہے۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ ابی اسحاق الترمذی ص ۵۳۰ ج ۲)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص اپنے رزق سے بھانگے تو وہ اسے پکڑ لے گا جیسا کہ اسے موت پکڑ لے گی۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط والاصغیر ہا سنن ابی اسحاق الترمذی ص ۵۳۶ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم (ﷺ) نے ایک کھجور بڑی ہوئی دیکھی آپ نے اسے لے لیا وہیں پر ایک سائل موجود تھا وہ کھجور آپ نے اسے عطا فرمادی اور فرمایا کہ خیر دارا اگر تو اس کے پاس نہ آتا تو یہ تیرے پاس آ جاتی۔

(رواہ الطبرانی باسنن ابی اسحاق الترمذی ص ۵۳۶ ج ۲)

دوسری آیت میں حق تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت قاہرہ کا ایک اور مظہر ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا اور ان چیزوں کے پیدا کرنے سے پہلے عرشِ رحمن پانی پر تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے پانی پیدا کیا گیا ہے اور آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کرنے کی تفصیل سورۃ حم سجدہ کی آیت (۱۰، ۱۱) میں اس طرح آئی ہے کہ دو دن میں زمین بنائی گئی دو دن میں زمین کے پہاڑ، دریا، درخت اور جانداروں کی غذا و بقاء کا سامان بنایا گیا، دو دن میں سات آسمان بنائے گئے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ آسمان سے مراد وہ تمام علویات ہیں جو اوپر کی سمت میں ہیں اور زمین سے مراد تمام سطویات ہیں جو نیچے کی جہت میں ہیں، اور دن سے مراد وہ مقدارِ وقت ہے جو آسمان و زمین کی پیدائش کے بعد آفتاب کے طلوع سے غروب تک ہوتا ہے اگرچہ آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت نہ آفتاب تھا نہ اس کا طلوع و غروب۔

حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ میں یہ بھی تھا کہ ان تمام چیزوں کو ایک آن میں پیدا فرمادیں مگر اس نے اپنی حکمت سے اس عالم کے نظام کو تدریجی بنایا ہے جو انسان کے مزاج کے مناسب ہے۔

آخر آیت میں آسمان و زمین کے پیدا کرنے کا مقصد یہ بتلایا ہے: **لِيَبْلُغُوا كُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا**، یعنی یہ سب چیزیں اس لیے پیدا کی گئیں کہ ہم تمہارا امتحان لیں کہ کون تم میں سے اچھا عمل کرنے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین کا پیدا کرنا خود کوئی مقصد نہ تھا بلکہ ان کو عمل کرنے والے انسانوں کے لیے بنایا گیا ہے تاکہ وہ ان چیزوں سے اپنے معاش کا فائدہ بھی حاصل کریں اور ان میں غور کر کے اپنے مالک اور رب کو بھی پہچانیں۔

حاصل یہ ہوا کہ آسمان و زمین کی پیدائش سے اصل مقصود انسان ہے بلکہ انسان میں بھی اہل ایمان ہیں اور ان میں بھی وہ انسان جو سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ سارے بنی آدم میں سب سے اچھا عمل کرنے والے ہمارے رسول اللہ (ﷺ) ہیں، اس لیے یہ کہنا صحیح ہوا کہ تمام کائنات کے پیدا کرنے کا اصل مقصد رسول کریم (ﷺ) کا وجود باوجود ہے۔ (مظہری)

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حق تعالیٰ نے اس جگہ **أَحْسَنُ عَمَلًا** فرمایا ہے، یعنی کون اچھا عمل کرنے والا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرنے والا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالح نماز، روزہ، تلاوت و ذکر کی عملی کثرت اور بہت بڑی مقدار سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نظر حسن عمل پر ہے، اسی حسن عمل کو ایک حدیث میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہو اور کوئی دنیوی غرض اس میں نہ ہو اور اس عمل کی صورت بھی وہ اختیار کی جائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے، جس کو رسول کریم (ﷺ) نے اپنے عمل سے بتلایا اور امت کے لیے اتباع سنت کو لازم قرار دیا، خلاصہ یہ ہے کہ تھوڑا عمل جو پورے اخلاص کے ساتھ سنت کے مطابق ہو وہ اس زیادہ عمل سے بہتر ہے جس میں یہ چیزیں نہ ہوں یا کم ہوں۔

اللَّهُ كَفُورٌ ۝ شَدِيدُ الْعُقُوبِ ۝ وَلَئِنِ أَذَقْتَهُ نِعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَاءٍ فَعَرِ وَشِدَّةٍ مَسَّتْهُ لِيَشْكُرَ ۝ لِيَشْكُرَ ذَهَبَ
 السَّيِّئَاتِ الْمَصَائِبِ عَنِّي ۝ وَلَمْ يَتَوَقَّعْ زَوَالَهَا وَلَا يَشْكُرَ عَلَيْهَا إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَرَحٌ بِطَرَفِ فَخُورٍ ۝ غَسِي
 النَّاسِ بِمَا أُوْتِيَ إِلَّا لِكِنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا عَلَى الضَّرَاءِ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۝ فِي النَّعْمَا أَوْلَيْكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ
 وَ أَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ هُوَ الْجَنَّةُ فَلَعَلَّكَ يَا مُحَمَّدُ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَى إِلَيْكَ فَلَا تُبَغِّعُهُمْ إِنَاءَهُ لِنَبَاؤِ نَبِيِّهِ
 وَ صَابِقٌ بِهِ صَدْرُكَ بِتِلَاذِنِهِ عَلَيْهِمْ لِأَجْلِ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا هَلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ
 يُصَدِّقُهُ كَمَا اتَّرَحْنَا إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ ۝ فَلَا عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ لَا الْإِتْيَانُ بِمَا اقْتَرَحُوهُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ
 شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ حَفِيفٌ نَبِيحَازِيهِمْ أَمْ بَلْ يَقُولُونَ أَفْتَرَاهُ ۝ الْقُرْآنِ قُلْ قَاتُوا بِعَشْرِ سُورٍ مِثْلِهِ فِي
 الْمُضَاحَةِ وَ الْبَلَاغَةِ مُفْتَرِيَتٍ فَا نَكْمُ عَرَبِيُونَ فَصَحَاءُ بِتِلْهِ تَحْدَاثُهَا بِهَا أَوْلَا نَمْ بِسُورَةٍ وَ أَدْعُوا
 لِلْمَعَاوَنَةِ عَلَى ذَلِكَ مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مَنِ دُونَ اللَّهِ أَى غَيْرِهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ فِي تَهِ اقْتَرَحُوا
 قَالُوا يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ أَى مَنْ دَعَوْتُهُمْ لِلْمَعَاوَنَةِ فَاعْلَمُوا خِطَابَ لِلْمُشْرِكِينَ إِنَّمَا أُنْزِلَ مُنَابِسًا
 بِعِلْمِ اللَّهِ وَ لَيْسَ الْفِرَاءُ عَلَيْهِ وَ أَنْ مُخَفِّفَةٌ أَى أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۝ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ بَعْدَ هَذِهِ
 الْحُجَّةِ الْقَاطِعَةِ أَى أَسْلِمُوا مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَ زِيَدَتْهَا بِأَنْ أَصَرَ عَلَى الشِّرْكِ وَ قِيلَ هِيَ
 الْمُرَاتِبِينَ نَوْفٍ إِلَيْهِمْ أَعْمَالُهُمْ أَى جَزَاءُ مَا عَمِلُوهُ مِنْ خَيْرٍ كَصَدَقَةٍ وَ صِلَةٍ رَحْمٍ فِيهَا بِأَنْ تُرْسِعَ
 عَلَيْهِمْ رِزْقُهُمْ وَ هُمْ فِيهَا أَى الدُّنْيَا لَا يَبْخُسُونَ ۝ يُنْقَضُونَ شَيْئًا أَوْلَيْكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي
 الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۝ وَ حَيْطُ بَطَلٌ مَا صَنَعُوا فِيهَا أَى الْآخِرَةِ فَلَا ثَوَابَ لَهُمْ وَ لِبَطَلٌ مَا كَانُوا
 يَعْمَلُونَ ۝ أَلَمْ يَكُنْ عَلَى بَيِّنَةٍ بَيَانٍ مَنِ رَبِّهِ وَ هُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أَوِ الْمُؤْمِنُونَ وَ هِيَ
 الْقُرْآنُ وَ يَتْلُوهُ يُبْنِئُهُ شَاهِدٌ بِصِدْقِهِ مِنْهُ أَى مِنَ اللَّهِ وَ هُوَ جَزِيئِلٌ وَ مِنْ قَبْلِهِ أَى الْقُرْآنُ كِتَابُ
 مُوسَى التَّوْرَةُ شَاهِدٌ لَهُ أَيْضًا إِمَامًا وَ رَحْمَةً ۝ خَالَ كَمَنْ لَيْسَ كَذَلِكَ أَوْلَيْكَ أَى مَنْ كَانَ عَلَى بَيِّنَةٍ
 يُؤْمِنُونَ بِهِ ۝ أَى بِالْقُرْآنِ فَلَهُمُ الْجَنَّةُ وَ مَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنْ الْأَحْزَابِ جَمِيعِ الْكُفَّارِ قَالَتَارُ

مَوْعِدُهُ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ شَكٍّ مِنْهُ ۚ مِنَ الْقُرْآنِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ أَيْ أَهْلَ
 نَكْتَةٍ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَمَنْ أَيْ لَا أَخَذَ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا بِسَبِّهِ الشَّرِيفِ وَالْوَالِدِ إِلَيْهِ
 أُولَئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَى رَبِّهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي حُمَلَةِ الْخَلْقِ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ جَمْعُ شَاهِدٍ وَهُمْ الْمَلَائِكَةُ
 بِشَهَادَتِهِمْ لِلرُّسُلِ بِالْبَلَاغِ وَعَلَى الْكُفَّارِ بِالْكَذِبِ هُوَ لِأَنَّ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى رَبِّهِمْ ۚ إِلَّا لَعْنَةُ اللَّهِ
 عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ يُصَدِّقُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ دِينَ الْإِسْلَامِ وَيَبْغُونَهَا يَطْلُبُونَ
 السَّبِيلَ عِوَجًا مُعْوَجَّةً وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ تَأْسِفُونَ كَفَرُونَ ۝ أُولَئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ لِلَّهِ فِي
 الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى غَيْرِهِ مِنْ أَوْلِيَاءٍ أَنْصَارٍ يَمْنَعُونَهُمْ عَذَابَهُ يُضَعَّفُ لَهُمْ
 الْعَذَابُ بِإِضْلَالِهِمْ غَيْرُهُمْ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ لِلْحَقِّ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ۝ أَى لِفَرْطِ
 كَرَاهَتِهِمْ لَهُ كَانَتْهُمْ لَمْ يَسْتَطِيعُوا ذَلِكَ أُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ لِمَصِيرِهِمْ إِلَى النَّارِ الْمُؤْتَبَدَةِ
 عَلَيْهِمْ وَضَلَّ غَابَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَقْتَرُونَ ۝ عَلَى اللَّهِ مِنْ دَعْوَى الشِّرْكِ لَا جَرَمَ لَهُمْ فِي
 الْآخِرَةِ هُمُ الْآخِسُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآخَبْتُوا سَكَتُوا وَأَطْمَأَنَّنُوا وَأَنَابُوا إِلَى
 رَبِّهِمْ ۚ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ مَثَلُ صِفَةِ الْفَرِيقَيْنِ الْكُفَّارِ وَالْمُؤْمِنِينَ
 كَالْأَعْمَى وَالْأَصْمَى هَذَا مَثَلُ الْكَافِرِ وَالْبَصِيرِ وَالسَّبِيحِ ۚ هَذَا مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا أَفَلَا
 تَذَكَّرُونَ ۝ فِيهِ إِذْ غَامَ النَّارُ فِي الْأَضْلَى فِي الدَّالِ تَبْعُطُونَ

وقيل

ع

ترجمہ: اور اگر ہم چکھادیں آدی (کافر) کو اپنی طرف سے رحمت (مالداری اور تندرستی) پھر اس سے (وہ جین لیس) تو وہ ناامید ہوتا ہے (مایوس اللہ کی رحمت سے) ناشکرا (انتہائی منکر نعمت) ہوتا ہے اور اگر اسے کسی تکلیف (مٹلگتی سختی) کے بعد جو اس پر واقع ہوئی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھادیں تو پھر کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد (مصائب) دور ہو گئے (حالانکہ اس کے درد ہونے کی اس کو توقع نہیں تھی نہ اس پر اس نے شکر ادا کیا) وہ اترانے والا (ایسی خوشی جس میں اتر اہٹ ہو) ٹھنی خور ہوتا ہے (لوگوں کے سامنے اپنی خوشحالی پر) مگر ہاں جو لوگ مستقل مزاج (مصائب پر صبر کرنے والے) ہیں اور نیک کام کرتے ہیں (اچھی حالت میں بھی) ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے بخشش و بڑا اجر (جنت) ہے پھر کیا (اے محمدؐ) آپ ان احکام میں سے جو آپ کے پاس بذریعہ وحی بھیجے جاتے ہیں بعض کو چھوڑ دینا چاہتے ہیں (سستی کی بنا پر ان کی تبلیغ نہیں کرنا چاہتے) اور

آپ کا دل اس بات سے تنگ ہوتا ہے (ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کرنے کی وجہ سے کیونکہ) وہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی
 ہترانہ کیوں نہیں اترا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا (جو ان کی تصدیق کرتا جیسا کہ ہماری فرمائش بھی تھی) آپ تو
 صرف ڈرانے والے ہیں (تلخ کے علاوہ آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ان کی فرمائش پوری کرنا آپ کے ذمہ نہیں) اور ہر چیز پر
 اللہ نگہبان ہے (انگراں کا رہے لہذا وہی تمہیں بدلہ دے گا) پھر کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے یہ (قرآن) اپنی طرف
 سے گھڑ لیا ہے آپ جواب دیجئے تم بھی دس سورتیں، (نصاحت اور بلاغت میں) اس جیسی گھڑی ہوئی لے آؤ (کیونکہ میری
 طرح تم بھی توفیق عرب ہو پہلے پورے قرآن کا چیلنج دیا گیا پھر صرف ایک سورت پر اکتفا کر لیا گیا) اور (اپنی مدد کے لئے)
 اللہ کے سوا جس کسی کو پکار سکتے ہو پکار لو اگر تم سچ ہو (اس کہنے میں کہ یہ قرآن گھڑا ہوا ہے) پھر (جنہیں تم اپنی مدد کے لئے
 پکارو) اگر تمہاری پکار کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو (مشرکین سے خطاب ہے) کہ قرآن اللہ ہی کے علم سے (آراستہ ہو کر) نازل
 ہوا ہے (خود ساختہ نہیں ہے) اور یہ بات بھی سچ ہے کہ (ان مخلفہ ہے اصل میں انہی تھا) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اب جلاؤ کہ
 پھر اب بھی مسلمان ہوتے ہو؟ (اس قطعی دلیل کے بعد یعنی مسلمان ہو جاؤ) جو کوئی محض دنیا کی زندگی اور اس کی لظرفیوں سے
 چاہتا ہے (شرک پر جہار ہوتا ہے اور بعض نے ریا کار مراد لئے ہیں) تو اس کی کوشش و عمل کے نتائج ہم پورے پورے دیتے
 ہیں (یعنی اچھے کاموں کا صلہ دیتے ہیں مثلاً انہوں نے اگر صدقہ کیا ہو یا صلہ رحمی کی ہو) دنیا ہی میں (اس طرح کہ ان کی
 روزی میں فراموشی دیتے ہیں) اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کی نہیں رہتی (کہ کچھ گھٹا کر دیا جائے) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے
 آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہ ہوگا اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ سب اکارت ہو جائے گا (بیکار ثابت ہوگا یعنی آخرت میں
 انہیں کچھ ثواب نہیں ملے گا) اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں سب نیست و نابود ہونے والا ہے پھر دیکھو جو لوگ اپنے پروردگار کی
 جانب سے ایک روشن دلیل رکھتے ہوں (نبی کریم ﷺ یا مسلمان، اور دلیل سے مراد قرآن ہے) اور ایک گواہ (جو اس کی
 تصدیق کرے) اللہ کی طرف سے اس کے ساتھ (پیچھے) ہو (یعنی جبرئیل) اور ایک اس (قرآن) سے پہلے موتی کی کتاب
 (تورات بھی شاید ہو) پیشوائی کرتی ہو اور سراپا رحمت آجلی ہو (کیا اس شخص کی حالت اس کے برابر ہو سکتی ہے جو ایسا نہ ہو
 ہرگز نہیں) یہی لوگ (یعنی جن کے پاس دلیل موجود ہے) ہیں جو قرآن پر ایمان رکھتے ہیں (اس لئے ان کے لئے جنت بھی
 ہے) اور (کفار کے) مخلف گروہوں میں سے جو قرآن کا انکار کرے گا تو یقین کر دو کہ آگ ہی اس کا ٹھکانہ ہے جس کا اس
 سے وعدہ کیا گیا ہے پس آپ اس (قرآن) کے بارے میں کسی شک (شہ) میں نہ پڑنا بلکہ بلاشبہ وہ تمہارے پروردگار کی
 جانب سے سچی کتاب ہے البتہ بہت سے (کہہ والے) لوگ ایمان نہیں لاتے اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے (یعنی
 کوئی نہیں) جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے (شریک اور اولاد کی نسبت اس کی طرف کر کے) جو یہاں کر رہے ہیں وہ اپنے
 پروردگار کے حضور پیش کئے جائیں گے (قیامت کے دن سب مخلوق کے ساتھ) اور گواہی دینے والے فرشتے گواہی دیں گے
 (اشھاد، شاہد کی جمع ہے وہ فرشتے جو انبیاء کے حق میں ان کی تبلیغ کی اور کفار کے خلاف ان کی تکذیب کی گواہی دیں گے) کہ
 یہ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی نسبت جھوٹی باتیں لگائی تھیں سب سن لو کہ ان ظالموں (مشرکوں) پر خدا کی پھینکار جو
 دوسروں کو بھی اللہ کی راہ (دین اسلام) سے روکتے تھے اور اس میں کجی نکالنے کی تلاش میں رہا کرتے تھے (غلام راستے

کلمہ "کَلِمَاتٍ تَنْفِيسِيَّةٌ" کے ساتھ "تَنْفِيسِيَّةٌ" کے معنی میں ہے۔
 یہاں سے بھی "تَنْفِيسِيَّةٌ" کے معنی میں ہے۔
 "تَنْفِيسِيَّةٌ" کے معنی میں ہے۔
 "تَنْفِيسِيَّةٌ" کے معنی میں ہے۔
 "تَنْفِيسِيَّةٌ" کے معنی میں ہے۔
 "تَنْفِيسِيَّةٌ" کے معنی میں ہے۔
 "تَنْفِيسِيَّةٌ" کے معنی میں ہے۔
 "تَنْفِيسِيَّةٌ" کے معنی میں ہے۔
 "تَنْفِيسِيَّةٌ" کے معنی میں ہے۔
 "تَنْفِيسِيَّةٌ" کے معنی میں ہے۔
 "تَنْفِيسِيَّةٌ" کے معنی میں ہے۔

کلماتِ تنفیسیہ کی توشیحِ آشتی

- قوله: الْكَافِرُ : الانسان من الف لام مهملة كانه "ار كا فرم" ہے۔
- قوله: فَنُطَوِّطُ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ : کیونکہ اس ذواللہ تعالیٰ کی ذات نہ احمہ انہیں۔
- قوله: تَقْدِیْدُ الْكُفْرِیَّة : یہ فعل کے وزن پہ تصور۔ وہاں کے معنی میں ہے۔
- قوله: كَلِمٌ : اس سے اشارہ کیا کہ یہ استثناء مقلع ہے۔ پس اَلْاَنْبِیِّیْنَ صَبَّوْا اس میں ماضی نہیں۔
- قوله: لِاَجْلِ اَنْ : ان مصدر یہ ہے مفسر وہیں اور امام اہلبیہ "قدما ما آکا کہ تہی سے پہلے ہو جانے۔
- قوله: كَمَا اَقْتَرَحْنَا : اس کا معنی فرمائش کرنا۔
- قوله: بَلْ : پیام کے معنی میں مقلع ہے۔
- قوله: فِي الْفَصَاحَةِ : لیس الفاظ میں نہیں بلکہ فصاحت و بلاغت میں دو معنی ہے۔
- قوله: مَنْ دَعَوْهُمْ : اس میں خبر دار کیا کہ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ کی ضمیر اصنام اور حکم کی مشرکین کی طرف لڑتی ہے۔
- قوله: مُتَلَبِّسًا : اس میں بالاساق سمیت کے لئے نہیں۔
- قوله: اَسْلِمُوا : یہ استلہام تقریری اور ایجابی ہے۔
- قوله: شَاهِدٌ لَهٗ اَنْضًا : اس میں اشارہ ہے کہ من قبلہ کتاب موٹی الیہ نملہ ابتدائی ہے۔ شاہد پہ معطوف نہیں۔

تورات قرآن کے موافق ہونے کی وجہ سے اس پر شاہد ہے۔

قولہ: دین الاسلام: سبیل کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف مجازی ہے۔ سبیل کا لفظ مذکورہ وقت استعمال ہوا ہے۔
 قولہ: حَقًّا: لاجرم۔ مرکب کلمہ کا یہ معنی ہے (۲) اس کا معنی لامحالہ یعنی بہر حال بھی ہے۔ (۳) لایہ ما قبل بات کی نئی بات ہے اور جرم کسب کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہے ان کی بات کا نتیجہ آخرت کا خسارہ ہے۔
 قولہ: اطمئنوا بہا: خطہ ہمارا زمین وہ پرسکون ہو گئے۔

تفسیر مقبولین

وَلٰكِن اٰخٰزْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ....

(روبط) گزشتہ آیت میں تکوین عالم اور اس کی غرض و غایت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو تمہاری آزمائش کے لیے پیدا کیا کہ کون اچھا عمل کرتا ہے اب اس آیت میں بعث بعد الموت اور عمل کی جزا و سزا کو بیان کرتے ہیں کیونکہ مفسرین کے اہتمام و امتحان کے لیے جزا اور سزا ضروری ہے اور جزا اور سزا کے لیے حشر و نشر ضروری ہے لہذا اگر کسی حکمت کی وجہ سے عذاب میں تاخیر ہو جائے تو انسان کو یہ گمان نہ کرنا چاہئے کہ عذاب کا وعدہ غلط ہے۔ عذاب ضرور آئے گا مگر اپنے وقت پر آئے گا اور جب عذاب آئے گا تو اس سے کچھ بچ نہیں سکے گا اور ان کے مسخرہ پن کی سزا ان کو مل جائے گی اور اے نبی ﷺ! اگر آپ ان منکرین حساب و کتاب سے یہ کہیں کہ تم مرنے کے بعد یہ قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے تو جو کافر ہیں اور حشر و نشر کے منکر ہیں تو ضرور بالضرور جواب میں یہ کہیں گے کہ نہیں ہے یہ حشر و نشر کی بات مگر کھلا جادو۔ یعنی دوبارہ زندگی کی بات مثل جادو کے دھوکہ اور فریب سے جس کی حقیقت کچھ نہیں مطلب یہ ہے کہ اس قرآن میں جادو کی باتیں ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ مرنے کے بعد زندہ ہو گئے اور اگر ہم ان منکروں سے اس عذاب اور مؤاخذہ میں کچھ دیر لگا دیں جس کا ہم نے اس سے وعدہ کیا ہے اور ایک وقت مقررہ تک اس عذاب موعود کو کسی حکمت اور مصلحت کی بنا پر ملتوی رکھیں تو یہ لوگ ازراہ تمسخر یہ کہیں گے کہ کس چیز نے اس عذاب موعود کو نازل اور واقع ہونے سے روک رکھا ہے جس عذاب کے ہم آپ کے نزدیک مستحق ہیں یعنی محمد ﷺ جس عذاب کی ہم کو دھمکیاں دیتے ہیں وہ سب جھوٹی ہیں اگر سچا ہے تو عذاب ہم پر نازل کیوں نہیں ہو جاتا۔ حق تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں آگاہ ہو جاؤ اور کان کھول کر سن لو۔ جس دن وہ عذاب موعود ان پر آ جائے گا تو پھر وہ کسی طرح ان سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ وہ لامحالہ ان پر واقع ہو کے رہے گا اور وہی عذاب ان کو آ کر گھیرے گا جس کا یہ ٹھنڈا اڑاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں کسی حکمت سے اس میں تاخیر ہو رہی ہے۔ جب عذاب اپنے وقت معین پر نازل ہوگا تو ساری کسر نکل جائے گی اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت سے اس عذاب کے نزول کا وقت نہیں بتلایا۔

مقبلیہ شرح جلالینہ، کراچی، پاکستان، جلد ۱، شمارہ ۱، ۲۰۰۹ء، ص ۱۰۰، الجناح، - ہود ۱۱

وَلَمَّا آذَقْنَا الْإِنْسَانَ

انسان کا نفسیاتی تجزیہ:

سوائے کامل ایمان والوں کے عموماً لوگوں میں جو برائیاں ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے کہ راحت کے بعد کی سختی پر مایوس اور محض ناامید ہو جاتے ہیں اللہ سے بدگمانی کر کے آئندہ کے لیے بھلائی کو بھول بیٹھتے ہیں گویا کہ نہ کبھی اس سے پہلے کوئی آرام اٹھایا تھا نہ اس کے بعد کسی راحت کی توقع ہے۔ یہی حال اس کے برخلاف بھی ہے اگر سختی کے بعد آسانی ہو گئی تو کہنے لگتے ہیں کہ بس اب برا وقت ٹل گیا۔ اپنی راحت اپنی تن آسانیوں پر مست وہ بے فکر ہو جاتے ہیں۔ دوسروں کا استہزاء کرنے لگتے ہیں۔ اکثر فوں میں پڑ جاتے ہیں اور آئندہ کی سختی کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں۔ ہاں ایماندار اس بری فہمیت سے محفوظ رہتے ہیں، وہ دکھ درد میں صبر و استقامت سے کام لیتے ہیں راحت و آرام میں اللہ کی فرمان برداری کرتے ہیں۔ یہ صبر پر مغفرت اور نیکی پر ثواب پاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میری جان ہے کہ مؤمن کو کوئی سختی کوئی مصیبت کوئی دکھ، کوئی غم ایسا نہیں پہنچتا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف نہ فرماتا ہو، یہاں تک کہ کاٹنا لگنے پر بھی۔ بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے مؤمن کے لیے اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ سراسر بہتر ہے۔ یہ راحت پا کر شکر کرتا ہے اور بھلائی سمیٹتا ہے۔ تکلیف اٹھا کر صبر کرتا ہے، نیکی پاتا ہے اور ایسا حال مؤمن کے سوا اور کسی کا نہیں ہوتا۔ اسی کا بیان سورۃ العصر میں ہے۔ یعنی عمر کے وقت کی قسم تمام انسان نقصان میں ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائیں اور ساتھ ہی نیکیاں بھی کریں اور ایک دوسرے کو دین حق کی اور صبر کی ہدایت کرتے رہیں یہی بیان (إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ خَلُوعًا) (المدرج: ۷۰) میں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَلَمَّا آذَقْنَا بَعْضَ مَا يُوَسْوِي إِلَيْكَ ...

شرکین مکہ شرک و بت پرستی کی تردید سے بہت غیظ کھاتے تھے مشرکانہ خرافات پر جس قدر ان کی تحقیق و تجسس کی جاتی اسی قدر ان کے غصہ کی آگ بھڑکتی تھی۔ کبھی کوشش کرتے تھے کہ آپ کو اس معاملہ میں ذرا اذیلا کر دیں اور اس سب سے بڑے اور بنیادی مسئلہ کی تبلیغ میں نرمی اور تساہل برتنے پر آمادہ کریں جب ادھر سے ایسے ہوتے تو محض دق کرنے کو عجیب بیہودہ فرمائشیں کرنے لگتے مثلاً یہ کہتے کہ آپ سچے ہیں اور منصب رسالت پر مامور ہو کر آئے ہیں تو آپ کے ساتھ خدا کے یہاں سے مال و دولت کا بڑا خزانہ آنا چاہیے تھا۔ یا آسمان سے ایک فرشتہ آتا جو آپ کے ہمراہ تصدیق کے لیے ہر طرف جایا کرتا۔ (لَوْلَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهِ كِتَابًا وَجَاءَ مَعَهُ مَلَكَ) (۱۲: ۱۱۱) گویا جب آپ کے پاس اپنی بات منزانی کے لیے نہ مادی طاقت ساتھ ہے نہ روحانی، پھر ہم کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں۔ آپ ان بیہودہ شبہات اور فرمائشوں سے سخت منغموم اور دلگیر ہوتے تھے۔ ممکن ہے کبھی ایسا خیال بھی دل میں گزرتا ہو کہ ان کے معبودوں کے معاملہ میں اگر خدا کی جانب سے اس قدر سختی اختیار کرنے کا حکم نہ رہے، تردید کی جائے مگر فی الحال قدرے نرمی اور رواداری کے ساتھ تو شاید زیادہ موثر اور مفید ہو، یا جو فرمائشیں یہ لوگ کرتے ہیں ان کی یہ ضد بھی کسی حد تک پوری کر دی جائے تو کیا عجب ہے مسلمان ہو جائیں بہر حال وہ ایسا نازک اور پرخطر وقت تھا کہ تمام دنیا باطل پرستی کے شور سے گونج رہی تھی صرف ایک مقدس ہستی تھی جس کے حلقوم سے حق کی آواز نکل کر باطل کے قلعوں میں زلزلہ ڈالتی تھی۔ آپ چاروں طرف سے موذی دشمنوں کے زور میں گھر رہے تھے۔ کوئی جھلانا کوئی طعن کرنا کوئی مذاق اڑانا

تھا۔ اس ماحول کا تصور کرو اور اس میں اس عظیم کی قوت قلب اور ہمت مروانہ کا اندازہ لگاؤ، جس کا تمام تر اعتماد و انکال ظاہری اسباب سے ہٹ کر خداوند قدوس کے وعدوں پر تھا۔ آپ جب معزوں و دلگیر ہوتے تو صرف اپنے پروردگار کی آواز سے ہی تسلی پاتے اور دنیا کے مقابلہ میں تازہ دم ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے اس سلسلہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی بیہودہ خرافات اور فرمائشوں کی وجہ سے اس قدر فکر مند اور غمگین نہ ہوں نہ اپنے دل میں ان لوگوں کی مراعات کا خیال مائیں کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ وحی الہی نے جو چیزیں آپ کو سکھائی ہیں اور جس بے خوف و خطر تبلیغ کا حکم دیا ہے اس کے بعض حصہ کو ان لوگوں کی خرافات سے تنگ دل ہو کر چھوڑ بیٹھیں جب یہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ پیغمبرانہ عصمت اور اولوالعزری مانع ہے تو تنگدل ہونے سے کیا فائدہ۔ آپ کا کام صرف بھلے برے سے آگاہ کر دینا ہے ان کی ہدایت کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔ خدا تعالیٰ جس کے سپرد ہر چیز ہے، ان کا معاملہ بھی اسی کے سپرد کیجئے اور صبر و استقامت کے ساتھ فرائض تبلیغ کی انجام دہی میں ثابت قدم رہیے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ.....

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ: کیا کفار کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے قرآن خود اپنی طرف سے بنالیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے: (اگر یہ بات ہے) تو پھر تم بھی اس جیسی دس سورتیں بنا کر پیش کرو۔

ایک شبہ: سورہ یونس میں آیا ہے: فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهَا ایک سورت اس جیسی پیش کرو۔ مگر غیر مسلم ایک سورت بھی قرآن جیسی پیش نہیں کر سکتے اب یہاں دس سورتیں پیش کرنے کی دعوت دی گئی اس کے کیا معنی؟ جو شخص سائل کو ایک روپیہ دینے سے قاصر رہا ہوا اس سے کیا دس روپے طلب کئے جاسکتے ہیں؟ کیا اس قسم کا کلام نامناسب بلکہ مہمل نہیں سمجھا جائے گا؟ ازالہ: سورہ ہود کی یہ آیت جس میں دس سورتیں پیش کرنے کی دعوت دی گئی ہے پہلے نازل ہوئی پھر جب دس سورتیں نہیں پیش کی جاسکیں تو سورہ یونس میں صرف ایک ہی سورت پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ سورہ یونس کا نزول اس سورت کے بعد ہوا۔

مبرد نے اس جواب کو خلاف واقعہ قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ سورہ یونس ہی پہلے نازل ہوئی۔ پھر شبہ کا جواب کیا ہو گا؟ مبرد نے کہا: دونوں سورتوں میں مشیت کا مضمون جدا جدا ہے۔ سورہ یونس میں قرآن جیسی ایک سورت پیش کرنے کی دعوت دی یعنی فیہی اطلاعات احکام وعدہ ثواب اور وعید عذاب میں گزشتہ آسمانی کتابوں کے طرز پر کوئی ایک سورت بنا لاؤ۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکتے تو اب اس سورت میں دس سورتیں بنا کر پیش کرنے کی دعوت دی جو صرف بلاغت اور حسن طرز میں قرآن جیسی ہوں میں کہتا ہوں: جب وہ لوگ ایسا بھی نہ کر سکتے تو پھر سورہ البقرہ میں فرمایا: فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ (یعنی ندرت اسلوب اور بلاغت کلام میں دس سورتیں قرآن جیسی پیش نہیں کر سکتے تو) صرف ایک ہی سورت صرف عبارت کی ساخت کے لحاظ سے اس کی طرح بنا لاؤ۔

مفسریت (دس سورتیں) خود ساختہ۔ اپنی طرف سے بنائی ہوئی:

آخر تم لوگ بھی میری طرح خالص عرب اور قادر الکلام ہو بلکہ بڑے مشاق ہو یا ہم سیکھتے سکھاتے اور کہتے جاتے ہو۔ اور اللہ کو چھوڑ کر (اور جن کو چاہو) اور جن کو بلا سکتے ہو اپنی مدد کیلئے برا لو اگر تم سچے ہو (تو ایسی کوشش کر دیکھو)۔ اگر نہ کر سکو اور کبھی نہ کر سکو تو سمجھ لو کہ ایسا کلام خالق ہی کا ہو سکتا ہے جس کا مثل لانے سے تمام مخلوق عاجز رہ جائے۔ تو یقیناً یہ وہ کلام

ہے جو خدا نے اپنے علم کامل سے پیغمبر پر اتارا ہے۔ بیشک جس کے کلام کا مثل نہیں ہو سکتا اس کی ذات و صفات میں کون شریک ہو سکتا ہے۔ ایسا بے مثال کلام اسی بے مثال خدا کا ہے جس کا کوئی شریک نہیں کیا اسے واضح دلائل کے بعد بھی مسلمان ہونے اور خدا کا حکم بردار بننے میں کسی چیز کا انتظار ہے

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا....

اللہ جل شانہ یہ بہتان باندھنے والے:

جو لوگ اللہ کے ذمے بہتان باندھ لیں، ان کا انجام اور قیامت کے دن کی ساری مخلوق کے سامنے کی ان کی رسوائی کا بیان ہو رہا ہے۔ مسند احمد میں صفوان بن محرز کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا پھر پوچھنے لگا کہ آپ نے رسول اللہ (ﷺ) سے قیامت کے دن کی سرگوشی کی بارے میں کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے حضور (ﷺ) سے سنا ہے کہ اللہ عزوجل مؤمن کو اپنے سے قریب کرے گا یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور اسے لوگوں کی نگاہوں سے چھپالے گا اور اسے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا کہ کیا تجھے اپنا فلاں گناہ یاد ہے؟ اور فلاں بھی اور فلاں بھی؟ یہ اقرار کرتا جائے گا یہاں تک کہ سمجھ لے گا کہ بس اب ہلاک ہوا۔ اس وقت ارحم الراحمین فرمائے گا کہ میرے بندے دنیا میں میں ان پر پردہ ڈالتا رہا سن آج بھی میں انہیں بخشا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ اسے دے دیا جائے گا۔ اور کفار اور منافقین پر ننگو گواہ پیش ہوں گے جو کہیں گے کہ یہی وہ ہیں جو اللہ پر جھوٹ بولتے تھے یاد رہے کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

یہ لوگ اتباع حق، ہدایت اور جنت سے اور دل کو روکتے رہے اور اپنا طریقہ ٹیڑھا تر چھا ہی تلاش کرتے رہے ساتھ ہی قیامت اور آخرت کے دن کے بھی منکر ہی رہے اور اسے مانا ہی نہیں۔ یاد رہے کہ یہ اللہ کے ماتحت ہیں وہ ان سے ہر وقت انتقام لینے پر قادر ہے، اگر چاہے تو آخرت سے پہلے دنیا میں ہی پکڑ لے لیکن اس کی طرف سے تھوڑی سی ڈھیل انہیں مل گئی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ ظالموں کو مہلت دے دیتا ہے بالآخر جب پکڑتا ہے تب چھوڑتا ہی نہیں۔ ان کی سزائیں بڑھتی ہی چلی جائیں گی۔ اس لیے کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں سے انہوں نے کام نہ لیا۔ سننے سے کانوں کو بہرہ رکھا۔ حق کی تابعداری سے آنکھوں کو اندھا رکھا جہنم میں جاتے وقت خود ہی کہیں گے کہ (لو کننا نسمع او نعقل ما کننا فی اصحاب السعیر) یعنی اگر سنتے ہوتے عقل رکھتے ہوتے تو آج دوزخی نہ بنتے یہی فرمان (الذین کفروا و صدوا عن سبیل اللہ زدنا ہم عذابا فوق العذاب الخ) میں ہے کہ کافروں کے لیے اللہ کی راہ سے روکنے والوں کے لیے عذاب پر عذاب بڑھتا چلا جائے گا۔ ہر ایک حکم عدولی پر، ہر ایک برائی کے کام پر سزا بھگتیں گے۔ پس صحیح قول یہی ہے کہ آخرت کی نسبت کے اعتبار سے کفار بھی فروع شرع کے مکلف ہیں۔ یہی ہیں وہ جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا اور خود اپنے تئیں جہنمی بنایا۔ جہاں کا عذاب ذرا سی دیر بھی لگا نہیں ہوگا۔ آگ کے شعلے کم ہونے تو کہاں اور تیز تیز ہوتے جائیں گے جنہیں انہوں نے گھڑ لیا تھا یعنی بت اور اللہ کے شریک وغیرہ آج وہ ان کے کسی کام نہ آئیں گے بلکہ نظر بھی نہ پڑیں گے بلکہ اور نقصان پہنچائیں گے۔ وہ تو ان کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کے شرک سے صاف مکر جائیں گے۔ گویا انہیں باعث عزت سمجھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ان کے لیے باعث

ذلت ہیں۔ کھلے طور پر اس بات کا قیامت کے دن انکار کر دیں گے کہ ان مشرکوں نے انہیں پوجا۔ یہ ارشاد فضیل الرحمن علیہ السلام کا اپنی قوم سے تھا کہ ان بتوں سے گوتم دنیوی تعلقات وابستہ رکھولیکن قیامت کے دن ایک دوسرے کا انکار کر دیں گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگیں گے۔ اور تم سب کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور کوئی کسی کو کوئی مدد نہ پہنچائے گا۔ یہی مضمون (إِذْ تَبَرَأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ) (البقرہ: ۱۷۶) میں ہے یعنی اس وقت پیشوا لوگ اپنے مریدوں سے دست بردار ہو جائیں گے عذاب الہی آنکھوں دیکھ لیں گے اور باہمی تعلقات سب منقطع ہو جائیں گے۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں وہ بھی ان کی ہاکت اور نقصان کی خبر دیتی ہیں۔ یقیناً یہی لوگ قیامت کے دن سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے۔ جنت کے درجوں کے بدلے انہوں نے جہنم کے گڑھے لیے۔ اللہ کی نعمتوں کے بدلے جہنم کی آگ قبول کی۔ بیٹھے ٹھنڈے خوشگوار جنتی پانی کے بدلے جہنم کا آگ جیسا کھولتا ہوا گرم پانی انہیں حور عین کے بدلے لہو پیپ اور بلند و بالا محلات کے بدلے دوزخ کے تنگ مقامات انہوں نے لیے، رب رحمن کی نزدیکی اور دیدار کے بدلے اس کا غضب اور سزا انہیں ملی۔ بیشک یہاں یہ سخت گھائے میں رہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فِرَاقَهُ بِالْكَفْرِ عَلَىٰ حَذْفِ الْقَوْلِ لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۰۱﴾
 بَيْنَ الْإِنذَارِ أَنْ أَيْ بَانَ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ إِنْ عَبَدْتُمْ غَيْرَهُ عَذَابُ يَوْمِ
 الْيَوْمِ ﴿۱۰۲﴾ مُؤَلِّمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَقَالَ الْمَلَائِكَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ وَهُمْ الْأَشْرَافُ مَا نَدْرِكُ إِلَّا
 بَشَرًا مِثْلَنَا وَلَا فَضْلَ لَكَ عَلَيْنَا وَمَا نَدْرِكُ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادْنَا أَنْ نُسَافِلَنَّا كَالْحَاكِمِ ز
 الْأَسَافِكَةِ بِأَدَمِي الرَّأْيِ ۖ بِالْهَمْزَةِ وَتَرْكِهِ أَيْ ابْتِدَاءً مِنْ غَيْرِ تَفَكُّرٍ فَبِكَ وَنَضْبِهِ عَلَى الظَّرْفِ أَيْ وَقْتُ
 حُدُوثِ أَوَّلِ رَأْيِهِمْ وَمَا نَرَى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ وَفَتَسْحِقُونَ بِهِ الْإِتْبَاعَ مِنَّا بَلْ نُنَظِّمُكُمْ
 كَذِبِينَ ﴿۱۰۳﴾ فَبِي دَعْوَى الرِّسَالَةِ أَدْرَجُوا قَوْمَهُ مَعَهُ فِي الْخِطَابِ قَالَ يَقُومُ أَرَعَيْتُمْ أَخْبِرُونِي إِنْ
 كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ يَا مَنْ رَبِّي وَأَتَدْنِي رَحْمَةً لُبْرَةً مِنْ عِنْدِهِ فَعَيَّيْتُ خَفِيَّتْ عَلَيْكُمْ رَبِّي فِرَاقَهُ
 بِشِدْبِ الْمَيْمِ وَالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ أَنْزَلْنَا مَكُوهَا أَنْجِبُكُمْ عَلَىٰ تَبْوَلِهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كِرْهُونَ ﴿۱۰۴﴾ لَا تَقْبَلُوا
 عَلَىٰ ذَلِكَ وَ يَقُومُ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ عَلَى تَبْلِيغِ الرِّسَالَةِ مَا لَأُ تُعْطُونَ بِهِ إِنْ مَا أَجْرِي ثَوَابِي إِلَّا عَلَى
 اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا كَمَا أَمَرْتُ مُؤْمِنِي إِنَّهُمْ مُلْقُوا رَبَّهُمْ بِالْبُعْثِ فَيَجَازِيهِمْ بِأَخْذِهِمْ
 مِنْ ظِلْمِهِمْ وَطَرْدِهِمْ وَلَكِنِّي أَرْكُمُ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿۱۰۵﴾ عَاقِبَةُ أَمْرِكُمْ وَيَقُومُ مَنْ يَنْصُرُنِي بِمَنْ بِنِي

مِنْ اللَّهِ أَيْ عَذَابِهِ إِنْ طَرَدْتَهُمْ ۚ أَيْ لَا نَاصِرَ لِيْ أَفَلَا فَهَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ بِإِذْغَامِ الثَّانِيَةِ فِي
 الْأَضَلِّ فِي الذَّالِ تَعِظُونَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَنبِي عِلْمُ الْغَيْبِ وَلَا أَقُولُ إِنِّي
 مَلَكٌ بَلِ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي تَحْتَقِرْ أَعْيُنُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا اللَّهُ
 أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ ۚ قُلُوبِهِمْ إِنِّي إِذًا إِنَّ قُلُوكَ ذَلِكَ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ۝ قَالُوا يُنوحُ قَدْ جَدَلْتَنَا
 خَاصَمْتَنَا فَاكْثَرْتَ جِدَا لَنَا فَاتِنَا بِمَا نَعِدُنَا بِهِ مِنَ الْعَذَابِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فِيهِ
 قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيَكُمْ بِهِ اللَّهُ إِنْ شَاءَ تَعَجَّلْهُ لَكُمْ فَإِنْ أَمْرُهُ إِلَيْهِ لَا إِلَهَ وَ مَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝ بِفَالِئِينَ
 اللَّهُ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَلْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ ۚ أَيْ
 إِغْوَاكُمْ وَجَوَابَ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي هُوَ رَبُّكُمْ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ قَالَ تَعَالَى أَمْرٌ
 بَلْ يَقُولُونَ أَيْ كُفَّارٌ مَكَّةَ أَفْتَرَاهُ ۚ اخْتَلَقَ مُحَمَّدٌ الْقُرْآنَ قُلْ إِنْ أَفْتَرَيْتُهُ فَعَلَىٰ إِجْرَائِي أَيْ عَقُوبَتُهُ
 وَأَنَا بَرِيءٌ ۚ مِمَّا تُجْرِمُونَ ۝ مِنْ اجْزِمِكُمْ فِي نِسْبَةِ الْإِفْتِرَاءِ إِلَىٰ

۱۳۳

ترجمہ: اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف کہ میں (یعنی ہانی) ان سے پہلے بامقدر مان کر) اور ایک قراءت میں
 حمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے قول کو مقدر ماننے کی صورت میں) تم کو ڈر کی بات سنانے والا ہوں کھول کر (واضح طور پر) کہ
 (یعنی ان سے پہلے بامقدر ہے) تم نہ پرستش کرو اللہ کے سوا میں ڈرتا ہوں تم پر (اگر تم نے غیر اللہ کی پرستش کی) دردناک دن
 کے عذاب سے (جو دنیا و آخرت میں تکلیف دینے والا ہو) پھر بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم کے (شراف قوم) ہم تم
 میں اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو (تمہیں ہمارے مقابلہ پر کوئی بڑائی حاصل نہیں
 ہے) اور جو لوگ تمہارے پیچھے چلتے ہیں انہیں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہم میں کے بالکل ہی روئیل ہیں (کینے جیسے جولا ہے،
 موہنی) اور وہ بھی سرسری نظر سے بے سوچے سمجھے تمہارے پیچھے ہوئے (لفظ راء حمزہ کے ساتھ ہے اور بغیر حمزہ کے یعنی
 انہوں نے تمہارے متعلق کچھ غور و فکر بھی نہیں کیا، اس پر نصب ظرفیت کی بناء پر ہے یعنی سرسری نظر کے وقت) ہم تو تم لوگوں
 میں اپنے سے کوئی بھی بات زیادہ نہیں پاتے (جس کی وجہ سے ہم تمہیں پیروی کے لائق سمجھیں) بلکہ تمہیں جھوٹا کہتے ہیں
 (نبوت کے دعویٰ میں اور خطابت میں نبی کی قوم کو بھی شامل کیا) نوح علیہ السلام نے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم نے اس بات پر
 بھی غور کیا؟ (مجھے ذرا یہ تو بتاؤ) کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل (بیان) پر قائم ہوں اور اس نے
 اپنی جانب سے رحمت (نبوت) بھی عنایت فرمادی مگر وہ تمہیں دکھائی نہ دے (نہ سوجھے اور ایک قراءت میں لفظ عمیت میم کی
 تفسیر کے ساتھ اور صیغہ مجہول سے ہے) تو کیا ہم اسے تمہارے گلے مڑھ دیں (زبردستی اس کو منوائیں) اور تم اس سے

مقبلیں شرح حالین (یعنی ہم ایسا نہیں کر سکتے) لوگو! یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں میں تم سے (تسلیم) پر کچھ مال نہیں مانگتا (کہ تم بیزاری کئے چلے جاؤ؟) (ثواب) تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور میں نہیں دھتکارنے والا ایمان والوں کو جیسا کہ تم چاہتے ہو مجھے دو) میری مزدوری (ثواب) تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور میں نہیں دھتکارنے والا ایمان والوں کو جیسا کہ تم چاہتے ہو انہیں بھی اپنے پروردگار سے ایک دن ملنا ہے (قیامت کے دن کہ وہی انہیں ملنا عطا کرے گا ہاں ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا ہو گا وہ انہیں خود سوا کرے گا اور دھکے دے گا) لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو (انجام سے بے خبر ہو) اے میری قوم! مجھے بتلاؤ اگر میں ان لوگوں کو اپنے پاس سے باہر نکال کروں تو اللہ (کے عذاب) کے مقابلہ میں کوئی ہے جو میری مدد کرے (مجھے بچا) لے گا (یعنی مجھے کوئی نہیں بچا سکتا) کیا تم اتنی بات نہیں سمجھتے؟ دراصل اس میں تائے ثانی کا ذال (میں اوغام ہو رہا ہے) (بمعنی مظلون) اور دیکھو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام خزانے ہیں نہ یہ کہتا ہوں کہ میں تمام غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ میں فرشتہ ہوں (بلکہ تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں) اور نہ ان تمام لوگوں کے بارے میں جن کو تمہاری ٹکائیں کتر سمجھتی ہیں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہرگز انہیں ثواب نہیں دے گا ان کے دل میں جو کچھ ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے (اگر ایسی بات کہوں تو تو ایسی صورت میں میں ظالم ٹھہروں گا وہ لوگ کہنے لگے اے نوح علیہ السلام! تم ہم سے بحث کر چکے (جھگڑ چکے) اور خوب بحث کر چکے سو جس (عذاب) کا تم ہم سے وعدہ کرتے ہو اب لے آؤ اگر تم سچے ہو (اس بار میں) نوح علیہ السلام بولے لائے گا تو اس کو اللہ ہی اگر چاہے گا (اگر اس کو جلدی منظور ہوگا کیونکہ یہ تو اس کے اختیار میں ہے نہ کہ میرے اختیار میں) اور تم نہ جھکا سکو گے بھاگ کر (یعنی اللہ سے بچ کر نہیں جاسکتے) اور اگر اللہ کی مشیت یہی ہے کہ تمہیں ہلاک کرے تو میں کتنا ہی تم کو نصیحت کرنا چاہوں میری نصیحت کچھ سود مند نہ ہوگی (ان یفویکم انواء کے معنی میں ہے اور جواب شرط محذوف ہے وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي اِنْ اَسْرَأْتُمْ) وہی تمہارا پروردگار ہے اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے (حکم خداوندی ہوا) کیا یہ (کفار مکہ) کہتے ہیں گھڑ لیا قرآن کو؟ (محمدؐ نے گھڑ لیا ہے قرآن کو) کہہ دیجئے اگر میں گھڑ لایا ہوں تو مجھ پر ہے میرا گناہ (یعنی اس کی سزا) اور میرا ذمہ نہیں جو تم گناہ کرتے ہو (قرآن کو اپنے جی سے گھڑ لینے کی نسبت میری طرف کر کے جس جرم کا ارتکاب تم کر رہے ہو)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: ان مصدر یہ ہے نہ کہ مفسرہ۔

قولہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا: یہ آئی کا بدل ہے با کا اضافہ رابطہ کے لئے ہے۔

قولہ: وَهُمْ الْأَشْرَافُ: ملائکہ کے مطلق ہونے کی وجہ بیان کی کہ وہ معزز زین ہیں جو دلوں کو رعب اور مجالس کو عظمت سے بھر دیتے ہیں۔

قولہ: أَسَافِلُنَا: یہ آراذل کا معنی ہے۔ یہ اسم کی طرح ہونے کی وجہ سے اس کی جمع اس وزن پر آئی ہے۔

قولہ: كَالْحَاكِمَةِ: جمع حانك (جولہا)

قولہ: **ابْتَدَاءً**: بادی کا لفظ بقاء معنی ابتداء سے نہ کہ بدو سے۔

قولہ: **وَنَصَبَهُ عَلَى الظَّرْفِ**: یہ اسمعک کا ظرف ہے یعنی ابتدائی رائے میں انہوں نے بلا سوچ و بچار تمہاری پیروی کر لی ہے اگر یہ سوچتے تو تمہاری پیروی نہ کرتے۔

قولہ: **عَلَى تَبْلِيغِ الرِّسَالَةِ**: اگرچہ وہ مذکور نہیں مگر وہ مذکور سے معلوم ہے۔

قولہ: **تَزْدِرِي**: از دراء باب افعال سے بنا ہے اس کا معنی عیب جوئی کرنا۔

قولہ: **غَرَاءُ وَاكُم**: ان مصدر یہ ہے تفسیر یہ نہیں۔

قولہ: **وَلَا يَنْفَعُكُمْ نَصِيحَتِي**: بذات خود میری نصیحت تمہارے کام نہیں آسکتی۔ یہ جملہ دال علی الجزاء ہے۔

قولہ: **عُقُوبَتُهُ**: یہ اجزائی اجرم سے ہے یہاں مراد اس کی سزا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۰﴾

قوم نوح علیہ السلام کے شبہات اور ان کے جوابات:

(ابطال) گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا گیا کہ اہل حق اور اہل باطل کا برابر ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ پینا اور ٹاپینا اور شنوا اور برے کا برابر ہونا ناممکن ہے۔ پس غور کر لو کہ ان دو مختلف اور متضاد فریقین کا انجام کیسے یکساں ہو سکتا ہے۔

اب آگے اسی مضمون کی تائید اور تاکید کے لیے چند عبرتناک واقعات بیان کرتے ہیں جن میں اول قصہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ہے کہ جو صد ہا سال کی نصیحت کے بعد بھی راہ راست پر نہ آئے۔ لاکھ خرخرق ہوئے یہ قصہ اگرچہ سورۃ یونس میں مذکور ہو چکا ہے مگر یہاں کچھ زائد حالات کا ذکر ہے جن سے جدید فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نوح علیہ السلام کو پچاس سال کی عمر میں نبوت ساڑھے نو سو برس قوم کو نصیحت کرتے رہے اس کے بعد طوفان آیا۔ طوفان کے ساٹھ برس بعد تک زندہ رہے اس قسم کے واقعات سے کفار کو تنبیہ ہے اور آنحضرت ﷺ کو تسلی ہے کہ آپ ﷺ ان کی تکذیب سے گھبرائے ہوں اطمینان اور صبر کے ساتھ دعوت اور تبلیغ میں لگے رہیں۔

کنتہ: سورۃ یونس میں نوح علیہ السلام کا قصہ استعجال عذاب کے جواب میں ذکر کیا اور یہاں کفار کی ایذا رسانی اور ان کے تمسخر کے جواب میں ذکر کیا کہ نوح علیہ السلام نے ان کے ایذا اور تمسخر پر صبر کیا اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو نجات دی اور ان مسخروں کو ہلاک کیا۔ (تفسیر کبیر ص ۶۸ ج ۵)

اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف جو حق کے بارے میں اندھے اور بہرے بنے ہوئے تھے رسوا بنا کر بھیجا نوح علیہ السلام نے ان سے یہ کہا کہ تحقیق میں تمہارے لیے کھول کر ڈرانے والا ہوں یعنی اسباب عذاب اور جو غلام کو بیان کرنے والا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ تحقیق میں تم کو ایک بڑے دردناک دن کے عذاب سے

قوم کا جواب:

پس ان کی قوم کے جو لوگ کافر تھے ان کے سردار جواب میں یہ کہنے لگے کہ اے نوح علیہ السلام! اول تو ہم تم کو اپنے جیسا ہی آدمی دیکھتے ہیں یعنی تم میں کوئی خاص فضیلت اور خصوصیت اور امتیاز نہیں پاتے جس کی بناء پر ہم آپ علیہ السلام کو نبی مانیں جیسے انسان تم ہو ایسے ہی انسان ہم بھی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم پر وحی آئے اور ہم پر نہ آئے اور دوم یہ کہ ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی کی ہو کسی نے سوائے ان لوگوں کے جو ہم میں سے رذیل اور کمینہ ہیں اور یہ پیروی بھی انہوں نے بے سوچے سراسری نظر سے کر لی ہے اگر وہ غور و فکر کرتے تو وہ بھی آپ علیہ السلام کی پیروی نہ کرتے ان بے سمجھ لوگوں نے سادہ لوحی سے آپ علیہ السلام کے سحر کو مجرہ وار آپ علیہ السلام کی شبہات کو دلائل اور براہین سمجھ لیا ہے مطلب یہ ہے کہ نہ آپ علیہ السلام میں کوئی شان امتیازی ہے اور نہ آپ علیہ السلام کے پیروؤں میں کوئی خاص خصوصیت ہے بلکہ وہ رذیل اور بے عقل اور جاہل لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنا بھی ہم جیسے معززین کے لیے باعث عار و رنک ہے اور آج کل بھی ایسا طبقہ موجود ہے کہ جو اہل ایمان کو عموماً اور علما کو خصوصاً حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے اور ان کو بیوقوف سمجھتا ہے اس لیے کہ یہ طبقہ دنیا و مالاہ دنیا میں ان سے کم ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک شرف و عزت کا دار و مدار مال و دولت پر ہے جس کے پاس مال نہیں وہ ان کے نزدیک رذیل ہے اگرچہ عقل و فہم میں ان سے کہیں بلند ہو اور ہم آپ لوگوں سے کس بات میں کم ہیں۔ ہم تمہارے لیے اپنے اوپر کسی قسم کی برتری نہیں دیکھتے تم ہم سے نہ مال و دولت میں زیادہ ہو اور نہ عزت و وجاہت میں ہم سے بڑھ کر ہو پھر کیوں آپ علیہ السلام کے تابع اور پیرو نہیں۔ بلکہ ہمارا گمان تو یہ ہے کہ تم سب جھوٹے ہو تم نے ایک بات بنالی ہے اور چند بے وقوفوں نے بے سوچے سمجھے ہاں میں ہاں ملا دی ہے ایسے حقیر اور فقیر اور بے عقل اور جاہلوں کی اتباع آپ علیہ السلام کی صداقت کی دلیل کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ ان ملعونین اور مغرورین و متکبرین کی جہالت امیر تفریحی جو ختم ہوئی اب آئندہ آیت میں نوح علیہ السلام کا جواب باصواب آتا ہے، اب اس کو سنئے اور خوب کان لگا کر سنئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے جواب باصواب:

نوح علیہ السلام نے ان کے جواب میں یہ کہا کہ اے میری قوم تمہارا میری بشری اور ظاہری صورت کو دیکھ کر یہ کہنا کہ میں درم برابر ہیں یہ تمہاری جہالت اور حماقت ہے صورت بشریہ میں سب انسان شریک ہیں مگر باطنی فضائل و کمالات میں مختلف ہیں۔ بیشک انسان ہونے میں اور تم برابر ہیں مگر انسان اور بشر ہونا نبوت و رسالت کے منافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہری صورت کے اعتبار سے اگرچہ مجھ کو تمہاری ہی جیسی صورت عطا کی ہے مگر باطنی فضائل و کمالات کے اعتبار سے مجھ کو تم سے جدا اور ممتاز بنایا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل لے کر آیا ہوں میں تمہارے مثل کیسے ہو سکتا ہوں صورت بشریہ کے اعتبار سے اگرچہ تمہارے مثل ہوں مگر فضائل و کمالات اور آیات و بینات کے اعتبار سے تم سے ممتاز اور بالکل جدا ہوں۔ بخلاؤ تو سہی کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں جو میری صداقت پر گواہ ہو اور جس سے میری نبوت ثابت ہوئی ہو اور وہ اس نے اپنے پاس سے مجھے اپنی خاص رحمت یعنی نبوت و ہدایت کاملہ اور طہارت فاضلہ جس کو دیکھ کر ایک نظر میں صاحب بصر سمجھ جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کوئی بنائی ہوئی بات نہیں پھر یہ روشن حقیقت تمہاری آنکھ بند کر لینے کی وجہ

نے تم پر پوشیدہ اور مخفی کر دی گئی تکبر اور غرور نے تم کو اندھا بنا دیا اس لیے تم کو میری نبوت نظر نہیں آتی تو بتاؤ ایسی صورت میں کیا کروں مجبور ہوں کیا اس رحمت اور ہدایت کو ہم زبردستی تمہارے سر لگا دیں درآنحالیکہ تم اس سے بیزار اور متنفر ہو اور اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی تم کو گوارا نہیں۔ مشعل ہدایت تمہارے سامنے کر دی ہے اب دیکھنا اور نہ دیکھنا تمہارا کام ہے باقی کسی کو ہدایت یاب کر دینا یہ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے نبی اور ولی کے اختیار میں نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ میری نبوت تو دلائل اور براہین سے روز روشن کی طرح واضح ہے مگر تم کو اس لیے نظر نہیں آتی کہ تم دل کے اندھے ہو یا آنکھیں بند کیے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے جو تم کو رحمت دی تم نے اس کی قدر نہ جانی بلکہ تکذیب کے درپے ہو تو کیا میں باوجود تمہاری اس کراہت اور نفرت کے اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رحمت کو تمہارے گلے باندھ دوں۔ یہاں تک کافروں کے پہلے شبہ اور اعتراض کا جواب ہوا کہ تم ہم جیسے بشر ہو اب ان کے دوسرے شبہ اور اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔ دوسرا شبہ انکا یہ تھا کہ آپ ﷺ کے اتباع کرنے والے لے حقیر اور ذلیل لوگ ہیں سو یہ اعتراض بھی جہالت اور حماقت پر جہتی ہے عزت اور ذلت کا دار و مدار مال و دولت پر مبنی نہیں بلکہ اتباع پر ہے جس غریب و فقیر نے دولت حق اور باطل کے فرق کو سمجھ کر حق کا اتباع کیا وہ عزت والا ہو گیا اور جس دولت مند نے حق سے منہ موڑا وہ ذلیل و خوار ہوا لہذا معلوم ہوا کہ اراذل اور ضعفاء اور فقراء کا اتباع نبوت اور صداقت میں قاصر نہیں پھر یہ کہ اراذل صورت بشریہ میں تمہارے مثل ہیں پس تم جیسے اہل عقل اور اہل لہم کا نبوت کو قبول کرنا تم پر حجت ہے یہ غرباء اور فقراء اگر مال و دولت میں تم سے کم ہیں تو عقل اور فہم میں تم سے بڑھ کر ہیں اور اگر برابر بھی ہوں تو ان کی آنکھوں پر کوئی پردہ نہیں اور تمہاری آنکھوں پر تکبر اور غرور کا پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے تم کو یہ روشن حقیقت نظر نہیں آتی جو ان فقراء اور ضعفاء کو نظر آ رہی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ فرمایا اے میری قوم میں تم سے تبلیغ و رسالت پر کوئی مال نہیں انکا جس کا دینا تم پر شاق ہو اور نہ دینا مجھے ناگوار ہو۔ جزایں نیست کہ میرا جزو اللہ کے ذمہ ہے جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور جس کا اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا مقصود تو نصیحت اور تبلیغ رسالت ہے میری نظر صرف اللہ تعالیٰ پر ہے مال و دولت پر میری نظر نہیں۔ اس لیے میری نظر میں امیر و فقیر اور دولت مند اور حاجت مند سب برابر ہیں ظاہری صورت کے اعتبار سے بیشک میں بشر ہوں مگر حقیقت پالمنہ کے لحاظ سے فرشتہ بلکہ فرشتہ سے بڑھ کر ہوں حرص اور طمع سے بالکل پاک اور منزہ ہوں اور ظاہر ہے کہ طمع اور غرض سے پاک ہو وہ کیوں جھوٹ بولے گا۔ تم درہم و دینار کے بندے ہو اور میں خاص خدا کا بندہ ہوں۔ میری نظر صرف خدا پر ہے مجھ میں اور تم میں یہ فرق ہے اگر عقل رکھتے ہو تو سمجھ لو اور تم میرے متبعین کی ظاہری شکستگی اور تنگدستی کو دیکھ کر نہیں رذیل کہتے اور حقیر سمجھتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ میں ان کو اپنے پاس سے نکال دوں تب تم میرے پاس بیٹھو۔ اور میری بات سنو تو خوب سمجھ لو کہ میں اہل ایمان کو اپنی مجلس اور صحبت سے ہانک دینے والا نہیں میں تمہاری درخواست کی بنا پر ضعفاء مؤمنین اور فقراء مسلمین کو اپنی مجلس سے نہیں ہٹا سکتا۔ تحقیق یہ درویشان اسلام عزت و کرامت کے ساتھ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں قیامت کے دن ان کے ایمان اور اعمال صالحہ سے ان کی کرامت ظاہر ہوگی اور مؤمنین کو دنیا و مافیہا سے اس گناز یادہ دولت ملے گی۔ اور یہ دولت مند کافر چمچر کے ایک پر کے برابر بھی نہ ہوں گے ولیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک ہالال قوم ہو کہ اپنے مال و دولت اور موثر ہنگامہ کو عزت سمجھتے ہو اور اہل ایمان جو خدا تعالیٰ کے نزدیک معزز اور مقرب ہیں دل سے

۲۵۸
 ان کو تیر و ذلیل اور زبان سے ان کو کینہ اور رذیل کہتے ہوتے ایسی جاہل قوم ہو کہ تمہیں عزت و ذلت کے معنی میں معاملہ نہیں۔
 خداوند ذوالجلال سے صحیح تعلق (ایمان) کا نام عزت ہے اور خداوند تعالیٰ سے بغاوت اور قطع تعلق (کفر) کا نام ذلت ہے۔
 واللہ العزیز و لہ رسولہ و للمؤمنین و لکن المنافقین لا یعلمون۔

خاکساران جہاں را سخاوت منکر تو بہ دانی کہ دریں گردوارے باشد
 اور اے میری قوم! اگر بالفرض و التقدير تمہاری رعایت سے ان غریبوں اور فقراء کو اپنی مجلس سے علیحدہ کر دوں تو بتلاؤ و من
 مجھ کو اللہ کے عذاب سے چھڑائے گا۔ غریب طالب حق کو دہشتند کی رعایت سے مجلس سے نہیں ہٹایا جاسکتا یہ بے انصافی اور ظلم
 ہے میں تمہاری رعایت سے خدا کے قتل بندوں کے ساتھ بے انصافی نہیں کر سکتا اگر خدا نخواستہ ایسا کروں تو مجھے خدا کی گرفت
 سے کون بچا سکے گا کیا بھلا تم غور نہیں کرتے کہ ایمان اور اطاعت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت ملتی ہے۔ محض دنیاوی مال و
 دولت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو نبوت و رسالت کا منصب عطا کیا اور ان فقراء مؤمنین کو ولایت
 باکرامت کی عزت سے سرفراز فرمایا۔

بعد ازاں نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کافروں کے اور بعض اقوال کا جواب ارشاد فرمایا اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے
 پاس اللہ کے خزانے ہیں جس کے نہ ہونے کو خست اور رذالت سمجھتے ہو اور مال و دولت کے نہ ہونے کو کاذب ہونے کی دلیل
 قرار دیتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ: ہبل نظنکم کاذبین۔ خوب سمجھ لو کہ رسول کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ خزانوں کا مالک میرے
 نزدیک مال و دولت کا وجود اور عدم سب برابر ہے۔ میرے نزدیک عزت کا دار و مدار ایمان اور اطاعت پر ہے اور مال و دولت کا
 نہ ہونا کاذب ہونے کی دلیل نہیں کیا فقیر، کاذب اور مال و دار صادق ہوتا ہے اور نہ میں غیب دان ہوں کہ لوگوں کے باطن کی خبر
 دوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں یعنی تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم تم کو اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں تو میرا یہ دعویٰ کب ہے کہ
 میں فرشتہ ہوں مگر تمہاری یہ جہالت ہے کہ تم بشریت کو نبوت کے منافی خیال کرتے ہو فرشتوں کا رتبہ تو انبیاء سے کم ہی ہے البتہ
 میں بشر ہوں مگر مؤید بہ معجزات ہوں تم عجیب نادان ہو کہ شجر اور حجر کو تو خدا اور معبود سمجھتے ہو اور بشر کے نبی ہونے کے منکر ہو صورت
 بشریہ میں تمہارے مثل ہوں لیکن کمالات بشریہ اور فضائل انسانیہ میں تم سے ممتاز اور جدا ہوں یہ تو اپنے متعلق ارشاد فرمایا اب
 آگے اپنے متبعین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں اور جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں میں ان کی نسبت یہ نہیں کہتا
 کہ یہ لوگ دل سے ایمان نہیں لائے اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز کوئی بھلائی نہیں دے گا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو ان کے
 دلوں میں ہے اگر یہ لوگ مثل ظاہر کے باطن میں بھی مؤمن بنیں تو ان کو بہتر جزا ملے گی جو تمام ردائے زمین کی سلطنت اور اس
 کے خزانوں سے بہتر ہوگی چونکہ یہ لوگ ظاہر میں مسلمان ہیں اس لیے میں اس کے مطابق ان کے ساتھ سلوک کرتا ہوں باطن کی
 خبر تو اللہ تعالیٰ جانے اگر میں ان کو نکال دوں تو بلاشبہ میں ظالموں سے ہوں گا کہ محض شبہ اور گمان کی بناء پر ان کو نکال دیا۔ انبیاء
 کرام کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ ظاہر کے مطابق معاملہ کریں۔

الغرض تمہارے یہ تمام شبہات اور اعتراضات سب لائینی اور مہمل ہیں اور جو میں کہتا ہوں وہ حق اور صحیح ہے اور دلیل اور
 برہان سے ثابت ہے۔ جب کفار نوح علیہ السلام کے جوابات سے لاجواب ہوئے تو یہ کہنے لگے کہ اے نوح علیہ السلام تو نے ہمارے

ساتھ مباحثہ اور مجادلہ کیا اور بحث کو بہت بڑھایا اور طول دیا۔ خیراب بحث تو چھوڑو۔ پس اگر آپ ﷺ سچوں میں سے ہیں تو آپ ﷺ وہ عذاب لے آئیں جس سے آپ ﷺ ہم کو ڈراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ گے۔ اور مجھے رسول نہ مانو گے تو تم پر عذاب آئے گا۔ اب آپ بحث کو چھوڑیے اور عذاب لائیے تو نوح ﷺ نے ان کو جواب میں کہا میرے اختیار میں دعوت و نصیحت تھی وہ کر چکا۔ باقی عذاب کا لانا وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جزایں نیست کہ اللہ تعالیٰ ہی عذاب لائے گا جب اس کو منظور ہوگا۔ دیر میں آئے یا سویر میں اور پھر تم اس عذاب سے بچ نہیں سکتے مجھے جو نصیحت کرنی تھی وہ میں نے تم کو کر دی۔ اب آخری بات یہ ہے جس پر میں اپنے کلام کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ میری نصیحت تم کو سود مند نہ ہوگی اگر میں چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں تو میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ازل میں تمہارے گمراہ کرنے کا ارادہ فرمایا ہے اور رسول میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو بدل سکے۔ وہی تمہارا مربی اور محسن ہے اس نے تمہاری ہدایت کے لیے پیغمبر بھیج تم کو چاہئے تھا کہ اس کے حکموں پر چلتے مگر ازراہ عداوت مجرم بنے اور ایک دن تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور اپنے اعمال کی جزا پاؤ گے۔ کیا کافر یہ کہتے ہیں کہ نوح ﷺ نے یہ پیغام اپنی طرف سے بنالیا ہے۔ یعنی از خود گھڑ لیا ہے۔ اے نوح ﷺ آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ اگر یہ پیغام میں نے خود گھڑ لیا ہے تو میرے جرم کا وبال مجھ پر ہوگا اور میں بری ہوں اس جرم سے جس کے تم مرکب ہو مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ آیت نوح ﷺ کے قصہ کا ترجمہ ہے اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ گفتگو کفار کی آنحضرت ﷺ سے تھی کہ یہ قرآن آپ ﷺ نے خود بنالائے ہیں۔ خدا کا کلام نہیں ہے حضرت نوح ﷺ کوئی کتاب نہ لائے تھے جو ان کی قوم یہ بات کہتی۔ اس لیے یہ آیت آنحضرت ﷺ سے متعلق ہے بطور جملہ معترضہ کفار مکہ کے کلام کو درمیان قصہ نوح ﷺ ذکر فرمایا یہاں تک جتنے سوالات اور جوابات ذکر کیے وہ سب قوم نوح کے متعلق تھے مگر کفار مکہ بھی یہی کہتے تھے اس لیے درمیان قصہ بطور جملہ معترضہ کفار مکہ کا کلام ذکر کر دیا گیا۔ اب آگے پھر نوح ﷺ کا باقی قصہ ذکر ہوتا ہے۔

لطائف و معارف:

عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں۔

اختیار را دیدہ بینا جو نیک و بد رویدہ مثال یکساں نمود

بد بخت لوگ دل کی آنکھوں سے محروم تھے۔ اس لیے ان کی نظر میں نیک و بد یکساں دکھائی دیتے تھے۔

ہمسری ہا انبیاء برداشتند اولیاء را ہجو خود پسنداشتند

انبیاء کرام علیہم السلام کے ہمسری کے مدعی تھے اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کو اپنے برابر سمجھتے تھے۔

گفتہ اینک مایطع ایثاں بشر ما ذایثاں بتمہ خواہیم و خود

اور یہ کہتے تھے کہ ہم بھی انسان ہیں اور انبیاء بھی انسان ہیں کھانے اور سونے کے دونوں پابند ہیں، پھر ہم میں اور ان

مختلف کیا رہا۔

اس مدعا مستند ایثاں از مگی ہست فرقی درمیاں بے ملعی

اور کہ باطنی سے یہ سمجھا کہ دونوں میں بے انتہا فرق ہے۔

ہر دو گوں زنبور خود دند از محل لیک شد زان نیش و ذال دیگر عمل

دونوں قسم کے زنبور (بھڑ) ایک ہی جگہ سے پھلوں کا رس چوستی ہیں مگر ایک زنبور سے ڈنگ پیدا ہوا ہے اور دوسرا زنبور سے شہد پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو گوں آہو گیا خوردند آب زمیں یکے سرگیں شد ذال مشکتاب

اس شعر میں ایک دوسری مثال ذکر کرتے ہیں کہ دونوں قسم کے ہرن ایک ہی قسم کی گھاس چرتے ہیں اور ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے ہیں لیکن ایک سے تو میٹکیاں بنتی ہیں اور دوسرے سے خالص مشک نکلتی ہے۔

ہر دو نے خوردند از یک آب خورد آں یکے خالی و آں پر از شکر

یہ تیسری مثال ہے کہ دونوں قدم کی نے ایک ہی گھاٹ سے سیراب ہوتے ہیں لیکن ایک کھوکھلی ہے اور دوسری شکر اوری سے پر ہے۔

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں فرق شال ہفتاد سالہ راہ بیں

اس قسم کی سو ہزار نظریں دیکھو گے ان میں ستر سال کا فرق پاؤ گے۔

ایں خورد گرد و پلیدی ز وجہ او ال خورد گرد ہم نور خدا

خدا کا نافرمان غذا کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے اور خدا کا فرمانبردار کھاتا ہے تو اس سے نور خدا یعنی معرفت اور محبت خداوندی پیدا ہوتی ہے۔

ایں خورد ز اید ہمہ بخل و حمد و ال خورد ز اید ہمہ نور احد

یہ کھاتا ہے تو سراسر بخل و حمد پیدا ہوتا ہے اور وہ کھاتا ہے تو اس سے نور خدا پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو صورت گر ہم مانند رواست آب تلخ و آب شیریں و اصفاست

سعید اور شقی کا صورت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مشابہ ہونا ممکن ہے جیسا کہ آب تلخ اور آب شیریں ظاہر کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ دونوں میں صفائی موجود ہے مگر حقیقت مختلف ہے۔ جس کا فرق چکھنے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ کفار نے محض ظاہری مشابہت کی بنا پر انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے ہمسرا اور برابر جانا یہی ان کی کور باطنی اور بے عقلی کی دلیل ہے رہبر کا کام راستہ بتانا ہے۔ اگر کسی گم گشتہ راہ کو قیود و وق میدان میں کوئی رہنما مل جائے جو راستہ سے بخوبی واقف ہو اور وہ اس کو راستہ بتلائے اور یہ شخص جواب میں یہ کہے کہ تم تو مجھ جیسے انسان ہو میں تم کو ہادی کیسے مانوں اور تمہارے کہنے پر کیسے چلوں تو یہی جواب اس کی نادانی اور حماقت کی دلیل ہے بلاشبہ وہ ہادی طریق صورت و شکل میں تم ہی جیسا انسان ہے مگر وہ منزل مقصود کی راہ سے بخوبی واقف ہے اور تم بے خبر ہو۔

وَ اُوْحٰی اِلٰی نُوحٍ اَنْهٗ كُنْ مِّنْ مَّنۡ يُّدْعٰی اِلَآءِ مَنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنۡ قَدۡ اٰمَنَ فَلَا تَبۡتَغِۡسۡ نَحۡسَنَۙ بِمَا كَانُوۡا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾

مِنَ الشِّرۡكِ فَدَعَا عَلَیۡہِمۡ بِقَوْلِہٖ رَبِّ لَا تَدۡرُ الْخ فَاۡجَابَ اللّٰهُ تَعَالٰی دُعَاۡتَہٗ وَقَالَ وَ اَصۡبِغۡ

الْفُلْكَ السَّفِينَةَ بِأَعْيُنِنَا بَرَأَى مِثْلَ وَحِفْظِنَا وَوَحِينَا أَمْرُنَا وَلَا تُخَاطِبُنِي فِي الَّذِينَ كَفَرُوا
 بِرُؤْيَا أَهْلَابِهِمْ إِنَّهُمْ مُعْرِقُونَ ٥ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ حِكَايَةُ حَالِ مَاضِيَةٍ وَكَلِمًا مَرَّةً عَلَيْهِ مَلَأَ
 مَتَاعَهُ فَمِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ١ اسْتَهْزَؤُا بِهِ قَالَ إِنْ تَسَخَرُوا مِنِّي فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ٥
 إِذْ أَخْرَجْنَا زَوْجَ قَتْمٍ فَسَوْفَ نَعْمُونَ ١ مَنْ مَوْضِعُهُ مَفْعُولُ الْعِلْمِ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَجِلُّ يَنْزِلُ
 عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ٥ دَائِمٌ حَتَّى غَايَةَ اللَّصْنِ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا بِأَهْلَابِهِمْ وَقَارَ الثَّنُورُ لِلخِتَارِ بِالمَاءِ
 وَكَانَ ذَلِكَ عَلَامَةً لِنُوحٍ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا فِي السَّفِينَةِ مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ أَيْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى أَيْ مِنْ كُلِّ
 أَنْوَابِهِمَا اثْنَيْنِ ذَكَرًا وَأُنْثَى وَهُوَ مَفْعُولٌ وَفِي الْقِصَّةِ أَنَّ اللَّهَ حَشَرَ لِنُوحٍ السَّبَاعَ وَالطَّيْرَ وَغَيْرَهُمَا
 فَجَعَلَ يَضْرِبُ بِيَدَيْهِ فِي كُلِّ نَوْعٍ فَتَقَعُ بِيَدِهِ الِئْمَنَى عَلَى الذَّكَرِ وَالِئْمَنَى عَلَى الْأُنْثَى فَيَحْمِلُهُمَا فِي
 السَّفِينَةِ وَأَهْلَكَ أَيْ زَوْجَتَهُ وَأَوْلَادَهُ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ أَيْ مِنْهُمْ بِالْإِهْلَاكِ وَهُوَ زَوْجَتُهُ وَوَلَدُهُ
 كَيْفَانُ بِخِلَافِ سَامٍ وَحَامٍ وَيَأْتِي فَحْمَلُهُمْ وَزَوْجَاتِهِمْ ثَلَاثَةٌ وَمَنْ آمَنَ ١ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ٥
 قِيلَ كَأَنَّهُ سِتَّةُ رِجَالٍ وَنِسَاءُهُمْ وَقِيلَ جَمِيعٌ مَنْ كَانَ فِي السَّفِينَةِ لِمَا تَوَنَّنَ يَضْفُفُهُمْ رِجَالٌ وَيَضْفُفُهُمْ
 نِسَاءً وَقَالَ نُوحٌ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِبَهَا وَمُرْسَاهَا ١ بِنْفَحِ الْيَمِينِ وَضَمَّيْهَا مُضْبَرٌ أَيْ
 جَرِّهَا وَزَوْجَتَهَا أَيْ مَتْنَهَا سَبْرُهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ٥ حَيْثُ لَمْ يَهْلِكْنَا وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي
 مَوْجٍ كَأَجْبَالٍ ١ فِي الِارْتِفَاعِ وَالْعَظْمِ وَنَادَى نُوحٌ ابْنَهُ كِنْعَانَ وَكَانَ فِي مَعْبَدٍ عَنِ السَّفِينَةِ يُبْنِي
 ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ٥ قَالَ سَارِقٌ إِلَى جَبَلٍ يَعْصِنِي يَمْنَعُنِي مِنَ السَّاءِ ١ قَالَ لَا
 عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ عَذَابِهِ إِلَّا لِمَنْ رَحِمَ ١ اللَّهُ فَهُوَ الْمَعْصُومُ قَالَ تَعَالَى وَحَالٌ بَيْنَهُمَا
 النُّوحُ فَكَانَ مِنَ الْمُعْرِقِينَ ٥ وَقِيلَ يَأْرَضُ ابْلَغِي مَاءِكَ الَّذِي تَبِعَ مِنْكَ فَسَرِبَتْهُ دُونَ مَا نَزَلَ مِنْ
 السَّمَاءِ فَصَارَ أَنهَارًا وَبِحَارًا وَيَسْمَاءُ أَقْلَبِي أَمْسِكِي عَنِ الْمَطَرِ فَا مَسَكْتُ وَغِيضٌ نَقْصُ الْمَاءِ وَ
 قُبْحَى الْأَمْرُ تَمَّ أَمْرُهُ هَلَاكِ قَوْمِ نُوحٍ وَاسْتَوَتْ وَقَفَّتِ السَّفِينَةُ عَلَى الْجُودِيِّ جَبَلٍ بِالْجَزِيرَةِ بِقُرْبِ
 الْمَوْجِلِ وَقِيلَ بَعْدَ أَهْلَابِنَا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ٥ الْكَافِرِينَ وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي يَتَّبِعُنِي

ورخص السبح والناك والروايات

كِنَعَانَ مِنْ أَهْلِي وَقَدْ وَعَدْتَنِي بِنَجَاتِهِمْ وَإِنْ وَعَدَكَ الْحَقُّ الَّذِي لَا خُلْفَ فِيهِ وَأَنْتَ أَحْكَمُ
 الْحَكِيمِينَ ۝ أَعْلَمُهُمْ وَأَعْدَلُهُمْ قَالَ تَعَالَى يَتُوحَّ إِثْمًا لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۝ التَّاجِحِينَ أَوْ مِنْ أَهْلِ دِينِكَ
 إِنَّهُ سَأَلَكَ إِنِّي بِنَجَاتِهِ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۝ فَإِنَّهُ كَانُوا وَلَا نَجَاةَ لِلْكَافِرِينَ وَفِي قِرَاءَةِ بِكُشْرٍ مِنْ عَمَلٍ
 فِعْلٌ وَنَصَبٌ غَيْرُ فَالضَّمِيرُ لِإِبْنِهِ فَلَا تَسْأَلُنِ بِاللَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۝ مِنْ أَجْلِ
 إِبْنِكَ إِنِّي أَعْظَمُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ بِسْوَائِكَ مَا لَمْ تَعْلَمْ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ
 أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۝ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي مَافَرَطَ مِنِّي وَتَرْحِمْنِي أَكُنُ مِنَ الْخَسِرِينَ ۝ قِيلَ يَتُوحَّ
 أَهْبَطْ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ بِسَلَامَةٍ أَوْ بِنَجْوَى مِمَّا وَبَرَكَتٍ خَيْرَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمَّةٍ مِمَّنْ
 مَعَكَ ۝ فِي السَّمَاءِ أَيْ مِنْ أَوْلَادِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأُمَّةٌ بِالتَّرْفِعِ مِمَّنْ مَعَكَ سَمِعْتَهُمْ فِي
 الدُّنْيَا ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِمَّا عَذَابُ أَلِيمٌ ۝ فِي الْآخِرَةِ وَهُمْ الْكُفَّارُ تِلْكَ أَيْ هَذِهِ الْآيَاتُ الْمُتَضَمِّنَةُ قِصَّةَ
 نُوحٍ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ أَخْبَارًا غَابَ عَنْكَ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۝ يَا مُحَمَّدُ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا
 قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا الْقُرْآنِ فَاصْبِرْ ۝ عَلَى التَّبَلُّغِ وَأَذَى قَوْمِكَ كَمَا صَبَرَ نُوحٌ إِنَّ الْعَاقِبَةَ
 لِلْمُحْمَدِ لِلْمُتَّقِينَ ۝

معاذ اللہ، الوقت طویل ہے، اس لیے اسے اس وقت تک نہیں لکھا جا سکتا۔

ترجمہ: اور نوح علیہ السلام پر وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لائے وہ تمہاری قوم میں سے ہیں اس پر کچھ غم (رج) نہ کھاؤ (یعنی شریکہ کام پر چنانچہ پھر نوح نے قوم کے حق میں رب سے دعا کی اور اللہ نے ان کی بددعا قبول فرما کر حکم دیا کہ) اور ہماری نگرانی (ہمارے سامنے) اور ہماری حفاظت (میں اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بنا کر شروع کر دو اور ان ظالموں کے بارے میں (جنہوں نے کفر کیا ہے) اب ہم سے کچھ گفتگو نہ کرنا (کہ انہیں ہلاک نہ کیا جائے) یقیناً یہ سب غرق کئے جائیں گے چنانچہ نوح کشتی بنانے لگے (یہ حال ماضی کی حکایت ہے) جب ان میں سے کسی جماعت کا گزر نوح علیہ السلام پر ہوتا تو لوگ مذاق اڑانے لگتے (نوح علیہ السلام کے ساتھ ٹھٹھے کرتے) نوح علیہ السلام انہیں جواب دیتے کہ اگر تم ہماری ہنسی اڑاتے ہو تو اس طرح ہم بھی ہنسیں گے (جب ہم فٹا جائیں گے اور تم ڈوب جاؤ گے) وہ وقت دور نہیں جب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے (یہ من موصولہ علم کا مفعول واقع ہو رہا ہے) جس پر عذاب آتا ہے کہ اسے رسوا کر دے اور پھر ہمیشہ کا عذاب بھی اس پر نازل ہو یہاں تک کہ (یہ کشتی بنانے کی غایت ہے) جب وہ وقت آ گیا کہ (انہیں ہلاک کرنے کے متعلق) ہمارا حکم آپہنچا اور تنور نے جوش مارا (جو روٹیاں پکانے کا تھا اس سے پانی اٹھنے لگا اور نوح علیہ السلام کو عذاب کی یہی علامت بتائی گئی تھی) تو ہم نے حکم دیا کہ ہر قسم کے جوڑے (یعنی یک ز

ہر ایک ایک مادہ جانور ہر قسم کے جانوروں سے (دو دو (زاور، دو ترکیب میں یہ مفعول ہے اور ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے لئے درندے پرندے وغیرہ سب جانور اکٹھے کر دیئے چنانچہ جب پکڑنے کے لئے وہ ہاتھ بڑھاتے تو غیر انتیاری طور پر ان کا دایاں ہاتھ زہر پر اور بایاں ہاتھ مادہ پر پڑتا تھا غرضیکہ اس طرح انہوں نے جانوروں کو کشتی میں چڑھایا (لے لو اور اپنے گھر والوں (بیوی بچوں) کو بھی سوار کر لو مگر اہل و عیال میں وہ لوگ داخل نہیں جن کے بارے میں پہلے کہا جا چکا ہے) یعنی جن کے ہلاک ہونے کا حکم ہو چکا ہے آپ کی بیوی اور کنعان لڑکا برخلاف سام حام یا نث کے چنانچہ ان تینوں جہازوں کو ان کی بیویوں سمیت ساتھ لے لیا) اور ان لوگوں کو بھی لے لو جو ایمان لا چکے ہیں اور نوح پر بہت ہی کم لوگ ایمان لائے (بعض کی رائے میں چھ مرد اور عورتیں تھیں اور بعض نے کشتی پر موجود سب کی مجموعی تعداد اسی ۸۰ بتلائی ہے جن میں سے آدھے مرد اور آدھی عورتیں تھیں) اور (نوح نے) ساتھیوں سے کہا کشتی میں سوار ہو جاؤ اللہ کے نام سے اسے چلانا ہے اور اللہ ہی کے نام سے اسے ٹھہرانا ہے (دولوں کی انتہاء ہے) بے شک میرا پروردگار بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے (کہ اس نے ہمیں ہلاک نہیں کیا) اور ایسی موجوں میں جو (بلند اور بڑی ہونے میں) پہاڑ کی طرح اٹھتی ہیں کشتی انہیں یبحار ہی ہے اور نوح نے اپنے بیٹے (کنعان) کو پکارا وہ (کشتی سے) ایک طرف کنارے پر کھڑا تھا اے میرے پیارے بیٹے! ہمارے ہاتھ کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت رہ کہنے لگا میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا نوح نے کہا آج اللہ کے قہر (غذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر ہاں وہی جس پر اللہ رحم کر دے (وہی بچ سکتا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے) کہ اتنے میں ان دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی پس وہ بھی غرق ہو گیا اور حکم ہوا کہ اے زمین! اپنا پانی نکل جا (جو تیرے اندر سے نکلا تھا چنانچہ زمین نے سارا پانی چوس لیا البتہ آسمان سے جو پانی برساتا وہ ندی نالوں، دریاؤں، سمندروں کی شکل میں باقی رہ گیا) اور اے آسمان! تمہم جا (برسنے سے رک جا پس وہ بھی ٹھہر گیا) اور سکھا دیا گیا پانی (گھٹ گیا) اور قصہ ختم ہوا (قوم نوح کے ہلاک ہونے کا حادثہ پورا ہو گیا) اور کشتی جو دی (ایک پہاڑ ہے موصل کے قریب ایک جزیرہ میں) پر ٹھہر گئی اور کہہ دیا گیا کہ نمرادی (تہامی) ظلم کرنے والے (کافروں کے) گروہ کے لئے ہے اور نوح نے اپنے پروردگار سے دعا کی اور عرض کیا خدایا! میرا بیٹا (کنعان) تو میرے گھر کے لوگوں میں سے ہے (جن کے بارے میں آپ نے نجات کا وعدہ کر رکھا ہے) اور یقیناً آپ کا وعدہ سچا ہے آپ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں (جو آپ سے زیادہ باخبر و رخصت ہو) فرمایا (حق تعالیٰ نے) اے نوح! وہ تمہارے گھر کے لوگوں میں شمار نہیں (جو نجات پانے والے یا آپ کے دین پر ہوں) واقعہ یہ ہے کہ یہ (تمہارا اس کی نجات کے متعلق سفارش کرنا ہی) ٹھیک کام نہیں ہے (کیونکہ وہ کافر ہے اور کافروں کی نجات نہیں ہوگی اور ایک قراءت میں فعل کے مسم کا کسرہ پڑھا گیا ہے غیر منصوب ہے پس اس صورت میں ضمیر ابن کی طرف لوٹ رہی ہے) پس جس بات کی تمہیں خبر نہ ہو (یعنی اپنے بیٹے کی رہائی) اس بارے میں مجھ سے درخواست مت کر (لنکلسنلن تخفیف اور تشدید دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے) میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادان مت بن جاؤ (جس بات کا پتہ نہ ہو اس کا سوال کر کے) عرض کیا باری تعالیٰ! میں اس بات سے آپ کے حضور پناہ مانگتا ہوں کہ اسی بات کا سواں جس کی حقیقت کا مجھے علم نہ ہو مگر آپ نے مجھے (میری کوتاہی پر) معاف نہ کیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں تباہ حال

لوگوں میں سے ہو جاؤں گا حکم ہوا اے نوح! اب کشتی سے اتر آؤ (کشتی سے باہر نکل آؤ) ہماری طرف سے سلامتی (سلام) بمعنی سلامتی ہے یا سلام کرنا مراد ہے) اور برکتیں (بھلائیاں) لے کر جو آپ پر اور آپ کے ساتھ والی جماعت پر ہوں (جو کشتی میں ساتھ رہیں یعنی ان کی اولاد اور نسل پر، مراد تمام اہل ایمان ہیں) اور کتنی ہی جماعتیں ہیں (رفع کے ساتھ ہے آپ کے ساتھیوں میں سے) جنہیں ہم (دنیا میں) چند روزہ عیش دیں گے لیکن پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچا (آخرت میں اس سے مراد کفار ہیں) یہ قصہ (یعنی یہ آیتیں جن میں نوح کے واقعہ کی تفصیل ہے) غیب کی خبروں میں سے ہے (جو باتیں آپ کے سامنے کی تھیں) جسے وحی کے ذریعہ ہم بتلا رہے ہیں (اے محمد) اس (قرآن) سے پہلے نہ تو یہ خبریں آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم کو پتہ تھا پس صبر کیجئے (تبلیغ کے سلسلہ میں اور اپنی قوم کی ایذا رسانی پر جیسے نوح نے صبر کیا تھا) (نیک) انجام متقیوں کے لئے ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و شرح

قولہ: **پَا عَيْنِنَا**: یہ موضع حال میں ہے یعنی میں اس کو اپنی نگرانی میں محفوظ رکھوں گا بناوٹ و چلاؤ میں ٹیڑھ نہ ہوگا یہ بطور تشبیل ہے۔

قولہ: **إِنَّهُمْ مُّعْرِقُونَ** ⑩: ان کے متعلق غرق کا فیصلہ ہو چکا اب رکنے کی کوئی راہ نہیں۔

قولہ: **حِكَايَةُ حَالِ مَاضِيَةٍ**: گزشتہ خبر کو بطور حکایت زمانہ حال میں بیان کیا۔

قولہ: **إِسْتَهْرَأُ وَابِه**: اس لئے پانی سے دور جنگل میں انہوں نے کشتی بنائی یا ان کا مضحکہ اڑایا کہ پہلے تو نبی تھا اب بڑھی بن گیا۔

قولہ: **عَايَةُ لِلصَّنْعِ**: یہ صنم کی غایت ہے یا تہ اور بحل کی نہیں کیونکہ تنور کا جوش مارنا جاء کا معطوف ہے اور وہ عذاب کی آمد سے پہلے ہے۔

قولہ: **عَلَامَةٌ لِنُوحٍ**: چشمے پھوٹنے کی بطور خرق عادت یہ ابتداء تھی۔

قولہ: **مِنْ كُلِّ أُنْوَاعِهِمَا**: نر و مادہ تمام نوع کے استغراق کے لئے کل آیا ہے۔

قولہ: **وَهُوَ مَفْعُولٌ**: اثنین اہل کا مفعول ہے جبکہ حمل کو اضافت سے پڑھا جائے۔

قولہ: **بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِبَهَا**: از گبوا سے متصل یہ واؤ سے حال ہے ای اذ گبوا فیہا مسبین اللہ

قولہ: **جَرِبُهَا وَرُسُوْهَا**: یہ دونوں مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے

قولہ: **فِي مَعَزٍ**: یہ مفعول کے وزن پر دوری کے معنی میں ہے۔

قولہ: **لَكِنْ اِلٰی**: کا معنی لکن سے کر کے اشارہ کیا یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔

قبولین ۲۶۵
 قولہ: الَّذِي تَبَعَ مِنْكَ: اس میں زمین کی طرف پانی کے لبت کرنے کی وجہ بتلائی کہ پانی اس سے پھوٹا تھا۔
 قولہ: اَمْسِكِي: قلع یہ نزع کے معنی میں نہیں ہے۔

قولہ: فَاَمْسِكِي: اس سے اشارہ کیا کہ غیض کا عطف مقدر پر ہے جو کہ امر کا جواب ہے۔

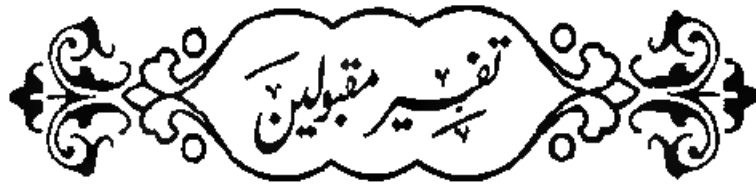
قولہ: التَّاجِينِ: یہ اہل کی صفت ہے یا ضمیر کہ مخذوف کا مضاف ہے
 قولہ: اِنَّهُ سَوَّالِكْ: اِنَّہ کی ضمیر سوال کی طرف ہے اہل کی طرف نہیں۔

قولہ: وَرَنْصَبُ غَيْرِ: یہ مصدر مخذوف کی صفت ہے۔ ای عملاً غَيْرِ صَالِح
 قولہ: التَّشْدِيدِ: ابن کثیر نے نون مشددا اور فتح سے پڑھا: فَلَا تَسْأَلُنِ

قولہ: مِنْ اَوْلَادِهِمْ: یہ ام کہنے کی وجہ ہے حالانکہ وہ تھوڑے تھے مطلب یہ ہے۔ من ابتداء نہایت کے لئے ہے۔
 ای غلی اُمِّمِ نَاشِئَةٌ مَّعَنُ مَّعَكَ

قولہ: بِالرَّفْعِ: یہ ام مرفوع ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور اس کی خبر سَمِعْتَهُمْ ہے پس معنی یہ ہے مِمَّنْ مَّعَكَ
 سَنَسْتَعْتُهُمْ فِي الدُّنْيَا

قولہ: هَذِهِ الْآيَاتُ: یہ ہذیہ کے مؤنث ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ حالانکہ خبر مذکر ہے۔ فتدبر



وَأَنْجِي إِلَى نَجْحٍ.....

توم نوح کا مانگا ہوا عذاب اسے ملا:

توم نوح نے جب عذابوں کی مانگ جلدی چھائی تو آپ نے اللہ سے دعا کی الہی زمین پر کسی کافر کو رہا ستا نہ چھوڑ۔
 پروردگار میں عاجز آ گیا ہوں، تو میری مدد کر۔ اسی وقت وحی آئی کہ جو ایمان لے چکے ہیں ان کے سوا اور کوئی اب ایمان نہ لائے گا تو
 ان پر افسوس نہ کرنے ان کا کوئی ایسا خاص خیال کر۔ ہمارے دیکھتے ہی ہماری تعلیم کے مطابق ایک کشتی تیار کر اور اب ظالموں کے
 بارے میں ہم سے کوئی بات چیت نہ کر، ہم ان کا ڈبو دینا مقرر کر چکے ہیں۔ بعض سلف کہتے ہیں حکم ہوا کہ لکڑیاں کاٹ کر سکھا کر
 نئے بنا لو۔ اس میں ایک سو سال گزر گئے پھر مکمل تیاری میں سو سال اور نکل گئے ایک قول ہے چالیس سال لگے واللہ اعلم۔ ام
 محمد بن اسحق توراہ سے نقل کرتے ہیں کہ ساگ کی ککڑی کی یہ کشتی تیار ہوئی اس کا حول اسی (۸۰) ہاتھ تھا اور عرض پچاس (۵۰)
 اٹھ کا تھا۔ اندر باہر سے روغن کیا گیا تھا پانی کاٹنے کے پر پرزے بھی تھے قنادہ کا قول ہے کہ لہبائی تین سو ہاتھ کی تھی۔ ابن عباس
 کا فرمان ہے کہ طول بارہ سو ہاتھ کا تھا اور چوڑائی چھ سو ہاتھ کی تھی۔ کہا گیا ہے کہ طول دو ہزار ہاتھ اور چوڑائی ایک سو ہاتھ کی تھی
 واللہ اعلم۔ اس کی اندرونی اونچائی تیس ہاتھ کی تھی اس میں تین درجے تھے ہر درجہ دس ہاتھ اونچا تھا۔ سب سے نیچے کے حصے میں

چوپائے اور جنگلی جانور تھے۔ درمیان کے حصے میں انسان تھے اور اوپر کے حصے میں پرندے تھے۔ ان میں چھوٹا دروازہ تھا، اوپر سے بالکل بند تھی۔ ابن جریر نے ایک غریب، شہ عبداللہ بن عباس سے ذکر کیا ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم سے درخواست کی کہ اگر آپ بحکم الہی کسی ایسے مردہ کو جلاتے جس نے کشتی نوح دیکھی ہو تو ہمیں اس سے معلومات ہوتیں آپ نے انہیں لے کر ایک نیلے پر پہنچ کر وہاں کی مٹی اٹھائی اور فرمایا جانتے ہو یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ہی علم ہے۔ آپ نے فرمایا یہ پنڈلی ہے حام بن نوح کی پھر آپ نے ایک لکڑی اس نیلے پر مار کر فرمایا اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہوا اس وقت ایک بڑھا سا آدمی اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تو بڑھا پے میں مرا تھا۔ اس نے کہا نہیں مرا تو تھا جوئی میں لیکن اب دل پر دہشت بیٹھی کہ قیامت قائم ہوگئی اس دہشت نے بوڑھا کر دیا۔ آپ نے فرمایا اچھا حضرت نوح کی کشتی کی بابت اپنی معلومات بیان کرو۔ اس نے کہا وہ بارہ سو ہاتھ لمبی اور چھ سو ہاتھ چوڑی تھی تین درجوں کی تھی۔ ایک میں جانور اور چوپائے تھے، دوسرے میں انسان، تیسرے میں پرند، جب جانوروں کا گوبر پھیل گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کی طرف وحی بھیجی کہ ہاتھی کی دم ہلاؤ۔ آپ کے ہلاتے ہی اس سے فزیر ز مادہ نکل آئے اور وہ میل کھانے لگے۔ چوہوں نے جب اس کے تختے کترنے شروع کئے تو حکم ہوا کہ شیر کی پیشانی پر انگلی لگا۔ اس سے لمبی کا جوڑا نکلا اور چوہوں کی طرف پکا۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے سوال کیا کہ حضرت نوح (علیہ السلام) کو شہروں کے غرقاب ہونے کا علم کیسے ہو گیا؟ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے کوئے کو خبر لینے کے لیے بھیجا لیکن وہ، یک ماش پر بیٹھ گیا، دیر تک وہ واپس نہ آیا تو آپ نے اس کے لیے ہمیشہ ڈرتے رہنے کی بددعا کی۔ اسی لیے وہ گھروں سے مانوس نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے کبوتر کو بھیجا وہ اپنی چونچ میں زیتون کے درخت کا پتہ لے کر آیا اور اپنے پنجوں میں خشک مٹی لایا اس سے معلوم ہو گیا کہ شہر ڈوب چکے ہیں۔ آپ نے اس کی گردن میں خصرہ کا طوق ڈال دیا اور اس کے لیے امن دانس کی دعا کی پس وہ گھروں میں رہتا سہتا ہے۔ حواریوں نے کہا اے رسول اللہ آپ انہیں ہمارے ہاں لے چلے کہ ہم میں بیٹھ کر اور بھی باتیں ہمیں سنائیں۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے ساتھ کیسے آسکتا ہے جب کہ اس کی روزی نہیں۔ پھر فرمایا اللہ کے حکم سے جیسا تھا ویسا ہی ہو جاوے، وہ اسی وقت مٹی ہو گیا۔ نوح (علیہ السلام) تو کشتی بنانے میں لگے اور کافروں کو ایک مذاق ہاتھ لگ گیا وہ چلتے پھرتے انہیں چھیڑتے اور باتیں بناتے اور طعنہ دیتے کیونکہ انہیں جھوٹا جانتے تھے اور عذاب کے وعدے پر انہیں یقین نہ تھا۔ اس کے جواب میں حضرت نوح (علیہ السلام) فرماتے اچھا دل خوش کر لو وقت آ رہا ہے کہ اس کا پورا ابد لے لیا جائے۔ ابھی جان لو گے کہ کون اللہ کے عذاب سے دنیا میں رسوا ہوتا ہے اور کس پر اخروی عذاب آچھتا ہے جو کبھی نالے نہ نئے۔

قوم نوح پر عذاب الہی کا نزول:

حسب فرمان ربی آسمان سے موسلا دھار لگا تا بارش برسے لگی اور زمین سے بھی پانی ایلنے لگا اور ساری زمین پانی سے بھر گئی اور جہاں تک منظور رب تھا پانی بھر گیا اور حضرت نوح کو رب العالمین نے اپنی نگاہوں کے سامنے چلنے والی کشتی پر سوار کر دیا۔ اور کافروں کو ان کے کفر کردار کو پہنچا دیا۔ تنور کے ایلنے سے بقول ابن عباس یہ مطلب ہے کہ روئے زمین سے چشمے پھوٹ پڑے یہاں تک کہ آگ کی جگہ تنور میں سے بھی پانی ایل پڑا۔ یہی قول جمہور سلف و خلف ہے کہ ہے۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ تنور صبح کا لکھنا اور فجر کا روشن ہونا ہے یعنی صبح کی روشنی اور فجر کی چمک لیکن زیادہ غالب پہلا قول ہے۔ مجاہد اور شعبی کہتے ہیں یہ

نور کو نے میں تھا۔ بن عباس سے مروی ہے ہند میں ایک نہر ہے۔ قنادہ کہتے ہیں جزیرہ میں ایک نہر ہے جسے عین الورود کہتے ہیں۔ لیکن یہ سب اقوال غریب ہیں۔ الفرض ان علامتوں کے ظاہر ہوتے ہی نوح علیہ السلام کو اللہ کا حکم ہوا کہ اپنے ساتھ کشتی میں جاندار مخلوق میں سے ہر قسم کا ایک ایک جوڑا زادہ سوار کر لو۔ کہا گیا ہے کہ غیر جاندار کے لیے بھی یہی حکم تھا۔ جیسا نباتات۔ کہا گیا ہے کہ پرندوں میں سب سے پہلے ورہ کشتی میں آیا اور سب سے آخر میں گدھا سوار ہونے لگا۔ ابلیس اس کی دم میں لٹک گیا جب اس کے در اگلے پاؤں کشتی میں آگئے اس کا اپنا دھڑاٹھانا چاہا تو نہ اٹھاسکا کیونکہ دم پر اس ملعون کا بوجھ تھا۔ حضرت نوح جلدی کر رہے تھے یہ بہتیرا چاہتا تھا مگر پچھلے پاؤں چڑھ نہیں سکتے تھے۔ آخر آپ نے فرمایا آج تیرے ساتھ ابلیس بھی ہو آیا تب وہ چڑھ گیا اور ابلیس بھی اس کے ساتھ ہی آیا۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ شیر کو اپنے ساتھ لے جانا مشکل ہو گیا، آخر اسے بخار چڑھ آیا تب اسے سوار کر لیا۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے رسول اللہ (ﷺ) فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے جب تمام مویشی اپنی کشتی میں سوار کر لیے تو لوگوں نے کہا شیر کی موجودگی میں یہ مویشی کیسے آرام سے رہ سکیں گے؟ پس اللہ تعالیٰ نے اسے بخار ڈال دیا۔ اس سے پہلے زمین پر یہ بیماری نہ تھی۔ پھر لوگوں نے چوہے کی شکایت کی یہ ہمارا کھانا اور دیگر چیزیں خراب کر رہے ہیں تو اللہ کے حکم سے شیر کی چھینک میں سے ایک بلی نکلی جس سے چوہے و بک کر کو نے کھد رے میں بیٹھ رہے۔ حضرت نوح کو حکم ہوا کہ اپنے گھردالوں کو بھی اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا لو مگر ان میں سے جو ایمان نہیں لائے انہیں ساتھ نہ لینا۔ آپ کا لڑکا مام بھی انہیں کافروں میں تھا وہ الگ ہو گیا۔ یا آپ کی بیوی کہ وہ بھی اللہ کے رسول کی منکر تھی اور اپنی قوم کے تمام مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ بٹھالے لیکن ان مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔ ساڑھے نو سو سال کے قیام کی طویل مدت میں آپ پر بہت ہم کم لوگ ایمان لائے تھے ابن عباس فرماتے ہیں کل اسی آدمی تھے جن میں عورتیں بھی تھیں کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سب بہتر (۷۲) اشخاص تھے۔ ایک قول ہے صرف دس (۱۰) آدمی تھے ایک قول ہے حضرت نوح تھے اور ان کے تین لڑکے تھے سام، مام، یالث اور چار عورتیں تھیں۔ تین تو ان تینوں کی بیویاں اور چوتھی حام کی بیوی اور کہا گیا ہے کہ خود حضرت نوح کی بیوی۔ لیکن اس میں نظر ہے ظاہر یہ ہے حضرت نوح کی بیوی ہلاک ہونے والوں میں ہلاک ہوئی۔ اس لیے کہ وہ اپنی قوم کے دین پر ہی تھی تو جس طرح لوط علیہ السلام کی بیوی قوم کے ساتھ ہلاک ہوئی اسی طرح یہ بھی۔ واللہ اعلم و احکم۔ (تفسیر ابن کثیر)

کشتی نوح پر کون کون سوار ہوا؟

حضرت نوح جنہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے ان سے فرمایا کہ آؤ اس میں سوار ہو جاؤ اس کا پانی پر چلنا اللہ کے نام کی برکت سے ہے اور اسی طرح اس کا آخری ٹھہراؤ بھی اسی پاک نام سے ہے۔ ایک قرأت میں مچرھا و مرسھا بھی ہے۔ یہی اللہ کا آپ کو حکم تھا کہ جب تم اور تمہارے ساتھی ٹھیک طرح بیٹھ جاؤ تو کہنا (الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي تَجَسَّنَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ) (المؤمنون: ۲۸) اور یہ بھی دعا کرنا کہ (اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ مُسْتَضِلٌّ مُّسْتَضَلٌّ کَاوَا اَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِیْنَ) اس لیے مستحب ہے کہ تمام کاموں کے شروع میں بسم اللہ پڑھ لی جائے خواہ کشتی پر سوار ہونا ہو، خواہ جانور پر سوار ہونا ہو، جیسے فرمان باری ہے کہ اِن اللہ نے تمہارے لیے تمام جوڑے پیدا کئے ہیں اور کشتیاں اور چوپائے تمہاری سواری کے لیے پیدا کئے ہیں کہ تم ان کی پیٹھ پر سواری کرو، اِن۔ حدیث میں بھی اس کی تاکید اور رغبت آئی ہے، سورۃ زخرف میں اس کا پورا بیان ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ طبرانی

میں ہے حضور (ﷺ) فرماتے ہیں میری امت کے لیے ڈوبنے سے بچو ان کے اس قول میں۔

(بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ وَمَا قَدَرَ وَاللّٰهُ حَقُّ قَدْرِهِ) پوری (بِسْمِ اللّٰهِ تَجَزِيهَا وَمَنْ سَنَهَا رَانَ زَيْبًا) (سورہ: ۲۱) اس دعا کے آخر میں اللہ کا وصف غفور ورحیم اس لیے لائے کہ کافروں کی سزا کے مقابلے میں مومنوں پر رحمت و رحمت کا اظہار ہو۔ جیسے فرمان ہے تیرا رب جلد سزا کرنے والا اور ساتھ ہی غفور ورحیم بھی ہے۔ اور آیت میں ہے: (وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ) (الرعد: ۶) یعنی تیرا پروردگار لوگوں کے گناہوں کو بخشنے والا بھی ہے اور سخت سزا دینے والا بھی ہے۔ اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں رحمت و انتقام کا بیان ملا جا ہے۔

پانی روئے زمین پر پھر گیا ہے، کسی اونچے سے اونچے پہاڑ کی بلندی سے بلند چوٹی بھی دکھائی نہیں دیتی بلکہ پہاڑوں سے اوپر پندرہ ہاتھ اور بقولے اسی میل اوپر کو ہو گیا ہے باوجود اس کی کشتی نوح بحکم الہی برابر صحیح طور پر جا رہی ہے۔ خود اللہ اس کا محافظ ہے اور وہ خاص اس کی عنایت و مہر ہے۔ جیسے فرمان ہے: (إِنَّا لَنَاطِقًا لِّلْمَاءِ نَحْمَلُكُمْ فِي الْبَارِيَةِ) (نوح: ۱۱) یعنی پانی میں طغیانی کے وقت ہم نے آپ تمہیں کشتی میں چڑھالیا کہ ہم اسے تمہارے لیے نصیحت بنا لیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھ لیں اور آیت میں ہے کہ ہم نے تمہیں اس تختوں والی کشتی پر سوار کرایا اور اپنی حفاظت میں پارا تارا اور کافروں کو ان کے کفر کا انجام دکھا دیا اور اسے ایک نشان بنا دیا کیا اب بھی کوئی ہے جو عبرت حاصل کرے؟ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کو بلایا یہ آپ کے چوتھے لڑکے تھے اس کا نام تھا یہ کافر تھا اسے آپ نے کشتی میں سوار ہونے کے وقت ایمان کی اور اپنے ساتھ بیٹھ جانے کی ہدایت کی تاکہ ڈوبنے سے اور کافروں کے عذاب سے بچ جائے۔ مگر اس بد نیت نے جواب دیا کہ نہیں مجھے اس کی ضرورت نہیں میں پہاڑ پر چڑھ کر طوفان باراں سے بچ جاؤں گا۔ ایک اسرائیلی روایت میں ہے کہ اس نے شیخے کی کشتی بنائی تھی واللہ اعلم قرآن میں تو یہ ہے کہ اس نے یہ سمجھا کہ یہ طوفان پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں پہنچے گا میں جب چوٹی پر جا پہنچوں گا تو یہ پانی میرا کیا گاڑے گا؟ اس پر حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ آج عذاب الہی سے کہیں پناہ نہیں دہی بچے گا جس پر اللہ کا رحم ہو۔ یہاں غاصم معصوم کے معنی میں ہے۔

جیسے طامع مطعوم کے معنی میں اور کاہی کسو کے معنی میں آیا ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی ہیں جو ایک موج آئی اور پھر نوح کو لے ڈوبی۔

طوفان نوح علیہ السلام کی روداد:

روئے زمین کے سب لوگ اس طوفان میں جو درحقیقت غضب الہی اور مظلوم پیغمبر کی بددعا کا عذاب تھا غرق ہو گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ عزوجل نے زمین کو اس پانی کے نکل لینے کا حکم دیا جو اس کا اگلا ہوا اور آسمان کا برسایا ہوا تھا۔ ساتھ ہی آسمان کو بھی پانی برسانے سے رک جانے کا حکم ہو گیا۔ پانی گھٹنے لگا اور کام پورا ہو گیا یعنی تمام کافر نابود ہو گئے، صرف کشتی والے مومن ہی بچے۔ کشتی بحکم ربی جو دی پر رکی۔ مجاہد کہتے ہیں یہ جزیرہ میں ایک پہاڑ ہے سب پہاڑ ڈوب دیے گئے تھے اور یہ پہاڑ بوجہ اپنی عاجزی اور تواضع کے غرق ہونے سے بچ رہا تھا یہیں کشتی نوح لنگر انداز ہوئی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں مہینے بھر تک یہیں لگی رہی اور سب اتر گئے اور کشتی لوگوں کی عبرت کے لیے یہیں ثابت و سالم رکھی رہی یہاں تک کہ اس امت کے اول لوگوں نے بھی

ڈوبنے لگے تو اس بچے کی ماں جسے اپنے اس بچے سے غایت درجے کی محبت کی تھی وہ اسے لے کر پہاڑ کی طرف چلی گئی اور جلدی اس پر چڑھنا شروع کیا، تہائی حصے پر چڑھ گئی لیکن جب اس نے دیکھا کہ پانی وہاں بھی پہنچا تو اور اوپر چڑھی۔ دو تہائی کو پہنچی جب پانی وہاں بھی پہنچا تو اس نے چوٹی پر جا کر دم سیا لیکن پانی وہاں بھی پہنچ گیا جب گردن گردن پانی چڑھ گیا تو اس نے اپنے بچے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اونچا اٹھا لیا لیکن پانی وہاں بھی پہنچا اور ماں بچہ دونوں غرق ہو گئے۔ پس اگر اس دن کوئی کافر بھی بچنے والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس بچے کی ماں پر رحم کرتا۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے کہ کعب احبار، مجاہد اور ابن جبیر سے بھی اس بچے اور اس کی ماں کا یہی قصہ مروی ہے۔

نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کے لیے نجات کی دعا اور جواب:

یاد رہے کہ یہ دعا حضرت نوح علیہ السلام کی محض اس غرض سے تھی کہ آپ کو صحیح طور پر اپنے ڈوبے ہوئے لڑکے کا حال معلوم ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ پروردگار یہ بھی ظاہر ہے کہ میرا لڑکا میرے اہل میں سے تھا۔ اور میری اہل کو بچانے کا تیرا وعدہ تھا اور یہ بھی ناممکن ہے کہ تیرا وعدہ غلط ہو۔ پھر یہ میرا بچہ کفار کے ساتھ کیسے غرق کر دیا گیا؟ جواب ملا کہ تیری جس اہل کو نجات دینے کا میرا وعدہ تھا ان میں تیرا یہ بچہ داخل نہ تھا، میرا یہ وعدہ ایمانداروں کی نجات کا تھا۔ میں کہہ چکا تھا کہ (وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنهُمْ) وَلَا تُخَاطَبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُخَرَّقُونَ (المؤمنون: ۲۷) یعنی تیرے اہل کو بھی تو کشتی میں چڑھالے مگر جس پر میری بات بڑھ چکی ہے وہ بوجہ اپنے کفر کے انہیں میں سے تھا جو میرے سابق علم میں کفر والے اور ڈوبنے والے مقرر ہو چکے تھے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جن بعض لوگوں نے کہا ہے یہ دراصل حضرت نوح علیہ السلام کا لڑکا تھا ہی نہیں کیونکہ آپ کے بطن سے نہ تھا۔ بلکہ ہدکاری سے تھا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ آپ کی بیوی کا اگلے گھر کا لڑکا تھا۔ یہ دونوں تو غلط ہیں بہت سے بزرگوں نے صاف لفظوں میں اسے غلط کہا ہے بلکہ ابن عباس اور بہت سے سلف سے منقول ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی زنا کاری نہیں کی۔ پس یہاں اس فرمان سے کہ وہ تیرے اہل میں سے نہیں یہی مطلب ہے کہ تیرے جس اہل کی نجات کا میرا وعدہ ہے یہ ان میں سے نہیں۔ یہی بات سچ ہے اور یہی قول اصلی ہے۔ اس کے سوا اور طرف جانا محض غلطی ہے اور ظاہر خطا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت اس بات کو قبول نہیں کر سکتی کہ اپنے کسی نبی کے گھر میں زانیہ عورت دے۔ خیال فرمائیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت جنہوں نے بہتان بازی کی تھی ان پر اللہ تعالیٰ کس قدر غضبناک ہوا اس لڑکے کے اہل میں سے نکل جانے کی وجہ خود قرآن نے بیان فرمادی ہے کہ اس کے عمل نیک نہ تھے عکرمہ فرماتے ہیں ایک قراءت (آیت ان عمل عملا غیر صالح) ہے سند کی حدیث میں ہے حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ (ﷺ) کو اذیۃ عمل غیور صالح (ہود: ۴۶) پڑھتے سنا ہے اور قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا عَلَي أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (انزور: ۵۳) پڑھتے سنا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوا کہ (آیت لِحَانَا هَمَّا) کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس سے مراد زانیہ نہیں بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت تو یہ تھی کہ لوگوں سے کہتی تھی یہ مجنون ہے اور حضرت لوط کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ جو مہمان آپ کے ہاں آتے اپنی قوم کو خبر کر دیتی۔ پھر آپ نے فرمایا اللہ سچا ہے اس نے اسے حضرت نوح کا لڑکا فرمادیا ہے۔ پس وہ یقیناً حضرت نوح کا ثابت النسب لڑکا ہی تھا۔ دیکھو اللہ فرماتا

ہے: (ونادی نوح ابنہ) اور یہ بھی یاد رہے کہ بعض علماء کا قول ہے کہ کسی ٹہنی کی بیوی نے کبھی زنا کاری نہیں کی ایسا ہی حضرت مجاہد سے مروی ہے۔ اور یہی ابن جریر کا پسندیدہ ہے۔ اور فی الواقع ٹھیک اور صحیح بات بھی یہی ہے۔

طوفان نوح کا آخری منظر:

کشتی ٹھہری اور اللہ کا سلام آپ پر اور آپ کے تمام مومن ساتھیوں پر اور ان کی اولاد میں سے قیامت تک جو ایماندار آنے والے ہیں سب پر نازل ہوا۔ ساتھ ہی کافروں کے دنیوی فائدے سے مستفید ہونے اور پھر عذاب میں گرفتار ہونے کا بھی اعلان ہوا۔ پس یہ آیت قیامت تک کے مومنوں کی سلامتی اور برکت اور کافروں کی سزا پر مبنی ہے۔ امام ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب جناب باری جل شانہ نے طوفان بند کرنے کا ارادہ فرمایا تو روئے زمین پر ایک ہوا بھیج دی جس نے پانی کو ساکن کر دیا اور اس کا اہلنا بند ہو گیا ساتھ ہی آسمان کے دروازے بھی جو اب تک پانی برسا رہے تھے بند کر دیئے گئے۔ زمین کو پانی کے جذب کر لینے کا حکم ہو گیا اسی وقت پانی کم ہونا شروع ہو گیا اور بقول اہل توراہ کے ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ کشتی نوح جو دی پر لگی۔ دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں کھل گئیں۔ اس کے چالیس دن کے بعد کشتی کے روزن پانی کے اوپر دکھائی دینے لگے۔ پھر آپ نے کوئے کو پانی کی تحقیق کے لیے بھیجا لیکن وہ پلٹ کر نہ آیا، آپ نے کبوتر کو بھیجا جو واپس آیا۔ اپنے پاؤں رکھنے کو اسے جگہ نہ ملی، آپ نے اپنے ہاتھ پر لے کر اسے اندر لے لیا، پھر ساٹھ دن کے بعد اسے دوبارہ بھیجا۔ شام کو وہ واپس آیا، اپنی چونچ میں زیتون کا پتہ لیے ہوئے تھا اس سے اللہ کے نبی نے معلوم کر لیا کہ پانی زمین سے کچھ ہی اونچا رہ گیا ہے۔ پھر سات دن کے بعد بھیجا اب کی مرتبہ وہ نہ لوٹا تو آپ نے سمجھ لیا کہ زمین بالکل خشک ہو چکی ہے۔ الغرض پورے ایک سال کے بعد حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کا سرپوش اٹھایا اور آواز آئی کہ اے نوح ہماری نازل کردہ سلامتی کے ساتھ اب اتر آؤ گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَأَرْسَلْنَا إِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ مِنَ الْقَبِيلَةِ هُودًا ۖ قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَخَدُّوهُ مَا لَكُمْ مِن زَائِدَةٍ إِلَيْهِ
 غَيْرُهُ ۚ إِنَّ مَا أَنْتُمْ فِي عِبَادَتِكُمُ الْأَوْثَانِ إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿۵۰﴾ كَذِبُونَ عَلَى اللَّهِ يَقَوْمِ لَأَسْأَلَنَّكُمْ عَلَيْهِ
 عَلَى التَّوْحِيدِ أَجْرًا ۚ إِنَّ مَا أَجْرِي إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۖ خَلَقَنِي أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۵۱﴾ وَيَقَوْمِ
 اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ مِنَ الشِّرْكِ ثُمَّ تَوَبُوا ۚ جِعُوا إِلَيْهِ بِالطَّاعَةِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ الْمَطَرَ ۖ وَكَانُوا قَدْ مُنَعَوْهُ
 عَلَيْكُمْ مَدْرَارًا كَثِيرًا ۚ وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ مَعَ قُوَّتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْوَلَدِ ۖ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ﴿۵۲﴾
 فُشِّرْ كَيْفَ قَالُوا يَهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ ۖ بِيْرَهَانَ عَلَى قَوْلِكَ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي الْهَيْتِنَا عَنْ قَوْلِكَ أَيْ
 لِقَوْلِكَ ۖ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۵۳﴾ إِنَّ مَا نَقُولُ فِي شَانِكَ إِلَّا اعْتَرَاكَ أَصَابِكَ بَعْضُ الْهَيْتِنَا
 بِسُوءٍ ۖ فَخَبَلَكَ بِسَبِّكَ إِيَّاهَا فَانْتَ تَهْدِي ۖ قَالَ رَبِّي أَشْهَدُ اللَّهُ عَلَى ۖ وَاشْهَدُوا أَبِي بَرِيٍّ ۖ مِمَّا

تَشْرِكُونَ ۝ بِهِ مِنْ دُونِهِ فَكَيْدُوْنِي اِحْتَالُوْنِي مَلَائِكِي جَمِيْعًا اَنْتُمْ وَاَوْلَاٰنُكُمْ ثُمَّ لَا تُنظُرُوْنَ ۝

تُمَهْلُوْنَ اِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ۝ مَا مِنْ زَالِدَةٍ دَابَّةٍ نَسَسَتْ تُدْبُ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا هُوَ

اَخَذَ بِنَاصِيَتِهَا ۝ اَي مَالِكُهَا وَقَاهِرُهَا فَلَا نَفْعَ وَلَا ضَرَرَ اِلَّا بِاِذْنِهِ وَخُصَّ النَّاصِيَةُ بِالذِّكْرِ لِانَّ مَنْ

اَخَذَ بِهَا صَبِيحَةً يَكُوْنُ فِي غَايَةِ الدَّلِّ اِنَّ رَبِّي عَلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ ۝ اَي طَرِيْقِ الْحَقِّ وَالْعَدْلِ فَاِنْ تَوَلَّوْا

فِيْهِ حَذْفٌ اِحْدَى التَّائِيْنِ اَي تُعْرِضُوْا فَقَدْ اَهْلَعْتُمْ مَا اَرْسَلْتُ بِهٖ اِلَيْكُمْ ۝ وَ يَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا

غَيْرَكُمْ ۝ وَلَا تَضْرُوْنَهُ شَيْئًا ۝ بِاِشْرَاِكِكُمْ اِنَّ رَبِّي عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝ زَقِيْبٌ وَ لَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا

عَذَابُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَاَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَنْجَيْنَاهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ شَدِيْدٍ

اِشَارَةٌ وَ تِلْكَ عَادٌ اِلَى اٰثَرِهِمْ اَي فَيَسِيْحُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَاَنْظُرُوْا اِلَيْهَا ثُمَّ وَصَفَ اَحْزَالَهُمْ فَقَالَ

جَعَدُوْا بِاٰيَاتِ رَبِّهِمْ وَ عَصَوْا رُسُلَهُ جَمْعٌ لِانَّ مَنْ عَضِيَ رَسُوْلًا عَضِيَ جَمِيْعَ الرُّسُلِ لِاِشْتِرَاِكِهِمْ

فِيْ اَصْلِ مَا جَاؤَ بِهِ وَهُوَ التَّوْحِيْدُ وَ اتَّبَعُوْا اَي السُّئْلَةَ اَمْرٌ كُلُّ جَهَادٍ عَنِمْهَا ۝ مُعَايِدٌ مُّعَارِضٌ لِلْحَقِّ

مِنْ رُوْسَائِهِمْ وَ اتَّبَعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً مِّنَ النَّاسِ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَعْنَةٌ عَلٰى رُوْسِ الْخٰلِقِ اِلَّا

۝ اِنْ عَادَا كَفَرُوْا اَجْحَلُوْا رَبِّهِمْ ۝ اَلَا بُعْدًا مِّنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ لِعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝

توجیحاً: اور عادی طرف ہم نے بھیجا ان کے بھائی (قبیلہ میں سے) ہود کو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی

بندگی (توحید) بجالاؤ اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں (من زائدہ ہے) کہ بت پرستی کر کے افتراء پر دازیاں کر رہے ہو

(خدا پر جھوٹ باندھ رہے ہو) اے میری قوم کے لوگو! میں تم سے اس (توحید کی دعوت) پر کچھ معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ

تو اسی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے پھر کیا تم یہ بھی نہیں سمجھتے ہو؟ اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے پروردگار سے (شرک کی)

(معافی مانگا کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ مانگو) اس کی فرمانبرداری کی طرف رجوع کرو) وہ تم پر ثوب (موسلا دھار) بارش

برسائے گا (ان پر بارش بندھی) اور تمہاری قوت میں (مال و اولاد کے ذریعہ) اور قوت کا اضافہ کرے گا اور جرم (شرک)

کرتے ہوئے اس سے منہ نہ موڑو، ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے ہود! آپ ہمارے سامنے کوئی ایسی دلیل تو لے کر آئے

نہیں (اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل پیش نہیں کی) ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ تم پر ایمان

لانے والے ہیں (آپ کے بارے میں) ہمارا فیصلہ تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں ہی میں سے کسی کی مار (آفت) تم پر پڑ گئی

ہے (ان کی شان میں برا بھلا کہنے اور بے ادبی کرنے کی وجہ سے تمہارے رماغ میں تورا آ گیا ہے جس سے تم پر ہڈیاں اک

رہے ہو) ہونے جو اب دیا کہ میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ ہو کہ جن ہستیوں کو تم نے اللہ کے شریک ٹھہرا رکھا ہے میں ان سے بیزار ہوں۔ بجز خدا کے لہذا تم سب مل کر (تم اور تمہارے معبود) میرے خلاف جو کچھ داؤ گمات (ہلاک کرنے کی تدبیر) کر سکتے ہو ضرور کرو پھر مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے (کوئی حرکت کرنے والی (زمین پر چلنے والی چیز) نہیں ہے (من زائدہ ہے) مگر اس کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے (یعنی اللہ ہی سب کا مالک اور سب پر غالب ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کو بھی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا اور خصوصیت کے ساتھ پیشانی کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ جس کی پیشانی دوسرے کے قابو میں آ جاتی ہے وہ بہت زیادہ بے بس اور عاجز ہو جاتا ہے) بے شک میرا پروردگار سیدھی راہ (حق و انصاف کے طریقہ) پر ہے پھر بھی اگر تم پھرے رہے (دو تائیس سے ایک حذف ہے یعنی اگر تم نے راگردانی کی) تو جس بات کے لئے میں بھیجا گیا ہوں وہ میں نے تم تک پہنچا دی ہے اور میرا پروردگار کسی دوسرے طبقہ کو تمہاری جگہ دے دے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے (اس کے ساتھ شرک کر کے) یقیناً میرا پروردگار ہر چیز کا نگراں حال (نہمان) ہے اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے اپنی رحمت (ہدایت) سے ہود کو اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو ایسے عذاب سے بچایا جو بہت ہی سخت (شدید) تھا یہ عادی سرگذشت تھی (اس قوم کے حالات کی طرف اشارہ ہے یعنی ملک میں چل پھر کر ان آثار پر نظر ڈالو، چنانچہ ان احوال کا ذکر کیا جا رہا ہے) جنہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیاں جھٹلائیں اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی (رسول کو جمع کے صیغہ کے ساتھ اس لئے بیان کیا گیا کہ جس شخص نے ایک رسول کی نافرمانی کی اس نے سب رسولوں کی نافرمانی کی کیونکہ اصل دعوت توحید تو سب کی ایک ہی تھی) اور (ان میں سے کتر درجہ کے لوگ) متکبر اور ضدی لوگوں (حق کا مقابلہ کرنے والے سرکش سرداروں) کے کہنے پر چلتے رہے اس دنیا میں بھی ان پر (لوگوں کی) لعنت علامت پڑی اور قیامت کے دن بھی (سب کے سامنے پھٹکار) پڑے گی خوب سن لو قوم عاد نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا خوب سن لو کہ رحمت الہی سے دور ہو گئی ہود کی قوم عاد۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و شرح

قولہ: **أَرْسَلْنَا**: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف نو حوالی قومہ پر ہے قریب پر نہیں۔
 قولہ: **مِنَ الشِّرْكِ**: جب گزشتہ زمانہ میں انہوں نے کفر کیا ہے تو استغفار کفر سے توبہ کا نام ہے اس لئے اس کا اس پر عطف نہیں ہو سکتا۔

قولہ: **الْمَظَرِ**: بجل کا ذکر کر کے حال مراد لیا۔
 قولہ: **فِي شَانِكَ**: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ تمام اقوال کی نفی ہود علیہ السلام کے حق میں ہے سوائے اس قول کے۔
 قولہ: **مَالِكُهَا**: پیشانی کے بال پکڑنا غلبے کی تمثیل ہے
 قولہ: **إِشَارَةٌ إِلَىٰ أَعْيُنِهِمْ**: اس میں اسم اشارہ کو مؤنث لانے کی وجہ بیان کی کہ آثار جمع مکسر ہے۔

۲۷۴
 قولہ: فَنَسِيخُوا فِي الْأَرْضِ: اس سے اس کلام کا فائدہ بتا دیا۔
 قولہ: یہ عار کا عطف بیان ہے۔ اس لئے لائے تاکہ عار ثانیہ سے انکار امتیاز ہو جائے۔

تفسیر مقبولین

وَالَّذِينَ عَادُوا أَخَاهُمْ هُودًا....

قوم عاد کو ہود علیہ السلام کا تبلیغ فرمانا اور نافرمانی کی وجہ سے قوم کا ہلاک ہونا:

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی سرکشی اور ضد و عناد اور کفر و تکذیب کی سزا کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم یعنی قوم عاد کی سرکشی و نافرمانی اور ضد و عناد کی تکذیب کا تذکرہ فرمایا یہ لوگ بڑی قوت والے اور بڑے ڈیل ڈول والے تھے ان کو اپنی قوت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ سورۃ النجر میں ہے: (الَّذِينَ كَفَرُوا كَيْفَ وَقَعَلْ رَبُّكَ بِعَادِ - اِرْمَ ذَاتِ الْعِمَادِ - الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ) (کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کی قد و قامت ستون جیسی تھی جن کے شہروں میں ان جیسا پیدا نہیں کیا گیا)۔

اور سورۃ حم سجدہ میں ان کے غرور اور گھمنڈ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: (لَأَمَّا عَادُ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً) لیکن قوم عاد نے زمین میں تکبر کیا اور انہوں نے کہا کہ زور آوری میں ہم سے زیادہ بڑھ کر کون ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً) (کیا انہوں نے نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ جس نے انہیں پیدا فرمایا ان سے بڑھ کر قوت والا ہے) حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد ہی میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں تبلیغ کی توحید کی دعوت دی شرک سے باز آنے کی تلقین فرمائی اور ان سے فرمایا کہ دیکھو میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا ہوں۔ تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرو اسی پر ایمان لاؤ اور اسی کی عبادت کرو اور یہ جو تم نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں ان کو تم اللہ کا شریک بتاتے ہو یہ تمہارا افتراء ہے اور جھوٹ ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں اللہ کی نعمتیں بھی یاد دلائیں اور ان سے فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں قوم نوح کے بعد زمین میں بسایا ہے ان کے بعد تم زمین میں رہتے سہتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ڈیل ڈول بھی خوب دیا ہے تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو لیکن انہوں نے کہا کہ تم تو بے وقوف آدمی ہو اور ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ (سورۃ اعراف رکوع ۹) اور انہیں نے یہ بھی کہا کہ تم ہمارے پاس کوئی دلیل و حجت تو لائے نہیں ہو جس کی وجہ سے ہم تمہیں اللہ کا رسول مانیں (یہ انہوں نے عناداً کہا) اور ہماری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ یہ جو تم بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ یعنی آسب وغیرہ پہنچا کر دیوانہ بنا دیا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں اور میں اس پر اللہ کو گواہ بنا تا ہوں اور تم بھی گواہ رہو اور یہ بھی فرمایا کہ دیکھو اب تو میرے اور تمہارے درمیان کھل کر دشمنی ہو گئی تم میرے دشمن ہو اپنی دشمنی میں کوئی کسر نہ اٹھا کر رکھو

مجھے دکھ پہنچانے میں تم سے جو کچھ مگر حیلہ سازی ہو سکے تم سب ل کر اس پر عمل کرو پھر مجھے ذرا سی بھی مہلت نہ دو دیکھو تم میرا کیا باز کتے ہو؟ میں نے صرف اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے تم اتنے سارے ہوتو تو شوکت والے ہو میں کیلا ہوں اللہ کا توکل وہ چیز ہے جسے یہ چیز حاصل ہو جائے اس کے سامنے مخلوق کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہذا میں تمہیں کچھ نہیں سمجھتا۔ زمین پر جتنے بھی چلنے پھرنے والے ہیں ان سب کی پیشانی اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے وہ مالک ہے قادر ہے قاهر ہے تم بھی زمین پر چلتے پھرتے اس کی مخلوق ہو اور مقہور و مجبور ہو تمہیں اس سے ڈرنا چاہیے بیشک میرے رب کی رضا صراط مستقیم پر چلنے میں ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی موجودہ نعمتیں بھی یاد دلائی اور آئندہ نعمتیں ملنے رہنے کا عملی طریقہ بتایا اور وہ یہ کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو یعنی ایمان لاؤ تمہارا گزشتہ سب کچھ معاف ہو جائے گا اس کے حضور میں توبہ بھی کرو اللہ تعالیٰ تم پر غم بارش بھیج دے گا جو ضرورت کے وقت خوب برسی رہے گی اور تمہاری جو موجودہ قوت و طاقت و زور آوری ہے اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ بڑھا دے گا۔ صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ تین سال تک بارشیں نہیں ہوئی تھیں اور عورتیں بانجھ ہو گئی تھیں اولاد پیدا نہ ہوتی تھیں مال و اولاد نہ ہونے سے قوت میں کمی ہو رہی تھی حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان لاؤ اور اللہ کی طرف رجوع کرو مال بھی ملے گا اور اولاد بھی ہوگی اور ان دونوں کے ذریعے تمہاری قوت میں اضافہ ہوگا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے واضح طور پر فرمادیا کہ دیکھو اگر تم روگردانی کرو گے اور جو پیغام میں لے کر آیا ہوں اسے نہ مانو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے اور تمہارے بعد اللہ دوسری قوم کو زمین میں بسا دے گا اپنے زور و قوت پر جو تمہیں گھمنڈ ہے یہ بیجا ہے اللہ تعالیٰ عذاب بھیج دے گا تم اسے کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکو گے اور یہ نہ سمجھنا کہ جب عذاب آئے گا تو سب پر آئے گا عذاب کافروں پر آئے گا اہل ایمان کو بچالے گا۔ ان کی قوم نے کہا کہ تم ہمیں یہ پیغام دے رہے ہو کہ ہم صرف تمہارا اللہ کی عبادت کریں اور اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں (یہ ہم سے نہیں ہو سکتا) تم جو یہ بار بار کہتے ہو کہ عذاب آئے گا عذاب آئے گا اگر تم سچے ہو تو عذاب لے آؤ۔ ایک تو انہوں نے کفر و شرک کو نہیں چھوڑا دوسرے اپنے منہ سے عذاب طلب کیا۔ لہذا حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا: (قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ رِجْسٌ وَ غَضَبٌ) (تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ نازل ہونے کا فیصلہ ہو چکا) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان پر عذاب آیا۔ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں یعنی اللہ ایمان کو اللہ تعالیٰ نے نجات دے دی اور باقی قوم کو سخت عذاب میں مبتلا فرمایا جس سے وہ ہلاک ہو گئے اللہ تعالیٰ نے سخت آندھی بھیجی جو سات رات اور آٹھ دن تک برابر چلتی رہی اور وہ ایسے رہ گئے گویا خالی کھجوروں کے تنے ہوں جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں فرمایا ہے اور سورۃ احقاف میں فرمایا (فَلَمَّا رَأَوْا غَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا هَذَا غَارِضٌ مُعْطِرٌ كَابِلٌ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ * تَدْمِرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَى إِلَّا مَسَكِنَتُهُمْ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ) (سو جب انہوں نے بادل کو دیکھا جو ان کی وادیوں کے سامنے آ رہا ہے تو کہنے لگے کہ یہ بادل ہے جو ہم پر پانی برسانے والا ہے یہ بات نہیں کہ وہ پانی برسانے کا بلکہ وہ چیز ہے جس کی تم جلدی مچا رہے تھے۔ یہ ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گی۔ سو وہ لوگ صبح کے وقت اس حال

۲۷۶
 میں ہو گئے کہ ان کے رہنے کے گھروں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا ہم اسی طرح بحر میں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ سورہ تم حمیدہ اور سورہ الذاریات اور سورہ الحاقہ میں بھی قوم عاد پر سخت ہوا کے عذاب آنے کا ذکر ہے۔ واقعہ عذاب بتا کر ارشاد فرمایا: (وَأْتِئُوا إِلَىٰ هَذِهِ النُّجُومِ الْعِتَّةِ وَيَوْمَ الْعِيتَةِ) (اور اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی) یعنی وہ دنیا میں بھی ملعون ہوئے اور آخرت میں بھی ان پر لعنت ہوگی (الْأَلْبَانُ عَادًا كَفَرُوا وَارْتَبَهُمْ) (خبردار عادتے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا) (الْأَلْبَانُ عَادًا قَوْمِ هُودٍ) (خبردار اللہ کی رحمت سے قوم عاد کیلئے دوری ہے جو ہود کی قوم تھی)۔

وَأَرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ هُودٍ أَخَاهُمْ مِنَ الْقَبِيلَةِ صَالِحًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَخِدُّوهُ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنشَأَكُمْ مِنْ الْأَرْضِ بِخَلْقِ آبَائِكُمْ أَذَمَّ مِنْهَا فِيهَا جَعَلَكُمْ عُمَمًا زَانِسُكُنُونَ بِهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ مِنَ الشُّرْكِ ثُمَّ تَوَبُّوا إِلَيْهِ بِالطَّاعَةِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مِنْ خَلْقِهِ بَعْلِهِ مُجِيبٌ ۝ لَمَنْ سَأَلَ قَالَوا يُطْلِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا نَرْجُو أَنْ تَكُونَ سَيِّدًا قَبْلَ هَذَا الَّذِي صَدَرَتْكَ أَتْنَهْنَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا مِنَ الْأَوْثَانِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مِنَ التَّوْحِيدِ مُرِيبٌ ۝ مَوْعٍ فِي الرَّيْبِ قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيْتِنَا بَيِّنَةٌ بَيِّنٌ مِنْ رَبِّي وَالشَّيْءُ مِنْهُ رَحْمَةٌ نُؤْتُهُ فَمَنْ يَنْصُرُنِي بِمَنْبِيِّ مِنْ اللَّهِ أَىٰ عَذَابِهِ إِنْ عَصَيْتُهُ فَمَا تَزِيدُونَنِي بِأَمْرِ كُمْ لِي بِذَلِكَ غَيْرَ تَحْسِيرٍ ۝ نُضَلِّلُ وَ يَقَوْمِ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ خَالِ عَامِلَهُ الْإِسْرَارَةَ فَذَرُوهَا تَاكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ غَيْرِ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۝ إِنْ عَقَرْتُمُوهَا فَعَقَرُوهَا عَقْرَهَا فُذَارِ بِأَمْرِ هُمْ فَقَالَ صَالِحٌ تَمَتَّعُوا عَيْشُوهَا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ثُمَّ تُهْلَكُونَ ذَلِكَ وَعَدَا غَيْرِ مَكْدُوبٍ ۝ فِيهِ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا بِأَمْلَاكِهِمْ نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَهُمْ أَرْبَعَةُ آلَافٍ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ بِكُفْرِ الْعِيسَىٰ عِزَابًا وَفَتَحْنَا بَابًا لِأَصْحَابِنَا إِلَىٰ مَنبِيِّ وَهُوَ الْأَكْثَرُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝ الْغَالِبُ وَ أَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جِثِيمِينَ ۝ بَارِكِينَ عَلَىٰ الرَّكْبِ مَبِينٌ كَانَ مُخَفَّفَةً وَاسْمُهَا مَحْدُوفٌ أَىٰ كَانَتْهُمْ لَمْ يَغْنَوْا يُقِيمُوا فِيهَا فَبِي دَارِهِمْ إِلَّا أَنْ تَمُودًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۝ إِلَّا بَعْدَ التَّمُودِ ۝ بِالضَّرْفِ وَتَرْكِهِ عَلَىٰ مَنَعِي الْحَيِّ وَالْقَبِيَّةِ

توجیح پہنچا: اور ہم نے نمود کی طرف (ان کی برادری) کے بھائی صالح کو بھیجا صالح نے وعظ کیا اے میری قوم کے لوگو اللہ کی (نہا) بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا شروع میں (شروع میں بنایا) زمین سے (سب انسانوں کے باپ آدم کو مٹی سے پیدا کیا) پھر اسی میں تمہیں بسا دیا (تمہیں آباد کر دیا کہ تم اس میں رہنے لگے) پس چاہئے کہ اس سے بخشش مانگو (شرک سے) اور (اطاعت کر کے) اس کی طرف رجوع کرو یقین کرو میرا پروردگار قریب ہے (اپنی مخلوق سے علم کے لحاظ سے) اور قبول کرنے والا ہے (دعاؤں کو) کہنے لگے اے صالح! (اس معاملہ سے) پہلے تو تم ایسے آدمی تھے کہ ہم سب کی امیدیں تم سے وابستہ تھیں (کہ تم ہم میں سردار ہو گئے) پھر کیا تم ہمیں ان چیزوں کی پوجا کرنے سے روکتے ہو (بت پرستی سے) جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں ہمیں اس بات میں بڑا ہی شبہ ہے جس (توحید) کی طرف تم بلا رہے ہو جس نے ہمیں تردد میں ڈال رکھا ہے (دل میں اترتی نہیں ہے) صالح نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل (بیان) پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت (نبوت) مجھے عطا فرمائی ہو تو پھر کون ہے جو اللہ کے (عذاب) کے مقابلہ میں میری مدد کرے اگر میں اس کے حکم سے روگردانی کروں پس تم مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا رہے ہو (مجھے اس بات پر آمادہ کر کے) مگر میرا سراسر نقصان کر رہے ہو (گمراہ کر کے) اور اے میری قوم کے لوگو! دیکھو یہ اللہ کی ادنیٰ ہے تمہارے لئے نشانی ہے (آیہ حال ہے جس میں حدہ ام اشارہ عمل کر رہا ہے) پس اسے چھوڑو اللہ کی زمین میں جرتی پھرے اسے کسی طرح کی اذیت نہ پہنچانا (کبھی کو چھیں کاٹ دو) نہ فوراً تمہیں عذاب آپکڑے گا (اگر تم نے اس کی نائگیں کاٹیں) لیکن لوگوں نے اسے مار ڈالا (قدار نامی شخص نے سب لوگوں کے کہنے سے اس کی کو چھیں کاٹ ڈالیں) تو صالح بولے تم اپنے گھروں میں بسر کر لو (مذاق اڑالو) تین دن (پھر تم پر تباہی آنے والی ہے) اور اس وعدہ میں ذرا بھی جھوٹ نہیں ہے پھر جب ہمارا حکم (ان کی تباہی کے بارے میں) پہنچا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے (چار ہزار آدمی) اپنی رحمت سے بچا لیا اور اس دن کی بڑی رسوائی سے نجات دی (یومئذ مہم کے کسرہ کی صورت میں معرب ہوگا اور مہم کے فتح کی صورت میں معنی ہوگا معنی کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے اور یہی اکثر کی حالت ہے) بے شک پروردگار ہی قوت اور غلبہ والا (غالب) ہے اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انہیں ایک زور کی کڑک نے آدبا یا جب صبح ہوئی تو سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے (گھٹنوں کے بل مردہ پڑے تھے) گویا (ان مخففہ ہے اس کا اسم مخذوف ہے کا نم تھا) ان (گھروں) میں کبھی بسے (آباد ہوئے) ہی نہ تھے خوب سن رکھو کہ قوم نمود نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی خوب سن لو! نمود کو رحمت سے دوری ہوگئی (لفظ نمود منصرف اور غیر منصرف پڑھا گیا ہے قبیلہ کے معنی میں لیتے ہوئے)۔

کلمات تفسیر یہ کی توضیح و شرح

قولہ: أَرْسَلْنَا: اس کا عطف نحو حالی قومہ پر ہے قریب پر نہیں۔

قولہ: جَعَلَكُمْ: یہاں باب استفعال تیسرے کے لئے ہے طلب کے لئے نہیں۔
 قولہ: عُمَّارًا: اس سے اشارہ کہ استعمار عمارت سے یعنی تم کو عمارت بنانے کی قدرت دی یہ عمر سے ماخوذ نہیں۔
 قولہ: تَسْكُنُونَ: اس میں تعمیر کی وجہ بتائی کیونکہ رہائش کا مقام ہی عموماً آباد ہوتا ہے۔
 قولہ: الَّذِي صَدَرَ مِنْكَ: ہماری امیدیں تم سے منقطع ہو چکیں۔
 قولہ: مُوقِعِ فِي الرَّيْبِ: یعنی وہ صاحب ریب نہیں۔
 قولہ: اِنْ عَقَرْتُمُوْهَا: اس کو اس لئے مقدر مانا تاکہ کلام کی تفریح بٹھائی جاسکے۔
 قولہ: لَكُمْ اَبَه: یعنی نبوت پر دلالت والی نشانی ہے لکم یہ آیت سے حال ہے نکرہ ہونے کی وجہ سے مقدم کیا۔
 قولہ: نُمْ تَهْلِكُونَ: اس کو مقدر مانا کیونکہ اس سے غرض تہدید ہے۔ جو باہق کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔
 قولہ: وَنَجِّنَاهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ مِنْ خِزْيٍ متعلق مقدر کے لحاظ سے نَجِيْنًا کو پر معطوف ہے۔
 قولہ: بِنَاءٍ لِإِضَافَتِهِ: ظرف زمان کی اضافت جب اسم بہم کی طرف ہو تو مضاف الیہ کی وجہ سے مبنی بن جاتا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَالَّذِي تَتَّبِعُوا خَلْقَهُمْ ضَالًّا ...

(ابیط) اب یہ تیسرا قصہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا ہے اور حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے درمیان سو برس کا فاصلہ ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی امت کو عاد اولی کہتے ہیں اور حضرت صالح علیہ السلام کی امت کو عاد ثانیہ کہتے ہیں۔ جس کا نام ثمود ہے اور حجر میں جو شام اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے رہا کرتے تھے۔

قوم ثمود کو صالح علیہ السلام کا تسلیغ سرمانا اور قوم کا ناسرمانی کی وجہ سے ہلاک ہونا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور قوم ثمود کی طرف ہم نے اس کے لہی اور خاندانی بھائی صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ صالح کو انکا بھائی اس لحاظ سے کہا کہ وہ اسی خاندان اور قبیلہ کے ایک فرد تھے۔ قرابت لہی کے اعتبار سے ان کو بھائی کہا انہوں نے اپنی قوم سے یہ فرمایا اے میری قوم تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کا جسم زمین سے بنایا پھر آدم علیہ السلام سے سب آدمی پیدا ہوئے اس لفظ سے حق تعالیٰ کی کمال قدرت کو بیان فرمایا اور اس لفظ میں اجمالی اشارہ اس طرف تھا کہ جس طرح ایک انسان کا مٹی سے پیدا ہونا ممکن ہے اسی طرح ایک حیوان (یعنی ناقہ) کا ایک پتھر سے پیدا ہونا بھی ممکن ہے اور زمین سے پیدا کرنے کے بعد تم کو زمین میں آباد کیا یا یہ معنی ہیں کہ تمہاری عمریں دراز کہیں حاصل یہ کہ حق تعالیٰ نے کمال قدرت سے تم کو جو عطا فرمایا اور تمہاری حیات اور بقاء کا سامان پیدا کیا پس اس منعم حقیقی سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو یعنی ایمان لاؤ پھر ہم تم اس کی طرف متوجہ ہو جو تحقیق میرا پروردگار اہل توبہ و رائل استغفار سے قریب ہے اور ان کی توبہ و استغفار کا قبول کرنے والا ہے۔ قوم کے لوگ بولے اے صالح! تو اس دعوائے نبوت اور

دعاے توحید سے پہلے ہونہار معلوم ہوتا تھا۔ امید لگایا گیا تھا یعنی تیری فراست اور متانت کو دیکھ کر یہ امیدیں لگی ہوئی تھیں کہ تو قوم کا ماویٰ اور لجا بنے گا مگر تیری ان باتوں نے ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا تو نے ہمارے آباؤ اجداد کے قدیم مذہب کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صوح القرآن میں لکھتے ہیں ”یعنی ہونہار لگتا تھا کہ باپ دادا کی راہ روشن کریگا، تو لگا مٹانے“۔ بھلا اے صالح! تو ہم کو ان چیزوں کی پرستش سے منع کرتا ہے جن کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کیا کرتے تھے۔ کیا تیرا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے قدیم اور آبائی مذہب کو چھوڑ دیں اور جس دین کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے تحقیق ہم اس کے بارے میں بڑے شک میں پڑ گئے ہیں۔ جس نے ہم کو تردد اور اضطراب میں رکھا ہے۔ سبحان اللہ توحید میں تو اضطراب اور خلجان لاحق ہو گیا اور شرک کو اطمینان ہوتا ہے اور حق و ہدایت میں ان کو بے چینی اور بے اطمینانی ہوتی ہے ایسوں کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ صالح علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا اے قوم! بتلاؤ تو سہی کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن اور واضح حجت پر ہوں اور خدا نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت یعنی نبوت عطاء کی ہو تو میں خدا تعالیٰ کے روشن دلائل کو چھوڑ کر تمہارے شکوک اور اوہام کا پیرو کیسے ہو سکتا ہوں۔ پس اگر اس حالت میں خدا کی نافرمانی کروں اور تبلیغ احکام میں کوتاہی کروں تو بتاؤ کون ہے کہ جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کرے گا اور عذاب الہی سے مجھ کو بچائیگا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی معصیت خسران میں ہے پس تم نافرمانی کا مشورہ دیکر سوائے خسارہ اور نقصان کے میرے حق میں کوئی زیادتی نہیں کرتے۔ اس بحث اور مجادلہ کے بعد قوم نے صالح علیہ السلام سے نبوت رسالت کے لیے معجزہ طلب کیا کہ پتھر سے اونٹنی نکال کر دکھائیں حضرت صالح علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے پتھر میں سے اونٹنی پیدا ہوئی۔ جیسا کہ مفصل قصہ سورۃ اعراف میں گزر چکا اور جب وہ ناقہ پتھر سے نکلی تو صالح علیہ السلام نے اونٹنی کے بارے میں نصیحت شروع کی اور فرمایا اے میری قوم یہ اللہ کی دہنی ہے جو تمہارے لیے نبوت کی نشانی ہے کہ دفعۃً پتھر سے نمودار ہوئی ہے اور بغیر کسی نر کے حاملہ ہے اور بغیر پیدائش کے پتھر سے نکلی ہے اور بے شمار دودھ دیتی ہے یہ خدا کی قدرت کی نشانی ہے اور میری نبوت و رسالت کی بھی نشانی ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق میری صداقت ظاہر کرنے کے لیے بگم خداوندی بلا سبب ظاہری کے یکدم پتھر سے نکلی ہے اور یہ میری نبوت کا معجزہ ہے۔ (تفسیر کبیر صفحہ ۷۲ ج ۵)

غرض یہ کہ یہ اونٹنی اس وقت میری نبوت کی نشانی ہے، اور یہی اونٹنی آئندہ چل کر تمہاری ہلاکت اور عذاب کا پیش خیمہ بنے گی اور چونکہ یہ اونٹنی خاص طور پر منجانب اللہ بطور خرق عادت پیدا ہوئی ہے اس لیے اس ناقہ اللہ کے کچھ حقوق ہیں پس تم اللہ کی اونٹنی کو کھلا چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے چرتی اور کھاتی پھرے اور اسی طرح پانی کے بارے میں جتنا چاہے پانی پئے۔ اللہ کی اونٹنی کا حق سب پر مقدم ہے وہ اللہ کی اونٹنی ہے اللہ کی زمین سے کھائے گی تم پر اس کا دانہ اور چارہ نہیں وہ اونٹنی اس قدر فر بہ اور دراز تھی کہ دوسرے جانور اس کی صورت دیکھ کر بھاگ جاتے تھے لہذا اے میری قوم تم اس اونٹنی کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور برائی کے ارادہ سے اس کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ کیونکہ یہ ناقہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ ورنہ پھر تم کو فوری عذاب آپکڑے گا۔ یعنی اگر تم نے اس ناقہ کو پکڑا تو تم پر فوری عذاب نازل ہوگا۔ اور تم کو مہلت نہ ملے گی۔ سوائے انہوں نے باوجود اس نصیحت اور موعظت بلیغہ کے اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے تو صالح علیہ السلام نے فرمایا اچھا تین دن اپنے گھروں میں آرام و راحت کے گزار لو یعنی بدھ اور جمعرات اور جمعہ اور گزرا لو۔ اس کے بعد شنبہ کے روز تم پر عذاب آئے گا۔ یہ خدا کی طرف سے وعدہ ہے جس میں جھوٹ کا

کئی شائبہ نہیں تین دن کے بعد تم غارت ہو جاؤ گے۔ چنانچہ بدھ کے دن ان کے چہرے زرد ہو گئے۔ اور جمعرات کو سرخ اور جمعہ کے روز سیاہ اور ہفتہ کے دن عذاب نازل ہوا۔ پس حسب وعدہ تین دن گزرنے کے بعد جب ہمارے عذاب کا حکم آپہنچا تو ہم نے صالح علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنے فضل اور رحمت سے ان کو عذاب سے بچالیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی بچ لیا۔ بیشک تیرا پروردگار تو انا غالب ہے اپنے دوستوں کو عزت دیتا ہے اور دشمنوں کو ذلیل و خوار کرتا ہے اور جو لوگ ظالم تھے ان کو ایک چنگھاڑنے آ پڑا۔ سو دن صبح کو اپنے گھنٹوں کے بل بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے یعنی سب کے سب ایک چنگھاڑ سے مر گئے تو یادہ ان گھروں میں کبھی بے ہی نہ تھے۔

تین دن کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے ایک چیخ ماری جس سے سب کا دم نکل گیا۔ چیخ سے دل پھٹ گئے اور گھنٹوں کے بل مرے رہ گئے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار کا کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح ہلاک کیا۔ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سن لو کہ کفر کا میا زہ ایسا ہوتا ہے کہ قوم ثمود اللہ کی رحمت سے دور پھینک دی گئی۔ اور ایسی ہلاک اور برباد ہوئی کہ نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ یہ قصہ سورۃ اعراف میں بھی گزر چکا ہے وہاں ان کا عذاب رجفہ یعنی زلزلہ بیان کیا گیا ہے۔ وجہ تعلق وہاں گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلَنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ أَيُّ بِاسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ بَعْدَهُ قَالُوا سَلِمًا مَّصَدَّرَ قَالَ

سَلِمًا عَلَيْكُمْ فَمَا لَيْتَ أَنْ جَاءَ بِعَجَلٍ حَنِينًا ۝ مَشْرِي فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ

بِمَعْنَى الْكُرْهُمُ وَأَوْجَسَ أَضْمَرَ فِي نَفْسِهِ مِنْهُمْ خَيْفَةً ۝ خَوْفًا قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ

لُوطٍ ۝ لِلْهَلِكِ لَهُمْ وَأَمْرًا ۝ أَيُّ إِبْرَاهِيمَ سَارَةَ قَائِمَةً تُحَدِّثُهُمْ فَضَحِكْتِ إِسْتِشْشَارًا بِهَلَاكِهِمْ

فَبَشِّرْنَاهَا بِاسْحَاقَ ۝ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۝ وَلَدَهُ تَعِيشُ إِلَىٰ أَنْ تَرَاهُ قَالَتْ يَوَيْلَ لِي كَلِمَةً تَقَالُ

عِنْدَ أَمْرِ عَظِيمٍ وَالْأَلْفُ مُبَدَّلَةٌ مِنْ بَاءِ الْإِضَافَةِ ءَ الْإِدِّ وَأَنَا عَجُوزٌ لِي تَسْعُ وَتَسْعُرُونَ سَنَةً وَهَذَا بَعْلِي

شَيْخًا ۝ لَهُ مِائَةٌ وَعِشْرُونَ سَنَةً وَنَضَبُهُ عَلَى الْحَالِ وَالْعَامِلُ فِيهِ مَنَافِعُ ذَمِينِ الْإِشَارَةِ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ

عَجِيبٌ ۝ أَنْ يُؤَلَّدَ وَلَدٌ لِدَيْهِمْ مَبِينٍ قَالُوا أَنْعَجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ قُدْرَتِهِ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ

الْبَيْتِ ۝ بَيْتِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَحْمُودٌ مُجِيدٌ ۝ كَرِيمٌ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَالْخَوْفُ

وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ بِالزُّوْلَدِ أَخَذَ يُجَادِلُنَا بَجَادِلٍ رُسُلْنَا فِي شَأْنِ قَوْمِ لُوطٍ ۝ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ

كَثِيرٌ الْأَنَاءُ آوَاهُ مَنِيْبٌ ۝ رِجَاعٌ فَقَالَ لَهُمْ أَنْهَلِكُونَ قَرْيَةً فِيهَا ثَلَاثُمِائَةٍ مُؤْمِنِينَ قَالُوا لَا قَالَ أَنْهَلِكُونَ

قَرْيَةً فِيهَا مِائَتَا مُؤْمِنٍ قَالُوا لَا قَالَ أَنْهَلِكُونَ قَرْيَةً فِيهَا أَرْبَعُونَ مُؤْمِنًا قَالُوا لَا قَالَ أَنْهَلِكُونَ قَرْيَةً فِيهَا

اَرْبَعَةَ عَشَرَ مُؤْمِنًا قَالُوا لَا قَوْلَ لَنَا فِيهَا مُؤْمِنٍ وَاحِدًا قَالُوا لَا قَوْلَ لَنَا فِيهَا لِأَنَّ فِيهَا لُوطًا قَالُوا لَنْ نَحْنُ أَعْلَمُ
 بِبَنِي إِسْرَائِيلَ فَلَمَّا أَطَالَ مُجَادِلُهُمْ قَالُوا يَا بَرَهَيْمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا ۖ الْجِدَالُ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرٌ
 رَبِّكَ ۖ يَهْلِكُ فِيهِمُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝۱۰ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِئِمًا بِهِمْ خَبْرًا
 بِسَبِّهِمْ وَأَضَاقَ بِهِمْ ذُرْعًا صَدَرَ إِلَيْهِمْ جِسَانُ الرُّجُوزِ فِي ضُورَةٍ أَضْيَافٍ فَخَافَ عَلَيْهِمْ قَوْمَهُ وَ
 قَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۝۱۱ شَدِيدٌ وَجَاءَهُ قَوْمَهُ لَمَّا عَفِمْوْا بِهِمْ يَهْرَعُونَ يَسْرِعُونَ إِلَيْهِ ۖ وَمِنْ قَبْلُ
 قَبْلُ مَجِئِهِمْ كَانُوا يَعْمَلُونَ الشَّيْءَ ۖ هِيَ إِتْيَانُ الرِّجَالِ فِي الْأَذْبَانِ قَال لُوطُ يَقَوْمِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي
 فَتَزَوَّجُوهُنَّ هُنَّ أَطَهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزَوْنِ نَفْسِي خُزِي فِي ضَيْفِي ۖ أَضْيَافِي أَلَيْسَ مِنْكُمْ
 رَجُلٌ رَشِيدٌ ۝۱۲ يَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَمَا كُنَّا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَيْثُ
 خَاجَةٌ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا تُبَيِّدُ ۝۱۳ مِنْ إِتْيَانِ الرِّجَالِ قَالُوا لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ أَوْ آوِي إِلَى دُكَّانٍ
 سَلِيمٍ ۝۱۴ عَشِيرَةٌ تَنْصُرُنِي لَبَطَشْتُ بِكُمْ فَلَمَّا رَأَتْ الْمَلَائِكَةُ ذَلِكَ قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ
 يَصِلُوا إِلَيْكَ بِسُوءِ فِئَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعِ طَائِفَةٍ مِنَ الْبَيْتِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ لِيَلَّا يَرَى عَظِيمٍ
 مَا يَنْزِلُ بِهِمْ إِلَّا أَمْرَاتُكَ ۖ بِالرَّفْعِ بَدَلٌ مِنْ أَحَدٍ وَفِي قِرَاءَةِ بِالنَّصْبِ اسْتِثْنَاءٌ مِنَ الْأَهْلِ أَيْ فَلَا تَسْرِ بِهَا
 إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۖ فِقِيلٌ إِنَّهُ لَمْ يَخْرُجْ بِهَا وَقِيلَ خَرَجَتْ وَالتَّفْتُّ فَقَالَتْ وَأَقَوْمَاهُ فَجَاءَهَا
 خَيْرٌ فَقَتَلَهَا وَسَأَلْتُهُمْ عَنْ وَقْتِ هَلَاكِهِمْ فَقَالُوا إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۖ فَقَالَ أُرِيدُ أَعْجَلَ مِنْ ذَلِكَ
 فَالزَّا أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ۝۱۵ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا بِأَهْلِكَ جَعَلْنَا عَلَيْهَا أَيْ قُرَاهِمُ سَافِلَهَا بِأَنْ رَفَعَهَا
 جَبْرِيْلُ إِلَى السَّمَاءِ وَأَسْقَطَهَا مَقْلُوبَةً إِلَى الْأَرْضِ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ ۖ طِينٍ طَبِخَ
 بِالنَّارِ مَقْضُودٍ ۝۱۶ مَتَابِعٌ مَسْوَمَةٌ مُعَلَّمَةٌ عَلَيْهَا اسْمُ مَنْ يُرْمَى بِهَا عِنْدَ رَبِّكَ ۖ ظَرْفٌ لَهَا وَمَا هِيَ
 لِحِجَارَةٍ أَوْ بِلَادُهُمْ مِنَ الظَّالِمِينَ أَيْ أَهْلُ مَكَّةَ بِبَعِيدٍ ۝۱۷

ع ۱۵

ترجمہ: اور البتہ آپکے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر (یعنی حضرت اسحاق کی اور ان کے بعد
 حضرت یعقوب کی) بولے سلام (یہ مصدر ہے) وہ بولا سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بھڑا تھلا ہوا (بھنا ہوا) پھر جب

دیکھا ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر تو کھٹکا (اچھٹا) ہوا اور جی میں ڈرے (دل میں خطرہ محسوس کیا) فرشتے بولے ڈر مت ہم تو قوم لوط کی طرف (انہیں ہلاک کرنے کے لئے) بھیجے گئے ہیں اور ابراہیم کی بیوی (سارہ) کھڑی ہوئی تھی (ان کی مدارات کر رہی تھیں) وہ ہنٹ پڑیں (قوم لوط کے ہلاک ہونے کی خوشخبری سن کر) پس ہم نے انہیں اسحاق کی خوشخبری سنائی اور اس کے بعد یعقوب کی (جو اسحاق کے فرزند ہوں گے) گویا اسحاق اتنے دن زندہ بھی رہیں گے کہ اپنے بیٹے یعقوب کو دیکھ سکیں گے) وہ بولی اے خرابی (یہ لفظ کسی بڑے حادثہ پر بولا جاتا ہے اس میں الف یائے اضافت سے بدلا ہوا ہے) کیا میں بچہ جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں (ننانوے سال کی میری عمر آگئی) اور یہ خوند میرا بوڑھا ہے (جن کی ایک سو بیس سال عمر ہے شیخا بر بنائے حال منصوب ہے اور ذرا اس میں اشارہ عاقل ہے) یہ تو ایک عجیب بات ہے (کہ ایسے دو بڈھوں کی بھی اوداد ہوگی) فرشتوں نے کہا کہ کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم (قدرت) سے؟ اس خاندان (ابراہیم) پر تو اللہ کی رحمت ہے اور اس کی برکتیں تم پر اے گھر والو! تحقیق اللہ ہے تعریف کیا گیا بڑا بیوں والا (کریم ہے) پھر جب ابراہیم کے دل سے اندیشہ (خوف) دور ہو گیا اور ان کو (بچہ کی) خوشی کی خبر ملی تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے (ہمارے فرشتوں سے) جھگڑنا شروع کیا حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑے ہی بردبار (متحمل) بڑے ہی نرم دل، رقیق القلب (رجوع فرمانے والے) تھے چنانچہ فرشتوں سے کہنے لگے کہ تم ایسی بستی کو تباہ کرنے چلے ہو جس میں تین سو مؤمن رہتے ہیں، فرشتے بولے کہ نہیں، حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ جس بستی میں دو سو مسلمان رہتے ہیں انہیں تباہ کرو گے؟ کہنے لگے نہیں، فرمایا جس میں چالیس مسلمان رہتے ہیں؟ کہنے لگے نہیں پھر حضرت ابراہیم نے پوچھا جس بستی میں چودہ مسلمان رہتے ہوں؟ بولے کہ نہیں، فرمایا کہ اچھا اگر صرف ایک مسلمان رہتا ہو؟ کہا پھر بھی نہیں، فرمایا کہ اس میں لوط علیہ السلام تو رہتے ہیں۔ فرشتوں نے جواب دیا نحن اعلم بمن فیہا الخ، غرضیکہ جب دیر تک اس طرح بحث مباحثہ ہوتا رہا تو فرشتے بولے کہ (اے ابراہیم! اب اس بات (رد و قدح) کو جانے دو تمہارے پروردگار کا حکم (ان کی ہلاکت کے بارے میں) آچکا ہے اور ان پر عذاب آ رہا ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا اور پھر جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو لوط ان فرشتوں کے آنے سے کچھ رنجیدہ (غمگین) ہوئے اور کچھ گھٹے رہے (کیونکہ فرشتے خوبصورت مہمانوں کی شکل میں آئے تھے اس لئے حضرت لوط اپنی قوم کی بدکرداری سے ڈرے) اور کہنے لگے کہ آج کا دن بہت بھاری (سخت) ہے اور ان کی قوم کے لوگ دوڑے ہوئے آئے جب انہیں ان خوبصورت مہمانوں کی آمد کا پتہ چلا (اور پہلے (ان کے آنے) سے نامعقول کاموں کے عادی تھے ہی) (یعنی لواطت کے، لوط علیہ السلام بولے کہ) اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں (تم ان سے شادی بیاہ کر سکتے ہو) یہ تمہارے لئے اچھی خاصی ہیں اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے ساتھ مجھ کو نصیحت (رسوا) مت کرو کیا تم میں کوئی بھلا مانس نہیں؟ (جو اچھی بات کا حکم کرے اور برائی سے روکے) وہ کہنے لگے کہ ہمیں آپ کی ان بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ تو جانتے ہیں جو ہمارا مطلب ہے (یعنی لواطت) فرمانے لگے کیا خوب ہوتا اگر میرا تم پر کچھ زور (بس) چلتا یا جا بیٹھتا کسی مستحکم پناہ میں (میرا خاندان یہاں ہوتا جو میری مدد کرتا تو میں تمہاری اچھی طرح خبر لیتا غرضیکہ جب فرشتوں نے یہ صورتحال دیکھی) تو فرشتے بولے اے لوط! ہم تو تمہارے پروردگار کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں آپ تک ہرگز ان کی رسائی نہ ہوگی (کسی بری نیت

سے) آپ ایسا سمجھتے کہ جب رات کا ایک حصہ گزر جائے تو اپنے گھر والوں کو لے کر نکل چلے اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے (کہیں اسے وہ ہولناک منظر نظر نہ آجائے) مگر ہاں آپ کی بیوی نہیں جائے گی (یہ رفع کے ساتھ بدل ہے احد سے اور ایک قراءت میں نصب کے ساتھ اصل سے استثناء ہے یعنی بیوی کو لے کر نہ جائیے) اس پر بھی وہی آفت آنے والی ہے جو اوروں پر آئے گی (چنانچہ بعض کی رائے ہے کہ وہ بیوی ساتھ نہیں گئی اور بعض کہتے ہیں کہ گئی لیکن مڑ کر جو دیکھا تو بیساختہ ایک طرف تو منہ سے لکھا "ہائے افسوس قوم" اور دوسری طرف ایک دم اس کے پتھر آ کر لگا جس سے وہیں ڈھیر ہو گئی (فرمانے لگے لوہا غلغلہ نے فرشتوں سے عذاب کا وقت معلوم کیا تو کہنے لگے) ان لوگوں کے لئے عذاب کا وقت مقرر صبح کا ہے (فرمانے لگے لوہا غلغلہ کہ میں تو اس سے پہلے چاہتا ہوں فرشتوں نے کہا کیا صبح قریب ہی نہیں، پھر جب ہمارا حکم انہیں برباد کرنے کے متعلق آ پہنچا تو ہم نے زمین (بستیوں) کے اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا (حضرت جبرئیل غلغلہ اس حصہ کو آسمان تک لے گئے اور پھر وہاں سے اوندھا کر کے پٹک دیا) اور اس سرزمین پر کنگر (آگ میں پکے ہوئے) پتھر برسانا شروع کر دیئے لگا تار (مسل) جن پر نشان لگے ہوئے تھے (ان پر ان لوگوں کے نام بھی تھے جن کے مارے گئے) آپ کے پروردگار کی طرف سے (عند ربك مسومة کا ظرف ہے) اور یہ (پتھریا ان کی بستیاں) ان ظالموں (مکہ والوں سے) کچھ دور نہیں ہیں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: مَصْدَرٌ: سلاماً مصدر ہے۔ اس کا فعل محذوف ہے۔
- قوله: عَلَيْكُمْ: اس سے اشارہ کیا سلام مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اس کی خبر محذوف ہے۔
- قوله: قَالُوا لَا تَخَفْ: یہ اس وقت پیش آیا جب انہوں نے خوف و تغیر کا اثر چہرے پر دیکھا۔
- قوله: بعد: وراء یہاں بعد کے معنی میں ہے ولد الولد مراد نہیں۔
- قوله: عِنْدَ أَمْرِ عَظِيمٍ: اس سے اشارہ کیا امر عظیم میں خیر و شر کی تعیین نہیں۔
- قوله: عجیب: سے اشارہ کیا کہ ان کو توجہ عادت کے اعتبار سے تھا قدرت کے لحاظ سے نہیں۔
- قوله: رَحِمَتْ اللَّهُ: یہ استثنائی کلام ہے۔ اور توجہ سے انکار کرنے کی علت اس میں مذکور ہے۔
- قوله: يَا أَهْلَ الْبَيْتِ: اہل یہاں نداء کی وجہ سے منصوب ہے جیسا اس قول میں: اللھم اغفر لنا ایبتھا العصابة۔
- قوله: أَخَذَ: یہ اس کو جواب ہے جو کہ ماضی مقدر ہے کیونکہ مضارع جواب بن نہیں سکتا۔
- قوله: يُجَادِلُ رُسُلَنَا: نا کا مضاف محذوف ہے۔
- قوله: أَوَاةٌ: یعنی خوف الہی سے بہت آہ بھرنے والا۔
- قوله: رَجَاعٌ: اس کا معنی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والا۔
- قوله: يُجَادِلُهُمْ قَالُوا: قَالُوا مقدر مانا تا کہ فرشتوں کے ساتھ بات چیت منظم ہو جائے کہ خطاب و غیبت جمع ہو

کیں۔

قوله: حَزِنَ بِسَبَبِهِمْ: باسما ہے مع کے معنی میں نہیں۔

قوله: صَدْرًا: یہ شدت انقباض سے کنایہ ہے۔

قوله: فَتَرَوُوهُمْ: اس وقت بلکہ شروع اسلام میں بھی مسلمان کی کفار سے شادی درست تھی۔

قوله: أَضْيَافٍ: ضیعی میں اضافت استغراقی ہے جو تمام مہمانوں کو شامل ہے۔

قوله: طَاقَةٌ: یعنی تمہارے دفاع کی طاقت نہیں اگر ہوتی میں تم پر غلبہ قوت سے پالیتا یا مضبوط سہارا پالیتا۔

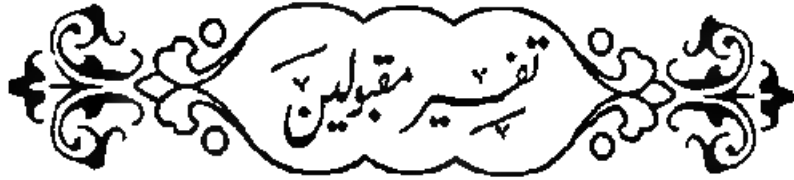
قوله: بِالرَّفْعِ بَدَلٌ: کلام غیر موجب کا استثناء اس میں بدل مختار ہے۔

قوله: إِسْتِثْنَاءٌ مِنَ الْأَهْلِ: یہ آخِذٌ سے استثناء نہیں بلکہ اہل سے ہے۔

قوله: قَالُوا أَلَيْسَ الصَّبْحُ: یہ لوط علیہ السلام کی جلد جواب طلبی کا جواب ہے کیونکہ استفہام تقریری ہے۔

قوله: أَوْ بِلَادُهُمْ: ضمیر بلاد کی طرف لوٹتی ہے مطلب یہ ہے کہ یہ مکہ کے ظالموں سے قریب ہیں۔

قوله: أَهْلَ مَكَّةَ: یہ اپنے ظلم کے سبب پتھروں کی بارش کے حقدار ہیں۔



وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ.....

(ربط) اب ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں جس میں فرشتوں کی تولد فرزند کی بشارت کا ذکر ہے کہ تمہارے یہاں ایک بیٹا ہوگا جس کا نام اسحاق علیہ السلام ہوگا پھر اس بیٹے کے ایک بیٹا ہوگا جس کا نام یعقوب علیہ السلام ہوگا۔ اس بشارت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی اور حضرت سارہ کی عمر توے یا بانوے سال کی تھی حضرت ہاجرہ علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ سارہ کو تمنا تھی کہ ان کے بھی کوئی بیٹا ہو لیکن کبرنی کی وجہ سے ناامید ہو چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبانی یہ بشارت بھیجی۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ بشارت دینے کے لیے تین فرشتے آئے تھے۔ جبرائیل اور میکائیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہم السلام اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ یا نو فرشتے آئے تھے۔

(دیکھو تفسیر تہ طہ ص ۶۲ ج ۹ و زاد المسیر لابن الجوزی صفحہ ۱۲۷ ج ۱)

ابراہیم کی خدمت میں فرشتوں کا حاضر ہونا اور فرشتوں کا بیٹے اور پوتے کی بشارت دینا:

الغرض یہ قصہ من جملہ قصص مذکور کا چوتھا قصہ ہے جو لوط علیہ السلام کے قصہ کی تمہید ہے اسی وجہ سے ماقبل کی طرح ارسلنا ابراہیم الی کذا۔ نہیں فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارے وہ فرشتے جن کو ہم نے قوم لوط پر عذاب کے لیے بھیجا تھا۔ پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیٹے اور پوتے کے پیدا ہونے کی بشارت لیکر آئے تو بولے کہ ہم تم کو سلام کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: علیکم السلام چونکہ یہ فرشتے خوبصورت آدمیوں کی شکل میں تھے اس لیے ابراہیم علیہ السلام ان کو مہمان سمجھے اور خوش ہو کر ضیافت کا سامان

کیا۔ پس ابراہیم علیہ السلام نے دیر نہ کی کہ ان کے کھانے کے لیے ایک بھنا ہوا مونا تازہ بچھڑالے آئے جس سے چربی نکلتی تھی۔ عارہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کا اکثر مال یہی گائیں تھیں آپ علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے۔ پندرہ روز کے انتظار کے بعد یہ مہمان آئے تو بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے کھانا لائے مگر وہ مہمان اپنی ہی قسم کے تھے وہ کس طرح کھا سکتے تھے۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس بچھڑے کے کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو اس کو ادا پر جانا اور دل میں ان کی طرف سے خوف زدہ ہوئے۔ کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیوں آئے ہیں اگر مہمان ہیں تو کھانا کیوں نہیں کھاتے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ خوف کی توجیہ میں یہ فرماتے ہیں کہ فرشتے عذاب الہی کو لے کر قوم لوط کی طرف جا رہے تھے اور اس وقت یہ فرشتے خدا کی شان غضب اور انتقام کے مظہر تھے اس کا طبعی اثر یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب پر خوف کی ایک کیفیت طاری ہو گئی بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خوف ان پر ظاہر کیا۔ کما قال تعالیٰ: انا منکم وجلون۔ تو بولے تم ڈرو مت ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں۔ ہم تو قوم لوط کی طرف عذاب دیکر بھیجے گئے ہیں اور راستے میں آپ کو بشارت دینے کے لیے اتر گئے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ کہیں کھڑی سن رہی تھیں۔ پس وہ ہنس پڑیں۔ آیت میں ہنسنے کی وجہ مذکور نہیں۔ بعض کہتے ہیں ان کا ہنسنا تعجب کی بنا پر تھا کہ عجیب بات ہے کہ اتنے دنوں کے بعد تو مہمان ملے جن کی ضیافت کا سامان کیا پھر وہ فرشتے نکلے۔ یا اس بات پر تعجب ہوا کہ فرشتے آدمی کی صورت میں مہمان بن کر آئے کیا بات ہے یا اس بات پر تعجب ہوا کہ اس قدر خدم اور چشم ہوتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام تین چار آدمیوں سے ڈر گئے۔ یا قوم لوط کی ہلاکت کی خبر سن کر خوش ہوئیں کہ یہ خیمشین اور مفسدین کا گروہ اب ہلاک ہوگا۔ اس قوم نے عورتوں کو خراب کیا اور لڑکوں کو بے حیا اور بدکار بنایا اس لیے ان کا عذاب سن کر خوش ہوئیں اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب فرشتوں نے یہ خبر سنائی کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں سارہ کے بطن سے بیٹا عطا کرنے والا ہے تو یہ خبر سن کر حضرت سارہ ہنس پڑیں۔ پس ہم نے فرشتوں کی زبانی سارہ کو ایک فرزند کے پیدا ہونے کی بشارت دی جو اسحاق نام کے ساتھ موسوم ہوگا اور اسحاق کے علاوہ یعقوب کی بھی بشارت دی یعنی ایک بشارت تو یہی دی کہ اس سن میں تمہارے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام اسحاق علیہ السلام ہے پھر دوسری بشارت یہی دی کہ تمہارے پوتا بھی ہوگا جس کا نام یعقوب علیہ السلام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بیٹے کے بعد پوتا بھی دیکھو گی۔ اشارہ اس طرف تھا کہ وہ بیٹا زندہ رہے گا۔ اور وہ بیٹا بھی صاحب اولاد ہوگا۔ جس سے تمہاری نسل چلے گی۔ سارہ بولی ہائے میری کبھنٹی کیا میں اب بچہ جنوں گی۔ حالانکہ میں بوڑھی ہوں اس وقت میری عمر نانوے سال کی ہے اور میرا خاوند ہے بہت بوڑھا جس کی عمر اس وقت ایک سو بیس برس کی ہے۔ حضرت سارہ کو یہ بشارت اس لیے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹا اسمعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہ السلام کے بطن سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ حضرت سارہ کو تمنا تھی کہ مجھے بھی بیٹا ملے۔ لیکن فرزند نہ عطا ہوا۔ یہاں تک کہ جب بڑھیا ہو گئیں اور ماپوس ہو گئیں اس وقت یہ بشارت دی گئی تو تعجب میں پڑ گئیں اور کہنے لگیں تحقیق یہ بات تو بہت عجیب ہے کبھی دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی۔ فرشتوں نے حضرت سارہ سے کہا۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعجب کرتی ہے۔ تعجب کی کیا بات ہے خدا ہر امر پر قادر ہے خدا نے صنعت کے لیے کسی آلہ کی اور اس کی فضل کے لیے کسی علت کی ضرورت نہیں۔ دو بوڑھوں سے لڑکا پیدا کرنا کوئی عجیب نہیں اس کی قدرت کے سامنے بوڑھا اور جوان سب برابر ہوتا ہے ابراہیم کے گھر والو! تم پر دن رات کی رحمتیں اور برکتیں برس رہی ہیں صبح و شام معجزات

وکرامات اور خوارق عادات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہو تمہارا یہ تعجب بھی عجیب ہے تمہارے حق میں یہ نشارت قابل تعجب نہیں بلکہ تمہارا تعجب قابل تعجب ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قابل تعریف ہے اور بزرگی والا ہے اس کے جو دو کرم سے کوئی شے عجیب نہیں۔ تم بھائے تعجب کے اس کے حمد و شکر میں مشغول ہو جاؤ۔

لطف و معارف:

- ۱۔ بعض علماء نے وَ مِنْ وَرَاءِ اسْحَقٍ يَعْقُوبُ ① کے لفظ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت اسحق علیہ السلام ذبح نہ تھے بلکہ حضرت اسمعیل علیہ السلام ذبح تھے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر)
- ۲۔ یہ آیت اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ زوجہ رجل بھی اس کے اہل بیت میں سے ہے اس لیے کہ: اَتَعْجَبِينَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتِ اللّٰهِ وَبَرَكَتِهِ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ یہ خطاب حضرت سارہؓ کو ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ تھیں اس طرح حق تعالیٰ کے اس ارشاد: اِنَّمَا يَرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا سمجھو کہ یہ خطاب دراصل ازواج مطہرات کو ہے اس لیے کہ اوپر سے تمام سلسلہ کلام۔ نساء نبی کریم علیہ السلام یعنی ازواج مطہرات کے بارے میں چلا آ رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مقتضائے مشفقیت دیگر اہل خانہ کو بھی کبیل اڑھا کر اس دعا میں شامل فرمایا۔ اور جس طرح اس آیت میں اہل بیت کے لیے جمع ذکر کا صیغہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم۔ واحد مؤنث کے لیے بطور تعظیم و تکریم استعمال کیا گیا۔ اسی طرح آیت تطہیر میں بھی خطاب جمع ذکر کے صیغے جمع مؤنث کے لیے بطور تعظیم و تکریم استعمال کیے گئے۔

۳۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ اسی آیت سے ماخوذ اور مقتبس ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حلم اور ترحم:

اب آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حلم اور ترحم کو بیان کرتے ہیں۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام سے وہ خوف جاتا رہا جو فرشتوں کی طرف سے پیدا ہوا تھا اور ان کے پاس بیٹے اور پوتے کی پیدا ہونے کی خوشخبری پہنچ گئی۔ تو ادھر سے بے فکر ہو کر دوسری طرف متوجہ ہوئے اور ہم سے قوم لوط کے بارے میں بحث شروع کر دی جس کی تفسیل دوسری آیت میں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے مجاہدہ یہ تھا کہ جب فرشتوں نے کہا کہ ہم قوم لوط کے ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اس بستی میں تو لوط علیہ السلام بھی ہے تم اس بستی کو کیسے ہلاک کر سکتے۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم سوائے ان کی بیوی کے ان کو اور ان کے گھروالوں کو بچالیں گے۔ بیشک ابراہیم بڑے بردبار اور نرم دل اور خدا کی طرف بڑے رجوع کرنے والے تھے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل اور حلیم اور بردبار تھے۔ اس لیے خطا کاروں پر عقوبت میں جلدی نہیں چاہتے تھے مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی طبعی فرط رحمت اور زیادتی شفقت اس اصرار اور مجاہدہ کا باعث بنی۔ خدا ترس بندوں کے دل بہت نرم ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ عذاب میں تاخیر ہو جائے شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں۔ لیکن آخر کار ملائکہ نے ان کو حکم قضا و قدر سے آگاہ کر دیا اور کہا کہ اے ابراہیم علیہ السلام آپ اس بحث کو چھوڑ دیجئے۔ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ تحقیق تیرے پروردگار کا حکم ان کے بارے میں آپ بچا ہے۔ اب وہ کسی طرح نکل

نہیں سکتا اور تحقیق ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو ان سے ہٹایا نہیں جائیگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی فطری رحم دلی کی بناء پر تعبیر فرمایا۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ شفقت و رحمت کے محل نہیں رہے آپ علیہ السلام اس خیال کو دل سے نکال دیجئے۔ ان کے جرم کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور ان کے متعلق عذاب کا حکم جاری ہو چکا ہے۔ جو کسی طرح واپس نہیں ہو سکتا البتہ جو اہل ایمان ہیں اول ان کو علیحدہ کر دیا جائیگا اس کے بعد عذاب نازل ہوگا تاکہ اہل ایمان کو گزند نہ پہنچے۔

وَتَنَاجَاۓتُ رُسُلَنَا لَوْطًا سِیِّئًا بِیْهَمَ.....

فرشتوں کا لوط علیہ السلام کے پاس آنا، انکی بدکار قوم کا ہلاک ہونا اور اہل ایمان کا نجات پانا:

گزشتہ قصہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا اب اس کے بعد لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور اہل سدوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ بستی تمص کے قریب تھی اور اسکے پاس اور بھی کچھ گاؤں تھے جنکی مجموعی آبادی تقریباً چار لاکھ تھی سوائے اہل ایمان کے سب ہلاک ہو گئے۔ یہ قصہ کا تہمہ ہے یا یوں کہو کہ پہلا قصہ اس قصہ کی تمہید تھا۔ اور اصل مقصود قوم لوط کی ہلاکت کا قصہ بیان کرنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے فارغ ہو کر لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو لوط علیہ السلام ان کے آنے سے رنجیدہ اور تنگ دل ہوئے کیونکہ وہ فرشتے حسین بے ریش لڑکوں کی شکل میں تھے لوط علیہ السلام ان کو مہمان سمجھے اور چونکہ لوط علیہ السلام کو اپنی قوم کے ناشائستہ افعال کا علم تھا کہ یہ لوگ خلاف فطرت فواحش کے عادی اور خوکریں ہیں اس لیے وہ اس قسم کے مہمانوں کی آمد سے گھبرائے اور تنگ دل ہوئے اور کڑھے کہ میں ان بد کردار اور خبیث طبیعت والوں سے اپنے مہمانوں کی حفاظت کیسے کروں گا۔ اور اس قدر تنگ دل ہوئے کہ اپنی تنگ دلی کو چھپانہ سکے۔ اور زبان سے کہنے لگے کہ یہ دن تو بڑا کٹھن ہے۔ فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی اس پریشانی کو دیکھ لیا مگر ابھی تک ان پر ظاہر نہ کیا تھا کہ ہم دراصل فرشتے ہیں اور اس ناہنجار اور بد کردار اور بد اطوار قوم کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں اور لوط علیہ السلام ان کو اپنا مہمان سمجھتے رہے اور پریشان رہے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے اور ان کی قوم نے جب یہ خبر سنی کہ لوط علیہ السلام کے یہاں ایسے خوب صورت لڑکے مہمان آئے ہیں کہ اب تک ان سے زیادہ خوبصورت دیکھنے میں نہیں آئے تو یہ بد اطوار قوم لوط علیہ السلام کی طرف دوڑی ہوئی آئی اور اس سے پہلے یہ لوگ بد فعلیاں کیا کرتے تھے لواطت اور اغلام اس قوم کی طبیعت اور عادت بن چکی تھی اور حیاء اور شرم ان سے نکل چکی تھی۔ لوط علیہ السلام نے کہا اے میری قوم ایہ ہیں میری بیٹیاں یعنی یہ میری قوم کی بیٹیاں موجود ہیں۔ ان سے نکاح کر لو۔ یہ تمہارے لیے پاک ہیں نکاح پاک فعل ہے اور اغلام اور لواطت ناپاک اور گندہ فعل ہے۔ بیٹیوں سے قوم کی لڑکیاں مراد ہیں اس لیے کہ نبی امت کا باپ ہوتا ہے۔ اس لیے قوم کی لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں کہا۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور اس بری خصلت سے باز آ جاؤ اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ یہ لڑکے میرے مہمان ہیں تم ان کی بدکاری کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ اس میں میری سخت رسوائی ہے کہا تم میں کوئی بھلا مانس شخص نہیں ہے جس میں کچھ بھی غیرت اور حیاء کا مادہ ہو وہ بولے اے لوط! تجھے تو خوب معلوم ہے کہ ہمیں تیری بیٹیوں میں کوئی خواہش اور حاجت نہیں اور تحقیق تو خوب جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ یعنی ہمارا لڑکوں کی طرف راغب ہونا بخوبی معلوم ہے۔ پس عورتوں کو ہم پر پیش کرنا فضول ہے۔ لوط علیہ السلام نے ان کے جواب میں کہا۔ کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی تو میں خود تم کو دور کر دیتا۔ یا کوئی مضبوط قبیلہ اور کنبہ میرا مددگار اور بڑا ہوتا تو اس کی مدد سے تم کو دور کرتا

کہ میرے مہمانوں پر زیادتی کر کے مجھے نصیحت نہ کرنے پاتے اور یہ قوم لوط علیہ السلام کی قرابت دار نہ تھی۔ کیونکہ لوط علیہ السلام پہلے عراق میں اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے جب وہاں سے شام آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تفکات پر پیغمبر کیا اور یہ چند بستیاں تھیں جن میں بڑی بستی سدوم تھی اور کل آبادی چار لاکھ کے قریب تھی اس لیے لوط علیہ السلام نے تمن کی کہ کاش اس وقت میرے کنبہ والے باقوت و شوکت ہوتے تو تم مجھ پر ظلم نہ کر سکتے۔ غرض یہ کہ خوبصورت مہمانوں کی خبر سن کر اداہشوں نے ہجوم کیا۔ لوط علیہ السلام نے اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ اور اندر ہی سے لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتے رہے ان لوگوں نے چاہا کہ دروازہ توڑ ڈالیں اور اندر گھس آئیں تو لوط علیہ السلام نہایت مضطرب ہوئے۔ ملائکہ جب ان کے اضطراب کو دیکھا اور یہ دیکھ کر کہ قوم کے لوگ ان پر چڑھ آئے ہیں اور انکی مدافعت سے عاجز ہیں تب انکو خبر دی کہ ہم فرشتے ہیں پھر یہ خوشخبری سنائی کہ یہ لوگ تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

تو وہ فرشتے بولے اے لوط تم گھبراؤ نہیں ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے آئے ہیں تم اپنا دل قوی رکھو۔ یہ لوگ ہرگز تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ جبرائیل علیہ السلام نے لوط علیہ السلام سے کہا دروازہ کھول دو۔ لوط علیہ السلام نے دروازہ کھول دیا۔ جبریل علیہ السلام ہر برآمد ہوئے اور ان کے منہ پر اپنا پارا جس سے ان کی آنکھیں پھوٹ گئیں اور سب اندھے ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ لوط کے مہمان جا دو گرہیں۔ بعد ازاں جبرائیل علیہ السلام نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ تورات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو اپنے ساتھ لے کر راتوں رات یہاں سے نکل جا اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر تیری بیوی جو کافرہ ہے اس سے نہیں رہا جائیگا وہ پیچھے مڑ کر ضرور دیکھے گی اور ہلاک ہوگی۔ بلاشبہ اس عورت کو بھی وہی عذاب پہنچے گا جو اس قوم کو پہنچنے والا ہے یہ حال سن کر لوط علیہ السلام کا اضطراب رفع ہوا اور فرشتوں سے پوچھا کہ کب عذاب آئیگا۔ فرشتوں نے کہا تمہیں ان کو عذاب اور ہلاکت کے وعدہ کا وقت اس رات کی صبح ہے لوط علیہ السلام نے کہا کہ ابھی تو صبح میں دیر ہے۔ جبریل علیہ السلام نے کہا کیا صبح نزدیک نہیں ہے یہ رات بھر کی تاخیر اس لیے کہ گئی ہے تاکہ لوط علیہ السلام اطمینان کے ساتھ اس بستی سے نکل جائیں۔ ہلاکت کے لیے آخر شب کا وقت اس لیے مقرر کیا گیا کہ وہ وقت سکون اور اطمینان کا ہے سب لوگ اپنے گھروں میں جمع ہوتے ہیں اور اپنے کاموں کے لیے متفرق نہیں ہوتے۔ پس جب ہمارا حکم عذاب آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو الٹ کر اس کی اوپر کی جانب کو نیچے کر دیا اور چلی جانب کو اوپر کر دیا۔ جبرائیل علیہ السلام نے ان بستیوں کو جدا کر کے مثل تختہ کے اپنے بازو پر اٹھا لیا۔ اور آسمان کی طرف اونچا لے گئے وہاں جا کر انہیں پلٹ دیا اونچے کو نیچا اور نیچے کو اونچا کر دیا۔

غرض یہ کہ جبرائیل امین علیہ السلام کی صفت قرآن میں شدید القوی آئی ہے وہ ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے اور پھر ان کو اوپر سے نیچے پٹک دیا پھر ان پر کھنگر یعنی جھانوسے برسائے (جھانوسہ اس اینٹ کو کہتے ہیں جو پزادہ کی آگ سے پک کر سیاہ پتھر کی مانند ہو جائے) اور ایسے پتھر برسائے جو ایک کے بعد ایک متواتر گرتے تھے۔ یعنی پے در پے برس رہے تھے۔ وہ پتھر ایسے تھے کہ خدا کے یہاں سے نشان لگے ہوئے تھے۔ ہر پتھر پر مہربان نشان اور علامت تھی کہ اس پتھر کے لگنے سے فلاں کافر ہلاک ہوگا۔ یا ہر پتھر پر من جانب اللہ اس کافر کا نام لکھا ہوا تھا جس پر یہ پتھر گرے گا۔ وہ پتھر دنیا کے پتھروں سے بالکل جدا اور ممتاز تھے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۸۲ ج ۹ تفسیر ابن کثیر ص ۴۰۰ ج ۲ تفسیر زاد المسیر ص ۱۶۶)

اور اہل مکہ کو چاہئے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں کیونکہ قوم لوط کی یہ بستیاں مکہ کے ان خالموں سے کچھ دور نہیں ملک شام کو جاتے ہوئے ان بستیوں پر گزرتے ہیں اور ہلاکت اور بربادی کے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ان کو چاہئے کہ عبرت پکڑیں۔ (معارف القرآن مولانا اورس کا مدلولی)

وَأَرْسَلْنَا إِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۖ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَخِدُّوهُ مَا لَكُمْ مِنَ الْغَيْرِ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْبِيزَانَ ۚ إِنَّ أَرْكَمَ بِخَيْرٍ نِّعْمَةً تُنْفِئُكُمْ عَنِ التَّطَفُّيفِ ۚ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَن تَمُوتُوا بِرَيْبِنَا عَذَابَ يُوجِبُ ۖ بِكُمْ لِيُهْلِكَكُمْ وَوَصَفُ الْيَوْمِ بِهِ مَجَازٌ لِيُوقِعَهُ فِيهِ وَ يَقُومُ أَوْفُوا بِالْمِكْيَالِ وَالْبِيزَانَ ۖ إِنَّمَوْهُمَا بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ لَا تَنْتَشُرْهُمْ مِنْ خَفِيهِمْ شَيْئًا وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۗ بِالْقَتْلِ وَغَيْرِهِ مِنْ عَنِي بِكُسْرِ الْمُتْلَفَةِ أَفْسَدُوا مُفْسِدِينَ خَالٍ مُؤَكَّدَةٌ لِمَعْنَى عَامِلِهَا تَعْتُوا بِقِيَّتِ اللَّهِ رِزْقُهُ الْبَاقِي لَكُمْ بَعْدَ إِفْهَاءِ الْكَيْلِ وَالزُّورِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنَ الْبُخْسِ ۖ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۗ وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۗ رَقِيبٌ أَجَازٌ لَكُمْ بِأَعْمَالِكُمْ إِنَّمَا بَعِثْتُ نَذِيرًا قَالُوا لَئِن لَّمْ نَسْتَهْزَأْ بِشُعَيْبٍ أَصْلُوكَ تَأْمُرُكَ بِتَكْلِفِنَا أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا مِنَ الْأَصْنَامِ أَوْ نُرِكَ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ الْمَعْنَى هَذَا أَمْرٌ بَاطِلٌ لَا يَدْعُو إِلَيْهِ دَاعِيٌ خَيْرٌ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ۗ قَالُوا ذَلِكَ اسْتِهْزَاءٌ قَالَ يَقُومُ أَرَعَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيْتِنَا مِنْ رَبِّي وَرِزْقِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۖ حَلَالًا أَفَأَشْرُكُهُ بِالْحَرَامِ مِنَ الْبُخْسِ وَالتَّطَفُّيفِ وَمَا أَرِيدُ أَنْ أَخَالِفُكُمْ وَأَذْهَبَ إِلَىٰ مَا أَنهَكُمْ عَنْهُ ۖ فَارْتَكِبْهُ إِنْ أَرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ لَكُمْ بِالْعَدْلِ مَا اسْتَطَعْتُ ۖ وَمَا تَوْفِيقِي تَدْرِينِ عَنِ ذَلِكَ وَغَيْرِهِ مِنَ الطَّاعَاتِ إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۗ أَرْجِعْ وَ يَقُومُ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ بَعْثِكُمْ شِقَاقِي خِلَافِي فَاعِلٌ بِجُرْمِ وَالضَّمِيرُ مَفْعُولٌ أَوَّلُ وَالنَّائِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ طَلُوحٍ ۖ مِنَ الْعَذَابِ ۖ وَمَا قَوْمٌ لَوْ طِ أَىٰ مَنَازِلَهُمْ أَوْزَمَن مَلَكَكُمْ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ ۗ فَاعْتَبِرُوا وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۖ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ بِالْمُؤْمِنِينَ وَدُودٌ ۗ مُجِبٌ لَهُمْ قَالُوا إِذْ أَنَا بِنِعْلَةِ النَّبَالَةِ يُشْعَبُ مَا نَفَقَهُ نَفَهُمْ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَكَرِهٌ

فَبِنَا ضَعِيفًا ذَلِيلًا وَكَوْلًا رَهْطًا عَشِيرَتِكَ لِرَجْنِكَ بِالْحِجَارَةِ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ۝ كَرِيمٍ
 عَنِ الرَّجْمِ وَأَنْتَ مُطَقُّهُمْ الْأَعْرَةُ قَالَ يَقْوِمُ أَرْهَطِي أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ ۝ فَتَنْزُكُونَ قَتْلِي لِأَجْلِهِمْ
 وَلَا تَحْفَظُونِي لِلَّهِ وَاتَّخَذْتُمُوهُ أَيْ اللَّهُ وَرَاءَكُمْ ظَهْرِيًّا ۝ مَتَّبِعُوا خَلْفَ ظُهُورِكُمْ لَا تُرَاقِبُونَهُ إِنْ رَأَى
 بِمَا تَعْمَلُونَ مُجِيطٌ ۝ عَلِمَا فَيَجَازِيكُمُ وَيَقْوِمُ أَعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ خَالَتِكُمْ إِنْ عَامِلٌ ۝ عَلَى
 خَالَتِي سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ مَنْ مَرَّضُولَةٌ مَفْعُولُ الْعِلْمِ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۝ وَارْتَقِبُوا
 أَنْتَظِرُوا عَاقِبَةَ أَمْرِ كُمْ إِنْ مَعَكُمْ رَقِيبٌ ۝ مُنْتَظَرٌ ۝ لَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا بِأَهْلًا كِهِمْ نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ
 آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَآخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ صَاحَ بِهِمْ جِبْرِيلُ فَاصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ
 جُثِيئِينَ ۝ بَارِكِينَ عَلَى الرُّكْبِ مَبِيتِينَ كَانَ مَخْفَفَةً أَيْ كَانَتْهُمْ لَمْ يَغْنُوا يُفْقِمُوا فِيهَا ۝ إِلَّا بُعْدًا
 لِمَدِينٍ كَمَا بَعْدَتْ ثَمُودُ ۝

ترجمہ: اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی کو بھیجا انہوں نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو (اللہ کو ایک سمجھو) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اور تاپ تول میں کمی نہ کیا کرو میں دیکھتا ہوں کہ تم آسودہ حال ہو (نعمت میں خوشحال ہو کہ جو تمہیں تاپ تول میں کمی کرنے سے بے نیاز کئے ہوئے ہے) مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو کہیں تم پر ایسے دن کا عذاب نہ آجائے جو تم سب کو گھیر لے (اور تم سب کو برباد کر کے رکھ دے اور دن کی صفت لانا مجازاً ہے کیونکہ عذاب سے دن واقع ہوگا) اور اے میری قوم کے لوگو! تاپ اور تول کو انصاف سے پورا کرو اور نہ گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں (ان کے سامان میں حقوق سے کم مت کرو) اور زمین میں فساد نہ مچاؤ (مار دھاڑ کر کے) لا تعشوا علی سے بنا ہے ثناء کے کسر کے ساتھ افسد کے معنی میں اور مسندین حال سو کہ واقع ہو رہا ہے اپنے عامل تعشوا کے معنی کے لئے) جو بیچ رہے اللہ کا دیا (تاپ تول کرنے کے بعد جو کچھ تمہارے پاس بیچ جائے) اس میں تمہارے لئے بہتری ہے (کم کرنے کے مقابلے میں) اگر تم میرا کہنا مانو اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں (مگر اس کہ تمہارے لئے کا بدلہ دیتا ہوں بلکہ میں خبردار کرنے والا ہوں) کہنے لگے مذاق اڑاتے ہوئے) اے شعیب! کیا تمہاری یہ نمازیں اس کی تعلیم دیتی ہیں کہ (تم ہمیں اس کا پابند کرو کہ) ہم ان معبودوں کی پرستش نہ کریں جن بتوں کی پوجا ہمارے ہاں کرتے چلے آئے ہیں یا یہ کہ تم اپنے مالوں میں جو چاہیں تصرف نہ کریں؟ (یعنی تمہاری یہ باتیں غلط ہیں کسی دائمی خیر نے یہ باتیں نہیں کہیں) بس تم ہی ایک باوقار اور نیک چلن آدمی رہ گئے ہو (یہ بات لوگوں نے تمہارے طور پر کہی تھی) شعیب بولے اے میری قوم کے لوگو! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل رکھتا ہوں اور اللہ اپنی طرف سے ایک روشن دلیل رکھتا ہوں اور اللہ اپنی طرف سے مجھے اچھی روزی عطا

کر رہا ہو (رزق حلال، تو کیا پھر بھی اس کٹوتی اور کمی کے ذریعہ حرام کر کے کھاؤں؟) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ اس بات کے خلاف چلنے لگوں جس بات سے تمہیں روکوں (اس کا ارتکاب کرنے لگوں) میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ جہاں کت میرے بس میں ہے اصلاح حال کی کوشش کروں (انصاف کے ساتھ) میرا کام بنتا ہے (اس کام میں اور دوسری باتوں میں اگر مجھے قدرت حاصل ہو رہی ہے) تو اللہ ہی کی مدد سے بنتا ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوں اور اے میری قوم کے لوگو! کہیں ایسی بات نہ کر بیٹھنا اس پر آمادہ نہ ہو جانا میری ضرور (مخالفت) میں آ کر لفظ شقاق میرم کا فاعل ہے اور مفعول اول اس کی ضمیر ہے اور مفعول ثانی آگے ہے) کہیں تمہیں بھی ویسی ہی پریشائیاں پیش آ جائیں جیسا کہ قوم نوح کو یا قوم ہود کو یا قوم صالح کو (عذاب کی شکل میں) پیش آ چکی ہیں اور قوم لوط (یعنی ان کے مکانات یا ان کا زمانہ) تو تم سے کچھ دور نہیں (اس لئے تمہیں ان سے عبرت پکڑنی چاہئے) اور دیکھو اللہ سے بخشش طلب کرو اور اس کی طرف لوٹ جاؤ بلاشبہ میرا پروردگار (اہل ایمان پر) بڑا ہی رحمت والا ہے بڑا ہی محبت والا (دوست) ہے بولے کہ اے شعیب! تمہاری کمی ہوئی بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں ایک معمولی (حقیر) آدمی ہو اگر تمہاری برادری (خاندان) کا لحاظ نہ ہوتا تو ہم تمہیں (پتھروں سے) سنگسار کر چکے ہوتے اور ہمارے سامنے تمہاری کوئی ہستی نہیں ہے (سنگسار کرنے سے باز رکھنے والی البتہ تمہارا خاندان باعزت ہے) شعیب نے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! کیا اللہ سے بڑھ کر تم پر میرے خاندان کا دباؤ ہوا؟ (کہ خاندان کی وجہ سے تو مجھے مار ڈالنے سے رک گئے مگر اللہ کی وجہ سے میری حفاظت نہیں کر سکتے؟) اور اللہ تمہارے لئے کچھ نہ ہوا کہ اسے پیچھے ڈال دیا؟ پس پشت ڈال دیا کہ اس کا ذرا بھی خیال نہ کیا) یقیناً میرا پروردگار تمہارے کرتوتوں کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے (یعنی واقف کار ہے لہذا وہی تمہیں بدلہ دے گا) اور اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ (حالت) پر کام کئے جاؤ میں بھی (اپنی حالت پر) مصروف کار ہوں بہت جلد پتہ چل جائے گا کہ کس پر (من موصولہ علم کا صلہ واقع ہے) رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے؟ اور کون فی الحقیقت جھوٹا ہے انتظار کرو (اپنے انجام کا) میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں پھر جب ہمارا حکم (ان کے ہلاک ہونے کے سلسلے میں) آ پہنچا تو ہم نے شعیب کو اور اس کے اہل ایمان ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچالیا اور جو لوگ ظالم تھے انہیں ایک سخت آواز (جبریل کی چیخ) نے آ پکڑا پس جب صبح ہوئی تو اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے تھے (گھٹنوں کے بل مرے ہوئے) گویا (ان مختلف ہے یعنی کانہم تھا) ان گھروں میں کبھی بے (رہے سہ) ہی نہیں تھے خوب سن لو کہ قبیلہ مدین کے لئے محرومی ہوتی جس طرح قوم ثمود کے لئے محرومی ہوئی تھی۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: وَوَصَفَ الْيَوْمِ بِهٖ حَجَّازٌ: مجازی طور پر اس کو یوم کی صفت قرار دیا گیا۔
قولہ: بِالْقَتْلِ: عام بول کر خاص مراد لیا۔

قولہ: **حَالٌ مُّوَكَّدَةٌ**: یہ تاکید معنوی ہے اصطلاحی نہیں۔
 قولہ: **رِزْقُهُ الْبَاقِي**: بقیہ کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لحاظ سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ طاعت کے معنی میں نہیں۔

قولہ: **بِتَّكْلِيفِنَا**: یعنی تمہارا خاص طور پر ہمیں تکلیف دینا یعنی مضاف مقدر اور وہ بت تکلیفینا ہے کیونکہ آدمی کو دوسرے کے فعل کا حکم نہیں کیا جاتا کیونکہ ترک تو فعل کفار ہے **أَصْدُوْكَ** کے، مور شعیب رضی اللہ عنہ ہیں۔

قولہ: **أَوْتَرَكْنَا**: **أَنْ نَفْعَلْ** کا عطف **مَا** پر بتادیل مصدر ہے اس وجہ سے کہ ان اس پر داخل ہوا۔

قولہ: **أَفَأَشُوْبُهُ**: جواب شرط مخدوف ہے۔

قولہ: **أَذْهَبُ**: اس کو مقدر مانا کیونکہ الی اخالف کا صلہ نہیں بنتا بلکہ اس کا صہ عن ہے۔ پس اس سے اشارہ کیا کہ یہ **أَذْهَبُ** کے معنی کو متضمن ہے۔

قولہ: **لَكُمْ بِالْعَدْلِ**: لام مضاف الیہ کا بدل ہے اس سے اشارہ کیا کہ اس سے اسکے اپنے نفس کی اصلاح مراد نہیں۔

قولہ: **إِنذَانَا**: اس سے اشارہ کیا کہ انہوں نے یہ ان کے کلام کی توہین کے لئے کیا۔

قولہ: **ذَلِيلًا**: اس سے تفسیر کر کے کفار کا طرز عمل بتلایا۔ لا قوۃ لك نہیں کیا۔

قولہ: **وَلَوْلَا رَهْطُكَ**: کیونکہ وہ ہماری ملت پر ہیں انکی شوکت کا خوف نہیں۔ **رَهْطًا**۔ سات سے دس تک بولا جاتا ہے۔

قولہ: **كَرِيمٍ عَنِ الرَّجِيمِ**: العزیز۔ غالب کے معنی میں نہیں جیسا کہ قرآن میں عموماً اسی طرح ہے کیونکہ صرف نفی ضمیر پر ہے عزت پر نہیں۔

قولہ: **مُنْتَظَرٌ**: فعیل بمعنی راقب ہے جیسا کہ صریم بمعنی صام۔

قولہ: **صَاحٍ بِهِمْ جَبْرِيْلٌ**: رجفہ، صحیح اور یوم ظلمہ یہ تینوں عذاب اہل مدین کو دیئے گئے۔

قولہ: **بُعْدًا لِّلْمَدِيْنِ**: اس کا معنی ہلاکت ہے اس لئے کہ اس کا عذاب صحیحہ خمود کے مشابہ تھا اس لئے ان سے تشبیہ دی۔

تفسیر مقبولین

وَالْمَدِيْنِ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا.....

مدین والوں کو شعیب رضی اللہ عنہ کا تسلیخ فرمانا اور ان لوگوں کا لٹے جواب دینا اور استہزاء کرنا:

یہ چھناقصہ شعیب رضی اللہ عنہ کا ہے جو خلیب الانبیاء کے لقب سے معروف ہیں اور مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ لوگ بڑے سرورہ یہ دار تھے انکا مذہب یہ تھا کہ ہم اپنے مالوں کے تصرف میں آزاد اور مختار ہیں (جیسا کہ آج کل کے سرمایہ دار کہتے ہیں) جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں حضرت شعیب رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے کہ یہ اموال اگرچہ تمہارے مملوک ہیں مگر

تمہاری ملکیت مالک حقیقی کی ملکیت اور اس کے حکم کے ماتحت ہے۔ امانت اور دیانت کے ساتھ اور صحیح کسب اور وزن کے ساتھ تم اس میں تصرف کر سکتے ہو یہ قوم بت پرستی اور بدکاری کے علاوہ معاملات دنیاوی میں خیانت اور کم تو نے میں مبتلا تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اصحاب مدین کو تو حید کی دعوت دی اور شرک اور کم تو نے کی عادت سے توبہ اور استغفار کی بصیحت کی اور کہا کہ مجھ کو ڈر ہے کہ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو تم پر اللہ کا عذاب آئے گا اور قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔

جب ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کا کہنا نہ مانا تو آخری درجہ میں یہ فرمایا: اسملوا علی مکانتکم الخ کو خیر ہو تمہارا جی چاہے کرو۔ عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم کو کیا رسوائی پہنچنے والی ہے آخرونی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں عذاب آیا آگ برسی اور سب ہلاک ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا تاکہ یہ اندھے اور بہرے شاید اپنے بھائی کی کچھ سنیں اور دیکھیں۔ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا پھر اس کی اولاد کا بھی یہی نام ہو گیا اور ان لوگوں نے ایک شہر آباد کیا اس کا نام بھی مدین رکھا۔ یہ شہر بحر قزقم کے کنارے پر تبوک کے محاذی اس سے چھ مرحلہ دور واقع ہے اور تبوک سے بڑا ہے اور مدین وہی شہر ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اول مرتبہ مصر سے تہا نکلے تو اس شہر کے کنوئیں پر ٹھہر کر شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ اب آگے شعیب علیہ السلام کی تعلیم و تلقین کا حال بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے قوم کو وہ بات بتائی جو سب سے اول اور مقدم فرض ہے۔ شعیب علیہ السلام نے ان سے یہ کہا اے میری قوم! تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ توحید اور عبادت یہ تو اللہ تعالیٰ کا حق ہوا۔ اب آگے مخلوق کا حق بتایا جو باہمی معاملات سے متعلق تھا اور نہ کسی کر دہم پیمانے سے ناپنے کی چیزوں میں اور ترازو سے تو نے کی چیزوں میں۔ تحقیق میں تم کو اچھی حالت یعنی نعمت اور تو نگری میں دیکھتا ہوں یعنی تم مفلس اور محتاج نہیں کہ اس کی وجہ سے خیانت کرو بلکہ مالدار اور نعمت والے ہو اس کا حق تو یہ ہے کہ لوگ تم سے بہرہ مند ہوں نہ یہ کہ تم دوسروں کے حق میں سے کمی کرو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرو۔ اگر زیادہ نہیں تولتے تو کم بھی نہ تولو اور تحقیق میں اس خیانت کی وجہ سے تمہاری نسبت ایسے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جو تم سب کو گہرے میں لیے ہوئے ہوگا۔ اس سے قیامت کا عذاب مراد ہے یا دنیوی عذاب ہلاکت مراد ہے۔ یہ تو ناپ تول میں کمی کی ممانعت ہوئی اب آئندہ آیت میں ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم اور اس میں تاکید اور مبالغہ ہے اور اے میری قوم انصاف کے ساتھ ناپ اور تول کو پورا کیا کرو۔ ناپ میں پیمانہ کا اوجھانہ بھرو اور تولنے میں ڈنڈی نہ مارو اور لوگوں کی چیزوں میں ذرہ برابر کمی نہ کرو۔ یعنی کسب اور وزن کی خصوصیت نہیں تمام چیزوں میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو خواہ کسی قسم کی کوئی چیز ہو اس میں کمی نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کے حق میں خیانت نہ کرو۔ ایک ہی بات کو تین مرتبہ دہرانے سے مقصود تاکید ہے مگر ہر مرتبہ نئی عبارت سے ادا کیا گیا ہے جس میں خاص بلاغت ہے اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھر یعنی رہزنی نہ کرو۔ یہ لوگ رہزنی بھی کیا کرتے تھے۔ ناپ تول میں برحق دار کا حق ادا کرنے کے بعد اللہ کا دیا ہوا حلال مال جو تمہارے پاس باقی رہ جائے اس زیادہ مال سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو خیانت کر کے تم حاصل کرو۔ کیونکہ حلال مال میں گو وہ قلیل ہو اس میں خیر و برکت ہے۔ اگر ہو تم یقین رکھنے والے تو سمجھ لو کہ برکت حلال میں ہے۔ حرام میں نہیں۔ میں تمہارا نگہبان نہیں کہ زبردستی تم کو منوا دوں اور نیک راہ پر چلا دوں۔

من انچہ شرط بلاغت نا قوی گویم تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

حکایت کیا جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام دو قسم پر تھے ایک وہ کہ جن کو جہاد کا حکم ہوا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور بعضے وہ ہیں جن کو جہاد کا حکم نہیں ہوا۔ صرف تبلیغ رسالت ان کے ذمہ تھا۔ شعیب علیہ السلام ان ہی میں تھے جن کو جہاد کا حکم نہیں تھا وہ دن بھر قوم کو نصیحت فرماتے اور رات بھر نماز پڑھتے۔ (روح البیان ص ۱۷، ج ۱)

قوم مردود کا جواب:

قوم کے سردار بولے اے شعیب علیہ السلام ہم نے تمہارا وعظ سن لیا۔ کیا تیری نماز اور عبادت تجھ کو یہ حکم دیتی ہے ہے کہ ہم ان ہتوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے بڑے پوجتے تھے اور سب ہتوں کو چھوڑ کر تیرے کہنے سے خالی ایک معبود کے ہو رہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام چونکہ کثیر الصلوٰۃ تھے۔ ان کی قوم ان کو نماز پڑھتا دیکھتی تو بطور تمسخران سے یہ کہتی: یا ہم اپنے مالوں میں سے حسب منشاء تصرف کرنا چھوڑ دیں۔ ہم اپنے مالوں کے مالک اور مختار ہیں جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں۔ تحقیق تو تو بڑا بردبار اور راہ یاب ہے تو ایسی باتیں کیوں کہتا ہے۔ یہ کہنا ان کا بطور استہزاء اور تمسخر تھا۔ جیسا کہ آج کل کے سرمایہ دارانہ نظام والے بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم اپنے سرمایہ کے مالک اور مختار ہیں اور اس کے کمانے اور خرچ کرنے میں آزاد ہیں۔ یہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تقسیم کیسی۔ مطلب یہ تھا کہ اب ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دیجئے اور دغا بازی سے بچنے کا وعظ نہ کہئے۔ شریعت یہ کہتی ہے کہ بے شک تم اپنے مالوں کے مالک ہو مگر ہم تمہارے وجود کے اور تمہارے مالوں کے مالک مطلق اور مالک حقیقی ہیں تم سب ہمارے بندے اور غلام ہو تم اپنی تجارت اور زراعت میں ہمارے نازل کردہ قانون کے پابند ہو جس طرح تمہارا وجود ہمارا عطیہ ہے اسی طرح تمہارے اموال ہمارے عطا کردہ ہیں ہمارے عطاء کردہ اعضاء اور جو ارج سے اور ہمارے حکم کے سامنے ذمہ مارنے کی مجال نہیں ہم نے اپنی رحمت اور مہربانی سے یہ کہہ دیا ہے کہ تم ان اموال کے مالک ہو مگر ہماری اس عنایت اور مرحمت کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہمارے نازل کردہ قانون شریعت کی حدود و قیود اور اوامر و نواہی سے آزاد ہو کہ خلاف قانون جو چاہو تصرف کر دو شریعت شخصی اور انفرادی ملکیت کو برقرار رکھتی ہے۔ اشتراکیت کی طرح شریعت شخصی اور انفرادی ملکیت کی منکر نہیں البتہ اس کی آزادی اور مطلق العنانی کی منکر ہے جس طرح ایک مجازی غلام اور خادم کا تصرف اور تجارتی کاروبار مجازی آقا کے ماتحت ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ بندوں کے تمام مالی تصرفات مالک حقیقی اور خداوند اعلم العالمین کے حکم اور قانون کے ماتحت ہیں۔ ملک کی رعایا، حکومت اور صدر مملکت اور وزراء سلطنت کی مخلوق نہیں اور اپنی ذاتی قدرت اور اختیار میں اور تجارتی کاروبار میں حکومت کے محتاج نہیں مگر ہاں ہمہ ملک کی رعایا۔ قانون حکومت کے ماتحت تصرف کر سکتی ہے۔ اس کے خلاف تصرف نہیں کر سکتی۔ پس جبکہ مجازی اور قانونی حکومت میں رعایا کا تصرف قانون حکومت کے ماتحت ہونا تہذیب اور تمدن کے خلاف نہیں۔ تو خدا کی مخلوق کے تصرف کو خدا کے نازل کردہ قانون شریعت کے ماتحت قرار دینا کیسے خلاف تمدن ہو سکتا ہے۔ آج کل کے سرمایہ داروں کی طرح قوم شعیب علیہ السلام بھی یہی کہتی تھی کہ کیا آپ کی نماز ہم کو یہ حکم دیتی ہے۔ کہ ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑ دیں اور اپنے مالوں میں حسب منشاء تصرف کرنا چھوڑ دیں۔ ان مغرورین اور منکرین کا جواب یہ ہے کہ ہاں نماز ایسی ہی باتوں کا حکم دیتی ہے۔ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (تحقیق نماز فحشاء اور منکرات سے روکتی ہے) اس لیے شعیب علیہ السلام کی نماز ان کو آمادہ کرتی تھی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔

شعیب علیہ السلام کا قوم کو جواب باصواب:

شعیب علیہ السلام نے جواب دیا اے میری قوم! مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے بصیرت اور روشن دلیل اور حجت پر ہوں۔ یعنی علم اور ہدایت پر ہوں جن کی بنا پر تم کو نیکی کا حکم دیتا ہوں اور برائی سے منع کرتا ہوں اور مزید برآں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے پاس سے اچھا رزق یعنی حلال و طیب اور فراخ دیا ہو تو کیا ایسی صورت میں تمہاری جاہلانہ اور احمقانہ باتوں کی وجہ سے حق کی دعوت اور تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دوں اور تم کو بہت پرستی اور کیل اور وزن میں کمی کرنے سے منع نہ کروں جبکہ خدا تعالیٰ نے نبوت و رسالت اور حجت واضح اور علم و حکمت کی دولت عطا کی جس سے مجھ کو بصیرت اور نور یقین حاصل ہے اور مال حلال و طیب بھی مجھ کو اتنا دیا کہ جس کے بعد مجھ کو مخلوق کی ضرورت نہیں۔ تو مجھ پر تم بے دقونوں کی طعن آمیز باتوں کا کیا اثر ہو سکتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ رزق حسن سے نبوت کی نعمت مراد ہے اور میرا یہ ارادہ نہیں کہ جس بات سے تم کو منع کروں اسکے خلاف میں خود کروں۔ مطلب یہ کہ میں ایسا نہیں کہ جن باتوں اور خواہشوں سے تم کو منع کروں خود اس میں داخل ہو جاؤں۔ بلکہ تمہارے لیے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہے میں سوائے تمہاری اصلاح کے کچھ نہیں چاہتا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے عقائد اور معاملات درست ہو جائیں اور تمہارے اعتقادات اور معاملات سے فسادات دور ہو جائیں۔ اور یہی کمال رشد اور کمال حلم ہے اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ کی قوت اور طاقت سے یعنی میں اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہوں مگر میری طاقت اللہ کی قوت اور اعانت سے ہے۔ اور اس کی مدد سے ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں۔ حتیٰ کہ توکل اور صلاح میں بھی اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ ہر کام میں بیت اسی کی کرتا ہوں۔

ترہیب قوم از مخافت و معاندت:

اس مواعظت سرا پا حکمت کے بعد شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو اپنی مخالفت پر عذاب سے ڈراتے ہیں اور اے میری قوم! تم کو میری دشمنی اور عداوت اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم میری نافرمانی کرو۔ اور پھر تم کو ویسا ہی عذاب پہنچے جیسا کہ قوم نوح کو طوفان پہنچا۔ یا قوم ہود کو وہا کا طوفان پہنچا جس سے وہ پارہ پارہ ہوئے یا قوم صالح کو زلزلے نے تباہ اور برباد کیا تم ان قوموں کے تاریخی حالات سے بخوبی واقف ہو اگرچہ ان کو کچھ زمانہ گزر گیا ہے۔ تم کو چاہئے کہ ان سے عبرت پکڑو اور قوم لوط تو تم سے دور نہیں۔ ان کو تباہ ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ دیکھ لو کہ پیغمبر کی مخالفت سے تمہارے روبرو کیسے ہلاک ہوئے مطلب یہ ہے کہ اگر گزشتہ امتوں کے حال سے عبرت نہیں پکڑتے تو قوم لوط سے عبرت پکڑو اس قوم کی بستیاں تم سے دور نہیں اور اپنے پروردگار سے اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ کے لیے اس کی طرف رجوع کرو یعنی اس کے حکم پر چلو اور کفر و شرک سے توبہ کرو اور تپ تول میں کمی کو چھوڑو بے شک میرا پروردگار بڑا مہربان ہے۔ استغفار کرنے والوں پر۔ اور بڑا محبت کرنے والا ہے۔ توبہ کرنے سے استغفار سے اللہ کی رحمت اور عنایت نازل ہوتی ہے اور توبہ سے اللہ کی محبت اس پر نازل ہوتی ہے جس کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔

قوم کا جواب:

قوم کے لوگ جب شعیب علیہ السلام کی اس موعظت سراپا حکمت اور تقریر دل پذیر کے جواب سے لاجواب ہوئے تو ازراہ جہالت و عداوت یہ کہنے لگے اے شعیب تیری بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ یعنی تو جو کہتا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور شرک اور بت پرستی کو چھوڑو۔ اور ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑو۔ تیری یہ باتیں سب تیرے خیالات فاسدہ ہیں قابل توجہ نہیں اور ہم تو تجھے اپنے درمیان کمزور اور ناتواں دیکھتے ہیں تجھ میں کوئی قوت نہیں اور ہم اگر تجھ کو کوئی برائی پہنچانا چاہیں تو کوئی ردک نہیں یا یہ مطلب ہے کہ تو ہم میں ایک ذلیل آدمی ہے تیری کچھ عزت نہیں اور اگر تیرا کنبہ نہ ہوتا تو ہم تجھ کو سنگسار کر دیتے ہم کو تیرے خاندان اور قبیلہ کی عزت اور حرمت کا پاس ہے جو تجھ کو چھوڑ دیا اور تو ہماری نظروں میں کوئی عزت والا نہیں کہ تیری عزت سنگساری سے مانع بنے۔

شعیب علیہ السلام کی طرف سے قوم کی دھمکیوں کا جواب:

یہ تو قوم کی دھمکیوں کا ذکر ہوا اور بے وقوفوں کا یہی دستور ہے کہ آیات پینات اور روشن دلائل کے مقابلہ میں دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔ اب آگے ان دھمکیوں کے مقابلہ میں شعیب علیہ السلام کا جواب ذکر کرتے ہیں۔ جو ان نادانوں کی شفقت سے لبریز ہے۔ اور شعیب علیہ السلام کے قلبی سکون اور اطمینان کا آئینہ دار ہے کہ وہ قوم کی دھمکیوں سے ذرہ برابر مرعوب نہ تھے بلکہ وعدہ خداوندی پر مطمئن تھے۔ چنانچہ شعیب علیہ السلام نے ان کی دھمکیوں کے جواب میں کہا اے میری قوم افسوس اور تعجب ہے کہ میری نبوت در رسالت تو میرے رجم سے مانع نہ ہوئی۔ بلکہ میرے قبیلہ اور خاندان کی قوت و شوکت میرے رجم سے تمہارے لیے مانع بنی کیا میری برادری اور میرا کینہ تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے زیادہ عزت والا ہے کہ خاندان کا تو پاس کیا اور جس خدا نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا اور سچائی کے نشان مجھے دیئے اس کا پاس نہیں کیا اور اللہ کو یعنی اس کے حکم کو تم نے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔ مگر یاد رکھو کہ عنقریب تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ تحقیق میرا پروردگار تمہارے اعمال کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ تمہارا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں تمہارے اعمال کے موافق تم کو جزا دے گا۔ بعد ازاں جب شعیب علیہ السلام قوم کی ہدایت سے ناامید ہوئے اور سمجھ گئے کہ ان لوگوں کو عذاب سے ڈرانا بیکار ہے۔ کوئی نصیحت ان پر کارگر نہ ہوئی کیونکہ ان لوگوں کو یقین ہے کہ عذاب کا وعدہ محض دھمکی ہی دھمکی ہے تو اخیر میں یہ فرمایا کہ اچھا اگر تم کو عذاب کا یقین نہیں تو اچھا تم جانو عنقریب پتہ چل جائے گا اور بالآخر ناامید ہو کر یہ کہا اے میری قوم تم اپنی جگہ میں اپنے کام کیے جاؤ میں بھی اپنا کام کرتا ہوں۔ عنقریب تم جان لو گے کہ وہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آئے گا۔ جو اس کو ذلیل و خوار کرے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے جو جھوٹا ہے اس وقت طرفین کی عزت اور ذلت کا فیصلہ ہو جائیگا اور معلوم ہو جائیگا کہ تم جھوٹے ہو یا میں جھوٹا ہوں اور آسمانی فیصلہ کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جس عذاب سے تم کو ڈر رہا ہوں وہ محض دھمکی نہیں بلکہ وہ اتنا قریب آ گیا کہ اس کی طرف گھٹکی لگا کر انتظار میں بیٹھ جاؤ۔ پس حسب وعدہ چند روز کے بعد عذاب کا سامان شروع ہوا اور جب ہمارا حکم عذاب کے لیے آ پہنچا تو ہم نے فریقین میں سے شعیب علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی طرف سے ایک خاص رحمت کے ساتھ عذاب آسمانی سے نجات دی اور ان ظالموں کو جنہوں نے شرک اور مصیبت سے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا تھا یکدم ایک سخت آواز

نے آپکو جس سے یک لخت سب کے دل پھٹ گئے اور ایک دم سب مر گئے۔ جبریل امین علیہ السلام نے ایک چیخ ماری جس کی دہشت سے سب کا فرم گئے۔ پس یہ لوگ صبح کے وقت اپنے گھروں میں گھنٹوں کے بل مرے رہ گئے گویا کہ وہ کبھی ان گھروں میں بے نہ تھے۔ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سن لو کہ قوم مدین کو ہلاکت اور پھنکار ایسی ہوئی جیسا کہ قوم ثمود کو ہوئی تھی۔ چونکہ قوم شعیب اور قوم صالح (یعنی قوم ثمود) ایک ہی عذاب سے ہلاک ہوئے اس لیے فرمایا کہ مدین کی ہلاکت ویسی ہی ہے جیسی ثمود کی ہلاکت ہے۔ تشبیہ اس بات میں ہے کہ دونوں قومیں عذاب صحیح سے ہلاک ہوئیں۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ قوم ثمود نے نیچے کی جانب سے صحیح (چنگھاڑ) سنی اور ہلاک ہوئی۔ اور قوم مدین نے اوپر کی جانب سے صحیح (چیخ) سنی اور ہلاک ہوئی۔ نیز مدین کو ثمود کے ساتھ اس لیے بھی ذکر کیا کہ دونوں قوموں کی بستیاں قریب تھیں اور کفر اور ہزنی میں ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور عذاب میں بھی ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور دونوں عرب میں تھے اس اعتبار سے تشبیہ معنوی ہو گئی۔

فَاللَّكَّ: یہاں قوم شعیب کا صحیح (چیخ) سے ہلاک ہونا مذکور ہے اور سورۃ اعراف میں رجفہ کا لفظ آیا ہے یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے عجب نہیں کہ ابتداء میں زلزلہ آیا ہو اور پھر چیخ آئی ہو۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿١٠﴾ بِرَهْمٰنٍ ظٰهِرٍ رٰلِ فِرْعَوْنَ وَ مَلَآئِہٖ فَاتَّبَعُوْا اَمْرًا فِرْعَوْنَ ۗ وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿١١﴾ سِدِيْدٌ يَّقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَسْبُغُوْنَهٗ كَمَا اتَّبَعُوْهُ فِى الدُّنْيَا فَاوْرَدَهُمُ الْخٰرَجَ وَ بٰسَ الْوَرْدِ الْمُرُوْدُ ﴿١٢﴾ هٰى وَ اتَّبَعُوْا فِى هٰذٰهٗ اٰى الدُّنْيَا لَعْنَةٌ وَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ لَعْنَةٌ بِاَسْسِ الرَّفْدِ الْعَرُوْدِ الْمُرُوْدُ ﴿١٣﴾ رَفْدُهُمْ ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرُ مُبْتَدَأٌ خَبْرُهُ مِنْ اَنْبَاءِ الْقُرٰى نَقْضُهُ عَلَيْكَ يٰمُحَمَّدُ مِنْهَا اٰى الْقُرٰى قَابِمْ هَلَكِ اَهْلُهٗ ذُوْنَهٗ وَ مِنْهَا حَصِيْدٌ ﴿١٤﴾ هَلَكَ بِاَهْلِهٖ فَلَا اَنْزَلَهٗ كَالزَّرْعِ الْمَحْضُوْدِ بِالْمَنَاجِلِ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ بِاَعْمَالِ كَيْهَمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ بِالشِّرْكِ فَمَا اَعْنَتْ دَفَعْتُ عَنْهُمْ اَلِهَتَهُمُ الَّتِى يَدْعُوْنَ يَتَّبِعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰى غَيْرِهٖ مِنْ رَاٰدَةٍ شَيْءٍ لَّمَّا جَاءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۗ عَذَابُهٗ وَ مَا زَادُوْهُمْ بِعِبَادَتِهِمْ لَهَا غَيْرَ تَشْبِيْہٍ ﴿١٥﴾ تَحْسِيْرٌ وَ كَذٰلِكَ مِثْلَ ذٰلِكَ الْاٰخِذِ اَخَذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى اُرِيْدُ اَهْلَهَا وَ هِىَ ظَالِمَةٌ ۗ بِالذُّنُوْبِ اٰى فَلَا يُغْنِى عَنْهُمْ مِنْ اَخْذِهٖ شَيْءٌ ۗ اِنْ اَخَذَهَا اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿١٦﴾ رَوٰى الشَّيْخَانِ عَنْ اَبِى مُوْسٰى الْاَشْعَرِيْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِنْ اللّٰهُ لِيَمْلِىْ لِلظَّالِمِ حَتٰى اِذَا اَخَذَهَا لَمْ يُقْلِتْهُ لَمْ يَفْرَأْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ كَذٰلِكَ اَحْذَرْتُكَ الْاٰيَةَ اِنْ فِى ذٰلِكَ الْمَذْكُوْرِ مِنَ الْقِصَصِ لٰاٰيَةٌ لِّعِبْرَةٍ لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۗ ذٰلِكَ اٰى

يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَوْمَ مَجْمُوعٍ لَهُ فِيهِ النَّاسُ وَ ذَلِكَ يَوْمٌ مَشْهُودٌ ۝ يَشْهَدُهُ خَمِيعُ الْخَلَائِقِ وَمَا
 نُوحِيهِ إِلَّا لِأَجَلٍ مُّعَدُّودٍ ۝ لَوْ تَبِعَ مَعْلُومٌ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ يَأْتِ ذَلِكَ الْيَوْمَ لَا تَكَلَّمُ فِيهِ خَدْفٌ إِحْدَى
 التَّائِينَ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۝ تَعَالَى لِمَنْهُمْ أَيُّ الْخَلْقِ شَقِيحٌ وَمِنْهُمْ سَعِيدٌ ۝ كَتَبَ كُلُّ ذَلِكَ فِي الْأَزَلِ
 فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فِي عَلَيْهِ تَعَالَى فَلَئِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ صَوْتٌ شَدِيدٌ وَ شَهيقٌ ۝ صَوْتٌ ضَعِيفٌ
 خَلِيدٌ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَ الْأَرْضُ أَيُّ مُدَّةٍ دَوَّامِهِمَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا غَيْرَ مَا شَاءَ رَبُّكَ ۝ مِنْ
 الزِّيَادَةِ عَلَى مُدَّتَيْهِمَا مِمَّا لَا مُنْتَهَى لَهُ وَ الْمَعْلَى خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ۝ وَ أَمَّا
 الَّذِينَ سَعِدُوا وَ ابْتَفَحَ السَّيِّئِينَ وَ ضَمَّهَا فِي الْجَنَّةِ خَلِيدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَ الْأَرْضُ إِلَّا غَيْرَ مَا
 شَاءَ رَبُّكَ ۝ كَمَا تَقَدَّمَ وَ ذَلَّ عَلَيْهِ فِيهِمْ قَوْلُهُ عَطَاءٌ غَيْرٌ مُّجْدُودٌ ۝ مَقْطُوعٌ وَ مَا تَقَدَّمَ مِنَ التَّأْوِيلِ هُوَ
 الَّذِي ظَهَرَ لِي وَ هُوَ خَالٍ عَنِ التَّكْلِيفِ وَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ فَلَا تُكُ بِمُحَمَّدٍ فِي مَرِيئَةٍ شَكٍّ مِمَّا يَعْبُدُ
 هُوَ إِلَّا مِنْ الْأَضْغَامِ إِنَّا نَعُدُّ لَهُمْ كَمَا عَدَبْنَا مَنْ قَبْلَهُمْ وَ هَذَا تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَا
 يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاءَهُمْ وَ هُمْ أَيُّ كِعْبَادَتِهِمْ مِنْ قَبْلُ ۝ وَ قَدْ عَدَبْنَا هُمْ وَ إِنَّا لَمَوْفُؤُهُمْ مِنْهُمْ
 نَصِيبُهُمْ حَظَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ غَيْرَ مَنْقُوصٍ ۝ أَيُّ نَامَا

تو چچہہا اور البتہ صحیح ہے ہم موتی کو اپنی نشانیاں اور واضح سند دے کر (ظاہر و باہر دلیل دے کر) فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس گردہ لوگ فرعون کے حکم پر چلتے رہے اور فرعون کی بات کچھ کام کی نہیں تھی وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا، اور لوگ اس کے پیچھے اس طرح چلتے ہوں گے جس طرح دنیا میں چلتے تھے (پھر انہیں آگ میں پہنچائے گا (داخل کر دے گا) اور برا گھاٹ ہے جس پر پہنچے اور پیچھے سے ملتی رہی اس جہاں میں لعنت اور قیامت کے دن بھی (لعنت رہے گی) برا انعام (صلہ) ہے جو ان کو ملا، (انہیں دیا گیا) یہ (مذکورہ واقعات، یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے ہے) ان بستیوں کے تھوڑے سے حالات تھے جنہیں ہم آپ سے (اے محمد ﷺ) بیان کر رہے ہیں ان (بستیوں) میں سے کچھ تو اب تک قائم ہیں، (ان کے رہنے والے، برباد ہو گئے گردہ خراب نہیں ہوئیں) اور کچھ بالکل اجڑ گئیں (رہنے والوں سمیت فنا ہو گئیں کہ ان کا نشان تک نہیں رہا جیسے کسی نے درختی سے کھیت صاف کر دیا ہو) اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا (کہ بلا تصور انہیں برباد کر دیا ہو) بلکہ خود انہوں نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا (شرک کر کے) سوال کے وہ معبود جنہیں وہ خدا کو چھوڑ کر پوجتے تھے ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے (من زانکہ ہے) جب آپ کے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے (جیسی پکڑ ان کی ہوئی جب وہ

آبادیوں (میں رہنے والوں) کو ظلم کرتے ہوئے پکڑتا ہے (گناہ کرتے ہوئے یعنی پھر اس کی پکڑ سے کوئی نہیں بچتا) یقیناً اس کی پکڑ بڑی ہی دردناک بڑی ہی سخت ہوتی ہے (شیخین نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں پھر جب پکڑ لیتے ہیں تو کسی طرح چھوٹ نہیں سکتا اس کے بعد آنحضرت نے یہی آیت دکھا کر تلاوت فرمائی) ان (مذکورہ واقعات) میں بڑی ہی عبرت (نصیحت) ہے اس شخص کے لئے جو عذاب کا خوف رکھتا ہو یہ (آخرت کا دن) وہ دن ہے جب تمام انسان اکٹھے کئے جائیں گے اور یہ وہ دن ہے جس میں سب کی حاضری ہوگی (سب اس کا نظارہ کر سکیں گے) اور ہم اس کو صرف تھوڑی سی مدت کے لئے (جو خدا کو معلوم ہے) ملتوی کئے ہوئے ہیں جس وقت وہ دن آئے گا کسی شخص کی مجال نہیں ہوگی کہ بغیر اللہ کی اجازت کے زبان کھولے (تکلم میں ایک ناء محذوف ہے) پھر (مخلوق میں سے) کچھ ایسے ہوں گے جن کے لئے محرومی ہے اور (کچھ ان میں سے) ایسے ہوں گے جن کے لئے سعادت ہے (یہ سب روز اول میں لکھا جا چکا ہے) پس جو لوگ محروم ہوئے (علم خداوندی میں) وہ جہنم میں ہوں گے ان کے لئے چیخا چلانا (شور مچانا) ہوگا (شہیق کمزور آواز کو کہتے ہیں) وہ اسی میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین قائم ہیں (یعنی دنیا جس قدر ان کا دوام رہا ہے) ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو (زمین و آسمان کی مدت میں زمانہ غیر متناہی کی زیادتی۔ غرضیکہ یہی سب مراد ہے) بے شک آپ کا پروردگار اپنے کاموں میں مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جن لوگوں نے سعادت پائی (سین کے فتح اور ضمہ کے ساتھ ہے) سو وہ جنت میں ہوں گے اور اس میں رہیں گے آسمان وزمین قائم ہیں ہاں اگر خدا ہی کو منظور ہو تو دوسری بات ہے (اس کا مطلب وہی ہے جو ابھی گزر چکا ہے جس پر اگلا قول دلالت کرتا ہے) یہ عطیہ ہمیشہ رہے گا (منقطع نہیں ہوگا یہی تاویل میری سمجھ میں آئی ہے اور بے تکلف ہے واللہ اعلم) جن (بتوں) کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں ان کے بارے میں (اے محمدؐ) آپ کو ذرا شبہ نہ ہونا چاہئے (کیونکہ اگلے لوگوں کی طرح ہم انہیں بھی سزا دیں گے اس کا مقصد نبی کریم ﷺ کی دلجوئی ہے) یہ اسی طرح پرستش کر رہے ہیں جس طرح ان کے باپ دادا پرستش کرتے تھے (ان سے پہلے) جنہیں ہم سزا دے چکے ہیں) اور ہم یقیناً (ان کی طرح) ان (کے عذاب) کا پورا پورا حصہ (بغیر کچھ کم کئے) انہیں پہنچائیں گے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **سُلْطٰنٍ**: سے مراد معجزات ہیں۔

قوله: **اَدْخَلَهُمْ**: اس سے اشارہ ہے کہ ورود کا تذکرہ مجاز سے دخول ہے۔

قوله: **مِنْهَا**: **مِنْهَا** کو مقدر مانا اس سے اشارہ کیا کہ **حَصِيْدٌ** کا عطف قائم پر ہے جملہ پر نہیں۔

قوله: **اُرِيْدُ اٰهْلَهَا**: مضاف محذوف ہے۔

قوله: **يَوْمَ الْقِيٰمَةِ**: عذاب آخرت کا تذکرہ ظاہر کرتا ہے کہ اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔

قولہ: **فِيهِ**: اس میں اشارہ کیا کہ لام فی کے معنی میں ہے۔
 قولہ: **بَشَّهْدُهُ جَمِيعُ الْخَلَائِقِ**: یعنی اس میں تمام خلق حاضر ہوگی۔ پس ظرف میں وسعت کر کے اسے مفعول بہ کے قائم مقام لایا گیا اگر **يَوْمَهُ** کو خود مشہود قرآن دیں تو غرض اصلی باطل ہو جاتی ہے۔

قولہ: **لِيُوقِتَ مَعْلُومٍ**: اجل کا اطلاق تمام مدت تا جیل پر اور اس کی انتہاء پر ہوتا ہے۔ اور معدود کا اطلاق تمام مدت پر تو ہوتا ہے غایت پر نہیں اسی وجہ سے اجل کی وقت سے تفسیر کی جو کہ تمام مدت ہے کیونکہ اس کی صفت معدود سے آ رہی ہے اور انتہاء مدت غیر معدود ہے لیکن مضاف محذوف ہے۔

قولہ: **مَعْلُومٍ**: اس سے اشارہ کیا معدود سے مراد معلوم ہے۔

قولہ: **الْخَلْقِ**: اس پر التکلم کا قول دلالت کر رہا ہے۔

قولہ: **زَفِيرٌ**: سخت آواز، مہین، سانس کا لوٹانا، ہلکی آواز۔

قولہ: **عَذَابٌ مَّا**: یہاں الاغیر کے معنی میں آیا ہے پس معنی یہ ہے کہ ان کا عذاب اتنی مدت تک ہوگا جتنا عرصہ دنیا میں آسمان وزمین کو دوام رہا اس کے ساتھ وہ بھی اضافہ ہے جس کی انتہاء نہیں جب تک آسمان وزمین باقی ہیں۔

قولہ: **وَضَمِيمًا**: یہ مجہول پڑھ سکتے ہیں سعد بمعنی اسعدہ ہے۔

قولہ: **كِعِبَادَتِهِمْ**: مآ مصدر یہ ہے موصولہ نہیں۔

قولہ: **حَظَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ**: نصیب کی اضافت ضمیر کی طرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نصیب سے عذاب کا حصہ مراد ہے نہ کہ ثواب کا۔

قولہ: **تَامًا**: یہ کہہ کر اشارہ کر دیا یہاں مکمل مراد و فاء ناقص مراد نہیں۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَمُلْكِنًا مُّبِينًا ﴿١٤﴾

موسیٰؑ کی بعثت، فرعون اور آل فرعون کی بغاوت اور دنیا و آخرت میں آل فرعون پر لعنت:

ان آیات میں فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی بربادی کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰؑ کو ان کی طرف بھیجا وہ ان لوگوں کے پاس معجزات اور روشن دلیل لے کر آئے ان کے یہ معجزات سورہ اعراف کے رکوع (۱۳، ۱۴) میں مذکور ہیں۔ حضرت موسیٰؑ مبعوث تو ہوئے تھے فرعون کی پوری ہی قوم کیلئے لیکن خاص طور سے فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ قوموں کے سردار ہی اصل ہوتے ہیں عامۃ الناس انہیں کے پیچھے چلتے ہیں۔ اگر یہ لوگ حق

قول کر لیتے ہیں تو عوام بھی حق کو مان لیتے ہیں قوم کے سردار اگر حق کے منکر ہوں تو عوام دو وجہ سے حق قبول نہیں کرتے اول تو اس وجہ سے کہ سردار لوگ انہیں حق قبول نہیں کرنے دیتے اگر وہ حق قبول کریں تو یہ لوگ ان پر سختی کرتے ہیں اور انہیں اس سے باز رکھتے ہیں اور دوسری وجہ یہ کہ عامۃ الناس یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بڑے جس راہ پر ہیں ہمیں بھی اس راہ پر ہونا چاہئے اگر چہ ہوتا یہی رہا ہے کہ ضعفائے قوم ہی پہلے حق کی طرف بڑھتے ہیں لیکن یہ لوگ دوسروں کے مقابلہ میں تعداد کے اعتبار سے کم ہوتے ہیں۔ حضرت انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ سرداروں کو خطاب کریں تاکہ وہ ہدایت قبول کر لیں اور عوام بھی ان کے ساتھ ہدایت پر آجائیں۔

فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون کی ہی بات مانی اور اسی کی رائے پر چلتے رہے اور ان کے عوام بھی انہیں کے پیچھے رہے فرعون ہی سب کا قائد تھا دنیا میں کفر و ضلال کا قائد بنا قیامت کے دن بھی اپنی قوم کا قائد بنے گا یعنی انہیں آگے لے کر چلے گا خود بھی دوزخ میں جائے گا اور اپنی قوم کو بھی دوزخ میں اتار دے گا۔ یہ لوگ دنیا میں ملعون ہوئے اور آخرت میں بھی ملعون ہوں گے یہ لعنت برانعام ہے جو انہیں دیا گیا فرعون اور اہل فرعون کی ہلاکت کا واقعہ سورۃ بقرہ ۱۷۴ اور سورۃ اعراف ۱۶ میں اور سورۃ یونس (۹۷) میں گزر چکا ہے۔

یہ جو فرمایا کہ سوئی علیہ السلام کو ہم نے معجزات اور روشن دلیل دے کر بھیجا۔ اس میں روشن دلیل سے بعض حضرات نے ان کی عصا اور بعض نے ید بیضاء مراد لیا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْقُرْآٰنِ ...

اللہ تعالیٰ ظالموں کی گرفت فرماتا ہے اسکی گرفت دردناک اور سخت ہے:

سورۃ ہود کے رکوع ۳ سے لے کر یہاں تک ۷ انبیاء کرام کی استوں کی بربادی کا حال بیان فرمانے کے بعد یہاں فرمایا کہ ہم آپ کو ان بستیوں کی خبریں سناتے ہیں۔ ان ہلاک شدہ بستیوں سے بعض بستیاں دنیا میں موجود ہیں کچھ تو کھنڈروں کی صورت میں ہیں اور کچھ ایسی ہیں کہ ان کے رہنے والوں کی ہلاکت کے بعد دوسرے لوگ ان میں رہنے لگے (وَسَكَنتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا اَنْفُسَهُمْ) اور کچھ ایسی بستیاں ہیں جن کا مالک خاتمہ ہو گیا جیسے حضرت موط علیہ السلام کی بستی تھیں ان قوموں کی ہلاکت کے واقعات مخاطبین نے پہلے بھی سن رکھے ہیں اور آپ نے بھی بتا دیئے اور صرف زبانی کہا سنا نہیں ہے ان میں سے بعض بستیوں کے آثار موجود ہیں اور یہ لوگ ادھر کو گزرتے بھی ہیں انہیں ان سے عبرت حاصل کرنا لازم ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم کیا اور جب عذاب کا وقت آ گیا تو ان کے معبودوں نے جن کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے انہیں کچھ بھی نفع نہ پہنچایا اور ذرا بھی ان کے کام نہ آئے ان کی عقیدت اور تعظیم اور عبادت کی وجہ سے ان کے پرستاروں کو ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ملا ان کی عبادت کی وجہ سے اسباب ہلاکت میں اضافہ ہوتا رہا بالآخر ہلاک اور برباد ہوئے۔

يَوْمَ يَأْتُ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ....
 قیامت کے دن سب جمع ہوں گے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی:

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ گزشتہ امتوں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو پھر یہ فرمایا کہ آخرت کے دن میں سب لوگ جمع ہوں گے اور یہ حاضری کا دن ہے یہ جبری حاضری ہوگی کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ میں حاضر نہ ہوں تو ایسا ہو نہیں سکتا حاضر ہونا ہی پڑے گا مزید فرمایا کہ ہم اس دن کو تھوڑی مدت کے لیے مؤخر کر رہے ہیں جس وقت اس کا آنا اللہ تعالیٰ کے علم میں متعین ہے اس وقت آجائے گی اس سے پہلے نہیں آئے گی لیکن فوری اور ابھی نہ آنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ آئی ہی نہیں اس میں ان جاہلوں کی تردید ہے جو یوں کہتے ہیں کہ سیکڑوں سال سے سن رہے ہیں کہ قیامت ایک دن آئے گی۔ ابھی تک تو آئی نہیں یہ بات کہہ کر جاہل لوگ قیامت کے دن کا انکار کرنا چاہتے ہیں یہ ان لوگوں کی جہالت ہے کسی چیز کا اپنے مقررہ وقت تک مؤخر ہو جانا اگرچہ تاخیر زیادہ ہو جائے اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وقوع نہ ہوگا پھر فرمایا: يَوْمَ يَأْتُ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ (جس وقت وہ دن آجائے گا تو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر بات نہ کر سکے گا) یہ ابتدائی حالت کا بیان ہے جیسے ہی صور پھونکا جائے گا لوگ حیران و پریشان اور بے ہوش ہو جائیں گے اس وقت کی ہیبت ایسی ہوگی کہ کسی کو بھی بولنے کی تاب نہ ہوگی سورہ ابراہیم میں فرمایا: (لَا تَمْلَأُوا صُفْرًا لِيَوْمٍ تَشْغَصُ فِيهِ الْاَبْصَارُ. مُهْطِعِينَ مُقْبِعِينَ رُؤُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّوا آلْتِيهِمْ ظَرْفُهُمْ وَأَفْسِدُتْ لَهُمُ هُوَآءُ) (اور انہیں اسی دن کے لیے مؤخر فرما رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی۔ تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے اپنے سروں کو اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے ان کی نظر ان کی طرف واپس نہ لوٹے گی اور ان کے دل بالکل ہوا ہوں گے)۔

پھر جب حساب کتاب شروع ہوگا تو بولنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ لہذا اس آیت میں اور ان دیگر آیات میں کوئی تعارض نہیں جن میں انکار کرنے پھر اترار کرنے اور معذرت پیش کرنے کا ذکر ہے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور علماء اور شہداء اجازت کے بعد سفارش کریں گے اس کے بعد حاضرین محشر کی دو قسمیں بتائیں اور وہ یہ ہیں کہ بہت سے لوگ شقی یعنی بد بخت ہوں گے اور بہت سے لوگ سعید نیک بخت ہوں گے پھر ہر فریق کا مقام بتایا جو لوگ بد بخت ہوں گے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائیں گے جس میں وہ سچ پکار کرتے ہوں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے ”سچ پکار“ زفر اور مہین کا ترجمہ کیا گیا ہے زفر گدھے کی ابتدائی آواز کو اور مہین اس کی آخری آواز کو کہا جاتا ہے معلوم ہوا کہ ان کا چیخنا پکارنا گدھوں کی آواز کی طرح ہو گا۔ اور نیک بختوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت میں ہوں گے اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اہل جنت کو جو کچھ عطا فرمایا جائے گا وہ دائی ہوگا کبھی منقطع نہ ہوگا۔

آخر میں فرمایا کہ اسے مخاطب جس چیز کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں یعنی غیر اللہ کو پوجتے ہیں ان کے اس عمل کے موجب سزا ہونے کے بارے میں ذرا بھی شبہ نہ کرنا یہ لوگ اسی طرح عبادت کرتے ہیں۔ جیسے ان کے باپ دادا ان سے پہلے غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے یہ جو کچھ دنیا میں کر رہے ہیں اس کا بدلہ انہیں پورا پورا اہل جائے گا جس میں ذرا بھی کمی نہ ہوگی۔

﴿لَا تُكَلِّمُ فِيهَا السَّمْعُ وَلَا الْأَبْصَارُ وَلَا أُولُو الْأَرْحَامِ﴾ (سورۃ النور: ۲۴)۔
 لولا کہ ضرور یہ ذرا آیت پر سے معلوم ہو کہ قیامت کے دن ہر فریب دہن کی دماغی فہمیں ہوں گے اور کھوکھلی
 رہیں گے اور کھوکھلی سمیعہ (نیٹ) بخت ہوں گے حتیٰ کہ ایک جوت مل یمن نہ اور اور کھوکھلی مل کفر نہ ہوں۔ بل یمن
 سمیعہ حتیٰ کہ نیٹ بخت ہوں گے اور کفر شکی حتیٰ کہ بخت ہوں گے اور اشوں میں فریاد افریقہ فی الجنة و فریقہ فی
 نسعورا (نیٹ جوت جنت میں اور ایک جوت دوزخ میں ہے) بل یمن بخت میں اور مل کفر دوزخ میں ہوں
 گے۔ مل کفر تو کئی دوزخ سے نہ ٹھیکے گئے۔ جہ جوت مل یمن ہے مگر ہوں گے دن سے دوزخ میں ہے جو کس کے دوزخ
 میں سے نکالے ہو کس کے دوزخ میں: فر فریبے ہو کس کے جس کا ذر بہت تو کس میں آئے ہے یہ دوزخ ہوں
 گے جنسین نہ خون نے صوف نہ فریاد ہوگا ذر بہت سے تمہارا ہوں گے جن نہ موانی مذاب بختے بغیر ہی ہو گئے نہ اللہ
 پر شفقت ہی صوف فریاد کس کے درشتا عشر کس قیور فریاد کس کے نچو م کے اعتبار سے اور سے موانی جنت میں اور
 اور سے کا فر دوزخ میں راہ کس کے کا فر کئی دوزخ سے نہ نکالے ہو کس کے صیر کہ سورۃ بقرہ میں فریاد: ﴿وَمَا ظَنُّهُ
 بِعَذَابِ جَهَنَّمَ﴾ (نور: ۲۴) اور مل جنت ثروا: نقد سے لے کر بیٹ بیٹ جنت میں رہتے گئے نہ ان میں سے نکالے ہو کس
 گئے نہ ان میں سے کس جو ہر ہند کریں گے سورۃ حجر میں فریاد: ﴿لَا يَمْسُكُهُمْ فِيهَا لَنْصَبٌ وَمَا ظَنُّهُمُ بِالْمُخْرَجِينَ﴾
 اور سورۃ انف میں فریاد: ﴿خَبِيرَاتٍ لِّقَطِرَانٍ يَخْفُونَ تَلْفَازًا﴾ جب سورے مل یمن جنت میں داخل ہو جو کس کے تو
 موت و جنت اور دوزخ کے درمیان میں نہ ملے نہ شکل میں۔ کوڑوں کا کوڑا ہو گئے گا اور یہ نہ ہوں گے نہ کہ یہاں عمل بختہ
 حیوان لا موت و۔ اہل نذر خسو لا موت۔ کہے جنتیو اب موت نہیں اور اے دوزخیو اب موت نہیں۔ (اور)

جہنم میں ۱۰۰ سال ۱۰۰ سال (۱۰۰ سال)

قرآن مجید میں جیسے اہل جنت کے بارے میں (خَبِيرَاتٍ لِّقَطِرَانٍ) فریاد ہے اہل جنت سے اہل دوزخ کے بارے
 میں بھی فریاد کیا کہ (انتم ہرمانہ نہ ہوں اور سورۃ الاحزاب (نور) اور سورۃ جن (نور) بعض لوگوں کو مل کفر سے بھڑکائی پیدا
 ہوئی اور انہوں نے خواہ مخواہ آیات کریمہ اور احادیث شریفہ کا ٹکڑا ٹکڑا کر کے اپنی جان کو گمراہی میں پھنسا دیا۔
 بہت سے لوگ اس گمراہی نہ تیرے کیے تیرے ہی۔ ہے تیرا اور کہتے تیرا کہ کافر کئی نہ کئی دوزخ سے نجات پا جائے۔
 اور دوزخ ختم ہو جائے گی۔ یہ لوگ قرآن مجید و جنت پر ہے جس سے نہ توئی نہیں بکھڑے۔ (آمن)

(۶) آیت ہذا میں اہل شہادت کی سزا اور اہل سعادت کی جزا بیان کرنے کے بعد دونوں جہ (خَبِيرَاتٍ لِّقَطِرَانٍ) کے ساتھ
 (مَا كَانَتْ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ) بھی فریاد ہے اہل جنت کے بارے میں حسرت نے فرمایا ہے یہ اہل عرب کے کاہلو کے
 مطابق ہے اہل عرب یہ تمام باتوں کو رد اور کھٹکی مراد لیا کرتے تھے اور بعض صحرات نے فرمایا ہے کہ اس سے جنت اور دوزخ
 کے آسمان و زمین مراد تھا جو چیز ان کے نیچے ہوں اس سے زمین مراد ہوتی ہے اور جو چیز ان کے اوپر سرف یعنی بہت کے طور
 پر ہوں اس سے آسمان مراد ہوتی ہے جنت اور دوزخ کے آسمان و زمین ہمیشہ رہتے گئے۔ یہ بات کی درجہ میں کچھ میں آئی تو ہے
 کیا کہ جنت میں زمین کا نقشہ قرآن میں بھی وارد ہوا ہے۔ کہ فی سورۃ الزمر: ﴿أَوْزُنْنَا الزَّكَاةَ وَنَسَبْنَا مِنْهَا خَبِيرًا
 نَفْسًا﴾ اور مردوں کے اوپر جو کچھ ہوگا اسے اوپر ہونے کی وجہ سے سادگی کہا جا سکتا ہے: ﴿لَأَنْ كُلَّ مَا آفَلَكْتُمْ فَهُوَ حَسَاءٌ﴾
 (لیکن چونکہ صفوٹ مع کے صفی کے ساتھ وارد ہوا ہے اس لیے جب تک وہاں تعداد نہ ہو ثابت نہ ہو اس وقت تک اس بات

کے بچنے میں تامل ہے)

مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ كَمَا هُنَّ الْيَوْمَ جَمْعًا إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ، یہی فرمایا ہے۔ حضرات مفسرین کرام نے اس پر بڑی بحث کی ہے مثلاً منہ کون ہے استثناء متصل ہے یا منقطع؟ اور استثناء کا مطلب کیا ہے احقر کے نزدیک سب سے زیادہ بات وہ ہے جو علامہ بغوی نے معالم التنزیل (ص ۱۰۶، ۱۰۷) میں فرآء سے نقل کی ہے انہوں نے فرمایا کہ: هذا استثناء استثناء الله وَلَا يَفْعَلُهُ جِسْمٌ كَمَا مَطْلَبٌ يَدْعُوهُ خُلُودٌ مِنْهُ اسثناء تو ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو ہر دوزخ کو دوزخ سے اور اہل جنت کو جنت سے نکال لے لیکن وہ نکالے گا نہیں (کیونکہ ہر فریق کے خلود و دوام کا فیصلہ فرمایا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں جگہ جگہ موجود ہے) فرآء کے س قول کو صاحب روح المعانی نے بھی بحوالہ امام بغوی نقل کیا ہے بعض افاضل سے نقل کیا ہے کہ اس استثناء کا یہ فائدہ ہے کہ کوئی شخص یوں نہ سمجھ لے کہ دوزخیوں کو عذاب دینا اور جنتیوں کو جنت میں نعمتیں دینا اللہ تعالیٰ کے ذمہ واجب ہے اس کے ذمہ کچھ بھی واجب نہیں وہ جو چاہے کرے نہ وہ عذاب دینے پر مجبور ہے نہ اکرام و انعام پر اگر وہ کسی دوزخی کو دوزخ سے نکال لے یا کسی جنتی کو جنت سے باہر لائے تو وہ یہ کر سکتا ہے اس کی مشیت اور ارادہ اور اختیار کبھی نہ سب ہوا نہ سلب ہوگا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ التَّوْرَةَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ بِالْبَصِيرَةِ وَالْمُتَكَلِّمِينَ كَالْقُرْآنِ وَكَوْنًا كَلِمَةً سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ بِتَاخِيرِ الْحِسَابِ وَالْجَزَاءِ لِلْخَلَائِقِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لِقَضَىٰ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَإِنَّهُمْ أَيْ الْمُكْذِبِينَ بِهِ لَقَدْ شَكَّ مِنْهُ صَرِيحٌ مَوْجِعُ الزَّيْنَةِ وَإِنَّ بِالْمُتَكَلِّمِينَ وَالشَّخْفِيفِ كَلَّا أَيْ كُلُّ الْخَلَائِقِ لَمَّا مَارَ إِذْهُ وَاللَّامُ مَرْطِقَةٌ لِقَسْمٍ مُقَدَّرٍ أَوْ فَارِقَةٌ وَفِي قِرَاءَةِ بِشَبْهِدٍ لَمَّا بِمَعْنَى إِلَّا فَإِنَّ نَائِفَةً كَيُوقِفِيهِمْ رَبُّكَ أَعْمَالُهُمْ أَيْ جَزَائِهَا إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَيْرٌ عَالِمٌ بِبِرَائِهِ كَطَوَائِرِهِ فَاسْتَقِمْ عَلَى الْعَمَلِ بِأَمْرِ رَبِّكَ وَالِدَعَاؤِ إِلَيْهِ كَمَا أَمَرْتَ وَلِيَسْتَقِيمَ وَمَنْ تَابَ آمَنَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا تَجَاوَزُوا الْحُدُودَ اللَّهُ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ فَيَجَازِيكُمْ بِهِ تَمِيلُوا أَوْ لَا تَكْرَهُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا بِمَوَادَّةٍ أَوْ مَدَاهِنَةٍ أَوْ رَضِيَ بِأَعْمَالِهِمْ فَتَشْكُمُ تُصَيِّبُكُمْ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى غَيْرِهِ مِنْ زَائِدَةٍ أَوْلِيَاءَ يَحْفَظُونَكُمْ مِنْهُ ثُمَّ لَا تَنْصَرُونَ تَمْنَعُونَ مِنْ عَذَابِهِ وَاقْبِرِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ الْغَدَاةَ وَالْعِشَاءَ أَيْ الصُّبْحِ وَالظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَذُلْفًا جَمْعُ زُلْفَةٍ أَيْ طَائِفَةٍ مِنَ اللَّيْلِ أَيْ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إِنَّ الْحَصَلَةَ كَالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يُدْهِبُنَ السَّيِّئَاتِ الدُّنُوبَ الصَّغِيرَةَ نَزَتْ فِيمَنْ قَبْلَ أَجْنِبِيَّةٍ فَأَخْبَرَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَيْهَا هَذَا قَالَ لِجَمِيعِ أُمَّتِي عَلَيْهِمْ رِوَاةُ الشَّيْخَانِ

ذٰلِكَ ذِكْرِي لِلذَّكِرِينَ ۝ عِظَةٌ لِلْمُتَعِظِينَ وَاصْبِرْ بِمَا مُحَمَّدٌ عَلَىٰ اٰذَىٰ قَوْمِكَ اَوْ عَلَىٰ الصَّلٰوةِ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضَيِّعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ بِالصَّبْرِ عَلَىٰ اطَاعَةٍ فَلَوْ لَا فَهَلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ الَّتِي الْمَاصِيَةُ مِنْ قَبْلِكُمْ اَوْلٰوًا بِقِيَّتِهِ اَصْحَابِ دِيْنٍ وَفَضْلٍ يَتَهَوَّنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ الْمُرَادُ بِهِ النَّفْسُ اَيُّ مَا كَانَ فِيْهِمْ ذَلِكَ اِلَّا لِكِنَّ قَبِيْلًا مِّنْ اَنْجِيْنَا مِنْهُمْ ۝ نَهْوُ افْتِجْرًا وَمِنْ لِبَيَانِ وَاَتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِالْفَسَادِ اَتْرَكَ اَيُّ مَا اَتْرَفُوْا نَعْمُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرْيٰى بِظُلْمٍ مِنْهُ لَهَا وَاَهْلِهَا مُصْلِحُوْنَ ۝ مُؤْمِنُوْنَ وَكَوْشَاءُ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً اَهْلُ دِيْنٍ وَّاحِدٍ وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ فِي الدِّيْنِ اِلَّا مَن رَّجِمَ رَبُّكَ ۝ اَرَادَ لَهُمُ الْخَيْرَ فَلَا يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِلَّذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۝ اَيُّ اَهْلِ الْاِخْتِلَافِ لَهُ وَاَهْلِ الرَّحْمَةِ لَهَا وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ وَهِيَ لَا مَلَكْنَ جَهَنَّمَ مِنْ الْجِنَّةِ الْجِنِّ وَ النَّاسِ اَجْعِلِيْنَ ۝ وَكَلَّا نِصَبَ بِنَفْسٍ وَتَثَوِيْتُهُ عِيُوْضٌ عَنِ الْمُضَافِ اِلَيْهِ اَيُّ كُلِّ مَا يَخْتَلِفُ اِلَيْهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ لِيَوْمِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ عَمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۝ خَالَتِكُمْ اِنَّا عَلَمُوْنَ ۝ عَلٰى خَالَتِنَا تَهْدِيْدٌ لَهُمْ وَاَنْتَظِرُوْا ۝ عَاقِبَةُ اَمْرِكُمْ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ ذَلِكَ وَبِئْسَ غَيْبٌ السَّمَوَاتِ وَ الْاَرْضِ اَيُّ عَلِمَ مَا غَابَ فِيْهِمَا وَاِلَيْهِ يَرْجِعُ الْبِنَاءُ لِلنَّاعِلِ يَمْزُوذُ وَّلِلْمُفْعُوْلِ يَرُدُّ الْاَمْرَ كُلَّهُ فَيَسْتَقِمُ مِنْ غَضَى فَاَعْبُدُوْهُ وَخُدُوْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۝ اَيُّ بِهٖ فَاِنَّهٗ كَمَا فِيْكَ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَاِنَّمَا يُوَخَّرُهُمْ لِوَقْتِهِمْ وَفِي فِرَاقِهِ بِالْفَوْقَانِيَّةِ

۱۰

تو کچھ بتاؤ: اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی پھر اس میں اختلاف کیا (قرآن کی طرح اس کی بھی بعض نے تصدیق کی اور بعض نے تکذیب) اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے نہ ٹھہرادی گئی ہوتی (مخلوق کے حساب وجزا کے مسئلہ پر قیامت پر ملتی رکھنے کی) تو ان کا فیصلہ کبھی کا ہو چکا ہوتا (دنیا ہی میں ان کے اختلاف کے سلسلہ میں) اور یہ (تکذیب کرنے والے) اس کی طرف سے شب میں پڑے ہوئے ہیں جو انہیں تردد (تک) میں ڈال رہا ہے بالیقین، (تندیہ و تخفیف کے ساتھ) سب کے لئے (ساری مخلوق کے لئے) یہی ہوتا ہے کہ جب وقت آئے گا (مازادہ رہے اور لام

تسمیہ ہے اور قسم مقدر ہے یا یہ لام ان برائے نفی اور ان برائے تاکید میں فرق کرنے کے لئے ہے اور قرأت میں لما مشدود ہے
 الا کے معنی میں پس اس صورت میں ان نافیہ ہو جائے گا تو آپ کا پروردگار ان کے عمل (کا بدلہ) انہیں پورا پورا اور اسے کا وہ
 یقیناً ان کے سب کاموں کی پوری خبر رکھتا ہے (ظاہر کی طرح باطن کو بھی جانتا ہے) اور آپ (اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق
 تعمیل کرنے میں اور اس سے دعا کرنے میں) استوار رہئے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جو (ایمان کی
 بدولت) توبہ کر کے آپ کے ہمراہ ہی ہیں اور حد سے نہ بڑھو (اللہ کے مقرر کردہ دائرہ سے مت نکلو) یقین کر لو کہ جو کچھ تم
 کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے (لہذا وہ تمہیں اس کا بدلہ دے گا) اور ان ظالموں کی طرف (ان سے تعلق رکھ کر یہ دین میں بڑا
 پن دکھا کر یا ان کے کاموں سے خوش ہو کر) مت جھکنا (مائل نہ ہو) کہیں تمہیں بھی آگ چھو جائے (لگ جائے) اللہ کے سوا
 (من زائدہ ہے) تمہارا کوئی رفیق نہیں (جو اللہ سے تمہیں بچا سکے) پھر تم کہیں مدد نہ پاؤ گے (جو عذاب الہی سے تمہیں بچا
 لے) اور نماز قائم کر دو جب دن شروع ہونے کو ہو اور اس وقت جب دن ختم ہونے کو ہو (صبح و شام یعنی نماز فجر، ظہر، عصر) نیز
 اس وقت جب ابتدائی حصہ گزر رہا ہو (یہ زلقتہ کی جمع ہے، یعنی کچھ حصہ) رات کا (یعنی نماز مغرب و عشاء) یاد رکھو نیکیاں
 (جیسے پانچ وقتوں کی نمازیں) برائیوں کو دور کر دیتی ہیں (یعنی چھوٹے گناہوں کو، یہ آیت اس شخص کے بارے میں اتری جس
 نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لیا تھا آنحضرت ﷺ نے اسے جب اس حکم سے مطلع فرمایا تو عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! یہ حکم
 صرف میرے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا سب کے لئے عام ہے یہ روایت بخاری و مسلم کی ہے) یہ نصیحت ان لوگوں
 کے لئے ہے جو نصیحت پکڑنے والے ہوں (ماننے والوں کے لئے یہ نصیحت ہے) اور صبر کرو (اپنی قوم کی طرف سے تکلیفوں
 پر یا نماز پڑھنے پر) کیونکہ حق تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے (جو طاعت پر صبر کرنے والے ہوں) پھر
 ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جو عہد (پچھلے زمانہ) تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان میں اہل خیر (دیندار سمجھ دار) باقی رہے ہوتے جو
 دوسروں دک ملک میں شر و فساد پھیلانے سے روکتے (اس سے مراد نفی ہے یعنی ان میں ایسے لوگ نہیں ہوئے) بجز چند
 آدمیوں کے جنہیں ان میں سے ہم نے بچا لیا تھا (انہوں نے لوگوں کو روکا اور نجات پاگئے اور من بیان کے لئے ہے) اور ظلم
 کرنے والے (فساد پھیلا کر یا دوسروں کو نہ روک کر) وہ جس ناز و نعمت میں تھے اسی کے پیچھے پڑے رہے اور یہ لوگ جرائم
 کے عادی تھے اور ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک امت (ایک دین کے ماننے والے) بنا
 دیتا اور یہ لوگ ہمیشہ (دین میں) اختلاف ہی کرتے رہیں گے مگر ہاں جس پر آپ کے پروردگار کی رحمت ہو اور وہ ان کی
 بھلائی چاہے تو پھر اختلاف نہیں کر سکتے (اللہ نے ان لوگوں کو اسی واسطے پیدا کیا ہے) یعنی اختلاف اور انسانوں سے بھروں
 گا اور یہ سارے قصے (لفظ کلام منسوب ہے) نقص کی وجہ سے اور توخین مضاف الیہ کے عوض میں ہے اصل میں کل ما یحتاج الیہ تھا
 یعنی تمام ضروری واقعات (تغیروں کے جوہم آپ سے بیان کر رہے ہیں، لفظ ما سے بدل واقع ہے) تو ان سب کا مقصد
 یہ ہے کہ آپ کے دل (قلت) کو ان سے تقویت (اطمینان) دے دیں اور ان (واقعات اور نشانیوں) میں آپ کے پاس
 راست مضمون بھی پہنچا ہے اور مسلمانوں کے لئے نصیحت اور یاد دہانی ہے (اہل ایمان کی تشخیص یا دہانی کے ساتھ اس لئے ہے
 کہ یاد دہانی سے ایمان کے باب میں وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں) اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنی جگہ

(حالت) کام کے جاؤ ہم بھی (اپنی حالت پر) مصروف عمل ہیں (یہ ان کے لئے دھمکی کے طور پر ہے) اور منتظر ہو (اپنے عمل کے انجام کے) ہم بھی (اس کے) منتظر ہیں اور آسمان د زمین میں جتنی غیب کی باتیں ہیں اللہ ہی کو (ان سب چھپی ہوئی چیزوں کا) علم ہے اور اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں (میضہ معروف کی صورت میں یعود کے معنی میں ہے اور میضہ مجہول کی صورت میں یدر کے معنی میں ہے) سارے کام (لہذا وہ حکم عددی کرنے والے سے بدلہ لے گا) آپ اسی کی عبادت میں لگے رہے اور اسی پر بھروسہ رکھے (اعتماد کیجئے) کیونکہ وہ تمہارے لئے کافی ہے (اور آپ کا پروردگار ان باتوں سے بے خبر نہیں جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں) لیکن ان کے مقررہ وقت تک کے لئے ان کو مہلت دی جاتی ہے اور ایک قراءت میں فوقانیہ یعنی یعملون کے بجائے تعملون ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: التَّوْرَةُ: اس سے اشارہ کیا کہ الكتاب پر الف لام عہدی ہے۔
- قوله: كَالْقُرْآنِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ جناب نبی اکرم ﷺ کے لئے تلی ہے۔
- قوله: كُلُّ الْخَلَائِقِ: اس سے اشارہ ہے کہ کلائی خنوعین یہ مضاف الیہ کا بدل ہے۔
- قوله: وَلَيْسَتْ قِيمٌ: من یہ محذوف فعل کا مفعول ہے اور جملہ کا عطف جملہ پر ہے یعنی فَاَسْتَقِمُّر۔
- قوله: وَلَا تَطْغَوْا: یعنی تم اور تابعین اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔
- قوله: وَتَمِيلُوا: ثابت قدمی سے ذرا سا میلان بھی مقام اختیار کرو۔
- قوله: زَلْفًا: یہ ساعات کے معنی میں آتا ہے صح زلفہ۔
- قوله: لِلْمُتَّعِطِينَ: ذا کرین۔ یہ تذکر سے ہے نہ کہ تذکیر سے۔
- قوله: الْأُمَّمِ الْمَاضِيَةِ: مضاف محذوف ہے ابی اهل القرون۔
- قوله: أَصْحَابُ دِينٍ: فضل اور دین کو بقیہ سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ عہدگی میں مثال بن گئی۔
- قوله: الْمُرَادُ بِهِ النَّفْيُ: اس سے اشارہ کیا کہ اس سے تخصیص مراد نہیں ہے۔
- قوله: لَكِنِّ: إِلَّا کا یہ معنی کر کے اشارہ کیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔
- قوله: يَمِينٌ: بیان کے لئے ہے۔ یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو ہم نے نجات دی امین بیان یہ ہے نہ کہ تبعیضیہ۔
- قوله: أَرَادَلَهُمُ الْخَيْرُ: رحم سے مراد ارادہ خیر ہے، عدم اختلاف نہیں۔
- قوله: أَهْلَ الْإِخْتِلَافِ: یعنی اسم اشارہ کے ذریعہ اختلاف رحمت دونوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اس تاویل کے ساتھ جس پر وہ ہیں۔

بہتر متبعین شریعت میں لگاؤ رکھنا اور اللہ کی رضا سے لگاؤ رکھنا۔

قوله: **بِشَيْءٍ بَخِيرَ كَمَثَرِ مَوْتٍ** نے کی وجہ سے نہ کہ۔

قوله: **أَيُّ عَيْنَةٍ مَدَّ يَدَ فِيهِمَا** اس سے اشارہ کیا کہ جب ان میں جو حقوق کی نگاہ سے زیادہ

اسے عمر ہے تو پھر جوان میں موجود ہے ان چیزوں کا بدرجہ اولیٰ علم ہوگا۔

قوله: **وَوَجِدُهُ** اس سے اشارہ کیا کہ اس کو واحد لا شریک ماننا ضروری ہے باقی مطلق عبادت تو کفر کے لئے بھی بہت ہے۔

قوله: **إِنَّهُ يُؤْخِرُهُ** معنی بعد عذاب نہ آنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کو عذاب آخرت سے بھی چھٹی فرمائی۔

تفسیر مقبولین

وَقَدْ تَمَّتْ مَوْتِي نَكَبْتُ فَخُفِّفْ فِيهِ

تحدیر از اختلاف و استراق و حکم استقامت بر احکام شریعت:

(ربط) گزشتہ آیات میں موئی نے لڑکا کا قصہ ذکر فرمایا اب ان آیات میں یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے موئی نے لڑکا کو ورت عنیت کی مگر لوگوں نے اس میں اختلاف کیا کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا اور سورہ عتاب الہی بنے۔ لہذا اے مسلمانو! تکرار چاہئے کہ ان سے عبرت پکڑو اور جو کتاب میں ہم نے تم کو دی ہے سب مل کر اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور تفرق اور اختلاف سے پرہیز رکھو اور جاہد شریعت پر ایسے مستقیم ہو جاؤ کہ پائے استقامت میں تزلزل نہ آئے پائے اور گناہوں کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ مرموہم سے عدوی نہ ہو ہم کے مطابق اطاعت ہو اور **وَلَا تَطْغَوْا** کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ حدود شریعت سے باہر نہ جاؤ اور **وَلَا تَوَكَّنُوا إِلَىٰ أَنْذِينَا** کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ بے دینیوں کی شان و شوکت دیکھ کر ان کی طرف مائل نہ ہو جانا اور ان کی رسوم اور ان کے طور و طریق اور معاشرہ کو اختیار نہ کرنا اور پھر استقامت کے حکم کے ساتھ بعض مکرم اخلاق اور محاسن اعمال کا حکم دیا جو استقامت میں مصین اور مددگار ہیں خاص کر تواضع اور اہل دنیا سے کنارہ کشی استقامت میں بڑی مصین اور مددگار ہے اس لیے کہ **وَلَا تَطْغَوْا** میں تواضع کی طرف اشارہ ہے۔ اور **وَلَا تَوَكَّنُوا إِلَىٰ أَنْذِينَا** کے لفظ میں اللہ دینا اور فساق و فجار سے علیحدہ رہنا مراد ہے اور نماز جو ام العبادات ہے وہ تو مومن کی معراج ہے جس کا وہ **أَبَدُ الْعَسَاةِ حَرَمِيٍّ** اللہ کے حکم دیا گیا اور طریقین نماز کے نماز سے صبح اور عصر کی نماز مراد ہے جس میں ملائکہ اللیل والنہار جمع ہوتے ہیں۔ صبح کی نماز شروع ان میں ہوئی ہے اور عصر کی نماز آخر ان میں ہوتی ہے اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے میں نہ پڑھے بلکہ جب خوب روشنی ہو جائے اور عصر کی نماز آخر دن میں غروب سے پہلے پڑھے جبکہ سایہ اصلی کے سوا ہر چیز کا سایہ دو چند ہو جائے اور **لَقَدْ لَعْنَا لَأُولَٰئِكَ لَئِيْلٍ** سے تہجد کی نماز مراد ہے۔ یہ مجموعہ کر پانچ امور ہوئے: (۱) استقامت (۲) لا تطغوا (۳) لا تركزوا (۴) مداومت بر نماز فجر و عصر (۵) نماز تہجد جس کے فضائل و برکات کی کوئی حد نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ حکم خداوندی کا اتباع موجب نجات ہے اور حکم خداوندی سے اختلاف اور انحراف موجب ہلاکت ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا کی تھی سو اس میں اختلاف کیا گیا۔ کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا اے یہی معاملہ آپ ﷺ کی کتاب یعنی قرآن کے ساتھ پیش آیا۔ پس آپ ﷺ مفہوم نہ ہوں اور کافروں کے اختلاف اور کذب سے گھبراہٹ نہیں کیے کوئی نئی بات نہیں آپ ﷺ سے اختلاف کو نیا لے فرعونوں کے حکم میں ہیں اور اگر حکم ازلی خبر سے پروردگار کی طرف سے صادر نہ ہو چکا ہوتا کہ کافروں کو پوری سزا آخرت میں دی جائے گی۔ ابھی دنیا ہی میں انکا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بلا کسی تاخیر اور مہلت کے عذاب نازل کر کے انکا فیصلہ کر دیا جاتا مگر اللہ نے اپنی حکمت سے ان کے عذاب کے لیے ایک مہل مقرر کر دی ہے اور تحقیق یہ معاندین اللہ کے فیصلہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے ان کو قاتق اور اضطراب میں ڈال رکھا ہے شکوک اور ادہام کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور پرانگندہ دل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ منہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے کہ قرآن کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں کبھی کہتے ہیں جادو ہے اور کبھی کچھ اور کبھی کچھ۔ کسی ایک بات پر ان کو قرآن نہیں اور تحقیق تیرا پروردگار ان سب کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دینگا نیکو کار کو ثواب اور بدکار کو عذاب بے شک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے پورا بخبر ہے اس پر انکا کوئی عمل دخل مخفی نہیں پس آپ ﷺ ان نابکاروں کی جزا دینا کا معاملہ تو اس علم و قدرت پر چھوڑیے۔

بہمہ کار بندہ دانا اوست۔ بمکافات ہم تو انا اوست

لوگ حق کو قبول کریں یا نہ کریں۔ آپ اپنی ذات سے صراطِ مستقیم اور دینِ حق پر سیدھے قائم رہیں جیسا کہ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے اور جن لوگوں نے آپ ﷺ کے ہمراہ توبہ کی ہے وہ بھی آپ ﷺ کی طرح صراطِ مستقیم پر قائم ہو جائیں تاکہ منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں استقامت کے معنی کسی چیز پر ٹھیک تم جانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جاہِ اطاعت و محبت پر قدم کو ایسا جماؤ کہ اس میں کسی قسم کا تزلزل اور تذبذب باقی نہ رہے اور یہ حکم و قائد اور اعمال دونوں کو شامل ہے۔ عقائد میں استقامت یہ ہے کہ نہ تو مجسمہ کی طرح تشبیہ کا اعتقاد رکھے کہ جس سے خالق کی مخلوق کے ساتھ مشابہت لازم آئے اور نہ فلاسفہ کی طرف تعطیل کا قائل ہو کہ خدا تعالیٰ کو صفات کمالیہ سے عاری اور معطل جانے اور اعمال میں اعتدال کو ملحوظ رکھے افراط و تفریط نہ کرے اور ٹھیک درمیان میں چلنا اور کسی جانب ملتفت نہ ہونا اور حق اطاعت کو پورا پورا بجالانا بہت دشوار ہے اور اسی بناء پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ ہود نے مجھ کو بوڑھا بنا دیا اس لیے کہ استقامت نہایت سخت اور دشوار ہے اور جو خود تمہارے لیے مقرر کر دی گئی ہے اس سے تجاوز نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ دین کے دائرہ سے باہر قدم نہ نکالو تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ تمہاری اطاعت اور استقامت اور تمہارا عصیان اور طغیان اس کی نظروں کے سامنے ہے اور ظالموں یعنی حد سے نکلنے والوں کی طرف جھکو بھی مت تو عصیان اور طغیان تو بڑی چیز ہے۔ ظالموں اور فاسقوں کی طرف تو تھوڑا سا میلان اور جھکاؤ بھی بہت برا ہے۔ اور خطرناک ہے کیوں کہ اندیشہ ہے کہ ظالموں اور نافرمانوں کی طرف میلان اور رغبت کی بناء پر تم کو دوزخ کی آگ نہ لگ جائے اور ان کے ساتھ تم بھی آگ کی لپیٹ میں نہ آ جاؤ ظالموں کی طرف میلان کے معنی یہ ہیں کہ ان کے طور و طریق اور ان کے حال اور وضع کو پسند کرنے لگے جیسے کوئی انگریزی یا ہندوئی وضع قطع اختیار کر لے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کو کافروں کی وضع پسند ہے اور جب ظالموں کی طرف جھکنے والوں کا یہ حال ہے تو سمجھ لو کہ خود ظالم کا کیا حال ہوگا پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے استقامت کا حکم دیا دوسری آیت میں طغیان کی ممانعت فرمائی اور تیسری آیت میں طغیان اور املِ عصیان کی طرف

میلان کی ممانعت فرمائی اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت پر ظاہر اور باطناً ٹھیک قائم رہو اور حدود و شریعت سے باہر قدم نہ کھادو اور کسی عالم اور فرمان کی طرف جھکو بھی نہیں اندیشہ ہے کہ وہ تم کو کھینچتے کھینچتے دین کے دائرہ سے باہر نہ نکال دیں اور خوب سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا مددگار نہیں پھر اگر تم ان ظالموں کی طرف مائل ہوئے تو سمجھ لو کہ تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ خدا ان لوگوں کی مدد نہیں کرتا جو اس کے دشمنوں اور نافرمانوں کی طرف مائل اور راغب ہوں اور اسے بندے! تو ان ظالموں کو پہنچو اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جا اور دن کے دونوں سروں میں فجر اور عصر کی نماز اور کچھ رات گئے تہجد کی نماز پابندی سے پڑھا کر اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور میلان کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ خاص کر فجر اور عصر اور تہجد کی نمازیں یہ اوقات خدا تعالیٰ کے خاص انوار و تجلیات کے اوقات ہیں بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ کیونکہ نیکی نور ہے اور برائی ظلمت ہے اور ظاہر ہے کہ جب نور آئے گا تو ظلمت اور تاریکی دور ہوگی جس درجہ کا نور ہوگا اسی قدر تاریکی دور ہوگی اور خوب سمجھ لو کہ یہ بات کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ایک جامع نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے کیوں کہ اس میں قاعدہ کلیہ بتلادیا گیا کہ نیکیاں گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں اور نیکیوں میں نمبر اول نماز کا ہے۔ اور چوں کہ استقامت نہایت سخت اور دشوار ہے۔ اور ظنیان اور ظالموں کی طرف میلان سے اپنے کو محفوظ رکھنا یہ بھی نفس پر شاق اور گراں ہے اور نماز بھی نفس پر شاق اور گراں ہے اس لیے اس سب احکام کے بعد صبر کا حکم دیتے ہیں کیونکہ الصبر مفتاح الفرج صبر کی کامیابی کی کنجی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے بندے! تمام ادا امر اور نواہی میں عموماً اور استقامت میں اور ظنیان اور میلان سے بچنے میں خصوصاً صبر سے کام لے کیونکہ صبر تمام نیکیوں کی جڑ ہے پس تحقیق اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ظاہر کلام کا مقتضی یہ تھا کہ اس طرح فرماتے: فان الله لا يضيع اجر الصابرين۔ مگر بجائے اس کے: **وَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ** ﴿۱۰﴾ فرمایا اشارہ اس طرف ہے کہ صبر بھی حسنت میں سے ہے یا یوں کہو کہ نماز کے بعد صبر کا ذکر اس لیے کیا کہ اللہ کی مدد حاصل کرنے میں دو چیزوں کو خاص دخل ہے ایک نماز اور ایک صبر کا قال تعالیٰ: **وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ**۔

قَوْلًا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ

یعنی اگلی امتوں میں اگر ایسے لوگ کثرت سے ہوتے جو دوسروں کو فساد فی الارض سے یا قانون الہی کی نافرمانیوں سے روکتے ٹوکتے رہتے تو ان قوموں پر عذاب ہی کیوں آتا وہ تو صرف معدودے چند لوگ تھے، جنہوں نے اپنا یہ فرض ادا کیا اور وہ عذاب کی گرفت سے محفوظ رکھے گئے۔ معناه ولكن قليلاً ممن انجبتنا من القرون نهوا عن الفساد و سائر هم نار كون للنهي (کشاف) **أَدْوَابُ بَقِيَّةٍ** کے معنی اصحاب خیر اور اصحاب فضل کے بھی کئے گئے ہیں اور اصحاب فہم کے بھی، ای او لو افضل و خیر (کشاف) ای ذو و خصلة باقية من الرأى والعقل (روح) **الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ**۔ قرآن مجید کی انہی قدیم قوموں اور امتوں میں سے: **مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ**۔ یعنی جنہیں عذاب کی گرفت سے بچالیا گیا یہ وہی لوگ تھے جو نہ صرف خود ہی کفر و شرک سے الگ رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے رہے۔ (تفسیر ماہدی)

سُورَةُ يُوسُفَ

يُوسُفَ

سُورَةُ ۱۲ مَكِّيَّةٌ ۵۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آيَاتُهَا ۱۱۱

رُكُوعَاتُهَا ۱۲

سورۃ یوسف مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی ایک سو گیارہ آیتیں اور اسیادہ رُکوع ہیں

الَّتِ لَا اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِذَلِكَ تِلْكَ هَذِهِ الْآيَاتُ آيَاتُ الْكِتَابِ الْقُرْآنِ وَالْإِضَافَةُ بِمَعْنَى مِنَ الْبَيِّنَاتِ ۝
 الْمُنْظَرِ لِلْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا بِلُغَةِ الْعَرَبِ لَعَلَّكُمْ يَفْقَهُونَ ۝
 تَفْهَمُونَ مَعَانِيَهُ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا بِإِحْسَانِنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنُ ۝ وَإِنْ
 مَخْفَفَةٌ أَيْ وَإِنَّهُ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ۝ أذْكَرُ إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَعْزُبُ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُ
 دَلَالَةٌ عَلَى بَاءِ الْإِضَافَةِ الْمَحْدُوفَةِ وَالْفَتْحِ دَلَالَةٌ عَلَى الْبَاءِ الْمَحْدُوفَةِ قُلْتُ عَنْ الْبَاءِ إِنِّي رَأَيْتُ فِي
 النَّوْمِ أَحَدًا عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ تَاكِبًا لِي سَاجِدِينَ ۝ جُمِعَ بِالْبَاءِ وَالنُّونِ
 لِلْوَضْعِ بِالشُّجُودِ الَّذِي هُوَ مِنْ صِفَاتِ الْعُقَلَاءِ قَالَ يَلْبَنِي لَا تَقْصُصْ رُءُوبَكَ عَلَى إِخْوَتِكَ
 فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۝ يَخْتَالُونَ أَنِّي هَلَاكِيكَ حَسَدًا الْعِلْمِ بِمِثْلِهَا وَمِنْ أَنَّهُمْ الْكَوَاكِبُ وَالشَّمْسُ أُمَّكَ
 وَالْقَمَرُ أَبُوكَ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ ظَاهِرُ الْعِدَاوَةِ وَكَذَلِكَ كَمَا رَأَيْتُ يَجْتَنِبُكَ
 بِخُتْلَاكَ رَبِّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ تُعْبِرُ الرَّؤْيَا وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ بِالتَّبَوُّةِ وَعَلَى آلِ
 يَعْزُبُ أَوْلَادِهِ كَمَا آتَتْهَا بِالتَّبَوُّةِ عَلَى أَبِيكَ مِنْ قَبْلِ إِبْرَاهِيمَ وَاسْحَقُ ۝ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ بِخَلْقِهِ
 حَكِيمٌ ۝

تَرْجُمَتُهَا: الف، لام، را ان حروف کی مراد حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں) یہ آیتیں ہی کتاب (قرآن مراد ہے اور اضافت من کے معنی میں ہے) روشن کی (جو حق و باطل کو واضح کرنے والی ہے) ہم نے اتارا ہے قرآن کو عربی (زبان) میں تاکہ (اسے مکہ کے رہنے والوں) تم سمجھ سکو (اس کے معانی کو سمجھ سکو) ہم آپ سے ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں اس وحی کے ذریعہ

متبلین شرح جلالین

(ہا، روحی کرنا) تمہاری طرف جو ہم نے قرآن نازل کیا اور یقیناً (ان مخففہ ہے انہ کے معنی میں) آپ اس سے پہلے اس خبر تھے (وہ وقت یا کیجئے) جب یوسف نے اپنے والد (حضرت یعقوبؑ) سے کہا اے ابا جان! (تاء کے کسرہ کے ساتھ ساتھ ہائے مخدوف پر دلالت کرنے کے لئے اور تاء کے فتح کے ساتھ بھی ہے الف مخدوف پر دلالت کرنے کے لئے جو یا سے ہوا ہوا تھا) میں (خواب میں) دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند ہیں میں دیکھ رہا ہوں (یہ تاکید ہے) یہ سب سجدہ کر رہے ہیں (یا، ورنوں کے ساتھ جمع لائی گئی ہے کیونکہ سجدہ کرنا عقل رکھنے والوں کی شان اور صفت ہوتی ہے) بوسلے کہ پٹا ہے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا کہ وہ تمہارے خلاف کسی طرح کی کوئی تدبیر کرنے لگیں (مسک) وجہ سے کہیں تمہاری تباہی کے سامان نہ کرنے لگیں ان کے ذہن کی رسائی اس خواب کی تعبیر کی طرف ہو جانے کی وجہ سے کہ ستاروں سے وہ خود مراد ہیں اور سورج سے تمہاری ماں مراد ہے اور چاند سے تمہارا باپ) یاد رکھو! شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے (کھم کھلا دشمنی کرنے والا) ایسے ہی (جیسے تم نے دیکھا ہے تمہارا پروردگار تمہیں برگزیدہ) منتخب) کرنے والا ہے اور تمہیں خوابوں کی تعبیر کا علم عنایت فرمائے گا اور تم پر اور خاندان (ولاد) یعقوب پر اپنی نعمت (نبوت) پوری کرے گا جیسا کہ اس نعمت (نبوت) کو پہلے تمہارے داد پر داد ابراہیم و اسحاق علیہما السلام پر پوری فرما چکا ہے حقیقت میں تمہارا پروردگار بڑے علم والا ہے (اپنی مخلوق کے بارے میں) بڑی حکمت والا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: **هَذِهِ الْآيَةُ**: اس میں اسم اشارہ کے مؤنث ہونے کی وجہ بتلائی گئی ہے۔
- قوله: **وَالِإِضَافَةُ بِمَعْنَى مِنْ**: یہ اضافت منی ہے۔
- قوله: **الْمُظْهِرِ لِلْحَقِّ**: یعنی یہ ابان سے ہے جس کا معنی واضح کرنا ہے۔ یہ متعدی ہے۔
- قوله: **بِلُغَةِ الْعَرَبِ**: اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ عرب سے منقول ہے اور ان کا مقولہ ہے۔
- قوله: **اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ عرب سے منقول ہے اور ان کا مقولہ ہے۔**
- قوله: **بِإِيحَاتِنَا**: اس سے اشارہ کیا کہ ما مصدر یہ موصولہ نہیں۔
- قوله: **أَذْكَرُ**: اس سے اشارہ کیا اذ یہ فعل مخدوف کا ظرف بدل اشتمال **أَحْسَنَ الْقَصَصِ** سے نہیں۔
- قوله: **دَلَالَةٌ عَلَى أَلْفٍ**: اس لئے کہ اس کی اصل یا ابتدا ہے الف کو حذف کرنے سے تاکافتحہ برقرار رہا۔
- قوله: **بِالْمَنَامِ**: یہ اشارہ کیا کہ یہ رؤیاء یا مصدر سے ہے رؤیت سے نہیں۔
- قوله: **يَخْتَالُونَ**: اس سے تفسیر کر کے اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ کید و ایہ یجتالوا کے معنی کو محضمن ہے اور وہ لام سے متعدی ہوتا ہے تاکہ تخويف میں بلوغ و مؤکد ہو۔
- قوله: **كَذَلِكَ**: یعقوب رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا کہ یوسف رضی اللہ عنہ کو نبوت سے نوازا جائے گا۔

تفسیر مقبولین

الَّذِينَ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝

آیات قرآنی کی عظمت کا ذکر و بیان:

ارشاد فرمایا گیا کہ یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والی کتاب عظیم کی۔ یعنی یہ کھول کر بیان کرنے والی ہے عقائد و احکام، اخلاق و معاملات اور دنیا و آخرت کی ہر اس چیز کو جس کی ضرورت انسان کو راہ حق پر چلنے کے ضمن میں پیش آسکتی ہے۔ سوائی تمام چیزوں کو یہ کتاب حکیم پوری صراحت و وضاحت سے اور کھول کر بیان کرنے والی ہے۔ اور مبین کا لفظ حسب تصریح ائمہ لغت و تفسیر لازمی معنی میں بھی آتا ہے اور متعدی میں بھی۔ یعنی اس کے معنی ظاہر و واضح ہونے کے بھی آتے ہیں اور ظاہر و واضح کہنے کے بھی۔ اور قرآن حکیم میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اتم موجود ہیں کہ اس کے مطالب و مضامین بھی اس کے لفظ و نسق سے ظاہر و واضح ہیں کہ ان کو نہایت عمدہ عبرات و اسالیب میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اور دین حق سے متعلق تمام اہم اور بنیادی ضرورتوں اور احکام و مسائل کو بھی اس میں اس قدر کمال جامعیت اور ایسی بے مثال و پر حکمت بلاغت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ یہ کتاب قیامت تک کی تمام ضرورتوں کی ضامن و کفیل ہے۔ سو یہ کتاب حکیم ظاہر لفظ اور مظہر لغیرہ کی دونوں شانوں پر حادی و مشتمل ہے۔ اور پھر اپنی ان دونوں ہی شانوں میں یہ کتاب حکیم ایسے کماں جامعیت کی حامل ہے کہ اس کی دوسری کوئی نظیر و مثال نہ کبھی ہوئی ہے اور نہ قیامت تک ممکن ہے فالحمد للہ رب العالمین۔ سو اس سے اس امر کی وضاحت فرمادی گئی کہ یہ آیات کرمات بڑی ہی عظمت و شان والی ہیں۔

قرآن حکیم اپنی صداقت و حقانیت کی دلیل خود:

سو اس سے واضح فرمادیا گیا کہ یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے۔ یعنی اسم اشارہ یہاں پر بعد مرتبہ و منزلت کے لیے ہے (محاسن التاویل وغیرہ) اور امر واقعہ بھی یہی ہے کہ ایسی عظیم الشان کوئی کتاب نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی ہے نہ آئندہ قیامت تک کبھی ایسا ہونا ممکن ہے۔ اور اس کی عظمت شان کا ایک اہم اور خاص پہلو یہ ہے کہ یہ مبین ہے۔ اور مبین کے اس لفظ میں بھی دو خاص اور اہم پہلو پائے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ انسانی زندگی اور ضروریات دین سے متعلق ہر چیز کھول کر بیان کرتی ہے اور دوسرا پہلو یہ کہ اس کتاب حکیم کا ہر بیان و استدلال بالکل واضح اور اس کی ہر بات ناقابل انکار و لائل سے مبرہن ہے۔ سو اس کی صداقت و حقانیت کے ثبوت کے لیے کسی خارجی معجزے یا نشانی کی ضرورت نہیں جیسا کہ منکرین مطالبہ کرتے ہیں بلکہ اس کی صداقت و حقانیت کے دلائل اور سورج کی طرح روشن اور واضح دلائل خود اس کے اندر موجود ہیں بشرطیکہ لوگ تعصب اور عناد و ہمت دہری کی پٹی اتار کر صدق دل سے اور کان کھول کر اس کو سنیں اور اس کے دلائل میں غور کریں۔ وباللہ التوفیق۔ اور حق و ہدایت سے متعلق یہ ایسی کابل اور اس قدر جامع کتاب ہے جو آغاز سے لیکر انجام تک، پیدائش سے لے کر موت تک، بلکہ

پیدائش سے بھی پہلے اور موت کے بھی بعد تک کے سب احوال و کوائف اور جملہ شہود و احوال اور ظروف و موافق سے متعلق یہ کتاب عظیم واضح ہدایت و راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ پھر یہ کلام ہے اس ذات اقدس و اعلیٰ کا جو بلا شرکت غیرے اس سارے کارخانہ ہست و بود کی خالق و مالک اور حاکم و متصرف اور کار فرما و فرمانروا ہے۔ پھر اس کو اتارا گیا، شرف الملائک کے ذریعے، اشرف الرسل پر۔ اشرف البقاع اور اشرف الاوقات میں اور اشرف الالسنہ واللغات میں۔ پھر کیا کہنے اس کتاب عظیم کے شرف و مرتبہ اور اس کی عظمتوں اور برکتوں کے۔ قالہم اللہ الذی شرفنا بہ بحض منہ و کرہ و هو ارحم الراحمین۔ اللہ تعالیٰ اس کی خیرات و برکات سے زیادہ سے زیادہ مستفید فرمائے۔ آمین۔ اس کے ساتھ ہمارے تعلق کو دوام بخشے اور قبول فرمائے اور زنج و ضلال کے ہر شاہے سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۰﴾

یعنی اس وحی کے ذریعہ سے جو قرآن کی صورت میں ہم پر نازل ہوئی ہے۔ ہم ایک نہایت اچھا بیان نہایت حسین طرز میں تم کو سناتے ہیں۔ جس سے اب تک اپنی قوم کی طرح تم بھی بے خبر تھے۔ گو یہ واقعہ کتب تاریخ اور بائبل میں پہلے سے مذکور تھا مگر محض ایک افسانہ کی صورت میں تھا۔ قرآن کریم نے اس کے ضروری اور مفید اجزاء کو ایسی عجیب ترتیب اور تبلیغ و موثر انداز میں بیان فرمایا۔ جس نے نہ صرف پہلے تذکرہ نویسوں کی کوتاہیوں پر مطہح کیا بلکہ موقع بہ موقع نہایت ہی اعلیٰ نتائج کی طرف راہنمائی کی اور قصہ کے ضمن میں علوم و ہدایات کے ابواب مفتوح کر دیئے۔ یہ بات کہ خداوند قدوس کی تقدیر کو کوئی چیز نہیں روک سکتی، اور خدا جب کسی پر فضل کرنا چاہے تو سارا جہان مل کر بھی اپنی ساری امکانی تدابیر سے اسے محروم نہیں کر سکتا، صبر و استقامت و نیاوی و اخروی کامیابی کی کلید ہے، حسد و عداوت کا انجام خذلان و نقصان کے سوا کچھ نہیں، عقل انسانی بڑا شریف جو ہرے جس کی بدولت آدمی بہت سی مشکلات پر غلب آتا اور اپنی زندگی کو کامیاب بنا لیتا ہے، اخلاقی شرافت اور پاکدامنی انسان کو دشمنوں اور حاسدوں کی نظر میں بھی آخر کار معزز بنا دیتی ہے۔ یہ اور اس قسم کے بیشمار حقائق ہیں جن پر اس احسن القصص کے ضمن میں متنبہ فرمایا ہے۔ مفسرین نے اس سورت کے شان نزول میں کئی روایتیں نقل کی ہیں۔ سب کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے مشرکین مکہ کے ذریعہ سے اتھاناً یہ سوال کیا کہ حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد تو شام میں رہتی تھی پھر بنی اسرائیل مصر میں کیسے پہنچ گئے جو سوئی غلبہ کو فرعون سے مقابلہ کی نوبت آئی۔ شاید مسلمانوں کو بھی ایک مفصل تاریخی واقعہ جو بصائر و عبرت سے مملو ہونے کا اشتیاق ہوا ہوگا۔ ادھر اس قصہ کے ضمن میں جن احوال و حوادث کا تذکرہ ہونے والا تھا وہ کئی طرح نبی کریم (ﷺ) اور آپ کی قوم کے حالات سے مشابہت رکھتے تھے۔ اور ان کا ذکر آنحضرت (ﷺ) کے حق میں موجب تسکین خاطر اور آپ کی قوم کے حق میں موجب عبرت تھا۔ ان وجوہ سے یہ پورا واقعہ کافی بسط و تفصیل سے قرآن کریم میں بیان فرمایا۔ تاکہ پوچھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اسرائیل (یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام) اور ان کی اولاد کے شام سے مصر آنے کا سبب حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہوا ہے۔ پھر وہیں ان کی نسل پھیلی اور بڑھتی رہی تا آنکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آخر فرعون اور قبطیوں کی غلامی سے انہیں نجات دلائی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب اور ان کے والد کی تعبیر اور ضروری تائید:

یہاں سے سورہ یوسف شروع ہو رہی ہے اس سورت میں تفصیل کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ قصہ بیان فرمایا اور اس کو احسن القصص بتایا ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے پہلے آپ اس قصہ کو نہیں جانتے تھے۔ آپ کو اس کا علم صرف وحی کے ذریعہ ہوا ہے لوگوں کو آپ کا بتانا آپ کی نبوت کی بھی دلیل ہے اور قرآن مجید کے حق اور منزل من اللہ ہونے کی بھی تصدیق کرنے والے سنیں گے اور غور کریں گے تو یہ سمجھ لیں گے کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ ہم نے قرآن کو عربی میں نازل کیا قرآن مجید کے اولین مخاطب اہل عرب ہی تھے۔ انہیں اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ تھی اگر قرآن غیر عربی میں ہوتا تو وہ کہہ سکتے تھے کہ یہ زبان ہماری سمجھ میں نہیں آتی جب قرآن عربی میں نازل ہوا تو اہل عرب پر لازم تھا کہ اس کی تصدیق کرتے لیکن جنہیں ایمان لانا نہ تھا وہ ضد اور عناد پر ہی اڑے رہے اور کفر پر جسے رہے۔ یہودیوں کے لیے بھی عبرت تھی اور سمجھنے کی بات تھی انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ معلوم تھا وہ یہ بھی جانتے تھے کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) نے کسی سے پڑھا نہیں آپ کا کوئی استاد نہیں تھا جس نے آپ کو انبیاء سابقین کے واقعات بتائے ہوں۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود عموماً یہودی کافر ہی رہے اور ان میں سے بعض نے سورہ یوسف علیہ السلام کو اسلام قبول کر لیا۔

تفسیر درمنثور میں بحوالہ دلائل النبوة للشیخ ترمذی حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ (ﷺ) کے پاس آیا اس وقت آپ سورہ یوسف تلاوت فرما رہے تھے وہ کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) یہ سورت آپ کو کس نے سکھائی ہے آپ نے فرمایا کہ یہ سورت مجھے اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے۔ اسے بڑا تعجب ہوا اور یہودیوں کے پاس واپس پہنچ کر اس نے کہا کہ اللہ کی قسم وہ اسی طرح قرآن پڑھتے ہیں جیسا کہ توریت میں (بعض) چیزیں نازل ہوئی ہیں اس کے بعد وہ ان لوگوں کو اپنے ہمراہ لے کر آیا۔ رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو ان صفات سے پہچان لیا جنہیں وہ جانتے تھے اور مہر نبوت کو بھی آپ کے دونوں شانوں کے درمیان دیکھ لیا پھر آپ کی قراءت سننے لگے آپ سورہ یوسف تلاوت فرما رہے تھے۔ انہیں بھی تعجب ہوا اور پھر اسی دقت مسلمان ہو گئے۔ (درمنثور ص ۲۷۴ ج ۴)

حضرت یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام تھے (یہ وہی یعقوب ہیں جن کا لقب اسرائیل تھا اور یہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے تھے اور حضرت اسحاق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے)۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد کے چھوٹے بیٹے تھے اور یہ دوسری بیوی سے تھے ان کا ایک حقیقی بھائی بھی تھا جس کا نام بنیامین بتایا جاتا ہے پہلی بیوی سے بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھی ان میں جو بیٹے تھے ان کی تعداد دس تھی حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک دن اپنے والد سے کہا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ مجھے چاند اور سورج اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں ان کے والد کے ذہن میں اس کی یہ تعبیر آگئی کہ یوسف عروج والا ہوگا اور اس کے گیارہ بھائی اور ماں باپ اسے سجدہ کریں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ سناؤ اس خواب کو سن کر گیارہ کے عدد پر غور کریں گے تو سمجھ لیں گے کہ تم کو اللہ بلندی دے گا اور وہ لوگ تمہارے مقابلہ میں نیچے رہیں گے خواب کی تعبیر سے متاثر ہو کر اندیشہ ہے

کہ وہ کوئی ایسی تدبیر نہ کر سکیں جس سے ہمیں کوئی تکلیف پہنچ جائے (اللہ کی قضاء و قدر کے سامنے کسی کی کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی کسی کو گوارا ہو یا نہ ہو بہر حال وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جسے بلندی عطا فرمائے وہ ضرور بلند ہوگا لیکن حسد کرنے والے اپنی جہالت اور حماقت سے اور شیطان کے سمجھانے سمجھانے سے اس کے خلاف مخالفانہ تدبیریں کرتے ہیں جس کی عملی اور مرتبہ کی بلندی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ بالآخر یہ مخالفین سب ذلیل ہو کر رہ جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ آگے بڑھائیں وہ بڑھ کر ہی رہتا ہے۔ حسد بری بلا ہے حاسد اللہ کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا اور چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو رد کر دے۔ العیاذ باللہ۔)

فِي طَبْعِهِ بِهِمْ لَقَدْ كَانَ فِي خَيْرِ يَوْسُفَ وَإِخْوَتِهِ وَهُمْ أَحَدٌ عَشَرَ آيَةً عِبْرًا لِلنَّاسِ الَّذِينَ ۝۱۰ عَنْ خَيْرِهِمْ
 أَذْكَرٌ إِذْ قَالُوا أَيُّ بَعْضِ إِخْوَةِ يُوسُفَ لِبَعْضِهِمْ لِيُؤَسِّفَ مُبْتَدَأًا وَأَخُوهُ شَقِيقُهُ بِنِيَامِينَ أَحَبُّ خَيْرٍ إِلَى
 آيِنَا مِنَّا وَنَحْنُ عَصَبَةٌ ۝ جَمَاعَةٌ إِنْ أَهَانَكَ لَفِي ضَلِيلٍ خَطِئَ قَوْمِينَ ۝۱۱ بَيْنَ بَيْنَارِهِمَا عَلَيْنَا إِاقْتُلُوا
 يُوسُفَ أَوْ اطْرَحُوهُ أَرْضًا أَيْ بَارِضٍ بَعِيدَةٍ يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ بِأَنْ يُقْبَلَ عَلَيْكُمْ وَلَا يَنْفِصُ لَكُمْ
 وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِمْ أَيْ بَعْدَ قَتْلِ يُوسُفَ أَوْ طَرْجِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝۱۲ بِأَنْ تَتُوبُوا قَالَ قَائِلٌ مَقْتُلُوهُمْ فَوَر
 يَهُودٌ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْقُوَّةَ اطْرَحُوهُ فِي غَيْبَتِ الْجُبِّ مَظْلَمِ الْبَيْتِ وَفِي قِرَائَةِ بِالْجَمْعِ يَنْتَقِطُهُ
 بَعْضُ السِّيَّارَةِ الْمُسَافِرِينَ إِنْ كُنْتُمْ لَوَالِدِينَ ۝۱۳ مَا أَرَدْتُمْ مِنَ التَّمْرِيقِ فَاسْكُفُوا بِذَلِكَ قَالُوا يَا أَبَانَا
 مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَصْحُونَ ۝۱۴ لِقَائِمُونَ بِمَصَالِحِهِ أَرْسَلَهُ مَعَنَا غَدًا إِلَى الصَّخْرَةِ
 يَرْزُقُ وَيَلْعَبُ بِالْثُرَى وَالْيَوْمَ فِيهَا نَسِيحٌ وَنَسِيعٌ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝۱۵ قَالَ إِنِّي لِيَجْزِيَنِي أَنْ تَذْهَبُوا
 أَي ذَهَابِكُمْ بِهِ لِقَرَانِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَالْمُرَادُ بِهِ الْجِنْسُ وَكَانَتْ أَرْضُهُمْ كَثِيرَةُ الذِّئَابِ وَ
 أَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ ۝۱۶ مَشْعُولُونَ قَالُوا لَيْنَ لَمْ نَسْمِ أَكْلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عَصَبَةٌ إِنَّا إِذَا
 لَطَيْسُونَ ۝۱۷ عَاجِزُونَ فَارْ سَلَهُ مَعَهُمْ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْتَمَعُوا عَزَمُوا أَنْ يُجْعَلُوهُ فِي غَيْبَتِ الْجُبِّ
 وَجَزَابَ لَنَا مَحْدُوفٌ أَي قَتْلُوا ذَلِكَ بِأَنْ نَرَّعُوا قَمِيصَهُ بَعْدَ ضَرْبِهِ وَاهَانَتِهِ وَارَادَةَ قَتْلِهِ وَآدَاتُهُ فَلَمَّا
 وَصَلَ إِلَى نِصْفِ الْبَيْتِ الْقُوَّةَ لِيَتَمُوتَ نَسَقَطَ فِي الْمَاءِ ثُمَّ أَرَى إِلَى صَخْرَةٍ فَتَادُوهُ فَاجَابَهُمْ لَطْنٌ رَحْمَتِهِمْ
 فَارْادُوا رِضْحَهُ بِصَخْرَةٍ فَمَنَعَهُمْ يَهُودًا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ فِي الْجُبِّ وَحَى حَقِيقَةً وَكَهْ سَبْعَ عَشْرَةَ سَنَةً

أَوْ ذُوْنَهَا تَطْمِئِنَّا لِقَلْبِهِ كَلِمَاتُهُمْ بَعْدَ الْيَوْمِ بِأَمْرِهِمْ بِضَعْفِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ بِكَ خَالِ الْإِنْبِيَاءِ وَ
جَاءَهُمْ أَبَاهُمْ عِشَاءً وَفَتِ الْمَسَاءِ يَبْكُونَ ۝ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا لَكُنْتِكُمْ نَزْمِي وَ تَرَكْنَا يُوسُفَ

عِنْدَ مَتَاعِنَا يَا أَبَانَا فَالْكَلْبُ الذِّمْبُ ۝ وَمَا أَنْتَ بِسُوْمِيْنَ مُصَدِّقٍ لَنَا وَ كُنَّا صَادِقِيْنَ ۝ عِنْدَكَ لَا تَنْهَمْتَنَا فِي هَذِهِ الْقِصَّةِ لِمَحَبَّةِ يُوسُفَ فَكَيْفَ وَأَنْتَ تُسِيءُ الظَّنَّ بِنَا ۝ وَ جَاءَهُ وَعَلَى قَبِيصِهِ مَحَلَّهُ

نَضَبَ عَلَى الظَّرْفِيَّةِ أَي فَرْقَهُ يَدِهِ كَذِبٌ ۝ أَي ذِي كَذِبٍ بَانَ ذَبْحُوا سَخْلَةً وَ لَطَّخُوهُ بِدَمِهَا وَ ذَمَلُوا

عَنْ شِقِيهِ وَقَالُوا إِنَّهُ دُمُهُ قَالَ يُعْقُوبُ لَمَّا رَأَاهُ صَاحِبًا وَ عَلِمَ كَذِبَهُمْ بَلْ سَوَّلَتْ رَيْتُكَ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ
أَمْرًا ۝ فَفَعَلْتُمُوهُ بِهِ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۝ لَا جُرْعَ فِيهِ وَهُوَ خَيْرٌ مُبْتَدَأٍ مُخْذُوفٍ أَي أَمْرِي وَ اللَّهُ الْمُسْتَعَانُ

الْمَطْلُوبُ مِنْهُ الْعَوْنُ عَلَى مَا لَصِقُونَ ۝ تَدَكَّرُونَ مِنْ أَمْرِ يُوسُفَ وَ جَاءَتْ سَيَّارَةٌ مُسَافِرُونَ مِنْ مَدْيَنَ
إِلَى مِصْرَ فَتَزَلُّوا قَرِيْبًا مِنْ حُجْبِ يُوسُفَ فَأَسْأَلُوا وَ أَرَادَهُمُ الَّذِي يَرِدُ الْمَاءَ لِيَسْتَشْقِي مِنْهُ فَادْلَى أُرْسَلُ

دَلْوًا ۝ فِي الْبَيْرِ فَتَعَلَّقَ بِهَا يُوسُفَ فَأَخْرَجَهُ فَلَمَّا رَأَاهُ قَالَ لِيُشْرِي وَ فِي قِرَاءَةِ بَشْرِي وَ نَدَاهَا مَا جَزَأَ أَي
أَخْضَرِي فَهَذَا وَ ثَمَّ هَذَا عِلْمٌ ۝ فَعَلِمَ بِهِ إِخْوَتُهُ فَأَتَوْهُمْ وَ أَسْرَوْهُ أَي أَخْفَوْهُ أَمْرَهُ جَاعِلِيهِ

بِضَاعَةٍ ۝ بَانَ قَالُوا هُوَ عَبْدُنَا أَبَى وَ سَكَتَ يُوسُفَ خَوْفًا أَنْ يُقْتَلُوهُ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝ وَ شَرُّهُ
أَي نَاعُوهُ مِنْهُمْ بِشَيْءٍ بَخِيسٍ نَاقِصٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۝ عِشْرِيْنَ أَوْ اثْنِيْنَ وَ عِشْرِيْنَ وَ كَانُوا أَي إِخْوَتُهُ

فِيهِ مِنَ الرَّاهِدِيْنَ ۝ فَجَاءَتْ بِهِ السَّيَّارَةُ إِلَى مِصْرَ فَبَاعَهُ الَّذِي اشْتَرَاهُ بِعِشْرِيْنَ دِينَارًا وَ زُوْجِي نَعْلٍ ۝

وَتُوْبِيْنَ

ترجمہ: (لوگوں کے ساتھ کارروائی کرنے میں) یوسف کے اور ان کے (گیارہ) بھائیوں کے قصہ میں بڑی ہی نشانیاں
(عبر میں) موجود ہیں (ان کے حالات) پوچھنے والوں کے لئے (وہ وقت یاد کیجئے) جب کہ بھائیوں نے گفتگو کی (یعنی
حضرت یوسف کے بھائیوں نے آپس میں گفتگو کی) کہ یوسف (یہ مبتداء ہے) اور اس کا بھائی (حقیقی بھائی بنیامین)
ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہم ایک پوری جماعت ہیں واقعی ہمارے باپ کھلی غلطی (خطا) پر ہیں (ان
دونوں بھائیوں کو ہم پر ترجیح دے کر) پس یوسف کو مارڈالو یا ان کو کہیں ایسی جگہ (دور دراز) پھینک آؤ کہ تمہارے باپ کا رخ
خالص تمہاری طرف رہے (تمہاری ہی طرف توجہ رہے کسی دوسرے کی طرف التفات نہ ہو) اور اس کے بعد (یعنی یوسف کو

قتل کرنے یا کنویں میں ڈالنے کے بعد) پھر تم نیک بن جانا (یعنی توبہ کر لینا) میں سے ایک کہنے والے (یہود) نے کہا
 یوسف کو قتل مت کرو ان کو کسی تاریک کنویں میں ڈال دو (پھینک دو جو تاریک ہو اور ایک قراءت میں غیبیہ جمع کے ساتھ
 ہے) کوئی راہ چلا (مسافر) نکالے گا اگر تمہیں یہ کرنا ہی ہے (انہیں جدا کرنا ہی چاہتے ہو تو اتنے ہی پر بس کرو) سب کہنے
 لگے ابا جان اس کی کیا وجہ ہے کہ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے؟ حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں (ان کی
 مصلحتوں کا خیال رکھتے ہیں) کل آپ اس کو ہمارے ساتھ (جنگل) بھیج دیجئے کھائے پیئے اور کیلے کو دے (یہ دونوں لفظا
 اور نون دونوں کے ساتھ ہیں سیر تفریح کریں گے آزادی سے رہیں گے) ہم ان کی پوری حفاظت کے ذمہ دار ہیں فرمایا یہ
 بات مجھے غم میں ڈالتی ہے کہ تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ (یعنی ان کے لے جانے کی وجہ سے یوسف کی جدائی) اور میں ڈرتا
 ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے بھیڑ یا کھائے (اس سے مراد عام بھیڑ یا ہے کیونکہ ان کی زمین میں بھیڑیے بہت تھے) اور تم
 اس سے بے خبر رہو (کسی دوسرے کام میں لگ رہے) بولے یہ کیوں ہو سکتا ہے؟ (لام قسمیہ ہے) کہ بھیڑ یا اسے کھالے
 حالانکہ ہماری ایک پوری جماعت ہے۔ ہر گریسا ہوا تب ہم محض نکلے (مجبور محض چنانچہ انہوں نے یوسف کو بھائیوں کے ساتھ
 بھیج دیا) پھر جب یہ لوگ یوسف کو ساتھ لے جانے لگے اور سب نے اس پر اتفاق (عزم مصمم) کر لیا کہ انہیں کسی اندھے
 کنویں میں ڈال دیں گے (ما کا جواب مخدوف ہے یعنی انہوں نے یہ کام اس طرح شروع کیا کہ انہیں مارنے پینے، بے عزتی
 کرنے اور قتل کی ٹھان لینے کے بعد کرتا اتار کر ننگا کرنا شروع کر دیا اور ڈول میں بٹھلا کر کنویں میں لٹکا دیا جب یوسف آدھے
 کنویں تک پہنچ ان کو پھینک دیا تاکہ مرجائیں چنانچہ پانی میں جا گرے پھر انہوں نے کسی پتھر کی پناہ لی بھائیوں نے یہ جو
 آواز دی تو یہ سمجھ کر کہ شاید بھائیوں کو ترس آ جائے یوسف نے آواز کا جواب دیا لیکن بھائیوں نے چاہا کہ بڑے سے کسی پتھر
 سے ختم کر ڈالیں مگر یہود نے ان کو روکا) تو ہم نے یوسف کے پاس وحی بھیجی (کنویں میں وحی حقیقی آئی حالانکہ اس وقت ان
 کی عمر سترہ سال یا اس سے کم تھی ان کی تسلی اور دلجمعی کی خاطر) کہ (اس کے بعد) ایک دن ایسا ضرور آنے والا ہے کہ جب تم
 ان بھائیوں کو (ان کی یہ کارستانیاں) جتلاؤ گے اور وہ تمہیں پہچانیں گے بھی (جتلانے کے وقت) اور یہ لوگ اپنے باپ کے
 پاس عشاء کے بوت (رات کو) روتے پینے پینے اور کہنے لگے ابا جان! ہم سب تو (تیر اندازی کرتے ہوئے) آہلیں میں
 دوڑنے میں لگ گئے اور یوسف کو اپنے سامان (کپڑوں) کے پاس چھوڑ دیا پس اس کو بھیڑ یا کھا گیا اور آپ تو ہمارا یقین
 کرنے والے (تصدیق کرنے والے) نہیں ہیں گو ہم کیسے ہی سچے ہوں (آپ کے نزدیک لیکن تب بھی آپ یوسف کا
 محبت میں ہمیں جھوٹا ہی سمجھیں گے) اور جب کہ آپ بدگمان بھی ہوں پھر تو بات ہی دوسری ہے) اور یوسف کے کرتے پر
 (علیٰ تمیصہ ظرفیت کی بناء پر عملاً منصوب ہے اور فو قہ کے معنی میں ہے) جھوٹا خون بھی لگالائے تھے وہ اس طرح کہ ایک بکری کو
 ذبح کیا اور اس کے خون میں کرتے کو آلودہ کر لیا لیکن کرتے کو پھاڑنا یا دہرا بولے دیکھو یہ یوسف کا خون ہے (یعقوب نے
 جب کرتا صحیح سالم دیکھا اور ان کی کذب بیانی کا یقین ہو گیا تو) بولے نہیں یہ تو تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی (تراش
 لی) ہے اس لئے تم یہ کر رہے ہو، خیر اب تو صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہیں ہوگا (بے قراری نہیں ہوگی یہ مبتدئ
 مخدوف کی خبر ہے عبارت یوں تھی امری صبر جمیل) اور اللہ ہی مدد کرے (اسی کی مدد مطلوب ہے) جو باتیں تم بنا رہے ہو

(یوسف کا معاملہ بیان کر رہے ہو) ایک قافلہ آنکلا (جو مدین سے مصر کی طرف آ رہا تھا اور وہ یوسف کے کنویں کے قریب ہی ٹھہرے) چنانچہ قافلہ والوں نے اپنا ستھ پانی کے لئے بھیجا (جو پانی بھرنے کے لئے کنویں پر پہنچا جو اس نے اپنا ڈول (کنویں میں) ڈالا تو یوسف اس میں لٹک گئے ستھ نے انہیں نکالا لوگوں نے دیکھا) پکار اٹھا رے بڑی خوشخبری کی بات ہے (اور ایک قرأت میں بشری آیا ہے مجازاً امداء ہے یعنی اسے خوشخبری آ جا کہ یہی تیرے آنے کا وقت ہے) یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا یوسف کے بھائیوں کو پتہ چلا تو دوڑے ہوئے آئے (قافلہ والوں نے یوسف کو چھپالیا، یعنی یوسف کے معاملہ کو چھپالیا) سامان کے طور پر (کہنے لگے یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ گیا تھا یوسف اس ڈر سے خاموش رہے کہ کہیں بھائی مار نہ ڈالیں) اور اللہ کو ان سب کی کارگزاریاں معلوم تھیں اور بھائیوں نے یوسف کو بیچ ڈالا (قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا) بہت ہی سستے داموں (کم میں) چند درہموں کے بدلے (بیس یا بائیس درہموں میں) اور وہ بھائی یوسف کے کچھ قدر و ن تو ہیں ہی نہیں (چنانچہ قافلہ والے یوسف کو بازار میں لے گئے اور انہیں بیس دینار ایک جوڑی جوتے اور دو تھان کپڑوں کے بدلے میں بیچ دیا)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: طُنِعِبَ: یہ کلام مبتداء ہے جو تشبیہ سے خارج ہے۔

قوله: خَبَرَ: اس میں مضاف کو مقدر مانا تا کہ ظرفیت کا معنی درست ہو۔

قوله: اُذْكَرُ: اس سے ظاہر کیا کہ اذیہ فعل مخذوف کا ظرف ہے سائلین کا نہیں۔

قوله: لِيَبْغِضِيَهُمْ: یہ کہہ کر بتایا کہ تمام کی طرف اسناد مجازی ہے۔

قوله: مُبْتَدَأً: اس سے اشارہ ہے کہ لام ابتدائیہ ہے۔ جو تاکید کے لئے ہے قسمیہ نہیں۔

قوله: خَطَا: اس سے اشارہ کیا کہ ضلال یہاں ہدایت کا مقابل نہیں بلکہ اس کا معنی خطا و غلطی ہے۔

قوله: بِأَرْضٍ بَعِيدَةٍ: یہ تکمیل کی وجہ سے معنی ہے۔ اسی الہام کی وجہ ظرف مبہم کا اعراب نصب دیا گیا۔

قوله: بِأَنْ يُقْبَلَ: اصل مراد مشارکت سے خالی اور سالم محبت اور وجہ کا ذکر کامل توجہ کا مشیر ہے۔

قوله: مُظْلِمِ الْبَيْرِ: اس کا نام غیبی اسی وجہ سے رکھا کہ یہ ڈالے جانے والے کو لوگوں کی نگاہوں سے غائب کر دینا ہے۔

قوله: مِنَ التَّفْرِيقِ: اس سے یوسف علیہ السلام اور ان کے والد کے مابین تفریق مراد ہے۔

قوله: وَإِنَّا لَهُ: یعقوب علیہ السلام کو ان کی رائے سے ہٹانے اور یوسف کے ساتھ مکر کے وقت یہ ارادہ کیا۔

قوله: نَنْشِطُ: مجاہد اس کی تفسیر میں کہتے ہیں وہ ایک دوسرے کی حفاظت کریں گے اور قرآن کہتے ہیں چستی حاصل کریں

اور دوڑ لگیں گے۔

قوله: ذَهَابَكُمْ: مصدر سے تاویں کی کیونکہ یہ فاعل ہے جس کا اسم ہونا ضروری ہے۔

قوله: لِفِرَاقِهِ: اس کو مقدر مانا تاکہ مابعد کا مخالف ہو کر عطف درست ہو۔

قوله: الْجِنْسُ: الف لام عہد کا نہیں۔

قوله: إِنَّا إِذَا لَخِيسِرُونَ ۝: یہ جواب قسم ہے۔

قوله: عَاجِزُونَ: اس سے تفسیر کی کیونکہ خسارہ تو یوسف و یعقوب علیہما السلام کو تھانہ ان کو۔

قوله: عَزَمُوا: اجماع کا معنی اصطلاحی نہیں بلکہ پختہ ارادہ کرنا ہے۔

قوله: لِيُظَنَّ رَحْمَتِهِمْ: تاکہ یوسف اسے بھائیوں کی مہربانی خیال کریں۔

قوله: وَوَقْتُ الْمَسَاءِ: یہ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔

قوله: مُصَدِّقٍ: یہاں ایمان سے متعارف مراد ہے امن مراد نہیں اور لام اقرار کے معنی کو مضمّن ہے۔

قوله: تَحَدَّ نَصَبُ عَلِيٍّ: اس سے اشارہ کیا کہ علیؑ یہ محل نصب میں ہے گویا اس طرح کہا: وجدوا فوق قبصہ

بدم۔ کہ انہوں نے اس کی قمیص پر خون پایا۔

قوله: بَلَى سَوَّلَتْ: اس کی تقدیر اس طرح ہے۔ اس کو بھیڑیے نے نہیں کھایا بلکہ یہ تمہارے نفسوں کی تزمین ہے۔

قوله: وَهُوَ خَيْرٌ مُّبْتَدَأٍ مَّحْذُوفٍ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عکس نہیں کہا تو ہم بعض الناس۔

قوله: عَلِيٍّ مَا تَصِفُونَ ۝: یعنی اس احتمال کے مطابق جو تم بیان کرتے ہو۔

قوله: فَهَذَا وَ قُتِلِكَ: لا یعقل شیاء میں عدا مخالف طین کی تمبیہ کے لئے ہوتی ہے۔

قوله: أَخْفَوْا: داؤد ضمیر اخوہ کی طرف راجع ہے دار دین کی طرف نہیں۔

قوله: أَمْرَةٍ: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔

قوله: جَاعِلِيَّيْهِ: اس سے اشارہ ہے کہ اسروا یہ فعل متعدی کے معنی کو مضمّن ہے اس لئے اس کا مفعول خالی بضاء

ہے۔ بَاعُوهُ مِنْهُمْ فاعلی ضمیر بھائیوں کی طرف راجع ہے۔ وہ فروخت کرنے والے تھے نہ کہ مشتری۔

قوله: إِخْوَتُهُ: بھائی اس سے بیزار تھے۔ قالے والے تو راجع تھے۔

تفسیر مقبولین

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّالِفِينَ ۝

معاملہ برادران یوسف علیہ السلام:

قال الله تعالى: لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّالِفِينَ ۝ الی وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝

بے شک یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں اور عبرتیں اور نصیحتیں ہیں ان لوگوں کے لیے جو اس قصہ کو

دریافت کرتے ہیں کیونکہ یہ عجیب قصہ اس لائق ہے کہ اس کی خبر در یافت کی جائے کہ حق تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بے کسی اور بے بسی سے نکال کر مقام سلطنت تک کس طرح پہنچایا یہ اس کی تدرت کا کرشمہ ہے۔ جو پوچھتے ہیں ان کے لیے اس قصہ میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اور جو نہیں پوچھتے ان کے لیے بھی بہت سی نشانیاں ہیں۔

جبکہ یوسف کے علاقائی بھائی آپس میں یہ کہنے لگے کہ البتہ یوسف اور انکا حقیقی بھائی بنیامین ہمارے باپ کو بہ نسبت ہمارے زیادہ محبوب ہے حالانکہ وہ دونوں کم عمر ہیں کار خدمت پداری بخوبی انجام نہیں دے سکتے اور ہم ایک قوی جماعت ہیں ہر طرح کا آرام ہم سے مقصود ہے لہذا ہم زیادہ عزیز اور محبوب ہونے چاہئیں بے شک ہمارا باپ صریح غلطی میں ہے اپنے نفع نقصان کا ان کو صحیح اندازہ نہیں یعنی ہماری محبت کے بارے میں باپ کو چوک ہوئی کہ ہمارے مقابلہ میں یوسف علیہ السلام کو ترجیح دی اگر دلیل سے دیکھا جائے تو ہم سب فرزند ہونے میں یکساں ہیں اس لیے محبت میں برابری ہونی چاہئے تھی لیکن ہم کو ان دونوں پر اس لیے ترجیح ہے کہ ہم ایک قوی اور زبردست جماعت ہیں باپ کو ہر طرح سے آرام اور راحت پہنچا سکتے ہیں اور جو تکلیف پیش آئے اس کو دور کر سکتے ہیں اور ہر کام کے لیے کافی ہیں اور ان دونوں بھائیوں سے نو عمری کی وجہ سے یہ بات ممکن نہیں لہذا قاعدہ کے مطابق محبت ہم سے زیادہ ہونی چاہئے پھر اگر زیادہ نہ ہوتی تو خیر برابر ہوتی اس بارے میں ہمارے باپ صریح غلطی میں ہیں۔

فائدہ: یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبت کرنا معاذ اللہ حسن ظاہری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت اور جمال نبوت و صدیقیت اور نور فہم و فراست اور نور عفت بھی اس کے ساتھ شامل تھا۔ اور ان محاسن و شمائل اور کمالات و فضائل میں کوئی بھائی وغیرہ شریک نہ تھا۔ یوسف ان فضائل و شمائل میں سب پر فوقیت رکھتے ہیں اور یعقوب علیہ السلام نور نبوت اور چشم بصیرت سے ان باطنی محاسن کو بھی دیکھتے تھے اس لیے وہ ان کی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔

نیز یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال بشری حسن و جمال کے جنس سے نہ تھا اس لیے زنان مصر کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکلا: حَاشَ لِلّٰہِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلٰکٌ کَرِیْمٌ ۝ بلکہ یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اہل جنت کے حسن و جمال کی جنس سے تھا اور حور و غلمان کے حسن و جمال کی قسم سے تھا غرض کہ یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اخروی حسن و جمال کا نمونہ تھا اور از قسم جمال اخروی تھا اس لیے یعقوب علیہ السلام ان کی طرف زیادہ مائل تھے۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام کا باطنی حسن و جمال یعنی علم و حکمت اور ان کی بے مثالی عصمت و عفت اور نور نبوت و صدیقیت یہ باطنی محاسن یعقوب علیہ السلام کے پیش نظر تھے اور دوسرے بھائی ان کی طرح ان کے محاسن سے متصف نہ تھے اور حسن سیرت اور حسن صورت دونوں سے آراستہ تھے نیز یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال ملائکہ کے حسن و جمال کا ایک نمونہ تھا اس لیے وہ باپ کی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔ علاوہ ازیں رشد و نجات کے جو آثار یوسف علیہ السلام اور بنیامین میں نمایاں تھے وہ دوسرے بھائیوں میں نمایاں نہ تھے اور خاص کر یوسف علیہ السلام میں نبوت اور صدیقیت کے آثار نمایاں تھے اس اعتبار سے وہ جنس انبیاء و صدیقین سے ہے پس حسب قاعدہ الجنس یمیل الی الجنس یعقوب علیہ السلام ان کی طرف زیادہ مائل تھے کیونکہ یہ جانتے تھے کہ یہ خدا کا برگزیدہ اور پیغمبر ہونے والا ہے پس نبوت و رسالت کے ساتھ علاقہ نبوت یعنی فرزندیت بھی مل جائے تو دلی محبت اور تعلق میں اضافہ ہو جاتا ہے اور خدا کے برگزیدہ اور محبوب بندہ سے محبت رکھنا یہ عبادت ہے اور محبوب خدا کی محبت دراصل خدا کی محبت ہے اور پھر یہ کہ یوسف علیہ السلام اور بنیامین اگرچہ باطنی فضائل و شمائل

کی وجہ سے یعقوب رضی اللہ عنہ کی نظر میں زیادہ محبوب تھے مگر عملی طور پر حقوق فرزندیت کے اعتبار سے معاملہ سب کے ساتھ یکساں تھا اور پورے پورے عدل اور انصاف کے ساتھ تھا قرآن سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ یعقوب رضی اللہ عنہ نے یوسف رضی اللہ عنہ اور بنیامین کو دوسرے بھائیوں پر حقوق واجبہ میں یا کسی ایسے امر میں ترجیح دی ہو جو ان کے اختیار میں ہو اور محبت جس کی حقیقت میلان طبعی ہے وہ امر اختیاری نہیں اس میں عدل اور مساوات ناممکن ہے اگر کوئی باپ اپنے کسی عالم اور متقی بیٹے کو بہ نسبت غیر عالم بیٹے کے زیادہ محبوب رکھے تو اس سے یہ کہنا کہ آپ اس سے زیادتی محبت میں غلطی اور خطا پر ہیں۔ یہی صریح غلطی اور ضلال مبین ہے خوب سمجھ لو اور اولاد میں اور بیٹیوں میں طبعی میلان اور محبت کے اعتبار سے مساوات عادتاً ناممکن نظر آتی ہے، الغرض جب بھائیوں نے یہ دیکھا کہ باپ کی نظر عنایت یوسف رضی اللہ عنہ کی طرف زیادہ ہے تو بولے: **إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ** کہ واقعی ہمارا باپ اس بارے میں صریح گمراہی میں مبتلا ہے اس لفظ سے ان کی دین خداوندی میں گمراہی مراد نہ تھی۔ بلکہ دین محبت اور آئین شفقت میں گمراہی مراد تھی کہ جب ہم اخوت میں برابر ہیں تو محبت میں بھی برابر ہونے چاہئیں اور ضلال کے معنی لغت میں غلطی اور خطا کے ہیں اور مطلب یہ تھا کہ ہمارے باپ نظر محبت و شفقت کے خراج کرنے سے غلطی پر ہیں۔ مساوات کیوں نہیں برتتے اس گفتگو سے بھائیوں کا مقصود یہ نہ تھا کہ باپ کی غلطی ثابت کریں بلکہ مقصود یہ تھا کہ اس شخص کا وجود تمہارے لیے محبت پداری میں مزاحم ہے اگر یہ باپ کی نظروں سے دور ہو جائے تو پھر ہمارا معاملہ درست ہو سکتا ہے اور اسی درمیان میں ان کو یوسف رضی اللہ عنہ کے کو اب کی بھی خبر ہو گئی اس لیے مشورہ کیا کہ کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہئے کہ باپ کے سامنے نہ رہے خواہ قتل کر کے، خواہ اس طرح کہ اس کو کسی دور دراز کنوئیں میں پھینک دیا جائے اور اس بارے میں باہم مشورہ ہو اور رائے ٹھہری کہ یوسف کو مار ڈالو کہ محبت اور شکایت کا محل ہی ختم ہو جائے یا اس کو کسی ایسی دور دراز غیر معلوم زمین میں لے جا کر پھینک دو کہ یوسف رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس نہ آسکیں اور باپ وہاں تک نہ پہنچ سکیں۔ دونوں صورتوں میں باپ سے جدا ہو جائیں گے۔ تو پھر تمہارے ہی لیے خالی ہو جائے گا۔ تمہارے باپ کا چہرہ اور تم باپ کے منظور نظر بن جاؤ گے۔ کیونکہ اس وقت باپ کو تم ہی تم نظر آؤ گے اور اس کے بعد تم تو بہ کر کے اللہ کے نزدیک نیک بختوں میں ہو جاؤ گے۔

صا امر و مکنہ کنید و فرد اتوبہ

یابہ معنی ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بعد تمہارے سب کا درست ہو جائیں گے اس معنی کو صلاح سے اخروی صلاح اور نیک بختی مراد نہ ہوگی بلکہ دنیوی امور کی صلاح اور درستی اور فارغ البالی مراد ہوگی۔ بھائیوں نے صرف یوسف رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا۔ بنیامین کے معاملہ کو کچھ اہمیت نہ دی بظاہر یہ وجہ ہوگی کہ وہ بنیامین کی محبت کو یوسف رضی اللہ عنہ کی محبت کا تہمتہ سمجھتے ہوئے بھائیوں کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مقصود باپ کو تکلیف پہنچانا نہ تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ باپ کی توجہ اور نظر عنایت کو اپنی طرف پھیر لیں۔ یہ خیال ان پر اس قدر غالب آیا کہ ان کو حسد پر آمادہ کیا اور ان سے یہ کام کروایا۔ مگر آخر میں نادم ہوئے اور خدائے تعالیٰ اور یعقوب رضی اللہ عنہ نے ان کی خطا معاف کی اصل مقصود یہ تھا کہ باپ کی توجہ خاص ان کی طرف ہو جائے۔ یہ نیکم وجہ۔ اور یہ مقصود فی حد ذاتہ محمود تھا۔ مگر اس کے حصول کیلئے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ غلط تھا ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل تو نہ کرو، بے گناہ کا قتل بہت بڑا گناہ ہے مطلب یہ تھا کہ حسد اور عداوت کو اتنی ترقی نہ دو کہ قتل کر کے جان لے لو

یہ کہنے والا بڑا بھائی روئیل تھا یا یہودا تھا اور بجائے قتل کے یہ صورت کر لو کہ اس کو کسی گہرے اور تاریک اور اندھے کنوئیں میں لے جا کر پھینک دو تاکہ کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ کہاں گئے اس لیے بہتر یہ ہے کہ بجائے قتل کے اس کو کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو تاکہ وہاں سے کوئی راہ چلتا مسافر جو وہاں پہنچے اس کو اٹھالے جاوے اور اس کو کسی اور زمین پر لے جاوے اور تم اس سے چھوٹ جاؤ اور جو تمہاری غرض ہے کہ باپ سے دور ہو جائے اور وہ بلا قتل کے حاصل ہو جائے اگر تم کرنے ہی والے ہو۔ یعنی اگر تم کو یہ کام کرنا ہی ہے تو میری رائے یہ ہے کہ بجائے قتل کے ان کو غیابت الحب میں ڈال دو اور اس طرح سے بھی تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ ”غیابت الحب“ اس کنوئیں کو کہتے ہیں کہ جو چیز اس میں گرے وہ نظروں سے ایسی غائب اور پوشیدہ ہو جائے کہ کسی کو بھی نہ چلے کہ وہ کہاں گئی۔ مشورہ میں سب کا اسی پر اتفاق رائے ہو گیا اور مشورہ کے بعد باپ سے جدا کرنے کی یہ تدبیر سوچی کہ سب مل کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا کہ اے ہمارے باپ آپ کو کیا ہوا کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے اور کبھی ان کو ہمارے ساتھ نہیں بھیجتے آخر ہم ان کے بھائی ہیں اور تحقیق ہم ان کے خیر خواہ اور بھلائی چاہنے والے ہیں۔ نہ کہ دشمن اور اس پر مہربان ہیں۔ لہذا آپ بلا تامل کل کے روز اس کو ہرے ساتھ جنگل کی طرف بھیج دیجئے کہ آسودہ ہو کر جنگل کے میوے کھائے اور کھیلے کودے اور تیر چھائے اور اونٹ دوڑائے اور اس قسم کے کھیل شرعاً جائز ہیں۔ یوسف ﷺ بھی خوش ہو جائیں گے اور بے شک ہم ہر حال میں یوسف کے خوب محافظ اور نگہبان رہیں گے۔ یعنی آپ کسی طرح اندیشہ نہ فرمائیں ہم یوسف ﷺ کو کھلا کودا کر خوش و خرم آپ کے پاس واپس لے آئیں گے اور شاید اس سے پہلے یوسف ﷺ کو بھی سیر و تفریح کی ترغیب دیکر ساتھ چلنے پر آمادہ کر لیا ہوگا اس کے بعد باپ سے اجازت چاہی اور یوسف ﷺ کو ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔ یعقوب ﷺ نے جواب میں یہ کہا کہ تحقیق غم میں ڈالتی ہے مجھ کو یہ بات کہ تم یوسف ﷺ کو اپنے ساتھ لے جاؤ تمہارے ساتھ جانے پر قلب مطمئن نہیں انبیاء کا قلب مبارک چونکہ سلیم ہوتا ہے۔ اس لیے سنتے ہی ان کو باح میں سے صدق اور کذاب کی بو آنے لگتی ہے۔

یعقوب ﷺ نے جب بیٹوں کی یہ پرفریب درخواست سنی تو سنتے ہی اس میں سے مکر اور فریب اور حسد کی بو محسوس فرمائی جیسا کہ حدیث میں ہیا الصدق طمانینہ والکذب ریہہ اور حسد و مناسبت کے آثار پہلے ہی سے نمایاں تھے اس لیے یعقوب ﷺ ان کے ساتھ بھیجنے سے خائف تھے اور بعد میں جب ایک بات بنائی تو یعقوب ﷺ کا دل مطمئن نہ ہوا تو فرمایا کہ مجھے اس کی جدائی دم بھر بھی ناگوار ہے اور اس کے دیکھے بغیر صبر کرنا میرے لیے بہت دشوار ہے اور اگر بالفرض تم پر اطمینان بھی کر لوں تو میں ڈرتا ہوں کہ اس کو بھیڑ یا کھا جائے اور تم اس سے غافل رہو تم کھیل تماشہ میں مشغول ہونے کے وجہ سے اس کی حفاظت سے غافل ہو جاؤ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یعقوب ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بھیڑیے نے یوسف ﷺ پر حملہ کیا۔

(تفسیر سنی طبری ص ۱۰، ج ۹)

اس لیے یعقوب ﷺ کو خوف ہوا اور اس علاقے میں بھیڑیے بھی کثرت سے تھے اس خیال سے انہوں نے یہ بات فرمائی، بیٹوں نے اسی بات کو بہانہ پکڑ لیا اور اس کو واقعہ بنا کر پیش کر دیا۔ پہلی بات کا تو کوئی جواب نہ تھا اس سے تو انجان بن گئے

بلکہ اسی دوسری بات کا جواب دیا۔ چنانچہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے دوسری بات کے جواب میں بولے خدا کی قسم اگر اس کو ایسی حالت میں بھیڑیا کھا جائے کہ ہم جیسی قوی جماعت وہاں موجود ہو جو شیروں سے مقابلہ کر سکتی ہے تو ایسی صورت میں ہم یقیناً زیاں کار اور نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ کہ اپنے بھائی سے بھی بھیڑیے کو دفع نہ کر سکے۔ القصہ جب یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کا مبالغہ اور اصرار سنا اور کسی درجہ میں یوسف علیہ السلام کا دل بھی جانے کی طرف مائل پایا تو اپنے دل کو مضبوط کر کے اور تھوڑے الٹی پر راضی ہو کر جانے کی اجازت دے دی اور محافظت کی تاکید اکیڈی، پھر جب ان کو لیکر چلے تو راستہ ہی میں ان کے ساتھ بدسلوکی شروع کر دی جو لائق بیان نہیں اور اس بات پر سب متفق ہو گئے کہ اسکو اندھے کنوئیں میں ڈال دیں۔ چنانچہ رسی میں باندھ کر کنوئیں میں لٹکایا اور جب درمیان میں پہنچے تو رسی کاٹ دی جا کر پانی پر گرے کنوئیں میں ایک پتھر تھا اس پر کھڑے ہو گئے۔ (زاد السیر ص ۱۹۰ جلد ۴)

اور اس وقت ہم نے ان کی تسلی کے لیے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تم گھبراؤ نہیں عنقریب اس کنوئیں سے نکلو گے اور خدا تعالیٰ تم کو بلند رتبہ عطاء کرے گا اور ایک دن وہ ہوگا کہ تم ان لوگوں کو یہ بات بتلاؤ گے اور وہ سمجھتے نہ ہونگے کہ تو یوسف علیہ السلام ہے مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت آئی کہ تم کسی ہلاکت وغیرہ کا خوف نہ کرو ہم تمہیں کسی ایسے رتبہ پر پہنچائیں گے کہ یہ لوگ تیرے سامنے شرمسار کھڑے ہونگے اور تو ان کو اس فعل سے آگاہ کرے گا اور یہ تیرے بلند رتبہ کی وجہ سے یہ گمان بھی نہ کریں گے کہ تو یوسف علیہ السلام ہے بلکہ ان کو یہ خیال ہوگا کہ یوسف علیہ السلام تو کہیں ہلاک ہو چکا ہے اس وحی نے یوسف علیہ السلام کی مشکل کو آسان کر دیا۔ ظاہر اسباب میں آ کر شفقت پدری منقطع ہوئی تو رحمت غیبیہ دستگیر بنی اور اس تائید غیبی نے پائے استقامت کو اور محکم اور مضبوط کر دیا۔ غرض یہ کہ یہ قصہ تو یوسف علیہ السلام کا ہوا اور ادھر وہ لوگ عشاء کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔ باپ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو بونے اے ہمارے باپ ہم دوڑ میں آگے نکلنا چاہتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ میں لگے ہوئے تھے اور یوسف علیہ السلام کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے پس اتفاقاً بھیڑیا آ کر اس کو کھا گیا اور آپ تو ہماری بات کو یقین نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ آپ کو ہماری طرف سے پہلے ہی شبہ تھا اور آپ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شاید تم غافل ہو جاؤ اور اس کو بھیڑیا کھا جائے اور اتفاق سے ایسا ہی ہو گیا اور اس کی دلیل ہمارے پاس یوسف علیہ السلام کا پیرا ہن ہے اور اس کے کرتے پر جھوٹا لہو بھی لگائے تھے۔ ایک بکری کو ذبح کر کے یوسف علیہ السلام کے کرتے کو اس سے ترکیا کہ یہ یوسف علیہ السلام کا کرتہ ہے جو ہم نے چھڑایا ہے اور اس نہیں کو اپنے قوس کی سند میں پیش کیا۔ یعقوب علیہ السلام نے اس کرتے کو دیکھا۔ فرمایا وہ بھیڑیا بڑا ہی حکیم اور دانا تھا کہ یوسف کو تو کھا گیا اور پیرا ہن سے کوئی تعرض نہ کیا پھر ازراہ غصہ فرمایا، اے بیٹو یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نے ہرگز نہیں کھایا بلکہ تمہارے نفسوں نے یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کی ایک بات بنا کر تمہارے لیے راستہ کر دی ہے۔ نور نبوت سے پہچان لیا کہ یہ سب جھوٹ ہے اور ان کی بنائی ہوئی ایک بات ہے اور یوسف علیہ السلام فی الحقیقت ابھی زندہ ہے پس اب میرا کام صبر جمیل ہے عمدہ مبرودہ ہے کہ جس میں نہ جزع ہو نہ فزع ہو اور نہ شکوہ و شکایت ہو اور نہ ارادہ انتقام کا ہو اور جو تم یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کی داستان بیان کرتے ہو اس کے صبر پر اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس لیے کہ بغیر اللہ کی مدد کے صبر ناممکن ہے کما قال تعالیٰ: **وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ**۔ یعقوب علیہ السلام کو بیٹوں کی بات کا یقین تو نہ آیا مگر یوسف

پہلے کی جدائی کا صدمہ بے حد ہوا۔ بیٹے اور بھائی اور عزیزوں کی جدائی کا صدمہ ایک امر طبعی ہے اور اولاد تو انسان کا ایک جزو

اندازہ لگانا بہت مشکل ہے حضرت یعقوب علیہ السلام میں یہ ساری باتیں جمع تھیں پھر طرفہ یہ کہ عجیب طرح سے مصیبت آئی بیٹا اگر بیماری میں مبتلا ہو کر مر جائے تو صبر آجاتا ہے کیونکہ موت سے دل مایوس ہو جاتا ہے مگر یہاں بجائے موت کے گم ہونے کا واقعہ پیش آیا کہ نہ تو ہلاکت کا یقین ہے کہ مایوس ہو جائیں اور نہ زندگی اور سلامتی کے کوئی آثار معلوم ہوتے ہیں جس سے پھر ملنے کی امید اور آرزو رکھیں۔ عجیب کشمکش میں مبتلا تھے کہ نہ مایوس ہو سکتے تھے اور نہ امید اور آرزو کی کوئی صورت نظر آتی تھی معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا کہ یہ ایک امتحان ہے جس میں تم مبتلا کیے جا رہے ہو یہ پورا ہو کر رہے گا اور ایک مدت کے بعد تم کو اس مصیبت سے نجات ملے گی اور سلامتی کے ساتھ یوسف علیہ السلام سے دوبارہ ملنا تم کو نصیب ہوگا۔ فی الحال کسی جستجو یا تلاش یا تدبیر سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تلاش سے یوسف علیہ السلام تو ملیں گے نہیں اور بیٹے رسوا ہو جائیں گے۔ لہذا صبر جمیل سے کام لیجئے کیونکہ قضا و قدر پر صبر ضروری ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱۱ ج ۵ ص ۱۱۰ جلد ۵)

غلام۔ کلام یہ کہ یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ من جانب اللہ ایک ابتلاء ہے ظالم کے ظلم پر اور ما کر کے مکر پر تو صبر ضروری نہیں مگر قضا و قدر پر صبر ضروری ہے قضا و قدر کے مقابلہ میں تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اس وقت صبر جمیل ہی بہتر ہے اور صبر جمیل کے یہ معنی ہیں کہ جب کوئی مصیبت نازل ہو تو بندوں سے شکایت نہ کرے کہ یہ مصیبت مجھ پر کہاں سے آگئی اس لیے یعقوب علیہ السلام روپیٹ کر بیٹھ گئے اور نہ یوسف علیہ السلام کی جستجو میں پڑے اور نہ بیٹوں سے انتقام کا ارادہ فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس باپ اور بیٹے کے قصے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ دیکھ لو صبر جمیل ایسا ہوتا ہے اور عفت و پاکدامنی ایسی ہوتی ہے اور یوسف علیہ السلام کا قصہ یہ ہوا کہ اتفاق سے ادھر ایک قافلہ آٹکھایا قافلہ مدین سے مصر کو جا رہا تھا۔ پس قافلہ والوں نے اپنا ایک آدمی پانی لینے کے لیے اس کنوئیں کی طرف بھیجا پس اس پانی لینے والے آدمی نے اپنا ڈول کنوئیں کے اندر لٹکایا، اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ یوسف علیہ السلام تم اس ڈول میں بیٹھ جاؤ۔ یوسف علیہ السلام اس ڈول میں بیٹھ گئے جب ڈول باہر آیا تو ڈول کھینچنے والے ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور بولا اے بشارت تو حاضر ہو جا یہ تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے۔ اے قافلہ والو بڑی خوش خبری یہ ہے کہ ایک عجیب و غریب لڑکا ہے جس کا حسن و جمال بے مثال ہے۔

چو آں ماہ جہاں آراء برآمد ز جانس با لگ یا بشری برآمد۔ بشارت کز جنیں تار یک چاہے برآمد بس جہاں افروز ماہ ہے

اور قافلہ والوں نے اس کو سرمایہ تجارت بنا کر پوشیدہ رکھا کہ کوئی اس غلام کا دعویٰ نہ نکالے اور وہاں جا کر کسی بڑے دولت مند کے ہاتھ فروخت کریں گے اور خوب نفع کمائیں گے اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ قافلے والے اس کوچ کر نفع حاصل کرنے چاہتے ہیں کہ یہاں سے کسی دوسرے ملک میں چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ان کو خزان مصر کا مالک بنا دے۔ چنانچہ بھائیوں کو خبر لگی کہ قافلے والے نکال لے گئے تو وہاں پہنچے اور قافلہ والوں سے یہ ظاہر کیا کہ یہ ہمارا غلام ہے گھر سے بھاگ آیا ہے چونکہ اسے بھاگنے کی عادت ہے اس لیے ہم اب اس کو رکھنا نہیں چاہتے تم اگر خریدنا چاہو تو تم کو سستے داموں میں دیدیں گے اس طرح خرید و فروخت کا معاملہ طے پا گیا اور اس سے ان کو معمولی قیمت پر

یعنی چند منی کے دراہم پر فروخت کر دیا کم و بیش بیس درہم میں ان کو بیچ ڈالا اور دو درہم آپس میں بانٹ لیے اور وہاں کی یہی کہ بھائی ان کے بارے میں بے غیب تھے ان کا مقصود فروخت کرنا نہ تھا بلکہ یہاں سے ٹلانا ان کا مقصود تھا کہ یوسف علیہ السلام کسی طرح یہاں سے دوسرے ملک چلے جائیں دراہم معدودہ پر قناعت کی۔ بھائیوں کو جب یوسف علیہ السلام کے کوئیس سے نکل آنے کی خبر ہوئی تو غلبہ حسد کی وجہ سے یہ چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو ایسی مصیبت اور بلا میں مبتلا کر دے کہ آئندہ چل کر کسی عزت و رفعت کے مقام پر پہنچنے کا امکان ہی ختم ہو جائے۔ اس لیے اس قسم کے مکر و فریب میں لگے ہوئے تھے مگر خداوند ذوالجلال کے یہاں ان کی رفعت اور سر بلندی مقدر ہو چکی تھی اس لیے اس کی تقدیر کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ وَهُوَ فِطْيَبُ الْعَزِيزِ لِامْرَأَتِهِ زَيْنَخَا الْكُرْمِي مَثْوَاهُ مَقَامُهُ عِنْدَنَا عَسَى
 اَنْ يَنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۗ وَكَانَ حُضُورًا وَاذَلِكَ كَمَا نَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَتْلِ وَالْحُبِّ وَعَطَفْنَا قَلْبَ
 الْعَزِيزِ مَكَانًا لِيُوسِفَ فِي الْاَرْضِ اَرْضِ مِصْرَ حَتَّى بَلَغَ مَا بَلَغَ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَاْوِيلِ الْاَحَادِيثِ ۗ تَغْيِيرًا
 لِيُرْوِيَا عَطْفَ عَلِيٍّ مُضَرٍّ مُتَعَلِّقٍ بِمَكْنَأَى لِنَمَكِنَهُ اَوَّلُ وَاوَزَائِدَةٌ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى اَمْرِهِ تَعَالَى لَا يُعْجِزُهُ
 شَيْءٌ ۗ وَلَكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وَهُمْ الْكٰفِرُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ذٰلِكَ وَاَلَمْ نَكُنْ اَشَدَّ اَهْلًا وَّهُوَ ثَلَاثُونَ سَنَةً اَزْوَاجُكَ
 اَتَيْنَهُ حِكْمًا وَّحِكْمَةً وَّعِلْمًا ۗ فَيَقُهَا فِي الدِّينِ قَبْلَ اَنْ يُبْعَثَ نَبِيًّا وَاذَلِكَ كَمَا جَزَّيْنَاهُ نَجْوَى
 الْمُحْسِنِينَ ۝ لِاَنْفُسِهِمْ وَاوَدَّتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا هِيَ زَيْنَخَا عَنْ نَفْسِهِ اَيُّ طَلَبْتُ مِنْهُ اَنْ يُوَاقِعَهَا وَا
 غَلَقَتْ الْاَبْوَابَ بَلِيَّتٍ وَّقَالَتْ لَهٗ هَيْتَ لَكَ ۗ اَيُّ هَلَمَّ وَاللَّامُ لِلتَّبَسُّبِ وَفِي قِرَاةٍ بَكْشَرِ الْهَاءِ وَاُخْرَى
 بِضَمِّ التَّاءِ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ اِنَّهُ اَيُّ الَّذِي اشْتَرَانِي رَبِّي سَيِّدِي اَحْسَنَ مَثْوَايَ ۗ
 مَقَامِي فَلَا اُخُوْتَهُ فِي اَهْلِهِ اِنَّهُ اَيُّ الشَّانِ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝ اَلزَّانَاةُ وَاَلْقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۗ قَصَدْتُ مِنْهُ
 الْجَمَاعَ وَّهُمْ بِهَا قَصَدَ ذٰلِكَ لَوْلَا اَنْ رَّا بَرَهَانَ رَبِّهٖ ۗ قَالَ اَبْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِثْلَ لَهٗ يَعْقُوبُ فَضْرَبَ
 صَدْرَهُ فَخَرَجَتْ شَهْوَتُهُ مِنْ اَنَا مِيْلِهِ وَّجَزَابِ لَوْلَا لَجَامَعَهَا كَذٰلِكَ اَرَيْنَاهُ الْبِرَهَانَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ
 الْخِيَانَةَ وَاَلْفَحْشَاءُ ۗ اَلزَّانَاةُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلِصِينَ ۝ فِي الطَّاعَةِ وَفِي قِرَاةٍ يَفْتَحُ اللّٰمُ اَيُّ
 الْمُخْتَارَيْنِ وَاَسْتَبَقَا الْبَابَ بِاَدْرِ اِلَيْهِ لِيُؤَسَفَ لِيُفْرَارَ وَهِيَ لِلتَّشْبِيْهِ بِهٖ فَاَمْسَكَتْ ثَوْبَهُ وَاَجَذَّ بِهٖ اِلَيْهَا وَا
 قَدَّتْ شَقَّتْ قَبِيصَةً مِنْ دُبُرٍ وَاَلْفَيَا وَاَجَذَّ سَيِّدَهَا زَوْجَهَا كَذَا الْبَابُ ۗ فَتَرَهَتْ نَفْسَهَا ثُمَّ قَالَتْ مَا

جَزَاءَ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا زِنًا إِلَّا أَنْ يُسَجَّنَ أَوْ يُحْبَسَ أَوْ السَّجْنُ أَوْ عَذَابُ الْيَمِّ ۝ مُؤَلَّمٌ بَأَن
 يُضْرَبَ قَالَ يُوسُفُ مُتَّبِعًا هِيَ رَاوَدَتْهُ عَنِ نَفْسِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ قَرْنِ أَهْلِهَا ۝ ابْنُ عَمِّهَا زَوَى أَنَّهُ
 كَانَ فِي الْمَهْدِ فَقَالَ إِنْ كَانَ قَبِيصُهُ قَدْ مِنْ قَبْلِ فُذَامٍ فَصَدَقْتُ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَإِنْ كَانَ
 قَبِيصُهُ قَدْ مِنْ دُبُرٍ خَلْفٍ فَكَذَبْتُ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَبِيصُهُ قَدْ مِنْ دُبُرٍ قَالَ
 إِنَّهُ أَى قَوْلِكَ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ الْخَ مِنْ كَيْدِ كُنَّ إِنْ كَيْدِ كُنَّ أَيَّمَا النِّسَاءِ عَظِيمٌ ۝ لَمْ قَالَ يَا يُوسُفُ
 أَعْرِضْ عَنْ هَذَا أَلَا مَرِ وَلَا تَذْكُرْهُ لِنَلَا نَشِيعَ وَاسْتَغْفِرِي لِذُنُوبِكِ ۝ إِنَّكَ كُنْتِ مِنَ
 الْخَاطِئِينَ ۝ الْأَيْمِينَ وَاسْتَهْرَ الْخَبِيرَ وَشَاعَ

۲۱

ترجمہ چوتھا: اور اہل مصر میں سے جس شخص نے یوسف کو خریدا تھا (عزیز مصر کے وزیر) نے کہا اپنی بیوی (زلیخا) سے اسے
 خاطر سے رکھنا (اس کا مرتبہ ہمارے یہاں بلند رہتا چاہئے) عجب نہیں یہ ہمارے کام آئے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں (اور عزیز
 موصوف نامرود تھا) اسی طرح (جس طرح ہم نے انہیں قتل اور کنویں سے نجات دی اور عزیز مصر کا دل اس کی طرف مائل کر دیا)
 ہم نے یوسف کا قدم سرزمین مصر میں جمادیا (یہاں تک کہ انہوں نے اتنی ترقی کر لی) اور تاکہ ہم انہیں خواب کی تعبیر دینا بتلا
 دیں (مقدر پر عطف ہے جو کہ مکنا سے متعلق ہے یعنی تاکہ ہم اس کا قدم جمادیں یا واؤ زائدہ ہے) اور اللہ غالب ہے اپنے کام
 پر (اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی) لیکن بیشتر لوگ (کفار) ایسے ہیں جو نہیں جانتے (اس بات کو) اور پھر جب یوسف اپنی
 جوانی کو پہنچے (یعنی تیس تینتیس سال کے ہوئے) تو ہم نے انہیں کارفرمائی کی قوت (حکمت) اور علم کی دولت بخشی (نبوت
 سے پہلے دین کی سمجھ عطا کی) ہم نیک عملوں کو ایسا ہی بدلہ (جیسے انہیں بخشا) دیا کرتے ہیں اور جس عورت (زلیخا) کے گھر میں
 یوسف رہتے تھے وہ اس پر ڈورے ڈالنے لگی (خواہش پوری کرنے کے لئے انہیں پھسلانے لگی) اور اس نے (اپنے گھر
 کے) دروازے بند کر دیئے اور (ان سے) بولی آؤ (یعنی جلدی کرو لام بیان یہ ہے اور ایک قراعت میں ہاء کے کسرہ کے ساتھ
 ہے اور دوسری قراعت میں تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے) یوسف بولے معاذ اللہ (اللہ بچائے اس کام سے) وہ (جس نے مجھے
 خریدا یا ہے) میرا ربی (آقا) ہے اس نے مجھے عزت کے ساتھ جگہ دی (اس لئے مجھے اس کی امانت میں خیانت نہیں کرنی
 چاہئے) ایسے حق فراموشوں (ذنا کاروں) کو فلاح نہیں ہوا کرتی اور عورت کے دل میں یوسف کا خیال جم ہی چکا تھا (ان سے
 خواہش پوری کرنے کا ارادہ کر ہی چکی تھی) اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو ہی چکا تھا (اس طرف مائل ہونے لگے
 تھے) اگر ان کے پروردگار کی دلیل ان کے سامنے نہ آچکی ہوتی (حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یوسف کے سامنے
 حضرت یعقوب کی شبیہ کر دی گئی جس نے یوسف کی چھاتی پر ایسا ہاتھ مارا کہ ان کی شہوت انگلیوں کے راستے سے نکل گئی، لولا کا
 جواب لجا سمحا محذوف ہے) اسی طرح (ہم نے انہیں دلیل دکھا دی) تاکہ برائی خیانت اور بے حیالی (ذنا) کی باتیں ان

سے دور رکھیں بلاشبہ وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھے جو برگرزیدگی کے لئے جن لئے گئے (اطاعت کے لحاظ سے اور ایک قراءت میں لام کے فتح کے ساتھ ہے بمعنی پسندیدہ) اور دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے (یوسف تو بھاگ جانے کے لئے دوڑے اور زلیخا نہیں پکڑنے کے لئے پس ان کا کپڑا پکڑ لیا اور اپنی طرف کھینچا) اور اس کو پھاڑ ڈالا (چاک کر دیا) اور دونوں نے دیکھا (پایا) کہ اس کا شوہر دروازہ کے پاس کھڑا ہے (اس لئے اپنی براءت شروع کر دی اور کہنے لگی جو آدمی تیرے اہل خانہ کے ساتھ بری بات (زنا) کا اردہ کرے اس کی سزا کیا ہونی چاہئے؟ اسے تو قید خانہ ہی بھیج دینا چاہئے (جیل میں بند کر دینا چاہئے) یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے (جو تکلیف دہ ہو، انہیں پینا جائے) یوسف بولے (اپنی براءت کرتے ہوئے) کہ خود اس نے مجھ پر ڈورے ڈالے ہیں اور اس عورت کے کنبہ والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی (جو اس کے چچا کا بیٹا تھا روایت ہے کہ اس نے گود میں بات کی کہ) یوسف کا کرتہ اگر آگے (سامنے) سے پھٹا ہے تب تو عورت سچی ہے یوسف جھوٹے ہیں اور اگر پیچھے سے دو ٹکڑے ہوئے تو عورت نے جھوٹ بولا یوسف سچے ہیں پس جب عورت کے شوہر نے دیکھا کہ یوسف کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو کہنے لگا یہ (تیرا کہنا ما جزاء من اراد الخ) تم عورتوں کی چالاکی ہے بے شک تمہاری چالاکیاں بھی غضب ہی کی ہوتی ہیں (پھر بولا) اے یوسف! درگزر کر اس معاملہ سے (کسی سے اس کا مت ذکر کرنا ورنہ بات پھیل جائے گی) اور (اے زلیخا!) اپنے تصور کی معافی مانگ لے، بے شک تو ہی مکمل قصور وار ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: **مِنْ مِّصْرَ**: یعنی اہل مصر سے، اس کا تعلق اشتراء سے نہیں کیونکہ اس نے اہل مصر سے نہ خرید ا تھا بلکہ تجارت سے۔
- قوله: **مَقَامَهُ عِنْدَنَا**: اس کی خوب دیکھ بھال کرنا۔
- قوله: **أَرْضَ مِصْرَ**: الف لام عہد کا ہے۔
- قوله: **أَشَدُّ**: یہ مفرد ہے اور جمع کے وزن پر آیا ہے۔ جیسے **أَنْتَ**۔ ان کی اور نظیر نہیں۔
- قوله: **حِكْمَةً**: ایسا علم جس کی تائید عمل سے ہو۔
- قوله: **ظَلَبْتُ مِنْهُ**: مراد طلب و تلاش کو کہتے ہیں۔ گھاس تلاش کرنے والے کو رائد کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے اس عورت نے اس کو اس کے نفس کے بارے میں دھوکا دینا چاہا۔
- قوله: **هَيْتَ لَكَ**: یہ اسم ہے جو تعال اور قبل کے معنی میں آتا ہے مبنی علی الفتحہ ہے۔
- قوله: **أَعُوذُ بِاللَّهِ**: مَعَادٌ کا نصب مصدریت فعل محذوف کی وجہ سے ہے۔
- قوله: **سَبْدِي**: لفظ ربی کی یہ تفسیر کر کے بتلایا کہ ان کے ہاں اس سے مراد مرئی و محسن تھا نہ کہ خالق۔
- قوله: **هَمْزَهَا**: یہ ہم طبعی مع الامتناع ہے نہ کہ تصدی و اختیاری۔
- قوله: **أَرَبْنَاهُ**: اس سے اشارہ ہے کہ کاف اس مبتداء کا اسم ہے جس کی خبر محذوف ہے۔

قوله: يَا ذَرَا إِلِيَّهِ: استبقا یہ بار کے معنی کو مطمئن ہے اور وہ مستعدی ہے۔

قوله: نَشَقَّتْ: یہ لبائی میں چیر دینے کو کہتے ہیں۔

قوله: زَوْجَهَا: سید سے مراد خاوند ہے نہ کہ مالک۔

قوله: إِنْ كَانَ: اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو علم ہو جائے کہ میری ٹیپ سے شق کی ہوتی ہے۔

قوله: آيَتُهَا النَّسَاءُ: یہ کن کی ضمیر کا بیان ہے۔

قوله: يَا يُوسُفُ: حرف نداء مخدوف ہے قرب کی وجہ سے جس کی ضرورت نہ تھی۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِأَصْرَاتِهِ....

بازار مصر سے شاہی محل تک:

پچھلی آیتوں میں حضرت یوسف علیہ السلام کی ابتدائی سرگذشت بیان ہو چکی ہے کہ قافلہ والوں نے جب ان کو کنویں سے نکال لیا تو برادران یوسف نے ان کو اپنا غلام کر لینا بنا کر چھوڑے سے درہموں میں ان کا سودا کر لیا اول تو اس لیے کہ ان کو بزرگ ہستی کی قدر معلوم نہ تھی دوسرے اس لیے کہ ان کا اصل مقصد ان سے پیسہ کمانا نہیں بلکہ باپ سے دور کر دینا تھا اس لیے صرف فروخت کر دینے پر بس نہیں کہ کیونکہ یہ خطرہ تھا کہ کہیں قافلہ والے ان کو یہیں نہ چھوڑ جائیں اور یہ پھر کسی طرح والد کے پاس پہنچ کر ہماری سازش کا راز فاش کر دے اس لیے امام تفسیر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق یہ لوگ اس انتظار میں رہے کہ یہ قافلہ ان کو لے کر مصر کے لیے روانہ ہو جائے اور جب قافلہ روانہ ہوا تو کچھ دور تک قافلہ کے ساتھ چلے اور ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو اس کو بھگ جانے کی عادت ہے کھلا نہ چھوڑو بلکہ باندھ کر رکھو، اس در شہوار کی قدر و قیمت سے ناواقف قافلہ والے ان کو اسی طرح مصر تک لے گئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آیات مذکورہ میں اس کے بعد کا قصہ اس طرح مذکور ہے اور قرآنی اعجاز کے ساتھ قصہ کے جتنے اجزاء خود بخود سمجھ میں آسکتے ہیں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی مثلاً قافلہ کا مختلف منزلوں سے گذر کر مصر تک پہنچنا اور وہاں جا کر یوسف علیہ السلام کو فروخت کرنا وغیرہ سب کو چھوڑ کر یہاں سے بیان ہوتا ہے،

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِأَصْرَاتِهِ أَكْرَمِي مَثْوَاهُ۔ یعنی کہا اس شخص نے جس نے یوسف علیہ السلام کو مصر میں خریدا

اپنی بیوی سے کہ یوسف علیہ السلام کے ٹھرانے کا اچھا انتظام کر۔

مطلب یہ ہے کہ قافلہ والوں نے ان کو مصر لے جا کر فروخت کرنے کا اعلان کیا تو تفسیر قرطبی میں ہے کہ لوگوں نے بڑھ بڑھ کر قیمتیں لگانا شروع کیں یہاں تک کہ یوسف علیہ السلام کے وزن کے برابر مشک اور اسی وزن کے ریشمی کپڑے قیمت لگ گئی یہ دولت اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کے لیے مقدر کی تھی اس نے یہ سب چیزیں قیمت میں ادا کر کے یوسف علیہ السلام کو خرید لیا،

مگر متبلیس مشن جلالہ نے اس کو اس کا خلیفہ بنا دیا۔
 جیسا کہ پہلے ارشاد تبارکی سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ سب کچھ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں بلکہ رب العزت کی بنائی ہوئی مستحکم تدبیر کے
 اجزاء ہیں مصر میں یوسف علیہ السلام کی خریداری کے لیے اس ملک کے سب سے بڑے عزت والے شخص کو مقدر فرمایا ابن کشمیر نے
 فرمایا کہ یہ شخص جس نے مصر میں یوسف علیہ السلام کو خریدوا وہ ملک مصر کا وزیر خزانہ تھا جس کا نام قطفیر یا اطفیر بتلایا جاتا ہے اور
 بادشاہ مصر اس زمانہ میں قوم عمالقہ کا ایک شخص ریان بن اسید تھا، (جو بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام لایا اور
 مسلمان ہو کر یوسف علیہ السلام کی زندگی میں انتقال کر گیا۔ (منظری) اور عزیز مصر جس نے خریدا تھا اس کی بیوی کا نام راعیل یا
 زلیخا بتلایا گیا ہے عزیز مصر قطفیر نے یوسف علیہ السلام کے متعلق اپنی بیوی کو یہ ہدایت کی کہ ان کو اچھا ٹھکانا دے عام غلاموں کی
 طرح نہ رکھے ان کی ضروریات کا اچھا انتظام کرے،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا میں تین آدمی بڑے نکلند اور قیافہ شناس ثابت ہوئے اول عزیز مصر
 جس نے ان کے کمالات کو اپنے قیافہ سے معلوم کر کے بیوی کو یہ ہدایت دی دوسرے شعیب علیہ السلام کی وہ صاحبزادی جس نے
 موسیٰ علیہ السلام کے ہارے میں اپنے والد سے کہا: يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْكَ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرَكَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ، یعنی باجان ان
 کو ملازم رکھ لیجئے اس لیے کہ بہترین ملازم وہ شخص ہے جو توی بھی ہو اور امانت دار بھی تیسرے حضرت صدیق اکبرؓ ہیں جنہوں
 نے اپنے بعد فاروق اعظمؓ کو خلافت کے لیے منتخب فرمایا۔ (ابن کثیر)

كَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَمْنَى اس طرح حکومت دے دی ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین کی اس میں آئندہ آنے
 والے واقعہ کی بشارت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام جو عزیز مصر کے گھر میں اس وقت بحیثیت غلام داخل ہوئے ہیں عنقریب یہ ملک مصر
 کے سب سے بڑے آدمی ہوں گے اور حکومت کا اقتدار ان کو ملے گا،

وَلْيُعَلِّمَهُمِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ: یہاں شروع میں حرف واؤ کو اگر عطف کیلئے مانا جائے تو ایک جملہ اس معنی کا
 محذوف مانا جائے گا کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین کی حکومت اس لیے دی کہ وہ دنیا میں عدل و انصاف کے ذریعہ امن و امان
 قائم کریں اور باشندگان ملک کی راحت کا انتظام کریں اور اس لیے کہ ہم ان کو باتوں کا ٹھکانے لگانا سکھادیں باتوں کا ٹھکانے
 لگانا ایک ایسا عام مفہوم ہے جس میں وحی الہی کا سمجھنا اور اس کو برروئے کار لانا بھی داخل ہے اور تمام ضروری علوم کا حاصل ہونا بھی
 اور خوابوں کی تفسیر بھی۔

وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ: یعنی اللہ تعالیٰ غالب اور قادر ہے اپنے نام پر جو اس کا ارادہ ہوتا ہے تمام عالم کے اسباب ظاہرہ
 اس کے مطابق ہوتے چلے جاتے ہیں جیسا ایک حدیث میں رسول کریم (ﷺ) کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ
 فرماتے ہیں تو دنیا کے سارے اسباب اسکے لیے تیار کر دیتے ہیں۔ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ لیکن اکثر لوگ اس
 حقیقت کو نہیں سمجھتے اور اسباب ظاہرہ ہی کو کچھ سمجھ کر انہی کی لگن میں لگے رہتے ہیں مستبب الاسباب اور قادر مطلق کی طرف دھیان
 نہیں دیتے۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۖ وَكَذَلِكَ نُجِزِي الْمُحْسِنِينَ ۝

یعنی جب پہنچ گئے یوسف علیہ السلام اپنی پوری قوت اور جوانی پر تو دے دی ہم نے ان کو حکمت اور علم یہ قوت اور جوانی کسی عمر میں

ماصل ہوئی اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ۳۳ سال عمر تھی ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے بیس سال اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال بتلائی ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حکمت اور علم عطا کرنے سے مراد اس جگہ عطاء نبوت ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یوسفؑ کو نبوت مصر پہنچنے کے بھی کافی عرصہ بعد ملی ہے اور کنوئیں کی گہرائی میں جو وحی ان کو پہنچی گئی وہ وحی نبوت نہ تھی بلکہ لٹوی وحی تھی جو غیر انبیاء کو بھی پہنچی جا سکتی ہے جیسے حضرت موسیٰؑ کی والدہ اور حضرت مریمؑ کے بارے میں وارد ہوا ہے،

وَكَذَلِكَ نَجِزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۳﴾ اور ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو مطلب یہ ہے کہ ہلاکت سے نجات دلا کر حکومت و عزت تک پہنچانا یوسفؑ کی نیک چلتی خداترسی اور اعمال صالحہ کا نتیجہ تھا یہ ان کے ساتھ مخصوص نہیں جو بھی ایسے عمل کرے گا ہمارے انعامات اسی طرح پائے گا

وَرَادَتْهُ آلَتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ.....

عزیز مصر کی بیوی کا یوسفؑ کے سامنے مطلب براری کے لیے پیش ہونا اور آپ کا پاکدامن رہنا:

سیدنا یوسفؑ عزیز مصر کے گھر میں رہتے رہے وہیں پلے پڑھے جوان ہوئے بہت زیادہ حسین تھے عزیز مصر کی بیوی ان پر فریفتہ ہو گئی اور اپنا مطلب نکالنے کے لیے ان کو پھسلانے لگی اس نے نہ صرف اشاروں سے اپنا مطلب ظاہر کیا بلکہ گھر کے سارے دروازے بند کر لیے اور کہنے لگی آ جاؤ میں تمہارے لیے تیار ہوں حضرت یوسفؑ کے لیے بڑی ہی امتحان کا موقع تھا خود بھی نو جوان تھے اور عورت پھسلا بھی رہی تھی اور وہ کوئی گری پڑی عورت نہیں عزیز مصر کی بیوی ہے پھر وہ ایک طرح سے اس کے پروردہ بھی تھے وہ گھر کی بڑی تھی اور آپ چھٹ پنے سے اس کے ساتھ رہے تھے جو عورت گھر کی سردار تھی اس کا حکم رد کرنا بھی مشکل تھا۔ ان سب امور کے ہوتے ہوئے حضرت یوسفؑ کے لیے گناہ سے بچنے کے لیے متعدد مشکلات تھیں اس موقع پر گناہ سے بچ جانا محض اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے ہو سکتا ہے اس لیے حضرت یوسفؑ نے عورت کی درخوست پر معاذ اللہ کہہ دیا اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں وہی مجھے گناہ سے بچا سکتا ہے پھر یہ فرمایا کہ تو میرے آقا اور مربی کی بیوی ہے اس نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے مجھے آرام کی جگہ دی ہے عزت سے رکھا ہے میری شرافت اس بات کو گوارا نہیں کرتی کہ میں اس کے اہل خانہ پر دست درازی کروں (اس میں اس عورت کو بھی نصیحت فرمادی کہ تو بھی اللہ سے پناہ مانگ اور اپنے شوہر کی خیانت نہ کر مجھے تو اس گھر میں آئے ہوئے چند سال ہی ہوئے ہیں اور تو مجھ سے بہت پہلے سے عزیز مصر کے پاس رہتی ہے۔ تجھے بھی عفت و عصمت اختیار کرنا لازمی ہے) سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت یوسفؑ نے یہ بھی فرمایا کہ: **إِنَّهُ لَا يَفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۴﴾** (بلاشبہ ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے) یہ ظلم کی بات ہے کہ میں اپنے آقا کا حق شناس نہ ہوں تو مجھے جس کام کی دعوت دے رہی ہے اس میں اللہ جل شانہ کی بھی خیانت ہے یہ دونوں ظلم کی باتیں ہیں ظلم کرنے والے کامیاب نہیں ہوتے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جس کامیابی کو چاہتے ہیں وہ گناہوں کے ذریعہ نہیں ملتی دنیا کی مطلوب کامیابی ہو یا آخرت کی یہ ظالموں کو نہیں مل سکتی۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ: **إِنَّهُ رَبِّي** میں جو ضمیر منصوب ہے یہ عزیز مصر کی طرف راجع نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع

مقبول شرح جلالین کے مطابق اگر اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا ہے میں ایسے اس لی نافرمانی کر سکتا ہوں یہ معنی لینے سے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا ہے میں ایسے اس لی نافرمانی کر سکتا ہوں یہ معنی لینے سے یہ اشکال ختم ہو جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ کے لیے لفظ رب کی استعمال فرمایا لیکن اگر انہ کی ضمیر عزیز مصر کی طرف راجع ہوتی بھی اشکال یوں ختم ہو جاتا ہے کہ رب بمعنی مالک اور مستحق اور صاحب بھی آیا ہے۔ (کما ذکرہ صاحب الفاموس) اور حدیث میں جو فرمایا ہے کہ: ((و لا یقل العبد ربی)) یہ ممانعت اس اعتبار سے ہے کہ لفظ رب عام محاورات میں اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جاتا ہے سُبْحٰنَہٗ لَمَّا لَدَّ الْبَابِ ممانعت فرمادی گئی۔
وَلَقَدْ هَمَّتْ بِہٖ وَهَمَّ بِہَا....

دونوں کا دروازہ کی طرف دوڑنا اور عزیز کو دروازہ پر پانا:

ان آیات میں عزیز مصر کی بیوی کی بد نیتی اور اس کے مطابق عزم مصمم کرنے کا ذکر ہے نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ یوسف علیہ السلام اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی ارادہ کر لیتے اللہ تعالیٰ نے ان کو بچایا اور ان کو برائی سے اور بے حیائی کے کام سے دور رکھا۔ عزیز مصر کی بیوی نے گناہ کرنے کا مضبوط ارادہ کر لیا تھا جو اس کے عمل سے صاف ظاہر ہے اس نے دروازے بند کر لیے اور صاف لفظوں میں ہینت لک (آ جا میں تیرے لیے حاضر ہوں) کہہ دیا حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا اور ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی سے گناہ کا صدور نہیں ہو سکتا اور گناہ کا ارادہ کرنا بھی گناہ ہے لیکن قرآن مجید میں (وَلَقَدْ هَمَّتْ بِہٖ) کے ساتھ وَهَمَّ بِہَا بھی مذکور ہے اس وَهَمَّ بِہَا کا کیا مطلب ہے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے: وَهَمَّ بِہَا لَوْلَا اَنْ ذَا بُرْہَانَ رَبِّہٖؕ یہ ایک جملہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ جوانی کا تقاضا پورا کرنے کا ارادہ کر لیتے لیکن چونکہ انہوں نے اپنے رب کی دلیل دیکھ لی اس لیے ارادہ نہیں کیا۔ ہم نے اوپر جو ترجمہ کیا ہے وہ اسی قول کے مطابق ہے اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وَهَمَّ بِہَا سے گناہ کا ارادہ کرنا مراد نہیں ہے بلکہ بشری طور پر جو ایسے موقع پر میلان طبعی ہو جاتا ہے وہ مراد ہے انہوں نے اس درجہ کا ارادہ نہیں کیا تھا جو معصیت کے درجہ میں ہو یوں ہی دوسرے کے درجے میں خیال آ گیا اس صورت میں نؤوا کا جواب مخدوف مانا جائے گا اور مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ اپنے رب کی طرف سے دلیل نہ دیکھ لیتے تو میلان طبعی کے مطابق کام کر گزرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں دلیل دکھائی جو اقدام کرنے سے مانع ہو گئی۔

وہ کون سی دلیل تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھی؟ اس کے بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھی ہیں صاحب روح المعانی ص ۲۱۴ ج ۱۲ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی شبیہ ظاہر ہو گئی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سینہ پر ہاتھ مار دیا: و ذکرہ الحاکم ابی صافی المستدرک ج ۲ ص ۳۴۶ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال مثل له یعقوب فض رب صدرہ فخر جت شہوتہ من انا ملہ اور بحوالہ حلبیہ ابی نعیم حضرت عی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب اس عورت نے عمل بد کا ارادہ کیا تو اس نے بت کے اوپر کپڑا ڈال دیا جو گھر کے ایک کونے میں تھا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تو یہ کیا کرتی ہے وہ کہنے لگی کہ میں اپنے معبود سے شرماتی ہوں کہ میں ایسا کام کروں اور یہ مجھ دیکھا رہے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تو ایک بت سے شرماری ہے جو نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے (یعنی بے جان ہے کچھ جانتا

ہی نہیں) پھر بھلا میں اپنے رب سے کیوں نہ شرمائوں جو ہر شخص کے ہر عمل کو جانتا ہے تو مجھ سے اپنی مطلب براری نہیں کر سکتی اس بارے میں اور بھی بہت اقوال ہیں لیکن کوئی بھی صحیح سند سے ثابت نہیں بعض حضرت نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو علم و حکمت سے نوازا تھا اور نبوت سے سرفراز فرمایا تھا ہذا ہذا رتیبہ سے وہی مراد ہے نبوت اور معرفت الہیہ ہی ایک ایسی دلیل تھی جس نے انہیں چونکا دیا اور گنہ سے بچا دیا یہ بات دل کو گنتی تو ہے لیکن اس صورت میں مای بمعنی عرف کیا جائے گا یعنی مای سے روایت بصری نہیں بلکہ روایت قلبی بمعنی علم و معرفت مراد ہوگی۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تو بڑی شان ہے عام طور پر اہل ایمان کو یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ جب کوئی گناہ کی بات دل میں آئے تو دل کھٹک جاتا ہے اور ہر ایک مؤمن کے دل میں اللہ کا ایک واعظ بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت نواس بن سمعان انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ایک مثال بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ایک سیدھا راستہ ہے اس کے دونوں جانب دو دیواریں ہیں اور ان دیواروں میں دروازے ہیں جو کھلے ہوئے ہیں اور ان دروازوں میں سے کسی دروازہ کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تجھ پر افسوس ہے اسے مت کھول اگر تو اس کو کھولے گا تو اس میں داخل ہو جائے گا (اور یہ تیرے حق میں اچھا نہ ہوگا) اس کے بعد آپ نے اس مثال کی توضیح فرمائی اور وہ یہ ہے کہ صراط مستقیم اسلام ہے اور دونوں طرف جو دیواریں ہیں یہ اللہ کی حدود ہیں اور دروازے کھلے ہوئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور راستے کے شروع میں جو پکارنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس کے اوپر جو پکارنے والا ہے وہ اللہ کا واعظ ہے جو ہر مسلم کے دل میں ہے (رواہ تعلقنی شعب الایمان ص ۴۴۰ ج ۵) جب ہر مؤمن کے دل میں واعظ موجود ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام جیسے صدیق کے دل میں ہونا تو ضروری ہی ہے۔

كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ الشُّوَاءَ وَالْفَحْشَاءَ مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ یہاں عبارت کا کچھ حصہ مخدوف ہے صاحب روح المعانی نے ابن عطیہ سے یوں نقل کیا ہے کہ: جرت افعالنا و اقدارنا کذا لکن لنصرف یعنی ہماری قضاء و قدر کے مطابق ایسا ہوتا کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو ہٹا دیں: قال صاحب الروح و قدر ابو البقاء نراعیہ کذا لکن و الحوفی ازیناہ البراہین کذا لکن وجوز الجميع کونہ فی موقع رفع فقیل ای الامر او عصمتہ مثل ذالک اھ۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں: ابوالبقا نے یہاں نراعیہ مقدر مانا ہے اور حوفی نے کہا مقدر عبارت اس طرح ہے کہ: لریناہ البراہین کذا لکن اور سب نے اس کا رفع کے مقام پر ہونا جائز رکھا ہے لہذا بعض نے کہا اصل یوں ہے کہ: الامر مثل ذلک یا عصمتہ مثل ذلک۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَفَلَّتْ قَبِيضَةُ مِنْ دُبُرٍ: جب عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے برے مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہا تو وہ دروازے کی طرف دوڑ پڑے پیچھے سے عورت بھی دوڑی۔ بالآخر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتہ کا پچھلا دامن پکڑ لیا چونکہ بھاگتے ہوئے آدمی کا دامن پکڑا تھا اس لیے کرتہ پھٹ گیا۔ روح المعانی میں لکھا ہے کہ قیدی تھا اکثر لہباؤ میں پھاڑ دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی لیے ہم نے چیرنے کا ترجمہ کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام دروازے کی طرف بڑھے تو دروازہ بند پایا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوئی دروازے کھلتے

۲۳۲

مقبول شرح خلاصہ

چلے گئے اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص گناہ میں مبتلا کرنے کے لیے مجبور کیا جائے تو جہاں تک ممکن ہو اپنی کوشش و طاقت کے بقدر اس سے بچے جب سچ سچ اس سے بچنے کا عزم کرے گا اور اپنی ہمت اور قدرت کے بقدر کوشش کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان شاء اللہ ضرور مدد کی جائے گی۔

بعض مفسرین نے ایسا ہی لکھا ہے اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ دروازے مختلف جہات میں تھے اس عورت نے بند تو سبھی کو کر دیا تھا لیکن کسی ایک دروازے میں کوئی ایسی کھڑکی تھی جس کے بارے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دھیان ہوا کہ میں اس سے نکل سکتا ہوں بہر حال انہوں نے گناہ سے بچنے کی انتہائی کوشش کی اور اس کوشش میں اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی دی۔

آگے پیچھے دوڑتے ہوئے جب دروازے پر پہنچے تو ادھر سے مذکورہ عورت کا شوہر آ رہا تھا اس سے مڈبھیڑ ہو گئی عورتوں کی چالیں تو مشہور ہی ہیں ظاہری خفت مٹانے کے لیے اور اپنے کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے عورت بول پڑی کہ اس نے مجھ پر

بدنیتی سے مجرمانہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے اس کو سزا دی جانی ضروری ہے سزا بھی اس نے خود ہی تجویز کر دی کہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے یا اس کو سخت سزا دی جائے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اپنی صفائی پیش کرنا ضروری سمجھا اور فرمایا: **هَلْ رَاوَهُ فَنَفْسِي عَنْ نَفْسِي** کہ اس نے مجھے پھسلا یا اور غلط کام کرنے کا ارادہ کیا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص تہمت لگائے تو اس کا دفاع کرنا نشان بزرگی کے خلاف نہیں ہے بلکہ دفاع کرنا ضروری ہے کیونکہ مجرم بن کر رہنا مؤمن کی شان نہیں ہے اپنا دفاع کرتے ہوئے صحیح صورت بیان کرنے میں اگر تہمت لگانے والے کی طرف تہمت کا انتساب کرنا پڑے تو یہ بھی جائز ہے۔)

صورت حال دیکھ کر عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مجرم قرار نہیں دیا وہ ان کی نیک نفسی اور صالحیت سے واقف تھا وہ

برسوں سے اس کے گھر میں رہتے تھے اس کے پیش نظر جو ان کے احوال دیکھے تھے ان کو سامنے رکھتے ہوئے کسی طرح بھی اس کا موقع نہ تھا کہ وہ ان کو مجرم سمجھے اور اپنی بیوی کی تصدیق کرے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے جو یہ فرمایا

کہ اس عورت نے ہی مجھ سے اپنی خواہش ظاہر کی اس کے پیش نظر عورت ہی کو اول و ہلہ میں مجرم سمجھنا چاہئے تھا اور ممکن ہے کہ اس نے مجرم سمجھ بھی لیا ہو لیکن وہ خاموشی اختیار کر گیا البتہ غیب سے ایک گواہ نکل آیا اور وہ اسی عورت کے خاندان میں سے تھا یہ

گواہ ایک بچہ تھا وہ بچہ بول پڑا اور اس نے یوں کہا کہ یوسف کے کرتے کو دیکھو آگے سے پھاڑا گیا ہے یا پیچھے سے؟ اگر پیچھے سے پھاڑا گیا ہے تو سمجھ لیا جائے کہ یہ عورت اپنے اس دعوے میں جھوٹی ہے کہ یوسف نے مجھ پر حملہ کیا ہے اور یوسف سچے ہیں اور

اگر ان کا کرتہ آگے سے پھاڑا گیا ہے تو سمجھ لیا جائے کہ عورت سچی ہے اور یہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے عزیز مصر کو تو اصل صورت حال سمجھنے کی ضرورت ہی تھی اس نے فوراً حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے پر نظر ڈالی دیکھا تو کرتہ پیچھے سے پھاڑا گیا ہے

بس اس کی سمجھ میں آ گیا اور فوراً اس کے منہ سے یہ بات نکلی کہ یہ عورتوں والی مکاری ہے۔ کریں خود اور نام رکھیں دوسرے کا یہ کہہ کر اس نے اپنی عورت کو جھٹلادیا اور حضرت یوسف (علیہ السلام) کی تصدیق کر دی گواہی دینے والے نے جو یوں کہا تھا کہ کرتہ

دیکھا جائے اس کا مطلب یہ تھا کہ جب عورت نے اپنی خواہش ظاہر کی اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی جان گناہ سے بچانے کی کوشش کی اور راہ فرار اختیار فرمائی اور عورت نے ان کے کرتے کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچا تبھی تو کرتہ پھٹا اس کے پھٹنے کا ظاہری سبب

اور کوئی نہ تھا یہ جو سوال ذہن میں آتا ہے کہ وہاں تو ایک ہی عورت تھی جمع کی ضمیر کیوں لائی گئی اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں

عورتوں کا مزاج اور طبیعت اور خاصیت کی طرف اشارہ ہے اکیلی یہی عورت مکر اور فریب والی نہیں عموماً عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں اسی سے آخر میں یوں کہا: **إِنَّ كَيْدَ كُنَّ عَظِيمًا** (بلاشبہ تمہارا مکر بڑا ہے) اردو کے محاورہ میں اس مکر کو عورتوں کے چھل اور چالوں سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے بڑے بڑے چھل ہوتے ہیں کہ انسان انہیں دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ رسول اللہ (ﷺ) نے ایک مرتبہ عید کی نماز کو جاتے ہوئے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: **ما رایت اذہب لللب الرجل الحازم من احد اکن (ہوشمند آدمی کی عقل کو ختم کرنے میں میں نے تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا) (رواہ البخاری ص ۱۹۷ ج ۱) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: **ترکت بعدی فتنہ ہی اضر علی الرجال من النساء** کہ میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو ضرر دینے میں عورتوں سے بڑھ کر ہو (رواہ البخاری موسم کافی المجلد ۱ ص ۲۶۷) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا **فاتقوا الدنيا واتقوا النساء فان اول فتنۃ بنی اسرائیل كانت فی النساء** کہ دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو (یعنی ان دونوں کو سوچ سمجھ کر استعمال کرنا ان کے فریب میں نہ آ جانا) کیونکہ بنی اسرائیل کا جو سب سے پہلا فتنہ تھا اس کی ابتداء عورتوں ہی سے تھی۔ (رواہ مسلم ص ۳۵۲ ج ۲) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: **النساء حباثل الشیطن (کہ عورتیں شیطان کے جال ہیں) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۴۱) شیطان ان کے ذریعے بہکا تا ہے اور گمراہ کرتا ہے اور گناہوں پر آمادہ کرتا ہے۔****

جس گواہ نے گواہی دی اس نے یہ تو نہیں کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ عورت نے یوں کیا بلکہ اس نے ایک ایسی بات کہہ دی جو عورت کے مجرم ہونے پر دلالت کرتی تھی یعنی کرتے کا پھٹا ہونا اس کو گواہی سے تعبیر فرمایا: **قال صاحب الروح وسمی شہاداً لانہ ادی تادیتہ فی ان ثبت بکلامہ قول یوسف وبطل قولہا وقیل سمی بذلک من حیث دل علی الشاہد و هو تخریق القمبص۔**

یہ گواہی دینے والا کون تھا اس کے بارے میں مستدرک حاکم میں ایک حدیث ہے پہلے تو صاحب مستدرک نے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے بیان فرمایا کہ جس رات کو مجھے معراج کرائی گئی تو مجھے ایک خوشبو محسوس ہوئی میں نے دریافت کیا کہ یہ کیسی خوشبو ہے بتانے والوں نے (یعنی فرشتوں) نے بتایا کہ جو عورت فرعون کی بیٹی اور اس کی اولاد کی کنگھی کیا کرتی تھی یہ اس کی خوشبو ہے ایک دن کنگھی کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے کنگھی گر گئی اس پر اس نے بسم اللہ کہا فرعون کی بیٹی نے کہا یہ تو نے کس کا نام لیا، کیا تو نے میرے باپ کا نام نہیں لیا اس نے کہا میں نے اس کا نام لیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تیرا بھی رب ہے اور تیرے باپ کا بھی رب ہے کہنے لگی کہ میں یہ بات اپنے باپ کو بتا دوں گی اس عورت نے کہا ہاں بتاؤ فرعون کی بیٹی نے اپنے باپ کو یہ بات بتادی اس پر فرعون نے اس عورت کو اور اس کے بچوں کو بلایا تاکہ انہیں قتل کر دے اس عورت نے فرعون سے کہا کہ میری ایک حاجت ہے وہ پوری کر دینا فرعون نے کہا وہ کیا حاجت ہے؟ اس عورت نے کہا کہ میری اور میرے بچوں کی ہڈیوں کو دفن کر دینا فرعون نے اس کا اقرار کر لیا پھر اس کے بچوں کو لایا گیا اور ایک ایک کر کے قتل کر کے گڑھے یا آگ میں ڈالا جاتا رہا، یہاں تک کہ جب آخری بچہ رہ گیا جو چھوٹا دودھ پیتا بچہ تھا تو اس نے کہا کہ اے میری ماں صبر کیجئے کیونکہ آپ حق پر ہیں اس کے بعد اس عورت کو اس چھوٹے بچے کے ساتھ ڈال دیا گیا یہ بیان

فرمایا کہ ارشاد فرمایا کہ چار چھوٹے بچے ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اپنے چھوٹے ہونے کے زمانہ میں بات کی ہے ان میں سے ایک تو یہی بچہ تھا یعنی کنکلی کرنے والی کا بچہ دوسرا یوسف علیہ السلام کے بارے میں گواہی دینے والا، تیسرے جرج (راہب کی براءت ظاہر کرنے) والا چوتھے عیسیٰ ابن مریم (قال الحاکم هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه ووافقه الذہب مستدرک حاکم ص ۱۹۶-ج ۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں گواہی دی تھی وہ ایک چھوٹا بچہ تھا جو بولنے کی عمر کو نہیں پہنچا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی قوت دی اور اس نے گواہی دے دی جو آیت شریفہ میں مذکور ہے اس گواہی دینے والے کے بارے میں قین اہلیہا بھی فرمایا ہے کہ یہ گواہ اس عورت کے خاندان سے تھا اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اس عورت کی خالہ کا بیٹا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے چچا کا بیٹا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔ معاملہ کی صورت حال سمجھنے کے بعد عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف توجہ کی اور اس نے درخواست کی کہ (یُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا) اے یوسف اس بات سے اعراض کرنا یعنی اسے یہیں تک رہنے دینا اور آگے مت بڑھانا کسی سے نہ کہنا پھر اپنی بیوی سے کہا: **وَاسْتَغْفِرْ لِي ذَنْبِي** (کہ تو اپنے گناہ کے لیے استغفار کر) **(إِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخَاطِئِينَ)** (بلاشبہ تو خطا کرنے والوں میں سے ہے) معاملہ کی صورت حال سے اور گواہ کی گواہی سے ثابت ہو گیا کہ تو ہی گناہ گاروں میں سے ہے اصل گناہ تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بچنے اور پرہیز کرنے اور راہ فرار اختیار کرنے کی وجہ سے نہ ہو سکا لیکن گناہ کے لیے جو اس نے پکا اور مضبوط ارادہ کر لیا تھا وہ بھی گناہ ہی تھا پھر وہ بچھے دوڑی بھی تھی اور پکڑنے کی کوشش بھی کی تھی لہذا اپنی نیت اور عمل دونوں کے اعتبار سے گناہ گار ہوئی صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے اور کانوں کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چلنا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ سے سچایا جھوٹا کر دیتی ہے یعنی گناہ کی آخری حد کا موقع لگ گیا تو شرمگاہ سے صادر ہو جاتا ہے مگر اس سے پہلے کی کوششیں گناہ میں شمار ہو جاتی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ تو مسلمان نہیں تھے پھر استغفار کرنے کے لیے کیوں کہا؟ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ وہ لوگ اگرچہ بتوں کو پوجتے تھے لیکن خالق کے وجود کا بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ بہت سی چیزیں گناہ ہیں اور ان گناہوں کی سزا بھی ملتی ہے صاحب روح المعانی کا یہ فرمانا درست ہے کہ مشرکین خالق کو بھی مانتے ہیں اور بہت سی چیزوں کا گناہ ہونا ان کے ہاں معروف و مشہور ہے ہندوستان کے مشرکین میں یہ سب کچھ پایا جاتا ہے۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ مَضَرُ امْرَأَاتِ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ نَمِيزُوا أَيُّ دَخَلَ حُبَّهُ شَغَافَ قَلْبِهَا أَيُّ غَلَا فَا إِنَّا لَنُرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٥﴾ يَتَنَبَّأُ بِغَيْبِهَا إِنَاءً فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ غَابَتْ عَنْهَا أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكًا طَعَامًا يُفْطَعُ بِالنِّسَجِينِ لِلإِتِّكَاءِ عِنْدَهُ وَهُوَ الْأَثْرُجُ وَأَتَتْ أُعْطَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ ابْنُ يُوسُفَ أَخْرَجْ

عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ أَعْظَمْنَهُ وَقَطَعْنَ أَيْدِيَهُنَّ بِالسَّكَاكِينِ وَلَمْ يُشْعُرْنَ بِالْأَلَمِ لَشَعْلٍ قَلْبِهِنَّ
 بِيُوسُفَ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ تَنْزِيهَا لَهُ مَا هَذَا أَيْ يُوسُفَ بَشْرًا إِنَّ مَا هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ۝ لِمَا حَوَاهُ
 مِنَ الْحُسْنِ الَّذِي لَا يَكُونُ عَادَةً فِي التَّسْمِيَةِ الْبَشَرِيَّةِ وَفِي الصَّحِيحِ إِنَّهُ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ قَالَتْ
 امْرَأَةُ الْعَزِيزِ لَمَارَأَتْ مَا حَلَّ بِهِمْ فَذَلِكَ لَكِنَّ هَذَا هُوَ الَّذِي لَمْ تُدْرِكْ فِيهِ فَمِنْ حُبِّهِ بَيَانُ لِعُدْرَتِهَا وَكَقَدَّ
 رَأَوْدَتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعَصَمَ ۝ امْتَنَعَ وَكَيْفَ لَمْ يَفْعَلْ مَا امْرَأَةُ لَيْسَجَنْ وَكَيْفَ لَمْ يَكُنْ مِنَ
 الصَّغِيرِينَ ۝ الذَّلِيلِينَ فَقُلْنَ لَهُ اطَّعْ مَوْلَاتِكَ قَالَ رَبِّ السِّجْنِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَيِّ دُعُونِي إِلَيْهِ ۝ وَإِلَّا
 تَصْرِفُ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ أَمِلْ إِلَيْهِنَّ وَ أَكُنْ أَجْرٌ مِنَ الْجَهْلِينَ ۝ مِنَ الْجَهْلِينَ ۝ الْمَذْنِبِينَ
 وَالْقَصْدُ بِذَلِكَ الدُّعَاءِ فَلَمَّا قَالَ تَعَالَى فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ دُعَاؤَهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۝ إِنَّهُ هُوَ
 السَّمِيعُ الْغَلُوقُ الْعَلِيمُ ۝ بِالْفِعْلِ ثُمَّ بَدَأَ ظَهَرَ لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوْا الْآيَاتِ الدَّلَالَتِ عَلَى بَرَاءَةِ
 يُوسُفَ أَنْ يَتَسَجَّنُوهُ دَلَّ عَلَى هَذَا كَيْسَجَّنُوهُ حَتَّىٰ إِلَىٰ حِيلِينَ ۝ يَنْقَطِعُ فِيهِ كَلَامُ النَّاسِ فَسَجَّنَ

۱۱۱

ترجمہ: (خطا کار ہے، یہ خبر پھیل کر مشہور ہو گئی) اور شہر (مصر) کی چند عورتیں کہنے لگیں دیکھو عزیز کی بیوی اپنے غلام پر
 ڈورے ڈالنے لگی کہ اسے رجھالے وہ اس کی چاہت میں دل ہار گئی (تیز واقع ہے یعنی اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی)
 ہمارے خیال میں تو وہ صریح بد چلنی میں پڑ گئی (اس سے محبت کر کے کھلی غلطی کر رہی ہے) جب عزیز مصر کی بیوی نے مکاری
 (اپنی نیت) کی یہ باتیں سنیں تو انہیں بلوا بھیجا اور ان کے لئے مسندیں آراستہ کیں (ایسی کھانے کی چیز جو ٹیک لگائے ہوئے
 چھری سے کاٹ کر کھائی جاسکتی ہے یعنی ترخ) اور ہر ایک کو ایک ایک چھری پیش کر دی پھر (یوسف سے) کہا ان سب کے
 سامنے نکل آؤ جب عورتوں نے یوسف کو دیکھا حیران (دنگ رہ گئیں) اور اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں (چاقو سے اور یوسف کی
 طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے انہیں تکلیف کا احساس تک نہیں ہوا) اور پکار اٹھیں "سبحان اللہ" یہ تو انسان نہیں ہے ضرور ایک
 فرشتہ ہے بڑے رتبہ کا (کیونکہ ان کے پاس وہ حسن تھا کہ جو عموماً انسان کے پاس نہیں ہوتا اور حدیث صحیح میں ہے کہ یوسف کو
 آدھا حسن عطا کیا گیا) بولی (عزیز مصر کی بیوی ان عورتوں کی بدحواسی دیکھ کر) یہ ہے وہ آدمی جس کی (محبت کے) بارے میں
 تم نے مجھے طعنہ دئے تھے (اس کے غدر کا بیان ہے) ہاں بے شک میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا مگر وہ بے قابو
 نہ ہوا (بچار ہا) اور اگر آئندہ یہ میرا کہنا نہیں مانے گا تو ضرور قید کیا جائے گا اور بے عزت بھی ہوگا (عورتیں یوسف کو سمجھانے
 لگیں کہ اپنی مالکہ کا کہنا مان لینا چاہئے) یوسف نے اللہ کے حضور دعا کی کہ خدایا! مجھے قید میں رہنا اس بات سے کہیں زیادہ
 پسند ہے جس کی طرف یہ عورتیں بلا رہی ہیں اگر آپ نے ان کی مکاریوں کے دام سے نہ بچایا تو عجب نہیں میں ان کی طرف

جسک پڑوں اور نادانی کا کام کر بیٹھوں (کو تائی کرنے والوں میں ہو جاؤں اس سے دعا مقصود ہے اسی لئے اللہ نے فرمایا سر ان کے پروردگار نے ان کی (دعا) سن لی اور ان عورتوں کے داؤ بیچ سے بچا لیا بلاشبہ وہی ہے (دعا) کا سننے والا اور (کاموں کو) خوب جاننے والا پھر مختلف علامات دیکھ کر (جو یوسف کے بے قصور ہونے پر دلالت کرتی تھیں انہیں جیل بھیجنا ہی مناسب معلوم ہوا جیسا کہ اگلے جملہ سے معلوم ہو رہا ہے) مناسب معلوم ہوا کہ انہیں قید کر دیا جائے ایک مدت تک (کہ جس میں لوگوں کی چہ میگوئیاں کم ہو جائیں) چنانچہ انہیں قید کر دیا گیا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قولہ: **تُرَاوِدُ فَتَاهَا**: یعنی وہ اپنے غلام سے اپنی شہوت کو پورا کرانا چاہتی ہے۔
- قولہ: **تَمَيِّزٌ**: اس سے اشارہ کیا کہ شغف کا مفعول نہیں شغف اس محبت کو کہتے ہیں جو دل کے پردے تک پہنچ جائے۔
- قولہ: **غَيْبَتِهِنَّ**: غیبت کو غیر موجودگی کی وجہ سے مکر کہا۔
- قولہ: **يُقَطِّعُ بِالسِّكِّينِ**: کاٹنے والا کاٹنے وقت اس پر سہارا لگا سکے۔
- قولہ: **لِلْأَيْكَةِ**: کھانے کو **مَشْكَا** کہا ان کے ہاں ٹیک لگا کر کھانے کا رواج تھا۔
- قولہ: **أَعْطَتْ**: یہ تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ یہ اتنا سے اتیان سے نہیں۔
- قولہ: **بِالْأَلِيمِ لِشَغْلٍ**: اس سے اشارہ کیا کہ قطع سے زخم مراد ہے۔ ابانت و اظہار مراد نہیں بلکہ یہ مجاز ہے۔
- قولہ: **تَنْزِيهَا لَهُ**: یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اظہار تعجب ہے کہ اس نے اس کو اس جیسا بنایا ہے۔ ماشاء کا لفظ تنزیہ کے لئے اور لام بیان ہے۔
- قولہ: **مَا**: اس سے اشارہ کیا کہ ان نافیہ ہے۔
- قولہ: **فَهَذَا هُوَ**: زک کو خدا کی جگہ لانے تاکہ مشار الیہ کے مرتبہ کو ظاہر کیا جائے۔
- قولہ: **فِي حَبِيَّةٍ**: یہاں مضاف محذوف ہے۔
- قولہ: **رَبُّهُ**: امرہ کی ضمیر ماکہ طرف راجع ہے اور وہ موصولہ ہے۔ اس کا معنی ما امرہ بہ پس جار کو حذف کر دیا۔
- قولہ: **بِذَلِكَ الدُّعَاءِ**: کیونکہ یوسف **رَبُّهُ** کا قول۔ **إِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي**: یہ طلب صرف ہی دعا ہے۔
- قولہ: **أَنْ يَسْجَنُوهُ**: اس سے اشارہ ہے کہ بد ا کا قائل مقدر ہے۔ یہ ان کی وجہ سے مصدری معنی میں ہے۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ لِيُتَوَكَّفِي الْمَدِينَةَ.....

داستان عشق اور حسینان مصر:

اس داستان کی خبر شہر میں ہوئی، چہچہ ہونے لگے، چند شریف زادوں نے نہایت تعجب و حقاقت سے اس قصے کو دہرایا کہ دیکھو عزیز کی بیوی ہے اور ایک غلام پر جان دے رہی ہے، اس کی محبت کو اپنے دل میں جمائے ہوئے ہے۔ شغف کہتے ہیں حد سے گذری ہوئی قائل محبت کو اور شغف اس سے کم درجے کی ہوتی ہے۔ دل کے پردوں کو عورتیں شغاف کہتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ عزیز کی بیوی صریح غلطی میں پڑی ہوئی ہے۔ ان غیبتوں کا پتہ عزیز کی بیوی کو بھی چل گیا۔ یہاں لفظ مکر اس لیے بولا گیا ہے کہ بقول بعض خود ان عورتوں کا یہ فی الواقع ایک کھلا کر تھ۔ انہیں تو دراصل حسن یوسف کے دیدار کی تمنا تھی یہ تو صرف ایک حیلہ بنایا تھا۔ عزیز کی بیوی بھی ان کی چال سمجھ گئی اور پھر اس میں اس نے اپنی معزوری کی مصلحت بھی دیکھی تو ان کے پاس اسی وقت بلاوا بھیج دیا کہ فلاں وقت آپ کی میرے ہاں دعوت ہے۔ اور ایک مجلس، محفل، اور بیٹھک درست کر لی جس میں پھل اور میوہ بہت تھا۔ اس نے تراش تراش کر چھیل چھیل کر کھانے کے لیے ایک ایک تیز چاقو سب کے ہاتھ میں دید یا یہ تھا ان عورتوں کے دھوکے کا جواب انہوں نے اعتراض کر کے جمال یوسف دیکھنا چاہا اس نے آپ کو معذور ظاہر کرنے اور ان کے مکر کو ظاہر کرنے کے لیے انہیں خود زخمی کر دیا اور خود ان ہی کے ہاتھ سے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ آپ آئیے۔ انہیں اپنی مالک کا حکم ماننے سے کیسے انکار ہو سکتا تھا؟ اسی وقت جس کمرے میں تھے وہاں سے آگئے۔ عورتوں کی نگاہ جو آپ کے چہرے پر پڑی تو سب کی سب دہشت زدہ رہ گئیں۔ ہیبت و جلال اور رعب حسن سے بے خود ہو گئیں اور بجائے اس کے کہ ان تیز چلنے والی چھریوں سے پھل کٹتے ان کے ہاتھ اور انگلیاں کٹنے لگیں۔ حضرت زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ضیافت باقاعدہ پہلے ہو چکی تھی اب تو صرف میوے سے تواضع ہو رہی تھی۔ بیٹھے ہاتھوں میں تھے، چاقو چل رہے تھے جو اس نے کہا یوسف کو دیکھنا چاہتی ہو؟ سب یک زبان ہو کر بول اٹھیں ہاں ہاں ضرور۔ اسی وقت حضرت یوسف سے کہلوا بھیجا کہ تشریف لائیے۔ آپ آئے پھر اس نے کہا جائیے آپ چلے گئے۔ آتے جاتے سامنے سے پیچھے سے ان سب عورتوں نے پوری طرح آپ کو دیکھا دیکھتے ہی سب سکتے میں آگئیں ہوش حواس جاتے رہے بجائے لیموں کاٹنے کے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ اور کوئی احساس تک نہ ہوا ہاں جب حضرت یوسف چلے گئے تب ہوش آیا اور تکلیف محسوس ہوئی۔ تب پتہ چلا کہ بجائے پھل کے ہاتھ کاٹ لیا ہے۔ اس پر عزیز کی بیوی نے کہا دیکھا ایک ہی مرتبہ کے جمال نے تو تمہیں ایسا از خود رفتہ کر دیا پھر بتاؤ میرا کیا حال ہوگا۔

عورتوں نے کہا اللہ یہ انسان نہیں۔ یہ تو فرشتہ ہے اور فرشتہ بھی بڑے مرتبے والا۔ آج کے بعد ہم کبھی تمہیں ملامت نہ کریں گی۔ ان عورتوں نے حضرت یوسف جیسا تو کہاں ان کے قریب ان کے مشابہ بھی کوئی شخص نہیں دیکھا تھا۔ آپ کو آدھا حسن قدرت نے عطا فرما رکھا تھا۔ چنانچہ معراج کی حدیث میں ہے کہ تیسرے آسمان میں رسول اللہ (ﷺ) کی ملاقات

ت یوسف علیہ السلام سے ہوئی جنہیں آدھا حسن دیا گیا تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت یوسف اور آپ کی والدہ صاحبہ کو آدھا
 ن قدرت کی نیا بیویوں نے عنایت فرمایا تھا۔ اور روایت میں تہائی حسن یوسف کو اور آپ کی والدہ کو دیا گیا تھا۔ آپ کا چہرہ کل
 طرح روشن تھا۔ جب کبھی کوئی عورت آپ کے پاس کسی کام کے لیے آتی تو آپ اپنا منہ ڈھک کر اس سے بات کرتے کہ کبھی
 فتنے میں نہ پڑ جائے اور روایت میں ہے کہ حسن کے تین حصے کئے گئے تمام لوگوں میں دو حصے تقسیم کئے گئے اور ایک حصہ
 رف آپ کو اور آپ کی ماں کو دیا گیا۔ یا جن کی دو تہائیاں ان ماں بیٹے کو ملیں اور ایک تہائی میں دنیا کے تمام لوگ اور روایت
 میں ہے کہ حسن کے دو حصے کئے گئے ایک حصے میں حضرت یوسف اور آپ کی والدہ حضرت سارہ اور ایک حصے میں دنیا کے اور
 سب لوگ۔ سبیلی میں ہے کہ آپ کو حضرت آدم کا آدھا حسن دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے کمال
 صورت کا نمونہ بنایا تھا اور بہت ہی حسین پیدا کیا تھا۔ آپ کی اولاد میں آپ کا ہم پلہ کوئی نہ تھا اور حضرت یوسف کو ان کا آدھا
 حسن دیا گیا تھا۔ پس ان عورتوں نے آپ کو دیکھ کر ہی کہا کہ معاذ اللہ یہ انسان نہیں ذی عزت فرشتہ ہے۔ اب عزیز کی بیوی نے
 کہا اتلہ و اب تو تم مجھے عذر والی سمجھو گی؟ اس کا جمال و کمال کیا ایسا نہیں کہ صبر و برداشت چھین لے؟ میں نے اسے ہر چند اپنی
 طرف مائل کرنا چاہا لیکن یہ میرے قبضے میں نہیں آیا اب سمجھو کہ جہاں اس میں یہ بہترین ظاہری خوبی ہے وہاں عصمت و عفت
 کی یہ باطنی خوبی بھی بے نظیر ہے۔ پھر دھمکانے لگی کہ اگر میری بات یہ نہ مانے گا تو اسے قید خانہ بھگتتا پڑے گا۔ اور میں اس کو
 بہت ذلیل کروں گی۔

اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے اس ڈھونگ سے اللہ کی پناہ طلب کی اور دعا کی کہ یا اللہ مجھے جیل خانے جانا
 پسند ہے مگر تو مجھے ان کے بد ارادوں سے محفوظ رکھ ایسا نہ ہو کہ میں کسی برائی میں پھنس جاؤں۔ اے اللہ تو اگر مجھے بچالے تب تو
 میں بچ سکتا ہوں ورنہ مجھ میں اتنی قوت نہیں۔ مجھے اپنے کسی نفع نقصان کا کوئی اختیار نہیں۔ تیری مدد اور تیرے رحم و کرم کے بغیر نہ
 میں کسی گناہ سے رک سکوں نہ کسی نیکی کو کر سکوں۔ اے باری تعالیٰ میں تجھ سے مدد طلب کرتا ہوں، تجھی پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ تو
 مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر دے کہ میں ان عورتوں کی طرف جھک جاؤں اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ کریم و
 قادر نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو بال بال بچالیا، عصمت عطا فرمائی، اپنی حفاظت میں رکھا اور برائی سے آپ
 بچے ہی رہے۔ باوجود بھرپور جوانی کے باوجود بے انداز حسن و خوبی کے، باوجود ہر طرح کے کمال کے، جو آپ میں تھا، آپ اپنی
 خواہش نفس کی بے جا تکمیل سے بچتے رہے۔ اور اس عورت کی طرف رخ بھی نہ کیا جو رئیس زادی ہے۔ رئیس کی بیوی ہے، ان کی
 مالک ہے، پھر بہت ہی خوبصورت ہے، جمال کے ساتھ ہی مال بھی ہے، زیاست بھی ہے، وہ اپنی بات کے ماننے پر انعام و
 اکرام کا اور نہ ماننے پر جیل کا اور سخت سزا کا حکم سنا رہی ہے۔ لیکن آپ کے دل میں اللہ کے خوف سمندر موجزن ہے، آپ اپنے
 اس دنیوی آرام کو اور اس عیش اور لذت کو نامربط پر قربان کرتے ہیں اور قید و بند کو اس پر ترجیح دیتے ہیں کہ اللہ کے عذابوں سے
 بچ جائیں اور آخرت میں ثواب کے مستحق بن جائیں۔ بخاری مسلم میں ہے رسول اللہ (ﷺ) فرماتے ہیں سات قسم کے لوگ
 ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ عذوبل اپنے سائے تلے سایہ دے گا جس دن کوئی سایہ ہو اس کے سائے کے نہ ہوگا۔ (۱) مسلمان عادل
 بادشاہ (۲) وہ جوان مرد و عورت جس نے اپنی جوانی اللہ کی عبادت میں گزاری (۳) وہ شخص جس کا وہ مسجد میں اٹکا ہوا جب

مسجد سے نکلے مسجد کی دھن میں رہے یہاں تک کہ پھر وہاں جائے (۴) وہ شخص جو آپس میں محض اللہ کے لیے محبت رکھتے ہیں
 اس پر جمع ہوتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں (۵) وہ شخص جو صدقہ دیتا ہے لیکن اس پوشیدگی سے کہ دائیں ہاتھ کے خرچے کی خبر
 بائیں ہاتھ کو نہیں ہوتی (۶) وہ شخص جسے کوئی جاہ و منصب والی جمال و صورت والی عورت اپنی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں
 اللہ سے ڈرتا ہوں (۷) وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا پھر اس کی دونوں آنکھیں بہہ نکل۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ ۖ غُلَامَانِ لِلْمَلِكِ أَحَدُهُمَا سَاقِيهِ وَالْآخَرُ صَاحِبُ طَعَامِهِ فَرَأَاهُ يُعْبِئُ
 الزُّرِّيَّاتِ فَقَالَ لِنَحْبِرَنَّهُ قَالَ أَحَدُهُمَا السَّاقِي إِيَّيْ أَرِنِي أَعْصِرُ خَمْرًا أَيْ عَيْنًا وَقَالَ الْآخَرُ صَاحِبُ
 الصَّغَامِ إِيَّيْ أَرِنِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَبَيْتُنَا خُبْرًا نَأْتَاوِيلَهُ ۖ بَتَّعْبِيرِهِ إِنَّا تَرَكْنَا
 مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ الْهُمَا مُخْبِرَا أَنَّهُ عَالِمٌ بِتَعْبِيرِ الزُّرِّيَّاتِ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقْنِيهِ فِي مَتَا مَكْمَا إِلَّا
 نَبَاتِكُمَا بِتَاوِيلِهِ فِي الْبَقْظَةِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۖ تَاوِيلُهُ ذَلِكُمَا مِنَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۖ فِيهِ حَتْ عَلَى
 إِيْمَانِهِمَا ثُمَّ قَرَأَهُ بِقَوْلِهِ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ دِينِ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ تَاكِيْدٌ بِالْآخِرَةِ هُمْ
 كَفَرُونَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ
 مِنْ زَائِدَةٍ شَيْءٍ ۖ لِعِضْمَتِنَا ذَلِكَ التَّوْحِيدُ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
 رَهْمُ الْكُفَّارِ لَا يَشْكُرُونَ ۝ اللَّهُ فَيُشْرِكُونَ ثُمَّ صَرَخَ بِدُعَائِهِمَا إِلَى الْإِيْمَانِ فَقَالَ لِصَاحِبِي سَاكِنِي
 السِّجْنَ ۖ أَرَبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ أَوَّحِدُ الْقَهَّارُ ۖ خَيْرٌ أَسْتَفْهَمْتُ نَقْرِي مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ
 أَيْ غَيْرِهِ إِلَّا أَسْبَاءَ سَمَّيْتُمُوهَا سَمَّيْتُمْ بِهَا أَضْنَا مَا أَنْتُمْ وَأَيَّاكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا بَعْبَادَتِهَا
 مِنْ سُلْطِنٍ ۖ حُجَّةٌ وَبُرْهَانٌ إِنْ مَا الْحُكْمُ الْقَضَاءُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ وَحُدَّةٌ أَمْرٌ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۖ ذَلِكَ
 التَّوْحِيدُ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ وَهُمْ الْكُفَّارُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ مَا يَصِيرُونَ إِلَيْهِ مِنَ الْعَذَابِ
 فَيُشْرِكُونَ لِصَاحِبِي السِّجْنَ أَمَّا أَحَدُكُمَا أَيِ السَّاقِي فَيُخْرِجُ بَعْدَ ثَلَاثِ فَيَسْقِي رَبَّهُ سَبْدَةَ خَمْرًا
 عَلَى عَادَتِهِ هَذَا تَاوِيلُ زُرِّيَّاتِهِ وَ أَمَّا الْآخَرُ فَيُخْرِجُ بَعْدَ ثَلَاثِ فَيُصَلِّبُ فَيَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ۖ هَذَا
 تَاوِيلُ زُرِّيَّاتِهِ فَقَالَ مَا رَأَيْنَا شَيْئًا فَقَالَ قُضِيَ ثُمَّ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ نَسْتَفْتِيَنَّ ۝ عَنْهُ سَأَلْنَا صَدَقْتُمَا أَمْ

تَرْجُمَتُهُ: اور اس کے ساتھ دو غلام اور بھی قید خانہ میں داخل ہوئے (بادشاہ کے دو غلام ان میں سے ایک بادشاہ کا ساتھی تھا اور دوسرا اس کا باورچی ان دونوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ خواب کی تعبیر دیتے ہیں تو کہنے لگے کہ ہم بھی ذرا اس کو آنا کر دیکھیں گے) ان میں سے ایک (ساتی) بولا میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ شراب (انگور) پھرتا ہوں دوسرے (کھانے کے منتظم) نے کہا مجھے ایسا دکھائی دیا کہ سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے کھا رہے ہیں ہمیں اس خواب کی تعبیر بتائیے آپ ہمیں بھلے آدمی دکھائی دیتے ہیں یوسف نے (ان دونوں کو یہ بتاتے ہوئے کہ وہ خواب کی تعبیر سے واقف کار ہیں) کہا تمہارا کھانا جو تمہیں (خواب میں) کھانے کے لئے ملا تھا میں تمہیں اس کی حقیقت بتا دوں گا (بیداری کی حالت میں) اس تعبیر کے ظاہر ہونے سے پہلے یہ علم ہے کہ کھانا یا مجھ کو میرے رب نے (اس کلام میں ان باتوں کے ماننے کی ترغیب ہے آگے اس کی تائید کے لئے ارشاد ہے) میں نے ان لوگوں کا طریقہ (اپنی قوم کا مذہب) چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے، ورنہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں میں نے اپنے باپ دادوں یعنی براہیم، اسحاق، یعقوب کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے اور ہم ایسا نہیں کر سکتے (ہمارے لئے زیبا نہیں) کہ کس چیز (من زائدہ ہے) کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں (معصوم ہونے کی وجہ سے) یہ (توحید) ہم پر اور سب لوگوں پر اللہ کا ایک فضل ہے لیکن اکثر لوگ (کفار) احسان نہیں مانتے اللہ کا، شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، پھر واضح انداز میں ان دونوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا اے قید خانہ کے ساتھیو! بھلا کوئی معبود جدا جدا بہتر ہے یا اللہ اکیلا زبردست) وہ اچھا ہے یہ استفہام اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے ہے "استفہام تقریری" تم تو اللہ کو چھوڑ کر ایسے ناموں کی پوجا کرتے ہو (جنہیں تم بت کہتے ہو) جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھے ہیں اللہ نے ان کی (عبادت کی) کوئی سند (دلیل) نہیں اتاری حکم (فیصلہ) تو (تہا) اللہ ہی کے لئے ہے اس نے فرما دیا کہ صرف اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی کی نہ کرو یہی (توحید) سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ (کفار) نہیں جانتے (کہ انہیں کیسا عذاب ہوگا اس لئے وہ شرک میں لگے رہتے ہیں) اے قید خانہ کے ساتھیو! تم میں سے ایک آدمی (یعنی ساتی تین روز بعد اس قید خانہ سے رہا ہوگا) تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا اپنی عادت کے مطابق یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے) اور وہ دوسرا تین روز بعد رہا ہو کر سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچیں گے یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے دونوں کہنے لگے کہ ہم نے کچھ دیکھا ہی نہیں فرمایا) جس بات کے متعلق تم سوال کر رہے ہو (خواہ تم نے سچ بچ پوچھا یا جھوٹ) وہ اسی طرح مقدر (طے) ہو چکا ہے اور یوسف نے جس آدمی کی نسبت سمجھا تھا کہ نجات پائے گا (ساتی) اس سے کہا کہ اپنے آقا کے پاس جب جاؤ تو مجھے یاد رکھنا (اور اس سے کہنا کہ جیل خانہ کے اندر ایک قیدی کو ظلم سے گرفتار کر رکھا ہے لیکن جب ساتی رہا ہوا تو شیطان نے اس (ساتی) کو یوسف کا تذکرہ اپنے آقا کے سامنے کرنا بھلا دیا پس یوسف کئی برس (سات سال یا بارہ سال) قید خانہ میں رہے۔

عَلَّمَكَ يُوسُفُ فِي السِّجْنِ بِضَعِّ سِنِينٍ ﴿١٥﴾

تَرْجُمَتُهُ: اور اس کے ساتھ دو غلام اور بھی قید خانہ میں داخل ہوئے (بادشاہ کے دو غلام ان میں سے ایک بادشاہ کا ساتھی تھا اور دوسرا اس کا باورچی ان دونوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ خواب کی تعبیر دیتے ہیں تو کہنے لگے کہ ہم بھی ذرا اس کو آنا کر دیکھیں گے) ان میں سے ایک (ساتی) بولا میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ شراب (انگور) پھرتا ہوں دوسرے (کھانے کے منتظم) نے کہا مجھے ایسا دکھائی دیا کہ سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے کھا رہے ہیں ہمیں اس خواب کی تعبیر بتائیے آپ ہمیں بھلے آدمی دکھائی دیتے ہیں یوسف نے (ان دونوں کو یہ بتاتے ہوئے کہ وہ خواب کی تعبیر سے واقف کار ہیں) کہا تمہارا کھانا جو تمہیں (خواب میں) کھانے کے لئے ملا تھا میں تمہیں اس کی حقیقت بتا دوں گا (بیداری کی حالت میں) اس تعبیر کے ظاہر ہونے سے پہلے یہ علم ہے کہ کھانا یا مجھ کو میرے رب نے (اس کلام میں ان باتوں کے ماننے کی ترغیب ہے آگے اس کی تائید کے لئے ارشاد ہے) میں نے ان لوگوں کا طریقہ (اپنی قوم کا مذہب) چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے، ورنہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں میں نے اپنے باپ دادوں یعنی براہیم، اسحاق، یعقوب کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے اور ہم ایسا نہیں کر سکتے (ہمارے لئے زیبا نہیں) کہ کس چیز (من زائدہ ہے) کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں (معصوم ہونے کی وجہ سے) یہ (توحید) ہم پر اور سب لوگوں پر اللہ کا ایک فضل ہے لیکن اکثر لوگ (کفار) احسان نہیں مانتے اللہ کا، شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں، پھر واضح انداز میں ان دونوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا اے قید خانہ کے ساتھیو! بھلا کوئی معبود جدا جدا بہتر ہے یا اللہ اکیلا زبردست) وہ اچھا ہے یہ استفہام اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے ہے "استفہام تقریری" تم تو اللہ کو چھوڑ کر ایسے ناموں کی پوجا کرتے ہو (جنہیں تم بت کہتے ہو) جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھے ہیں اللہ نے ان کی (عبادت کی) کوئی سند (دلیل) نہیں اتاری حکم (فیصلہ) تو (تہا) اللہ ہی کے لئے ہے اس نے فرما دیا کہ صرف اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی کی نہ کرو یہی (توحید) سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ (کفار) نہیں جانتے (کہ انہیں کیسا عذاب ہوگا اس لئے وہ شرک میں لگے رہتے ہیں) اے قید خانہ کے ساتھیو! تم میں سے ایک آدمی (یعنی ساتی تین روز بعد اس قید خانہ سے رہا ہوگا) تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا اپنی عادت کے مطابق یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے) اور وہ دوسرا تین روز بعد رہا ہو کر سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچیں گے یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے دونوں کہنے لگے کہ ہم نے کچھ دیکھا ہی نہیں فرمایا) جس بات کے متعلق تم سوال کر رہے ہو (خواہ تم نے سچ بچ پوچھا یا جھوٹ) وہ اسی طرح مقدر (طے) ہو چکا ہے اور یوسف نے جس آدمی کی نسبت سمجھا تھا کہ نجات پائے گا (ساتی) اس سے کہا کہ اپنے آقا کے پاس جب جاؤ تو مجھے یاد رکھنا (اور اس سے کہنا کہ جیل خانہ کے اندر ایک قیدی کو ظلم سے گرفتار کر رکھا ہے لیکن جب ساتی رہا ہوا تو شیطان نے اس (ساتی) کو یوسف کا تذکرہ اپنے آقا کے سامنے کرنا بھلا دیا پس یوسف کئی برس (سات سال یا بارہ سال) قید خانہ میں رہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: **فَرَأَىٰ آيَةَ**: ان دونوں نے آپ کو خواب کی تعبیر کرتے پایا۔
- قوله: **عَيْنًا**: یہ مجاز ہے کیونکہ اسی انگوڑے ٹھوسے شراب بنتی ہے۔
- قوله: **مُخْتَبِرًا**: یہ قول اس بات کی وضاحت کے لئے فرمایا کہ مجھے تعبیر کا علم ہے۔
- قوله: **فِي مَنَا مِكْنَا**: اس سے مراد قید میں ملنے والا طعام نہیں۔
- قوله: **ذَلِكَمَّا**: اس سے تعبیر خواب کی طرف اشارہ ہے۔
- قوله: **التَّوْحِيدُ ذَلِك**: کوہذا کی جگہ مشارالیه توحید کی عظمت شان کی وجہ سے لائے۔
- قوله: **سَاكِنِي**: اس سے اشارہ کر دیا کہ قید کی طرف اضافت مجازی ہے جیسے یا سارق اللیلہ کہتے ہیں۔
- قوله: **خَبْرٌ**: اس سے اشارہ ہے اس کا مبتداء ہو یا لفظ اللہ محذوف ہے۔
- قوله: **اسْتَفْهَامٌ تَقْرِيرٌ**: اس کو صورت استفہام لائے تاکہ وہ طبعی تنفر میں مبتلا نہ ہوں۔
- قوله: **سَيِّدِكَ**: رب سے مراد خالق نہیں بلکہ مربی ہے۔
- قوله: **یعنی وہ بات جس کی طرف تمہارا معاملہ لوٹے گا۔ وہ ایک کی ہلاکت اور دوسرے کی نجات ہے۔**
- قوله: **یقین سے تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ یوسف علیہ السلام نے وحی سے یہ تعبیر بتلائی تھی جو قطعی یقینی ہے۔**
- قوله: **يُوسُفَ عِنْدَ رَبِّهِ**: مصدر کی اضافت رب کی طرف ادنیٰ ملاہست کی وجہ سے ہے۔

تفسیر مقبولین

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ ۖ

جیل میں دو قیدیوں کا خواب دیکھنا اور یوسف علیہ السلام سے تعبیر دینے کی درخواست کرنا:

جیسا کہ اوپر معلوم ہوا عزیز مہر کے مشورہ دینے والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں بھجوا دیا۔ اسی موقع پر دو جوان بھی جیل میں داخل ہوئے تھے اور ان کے علاوہ پہلے سے بھی قیدی موجود تھے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے عبادت گزار تھے خوش اخلاق تھے قیدیوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آتے تھے صالحین کے چہرے پر تو نور ہوتا ہی ہے پھر یہاں تو نور نبوت بھی تھا اور ظاہری حسن و جمال بھی بے مثال تھا قیدی لوگ دلدادہ ہو گئے یہاں تک کہ جیلر بھی بہت زیادہ متاثر ہوا اور کہنے لگا کہ اگر میں خود مختار ہوتا تو آپ کو جیل سے رہا کر دیتا ہاں اتنا کر سکتا ہوں کہ آپ کو اچھے طریقے پر رکھوں کوئی تکلیف نہ پہنچنے دوں۔ (ذکرہ المنوی فی معالم التریل ص ۲۶، ۲۷)

یہ دو جوان جو نئے نئے انیس دنوں جیل میں دخل ہوئے تھے ان کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ مصر کے کچھ لوگوں نے بادشاہ کو قتل کرانے کا منصوبہ بنایا تھا ان لوگوں نے ان دونوں کو استعمال کرنا چاہا ان میں سے ایک بادشاہ کا ساتھی تھا جو اسے پینے کی چیزیں پلایا کرتا تھا اور دوسرا خباز یعنی روٹی تیار کرنے والا تھا، منصوبہ بنانے والوں نے ان دونوں سے کہا کہ تم کھانے پینے کی چیزوں میں زہر ملا کر بادشاہ کو کھلا پلا دو، پہلے تو دونوں نے بات قبول کر لی کیونکہ رشوت کی پیش کش کی گئی تھی پھر ساتی تو منکر ہو گیا اور خباز نے رشوت قبول کر لی اور کھانے میں زہر ملا دیا، جب بادشاہ کھانے بیٹھا تو ساتی نے کہا کہ آپ کھانا نہ کھائیے کیونکہ اس میں زہر ہے اور خباز نے کہا آپ پینے کی کوئی چیز نہ پیجئے کیونکہ اس میں زہر ہے، بادشاہ نے ساتی سے کہا کہ تو یہ جو کچھ میرے پلانے کے لیے لایا ہے اس میں سے پی لے اس نے پی لیا تو کوئی نقصان نہ ہوا پھر بادشاہ نے خباز کو کہا کہ تو اس کھانے میں سے کھالے وہ انکاری ہو گیا پھر وہ کھانا ایک جانور کو کھلایا گیا وہ جانور کھا کر ہلاک ہو گیا بادشاہ نے ساتی اور خباز دونوں کو جیل بھجوا دیا (بھیجا تو چاہئے تھا صرف خباز کو لیکن تحقیق و تفتیش کی ضرورت سے ساتی کو بھی بھیج دیا) ان دونوں کو نظر پڑی ہوئی تھی کہ دیکھو کیا ہوتا ہے ہماری رہائی ہوتی ہے یا جان جاتی ہے اسی اثناء میں ان میں سے ایک نے خواب دیکھا کہ وہ انگور سے شیرہ نچڑ رہا ہے جس سے شراب بنائی جاتی ہے (یہ خواب دیکھنے والا بادشاہ کا ساتھی تھا) اور دوسرے یعنی (خباز) نے یہ خواب دیکھا کہ وہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے لے جا رہا ہے اور ان روٹیوں میں سے پرندے کھاتے جا رہے ہیں دونوں نے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا خواب پیش کیا اور تعبیر دینے کی خواہش ظاہر کی اور ساتھ ہی یوں بھی کہا کہ آپ ہمیں اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں اندازہ یہ ہے کہ آپ کی بتائی ہوئی تعبیر درست ہوگی، حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی تعبیر بتانے کا اقرار فرمایا لیکن پہلے توحید کی تبلیغ فرمائی۔ (سن معالم التنزیل)

تعبیر دینے سے پہلے یوسف علیہ السلام کا تبلیغ و سرمانا اور توحید کی دعوت دینا:

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام سے جب دونوں جوانوں نے اپنے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو ان سے فرمایا کہ میں کھانا آنے سے پہلے تمہارے خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا لیکن اس سے پہلے تم مجھے پچھانو کہ میں کون ہوں، عالم مبلغ اور داعی کا کام یہی ہے کہ وہ اپنے دعوت کے کام کے لیے طریقے سوچتا رہے اور راستہ نکالے اور ایسے موقع پر تو خاص طور پر موقع نکل آتا ہے جب کسی بے راہ کو مبلغ اور داعی کی ضرورت پڑ جائے، جب وہ اپنی حاجت لے کر آئے تو اس کو غنیمت جانے اور پہلے اپنی دعوت حق والی بات کہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی پر عمل کیا اور موقع مناسب جان کر توحید کی تبلیغ فرمادی، بظاہر تو یہ خطاب ان دونوں شخصوں کے لیے تھا جنہوں نے تعبیر پوچھی تھی لیکن حقیقت میں جیل کے تمام افراد کو توحید کی دعوت دینے کا راستہ نکل آیا کیونکہ ان دو شخصوں سے جو بات فرمائی وہ دوسرے قیدیوں بلکہ جیل کے عملہ سے چھپنے والی نہیں تھی اسی لیے خطاب میں سمیتم بیضہ جمع فرمایا سمیتما بیضہ شنیہ نہیں فرمایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اول تو اپنا تعارف کرایا کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اللہ کو نہیں مانتے اور آخرت کے منکر ہیں بلکہ میں اپنے باپ یعقوب اور دادا اسحاق و ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دین پر ہوں جو موحد تھے اور توحید کے داعی تھے اور شرک سے بہت دور تھے اور ساتھ ہی شرک کی برائی عقلی طور پر بھی بیان فرمائی کہ ہمیں یہ کسی طرح سے زیب نہیں دیتا کہ

اللہ کے سوا کسی بھی چیز کو اللہ کا شریک بنائیں جب اللہ نے پیدا کیا اور وہی رازق اور مالک ہے اور تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی اللہ ہی کی مخلوق ہے تو پھر یہ کون سی عقلمندی کی بات ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کی جائے مزید فرمایا کہ یہ جو اللہ نے ہمیں عقیدہ توحید کی نعمت سے نوازا ہے اور جو کچھ علم عطا فرمایا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر فضل ہے اور ہم پر ہی نہیں ان سب لوگوں پر بھی اس کا فضل ہے جو ہماری بات مانیں اور ہماری طرح موحد ہو جائیں اور ہمارے ساتھ توحید کی دعوت دینے میں شریک ہو جائیں ہر وہ شخص جسے اللہ نے کوئی بھی نعمت عطا فرمائی ہو اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو لیکن بہت سے لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

شرک کی مزید قباحت اور مذمت بیان کرتے ہوئے خود انہی پر ایک سوال ڈال دیا اور عقلی طور پر انہیں فکر مند بنا دیا تاکہ وہ غور کریں کہ ہم جو شرک میں لگے ہوئے ہیں یہ عقل کے بھی خلاف ہے آپ نے ان سے فرمایا کہ اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو تم ہی بتاؤ کہ یہ جو تم نے بہت سے معبود جدا جدا تجویز کر رکھے ہیں ان سب کی عبادت کرنا ٹھیک ہے یا صرف معبود حقیقی وحدہ لا شریک ہی کی عبادت میں مشغول رہنا ٹھیک ہے؟ ایک ایک کے سامنے ہاتھ نیچے پھر سونے کے بت کو بھی سجدہ کر دو اور چاندی کے بت کے سامنے بھی جھکو اور پیتل کے بت کے سامنے بھی ہاتھ باندھ کر عاجزانہ طور پر کھڑے ہو اور پتھر کے بت کے سامنے بھی ڈنڈوت کر دیکھ یہ کیا سمجھ داری ہے؟ یہ نہ ضرر دے سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں پھر ان کی عبادت سراپا بے وقوفی نہیں تو کیا ہے صرف اللہ واحد تمہارے عبادت کرنا لازم ہے میں نے اپنی بات کہہ دی تم بھی سوچو اور غور کرو۔

مزید فرمایا کہ تمہارے جو معبود ہیں یہ صرف نام ہی نام ہیں ان کے پیچھے حقیقت کچھ نہیں ہے ان کے نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے تجویز کئے اور خود ہی ان کو معبود بنا لیا ہے انہیں تو تمہاری عبادت کی خبر تک نہیں ہے اللہ تعالیٰ سب کا خالق اور مالک ہے ہر فیصلہ وہی معتبر ہے جو اس کی طرف سے ہو اس نے تو ان چیزوں کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی یہ جو کچھ غیر اللہ کی عبادت ہے سب تمہاری اپنی تراشیدہ باتیں ہیں اور باطل تخیلات ہیں اللہ تعالیٰ کا تو یہ حکم ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے عداوہ کسی کی عبادت نہ کرو یہ سیدھا راستہ ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے وہ اپنی جہالت سے شرک کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔

يٰۤاَصْحٰبِ السِّجْنِ ..

تعبیر خواب:

یہاں تک یوسف علیہ السلام کی نصیحت اور اشارات نبوت اور دعوت توحید کا بیان تھا کہ یوسف علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی اور توحید کی دعوت دی اب آگے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے ہیں۔ اے میرے دونوں قید خانہ کے ساتھیو تم دونوں کے خوابوں کی تعبیر یہ ہے کہ تم میں ایک تو یعنی ساقی اپنے آپ کو بدستور شراب پلایا کریگا یعنی وہ جرم سے بری ہو جائے گا اور پھر اپنے عہدہ پر بحال ہو جائیگا اور دوسرا یعنی نابنائی مجرم قرار پا کر سولی دیا جائیگا پھر پرندے اس کے سر سے گوشت لٹو لٹو کر کھا گئے ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ تعبیر سنی تو کہا کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا ہم تو دل لگی کرتے تھے یوسف علیہ السلام نے فرمایا فیصل ہو چکا وہ امر جس میں تم فتویٰ پوچھتے تھے کہ خواہ تم نے دیکھا یا نہیں دیکھا اب تو یونہی ہوگا جو اللہ کے نبی نے کہہ دیا یہ حکم قضا و قدر ہے جو کسی حیلہ و بہانہ سے بدل اور ٹل نہیں سکتا چنانچہ ایسا ہی ہوا مقدمہ میں ایک بری ثابت ہوا اور دوسرا مجرم دونوں کو جیل

خانہ سے بلایا گیا اور جب وہ جیل خانہ سے جانے لگے تو یوسف علیہ السلام نے دونوں قیدیوں میں سے فقط اس شخص سے جس کے حق میں ان کو کمان تھا کہ رہائی پائے گا یعنی ساتی سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا یعنی بادشاہ سے میری بیگناہی کا حال ذکر کرنا اور کہنا کہ ایک بے گناہ عرصہ سے جیل خانہ میں پڑا ہوا ہے۔

پھر است اعدراں زعدال غریبے۔ زعدل شاہ دوراں بے نصیبے

اس نے وعدہ کر لیا۔ پھر جب ساتی اپنے عہدہ پر بحال ہو گیا تو شیطان نے اس کو اپنے آقا کے سامنے یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا جب ساتی کو شہ ہی تقرب حاصل ہو گیا تو جیل خانہ کے وعدہ کو بھول گیا۔ حق جل شانہ کو یوسف علیہ السلام صدیق کا اس طرح درخواست کرنا ناپسند ہوا اس لیے شیطان کو ساتی کی یاد پر مسلط کر دیا کہ مدت تک اس کو یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا یاد نہ آ یا پس اس وجہ سے یوسف علیہ السلام اور چند سال قید خانہ میں رہے کہ صدیق کے شایان شان نہ تھا کہ وہ رہائی کے ایک ظاہری سبب پر نظر رکھے۔ اس کو تو چاہئے تھا کہ ہمتن مسبب الاسباب پر نظر رکھتا اس کے بعد سات برس اور قید میں رہے اور اول و آخر مل کر بارہ برس تک رہے اس طویل غلوت سے مقام تفویض و توکل کی تکمیل ہو گئی مخلوق سے دفع ضرر کی درخواست کرنا اگر چہ شرمناک ہے مگر انبیاء اور صدیقین کے لیے مناسب نہیں کہ وہ سوائے خدا کے کسی کی مدد پر نظر رکھیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّكُمْ حَقِّيْقًا حِيْنَ تَقُومُوْنَ لِلصَّلٰوةِ وَ حِيْنَ تَقُومُوْنَ فِي الْمَضَامِرِ وَ حِيْنَ تَقُومُوْنَ لِلْعَشَاۤءِ وَ حِيْنَ تَقُومُوْنَ لِلصُّبُوْحِ وَ حِيْنَ تَقُومُوْنَ لِلْعِشَاۤءِ وَ حِيْنَ تَقُومُوْنَ لِلصُّبُوْحِ وَ حِيْنَ تَقُومُوْنَ لِلْعِشَاۤءِ وَ حِيْنَ تَقُومُوْنَ لِلصُّبُوْحِ وَ حِيْنَ تَقُومُوْنَ لِلْعِشَاۤءِ

سَبِّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّكُمْ حَقِّيْقًا حِيْنَ تَقُومُوْنَ لِلصَّلٰوةِ وَ حِيْنَ تَقُومُوْنَ فِي الْمَضَامِرِ وَ حِيْنَ تَقُومُوْنَ لِلْعَشَاۤءِ وَ حِيْنَ تَقُومُوْنَ لِلصُّبُوْحِ وَ حِيْنَ تَقُومُوْنَ لِلْعِشَاۤءِ وَ حِيْنَ تَقُومُوْنَ لِلصُّبُوْحِ وَ حِيْنَ تَقُومُوْنَ لِلْعِشَاۤءِ

تَعْبِيْرُهَا اِنْ كُنْتُمْ لِلرِّءْوَاۤءِ تَعْبُرُوْنَ ۝ فَعْبُرُوْهَا قَالُوْا هٰذِهِ اَضْعَاثُ الْاٰخِلَاطِۙ وَ مَا نَحْنُ بِتَاۤوِيْلِ الْاٰخِلَاطِۙ بِعٰمِيْنَ ۝ وَ قَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَاۤ اٰمِيْنَ مِنَ الْفِتْنَةِ وَ هُوَ السَّقِيۙ وَ اٰذْكُرْ فِيْهِ اٰبَدًا

النَّبِيَّ بِحَقِّ الْاٰصْلِ دَالًا وَ اٰذْعَامَهَاۤى الدَّالِ اٰمِيْنَ تَذَكَّرْ بَعْدَ اَمَّتِهِ جِيْنَ حَالَ يُوْسُفَ اَنَا اَنْتُمْ كُمْ بِتَاۤوِيْلِهِ

فَاَرْسَلُوْنَ ۝ فَاَزْ سَلُوْهُ اِلَيْهِ فَاَنۢى يُوْسُفَ فَقَالَ يٰۤاَيُّهَا الصِّدِّیْقُ الْكَبِيْرُ الصِّدُوْقُ اَفْتِنَاۤى سَبِّحْ

بِقُرْبِ سَبَانَ يٰۤاَكْلُهُنَّ سَبِّحْ عِجَافٌ وَ سَبِّحْ سُبُّبِلِ خُصْرِ وَ اٰخِرَ يٰۤاَسْبِتِ لَعَلِّىْ اَرْجِعْ اِلَى النَّاسِ اٰى

الْمَلِكِ وَ اَصْحَابِهِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ تَعْبِيْرُهَا قَالَ تَزْرَعُوْنَ اٰى اِزْرَعُوْا سَبِّحْ سَبِّحْ سَبِّحْ دَابَّاءٌ بِسَكُوْنَ

الْهَمْزَةُ وَ فَتْحُهَا مُتَابِعَةٌ وَ هِىَ تَاوِيْلُ السَّبِّحِ السَّمَانَ فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوْهُ اَنْرُكُوْهُ فِى سُبُّبِلِهِ

لِقَلَابِنَسْدٍ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ فَاَزْ سَلُوْهُ ثُمَّ يٰۤاَبِيْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ اٰى السَّبِّحِ الْمُخَصَّبَاتِ سَبِّحْ

يَشَدُّ أَدْمُجِدْبَاتٍ صِعَابٍ وَهِيَ تَاوِيلُ الشَّبَعِ الْعِجَافِ يَا كَلِمَنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهَنَ مِنَ الْحَبِّ الْمَرْزُوعِ
 فِي السَّبِينِ الْمُخَصَّبَاتِ أَي تَا كَلُونَهُ فَيَهِنَنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ ﴿١١﴾ تَدَخِرُونَ ثُمَّ يَا قِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ
 أَي الشَّبَعِ الْمُجْدِبَاتِ عَامٌّ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ بِالْمَطَرِ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿١٢﴾ الْأَعْنَابُ وَغَيْرُهَا الْخَضِيه

ع ۱۱

ترجمہ: اور پھر ایسا ہوا کہ (مصر کے) بادشاہ (ریان بن ولید) نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں (یعنی میں نے خواب میں دیکھا) کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی جنہیں نگل رہی ہیں (کھا رہی ہیں) سات دہلی گائیں (عجاف عفاء کی جمع ہے) اور سات بالیں ہری ہیں اور دوسری (سات بالیں) سوکھی ہیں (جو ہری بالوں پر لپٹی جا رہی ہیں اور ان پر چھا گئی ہیں) اے دربار والو! بتاؤ مجھے میرے خواب کے بارے میں (تعبیر دو) اگر تم خواب کی تعبیر دینے والے ہو (تو اس کی تعبیر بتاؤ) درباری بولے یہ (باتیں) خیالی خواب ہیں اور ہم کو ایسے خوابوں کی تعبیر معلوم نہیں اور جس آدمی نے دو قیدیوں میں سے نجات پائی تھی (یعنی دونوں جوانوں میں سے ساتی) اسے یاد آیا (اصل میں تاء وادال سے بدل کر دال کا دال میں ادغال ہے یعنی تذکر) مدت کے بعد عرصہ کے بعد یوسف کا حال کہنے لگا میں اس خوب کی تعبیر کی خبر لائے دیتا ہوں ذرا مجھے جانے کی اجازت دیجئے (چنانچہ درباریوں نے اسے بھیج دیا اور اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جا کر عرض کیا) اے یوسف! اے سراپا صداقت! (بہت زیادہ سچا) اس خواب کا ہمیں حل بتا دیجئے کہ سات موٹی گائیں ہیں جنہیں سات دہلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور سات سوکھی ہیں تاکہ میں ان لوگوں (بادشاہوں اور درباریوں) کے پاس داؤس جا سکوں تاکہ انہیں بھی معلوم ہو جائے (اس خواب کی تعبیر) بولے تم کھتی کرتے رہو گے (غلہ بونا) سات برس تک جم کر (ہمزہ کے سکون اور فتح کے ساتھ یہ لفظ پڑھا گیا ہے یعنی لگا تار یہی مطلب ہے موٹی گائیوں کا) پھر جو فصل کاٹو اسے بالوں ہی میں رہنے دینا (تاکہ گھن نہ لگ جائے) مگر توڑا سا جو تم کھاؤ (اسے کھا لیا کرو) پھر اس کے بعد (یعنی سرسبزی کے سات سالوں کے بعد) سات برس بڑی سختی کے (تھپ سالوں کے انتہائی سخت سال) دہلی گائیوں کا مطلب یہی ہے کھا جائیں گے جو رکھاتم نے ان کے واسطے (پیداوار کے سالوں میں بوائے ہوئے غلہ کے دانوں میں سے یعنی ان خشک سال کے دنوں میں کھا لو گے) مگر توڑا سا جو تم بچا کر رکھ لو گے (ذخیرہ کر کے رکھ لو گے) پھر اس کے بعد (خشکی کے سات برسوں کے بعد) ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں پر خوب مینہ برسے گا (خوب بارش ہوگی) اور اس میں رس نچوڑیں گے (انگور وغیرہ کا زمین کے سیراب و شاداب ہونے کی وجہ سے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: رَأَيْتُ: مضارع کو ماضی کے حال کی حکایت کے لئے لایا گیا۔
 قولہ: قَدِ التَّوْتُ: اس نے اس کی حالت کے بیان سے بے پردائی اختیار کرتے ہوئے بقرات کے حال کو بیان

- کرنے پر اکتفاء کیا۔
- قوله: **فَعَبِّرْ وَهَآءِ**: یہ شرط کی جزاء ہے۔
- قوله: **الْخَلَاطِ**: باطل باتیں، حدیث نفس یا وساوس شیطانی اغصاٹ۔ ملی جلی نباتات کا مٹھا۔ یہاں مبالغہ کیلئے جمع لاسے۔
- قوله: **جِئِن**: امت سے لوگوں کی جمع مراد نہیں بلکہ زمانے کے لوگ مراد ہیں۔
- قوله: **يُؤَسِّفُ**: یہ اذکر کا مفعول ہے۔
- قوله: **الْصِّدِّيقُ الْكُنِيزُ**: کیونکہ آپ کا صدق معروف عام تھا۔
- قوله: **اِزْرَعُوا**: یہ خبر ہے جو امر کے معنی میں ہے۔ اس کی دلیل **فَنذَرُوهُ** ہے۔
- قوله: **مُتَّابِعَةٌ**: اس سے اشارہ کیا کہ وہ با مشق سلین سے حال۔
- قوله: **السَّبْعُ الْمُنْخَبَاتُ**: سات گزرے ہوئے سال۔
- قوله: **مُجْدِبَاتٌ**: جذب و قحط کی ضد خصب ہے۔
- قوله: **تَاكْلُوْنَهٗ**: یہ اسناد مجازی ہے کیونکہ سال کھانے کی تو چیز نہیں۔
- قوله: **بِالْمَطَرِ**: یہ بیفاٹ غیث سے ہے غوث سے نہیں اسی وجہ سے بارش سے تفسیر کی۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنَّ اٰدٰى سَنَعٌ بَقَرَاتٍ يَسٰنُ

شاہ مصر کا خواب اور تلاش تعبیر میں یوسف علیہ السلام تک رسائی:

قدرت الہی نے یہ مقرر رکھا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے سے بعزت و اکرام پاکیزگی برات اور عصمت کے ساتھ نکلیں۔ اس کے لیے قدرت نے یہ سب بنایا کہ شاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جس سے بھونچکا سا ہو گیا۔ دربار منعقد کیا اور تمام امراء، رؤساء، کاہن، منجم اور علماء کو خواب کی تعبیر بیان کرنے والوں کو جمع کیا۔ اور اپنا خواب بیان کر کے ان سب سے تعبیر دریافت کی۔ لیکن کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اور سب نے لاچار ہو کر یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ کوئی باقاعدہ لائق تعبیر سچا خواب نہیں جس کی تعبیر ہو سکے۔ یہ تو یونہی پریشان خواب مخلوط خیالات اور فضول توہمات کا خاکہ ہے۔ اس کی تعبیر ہم نہیں جانتے۔ اس وقت شاہی ساتی کو حضرت یوسف علیہ السلام یاد آگئے کہ وہ تعبیر خواب کے پورے ماہر ہیں۔ اس علم میں ان کو کافی مہارت ہے۔ یہ وہی شخص ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل خانہ بھگت رہا تھا یہ بھی اور اس کا ایک اور ساتھی بھی۔ اسی سے حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا کہ بادشاہ کے پاس میرا ذکر بھی کرنا۔ لیکن اسے شیطان نے بھلا دیا تھا۔ آج مدت مدید کے بعد اسے یاد آ گیا اور اس نے سب کے سامنے کہا کہ اگر آپ کو اس کی تعبیر سننے کا شوق ہے اور وہ بھی صحیح تعبیر تو مجھے اجازت دو۔ یوسف صدیق علیہ السلام جو قید خانے میں بیٹا

ان کے پاس جاؤں اور ان سے دریافت کراؤں۔ آپ نے اسے منظور کیا اور اسے اللہ کے محترم نبی (ﷺ) کے پاس بھیجا۔ اُمّیہ کی دوسری قرأت امتہ بھی ہے۔ اس کے معنی بھول کے ہیں۔ یعنی بھول جانے کے بعد اسے حضرت یوسف علیہ السلام کا فرمان یاد آیا۔ دربار سے اجازت لے کر یہ چلا۔ قید خانے پہنچ کر اللہ کے نبی ابن نبی ابن نبی علیہ السلام سے کہا کہ اے نرے سچے یوسف علیہ السلام بادشاہ نے اس طرح کا ایک خواب دیکھا ہے۔ اسے تعبیر کا اشتیاق ہے۔ تمام دربار بھرا ہوا ہے۔ سب کی نگاہیں لگیں ہوئی ہیں۔ آپ مجھے تعبیر بتلا دیں تو میں جا کر انہیں سناؤں اور سب معلوم کر لیں۔ آپ نے نہ تو اسے کوئی ملامت کی کہ تو اب تک مجھے بھولے رہا۔ باوجود میرے کہنے کے تو نے آج تک بادشاہ سے میرا ذکر بھی نہ کیا۔ نہ اس امر کی درخواست کی کہ مجھے جیل خانے سے آزاد کیا جائے بلکہ بغیر کسی تمنا کے اظہار کے بغیر کسی الزام دینے کے خواب کی پوری تعبیر سنا دی اور ساتھ ہی تدبیر بھی بتا دی۔

فرمایا کہ سات فرہہ گایوں سے مراد یہ ہے کہ سات سال تک برابر حاجت کے مطابق بارش برستی رہے گی۔ خوب ترسالی ہوگی۔ غلہ کھیت باغات خوب پھلیں گے۔ یہی مراد سات ہری بایوں سے ہے۔ گائیں تیل ہی ہلوں میں جلتے ہیں ان سے زمین پر کھیتی کی جاتی ہے۔ اب ترکیب بھی بتلا دی کہ ان سات برسوں میں جو اناج غلہ نکلے۔ اسے بطور ذخیرے کے جمع کر لینا اور رکھنا بھی بالوں اور خوشوں سمیت تاکہ مڑے گلے نہیں خراب نہ ہو۔ ہاں پنی کھانے کی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لینا۔ لیکن خیال رہے کہ ذرا سا بھی زیادہ نہ لیا جائے صرف حاجت کے مطابق ہی نکالا جائے۔ ان سات برسوں کے گزرتے ہی اب جو قحط سالیاں شروع ہوں گی وہ برابر سات سال تک متواتر رہیں گی۔ نہ بارش برسے گی نہ پیداوار ہوگی۔ یہی مراد ہے سات دہلی گایوں اور سات خشک خوشوں سے ہے کہ ان سات برسوں میں وہ جمع شدہ ذخیرہ تم کھاتے پیتے رہو گے۔ یاد رکھنا ان میں کوئی غلہ بچتی نہ ہوگی۔ وہ جمع کردہ ذخیرہ ہی کام آئے گا۔ تم دانے بوو گے لیکن پیداوار کچھ بھی نہ ہوگی۔ آپ نے خواب کی پوری تعبیر دے کر ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنا دی کہ ان سات خشک سالیوں کے بعد جو سال آئے گا وہ بڑی برکتوں والا ہوگا۔ خوب بارشیں برسیں گی خوب غلے اور کھیتیاں ہوں گی۔ ریل پیل ہو جائے گی اور تنگی دور ہو جائے گی اور لوگ حسب عادت زیتون وغیرہ کا تیل نکالیں گے اور حسب عادت انگور کا شیرہ پھوڑیں گے۔ اور جانوروں کے تھن دودھ سے لبریز ہو جائیں گے کہ خوب دودھ نکالیں پئیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَالَ الْمَلِكُ لَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ وَأَخْبِرَهُ بِتَأْوِيلِهَا أَتُؤْتِي بِهٖ ؕ أَي بِالذِّئْبِ عَبَّرَهَا فَلَمَّا جَاءَهُ أَي يُوْسُفَ الرَّسُولُ وَطَلَبَهُ لِلْخُرُوجِ قَالَ قَاصِدًا اظْهَارَ بَرَأئْتِهِ اِرْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَسْأَلُهُ أَنْ يُسَآلَ مَا بَالَ خَالَ النَّسُوْقِۙ الَّتِي قَطَعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ؕ إِنَّ رَبِّي سَنِيْدِي بِكَيْدِي هُنَّ عَلِيْمٌ ۝ فَرَجَعَ فَأَخْبَرَ الْمَلِكَ فَجَمَعَهُنَّ قَالَ مَا خَطْبُكُمْ شَانِكُنْ اذْ رَاوَدْتُنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَفْسِهِ ؕ هَلْ وَجَدْتُنَّ مِنْهُ بِيَلَا الْبِكْرَ قُلْنَ حَآشَ لِلَّهِ مَا عَلَيْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْءٍ ؕ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيْزِ ائْتِنِ حَصْحَصَ الْحَقِّ اَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَبِيْ قَوْلِهِ هِي رَاوَدْتُنِي عَنْ نَفْسِيْ فَأَخْبَرَ يُوْسُفَ بِذَلِكَ فَقَالَ ذٰلِكَ اَيُّ طَلَبِ الْبِرَّةِ لِيَعْلَمَ

تَرْجُمَہٗمَا: بادشاہ نے کہا جب قاصد واپس لوٹا اور اس کے خواب کی تعبیر بتائی) اس کو میرے پاس لے آؤ (یعنی اس شخص کو جس نے خواب کی تعبیر بتائی) پھر جب قاصد اس (یوسف) کے پاس آیا (اور اس سے چلنے کے لئے کہا) تو بولا، قاصد سے اظہارِ براءت کرتے ہوئے) لوٹ جا اپنے آقا کے پاس اور پوچھ اس سے (کہ وہ دریافت کریں کہ) ان عورتوں کی کیا حقیقت ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے میرا رب تو ان کا فریب سب جانتا ہے) چنانچہ قاصد لوٹا اور بادشاہ کو یہ پیغام سنایا جس کی وجہ سے بادشاہ نے عورتوں کو جمع کیا (بادشاہ نے عورتوں کو کہا کہ کیا حقیقت ہے تمہاری، جب تم نے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے کہ اسے اپنی طرف مائل کر لو) تو کیا تم نے اسے اپنی طرف مائل پایا تھا؟ وہ بولیں، شاعر اللہ ہم کو معلوم نہیں اس پر کچھ برائی، عزیز مصر کی بیوی بولی اب کھل گئی تھی بات میں نے پھسلا یا تو اس کو اس کے جی سے بلاشبہ وہ بالکل سچا ہے (اپنے اس دعوئی میں کہ ہی رَاوَدْنِي عَنْ قَفْسِي لِيُخْرِجَنِي مِنْهَا) چنانچہ جب یوسف کو اس کی اطلاع دی گئی تو کہنے لگے یہ (اپنی براءت محض اس واسطے طلب کی) تاکہ (عزیز مصر کو) معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی چوری نہیں کی (اس کی بیوی کے حق میں) چھپ کر بالغیب حال ہے) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نہیں چلنے دیتا وغا بازوں کا فریب۔

کلمات تفسیر کے توضیح و شرح

- قوله: قاصِدًا اِظْهَارَ بَرَائْتِهِ: تہمت کے ازالہ کے لئے ایسا اس موقع پر کرنا ضروری تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کی لاجبت الداعی کہہ کر مدح فرمائی۔
- قوله: اِنِّي يَسْأَلُ: گویا اصل کلام یہ فاسالہ ان یسال میں اس سے وطا یہ کروں گا وہ اس کے متعلق تفتیش کر لے۔ اِنِّي يَسْأَلُ کو حذف کیا تاکہ بادشاہ کو برا بیخندہ کریں۔
- قوله: خَالٍ: یہاں خَال شرافت کے معنی میں نہیں بلکہ حالت کے معنی میں ہے۔
- قوله: قَالَ: قاصد کو مقدر مانا تاکہ کلام ماقبل منتظم ہو۔
- قوله: الْعَزِيزُ: یہ کہہ کر بتایا اس سے اللہ تعالیٰ مراد نہیں بلکہ مرئی عزیز مراد ہے۔
- قوله: خَالٍ: یہاں خال کے فاعل سے حال ہے۔ اِنِّي لَمَّا اَخْنَهُ وَاِنَّهُ غَائِبٌ عَنْهُ
- قوله: لَا يَهْدِي: یہاں لَا يَهْدِي کے معنی میں چلنے نہیں دیتا۔
- قوله: ثُمَّ تَوَاضَعُ اللّٰهُ: اپنا تذکیہ نہ بنے اس لئے تواضع اور عصمت، توفیق نعمت پر بطور شکر یہ کہہا۔

تفسیر مقبولین

تعبیر کی صداقت اور شاہ مصر کا یوسف علیہ السلام کو وزارت سونپنا:
وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۙ

خواب کی تعبیر معلوم کر کے جب قاصد پلٹا اور اس نے بادشاہ کو تمام حقیقت سے مطلع کیا۔ تو بادشاہ کو اپنے خواب کی تعبیر پر یقین آ گیا۔ ساتھ ہی اسے بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بڑے ہی عالم فاضل شخص ہیں۔ خواب کی تعبیر میں تو آپ کو کمال حاصل ہے۔ ساتھ ہی اعلیٰ اخلاق والے حسن تدبیر والے اور خلق اللہ کا نفع چاہنے والے اور محض بے طمع شخص ہیں۔ اب اسے شوق ہوا کہ خود آپ سے ملاقات کرے۔ اسی وقت حکم دیا کہ جاؤ حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل خانے سے آزاد کر کے میرے پاس لے آؤ۔ دوبارہ قاصد آپ کے پاس آیا اور بادشاہ کا پیغام پہنچایا تو آپ نے فرمایا میں یہاں سے نہ نکلوں گا جب تک کہ شاہ مصر اور اسکے درباری اور اہل مصر یہ نہ معلوم کر لیں کہ میرا قصور کیا تھا؟ عزیز کی بیوی کی نسبت جو بات مجھ سے منسوب کی گئی ہے اس میں سچ کہاں تک ہے اب تک میرا قید خانہ بھگتنا واقعہ کسی حقیقت کی بنا پر تھا؟ یا صرف ظلم و زیادتی کی بناء پر؟ تم اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا کر میرا یہ پیغام پہنچاؤ کہ وہ اس واقعہ کی پوری تحقیق کریں۔ حدیث شریف میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے اس صبر کی اور آپ کی اس شرافت و فضیلت کی تعریف آئی ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شک کے حقدار ہم بہ نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بابت زیادہ ہیں جب کہ انہوں نے فرمایا تھا میرے رب مجھے اپنا مردوں کا زندہ کرنا مع کیفیت دکھا (یعنی جب ہم اللہ کی اس قدرت میں شک نہیں کرتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام) جلیل القدر پیغمبر کیسے شک کر سکتے تھے؟ پس آپ کی یہ طلب از روئے مزید اطمینان کے تھی نہ کہ از روئے شک۔ چنانچہ خود قرآن میں ہے کہ آپ نے فرمایا یہ میرے اطمینان دل کے لیے ہے۔ اللہ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم کرے وہ کسی زور آور جماعت یا مضبوط قلعہ کی پناہ میں آنا چاہنے لگے۔ اور سنوا کہ میں یوسف علیہ السلام کے برابر جی نہ نہ بھگتے ہوئے ہوتا اور پھر قاصد میری رہائی کا پیغام لاتا تو میں تو اسی وقت جیل خانے سے آزادی منظور کر لیتا۔ مسند احمد میں اسی آیت فاضلہ کی تفسیر میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں ہوتا تو اسی وقت قاصد کی بات مان لیتا اور کوئی عذر تلاش نہ کرتا۔ منہ عبد الرزاق میں ہے آپ فرماتے ہیں واللہ مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و کرم پر رہ رہ کر تعجب آتا ہے اللہ اسے بخشے دیکھو تو کئی بادشاہ نے خواب دیکھا ہے وہ تعبیر کے لیے مضطرب ہے قاصد آ کر آپ سے تعبیر پوچھتا ہے آپ فوراً بغیر کسی شرط کے بتا دیتے ہیں۔ اگر میں ہوتا تو جب تک جیل خانے سے اپنی رہائی نہ کر لیتا ہرگز نہ بتلاتا۔ مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و کرم پر تعجب معلوم ہو رہا ہے۔ اللہ انہیں بخشے کہ جب ان کے پاس قاصدان کی رہائی کا پیغام لے کر پہنچتا ہے تو آپ فرماتے ہیں ابھی نہیں جب تک کہ میری پاکیزگی، پاک دامنی اور بے قصوری سب پر تحقیق سے کھل نہ جائے۔ اگر میں انکی جگہ ہوتا تو میں تو دوڑ کر دروازے پر پہنچتا یہ روایت مرسل ہے۔

اب بادشاہ نے تحقیق کرنی شروع کی ان عورتوں کو جنہیں عزیز کی بیوی نے اپنے ہاں دعوت پر جمع کیا تھا اور خود اسے بھی دربار میں بلوایا۔ پھر ان تمام عورتوں سے پوچھا کہ ضیافت والے دن کیا گزری تھی؟ سب بیان کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ماشاء اللہ یوسف پر کوئی الزام نہیں اس پر بے سرو پا تہمت ہے۔ واللہ ہم خوب جانتی ہیں کہ یوسف میں کوئی بدی نہیں اس وقت عزیز کی بیوی خود بھی بول اٹھی کہ اب حق ظاہر ہو گیا، قہ کھل گیا۔ حقیقت نکھر آئی مجھے خود اس امر کا اقرار ہے۔ کہ واقعی میں نے

ی اسے پھسانا چاہا تھا۔ اس نے جو بروقت کہا تھا کہ یہ عورت مجھے پھسلا رہی تھی اس میں وہ بالکل سچا ہے۔ میں اس کا اقرار کرتی ہوں اور اپنا قصور آپ بیان کرتی ہوں تاکہ میرے خاوند یہ بات بھی جان لیں کہ میں نے اس کی کوئی خیانت دراصل نہیں کی۔ یوسف کی پاکدامنی کی وجہ سے کوئی شر اور برائی مجھ سے ظہور میں نہیں آئی۔ بدکاری سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بچائے رکھا۔ میرے اس اقرار سے اور واقعہ کے کھل جانے سے صاف ظاہر ہے اور میرے خاوند جان سکتے ہیں کہ میں برائی میں مبتلا نہیں ہوئی۔ یہ بالکل سچ ہے کہ خیانت کرنے والوں کی مکاریوں کو اللہ تعالیٰ فرود غ نہیں دیتا۔ ان کی دغا بازی کوئی پھل نہیں لاتی۔

الذی

لَمْ تَوَاضِعْ لِلَّهِ فَقَالَ وَمَا أُبْرِي نَفْسِي ۚ مِنَ الزَّلَالِ إِنَّ لِنَفْسِ الْجِنْسِ لَأَمَارَةً كَبِيرَةً الْأَمْرُ بِالشَّوْرِ
 إِلَّا مَا مَابِعْنَى مِنْ رَحِمِ رَبِّي ۗ فَعَصِمَهُ إِنَّ رَبِّي عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۷﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ التُّورِيُّ بِهَ اسْتَخْلَصَهُ
 لِنَفْسِي ۚ أَجْعَلُهُ خَالِصًا لِي دُونَ شَرِيكِ فَجَاءَهُ الرَّسُولُ وَقَالَ أَجِبِ الْمَلِكَ فَقَامَ وَوَدَعَ أَهْلَ السِّجْنِ
 وَدَعَالَهُمْ ثُمَّ اغْتَسَلَ وَلَبَسَ ثِيَابًا حَسَنًا وَدَخَلَ عَلَيْهِ فَلَمَّا كَلِمَةً قَالَ لَهُ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ
 أَمِينٌ ﴿۸﴾ ذُو مَكَانَةٍ وَأَمَانَةٍ عَلَى أَمْرِنَا فَمَاذَا تَرَى أَنْ نَفْعَلَ قَالَ اجْمَعِ الطَّعَامَ وَازْرَعْ زُرْعًا كَثِيرَةً فِي هَذِهِ
 السِّيْنِ الْمُخْصَبَةِ وَأَذْخِرِ الطَّعَامَ فِي سُبُلِهِ فَيَأْتِي إِلَيْكَ الْحَلْقُ لِيَمْتَنُوا وَمِنْكَ فَقَالَ مَنْ لِي بِهَذَا قَالَ
 يُوْسُفُ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۚ أَرْضُ مِصْرَ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْكُمْ ﴿۹﴾ ذُو حِفْظٍ وَعِلْمٍ بِأَمْرِهَا وَقِيلَ
 كَاتِبٌ وَحَاسِبٌ وَكَذَلِكَ كَانَعَامِنَا عَلَيْهِ بِالْخَلَاصِ مِنَ السِّجْنِ مَكْنًا لِيُوْسُفَ فِي الْأَرْضِ ۚ أَرْضُ
 مِصْرَ يَتَّبِعُوا يَنْزِلُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۗ بَعْدَ الضِّيْقِ وَالْحَبْسِ وَفِي الْقِصَّةِ أَنَّ الْمَلِكَ تَوَجَّهَ وَخَشَنَهُ وَوَلَاهُ
 مَكَانَ الْعَزِيزِ وَعَزَلَهُ وَمَاتَ بَعْدَ فَرَجِهِ إِذْ رَأَى أَنَّهُ رُلِيخًا فَرَجَدَهَا عُدْرَةً وَوَلَدَتْ لَهُ وَلَدَيْنِ رَاقِمَ الْعَدَلِ
 بِمِصْرَ وَذَانَتْ لَهُ الرِّقَابُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۰﴾ وَكَأَجْرُ الْأَخْرَقِ
 خَيْرٌ مِنْ أَجْرِ الذُّنْيَا لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۱۱﴾

ع

ترجمہ: پھر اللہ کے حضور عاجزی اختیار کرتے ہوئے فرمایا اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو (غرض سے) بے شک نفس
 (جنس نفوس) تو سکھاتا ہے (بہت زیادہ حکم دینے والا) بتائی مگر جو (ما ببعنی من ہے) رحم کر دیا میرے رب نے (پس اس کو
 بچالیا) بے شک میرا رب بخشنے والا ہے مہربان اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس میں خالص کر رکھوں اس کو اپنے کام
 میں (میں اس کو اپنے لئے بطور خاص رکھوں گا بلا شرکت غیرے) قاصد آیا اور کہا کہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کیجئے یوسف علیہ السلام
 اٹھ کھڑے ہوئے، قیدیوں کو الوداع کیا ان کے حق میں دعا کی پھر غسل کیا اور بہترین لباس زیب تن کیا اور بادشاہ کے پاس پہنچ
 گئے پھر جب بات چیت کی اس سے کہا (یوسف سے) واقعی تو نے آج سے ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر (صاحب مرتبہ،
 امانتدار ہمارے حکم کے سلسلے میں) تمہاری کیا رائے ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ فرمایا غلہ جمع کرو اور بارش کے ان سالوں میں
 خوب کھتی کرو پھر غلہ کو اس کی بالیوں میں ذخیرہ کر کے رکھو پس لوگ تمہارے پاس غلہ لینے کے لئے آئیں گے بادشاہ بولایا یہ کام
 مجھے کون کر کے دے گا؟ بولے (یوسف) مجھ کو مقرر کر زمین (سرزمین مصر) کے خزانہ پر میں تمہارا ہوں خوب جاننے والا (میں
 خزانہ کی حفاظت کرنے والا اور خزانہ کے امور سے واقفیت رکھنے والا کہا گیا ہے کہ حساب و کتاب رکھنے والا مراد ہے) اور بولے
 (جیسے ہم نے جیل سے رہا کر کے انعام کیا) قدرت دی ہم نے یوسف کو سرزمین (مصر) میں جگہ پکڑا تھا اس میں (رہتا سہتا

تھا) جہاں چاہتا (قید و بند اور تنگی کے بعد) قصہ یوسف میں ہے کہ بادشاہ نے ان کو اپنا مخصوص بنا لیا ان کو شاہی مہر عطا کر دیا اور تخت شاہی پر فائز کیا ان کا خوب اعزاز و اکرام کیا اس کے بعد بادشاہ نے وفات پائی اس کی بیوی سے نکاح کر لیا، پھر یوسف نے اس کو در شیزہ پایا اور دولت کے بھی پیدا ہوئے۔ حضرت یوسف نے مصر میں عدل و انصاف قائم کیا (اور لوگ آپ کے تابع فرمان ہوئے) پہنچا دیتے ہیں ہم رحمت اپنی جس کو چاہیں اور ضائع نہیں کرتے ہم بدلہ بھلائی والوں کا اور ثواب آخرت کا بہتر ہے (دنیا کے اجر سے) ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور رہے پرہیزگاری میں ان کیسے تو آخرت کا اجر (دنیا کے اجر سے) کہیں زیادہ بہتر ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: بِمَعْنَى مَنْ: اشارہ کیا کہ مَا یہاں مَنْ کے معنی میں ہے جو ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔

قوله: رَحِمَهُ: اس سے مراد رحمت اللہ ہے۔

قوله: فَعَصَمَهُ: اس کو یہ اشارہ کرنے کے لئے مقدر مانا کہ رحمت سے عصمت مراد ہے مطلق نہیں تاکہ استثناء متصل درست ہو۔

قوله: أَجْعَلُهُ خَالِصًا: استخلاص میں باب میرورت کے لئے طلب کے لئے نہیں۔

قوله: ذُو مَكَانَةٍ: بلکہ یہ مکانہ بمعنی مرتبہ ہے مکان سے نہیں۔

قوله: فَقَالَ مَنْ لِي بِهَذَا: یعنی کون شخص ہے جو اس کا بنا من بنے اور میری خاطر کام کر کے غلبہ جمع کر لے۔

قوله: إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْكُمْ: آپ نے یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے اور عدل گستری کے لئے کیا۔

قوله: عَلِيمٌ بِأَمْرَهَا: یعنی اس کے وجوہ تصرف سے واقف ہوں۔

قوله: حَيْثُ يَشَاءُ: اس سے وسعت مثلات مراد ہے۔ ہر جگہ اترنا مراد نہیں بلکہ سکرانی مراد ہے۔

قوله: دَانَتْ: مطع ہونے کے معنی میں آتا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَمَا أَنزَلْنَاهُ نَفْسِي ۙ

چونکہ حضرت یوسف نے اپنی براعت پر بہت زیادہ زور دیا۔ ممکن تھا کوئی سطحی آدمی اس سے فخر اور غرور و اعجاب کا شہ کرنے لگتا اس لیے اپنی نزاہت کی حقیقت کھول دی کہ میں کوئی شیخی نہیں مارتا نہ پاک صاف رہنے میں اپنے نفس پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔ محض خدا کی رحمت و اعانت ہے جو کسی نفس کو برائی سے روکتی ہے۔ یہ ہی رحمت خصوصی عصمت انبیاء علیہم السلام کی کفیل

وہناں ہے ورنہ نفس انسانی کا کام عموماً برائی کی ترغیب دیتا تھا۔ خدا تعالیٰ کی خصوصی توفیق و دستگیری نہ ہوتی تو میرا نفس بھی دوسرے نفوس بشریہ کی طرح ہوتا۔ اِنْ رَبِّيْ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ ۝ سے اشارہ کر دیا، کہ نفس امارہ جب توبہ کر کے لوابہ بن جائے تو خدا اس کی پچھلی تصورات معاف فرمادیتا ہے۔ بلکہ رفتہ رفتہ مہربانی سے نفس مطمئنہ کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے (حمیہ) حافظ ابن تیمیہ اور ابن کثیر وغیرہ نے ذلک لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اُخْنَهُ بِالغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخٰٓطِرِيْنَ ۝ وَمَا اَبْرَأُ نَفْسِيْ ۙ اِنَّ النَّفْسَ لَآهٰٓرَاةٌۢ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَجَمَ رَبِّيْ ۙ اِنَّ رَبِّيْ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ ۝ (یوسف) تک زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے یعنی زلیخا نے آقا راوَدُّهُ عَنْ نَفْسِهٖ کا اقرار کر کے کہا کہ اس قرار و اعتراف سے عزیز کو یہ معلوم کرانا ہے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے کوئی بڑی نینت نہیں کی۔ بیشک یوسف کو پھسلانا چاہا تھا مگر میری مراد تو ان پر کارگر نہیں ہوئی۔ اگر میں نے مزید خیانت کی ہوتی تو ضرور اس کا پردہ فاش ہو کر رہتا۔ کیونکہ خدا خانوں کے مکر و فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ ہاں میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتی، جتنی غلطی مجھ سے ہوئی اس کا اقرار کر رہی ہوں۔ دوسرے آدمیوں کی طرح نفس کی شرارتوں سے میں بھی پاک نہیں۔ ان سے تو یوسف جیسا پاکباز انسان ہی محفوظ رہ سکتا ہے۔ جس پر خدا کی خاص مہربانی اور رحمت ہے۔ ابوحیان نے بھی اس کو زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے۔ لیکن لِيَخْلَعَهُ اور لَمْ اُخْنَهُ کی ضمیریں بجائے عزیز کے یوسف کی طرف راجع کی ہیں۔ یعنی اپنی خطا کا صاف اقرار اس لیے کرتی ہوں کہ یوسف کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں کوئی غلط بات نہیں کہی نہ اپنے جرم کو ان کی طرف منسوب کیا۔ واللہ اعلم۔

وَ قَالَ الْمَلِكُ اَنْتُوْنِيْ بِهٖ اَسْتَخْلِصُهٗ لِنَفْسِيْ ۙ

بادشاہ کا آپ کو دوبارہ طلب کرنا اور معاملہ کی صفائی کے بعد آپ کا بادشاہ کے

پاس پہنچنا اور زمین کے حزانوں کا زمہ دار بننا:

مصر کے بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر سنتے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس بلانے کی فرمائش کر دی تھی اور اس مقدمہ کے لیے قاصد کو ان کے پاس جیس میں بھیج دیا تھا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے اس وقت تک جیل سے نکلنا گوارا نہ فرمایا جب تک عزیز کی بیوی کی لگائی ہوئی تہمت سے براءت نہ ہو جائے۔ اس لیے قاصد سے فرمایا کہ جاؤ اپنے آقا سے کہو کہ معاملہ کی تحقیق کرے اور عورتوں سے پوچھے کہ صحیح صورت حال کیا ہے؟ بادشاہ نے عورتوں سے پوچھا انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت ظاہر کر دی عزیز کی بیوی بھی اقراری ہو گئی کہ میرا قصور تھا یوسف کا قصور نہیں تھا۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جیل میں رہنے کی کوئی وجہ نہ تھی لہذا بادشاہ نے دوبارہ قاصد بھیجا تو اس کے ساتھ تشریف لے آئے بادشاہ نے اول تو خواب کی تعبیر مل جانے کی وجہ سے اور پھر تعبیر میں معیشت کے انتظام کی طرف جو اشارہ فرمایا تھا اس کے جان لینے سے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے اس حوصلے سے کہ میں بات کی صفائی ہونے تک جیل سے نہیں جاؤں گا یہ سمجھ لیا کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم بھی ہے تعبیر خواب میں ماہر بھی ہے اور متقی اور صالح بھی ہے اور ہمت اور حوصلے والا بھی ہے لہذا اسے اپنے پاس بلانا چاہئے اور اپنے مشوروں اور انتظامی امور میں ان کو خاص درجہ دینا چاہئے اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ اس شخص کو میرے پاس لے کر آؤ میں اسے خالص اپنے ہی لیے مقرر کر لوں گا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام تشریف لے گئے اور بادشاہ مصر سے ملاقات

ہوئی تو آپس میں گفتگو ہونے لگی اس گفتگو سے بادشاہ کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی اور زیادہ قیمت ودقت بڑھ گئی اسے جو اپنے خواب کی تعبیر پہنچی تھی اس میں یہ بتایا تھا کہ اول کے سات سال سرسبز اور شادابی کے ہوں گے اور اس کے بعد والے سات سال ایسے ہوں گے جن میں قحط پڑے گا اس کے لیے بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے مشورہ کیا آپ نے فرمایا اول کے سات سالوں میں خوب زیادہ کاشت کرانے اور غنہ اگانے کی طرف توجہ دی جائے اور جو پیداوار ہو اس میں سے بقدر ضرورت ہی کھاگیں یہیں اور جو باقی بچے اسے محفوظ رکھیں اور پہلے بتا چکے تھے کہ غلے کو بالوں سے نہ نکالیں اسے انہیں میں رہنے دیں اور اسی طرح اسی کو ذخیرہ بنایا جائے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ یہ قحط صرف تمہارے ہی ملک میں نہیں آس پاس کے دیگر ملکوں میں بھی ہوگا وہاں کے حاجت مند غلہ لینے کے لیے آپ کے پاس آئیں گے ذخیرہ شدہ غلہ سے ان کی مدد بھی کریں اور تھوڑی بہت قیمت بھی ان سے وصول کریں اس طرح سے سرکاری خزانہ میں بھی مال جمع ہو جائے گا اور لوگوں کی مدد بھی ہو جائے گی شاہ مصر اس مشورہ سے بہت خوش اور مطمئن ہوا لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی سوال کیا کہ اس منصوبہ پر کیسے عمل ہوگا اور کون اس کے مطابق عمل کر سکے گا؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۗ کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے اِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ ۗ بلاشبہ میں حفاظت کرنے والا ہوں جاننے والا ہوں چونکہ مالیات کا انتظام کرنے میں ایسی بیدار مغزی کی ضرورت ہے جس سے مال کی حفاظت ہو سکے چور بھی نہ لے سکیں اور نیچے کے لوگ بھی بیجانہ اڑا سکیں اور بے وقت بے محل اور بے ضرورت بھی خرچ نہ کیا جائے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں حفاظت کرنے والا ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں علیم ہوں یعنی حفاظت کے طریقے بھی جانتا ہوں خرچ کرنے کے مواقع سے بھی باخبر ہوں حساب کتاب سے بھی واقف ہوں وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۗ اور اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین میں (یعنی سرزمین مصر میں) باختیار بنا دیا يَتَّبِعُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۗ (وہ اس میں جہاں چاہے اپنا رہنا سہنا کرے) نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ (ہم جسے چاہیں اپنی رحمت پہنچا دیں) اللہ تعالیٰ کی رحمت جسے شامل حال ہو جائے وہ کسی ہی مصیبت ہو مصیبت میں سے نکل کر اچھے رتبہ پر پہنچ جاتا ہے جب اللہ کی طرف سے کسی کے بلند کرنے کا فیصلہ ہو تو کوئی چیز اسے آڑے نہیں آسکتی اور مانع نہیں بن سکتی۔ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصِيبِينَ ۗ (اور ہم اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے) محسنین کو دنیا میں بھی نواز دیتے ہیں اور آخرت میں بھی وَ لَاجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَ كَانُوا يَتَّقُونَ ۗ اور البتہ آخرت کا ثواب ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے اس میں یہ بتا دیا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ محسنین کو جو کچھ انعام عطا فرمادے بلاشبہ وہ اپنی جگہ انعام ہے لیکن آخرت کا ثواب اہل ایمان و رahl تقویٰ کے لیے بہتر ہے اسی کا طالب رہنا چاہئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام منتظم مالیات اور منتظم معاشیات تو بنا دیئے گئے تھے جیسا کہ قرآن مجید کے سیاق سے معلوم ہوا مفسرین نے لکھا ہے کہ دیگر امور سلطنت بھی بادشاہ نے ان کے سپرد کر دیئے تھے اور خود گوشہ نشین ہو گیا تھا۔

یہاں مفسرین کرام نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اصولی بات یہ ہے کہ خود سے عہدہ کا طالب نہ ہونا چاہئے اور جو شخص عہدہ کا طالب ہوا سے عہدہ نہ دیا جائے احادیث شریفہ میں اس کی تصریح وارد ہوئی حضرت عبدالرحمن بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ امیر بننے کا سوال نہ کرنا کیونکہ اگر تیرے سوال کرنے پر امارت تیرے سپرد کر دی گئی تو تو اس

کے سپرد کر دیا جائے گا (یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو جانے اور وہ جانے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیری مدد نہ ہوگی) اور اگر تجھے بغیر سوال کے اہارت دے دی گئی تو اس پر تیری مدد کی جائے گی۔ (رواہ البخاری)

اور ایک حدیث میں ہے (جس کے راوی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ہیں) کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((انا والله لانولى على هذا العمل احدا ساله ولا احدا حرص عليه)) اللہ کی قسم ہم اپنے کام پر ایسے شخص کو نہیں لگاتے جو اس کا سوال کرے یا اس کی حرص کرے۔ (رواہ البخاری) جب مسئلہ اس طرح سے ہے تو حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنے لیے عہدہ کا مطالبہ کیوں فرمایا؟ حضرات علماء کرام نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) نے عامۃ الناس کی خیر خواہی کے لیے عہدہ کا سوال کیا انہیں معلوم تھا کہ سات سال تک ایک زبردست قحط آنے والا ہے۔ جب عام قحط پڑتا ہے تو لوگوں کی بری حالت ہوتی ہے ایک دوسرے پر رحم نہیں کھاتے اپنے بچوں تک کو بیچ کر کھا جاتے ہیں بادشاہ کا فرہے اس کا عملہ بھی کانفرہے قحط کا سامنا ہے اس میں بڑے انتظام کی ضرورت ہے کانفروں سے امید نہیں جو غریبوں پر رحم کھائیں اور کوئی ایسا شخص سامنے نہیں جو معیشت کا انتظام سنبھال سکے لہذا انہوں نے اس خدمت کے لیے اپنی ذات کو پیش کر دیا یہ تو ٹھیک ہے کہ عام حالات میں خود سے عہدہ طلب نہ کیا جائے اور جو عہدہ طلب کرے اسے نہ دیا جائے لیکن جہاں کہیں ایسی صورت پیش آجائے کہ مہجلی بہ محسوس کرے کہ میرے علاوہ فرائض کو پورا کرنے والا کوئی نہیں ہے اور اللہ کے دیئے ہوئے علم کے ذریعہ میں اس کام کو انجام دیتا رہوں گا تو ایسے شخص کے لیے نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ واجب ہے کہ عہدہ کی ذمہ داری خود سنبھال لے اور آگے بڑھ کر لے لے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو اللہ نے علم دیا تھا اور انتظام کے لیے جس ہوشمندی کی ضرورت ہے وہ بدرجہ اتم موجود تھی اور ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ کے نبی بھی تھے جس سے انہیں ہر وقت اللہ کی مدد کی امید تھی اور عہدہ پر فائز ہو کر تو حید کی اشاعت اور تبلیغ حق کا راستہ کھلنے کا بھی بہت اچھا موقع تھا اس لیے انہوں نے نہ صرف یہ کہ عہدہ قبول فرمایا بلکہ خود سے اس کا بار اٹھانے کی پیش کش کر دی اور بادشاہ کو مطمئن کرنے کے لیے ((أَيُّ حَفِيظًا عَلَيْنَا)) بھی فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ اپنا علم و فضل کسی صورت سے ظاہر کیا جائے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں حظ نفس نہ ہو اور تزکیہ نفس مقصود ہو۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کانفرہے طرف سے عہدہ قبول کرنا اور کانفرہے حکومت کا جزو بننا حضرت یوسف (علیہ السلام) نے کیسے گوارا فرمایا جبکہ کانفرہے حکومت کا کارکن بننے میں تو انہیں کفریہ کو برداشت کرنا بلکہ ان کو نافذ کرنا پڑتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ذمہ مالیات کا انتظام لیا تھا اور انہیں اختیار دیا گیا تھا کہ اپنی صوابدید کے مطابق انتظام کریں اور غلہ تقسیم کریں اپنے متعلقہ عہدے میں مختار ہونے کی صورت میں قانون کفریہ اور مظالم سلطانیہ کے نافذ کرنے کے لیے مجبور نہ ہو اپنا مفوضہ کام انجام دیتا رہے ایسی صورت میں کانفروں کی طرف سے عہدہ قبول کرنے میں عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ (قال صاحب الروح ج ۱۳ - ص ۵) وفيه دليل على جواز مدح الانسان نفسه بالحق اذا جهل امره وجواز طلب الولاية اذا كان الطالب ممن يقدر على اقامة العدل واجراء الاحكام الشرعية وان كان من يد الجائر والكانر وربما يجب عليه الطلب اذا توقف على ولايته اقامة واجب مثلا وكان متعينا لذلك وقال النسفي في اللدارك ج ۲ ص ۲۲۷ وانما قال ذلك ليتوصل الى امضاء احكام الله واقامة الحق

ويسط العدل والتمكن مما لاجله بعث الانبياء الى العباد ولعلمه ان احدا غيره لا يقول مقامه في ذلك فطلبه ابتغاء وجه الله لا حب الملك والدينا. قالوا وفيه دليل على انه يجوز ان يتولى الانسان عمالة من يد سلطان جائر وقد كان السلف يولون القضاء من جهة الظلمة.

وقيل كان الملك يصدر عن رايه ولا يعرض عليه في كل ما راي وكان في حكم التابع له.

وَدَخَلَتْ سِنْرُ الْقَحْطِ وَأَصَابَ أَرْضَ كِنْعَانَ وَالشَّامَ وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ الْبِشْيَامِيِّنَ لِيَمْتَازُوا الْمَاءَ بَلَّغَهُمْ
 أَنَّ عَزِيزَ مِصْرَ يُعْطِي الطَّعَامَ بِثَمَنِهِ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ أَنَّهُمْ إِخْوَتُهُ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ⑤
 لَا يَعْرِفُونَ لَهُ لِبُعْدِ عَهْدِهِمْ بِهِ وَظَنَّهُمْ هِلَاكًا فَكَلَّمُوهُ بِالْعِبْرَانِيَةِ فَقَالَ كَأَلْمُنْكَرِ عَلَيْهِمْ مَا أَقْدَمَكُمْ بِلَادِي
 فَقَالُوا اللَّمِيْزَةَ فَقَالَ لَعَلَّكُمْ عَمِيُونَ قَالُوا مَعَاذَ اللَّهِ قَالَ فَمِنْ أَيْنَ أَتَيْتُمْ قَالُوا مِنْ بِلَادِ كِنْعَانَ وَأَبُونَا يَعْقُوبُ
 عَلَيْهِ السَّلَامُ نَبِيُّ اللَّهِ قَالَ وَلَهُ أَوْلَادٌ غَيْرُكُمْ قَالُوا نَعَمْ كُنَّا اثْنَيْ عَشَرَ فَذَهَبَ أَصْغَرُنَا هَلَكًا فِي الْبَرِّيَّةِ وَكَانَ أَحْبَبْنَا
 إِلَيْهِ وَبَقِيَ شَقِيْبُهُ فَاحْتَبَسَهُ لِيَسْتَلِي بِهِ عَنْهُ فَأَمَرَ بِدُرِّهِمْ وَأَكْرَامِهِمْ وَلَبَّأَ جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ وَفِي
 لَهُمْ كَيْلُهُمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَكُمْ مِنْ أَبِيكُمْ ⑥ أَيْ بَشْيَامِيْنَ لِأَعْنَمَ صِدْقَكُمْ فِيمَا قُلْتُمْ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي
 أَوْفَى الْكَيْلِ أَيْتُهُ مِنْ غَيْرِ بَخِيْسٍ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ⑦ فَإِنْ لَمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي أَيْ
 مِيْزَةَ وَلَا تَقْرَبُونِ ⑧ نَهَى أَوْ عَطْفٌ عَلَى مَحَلِّ فَلَا كَيْلَ أَيْ تُخْرَمُوا وَلَا تَقْرَبُوا قَالُوا سَأُرَاوِدُ عَنْهُ
 آبَاءَهُ سَنَجْتَهُ فِي طَلَبِهِ مِنْهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ⑩ ذَلِكَ وَقَالَ لِفَتِيْنِهِ وَفِي قِرَاةٍ لِفَتِيَانِهِ غُلْمَانِهِ اجْعَلُوا
 بِضَاعَهُمْ الَّتِي اتَّوْبَاهَا نَمَنَ الْمِيْزَةَ وَكَانَتْ دَرَاهِمٌ فِي رِحَالِهِمْ أَوْ عِيْنِهِمْ لَعَنَهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا
 انْقَلَبُوا إِلَى أَهْلِهِمْ وَفَرَّغُوا أَوْ عِيْنَهُمْ لَعَنَهُمْ يَرْجِعُونَ ⑪ إِنِّي لَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَجِلُّونَ امْسَاكَهَا فَلَمَّا
 رَجَعُوا إِلَى أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ إِنْ لَمْ تُرْسِلْ مَعَنَا أَخَانًا إِلَيْهِ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانًا نَكْتَلُ
 بِالتُّورِ وَالْبَيَاءِ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ⑫ قَالَ هَلْ مَا أَمْنَكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمْنْتُكُمْ عَلَى أَخِيهِ يُوسُفَ مِنْ
 قَبْلُ ⑬ وَقَدْ نَعَلْتُكُمْ بِهِ مَا فَعَلْتُكُمْ قَالَهُ خَيْرٌ حَفِظْنَا ⑭ وَفِي قِرَاةٍ حَافِظًا نَمِيْزُ كَقَوْلِهِمْ لِلَّهِ دُرَّةٌ فَارِ سَابُ وَهُوَ
 أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ⑮ فَأَرْجُوْا أَنْ يَمُنَّ بِحَفِظِهِ وَلَبَّأَ قَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ⑯

قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبغِي ۗ مَا اسْتَبَفَّهَا مِثَّةُ أَيِّ شَيْءٍ نَطْلُبُ مِنْ إِكْرَامِ الْمَلِكِ اعْظَمُ مِنْ هَذَا وَقِرَىٰ
 بِالْفَرْقَانِيَةِ بِحَطَابِ الْيَعْقُوبَ وَكَانُوا ذَكَرُوا أَنَّهُ إِكْرَامُهُ لَهُمْ هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رَدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرُ أَهْلِنَا
 نَاتِي بِالْمِيزَةِ لَهُمْ وَهِيَ الطَّعَامُ وَنَحْفِظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلٌ بَعِيرٌ ۗ لِأَخِينَا ذَلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ۝
 سَهَّلَ عَلَى الْمَلِكِ لِسَخَائِهِ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُوثِقُوا مَوْثِقًا عَهْدًا مِنَ اللَّهِ بِأَنْ تَحْلِفُوا
 لَنَا تَذَنِّي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ ۗ أَيُّ تَمُوتُوا أَوْ تُغْلَبُوا فَلَا تُطِيفُوا الْإِثْنَانِ بِهِ فَاجَابُوهُ إِلَى ذَلِكَ فَلَمَّا
 اتَّوَعَّ مَوْثِقَهُمْ بِذَلِكَ قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ نَحْنُ وَأَنْتُمْ وَكَيْلٌ ۝ شَهِدُوا وَأَرْسَلَهُ مَعَهُمْ وَقَالَ يَلْبَسِي
 لَا تَدْخُلُوا مِضْرَ مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ ۗ لِئَلَّا تُصِيبَكُمْ الْعَيْنُ وَمَا أُغْنِي أَدْفَعُ
 عَنْكُمْ بِقَوْلِي ذَلِكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ زَائِدَةٍ شَيْءٌ ۗ قَدَّرَهُ عَلَيْكُمْ وَأَنَا ذَلِكَ شَفِيقٌ إِنْ مَا الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ
 وَخُدَّ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۗ بِهِ وَثِقْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝ قَالَ تَعَالَى وَ لَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ
 أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ ۗ أَيُّ مُتَفَرِّقِينَ مَا كَانَ يُعْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ أَيُّ قَضَائِهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا لَكِنْ حَاجَةٌ
 فِي نَفْسٍ يَعْقُوبُ قَضَاهَا ۗ وَهِيَ إِرَادَةُ دَفْعِ الْعَيْنِ شَفِيقٌ وَإِنَّهُ لَكُنُودٌ عَلِيمٌ لَمَّا عَلَّمْنَاهُ لَتَعْلِيمِنَا آيَاهُ وَ
 لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ وَهُمْ الْكُفَّارُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ إِلَهَامُ اللَّهِ لِأَوْلِيَائِهِ

ع

ترجمہ: (منزل کے سال شروع ہو گئے اور کنعان و شام کی سرزمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا) اور آئے یوسف کے بھائی
 (بنیامین کو چھوڑ کر غلہ لینے کے لیے کیونکہ انہیں یہ خبر ملی تھی کہ بادشاہ مصر قیثا غلہ دیتا ہے) پھر داخل ہوئے اس کے پاس تو اس
 نے پہچان لیا ان کو (کہ وہ سب ان کے بھائی ہیں) حالانکہ وہ نہیں پہچان رہے تھے (ایک مدت گزر جانے اور یوسف
 کے مرث جانے کے خیال سے یوسف نے ان سے عبرانی زبان میں گفتگو کی ان سے انجان بن کر بولے کہ میرے شہر
 میں کس طرح آئے؟ بھائی بولے کہ غلہ لینے کے لئے یوسف بولے شاید تم جاسوس ہو بھائی بولے نعوذ باللہ یوسف نے پوچھا
 کہ پھر تم کہاں سے آئے؟ بولے کہ شہر کنعان سے ہمارے والد یعقوب اللہ کے نبی ہیں یوسف نے پوچھا کہ کیا یعقوب کے
 تمہارے علاوہ کوئی اور اولاد بھی ہے؟ بولے ہاں ہم بارہ بھائی تھے ہم میں سے چھوٹا بھائی جنگل میں ہلاکت کی نذر ہو گیا وہ ہم
 سب میں باپ کا چہیتا تھا اس کا حقیقی بھائی بقید حیات ہے اس کو والد نے دل بہلانے کے لئے اپنے پاس روک لیا یوسف
 نے ان کی پذیرائی اور اکرام کا حکم دیا) اور جب تیار کر دیا ان کو ان کا اسباب (اور ان کو پورا پورا ناپ تول دے دیا) کہا
 لے آؤ میرے پاس ایک بھائی جو تمہارے باپ کی طرف سے ہے (تاکہ میں تمہاری بات کی سچائی کا پتہ لگا سکوں) تم نہیں
 دیکھتے ہو کہ میں پورا پورا دیتا ہوں ناپ (بغیر کسی کمی کے پورا دیتا ہوں) اور خوب طرح اتارتا ہوں مہمانوں کو پھر اگر اس کو نہ

لائے میرے پاس تو تمہارے لئے بھرتی (غلہ) نہیں ہے اور میرے پاس نہ آئیو یہ نما ہے یا فلاکیل کے محل پر عطف ہے جنی غلہ سے محروم رہو گے اور قربت بھی حاصل نہ ہوگی۔ بولے ہم خواہش کریں گے اس کے باپ سے (یعنی یوسف کو باپ سے مانگنے کے لئے پوری کوشش کریں گے) اور ہم کو (یہ) کام کرنا ہے اور کہہ دیا اپنے خدمتگاروں کو (ایک قراءت میں لغتیاہ ہے یعنی نوکر چاکر) رکھ دو ان کی پونجی (جس کو غلہ کی قیمت میں دینے کے لئے لائے تھے یہ چند درہم تھے) ان کے اسباب میں شاید کہ اس کو پہچانیں جب لوٹ کر پہنچیں اپنے گھر (اور اپنے برتنوں کو خالی کریں) شاید وہ پھر (ہمارے پاس) آجائیں (کیونکہ وہ اس کو اپنے پاس رکھنا بڑ نہیں سمجھتے) سو بھیج ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھرتی لے آئیں (نون اور یا کے ساتھ ہے) اور ہم اس کے نگہبان ہیں بولے میں کیا (ما کے معنی میں ہے) اعتبار کروں تمہارا اس پر مگر ویسا ہی جیسا اعتبار کیا تھا اس کے بھائی (یوسف) پر اس سے پہلے (اور تم نے جو کیا سو کیا اس کے ساتھ) سو اللہ بہتر ہے نگہبان (اور ایک قراءت میں حافظا ہے تیز ہونے کی وجہ سے لہرہ فارسا کی طرح) اور وہی ہے سب مہربانوں سے مہربان (سو مجھے امید ہے) کہ نگہبان کر کے احسان فرمائے گا) اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا پایا اپنی پونجی کو کہ لوٹادی گئی ہے ان کو بولے ابا جان ہم کو اور کیا چاہئے (ما استفہامیہ ہے یعنی اس سے بڑھ کر بادشاہ کے اعزاز و اکرام میں سے کیا چاہئے؟ تاہم کے ساتھ حضرت یعقوب کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے حضرت یعقوب رضی اللہ عنہ کے سامنے یوسف کے اعزاز و اکرام کا ذکر کیا تھا یہ پونجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو اور اب جائیں تو رسد لائیں ہم اپنے گھر کو (رسد یعنی ان کے لئے غلہ لائیں) اور خبر داری کریں گے اپنے بھائی کی اور زیادہ لیویں بھرتی ایک اونٹ کی وہ بھرتی آسان ہے (بادشاہ کی سخاوت کی وجہ سے اس کے دائیں ہاتھ کا کام ہے) کہا ہرگز نہ بھیجوں گا اس کو تمہارے ساتھ یہاں تک کہ دو مجھ کو عہد (وعدہ) خدا کا (قسم کھا کر) کہ پہنچا دو گے اس کو میرے پاس مگر یہ کہ گھیرے جاؤ (تم مر جاؤ یا دشمن سے مغلوب ہو جاؤ اور اس کو میرے پاس نہ لاسکو پس انہوں نے اس بات کو منظور کر لیا) پھر جب اس کو سب نے عہد دیا (اس بات کا) بولا اللہ ہماری باتوں (جو ہم اور تم کہہ رہے ہیں) پر نگہبان ہے (گواہ ہے اور یوسف کو ان کے ساتھ بھیج دیا) کہا اے بیٹو نہ داخل ہونا (مصر میں) ایک دروازے سے اور داخل ہونا کئی دروازوں سے جدا جدا (تاکہ تمہیں نظر نہ لگے) اور میں نہیں بچا سکتا (دور کر سکتا) تم کو (اس بات کے ذریعہ) اللہ کی کسی بات سے (من زائدہ ہے جو اس نے تمہارے لئے مقدر کر دی شفقت کی بناء پر فرمایا) حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے اسی پر بھروسہ (اعتماد) رکھتا ہوں اور وہی ہے جس پر تمام بھروسہ رکھنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے (حق تعالیٰ نے فرمایا) اور جب داخل ہوئے جہاں سے کہا تھا ان کے باپ نے (یعنی الگ الگ) کچھ نہیں بچا سکتا تھا ان کو اللہ کی بات سے (یعنی اس کے فیصلہ سے) مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے دل میں جو پوری کر چکا (وہ شفقت کی بنا پر نظر بد سے بچانے کا خیال تھا) اور وہ تو خبردار تھا جو کچھ ہم نے سکھایا اس کو (انہیں ہمارے سکھانے کی وجہ سے) بہت سے لوگوں (کافروں) کو خبر نہیں (اللہ کے اپنے دوستوں پر الہام کی)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: لِيَمْتازُوا: تاکہ وہ غلہ لائیں۔

قوله: مَا أَقْدَمَكُم: کیا چیز اور کیا سبب تم کو میرے ملک میں لایا ہے۔

قوله: لَعَلَّكُمْ عُيُونٌ: تم جاسوس یا نوہ لگانے والے ہوتا کہ ملک کے خفیہ ٹھکانے معلوم کرو۔

قوله: وَفِي لَهُمْ كَيْلَهُمْ: وہ سامان جو منتقل کرنے کے لئے تیار کیا جائے جیسا سامان سفر وغیرہ اس کو جہاز کہتے ہیں۔

قوله: وَلَا تَقْرَبُون: یہ لکھا ہے مجزوم ہے آخر میں نون وقایہ ہے۔ جزائے شرط پر عطف کی وجہ سے بھی مجزوم ہو سکتا ہے۔

قوله: أَوْعِيَّتِهِمْ: رجال سے بوجہ مراد انہیں بلکہ سامان مراد ہے جیسا لفظ فتوحاً متاعم سے معلوم ہوتا ہے۔

قوله: وَفِي قِرَاءَةِ حَافِظًا: ایک قراءت میں حفظا ہے جو کہ تمیز ہے نہ کچھ اور البتہ حافظہ میں حال کا بھی احتمال ہے۔

قوله: هَذَا: یہ جملہ متانفہ ہے جو مانع کو واضح کرنے والا ہے۔

قوله: بِأَنْ تَحْلِفُوا: التامنی یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔

قوله: بِهِ وَثِقْتُ: بیان اختصاص کے لئے واؤ کے عطف اور فا جو عطف مع تسبب کا فائدہ دیتی ہے ایک جملے میں جمع کر دیا۔

قوله: قَضَائِهِ: مضاف محذوف ہے۔

قوله: لِتَعْلِيمِنَا: ما مصدریہ ہے موصولہ نہیں۔

تفسیر مقبولین

وَجَاءَ إِخْوَةَ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿۱۲﴾

برادرانِ یوسف کا عملہ لینے کے لیے مصر آنا اور آپ کا سرمانا کہ آئندہ اپنے
علائی بھائی کو بھی لانا:

سرسبزى و شادابى کے سات سال گزرنے کے بعد قحط آ گیا یہ قحط صرف مصرى میں نہ تھا آس پاس کے علاقوں میں بھی تھا۔ ملک شام بھی مصر کے ساتھ ملتا ہے یہاں بھی قحط تھا اور غلے کی ضرورت تھی حضرت یوسف علیہ السلام کے والد اور بھائی مرزین لسطین میں رہتے تھے جو شام کا ایک حصہ ہے ان لوگوں کو بھی علم ہوا کہ مصر میں غلہ ملتا ہے اور حکومت کی طرف سے دیا جا رہا ہے لیکن حکومت کا یہ دینامفت میں نہیں ہے غلہ حاصل کرنے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی مصر کے لیے روانہ ہو گئے ساتھ ہی مال بھی لیا تا کہ اس کے ذریعہ غلہ حاصل کر سکیں وہ زمانہ اونٹوں پر سوار ہو کر سفر کرنے کا تھا یہ لوگ سفر کے مصر کی خدمت میں پہنچ گئے جہاں وہ اندر کے کمرہ میں تشریف رکھتے تھے حکموں کے جو افسر اعلیٰ ہوتے ہیں وہ خود تو اشیاء و اجناس اپنے ہاتھ سے تقسیم نہیں کرتے ان کے کارندے ہی تقسیم کرتے ہیں لیکن منظوری افسر اعلیٰ سے ہی لی جاتی ہے کہ کس کو مال دیا جائے اور کس قدر دیا جائے اس لیے ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جانا پڑا جب ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ تو میرے

بھائی ہیں یہ دس بھائی تھے جو پہلی والدہ سے تھے (حضرت یوسف علیہ السلام کا حقیقی بھائی بنیامین نامی ان کے ساتھ نہیں تھا) بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہیں پہچانا انہیں اس کا گمان بھی نہ تھا کہ جسے ہم نے کنعان کے جنگل میں مصر کے قافلے کے کسی شخص کے ہاتھ بیچ دیا تھا وہ آج اتنے بڑے عہدہ پر ہوگا حضرت یوسف علیہ السلام نے کسی تدبیر سے ان سے یہ کہلوایا کہ ہمارا ایک بھائی اور ہے جسے ہم اپنے والد کے پاس چھوڑ آئے ہیں اور بعض حضرات نے یوں لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے فی آردی ایک ایک اونٹ غلہ بھر کر ان سب کو دے دیا تو انہوں نے کہا ہمارا ایک علاقائی (باپ شریک) بھائی ہے اس کو ہمارے والد نے اس وجہ سے پاس رکھ لیا ہے اور ہمارے ساتھ نہیں بھیجا کہ ان کا ایک بیٹا تم ہو گیا تھا اس سے ان کی دلہن سگی ہوتی ہے اور تسلی ہوتی ہے اس لیے اس کا حصہ بھی دیدیا جائے یعنی ایک اونٹ کا غلہ زیادہ مل جائے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا یہ تو ہمارے قانون کے خلاف ہے جو شخص حاضر ہوتا ہے ہم اسی کو دیتے ہیں۔

برادران یوسف جب غلہ حاصل کر کے اپنے وطن کو واپس ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اب آنا ہو تو اپنے علاقائی بھائی کو بھی لے آنا دیکھو میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی بھی کرتا ہوں تمہارا وہ بھائی آئے گا تو ان شاء اللہ اس کو بھی پورا حصہ دوں گا اور ساتھ یہ فرمادیا کہ اگر تم اسے نہ لائے تو میرے پاس تمہارے نام کا کوئی ٹکٹہ نہیں اور تم میرے پاس بھی نہ پھٹکنا قحط کا زمانہ تو تھا ہی فی اونٹ جو غلہ ملا تھا اس کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ کتنے دن کام دے سکتا ہے دوبارہ آنے کی بہر حال ضرورت پڑے گی اس لیے انہوں نے کہا کہ ہم اس کے والد سے عرض معروض کریں گے اور انہیں راضی کریں گے کہ اپنے بیٹے کو ہمارے ساتھ بھیج دیں اور یہ کام ہمیں ضرور کرنا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے کارندوں سے فرمایا کہ یہ لوگ جو پونجی لے کر آئے ہیں جس کے ذریعے غلہ خریدا ہے ان کی اطلاع کے بغیر ان کے کھادوں میں رکھ دیں امید ہے کہ جب یہ لوگ اپنے گھر والوں کے پاس واپس پہنچیں گے اور سامان کھولیں گے تو یہ انہیں نظر آجائے گی اور اسے پہچان لیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم غلے کی قیمت میں دے کر آئے ہیں جب اس پونجی کو دیکھیں گے تو امید ہے کہ پھر آئیں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ تدبیر اس لیے کی کہ وہ کسی طرح پھر واپس آئیں اور اپنے بھائی کو بھی لے کر آئیں اول تو ان سے آنے کا وعدہ لیا کہ جس بھائی کو چھوڑ آئے ہو اسے آئندہ سفر میں لے کر آنا اور دوسرے یہ وعید بھی سادی کہ اگر تم اس بھائی کو نہ لائے تو تم میں سے کسی کو اپنا حصہ بھی نہ ملے گا تیسرے یہ کیا جو پونجی انہوں نے غلہ کی قیمت کے طور پر پیش کی تھی وہ انہیں کے سامان میں رکھوا دی۔ علماء تفسیر نے فرمایا کہ یہ انہوں نے اس لیے کیا کہ انہیں اس کا یقین نہ تھا کہ ان کے پاس اس پونجی کے علاوہ مزید ماں بھی ہوگا ممکن ہے مزید مال نہ ہو اگر یہ مال واپس چلا جائے گا تو اسی کو لے کر دوبارہ واپس آسکیں گے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب انہیں یہ خیال ہوگا کہ جس شخص نے ہمیں غلہ دیا اور پونجی بھی واپس کر دی وہ کریم النفس ہے محسن ہے ایسے شخص کے پاس تو پھر جانا چاہئے اور بعض حضرات نے ایک نکتہ اور نکالا ہے اور وہ یہ کہ جب حضرت ولد صاحب کو یہ معلوم ہوگا کہ ہماری پونجی واپس آگئی ہے جو مصری خزانے میں داخل ہونی چاہئے تھی اور اغلب ہے کہ بھول کر آگئی ہو لہذا حق بہ حق دار رسید کے تقاضے کے مطابق وہیں پہنچانی چاہئے جہاں سے واپس آئی حضرات انبیاء کرام کو یہ کہاں برداشت ہو سکتا تھا کہ کسی کا حق ان کی طرف رہ جائے لہذا وہ اپنے بیٹوں کو دوبارہ ضرور بھیجیں گے اور اس طرح سے اپنے حقیقی بھائی بنیامین

سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب بادشاہ کو یوسف علیہ السلام نے خود ہی مشورہ دیا تھا کہ قحط کے زمانے میں غلہ قیامتاً دیا جائے گا اور اس میں کوئی استثناء نہیں تھا تو پھر انہوں نے اپنے بھائیوں کی پوچھی کیسے واپس کر دی؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اتنی پوچھی انہوں نے اپنے پاس سے شامی خزانے میں جمع فرمادی اور دوسرا جواب یہ ہے کہ انہیں چونکہ اس بات کا یقین تھا کہ والد ماجد علیہ السلام اس پوچھی کو ضرور واپس بھجوادیں گے اس لیے ایک اعتبار سے اصرار دینا ہوا بالکل ہی بخش دینا نہ ہوا بہر حال جو بھی صورت ہو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پاک تھے معصوم تھے خیانت سے دور تھے انہوں نے جو بھی کیا ٹھیک کیا ہم تک ہر بات کا پہنچنا ضروری نہیں۔

یہ لوگ غلہ لے کر اپنے وطن پہنچ گئے اور اپنے والد سے کہا کہ اباجی اس مرتبہ تو غلہ لے آئے ہیں لیکن جو شخص غلہ دینے کا عتار ہے اس نے ہمیں غلہ دینے کی پابندی لگا دی ہے اور بندش کر دی ہے ہاں صرف ایک صورت میں غلہ دینے کا وعدہ کیا ہے کہ ہمارا یہ بھائی بھی ہمارے ساتھ جائے لہذا آپ ہمارے اس بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم غلہ لاسکیں اس کے حصے کا تو غلہ ملے ہی گا ہمارے حصہ پر جو پابندی لگا دی گئی ہے وہ بھی دور ہو جائے گی یہ بات ضرور ہے کہ آپ کو ہماری طرف سے اس کے بارے میں کوئی اندیشہ ہو سکتا ہے لیکن آپ بھروسہ رکھیں ہم اس کی حفاظت کریں گے ان کے والد نے فرمایا کیا میں اس کے بارے میں تم پر ایسا ہی بھروسہ کروں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تم پر بھروسہ کیا تھا؟ میں تم پر بھروسہ نہیں کروں گا اب تو بس یہ ہی کہتا ہوں کہ اللہ سب سے بہتر حفاظت فرمانے والا ہے اور وہ سب سے بڑھ کر تم فرمانے والا ہے تمہارے اوپر میں بھروسہ نہیں کرتا اب جاؤ تو اسے لے جانا میں اسے اللہ کی حفاظت میں دیتا ہوں۔ قال صاحب الروح استفہام انکاری الاکما المنتکم ای الاثمنا مثل اثمنا علی اخیه یوسف من قبل وقد قلتہم ایضانی حقہ ما قلتہم ثم فعلتہم بہ ما فعلتہم فلا اتق بکم ولا بحفظکم وانما افوض امری الی اللہ ص ۱۱ ج ۱۳ قلت و باعتبار ان لفظہ هل جاءت للاستفہام الانکاری الذی بدل علی النفی جیع بحرف الاستثناء ای لا امنکم علیہ الاکما انتکم علی اخیه من قبل وذلك لم یفنعنی فکذلک لا یفنعنی الان وقد تر جئنا الایۃ بالحاصل فافہم۔

وَقَالَ يٰٓبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا....

جب دوبارہ مصر جانے کے لیے تیار ہو گئے تو چلتے وقت یعقوب علیہ السلام نے ان کو تدبیر اور احتیاط کی نصیحت کی اور کہا اے میرے بیٹے مصر میں تم سب ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا یہ حکم اس لیے دیا کہ سب بیٹے صاحب حسن و جمال تھے اور صاحب شوکت و ہیبت و وقار تھے اور ایک باپ کی اولاد تھے اس لیے اندیشہ ہوا کہ اس طرح داخل ہونے سے نظر نہ لگ جائے کیونکہ نظر حق ہے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نظر حق ہے اور پہلی مرتبہ مصر میں عام مسافروں کی طرح داخل ہوئے تھے اور کوئی پہچانتا نہ تھا اس لیے پہلی مرتبہ اس احتیاط کی ضرورت نہ تھی اور دوبارہ جانا خاص شان اور اہتمام سے تھا اور بادشاہ کی دعوت پر تھا اس لیے حفاظت کی تدبیر فرمائی اور فرمایا کہ یہ محض ایک ظاہری تدبیر ہے اور نظر

بد سے بچنے کا ایک ذریعہ اور سبب ہے اور باقی اگر خدا ضرور پہنچانا چاہے تو میں تم کو اللہ کی تقدیر سے بچا نہیں سکتا یعنی خواہ تم سب ایک ساتھ ایک ہی دروازہ سے داخل ہو یا متفرق دروازوں سے تقدیر الہی ہر حال میں تم کو پہنچ کر رہے گی اور احتیاط کچھ بھی کام نہ آئے گی مگر جہاں تک ممکن ہو ظاہری تدبیر اور ظاہری سبب پر عمل کرنا ضروری ہے یہ عالم اسباب ہے حق تعالیٰ نے اسباب کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ اس راستہ پر چلو۔

ربنا ما خلقت هذا باطلا.

اطلبوا الارزاق من اسبابها وادخلوا الابيات من ابوابها

یعقوب علیہ السلام نے بمقتضائے شفقت پدری اول ایک تدبیر کا حکم دیا پھر بندہ کے عجز اور لاچارگی پر نظر کر کے تقدیر کا ذکر فرمایا تاکہ بچے سمجھ جائیں کہ احتیاطی تدبیر سے مقدر نہیں مل سکتا کیونکہ حکم صرف اللہ کا ہے اس کے حکم کے سامنے کسی کی نہیں چلتی جو اس نے تمہارے لیے مقدر کیا ہے وہ لامحالہ تم کو پہنچے گا اور یہ تدبیر تم کو کچھ نفع نہ دے گی اور باوجود اس تدبیر ظاہری کے میں نے بھروسہ خدا ہی پر کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو چاہئے کہ اسی پر بھروسہ کریں نہ کہ تدبیر پر۔ تدبیر سے گریز کرنے کا نام تو کل نہیں بلکہ توکل یہ ہے کہ تدبیر بھی کرو مگر نظر تقدیر پر رکھو اس کے بعد وہ سب وہاں سے روانہ ہوئے اور جب شہر مصر میں اسی طرح متفرق دروازوں سے داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے حکم دیا تھا تو یہ تدبیر ان سے اللہ کی تقدیر میں سے کوئی شے دفع نہ کر سکی لیکن یعقوب علیہ السلام کے دل کی ایک خواہش تھی جس کو انہوں نے پورا کر لیا اور اس کے موافق اولاد کو وصیعت کردی اور اسی کے مطابق اولاد متفرق دروازوں سے داخل ہوئی مگر جو مقدر تھا وہ دور نہ ہوا اور چوری کا الزام ان پر لگا جس اس تدبیر سے تقدیر نہ دفع ہوئی اور تقدیر دوسری طرف لے آئی اور تحقیق یعقوب بڑا خیر دار تھا اس چیز سے جو ہم نے اس کو سکھائی تھی کہ تدبیر بھی کی مگر بھروسہ تدبیر پر نہ کیا اور صحیح علم یہی ہے کہ تدبیر اور تقدیر دونوں کو جمع کرے لیکن اکثر لوگوں کو اس کا علم نہیں کہ وہ تدبیر پر مفرور ہو جاتے ہیں اور تقدیر کا بھید ان کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتا ہے ظاہر اسباب کو بخت کرنا اور بھروسہ اللہ پر رکھنا یہی صحیح علم اور صحیح معرفت ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ صَمَّ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ مِنَ الْحَسَدِ لَنَا وَأَمْرَةٌ أَنْ لَا يَخْبَرَهُمْ وَتَوَاطَأَ مَعَهُ عَلَىٰ أَنَّهُ سَيَحْتَالُ عَلَىٰ أَنْ يُثَبِّتَهُ عِنْدَهُ فَمَتَا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ هِيَ صَاعٌ مِنْ ذَهَبٍ مُّزْضَعٍ بِالْجَوَاهِرِ فِي رَحْلِ أَخِيهِ بِنَامِيْنِ
 ثُمَّ أَدْنَىٰ مَوْزُونَ نَادَىٰ مُنَادٍ بَعْدَ انْفِصَالِهِمْ عَنْ مَجْلِسِ يُوسُفَ أَيُّتَهَا الْعَبِيدُ الْقَافِلَةُ إِنَّكُمْ لَسِرْقُونَ ﴿١٦﴾ قَالُوا وَقَدْ أَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا مَالِ الَّذِي تَفْقِدُونَ ﴿١٧﴾ قَالُوا لَنَفَقْدُ صَوَاعَ صَاعِ الْمَلِكِ وَ لَمِنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ مِنَ الطَّعَامِ وَأَنَا فِيهِ بِالْحِمْلِ رَعِيمٌ ﴿١٨﴾ كَفَيْلٌ قَالُوا تَاللَّهِ قَسَمَ فِيهِ مِنْغْنَى النَّعْجِبِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنَفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سِرْقِينَ ﴿١٩﴾ مَا سَرَقْنَا قطُّ قَالُوا أَيُّ الْمَوْزُونَ

وَأَصْحَابَهُ فَمَا جَزَاؤُهُ أَي السَّارِقِ إِنْ كُنْتُمْ كَذِبِينَ ۝ فَبِئْسَ مَا كُنَّا سَارِقِينَ وَوَجَدَ فِيكُمْ
 قَالُوا جَزَاؤُهُ مُبْتَدَأٌ خَبْرَةٌ مَنْ وَجَدَ فِي رَحْلِهِ يَسْتَرِقُ ثُمَّ أَكْذَبْتُمْ لَهُ قَهُو أَي السَّارِقُ جَزَاؤُهُ
 أَي الْمَسْرُوقُ لَا غَيْرُ وَكَانَتْ شَيْئًا الِ يَعْتُوبُ كَذَلِكَ الْجَزَاءُ تَجْرِي الظُّلْمِينَ ۝ بِالسَّرِقَةِ فَضَرَفُوا إِلَى
 يُوْسُفَ لِيُفِيْسَ أَوْ عَيْتِهِمْ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ فَفَتَّشَهَا قَبْلَ وَعَاءِ أَخِيهِ لِثَلَاثَتِهِمْ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا أَي
 السِّفَابَةَ مِنْ وَعَاءِ أَخِيهِ ۝ قَالَ تَعَالَى كَذَلِكَ الْكَيْدِ كِدْنَا لِيُوسُفَ ۝ عَلِمْنَاهُ الْإِخْتِيَالُ فِي أَخِيهِ
 مَا كَانَ يُرْسِفُ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ رَقِيقًا عَنِ السَّرِقَةِ فِي دِينِ الْمَلِكِ حُكْمِ مَلِكٍ بِضَرِّ لَانَ جَزَاؤُهُ عِنْدَهُ
 الضَّرْبُ وَتَغْرِيبُ مِثْلِي الْمَسْرُوقِ لَا الْإِسْتِرْقَاقِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۝ أَخَذَهُ بِحُكْمِ أَبِيهِ أَي لَمْ يَمَكَّنْ
 مِنْ أَخِيهِ إِلَّا بِمَشِيئَةِ اللَّهِ تَعَالَى بِالْهَامِيَةِ سُؤَالَ إِخْوَتِهِ وَجَزَائِهِمْ بِسُنَّتِهِمْ تَرْقِعُ دَرَجَاتٍ مِمَّنْ نَشَاءُ ۝
 بِالْإِضَافَةِ وَالتَّنْوِينِ فِي الْعِلْمِ كَيُوسُفَ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ مِنَ الْمَخْلُوقِينَ عَلَيْهِ ۝ أَغْلَمَ مِنْهُ حَتَّى
 يَنْتَهِيَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ ۝ أَي يُوسُفَ وَكَانَ سَرَقَ لِأَبِيهِ أَمِ
 صَنَامٍ مِنْ ذَهَبٍ فَكَتَّرَهُ لِثَلَاثَةِ عَشْرَةَ فَاسْرَهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَكَمْ يَبْدُهَا يُظْهِرُهَا لَهُمْ ۝ وَالضَّمِيرُ
 لِلْكَلِمَةِ الَّتِي فِي قَوْلِهِ قَالَ فِي نَفْسِهِ أَنْتُمْ سَرَقْتُمْ مَكَانًا ۝ مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ لِيَسْرِقْتُمْ أَخَاكُمْ مِنْ أَبِيكُمْ
 وَظَلَمْتُمْ لَهُ وَاللَّهُ أَحْكَمُ عَالِمٌ بِمَا تَصِفُونَ ۝ تَذَكُّرُونَ فِي أَمْرِهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا
 كَبِيرًا يُحِبُّهُ الْكَلْبَرُ مِثْلًا وَيَسْتَلِي بِهِ عُنُقَ وَلَدِهِ الْهَالِكِ وَيَحْرِيئُهُ فِرَاقَهُ فَخُذْ أَحَدَنَا اسْتَعْبُدْهُ مَكَانَهُ ۝ بَدَلًا
 مِنْهُ إِنْكَارًا مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ فِي أَفْعَالِكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ نَضَبَ عَلَى الْمَصْدِرِ حَذَفَ فِعْلُهُ وَ
 أَضْبَفَ إِلَى الْمَفْعُولِ أَي نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مِنَ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَكَ ۝ لَمْ يَقُلْ مَنْ سَرَقَ
 نَحْنُ زَايِنُ الْكَيْدِ إِنْكَارًا إِذَا إِنْ أَخَذْنَا غَيْرَهُ لَظَالِمُونَ ۝ يَسْأَلُونَ

تَرْجُمْتُمْ: اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس تو انہوں نے اپنے پاس رکھا (ٹھہرا لیا) اپنے بھائی کو بولے کہ میں تیرا بھائی
 ہوں سو تمہیں مت ہوا ان کاموں سے جو انہوں نے کئے ہیں (ہم سے حسد اور بنیامین کو یہ کہہ دیا کہ ان کے بھائیوں کو نہ بتانا
 اور اس بات پر بنیامین کو آمادہ کر لیا کہ اسے اپنے پاس رکھنے کے لئے ایک تدبیر کروں گا) پھر جب یوسف نے بھائیوں کے

واسطے ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے پیارے (جو سولے کا تھا اور جو اہرات جڑے ہوئے تھے) اپنے بھائی بنیامین کے سامان میں رکھ دیا پھر ایک پکارنے والے نے پکارا (حضرت یوسف علیہ السلام کی مجلس سے علیحدگی کے بعد) اے قافلہ دار! تم تو البتہ چور ہو وہ ان کی طرف نہ کر کے کہنے لگے تمہاری کیا چیز کم ہوئی؟ شاہی پیادے بولے ہم بادشاہ کا پیانا کم پاتے ہیں جو شخص اس کو لائے اس کو ایک اونٹ بوجھ غلہ انعام میں ملے گا اور میں اس (انعام) کا ضامن (ذمہ دار) ہوں وہ بولے اللہ کی قسم (قسم تجب کے معنی میں ہے) تم جانتے ہو ہم شرارت کرنے کو نہیں آئے ملک میں اور نہ کبھی ہم چور تھے بولے ہم نے کبھی چوری نہیں کی (اعلان کرنے والا اور اس کے ساتھی) پھر کیا سزا اس کی (چور کی) اگر تم جھوٹے نکلے (اپنی بات میں کہ ہم نے کبھی چوری نہیں کی اس کے باوجود تمہارے پاس سے برآمد ہوا) بولے اس کی سزا (مبتداء ہے اس کی خبر آگے آرہی ہے) یہ ہے کہ جس کے اسباب میں سے ہاتھ آجائے (برآمد ہو پھر اپنے اس قول سے کلام کو موقوف کیا) وہی (چور) اس کے بدلہ میں جائے (چوری کردہ چیز کے بدلے میں چور ہی کو رکھ لیا جائے کسی اور کو نہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہاں یہی قانون تھا) ایسے ہی سزا (بدلہ) دیتے تھے ہم ظالموں کو (چوری کر کے حق تلفی کرنے والوں کو اس کے بعد ان کی تلاش کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے جا حاضر کیا) پھر شروع کی یوسف نے ان کی بوریاں دیکھنی (پس ان کی تلاش لی) اپنے بھائی کی پوری سے پہلے (تاکہ اس کو الزام نہ لگے) آخر کار نکالا اس (برتن) کو اپنے بھائی کی پوری سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یوں تدبیر بتائی ہم نے یوسف کو (ہم نے اس کو اپنے بھائی کے روکنے کا داؤد بتایا) وہ (یوسف) ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو (چوری کی سزا میں غلام بنا کر) بادشاہ کے قانون کی رو سے (کیونکہ مصری قانون کے اعتبار سے چوری کی سزا میں پٹائی ہوتی تھی اور چوری کے سامان کے برابر تاوان لیا جاتا تھا غلام نہیں بنایا جاتا تھا) مگر جو چاہے اللہ (ان کے آبائی قانون کی رو سے یعنی بھائی کے روکنے پر یوسف قادر نہیں تھے جب تک اللہ تعالیٰ بھائیوں کو سوال کا الہام اور اپنے طریقہ کے مطابق جواب دلا نہ چاہتا) ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہیں (علم کے اندر، درجات، اضافت اور تینوں دونوں کے ساتھ صحیح ہے) ہر جاننے والے سے اوپر ہے (مخلوق میں) ایک جاننے والا (جو پہلے جاننے والے سے بڑھ چڑھ کر ہوتا ہے تاکہ یہ سلسلہ حق تعالیٰ پر جا کر ختم ہوتا ہے) کہنے لگے کہ اگر اس نے چرایا تو چوری کی تھی اس کے ایک بھائی نے بھی اس سے پہلے (یعنی یوسف نے اپنی پھوپھی کا بت چرایا تھا تاکہ وہ اس کی پوجانہ کر سکے) تب یوسف نے آہستہ سے اپنے دل میں کہا اور ان کو نہ بتایا (ظاہر نہیں کیا اور بہدھا کی ضمیر اس بات کی طرف لوٹ رہی ہے جس کو انہوں نے اپنے دل میں اَنْتَھُ شَرٌّ مِّنْکَاۤءَہَا کہا تھا) بولا کہ تم تو درجہ میں بہتر ہو (یوسف اور اس کے بھائی سے کیونکہ تم نے اپنے باپ کی چوری کی اور بھائی کو چوری کیا اور اس پر ظلم کیا) اور اللہ خوب جانتا ہے (جاننے والا ہے) جو تم بیان کرتے ہو (یوسف کے بارے میں جو تذکرہ کر رہے ہو) کہنے لگے اے عزیز! اس کا ایک باپ ہے بہت بڑھاپا بڑی عمر کا (ہم میں سب سے زیادہ اس سے محبت کرتا ہے اور اپنے ہلاک ہونے والے لڑکے کے غم کو اس کے ذریعہ ہلکا کرتا ہے اور اس کی جدائی باپ کو غم میں مبتلا کر دیتی ہے) سو رکھ لے ہم میں سے ایک کو (غلام بنا لیجئے) اس کی جگہ (بدلہ میں) ہم دیکھتے ہیں آپ کو احسان کرنے والوں میں سے (اپنے کاموں میں) یوسف بولا اللہ پناہ دے (معاذ اللہ مصدر کی وجہ سے منصوب ہے اس کا فعل محذوف ہے اور مفعول کی جانب اضافت کی گئی ہے) (یعنی نعوذ باللہ) کہ ہم اس آدمی

کو چھوڑ کر جس کے پاس ہمارا سامان لٹکا دوسرے کو تمام لیں (یہاں جھوٹ سے بچنے کے لئے سامان پانا کہا ہے) اگر ایسا کریں (کہ دوسرے کو پکڑ لیں) تو ہم ظالم ٹھہریں گے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: نَادَى مُنَادٍ: أَذَّنَ نہ تو یہ مطلق معنی میں ہے اور نہ اعلان کے معنی میں۔
- قوله: الْقَافِلَةُ: عَيْرٌ سے یہاں صرف انکے ساتھ آنے والے لوگ مراد ہیں اس کا قرینہ إِنَّكُمْ لَسِرِقُونَ ہے۔
- قوله: إِنَّكُمْ لَسِرِقُونَ: یہ یوسف علیہ السلام کو چرانے سے کہنا یہ ہے۔
- قوله: قَدْ: اس کو مقدر مانا تا کہ حال بن سکے۔
- قوله: مَا الَّذِي: ما استفہامیہ ہے اور ذایہ الذی کے معنی میں ہے۔
- قوله: تَفْقِدُونَ: یعنی تمہاری کیا چیز ضائع ہوئی ہے۔ فَقِدُ کسی چیز کا حس سے غائب ہونا۔
- قوله: فِيهِ مَعْنَى التَّعَجُّبِ: اس سرقہ کی نسبت پر جو ان کی طرف کر دی گئی تھی۔
- قوله: لَقَدْ عَلِمْتُمْ: انہوں نے اپنے علم کے مطابق گواہی دی کیونکہ ان کی دینی حالت سے انکی امانت ثابت ہو چکی تھی۔
- قوله: السِّقَايَةَ: ضمیر کے مؤنث لانے کی وجہ کی طرف اشارہ ہے باوجودیکہ صواع مذکر ہے۔
- قوله: عَلَّمْنَا: كِدْنَا سے مراد تعلیم کید ہے فعل کید مراد نہیں۔
- قوله: حُكْمِ مَلِكٍ مِصْرَ: اس سے تفسیر کر کے بتلایا کہ بادشاہ کا کوئی دین نہ تھا البتہ اس کا حکم و طریقہ مراد ہے جو کہ مروج تھا۔

قوله: مَعَاذَ اللَّهِ: یہ مصدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ مفعولیت کی وجہ سے نہیں۔

قوله: مِنْ أَنْ: ان مصدر یہ ہے مفسرہ نہیں کیونکہ اس کی شرط موجود نہیں۔

قوله: لَظَلِمُونَ: یعنی تمہارے مذہب کے مطابق۔

تفسیر مقبولین

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ

صاحبزادوں نے والد کے حکم کی تعمیل کی شہر کے متفرق دروازوں سے مصر میں داخل ہوئے تو باپ کا ارمان پورا ہو گیا ان کی یہ تدبیر اللہ کے کسی حکم کو نال نہ سکتی تھی مگر یعقوب علیہ السلام کی پدرانہ شفقت و محبت کا تقاضا تھا جو انہوں نے پورا کر لیا، اس آیت کے آخر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی مدح ان الفاظ میں کی گئی ہے وَإِنَّكَ لَكَاذِبٌ عَلِيمٌ لَمَّا عَلَّمْنَاهُ وَلَكِنَّ

اَلَّذِي النَّاسُ لَا يَعْلَمُونَ یعنی یعقوب علیہ السلام بڑے علم والے تھے کیونکہ ان کو ہم نے علم دیا تھا مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں کی طرح ان کا علم کتابی اور اکتسابی نہیں بلکہ بلا واسطہ عطا و خداوندی اور وہی علم تھا اسی لیے انہوں نے ظاہری تدبیر جو شرعاً مشروع اور محمود ہے وہ تو کر لی، مگر اس پر بھروسہ نہیں کیا مگر بہت سے لوگ اس بات کی حقیقت کو نہیں جانتے اور ناواقفیت سے یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ایسے شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ تدبیریں پیغمبر کی شان کے شایان نہ تھیں، بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ پہلے لفظ علم سے مراد علم کے مقتضی پر عمل کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو علم ان کو عطا کیا وہ اس پر عامل اور اس کے پابند تھے اسی لیے ظاہری تدبیروں پر بھروسہ نہیں فرمایا بلکہ اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پر فرمایا۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ

بارودم آمدن برادران یوسف علیہ السلام:

(و بطن) یہاں تک برادران یوسف علیہ السلام کی پہلی بار آمد کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں ان کی دوسری بار آمد کا ذکر ہے اور جب بارودم یعقوب علیہ السلام کی وصیت کے مطابق گیارہ بھائی یعنی دس بھائی سابق مع بنیامین کے مختلف دروازوں سے مصر میں داخل ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے اور بنیامین کو پیش کر کے کہا کہ ہم آپ کے حکم کے مطابق اپنے اس علاقے بھائی کو اپنے ساتھ لائے ہیں جو آپ کے سامنے ہے یوسف علیہ السلام نے دودو بھائیوں کو ایک ایک جگہ ٹھہرا دیا بنیامین اکیلے رہ گئے اس لیے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اپنے پاس اس کو ٹھہرایا اور کھانے میں ان کو شریک کر لیا اور خلوت میں یوسف علیہ السلام نے بنیامین سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے اس نے کہا بنیامین یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ تیری ماں کا نام کیا ہے بنیامین نے کہا رحیل یوسف علیہ السلام نے پوچھا کوئی تیرا گنا بھائی بھی ہے۔ بنیامین نے کہا ایک بھائی تھا وہ ہلاک ہو گیا یوسف علیہ السلام نے کہا اگر میں تیرے اس بھائی کے بدلہ جو ہلاک ہو گیا ہے بھائی ہو جاؤں تو تو اس بات کو پسند کرنے کا بنیامین نے کہا تجھ سے اچھا بھائی کس کو مل سکتا ہے لیکن تجھ کو یعقوب علیہ السلام اور رحیل نے نہیں جناس وقت یوسف علیہ السلام نے کہا میں تیرا بھائی یوسف ہوں سو یہ لوگ جو تیرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں اس کی وجہ سے تم گنہگار نہ ہو اللہ نے بھائی کو بھائی سے ملا دیا سب غم غلط ہو گئے اللہ کی رحمت نے اور پھر ان کے حسد نے ہم کو اس منزل پر پہنچایا یہ وقت نہ رنج کا ہے اور نہ شکوہ اور شکایت کا ہے بلکہ حق تعالیٰ کے شکر کا وقت ہے بنیامین نے جب یہ سنا تو خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور بزبان حال یہ کہنے لگے۔

آنچه بینی ہم بیداری است یارب یا خواب۔ ٹوشتن را در چنینی راحت من از چند میں عذاب

یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو تسلی دی اور کہا کہ اب ہم تمہیں اپنے پاس رکھنے کی تدبیر کریں گے مگر اس میں ذرا تمہاری بدنامی ہوگی بنیامین نے کہا کچھ پروا نہیں پس جب یوسف علیہ السلام نے ان کا سامان روانگی تیار کر دیا تو پانی پینے کا برتن کہ وہی غلہ دینے کا پیانا بھی تھا اپنے بھائی کے سامان میں خود رکھ دیا یا کسی رازدار خادم سے رکھوا دیا اور کسی کو خبر نہ ہوئی اور ظاہر یہ ہے کہ خود یوسف علیہ السلام نے رکھا تا کہ کسی کو خبر نہ ہو اور وہ سب خوش و خرم غلہ لے کر روانہ ہوئے پھر جب وہاں سے روانہ ہوئے اور شہر سے باہر نکلے تو ایک پکارنے والے نے پکارا اے قافلہ والو! تم چور ہو چونکہ برادران یوسف علیہ السلام کا قیام خاص مہمان خانہ میں تھا جس میں شاہی پیانا رکھا ہوا تھا۔ جب قافلہ روانہ ہو گیا تو کار پرواز ان مہمان خانہ نے سامان کی خبر گیری کی تو دیکھا کہ شاہی پیانا اپنی جگہ پر نہیں تو

تلاش شروع کی۔ جب نہ ملے تو گمان یہ ہوا کہ اس مہمان خانہ میں سوائے اس قافلہ کے کوئی نہ تھا اس لیے منادی نے جا کر آواز دی۔

اے قافلہ والو!! ٹھہرو ہمارے گمان میں تم چور معلوم ہوئے ہو بغیر یہ منادی یوسف علیہ السلام کے حکم سے نہ تھی بلکہ مہمان خانہ کے خادموں کی طرف سے تھی جب انہوں نے مکان میں وہ پیالہ نہ دیکھا تو ان کا گمان یہ ہوا کہ اس مکان میں ان کے سوا کوئی نہ تھا اس لیے خدام نے اپنے گمان کے مطابق کہا: **إِنَّكُمْ لَسُرُقُونَ** ۱۰۔ (دیکھو تفسیر کبیر نمبر ۶ ص ۱۰۱ جلد ۵، روح البیان ص ۲۹۹ جلد ۱)

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ آواز اور منادی یوسف علیہ السلام کے حکم سے تھی تو یہ کلام بطریق تور یہ اور اشارہ تھا اور مطلب یہ تھا کہ کوئی تو مال چراتا ہے اور چھپاتا ہے تاکہ آئندہ چل کر اس سے فائدہ اٹھائے اور تم تو وہ ہو کہ جنہوں نے مینے کو باپ سے چرایا اور لے جا کر ستے داموں بیچ ڈالا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ **إِنَّكُمْ لَسُرُقُونَ** ۱۰ میں ہمزہ استفہام مقدر ہے یعنی انکم لسا رقون اور مطلب یہ ہے کہ کیا تم چور ہو یہ کلام بطور خبر نہ تھا بلکہ بطور استفہام تھا۔ (تفسیر کبیر ص ۱۰۴ جلد ۵)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے حکم سے تھا۔ لایسئل عما یفعل وہم یسئلون اور حکمت اس میں یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام کے بعد بنیامین کی مفارقت سے یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء کی تکمیل ہو جائے۔

(دیکھو تفسیر مظہری ص ۱۹ جلد ۵ اور تفسیر ستر طبری ص ۲۳۰ جلد ۹)

القصہ جب یہ آواز یعنی: **آيْتَهَا الْعِيْدُ إِنَّكُمْ لَسُرُقُونَ** ۱۰ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے سنی تو گھبرا کر بولے اور ان تلاش کرنے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے تم نے کیا گم کیا ہے جس کو تم ڈھونڈتے ہو تو تلاش کرنے والے بولے ہم بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں اس کو تلاش کرتے ہیں اور جو اس کو لا کر حاضر کرے اس کے لیے ایک بار شتر نلہ انعام ہے اور میں اس کے دلوانے کا ضامن اور کفیل ہوں غالباً انعام کا یہ اعلان یوسف علیہ السلام کے حکم سے ہوا ہوگا اہل قافلہ نہ کہا اے لوگو بندہ تم جان چکے ہو کہ اس ملک میں ہم فساد کرنے نہیں آئے فقط قحط کی وجہ سے غلہ لینے کے لیے آئے ہیں ہماری حالت اور دیانت تم دیکھ چکے ہو اور ہم کبھی چور نہ تھے یہ انہوں نے اس لیے کہا کہ ان کی امانت و دیانت اہل معرہ دیکھ چکے تھے کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ انہوں نے معر میں داخل ہوتے وقت اپنے جانوروں کے منہ پر تورے چڑھادیئے تھے تاکہ کسی کے کھیت میں منہ نہ ڈال سکیں۔

(دیکھو تفسیر ستر طبری ص ۲۳۴ جلد ۹)

اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس قیمت کو جس کو انہوں نے اسباب میں پایا تھا واپس کر دیا تھا (واللہ اعلم بحال اسنادہ) القصہ جب منادی کرنے والوں نے دیکھا کہ باوجود اس تہدید و علامت کے اور باوجود اس انعام اور کفالت کے کسی نے کوئی اقرار نہ کیا تو منادی کرنے والے بولے اچھا بتلاؤ اگر تم جھوٹے نکلے اور تم میں سے کسی کے سامان میں وہ مال برآمد ہو تو اس کی کیا سزا ہوگی کہنے لگے ہماری شریعت میں اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ مال برآمد ہو وہی شخص اس کی سزا ہے یعنی تم اس کو اپنا غلام بنا لینا ہم ظالموں کو یعنی چوروں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں یعنی ہماری شریعت میں چور کی سزا یہ ہے کہ چور کو اس شخص کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جس کا مال اس نے چرایا ہو وہ سال بھر تک اس کا غلام رہتا ہے یوسف علیہ السلام بھی یہی چاہتے تھے تاکہ ان کے قول کے مطابق حجت قائم ہو اور یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو روک لیں اور بھائیوں کو عذر کی گنجائش نہ رہے

انہوں نے خود اقرار کر لیا کہ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا یہ ہے۔

اس طرح اپنے اقرار سے خود پکڑے گئے جب یہ طے ہو گیا کہ چور کی سزا کا طریقہ یہ ہے تو قافلہ کو مصر واپس لائے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کا مقدمہ پیش ہوا۔ یوسف علیہ السلام نے تفتیش کا حکم دیا پس یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے دوسرے بھائیوں کی تلاشی لی اور اپنے بھائی کی بوری سے وہ پیمانہ نکال لیا اور شرط کے مطابق بنیامین کو غلام بنا لیا اس طرح سے ہم نے یوسف علیہ السلام کی خاطر بنیامین کے رکھنے کی یہ تدبیر کی کہ بھائیوں ہی کی زبان سے یہ نکلوایا کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہو اس کو اپنا غلام بنا لو اس طرح وہ اپنے اقرار سے پکڑے گئے اور کوئی عذر نہ کر سکے اور وہ اس تدبیر کی یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو شاہی قانون کے مطابق نہیں لے سکتے تھے کیونکہ شاہی قانون میں چور کی سزا یہ نہ تھی کہ اس کو غلام بنا لیا جائے۔ بلکہ چور سے مال مسروقہ کی دو چند قیمت لی جاتی تھی اور یہ سزا یوسف علیہ السلام کے نزدیک پسندیدہ نہ تھی بہر حال یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو بادشاہ مصر کے قانون کے مطابق نہیں لے سکتے تھے۔ مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے تو وہ جس صورت سے چاہے دلا سکتا ہے ہم جس کو چاہتے ہیں حکمت دے کر اس کے درجے بلند کرتے ہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کو علم اور معرفت عطا کر کے ان کو بلند کیا اور بھائی کو روکنے کا یہ حیلہ اور طریقہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو بتایا اور ہر ذی علم کے اوپر ایک علم والا ہے یہاں تک کہ اس کی انتہاء اللہ تعالیٰ پر ہے لہذا کسی عالم کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنے علم پر ناز کرے ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ وان الی ربی المنتہی۔

سائدہ جلیلہ در تحقیق مسئلہ جلیلہ:

حق تعالیٰ کا یہ ارشاد: **جَعَلَ السَّاقِيَةَ فِي رَحْلِ اس** امر کی دلیل ہے کہ کسی جائز غرض کے حصول کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے البتہ ابطال حق یا احتقاق باطل کے لیے حیلہ ناجائز ہے اور یہی فقہاء حنفیہ کا مذہب ہے مضائق اور تنگی کے مواقع سے نکلنے کے لیے حضرات انبیاء سے تو یہ کرنا ثابت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تو یہ بہل فعلہ کہیدرھم قرآن کریم میں مذکور ہے اور نبی اکرم ﷺ کا غزوات میں تو یہ فرمانا اور اعداء اللہ کے قتل کرنے کے لیے صحابہ کو تو یہی کی اجازت دینا کتب صحاح میں مذکور ہے حالانکہ تو یہ بھی ایک قسم کا حیلہ ہی ہے فرق اتنا ہے کہ تو یہ حیلہ قولی ہے اور حیلہ میں فعل ہوتا ہے اور یوسف علیہ السلام کا یہ حیلہ یعنی بھائی کے سامان میں سقاہہ کا رکھ دینا بظاہر حکم خداوندی سے تھا۔ جیسا کہ **كُنَّا لَكَ كَذًا لِيُؤَسِّفَ لِمَصْرًا** اس پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا یہ کید اور یہ حیلہ بحکم خداوندی تھا اور اس کی مرضی کے مطابق تھا اور اس کے بعد حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ: **ذَرَجَتْ قَمِيْنًا نَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ** اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس قسم کا حیلہ اور کید وہی شخص کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص علم و معرفت عطا ہوا ہو اور ایسا علم موجب رفیع درجات ہے اور قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا: **وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنُثْ** یعنی اے ایوب علیہ السلام! تم اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا اٹھا لو اور اس سے مار لو اور قسم نہ توڑو۔ یہ بھی ایک قسم کا حیلہ تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی کے متعلق فرمایا **هَذِهِ نَفْسِي يَمِيْرِي** بہن ہے تاکہ کافر کے شر سے محفوظ رہیں معلوم ہوا کہ حضرت سے بچنے کے لیے حیلہ کا استعمال شرعاً محمود ہے اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اس مقام پر حق جل شانہ نے یوسف علیہ السلام کے اس حیلہ کو

مجموعہ افعال خداوندی کے کید اور کربھی ہے کما قال اللہ تعالیٰ: انہم یکیدون کیدا واکیدا کیدا. ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر المکرین اور کید اور کربھی کی حقیقت خفی ہے اور اللہ تعالیٰ مدبر السموات والارض ہے بعض مرتبہ جن محل شانہ کسی حکمت کی بناء پر اپنے خاص بندوں پر اس قسم کے جیل اور رکاند اور تدابیر منکشف فرماتے ہیں جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں مگر وہ حقیقت وہ عین حکمت اور عین مصحت ہوتی ہیں جیسے خضر علیہ السلام کا کشتی کو توڑنا اور کم سن لڑکے کو نکل کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر میں محل تعجب ہوا مگر یہ تمام امور نبی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی تھے فقہاء حنفیہ نے جن حیلوں کی اجازت دی ہے وہ اسی قسم کے حیلے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے اور اپنے پیغمبروں کو اس کا حکم دیا ہے باقی ایسا حیلہ جو کسی حکم قطعی سے گریز کے لیے کیا جائے (جیسے اصحاب سبت کا حیلہ) سو ایسا حیلہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک قطعاً حرام ہے۔

انقصہ جب بنیامین اس حیلہ اور تدبیر سے لے لیے گئے تو وہ سب بھائی بہت شرمندہ ہوئے اور غصہ میں آ کر کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے ہم کو معصوم نہ تھا کہ یہ چوری کرے گا بالآخر یہ بھی اپنے بھائی کی طرح نکلا بھائیوں نے جو یوسف علیہ السلام کی طرف سرقہ کو منسوب کیا اس کے بارے میں مفسرین رحمہ اللہ علیہ نے کئی قصے بیان کیے ہیں مجاہد رحمہ اللہ علیہ وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو ان کی پھوپھی نے ان کو پالا وہ یوسف علیہ السلام سے بہت محبت کرتے تھیں جب یوسف علیہ السلام کسی قدر بڑے ہو گئے تو یعقوب علیہ السلام نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھیں پھوپھی نے جب ان کو رخصت کیا تو ان کے پاس اسحاق علیہ السلام کا ایک بچکا تھا چھپا کر اس کو یوسف علیہ السلام کی کمر میں باندھ دیا پھر اس بچکے کو ڈھونڈنا شروع کیا اور یہ ظاہر کیا کہ وہ بچکا جو مجھ کو اسحاق علیہ السلام سے ورثت میں ملا تھا وہ تم ہو گیا ہے تمام گھر والوں کی تلاشی لی آخر یوسف علیہ السلام سے وہ بچکا برآمد ہوا تو پھوپھی نے یعقوب علیہ السلام سے کہا دیکھو یوسف علیہ السلام نے میری چوری کی ہے لہذا دین ابراہیمی کے موافق اس کو میرے حوالہ کر دتا کہ ایک سال تک میں اس سے خدمت کرواؤں یعقوب علیہ السلام مجبور ہوئے اور ایک سال کے لیے انہیں یوسف علیہ السلام کو اپنی بہن کے پاس چھوڑنا پڑا پس بنیامین کے معاملہ میں برادران یوسف علیہ السلام نے اسی قصہ کی طرف اشارہ کیا۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۹۳ جلد ۹)

اور بعض کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے نانا کا ایک بت چرا کر توڑ ڈالا تھا اور کہتے ہیں کہ گھر کا کھانا چھپا کر فقیروں کو دے دیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام افعال محمود اور پسندیدہ ہیں ان میں سے کوئی نفل حقیقتاً سرقہ نہیں۔

ابن انصاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ جتنے افعال ہیں ان میں کوئی بھی چوری نہیں ہاں ظاہر میں چوری کے مشابہ ہیں جب بھائیوں کو بنیامین کی چوری سے شرمندگی لاحق ہوئی تو غصہ میں آ کر یوسف علیہ السلام کے اور افعال کو بھی سرقہ قرار دے دیا۔ پس یوسف علیہ السلام نے ان کی اس طعن آمیز بات کو دل میں چھپایا اور ان پر ظاہر نہ کیا ان کا یہ طعن آمیز لفظ سن لیا مگر اس کا کوئی رد نہیں کیا زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر دل میں یہ کہا تم بہت بدتر ہو اور خدا اس کی حقیقت سے خوب واقف ہے جو تم بیان کر رہے ہو چور تو تم خود ہو بیٹے کو باپ سے چرا کر بیچ ڈالا اور دوسروں کو چور کہتے ہو کوئی تو مال غائب کرتا ہے تم نے تو آدمی غائب کر دیا تم غلط کہتے ہو نہ میں چور ہوں نہ میرا بھائی چور ہے اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے لوگوں کے سپرد کر دیا بھائیوں نے جب یہ دیکھا تو

اب فکر ہوئی کہ جا کر باپ کو کیا جواب دیں گے تو منت و خوشامد کرنے لگے اور بولے اے عزیز مصر بنیامین کا ایک بہت بڑھا باپ ہے اپنے بڑے بیٹے یوسف علیہ السلام کے ہلاک ہونے کے بعد اس سے محبت رکھتا ہے اندیشہ ہے کہ وہ اس غم میں مر نہ جائے پس آپ اس کے بوڑھے باپ پر رحم کیجئے اور اس کی بجائے ہم میں سے ایک کو لے لیجئے تحقیق ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں دیکھتے ہیں اور آپ سے احسان کی امید رکھتے ہیں بے شک چور کی سزا یہی ہے کہ اس کو روک لیا جائے لیکن ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دیجئے اور اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو روک لیجئے آپ کا احسان ہوگا۔

یوسف علیہ السلام نے کہا خدا کی پناہ! خدا بے انصافی سے بچائے کہ ہم اس شخص کے سوا جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے کسی دوسرے شخص کو پکڑیں اگر ہم ایسا کریں تو ہمارے ظالم ہونے میں کوئی شک نہیں کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہوا اس کو تو چھوڑ دیں اور اس کی جگہ دوسرے کو بے وجہ پکڑ لیں تو تمہارے دین کے اعتبار سے بھی یہ صریح ظلم اور بے انصافی ہے جاننا چاہئے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ تمام کارروائی خداوند تعالیٰ کے حکم سے تھی بھائی کو روکنے کے لیے خدا نے یہ حیلہ بتلایا۔

چوں لمع ثواب من سلطان دیں۔ ناک برفرق قناعت بعد ازیں

اس لیے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں اللہ کی وحی اور اس کے حکم کے خلاف کروں تو ظالم ٹھہروں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے مجھ کو بنیامین کے روکنے کا حکم دیا ہے میں اگر اس کو چھوڑ دوں اور اس کے بدلہ دوسرے کو لے لوں تو اللہ کے نزدیک ظالم ٹھہروں گا نبی علیہ السلام پر یہ فرض ہے کہ اپنی وحی اور الہام کا اتباع کرے اگرچہ بظاہر وہ شریعت کے خلاف نظر آئے جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو انحال خضر علیہ السلام سے سرزد ہوئے ان میں اللہ کی مخفی حکمتیں تھیں اور خوب سمجھ لو کہ یہ حکم ان لوگوں کی وحی اور الہام کا ہے جن کا مقبول خداوندی ہونا کسی نص قطعی سے ثابت ہو چکا ہو اور اب قیامت تک کسی کا الہام کتاب و سنت کے خلاف حجت تو کیا ہوتا قابل التفات بھی نہیں۔

فَلَمَّا اسْتَيْسَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا اِعْتَزَلُوا نَجِيًّا ۗ مَصْدَرٌ يَضْلَعُ لِلْوَّاحِدِ وَغَيْرِهِ اَيُّ يَتَاجَى بِمَعْضَاهُمْ بَعْضًا
 قَالَ كَيْبَرُهُمْ سِنَارُ رَبِيعٍ اَوْرَاتِيَا يَهُودًا اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوثِقًا ۙ اَعْتَدَا قَبْلَ
 اللّٰهِ فِيْ اَخِيْكُمْ وَمِنْ قَبْلِ مَا رَاٰنَا فَرَطْتُمْ فِيْ يُوْسُفَ ۗ وَرَبِيعٌ مَا مَصْدَرٌ مِّنْهُ مُبْتَدَا ۙ وَخَيْرَةٌ مِّنْ قَبْلِ فَلَنْ
 اَبْرَحَ اَفَارِقَ الْاَرْضَ اَرْضَ مِصْرَ حَتّٰى يٰۤاٰذَنَ لِيْ اَبِيْ بِالْعَوْدِ اِلَيْهِ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۗ بِخَلَاصٍ اَخِيْ
 وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۙ اَعْبُدْهُمْ اِرْجِعُوْا اِلَىٰ اٰبِيْكُمْ فَقُولُوْا يَاۤاَبَانَا اِنَّ اِبْنَكَ سَرَقَ ۗ وَمَا شَهِدْنَا
 عَلَيْهِ اِلَّا بِمَا عَلَيْنَا تَبَيَّنَّا مِنْ مُّشَاهَدَةِ الصّٰعِ فَبِحِجَابِ رَحْمَتِهِ وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ لِمَا غَاب عَنَّا جِيْنَ اَعْطٰهُ
 السُّوْرَةِ حٰفِظِيْنَ ۙ وَلَوْ عَلِمْنَا اَنَّهُ يَفْسُرُ لَمْ نَاخُذْهُ وَسَعِلَ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيْهَا هِيَ مِصْرُ اَيُّ اَرْسَلْ
 اِلَىٰ اَهْلِهَا فَاَسْأَلْهُمْ وَالْعَبِيْرَ اَيُّ اَصْحَابِ الْعَبِيْرِ الَّتِي اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۗ وَهُمْ قَوْمٌ مِّنْ كٰتِبَانَ وَاِنَّا

لَصِدْقُونَ ۝ فِي قَوْلِنَا فَرَجَعُوا إِلَيْهِ وَقَالُوا لَهُ ذَلِكَ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۝
 فَفَعَلْتُمْ مَوَدَّةَ أَنْفُسِهِمْ لِمَا سَبَقَ مِنْهُمْ فِي أَمْرِ يَوْسُفَ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۝ صَبْرِي عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ
 يَوْسُفَ وَأَخْوَاهُ جَمِيعًا ۝ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ بِحَالِي الْحَكِيمُ ۝ فِي ضُئْبِهِ وَتَوَلَّى عَنْهُمْ تَارِكًا خَطَايَاهُمْ
 وَقَالَ يَا سَلْفَى الْأَلْفِ بَدَلٌ مِنْ نِيَاءِ الْإِضَافَةِ أَيْ يَا حُرْنِي عَلَى يَوْسُفَ وَأَبِيضَتْ عَيْنُهُ أَنْسَجَتْ سَوَادَهُمَا
 وَبَدَلٌ بِنِصَابٍ مِنْ بُكَائِهِ مِنَ الْحُزَنِ عَلَيْهِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝ مَعْمُومٌ مَكْرُوبٌ لَا يُظْهِرُ كَرْبَهُ قَالُوا تَاللَّهِ لَا
 تَفْتَوُوا تَزَالُ تَذَكَّرُ يَوْسُفَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا مُشْرِفًا عَلَى الْهَلَاكِ لِطُولِ مَرَضِكَ وَهُوَ مُضْدَرٌ
 يَشْتَرِي فِيهِ الْوَاحِدَ وَغَيْرَهُ أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَلِكِينَ ۝ الْمَثْوَى قَالَ لَهُمْ إِنَّمَا أَشْكُوا بِنْتِي هُوَ عَظِيمٌ
 الْحُزْنُ الَّذِي لَا يَصْبِرُ عَلَيْهِ حَتَّى يَيْتَسَّ إِلَى النَّاسِ وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ لَا إِلَهَ غَيْرُهُ فَهُوَ الَّذِي تَنْفَعُ الشُّكْرَى
 إِلَيْهِ وَاعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ مِنْ أَنْ رُؤْيَا يَوْسُفَ صَدَقَ وَهُوَ حَتَّى نَمَّ قَالَ لِيَبْنِي أَدْهَبُوا
 فَحَسَسُوا مِنْ يَوْسُفَ وَأَخِيهِ أَطْلَبُوا خَبْرَهُمَا وَلَا تَأْتَسُّوا تَقْنَطُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ ۝ رَحْمَتُهُ إِنَّهُ لَا
 يَأْتِسُّ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ۝ فَاذْهَبُوا نَحْرًا مِضْرًا لِيَوْسُفَ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا
 يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَأَهْلْنَا الضَّرُّ الْجُوعُ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُزْجَجَةٍ مَدْفُوعَةٍ يَدْفَعُهَا كُلُّ مَنْ رَأَاهَا
 لِرِدَائَتِهَا وَكَانَتْ دَرَاهِمُ زُبُوفًا أَوْ غَيْرَهَا قَاوِفِ أَمَّ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۝ بِالْمَسَامَحَةِ عَنْ
 رِدَائَةِ بِضَاعَتِنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ۝ يَتَّبِعُهُمْ فَرَقٌ عَلَيْهِمْ وَأَذْرَ كُنْتَهُ الرَّحْمَةُ وَرَفَعَ الْحِجَابَ
 بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ ثُمَّ قَالَ لَهُمْ تَرَبُّحًا هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيَوْسُفَ مِنَ الضَّرْبِ وَالْبَيْعِ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَ
 أَخِيهِ مِنْ هَضْمِكُمْ لَهُ بَعْدَ فِرَاقِ أَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ۝ مَا يُؤَلِّ إِلَيْهِ أَمْرُ يَوْسُفَ قَالُوا بَعْدَ أَنْ عَرَفُوهُ
 لِمَ ظَهَرَ مِنْ سَمَائِلِهِ مُسْتَشْبِهِينَ عِلْمَكَ بِتَحْقِيقِ الْهَمَزَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَادْخَالَ الْإِفِ بَيْنَهُمَا عَلَى
 التَّوَجُّهِينِ لِأَنَّ يَوْسُفَ ۝ قَالَ أَنَا يَوْسُفُ وَهَذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۝ بِالْاجْتِمَاعِ إِنَّهُ مَنْ
 يُكْتَبُ بِخَبْرِ اللَّهِ وَيَصْبِرُ عَلَى مَا آتَاهُ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضَيِّعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ فِيهِ وَضِعَ الظَّاهِرُ مَوْضِعَ

المُضْمِرِ قَالُوا تَأْتِيهِ لَقَدْ أَتَرَكْنَا فَضْلَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا بِالْمَلِكِ وَغَيْرِهِ وَإِنْ مَخْفَفَةٌ أَيْ أَنَا لَنَا
 لَخَطِيئِينَ ۝ ائِمِّنْ بِمَنْ أَتَرَكَ فَإِذْ لَنَأْتِيَنَّكَ قَالٌ لَا تَتْرِبْ عَتَبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ خَصَّهُ بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُ
 مَعْتَنَهُ التَّارِبُ فَغَيْرُهُ أَوْلَى يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ وَسَأَلْتَهُمْ عَنْ أَبِيهِ فَقَالُوا ذَهَبَتْ
 عَيْنَاهُ فَقَالَ إِذْ هَبُوا بِيْقِيصِي هَذَا وَهُوَ قِيصُ إِبْرَاهِيمَ الَّذِي بَسَمَهُ حِينَ أَلْقَى فِي النَّارِ كَانَ فِي عُنُقِي فِي
 الْجَبِّ وَهُوَ مِنَ الْجَنَّةِ أَمْرَةٌ جَبْرَيْلُ بِإِزْمَالِهِ لَهُ وَقَالَ إِنَّ فِيهِ رَيْحَهَا وَلَا يَلْفِي عَلَى مُبْتَلَى إِلَّا عَزْفِي
 فَالْقُوَّةُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بِصِيْرَاءٍ وَأَتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْعَلِينَ ۝

ترجمہ: پھر جب یہ بھائی یوسف کی طرف سے مایوس ہو گئے تو علیحدہ ہو کر آپس میں مشورہ کرنے لگے (مصدر ہے واحد وغیر
 واحد سب کے لئے آتا ہے یعنی ہم مشورہ کرنے لگے) ان سب میں جو بڑا تھا (عمر کے لحاظ سے روئیل اور عقل کے لحاظ سے
 یہودا) کہنے لگا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ تم سے خدا کی قسم کھلا کر (تمہارے بھائی کے بارے میں) کیا عہد لے
 چکے ہیں اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم کس درجہ کوتاہی کر چکے ہو (مازائدہ ہے ایک قول یہ ہے کہ ما مصدر یہ ہے
 اور مبتدا واقع ہے اور من قبل اس کی خبر ہے سو میں تو یہاں سے نلنے والا نہیں (سرزمین مصر سے) یہاں تک کہ خود باپ مجھے حکم
 نہ دے (اس کے پاس لوٹنے کا) یا پھر اللہ میرے لئے کوئی دوسرا فیصلہ نہ کر دے (میرے بھائی کی رہائی کی صورت میں) اور
 وہ سب سے بہتر (عمدہ) فیصلہ کرنے والے ہیں تم لوگ اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور کہو اے ابا جان! آپ کے
 صاحبزادہ نے چوری کی ہے اور ہم (اس کے متعلق وہی کہہ رہے ہیں جو ہمیں معلوم ہوا ہے) اس کے پورے سے کٹورہ برآمد
 ہونے سے ہمیں جو یقین ہو ہے) اور ہم غیب کی باتوں کے (عہد لینے کے وقت جو چیز ہمارے سامنے نہیں تھی ان کے تو حافظ
 نہیں ہیں اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ چوری کرے گا تو ہم عہد ہی نہ کرتے) اور آپ اس بستی سے معلوم کر لیجئے جہاں ہم ٹھہرے
 ہوئے تھے (بستی سے مراد مصر ہے یعنی اہل مصر کے پاس کسی کوچھج کر معلوم کر لیجئے اور اس قافلہ (کے آدمیوں) سے معلوم کر
 لیجئے جن کے ساتھ ہم آتے ہیں (اور وہ کنعان کی قوم کے لوگ ہیں) اور یقین جانئے ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں (یہ باتیں
 چنانچہ اس قرارداد کے مطابق یہ سب بھائی باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام باتیں عرض کیں) یعقوب بولے یہ بات
 نہیں بلکہ اپنے دل سے تم نے ایک بات گھڑ لی ہے (اسی کے مطابق تم کام کر رہے ہو یوسف کے معاملہ پر قیاس کر کے حضرت
 یعقوب نے ان بھائیوں کو متہم سمجھا) خیر میرے لئے صبر کے سوا چارہ نہیں صبر بھی وہ جس کی شکایت کا نام نہ ہوگا اللہ سے امید
 ہے کہ ان سب (یوسف اور اس کے بھائیوں) کو مجھ تک پہنچادے گا وہ خوب جاننے والا اور (اپنی تدبیر میں) بڑی حکمت والا
 ہے اور یعقوب نے بیٹوں سے دوسری طرف منہ پھیرا ان سے گفتگو بند کر دی اور فرمانے لگے) ہائے افسوس اس میں الف یا
 اضافت کے بدلہ میں ہے یعنی ہائے افسوس! یوسف اور ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں (زیادہ رونے سے آنکھوں کی پتلیوں کی
 سیاہی سفیدی سے بدل گئی) شدت غم سے اور ان کا سینہ غم سے لبریز تھا (دل ہی دل میں گھٹا کرتے تھے) بیٹے کہنے لگے بخدا تم

ہمیشہ ہی یوسف کی یاد میں لگے رہو گے یہاں تک کہ گھل گھل کر جاں بلب ہو جاؤ گے یہاں تک کہ بیماری کے طوں پکڑنے کی وجہ سے لب دم ہوئے جا رہے ہو حرم صا مصدر ہے اس میں واحد وغیر واحد سب برابر ہیں) یا بالکل ہی مر جاؤ گے (ہلاک ہو جاؤ گے) یعقوب نے بیٹوں سے کہا میں تو کھوتا ہوں اپنا اضطراب (نا قابل برداشت غم کہ بے صبری کی وجہ سے لوگوں کے سامنے وادیلان کرنے لگوں) اور غم اللہ کے سامنے (کسی اور کے سامنے نہیں وہی ذات ہے کہ جس کے سامنے اظہار غم مفید ہوتا ہے) اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے (یوسف کے خواب کے سچ ہونے کے بارے میں ادھر یہ بھی کہ وہ زندہ ہے پھر بولے) اے بیٹو! جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی اور اس کے بھائی کی (ان کا پتہ لگاؤ) اور نا امید مت ہو (مایوس نہ ہو) اللہ کے فیض (رحمت) سے اللہ کے فیض سے وہی لوگ مایوس ہوتے ہیں جو کافر ہیں (یوسف کے پاس مصر کی جانب چل پڑے) جب یوسف کے پاس پہنچے بولے اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی (بھوک) پڑی اور لائے ہیں ہم پونجی ناقص (ایسی نکلی چیز جس کو بے کار سمجھ کر ہردیکھنے والا پھینک دے کہ وہ کچھ کھوئے درہم وغیرہ تھے سوغلہ کی پوری مقدار ہم کو دے اور ہماری مدد کر بے کار چیزوں سے چشم پوشی کیجئے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بدلہ دیتا ہے (ان کو ثواب عنایت کرتا ہے یوسف علیہ السلام کا دل بھر آیا اور جوش رحمت سے بے قابو ہو گئے اور اپنے اور بھائیوں کے درمیان سے جو ب اٹھا دیا پھر ڈانٹ کے لہجے میں بھائیوں سے گویا ہوئے) تمہیں یاد ہے تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا؟ (مارنا پٹینا بیچنا وغیرہ) اور اس کے ساتھ بھی (یوسف کے بعد بنیامین پر تم نے ظلم توڑا) جب کہ تم نا سمجھ تھے (یوسف کے معاملہ سے ناواقف) کہنے لگے جب یوسف علیہ السلام کی کچھ خصلتیں دیکھنے کے بعد انہیں پہچانتے ہوئے غور کر رہے تھے) کیا سچ سچ (دونوں ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کر کے اور ان دونوں صورتوں میں ان دونوں ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے پڑھ گیا ہے) تم ہی یوسف ہو؟ بولے میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی اللہ نے احسان (انعام) فرمایا ہے ہم پر (کہ باہم ملایا) البتہ جو کوئی ڈرتا ہے (اللہ کا خوف کھاتا ہے) اور صبر کرتا ہے (اللہ کی نوازش پر) تو اللہ ضائع نہیں کرتا حق نیکی والوں کا (اس ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہے)۔ بولے اللہ کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر برتری (فضیلت) عطا کی (سلطنت وغیرہ دے کر) اور بلاشبہ (ان مخففہ ہے) ہم جو کہنے والے تھے (آپ کے معاملہ میں تصور وار تھے اس لئے ہمیں آپ کے سامنے ذلیل ہونا پڑا) یوسف بولا آج کے دن تم پر کوئی الزام (عتاب) نہیں (اس دن کی تخصیص اس لئے کی کہ اس میں غصہ کا احتمال تھا دوسرے وقت تو بدرجہ اولیٰ عتاب نہیں) بخشنے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان (پھر اپنے والد کے بارے میں یوسف علیہ السلام سے پوچھا بھائیوں نے بتایا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں) بولے لے جاؤ یہ کرتا میرا (یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ کرتا تھا جس کو انہوں نے آگ میں گرنے سے پہلے پہنا تھا یہی کرتا یوسف علیہ السلام کے کنوئیں میں گرتے وقت ان کے گلے میں پڑا ہوا تھا یہ درحقیقت جنتی کرتا تھا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یوسف کو اس کرتے کے بھیجنے کے لئے کہا تھا اور بتایا تھا کہ اس کرتے میں ایسی خوشبو ہے کہ جس بیمار پر بھی اس کو ڈال دیا جائے وہ تندرست ہو جائے گا) اور اس کو میرے باپ کے منہ پر ڈال دو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور اپنا سارا گھر میرے پاس لے آؤ۔

کلماتِ تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: **يَسْأَلُوا**: اسْتَيْسُوا میں سین اور تا مبالغہ کے لئے ہے طلب سے اس کا تعلق نہیں۔
- قوله: **يُنَاجِي بَعْضُهُمْ**: نجی مصدر ہے اور متناجین کی تاویل سے حال ہے یا تقدیر فعل سے حال ہے۔
- قوله: **مَا**: یہ زائدہ ہے موصولہ اور مصدر یہ نہیں۔
- قوله: **أَصْحَابِ الْعَيْرِ**: عین ممکن ہے قائلہ والوں سے پوچھا گیا ہو۔
- قوله: **فَرَجَعُوا**: یہ بڑے کے قول پر تفریح ہے۔ یعنی بڑے کی بات کے بعد وہ اپنے والد کی طرف لوٹنے۔
- قوله: **عَلَى يُونُسَ**: یوسف پر یوسف ہی تمام غموں کی بنیاد تھی۔
- قوله: **مِنْ بُكَائِهِ**: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا ایضاً آنگہ کا باعث تو بکا ہی تھا۔
- قوله: **مَغْمُومٌ مَكْرُوبٌ**: یہاں فعل مفعول کے معنی میں ہے، دلیل: اذ نادى وهو مكظوم، غم سے بھرے ہوئے۔
- قوله: **لَا تَقْتُلُوا**: یہاں حرف نفی محذوف ہے کیونکہ اثبات میں بھی کوئی اشتباہ نہیں البتہ اثبات میں لام اور نون لانا پڑتا کیونکہ یہ جواب قسم ہے۔
- قوله: **مُشْرِفًا عَلَى الْهَلَاكِ**: حرف صا مصدر ہونے کی وجہ تکریم و تائید نہیں رکھتا اور اس کو فاعل کے معنی میں مجازاً لایا گیا ہے۔
- قوله: **يُنَبِّئُهُمْ**: عام کا ذکر کر کے خاص مراد لیا ہے۔
- قوله: **تَوْبِيخًا هَلْ عَلِمْتُمْ** کا استفہام تو بیخ ہے۔
- قوله: **مَا يَتَوَلَّ إِلَيْهِ**: کو مقدر مانا گیا جو مفعول ہے تاکہ یہ سوال نہ اٹھ سکے کہ ان کی طرف نسبت جہل درست نہیں۔
- قوله: **مُسْتَشْفِيئِينَ**: یہ استفہام تقریری ہے اسی لئے اس پر ان اور لام داخل ہے۔
- قوله: **تَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ**: انک میں قاعدہ عین بین بھی جاری ہو سکتا ہے۔
- قوله: **أَنْعَمَ اللَّهُ**: اس سے سلامتی و عظمت مراد ہے جو ان کو بخش گئی۔
- قوله: **مُخَفِّفَةً**: یہ ان نہانہ اور نہ شرطیہ اس کا اسم ضمیر شان ہے۔ ای ان شاننا ان کنا لحاطین۔
- قوله: **عَلَى مُبْتَلًى**: بصیبت زور۔
- قوله: **بَصِيرًا**: یعنی وہ بصارت والے ہو جائیں گے۔

تفسیر مقبولین

فَلَمَّا اسْتَمْتَعْنَا مِنْهُ خَلَصُوا نَجَاتًا

برادران یوسف علیہ السلام کی سفیر دوئم سے واپسی:

(رہط) گزشتہ آیات میں برادران یوسف علیہ السلام کی دوسری آمد کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں اس دوسرے سفرت واپسی کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جس جب برادران یوسف علیہ السلام بنیامین کی رہائی کے بارے میں یوسف علیہ السلام سے باطل نامیہ ہو گئے اور ان کے صاف جواب سے سمجھ گئے کہ اب وہ بنیامین کو ہمارے حوالہ نہ کریں گے تو علیحدہ ہو کر تنہائی میں ہام مشورہ کر لے گئے کہ کیا کرنا چاہئے پس جوان میں سے عقل یا عمر میں بڑا تھا اس نے یہ کہا کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے بنیامین کی محافظت کے بارے میں تم سے اللہ کا عہد و پیمان لیا تھا اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم جو کوتاہی کر چکے ہو وہ اب بھی تم کو معلوم ہے اب باپ کے سامنے کس منہ سے جاگیں پس میں تو اب زمین مصر سے نہ نکلو گا یہاں تک کہ میرا باپ مجھ کو یہاں سے نکلنے کی اجازت دے یا اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم کرنے والا ہے سوائے بھائیو اتم مجھ کو تو یہاں چھوڑو اور تم باپ کی طرف واپس جاؤ پھر کہو اے ہمارے باپ آپ کے بیٹے بنیامین نے چوری کی اس لیے ان کو وہاں روک لیا گیا اور ہم نہیں گواہی دیتے مگر اس چیز کی جس کو ہم نے مشاہدہ سے جانا اور سمجھا اور ہم غیب کے نگہبان نہیں ہم نے جو آپ سے محافظت کا عہد کیا تھا اس وقت ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ چوری کرے گا اگر ہمیں غیب کا علم ہوتا تو ہم اسے ساتھ نہ لے جاتے یا یہ معنی ہیں کہ ظاہر میں اس کی چوری ثابت ہوئی اور اس کے سامان سے پیمانہ برآمد ہوا یہ بھی ممکن ہے کہ کسی اور نے یہ پیمانہ اس کے سامان میں رکھ دیا ہو بہر حال ہم غیب دان نہیں اور اگر آپ کو ہماری بات کا یقین نہ آئے تو آپ کسی معتبر شخص کو بھیج کر ہستی والوں سے دریافت کرائیں جو اس واقعہ کے وقت موجود تھے اور اس قافلہ سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے تھے اور بے شک ہم اپنے قول میں سچے ہیں یعقوب علیہ السلام نے حال سن کر یہ فرمایا کہ بنیامین چوری میں ماخوذ نہیں ہوا ہاں کہ تمہارے دلوں نے کوئی بات بنائی ہے یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی بات کا اعتبار نہ کیا اور جس طرح پہلی بار بیٹوں نے آکر یہ کہا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو تو بھیج لیا کھا گیا ہے تو اس وقت یعقوب علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا: **بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبِرُوا جَوَابًا**، اسی طرح جب دوسری بار بیٹوں نے آکر بنیامین کی چوری کا قصہ بیان کیا تو اس وقت بھی یعقوب علیہ السلام نے یہی فرمایا: **بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبِرُوا جَوَابًا**، اور بنیامین کے واقعہ کو بھی بیٹوں کی بنائی ہوئی بات قرار دیا حالانکہ ظاہر یہ بات ان کی بنائی ہوئی نہ تھی۔ اور وہ بظاہر اپنی بات میں سچے تھے لیکن نبی کا کلام جھوٹ اور غلط نہیں ہو سکتا نبی کی زبان سے جو کلام ہے وہ حق اور صدق ہوتا ہے تو وہ جس کی یہ ہے کہ اس وقت **سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ** کا خطاب سب بیٹوں کو ہے جن میں یوسف علیہ السلام بھی داخل ہیں اور یہ بات یوسف علیہ السلام کی بنائی ہوئی تھی حقیقت میں بنیامین چور نہ تھے تو یعقوب علیہ السلام کا یہ کلام **بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ** سراپا صدق اور حق ہے کہ اے بیٹو! یہ بات تمہاری بنائی ہوئی ہے اور اس کی چند اصل اور حقیقت نہیں حقیقت میں بنیامین نے چوری نہیں کی تم سب بھائیوں میں سے کسی کی بنائی ہوئی بات ہے اور بعض مفسرین

کرام نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم مجھ سے حفاظت کے عہد و پیمانہ کر کے بنیامین کو لے گئے تھے جب یہ واقعہ پیش آیا تو تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ یہ کہتے کہ اسباب میں سے یہ پیالہ برآمد ہونے سے چوری کیسے ثابت ہو سکتی ہے کسی دوسرے شخص نے ان کے اسباب میں یہ پیالہ چھپا دیا ہو تم نے پیالہ برآمد ہوتے ہی چوری کا اقرار کر لیا اور خلاف قانون بادشاہ مصر کو شریعت ابراہیمی کا فتویٰ بتلا کر بھائی کو گرفتار کروا دیا اگر شریعت ابراہیمی کا فتویٰ ان کو نہ بتلاتے تو بھائی گرفتار نہ ہوتا۔ بادشاہ کو کیا خبر تھی کہ شریعت ابراہیمی میں چور کی یہ سزا ہے تمہارے کہنے کے مطابق بادشاہ نے اس کو غلام بنا لیا تم اگر بادشاہ کو نہ بتلاتے تو بادشاہ اپنے قانون پر چلتا اور بنیامین کو نہ لے سکتا محض پیالہ کے برآمد ہو جانے سے تم نے چوری کو کیسے تسلیم کر لیا چوری کے ثبوت کے لیے اسکی شہادت اور دلیل چاہئے جس میں کوئی شبہ نہ ہو چوری کے لیے یہ شرط ہے کہ مال مقام حرز و محفوظ سے نکالا گیا ہو اور مقام محفوظ سے نکالنا شہادت صحیحہ سے ثابت ہو۔ جب چوری کی سزا دی جاسکتی ہے بہر حال میرا خیال یہ ہے کہ بنیامین کی گرفتاری میں تمہاری تسویل نفس کو کچھ نہ کچھ ضرور دخل ہے سو خیر جو ہو اسو ہوا چارہ کار مبرجیل ہے مجھے امید ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تینوں بیٹوں کو میرے پاس لائے گا یعنی یوسف علیہ السلام کو بنیامین کو اور اس تیسرے بیٹے کو جو مصر میں رہ گیا ہے اور شرم کی وجہ سے نکس آیا۔

یہ بات یعقوب علیہ السلام نے حسن ظن کی بناء پر کہی اللہ کی سنت یہ ہے کہ عسر کے بعد یسر عطا فرماتے ہیں نیز ان کو یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں کیونکہ ابھی تک یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر پوری نہیں ہوئی اور یوسف علیہ السلام کا خواب بلاشبہ صحیح ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہے گا یوسف علیہ السلام کے رویائے صادقہ کا وقوع اور ظہور اس بات پر موقوف ہے کہ وہ ابھی صحیح و سالم زندہ ہوں اور وہ مع اپنے بھائیوں کے مجھے ملیں۔

القصة یعقوب علیہ السلام نے نور نبوت اور نور معرفت سے جانا کہ یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں اور نہایت ادب سے حق تعالیٰ سے یہ امید ظاہر کی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو مجھ سے ملا دے گا بے شک اللہ تعالیٰ ہی علیم اور حکیم ہے جو کچھ اس نے میرے ساتھ اور یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا وہ سب علم اور حکمت کے ساتھ ہے اور یہ جواب دے کر شدت رنج و غم سے ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور دوسری طرف منہ کر لیا اور اس تازہ غم سے یوسف علیہ السلام کا پرانا غم تازہ ہو گیا اور کہنے لگے ہائے افسوس یوسف علیہ السلام پر اور غم کی وجہ سے روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں یا بے رونق ہو گئیں یوسف علیہ السلام کے فراق میں روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں یا بے رونق ہو گئیں یوسف علیہ السلام کے فراق میں روتے روتے جس قدر بصارت ٹھنٹی جاتی تھی اسی قدر نور بصیرت میں زیادتی ہوتی جاتی تھی اور گریہ و زاری کی زیادتی سے لحظہ ملحظہ مرا تپ اور مدارج بلند اور برتر ہو رہے تھے پس وہ اندہ ہی اندر گھٹے ہوئے اور خاموش تھے کسی مخلوق سے اپنے صدمہ کی شکایت نہیں کرتے تھے دل مہارک رنج و غم سے بھرا ہوا تھا مگر ظاہر نہ کرتے تھے۔

در دیت در میں سینہ کہ گفتن تو انم و دل طرفہ کہ آن نیز بہفتن نوزانم

بیٹوں نے باپ کا یہ اضطراب دیکھا تو بولے اے باپ، بخدا آپ تو ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تم ان کے غم میں گھل کر مرنے کے قریب ہو جاؤ گے یا بالکل مرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں کے جواب میں یہ کہا میں تو اپنی بے قراری اور پریشانی کا اور رنج و غم کا شکوہ فقط اللہ ہی سے کرتا ہوں تم سے تو کچھ نہیں کہتا اور میں جانتا ہوں

اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے میں خوب جانتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام کا خواب سچا ہے یعنی مجھ کو یقین ہے کہ یوسف علیہ السلام ابھی مرا نہیں کیونکہ ابھی تک اس کا خواب پورا نہیں ہوا مجھے امید ہے کہ عنقریب یوسف علیہ السلام مجھ سے ملے گا اور جو خواب اللہ نے اس کو دکھلایا ہے حرف بحرف اس کو پورا کرے گا نیز مجھے معلوم ہے کہ اللہ مضر کی دعا قبول کرتا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ خدا اپنے دعا کرنے والے بندہ کو محروم اور خالی ہاتھ نہیں چھوڑتا۔ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کیا تم مجھ کو صبر سکھاؤ گے بے صبر وہ ہے جو خالق کے بھیجے ہوئے درد کی مخلوق کے آگے شکایت کرے میں تو اس سے کہتا ہوں جس نے مجھے درد دیا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہے ضرور ملے گا اور اس کا خواب پورا ہو کر رہے گا یہ مجھ پر آزمائش ہے دیکھو کس حد پر پہنچ کر بس ہو۔

(موضح القبرآن)

بعد ازاں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اے میرے بیٹو! میں خوب جانتا ہوں کہ مسبب الاسباب وہی ہے لیکن اس کا حکم یہ ہے کہ اس عالم اسباب میں تدبیر ظاہری کو ترک نہ کرو اس لیے میں تم کو کہتا ہوں کہ ایک بار پھر مصر جاؤ اور یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کا کھوج لگاؤ یعنی کوشش کرو جس سے یوسف علیہ السلام کا نشان ملے اور بنیامین کو رہائی ہو اور تیسرے بھائی کا ذکر شاید اس لیے نہیں کیا کہ جب بنیامین چھوٹ جائے گا تو وہ خواہ مخواہ کیوں مصر میں پڑا رہے گا اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس کی رحمت سے امید رکھو کہ تمہاری سعی بار آور ہوگی بے شک خدا کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام علم الہی سے وہ چیز جانتے ہیں جو دوسرے نہیں جانتے اس لیے ابتداء میں چاہ کنعان میں تلاش کرنے کا حکم نہ دیا اور جب وقت آیا تو بالتمام الہی حکم دیا کہ مصر جا کر یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ

برادران یوسف علیہ السلام کی تیسری بار مصر آمد:

(رہط) گزشتہ آیات میں یہ ذکر تھا کہ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو تاکید اکید کی کہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں اور یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی کی تلاش میں نکلیں چنانچہ یہ لوگ مصر روانہ ہوئے کہ اول تو اس بھائی کو لانے کی کوشش کریں جس کا نشان معلوم تھا اس کے بعد دوسرے بے نشان بھائی یعنی یوسف علیہ السلام کی تلاش شروع کریں اب آئندہ آیات میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق پھر مصر روانہ ہوئے اور اناج کے لیے بھی کچھ خفیف سی بضاعت ساتھ لیتے گئے پس جب یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کے حکم کے مطابق مصر روانہ ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو بولے اے عزیز مصر! ہم کو اور ہمارے گمراہوں کو قحط کی وجہ سے سخت تکلیف پہنچی ہے اس مرتبہ اے عزیز کے لفظ سے خطاب کیا جس کا مقصود یہ تھا کہ آپ ہماری شکستہ حالی پر رحم فرمائیں ہم قحط زدہ ہیں اور مصیبت میں مبتلا ہیں اور غلہ خریدنے کے لیے ہمارے پاس پوری قیمت نہیں اس لیے ناقص اور ناقابل قبول پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں پس آپ علیہ السلام مہربانی سے ہم کو پورا پیمانہ دے دیجئے تحقیق اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کی یہ نیاز مندی اور درد مندی دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ضبط نہ ہو سکا اور حق جل شانہ کی طرف سے اجازت ملی کہ اب اپنے آپ کو ظاہر کر دیں اب زمانہ مفارقت کا ختم ہوا چنانچہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا بھلا بتاؤ تم کو یاد ہے کہ جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے برتاؤ کیا جب کہ تمہارا زمانہ جہالت کا

تھا اس وقت تم کو برے بھلے کی خبر نہ تھی اس وقت تم جوش میں کر گزرے اور اب تم ہوش میں آ رہے ہو یوسف علیہ السلام نے اس طرح سے اپنے آپ کو ظاہر کیا کہ بھائیوں کو شرمندگی سے بچانے کے لیے ایک عذر بھی بیان کر دیا کہ تم سے نادانی کی حالت میں یہ بات سرزد ہوئی تم کو معلوم نہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کا خواب اس طرح پورا ہو کر رہے گا بھائیوں نے جب یہ سنا تو فوراً یہ خیال آیا کہ یہ بولنے والا کہیں وہی یوسف علیہ السلام تو نہیں جس کو ہم نے مصر قافلہ کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا پھر یوسف علیہ السلام کی صورت اور شکل کی طرف نظر کی تو بولے کہ کیا یقیناً تو ہی یوسف (علیہ السلام) ہے یہ جمال اور کمال سوائے یوسف علیہ السلام کے کسی میں نہیں کیا تو ہی یوسف علیہ السلام ہے؟

فرمایا کہ ہاں میں یوسف ہی ہوں اور یہ بنیامین میرا حقیقی بھائی ہے ہم دونوں ایک جگہ جمع ہیں جن کے تجسس اور تحسس کے لیے بچکم پدر تم نکلے ہو بے شک اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا کہ دونوں کو جدائی کے بعد یکجا کر دیا اور ہماری مصیبت کو مبدل بہ راحت کر دیا اور جس کو غلام بنا کر در اہم معدودہ میں فروخت کیا گیا تھا اللہ نے اسے مصر کی حکومت عطا کی بے شک خدا سے ڈرے اور مصائب پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ نیکیوں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا بھائی بولے بخدا اللہ نے آپ کو ہم پر وہ فضیلت دی ہے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اور بے شک ہم خطاوار ہیں اللہ معاف کر دے یوسف علیہ السلام نے کہا آج تم پر کوئی ملامت نہیں میں کبھی اس بات کو زبان پر نہ لاؤں گا بہر حال میں نے تمہارا قصور معاف کر دیا اللہ بھی تمہارا قصور معاف کرے اور وہ توبہ سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے پس جب میں نے تم پر رحم کیا تو وہ کیوں رحم نہ کرے گا پھر یوسف علیہ السلام نے ان سے اپنے باپ کا حال دریافت کیا انہوں نے کہا کہ روتے روتے ان کی آنکھیں جاتی رہیں یہ سن کر اپنا پیرا ہن ان کو دیا اور کہا کہ میرا یہ کرتے لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے منہ پر ڈال دو اور وہ پینا ہو کر میرے پاس آئیں گے اس کرتے کے ڈالنے سے ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور ان کے ساتھ باقی سب گھر والوں کو بھی میرے پاس لے کر آؤ مطلب یہ ہے کہ بحالت موجودہ میں تو شام کا سفر نہیں کر سکتا تم جاؤ اور والدین کو اور سب اہل خانہ کو لے کر آؤ اور یہ سب بحکم الہی تھا اور اپنی قیصیں دے کر یہ فرمانا کہ باپ کی آنکھوں کو لگا دینا یہ بھی بحکم خداوندی تھا اور من جانب اللہ معجزہ اور کرامت تھی کہ ایک نبی اور صدیق کے کرتے کو چہرہ ڈاں دینے سے پینا واپس آگئی جیسے آنحضرت ﷺ کے دست مبارک اور لعاب دہن لگانے سے ایک صحابیؓ کی آنکھ درست ہو گئی اور بہت سے بیمار آپ صلی اللہ کے ہاتھ پھرنے سے اچھے ہو گئے چنانچہ بھائی اس قیص کو لے کر مصر سے کنعان کو روانہ ہوئے۔

فائدلہ: غالباً یوسف علیہ السلام نے اپنے اس حال کی اپنے باپ کو اس لیے اطلاع نہ دی ہو کہ بذریعہ وحی ان کو منع کر دیا گیا تھا کہ باپ کو اپنے مصر میں ہونے کی اطلاع نہ دیں تاکہ مزید گریہ و بکا سے ان کے درجات اور بلند ہوں یا اس میں اللہ کی کوئی اور حکمت ہو۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ خَزَجَتْ مِنْ عَرَبِئِشٍ مِصْرَ قَالَ أَبُوهُم لِمَنْ حَضَرَ مِنْ بَنِيهِ وَأَوْلَادِهِمْ إِنِّي لَأَجِدُ
 رِيْحَ يُوْسُفَ أَرْصَلْتُهُ إِلَيْهِ الصَّبَا بِأَذْنِ تَعَالَى مِنْ مَسِيرَةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ أَوْ ثَمَانِيَةِ أَوْ أَكْثَرَ لَوْلَا أَنْ تُقِنْتُ دُونَ
 نَسْفَتُونِي لَصَدَّقْتُمُونِي قَالُوا لَهُ تَأَلَّهُ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ تَأَلَّهُ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ خَطَابِكَ الْقَدِيمِ ۝

مِنْ أَرْضِكَ فِي مَحَبَّتِهِ وَرَجَاءِ لِقَائِهِ عَلَى بَعْدِ الْعَهْدِ فَلَمَّا أَنْ زَائِدَةٌ جَاءَ الْبَشِيرُ يَهُوذَا بِالْقَبِيضِ
 وَرَمَانَ فَذَخِيلٌ فَمِيضُ الدَّمِ فَاحْتَبَ أَنْ يُفْرِحَهُ كَمَا أَحْزَنَتْهُ أَلْقَهُ طَرَحَ الْقَبِيضِ عَلَى وَجْهِهِ فَأَرْتَا
 رَجَعَ بَصِيرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنْ أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ قَالُوا يَا كَاهِنًا اسْتَغْفِرْ لَنَا
 ذُنُوبَنَا إِنْ كُنَّا حَاطِبِينَ ۝ قَالَ سَوْفَ اسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ أَخْرَجَ ذَلِكَ إِلَى
 الشَّعْرِ لِيَكُونَ أَقْرَبَ إِلَى الْإِجَابَةِ وَقِيلَ إِلَى لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ ثُمَّ تَوَخَّجَهُ إِلَى مِصْرَ وَخَرَجَ يُوشَفُ وَالْأَكَابِرُ
 ثَلَاثِينَ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ فِي مِصْرَ فِي مَضْرِبِهِ أَوْى ضَمَّ إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ أَبَاهُ وَأُمَّهُ أَوْ خَانَتَهُ وَقَالَ لَهُمْ
 ادْخُلُوا مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ۝ فَدَخَلُوا وَجَلَسَ يُوشَفَ عَلَى سَرِيرِهِ وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ أَبَوَيْهِ
 اجْلَسَهُمَا مَعَهُ عَلَى الْعَرْشِ السَّرِيرِ وَخَرُّوا أَيْ أَبَوَاهُ وَأَخُوتهُ لَهُ سُجَّدًا ۝ سَجُودًا نَحْنًا لَا وَضَعُ حَبْتَهُ
 وَكَانَ نَحْبَتُهُمْ فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ وَقَالَ يَا بَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا وَقَدْ
 أَحْسَنَ بِي إِلَى إِذَا أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ لَمْ يَغْلُ مِنْ الْعُجْبِ تَكْرُمًا لِقَائِي بِخَلِّ أَخُوتهُ وَجَاءَ بِكُمُ مِنَ
 الْبَدْوِ الْبَادِيَةِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَعَ أَفْسَدَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي ۝ إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا يَشَاءُ إِنَّهُ
 هُوَ الْعَلِيمُ بِخَلْقِهِ الْحَكِيمُ ۝ فِي ضُئْبِهِ وَأَقَامَ عِنْدَهُ أَبُوهُ أَرْبَعًا وَعِشْرِينَ سَنَةً أَوْ سَبْعَ عَشْرَةَ سَنَةً
 وَكَانَتْ لَمُدَّةُ فِرَاقِهِ ثَمَانِ عَشْرَةَ أَوْ أَرْبَعِينَ أَوْ ثَمَانِينَ سَنَةً وَحَضْرَةُ الْمَوْتِ فَرَضَى يُوشَفَ أَنْ يُجْعَلَهُ
 وَتَدْفِنَهُ عِنْدَ أَبِيهِ فَمَضَى بِنَفْسِهِ وَدَفَنَتْهُ نَعْمَةً ثُمَّ عَادَ إِلَى مِصْرَ وَأَقَامَ بَعْدَهُ ثَلَاثًا وَعِشْرِينَ سَنَةً وَلَمَّا تَمَّ أَمْرُهُ
 وَعَلِمَ أَنَّهُ لَا يَدُومُ تَأَقَّتْ نَفْسُهُ إِلَى الْمَلِكِ الدَّائِمِ فَقَالَ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمَلِكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ
 تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۝ تَعْبِيرِ الرُّؤْيَا فَأَطَرَ خَالِقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝ أَنْتَ وَبِي مَثَلِي مِصَالِحِي فِي
 الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۝ تَوَقَّيْتُ مُسْلِمًا وَالْحَقِّقِي بِالضَّالِحِينَ ۝ مِنْ أَبَائِي فَعَاشَ بَعْدَ ذَلِكَ أَسْبُوعًا وَأَكْثَرَ
 وَمَاتَ وَكَانَتْ مِائَةً وَعِشْرُونَ سَنَةً وَتَشَاحَ الْمِصْرِيُّونَ فِي قَبْرِهِ فَجَعَلُوهُ فِي صَنْدُوقٍ مَرْمَرٍ وَدَفَنُوهُ فِي أَعْلَى
 الْجِبَلِ لِنَعْمِ الْبَرَكَةِ جَانِبِيهِ فُسَبْحَانَ مَنْ لَا انْقِضَاءَ لِمُلْكِهِ ذَلِكَ الْمَدُّ كُرُورٌ مِنْ أَمْرِ يُوشَفَ مِنْ أَنْبَاءِ

الغَيْبِ أَخْبَارِ مَا غَابَ عَنْكَ يَا مُحَمَّدُ لَوْ جِئَهُ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ لَدَى اخْوَةِ يُوسُفَ إِذْ اجْتَمَعُوا
 أَمْرَهُمْ نَبِيٌّ كَيْدِهِ أَيْ عَزَمُوا عَلَيْهِ وَهُمْ يَسْكُرُونَ ۝ بِهِ أَيْ لَمْ تَخْضُرْهُمْ فَتَعْرِفُ قِصَّتَهُمْ فَتُخْبِرُ بِهِمْ
 إِنَّمَا حَصَلَ لَكَ عَلِمَتَاهُمِنْ جِهَةِ الزُّخْيِ وَمَا أَكْثَرَ النَّاسِ أَيْ أَهْلُ مَكَّةَ وَكَوْحَرَصَتْ عَلَى إِيْمَانِهِمْ
 بِمُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا تَسْتَلَّهُمْ عَلَيْهِ أَيْ الْقُرْآنُ مِنْ أَجْلِ تَأْخُذُهُ إِنْ مَا هُوَ أَيْ الْقُرْآنُ إِلَّا ذِكْرٌ عِظَةٌ
 لِلْعَالَمِينَ ۝

ترجمہ: اور جب جدا ہوا قافلہ (آبادی مصر سے) تو ان کے باپ نے کہا (حاضرین سے جو ان کے بیٹے اور پوتے تھے) کہ میں یوسف کی پوپاتا ہوں (حق تعالیٰ کے حکم سے یوسف کی خوشبو ہوانے تین دن یا آٹھ دن یا اس سے زیادہ کی مسافت سے باپ تک پہنچادی) اگر نہ کہو کہ بوڑھا بہک گیا (بہکی باتیں کرنے والا نہ سمجھو تو مجھے سچا جانو) کہنے لگے بخدا آپ تو اپنی اسی قدیم غلطی (خیال فاسد) میں پڑے ہوئے ہیں (حد سے زیادہ محبت میں اور ایک زمانہ گزرنے کے باوجود طے کی آس لگائے بیٹھے ہو) لیکن پھر جب (ان زادہ ہے) خوشخبری سنانے والا آپہنچا (بیودا کرتا لے کر آ گیا اور خون آلود کرتے کو بھی وہی لے کر آیا تھا جس طرح سے اس نے رنج دیا تھا اب خوشخبری بھی اسی نے دینی چاہی تو اس نے آتے ہی یوسف کا کرتا یعقوب کے چہرہ پر ڈال دیا فوراً ہی آنکھیں کھل گئیں، فرمایا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں سب بیٹوں نے کہا ابا جان! ہمارے گناہ کو بخشو دیجئے بے شک ہم چوکنے والے تھے باپ نے کہا دم لو جلد ہی اپنے پروردگار سے تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا بلاشبہ وہ غفور و رحیم ہے (دعا کا معاملہ صبح تک اس لئے مؤخر کیا کہ وہ زیادہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے اور بعض کی رائے میں جمع کی شب تک مؤخر تھا اس کے بعد یہ سب مصر روانہ ہو گئے) اور استقبال کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام اور ارکان سلطنت آگے بڑھے) پھر جب سب کے سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے (ان کے خیمہ میں آئے) تو انہوں نے اپنے والد (باپ کے ساتھ ماں تھی یا خالہ) کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا اب داخلہ ہو شہر میں خدا نے چاہا تو دلچسپی سے (سب کے سب پہنچ گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام اپنے تخت سلطنت پر رونق افروز ہوئے) اور یوسف نے اپنے والدین کو بلند جگہ پر بٹھایا (اپنے ساتھ بٹھایا) اپنے تخت پر (اور ان کے والدین اور بھائی) سب کے سب ان کے آگے سجدہ میں گر گئے یعنی جھک گئے یہ نہیں کہ پیشانی زمین پر رکھ دی ہو اور اس وقت ان کے آداب کی بجا آوری کا طریقہ یہی تھا) اور یوسف نے کہا اے ابا جان یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو مدت ہوئی میں نے دیکھا تھا میرے پروردگار نے اس کو سچ کر دکھایا یہ اس کا احسان ہے مجھے قید سے رہائی دی (کنویں سے نکالنے کا ذکر نہیں کیا، کہ بھائیوں کو شرمندگی نہ ہو) تم سب کو صحرا سے نکال کر میرے پاس پہنچا دیا اور سب کچھ اس کے بعد ہوا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف (فساد) ڈال دیا تھا، بلاشبہ میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی تدبیر کر دیتا ہے بے شک وہ بڑا جاننے والا ہے اپنی مخلوق کو، بڑی حکمت والا ہے (اپنی تدبیر میں اس کے بعد حضرت یوسف کے پاس ان کے والد چوبیس یا سترہ سال قیام پذیر رہے اور جدائی کی کل مدت اٹھارہ یا چالیس سال یا اسی سال رہی سے وفات کا وقت جب آیا تو انہوں نے

پہلے متعلقہ سبب جلالہ علیہ السلام (۳۸۲) سورہ یوسف (الجزء ۱۲) یوسف ۱۲

حضرت یوسف کو وصیت کی کہ مجھے میرے والد کے پاس دفن کرنا چنانچہ انتقال کے بعد حضرت یوسف از خود تشریف لے گئے اور پھر مصر واپس تشریف لے آئے اور تیس ۲۳ سال اس کے بعد پھر زندہ رہے اور جب یوسف کا کام پورا ہو گیا اور یہ بھی یقین ہو گیا کہ میں ہمیشہ زندہ نہیں رہ سکتا تو دائمی ٹھکانہ کی طرف آپ کا دل مشتاق ہوا (چنانچہ پکارا طے) اے پروردگار آپ نے مجھ کو حکومت عطا فرمائی اور مجھے خوابوں کی تعبیر دینا سکھایا اے زمین و آسمان کے بنانے والے آپ ہی میرے کارساز (مصلحتوں کے نگران) ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور پوری فرمانبرداری کے ساتھ مجھے دنیا سے اٹھا اور اپنے خاص بندوں میں شامل کر (میرے باپ دادوں کے ساتھ چنانچہ اس کے بعد ایک ہفتہ یا اس سے زیادہ زندہ رہے پھر ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات ہو گئی تو اہل مصر میں ان کی تدفین کے بارے میں اختلاف ہو گیا چنانچہ سنگ مرمر کے ایک تابوت میں نش مہارک رکھ کر دریائے نیل کے بالائی حصہ میں دفنادی تاکہ دریائے نیل کے دونوں جانب برکت رہے، سبحان اللہ خدا ہی کی سلطنت کو دوام ہے یہ قصہ (واقعہ یوسف) غیب کی خبروں میں سے ہے (اے محمد ایہ واقعات آپ کے سامنے نہیں ہیں) جس کی وحی ہم آپ پر کر رہے ہیں اور نہ ہی آپ ان (یوسف کے بھائیوں) کے پاس تھے جس وقت یوسف کے بھائی پختہ عزم کر رہے تھے (پوشیدہ تدبیر کرنے پر جم گئے تھے) سازش کرتے ہوئے (یعنی آپ موجود نہیں تھے کہ ان کے قصے سے واقف کار ہوتے اور دوسروں سے بیان کرتے یہ باتیں تو آپ کو وحی سے معلوم ہوئی ہیں) اور اکثر (مکہ کے لوگ) ایسے ہیں کہ آپ کتنا ہی چاہیں (ان کے ایمان کو) لیکن وہ ایمان کبھی نہیں لائیں گے حالانکہ آپ ان سے اس (قرآن) پر کوئی معاوضہ لینا نہیں چاہتے یہ (قرآن) تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمام جہان کے لئے نصیحت ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: خَرَجَتْ مِنْ عَرَبِ نَيْشٍ: فعلت لازم بمعنی خرج اور انفصل ہے جس کا معنی آبادی سے نکلنا ہے۔

قوله: اَصْدَقْتُمُونِي: یہ لولا کا جواب ہے جو کہ مقدر ہے ورنہ کلام کامل نہیں ہوتا۔

قوله: رَجَعَ بَصِيرًا: یہ معجزہ یعقوب یا یوسف علیہما السلام ہے۔

قوله: فِي مَضْرِبِهِ: خیمہ لگانے کی جگہ، استقبال کے مقام پر جہاں یوسف علیہ السلام نے خیمے لگوائے تھے۔

قوله: اٰمِنِينَ: سے مراد قحط اور دیگر آفات سے محفوظ دمامون۔

قوله: كَانَتْ حَبِيَّتُهُمْ: سہمہ تمہیدان امتوں میں درست تھا۔

قوله: بِي اِلٰى: یہاں بالی کے معنی میں ہے ای احسن الی۔

قوله: تَوَفَّيْتَنِي مُسْلِمًا: یہ تمنی موت نہیں بلکہ خاتمہ بالخیر کی دعا ہے جیسا ابراہیم علیہ السلام نے وَالْحَقُّنِي بِالضَّلٰحِیْنِ کہا۔

قوله: تَشَاحِ الْمِضْرِيُوْنَ: باہمی جھگڑ کر لڑائی پر اتر آئے ہر ایک اپنے محلہ میں تدفین چاہتا تھا۔

قوله: اِنَّا حَصَلْ لَكَ عِلْمُهَا: وحی ہے آپ کو اس کا علم دیا ہے آپ کی نبوت کی دلیل بن گئی۔

تفسیر مقبولین

وَلَمَّا قَضَيْتَ الْعِجْرَةَ قَالَ بُرْهُدٌ

برادران یوسف علیہ السلام کی سفر سوم سے واپسی:

(بط) جب یوسف علیہ السلام نے باپ کی پٹائی کے لیے نیس عطا کی اور کہا کہ سب اہل اعیال کو لے کر آؤ تو سب بھائی بھیرا امن یوسفی لے کر شاداں و فرحان مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوئے اور جب قافلہ مصر سے کنعان روانہ ہوا یعنی مصر کی آبادی سے باہر نکل گیا تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا جو اس وقت ان کے پاس تھے تحقیق میں یوسف علیہ السلام کی بو محسوس کرنا ہوں اگر تم مجھ کو مجبوط الحواس نہ کہو کہ بڑھا۔ پر کی وجہ سے بہک گیا اور بہکی ہوئی باتیں کر رہا ہے۔ جب تک خدا تمہاری کوتاہی منظور تھا اس وقت تک یوسف علیہ السلام کی کوئی خبر معلوم نہ تھی حالانکہ مصر کنعان سے بہت دور تھا مصر سے کنعان میں اور کنعان سے مصر میں ہمیشہ قافلے آتے جاتے رہتے تھے پھر جب خدائے تعالیٰ کو ان کی مصیبت کا دور کرنا منظور ہوا تو باد صبا نے حکم خداوندی خلاف عادت یوسف علیہ السلام کی بو حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دی اور اتنی دور سے خوشبو کا پہنچنا بطور معجزہ اور فرقی عادت تھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک بات خدا کی قدرت میں ہے اور قافلہ یوسف علیہ السلام کی نیس لے کر مصر سے نکلا اور احراس کی خوشبو یعقوب علیہ السلام کو محسوس ہونے لگی یہ یعقوب علیہ السلام کا معجزہ تھا اور معجزہ نبی کا اختیاری فعل نہیں ہوتا کہ جب چاہے اس کو کرے وہ اللہ کا فضل ہوتا ہے خدا جب چاہتا ہے جب اعجاز کا ظہور ہوتا ہے انبیاء کرام علیہم السلام ظاہر صورت کے اعتبار سے عام مخلوق سے ممتاز نہیں ہوتے اور جب کسی اعجاز کا ظہور ہوتا ہے تب ان کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے اسی مضمون کو شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے یوں ادا کیا ہے:

کیے پر سید ازاں ہم کردہ فسرزند کہ اے عاقل گہرہ پیدہ خبر دستند
 ز مسدش بونے پیدہ این شمیدی سپدا درمپاہ کنشاش نہ دہدی
 بگفت احوال ما برق ہسانت دے پیداد دیگر دم نہسانت
 مجھے برسام اسلی نشینم ! مجھے برپشت پائے خود نہ ہینم

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خطبہ دے رہے تھے اور مجاہدین کا لشکر نہادند میں مشغول جہاد تھا یکا یک اثناء خطبہ میں فاروق اعظم نے سردار لشکر ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی یا ساریہ الجہل۔ اے ساریہ پہاڑ کے چبھے مقام نہادند میں تمام لشکر نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی یہ حضرت عمرؓ کی کرامت تھی کہ بلا اسباب ظاہری حضرت عمرؓ کی آواز نہادند کے منبر سے نہادند پہنچا دی ایسی کرامتوں کا ظہور کبھی کبھی ہوتا ہے ہمیشہ نہیں کیونکہ کرامت ولی کا اختیاری فعل نہیں بلکہ اللہ کا فضل ہے اسی طرح معجزہ بھی اللہ کا فضل ہے نبی کا فضل نہیں اس کا ظہور اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے پس جو خدا اپنے مقبول بندہ

کی آواز اتنی دور تک پہنچا سکتا ہے اور سنا سکتا ہے تو وہی خدا اپنے برگزیدہ بندہ کے ہیرا ہن کی خوشبو کسی دوسرے برگزیدہ بندہ کو صد میل دور کے فاصلہ پر سونگھا سکتا ہے اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر تھی۔ ولسلمین الریض ماصطہ تجری ہامرہ۔ لسنالہ ارتح الی آخر الآیات پس اگر اسی طرح کسی وقت باد صبا بحکم خداوندی کسی برگزیدہ مفت کے خلعت کی خوشبو کسی دوسرے برگزیدہ تک پہنچا دے تو کوئی محال نہیں اس کو قبول کر داور اپنے دوسروں سے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہ کرو۔

الغرض جب یعقوب علیہ السلام نے یہ کہا کہ میں یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کرتا ہوں تو حاضرین مجلس بولے تحقیق آپ تو اپنی اسی پرانی گمراہی میں مبتلا ہیں کہ یوسف علیہ السلام ابھی زندہ ہیں اور آپ علیہ السلام سے ملیں گے اسی خیال کے غلبہ سے آپ کو خوشبو کا وہم ہو گیا ہے ورنہ واقع میں کوئی خوشبو نہیں کیونکہ یوسف علیہ السلام کو مرے ہوئے ایک مدت ہو گئی پھر جب مصر سے بشارت دینے والا آیا تو اس نے آکر یہ خبر دی کہ یوسف علیہ السلام صحیح سالم زندہ ہیں اور انہوں نے یہ ہیرا ہن دے کر مجھے بھیجا ہے تو اس بشر نے اس کر تہ کو ان کے منہ پر ڈالا تو اسی وقت یعقوب علیہ السلام پینا ہو گئے اور پھر اس نے سارا ماجرا بیان کیا اس وقت یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں سے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی مجھے تو اول ہی سے یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام زندہ ہے اور ایک روز مجھے ضرور ملے گا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اس بشارت دہندہ سے پوچھا کہ تو نے یوسف علیہ السلام کو کس حال میں چھوڑا اس نے کہا کہ میں نے اس حال میں چھوڑا کہ وہ مصر کا بادشاہ ہے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بادشاہت سے مجھے کیا مطلب یہ بتلا کہ تو نے اسے کون سے دین پر چھوڑا اس نے کہا دین اسلام پر یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اب نعمت پوری ہوئی۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۶۱ جلد ۱)

یعقوب علیہ السلام کا یہ جواب سن کر سارے بیٹے والد بزرگوار کے قدموں پر گرے اور بولے اے ہمارے باپ آپ خدا تعالیٰ سے ہمارے لیے دعائے مغفرت کیجئے بے شک ہم خطاوار ہیں ہم نے یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں آپ کو جو تکلیف پہنچائی اس پر تادم اور شرمسار ہیں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں عنقریب تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ عنقریب سے مراد یہ ہے کہ سحر میں دعا کروں گا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے بیٹوں کا مطلب یہ تھا کہ آپ خود ہی ہمارا قصور معاف فرمادیں اور خدائے تعالیٰ سے بھی دعائے مغفرت کریں حتیٰ کہ آپ کا دل صاف ہو جائے اور قلب مبارک میں ہماری طرف سے کوئی کدورت باقی نہ رہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عِلَّ يُوْسُفَ

پورے خاندان کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر پہنچنا ان کے والدین اور بھائیوں کا ان کو سجدہ کرنا اور خواب کی تعبیر پوری ہونا:

حضرت یوسف علیہ السلام نے قیصری ہار جب اپنے بھائیوں کو مصر سے رخصت کیا تھا اور اپنا کرتہ دیا تھا کہ اسے میرے والدین کے چہرہ پر ڈال دینا اس وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ تم اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آنا جب یہ لوگ واپس کنعان پہنچے اور اپنے والد ماجد کے چہرہ انور پر پیرا ہن یوسف کو ڈال دیا جس سے ان کی پینائی واپس آگئی اور پھر اپنے والد سے دعائے مغفرت کی درخواست کی اور انہوں نے دعا کر دی تو اب مصر کی رودانی کا ارادہ کیا حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اہلیہ اور گیارہ بیٹے اور ان

کی ازواج و اولاد نے رحمت سفر باندھا اور مصر کے لیے روانہ ہو گئے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے پہنچنے کی خبر ملی تو شہر سے باہر کر ایک ٹیمہ میں (جو پہلے سے لگایا ہوا تھا) ان کا استقبال کیا اور اپنے والدین کو اپنے نزدیک جگہ دی اور پھر شہر میں داخل ہونے کے لیے فرمایا کہ: **إِنَّكُمْ لَأُمَّةٌ مِّنْ عِبَادِنَا** کہ مصر میں اندر چلے ان شاء اللہ تعالیٰ امن و چین سے رہنے جب شہر میں اندر پہنچ گئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سب کے اکرام اور احترام سے ٹھہرانے کا انتظام فرمایا اور جس تخت شاہی پر خود جلوہ افروز ہوتے تھے اس پر اپنے والدین کو بٹھایا اور جس سے ان کی رعیت شان کو ظاہر کرنا مقصود تھا اس وقت والدین اور گیارہ بھائی سب یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدے میں گر گئے یہ سجدہ بطور تعظیم کے تھا جو سابقہ امتوں میں مشروع تھا۔ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں غیر اللہ کے لیے سجدہ کرنا حرام کر دیا گیا ہے سجدہ عبادت ہو یا سجدہ تعظیمی ہماری شریعت میں غیر اللہ کے لیے حرام ہے اس کی کچھ تفصیل سورۃ بقرہ کو نمبر ۲ میں گزر چکی ہے جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں خواب دیکھا تھا کہ چاند سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کئے ہوئے ہیں ان کے اس خواب کی تعبیر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسی وقت سمجھ لی تھی کہ اگر یہ خواب یوسف کے بھائیوں نے سن لیا تو اندیشہ ہے کہ وہ گیارہ ستاروں کا مصداق اپنے ہی کو سمجھ لیں گے اس لیے کچھ ایسی تدبیر کریں گے کہ یوسف کی ہلاکت ہو جائے یا وہاں سے دور ہو جائے بھائیوں کے کان میں ان کے خواب کی بھنک پڑی تھی یہ یونہی دشمنی پر اتر آئے تھے بہر حال وہ تو یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈال کر اور پھر چند درہم کے عوض فروخت کر کے اپنے خیال میں فارغ ہو چکے تھے اور یہ سمجھ لیا تھا کہ اب یوسف کو نہ گھر واپس آنا ہے نہ اسے کوئی برتری اور بلندی حاصل ہونی ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو آخر وہ دن آ گیا کہ یہ لوگ ان کے سامنے شرمندہ بھی ہوئے اور ان کو تعظیمی سجدہ بھی کیا سجدہ کرنے والوں میں گیارہ ستارے تو بھائی ہوئے اور چاند اور سورج والدین ہوئے جب یہ منظر سامنے آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین سے عرض کیا کہ اے ابا جان یہ میرے خواب کی تعبیر ظاہر ہو گئی میں نے جو خواب دیکھا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی تعبیر سچی فرمادی قرآن مجید میں **(وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ)** فرمایا ہے 'معنی حقیقی کے اعتبار سے عربی زبان میں بوین ماں باپ کے لیے بولا جاتا ہے ان میں حضرت یعقوب علیہ السلام تو حقیقی طور پر والد کا مصداق تھے لیکن ان کے ساتھ جس خاتون کو تخت شاہی پر بٹھایا اور سب سجدہ ریز ہوئے ان میں حضرت یوسف علیہ السلام کی حقیقی والدہ تھیں یا بطور مجاز خالہ کو والدہ فرمایا ہے جن سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بعد میں نکاح فرمایا تھا تفسیر کی کتابوں میں دونوں باتیں لکھی ہیں حضرت حسن اور مورخ ابن اثیر سے صاحب روح المعانی نے نقل کیا ہے کہ اس وقت تک ان کی حقیقی والدہ زندہ تھیں اگر ایسا ہو تو مجاز کی طرف جانے اور داد سے خالہ مراد لینے کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ اس نے مجھے جیل سے نکالا چونکہ جیل سے نکلنے کے بعد ہی بلند مرتبہ پر پہنچے تھے اس لیے مصر میں جن نعمتوں سے سرفراز ہوئے ان میں ابتدائی نعمت کا تذکرہ فرمایا اور چونکہ حصول اقتدار ہی سارے خاندان کو مصر بلانے کا ذریعہ بنا اس لیے ساتھ ہی دوسری نعمت کا تذکرہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو دیہاتوں والی آبادی سے لے آیا اور یہاں میرے پاس لاکر بسا دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا۔ **(وَمِن بَعْدِ أَنْ تَرَعَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي)** کہ یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا جبکہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان بگاڑ کی صورت بنا دی تھی صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ

حضرت یوسف علیہ السلام نے کنویں سے نکلنے کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ جیل سے نکلے جانے کا تذکرہ فرمایا اور مزید یہ کیا کہ بھائیوں نے جو کچھ کیا تھا اسے شیطان کی طرف منسوب کر دیا ان دونوں باتوں میں حکمت یہ تھی کہ بھائی مزید شرمندہ نہ ہوں۔ جب معاف کر دیا اور ہر بات بھول بھلیاں کر دی تو اب اس کا تذکرہ کر کے دل دکھانا مناسب نہ جانا کریوں کی یہی شان ہوتی ہے۔

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمَلِكِ

اسلام پر مرنے اور صالحین میں شامل ہونے کی دعا:

اس کے بعد حضرت یوسف نے یوں دعا کی: (فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَبِئِذَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ) (اے زمین و آسمان کے پیدا فرمانے والے آپ ہی دنیا و آخرت میں میرے کارساز ہیں)۔ (تَوَقَّفِيْ مُسَلِّمًا وَّ اَلْحَيِّئِيْ بِالصَّلٰحِيْنَ) (مجھے اس حالت میں موت دیجئے کہ میں فرمانبردار ہوں اور مجھے نیک بندوں میں شامل فرما دیجئے) اس سے معلوم ہو کہ ہایمان اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوتے ہوئے موت آجانا سب سے بڑی سعادت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو حضرات مرتبہ کے اعتبار سے اپنے سے زیادہ ہوں ان کے احوال اور اعمال میں اور ان کی طرح اجر و ثواب کے استحقاق میں شامل ہونے کی دعا کرنا چاہئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام خود نبی تھے پھر بھی دعا کی کہ اے اللہ مجھے صالحین میں شامل فرما دے یعنی باپ دادے حضرت یعقوب اسحاق اور ابراہیم علیہم السلام کے درجات میں پہنچا دے۔

یہاں جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے موت کی دعا کیوں کی وہ تو اچھے حال میں تھے نعمتوں کی فراوانی تھی حالانکہ دکھ تکلیف کی وجہ سے بھی موت کی دعا کرنا ممنوع ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یوں نہیں کہا کہ مجھے ابھی موت دے دی جائے بلکہ مطلب یہ تھا کہ مقررہ وقت پر جب مجھے موت آئے تو یہ سعادت نصیب ہو جس کا سوال کر رہا ہوں۔

وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ

حضرت یوسف علیہ السلام کا تمام وکمال قصہ بیان فرما کر کس طرح بھائیوں نے ان کے ساتھ برائی کی اور کس طرح ان کی جان تلف کرنی چاہی اور اللہ نے انہیں کس طرح بچایا اور کس طرح اوج و ترقی پر پہنچایا اب اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے فرماتا ہے کہ یہ اور اس جیسی اور چیزیں سب ہماری طرف سے تمہیں دی جاتی ہیں تاکہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں اور آپ کے مخالفین کی بھی آنکھیں کھلیں اور ان پر ہماری حجت قائم ہو جائے تو اس وقت کچھ ان کے پاس تھوڑے ہی تھا۔ جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ کھلا داد فریب کر رہے تھے۔ کنویں میں ڈالنے کے لیے سب مستعد ہو گئے تھے۔ صرف ہمارے بتانے سکھانے سے قبضے یہ واقعات معلوم ہوئے۔ جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے قصے کو بیان فرماتے ہوئے ارشاد ہوا ہے کہ جب وہ تلمیذ زال رہے تھے کہ مریم کو کون پالے تو اس وقت ان کے پاس نہ تھا۔ الخ۔ حضرت موسیٰ کو اپنی باتیں سمجھا رہے تھے تو وہاں نہ تھا۔ اسی طرح اہل مدین کا معاملہ بھی تجھ سے پوشیدہ ہی تھا۔ ملاء اعلیٰ کی آپس کی گفتگو میں تو موجود نہ تھا۔ یہ سب ہماری طرف سے بذریعہ وحی تجھے بتایا گیا یہ کھلی دلیل ہے تیری رسالت و نبوت کی کہ گزشتہ واقعات تو اس طرح کھول کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے کہ گویا تو نے آپ پر چشم خود دیکھے ہیں اور تیرے سامنے ہی گزرے ہیں۔ پھر یہ واقعات نصیحت و عبرت حکمت و موعظت سے ہائےما، جن سے انسانوں کی دین و دنیا سنور سکتی ہے۔

باوجود اس کے بھی اکثر لوگ ایمان سے کوڑے رہے جاتے ہیں گو تو لاکھ چاہے کہ یہ مؤمن بن جائیں اور آیت ہے: (وَإِنْ تُطِيعُوا أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُوَ إِلَّا بُحْرًا صُورًا) (الانعام: ۱۱۲) اگر تو انسانوں کی اکثریت کی اطاعت کرے گا تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا اور بھٹکا دیں گے۔ یہ بات سے واقعات کے بیان کے بعد ہر ایک واقعہ کے ساتھ قرآن نے فرمایا ہے کہ گواہوں میں بڑا زبردست نشان ہے لیکن ہر میں اکثر لوگ ماننے والے نہیں۔ آپ جو کچھ بھی جھانسی کر رہے ہیں اور اللہ کی مخلوق کو راہ حق دکھا رہے ہیں، اس میں آپ کا اپنا دامن نفع ہرگز مقصود نہیں، آپ ان سے کوئی اجرت اور کوئی بدلہ نہیں چاہتے بلکہ یہ صرف اللہ کی رضا جوئی کیلئے مخلوق کے نفع کیلئے ہے۔ یہ تو تمام جہان کیسے سرا سرد کر رہے کہ وہ راہ راست پائیں نصیحت حاصل کریں عبرت پکڑیں ہدایت و نجات پائیں۔

وَكَاتِبِينَ وَكَمْ مِنْ آيَةٍ ذَالَةٍ عَلَيَّ وَخُدَايَةِ اللَّهِ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمْشُونَ عَلَيْهَا يَمْشَاهُمْ وَنَهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ۝ لَا يَتَفَكَّرُونَ فِيهَا وَمَا يُؤْمِنُونَ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ حَيْثُ يَقُولُونَ يَا اللَّهُ الْخَالِقِ الرَّازِقِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ۝ بِهِ بَعَادَةُ الْأَضْيَانِ وَلِنَا كَانُوا يَقُولُونَ فِي تَلْبِيَّتِهِمْ لَتَبِعَكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمَلِّكُهُ وَمَا مَلَكَ يَغْتَزِنُهَا أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ عَاشِيَةٌ نَفَسَةٌ تَغْشَاهُمْ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً نَجَاءً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ يَوْمَ تَأْتِيَانِهَا مِنْ قَبْلِ لَهْمُ هَذِهِ سَبِيلِي وَفَسَّرَهَا يَقُولُهُ أَدْعُوا إِلَى دِينِ اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ حُجَّةً وَاضِحَةً أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۝ آمَنَ بِي عَطْفٌ عَلَى أَنَا الْمُتَّبَعِ الْمُخْبِرِ عَنْهُ بِمَا قَبْلَهُ وَسُبْحَانَ اللَّهِ تَزَيُّهَا لَه عَنِ الشَّرِكَةِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنْ جُمَلِهِ سَبِيلِهِ أَيْضًا وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي وَفِي قِرَائَةِ الْقُرْآنِ وَكَسْرِ الْحَاءِ إِلَيْهِمْ لَا مَلَائِكَةَ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى الْأَمْضَارِ لِأَنَّهُمْ أَعْلَمُ وَأَحْلَمُ بِخِلَافِ أَهْلِ الْبُؤَادِي لِحِفَايَتِهِمْ وَجَهْلِهِمْ ۝ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۝ أَيْ اجْرُ أَمْرِهِمْ مِنْ أَهْلَانِهِمْ بِتَكْذِيبِهِمْ وَرُسُلَهُمْ وَكَدَارُ الْأَخْرَجَةِ أَيْ الْجَنَّةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا اللَّهَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ بِالْبَاءِ وَالنَّوَاءِ يَا أَهْلَ مَكَّةَ هَذَا قَوْمٌ مَثَلٌ حَتَّى غَايَةَ لِمَا دَلَّ عَلَيْهِ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا أَيْ فَتَرَاخَى نَصْرَهُمْ حَتَّى إِذَا اسْتَيْسَسَ يَسُّ الرُّسُلِ وَظَلَمُوا أَتَقْنُ الرُّسُلَ أَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا بِالتَّشْدِيدِ تَكْذِيبًا لَا إِيمَانَ بَعْدَهُ وَالتَّخْفِيفِ أَيْ ظَنَّ الْأُمَّمِ أَنَّ الرُّسُلَ أَخْلَقُوا مَا وَعَدُوا بِهِ مِنَ النَّصْرِ جَاءَهُمْ نَصْرُنَا

فَتَجِي بِزُنَيْنٍ مُّشَدِّدًا وَمُخَفَّفًا وَيُنَوِّنُ مُشَدِّدًا مَاضٍ مِّنْ لِّشَاءِ وَلَا يَرُدُّ بَأْسَنَا عَذَابَنَا عَنِ الْقَوْمِ
 الْمُجْرِمِينَ ۝ الْمُشْرِكِينَ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ أَى الرُّسُلِ عِبْرَةٌ لِأُولَى الْأَلْبَابِ أَصْحَابِ
 الْكُتُبِ وَتَفْصِيلَ تَبَيِّنَ كُلِّ شَيْءٍ يُخْتَارُ إِلَيْهِ فِي الدِّينِ وَهُدًى مِّنَ الضَّلَالَةِ وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ
 يُؤْمِنُونَ ۝ خُصُّوا بِالذِّكْرِ لَئِنَّمَا عَرَّبْتُمْ بِهِ دُونِ غَيْرِهِمْ۔

۱۲

ترجمہ: اور کئی ہی نشانیاں اللہ کی (وحدانیت پر دلالت کرنے والی) ہیں آسمانوں اور زمین میں جن پر سے لوگ گزر جاتے ہیں (انہیں دیکھتے ہوئے) اور نظر اٹھا کر دیکھتے ہی نہیں (غور و فکر نہیں کرتے) اور ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ خدا کو مانتے بھی نہیں (یہ اقرار کرتے ہوئے کہ اللہ خالق ہے رزاق ہے) تو اس طرح شرک بھی کر جاتے ہیں (بت پرستی کے ساتھ اس لئے تلبیہ حج اس طرح پڑھتے ہیں: لیبیک لا شریک لک الا شریکاکا هولک غلک و ماملک اور اس سے بت ہی مراد لیتے ہیں) پھر کیا یہ لوگ اس بات سے مطمئن ہیں کہ اللہ کے عذاب میں سے کوئی آفت ان پر آجائے (ایسی عام مصیبت جو ان پر چھا جائے) جو انہیں گھیر لے؟ یا اچانک (ایک دم) قیامت آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو؟ (پہلے سے اس کے آنے کی) آپ (ان سے) فرما دیجئے میری راہ تو یہ ہے (جس کی وضاحت ان الفاظ سے کی جا رہی ہے) میں اللہ کے (دین) کی طرف دعوت دیتا ہوں اس روشن (دلیل) کی بناء پر جو میرے سامنے ہے اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میرے پیچھے قدم اٹھایا ہے (مجھ پر ایمان لائے) ہیں اس کا عطف ان پر ہو رہا ہے جو مبتداء ہے اور جس کی خبر پہلے آچکی) اور اللہ پاک ہے (ساتھیوں سے وہ بری ہے) اور میں شرک کرنے والوں میں نہیں ہوں اور ہم نے آپ (ﷺ) سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر وہ ایک آدمی تھا کہ جی بھیجی گئی (اور ایک قرأت میں نون اور حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے) جس طرح (فرشتے نہیں بھیجے) شہر کے باشندوں میں تھا (قریب سے شہر مراد ہے کیونکہ شہر کے لوگ زیادہ علم اور بردباری رکھنے والے ہوتے ہیں بر خلاف دیہات والوں کے کہ ان میں اکھڑیں اور جہالت ہوتی ہے) پھر کیا یہ لوگ (اہل مکہ) زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہو چکا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں؟ (یعنی انجام کار پیغمبروں کو جھٹلانے کی وجہ سے انہیں تباہ و برباد ہونا پڑا) البتہ عالم آخرت (جنت) کہیں بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں کیا تم اتنا بھی سمجھتے ہو نہیں؟ (یا اور تاہم کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں اے اہل مکہ تم اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ ایمان لے آتے یہاں تک کہ (یہ غایت ہے اس چیز کی جس پر) وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوْحِي إِلَيْهِمْ ان رُّسُلَ دَلَالَتِ كَرِهًا لِّمَنْ كَفَرَ بِهِمْ ان کی مدد ویر سے کریں گے کہ جب اللہ کے رسول مایوس ہو گئے اور انہوں نے (پیغمبروں) نے خیال (یقین) کر لیا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا (تشدید کے ساتھ ایسا جھٹلانا مراد ہے جس کے بعد پیغمبروں کو اپنے اوپر ایمان لانے کی توقع نہیں رہتی اور تخفیف کے ساتھ یہ سنی ہوں گے کہ پیغمبروں سے جس مدد کا وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا نہیں ہوگا) تو ہماری مدد ان کے پاس آ پھینگی، پس ہم نے بچا لیا (ان میں دونوں نون مشدد ہیں یا مخفف ہیں اور نون مشدد کی صورت میں ماضی کا صیغہ ہوگا) جس کو چاہا اور ہمارا عذاب

بہتر متبلیغ شرح جلالیہ (جلد ۱) ۲۹۰
 مجرموں (مشرکوں) سے کبھی ٹل نہیں سکتا یقیناً ان لوگوں (پیغمبروں) کے قصہ میں دانشمندیوں (سمجھداروں) نے سب سے زیادہ عبرت ہے یہ (قرآن) کچھ بتائی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے (جو کتابیں آچکی ہیں ان) کی تصدیق سب سے زیادہ (وضاحت) ہے ہر چیز کی (جس کی ضرورت دینی معاملات میں پیش آئے) اور ہدایت ہے (گمراہی سے) اور ضرورت ہے ایسی قوم کے لئے جو ایمان رکھتی ہو (اہل ایمان کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ دوسروں کے مقابلہ میں اہل ایمان دنیا سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: كَمَّ: كَأَيِّنْ وَكَمْ یہ کنایات عدد سے ہے یہ تشبیہ و تاکید کے لئے نہیں۔
 قوله: دَالَّةٌ عَلٰی وَحْدَانِيَّةِ: اس سے مراد آیات قدرت ہیں خواہ آفاقی ہوں یاارضی۔
 قوله: لَا يَتَفَكَّرُونَ: اعراض سے اعراض وجوہ مراد نہیں بلکہ اعراض قلوب مراد ہے۔
 قوله: بَوَقَّتْ اِثْبَانَهَا قَبْلَهُ: یعنی اس کے لئے وہ تیار نہ تھے پس یہ تو اس سے زیادہ شدید ہے۔
 قوله: اَمَّنْ بِي: یعنی وہ امور دنیا میں بھی میری متابعت کو ترک نہیں کرتا۔
 قوله: عَظْفٌ عَلٰی اَنَا: اس کا عطف اَدْعُوا کی ضمیر پر نہیں۔
 قوله: الْمُبْتَدَاءُ الْمُخْبِرُ عَنْهُ: مبتداء کی خبر ما قبل علی بصیرت ہے وہ اَنَا سے حال نہیں۔
 قوله: بِخَلَافِ اَهْلِ الْبَوَادِي: اس میں اشارہ ہے کہ قری کے مراد وہ ہے جو بوادی کے مقابل ہے نہ مدائن کے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی اکثریت شہروں میں سے ہی مبعوث ہوئی۔
 قوله: اٰخِرُ اَمْرِهِمْ: عاقبہ سے یہاں تیاست مراد نہیں بلکہ آخری معاملہ و انجام مراد ہے۔
 قوله: اَيَقِنَنَّ: سے ظن کی تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ ان کی تکذیب کھلی اور قطعی تھی۔
 قوله: الرُّسُلُ: اس سے اشارہ کیا کہ ضمیر کا مرجع رسل ہے نہ کہ قوم۔
 قوله: لَا اَيَّانَ بَعْدَهُ: یعنی اس کے بعد ان کے ایمان کی توقع نہیں۔
 قوله: ظَنَّ الْاُمَّمُ اَنَّ الرُّسُلَ: اس قراءت کے مطابق ظنوا کی ضمیر لوگوں کی طرف ہے کیونکہ ان کو وعدہ ہائے حق میں کبھی شک نہیں ہوتا۔
 قوله: وَيَبْنُونَ مُشَدَّدًا مَا ضِ: نون کو مشدد و مخفف دونوں پڑھ سکتے ہیں۔
 قوله: لِاِنْتِفَاعِهِمْ: اس سے اشارہ کیا ایمان والوں کو خاص کرنے کی وجہ ایمان سے ان کا فیض یا بھوک نفع اٹھانے ورنہ پیغام ہدایت سب کے لئے ہے۔

تفسیر مقبولین

وَكَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هُمْ

لوگ بہت سی آیات تکوینیہ پر گزرتے ہیں مگر ایمان نہیں لاتے:

حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان فرمانے کے بعد (جو آپ کی نبوت پر واضح دلیل ہے) مخاطبین کا حال بیان فرمایا کہ جن لوگوں کو توحید سے اور آپ کی رسالت پر ایمان لانے سے عناد ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے بہت سی نگوینی نشانیاں رکھتے ہیں لیکن ایمان نہیں لاتے آسمان میں نشانیاں ہیں مثلاً ستارے ہیں اور خود آسمان کا وجود بھی اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کی صفت تخلیق پر دلالت کرتا ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کو سب ہی تسلیم کرتے ہیں اسی طرح زمین اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانی ہے اور اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان سب نشانیوں کو یہ لوگ دیکھتے ہیں مگر نہیں جانتے ہیں بہت سی ایسی چیزیں سامنے آتی ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف نہیں آتے جب انہیں توحید کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے شرکاء بھی تجویز کرتے ہیں یعنی ان باطل معبودوں کی بھی عبادت کرتے ہیں شرک کے ساتھ ماننا کوئی ماننا نہیں ہے یہ ماننا نہ ماننے کے برابر ہے۔ ان لوگوں کا نہ توحید پر ایمان ہے نہ آپ کی رسالت کا انہیں اقرار ہے کفر و شرک کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور بالکل اطمینان سے زندگی گزار رہے ہیں اللہ کے عذاب اور غضب سے نہیں ڈرتے کیا انہیں اس بات کا اطمینان ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ آئے گا اور کیا اچانک قیامت نہیں آسکتی ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسا عذاب آسکتا ہے جو انہیں ہر طرف سے گھیر لے یا اچانک قیامت آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو و هذا کقولہ تعالیٰ (أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ) (الابتن) اور آخرت میں ہر کافر کے لیے دائمی عذاب ضروری ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ

آپ سے پہلے جو رسول بھیجے وہ انسان ہی تھے:

شرکین مکہ اور دوسرے کفار کے سامنے جب رسول اللہ (ﷺ) نے اپنی دعوت پیش کی اور فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں تو ان لوگوں نے کٹ جھتی کی اور طرح طرح کے بے تکے سوالات کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ آپ تو ہمارے جیسے آدمی ہیں رسول کوئی فرشتہ ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کا جواب دیا کہ ہم نے جتنے بھی رسول پہلے بھیجے ہیں وہ سب انسان ہی تھے جو مختلف بستیوں کے رہنے والے تھے یہ حضرات اپنی اپنی امتوں کی طرف بھیجے گئے اور ان کو حق کی دعوت دی اور اس میں بہت بڑی حکمت ہے اور وہ یہ کہ ہم جنس ہی ہم جنس کو صحیح طریقہ پر ہدایت دے سکتا ہے تو نا بھی اور فلان بھی یعنی زبان سے بھی بتا سکتا ہے اور فلان عمل کر کے بھی دکھا سکتا ہے اور یہ بات فرشتوں کے ذریعے حاصل نہیں کیونکہ ان میں انسانی مزاج اور طبیعت نہیں ہے لہذا عمل کر کے نہیں دکھا سکتے آیت کریمہ میں رسول اللہ (ﷺ) کو خطاب فرمایا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے جو

رسول صیبہ وہ بھی انسان ہی تھے ان حضرات کی امتوں نے ایسے ہی بے حکمے سوال کئے تھے جو آپ کے مخاطبین انھار ہے تھے یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے جو آپ کو پیش آیا آپ سے پہلے رسولوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کریں۔ (کما فی سورۃ الرعد قالوا ان ائتھم الا بشر مفضلنا) (الی اخر الابین)

اقلتم یسیروا فی الارض اس میں مخاطبین کو تم کیر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تم توحید پر نہیں آتے رسول اللہ (ﷺ) کی دعوت پر کان نہیں دھرتے کیوں اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تاکہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے تھے یعنی ان سے پہلے بھی رسولوں کو ان کی امتوں نے جھٹلایا جس کی وجہ سے ماخوذ ہوئے اور ہلاک ہوئے زمین پر چلیں پھریں تو ان کے مکالموں کے کنڈر اینٹ اور پتھر بے کار پڑے ہوئے کنویں نظر آئیں گے اگر عبرت حاصل کرنے کا مزاج ہو تو عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

وَلَدَادُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰتَقَوْا۟ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾ یعنی جو بندے تقویٰ اختیار کرتے ہیں کفر و شرک سے بچتے ہیں گناہوں سے دور رہتے ہیں فرائض و واجبات کا اہتمام کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے دار آخرت میں بڑی بڑی نعمتیں ہیں اور دار آخرت ان کے لیے ان دنیاوی نفع کی چیزوں سے بہتر ہے جن سے اہل دنیا چپکے ہوئے ہیں اور یہ چیزیں انہیں ایمان سے روک رہی ہیں اور اعمال خیر سے دور رکھ رہی ہیں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (سو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) فانی کو باقی پر ترجیح دیتے ہو اور یہ خیال نہیں کرتے کہ گرفت میں دیر ہونا دلیل اس بات کی نہیں کہ کبھی بھی دنیا اور آخرت میں عذاب میں جلاش ہو گے۔

حَتّٰی اِذَا اسْتَيْقَسَ الرُّسُلُ ...

ہمارا عذاب مجرموں سے ہٹایا نہیں جاتا

پہلی آیت میں پرانی امتوں کی تکذیب اور ہلاکت کا ذکر تھا اس آیت میں ان کی تکذیب کی کچھ تفصیل بیان فرمائی حضرت انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو یہ یقین تو تھا کہ مکذبین و منکرین کے مقابلہ میں ضرور ہماری مدد ہوگی لیکن مدد میں دیر لگی دشمن اپنی دنیا میں منہمک رہے پیش و آرام سے زندگی گزارتے رہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انہیں مہلت دی جاتی رہی اس کو دیکھ کر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے گمان کر لیا کہ ہم نے جو یہ سمجھا تھا کہ جلد ہی ہماری مدد ہوگی اور دشمن جلد ہلاک ہوں گے ہمارا یہ گمان صحیح نہیں تھا وجہ اس کی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطلق مدد کا وعدہ تھا اس کا کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا تھا لہذا جلدی مدد آنے کا خیال کرنا یہ اپنی طرف سے ایک گمان تھا۔ اور دشمنوں کو لمبی مہلت مل جانے کی وجہ سے کچھ ایسا وہم ہونے لگا کہ گویا دنیا میں ہماری مدد نہ ہوگی یہ اس کے قریب ہے جو سورۃ البقرہ میں ہے۔ (حَتّٰی یَقُولَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ غَنّٰی نَصْرَ اللّٰهِ) جب یہ حال ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی مدد آگئی اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا نجات دیدی یعنی حضرات انبیاء کرام اور ان کے ساتھ اہل ایمان نجات پا گئے قال صاحب الروح ج ۱۳ ص ۷۹۔

والمعنى ان مدة التكذيب والعداوة من الكفار وانتظار النصر من الله تعالى قد تطاولت ونمادت حتى استشعروا والقنوط وتوهموا عنها ان لانصر لهم في الدنيا انتهى هذا على قراءة كذبوا بالتخفيف التي هي قراءة الكوفيين وقراءة الاخرين منهم عائشة رضى الله عنها بالتشديد وفسرت الاية كما روى

عنه يسرى في تفسير هذه الآية ج ۲ ص ۶۸۰ هم اتبع الرسل الذين امنوا برهم وصدقوهم فطال
عندهم نبلاء وامت خرعنهم. ننصر حتى اذا استئس الرسل ممن كذبهم من قومهم وظنت الرسل ان
تم عنهم قد كذبوهم جاءهم نصر الله عند ذلك وفي معنى الآية وجه اخر ذكره ابن كثير عن ابن عباس
وهو انما يست. رسل ان يستجيب لهم قومهم وضمن قومهم ان الرسل قد كذبوهم جاءهم النصر
عنى ذك (ج ۲ ص ۴۹۸).

مَنْ كَانَ فِي قَوْمِهِ نَبِيٌّ لَّا يُؤْمِنُ بِاللَّيْبِ ...

ان حضرات کے قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے:

یہ سورہ یوسف کی آخری آیت ہے اس میں چار باتیں بتائی ہیں اول یہ کہ حضرات انبیاء کرام اور ان کی قوموں کے قصوں
میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے جو لوگ اپنی عقل کو کام میں لاتے ہیں غور و فکر کرتے ہیں وہ عبرت حاصل کر لیتے ہیں دوسری
بات یہ کہ یہ قرآن جو پڑھا جاتا ہے اور دوست و دشمن سب کے سامنے اس کی سخاوت کی جاتی ہے یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے
جو رسول اللہ (ﷺ) نے اپنی طرف سے تراش لیا ہو اس میں جرائم سابقہ کے واقعات بیان کئے ہیں وہ بھی تراشے ہوئے
نہیں۔ نہ پھر اس سے دور کیوں بھاگتے ہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ یہ قرآن سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو
توحید و دعوت ان کتابوں میں تھی وہی قرآن مجید میں ہے پھر قرآن کی دعوت کو کیوں تسلیم نہیں کرتے خاص کر یہود و نصاریٰ جو
میں سب ہیں ان کو قرآن سے دور بھاگنے کا کوئی موقع ہی نہیں جب قرآن ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور وہی بیان کرتا
ہے جو ان کی کتابوں میں ہے تو سب سے پہلے ان کو قبول کرنا لازم ہے کما قال تعالیٰ: (وَلَا تُكْفُرُوا بِاللَّيْبِ) چوتھی
بات یہ کہ قرآن میں ہر بات کی تفصیل ہے یعنی واضح طور پر تمام عقائد اور اصولی طور پر تمام احکام بتا دیے۔
نیز یہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت بھی ہے رحمت بھی کیونکہ یہی حضرات اس کے احکام قبول کرتے ہیں اور اس کی
آیت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ الْحَرَامَ ۝ وَالَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهَا وَالنَّهَارَ لِيَعْمَلُوا فِيهَا وَإِلَىٰ ذَٰلِكَ نُرِيكَ الْآيَاتِ ۝ وَالَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهَا وَالنَّهَارَ لِيَعْمَلُوا فِيهَا وَإِلَىٰ ذَٰلِكَ نُرِيكَ الْآيَاتِ ۝

السَّجْدَةُ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سورہ سجده میں ۲۷ آیات ہیں۔ شروع اللہ کے نام سے ہے۔ ہر آیت میں تین بار سبحان اللہ ہے۔ اور اس میں تین تالیفات آیت اور پندرہ تین

إِلَّا وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا الْأَيَّةَ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا أَوْ مَدَنِيَّةٌ إِلَّا لَوْلَا إِذْ نَزَّلْنَا السُّورَةَ لَنُصَبِّحَنَّكَ بِأَعْيُنِنَا دُونَهُ خَالِدًا فِيهَا وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَأَعْيُنُنَا وَقَدْ نُظِرَ فِيكَ تُبَارَاكُ ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۚ

قرآن الایاتیں ثلاث أو أربع أو خمس أو ست و أربعون آیت
سورہ سجده کی ہے۔ جز آیت: وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا الْأَيَّةَ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا
مدنی ہے جز و لَوْلَا أَنْ قُرْآنًا دُونَ آيَاتِهِ كَسَبَتْ كَيْدَهُمْ أَنْ يُضَلُّوا بِهِمْ إِلَّا طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ اللَّهَ الْعَلِيمَ ۚ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ الْحَرَامَ ۝ وَالَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهَا وَالنَّهَارَ لِيَعْمَلُوا فِيهَا وَإِلَىٰ ذَٰلِكَ نُرِيكَ الْآيَاتِ ۝ وَالَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهَا وَالنَّهَارَ لِيَعْمَلُوا فِيهَا وَإِلَىٰ ذَٰلِكَ نُرِيكَ الْآيَاتِ ۝

أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ حَرَامًا كَرِيمًا ۝ وَالَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهَا وَالنَّهَارَ لِيَعْمَلُوا فِيهَا وَإِلَىٰ ذَٰلِكَ نُرِيكَ الْآيَاتِ ۝ وَالَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهَا وَالنَّهَارَ لِيَعْمَلُوا فِيهَا وَإِلَىٰ ذَٰلِكَ نُرِيكَ الْآيَاتِ ۝

يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَأَعْيُنُنَا وَقَدْ نُظِرَ فِيكَ تُبَارَاكُ ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۚ

وَهُوَ الْأَسْطُوَانَةُ وَهُوَ ضَادِقٌ بَأَنَّ لَا عَمْدَ إِلَّا لِلَّهِ ۚ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَاءَ يَلْقَىٰ بِهِ وَاسْخَرَهُ ذَلَّلَ الْكَمْسَ وَالْقَمَرَ كُلًّا مِنْهُمَا يَجْرِئُ فِي فَلَكِهِ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَدْبُرُ الْأَمْرَ بِفَضْلِ أَمْرٍ مَّلِكِهِ يُفَضِّلُ بَيْنَ الْأَيَّاتِ دَلَالَاتٍ قُدْرَتِهِ لَعَلَّكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ بِإِقَاءِ رَبِّكُمْ بِالْبَتِّ تَوْقِنُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ بَسَطَ الْأَرْضَ وَجَعَلَ خَلْقَ فِيهَا رَوَاسِيَ جِبَالًا تَوَابِتُ وَأَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرَاتِ جَعَلَ خَلْقَ فِيهَا رُوحَيْنِ اثْنَيْنِ مِنْ كُلِّ نَوْعٍ يُغْشَى الْيَلْبُوتُ بِظُلْمَتِهِ النَّهَارُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَأَمْدًا كَثِيرًا لِّآيَاتِ دَلَالَاتٍ عَلَىٰ وَحْدَانِيَّتِهِ تَعَالَى لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ فِي ضَمِّ اللَّهِ وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ بِقَاعٍ مُّخْتَلِفَةٌ مَّتَجَوِّرَاتٌ مُّثَلًا صِفَاتٍ لِّعِظَاتٍ رَّسِيخٍ وَقَلْبِلِ التَّرْبِيعِ وَكَبِيرِهِ وَهُوَ مِنْ دَلَائِلِ قُدْرَتِهِ

تَعَالَى وَجَنَّتْ بِسَاتِينَ مِنَ اَعْنَابٍ وَزَّرَعَ بِالرُّمِ عِطْفًا عَلَى جَنَابٍ وَالْحِجْرِ عَلَى اَعْنَابٍ وَكَذَلِكَ وَ
 نَخِيلٍ صِنَوَانٌ جَمْعُ صِنْوَةٍ وَهِيَ النَّخْلَاتُ يَجْمَعُهَا اَصْلٌ وَاِحِدٌ وَتَشْعِبُ فُرُوعُهَا وَغَيْرُ صِنَوَانٍ
 جَمْعُ صِنْوَةٍ وَهِيَ النَّخْلَاتُ يَجْمَعُهَا اَصْلٌ وَاِحِدٌ وَتَشْعِبُ فُرُوعُهَا يَسْقَى بِالنَّاءِ اَيِ الْجَنَابِ وَمَا فِيهَا
 وَالْبَاءِ اَيِ الْمَدِّ كُوزٌ بِمَاءٍ وَاِحِدٌ وَتَفْصِلُ بِالنُّونِ وَالْبَاءِ بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْاَكْلِ بِضَمِّ الْكَا
 وَشُكْرِنَهَا فَمِنْ حُلُوٍّ وَحَامِضٍ وَهُوَ مِنْ دَلَائِلِ قُدْرَتِهِ تَعَالَى اِنَّ فِي ذَلِكَ الْمَدِّ كُوزٍ لَا يَتَقَوَّمُ
 يَتَقَوَّمُونَ ۝ يَتَدَبَّرُونَ وَ اِنَّ تَعَجُّبٌ بِاِمْحَمَدٍ مِنْ تَكْذِيبِ الْكُفَّارِ لَكَ فَعَجَبٌ حَقِيقٌ بِالْعَجَبِ
 قَوْلُهُمْ مُنْكَرِينَ لِلْبُعْثِ اِذَا كُنَّا ثَرِبًا اِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ لِاَنَّ الْقَادِرَ عَلَى اِنْشَاءِ الْخَلْقِ وَمَا
 تَقَدَّمَ عَلَى غَيْرِ مِثَالِ سَبَقَ قَادِرٌ عَلَى اِعَادَتِهِمْ وَفِي الْهَمْزَتَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيقُ وَتَحْقِيقُ الْاَوَّلَى وَ
 تَسْهِيلُ الثَّانِيَةِ وَاَدْخَالَ الْفَ بَيْنَهُمَا عَلَى التَّوَجُّهِينِ وَتَرَكِيهَا وَفِي قِرَاءَةِ الْاِسْتِفْهَامِ فِي الْاَوَّلِ وَالْخَبْرِ فِي
 الثَّانِيَةِ وَاُخْرَى عَكْسُهُ اُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۝ وَاُولَئِكَ الْاَغْلَالُ فِي اَعْنَاقِهِمْ ۝ وَاُولَئِكَ اَصْحَابُ
 النَّارِ ۝ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَ نَزَلَ فِي اسْتِعْجَالِهِمْ الْعَذَابُ اسْتِهْزَاءً وَ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ
 الْعَذَابِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ الرَّحْمَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُ ۝ جَمْعُ الْمَثَلَةِ بَوْرُورٍ اِسْمُ مَرَةٍ اَيِ
 عُقْرُبَاتٍ اَمْثَالَهُمْ مِنَ الْمَكْذِبِينَ فَلَا يَتَعَبَّرُونَ بِهَا وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَى مَعْلُومِهِمْ ۝
 وَ اَلَا لَمْ يَبْرُكْ عَلَى ظَهْرِهَا ذَاتَةٌ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ لِمَنْ عَصَاهُ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا اَوْلَا
 فَلَا اَنْزَلَ عَلَيْهِ عَلَى مُحَمَّدٍ اَيَةً مِنْ رَبِّهِ ۝ كَالْعَصَا وَالْبِدْوَةِ النَّاقَةِ قَالَ تَعَالَى اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ مَخْوَفٌ
 الْكَافِرِينَ وَ لَيْسَ عَلَيْكَ اٰتْيَانُ الْاٰيَاتِ وَ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ نَبِيٌّ يَدْعُوهُمْ اِلَى رَبِّهِمْ بِمَا يُعْطِيهِ مِنْ
 الْاٰيَاتِ لَا بِمَا يَفْتَرِ حُورُنَ

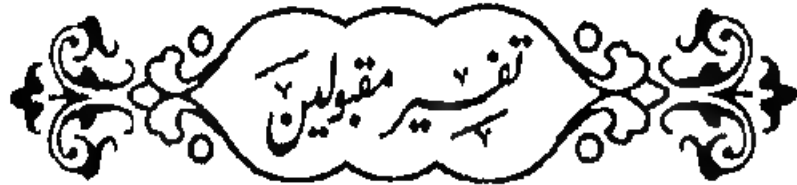
توضیح: ان حروف کی حقیقی مراد کو اللہ ہی جانتے ہیں۔ یہ (آیتیں) ہیں کتاب (قرآن کریم) کی یہاں اضافت
 کن کے معنی میں ہے اور جو کچھ اتر اتجھ پر تیرے رب کی طرف سے (قرآن کریم) یہ مبتدا واقع ہے اس کی خبر آگے ہے (سورن
 ہے (اس میں کوئی شک نہیں) لیکن بہت لوگ (مکد والے) نہیں مانتے (اس بات کو کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے) اللہ

وہ ہے جس نے اونچے بنائے آسمان بغیر ستون کے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو (عمدہ کی جمع ہے بمعنی ستون اور یہ سچ ہے کہ آسمان میں سرے سے کوئی ستون ہی نہیں) پھر وہ عرش پر جلوہ افروز ہوا (ایسا جلوہ گر ہونا جو اس کی شان کے مطابق ہو) اور کام میں لگا دیا (خدمت میں لگا دیا) کہ ہر ایک (اپنے اپنے مدار) پر چلتا ہے وقت مقرر (قیامت) تک تدبیر کرتا ہے کام کی (اپنے ملک کی تدبیر کرتا ہے) ظاہر کرتا ہے نشانیاں تاکہ تمہیں (اے مکہ کے رہنے والو) یقین ہو جائے کہ (قیامت کے روز) اپنے پروردگار سے ملنا ہے اور وہی ہے جس نے زمین کی سطح پھیلا دی اور اس میں پہاڑ بنائے (مضبوط جمائے) نہریں جاری کر دیں اور ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے، دودو قسم کے اگا دیئے۔ رات (کی اندھیری) سے دن کو چھپ دیتا ہے۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں (خدا کے ایک ہونے کی دلیلیں) ہیں ان لوگوں کے واسطے (جو اللہ کی کاریگری میں) غور و فکر کرنے والے ہیں اور زمین میں مختلف (نکڑے) ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں (قریب قریب ہیں) کچھ ان میں عمدہ ہیں اور کچھ زمین شور، اور کچھ میں پیداوار کم ہے اور کچھ میں زیادہ اور یہی اس کی قدرت کے کرشمے ہیں) اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں (لفظ زرع رفع کے ساتھ جنات پر عطف ہے اور جر کی صورت میں اعناب پر عطف ہوگا اسی طرح بعد والا جملہ) اور کھجوریں ہیں ایک کی جڑ دوسری سے ملی ہوئی (صنواں صنوک کی جمع ہے کھجوروں کے وہ درخت جن کی شاخیں تو مختلف ہوں مگر جڑ ایک ہو) اور بعض بن ملی (جدا جدا) ان کو پانی دیا جاتا ہے۔ (یعنی تاء کے ساتھ باغات اور پھل وغیرہ اور یاء کے ساتھ مذکورہ چیزیں مراد ہوں گی) ایک ہی وہ بڑھا دیتا ہے (یاء اور تاء کے ساتھ) ایک کو ایک سے ذائقہ میں (اکل کاف کے ضمہ اور سکون کے ساتھ بعض خالص میٹھا کھٹ میٹھا یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے اس (ذکر کردہ چیزوں) میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں (غور کرتے ہیں) اگر اس بات کو تعجب خیز سمجھتے ہیں (اے محمدؐ) کفار آپ کو جھٹلا رہے ہیں (تو ان منکرین قیامت) کا قول لائق تعجب ہے کہ جب ہم مٹی ہو گئے پھر کیا ہم نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے۔ کیونکہ جو ہستی بغیر نمونہ کے ابتداء میں وجود عطا کر سکتی ہے تو وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہوگی اور لفظ اذا اور ان میں دونوں جگہ ہمزہ کو تحقیق کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور پہلے ہمزہ کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ اور ان دونوں صورتوں میں دونوں ہمزہ کے درمیان الف داخل کر کے اور بغیر الف کے بھی پڑھا گیا ہے اور ایک قرأت میں پہلے لفظ پر ہمزہ استفہام ہے اور دوسرے میں خبر ہے اور ایک قرأت میں اس کے برعکس ہے یعنی پہلا ہمزہ خبر اور دوسرا استفہام ہے) یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا اور یہی لوگ ہیں جن کے گلوں میں طوق پڑے ہوئے ہوں گے اور یہی ہیں جو دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے (کفار بطور مذاق عذاب کے بارے میں جلدی چاہ رہے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی) اور یہ لوگ جلد مانتے ہیں تجھ سے برائی (عذاب) کو بھلائی (رحمت) سے پہلے اور گزر چکے ہیں ان سے پہلے بہت سے عذاب (مثلات مثلہ بروزن سمرۃ کی جمع ہے یعنی سزائیں ایسے ہی جھلانے والوں پر آچکی ہیں اس کے باوجود یہ ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے، اور تیرا رب لوگوں کو معاف کرنے والا ہے ان کے ظلم پر (علی مع کے معنی میں ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو سینہ زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا) اور یقیناً تیرے رب کا عذاب بھی سخت ہے (اس شخص کے لئے جو اس کی نافرمانی کرے) اور کفار کہتے ہیں کہ اس (محمدؐ) پر کوئی نشانی کیوں نہ اتری (جیسے عصائے موسیٰ، ید بیضاء اور ناسخ، حق تعالیٰ فرماتے ہیں) تیرا کام تو صرف ڈر سنا دینا ہے (کفار کو آپ ڈرانے والے ہیں نشانیاں لانا آپ پر لازم نہیں ہے) اور ہر قوم کے لئے ایک

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١﴾ ﴿٢﴾ ﴿٣﴾ ﴿٤﴾ ﴿٥﴾ ﴿٦﴾ ﴿٧﴾ ﴿٨﴾ ﴿٩﴾ ﴿١٠﴾ ﴿١١﴾ ﴿١٢﴾ ﴿١٣﴾ ﴿١٤﴾ ﴿١٥﴾ ﴿١٦﴾ ﴿١٧﴾ ﴿١٨﴾ ﴿١٩﴾ ﴿٢٠﴾ ﴿٢١﴾ ﴿٢٢﴾ ﴿٢٣﴾ ﴿٢٤﴾ ﴿٢٥﴾ ﴿٢٦﴾ ﴿٢٧﴾ ﴿٢٨﴾ ﴿٢٩﴾ ﴿٣٠﴾ ﴿٣١﴾ ﴿٣٢﴾ ﴿٣٣﴾ ﴿٣٤﴾ ﴿٣٥﴾ ﴿٣٦﴾ ﴿٣٧﴾ ﴿٣٨﴾ ﴿٣٩﴾ ﴿٤٠﴾ ﴿٤١﴾ ﴿٤٢﴾ ﴿٤٣﴾ ﴿٤٤﴾ ﴿٤٥﴾ ﴿٤٦﴾ ﴿٤٧﴾ ﴿٤٨﴾ ﴿٤٩﴾ ﴿٥٠﴾ ﴿٥١﴾ ﴿٥٢﴾ ﴿٥٣﴾ ﴿٥٤﴾ ﴿٥٥﴾ ﴿٥٦﴾ ﴿٥٧﴾ ﴿٥٨﴾ ﴿٥٩﴾ ﴿٦٠﴾ ﴿٦١﴾ ﴿٦٢﴾ ﴿٦٣﴾ ﴿٦٤﴾ ﴿٦٥﴾ ﴿٦٦﴾ ﴿٦٧﴾ ﴿٦٨﴾ ﴿٦٩﴾ ﴿٧٠﴾ ﴿٧١﴾ ﴿٧٢﴾ ﴿٧٣﴾ ﴿٧٤﴾ ﴿٧٥﴾ ﴿٧٦﴾ ﴿٧٧﴾ ﴿٧٨﴾ ﴿٧٩﴾ ﴿٨٠﴾ ﴿٨١﴾ ﴿٨٢﴾ ﴿٨٣﴾ ﴿٨٤﴾ ﴿٨٥﴾ ﴿٨٦﴾ ﴿٨٧﴾ ﴿٨٨﴾ ﴿٨٩﴾ ﴿٩٠﴾ ﴿٩١﴾ ﴿٩٢﴾ ﴿٩٣﴾ ﴿٩٤﴾ ﴿٩٥﴾ ﴿٩٦﴾ ﴿٩٧﴾ ﴿٩٨﴾ ﴿٩٩﴾ ﴿١٠٠﴾

کلمات تفسیر کے توضیح و تشریح

- قوله: هَلِیَ الْآبَاتُ: اسم اشارہ کے صواب لالے کی وجہ کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اشارہ الیہ صواب ہے۔
- قوله: وَالْإِضَافَةُ: یہ من کے معنی میں ہے لام کے معنی میں نہیں یعنی آیات من الكتاب۔
- قوله: بِأَنَّ: یہ یا منون کا مفعول ہے۔ ہا سے اس لئے متدی بنایا کیونکہ وہ اقرار کے معنی کو ظہور ہے۔
- قوله: اللَّهُ: یہ مبتداء اور الذی خبر ہے۔
- قوله: لَا عَمَدَ أَصْلًا: یعنی اس تعبیر سے بتلایا کہ مطلقاً ستونوں کی لمبی ہے۔
- قوله: بَخَلَقَ: اس سے اشارہ ہے کہ جمل یہاں تصمیر کے معنی میں نہیں بلکہ تخلیق کے معنی میں ہے۔
- قوله: رَوْحًا: دو متقابل صفتیں مراد ہیں مثلاً سفید، سیاہ، بڑی پھولی۔ پیشی کڑوی، ہر نوع مراد ہے۔
- قوله: اِذَا: دوسرے کی تسہیل کے لئے بین بین کا قاعدہ لگ سکتا ہے۔
- قوله: مَعَ ظَلَمِهِمْ: علی مع کے معنی میں ہے۔ استغناء کا یہاں معنی ہی نہیں۔



الْقَوْمِ بِتِلْكَ الْآيَاتِ الْكُبْرَى.....

عظیم الشان آیات:

سورہ شاد فرمایا گیا کہ یہ آیتیں ہیں اس کتاب حکیم کی جو اس سورہ کریمہ میں مذکور ہیں۔ یا اس سے پورے قرآن حکیم کی آیات مراد ہیں۔ (معالم، جامع، لغات الہیہ وغیرہ) سو جب یہ آیتیں اس عظیم الشان کتاب کی ہیں جو کہ ایک بے مثال کتاب اور مجرہ خداوندی ہے تو پھر اس کی ان عظیم الشان آیتوں کی عظمت شان کے کہنے ہی کیا؟ سو سورہ کریمہ کی ابتدا اور اس کا آغازی اس طرح فرمانے سے یہ درس ملتا ہے کہ جیسے یہ کتاب عظیم الشان اور بے مثال ہے اسی طرح اس کی یہ آیات بھی عظیم الشان اور بے مثال ہیں۔ لہذا ان کی تلاوت بھی اسی انداز و اعتبار سے ہونی چاہئے اور ان کو دل و جان سے اپنانا چاہئے کہ اسی میں انسان کے لیے داریں کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کا سامان ہے۔ وباللہ التوفیق لما یحب ویرضی وعلی ما یحب لیرضی۔ بکل حال من الاحوال و فی کل موطن من المواطن فی الحیاة۔

۲۔ احسان اور دھمکی کے دونوں پہلوؤں کی طرف اشارہ:

سوارشا فرمایا گیا کہ یہ آیتیں ہیں اس کتاب حکیم کی جس کے اتارنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں سے ذریعے فرمایا تھا۔ یعنی قرآن حکیم کی۔ جس کی عظمتوں، رحمتوں اور برکتوں کا کوئی کنارہ نہیں۔ جس جیسی دوسری کوئی کتاب نہ آئے تک کبھی ہوئی اور نہ قیامت تک کبھی ممکن ہے۔ اور جو انسان کے لیے دارین کی سعادت اور فوز و فلاح کی کفیل و ضامن ہے۔ اس کتاب حکیم سے اعراض کرنا اور منہ موڑنا پرلے درجے کی حماقت اور سب سے بڑی محرومی ہے اور انہی عظمتوں کی بنا پر یہ کتاب ایسی عظیم الشان اور بے مثال کتاب ہے کہ یہی کتاب کہے جانے کے لائق ہے۔ اسی لیے اس کا تعارف ہی اکتاب کے نام و عنوان سے کرایا جا رہا ہے۔ اور یہی ہے وہ موعود و منتظر کتاب الہی جس کا آخری اور کامل صحیفہ ہدایت کی حیثیت سے اتارنے کا وعدہ اللہ پاک نے اپنے انبیاء و رسل کے ذریعے فرمایا تھا۔ سواس کی تعلیمات مقدسہ کو دل و جان سے اپنانا دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفرازی کی راہ کو اپنانا ہے۔ سو یہ حضرت حق۔ جل مجدہ۔ کی طرف سے اس کے بندوں پر عظیم الشان انعام اور بے مثال احسان ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ لوگ اس کو دل و جان سے اپنا کر اس کی برکات سے مستفید و متمتع اور فیضاب ہوں۔ اور اگر انہوں نے اس کی ناقدری کی اور اس سے اعراض و درگردانی برتی۔ والعیاذ باللہ۔ تو اس کے نتیجے میں ان کو دارین کی محرومی اور ہلاکت و تباہی کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ اعظیم۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر کامزن رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

۳۔ پیغمبر کے لیے تسکین و تسلیہ:

سو پیغمبر کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ جو کتاب آپ کی طرف سے آپ کے رب کی جانب سے اتاری گئی وہ سراسر حق ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ خواہ اس کا تعلق عقائد و ایمانیات سے ہو یا معاملات و اخلاق سے۔ معیشت و معاشرت سے ہو یا عبادات و عادات سے۔ سو یہ اجمال بعد التفصیل کے قبیل سے ہے جو کہ بلاغت کلام کا ایک معروف اسلوب ہے۔ اور جو عربی زبان میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ سواس کے مطابق قرآن حکیم کی عظمت شان کو واضح فرمایا گیا۔ اور پھر بالا جمال ارشاد فرمایا گیا کہ جو قرآن آپ کی طرف اتارا گیا ہے وہ سارے کا سارا اور پورے کا پورا حق اور صدق ہے۔ (تفسیر المرآنی وغیرہ) سو اللہ پاک کے اس احسان عظیم کو اپنانا اور قبول کرنا جہاں اس کا حق ہے وہاں اس سے منہ موڑنا ہلاکت دارین کا باعث ہے۔ والعیاذ باللہ اعظیم۔ بہر کیف اس میں پیغمبر کے لیے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ منکر اور ہٹ دھرم لوگ اگر اس نسخہ کیمیا سے منہ موڑے ہوئے ہیں تو یہ ان کی اپنی ہٹ دھری اور محرومی کا نتیجہ ہے ورنہ یہ کتاب سراسر حق و صدق ہے۔ اس کی ہر بات سچا، دلیل اور مبرہن اور عقل و نقل اور فطرت سلیمہ کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اس کا ہر دعویٰ سچا و ثابت اور مدلل و مبرہن ہے اور اس شان کی کتاب یہی اور صرف یہی ہے۔

۴۔ ہٹ دھرمی محرومی کی حسرت بنیاد۔ والعیاذ باللہ:

سوارشا فرمایا گیا کہ یہ کتاب تو سراسر حق و صدق ہے اس میں کوئی بات ایسی نہیں جس سے اختلاف کیا جاسکے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اپنی ہٹ دھری اور محرومی و بدبختی کی بنا پر۔ والعیاذ باللہ۔ پھر قصور اس کتاب حکیم کا نہیں بلکہ اس کی اپنی

طبیعوں کا ہے کہ وہ ہدیٰ کی بجائے ہویٰ پر چلنا چاہتے ہیں اور حق و ہدایت کی بجائے نفس و شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔
 ورنہ قرآن حکیم کی صداقت و حقانیت پوری طرح واضح ہے۔ معلوم ہوا کہ کثرت ہمیشہ بے ایمانوں ہی کی رہی ہے کل بھی یہ تھا
 اور آج بھی یہی ہے۔ پس اہل بدعت و غیرہ جہلاء کا اور موجود نام نہاد مغربی جمہوریت کے علمبرداروں اور پرستاروں کا عوام
 کا لانعام کی اکثریتی رائے کو حق و صداقت کا معیار قرار دینا باطل و مردود ہے کہ عوام کی اکثریت بے ایمانوں اور غلط کاروں کی ہی
 رہی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ اور یہاں پر فعل کو ارادہ فعل کے معنی میں بھی لیا جاسکتا ہے۔ یعنی اکثر لوگ ایمان لانا چاہتے ہی
 نہیں اپنے عناد اور ہٹ دھرمی سے۔ اور اسی بناء پر وہ نور حق و ہدایت سے محروم ہو کر طرح طرح کے اندھیروں میں بھٹکتے پھر رہے
 ہیں۔ کیونکہ عناد و ہٹ دھرمی اور میں نہ مانوں کا کوئی علاج نہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم من کل زیغ و ضلال،
 و سوء و انحراف، بكل حال من الاحوال۔ (تفسیر منی کبیر)

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ

تدرت کے بعض عظیم الشان مظاہر حکمت میں غور و فکر کی دعوت:

(ربط) گزشتہ آیت میں قرآن مجید کا منزل من اللہ ہونا اور اس کا حق اور صدق ہونا اور کافروں کا اس پر ایمان نہ لانا بیان کیا
 گیا اب آئندہ آیات میں دلائل توحید والوہیت اور قرآن کے نازل کرنے والے خدا کی کمال قدرت کا ذکر کرتے ہیں اور
 آخرت کا اثبات فرماتے ہیں جو عظیم مقاصد قرآن میں سے ہے اور چونکہ اکثر لوگ خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کے
 منکر ہیں اس لیے اثبات توحید والوہیت کے لیے آسمانوں کے حالات اور آفتاب و ماہتاب کی حرکات اور زمین کے مختلف
 قطعات اور زمین کی پیداوار کی کیفیات کو ذکر کرتے ہیں تاکہ منکرین اور مشرکین پر حجت قائم ہو اور ان سب دلائل کا مطلب
 یہ ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک تمام کائنات اس کی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل اور براہین ہیں۔

استدلال باحوال عالم علوی:

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ: اثبات توحید کے لیے اللہ تعالیٰ نے اول
 آسمانوں کے حالات سے استدلال کیا چنانچہ فرماتے ہیں اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جیسا کہ تم دیکھتے
 ہو کہ بلا عمود کے قائم ہیں نیچے کوئی ستون نہیں کہ جس کے سہارے سے آسمان ٹھہرے ہوئے ہوں اور اوپر کوئی زنجیر نہیں کہ جو اوپر
 سے آسمان کو روکے ہوئے ہے بلا ستون کے معلق ہیں انسان ایک ذرہ کو بھی اس طرح معلق نہیں رکھ سکتا پس سمجھ لو کہ کسی قادر مختار
 نے اس کو اپنی قدرت سے روکا ہوا ہے، اور خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آسمان کو اتنا اونچا بنایا کہ جہاں تمہاری نظر بھی
 کام نہیں کرتی اور ظاہر ہے کہ آسمان جیسے عظیم الشان جسم کا معلق رہنا از خود نہیں اور نہ بتقاضاے طبیعت جسمانیہ ہے، ورنہ کوئی نیچر
 اور اتھرا اس کو تھامے ہوئے ہے معلوم ہوا کہ کسی قادر و قوی نے اس کو اس طرح معلق رکھا ہوا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ترنخا
 ہمہ کی مفت ہے اور معنی یہ ہیں کہ بلند کیا اس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستون کے جس کو تم نہیں دیکھتے مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کے
 ستون تو ہیں مگر وہ ایسے ہیں جو تم کو نظر نہیں آتے پھر وہ اپنی قدرت اور قہر سے اور تدبیر اور تصرف سے عرش عظیم پر قائم ہوا جو قیام
 اس کی شان کے لائق سے عرش پر قائم ہونے سے اس کی جلوہ ہونا آسمانوں کے بلند کرنے سے کہیں زیادہ بلند اور برتر ہے اس

سے فقط ان دونوں میں تغافل اور تفاوت کے بیان کرنے کے لیے لایا گیا کہ استوی علی العرش "رفع السموات" سے زیادہ اعلیٰ اور ارفع ہے کیونکہ عرش عظیم تجلیات خداوندی اور احکام الہیہ کا مصدر اور مرکز ہے تمام عالم کی تدبیر اور تصرف کے احکام عرش عظیم ہی سے نازل ہوتے ہیں اور عرش پر قائم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ خداوند قدوس بادشاہ کی طرح تخت پر برابر بیٹھا ہوا ہے کیونکہ یہ صفت تو جسم کی ہے جو وضع اور بیت کے ساتھ موصوف ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے فرقہ مجسمہ اللہ تعالیٰ کی جسم گمان کرتا ہے اور استواء کے معنی بیٹھنے کے کرتا ہے اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ استوی علی العرش کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عرش پر قائم ہوا جو اس کی شان عظمت و جلال اور اس کی شان قدوسیت کے شایان ہے اور ہم اس کے استواء علی العرش پر ایمان لاتے ہیں جو اس کی شان کے لائق ہے اور اس کی تزیین و تقدیس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اس لیے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خداوند قدوس مکان اور جہت سے اور ممکن اور استقرار سے اور اتصال اور انفعال سے سب سے پاک ہے مکان اور جہت سب اسی کی مخلوق ہے وہ خداوند قدوس مکان اور زمان کے پیدا کرنے سے پہلے جس شان پر تھا اسی شان پر زمان و مکان پیدا کرنے کے بعد بھی ہے معاذ اللہ یہ خیال نہ کرنا کہ عرش تخت شاہی کی طرح خدا کو تھامے ہوئے عرش خدا کو تھامے ہوئے اور اٹھائے ہوئے ہیں بلکہ خدا کی قدرت ہی عرش کو اٹھائے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرش پر قائم ہونے یا قرار پکڑنے سے یہ مراد ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک اور فرش سے لے کر تخت الثریٰ تک سب اسی کے قبضہ قدرت و تصرف میں ہے اور تمام کائنات پر وہی حکمران ہے جیسے تخت نشینی سے حکمرانی کے معانی مراد ہوتے ہیں اسی طرح استواء علی العرش سے حق جل شانہ کی حکمرانی اور تدبیر اور تصرف کو بیان کرنا مقصود ہے کہ عرش سے فرش تک اس کی حکمرانی ہے باقی اس آیت کی مفصل تفسیر سورۃ اعراف میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

استدلال بہ تسخیر شمس و قمر:

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلًّا يَجْرِئُ لِآجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ۝

اب آفتاب و ماہتاب کے احوال سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرماتے ہیں اور مسخر کیا یعنی کام پر لگایا اس نے سورج کو اور چاند کو، دونوں اسی کے زیر حکم ہیں دونوں کی حرکت اللہ کے حکم سے ہے جس سے بندوں کی مصیحتیں وابستہ ہیں نور و ظلمت کی آمد و رفت سے زمین و راجم اور اشجار و نباتات نشوونما پاتے ہیں جس قسم کی حرکت اللہ نے ان کے لیے معین کر دی ہے اس میں سر موفرق نہیں آتا حق تعالیٰ نے شمس و قمر کی حرکت کے لیے جو سمت اور جہت اور جو مسافت اور جو مقدار اور کیفیت مقرر فرمادی ہے اس کے خلاف شمس و قمر حرکت نہیں کر سکتے ہر ایک کی حرکت جاری ہے ایک مدت معین یعنی جب تک دنیا قائم ہے چاند اور سورج طلوع و غروب ہوتے رہیں گے اور اس رفتار سے حرکت کرتے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دی ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہر ایک اپنے مدار پر چلتا رہے گا اور اپنی منزلوں کو طے کرتا رہے گا چنانچہ سورج اپنے مدار کو سال بھر میں قطع کرتا ہے اور چاند ایک مہینہ میں مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس طرح اور جس جانب ان کی حرکت مقرر کر دی ہے اس میں سر موفرق نہیں آتا اگر کوئی قادر و قوی اس کا منتظم نہیں تو اس نظام میں خلل کیوں نہیں آتا غرض یہ کہ ان تمام دلائل سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ عالم کے یہ تمام انتظامات مادہ اور ایٹم سے نہیں چل رہے ہیں بلکہ کسی بلیک مشنر کے ارادہ اور اختیار

سے چل رہے ہیں وہی عالم علوی اور عالم سفلی کے ہر کام کی تدبیر اور انتظام کرتا ہے اور وہ ذات والا صفات ایسی ہے کہ اس کی تدبیر اور تصرف کے اعتبار سے عرش اور فرش پہاڑ اور ذرہ سب برابر ہیں وہ اپنی قدرت کی نشانیوں پر تفصیل بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے پروردگار کے ملنے کا یقین کرو یعنی مرنے کے بعد جینے کا یقین کرو کہ جس ذات نے یہ کارخانہ بنایا ہے اور جس نے اجرام فلکیہ اور اجسام عظیمیہ کو پیدا کیا ہے وہ انسان کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور محض صادق ص نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے اور امر ممکن الوقوع کے وقوع کی اگر محض صادق خبر دے تو عقلاً اس کا قبول کرنا لازم اور ضروری ہے۔

آسمانوں کے بارے میں فلسفہ جدیدہ کا نظریہ:

قرآن اور حدیث اور تمام کتب سماویہ سے ثابت ہے کہ آسمانوں کو وجود حق اور ثابت ہے فلسفہ جدیدہ کے انکشافات یہ کہتے ہیں کہ آسمان ایک بے معنی لفظ ہے جو معنی سے یکسر خالی ہے آسمان کوئی چیز نہیں یہ نیلگوں چیز جو ہم کو اوپر سے نظر آتی ہے وہ محض ایک حد بصر اور حد نظر ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ نیلگوں رنگ جو ہم کو دکھائی دیتا ہے وہ آسمان دنیا کا پلستر ہو دیکھنے والوں کو عمارت کا پلستر تو نظر آتا ہے مگر اصل عمارت نظر نہیں آتی۔

نیز عقلاً اور حساً محض حد بصر اور حد نظر کا کوئی رنگ نہیں ہوتا رنگ تو جسم ہی کا ہوتا ہے۔
وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ

استدلال باحوال عالم سفلی:

(ابطال) اوپر کی آیتوں میں عالم علوی کی چیزوں سے اس کی وحدانیت اور الوہیت پر استدلال تھا یعنی آسمانوں اور چاند اور سورج کے احوال سے استدلال کا ذکر تھا ان عالم سفلی کے چیزوں کے احوال سے یعنی زمین سے اور اس کی پیداوار سے اور میل و نہار کے اختلاف سے استدلال فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ اللہ وہی ہے جس نے زمین کو اتنا پھیلا یا کہ بیٹھارہ مخلوق اس پر چل سکے اور اتنا وسیع بنایا کہ آج تک اس کے مبداء اور انتہاء کا علم نہ ہو سکا اور اس پر بسنے والی مخلوق کا زرق اور سامان معیشت سب اسی میں وریدت رکھو یا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ زمین کو پانی پر بچھایا (ذوالسیر ص ۲-۳ جلد ۱) وقال اللہ تعالیٰ: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ حتی اور پھر اس زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ وہ زمین کی بنائیں ہو جائیں۔

زمین ازتہ ولرزہ آمد متوہ۔ فرد کوفت بردا منسج کوہ

اور زمین میں نہریں جاری کیں اور ہر قسم کے پھلوں سے خدائے زمین میں دو دو قسمیں بنائیں مثلاً سرخ اور زرد، شیریں اور ترش، خشک اور تر، گرم اور سرد وغیرہ وغیرہ۔

نیز اس خدا کی صفت یہ ہے کہ وہ ڈھانک دیتا ہے رات کو دن سے مطلب یہ ہے کہ کسی وقت دن کا ہونا اور کسی وقت رات کا ہونا یہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی قادر حکیم کی قدرت اور اس کی تسخیر ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین کی حالت سے استدلال کیا ہے کہ زمین کی یہ وسعت اور اس پر جا بجا پہاڑوں اور نہروں کا ہونا بغیر کسی خالق کے نہیں ہو سکتا اور دن اور رات کے بدلنے میں اور زمین کی پیداوار میں اس کی قدرت کے عجیب عجیب کرشمے ہیں بے شک ان چیزوں میں خدا کی

کمال قدرت کی نشانیاں ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ان نشانیوں میں غور کرنے سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے ایک زمین پر نظر ڈال لو کہ اس کا کوئی حصہ نرم ہے اور کوئی حصہ نہایت سخت ہے جیسے پہاڑ حالانکہ طبیعت ارضیہ سب کی ایک ہے معلوم ہوا کہ زمین کے قطعات میں یہ تفاوت مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی عظیم و قدیر کے علم و قدرت کا کرشمہ ہے پھر زمینوں اور پہاڑوں کی رنگتیں اور کیفیتیں مختلف اور پہاڑ میں سے کوکانیں نکلتی ہیں وہ بے انتہاء مختلف کوئی کان سونے اور چاندی کی اور کوئی لوہے اور تانبے کی اور کوئی نمک اور گندھک کی وغیرہ وغیرہ۔ یہ اختلافات نہ اتفاقی ہیں اور نہ بے شعور اور بے حس مادہ کا اقتضاء ہیں بلکہ سب خداوند عظیم و قدیر کی قدرت کے کرشمے ہیں مطلب یہ ہے کہ جس طرح عالم علوی کا کارخانہ اس کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے اسی طرح عالم سفلی کا کارخانہ بھی اسی کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے سب جگہ اسی کا دست قدرت کا فرما ہے اور جن فلاسفہ کا یہ گمان ہے کہ عالم سفلی کا کارخانہ عالم علوی کی تاثیر سے چل رہا ہے وہ سب غلط ہے اور دعویٰ بلا دلیل ہے اور یہ نادان اپنی الٹی سسٹی باتوں پر بڑے خوش ہیں۔ فرحوا بئنا عندہم من العلم۔

استدلال دیگر:

اور من جملہ دلائل تو حید کے ایک دلیل یہ ہے کہ زمین میں مختلف قسم کے قصبے ہیں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور بایں ہمہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں حالانکہ سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں اور ایک ہی قسم کی ہوا ان پر چل رہی ہے کوئی قطعہ قابل زراعت ہے اور کوئی بخر ہے اور کوئی کسی میوے کے قابل ہے اور کوئی کسی دوسرے میوے کے قابل ہے حالانکہ سب کو ایک ہوا اور ایک پانی پہنچ رہا ہے اور اب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں عجیب بات ہے کہ باوجود اس اتصال کے اور اتحاد کے آثار مختلف ہیں اور پھر زمین کے ہر قطعہ میں مختلف قسم کے باغات ہیں کہیں انگوروں کے باغ ہیں اور کہیں کھیتی ہے اور کہیں کھجور کے درخت ہیں بعضے دو شانے بعضے غیر دو شانے یعنی بعضے ایسے ہیں کہ ایک ہی جڑ سے کئی شاخیں اگیں اور بعضے متفرق جڑوں کے ہیں یعنی ہر شاخ علیحدہ جڑ سے اگی ہے یہ سب باغات ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں اور باوجود اس کے ہم بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں کوئی شیریں ہے اور کوئی ترش اور کوئی پھیکا کوئی کیسا اور کوئی کیسا بے شک ان امور مذکورہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں کہ ایک ہی قسم کی زمین ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے اور ایک ہی ہوا ہے پھر پھلوں کا مزہ بھی مختلف اور ہیئت اور شکل بھی مختلف اور ظاہر ہے کہ یہ امور نہ تو خود بخود حادث ہو گئے ہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی نیچر اور اتھیر کا اقتضاء ہے کیونکہ اتھیر اور نیچر میں کسی شعور اور ارادہ اور اختیار کا نام و نشان نہیں بلکہ یہ سب خدائے عظیم و قدیر کے علم اور قدرت کے کرشمے ہیں جو خاص خاص اوقات میں اس کے ارادہ اور مشیت کے مطابق نمودار ہو رہے ہیں معلوم ہوا کہ پس پردہ کوئی دست قدرت ہے جو یہ گل کاریاں کر رہا ہے زمین بھی ایک ہے اور پانی بھی ایک ہے تو پھر باوجود اسباب اور اصول کے متحد ہونے کے یہ امتیاز اور اختلاف کیسا ہے سب کسی قادر مختار کی صنعت اور کاریگری ہے فلاسفہ کا گمان یہ ہے کہ درختوں اور پھلوں کا اختلاف اتصالات فلکیہ اور کواکب اور نجوم کی تاثیر سے ہے فلاسفہ عالم سفلی کے حوادث کو حرکات کواکب اور نجوم کا اثر بتاتے ہیں یہ سب غلط ہے اس لیے کہ اول تو گزشتہ آیات میں افلاک اور کواکب اور نجوم کا حادث ہونا اور ان کا مسخر بامر الہی ہونا ثابت ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے شمس و قمر اور کواکب کی خاص وضع اور ہیئت اور حرکت کا مقدر اور

اس کی ساخت متعین کر دی ہے اس سے باہر قدم نہیں نکال سکتے لہذا اس سوال للکلیہ کو حوادث ارضیہ کی علت قرار دینا صحیح نہیں۔
 دوم یہ کہ اتصالات للکلیہ اور حرکات کاکلیہ کو عالم عقلی سے مؤثر قرار دینا محض ایک دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔
 سوم یہ کہ ایک ہی باغ ہے اور ایک ہی درخت ہے اور ایک ہی قسم کی شعاع شمس ہے اور ایک ہی قسم کی ہوا ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ پھلوں کا مزہ مختلف ہے جب علت اور سبب ایک ہے تو معلول اور مسبب بھی ایک ہی ہونا چاہئے
 علت اور سبب میں شعور اور ارادہ اور اختیار نہیں ہوتا اس لیے اس کی تاثیر میں فرق نہیں ہوتا۔

بے شعور مشین سے جو چیز تیار ہوگی اس میں تفاوت نہ ہوگا انسان اپنے ہاتھ سے جو چیز بنائے گا اس میں اس کے اختیار اور ارادہ کے موافق اور تفاوت ہوگا پس ثابت ہوا کہ پھلوں کی پیدائش میں نہ تو زمین کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے اور نہ ہوا اور پانی کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے بلکہ کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے فلاسفہ جدید و قدیم جس قدر چاہیں اسباب و علل بیان کریں مگر سب کی انتہا کسی ملوک مقتدر پر مانی پڑے گی۔ و ان الی ربک المنتہی۔

امام رازی رحمہ اللہ علیہ نے ان آیات کی تفسیر میں دلائل علویہ اور سفلیہ کو نہایت بسط کے ساتھ بیان کیا ہے حضرات اہل علم تفسیر کبیر کی مراجعت کریں ان مادہ پرستوں کی رد میں کسی عالم نے خوب کہا ہے۔

والارض فیہا عبرة للمعتبر نخب عن صنع ملوک مقتدر

اور زمین میں عبرتیں ہیں عبرت حاصل کرنے والے کے لیے زمین کی ساخت خبر دے رہی ہے کہ کسی ملوک مقتدر نے اس کو بنایا ہے۔

تسقی بہاء واحداشجارها وبقعة واحدة قرارها

ایک پانی سے سب درختوں کو سیراب کیا جاتا ہے اور ایک قطعہ زمین پر سب کا قرار ہے مگر باوجود اس کے پھل مختلف ہیں کسی کا کیا مزہ اور کسی کا کیا۔

والشمس والهواء لیس یختلف واکلہا مختلف لایاتلف

جو دھوپ اور ہوا ان درختوں پر پڑ رہی ہے اس میں تو کوئی اختلاف نہیں مگر پھل مختلف ہیں ایک ہی درخت کے پھلوں کا مزہ یکساں نہیں ہوتا۔

لو ان ذامن عمل الطبائع او انه صنعة غیر صانع!! م یختلف وکان شیتا واحداہل یشبہ الا والاد الا والد
 اگر یہ طبیعت اور مادہ کا عمل ہوتا یا بغیر کسی کارگر کے صنعت کا ہوتا تو پھلوں میں اور ان کے مزوں میں تفاوت اور فرق نہ ہوتا بلکہ سب کا مزہ ایک ہوتا (جیسے اولاد والد کے مشابہ ہوتی ہے)

الشمس والهواء یا معاندو الماء والتراب شیء واحد۔ فما الذی اوجب ذالتفاضلا الاحکیم لم یردہ باطلا
 جب دھوپ اور ہوا اور پانی اور مٹی ایک ہے تو پھر یہ تفاوت اور فرق کہاں سے آیا معلوم ہوا کہ یہ تفاوت کسی قادر حکیم کے ارادہ اور اختیار سے ہوا ہے جو کبھی خلاف حکمت کا ارادہ نہیں کرتا۔ (دیکھو روح المعانی ص ۹۳ جلد ۱۳)
 نکتہ: بعض عالمات بعین رحمہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہی مثال بنی آدم کی ہے باوجودیکہ سب کی اصل ایک ہے مگر خیر و شر

ایمان و کفر میں مختلف ہیں کوئی خبیث ہے اور کوئی طیب اور جس طرح پانی زمین کے مختلف قطعات میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح کلام الہی مختلف قلوب میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں: وَ نَزَّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَ لَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ الْاِخْسَارَ (یعنی یہ قرآن مؤمنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور یہی قرآن ظالموں کو خسارہ میں بڑھاتا ہے)

وَ اِنْ تَعْجَبْ نَعَجَّبْ قَوْلُهُمْ

کفار و منکرین کا حال قابل تعجب:

ارشاد فرمایا گیا کہ اگر آپ ان لوگوں کے حال پر تعجب کریں تو واقعی ان کا حال قابل تعجب ہے۔ یعنی ان کا یہ کہنا تعجب کے لائق ہے کہ کیا جب ہم لوگ مرکز سٹی ہو جائیں گے تو واقعی ہمیں از سر نو پھر پیدا کیا جائے گا؟ کیونکہ جو خداوند قدوس ایسی ایسی قدرتوں اور عظمتوں کا مالک ہے۔ اور جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی اس تمام عجیب و غریب مخلوق کو خلعت وجود سے لوازا، اس کے لیے بھلا اس انسان ضعیف البیان کو دوبارہ وجود بخش دینا اور اس کو نیست کے بعد ہست کر دینا آخر کیوں اور کیا مشکل ہو سکتا ہے؟ جبکہ آسمانوں اور زمین کی اس عظیم الشان کائنات کا پیدا کرنا انسان کے پیدا کرنے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا گیا: لَخَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾ (المؤمن: ۵۷) نیز دوسرے مقام پر یہ ارشاد فرمایا گیا کہ کیا تمہارا پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا پیدا کرنا؟ اِنَّكُمْ اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَوْ السَّمٰوٰتُ بَيْنَهُمَا ﴿۱۷۷﴾ (النازعات: ۱۷۷) سو اس سب کے باوجود ان کافروں کا حال بڑا قابل تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم جب سٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ پیدا کیا جائے گا؟ مگر کفر و انکار اور عناد و ہٹ دھرمی نے ان کی مت ایسی مادی کہ ان کو یہ سیدھی سادی اور واضح حقیقت سمجھ نہیں آتی۔

کافروں کی گردنوں میں طوق:

اس ارشاد سے واضح فرمادیا گیا کہ اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والوں کی گردنوں میں طوق پڑے ہیں۔ ایسے طوق جو اگرچہ ظاہر میں نظر نہیں آتے لیکن وہ ظاہری اور حسی طوقوں سے بھی کہیں بڑھ کر سخت ہیں۔ جن کی بناء پر یہ لوگ اپنے رب رحمن و رحیم کے ساتھ کفر کرتے ہیں جس کی بے پایاں قدرت، بے مثال ربوبیت اور لامحدود رحمت و حکمت کے آثار و شواہد یہ لوگ ہر لمحہ ہر جگہ اور ہر طرف دیکھتے ہیں۔ پس اس کے ساتھ کفر کر کے یہ کئے کافر، ناشکرے اور نمک حرام بن گئے۔ جس سے حق باب ان کے اندر اثر ہی نہیں کر پاتی۔ سو ان لوگوں کی گردنوں میں ان کے اپنے اختیار کردہ کفر و انکار، کبر و غرور، اتانیت و خود پرستی، اندھی بہری تقلید و جہود اور خود ساختہ عادات و تقالید کے ایسے بھاری بھرم طوق پڑے ہوئے ہیں جو ان کو حق اور اہل حق کی طرف مڑنے اور حق بات کو سننے اور ماننے ہی نہیں دیتے۔ جس کے نتیجے میں آخر کار ان کو انہی کے ذریعے گھسیٹ کر دوزخ کی آتش سوزاں میں ڈالا جائے گا اور یہ ہمیشہ فی النار و اسقر ہو کر رہ جائیں گے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر اس بارے ارشاد فرمایا گیا اور صاف و صریح طور پر ارشاد فرمایا گیا۔ (اِذَا الْاِغْلَالُ فِيْ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ) (المؤمن: ۷۱-۷۲) یعنی جبکہ طوق ان کے گلوں میں پڑے ہوں گے اور بیڑیاں ان کے پاؤں میں، ان

کوان کے ذریعے گھسیٹا جائے گا کھوتے پانی میں۔ پھر ان کو جھونکا جائے گا ورنہ میں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔
وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا....

نرمانشی معجزہ طلب کرنے والوں کا عناد:

پھر فرمایا: وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ (یعنی کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر آپ رسول ہیں تو آپ کی تصدیق اور تائید کے لیے وہ معجزہ ظاہر ہونا چاہئے جو ہم چاہتے ہیں) جاہلوں نے ضد و عناد اور ایمان لانے سے انکار کرنے کے لیے جو حیلے تراشے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ہم جو معجزہ چاہتے ہیں وہ ظاہر ہونا چاہئے۔ درحقیقت معجزہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور فضل ظاہر کیا جاتا تھا اصل چیز تو دلائل ہیں جب دلائل سے حق واضح ہو گیا اور نبی کی نبوت ثابت ہو گئی تو نبی پر ایمان لانا فرض ہو جاتا تھا لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہوتا تھا معجزات ظاہر ہو جاتے تھے۔ جن لوگوں کو ماننا نہ تھا وہ نہ دلائل سے مانتے تھے اور نہ معجزہ دیکھ کر ایمان لاتے تھے ان کے کہنے کے مطابق بھی بعض معجزات ظاہر ہوئے لیکن جنہیں عناد تھا اور ماننا نہ تھا انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو جاوہ ہے، نرمانشی معجزوں کی بات کہ قبول حق کے لیے نہیں تھا بلکہ اپنی ضد پر قائم رہنے کے لیے تھا۔

پھر فرمایا: إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ كَذَلِكَ آپ ان کی باتوں سے دل گیر نہ ہوں آپ کا کام بس حق کا پہنچا دینا اور عذاب آخرت سے ڈرانا ہے لوگوں سے منوانا آپ کے ذمہ نہیں ہے اگر یہ کسی خاص معجزہ کی فرمائش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسے ظاہر نہیں فرماتا اور اس کو وہ عدم قبول کا بہانہ بناتے ہیں تو آپ لگے مند نہ ہوں جب آپ نے انذار تبلیغ کا کام کر دیا تو آپ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ماننا ان کا کام ہے پھر فرمایا و لکل قوم حاد یعنی آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اقوام عالم کو ہدایت دینے کے لیے مبعوث ہوتے رہے ان کی بھی تکذیب کی گئی ان کی اقوام میں سے کسی نے حق قبول کیا اور کسی نے رد کر دیا جو ان کے ساتھ ہوا وہی آپ کے ساتھ ہو رہا ہے، منکرین کے مرز عمل سے رنجیدہ نہ ہوں صبر کریں اور اپنا کام کرتے رہیں سورہ احقاف میں فرمایا: (فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرْنَا أَوْلُوا الْعَذَابِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ) (سو آپ صبر کیجئے جیسا کہ اولوا العزم رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے عذاب آنے کی جلدی نہ کیجئے)۔

فَاللَّهُمَّ: وَيُلْحِقُ قَوْمَهُمْ هَٰذِهِ لِكُلِّ قَوْمٍ نَبِيٌّ نہیں فرمایا۔ ہادی کے لیے نبی ہونا ضروری نہیں حضرات انبیاء کرام کی امتوں میں جو اہل علم تھے وہ اپنے نبی کی امتوں کو ہدایت دیتے رہے اگر دنیا کے کسی خطے میں کسی نبی کے تشریف لانے کا حقیقی ثبوت نہ ملے تو اس آیت کے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا نبی نہ آئے تو ان کے نائب ہادی ضرور آئے گو ہمیں ان سب کی تفصیل معلوم نہ ہو نیز یہ بھی سمجھ لینا چاہئے جس کسی کی نبوت کا ثبوت نہ ہو اسے خواہ مخواہ اس لیے نبیوں کی فہرست میں شمار کر لینا کہ اقوام عالم میں سے کوئی نہ کوئی قوم اس کی طرف منسوب ہوتی ہے اور ان کے مذہب کا پیشوا اور بانی ہے یہ غلط ہے اور گمراہی ہے بعض لوگ ہندوؤں بدھوں اور زرتشتوں کے بڑوں کو نبی ماننے کو تیار ہیں یہ ضلالت اور جہالت کی بات ہے یہ لوگ آیت کریمہ (وَيُلْحِقُ قَوْمَهُمْ هَٰذِهِ) سے استدلال کرتے ہیں اول تو آیت میں لفظ ہاد ہا ہے لفظ نبی ہوتا تب بھی کسی کو بلا دلیل شرعی محض اٹکل سے نبی ماننا غلط ہے پھر ان اقوام کے پیشواؤں کی تعلیمات نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں ان میں شرک ہے اور

ان میں سے بعض لوگوں کی جو تصویریں سامنے آئی ہیں وہ نگی تصویریں ہیں کوئی نبی ننگا نہیں رہ سکتا شرم اور حیا تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا خصوصی شعار ہے نگارنے والا کیسے نبی ہو سکتا ہے؟ ہاں یہ ایک احتمال ہے کہ جو حضرات موصوفہ تھے ان کے ماننے والوں نے ان کے دین میں شرک داخل کر دیا ہو اور ان کی نگی تصویریں خود سے حجوز کر دی ہوں لیکن یقین کرنے کا کوئی راستہ نہیں اور بلا دلیل شرعی کسی کی نبوت کا اعتقاد رکھنا بھی باطل ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے نبوت ختم فرمانے کا اعلان فرمادیا تو ان کے بعد کسی کا دعوائے نبوت کرنا اور اس کی تصدیق کرنا سراپا کفر ہے۔

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَوَاحِدٌ وَمُتَعَدِّدٌ غَيْرِ ذَلِكَ تَنْقِصُ الْأَرْحَامَ
 مِنْ مِدَّةِ الْحَمْلِ وَمَا تَزِدَادُ مِنْهُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِقَدَارٍ ۝ بِقَدْرِ وَحِدٍ لَا يَتَجَاوَزُهُ عِلْمُ الْغَيْبِ
 وَالشَّهَادَةِ مَا غَابَ وَمَا شُوهِدَ الْكَبِيرُ الْعَظِيمُ الْمُتَعَالَى ۝ عَلَى خَلْقِهِ بِالْقَهْرِ بِنَاءً وَدُونَهَا سَوَاءً فَمَنْكُمْ
 فِي عِلْمِهِ تَعَالَى مَنْ أَسَرَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ مُسْتَرٍ بِاللَّيْلِ بِظُلَامِهِ وَسَارٍ
 ظَاهِرٍ بِذَهَابِهِ فِي سِرِّهِ أَيْ طَرِيقِهِ بِالنَّهَارِ ۝ لَهُ لِلْإِنْسَانِ مُعَقِّبَاتٌ مَلَائِكَةٌ تَعْتَقِبُهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ
 قَدَامَهُ وَمِنْ خَلْفِهِ وَرَأْيِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۝ أَيْ بِأَمْرِهِ مِنَ الْجِنِّ وَغَيْرِهِمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا
 بِقَوْمٍ إِلَّا سُلْبَهُمْ نِعْمَتُهُ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۝ مِنَ الْحَالَةِ الْجَمِيلَةِ بِالْمَعْصِيَةِ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ
 بِقَوْمٍ سُوءًا عَذَابًا فَلَا مَرَدَ لَهُ ۝ مِنَ الْمُعَقِّبَاتِ وَلَا غَيْرِهَا وَمَا لَهُمْ لِمَنْ أَرَادَ اللَّهُ بِهِمْ سُوءًا
 مِنْ دُونِهِ أَيْ غَيْرِ اللَّهِ مِنْ زَائِدَةٍ وَإِلَى ۝ يَمْنَعُهُ عَنْهُمْ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا لِلْمَسَافِرِ مِنَ
 الصَّوَاعِقِ وَطَمَعًا لِلْمُقِيمِ فِي الْمَطَرِ وَيُنشِئُ يَخْلُقُ السَّحَابَ الثَّقَالَ ۝ بِالْمَطَرِ وَيَسِيحُ الرَّعْدُ مَرَّةً
 مَلَكٌ مُرْتَكِلٌ بِالسَّحَابِ يَسُوقُهُ مُتَلَبِّسًا بِحَصْبِهِ أَيْ يَقُولُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَتُسَبِّحُ الْمَلَائِكَةُ
 مِنْ خِيفَتِهِ ۝ أَيْ اللَّهُ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ وَهِيَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ السَّحَابِ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ
 فَتَحْرِقُهُ نَزَلَ فِي رَجُلٍ بَعَثَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ يَدْعُوهُ فَقَالَ مَنْ رَسُولُ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ أَمِنْ
 ذَهَبٍ هُوَ أَمْ مِنْ فِضَّةٍ أَمْ نَحَاسٍ فَنَزَلَتْ بِهِ صَاعِقَةٌ فَذَهَبَتْ بِحُفِّ رَأْسِهِ وَهُمْ أَيْ الْكُفَّارُ يُجَادِلُونَ
 يُخَاصِمُونَ النَّبِيَّ فِي اللَّهِ ۝ وَهُوَ شَدِيدُ الْحَالِ ۝ الْفَرَّةُ أَوْ الْأَخِذُ لَهُ تَعَالَى دَعْوَةُ الْحَقِّ ۝ أَيْ كَلِمَتُهُ وَ
 هِيَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ بِالْبَاءِ وَالنَّاءِ يُعْبَدُونَ مِنْ دُونِهِ أَيْ غَيْرِهِ وَهُمْ الْأَضْنَامُ لَا يَسْتَجِيبُونَ

لَهُمْ شَيْءٌ مِمَّا يُطْبِقُونَ إِلَّا اسْتِجَابَةَ كِبَاسِطٍ كَاسْتِجَابَةَ بَاسِطٍ كَفَيْهِ إِلَى الْمَاءِ عَلَى شَفِيرِ الْبَيْرِ
يَدْعُوهُ لِيَبْلُغَ فَإِذَا بَارَزْتَعَاهُ مِنَ الْبَيْرِ أَلَيْهِ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِمْ أَي فَاذْ أَبْدَأَ كَذَلِكَ مَا هُمْ بِمُسْتَجِيبِينَ لَهُمْ
وَمَا دَعَاءُ الْكُفْرِيِّينَ عِبَادَتُهُمْ الْأَضْنَامُ أَوْ حَقِيقَةُ الدُّعَا إِلَّا فِي ضَلِيلٍ ۝ ضِيَاعٌ وَبِاللَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا كَالْمُؤْمِنِينَ وَكَرْهًا كَالْمُنَافِقِينَ وَمَنْ أُكْرِهَ بِالشَّيْفِ وَبِالسُّجْدِ ظَلَمَهُمْ
بِالْغُدُوِّ الْبِكْرِ وَالْأَصَالِ ۝ الْعَشَا يَا قُلْ يَا مُحَمَّدٌ لِقَوْمِكَ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ اللَّهُ
إِنْ لَمْ يَقُولُوا لَأَحْزَابٍ غَيْرُهُ قُلْ لَهُمْ أَفَاتَخَذْتُمْ مِنْ دُونِهِ أَيْ غَيْرِهِ أَوْلِيَاءَ أَضْنَامًا تَعْبُدُونَهَا لَا
يَسْلُكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۝ وَتَرَكْتُمْ مَالِكُهُمَا اسْتِغْفَامَ تَوْبِيخٍ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَ
الْبَصِيرُ الْكَافِرُ وَالْمُؤْمِنُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ الْكُفْرُ وَالنُّورُ الْإِيمَانُ لَا أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ
خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ أَيْ خَلَقَ الشُّرَكَاءَ بِخَلْقِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِمْ فَأَعْتَقُوا وَاسْتَحَقَّقُوا
عِبَادَتِهِمْ بِخَلْقِهِمْ اسْتِغْفَامَ انْكَارِ أَيْ لَيْسَ الْأَمْرُ كَذَلِكَ وَلَا يَسْتَحِقُّ الْعِبَادَةَ إِلَّا الْخَالِقُ قُلْ اللَّهُ خَالِقُ
كُلِّ شَيْءٍ لَا شَرِيكَ لَهُ فِيهِ فَلَا شَرِيكَ لَهُ فِي الْعِبَادَةِ ۝ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ لِعِبَادَتِهِ ثُمَّ صَرَبَ مَثَلًا لِلْحَقِّ
وَالْبَاطِلِ فَقَالَ أَنْزَلَ تَعَالَى مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مَطَرًا فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا بِمِقْدَارِ مِلْئِهَا فَاحْتَمَلَ
السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا ۝ غَالِيًا عَلَيْهِ هُوَ مَا عَلَى وَجْهِهِ مِنْ قَدَرٍ وَنَحْوِهِ وَمِمَّا يُوقَدُونَ بِالنَّارِ وَالْيَاءُ عَلَيْهِ فِي
النَّارِ مِنْ جَوَاهِرِ الْأَرْضِ كَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالنُّحَاسِ ابْتِغَاءً طَلَبَ حَلِيَّةٍ زِينَةٍ أَوْ مَتَاعٍ يَنْتَفِعُ بِهِ
كَالْأَرْنَبِ إِذَا أُذْيِتَتْ زَبَدٌ قَشْلُهُ ۝ أَيْ مِثْلُ زَبَدِ السَّيْلِ وَهُوَ خُبْثُهُ الَّذِي يُنْفِئُهُ الْكَبِيرُ كَذَلِكَ الْمَدُّ كُورٌ
يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۝ أَيْ مِثْلُهُمَا فَأَمَّا الزَّبَدُ مِنَ السَّيْلِ وَمَا وَقَدَ عَلَيْهِ مِنَ الْجَوَاهِرِ فَيَذَرُهَا
جُفَاءً ۝ بِاطْلَامَ مِثَابِهِ وَآمَامًا يَنْفَعُ النَّاسَ مِنَ الْمَاءِ وَالْجَوَاهِرِ فَيَمُكِّثُ بِيَقِينِي فِي الْأَرْضِ ۝ زَمَانًا
كَذَلِكَ الْبَاطِلُ يَضْمَحِلُّ وَيَسْحَقُ وَإِنْ عَلَا عَلَى الْحَقِّ فِي بَعْضِ الْأَرْقَاتِ وَالْحَقُّ ثَابِتٌ بَاقٍ كَذَلِكَ
الْمَدُّ كُورٌ يَضْرِبُ بَيْنَ اللَّهِ الْأَمْثَالَ ۝ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ أَجَابَةٌ بِالطَّاعَةِ الْحَسَنَى الْجَنَّةُ ۝ وَ

الذین لهم يستجيبوا الله وهم الكفار لو ان لهم ما في الارض جميعا ومثاله معدا لانتدابهم
من العذاب اولئك لهم سوء الحساب وهو العواجزه بكل ما عملوه ولا يغفر الله شيئا وما اولئك

جہنم اور بئس الیہادی الفرائض ہی

تو کچھ کہتا ہے: اللہ جانتا ہے جو عیب میں رکھتی ہے ہر مادہ (زر ہے یا مادہ ایک ہے یا کئی وغیرہ) اور جو کچھ رحم میں (مدتِ حمل کی) کی نشانی ہوتی ہے اس کے یہاں ہر چیز کا ایک خاص اندازہ ٹھہرا ہوا ہے۔ (اسی مقدار و حد کے جس سے آگے نہ بڑھ سکے) جانتے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کا (جو چیز نظروں سے اوجھل ہے اور جو سامنے ہے) سب سے بڑا (عظمت والا) برتر (اپنی قلوب پر غلبہ کے ساتھ یا اور الغیر یاہ کے) برابر ہے کہ تم میں (اللہ کے علم میں) جو آہستہ بات کہے اور جو کہے پکار کر اور جو مہمپ رہا ہے (پوشیدہ ہے) رات (اس اندھیری) میں اور جو پھرنے والا ہے (ظاہر ہونے والا ہو چل پھر کر اپنے راستہ میں) گیوں میں (دن کو اس انسان) کے پہرے والے ہیں (یکے بعد دیگرے فرشتے آتے رہتے ہیں) کچھ اس کے آگے (سامنے) اور کچھ اس کے پیچھے کہ وہ خدائی حکم سے اس کی حفاظت ان سے سلب نہیں کرتا) جب تک کہ وہ نہ بدلیں جو ان نفوس میں ہے (ابھی حالت کو گناہ کر کے) اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت (عذاب) ڈالنے کا ارادہ کرے تو پھر اس کو کوئی نالنے والا نہیں (یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتوں وغیرہ میں سے اور جس پر اللہ کوئی مصیبت ڈالنا چاہے نہیں ہے اس کے لئے) اس کے (اللہ کے) سوا کوئی مددگار (جو اس مصیبت کو ان کے اوپر آنے سے روک سکے من زائدہ ہے) وہی ہے جو تمہیں بجلی کی ہلک دکھاتا ہے جو دلوں میں خوف بھی پیدا کرتی ہے (مسافر کو کڑکنے والی بجلی سے ڈر پیدا ہوتا ہے) اور امید بھی (گھروں میں رہنے والوں کو بارش کی توقع ہو جاتی ہے) اور وہی ہے جو بادلوں کو (بارش کے پانی سے) بوجھل کر دیتا ہے اور بادلوں کی گرج (ایک فرشتہ جو بادلوں کو چلانے پر مقرر ہے) اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے (سبحان اللہ و بحمہ پڑھتی ہے) اور فرشتے بھی اس کے ڈر سے (تسبیح) پڑھتے ہیں اور وہ بجلیاں گراتا ہے (اور آگ ہے جو بادل سے نکلتی ہے) جس پر چاہتا ہے سو وہ اس کو جلا دیتی ہے (یہ آیت کریمہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس کے پاس آپ ﷺ نے ایک صحابی کو دینی دعوت کے لئے بھیجا تو وہ بولا کہ اللہ کا رسول کون ہے؟ وہ سونے کا ہے؟ یا چاندی یا پتیل کا؟ اس پر ایک بجلی گری جس سے اس کی کھوپڑی اڑ گئی) لیکن یہ (کفار) جھکوتے ہیں (نبی کریم ﷺ سے حجت کرتے ہیں) اللہ کی بات میں حالانکہ وہ زبردست (طاقتور اور مواخذہ کرنے والا) ہے اسی کا پکا تاریخ ہے (یعنی کلمہ توحید لا الہ الا اللہ) جو لوگ دوسروں کو پکارتے ہیں یا اور تاہم کے ساتھ یعنی دوسروں کی عبادت کرتے ہیں) اس کے سوا (اللہ کے علاوہ جنوں کی پرستش کرتے ہیں) وہ پکارنے والوں کی کچھ نہیں سنتے (جو کچھ ان سے طلب کرتے ہیں) مگر (ایسی فرمائش کرنا) جیسے کوئی آدمی دنوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے (کنویں کے من پر بیٹھ کر پانی کو پکارے) کہ بس پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے گا (کنویں سے اٹھ کر) حالانکہ وہ اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا (کبھی بھی پس اسی طرح یہ بت بھی کبھی ان کی فرمائش پوری نہیں کر سکتے) اور کافروں کا درخواست کرنا (بت پرستی مراد ہے یہ حقیقتاً ان سے دعا کرنا) محض بے اثر (رایگاں) ہے اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے

انہوں نے کہا کہ یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ ہمیں اپنی مخلوق پر رحم فرمائے اور انہیں اپنی رحمت سے بھر دے۔
 ایمان اور زمین میں (نوشی - اچھے ایمان والے) اور (دور - تیزی سے ناپن یا بڑھنے والے) اور ان کی
 پر جہانیاں (ان کو اندائی - میں) شام (رات) نے اندائی (میں) اچھے میں (انے) اور انہوں نے (کہ) انہوں اور
 زمینوں کا پروردگار کون ہے آپ کہہ دیجئے اللہ (اگر وہ جو آپ نے ان میں اس کے (کوئی) جواب نہیں) کہہ دیجئے ان سے پھر کہا تم
 نے پکڑ لے لی اس (اللہ) کے سوا ایسے مماثلی (بت) میں کی تم پکڑ لے لو (کہ جو مالک نہیں اپنے بھلے اور برے کے (تم
 نے) لعل و نقصان کے اصل مالک کو کیوں پھول رکھا ہے؟ یہ استفہام تو یہی ہے) آپ پوچھتے کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتا
 ہے (مراد کافر اور مؤمن ہے) یا اندھیرا (کلمہ) اور اجالا (ایمان) برابر ہو سکتے ہیں (یقیناً نہیں) کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے
 اللہ کے لیے شریک کر لیں انہوں نے کچھ پیدا کیا ہے جیت پیدا کیا ہے اللہ نے پھر مشتبہ ہو گئی پیدائش (شرکاء کی پیدا کردہ چیزیں
 اللہ کی مخلوق کے) ان کی نظر میں (اس لیے مشرکوں کے پیدا کرنے کی وجہ سے انہیں) مستحق عبادت تصور کرنے لگے، استفہام
 اکراری ہے، یعنی بات اس طرح نہیں ہے، اور مستحق بندگی خالق مطلق کے علاوہ کوئی نہیں ہے (کہہ دیجئے اللہ ہی پیدا کرنے والا
 ہے ہر چیز کا) جب تخلیق اشیاء میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے تو بندگی میں کیونکر ہوگا) اور وہی ہے اکیلا غالب (بندوں پر) پھر
 (اللہ نے حق اور باطل کی مثال بیان فرمائی چنانچہ فرمایا) اتارا (اللہ نے) آسمان سے پانی (بارش) پھر بہنے لگے نالے اپنی
 اپنی مقدار کے سوائے (بھرے ہوئے) پھر اوپر لے آیا وہ نالا تھاگ پھولا ہوا (پانی کی سطح پر جو میل پکھیل وغیرہ ہو) اور جس
 چیز کو دھو سکتے ہیں (تاء اور یاء کے ساتھ) آگ میں (زمین کی معدنیات سونا، چاندی، تانبہ، پتیل وغیرہ) زلیور کے واسطے
 (زیب وزینت کی چیزیں تیار کرنے کے لئے) یا سامان کے واسطے (کہ جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو جیسے پگھلا کر برتن بنانا)
 اس میں بھی جھاگ ہے ویسا ہی (جیسے نالیوں میں پہنے والے پانی کا جھاگ) اور وہ میل ہے جس کو بھٹی پھونک دیتی ہے) یوں
 بیان کرتا ہے اللہ حق اور باطل کو (حق و باطل کی مثال یہی ہے) سو وہ جھاگ (نالیوں کے پانی کی سطح پر بہنے والا اور آگ کی
 تپائی ہوئی چیزوں کا) تو جاتا رہتا ہے سوکھ کر (بریکار چھینک دینے کے لائق) اور وہ جو کام آتا ہے لوگوں کے (پانی اور
 معدنیات) سو باقی رہتا ہے زمین میں (ایک عرصہ تک، ایسے ہی حق باطل کمزور پڑ جاتا ہے اور مٹ جاتا ہے اگرچہ بعض
 اوقات حق پر چھایا کیوں نہ جائے تاہم حق زندہ جاوید اور پائیدار ہوتا ہے) اسی طرح (مذکورہ مثالوں کی طرح) بیان کرتا
 ہے (وضاحت کے ساتھ بناتا ہے) اللہ مثالیں جن لوگوں نے مانا اپنے پروردگار کا حکم (فرمانبرداری کر کے حکم بجالائے ان
 کے واسطے بھلائی (جنت) ہے اور جنہوں نے اس کا حکم نہ مانا (کفار مراد ہیں) اگر ان کے پاس ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا
 سب اور اتنا ہی اس کے ساتھ اور سب دیدیں اپنے بدلہ میں (عذاب سے بچنے کے لئے) ان لوگوں کے لیے برا حساب ہے)
 اپنے کئے پر مواخذہ اور ذرا بھی کسی گناہ کا معاف نہ ہونا) اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری آرام کی جگہ ہے (کیا ہی برا
 جگہ ہوتا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: غَيْرِ ذَلِكَ: سے تمام ناقص حسن درج ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ہر آیت کی تفسیر اور تشریح کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں

قولہ: **بَيْنَ مِثْقَاتِ الْحَمَلِ**: کی ارباب کی اہمیت زہد کی طرف توجہ دانی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہے۔

قولہ: **مَا شُوهِدَ**: مصدر الغیب والاشهاد یہ مصدر ہیں اور انہوں نے معنی میں ہیں۔

قولہ: **سَوَاءٌ مِّنْكُمْ**: یعنی تمام مخلوقات کے لئے برابر ہے۔ خواہ وہ اپنے دل میں کوئی نیکیاں چھپائے یا فیہ کے ساتھ

ظاہر کر لے وہ سب کو یکساں جانتا ہے۔

قولہ: **سَارِبٌ**: اس کا عطف اور مستوف پر ہے صرف مستوف پر نہیں۔

قولہ: **سَرِبَ**: سرنگ، زمین اور راستہ۔

قولہ: **بِلَا نَسَانٍ**: ہمیر اس انسان کی طرف اوتی ہے جو تمام مذکورہ عنایت کا جانک ہو۔

قولہ: **مَلَايَكَةُ تَعْتَبِيهِ**: یعنی حفاظت کے لئے باری باری آتے ہیں یا وہ اس کے پیچھے سے اس کے اتوال و
افعال لکھتے ہیں۔

قولہ: **بِأَمْرِهِ**: اشارہ کیا کہ من یہ ہا کے معنی میں ہے۔

قولہ: **بِنِعْمَتِهِ**: اس سے اشارہ کیا کہ ماتہ مراد نعمت ہے۔

قولہ: **خَوْفًا**: اس سے اشارہ کیا یہ ارادہ کو مقدر مان کر علت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: **مُتَلَبِّسًا**: بالصلاق کے لئے ہے سہیت کی نہیں۔

قولہ: **نُسَبِحُ**: اس سے اشارہ کیا کہ ملائکہ کا عطف الرعد پر ہے نہ کہ قریب پر۔

قولہ: **مِنَ الْمَحَلِّ**: الحال قوت کے معنی میں ہے یہ مصدر ہے اسم نہیں۔

قولہ: **اسْتِجَابَةً**: اس کو مقدر مانا تاکہ استثناء درست ہو سکے کیونکہ مستثنیٰ منہ مصدر ہے جس پر **يَسْتَجِيبُونَ** دلالت کر
رہا ہے۔

قولہ: **يَسْجُدُ ظَلْمَهُمْ**: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف من پر ہے قریب پر نہیں غرور جمع غداة اور اسال جمع امیل ہے۔

قولہ: **بِمُضْرَبٍ مَّقْلًا**: اس کا جملہ مستأنفہ ما قبل سے اس کا لفظا تعلق نہیں اس وجہ سے عطف نہیں کیا۔

قولہ: **نُحْوَاهُ**: اس سے مراد میل کچیل اور تنگے ہیں۔

قولہ: **إِذَا أُذِيْبَتْ**: اس سے متفید کیا کیونکہ جھاگ بغیر پھلائے حاصل نہیں ہو سکتی۔

قولہ: **مِنْهُمًا**: مضاف محذوف ہے۔

قولہ: **جَفَاءً**: یہ عذاب کے وزن پر ہے ہاٹل و بے فائدہ کو کہتے ہیں۔

قولہ: **الْجَنَّةُ**: بھٹی کی تانیٹ کی وجہ بتالی کہ یہ مؤنث کی صفت ہے۔

قولہ: **هِيَ**: یہ مخصوص بالذم ہے۔

تفسیر مقبولین

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْتِدُ كُلُّ أَنْثَىٰ

علم الہی:

اللہ کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ تمام جاندار مادہ حیوان ہوں یا انسان، ان کے پیٹ کے بچوں کا، ان کے حمل کا، اللہ کو علم ہے کہ پیٹ میں کیا ہے؟ اسے اللہ بخوبی جانتا ہے یعنی مرد ہے یا عورت؟ اچھا ہے یا برا؟ نیک ہے یا بد؟ عمر والا ہے یا بے عمر کا؟ چنانچہ ارشاد ہے: (ہو اعلم بکم) ارنخ وہ بخوبی جانتا ہے جب کہ تمہیں زمین سے پیدا کرتا ہے اور جب کہ تم ماں کے پیٹ میں چھپے ہوئے ہوتے ہو، ارنخ اور فرمان ہے: (يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ لَّئِلَّا تَعْلَمَ) (الزمر: ۶) وہ تمہیں تمہاری ماں کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے ایک کے بعد دوسری پیدائش میں تین تین اندھیروں میں۔ ارشاد ہے: (ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ) ارنخ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے نطفے کو خون بست کیا، خون بست کو لوتھڑا گوشت کا کیا۔ لوتھڑے کو ہڈی کی شکل میں کر دیا۔ پھر ہڈی کو گوشت چڑھایا، پھر آخری اور پیدائش میں پیدا کیا پس بہترین خالق ہر برکت ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں فرمان رسول اللہ (ﷺ) ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش چالیس دن تک اس کی ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی رہتی ہے، پھر اتنے ہی دنوں تک وہ بصورت خون بست رہتا ہے پھر اتنے ہی دنوں تک وہ بصورت خون بست رہتا ہے پھر اتنے ہی دنوں تک وہ گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ خالق کا ایک فرشتے کو بھیجتا ہے، جسے چار باتوں کے لکھ لینے کا حکم ہوتا ہے، اس کا رزق عمر عمل اور نیک بد ہونا لکھ لیتا ہے۔

اور حدیث میں ہے وہ پوچھتا ہے کہ اے اللہ مرد ہوگا یا عورت؟ شق ہوگا یا سعید؟ روزی کیا ہے؟ عمر کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ بتلاتا ہے اور وہ لکھ لیتا ہے۔ حضور (ﷺ) فرماتے ہیں غیب کی سنجیوں پانچ ہیں جنہیں بجز اللہ تعالیٰ علیم وخبیر کے اور کوئی نہیں جانتا کل کی بات اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پیٹ میں کیا بڑھتا ہے اور کیا گھٹتا ہے کوئی نہیں جانتا۔ بارش کب بر سے گی اس کا علم ہی کسی کو نہیں کون شخص کہاں مرے گا اسے بھی اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قیامت کب قائم ہوگی اس کا علم بھی اللہ ہی کو ہے۔ پیٹ میں کیا گھٹتا ہے اس سے مراد حمل کا ساقط ہو جانا ہے اور رحم میں کیا بڑھ رہا ہے کیسے پورا ہو رہا ہے۔ یہ بھی اللہ کو بخوبی علم رہتا ہے۔ دیکھ لو کوئی عورت دس مہینے لیتی ہے کوئی نو۔ کسی کا حمل گھٹتا ہے، کسی کا بڑھتا ہے۔ نو ماہ سے گھٹنا، نو سے بڑھ جانا اللہ کے علم میں ہے۔ حضرت ضحاک کا بیان ہے کہ میں دو سال ماں کے پیٹ میں رہا جب پیدا ہوا تو میرے اگلے دو دانت نکل آئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ حمل کی انتہائی مدت دو سال کی ہوتی ہے۔ کسی سے مراد بعض کے بزدیک ایام حمل میں خون کا آنا اور زیادتی سے مراد نو ماہ سے زیادہ حمل کا ٹھہرا رہنا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نو سے پہلے جب عورت خون کو دیکھے تو نو سے زیادہ ہو جاتا ہے مثل ایام حیض کے۔ خون کے گرنے سے بچا اچھا ہو جاتا ہے اور نہ گرنے سے بچا پورا پورا ٹھا اور بڑا ہوتا ہے۔ حضرت کحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں بالکل بے غم، بے کھٹکے اور با آرام ہوتا ہے۔ اس کی ماں کے

حیض کا خون اس کی غذا ہوتا ہے، جو بے طلب آرام سے پہنچتا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ماں کو ان دنوں حیض نہیں آتا۔ پھر جب بچہ پیدا ہوتا ہے زمین پر آتے ہی روتا چلاتا ہے، اس انجان جگہ سے اسے وحشت ہوتی ہے، جب اس کی نال کٹ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی ماں کے سینے میں پہنچا دیتا ہے اور اب بھی بے طلب، بے جستجو، بے غم و غم، بے فکری کے ساتھ اسے روزی ملتی رہتی ہے۔ پھر زرباز ہوتا ہے اپنے ہاتھوں کھانے پینے لگتا ہے۔ لیکن بالغ ہوتے ہی روزی کے لیے ہائے ہائے کرنے لگتا ہے۔ موت اور قتل تک سے روزی حاصل ہونے کا امکان ہو تو پس و پیش نہیں کرتا۔ انسوس اے ابن آدم تجھ پر حیرت ہے جس نے تجھے تیری ماں کے سینے میں روزی دی، جس نے تجھے تیری ماں کی گود میں روزی دی جس نے تجھے بچے سے بالغ بنانے تک روزی دی۔ اب تو بالغ اور عقل مند ہو کر یہ کہنے لگا کہ ہائے کہاں سے کھاؤں گا؟ موت ہو یا قتل ہو؟ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ ہر چیز اس کے پاس اندازے کے ساتھ موجود ہے رزق اجل سب مقرر شدہ ہے۔ حضور (ﷺ) کی ایک صاحبزادی صاحبہ نے آپ کے پاس آدمی بھیجا کہ میرا بچہ آخری حالت میں ہے، آپ کا تشریف لانا میرے لیے خوشی کا باعث ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ ان سے کہہ دو کہ اللہ سے ثواب کی امید رکھیں۔

اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو بھی جانتا ہے جو بندوں سے پوشیدہ ہے اور اسے بھی جو بندوں پر ظاہر ہے، اس سے کچھ بھی مخفی نہیں۔ وہ سب سے بڑا۔ وہ ہر ایک سے بلند ہے ہر چیز اس کے علم میں ہے ساری مخلوق اس کے سامنے عاجز ہے، تمام سر اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں تمام بندے اس کے سامنے، جز لا چار اور محض بے بس ہیں۔

لَا مُعَقَّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ

نگران سرشتوں کی تذکیر و یاد دہانی:

اس سے واضح فرما دیا گیا کہ ہر کسی کے لیے بدلتے رہنے والے فرشتے مقرر ہیں جو کہ رات کے الگ ہوتے ہیں اور دن کے الگ اور دو دنوں صبح احادیث کی رو سے فجر اور عصر کی نمازوں میں باہم ملتے ہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب مواقیح الصلوٰۃ) اور معقبات۔ ادنی بدلی ہونے والے یہ وہ فرشتے ہیں جو انسانی خدمت و حفاظت کے کام پر مامور ہوتے ہیں۔ اور یہ ان دو فرشتوں کے علاوہ ہوتے ہیں جو کہ انسانی اعمال لکھنے پر مقرر ہیں۔ اور جس کو کرنا کاتبین کہا جاتا ہے۔ اور جو اللہ کے لیے بدلتے نہیں۔ اور ان معقبات کی تعداد میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں (روح، خازن، اور مدارک وغیرہ) سو اس سے اہل بدعت کے اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو وہ نوری مخلوق کو انسان پر ترجیح دینے کے سلسلے میں رکھتے ہیں۔ اور اسی بناء پر وہ انبیائے کرام کی بشریت کا انکار کر کے ان کے نور ہونے کا من گھڑت عقیدہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ نوری حضرات بحکم خداوندی اس خاکي انسان کے لیے محافظ اور اس کے باڈی گارڈ کے طور پر مقرر و مامور خدمت میں ہیں۔ جس سے بشر خاکی کی عظمت شان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بہر کیف ہر انسان کے ساتھ دن رات میں چار فرشتے رہتے ہیں۔ دو اعمال لکھنے والے اور دو حفاظت کرنے والے۔ اعمال لکھنے والے اس کے دائیں اور بائیں ہوتے ہیں۔ دائیں والا نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں والا اس کی برائیاں۔ العیاذ باللہ العظیم۔ جبکہ حفاظت کرنے والے دو فرشتے اس کے آگے اور پیچھے ہوتے ہیں۔ اور دن رات کے ان فرشتوں کا اجتماع صبح اور عصر کی نمازوں میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ (بخاری،

کتاب مواقبت الصلوة۔ باب صلوة العصر، مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوة، باب فضل صلواتی الصبح والعصر والمحافظة علیہما (محاسن التاویل، المراغی، ابن کثیر وغیرہ) والحمد لله جن وعلا بكل حال من الاحوال وفي كل موطن من المواطن في الحياة۔

نگران فرشتوں کی حفاظت کا ذکر و بیان:

سوارشاد فرمایا گیا کہ اس کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر ہیں جو انسان کی حفاظت کرتے ہیں اللہ کے حکم سے یعنی (عن ابن عمرؓ) میں من سبیہ ہے اور روایات کے مطابق جب لوگوں میں سے کسی کو اس کے مقدر کے مطابق کوئی گزند پہنچنا ہوتی ہے تو اس خاص وقت کے لیے اس کے یہ محافظ فرشتے اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔ (طبری، ابن کثیر، معارف لکاندہلوی وغیرہ) چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بناء پر اور اسی کے اذن سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں۔ کیونکہ کسی کے بس میں نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے برعکس اور اس کی تصاویر کے مقابلے میں کسی مدد کر سکے۔ چنانچہ جب اللہ کی طرف سے کسی کے نقصان یا تکلیف کا کوئی فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ العیاذ باللہ تو یہ اس سے الگ ہو جاتے ہیں (الرائی وغیرہ) نیز من امر اللہ کے کلمات کریمہ کا دوسرا مطلب بعض حضرات اہل علم کی طرف سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ فرشتے اللہ کے امر میں سے ہیں جیسا کہ (قل الروح من امر ربي) وغیرہ بعض دوسری آیات کریمہ میں وارد ہے۔ بہر کیف اس سے اس اہم حقیقت کو واضح فرمادیا گیا ہے کہ ہر انسان پر باری باری آنے والے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت و نگرانی کرتے ہیں۔ سو اس طرح اس آیت کریمہ سے اوپر والی آیت کریمہ کے مضمون کی توضیح و تائید فرمادی گئی۔ پس اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ظاہر و باطن اور اس کے شب و روز سے پوری طرح واقف و آگاہ ہے اور اس نے ہر شخص پر اپنے فرشتے نگران اور پہرہ دار کے طور پر مقرر کر رکھے ہیں۔ تو پھر اس کے کسی حال کے مخفی رہ جانے کا کیا سوال؟ سبحانہ و تعالیٰ پس ہمیشہ اسی کے رضا و خوشنودی کو اپنا مقصود بنانا چاہئے۔ وباللہ التوفیق۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۗ

عذاب کے بارے میں دستور خداوندی کا ذکر و بیان:

اس سے واضح فرمادیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت یعنی اس کی نعمت و عنایت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت خود نہ بدل دے۔ کہ کریم کریم کرنے کے بعد اپنے کرم کو چھینتا نہیں کہ یہ اس کی شان کرم کے خلاف ہوتا ہے۔ تو پھر جس کی شان کرم کی کوئی حد و انتہاء ہی نہیں اس سے یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ وہ کسی قوم کو کوئی نعمت عطاء فرمانے کے بعد اس سے اس کو یونہی چھین لے۔ سو یہاں پر (مَا بِقَوْمٍ) سے مراد اس قوم کی وہ اچھی حالت اور عافیت و نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نوازتا اور فرما فرماتا ہے ای من العافية و النعمة (محاسن التاویل للقمی) سو اس کا وہ مطلب جو بعض لیڈر ٹائپ لوگ لیتے رہتے ہیں کہ اللہ کسی قوم کو نعمت سے اس وقت تک نہیں نوازتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو خود نہ بدلے وہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اللہ پاک اپنی نعمتوں سے از خود نوازتا ہے نہ کہ ہماری محنت پر۔ آخر ہمارا وجود ہمارے کس عمل کا نتیجہ ہے؟ اور وجود کے اندر اور اس کے باہر جو بیشمار نعمتیں ہیں آخر وہ ہماری کس محنت و مشقت یا لیاقت و قابلیت پر ہمیں ملیں؟ سو اس ارشاد ربانی میں نعمت سے نوازنے کے

مقبولین شرح جلالین ص ۱۳۳
 بارے میں نہیں بلکہ اس کے چھیننے کے بارے میں اس سنت الہی اور دستور خداوندی کا ذکر و بیان ہے جو قوموں کے عذاب سے متعلق قدرت کی طرف سے مقرر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ اپنی رحمت و عنایت کا معاملہ اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنی روش میں تبدیلی نہ کرے۔ سو جب وہ اپنی روش بدل دیتی ہے اور تشبیہ و انداز کے باوجود وہ نہ سنبھلے اور اپنی روش کی اصلاح نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر وہ عذاب بھیج دیتا ہے جس کو کوئی طاقت ٹال نہیں سکتی۔

کسی قوم کی بد عملی اس کی محرومی کا باعث۔ العیاذ باللہ:

جب وہ اپنی حالت بدل دے اور شکر نعمت کی بجائے کفران نعمت پر اتر آئے کہ اس طرح وہ لوگ اپنے آپ کو نعمت کے استحقاق اور اس کی اہلیت سے خود محروم کر دیتے ہیں۔ یہی مفہوم ہے اس آیت کریمہ کا جو کہ تمام معتبر تفاسیر میں موجود ہے۔ پس اس کا وہ مطلب جو عام طور پر لوگ بیان کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی بری حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو خود نہ بدلے، غلط ہے یہ مطلب اپنے طور پر کسی حد تک اگرچہ صحیح بھی ہو، تاہم اس آیت کریمہ کا مطلب و مصداق بہر حال نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی عطا و بخشش ہمارے کسی عمل کی محتاج یا اس پر موقوف نہیں۔ آخر ہمارا یہ وجود اور اس کے اندر و باہر کی یہ بے شمار نعمتیں جو قدرت نے ہمیں عطا فرمائی ہیں اور ہمارے کسی مطالبہ و سوال کے بغیر ہمیں ان سے نوازا گیا ہے، آخر یہ سب ہمارے کس عمل کا ثمرہ و بدلہ قرار دی جاسکتی ہیں؟ یہ سب کچھ تو محض کرم و عطاء ہے اس اکرم الاکرمن، وحدہ لا شریک کی طرف سے، جس کی شان ہی نوازا اور کرم فرمانا ہے سو یہ اس کا کرم ہے نہ کہ ہماری کسی جدوجہد کا نتیجہ و ثمرہ۔ سو آیت کریمہ کا مفہوم وہ نہیں جو ایسے لوگ بیان کرتے ہیں۔

وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَ لَهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَاٍ ۝

اللہ کے عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا:

سوال ہے کہ جب کسی قوم کے عذاب کا ارادہ فرمالتا ہے تو پھر کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا۔ العیاذ باللہ۔ کہ مالک و مختار اور متصرف وہی اور صرف وہی وحدہ لا شریک ہے۔ اس لیے وہ جب کسی قوم کے عذاب کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے لئے بد لئے اور روکنے کا یا را کسی کو نہیں ہو سکتا۔ بہر کیف اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ جب کوئی قوم انداز تشبیہ کے باوجود اپنی روش نہیں بدلتی اور اپنی اصلاح کے لیے تیار نہیں ہوتی تو پھر وہ اللہ کے عذاب کا مورد بن کر رہتی ہے۔ اور جب اللہ پاک اپنے عذاب کا فیصلہ فرماتا ہے تو پھر وہ کسی کے ٹالے ٹال نہیں سکتا۔ اور کسی کے بس میں نہیں ہوتا کہ وہ اس کی راہ میں رکاوٹ بن سکے۔ العیاذ باللہ العظیم۔ اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے۔ آمین۔

هُوَ الَّذِي يُؤْتِكُمُ الْبُرُوقَ حَمِئًا وَطَمَعًا وَيُنْزِلُ السَّحَابَ الْمُبِقَالَ ۝

بادل اور بجلی اور رعد کا تذکرہ:

ان آیات میں بجلی اور بادل اور کڑک کا تذکرہ فرمایا یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے اور اس کی حکومین اور تخلیق سے وجود میں آتی ہیں اللہ تعالیٰ بجلی کو بھیج دیتا ہے لوگ اسے دیکھتے ہیں پھر دیکھنے والوں میں بعض تو اس سے ڈر جاتے ہیں مثلاً مسافر راستوں میں ہوتے ہیں وہ ڈرتے ہیں کہ بارش ہونے لگی تو ہمارا کمانے گا اور بعض لوگ اسے دیکھ کر نفع کی امید

باندھتے ہیں کہ بارش ہوگی تو کھیت کی آبیاری ہوگی اور بارش اچھی ہوگی۔ (وَيُنشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ) (اور اللہ تعالیٰ بجاری بادلوں کو پیدا فرماتا ہے۔ یہ بادل ایسی جگہ جا کر برس پڑتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے
وَيَسْخِرُ الرِّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالسَّيْلُ يَنْجِيهِ مِنْ خَيْفَتِهِ ...

رعد کیا ہے؟

پھر فرمایا کہ رعد اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے اور اس کی تعریف بیان کرتا ہے اور دوسرے فرشتے بھی اللہ کے خوف سے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں سنن ترمذی (تفسیر سورۃ الرعد) میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک یہودی حضور اکرم (ﷺ) کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے ابوالقاسم ہمیں یہ بتائیے کہ رعد کیا ہے آپ نے فرمایا کہ رعد فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر کیا ہوا ہے اس کے پاس پھاڑنے والی چیزیں ہیں جو آگ کی بنی ہوئی ہیں اور ان کے ذریعے بادلوں کو ہلکا ہے اللہ جہاں چاہتا ہے وہاں لے جاتا ہے یہودیوں نے عرض کیا کہ یہ آواز کیا ہے جو سننے میں آتی ہے آپ نے فرمایا کہ بادل کو جھڑکنے کی آواز ہے رعد انہیں جھڑکتا ہے یہاں تک کہ بادلوں کو وہاں لے جاتا ہے جہاں لے جانے کا حکم ہوتا ہے۔

(قال الترمذی حدیث حسن صحیح مشرب)

پھر فرمایا: وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ (اور اللہ تعالیٰ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے بجلی گرا دیتا ہے) وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ (اور حال یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہوتے ہیں۔ وَهُوَ شَدِيدُ الْعِقَابِ) (اور وہ سخت قوت والا ہے)۔

آیت: وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ كَاسْبَابِ نَزُولِ:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے اپنے ایک صحابیؓ کو رؤسائے جاہلیت میں سے ایک شخص کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت کی دعوت دینے کے لیے بھیجا اس نے کہا کہ تمہارا رب کون ہے جس کے ماننے کی دعوت دیتے ہو وہ لوہے کا ہے یا تانبے کا چاندی کا ہے یا سونے کا وہ صحابی رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں واپس آئے اور آپ کو اس کی باتوں کی خبر دی آپ نے دو بارہ انہیں بھیجا اس شخص نے پھر وہی بات کہی جو پہلے کہی تھی یہ صحابیؓ پھر حاضر خدمت ہوئے اور اس کی بات نقل کر دی آپ نے تیسری بار ان کو پھر بھیجا اس شخص نے پھر وہی بات کہی اس مرتبہ جب یہ صحابیؓ واپس ہو کر حاضر ہوئے اور آپ کو اس کے سوال سے باخبر کیا تو آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بجلی اس پر نازل فرمادی جس کی وجہ سے وہ جل گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت شریفہ: وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ (آخر تک) نازل فرمائی اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تیسری بار جب وہ شخص بات کر رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے سر پر ایک بادل بھیج دیا وہ بادل گرا اور اس میں سے ایک کئی گری جو اس سرکش کافر کی کھوپڑی کو لے کر چلی گئی۔ (مجمع الزوائد ص ۴۲ ج ۷ عن ابی بعلی و البزار والطبرانی فی الاوسط و رجال البزار رجال الصحیح غیر دیلم بن غزوان و ہونقہ)۔

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ.....

یعنی پکارنا اسی کو چاہیے جو ہر قسم کے نفع و ضرر کا مالک ہے عاجز کو پکارنے سے کیا حاصل؟ اللہ کے سوا کون ہے جس کے قبضہ

میں زیادہ سے زیادہ نفع حاصل رہے؟ فیہ انغذواہنی مدوتے لیے بلانا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا کنوئیں کی ٹن پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیرنے اور خوشامد کرے کہ میرے منہ میں پہنچ جا۔ ظاہر ہے قیامت تک پانی اس کی فریاد کو نہ سنے والا نہیں۔ بلکہ اگر پانی اس کی سنہمی میں بوجب بھی خود پھل کر منہ تک نہیں جا سکتا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ کافر جن کو پکارتے ہیں اہل حق مخالفین و وہ ہیں، ہنستے ہیں اور شیطانی ہیں، اور بعض چیزیں ہیں کہ ان میں کچھ خواص ہیں۔ لیکن اپنے خواص کی مالک نہیں۔ پھر ان کے پانے سے یہ حاصل؟ جیسے آگ یا پانی اور شاہد ستارے بھی اسی قسم میں ہوں۔

تَوَلَّى مِنْ شَبَابٍ مَّا فَالَتْ أَوْدِيَّتَهُ ..

آسمان کی طرف سے بارش اتری جس سے ندی نالے بہہ پڑے۔ ہرنالے میں اس کے طرف اور گنجائش کے موافق جتنا خدا نے چاہا پانی جاری کر دیا چھوٹے میں کم بڑے میں زیادہ۔ پانی جب زمین پر رواں ہو تو مٹی اور کوڑا کرکٹ سنے سے گدلا ہو گیا۔ چرمیل چیل اور جھاگ پھول کر اوپر آیا۔ جیسے تیز آگ میں چاندی تانبا، لوہا، اور دوسری معدنیات پگھلاتے ہیں تاکہ زیادہ برتن اور تصحیر وغیرہ تیار کریں اس میں بھی سی طرح جھاگ اگتا ہے مگر تھوڑی دیر بعد خشک یا منتشر ہو کر جھاگ جاتا رہتا ہے۔ جو اسلی کارآمد چیز تھی (یعنی پانی یا پگھلی ہوئی معدنیات) وہ ہی زمین میں یا زمین والوں کے ہاتھ میں باقی رہ جاتی ہے۔ جس سے مختلف طور پر لوہے نفع ہوتے ہیں۔ یہ ہی مثال حق و باطل کی سمجھ لو۔ جب وحی آسانی دین حق کو لے کر اترتی ہے تو قلوب بنی آدم اپنے اپنے تصرف اور استعداد کے موافق فیض حاصل کرتے ہیں۔ پھر حق اور باطل باہم بھڑ جاتے ہیں تو سب ابرہ آتا ہے۔ باطل جھاگ کی طرح حق کو دبا لیتا ہے لیکن اس کا یہ ابال عارضی اور بے بنیاد ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس کے جوش و خروش کا پتہ نہیں رہتا۔ خدا جانے مدھر گیا۔ جو اسلی اور کارآمد چیز جھاگ کے نیچے دبی ہوئی تھی (یعنی حق و صداقت) بس وہی رہ گئی۔ یہ خدا کی بیان کردہ مثالیں کیسی عجیب ہوتی ہیں۔ کیسے موثر طرز میں سمجھایا کہ دنیا میں جب حق و باطل بھڑتے ہیں یعنی دونوں باجگتی مقابلہ ہوتا ہے تو گورائے چندے باطل اور چپا اور پھولا ہوا نظر آئے، لیکن آخر کار باطل کو منتشر کر کے حق ہی ظاہر و غالب ہو کر رہتا ہے۔ کسی مؤمن کو باطل کی عارضی نمائش سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔ اسی طرح کسی انسان کے دل میں جب حق از جائے تو مدیر کے لیے اوہام و وساوس زور شور دکھلائیں تو گھبرانے کی بات نہیں تھوڑی دیر میں یہ ابال بیٹھ جائے گا اور خالص حق ثابت و مستقر رہے گا۔ گزشتہ آیات میں چونکہ توحید و شرک کا مقابلہ کیا گیا تھا اس مثال میں حق و باطل کے مقابلہ کی کیفیت بتلا دی آگے دونوں کا انجام باطل کھول کر بیان کرتے ہیں۔

مَنْ يَنْتَهِبْ سَخِابًا مِنْ بَيْتِهِمُ الْحُسْنَىٰ ..

قرآن سال و مال محسن و مہطلین:

(ويعط) گزشتہ آیات میں حق اور باطل کی مثال بیان فرمائی اب ان آیات میں اہل حق اور اہل باطل کا حال اور مال بیان کرتے ہیں۔ آیت یہ ہے جس نے دعوت کو قبول کیا یہ گروہ سعادت کا ہے اور ایک گروہ وہ ہے جس نے دعوت کو قبول نہیں کیا یہ گروہ شقیہ ہے۔ ان آیات میں اخلاق و اعمال کے اعتبار سے سعادت اور شقیہ کے فرق کو بیان کرتے ہیں تاکہ دونوں کے فرق معلوم ہو جائے۔ ہر کوئی ان دونوں کو یکساں قرار دے اس لیے اول اہل حق کے فضائل و شمائل اور ان کے

خروی نتائج بیان کیے کہ وہ دل میں خوف خدا رکھتے ہیں اور اس کے اور امور نواہی کے پابند ہیں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت رکھتے ہیں یہ گروہ اہل علم کا ہے اس کے بعد ان کے مقابل اہل باطل کی خرابیاں اور ان کے برے اعمال کا نتیجہ بیان کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل حق اور اہل سعادت نے ہدایت سے حصہ حاصل کیا اور ان کے اعمال ظاہری و باطنی ان کے لیے نافع اور باقی رہے اور اہل باطل نے ہدایت سے حصہ نہ پایا اور ان کے سارے اعمال مثل جھاگ کے باطل اور بے کار گئے اور مرتے ہی دنیا کے تمام منافع اور فوائد زائل ہو گئے چنانچہ فرماتے ہیں جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی دعوت کو قبول کیا اور جو آپ ہدایت اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کیا تھا اس کو نوش جان کیا اور شبہات اور وسوساں کا جو میل و کچیل اور خس و خاشاک اس میں باہر سے آگیا تھا اب اس کو ہدایت کے اوپر سے اتار پھینک دیا ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں بھلائی یعنی جنت مقرر ہے کما قال تعالیٰ: **لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ** اور جن لوگوں نے اللہ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور اس نے آسمان سے ہدایت کا جو آب حیات نازل کیا تھا اس کو استعمال کرنے سے اعراض کیا قیامت کے دن اگر ان کے پاس وہ سب کچھ مال و متاع بھی ہو جو روئے زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو اس سب کو آخرت کے عذاب سے جان چھڑانے کے لیے دے ڈالیں۔ یعنی کافروں کے پاس قیامت کے دن اگر تمام روئے زمین کا خزانہ اور اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ عذاب سے رہائی کے بدلے اس سب کو دے ڈالیں مگر وہاں ان کے پاس مال کہاں دھرا ہے اور اگر بفرس محال ہو بھی تو قبول کہا ہو سکتا ہے آخرت کے عذاب سے رہائی کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ اس دنیا میں دعوت حق کو قبول کریں اور ان کے عقائد فاسدہ اور اعمال کا سدہ پانی کے جھاگ کی طرح سب اڑ جائیں گے اور علاوہ ازیں قیامت کے دن ایسے لوگوں کے لیے برا حساب ہوگا یعنی سختی سے ان کے اعمال کا محاسبہ اور مناقشہ ہوگا اور ذرہ ذرہ پر مواخذہ اور باز پرس ہوگی جس کو دوسری آیت میں حساب غیر فرمایا اور حساب کے بعد ان کا ٹھکانا ہمیشہ کیلئے دوزخ ہے اور وہ بہت بری خواب گاہ ہے مگر کافر چونکہ چشم بصیرت سے عاری اور کورا ہے اس لیے اس کو راہ ہدایت نظر نہیں آتی اور مؤمن بیٹا اور عاقل ہے وہ اپنی عقل سے حق اور باطل کا فرق سمجھتا ہے اور چشم بصیرت سے آیات بینات کو دیکھتا ہے اس لیے اب آئندہ بیٹا (مؤمن) اور ناپیتا (کافر) کے فرق کو واضح فرماتے ہیں۔

وَنَزَلَ فِي حَمْزَةٍ وَأَبَى جَهْلٍ أَكْمَنَ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ الْحَقُّ فَأَمَّنَ بِهِ كَمَنْ هُوَ أَعْمَى ۗ لَا يَنْفَعُهُ وَلَا يُؤْمِنُ بِهِ لَا إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ يُعِظُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۗ أَصْحَابُ الْعُقُولِ الَّذِينَ يُؤْفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ أَلْمَا حُوذُ عَلَيْهِمْ وَهُمْ فِي عَالَمِ الدَّرِ أَوْ كَلِّ عَهْدٍ وَ لَا يَنْقُضُونَ الْبَيْتَاتِ ۗ بِتَرِكِ الْإِيمَانِ أَوْ الْفَرَايِضِ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ مِنَ الْإِيمَانِ وَالرَّحْمِ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَيَخْشُونَ رَبَّهُمْ أَى رَعِيئَةً وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ۗ تَقَدَّمَ مِثْلُهُ وَالَّذِينَ صَبَرُوا عَلَى الطَّاعَةِ وَالْبَلَاءِ وَعَنِ الْمُنْعِيَةِ ابْتِغَاءً طَلَبَ وَجْهِ رَبِّهِمْ لَا غَيْرَهُ مِنْ أَعْرَاضِ الدُّنْيَا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا فِي الطَّاعَةِ

مِنَّا رَزَقْنَهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ كَالْجَهْلِ بِالْحِلْمِ وَالْأَذَى بِالضَّبْرِ أَوْلَىٰ لَهُمْ عُقَبَى الدَّارِ ۝ أَي الْعَاقِبَةُ الْمُحْمُودَةُ فِي الدَّارِ الْأَخْرَى هِيَ جَنَّتُ عَدْنٍ إِقَامَةٌ يَدْخُلُونَهَا

هُم وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَإِنْ لَمْ يَعْمَلُوا بِعَمَلِهِمْ يَكُونُونَ فِي

دَرَجَاتِهِمْ تَكْرِمَةً لَهُمْ وَالسَّلَامَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۝ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ أَوْ الْقَطْرُورِ أَوْ

دُخُولِهِمْ لِلتَّهْنِيَةِ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ هَذَا الثَّوَابُ بِمَا صَبَرْتُمْ بِصَبْرِكُمْ فِي الدُّنْيَا فَنِعْمَ عُقْبَى

الدَّارِ ۝ عُقْبَاكُمْ وَالدِّينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَ يَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ

يُؤْصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ بِالْكَفْرِ وَالْمَعَاصِي أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ الْبَعْدُ مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ وَلَهُمْ

سُوءُ الدَّارِ ۝ أَي الْعَاقِبَةُ السَّيِّئَةُ فِي الدَّارِ الْأَخْرَى وَهِيَ جَهَنَّمُ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوسِّعُهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَ

يَقْدِرُ بِضَيْفِهِ لِمَنْ يَشَاءُ وَفَرِحُوا أَي أَهْلُ مَكَّةَ فَرِحَ بِطَرِيقِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا أَي بِمَا نَالُوهُ فِيهَا وَمَا

ع الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي جَنِّ حَيَاةِ الْأَخْرَى إِلَّا مَتَاعٌ ۝ شَيْءٌ وَقَلِيلٌ يَتَمَتَّعُ بِهِ وَيَذْهَبُ

تو کچھ چھٹیا: یہ آیت حضرت حمزہؓ اور ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی (بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ پر اترا ہے آپ کے رب کی طرف سے حق ہے (پھر اس پر ایمان لایا) اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے کہ جو اندھا ہو (حق کو جانا ہو اور نہ اس پر ایمان رکھتا ہے ہو؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے) سمجھتے (صحیح قبول کرتے) اسی ہیں جو عقلمند ہیں وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو (جو ان سے عالم مثال میں لیا گیا یا ہر عہد مراد ہے) اور نہیں توڑتے اس عہد و ایمان یا فراموش کو چھوڑ کر) اور جو لوگ جوڑتے ہیں جس کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا (ایمان اور صلہ رحمی وغیرہ) اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے (یعنی اس کی وعید سے) اور اندیشہ رکھتے ہیں برے حساب کا (تشریح گذر چکی) اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا (اطاعت خداوندی اور اس کی مصیبتوں پر اور گناہ سے بچنے پر) اپنے رب کی خوشنودی کے لیے (رضا خداوندی کی طلب نہ کہ کسی دنیاوی غرض سے) اور نماز قائم رکھی اور خرچ کیا (اللہ کی اطاعت میں) ہمارے دیئے ہوئے میں سے پوشیدہ اور ظاہر اور کرنے میں برائی کے مقابلہ میں بھلائی (جیسے جہالت کا مقابلہ بردباری اور تکلیف کا مقابلہ صبر سے) ان لوگوں کے لئے آخرت کا گھر ہے (یعنی آخرت میں خوش انجامی کا گھر اور وہ) باغ ہیں رہنے کے (قیام پذیر ہونے کے) داخل ہوں گے ان میں (وہ لوگ) اور جو نیک ہوئے (ایمان لائے) ان کے باپ دادوں میں اور بیویوں میں اور اولاد میں (اگرچہ انہوں نے ان جیسا عمل نہ بھی کیا ہوتے بھی ازراہ کرم یہ لوگ ان کے مقامات پر ہوں گے) اور فرشتے آئیں گے ان کے پاس ہر دروازے سے (جنت کے دروازوں میں سے یا مخلوق کے دروازوں میں سے جب پہلی بار جنت میں داخل ہوں گے تو فرشتے خوش آمدید کے طور پر

کہیں گے) سنا مٹی تم پر (یہ ثواب) تمہارے مبر کے بدلہ میں ہے (دنیا میں تمہارے مبر کرنے کی وجہ سے ہے) سو خوب ملا آخرت کا گھر (تمہارے مبر کا نتیجہ) اور جو لوگ توڑتے ہیں اللہ کا عہد اس کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا اور فساد اٹھاتے ہیں ملک میں (کفر و معاصی کے ذریعہ) ان کے واسطے لعنت ہے (اللہ کی رحمت سے دوری ہے) ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے (دار آخرت میں برا انجام ہے اور وہ دوزخ ہے) اللہ کشادہ کرتا ہے روزی (سبب کرتا ہے) جس کو چاہے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لیے چاہے) اور فریفتہ ہیں (اہل مکہ منکرانہ فریفتگی) دیادی زندگی (دنیا میں ان کو جو حاصل ہوا اس) پر حالانکہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے آگے (مقابلہ میں) مگر متاع حقیر (تھوڑا سا سامان) کہ جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور پھر ختم ہو جائے) اور کافر (اہل مکہ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اتری اس پر) محمد پر) کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے (جیسے عصائے موسیٰ، ایڈ بیضا اور ناقہ صالح) آپ کہہ دیجئے (ان سے اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے) (جس کو گمراہی منظور ہونشائیاں) معجزات) اس کو کچھ بھی فائدہ نہیں دیتے اور راہ دکھلاتا ہے (ہدایت دیتا ہے) اپنی طرف (اپنے دین کی طرف) اس کو جو رجوع ہوا (جس نے توبہ کی اگلا جملہ من سے بدل واقع ہے) (وہ جو ایمان لائے اور چین (سکون) پاتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد سے (اس کے وعدہ سے) سن رکھو! اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں (ان اہل ایمان کے) دل جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے۔ (مبتداء ہے اس کی خبر آگے ہے) خوشخبری ہے (یہ مصدر ہے طیب سے بنا ہے یا جنت کا ایک درخت مراد ہے کہ جس کے سائے میں ایک سوار اگر سو سال تک سفر کرتا رہے تب بھی اس کی مسافت کو طے نہ کر سکے) اور اچھا ٹھکانہ (لوٹ کر جانے کی جگہ) اسی طرح (جس طرح آپ سے پہلے انبیاء کو بھیجا ہم نے آپ کو ایک امت میں بھیجا کہ اس سے پہلے بہت امتیں گذر چکی ہیں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قولہ: **فَأَمَّنَ بِهِ**: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مطلق علم بلا عمل غیر مفید ہے اور وہ اندھے پن کے مقابل نہیں ہو سکتا۔
- قولہ: **لَا يَخَافُ**: سے اشارہ کیا کہ اندھے پن سے دل کا اندھا پن مراد ہے نہ کہ ظاہری آنکھوں کا۔
- قولہ: **لَا يَسْتَهْمِ** انکاری ہے۔
- قولہ: **وَلَا يَنْقُضُونَ**: یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔
- قولہ: **مِنَ الْإِيمَانِ**: اس سے مراد تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا ہے۔
- قولہ: **وَعَيْدَهُ**: اس میں مضاف محذوف ہے۔
- قولہ: **أُولَئِكَ لَهُمْ**: یہ جملہ مبتداء موصول کی خبر ہے۔
- قولہ: **بِهِ**: جنات یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے عقی امرار کا بدل نہیں۔
- قولہ: **هَمٌّ**: اس کو مقدر مانا تاکہ **مَنْ صَلَحَ** یدخلونہا کی ضمیر پر عطف درست ہو ضمیر منفضل تاکید کیلئے آتی ہے۔
- قولہ: **هَذَا الثَّوَابُ**: ظرف محل رفع میں مبتداء محذوف کی خبر ہے یہ سلام کے متعلق نہیں۔

قوله: بِصَبْرِكُمْ فِي الدُّنْيَا: اس سے اشارہ کیا کہ یہ مامصر یہ ہے موصولہ نہیں۔

قوله: عُقْبَاكُمْ: یہ مخصوص بالمدح ہے۔

قوله: الْعَاقِبَةُ السَّيِّئَةُ: یہ اضافت صفت الی الموصوف کی قسم سے ہے۔

قوله: بِمَا نَالُوهُ فِيهَا: یعنی دنیا میں جو بد اعمالیاں کیں۔

قوله: فِي جَنبِ حَيَوٰةِ الْآخِرَةِ: مضاف کو اس لیے مقدر مانا کیونکہ آخرت دنیا کے لئے ظرف نہیں بن سکتی۔ حیوة کو

مقدر مان کر اشارہ کیا کہ فی ظرفیت کے لئے یہاں نہیں بلکہ تقابل کے لئے آیا ہے۔

قوله: شَيْءٌ قَلِيلٌ: اشارہ کیا کہ تنوین تحقیر کے لئے آئی ہے کیونکہ تکمیل تحقیر کے لئے آئی ہے۔

تفسیر مقبولین

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ ...

کیا تم کو ہدایت اور ضلالت کا فرق نظر نہیں آتا پس کیا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تیرے پر اور دگر کی طرف سے اتارا گیا ہے وہ حق ہے کیا ایسا شخص اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے جو نابینا ہو اور اسے حق نظر نہ آتا ہو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں، ہرگز نہیں اسی طرح سمجھو کہ مؤمن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے۔ لایستوی اصحاب النار و اصحاب الجنة الایة جزا میں نیست کہ نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جن کی عقلیں خالص ہیں اور شوائب و اہم اور نفسیات سے پاک ہیں جن کی عقلیں خالص اور صاف ہیں وہی نور بصیرت سے اشیاء کے حقائق اور دقائق کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں اولوالالباب وہ لوگ ہیں جو پند پذیر اور عبرت گیر ہوں۔

الَّذِينَ يُؤْتُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ ...

ان بزرگوں کی نیک صفتیں بیان ہو رہی ہیں اور ان کے بھلے انجام کی خبر دی جا رہی ہے جو آخرت میں جنت کے مالک نہیں گئے اور یہاں بھی جو نیک انجام ہیں۔ وہ منافقوں کی طرح نہیں ہوتے کہ عہد شکنی، غداری اور بے وفائی کریں۔ یہ منافق کی فصلت ہے کہ وعدہ کر کے توڑ دیں۔ جھگڑوں میں گالیاں بکیں، باتوں میں جھوٹ بولیں، امانت میں خیانت کریں۔ صلہ رحمی کا، رشتہ داروں سے سلوک کرنے کا، فقیر محتاج کو دینے کا، بھلی باتوں کے نباہنے کا، جو حکم الہی ہے یہ اس کے عامل ہیں۔ رب کا خوف دل میں رکھتے ہوئے فرمان الہی سمجھ کر نیکیاں کرتے ہیں، بدیاں چھوڑتے ہیں۔ آخرت کے حساب سے ڈرتے ہیں، اسی لیے برائیوں سے بچتے ہیں، نیکیوں کی رغبت کرتے ہیں۔ اعتدال کا راستہ نہیں چھوڑتے۔ ہر حال میں فرمان الہی کا لحاظ رکھتے ہیں۔ گو نفس حرام کاموں اور اللہ کی نافرمانیوں کی طرف جانا چاہے لیکن یہ اسے روک لیتے ہیں اور ثواب آخرت یاد دلا کر مرضی مولانا رضائے رب کے حامل ہو کر نافرمانیوں سے باز رہتے ہیں۔ نماز کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ رکوع، سجدہ، قعدہ، خشوع، خضوع شرعی طور پر جالاتے ہیں۔ جنہیں دینا اللہ نے فرمایا ہے انہیں اللہ کی دی ہوئی چیزیں دیتے رہتے ہیں۔ فقراء، محتاج، مساکین اپنے ہوں یا غیر ہوں۔ ان کی برکتوں سے محروم نہیں رہتے۔ چھپے کھلے، دن رات، وقت بے وقت، برابر راہ اللہ خرچ

کرتے رہتے ہیں۔ قباحت کو احسان سے، برائی کو بھلائی سے، دشمنی کو دوستی سے نال دیتے ہیں۔ دوسرا سرکشی کرے یہ نرمی کرتے ہیں۔ دوسرا سرچڑھے یہ سر جھکا دیتے ہے۔ دوسروں کے ظلم سے لیتے ہیں اور خود نیک سلوک کرتے ہیں۔ تعلیم قرآن ہے: (ادْفَعْ بِاللَّيْنِ هِيَ أَحْسَنُ السَّبِيْقَةِ لِمَنْ أَعْلَمَ بِمَا يَصِفُونَ) (المؤمنون: ۹۶) بہت اچھے طریقے سے نال دو تو دشمن بھی گاڑھا دوست بن جائے گا۔ صبر کرنے والے، صاحب نصیب ہی اس مرتبے کو پاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اچھا انجام ہے۔

بروج و بالا خانے:

وہ اچھا انجام اور بہترین گھر جنت ہے جو پیشگی والی اور پائیدار ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں جنت کے ایک محل کا نام عدنان ہے جس میں بروج اور بالا خانے ہیں جس کے پانچ ہزار دروازے ہیں، ہر دروازے پر پانچ ہزار فرشتے ہیں۔ وہ محل مخصوص ہے نبیوں اور صدیقیوں اور شہیدوں کے لیے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ جنت کا شہر ہے جس میں انبیاء ہوں گے شہداء ہوں گے اور ہدایت کے ائمہ ہوں گے۔ ان کے آس پاس اور لوگ ہوں گے اور ان کے ارد گرد اور چنتیں ہیں وہاں یہ اپنے اور چہیتوں کو بھی اپنے ساتھ دیکھیں گے۔ ان کے بڑے باپ دادے، ان کے چھوٹے بیٹے پوتے، ان کے جوڑے جو بھی ایمان دار اور نیکو کار تھے ان کے پاس ہوں گے اور راحتوں سے سرور ہوں گے جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی۔ یہاں تک کہ اگر کسی کے عمل اس درجہ بلند تک پہنچنے کے قابل نہ بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درجے بڑھا دے گا جیسے: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَآبَعْتَهُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَهُمْ مِنْ عِبَادَتِهِمْ فَمِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينًا ﴿۲۱﴾ (المور: ۲۱) جن ایمان داروں کی اولاد ان کی پیروی ایمان میں کرتی ہے ہم انہیں بھی ان کے ساتھ ملا دیتے ہیں ان کے پاس مبارک باد اور سلام کے لیے ہر ہر دروازے سے ہر وقت فرشتے آتے رہتے ہیں یہ بھی اللہ کا انعام ہے تاکہ یہ ہر وقت خوش رہیں اور بشارتیں سنتے رہیں۔ نبیوں، صدیقیوں، شہیدوں کا پڑوس، فرشتوں کا سلام اور جنت الفردوس مقام۔

مسند کی حدیث میں ہے جانتے بھی ہو کہ سب سے پہلے جنت میں کون جائیں گے؟ لوگوں نے کہا اللہ کو علم ہے اور اس کے رسول اللہ (ﷺ) کو فرمایا سب سے پہلے جنتی مساکین مہاجرین ہیں جو دنیا کی لذتوں سے دور تھے جو تکلیفوں میں مبتلا تھے جن کی انگلیوں میں بی بی رہ گئیں اور قضا آگئی۔ رحمت کے فرشتوں کو حکم الہی ہوگا کہ جاؤ انہیں مبارک باد دو فرشتے کہیں گے اللہ ہم تیرے آسمانوں کے رہنے والے تیری بہترین مخلوق ہیں کیا تو ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم جا کر انہیں سلام کریں اور انہیں مبارک باد پیش کریں جناب باری جو اب دے گا یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے صرف میری عبادت کی میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا دنیاوی راحتوں سے محروم رہے مصیبتوں میں مبتلا رہے کوئی مراد پوری ہونے نہ پائی اور یہ صابر و شاکر رہے اب تو فرشتے جلدی جلدی بھد شوق ان کی طرف دوڑیں گے ادھر ادھر کے ہر ایک دروازے سے گھسیں گے اور سلام کر کے مبارک باد پیش کریں گے طبرانی میں ہے کہ سب سے پہلے جنت میں جانے والے تین قسم کے لوگ ہیں فقراء مہاجرین جو مصیبتوں میں مبتلا رہے، جب انہیں حکم ملا بجالاتے رہے، انہیں ضرورتیں بادشاہوں سے ہوتی تھیں لیکن مرتے دم تک پوری نہ ہوئیں۔ جنت کو بروز قیامت اللہ تعالیٰ اپنے سامنے بلائے گا وہ بنی سنوری اپنی تمام نعمتوں اور تازگیوں کے ساتھ حاضر ہوگی اس وقت ندا ہوگی کہ میرے وہ

بندے جو میری راہ میں جہاد کرتے تھے، میری راہ میں ستائے جاتے تھے، میری راہ میں لڑتے بھڑتے تھے وہ کہاں ہیں؟ ان کو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں چلے جاؤ۔ اس وقت فرشتے اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے اور عرض کریں گے کہ پروردگار ہم تیری تسبیح و تقدیس میں لگے رہے یہ کون ہیں جنہیں ہم پر بھی تو نے فضیلت عطا فرمائی؟ اللہ رب العزت فرمائے گا یہ میرے وہ بندے ہیں جنہوں نے میری راہ میں جہاد کیا میری راہ میں تکلیفیں برداشت کیں۔ اب تو فرشتے سجدی کر کے ان کے پاس ہر ایک دروازے سے جا پہنچیں گے سلام کریں گے اور مبارک بادیاں پیش کریں گے کہ تمہیں تمہارے سر کا بدلہ کتنا اچھا ملا۔ حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ مؤمن جنت میں اپنے تخت پر با آرام نہایت شان سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوا گا خاموں کی قطاریں ادھر ادھر کھڑی ہوں گی جو دروازے والے خادم سے فرشتہ اجازت مانگے گا وہ یکے بعد دیگرے پوچھے گا یہاں تک کہ مؤمن سے پوچھا جائے گا۔ مؤمن اجازت دے گا کہ اسے آنے دو یونہی ایک دوسرے کو پیغام پہنچائے گا اور آخری خادم فرشتے کو اجازت دے گا اور دروازہ کھول دے گا۔ وہ آئے گا اور سلام کرے گا اور چلا جائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت (ﷺ) ہر سال کے آخر پر شہداء کی قبروں پر آتے اور کہتے: **سَلِّمُوا عَلَيْنَا كَمَا سَلِّمُوا عَلَى رُسُلِكُمْ**۔ (اس کی سند ٹھیک نہیں)

وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ

۷۲۔ منکرین و مکذبین کے حال و مال کا ذکر و بیان:

سونیک بخت اور سعادت مند لوگوں کی صفات و خصا ل حمیدہ اور ان کے مال و انجام کے ذکر کے بعد اس آیت کریمہ میں منکرین و مکذبین کے حال و مال اور ان کے ہونا ک انجام کا ذکر فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ (جو لوگ اللہ کے عہد کو جو عید فطرت ہے اور جس سے بندے کا اپنے خالق و مالک سے ربط و تعلق قائم ہوتا ہے یہ اس عہد کو اس کے) پختہ باندے کے بعد توڑتے ہیں اور رحم کے اس رشتہ کو کاٹتے ہیں جس کو جوڑنے اور قائم رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جس کو توڑنا اور کاٹنا تمام فی الارض کی بجز اور بنیاد ہے، سو ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی لعنت و پھنکار ہے جس کے نتیجے میں یہ اس کی رحمت و عنایت سے محروم ہو جاتے ہیں اور انہی کے لیے آخرت کے اس ابدی گھر کی ذلت و رسوائی اور ابدی ناکامی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور یہ اس کے لیے ان کا جرم بہت سنگین ہے، اور اسلام کا نظام حق و عدل دو بنیادوں پر قائم ہے ایک وحدت الہیہ اور دوسری وحدت آدم، وحدت الہیہ عبارت ہے عقیدہ توحید سے اور وحدت آدم اس کی، اس سے رشتہ رحم، اور اگر ان دونوں بنیادوں کو زحاد یا جائے تو پھر صالح معاشرہ اور صالح تمدن کا وجود میں آنا ممکن نہیں ہو سکتا سو ایسے میں ان لوگوں کے جرم کی سنگینی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جو اللہ کے عہد کو اس کے پختہ باندے کے بعد توڑتے ہیں اور رشتہ رحم کو کاٹتے ہیں اور اس طرح وہ فساد فی الارض کے انتہائی ہولناک جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی سزا بھی بہت سخت ہے، یعنی دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی اور محرومی۔ والعیاذ باللہ۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ كَوْلًا هَلَّا أَنْزَلَ عَلَيْنَا آيَةً مِنْ رَبِّهِمْ ۗ سَاءَ الْمَقْضَاؤُ الْبِئْسَا

وَالثَّاقِبَةَ قُلْ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ مَنِ يَشَاءُ اضْلَالَهُ فَلَا تُغْنِي الْآيَاتُ عَنْهُ شَيْئًا وَيَهْدِي وَيُرْسِدُ إِلَيْهِ إِلَى
 دِينِهِ مَنْ آتَابَ ۝ رَجَعِ إِلَيْهِ وَيَتَدَلُّ مِنْ مَنْ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ تَسْكُنُ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَى
 وَعَبْدِهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ أَى قُلُوبَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مُبْتَدَأَ
 خَيْرُهُ طُوبَى مُتَدَرٍّ مِنَ الطَّيِّبِ أَوْ شَجَرَةٍ فِي الْجَنَّةِ يَسِيرُ الرَّاحِكُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ مَا يَتَقَطَّعُهَا لَهُمْ وَ
 حُسْنُ مَا بَ ۝ مَرْجِعٌ كَذَلِكَ كَمَا أَرْسَلْنَا الْأَنْبِيَاءَ قَبْلَكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ
 لَتَتْلُوا نَمْرًا عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَى الْقُرْآنَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ ۝ حَيْثُ قَالُوا الْمَاءُ مَرُورًا
 بِالشُّجُودِ لَهُ وَمَا الرَّحْمَنُ قُلْ لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابٌ ۝ وَ
 نَزَلَ لَمَّا قَالُوا إِنْ كُنْتَ نَبِيًّا فَسَيِّرْ عَنَّا جِبَالَ مَكَّةَ وَاجْعَلْ لَنَا فِيهَا أَنْهَارًا وَغِيْرًا لِنَعْرِسَ وَنَزْرَعُ وَابْعَثْ
 لَنَا آيَةً نَا الْمُؤْمِنِي يُكَلِّمُونَا أَنْكَ نَبِيٌّ وَ كَوْنُ قُرْآنًا سَيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالَ نُقِلَتْ عَنْ أَمَا كَيْفَا أَوْ قُطِعَتْ
 شُفْقَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلَّمَ بِهِ الْمَوْتَى ۝ بِأَنْ يُحْيُوا الْمَاءَ آمَنُوا بَلْ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا ۝ لَا يَبْتَعِرُهُ فَلَا يُؤْمِنُ
 إِلَّا مَنْ بَشَا ۝ اللَّهُ إِيْمَانَهُ دُونَ غَيْرِهِ وَإِنْ أُوْتُوا مَا اقْتَرَحُوا وَنَزَلَ لَمَّا آزَادَ الصَّحَابَةَ أَظْهَارَ مَا اقْتَرَحُوا طَمَعًا
 بِي إِيْمَانِهِمْ أَقَلَّمُ يَا نَجِسِ يَعْلَمُ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ مَخْفَقَةٌ أَى أَنَّهُ كَوَيْشَاءُ اللَّهُ لَهْدَى النَّاسِ جَمِيعًا ۝
 إِلَى الْإِيْمَانِ مِنْ غَيْرِ آيَةٍ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ تَصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا بِضَعْفِهِمْ أَى
 بِكَفْرِهِمْ قَارِعَةً ۝ ذَاهِبَةٌ تَفْرَعُهُمْ بِضَعْفٍ الْبَلَاءُ مِنَ الْقَتْلِ وَالْإِسْرِ وَالْحَرْبِ وَالْجَدْبِ أَوْ تَحَلُّ
 بِالْمَخْتَلِ بِجَيْشِكَ قَرِيبًا مِنْ دَارِهِمْ مَكَّةَ حَتَّى يَأْتِيَ وَعَدُّ اللَّهِ ۝ بِالنَّصْرِ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ
 الْوَعْدَ ۝ وَقَدْ خَلَّ بِالْحَدِيثِيَّةِ حَتَّى آتَى فَتَحَ مَكَّةَ

۱۰۵

توجہ کیا تاکہ سادیں آپ (پڑھ دیں) ان کو (انکے سامنے) جو حکم بھیجا ہم نے (قرآن کریم مراد ہے) حالانکہ انکار
 کرتے ہیں (جب ان کو حرمین کے سامنے سجدہ کا حکم دیا تو پوچھنے لگے کہ حرمین کون یا کیا ہے؟) آپ (ان سے) کہہ
 دیجئے (اے محمد) وہی ہے میرا رب اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اس پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کر کے
 آتا ہوں۔ (یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب مشرکین مکہ نے آنحضرت سے مطالبہ کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو مکہ کے ان
 پہاڑوں کو ہٹادیں اور انکی جگہ نہریں اور چشمے جاری کر دیں تاکہ ہم ان کی مدد سے باغ لگائیں اور کھیتیاں اگائیں نیز ہمارے

باپ دادوں کو زندہ کر دیں اور وہ ہمیں بتائیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں) اور اگر کوئی قرآن ہوتا کہ اس سے پہاڑ چلیں (ابھی جا سے ہٹ جائیں) یا ٹکڑے ہو جائے پھٹ جائے) اس سے زمین یا بولیں اسے مردے (یعنی مردے زندہ ہو جائیں تب ہی وہ ایمان نہ لائیں گے) جب کہ سب کام تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں) اس کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہیں لہذا ایمان دہن لائے گا جس کے ایمان کو وہ چاہے گا کوئی اور ایمان نہیں لائے گا اگرچہ مطالبات پورے بھی کر دیئے جائیں یہ آیت اس وقت بھی نازل ہوئی جب صحابہ نے مذکورہ مطالبات کے پورا کر دیئے جانے کی خواہش ظاہر کی مشرکین کے ایمان لانے کی تمنا کرتے ہوئے) سو کیا خاطر جمع نہیں (علم نہیں) ایمان والوں کو کہ (ان مخففہ ہے یعنی انہ) اگر اللہ چاہے تو راہ پر لائے سب لوگوں کو (ایمان کی ہدایت دے بغیر کسی نشانی کے) اور برابر منکروں (مکہ والوں) کو پہنچا تا رہے گا انکے کرتوت (کئے، یعنی ان کے کفر) پر صدمہ، (کوئی حادثہ جو ان کو جھنجھوڑ کر رکھ دے گردن زنی، قید کی زندگی، جنگ قحط ساری جیسی مختلف آزمائشوں سے) یا تو اترے گا (اے محمد اپنے لشکر کے ساتھ) ان کے گھر سے نزدیک (مکہ سے) یہاں تک کہ پہنچے اللہ کا وعدہ (مشرکین پر فتح کے سلسلہ میں)۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: **هَلَّا**: اس سے تفسیر کر کے اشارہ کیا یہاں **لَوْلَا** یہ تخصیص کے لئے ہے۔

قولہ: **إِلَىٰ دِينِهِ**: اس سے اشارہ دیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔

قولہ: **يُبَدِّلُ**: الگ ہونے کی وجہ ذکر کی کہ یہ مبتداء محذوف کی خبر نہیں ہے بلکہ بدل ہے۔

قولہ: **وَعَدَهُ**: ذکر اللہ تو عام ہے مگر مراد یہاں فقط وعدہ لیا گیا ہے۔ اور قلوب سے بھی فقط مؤمنین کے دل مراد ہیں۔

قولہ: **ظَلُّوبِي**: آنکھ کی ٹھنڈک۔ و فرحت۔ یہ مصدر ہے جیسے بشری یہ طیب سے ہے۔

قولہ: **تَقْرَأُ**: اس تفسیر سے اشارہ کیا کہ تلوایہ تلاوت سے ہے تلو بمعنی پیروی سے نہیں اور علی صلہ بھی اس کا مؤید ہے۔

قولہ: **مَتَّابٍ**: یہ مرجع کے معنی میں آتا ہے۔

قولہ: **نُشِقَّتْ بِهَ الْأَرْضُ**: زمین چیر کر چشمے اور دریا چلا دو۔

قولہ: **بِأَنَّ يُحْيُوا**: پھر زندہ ہو کر کفار کو کہیں محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان کو مان لو۔

قولہ: **لَا بَغْيَهِ**: جار مجرور کو اختصاص کے لئے مقدم کیا۔

قولہ: **يَعْلَمُ**: یہاں نیس کو يعلم کے معنی میں کیا اور اس لئے کہ علیؑ کی قراءت میں يعلم تبدین آیا ہے۔ یاں کا یہ

معنی لغت میں پایا جاتا ہے کیونکہ اُس کے ضمن میں علم کا معنی موجود ہے۔

قولہ: **بِصُنْعِهِمْ**: اس تفسیر سے اشارہ ہے کہ ماصنوا میں ما مصدر یہ ہے اور صنع سے مراد کفر ہے۔

قولہ: **يَا مُحَمَّدُ بِجَيْشِكَ**: اس میں محمد ﷺ کو خطاب ہے۔ تحمل مخاطب کا صیغہ ہے مؤنث غائب نہیں۔ یہ قارع کی

طرف نہیں لوٹی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد صرف اہل مکہ ہیں۔

تفسیر مقبولین

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ ...

مشرکین کا ایک اعتراض:

مشرکین کا ایک اعتراض بیان ہو رہا ہے کہ اگلے نبیوں کی طرح یہ ہمیں ہمارا کہا ہوا کوئی معجزہ کیوں نہیں دکھاتا؟ اس کی پوری بحث کئی بار گزر چکی کہ اللہ کو قدرت تو ہے لیکن اگر پھر بھی یہ نُس سے مس نہ ہوئے تو انہیں نیست دنا بود کر دیا جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ کی طرف سے نبی (ﷺ) پر وحی آئی کہ ان کی چاہت کے مطابق میں صفا پہاڑ کو سونے کا کر دیتا ہوں، زمین عرب میں بیٹھے دریاؤں کی ریل پیل کر دیتا ہوں، پہاڑی زمین کو زراعتی زمین سے بدل دیتا ہوں لیکن پھر بھی اگر یہ ایمان نہ لائے تو انہیں وہ سزا دوں گا جو کسی کو نہ ہوتی ہو۔ اگر چاہوں تو یہ کر دوں اور اگر چاہوں تو ان کے لیے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رہنے دوں تو آپ نے دوسری صورت پسند فرمائی۔ سچ ہے ہدایت ضلالت اللہ کے ہاتھ ہے وہ کسی معجزے کے دیکھنے پر موقوف نہیں ہے ایمانوں کے لیے نشانات اور ڈراوے سب بے سود ہیں جن پر کلمہ عذاب صادق ہو چکا ہے وہ تمام تر نشانات دیکھ کر بھی مان کر نہ دیں گے ہاں عذابوں کو دیکھ تو پورے ایماندار بن جائیں گے لیکن وہ محض بیکار چیز ہے فرماتا ہے: ولولا اننا لنخ، یعنی اگر ہم ان پر لڑتے اتارتے اور ان سے مردے باقی کرتے اور ہر چھپی چیز ان کے سامنے ظاہر کر دیتے تب بھی انہیں ایمان نصیب نہ ہوتا۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو اور بات ہے لیکن ان میں اکثر جاہل ہیں۔ جو اللہ کی طرف جھکے اس سے مدد چاہے اس کی طرف عاجزی کرے وہ راہ یافتہ ہو جاتا ہے۔ جن کے دلوں میں ایمان جم گیا ہے جن کے دل اللہ کی طرف جھکتے ہیں، اس کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں، راضی خوشی ہو جاتے ہیں اور فی الواقع ذکر اللہ اطمینان دل کی چیز بھی ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ...

ایمانداروں اور نیک کاروں کے لیے خوشی، نیک فالی اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ ان کا انجام اچھا ہے، یہ مستحق مبارک باد ہیں یہ بھلائی کو سنیے والے ہیں ان کا لوٹنا بہتر ہے، ان کا مال نیک ہے۔ مرزی ہے کہ طوبی سے مراد بلک۔ حبش ہے اور نام ہے جنت کا اور اس سے مراد جنت ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں جنت کی جب پیدائش ہو چکی اس وقت جناب باری نے یہی فرمایا تھا۔ کہتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت کا نام بھی طوبی ہے کہ ساری جنت میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں، ہر گھر میں اس کی شاخ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ہاتھ سے بویا ہے، لولو کے دانے سے پیدا کیا ہے اور بحکم الہی یہ بڑھا اور پھیلا ہے۔ اس کی جڑوں سے جنتی شہد، شراب، پانی اور دودھ کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے طوبی نامی جنت کا ایک درخت ہے سو سال کے راستے کا۔ اسی کے خوشوں سے جنتیوں کے لبس نکلتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ (ﷺ) جس نے آپ کو دیکھ لیا اور آپ پر ایمان لایا اسے مبارک ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں اسے بھی مبارک ہو۔ اور اسے دو گنا مبارک ہو جس نے مجھے نہ دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔ ایک شخص نے پوچھا طوبی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جنتی درخت

ہے جو سو سال کی راہ تک پھیلا ہوا ہے جنتیوں کے لباس اس کی شاخوں سے نکلے ہیں۔ بخاری مسلم میں ہے حضور (ﷺ) فرماتے ہیں جنت میں ایک درخت ہے کہ سوار ایک سو سال تک اس کے سائے میں چلتا رہے گا لیکن وہ مختتم نہ ہوگا اور روایت میں ہے کہ چال بھی تیز اور سواری بھی تیز چلنے والی۔ صحیح بخاری شریف میں آیت (و ظل ممدود) کی تفسیر میں بھی یہی ہے۔ در حدیث میں ہے ستر یا سو سال اس کا نام شجرۃ الخلد ہے۔ سدرۃ المنتہی کے ذکر میں آپ نے فرمایا ہے اس کی شاخ کے سائے تلے ایک سو سال تک سوار چلتا رہے گا اور سو سو سال اس کی ایک ایک شاخ تلے ٹھہر سکتے ہیں۔ اس میں سونے کی ٹنڈیاں ہیں، اس کے پھل بڑے بڑے مکلوں کے برابر ہیں (ترمذی) آپ فرماتے ہیں ہر جنتی کو طوبیٰ کے پاس لے جائیں گے۔ در اسے اختیار دیا جائے گا کہ جس شاخ کو چاہے پسند کرے۔ سفید، سرخ، زرد سیاہ جو نہایت خوبصورت نرم اور اچھی ہوں گی۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں طوبیٰ کو حکم ہوگا کہ میرے بندوں کے لیے بہترین لباس وغیرہ۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ ایک عجیب و غریب اثر وارد کیا ہے۔ وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے جس کے سائے تلے سو سو سال تک چلتا رہے گا لیکن راستہ ختم نہ ہوگا۔ اس کی تروتازگی کھلے ہوئے چمن کی طرح ہے اس کے پتے بہترین اور عمدہ ہیں اس کے خوشے عنبریں ہیں اس کے کنکر یا قوت ہیں اس کی مٹی کافور ہے اس کا گارامشک ہے اس کی جڑ سے شراب، دودھ، اور شہد کی شہریں بنتی ہیں۔ اس کے نیچے جنتیوں کی مجلسیں ہوں گی، یہ بیٹھے ہوئے ہوں گے جو ان کے پاس فرشتے اونٹنیاں لے کر آئیں گے۔ جن کی زنجریں سونے کی ہوں گی، جن پر یاقوت کے پالان ہوں گے جن پر سونا جڑاؤ ہو رہا ہوگا جن پر ریشمی جھولیں ہوں گی۔ وہ اونٹنیاں ان کے سامنے پیش کریں گے اور کہیں گے کہ یہ سواریاں تمہیں بھجوائی گئی ہیں اور دربار الہی میں تمہارا بلاوا ہے، یہ ان پر سوار ہوں گے، وہ پر بندوں کی پرواز سے بھی تیز رفتار ہوں گی۔ جنتی ایک دوسرے سے مل کر چلیں گے وہ خود بخود دھنست جائیں گے کہ کسی کو اپنے ساتھی سے الگ نہ ہونا پڑے یونہی رحمن درحیم رب کے پاس پہنچیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے چہرے سے پردے ہٹا دے گا یہ اپنے رب کے چہرہ کو دیکھیں گے اور کہیں گے: (اللہم انت السلام والیک السلام وحق لک الجلال والاکرام) ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ رب العزت فرمائے گا: (انا السلام ومنی السلام) تم پر میری رحمت ثابت ہو چکی اور محبت ہوگی۔ میرے ان بندوں کو مرحبا ہو جو بن دیکھے مجھ سے ڈرتے رہے میری فرماں برداری کرتے رہے جنتی کہیں گے باری تعالیٰ نہ تو ہم سے تیری عبادت کا حق ادا ہوا نہ تیری پوری قدر ہوئی ہمیں اجازت دے کہ تیرے سامنے سجدہ کریں اللہ فرمائے گا یہ محنت کی جگہ نہیں نہ عبادت کی یہ تو نعمتوں راحتوں اور مالا مال ہونے کی جگہ ہے۔ عبادتوں کی تکلیف جاتی رہی مزے لوٹنے کے دن آگے جو چاہو مانگو، پاؤ گے۔ تم میں سے جو شخص جو مانگے میں اسے دوں گا۔ پس یہ مانگیں گے کم سے کم سواں والا کہے گا کہ اللہ تو نے دنیا میں جو پیدا کیا تھا جس میں تیرے بندے ہائے وائے کر رہے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ شروع دنیا سے ختم دنیا تک دنیا میں جتنا کچھ تھا مجھے عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے تو کچھ نہ مانگا اپنے مرتبے سے بہت کم چیز مانگی، اچھا ہم نے دی۔ میری بخشش اور دین میں کیا کمی ہے؟ پھر فرمائے گا جن چیزوں تک میرے ان بندوں کے خیالات کی رسائی بھی نہیں وہ انہیں دو چنانچہ دی جائیں گی یہاں تک کہ ان کی خواہشیں پوری ہو جائیں گی ان چیزوں میں جو انہیں یہاں میں گی تیز روگھوڑے ہوں گے ہر چار پر یاقوتی تخت ہوگا ہر تخت پر سونے کا ایک ڈیرا ہوگا ہر ڈیرے میں جنتی فرش ہوگا جن پر بڑی بڑی آنکھوں والی

درد و حوریوں ہوں گی جو درد و دھلے پہنے ہوئے ہوں گی جن میں جنت کے تمام رنگ ہوں گے اور تمام خشبوئیں۔ ان خیموں کے باہر سے ان کے چہرے ایسے چمکتے ہوں گے گو یا وہ باہر بیٹھی ہیں ان کی پنڈلی کے اندر کا گودا باہر سے نظر آ رہا ہو گا جیسے سرخ یا قوت میں ڈور اپرو یا ہوا ہوا اور وہ اوپر سے نظر آ رہا ہو۔ ہر ایک دوسری پر اپنی فضیلت ایسی جانتی ہوگی جیسی فضیلت سورج کی پتھر پر اس طرح جنتی کی نگاہ میں بھی دونوں ایسی ہی ہوں گی۔ یہ ان کے پاس جائے گا اور ان سے بوس و کنار میں مشغول ہو جائے گا۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر کہیں گی واللہ ہمارے تو خیال میں بھی نہ تھا کہ اللہ تم جیسا خاوند ہمیں دے گا۔ اب بحکم الہی اسی طرح صف بندی کے ساتھ سوار یوں پر یہ واپس ہوں گے اور اپنی منزلوں میں پہنچیں گے۔ دیکھو تو سہی کہ رب دہاب نے انہیں کیا کیا نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں؟ وہاں بلند درجہ لوگوں میں اونچے اونچے بالا خانوں میں جو زمرے موتی کے بنے ہوئے ہوں گے جن کے درد وازے سونے کے ہوں گے، جن کے منبر نور کے ہوں گے جن کی چمک سورج سے بالاتر ہوگی۔ اعلیٰ علیین میں ان کے محل ہوں گے۔ یا قوت کے بنے ہوئے۔ نورانی۔ جن کے نور سے آنکھوں کی روشنی جاتی رہے لیکن اللہ تعالیٰ ان کی آنکھیں ایسی نہ کر دے گا۔ جو محلات یا قوت سرخ کے ہوں گے ان میں سبز ریشمی فرش ہوں گے اور جو زمر و یا قوت کے ہوں گے ان کے فرش سرخ محل کے ہوں گے۔ جو زمر اور سونے کے جزاؤ کے ہوں گے ان تختوں کے پائے جواہر کے ہوں گے، ان پر چھتیں لولو کی ہوں گی، ان کے برج مرجان کے ہوں گے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی رحمانی تحفے وہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ سفید یا قوتی گھوڑے غلامان لیے کھڑے ہوں گے جن کا سامان چاندی کا جزاؤ ہوگا۔ ان کے تخت پر اعلیٰ ریشمی نرم و دبیز فرش بچھے ہوئے ہوں گے یہ ان سوار یوں پر سوار ہو کر بے تکلف جنت میں جائیں گے دیکھیں گے کہ ان کے گھروں کے پاس نورانی ممبروں پر فرشتے ان کے استقبال کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں وہ ان کا شاندار استقبال کریں گے، مبارک باد دیں گے، مصافحہ کریں گے، پھر یہ اپنے گھروں میں داخل ہوں گے۔ انعامات الہی وہاں موجود پائیں گے، اپنے محلات کے پاس وہ جنتیں ہری بھری پائیں گے اور جو پہلی پھولی جن میں دو چشمے پوری روانی سے جاری ہوں گے اور ہر قسم کے جوڑ ڈار میوے ہوں گے اور خیموں میں پاک دامن بھولی بھالی پردہ نشین حوریں ہوں گی۔ جب یہ یہاں پہنچ کر راحت و آرام میں ہوں گے اس وقت اللہ رب العزت فرمائے گا میرے پیارے بندو تم نے میرے وعدے سچے پائے؟ کیا تم میرے ثوابوں سے خوش ہو گئے؟ وہ کہیں گے اللہ ہم خوب خوش ہو گئے؟ بہت ہی راضی رضامند ہیں دل سے راضی ہیں کلی کلی ہوئی ہے تو بھی ہم سے خوش رہ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اگر میری رضامندی نہ ہوتی تو میں اپنے اس مہمان خانے میں تمہیں کیسے داخل ہونے دیتا؟ اپنا دیدار کیسے کراتا؟ میرے فرشتے تم سے مصافحہ کیوں کرتے؟ تم خوش رہو با آرام رہو تمہیں مبارک ہو تم پھلو پھولو اور سکھ چین اٹھاؤ میرے یہ انعامات گھٹنے اور ختم ہونے والے نہیں۔ اس وقت وہ کہیں گے اللہ ہی کی ذات سزاوار تعریف ہے جس نے ہم سے غم درج کو دور کر دیا اور ایسے مقام پر پہنچایا کہ جہاں ہمیں کوئی تکلیف کوئی مشقت نہیں یہ اسی کا فضل ہے وہ بڑا ہی بخشنے والا، اور قدر دان ہے۔ یہ سیاق غریب ہے اور یہ اثر عجیب ہے ہاں اس کے بعض شواہد بھی موجود ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے جو سب سے اخیر میں جنت میں جائے گا فرمائے گا مانگ جو مانگ جائے گا اور اللہ کریم دیتا جائے گا یہاں تک کہ اس کا سوال پورا ہو جائے گا اور پائے گا۔ اب اس کے سامنے کوئی خواہش باقی نہیں رہے گی تو اب اللہ تعالیٰ خود اسے یاد دلانے کا کہ یہ مانگ یہ مانگ یہ مانگے گا اور پائے

گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ سب میں نے تجھے دیا اور اتنا ہی اور بھی دس مرتبہ عطا فرمایا۔ صحیح مسلم شریف کی قدسی حدیث میں ہے کہ میرے بندو تمہارے اگلے پچھلے انسان جنات سب ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے دعائیں کریں اور مانگیں میں ہر ایک کے تمام سوالات پورے کروں گا لیکن میرے ملک میں اتنی بھی کمی نہ آئے گی جتنی کسی سوئی کو سمندر میں ڈوبنے سے سمندر کے پانی میں آئے، اٹح۔ خالد بن معدان کہتے ہیں جنت کے ایک درخت کا نام طوبیٰ ہے اس میں تمھیں ہیں جن سے جنتیوں کے بچے دودھ پیتے ہیں کچے کرے ہوئے بچے جنت کی نہروں میں ہیں قیامت کے قائم ہونے تک پھر چلیں سال کے بن کر اپنے ماں باپ کے ساتھ جنت میں رہیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَذَلِكَ أَرْسَلْنَا فِي أُمَّةٍ

یعنی جس طرح ہم اپنی طرف رجوع ہونے والوں کو کامیابی کی راہ دکھاتے ہیں۔ اسی طرح اس امت کی راہنمائی کے لیے ہم نے تجھے مبعوث کیا۔ تاکہ جو کتاب اپنی رحمت کاملہ سے تجھ پر اتاری ہے آپ ان کو پڑھ کر سنا دیں۔ آپ کا پیغمبر بنا کر بھیجا جانا کوئی انوکھی بات نہیں پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے جا چکے ہیں جو اس وقت تکذیب کرنے والوں کا حشر ہوا ان لوگوں کو بھی توبہ نظر رہنا چاہیے۔

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ

معاندین و سرماشی معجزات ظاہر ہونے پر بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں:

صاحب معالم التنزیل (ص ۱۹ ج ۲) لکھتے ہیں کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے ایک سوال پر نازل ہوئی 'عبداللہ بن ابی امیہ اور ابو جہل ایک دن رسول اللہ (ﷺ) سے کہنے لگے کہ اگر آپ کی خوشی اس میں ہے کہ ہم آپ کا اتباع کر لیں تو اس قرآن کے ذریعہ مکہ کے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا کر اور کہیں بھجوادیں تاکہ مکہ کی سر زمین کشادہ ہو جائے اور مکہ کی سر زمین پھٹ جائے اور اس میں نہریں اور چشمے جاری ہو جائیں تاکہ ہم اس میں درخت لگائیں اور کھیتیاں بوئیں اور ہم کو باغات مل جائیں آپ کا کہنا ہے کہ داؤد (ﷺ) کے لیے پہاڑ مسخر کر دیئے گئے تھے اور سلیمان (ﷺ) کے لیے ہوا مسخر کر دی گئی تھی لہذا ہمارے لیے بھی ہوا کی تسخیر ہو جائے تو دن کے دن چلے جائیں اور واپس آجائیں آپ کا یہ بھی فرما ہے کہ حضرت عیسیٰ (ﷺ) مردوں کو زندہ کرتے تھے لہذا آپ اپنے پر دادا کو یا جس کو آپ مناسب جانیں زندہ کر دیں ہم اس سے آپ کے بارے میں دریافت کریں گے کہ آپ کا دین حق ہے یا باطل؟ آپ کی حیثیت حضرت داؤد سلیمان اور عیسیٰ سے کم نہیں ہے آپ اپنے رب سے سوال کریں کہ ان چیزوں کو ظاہر فرمائے اگر یہ چیزیں وجود میں آجائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ ان کی فرمائش کے مطابق معجزہ ظاہر ہو جائے تب بھی یہ ایمان ماننے والے نہیں ہیں ان کی یہ سب باتیں عناد کے طور پر ہیں جیسا کہ سورۃ انعام میں فرمایا کہ: (وَلَوْ أَنفَأَنزَلْنَا إِلَيْهِمُ الْمُلْءَ كَتَّةً وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قَبْلَىٰ مَا كَانُوا يَلْمِزُونَنَا إِلَّا آتَانَا بِشَاءِ اللَّهِ)۔

مفسرین کرام نے دَلُوَ أَنَّ قُرْآنًا کی جزا محذوف بتائی ہے درود (کفر و ابوالرحمن ولم یؤمنوا) ہے یعنی اگر ان کی فرمائش کے مطابق معجزے ظاہر کر دیئے جائیں تب بھی کفر اختیار کیے رہیں گے اور ایمان نہیں لائیں گے۔

بَلَىٰ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا (بلکہ تمام امور اللہ ہی کے لیے ہیں) یعنی ان کے مطالبات کو پورا کرنا نہ کرنا سب اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ کسی کا پابند نہیں کہ لوگوں کی فرمائش کے مطابق معجزے ظاہر فرمائے۔

اس کے بعد فرمایا: أَفَلَمْ يَأْتِنِسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے جب مشرکین کے مطالبات سنے کہ فلاں فلاں معجزہ ظاہر ہو جائے تو انہوں نے خروش ظاہر کیا کہ یہ معجزات ظاہر ہو جاتے تو اچھا تھا تا کہ یہ لوگ اسلام قبول کر لیتے ان کے جواب میں فرمایا کہ اہل ایمان ان لوگوں کی ضد و عناد دیکھ کر ان لوگوں کے ایمان لانے سے ناامید نہیں ہوئے اگر ناامید ہو جاتے تو ایسی آرزو نہ کرتے ظہور معجزات پر ہدایت موقوف نہیں اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے وہ جو کچھ کرتا ہے حکمت کے مطابق کرتا ہے۔ چاہے تو سارے انسانوں کو ہدایت دے دے (وَفِي الْكَلَامِ حَذْفٌ أَيْ أَفَلَمْ يَأْتِنِسِ الَّذِينَ آمَنُوا عَنْ إِيْمَانِهِمْ عَالَمِينَ مُسْتَبِقِينَ أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا)۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّنْ دَارِهِمْ (اور جن لوگوں نے کفر کیا برابر ان کے اعمال بد کی وجہ سے کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا ان کے مکانوں کے قریب مصیبت نازل ہو جائے گی)۔

مشرکین مکہ کے مطالبات منظور نہیں کئے گئے اور ان کے فرمائشی معجزات ظاہر نہیں ہوئے کیونکہ اول تو ان کو ایمان لانا ہی نہیں صرف ضد اور عناد کی وجہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں دوسرے اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں جو لوگوں کی مرضی کے مطابق تخلیق فرمائے ہاں ان پر ان کی حرکتوں کی وجہ سے آفات اور مصائب آتی رہیں گی اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوئے پھر غزوہ بدر میں ان کے بڑے بڑے سردار مقتول ہوئے ان پر اس طرح کی آفات آتی ہی رہیں گی خاص ان پر مصیبت نہ آئی تو ان کی قریب والی بستیوں میں مصیبتیں آتی رہیں گی تاکہ عبرت حاصل ہو اور اپنے انجام کے بارے میں غور و فکر کریں حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدَ اللَّهِ (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے فتح مکہ مراد ہے اور بعض حضرات نے اس سے موت اور بعض حضرات نے روز قیامت مراد لیا ہے یعنی یہ سلسلہ عذابوں اور مصیبتوں کا جاری رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجائے یعنی فتح ہو جائے جس میں مشرکین مغلوب اور مقہور ہوں گے یا ان میں سے ہر شخص کو موت آجائے۔

اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْوَعْدَ (بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتا) معلوم ہوا کہ اپنے اوپر جو مصیبت آئے اسے بھی عبرت کی نظر سے دیکھیں اور اپنے کئے کا نتیجہ سمجھ کر اپنی حالت کو بدلیں اور اگر آس پاس کی بستیوں اور شہروں پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے تو اس سے بھی عبرت حاصل کریں کیونکہ اس میں بھی سب کے لیے تشریح ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْتُمْ بِرُسُلِنَا مِن قَبْلِكَ كَمَا اسْتَهْزَيْتُم بِكَ وَهَذَا تَسْلِيَةٌ لِّلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَلَيْتُمْ
أَمْهَسْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا لَعْنَةُ أَخَذْتُهُمْ بِالْمَقْرُونَةِ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ أَيْ هُوَ وَاقِعٌ مَّرْفَعَةٌ فَكَذَلِكَ

أَفْعَلِ بِمَنْ اسْتَهْزَأَ بِكَ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ زَقِيفٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ وَشَرِّ وَهُوَ
 اللَّهُ كَمَنْ لَيْسَ كَذَلِكَ مِنَ الْأَصْنَامِ لِأَدَلِّ عَلَىٰ هَذَا وَجَعَلُوا إِلَهَهُ شُرَكَاءَ ۗ قُلْ سَتُوهَمُ ۗ لَهُ مَنْ هُمْ أَمْ
 بَلْ تُدْبِرُونَ ۗ تُخْبِرُونَ اللَّهَ بِمَا آتَىٰ بِشْرِيكَ لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ رَأْسْتَهُمْ انْكَارِ آي لَا شَرِيكَ لَهُ
 إِذْ لَوْ كَانَ نَعْلَمُهُ نَعَالَىٰ عَنْ ذَلِكَ أَمْ بَلْ اسْتَمُونَهُمْ شُرَكَاءَ بِظَاهِرٍ مِنَ الْقَوْلِ ۗ بِظَنِّ بَاطِلٍ لَا حَقِيقَةَ لَهُ
 فِي الْبَاطِنِ بَلْ زَيْنٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرَهُمْ كَفَرَهُمْ وَصَدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۗ طَرِيقِ الْهُدَىٰ وَمَنْ
 يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَالْإِسْرِ وَلِعَذَابِ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۗ
 أَشَدُّ مِنْهُ وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ آي عَذَابِهِ مِنْ وَاقٍ ۝ مَنَعٌ مَثَلُ صِفَةِ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ ۗ
 مَبْنَعًا خَيْرُهُ مَحْدُوفٍ آي فِيمَا نَقَضَ عَلَيْكُمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۗ أَكْثَرًا مَا يُؤْكَلُ فِيهَا دَائِمٌ
 لَا يَبْغِي وَظِلُّهَا ۗ دَائِمٌ لَا تَنْسَخُهُ شَمْسٌ لِعَدَمِهَا فِيهَا تِلْكَ آي الْجَنَّةِ عُقْبَىٰ عَاقِبَةُ الَّذِينَ اتَّقَوْا
 الْكُفْرَ وَعُقْبَىٰ الْكُفْرِيِّنَ النَّارُ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا لَهُمُ الْكِتَابُ كَعَبَدِ اللَّهِ مِنْ سَلَامٍ وَغَيْرِهِ مِنْ مُؤْمِنِي
 الْيَهُودِ يَفْرَحُونَ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ لِتُؤَافِقَهُ مَا عِنْدَهُمْ وَمِنَ الْأَحْزَابِ الَّذِينَ تَحَزَّبُوا عَلَيْكَ بِالْمَعَادَاتِ
 مِنَ الْمَشْرِكِينَ وَالْيَهُودِ مَنْ يُفَكِّرُ بَعْضُهُمْ كَذِكْرِ الرَّحْمَنِ وَمَاعَدَا الْقِصَصِ قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ فِيمَا
 أَنْزَلَ إِلَيَّ أَنْ آي بَانَ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ ۗ إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مَأْبٍ ۝ مَرْجِعِي وَكَذَلِكَ الْأَنْزَالُ
 أَنْزَلَهُ آي الْقُرْآنِ حَلْمًا عَرَبِيًّا ۗ بَلِغَةَ الْعَرَبِ تَحْكُمُ بِهِ بَيْنَ النَّاسِ وَكَيْفَ اتَّبَعَتْ أَهْوَاءَهُمْ آي
 الْكُفْرِ فِيمَا يَدْعُونَكَ إِلَيْهِ مِنْ مِلَّتِهِمْ فَرَضًا بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۗ بِالتَّوْحِيدِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ
 زَائِدَةٍ وَلِيٍّ نَاصِرٍ وَلَا وَاقٍ ۝ مَنَعٌ مِنْ عَذَابِهِ وَنَزَلَ لَنَا عَزِيزٌ وَهُوَ بِكثيرة النساءِ

ترجمہ: بیشک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا (چنانچہ نبی کریم ﷺ حدیبیہ میں اترے بالآخر مکہ فتح ہوا) اور ٹھیکے کر چکے ہیں کتنے رسولوں سے آپ سے پہلے (جیسا کہ آپ سے ٹھٹھا اور مذاق کرتے ہیں اس میں آنحضور کو تسلی کر دی گئی) سو ڈھیل دی (مہلت دی) میں نے منکروں کو پھر میں نے ان کو پکڑ لیا (بدلہ لے کر) سو کیسا تھا میرا بدلہ (یعنی بدلہ لے کر رہا ہی طرح ان سے بھی بدلہ لوں گا جو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں) بھلا جو لئے کھڑا ہے (نگراں) ہر کسی کے سر پر جو کچھ اس نے کیا ہے (اچھائی برائی میں سے جو کچھ بھی کیا اور وہ نگران اللہ کی ذات ہے۔ کیا بتوں میں سے کوئی اس جیسا ہو سکتا ہے؟ نہیں، اگلی

آیت اس پر دلالت کرتی ہے) اور مقرر کرتے ہیں اللہ کے لئے شریک (آپ کہہ دیجئے انکا نام بتاؤ) (وہ کون ہیں) یا (بلکہ) اللہ کو بتلاتے ہو (خبر دیتے ہو) اس کی (یعنی شریک کی) جس کو وہ نہیں جانتا زمین میں (استفہام انکاری ہے یعنی اس کا کوئی شریک نہیں اگر ہوتا تو وہ ضرور جانتا، حالانکہ اللہ اس سے بلند ہیں یا) (بلکہ تم ان کو شریک ٹھہراتے ہو) اور یہی اوپر باتیں (ظن باطل کہ جس کی باطن میں کوئی حقیقت نہیں) بلکہ کافروں کے لیے سچا کر دیا گیا ان کا فریب (کفر) اور وہ روک دیئے گئے ہیں راہ سے (راہ ہدایت سے) اور جس کو گمراہ کرے اللہ سو کوئی نہیں اس کو راہ بتانے والا ان کے لئے عذاب ہے دنیا کی زندگی میں (قتل و قید کے ذریعہ) اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے (اس سے زیادہ) اور نہیں ہے کوئی ان کو اللہ سے بچانے والا (یعنی اس کی مار سے کوئی چھٹکار دلانے والا نہیں) حال (صفت) اس جنت کا جس کا وعدہ پر ہیزگاروں سے ہے (مبتداء ہے اور اس کی خبر مخدوف ہے یعنی فیما نقص علیکم) بہت ہی اس کے نیچے نہیں میوہ اس کا (جنت میں جو کھایا جائے گا) ہمیشہ ہے (کبھی فنا نہیں ہوگا اور اس کا سایہ بھی ہمیشہ ہے) جس کو سورج زائل نہیں کرے گا کیوں کہ وہاں سورج نہیں ہوگا (یہ جنت) بدلہ (انجام) ہے ان کا جو ڈرتے رہے (شرک سے) اور کافروں کا بدلہ آگ ہے اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی (جیسے حضرت عبداللہ بن سلام) وغیرہ یہودیوں میں سے ایمان والے) خوش ہوتے ہیں اس سے جو نازل ہوا آپ پر (ان کی کتاب کے مطابق ہونے کی وجہ سے) اور بعض جماعتیں (مشرکین اور یہود میں سے جنہوں نے آپ کی مخالفت میں آپ کے خلاف گرد پ بندی کی) نہیں مانتے اسکی بعض باتیں (جیسے رحمن کا ذکر، واقعات کے علاوہ) کہہ دیجئے مجھ کو بھی حکم ہوا ہے (بذریعہ وحی) کہ (ان سے پہلے باء مخدوف ہے) بندگی کروں اللہ کی اور اس میں کسی کو شریک نہ کروں اسی کی طرف جلاتا ہوں اور اسی کی طرف ہے میرا ٹھکانہ (لوٹنے کی جگہ) اور اسی طرح (نازل کرنے کی طرح) ہم نے نازل کیا یہ کلام (قرآن مجید) حکم عربی زبان میں (اہل عرب کی زبان میں، اس کے ذریعہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہیں) اور اگر آپ چلے ان کی خواہش کے موافق (یعنی کفار جس چیز کی آپ کو دعوت دیتے ہیں اپنے دین کے سلسلہ میں بالقرض) اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا (توحید کا) آپ کا کوئی نہیں ہوگا اللہ کے سامنے حمایتی (مددگار) اور نہ بچانے والا (اس کے عذاب سے) من زائدہ ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: رَقِيبٌ: یہاں قیام حفاظت کے معنی میں ہے۔ تعارف کے معنی میں نہیں۔
- قوله: كَمَنْ لَيْسَ كَذَلِكَ: من کی خبر مخدوف ہے اس لئے مقابلہ کے قرینہ سے اس طرح معلوم ہوتا ہے۔
- قوله: مَنْ هُمْ: نام لومطلب یہ ہے کہ غور کرو آیا وہ عبادت کے حقدار بھی ہیں سَمُوْیَا مر ہے حاضر ہے نہ کہ ماضی۔
- قوله: لَعَلِمَهُ تَعَالَى: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ اگر ان کا شریک ہونے کے لحاظ سے وجود ہوتا تو علم الہی میں ہوتا جس چیز کا وجود علم الہی میں نہیں وہ ہے ہی نہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿١٣﴾ الرَّعْدُ ۝ ۱۳

قوله: عَذَابُهُ: یہاں مضاف محذوف ہے۔

قوله: صِفَةٌ: مثل کا اطلاق اس بات پر خبردار کرنے کے لئے ہے کہ جنت اپنی غرابت میں مثل کی طرح ہے۔

قوله: مُبْتَدَأٌ خَبْرُهُ: مُحَمَّدٌ زُفُّ: الَّتِي وَعَدْنَا بِهٖ مُبْتَدَأٌ بِهٖ خَبْرٌ محذوف ہے یہ نہیں کہ اس کی خبر تھدی ہے۔

قوله: فَيَمَّا نَقُصُّ عَلَيْكُمْ: تجزی ضمیر عہد محذوف سے حال ہے اسی اعدھا۔

قوله: مَّا يُؤْكَلُ: اس سے اشارہ کیا کہ اکل یہ مصدر نہیں نہ ماکول کے معنی میں ہے بلکہ بمعنی مامن شانہ ان یوکل جس کو کھیا

جانا چاہئے۔

قوله: فِيهَا: اس سے اشارہ کیا کہ اکل کی اضافت جنت کی طرف مجازی ہے۔

قوله: دَائِمٌ لَا تَنۢبِئُهُ: اس کا عطف اکل پر ہے قریب پر نہیں۔

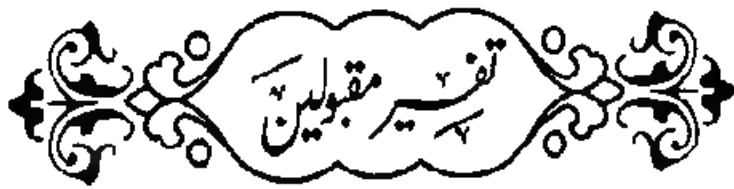
قوله: يَمَّا أُتُوا: اس کو مقدر ان کر اشارہ کیا کہ اس کے بغیر منکرین کے قول کا جواب نہیں بتا پس معنی یہ ہوگا۔ قل لہم

یعنی تم ان سے کہہ دو مجھے توحید کا حکم ملا اس قرآن میں جو مجھ پر اتارا گیا پس اس کا انکار اللہ تعالیٰ کی عبادت و توحید کا انکار ہے۔

قوله: بِأَنَّ: ان مصدر یہ ہے مفسرہ نہیں۔

قوله: تَحْكُمُ بِهِ: حکم یہ مصدر ہے جو مفعول کے معنی میں ہے۔ یعنی جس کے ذریعہ لوگوں کے مابین فیصلہ کیا جاتا ہے۔

قوله: قَرَضًا: اس سے اشارہ کیا ان سے کلام بالفرض و التقدیر ہے۔



وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْتُمْ بِرُسُلِ قَوْمِكُمْ...

سچائی کا مذاق اڑانا آج بھی جاری ہے:

اللہ تعالیٰ اپنے رسول (ﷺ) کو نسی دیتا ہے کہ آپ اپنی قوم کے غلط رویہ سے رنج و فکر نہ کریں آپ سے پہلے کے پیغمبروں کا بھی یونہی مذاق اڑایا گیا تھا میں نے ان کافروں کو بھی کچھ دیر تو ڈھیل دی تھی آخرش بری طرح پکڑ لیا تھا اور نام و نشان تک مٹا دیا تھا۔ تجھے معلوم ہے کہ کس کیفیت سے میرے عذاب ان پر آئے؟ اور ان کا انجام کیسے کچھ ہوا؟ جیسے فرمان ہے بہت سی بستیاں ہیں جو ظلم کے باوجود ایک عرصہ سے دنیا میں مہلت لیے رہیں لیکن آخرش اپنی بد اعمالیوں کی پاداش میں عذابوں کا شکار ہوئیں۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے پھر آپ نے: (وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْآنَ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ) کی تلاوت کی۔

أَفَنُ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ

علم خیر و شر:

اللہ تعالیٰ ہر انسان کے اعمال کا محافظ ہے ہر ایک کے اعمال کو جانتا ہے، ہر نفس پر نگہبان ہے، ہر عامل کے خیر و شر کے علم سے باخبر ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، کوئی کام اس کی بے خبری میں نہیں ہوتا۔ ہر حالت کا اسے علم ہے ہر عمل پر وہ موجود ہے ہر پتے کے چمڑنے کا اسے علم ہے ہر جاندار کی روزی اللہ کے ذمے ہے ہر ایک کے ٹھکانے کا اسے علم ہے ہر بات اس کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے ظاہر و باطن ہر بات کو وہ جانتا ہے تم جہاں ہو وہاں اللہ تمہارے ساتھ ہے تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے ان صفوں والا اللہ کیا تمہارے ان جھوٹے معبودوں جیسا ہے؟ جو نہ سنیں، نہ دیکھیں، نہ اپنے لیے کسی چیز کے مالک، نہ کسی اور کے نفع نقصان کا انہیں اختیار۔ اس جواب کو حذف کر دیا کیونکہ دلالت کلام موجود ہے۔ اور وہ فرمان الہی: (وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُجُنَةٌ وَتَعْلَىٰ عَمَّا يُصِفُونَ) (الانعام: ۱۰۰) ہے انہوں نے اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرایا اور ان کی عبادت کرنے لگے تم ذرا ان کے نام تو بتاؤ ان کے حالات تو بیان کر دو تاکہ دنیا جان لے کہ وہ محض بے حقیقت ہیں کیا تم زمین کی جن چیزوں کی خبر اللہ کو دے رہے ہو جنہیں وہ نہیں جانتا یعنی جن کا وجود ہی نہیں۔ اس لیے کہ اگر وجود ہوتا تو علم الہی سے باہر نہ ہوتا کیونکہ اس پر کوئی غفلت سے مخفی چیز بھی حقیقتاً مخفی نہیں یا صرف انکل پوجا بتیں بنا رہے ہو؟ فضول گپ مار رہے ہو تم نے آپ ان کے نام گھڑ لیے، تم نے ہی انہیں نفع نقصان کا مالک قرار دیا اور تم نے ہی ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔ یہی تمہارے بڑے کرتے رہے۔ نہ تو تمہارے ہاتھ میں کوئی ربانی دلیل ہے نہ اور کوئی ٹھوس دلیل یہ تو صرف وہم پرستی اور خواہش پروری ہے۔ ہدایت اللہ کی طرف سے نازل ہو چکی ہے۔ کفار کا کمر انہیں بھلے رنگ میں دکھائی دے رہا ہے وہ اپنے کفر پر اور اپنے شرک پر ہی تاز کر رہے ہیں دن رات اسی میں مشغول ہیں اور اسی کی طرف اوروں کو بلا رہے ہیں جیسے فرمایا: (وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَدَّلْنَا آيَاتِهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّقْنَا عَلَيْهِمُ الْقَوْلَ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خٰسِرِينَ) (نعلت: ۲۵) ان کے شیطانوں نے ان کی بے ذمگیاں ان کے سامنے دکھائی ہیں یہ راہ اللہ سے طریقہ ہی سے روک دیے گئے ہیں ایک قراءت اس کی صدوا بھی ہے یعنی انہوں نے اسے اچھا جان کر پھر اوروں کو اس میں پھانسا شروع کر دیا اور راہ رسول سے لوگوں کو روکنے لگے رب کے گمراہ کئے ہوئے لوگوں کو کون راہ دکھاسکے؟ جیسے فرمایا آیت (وَمَنْ يَرِدِ اللَّهُ فِتْنَةً فَلَنْ تَكُونَ لَهُ مِنَ اللَّهِ عِيسَىٰ) جسے اللہ فتنے میں ڈالنا چاہے تو اس کے لیے اللہ کے ہاں کچھ بھی تو اختیار نہیں۔ اور آیت میں ہے گو تو ان کی ہدایت کا لالچی ہو لیکن اللہ ان گمراہوں کو راہ دکھانا نہیں چاہتا پھر کون ہے جو ان کی مدد کرے۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ

کامسر موت مانگیں گے:

کفار کی سزا اور نیک کاروں کی جزا کا ذکر ہو رہا ہے کافروں کا کفر و شرک بیان فرما کر ان کی سزا بیان فرمائی کہ وہ مؤمنوں کے ہاتھوں قتل و غارت ہوں گے، اس کے ساتھ ہی آخرت کے سخت تر عذابوں میں گرفتار ہوں گے جو اس دنیا کی سزا سے درجہا

بدر ہیں ملاحظہ کرنے والے میں یہی سے رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا تھا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہی ہلکا ہے۔ یہاں کا عذاب فانی رہاں کا باقی اور اس آگ کا عذاب جو یہاں کی آگ سے ستر حصے زیادہ تیز ہے پھر قید وہ جو قصر میں بھی نہ آسکے۔ جیسے فرمان ہے: (فَيَتَوَصَّلُونَ بِاللَّهِ يُغَذَّبُ عَذَابَهُ أَحَدًا) (الفرج: ۲۵) آج اس عذاب جیسے نہ کسی کے عذاب نہ اس جیسی کسی کی قید و بند۔ فرمان ہے: (واعتدنا لمن كذب بالساعة سعيرا) قیامت کے منکروں کے لیے ہم نے آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے دور سے ہی انہیں دیکھتے ہی شور و غل شروع کر دے گی وہاں کے تنگ و تار یک مکانات میں جب یہ جکڑے ہوئے ڈالے جائیں گے تو ہائے دائے کرتے ہوئے موت مانگنے لگیں گے۔ یک ہی موت کیا مانگتے ہو بہت سی موتیں مانگو۔ اب بتاؤ کہ یہ ٹھیک ہے یا جنت غلڈ ٹھیک ہے جس کا وعدہ پر ہیز گاروں سے کیا گیا ہے کہ وہ ان کا بدلہ ہے اور ان کا ہمیشہ رہنے کا ٹھکانا۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ

پھر نیکیوں کا انجام بیان فرماتا ہے کہ ان سے جن جنتوں کا وعدہ ہے اس کی ایک صفت تو یہ ہے کہ اس کے چاروں طرف نہریں جاری ہیں جہاں چاہیں پانی لے جائیں پانی نہ بگڑنے والا پھر دودھ کی نہریں ہیں اور دودھ بھی ایسا جس کا مزہ کبھی نہ بگڑے اور شراب کی نہریں ہیں جس میں صرف لذت ہے۔ نہ بد مزگی، نہ بے ہودہ نشہ، اور صاف شہد کی نہریں ہیں اور ہر قسم کے پھل ہیں اور ساتھ ہی رب کی رحمت، لک معرفت اس کے پھل ہمیشگی والے اس کی کھانے پینے کی چیزیں کبھی فنا ہونے والی نہیں۔ جب آنحضرت (ﷺ) نے کسوف کی نماز پڑھی تھی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہ حضور (ﷺ) ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ پچھلے پاؤں پیچھے کو بیٹھے گئے۔ آپ نے فرمایا ہاں میں نے جنت کو دیکھا تھا اور چاہا تھا کہ ایک خوشہ توڑ لوں اگر لے لیتا تو رہتی دنیا تک وہ رہتا اور تم کھاتے رہتے۔ ابو یعلیٰ میں ہے کہ ایک دن ظہر کی نماز میں ہم آنحضرت (ﷺ) کے ساتھ تھے کہ آپ ناگاہ آگے بڑھے اور ہم بھی بڑھے پھر ہم نے دیکھا کہ آپ نے گویا کوئی چیز لینے کا ارادہ کیا پھر آپ پیچھے ہٹ آئے۔ نماز کے خاتمہ کے بعد حضرت ابی بن کعب نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) آج تو ہم نے آپ کو ایسا کام کرتے ہوئے دیکھا کہ آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا آپ نے فرمایا ہاں میرے سامنے بنت پیش کی گئی جو روز تازگی سے مہک رہی تھی میں نے چاہا کہ اس میں سے ایک خوشہ انگور کا توڑاؤں لیکن میرے اور اس کے درمیان آڑ کر دی گئی اگر میں اسے توڑ لاتا تو تمام دنیا پوری دنیا تک اسے کھاتی رہتی اور پھر بھی ڈار سا بھی کم نہ ہوتا۔ ایک دیہاتی نے حضور (ﷺ) سے پوچھا کہ کیا جنت میں انگور ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اس نے کہا کتنے بڑے خوشے ہوں گے؟ فرمایا اتنے بڑے کا اگر کوئی کالا کو امینہ بھراڑتا رہے تو بھی اس خوشے سے آگے نہ نکل سکے۔ اور حدیث میں ہے کہ جنتی جب کوئی پھل توڑیں گے اسی وقت اس کی جگہ دوسرا لگ جائے گا۔ حضور (ﷺ) فرماتے ہیں جنتی خوب کھائیں پیئیں گے لیکن نہ تھوک آئے گی نہ ناک آئے گی نہ پیشاب نہ پاخانہ مشک جیسی خوشبو والا پسینہ آئے گا اور اسی سے کھانا ہضم ہو جائے گا۔ جیسے سانس بے تکلف چلتا ہے اس طرح تسبیح و تقدیس الہام کی جائے گی (مسلم وغیرہ) ایک اہل کتاب نے حضور (ﷺ) سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں جنتی کھائیں پیئیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ ہر شخص کو کھانے پینے، جماع اور شہوت کی اتنی قوت دی

جائے گی جتنی یہاں سو آدمیوں کو مل کر ہو۔ اس نے کہا اچھا تو جو کھائے گا پئے گا اسے پیشاب پاخانے کی بھی حاجت لگے گی پھر جنت میں گندگی کیسی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ پسینے کے راستے سب ہضم ہو جائے گا اور وہ پسینہ مشک بو ہوگا۔ (مسند نسائی) فرماتے ہیں کہ جس پرندے کی طرف کھانے کے ارادے سے جنتی نظر ڈالے گا وہ اسی وقت بھنا بھنایا اس کے سامنے گر پڑے گا بعض روایتوں میں ہے کہ پھر وہ اسی طرح بحکم الہی زندہ ہو کر اڑ جائے گا قرآن میں ہے وہاں بکثرت میوے ہوں گے کہ نہ کٹیں نہ ٹوٹیں نہ ختم ہوں نہ گھٹیں سائے جھکے ہوئے شاخیں نیچی۔ سائے بھی دائمی ہوں گے جیسے فرمان ہے ایما اندار نیک کردار بہتی نہروں والی جنتوں میں جائیں گے وہاں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی اور بہترین لمبے چوڑے سائے۔ حضور (ﷺ) فرماتے ہیں جنت کے ایک درخت کے سائے تلے تیز سواری والا سو سو سال تک تیز دوڑتا ہوا جائے لیکن پھر بھی اس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔ قرآن میں ہے سائے ہیں پھلے اور بڑھے ہوئے۔ عموماً قرآن کریم میں جنت اور دوزخ کا ذکر ایک ساتھ آتا ہے تاکہ لوگوں کو جنت کا شوق ہو اور دوزخ سے ڈر لگے یہاں بھی جنت کا دروہاں کی چند نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ یہ ہے انجام پرہیزگار اور تقویٰ شعار لوگوں کا اور کافروں کا انجام جہنم ہے جیسے فرمان ہے کہ جہنمی اور جنتی برابر نہیں جنتی بامراد ہیں۔ خطیب دمشق حضرت بلال بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اے بندگان رب کیا تمہارے کسی عمل کی قبولیت کا یا کسی گناہ کی معافی کا کوئی پر دانہ تم میں سے کسی کو ملا؟ کیا تم سے کسی کو ملا؟ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم بیکار پیدا کئے گئے ہو؟ اور تم اللہ کے بس میں آنے والے نہیں ہو؟ واللہ اگر اطاعت ربانی کا بدلہ دنیا میں ہی ملتا تو تم تمام نیکیوں پر جم جاتے۔ کیا تم دنیا پر ہی فریفتہ ہو گئے ہو؟ کیا اس کے پیچھے مرٹو گے؟ کیا تمہیں جنت کی رغبت نہیں جس کے پھل اور جس کے سائے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (ابن ابی حاتم)

وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ

شاداں و شرحاں لوگ:

جو لوگ اس سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں اور وہ اس کے عامل ہیں وہ تو تجھ پر اس قرآن کے اترنے سے شاداں و شرحاں ہو رہے ہیں کیونکہ خود ان کی کتابوں میں اس کی بشارت اور اس کی صداقت موجود ہے۔ جیسے: (الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَشْكُرُونَ حَقَّ تِلَاوَتِهِ) (البقرہ: ۱۲۱) میں ہے کہ اگلے کتابوں کو اچھی طور سے پڑھنے اس آخری کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ آنحضرت (ﷺ) کی رسالت کی خبر ہے اور وہ اس وعدے کو پورا دیکھ کر خوشی سے مان بیٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کے وعدے غلط نکلیں اس کے فرمان صحیح ثابت نہ ہوں پس وہ شاداں ہوتے ہوئے اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ ہاں ان جماعتوں میں ایسے بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں کو نہیں مانتے، غرض بعض اہل کتاب مسلمان ہیں بعض نہیں، تو اسے نبی اعلان کر دے کہ مجھے صرف اللہ واحد کی عبادت کا حکم ملا ہوا ہے کہ دوسرے کی شرکت کے بغیر صرف اسی کی عبادت اس کی ہی توحید کے ساتھ کروں یہی حکم مجھ سے پہلے کے تمام نبیوں اور رسولوں کو ملتا تھا، اسی راہ کی طرف اسی الہی عبادت کی طرف میں تمام دنیا کو دعوت دیتا ہوں۔ اسی اللہ کی طرف سب کو بلاتا ہوں اور اسی اللہ کی طرف میرا لوٹنا ہے۔ جس طرح ہم نے تم سے پہلے نبی بھیجے ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں اسی طرح یہ قرآن جو تمہارے اور مضبوط ہے عربی زبان میں جو تیری اور تیری قوم کی زبان ہے اس قرآن کو ہم نے تجھ پر نازل فرمایا۔ یہ بھی تجھ پر خاص احسان ہے کہ اس واضح اظہار مفصل اور محکم کتاب کے ساتھ

تھے ہم نے نوازا کہ نہ اس کے آگے سے باطل آسکے نہ اس کے پیچھے سے آکر اس میں مل سکے یہ حکیم و حمید اللہ کی طرف سے انزل ہے۔ اے نبی (ﷺ) تیرے پاس الہامی عم آسانی وحی آچکی ہے اب بھی اگر تو نے ان کی نحو ہش کی ماتحتی کی تو یاد رکھ کہ ان کے مذاہبوں سے تھے کوئی بھی نہ بچا سکے گا۔ نہ کوئی تیری حمایت پر کھڑا ہوگا۔ سنت نبویہ اور طریقہ محمدیہ کے علم کے بعد جو گمراہی والوں کے راستوں کو اختیار کریں ان علماء کے لیے اس آیت میں زبردست وعید ہے۔

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا وَعَدْرًا ۖ

یہ قرآن کریم حکم خاص ہے عربی زبان میں ہے:

پھر فرمایا: وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا وَعَدْرًا (اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو اس طور پر نازل کیا ہے کہ وہ خاص حکم عربی زبان میں ہے) اہل کتاب جو فروعی مسائل میں احکام اسلامیہ کو ان مسائل کے خلاف پاتے تھے جو انہیں شراعیہ ساتھ سے یاد تھے اور ان کی وجہ سے احکام قرآنیہ کا انکار کرتے تھے اس میں ان لوگوں کی تردید ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے پہلے کتابیں نازل کیں اور ان میں ازمنہ سابقہ کے مخاطبین کے اعتبار سے احکام بھیجے پھر ان میں سے بہت سے احکام کو بعد میں آنے والی امتوں کے لیے منسوخ کر دیا اور ان کی جگہ دوسرے احکام نازل کر دیئے اسی طرح ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے جس میں قرآن کے مخاطبین کی رعایت کی گئی ہے اور ایسے احکام دیئے گئے ہیں جو ان کے احوال کے مناسب ہیں اگر قرآن میں ایسے احکام پاتے ہو جو سابقہ شراعیہ کے موافق نہیں اور ان کی وجہ سے قرآن کی تکذیب کرتے ہیں تو یہ عادتہ اللہ سے اور شراعیہ سابقہ کے اصول سے جاہل ہونے پر بلکہ تجاہل پر مبنی ہے اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ پہلی کتابوں میں شراعیہ کا اختلاف تھا اور وہ کتابیں مختلف زبانوں میں تھیں جس طرح ان کا فروعی اختلاف اور کئی زبانوں میں نازل ہونا ایک دوسرے کی تکذیب کا سبب نہ بناتا اب قرآن جو عربی زبان میں نازل ہو گیا اور شراعیہ سابقہ کی بعض چیزیں اس نے منسوخ کر دیں تو اس کو قرآن کی تکذیب کا ذریعہ کیوں بناتے ہو قرآن مجید کی تکذیب کرنا اور رسول اللہ (ﷺ) کی رسالت کا منکر ہونا سراپا ضلالت اور سفاقت ہے۔

قال صاحب الروح ج ۱۳ ص ۱۲۷ شروع فی رد انکار ہم لفروع الشرائع الواردة بتداء اوبدلا من الشرائع المنسوخة ببيان الحكمة فی ذلك وان الضمیر راجع لما انزل الیک والاشارة الی مصدر (انزلناہ) او (انزل الیک) ای مثل ذلك الانزال البدیع الجامع لاصول مجمع علیہا وفروع متشعبة الی موافقة و مخالفة حسبما يقتضیه قضیة الحكمة انزلناہ حاکما یحکم فی القضايا والواقعات بالخز و یحکم بہ كذلك (الی ان قال) وقیل ان الاشارة الی انزال الكتاب السالفة علی الانبیاء علیہم السلام واللعنی کما انزلنا الکتب علی من قبل انزلنا هذا الكتاب علیک لان قوله تعالیٰ (والذین اتیناهم الكتاب) یتضمن انزاله تعالیٰ ذالک وهذا الذی انزلنا بلسان العرب کما ان الکتب السابقة بلسانہ انزلت علیہ (وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیسین لهم) والی هذا ذهب الامام ابو حیان۔

پھر فرمایا: وَكَيْفَ اتَّبَعَتْ اٰهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۗ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۱۰﴾ (اور اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو کوئی ایسا نہیں جو اللہ کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنے والا اور بچانے والا ہو) اس میں بظاہر

حضرت سرور عالم (ﷺ) کو خطاب ہے اور فی الواقع حضرات مؤمنین کو دین پر ثابت رہنے کی تلقین ہے اور بظاہر آپ کو یہ خطاب یہ بات واضح کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ جب بالفرض آپ دشمنوں کی خواہشوں کا اتباع کرنے میں مانع نہ ہو سکتے ہیں تو آپ کے علاوہ دوسرے لوگ بطریق اولیٰ مانع نہ ہوں گے۔ قال صاحب الروح (ص ۱۶۸ ج ۱۳) وامثال هذه القوارع انما هي لقطع اطماع الكفرة ونهيج المؤمنين على الثبات في الدين لا للنبي (ﷺ) فانه عليه الصلاة والسلام بمكان لا يحتاج فيه الى باعث او مهيج ومن هنا قيل ان الخطاب لغيره۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ۗ أَوْلَادًا وَأَوْتَاتْنَا مِثْلَهُمْ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ مِّنْهُمْ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ لَآنَهُمْ عَيْدٌ مَّزْبُوتُونَ ۗ لِكُلِّ أَجَلٍ مُّدَّةٌ ۖ كِتَابٌ مَّكْتُوبٌ فِيهِ نَحْنُ بِنْدُهُ ۗ يَسْأَلُ اللَّهُ مَن مَّا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۚ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ فِيهِ مَا يَشَاءُ مِنَ الْأَحْكَامِ وَغَيْرِهَا ۗ وَعِنْدَنَا أُمُّ الْكِتَابِ ۗ أَضَلُّهُ الَّذِي لَا يَغْتَبِرُ مِنْهُ شَيْءٌ وَهُوَ مَا كَتَبَهُ فِي الْأَرْزَلِ ۗ وَإِنْ مَا فِيهِ إِذْ غَامَ تُونَ ۗ إِنَّ الشَّرْطِيَّةَ فِي مَّا الْمَرْبُودَةِ تُرِيَّتْكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ ۗ بِهِ مِنَ الْعَذَابِ فِي حَيَاتِكَ وَجَوَابِ الشَّرْطِ مَحْذُوفِ أَيْ فِذَآك أَوْ تَتَوَقَّيْتِكَ قَبْلَ تَعْدِيهِمْ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْعُ ۗ لَا عَلَيْكَ إِلَّا التَّبْلِيغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ ۗ إِذْ صَارُوا إِلَيْنَا فَتَجَارِيهِمْ أَوْ لَمْ يَرَوْا أَيْ أَهْلُ مَكَّةَ أَنَا نَأْتِي الْأَرْضَ نَقْصِدُ أَرْضَهُمْ نَقْضُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۗ بِالْفَتْحِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهُ يَحْكُمُ فِي خَلْقِهِ بِمَا يَشَاءُ لَا مُعَقَّبَ رَأَى لِحُكْمِهِ ۗ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۗ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْأُمَمِ بِأَنْبِيَائِهِمْ كَمَا مَكَرُوا بِكَ فَبَدَّلَ اللَّهُ الْمَكْرَ جَبِيحًا ۗ وَلَيْسَ مَكْرُهُمْ كَمَكْرِهِ لِأَنَّهُ تَعَالَى يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۗ وَيُعْدِلُهَا جَزَاءً هَآؤَ هَذَا هُوَ الْمَكْرُ كُلُّهُ لِأَنَّهُ يَأْتِيهِمْ بِهِ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ وَسَيَعْلَمُ الْكَافِرُ الْمُرَادُ بِهِ الْجِنْسُ وَفِي قِرَاءَةِ الْكُفْرِ لِمَنْ عَقِبِي الدَّارِ ۗ أَيْ الْعَاقِبَةُ الْمُحْمَدِيَّةُ فِي الدَّارِ الْآخِرَةِ لَهُمْ أُمَّ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَكَ لَسْتَ مَرْسَلًا ۗ قُلْ لَهُمْ كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۗ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۗ عَلَى صِدْقِي ۗ وَمَنْ عِنْدَنَا عِلْمُ الْكِتَابِ ۗ مِنْ مُؤْمِنِي الْيَهُودِ وَالتَّنَازَرِي

ترجمہ: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے آنحضور (ﷺ) کو تعدد ازواج پر عار دلایا اور آپ سے پہلے ہم کئے رسول بھیج چکے اور ہم نے دی تھیں ان کو بیویاں اور اولاد (آپ بھی انہیں کے مانند ہیں) اور نہیں ہوا کسی رسول سے (ان

میں سے) کہ وہ لے آئے کوئی نشانی مگر اللہ کے حکم سے (کیوں کہ وہ بندے اور ماتحت ہیں) ہر ایک وعدہ (مدت) لکھا ہوا ہے (اس کی مدت کتاب میں درج ہے) اللہ مٹاتا ہے (اس میں سے) جو چاہے اور باقی رکھتا ہے (تخفیف اور تشدید کے ساتھ یعنی احکام وغیرہ میں سے جو چاہے) اور اسی کے پاس ہے اصل میں کتاب (جس میں ذرا بھی تبدیلی نہیں اور وہ وہ ہے جس کو اللہ نے روز ازل میں لکھ دیا) اور اگر (اس میں نون شرطیہ کا ادغام مازائدہ میں ہوا ہے) دکھلا دیں ہم آپ کو کوئی وعدہ جو ہم نے ان سے کیا ہے (آپ کی زندگی ہی میں سزا دے کر اور جو اب شرط محذوف ہے یعنی فذاک) یا ان سے آپ کو اٹھالیں (ان کو سزا دینے سے پہلے ہی) سو آپ کا ذمہ تو پہنچو دینا ہے (آپ پر پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے) اور ہمارا ذمہ ہے حساب لینا (جب وہ ہمارے پاس آئیں گے تو ہم ان کو بدلہ دیں گے) کیا وہ نہیں دیکھتے (یعنی مکہ والے) کہ ہم زمین کو گھنٹاتے چلے آتے ہیں (کفار کی زمین کا ارادہ کرتے ہیں) کناروں سے (نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر فتح کے ذریعہ) اللہ حکم کرتا ہے (اپنی مخلوق میں جو چاہے) کوئی نہیں پیچھے ڈالے (رد کر دے) اس کا حکم اور وہ جلد حساب لیتا ہے اور فریب کر چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے (امتوں میں سے انے نبیوں کے ساتھ جیسے آپ کے ساتھ فریب کر رہے ہیں) اللہ کے ہاتھ میں ہے سب فریب (خدا تعالیٰ کا فریب ان جیسا فریب نہیں ہے کیوں کہ وہ فریب کاری سے بری ہے وہ جانتا ہے جو کچھ کما تھا ہے بر شخص) سو بدلہ اس کے حق میں تیار رکھتا ہے یہ ہے مکمل فریب کیوں کہ خدا تعالیٰ یہ بدلہ ان کو ایسے طریقہ پر دے گا کہ ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ہوگا) اور عنقریب جان لے گا کافر (مراد جنس کافر ہے اور ایک قراءت میں کفار ہے) کہ کس کا ہے پچھلا گھر (آخرت کے گھر میں بہترین انجام، انکے لئے ہے یا آنحضور کے لیے یا صحابہ کے لیے؟) اور کافر کہتے ہیں (آپ سے) کہ آپ بھیجے ہوئے نہیں ہیں آپ کہہ دیجئے (ان کفار سے) کہ اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے بیچ میں (میری سچائی پر) اور جس کو کتاب کا علم ہے (یہود و نصاریٰ میں سے ایمان والے)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **مُدَّةً** یہاں اجل تمام مدت کے معنی میں آیا ہے انتہاء مدت کے معنی میں نہیں۔

قولہ: **يَه مِنَ الْعَذَابِ**: اس میں اشارہ کیا کہ **الَّذِي نَعِدُهُمْ** میں موصول کی ضمیر عائد مقدر ہے، اور جواب شرط محذوف ہے۔

قولہ: **لَا عَلَيْكَ**: اس سے اشارہ کیا کہ آپ کے ذمہ فقط تبلیغ ہے۔ یہ فائدہ حصر ہے۔

قولہ: **نَقْصِدُ**: یہاں تأتي یہ تصد کرنے کے معنی میں ہے۔

قولہ: **وَلَيْسَ مَكْرُهُمْ**: اس سے اشارہ کر دیا یا اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدابیر کے مقابلہ ان کی تدبیر نہ ہونے کے برابر ہے پھر ان کے مکر کا حال سامنے کر دیا۔

قولہ: **عُقُوبِي الدَّارِ**: سے اچھا انجام مراد ہے اور عقوبی کی الدار کی طرف نسبت سے معلوم ہوا۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ

آپ (ﷺ) سے پہلے جو رسول بھیجے گئے وہ اصحاب ازدواج و اولاد تھے:

روح المعانی (ص ۱۶۸ ج ۱۳) میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت (ﷺ) پر اعتراض کیا کہ ان کی تو بہت سی بیویاں ہیں جو شخص نبی ہوا سے نبوت کے کاموں سے اتنی فرصت کہاں کہ بہت ساری بیویاں رکھے اللہ تعالیٰ شانہ نے جو اب میں ان سے تو خطاب نہیں فرمایا لیکن اپنے نبی (ﷺ) کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ سے پہلے ہم نے رسول بھیجے ہیں اور ان کو ہم نے بہت سی بیویاں دی تھیں اور بیویاں ہی نہیں ان کے اولاد بھی تھی یہودیوں کا زیادہ ہونا اور صاحب اولاد ہونا یہ چیز نہ نبوت کے خلاف ہے نہ کارہائے نبوت سے معارض ہے یہودیوں کو حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے بارے میں علم تھا کہ ان کی بہت سی بیویاں تھیں اور وہ ان کے بارے میں نبی ہونے کا بھی عقیدہ رکھتے تھے پھر بھی انہوں نے بطور عناد اعتراض کیا اور کثرت ازدواج کو مرتبہ نبوت کے خلاف کہا اس سے نہیں مشرکین کو بھی دین اسلام سے روکنا مقصود تھا اور خود اپنے لیے کفر پر جسے رہنے کا بھی ایک بہانہ تلاش کر لیا قرآن مجید نے اس انداز سے ان کا جواب دے دیا کہ آئندہ جو بھی کوئی شخص ایسا جاہلانہ اعتراض کرے اپنے اعتراض کا مسکت جواب پائے بات یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ کا کام قول سے بھی تعلیم دینا تھا اور عمل سے بھی اس لیے تو انسانوں کی طرف انسانوں کو نبی بنا کر بھیجا گیا نکاح کرنا انسانوں کی ضرورت کی چیز ہے جب نکاح ہوگا تو اولاد بھی ہوگی بیویوں کے ساتھ کس طرح گزارہ کیا جائے اور اولاد کی کس طرح تربیت کی جائے یہ سب باتیں بھی تو قولاً اور نفعلاً بتانے اور سمجھانے کی ہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اگر مجرد یعنی غیر شادی شدہ ہوتے تو ان کی امتیں ازدواجی زندگی کے طریقے کس طرح سیکھتیں پھر سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) تو آخری رسول ہیں سارے انسانوں کے نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں آپ کی تعلیمات انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہیں خانگی حالات جاننے کی امت مسلمہ کو ضرورت تھی ان احوال کو حضرات ازدواج مطہرات نے بیان کیا کثیر تعداد میں ان کی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ دلائل اور معجزات سے آنحضرت (ﷺ) کا رسول ہونا معلوم ہو گیا تو اس پر اعتراض ختم ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کسی ایسی چیز کا ارتکاب نہیں کر سکتے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی ہو۔

کوئی رسول از خود معجزہ لانے پر قادر نہیں:

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ..... (اور کسی رسول کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ کوئی آیت لے آئے الا

یہ کہ اللہ کا حکم ہو) اس میں لفظ ”آیت“ کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے معجزہ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ طرح طرح کے معجزات کی جو معاندین فرمائیں کرتے ہیں ان معجزات کا لانا نبی کی قدرت اور دسترس میں نہیں ہے ہاں اللہ تعالیٰ کا اذن ہو تو معجزہ ظاہر ہو سکتا ہے معجزہ کی تخلیق اور اجازت اس کے قبضہ میں ہے۔

اگر کسی نبی سے لوگوں نے فرمائشی معجزہ طلب کیا اور وہ پیش نہ کر سکا تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ اللہ کا نبی نہیں جو دراصل پیش کئے جا چکے ہیں اور جو معجزات ظاہر ہو چکے ہیں ان کے ہوتے ہوئے فرمائشی معجزات طلب کرنا محض ضد اور عناد تھا اور اللہ کے نبی کی تصدیق نہ کرنا یہ کفر ہے کوئی نبی بے دلیل اور بے معجزہ نہیں گزر اور فرمائشی معجزہ ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ اس کے پابند نہیں ہیں۔

بعض حضرات نے غلط "آیت" سے احکام مراد لیے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ جو کہتے ہو کہ احکام میں نسخ کیوں ہوا پہلی امتوں کے جو احکام تھے وہ پورے کے پورے اس امت کے لیے کیوں باقی نہ رکھے گئے یا اس امت کے لیے جو احکام جاری کئے گئے تھے ان کو بعد میں منسوخ کیا گیا اور ان کی جگہ دوسرا حکم کیوں آیا یہ جاہلانہ اعتراض ہے اللہ کا کوئی نبی اپنے پاس سے کوئی حکم نہیں لاسکتا اپنی حکمت کے موافق اللہ تعالیٰ احکام جاری فرما دیتا ہے پھر منسوخ فرما دیتا ہے نبی کو کوئی اختیار نہیں کہ اپنے پاس سے بدل دے یا منسوخ کر دے مخالفین جو یہ چاہتے ہیں کہ نبی ہماری مرضی کے مطابق حکم لائے یہ سفاهت اور ضلالت ہے سورۃ یونس میں فرمایا: (قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبْدِيَ لَكُمْ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي أَنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ)۔

لِحْلِ اجَلِ كِتَابٌ (ہر زمانہ کے لیے لکھے ہوئے احکام ہیں) یعنی گزشتہ امتوں کو جو احکام دیئے گئے وہ بھی حکمت کے مطابق تھے اور ان کے احوال کے مناسب تھے اور اب جو اس امت کو احکام دیئے جا رہے ہیں وہ بھی حکمت کے مطابق ہیں اور ان کے حالات کے مناسب ہیں۔

يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ مَا يُعِزُّ ۗ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ﴿۱۰﴾

اللہ جو چاہتا ہے محو فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے:

صاحب روح المعانی نے اس آیت کے ذیل میں بہت کچھ لکھا ہے اور مفسرین کے مختلف اقوال جمع کئے ہیں پہلی بات تو یہ لکھی ہے: ای ینسخ ما یشاء نسخہ من الاحکام لما تقضیہ الحکمة بحسب الوقت و یثبت بدلہ ما فیہ الحکمة او یبقیہ علی حالہ غیر منسوخ او یثبت ما یشاء اثباتہ مطلقاً اعم منها و من الانشاء ابتداء۔

یعنی اللہ تعالیٰ جن احکام کو چاہتا ہے منسوخ فرما دیتا ہے اور جن احکام کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے منسوخ نہیں فرماتا یہ مضمون: لِحْلِ اجَلِ كِتَابٌ کی ایک تفسیر کے موافق ہے صاحب معالم التنزیل نے ص ۲۲ ج ۳ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت قتادہ سے بھی یہ تفسیر نقل کی ہے۔ وقالو یمحو اللہ ما یشاء من الشرائع والفرائض فینسخہ و یبدلہ و یثبت ما یشاء منها فلا ینسخہ پھر صاحب روح المعانی نے حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے: یمحو بالتوبۃ جمیع الذنوب و یثبت بدل ذلک حسنات، یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے کی وجہ سے بندوں کے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور ان کے بدلہ نیکیاں لکھ دیتا ہے اور حضرت ابن عباسؓ اور ضحاکؓ سے نقل کیا ہے۔ یمحو امن دیوان الحفظۃ مالہ بس بحسنۃ ولا بسیء لانہم مامورون بکتب کل قول و فعل و یثبت ما هو حسنۃ او بسیء مطلب یہ ہے کہ جو فرشتے بنی آدم کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں وہ تو حسب حکم ہر قول اور ہر فعل کو لکھتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ شانہ نیکیوں اور برائیوں کو باقی رکھتا ہے اور جو اعمال نیکی یا بدی کے دائرہ میں نہیں آتے انہیں مٹا دیتا ہے پھر حضرت حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ اس سے بنی آدم کی اجل یعنی زندگی کے اوقات مقررہ مراد ہیں شب قدر میں ان لوگوں کی اجل دیوان اموات میں لکھی جاتی ہے جنہیں آئندہ

سال کے اندر موت آتی ہے اور زندوں کے دیوان سے ان کا نام مناد یا جاتا ہے

مفتی شفیع صاحب: يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۗ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۝ کی تشریح میں فرماتے ہیں۔ ام الکتب کے لفظی معنی اصل کتاب کے ہیں مراد اس سے وہ لوح محفوظ ہے جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا

معنی آیت کے یہ ہیں کہ حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے جس چیز کو چاہتا ہے منادیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت اور باقی رکھتا ہے اور اس محو و اثبات کے بعد جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے جس پر نہ کسی کی دسترس ہے نہ اس میں کوئی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

ائمہ تفسیر میں سے حضرت سعید بن جبیر اور قتادہ وغیرہ نے اس آیت کو بھی احکام و شرائع کے محو و اثبات یعنی منسوخ کے متعلق قرار دیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے مختلف رسولوں کے ذریعہ اپنی کتابیں بھیجتے ہیں جن میں احکام شریعت اور فرائض کا بیان ہوتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ سب احکام دائمی ہوں اور ہمیشہ باقی رہیں بلکہ قوموں کے حالات اور زمانے کے تغیرات کے مناسب اپنی حکمت کے ذریعہ جس حکم کو چاہتے ہیں منادیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ثابت اور باقی رکھتے ہیں اور اصل کتاب بہر حال ان کے پاس محفوظ ہے جس میں پہلے ہی سے یہ لکھا ہوا ہے کہ فلاں حکم جو فلاں قوم کے لیے نازل کیا گیا ہے یہ ایک میعاد کے لیے یا خاص حالات کی بنا پر ہے جب وہ میعاد گزر جائے یا وہ حالات بدل جائیں گے تو یہ حکم بھی بدل جائے گا اس ام الکتب میں اس کی میعاد اور وقت مقرر بھی پوری تعین کے ساتھ درج ہے اور یہ بھی کہ اس حکم کو بدل کو کونسا حکم لایا جائے گا اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ احکام خدا دنی کی کبھی منسوخ نہ ہونے چاہئیں کیونکہ کوئی حکم جاری کرنے کے بعد منسوخ کرنا علامت اس کی ہے کہ حکم جاری کرنے والے کو حالات کا اندازہ نہ تھا اس لیے حالات دیکھنے کے بعد اس کو منسوخ کرنا پڑا اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی شان اس سے بلند و بالا ہے کہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر ہو کیونکہ تقریر مذکور سے معلوم ہو گیا کہ جس حکم کو منسوخ کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف اتنی مدت کے لیے جاری کیا گیا ہے اس کے بعد بدلا جائے گا اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کسی مریض کا حال دیکھ کر کوئی حکیم یا ڈاکٹر ایک دوا اس وقت کے مناسب حال تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس دوا کا یہ اثر ہوگا اس کے بعد اس دوا کو بدل کر فلاں دوسری دوا دی جائے گی خلاصہ یہ ہے کہ اس تفسیر کے مطابق آیت میں محو و اثبات سے مراد احکام کا منسوخ ہونا اور باقی رہنا ہے۔

اور ائمہ تفسیر کی ایک جماعت سفیان ثوری دکنج وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے اس آیت کی دوسری تفسیر نقل کی جس میں مضمون آیت کو نوشتہ تقدیر کے متعلق قرار دیا ہے اور معنی آیت کے یہ بیان کئے گئے ہیں کہ قرآن وحدیث کی تصریحات کے مطابق مخلوقات کی تقدیریں اور ہر شخص کی عمر اور زندگی بھر میں ملنے والا رزق اور پیش آنے والی راحت یا مصیبت اور ان سب چیزوں کی مقداریں اللہ تعالیٰ نے ازل میں مخلوقات کی پیدائش سے بھی پہلے لکھی ہوئی ہیں پھر بچہ کی پیدائش کے وقت فرشتوں کو بھی لکھوا دیا جاتا ہے اور ہر سال شب قدر میں اس سال کے اندر پیش آنے والے معاملات کا چٹھا فرشتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر فرد مخلوق کی عمر رزق حرکات و سکنات سب متعین ہیں اور لکھے ہوئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اس نوشتہ تقدیر میں سے جس کو چاہتے ہیں منادیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں باقی رکھتے ہیں۔ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۝ یعنی اصل کتاب جس کے

مطابق محو اثبات کے بعد انجام کار عمل ہونا ہے وہ اللہ کے پاس ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔
 تشریح اس کی یہ ہے کہ بہت سی احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اعمال سے انسان کی عمر اور رزق بڑھ جاتے ہیں
 بعض سے گھٹ جاتے ہیں صحیح بخاری میں ہے کہ صلہ رحمی عمر میں زیادتی کا سبب بنتی ہے اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ بعض
 اوقات آدمی کوئی ایسا گناہ کرتا ہے کہ اس کے سبب رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور ماں باپ کی خدمت و اطاعت سے عمر بڑھ
 جاتی ہے اور تقدیر الہی کو کوئی چیز بجز دعاء کے نال نہیں سکتی

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عمر یا رزق وغیر کسی کی تقدیر میں لکھ دیے ہیں وہ بعض اعمال کی وجہ
 سے کم یا زیادہ ہو سکتے ہیں اور دعا کی وجہ سے بھی تقدیر بدلی جاسکتی ہے اس آیت میں اسی مضمون کا بیان اس طرح کیا گیا کہ
 کتاب تقدیر میں لکھی ہوئی عمر یا رزق یا مصیبت یا راحت وغیرہ میں جو تغیر و تبدل کسی عمل یا دعا کی وجہ سے ہوتا ہے اس سے مراد
 وہ کتاب ہے تقدیر ہے جو فرشتوں کے ہاتھ یا ان کے علم میں ہے اس میں بعض اوقات کوئی حکم کسی خاص شرط پر معلق ہوتا ہے
 جب وہ شرط نہ پائی جائے تو یہ حکم بھی نہیں رہتا اور پھر یہ شرط بعض اوقات تو تحریر میں لکھی ہوئی فرشتوں کے علم میں ہوتی ہے بعض
 اوقات لکھی نہیں ہوتی صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی ہے جب وہ حکم بدلا جاتا ہے تو سب حیرت میں رہ جاتے ہیں اس طرح کی
 تقدیر معلق کہلاتی ہے جس میں اس آیت کی تشریح کے مطابق محو اثبات ہوتا رہتا ہے لیکن آیت کے آخری جملہ وَعَمَّا نَسُوا لَمْ يَلْتَمِسْ
 بے تلامد یا کہ اس تقدیر معلق کے اوپر ایک تقدیر مبرم ہے جو ام الکتاب میں لکھی ہوئی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ صرف علم الہی
 کے لیے مخصوص ہے اس میں وہ احکام لکھے جاتے ہیں جو شرائط اعمال یا دعاء کے بعد آخری نتیجہ کے طور پر ہوتے ہیں اسی لیے وہ
 محو اثبات اور کمی بیشی سے بالکل بری ہے۔ (ابن کثیر)

وَأَنْ مَّا نُؤْتِيكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ

وَأَنْ مَّا نُؤْتِيكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ

کفر کا زوال اور اسلام کا اقبال:

(ربط) گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی شان محو اثبات اور صفت تغیر و تبدل کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں کفر کے
 زوال اور اسلام کے عروج اور اقبال کو بیان فرماتے ہیں کہ اس کے آثار شروع ہو گئے ہیں۔

نیز گزشتہ آیات میں کافروں پر دنیوی آفات اور مصائب کے نزول کی خبر دی تھی کما قال تعالیٰ: وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ
 كَفَرُوا تُصِيبُهُم مَّا صَنَعُوا قَارِعَةً وَتَحُلُّ قَرِيبًا مِنْ دَارِهِمُ الْخِزْيَانُ وَاللَّهُ مُرْسِلُ الْعَذَابِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
 وَلِ الْعَذَابِ الْآخِرَةِ أَشَقُّ اب ان آیات میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اب ان مواعید کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں ان منکرین
 نبوت کو چاہئے کہ کفر کے زوال اور اختلال کے عروج اور اقبال کے جو آثار من جانب اللہ نمودار ہو رہے ہیں نظر اٹھا
 کر ان کو دیکھیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر ان لوگوں کو آپ ﷺ کی نبوت میں اس بناء پر شبہ ہے کہ کفر و تکذیب کی بناء پر جس
 عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے وہ نازل کیوں نہیں ہوتا تو اس کے متعلق سن لیجئے۔

اسے نبی ﷺ! اگر ہم آپ ﷺ کو اس عذاب میں سے جس کا کافروں کو وعدہ دیتے ہیں اس کا کچھ حصہ آپ کو آپ کی
 زندگی ہی میں دکھلا دیں یعنی آپ ﷺ کی زندگی ہی میں ان پر کوئی عذاب نازل ہو جائے اور اہل کفر کی ذلت و خواری آپ

میں اپنے آنکھوں سے دیکھ لیں یا ان وعدوں کے وقوع سے پہلے آپ کو دنیا سے اٹھالیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے جانشینوں اور خادموں کے ہاتھ پر باقی ماندہ وعدوں کو پورا کریں، بہر حال جو بھی صورت ہو آپ ﷺ فکر میں نہ پڑیں آپ ﷺ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی بہر حال آپ کے ذمہ تو ہمارا پیغام پہنچانا ہے اور ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا اور ان کو سزا دینا خدا نے اسلام کی فتح و نصرت اور غلبہ کا اور کفر کی ذلت کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا خواہ دیر سے ہو یا سویرے سے باقی ان منکرین کو تاخیر اور مہلت سے بے خبر نہیں ہونا چاہئے کفر کے زوال اور اسلام کے عروج کے آثار شروع ہو گئے ہیں کیا یہ منکرین نبوت اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کفر کو اطراف و جوانب سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں دن بدن ملک میں اسلام بڑھتا اور پھیلتا جا رہا ہے اور کفر گھٹتا جا رہا ہے اور سرداران کفر اسلام کے حلقہ بگوش بنتے جا رہے ہیں اور روز بروز اسلام کی شوکت بڑھ رہی ہے اور کفر و شرک ذلیل و خوار ہو رہا ہے تو اعدائے اسلام اس سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ بعض مفسرین نے: **اَوْ لَعْنَةُ يَوْمِ اَنَا نَأْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا** سے فتوحات اسلامیہ مراد لی ہیں اس بناء پر ان کو اشکال پیش آیا کہ یہ سورت تو مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور ہجرت سے پہلے فتوحات اسلامیہ نہ تھیں تو اس اعتراض سے بچنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ یہ سورت مدنی ہے مگر آیت کا صحیح مطلب وہ ہے جو ہم نے عرض کیا اور اس پر یہ اشکال ہی وارد نہیں ہوتا کہ جواب کی ضرورت پیش آئے حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ علیہ نے اپنے اردو فائدہ میں اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ علیہ نے اپنے ذریعہ فائدہ میں اسی مطلب کا اختیار کیا وہی راجح اور مختار ہے اور اشکال سے خالی ہے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یعنی روز بروز شوکت اسلام بڑھیں عرب منتشر ہو دو دار الحرب ناقص می گردد از اطراف آں عامہ مفسرین ایس آیت رامدنی داند و نزدیک مترجم لازم نیست کہ مدنی باشد و مراد از نقصان دار، الحرب اسلام و غفار و جبیدہ و مزینہ و قبائل یمن است پیش از ہجرت، اعلیٰ۔

اور شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں ”ہم چلے آتے ہیں زمین پر گھٹائے یعنی اسلام پھیلتا جا رہا ہے عرب کے ملک میں اور کفر گھٹتا ہے“ ۱۰۱۔

مقصود اس آیت سے آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ اگر یہ معاندین آپ ﷺ کی نبوت اور دعوت کو قبول نہ کریں تو رنجیدہ نہ ہوں آپ ﷺ کا جو کام تھا وہ آپ ﷺ نے کر دیا اور آیت ہم عذاب فی الحیوة الدنیا یا یزال الذین کفروا **بِصِيبٍ** مبر صنوعا قارعة میں ہم نے عذاب کا وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے وقت پر آئے گا اس کا کچھ حصہ آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کو دکھادیں گے اور باقی ماندہ حصہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد پورا ہوگا آپ بے فکر رہیں قضاء الہی میں بعض فتوحات آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہی واقع ہونے والے تھے اور بعض آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر واقع ہونے والے تھے۔ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو وعدہ فتوحات اور غلبہ اسلام کا کیا اس کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے ان میں سے بعض دکھلا دیں گے اور بعض آپ ﷺ کے اٹھالینے کے بعد آپ کے خادموں کے ہاتھ پورے ہوں گے کیا مسلمانوں کو معلوم نہیں ہے کہ ہم دن بدن کفار کی زمین اطراف و جوانب سے کم کرتے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کا وارث بناتے جاتے ہیں۔

اور اللہ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے کوئی اس کے حکم کو پیچھے ہٹانے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے کافروں کو جلد سزا دے گا اور مؤمنوں کو جلد جزا دے گا اور یہ لوگ جو نبی کریم ﷺ اور اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں تو خوب سمجھ لیں کہ تحقیق گزشتہ کافروں نے بھی اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مکرو فریب کیا مگر سب بے کار گیا اس لیے کہ سب مکرو فریب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ مکر کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو ایسے طریقہ سے برائی پہنچانا کہ خبر نہ ہو سو یہ امر حقیقتاً اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کافروں کے مکر کو چلنے نہیں دے گا ہر شخص جو بھی کام اور تدبیر کرتا ہے اللہ اس کو خوب جانتا ہے اور یہ مکر کرنے والے اللہ کی ڈھیل سے دھوکہ میں نہ پڑیں ان کافروں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ دار آخرت کا اچھا انجام کس کے لیے ہے۔

اور کافر یہ کہتے ہیں کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے نہیں آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے انکار سے کیا ہوتا ہے میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے خداوند قدوس نے میری صداقت کے بڑے بڑے نشانات تم کو دکھائے، شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی گواہی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سچ کو بڑھاتا ہے اور جھوٹ کو مٹاتا ہے اور جس کے پاس کتاب الہی کا صحیح علم ہے۔ وہ بھی میری نبوت کا کوئی گواہ ہے یعنی جن یہودیوں اور عیسائیوں کو توریت اور انجیل کا صحیح اور واقعی علم ہے اور وہ طالب دنیا اور حق کو چھپانے والے نہیں تو وہ میری نبوت کو خوب جانتے ہیں چنانچہ ایسے یہودیوں اور عیسائیوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت دی قال اللہ تعالیٰ: **اولم یکن لہم ایۃ ان یعلمہ علموا بنی اسرائیل۔**

اللہم انی اشہد انک انت اللہ لا الہ الا انت و حدک لا شریک لک و اشہد ان سیدنا و مولانا محمد عبدک و رسولک ربنا اتنا بیا انزلتنا و اتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشاہدین و اخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علی الہ و اصحابہ اجمعین و علینا معهم یا رحم الراحمین۔

سُورَةُ اِبْرٰهِيْمَ

سُورَةُ اِبْرٰهِيْمَ
۱۴ آيَاتٍ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آيَاتُهَا ۱۴
رُكُوْعَاتُهَا ۷

سورہ ابراہیم مکہ میں اتری شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی ہاوں آیتیں ہیں اور سات رکوع

الرَّاتِ ۱ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِذَلِكَ هَذَا الْقُرْآنُ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ يَا مُحَمَّدٌ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ
الْكُفْرِ إِلَى النُّورِ ۲ الْإِيمَانِ يَا ذُنْ بِأَمْرِ رَبِّهِمْ وَيَبْدُلُ مِنَ إِلَى النُّورِ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْعَالِمِ
الْحَنِيدِ ۳ الْمُحْمُودِ اللَّهُ بِالْحَزْرِ بَدَلُ أَوْ عَطْفُ بَيَانٍ وَمَا بَعْدَهُ صِفَةٌ وَالرَّفْعُ مُبْتَدَأٌ خَيْرُهُ الَّذِي لَهُ مَا فِي
السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۴ مَلَكًا وَخَلْقًا وَعَبِيدًا ۵ وَيُلِيُّ لِلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۶ الَّذِينَ نَعَتْ
يَسْتَجِيبُونَ يَخْتَارُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْأٰخِرَةِ وَيَصُدُّونَ النَّاسَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ دِينِ الْإِسْلَامِ وَ
يَبْغُونَهَا أَيَّ السَّبِيلِ عِوَجًا ۷ مَعْرَاجَةٌ أَوْلِيكَ فِي ضَلَلٍ بَعِيدٍ ۸ عَنِ الْحَقِّ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا
بِلِسَانٍ بَلَّغَةٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۹ لِيَفْهَمَهُمْ مَا أَنشَأَ بِهِ فَيُحْمِلُ اللَّهُ مِنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۱۰ وَ
هُوَ الْعَزِيزُ فِي مَلِكِهِ الْحَكِيمُ ۱۱ فِي ضَعْفِهِ وَ لَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا التِّسْعِ وَقُلْنَا لَهُ أَنْ أَخْرِجْ
قَوْمَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الظُّلُمَاتِ الْكُفْرِ إِلَى النُّورِ الْإِيمَانِ وَذَكَرَهُمْ بِأَيْدِي اللَّهِ ۱۲ بِنِعْمِهِ إِنَّ فِي
ذَلِكَ لَتَذَكِيرٍ لَا يَتَّكِلُ لِكُلِّ صَبَّارٍ عَلَى الطَّاعَةِ شَكُورٍ ۱۳ لِلنِّعَمِ وَ اذْكُرْ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا
نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَ يُدَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ
الْمَوْلُودِينَ وَ يَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۱۴ لِقَوْلِ بَعْضِ الْكَاهِنَةِ أَنْ مَوْلَاذَا يُرَدُّ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ
يَكُونُ سَبَبَ ذَهَابِ مَلِكٍ فِرْعَوْنَ وَ فِي ذٰلِكَ الْاِنْجَابِ وَالْعَذَابِ بَلَاءٌ اِنْعَامٌ أَوْ اِبْتِلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ

عَظِيمٌ ۱۴

ترجمہ: التَّوْبَةُ (ان حروف کی مراد حق تعالیٰ ہی جانتے ہیں یہ قرآن) ایک کتاب ہے جو ہم نے اتاری (اسے عمن) آپ پر تاکہ آپ نکالو لوگوں کو اندھیروں (کفر) سے اجالے (ایمان) کی طرف انکے رب کے علم سے (الی النور) اور
 جملہ بدل واقع ہے) اس زبردست (غالب) اور خوبیوں والے (جس کی تعریف کی گئی ہو) کے راستہ (طریقہ) کی جانب وہ
 اللہ (لفظ اللہ کسور ہے بدل واقع ہونے کی وجہ سے یا عطف بیان کی وجہ سے اور مابعد کا جملہ اس کی صفت ہے اور اللہ کو مرفوع
 پڑھنے کی صورت میں مبتدا ہوگا اور اگلا جملہ اس کی خبر) ایسا ہے کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی
 کا ہے (مملوک مخلوق اور بندے ہونے کے اعتبار سے) اور مصیبت ہے کافروں کے لیے ایک سخت عذاب کی جو کہ (اگلا
 جملہ صفت واقع ہے) پسند کرتے ہیں (ترجیح دیتے ہیں دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر اور روکتے ہیں لوگوں کو اللہ کی
 راہ (دین اسلام) سے اور تلاش کرتے ہیں اس (راہ) میں کجی (میڑھا پن) یہی لوگ راستہ بھول کر دور جا پڑے (راہ حق
 سے) اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر اپنی قوم کی زبان (بولی) بونے والا تاکہ ان کو سمجھا کر (تاکہ اپنے پیغام کو ان کے
 ذہنوں میں اتار دے) پس گواہ کرتا ہے اور ہم نے موسیٰ کو بھیجا اپنی (نو) نشانیاں دے کر (اور ان سے کہا) کہ اپنی قوم (بنی
 اسرائیل کو) نکال اندھیرے سے (کفر) سے اجالے (ایمان) کی طرف اور یاد دلا انکو اللہ کے دن (اس کی نعمتوں کو) البتہ
 اس میں (یاد دہانی میں) نشانیاں ہیں اس کے لیے جو صبر کرنے والا ہے (اطاعت پر) شکر گزار ہے (نعمتوں پر) اور (اس
 وقت کو یاد کیجئے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر جب نجات دی تم کو فرعون کی قوم سے وہ
 پہنچاتے تھے تم کو برا عذاب اور ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں (پیدا ہونے والوں کو) اور زندہ رکھتے تھے (باقی رہنے دیتے
 تھے) تمہاری عورتوں کو (بعض کا ہنوں کی اس پیشینگوئی کی وجہ سے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو فرعون کی
 بادشاہت کے چلے جانے کا سبب بنے گا) اور اس (نجات اور سزا) میں بڑی مدد (انعام یا آزمائش) ہوئی تمہارے رب کی
 طرف سے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و شرح

قوله: هَذَا الْقُرْآنُ: کتاب مرفوع ہے اسلئے کہ وہ مبتدا، مخذوف کی خبر ہے نہ کہ وہ مبتداء ہے اور اَنْزَلْنَاهُ اسکی خبر ہے۔

قوله: اَوْ عَظُفٌ بَيِّنٌ: یعنی من العزیز کا یہ علم کی طرح ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں۔

قوله: يَخْتَارُونَ: یہ يَسْتَحِبُّونَ کی تفسیر ہے کسی چیز کو پسند کرنے والا وہ اپنے نفس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ چیز اس کو
 سب سے بڑھ کر محبوب ہو۔

قوله: السَّبِيلُ: يَبْغُوْنَهَا کی ضمیر مؤنث کی طرف لوٹتی ہے سبیل مذکر مؤنث آتا ہے۔

قوله: عَنِ الْحَقِّ: ضلال کی صفت بعد سے لائی گئی یہ اسناد و مجازی ہے بعد حقیقت میں گمراہ کے لئے ہوتا ہے۔

قوله: بِاللُّغَةِ: جسی قرآن زبان جبرائیل سے اترا ان کی زبان سے ہے۔ ان کی لغت میں اتارا۔

قوله: قُلْنَا لَهُ: اس کو قتل سے جوڑنے کے لئے مقدر مانا۔

قوله: يَنْعِمُ: ایام کا ذکر کیا اور مراد اس سے مظروف لیا۔

قوله: أَلَمْ لَوْ دِينٍ: سے مراد وہ بچے جو اس کے بعد پیدا ہوئے نہ کہ اس سے پہلے۔

قوله: يَسْتَبِقُونَ: سے تفسیر کر کے اشارہ کیا استمیا تو اختیار انسانی سے باہر ہے یہاں مراد باقی چھوڑنا۔

قوله: اعلم: (بتلایا) باب تفعیل یہ قبول اذن یا تکلف کے لئے یہاں نہیں۔

قوله: لَا أَعْدِبَنَّكُمْ: جزاء مخدوف ہے وہ اِنْ عَذَابِي لَشَدِيدٌ..... نہیں۔

تفسیر مقبولین

أَنْزَلْنَاهُ أَنْزَلْنَا لِيُخْرِجَ النَّاسَ

یعنی اس کتاب کی عظمت شان کا اندازہ اس بات سے کرنا چاہیے کہ ہم اس کے اتارنے والے اور آپ جیسی رفیع الشان شخصیت اس کی اٹھانے والی ہے اور مقصد بھی اس قدر اعلیٰ و ارفع ہے جس سے بلند تر کوئی مقصد نہیں ہو سکتا وہ یہ کہ خدا کے حکم و نونش سے تمام دنیا کے لوگوں کو خواہ عرب ہوں یا عجم، کالے ہوں، یا گورے، مزدور ہوں یا سرمایہ دار، بادشاہ ہوں یا رعایا۔ سب کو جہالت و ادہام کی گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر معرفت و بصیرت اور ایمان و ایقان کی روشنی میں کھڑا کرنے کی کوشش کی جائے۔

الَّذِينَ يَسْتَجِيبُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

کافروں کی صفات:

پھر کافروں کی تین صفات بیان فرمائیں اور وہ یہ ہیں کہ: الَّذِينَ يَسْتَجِيبُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ (اور یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا والی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور آخرت کے مقابلہ میں اسے ترجیح دیتے ہیں) ان کا یہ دنیا سے محبت کرنا اور آخرت کو نظر انداز کرنا ان کے کفر پر جسے رہنے کا باعث بنا ہوا ہے ان کی دوسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (یعنی وہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں) نہ خود ایمان لاتے ہیں نہ دوسروں کو ایمان لانے دیتے ہیں۔

تیسری صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا (کہ اللہ کی راہ میں کجی تلاش کرتے ہیں) یعنی یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے دین میں کوئی عیب نکالیں اور اس پر اعتراض کریں۔

ان لوگوں کی یہ حرکتیں بیان فرمایا کہ ارشاد فرمایا: أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ کہ یہ لوگ دور کی گمراہی میں ہیں راہ حق کا ان کے ہدایت سے دور پہنچ چکے ہیں۔ قال صاحب الروح والمراد انهم قد ضلوا عن الحق ووقعوا عنه بمراح۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رُسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کی زبان بولنے والے تھے:

اس آیت میں ایک بہت اہم بات بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں وہ سب اپنی اپنی قوموں کی زبان

میں ان سے بات کرتے تھے اور اپنی قوم کی زبان میں انہیں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاتے اور بیان فرماتے تھے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں تشریف لائے ان کی بیوی حوا بھی تشریف لائیں اور ان دونوں سے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی بھاری تعداد میں مرد اور عورت پیدا فرمائے۔ (وَبَنَّا مِنْهُمَا بَنَآءَ جَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً) حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت بڑھتی رہی پہلی ہی قبیلے بنتے چلے گئے مختلف زبانیں پیدا ہوتی چلی گئیں یہ زبانوں اور صورتوں کا مختلف ہونا اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں سورہ روم میں فرمایا: (وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ أَلْسِنَتِكُمْ وَاللَّوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالَمِينَ) (اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں کا اور زمین کا پیدا فرمانا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بے شک اس میں جاننے والوں کے لیے نشانیاں ہیں)۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے نبوت اور رسالت کا سلسلہ بھی جاری فرمایا ہدایت دینے کے لیے انبیاء کرام اور رسل عظام کو مبعوث فرمایا تعلیم و تبلیغ اور افادہ و استفادہ کا سب سے بڑا ذریعہ زبان ہی ہے جب زبانیں مختلف ہیں اور لوگوں کو ایمان کی دعوت دینا اور باری تعالیٰ شانہ کے احکام بیان کرنا اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے پیغمبروں کے سپرد فرمایا تو ظاہر ہے کہ ہر نبی کو وہی زبان ہونا ضروری ہوا جو زبان ان کے مخاطبین کی تھی لِيُبَيِّنَ لَهُمْ میں اس بات کو بیان فرمایا کہ جو بھی نبی آیا اس نے اپنی قوم سے انہیں کی زبان میں باتیں کیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنے وطن سے ہجرت کر کے ملک شام آباد ہو گئے تھے ان کا وطن سابق بابل کے قریب تھا وہاں جو بھی زبان بولتے ہوں ہجرت کر کے جب شام میں تشریف لے آئے اور وہاں کے لوگوں میں شادی کر لی اور ان لوگوں کی زبان سیکھ لی تو نبوت سے سرفراز ہو کر انہی کی زبان میں تبلیغ فرماتے اور حق کی دعوت دیتے تھے مطلب یہ نہیں ہے کہ رسول اپنی قوم کی زبان کے علاوہ دوسری زبان نہیں جانتے تھے مطلب یہ ہے کہ جس قوم کی طرف بعث ہوئی ان کی زبان جانتے تھے بعض لوگوں نے جو حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں اشکال کیا ہے کہ وہ دوسرے ملک سے آکر آباد ہوئے تھے پھر آیت کے عموم میں کیسے داخل ہوئے یہ اشکال کوئی دزن نہیں رکھتا کیونکہ جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے ان کی زبان جاننا دعوت و تبلیغ کے لیے کافی ہے۔

محمد رسول اللہ کی بعثت عامہ اور عربی زبان میں قرآن نازل ہونے اور نماز و اذان مشروع ہونے کی حکمت:

سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) سے پہلے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے وہ کسی خاص قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے تمام انسانوں کی طرف ان کی بعثت نہیں ہوتی تھی۔ (کما قال النبی: ((وكان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعث الی الناس عامۃ)) (صحیح بخاری) آپ کی بعثت سارے زمانوں کے لیے سارے جنات کیلئے اور سارے انسانوں کے لیے ہے چونکہ آپ کے مخاطبین اولین اہل عرب ہی تھے اس لیے آپ بھی اپنی قوم کی زبان میں خطب فرماتے تھے اور قرآن مجید بھی عربی زبان میں نازل ہوا پھر عربی زبان کی بلاغت اور لطافت ایسی ہے جو دوسری کسی زبان میں نہیں ہے اس میں الفاظ بھی ثقیل نہیں ہیں جیسا کہ انگریزی اور سنسکرت وغیرہ میں ہیں اور اس زبان کا سیکھنا بھی آسان ہے اور معجزہ کی جو شان عربی زبان میں ہے وہ دوسری زبانوں میں نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے محمد عربی کو خاتم الانبیاء بنایا اور اپنی آخری کتاب بھی عربی زبان میں نازل فرمائی چونکہ سارے انسان خاتم الانبیاء (ﷺ) کی امت دعوت ہیں اس لیے امت کی وحدت قائم رکھنے کے لیے کسی ایک ہی

زبان میں آخری کتاب کا نازل ہونا ضروری تھا اور اپنی لطافت فصاحت و بلاغت اور معجزہ ہونے کے اعتبار سے عربی زبان ہی کو برزی حاصل تھی اور اب بھی ہے اس لیے عربی ہی کو ساری امت کی مرکزی زبان قرار دیا گیا اگر ہر علاقے کے رہنے والوں کی زبانوں میں الگ کتاب اللہ ہوتی تو پوری امت کی مرکزیت اور وحدت کی صورت نہ بنتی جیسے کہ قرآن مجید کے معانی کا جاننا اور سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا مطلوب ہے اسی طرح اس کے الفاظ کا یاد رکھنا پڑھنا پڑھانا تلاوت کرنا بھی مطلوب ہے جیسا اس کے احکام پر عمل کرنے سے ثواب ملتا ہے ایسا ہی اس کے الفاظ کی تلاوت کرنے پر بھی اجر ملتا ہے۔ زبان کی سلاست اور لطافت جو عربی زبان میں ہے وہ کسی دوسری زبان میں نہیں ہے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اسے حفظ کر لیتے ہیں اور بوڑھے لوگ بھی یاد کر لیتے ہیں اس کے حروف بھی ایسے ہیں جنہیں سب ادا کر سکتے ہیں (اگرچہ بعض حروف کی ادائیگی میں ذرا محنت اور مشق کرنے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ادا سب ہو جاتے ہیں) برخلاف اس کے بعض زبانوں کے حروف ایسے ہیں کہ دیگر عاقوں کے باشندوں سے ادا نہیں ہوتے مثلاً (ژ) اور (ڈ) اہل عرب ادا نہیں کر سکتے اس لیے عربی زبان ہی کو اسلامی عربی زبان قرار دیا گیا قرآن بھی اسی زبان میں نازل ہوا نماز بھی اسی زبان میں پڑھی جاتی ہے اور اذان بھی اسی زبان میں دی جاتی ہے۔

پھر چونکہ اہل استطاعت پر حج کرنا بھی فرض ہے اس کے لیے مکہ معظمہ آنا پڑتا ہے اور یہاں اہل عرب سے واسطہ پڑنا ضروری ہے اس لیے بھی مسلمانوں کے لیے مرکزی عالمی زبان عربی ہی ہونا ضروری ہوا۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ذمہ داری حق پہنچانے اور حق سمجھانے کی تھی رہا ہدایت دینا تو یہ اللہ جل شانہ کی قضاء و قدر اور ارادہ سے متعلق ہے اسی لیے فرمایا: **فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ** یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوموں کی زبانوں میں بیان فرماتے تھے اس کے بعد اللہ نے جس کو چاہا گمراہی پر باقی رکھا اور جس کو چاہا ہدایت دی۔ **فان صاحب الروح ص ۱۸۲ ج ۱۳** **كانه قيل فينوا لهم فاضل الله تعالى من شاء اضلا له وهدى من شاء هدايته حسب ما اقتضته حكمته تعالى البالغة۔**

آیت کے ختم پر فرمایا: **(وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝)** اور وہ غالب ہے وہ جو چاہے وہی ہوگا اور وہ حکمت والا بھی ہے وہ اپنی حکمت کے موافق فیصلے فرماتا ہے اس کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَ لَئِن كَفَرْتُمْ أَجْزَلُكُمْ
النِّعْمَةَ بِالْكَفْرِ وَالْمَعْصِيَةَ لَأُعَذِّبَنَّكُمْ ذَلَّ عَلَيْهِ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝ وَقَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ تَكْفُرًا
أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ مِنْ خَلْقِهِ حَمِيدٌ ۝ مَحْمُودٌ فِي ضُنْبِهِ بِهِمْ أَلَمْ يَأْتِكُمْ
إِسْتَفْهَامُ تَقْرِيرِ نَبْوَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ قَوْمِ هُودٍ وَشُعُوبٍ قَوْمِ صَالِحٍ وَالَّذِينَ مِنْ
بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ لِكَثْرَتِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ بِالْحَجَجِ الْوَضِيعَةِ عَلَى
صُدُقِهِمْ فَرَدُّوا أَيْ الْأُمَّمَ أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ أَيْ إِلَيْهَا لِيُعْضُوا عَلَيْهَا مِنْ شِدَّةِ الْغَيْظِ وَقَالُوا إِنَّا

كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ عَلَىٰ زَعْمِكُمْ وَإِنَّا لَفِي شَكِّ مِمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝ مُؤَنِّعٌ لِلزَّيْنَةِ قَالَتْ
 رُسُلُهُمْ أِنِّي اللَّهُ شَكَّ اسْتَفْهَامِ انْكَارِ أَيْ لَا شَكَّ فِي تَوْحِيدِهِ لِلدَّلَائِلِ الظَّاهِرَةِ عَلَيْهِ فَاطِرِ خَالِقِ
 السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ يَدْعُوكُمْ إِلَى طَاعَتِهِ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ ۖ مِنْ زَائِدَةٍ فَإِنَّ الْإِسْلَامَ يُغْفِرُ بِهِ
 مَا قَبْلَهُ أَوْ تَجْعِلُضِيَةً لِإِخْرَاجِ حُفُوقِ الْعِبَادِ وَيُؤَخِّرُكُمْ بِإِلَاحِ عَذَابٍ إِلَىٰ آجَلٍ مَّسْتَوًى ۚ آجَلِ الْمَوْتِ
 قَالُوا إِنَّمَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيدُونَ أَن تَصُدُّونَا عَنَّا كَمَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا مِنَ الْأَضْنَامِ
 قَاتُونَا بِسُلْطِينَ صَبِيحِينَ ۝ حُجَّةَ ظَاهِرَةِ عَلَىٰ صِدْقِكُمْ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنَّمَا نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ
 مِّثْلُكُمْ كَمَا قُلْتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ بِالنَّبُوءَةِ وَمَا كَانَ مَا يَنْبَغِي لَنَا أَنْ
 نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطِينَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ بِأَمْرِهِ لِأَنَّا عِبِيدٌ مَّرْبُوبُونَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝
 يَتَّقُوا بِهِ وَمَا لَنَا إِلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ أَيْ لَا مَانِعَ لَنَا مِنْ ذَلِكَ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنْصَبِرَنَّ عَلَىٰ مَا

أَذِيتُونَا ۚ عَلَىٰ أَذَاكُمْ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝

ترجمہ: اور جب تمہارے پروردگار نے سنا دیا (اطلاع دی) اگر تم نے شکر کیا (میری نعمتوں کا اللہ کو ایک مان کر اور
 فرمانبرداری کر کے) تو اور بھی دوں گا اور اگر ناشکری کی (کفر و نافرمانی کر کے نعمت کو ٹھکرایا تو میں تمہیں ضرور سزا دوں گا اگلے
 جملہ اس مفہوم پر دلالت کرتا ہے) تو میرا عذاب البتہ سخت ہے اور سوسلی نے کہا (اپنی قوم سے) اور اگر کفر کر دے تم اور وہ لوگ
 جو زمین میں ہیں سارے تو اللہ بے پروا ہے (اپنی مخلوق سے) سب خوبیوں والا ہے (بندوں کے ساتھ برتاؤ میں خوبیوں کا
 مالک ہے) کیا نہیں پہنچی تم کو (استفہام تقریر ہے) ان لوگوں کی خبر جو پہلے تھے تم سے قوم نوح و عباد (قوم ہود) اور قوم
 ثمود (صالح کی قوم) اور جو ان کے بعد ہوئیں کسی کو ان کی خبر نہیں مگر اللہ کو (ان کی کثرت کی وجہ سے) انکے پاس ان کے رہوں
 نشانیاں لے کر آئے روشن دلیلوں کے ساتھ (اپنی سچائی پر) سو ان قوموں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دیدیے (یعنی غصہ
 سے ہاتھ کاٹ لئے) اور کہا (بقول تمہارے) جو بات تم لے کر آئے ہو اس سے ہمیں انکار ہے اور جس بات کی طرف تم
 بلا تے ہو ہمیں اس پر یقین ہیں (ہم شک و شبہ میں پڑ گئے ہیں) ان پیغمبروں نے کہا کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک
 ہے؟ (استفہام انکاری ہے) یعنی خدا تعالیٰ کی توحید میں کھلے دلائل کی وجہ سے شک نہ ہونا چاہئے) جو بنانے والا (پیدا کرنے
 والا ہے) آسمانوں اور زمین کا وہ تم کو بلاتا ہے (اپنی اطاعت کی جانب) تاکہ معاف کرے تمہارے کچھ گناہ (من زائدہ ہے،
 کیوں کہ اسلام سے ساہجہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا من تجعزیہ ہے، حقوق العباد کو خارج کرنے کے لئے) اور ڈھیل دے تم
 کو (بغیر عذاب دیئے) ایک مدت معینہ (مرنے کے وقت) تک کہنے لگے تم تو ہم ہی جیسے آدمی ہو، تم چاہتے ہو کہ روک دو ہم کو

بن چیزوں سے جن کو پوچھا ہمارے باپ دادا کرتے رہے (بت مراد ہیں) سوائے کوئی کھلی ہوئی سندر (واضح دلیل اپنی صداقت پر) احسان کرتا ہے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے (نبوت سے کر) اور ہمارے لیے (مناسب) نہیں ہے کہ لے آئیں تمہارے پاس سند مگر اللہ کی اجازت (حکم) سے (کیوں کہ ہم اس کے پروردہ بندے ہیں) اور اللہ ہی پر بھروسہ (اعتماد) کرنا چاہئے ایمان والوں کو اور ہم کو کیا ہوا کہ بھروسہ نہ کریں اللہ پر (یعنی اللہ پر بھروسہ کرنے سے کوئی چیز ہمارے لئے رکاوٹ بننے والی نہیں ہے) حالانکہ وہ دکھا چکا ہم کو ہماری راہیں اور ہم ضرور صبر کریں گے اس ایذا (تکلیف) پر جو تم ہمیں پہنچاتے ہو اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے بھروسہ کرنے والوں کو۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **إِلَيْهَا**: یہاں فی یہ لام کے معنی میں ہے۔
 قولہ: **لِيُعْضُوا عَلَيْهَا**: دونوں ضمیریں کفار کے لئے یہ نہیں کہ دوسری ضمیر افواہم کی رسولوں کی طرف ہے۔ جس کا معنی یہ بنتا ہے کفار نے رسولوں کو کلام سے روکنے کے لئے اپنے ہاتھ ان کے مونہوں پر رکھ دیے۔ پہلے قول: **عَضُوا عَلَيْكُمْ** الا فاعل الابه کے موافق ہے۔
 قولہ: **من ارضنا**: یعنی انہوں نے دو باتوں پر قسم اٹھائی کہ ان میں سے ایک ضرور ہے۔

تفسیر مقبولین

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ.....

شکر نعمت اور اس کی صورتیں:

شکر نعمت ایک اہم مطلوب ہے جس میں سب سے پہلا درجہ اقرار نعمت کا ہے۔ اس طرح کبزل میں بھی اس کا احساس دہین ہو اور زبان و بیان سے بھی اس کا اقرار و اظہار کہ یہ نعمت اللہ ہی کی عطا فرمودہ اور صرف اسی کی بخش ہوئی ہے۔ اور پھر اس نعمت کو صرف و خراج بھی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لیے اور اس کی ہدایت و تعلیم کے مطابق کرے۔ یہ سب شکر نعمت میں داخل ہے۔ سو شکر نعمت بذات خود ایک عظیم الشان نعمت ہے کہ اس سے نعمتوں میں برکت نصیب ہوتی ہے اور ان کی حفاظت ہوتی اور ان کو بقاء ملتی اور دوام نصیب ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑی نعمت ایمان و ہدایت کی نعمت ہے جو انسان کو دارین کی سعادت و برتر روی سے سرفراز و بہرہ ور کرتی ہے۔ اللہ اپنے فضل و کرم سے اپنی بخشش ہوئی ہدایت ایمان کی اس عظیم الشان دے مثال نعمت اور اس کے علاوہ دوسری ان نعمتوں کے شکر کی توفیق بخشے جن کا احاطہ و ادراک بھی اس وحدہ لا شریک کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔
 فلك الحمد والشكر ياربى حتى ترضى ولك الحمد والشكر بعد ماتر ضى والى ان نتشرف برؤيتك
 ولتفانك۔

کفران نعمت باعث وبال و نکال:

پس کفران نعمت اور ناشکری تمہارے لیے وبال و نکال کا باعث بنے گی، سو اس طرح ناشکری اور کفران نعمت کا نقصان خود تم ہی کو پہنچے گا اور اس کا بھگتنا تم ہی کو بھگتنا ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ اور کفران نعمت خداوندی کے جو دو کسمان سے بھی ہوتا ہے اور کفر و معصیت کے ارتکاب سے بھی۔ (ابن کثیر، مغرۃ القاسم وغیرہ) بہر کیف کفران نعمت کا نتیجہ و انجام بہت برا ہے۔ اور یہ چیز انسان کے لیے بڑے وبال و نکال کا باعث اور ذریعہ بن جاتی ہے۔

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرًا.....

یعنی کفار فرط غیظ سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگے جیسے دوسری جگہ ہے: عَصُؤا عَلَیْكُمْ الْاِکَامِلَ مِنَ الْغَیْطِ یَا اَنْبِیَاءَ کِی باتیں سن کر فرط تعجب سے ہاتھ منہ پر رکھ لیے، یا ہاتھ منہ کی طرف لے جا کر اشارہ کیا کہ بس چپ رہیے یا ہماری اس زبان سے اس جواب کے سوا کوئی توقع نہ رکھو جو آگے آ رہا ہے۔ یا پیغمبر کی باتیں سن کر ہتے تھے اور کبھی انہی دبانے کو منہ پر ہاتھ رکھ لینے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اَیْدِیْہُمْ کی ضمیر کفار کی طرف اور اَفْوَاهِہُمْ کی رسل کی طرف راجع ہو، یعنی ملعونوں نے اپنے ہاتھ و پیغمبروں کے منہ میں اڑا دیے کہ وہ بالکل بول نہ سکیں یا دونوں ضمیریں رسل کی طرف ہوں یعنی گستاخانہ طور پر انبیاء کے ہاتھ پکڑ کر انہی کے منہ میں ٹھونس دیے بعض کے نزدیک یہاں ایدی سے مراد نعمتیں ہیں۔ یعنی جو عظیم الشان نعمتیں انبیاء نے پیش کی تھیں، مثلاً شرائع الہیہ وغیرہ وہ ناقدری سے ان ہی کی طرف لوٹادیں کسی کو قبول نہ کیا جیسے ہمارے محاورات میں کہتے ہیں کہ میں نے فلاں شخص کی چیز اس کے منہ پر ماری۔ بہر حال کوئی معنی یہ جا میں سب کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے نعمت خداوندی کی ناقدری کی اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول نہ کی ان کے ساتھ بڑی بے رحمی بلکہ گستاخی سے پیش آئے۔ بہر کیف اس سے اس عناد اور ہٹ دھرمی کا پتہ چلتا ہے اور اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس سے اہل باطل نے حضرات انبیاء کرام کے مقابلے میں کام لیا۔ سو اس میں ایک طرف تو اہل حق اور خاص کر دعاۃ حق کے لیے تسکین و تسلیہ کا سامان ہے کہ اہل فکر و ہاٹل سے آج ان کو جس دکھ اور دلاؤ آزار سلوک سے واسطہ پڑ رہا ہے یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں۔ بلکہ اس سے پہلے بھی ایسے ہی ہوتا آیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرات نبیائے کرام کی قدسی صفات ہستیوں سے بھی یہی کچھ ہوتا آیا ہے۔ اور دوسری طرف اس میں منکرین و مکذبین کے لیے تنبیہ و تہدید بھی ہے کہ اگر تم لوگ تکذیب و انکار کی اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو آخر کار تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو اس سے پہلے کے منکرین و مکذبین کا ہو چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا قانون سب کے لیے ایک اور یکساں و بے لاگ ہے۔ سبحانہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنی رضای کی راہوں پر چلنا نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وَقَالُوا اِنَّا لَنُکْفِرُنَا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِہٖ وَاِنَّا لَنُفِیْ شَیْءٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ مُرِیْبٍ ۝۱

دعوت حق سے اعراض و روگردانی کا نتیجہ متعلق واضطراب:

ان لوگوں نے پیغمبروں سے کہا کہ ہم یقیناً تمہاری دعوت کی بناء پر سخت اضطراب انگیز شک میں پڑے ہیں۔ اور یہ دعوت حق کی ایک خصوصیت اور اس کی امتیازی شان ہے کہ اس کا انکار کرنے اور اس سے منہ موڑنے والوں کا اس کوں و اطمینان غارت ہو جاتا ہے۔ اور ایک ایسا کاٹنا ان کے دلوں میں لگ جاتا ہے جو برابر نہیں چھتارہتا ہے۔ اور اس طرح:

لوگ ایک داخل کرب اور قلبی قلق و اضطراب کے نقد عذاب میں مبتلا رہتے ہیں جبکہ حق سے محرومی کا اصل عذاب آخرت میں ہوگا جو کہ بڑا سخت، انتہائی کربناک اور سواکن ہوگا۔ جیسا کہ دوسرے مقامات پر فرمایا گیا: (ولعذاب الاخرۃ اکبر) نیز فرمایا گیا (ولعذاب الاخرۃ اشق) نیز فرمایا گیا: (ولعذاب الاخرۃ اخزى)۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ جبکہ اس کے برعکس دعوت حق کو قبول کرنے اور اس کے مطابق ذکر و یاد خدا دینی میں مصروف ہو جانے سے دلوں کو سکون و اطمینان کی وہ عظیم الشان اور بے مثال دولت نصیب ہوتی ہے جو دنیا کے کسی بازار اور منڈی میں نہیں مل سکتی، اور جس کے لیے دنیا ماری ماری پھرتی اور طرح طرح کے جتن کرتی ہے۔ وہ ایمان والوں کو مفت اور اس قدر ارزانی اور سہولت سے ملتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: (الابد کر اللہ تطمنن القلوب) (الرعد: ۲۸) یعنی آگاہ رہے اے لوگو! کہ اللہ کے ذکر ہی سے اطمینان ملتا ہے دلوں کو۔ وباللہ التوفیق۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوْدَنَّ لِنُصِیْرِنَ فِي مِلَّتِنَا ۚ إِنَّ دِیْنََنَا قَاوِمٌ
إِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِیْنَ ۝ الْكَاْفِرِیْنَ وَ لَنُكْسِكَنَّكُمْ الْاَرْضَ اَوْضَهُمْ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ بَعْدَ
هَلَاكِهِمْ ذٰلِكَ النَّصْرُ وَاٰثْرَاتُ الْاَرْضِ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ اٰی مَقَامَهٗ بَیْنَ یَدَیْ وَ خَافَ وَعَبِیْدٌ ۝
بِالْعَذَابِ وَاَسْتَفْتَحُوْا اِسْتَنْصَرَ الرَّسُلَ بِاللّٰهِ عَلٰی قَوْمِهِمْ وَ خَابَ خَسِرَ كُلُّ جَبَّارٍ مُّكْبِرٍ عَنْ طَاعَةِ
اللّٰهِ عَنِیْدٌ ۝ مُّعَانِدٌ لِلْحَقِّ مِّنْ وَّرَآئِهِ اٰی اٰمَانِهٖ جَهَنَّمُ یَدْخُلُهَا وَ یُسْقٰی فِیْهَا مِنْ مَّاءٍ صَدِیْدٍ ۝
هُوَ مَاءٌ یَّسْبِغُ مِنْ حَوْفِ اَهْلِ النَّارِ مُخْتَلِطًا بِالْفَحِیْحِ وَ الدَّمِ یَتَجَرَّعُهُ یَبْتَلَعُهُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ لِّمُرَارَتِهٖ وَ لَا
یَكَادُ یَسْبِغُهُ یَزِدُّهُ لِقُبْحِهٖ وَ كَرَاهَتِهٖ وَ یَأْتِیْهِ الْمَوْتُ اٰی اَسْبَابِهٖ الْمُفْتَضِیْةُ لَهُ مِنْ اَنْوَاعِ الْعَذَابِ مِنْ
كُلِّ مَكَانٍ وَ مَا هُوَ بِسَبِیْتٍ ۚ وَ مِنْ وَّرَآئِهِ بَعْدَ ذٰلِكَ الْعَذَابِ عَذَابٌ عَلِیْظٌ ۝ قَوِیُّ مُتَّصِلٌ مِّثْلُ
صِفَةِ الدِّیْنِ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ مُّبْتَدِئًا وَ یَبْدُلُ مِنْهُ اَعْمَالُهُمُ الصَّالِحَةُ كَصِلَةِ وَ صَدَقَةِ فَبِیْ عَدَمِ الْاِثْنَاعِ
بِهَا كَرَمَادٍ اِسْتَدَّتْ بِهٖ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ ۚ شَدِیْدٌ هُوْبُ الرِّیْحِ فَجَعَلْتُهُ هَبَاءً مُّتَشَوِّرًا اَلَّا یُقْدِرَ
عَلَيْهِ وَ الْمَجْرُوْرُ خَبِیْرٌ مُّبْتَدِئًا لَا یُقْدِرُوْنَ اٰی الْكُفَّارِ مِمَّا كَسَبُوْا عَمِلُوْا فِی الدُّنْیَا عَلٰی شَیْءٍ ۚ اٰی
لَا یَجِدُوْنَ لَهُ نُوَابًا لِّعَدَمِ شَرْطِهٖ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْهَلَاكُ الْبَعِیْدُ ۝ اَلَمْ تَرَ تَنْظُرُ یَا مُخَاطَبًا اِسْتَفْتَاهُمْ
تَقْرِیْرٌ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ مُتَعَلِّقٌ بِخَلْقِ اِنْ یَّشَآءُ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ
جَدِیْدٍ ۝ بِذٰلِكُمْ وَ مَا ذٰلِكَ عَلٰی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ۝ شَدِیْدٌ وَ بَرُوْرًا اٰی الْخَلَائِقِ وَ التَّعْبِیْرِ رَبِّهِ وَ بَیْنَا

بَعْدَهُ بِالْمَاضِي لِتَحَقُّقِ زَوْجِهِ لِيَهِيَ جَمِيعًا فَقَالَ الضَّعْفُ الْآتِبَاعُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا الْمُتَّبِعِينَ لَكَ
 كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا جَمْعُ تَابِعٍ فَهَلْ أَنْتُمْ مُعْتَبَرُونَ دَافِعُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ مِنَ الْأُولَى
 لِلْبُعِينِ وَالنَّابِئَةِ لِلْبُعِيضِ قَالُوا أَيُّ الْمُتَّبِعُونَ لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ لَدَعَوْنَاكُمْ إِلَى الْهَلَاكِ
 سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْرُنَا أَمْ صَبْرُنَا مَا لَنَا مِنَ الرَّئِثَةِ فَحَيْصٌ ۗ مَلَجًا

ترجمہ: اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں کو ہم نکال دیں گے تم کو اپنی زمین سے یا لوٹ آؤ ہماری ملت میں (ہمارے دین میں آ جاؤ) تب تم بھی جان کو ان کے رب نے کہ ہم غارت کریں گے ان ظالموں (کافروں) کو اور آباد کریں گے تم کو اس زمین میں (انکی زمین میں) ان کے بعد (ان کے ہلاک ہو جانے کے بعد) یہ (نصرت اور زمین کا وارث بنا دینا) اس کے لیے ہے جوڑتا ہو میرے سامنے کھڑے ہونے سے (یعنی اس کا کھڑا ہونا میرے سامنے) اور ڈرتا میرے (عذاب) کے وعدے سے اور فتح طلب کی (مدد مانگی رسولوں نے اللہ سے اپنی قوم کے مقابلہ میں) اور نامراد ہوا (خسارے میں پڑ گیا) ہر سرکش (اللہ کی اطاعت سے) اور ضدی (حق کا مخالف) اس کے آگے (سامنے) جہنم ہے (جس میں وہ داخل ہوگا) اور ایسا پانی پینے کو (دہاں) دیا جائے گا جو لہو اور پیپ ہوگا (جو پانی جہنمیوں کے پیٹ سے بہتا ہوگا اور خون پیپ سے ملا ہوا ہوگا) اور وہ گھونٹ گھونٹ کر کے حلق سے نیچے اتارنے کی کوشش کرے گا (اور گلے سے نہیں اتار سکے گا) (ناگوار اور برا ہونے کی وجہ سے نکلنے کی کوشش کرے گا) اور اس پر موت آئیگی (اسباب موت طرح طرح عذاب کی شکل میں) ہر طرف سے آئیں گے مگر وہ کسی مرے گا نہیں اور پھر اس کے پیچھے (اس عذاب کے بعد) ایک سخت عذاب کا سامنا ہوگا (جو زبردست اور مسلسل ہوگا) جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا (یہ مبتدا ہے آگے بدل ہے) ان کے نیک (نیک) اعمال (جیسے صلہ رحمی، صدقہ، بیکار ہونے میں ان) کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ کا ڈھیر کہ تیز آندھی کے دن تیزی کے ساتھ ہوا اڑا کر لے جائے (تیز دند ہوا اسے اڑا کر صاف کر دے کہ اس کا نام و نشان تک نہ مل سکے، اور مجرور مبتداء کی خبر ہے) انکے ہاتھ نہ لگا (یعنی کفار کے) اپنی کمائی میں سے (دنیا میں جہ کام کیے) کچھ بھی (یعنی ثواب نہیں پائیں گے ثواب ملنے کی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے) بھی ہے بہک کر (ہلاک ہو کر) دور جا پڑنا کیا تو نے نہیں دیکھا (اے مخاطب! استفہام تقریر ہے) کہ اللہ نے بنائے آسمان اور زمین بالکل ٹھیک ٹھیک (خلق کا متعلق) اگر چاہے تم کو لے جائے اور لائے کوئی نئی مخلوق (تمہاری جگہ) اور یہ اللہ کے لئے کچھ مشکل سخت) نہیں اور اللہ کے سامنے پیش ہوں گے (ساری مخلوق یہاں اور اس کے بعد ماضی کا لفظ لانا اس کا واقعی اور یقینی ہونے کی وجہ سے ہے) پھر کہیں گے کمزور (بیرونی کرنے والے) بڑی کرنے والوں کو پیشواؤں کو (ہم تمہارے پیچھے چلنے والے تھے) (تبع تابع کی جمع ہے) تو کیا آج تم اللہ کے عذاب سے ہمارا کچھ بچاؤ کر سکتے ہیں؟ (پہلا من بیان ہے اور دوسرا جمع ہے) وہ (پیشوا) کہیں گے اگر اللہ ہم کو ہدایت دیتا تو ہم بھی تم کو راستہ دکھاتے (تمہیں ہدایت کے راستے کی جانب دعوت دیتے) اب برابر ہے ہمارے حق میں ہم بے قراری کریں یا صبر کریں ہمارا چھٹکارا (جائے پنہ) نہیں ہے (من زائدہ ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: لَتَصِيْرُنَّ: یہاں العود میرورت کے معنی میں ہے۔
- قوله: أَرْضَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ الارض میں الف لام عہد کا ہے اور مخاطبین کی زمین مراد۔
- قوله: بَعْدَ هَلَاكِهَمْ: اس سے اشارہ کیا مضاف محذوف ہے اور وہ ہلاک ہے۔
- قوله: مَقَامَهُ: مقام کی اضافت ذات باری تعالیٰ کی طرف ادنیٰ ملاہست کی وجہ سے ہے اور وہ بین ید یہ ہے۔
- قوله: أَمَامِهِ: یہاں وراء امام کے معنی میں ہے نہ خلف کے۔
- قوله: يَدِ خُلَاهَا: اس سے اشارہ ہے سستی کا عطف محذوف پر ہے تقدیر یہ ہے ید ظلھا و سستی۔
- قوله: فِيهَا: اس کو مقدر مانا کیونکہ جملہ معطوفہ میں ایک ضمیر معطوفہ علیہا جملہ کی طرف عائد چاہئے۔
- قوله: يَزْدِرِدُهُ: از در او پانی وغیرہ کا طلق سے سہولت سے گزرتا اور نفس کا اسے قبول کرنا۔
- قوله: مِنْ كُلِّ مَكَانٍ: یہ مَکَانَ یہاں جہت و طرف کے معنی میں ہے۔
- قوله: بَعْدَ ذَلِكَ الْعَذَابِ: یہاں وراء یہ امام کے معنی میں نہیں بلکہ بعد اور پیچھے کے معنی میں ہے۔
- قوله: فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ: یوم کی نسبت عاصف کی طرف بخارہ صائم کی قسم سے ہے یہ مجرد مبتداء محذوف کی خبر ہے نہ یہ کہ اس کی خبر محذوف اور مجرد جملہ مستانفہ ہے۔
- قوله: لَا يَجِدُونَ لَهُ ثَوَابًا: ثوابا کی قید بڑھا کر اشارہ کہ یہ قدر رون یہاں سجدون کے معنی میں ہے اور کفار ثواب سے محروم ہوں گے عدل قدرت میں تو تمام ہی شریک ہوں گے۔
- قوله: تَنْظُرُ: یہاں تری۔ سے روایت بصر مراد ہے نہ قلب آیف مفعول پر اکتفاء ہے۔
- قوله: الْأَتْبَاعُ: یہاں وہ پیروکار مراد ہیں جو ان کے مخالف ہوں گے نہ کہ معاون۔ اتباع جمع تابع ہے۔
- قوله: مِنَ الْأُولَى: پہلا میں مابعد کا بیان اور وہ لفظ شئی ہے جو کہ مفعول سے حال کی جگہ ہے گویا کہا: فہل انتم مغنون عنا بعض الشئی الذی هو العذاب۔
- قوله: لَدَعَوْنَاكُمْ: یہاں ہدایت سے فقط دعوت ہدایت مراد ہے نہ کہ ایصال مطلوب۔
- قوله: مِنْ زَائِدَةٍ: یعنی من نحیس میں من زائدہ ہے۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتٌ مِّنَ السَّمَاءِ كَمَا نَزَّلْنَا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَآتَيْنَاهُ الْكِتَابَ وَجَاءَهُ الْوَحْيُ بِالْحَقِّ فَيَذَرُهَا خَالِئًا ۚ

کافر جب تنگ ہوئے، کوئی حجت باقی نہ رہی تو نبیوں کو دھمکانے لگے اور دیس نکالنے سے ڈرانے لگے۔ قوم شعیب نے بھی اپنے نبی اور مؤمنوں سے یہی کہا تھا کہ ہم تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ لوطیوں نے بھی یہی کہا تھا کہ آل لوط کو اپنے شہر سے نکال دو۔ وہ اگرچہ مکر کرتے تھے لیکن اللہ بھی ان کے داؤ میں تھا۔ اپنے نبی کو سلامتی کے ساتھ مکے سے لے گیا دینے والوں کو آپ کا انصار و مددگار بنا دیا وہ آپ کے لشکر میں شامل ہو کر آپ کے جھنڈے تلے کافروں سے لڑے اور بتدریج اللہ تعالیٰ نے آپ کو ترقیاں دیں یہاں تک کہ بالآخر آپ نے مکہ بھی فتح کر لیا اب تو دشمنان دین کے منصوبے خاک میں مل گئے ان کی امیدوں پر اوس بڑی گئی ان کی آرزویں پامال ہو گئیں۔ اللہ کا دین لوگوں کے دلوں میں مضبوط ہو گیا، جماعتوں کی جماعتیں دین میں داخل ہونے لگیں، تمام روئے زمین کے ادیان پر دین اسلام چھا گیا، کلمہ حق بلند و بالا ہو گیا اور تھوڑے سے زمانے میں مشرق سے مغرب تک اشاعت اسلام ہو گئی فالحمد للہ۔ یہاں فرمان ہے کہ ادھر کفار نے نبیوں کو دھمکایا ادھر اللہ نے ان سے سچا وعدہ فرمایا کہ یہی ہلاک ہوں گے اور زمین کے مالک تم بنو گے۔ جسے فرمان ہے کہ ہمارا کلمہ ہمارے رسولوں کے بارے میں سبقت کر چکا ہے کہ وہی کامیاب ہوں گے اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا اور آیت میں ہے: (كَتَبَ اللَّهُ لَأَخْلَبِينَ أَكَا وَدُسُلِي إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ) (الحجرات: ۲۱) اللہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ہی غالب آئیں گے، اللہ قوت والا اور عزت والا ہے۔ اور آیت میں ارشاد ہے کہ ذکر کے بعد زبور میں بھی یہی تحریر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا کہ تم اللہ سے مدد طلب کرو، صبر و برداشت کرو، زمین اللہ ہی کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وارث بنائے انجام کار پر ہی نگاروں کا ہی ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے: (وَأَوْزَقْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضَعَفُونَ مَشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَعَارِبِهَا الَّتِي بَلَّوْا كُنَّا فِيهَا) (الاعراف: ۱۳۷) ضعیف اور کمزور لوگوں کو ہم نے زمین کی مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جہاں ہماری برکتیں تھیں بنی اسرائیل کے صبر کی وجہ سے ہمارا ان سے جو بہترین وعدہ تھا وہ پورا ہو گیا ان کے دشمن فرعون اور فرعونوں اور ان کی تمام تیاریاں سب یکمشت خاک میں مل گئیں۔ نبیوں سے فرما دیا گیا کہ یہ زمین تمہارے قبضے میں آئے گی یہ وعدے ان کے لیے ہیں جو قیامت کے دن میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے رہیں اور میرے ڈراوے اور عذاب سے خوف کھاتے رہیں۔ جیسے فرمان باری ہے: (فَأَقْصَىٰ مَنَظِعِي) (النازعات: ۳۷) یعنی جس نے سرکشی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور آیت میں ہے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف جس نے کیا اسے دوہری جنتیں ہیں۔

رسولوں نے اپنے رب سے مدد فتح اور فیصلہ طلب کیا یا یہ کہ ان کی قوم نے اسے طلب کیا جیسے قریش مکہ نے کہا تھا کہ الہی اگر یہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا اور کوئی دردناک عذاب ہمیں کر۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ادھر سے کفار کا مطالبہ ہوا ادھر سے رسولوں نے بھی اللہ سے دعا کی جیسے بدر والے دن ہوا تھا کہ ایک طرف رسول اللہ (ﷺ) دعا مانگ رہے تھے دوسری جانب سردار ان کفر بھی کہہ رہے تھے کہ الہی آج سچے کو غالب کر یہی ہوا بھی۔ مشرکین سے کلام اللہ میں اور جگہ فرمایا گیا

ہے کہ تم فتح طلب کیا کرتے تھے لو اب وہ آگنی اب بھی اگر باز آ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے الخ نقصان یافتہ وہ ہیں جو تکبر ہوں اپنے تئیں کچھ گنتے ہوں حق سے عناد رکھتے ہوں قیامت کے روز فرمان ہوگا کہ ہر ایک کافر سرکش اور بھلائی سے روکنے والے کو جہنم میں داخل کرو جو اللہ کے ساتھ دوسروں کی پوجا کرتا تھا اسے سخت عذاب میں لے جاؤ۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن جہنم کو لایا جائے گا وہ تمام مخلوق کو ندا کر کے کہے گی کہ میں ہر ایک سرکش ضدی کے لیے مقرر کی گئی ہوں۔ الخ اس وقت ان بد لوگوں کا کیہ ہی برا حال ہوگا جب کہ انہی تک اللہ کے سامنے گڑگڑا رہے ہوں گے۔

وراء یہاں پر معنی امام سامنے کے ہیں جیسے آیت: (وَكَانَ وَرَاءَهُم مَلِكٌ) میں ہے ابن عباس کی قراءت ہی دکان امام ملک ہے غرض سامنے سے جہنم اس کی تاک میں ہوگی جس میں جا کر پھر نکلنا ناممکن ہوگا قیامت کے دن تک تو صبح شام وہ پیش ہوتی رہی اب وہی ٹھکانا بن گئی پھر وہاں اس کے لیے پانی کے بدلے آگ جیسا پیپ ہے، در حد سے زیادہ ٹھنڈا اور بدبودار وہ پانی ہے جو جہنمیوں کے زخموں سے رستا ہے۔ جیسے فرمایا: (هَذَا أَقْلَيْدُ قَوْمٍ كَحَيْمِمْ وَغَشَاقٍ) (ص: ۷۷) پس ایک گرمی میں حد سے گزرا ہوا ایک سردی میں حد سے گزرا ہوا۔ صدید کہتے ہیں پیپ اور خون کو جو دوزخیوں کے گوشت سے اور ان کی کھالوں سے بہ ہوا ہوگا۔ اسی کو طینۃ الخبال بھی کہا جاتا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ جب اس کے پاس لایا جائے گا تو اسے سخت تکلیف ہوگی منہ کے پاس پکچتے ہی سارے چہرے کی کھال جھلس کر اس میں گر پڑے گی۔ ایک گھونٹ لیتے ہی پیٹ کی آنتیں پاخانے کے راستے باہر نکل پڑیں گی۔ اللہ کافرمان ہے کہ وہ کھولتا ہوا گرم پانی پلائے جائیں گے جو چہرہ جھلسا دے الخ۔ جبراً گھونٹ گھونٹ کر کے اتارے گا، فرشتے لوہے کے گرز مار مار کر پلائیں گے، بد مزگی، بدبو، حرارت، گرمی کی تیزی یا سردی کی تیزی کی وجہ سے گلے سے اترنا محال ہوگا۔ بدن میں، اعضا میں، جوڑ جوڑ میں وہ درد اور تکلیف ہوگی کہ موت کا مزہ آئے لیکن موت آنے کی نہیں۔ رگ رگ پر عذاب ہے لیکن جان نہیں نکلتی۔ ایک ایک رداں ناقابل برداشت مصیبت میں جکڑا ہوا ہے لیکن روح بدن سے جدا نہیں ہو سکتی۔ آگے پیچھے دائیں بائیں سے موت آرہی ہے لیکن آتی نہیں۔ طرح طرح کے عذاب دوزخ کی آگ گھیرے ہوئے ہے مگر موت بلائے سے بھی نہیں آتی۔ نہ موت آئے نہ عذاب جائے۔ ہر سزا ایسی ہے کہ موت کے لیے کافی سے زیادہ ہے لیکن وہاں تو موت کو موت آگنی ہے تاکہ مزار دام والی ہوتی رہے۔ ان تمام باتوں کے ساتھ پھر سخت مصیبت ناک الم افزا عذاب اور ہیں۔ جیسے زقوم کے درخت کے بارے میں فرمایا کہ وہ جہنم کی جز سے نکلا ہے جس کے شگوفے شیطانوں کے سروں جیسے ہیں وہ اسے کھائیں گے اور پیٹ بھر کے کھائیں گے پھر کھولتا ہوا تیز گرم پانی پیٹ میں جا کر اس سے ملے گا پھر ان کا لوٹنا جہنم کی جانب ہے۔ الغرض کبھی زقوم کھانے کا کبھی آگ میں جلنے کا کبھی صدید پینے کا عذاب انہیں ہوتا رہے گا۔ اللہ کی پناہ۔ فرمان رب مالیشان ہے۔ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ (الرحمن: ۳۳) یہی وہ جہنم ہے جسے کافر جھٹلاتے رہے۔ آج جہنم کے اور ایلتے ہوئے تیز گرم پانی کے درمیان وہ چکر کھاتے پھریں گے۔ اور آیت میں ہے کہ زقوم کا درخت گنہگاروں کی غذا ہے جو پکھلتے ہوئے تانبے جیسا ہوگا، پیٹ میں جا کر ابلے گا اور ایسے جوش مارے گا جیسے گرم پانی کھول رہا ہو۔ اسے پکڑو اور اسے بیچ جہنم میں ڈال دو پھر اس کے سر پر گرم پانی کے تریڑے کا عذاب بہاؤ مزہ چکھو تو اپنے خیال میں بڑا عزیز تھا اور اکرام والا تھا یہی جس سے تم ہمیشہ شک شبہ کرتے رہے۔ سورۃ واقعہ میں فرمایا کہ وہ لوگ جن کے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال

دئے جائیں گے یہ بائیں ہاتھ والے کیسے بد لوگ ہیں گرم ہوا اور گرم پانی میں پڑے ہوئے ہوں گے اور دھوکے کے سائے میں جو نہ ٹھنڈا نہ باعزت دوسری آیت میں ہے سرکشوں کے لیے جہنم کا برا ٹھکانا ہے جس میں داخل ہوں گے اور وہ رہائش کی بہترین جگہ ہے اس مصیبت کے ساتھ تیز گرم پانی اور پیپ لہوا اور اسی کے ہم شکل اور بھی قسم قسم کے عذاب ہوں گے جو دوزخیوں کو بھگنے پڑیں گے جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہوگا کہ اللہ کا ظلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بَرِيهًا أَعْمَالُهُمْ.....

بعض کفار کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ آخر ہم نے دنیا میں بہت سے اچھے کام صدقہ خیرات کی مد میں کیے ہماری خوش اخلاقی لوگوں میں مشہور ہوئی، جیسے آدمیوں کی مصیبت میں کام آئے اور کسی نہ کسی عنوان سے خدا کی پوجا بھی کی، کیا یہ سب کیا کرایا اور دیا لیا اس وقت کام نہ آئے گا؟ اس کا جواب اس تمثیل میں دیا۔ یعنی جسے خدا کی صحیح معرفت نہیں۔ محض فرضی اور دہی خدا کو پوجتا ہے اس کے تمام اعمال محض بے روح اور بے وزن ہیں۔ وہ عمر میں اسی طرح اڑ جائیں گے جس طرح آندھی کے وقت جب زور کی ہوا چلے تو راکھ کے ذرات اڑ جاتے ہیں، اس وقت کفار نیک عمل سے بالکل خالی ہاتھ ہوں گے حالانکہ وہ یہی موقع ہوگا جہاں نیک عمل کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی۔ اللہ اکبر! یہ کیسی حسرت کا وقت ہوگا کہ جن اعمال کو ذریعہ قرب و نجات سمجھے تھے وہ راکھ کے ڈھیر کی طرح عین اس موقع پر بے حقیقت ثابت ہوئے جب دوسرے لوگ اپنی نیکیوں کے ثمر شیریں سے لذت اندوز ہو رہے ہیں۔

وَبَرِّذُوا بِاللَّهِ جِمْعًا.....

قیامت کے دن کی باہم گفتگو اور پیشوایان کفر کی ذلت اور ندامت کا ذکر:

(بط) گزشتہ آیات میں پیغمبروں کے انکار کی سزا کا ذکر تھا اب قیامت کے دن کافروں کی باہم گفتگو کو ذکر ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہارے پیرو تھے کیا آج کے دن تم ہم کو عذاب سے بچا سکتے ہو وہ انکار کریں گے کہ آج ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ اور یہ عذر کریں گے کہ ہم خود گمراہ تھے اگر ہم راہ راست پر ہوتے تو تمہیں کیوں گمراہ کرتے چنانچہ فرماتے ہیں، اور سب مؤمن اور کافر اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے اور قبروں سے نکل کر خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے تب کمزور اور کم درجہ کے کافران لوگوں سے جو دنیا میں بڑے سمجھے جاتے تھے یہ کہیں گے کہ تحقیق ہم دنیا میں تمہارے تابع تھے تمہارے کہنے سے ہم نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب میں سے کسی چیز کو دفع کر سکتے ہو اور اس مصیبت کی گھڑی میں ہمارے کچھ کام آسکتے ہو تو وہ پیشوایان کفر عذر خواہی کے طور پر جواب میں یہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہم کو ہدایت اور توفیق دیتا تو ہم تم کو بھی سیدھے راستے پر لے چلتے چونکہ ہم خود گمراہ تھے اس لیے ہم نے تم کو گمراہی کی طرف بلا یا اب یہ تمہارا قصور ہے کہ تم نے آنکھ بند کر کے ہمارا کہنا مانا اور اللہ کے رسولوں کو نہ مانا اور اب ہم اور تم سب جلتائے بلا ہیں ہم سب کے حق میں برابر ہے کہ ہم خواہ اضطراب اور بے قراری ظاہر کریں یا صبر کریں دونوں حالتوں میں ہمارے لیے عذاب سے جھٹکارا نہیں یہ دار جزاء ہے یہاں رنج و غم سے کچھ نہیں ہوتا۔ جو فیصلہ ہو چکا ہے وہ اٹل ہے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ گفتگو جہنم میں جانے کے بعد ہوگی جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی تصریح آتی ہے: **وَإِذْ يَتَحَاوَنُونَ فِي النَّارِ**

فَيَقُولُ الضَّعْفُو الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا اَنَا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَبَلَّغْتُمْ مَغْنُونَ عَنَا نَصِيبًا مِنَ النَّارِ قَالَ
الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا اَنَا كُلُّ فِيهَا اِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ
اور میدان حشر میں باہمی خاصیت کا ذکر ان آیتوں میں ہے:-

وَلَوْ تَرَى اِذَ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عَدَدًا رِجْمًا يَرْجَعُ بَعْضُهُمْ اِلَى بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ
اسْتَضَعُّوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتَضَعُّوا
الْحَنُّ صَدَدُكُمْ عَنِ الْهَدْيِ بَعْدَ اِذْ جَاءَ كُمْ هَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتَضَعُّوا لِلَّذِينَ
اسْتَكْبَرُوا هَلْ مَكَرَ الْبَيْلُ وَالنَّهَارُ اِذْ تَامَرُوْنَا اِنْ نَكْفُرْ بِاللَّهِ وَنَجْعَلْ لَهُ اِنْدَادًا وَاَسِرُوا النَّدَامَةَ لِمَا رَأَى
الْعَذَابِ وَجَعَلْنَا الْاَغْلَلَ فِي اَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ يَجْزُونَ اِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

وَقَالَ الشَّيْطَانُ اِبْلِيسُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ وَاَدْخَلَ اَهْلَ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلَ النَّارِ النَّارَ وَاجْتَمَعُوا عَلَيْهِ اِنَّ
اللَّهَ وَعَدَّكُمْ وَعَدَّ الْحَقُّ بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ فَصَدَّقْتُمْ وَاَعَدَّكُمْ اِنَّكُمْ لَخِافَتِكُمْ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ
مِنْ زَائِدَةٍ سُلْطٰنٍ قُوَّةً وَقُدْرَةً اَقْبَهُرْكُمْ عَلٰى مُتَابِعَتِي اِلَّا لِكِنَّ اَنْ دَعَوْتَكُمْ فَاَسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَآ
تَلْمِزُوْنِي وَلَوْ مَوَّآ اَنْفُسَكُمْ عَلٰى اِحَابَتِي مَا اَنَا بِبُصْرِيكُمْ بِمَعْنِيكُمْ وَمَا اَنْتُمْ بِبُصْرِيَّ بِفَتْحِ
الْبَاءِ وَكَسْرِهَا اِنِّي كَفَرْتُ بِمَا اَشْرَكْتُمُوْنَ بِاَشْرَاطِكُمْ اِيَّايَ مَعَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ فِي الدُّنْيَا قَالَ تَعَالٰى
اِنَّ الظَّالِمِيْنَ الْكَافِرِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ مُؤَلَّمٌ وَاَدْخَلَ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّٰتٍ
تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ خَالٍ مُّقَدَّرَةٌ فِيْهَا بِاٰذِنِ رَبِّهِمْ تَجْتَنُّهُمْ فِيْهَا مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ
الْمَلٰئِكَةِ وَفِيْمَا بَيْنَهُمْ سَلٰمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ تَرْتَنظُرُ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا وَاَبْدِلَ مِنْهُ كَلِمَةً طَيِّبَةً اِى
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ هِيَ النَّخْلَةُ اَصْلُهَا ثَابِتٌ فِي الْاَرْضِ وَفَرْعُهَا غُضُنُّهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِي
لُغَطِيْ اُكْلَهَا ثُمَّ هَآ كُلُّ جَلِيْنٍ بِاٰذِنِ رَبِّهَا ۝ بِاِزَادَتِهِ كَذٰلِكَ كَلِمَةُ الْاِيْمَانِ ثَابِتَةٌ فِي قَلْبِ الْمُؤْمِنِ
وَعَمَلُهُ يَضَعُهَا اِلَى السَّمَآءِ وَيُنَالُهُ بِرُكْنَتِهِ وَتَوَابُهُ كُلُّ وَقْتٍ وَيَضْرِبُ بَيْنَ اللّٰهِ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ يَتَعَبَّرُوْنَ فَيُؤْمِنُوْنَ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ هِيَ كَلِمَةُ الْكُفْرِ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ هِيَ
الْحَنْظَلَةُ اِجْتَمَعَتْ اِسْتَوْصَلَتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ مُسْتَقَرٌّ وَثَبَاتٌ كَذٰلِكَ كَلِمَةُ
الْكُفْرِ لَا ثَبَاتَ لَهَا وَلَا فَرْعَ وَلَا بَرَكَةَ يُشَبِّهُتُ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ هُوَ كَلِمَةُ التَّوْحِيْدِ فِي

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ أَي فِي الْقَمْرِ لَمَّا سَأَلَهُمُ الْمَلِكَانِ عَنْ رَبِّهِمْ وَدِينِهِمْ وَنَبِيِّهِمْ فَيَجِيبُونَ

بِالضُّوَابِ كَمَا فِي حَدِيثِ الشَّيْخَيْنِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ الْكُفَّارَ فَلَا يَهْتَدُونَ لِلْجَوَابِ بِالضُّوَابِ

ع ۱۱ بَلْ يَقُولُونَ لَا نَدْرِي كَمَا فِي الْحَدِيثِ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ع

تو کچھ کہتا ہے اور شیطان (ابلیس) کہے گا جب کہ مقدمات کا فیصلہ ہو چکے گا (اور جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل ہو جائیں گے، اور جہنمی شیطان کے پاس جمع ہوں گے) کہ بلاشبہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا (قیامت و جزاء کے متعلق، پس وہ اس نے سچ کر دکھایا) اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا (کہ قیامت نہیں آئے گی) مگر میں نے وہ وعدہ تم سے خلاف کیا تھا میرا تم پر اور کچھ زور تو چلانا تھا (فائدہ زائد ہے کہ اپنی تابعداری پر مجبور کر سکتا) سوائے اس کے کہ تم کو بلایا تھا سو تم نے میرا کہنا مان لیا، پس اب مجھے ملامت مت کرو، خود اپنے آپ کو ملامت کرو (میرا کہنا ماننے پر) آج کے دن نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں (تمہاری مدد کر کے) اور نہ تم میری مدد کر سکتے ہو (لفظ مصرخی یاء کے فتح اور یاء کے کسرہ کے ساتھ ہے) میں خود تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں کہ تم مجھے اللہ کا شریک ٹھہراتے رہے (تم نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرائے رکھا) اس سے پہلے (دنیا میں ارشاد در بانی ہے) یقیناً ظالموں (کافروں) کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے وہ ایسے باغوں میں داخل ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ انہیں میں رہیں گے (خالدین حال مقدرہ ہے ان کی مبارکبادی ہے وہاں (اللہ اور اس کے فرشتوں کی اور آپس میں بھی) سلام کیا تم نے دیکھا نہیں کیسی بیان کی اللہ نے ایک مثال (اگلا جملہ اس سے بدل واقع ہے) پاکیزہ کلمہ (لا الہ الا اللہ) کی وہ ایک اچھے (کھجور) کے درخت کی طرح ہے جس کی جڑ (زمین میں) خوب جمی ہوئی ہے اور ٹہنیاں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے پھل پیدا کرتا (دیتا) رہتا ہے (یہی حال کلمہ طیبہ کا ہے کہ اس کی جڑ مؤمن کے دل میں ہوتی ہے اور اس کا عمل آسمان پر چلا جاتا ہے جسکی برکت و ثواب کا پھل ہر وقت اسے حاصل ہوتا رہتا ہے اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ فکر کریں (فصیحت پکڑیں) اور ایمان لے آئیں) اور گندہ کلمہ (کلمہ کفر) کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گندہ درخت (حفظ کا درخت) کہ جس کو اکھاڑا لیا گیا ہو (جڑ سے نکال لیا گیا ہو) زمین کے اوپر سے اس کے لئے کچھ ٹھہراؤ نہیں پاسداری اور جماؤ نہیں اسی طرح کلمہ کفر کو جماؤ حاصل نہیں نہ ہی اس کی ٹہنی ہے اور نہ برکت ہے) مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات (کلمہ توحید) سے دنیاوی زندگی اور آخرت میں (یعنی قبر میں جب رو فرشتے ان کے رب ان کے دین اور ان کے نبی کے بارے میں سوال کریں گے تو یہ صحیح صحیح جواب دیں گے جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے) اور بچلا دیتا ہے اللہ ظالموں کو (کافروں کو چنانچہ ان کو صحیح جواب کی ہدایت نہیں ہوگی بلکہ وہ کہیں گے کہ ہمیں معلوم نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے) اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کی توضیح و شرح

- قولہ: اِنلینس: یہ اہل نار کو کافروں کے مہالیزد کا خطاب عام ہے جو آگ کے منبر پر ہوگا۔
 قولہ: فَاخْلَفْتُكُمْ: سے مراد میں نے تم سے جھوٹ بولا۔
 قولہ: لٰكِنَّ: ایا یہ لیکن کے معنی میں ہے یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ دعا جنس غلبہ وقت سے نہیں۔
 قولہ: بِاِشْرَاِكِكُمْ: بِمَا اَشْرَكْتُمْ میں، مصدر یہ ہے موصولہ نہیں۔
 قولہ: فَرَعُوْهَا: اس میں اضافت استغراق کے لئے ہے۔
 قولہ: تُعْطٰی: یہ ایسا سے اتیان سے نہیں اس کا معنی لانا اور دینا ہے۔
 قولہ: فِي الْقَمْرِ: کہہ کر اشارہ کیا آخرت سے قرب آخرت مراد نہ کہ بعینہ آخرت۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قَضٰى اٰمْرُوْهُ

یعنی حساب کتاب کے بعد جب جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہو چکے گا اس وقت کفار دوزخ میں جا کر یاد داخل ہونے سے پہلے ابلیس معین کو اِزَام دے گا کہ مردود تو نے دنیا میں ہماری راہ ماری اور اس مصیبت میں گرفتار کر آیا۔ اب کوئی تدبیر مثلاً سفارش وغیرہ کا انتظام کر۔ تاکہ عذاب الہی سے رہائی ملے۔ تب ابلیس ان کے سامنے لیکچر دے گا جس کا حاصل یہ ہے کہ بیشک حق تعالیٰ نے صادق، لقول پیغمبروں کے توسط سے ثواب و عقاب اور دوزخ و جنت کے متعلق سچے وعدے کیے تھے جن کی سچائی دنیا میں دلائل و براہین سے ثابت تھی، اور آج مشاہدے سے ظاہر ہے۔ میں نے اس کے بالتقابل جھوٹی باتیں کہیں اور جھوٹے وعدے کیے۔ جن کا جھوٹ ہونا وہاں بھی ادنیٰ فکر و تامل سے واضح ہو سکتا تھا اور یہاں تو آنکھ کے سامنے ہے۔ میرے پاس نہ حجت و براہان کی قوت تھی نہ ایسی طاقت رکھتا تھا کہ زبردستی تم کو ایک جھوٹی بات کے ماننے پر مجبور کرو دیتا، بلاشبہ میں نے بدی کی تحریک کی اور تم کو اپنے مشن کی طرف بلایا، تم جھپٹ کر خوشی سے آئے اور میں نے جدھر شہ دی ادھر ہی اپنی رضا و رغبت سے چل پڑے۔ اگر میں نے ان کو کیا تھا تو تم ایسے اندھے کیوں بن گئے کہ نہ دلیل سنی نہ دعوے کو پرکھا آنکھیں بند کر کے پیچھے ہو لیے۔ انصاف یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ تم اپنے نفسوں پر ملامت کرو۔ میرا جرم ان کو بجائے خود رہا لیکن مجھے مجرم گردان کر تم کیسے بری ہو سکتے ہو۔ آج تم کو مدد دینا تو درکنار، خود تم سے مدد لینا بھی ممکن نہیں۔ ہم اور تم دونوں اپنے اپنے جرم کے سوا حق سزا میں پڑے ہوئے ہیں۔ کوئی ایک دوسرے کی فریاد کو نہیں پہنچ سکتا۔ تم نے اپنی حماقت سے دنیا میں مجھ کو خدائی کا شریک ٹھہرایا (یعنی بعض تو براہ راست شیطان کی عبادت کرنے لگے اور بہتوں نے اس کی باتوں کو ایسی طرح مانا اور اس کے حکام کے سامنے اس طرح سر تسلیم و انقیاد خم کیا جو خدائی احکام کے آگے کرنا چاہیے تھا) بہر حال اپنے جہل و غباوت سے جو

شرک تم نے کیا تھا اس وقت میں اس سے منکر اور بیزار ہوں۔ یا ہنا انتر تمہوں میں بائے سبیت لے کر یہ مطلب ہو کہ تم نے مجھ کو خدائی کار تبذیر یا اس سبب سے میں بھی کافر بنا۔ اگر میری بات کوئی نہ پوچھتا تو میں کفر و طغیان کے اس درجہ میں کہاں پہنچتا۔ اب ہر ایک ظالم اور مشرک کو اپنے کیے کی سزا اور دناک عذاب کی صورت میں بھگتنا چاہیے۔ شور مچانے اور الزام دینے سے کچھ حاصل نہیں۔ گزشتہ آیت میں ضغواء و مستکیرین (عوام اور لیڈروں) کی گفتگو نقل کی گئی تھی اسی کی مناسبت سے یہاں دو زخیوں کے مہالیڈر (ابلیس لعین) کی تقریر نقل فرمائی چونکہ عوام کا الزام اور ان کی استدعا دونوں جگہ یکساں تھی شاید اسی لیے شیطان کی گفتگو کے وقت اس کا ذکر ضروری نہیں معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔ مقصود ان مکالمات کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ لوگ اس افراتفری کا تصور کر کے شیاطین الانس والجن کے اتباع سے باز رہیں۔

وَأَدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ...

اہل ایمان کا ثواب:

دوسری آیت میں ان حضرات کے اجر و ثواب کا تذکرہ فرمایا جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ میں مشغول رہے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنے رب کے حکم سے ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور صرف داخل ہی نہیں ہوگا خود بھی ہوگا ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے جب آپس میں ملاقات کریں گے تو ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دیں گے آپس میں بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور فرشتے ان کے پاس آئیں گے تو وہ بھی السلام علیکم کہیں گے اس کی مزید تشریح سورۃ یونس کے پہلے رکوع کے ختم پر گزر چکی ہے وہاں فرمایا: تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ وَأُخْرُكَ دَعْوَاهُمْ

أَنْ تَحْمَدُوا لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً ...

کلمہ طیب اور کلمہ خبیثہ کی مثال:

یہ تین آیات ہیں جن میں پہلی آیت میں کلمہ طیبہ کو شجرہ طیبہ سے تشبیہ دی ہے اور دوسری آیت میں کلمہ خبیثہ کو شجرہ خبیثہ سے تشبیہ دی ہے حضرات مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ کلمہ طیبہ سے کلمہ ایمان لا الہ الا اللہ مراد ہے اور کلمہ خبیثہ سے کلمہ کفر مراد ہے، کلمہ طیبہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ ایسے پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ خوب مضبوطی کے ساتھ زمین میں جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں اونچائی میں اوپر جارہی ہوں اور وہ ہمیشہ پھل دیتا ہو جب بھی اس کی فصل آئے تو فصل ضائع نہ ہو۔ سنن ترمذی (تفسیر سورۃ ابراہیم) میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ شجرہ طیبہ (پاکیزہ درخت) سے کھجور کا درخت مراد ہے جس سے کلمہ طیبہ کو تشبیہ دی ہے لا الہ الا اللہ کی جڑ (یعنی مضبوط اعتقاد) مؤمن کے قلب میں استحکام اور مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی ہے اس کی شاخیں یعنی اعمال صالحہ جو بارگاہ الہی میں مقبول ہوتے ہیں وہ آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں اور ان پر رضائے الہی کے ثمرت مرتب ہوتے ہیں کافی سورۃ فاطر: (الَّذِينَ يَصْعَدُ الْكَلِمَةُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ) کھجور کا درخت زمین میں مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہوتا ہے اپنی جڑوں میں استحکام اور پھلوں میں عمدگی اور شاخوں میں بلندی لیے ہوئے ہوتا ہے اس کے پھل بھی ہر فصل میں آتے رہتے ہیں اور لوگ اس سے برابر منتفع ہوتے رہتے ہیں اس کے پھل میں غذا ایت بھی

ہے اور توت بھی ہے اور دیکھنے میں بھی نظروں میں خوب بھاتا ہے۔

کلمہ طیبہ کی مثال دینے کے بعد کلمہ خبیثہ کی مثال دی اور فرمایا کہ کلمہ خبیثہ یعنی کلمہ کفر ایسا ہے جیسے کوئی خبیث درخت ہو جسے زمین کے اوپر ہی سے اکھڑ لیا جائے اور اسے کوئی قرار اور ثبات نہ ہو سنن ترمذی کی مذکورہ بالا روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ شجرہ خبیثہ سے حظل مراد ہے جو بہت زیادہ کڑوا ہوتا ہے اس کا مزہ بھی برا ہے اور اس کی بو بھی بدترین ہے اور اس کے کھانے سے بہت سی مضرتیں پیدا ہوتی ہیں اس کا جماؤ بھی زمین میں نہیں ہوتا زمین سے یوں ہی اڑا تھوڑا سا تعلق ہوتا ہے بلکہ سے ہاتھ کے اشارے سے اکھڑ آتا ہے، صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ چونکہ پہلی مثال میں شجرہ طیبہ فرمایا ہے اس لیے حظل کو مشاکلتہ شجرہ خبیثہ فرما دیا ورنہ حظل کا درخت نہیں ہوتا بلکہ نمل ہوتی ہے حظل کی نہ جز مضبوط ہے نہ مزہ اچھا ہے اور بد بو سے بھرا ہوا ہے اور نہ اس کی شاخیں اونچی ہیں اور مزید یہ کہ بد بودار ہوتا ہے، کفر کے کلمات کا یہی حال ہے حق کے سامنے ان کا کوئی جماؤ نہیں کافر کو اس سے نقصان ہی نقصان ہے اور اس کے اعمال پر بھی رضائے الہی مرتب نہیں ہوتی اور چونکہ کافر کے اعمال کے قبول ہونے کا احتمال ہی نہیں اس لیے مشہ بہ یعنی حظل کے تذکرہ میں شاخوں کا ذکر ہی نہیں فرمایا۔ (انوار البیان)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ آيٍ شُكْرًا مَا كَفَرُوا بِهَا كُفْرًا فَزَيْدٌ وَأَحْوَا أَنْزَلُوا قَوْمَهُمْ
بِأَضْلَالِهِمْ أَبَاهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۗ الْهَلَاكِ جَهَنَّمَ ۗ عَطْفٌ بَيَانٌ يَصْلَوْنَهَا ۗ يَدْخُلُونَهَا وَيَسْسُ
الْقَرَارُ ۗ الْمَقْرُ هِيَ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا شُرَكَاءَ لِيُضِلُّوا بِفَتْحِ الْبَاءِ وَضَمِّهَا عَنْ سَبِيلِهِ ۗ دِينِ
الْإِسْلَامِ قُلْ لَهُمْ تَمَتُّعُوا بِدُنْيَاكُمْ قَلِيلًا وَإِن مَّصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ۗ قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ
آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَ
لَا خِئْلٌ ۗ مَخَالَةٌ أَيْ صَدَاقَةٌ تَنْفَعُ هُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ
السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۗ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلُكَ السُّفْنَ لِيَتَجِرَ فِي الْبَحْرِ
بِالزُّكُوبِ وَالْخَمَلِ بِأَمْرِهِ ۗ بِأَذْنِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۗ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبِينَ ۗ
جَارِيَيْنِ فِي فَلَكِهِمَا لَا يُفْتَرَانِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْبَيْلَ ۗ وَتَسْكُنُوا فِيهِ النَّهَارَ ۗ لِيَبْتَلُوا فِيهِ مِن فَضْلِهِ وَ
أَنكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۗ عَلَى حَسْبٍ مِّصَالِحِكُمْ وَإِن تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ بِمَعْنَى انْعَامِهِ لَا
تُحْصَوْنَ ۗ لَا تُطِيقُوا عَدَّهَا إِن الْإِنْسَانَ الْكَافِرَ لظُلُومٌ كَفَّارٌ ۗ كَبِيرُ الظُّلْمِ لِنَفْسِهِ بِالْمَعْصِيَةِ وَالْكَفْرِ ۗ

توجیحاً: کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کے احسان (شکر) کا ناشکری سے بدلہ کیا (کفر قریش مراد ہیں) اور اپنی قوم کو اتارا (ان کو گمراہ کر کے) تاہی کے گھر میں (ہلاکت میں ڈالا) جو دوزخ ہے (یہ عطف بیان ہے) اس میں پہنچ کر (داخل ہو کر) رہیں ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے اور ٹھہرائے اللہ کے مقابل (شریک) کہ بہکائیں (یہ آئے فتنہ اور ضمہ کے ساتھ) اس کے راستہ (دین اسلام) سے آپ کہہ دیجئے مزا ڈالو (اپنی دنیا سے تھوڑا بہت) پھر تم کو لوٹنا ہے (واپس جانا ہے) آگ کی طرف آپ کہہ دیجئے میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہ قائم رکھیں نماز اور خرچ کریں ہماری دی ہوئی روزی میں سے پوشیدہ اور ظاہر اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ سودا (فدیہ) کام دے گا نہ دوستی (تعلق یعنی رفاقت کہ جو فائدہ دے، قیامت کا دن مراد ہے) اللہ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے اور آسمان سے پانی نازل کیا پھر اس سے پھل پیدا کئے تمہارے روزی کے لیے اور کام میں لگا دیا تمہاری کشتی کو تاکہ دریا میں چلے (سوار یوں اور بوجھ کو لیکر) اس کے حکم (اجازت سے اور کام میں لگا دیا تمہارے لئے ندیوں کو اور کام میں لگا دیا تمہارے سورج اور چاند کو ایک دستور پر برابر (اپنے مدار پر برابر چکر لگا رہے بلا تخلف) اور کام میں لگا دیا تمہارے لئے رات کو (تاکہ اس میں آرام کر سکو) اور دن کو (تاکہ اس میں تم روزی تلاش کر سکو) اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی (تمہارے مصالح کے مطابق) اور اگر تم اللہ کے احسان (انعامات) شمار کرنے لگو تو پورے نہ کر سکو گے (گن نہ سکو گے) اور انسان (کافر) بڑا بے انصاف ناشکرا ہے مگر ہوں کا ارتکاب کر کے اپنی جان پر ظلم ڈھاتا ہے اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے۔

کلمات تفسیریہ کے توضیح و تشریح

- قولہ: شُكْرَهَا: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف مقدر ہے اور تبدیلی نعمت سے یہی مراد ہے۔
- قولہ: لِيُضِلُّوْا: اگرچہ ضلال و اضلال کفار کی غرض نہیں کہ جس کی بناء پر انہوں نے شریک بنائے ہوں مگر اس کا نتیجہ گمراہی ہے اس لئے اس کو غرض قرار دیا۔
- قولہ: يَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ: قل کا مفعول محذوف ہے اس پر اس کا جواب قُلْ لَّهُمْ فَمَتَّعُوْا دلالت کرتا ہے اور يَقِيْمُوا جواب امر ہے۔
- قولہ: بِاِذْنِهٖ: امر کی تفسیر اذن سے کی اور مراد اس سے ارادہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے بغیر کسی چیز کا وجود نہیں۔
- قولہ: جَارِيْنِ: اس سے اشارہ کیا دونوں اپنے مدار میں کوشش و جہد کر رہے ہیں۔
- قولہ: مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوْهُ: کُلِّ سے یہاں بعض مراد ہے اور وہ بھی وہی جو تمہاری مصلحتوں کے مطابق ہوں۔

تفسیر مقبولین

اللَّهُ تَوَّابٌ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قُلُوبَهُمْ دَارَ الْبُورِ ۝

مذمت کفار و مشرکین و مدح مؤمنین صالحین:

یہ آیت کفار مکہ کے حق میں نازل ہوئی جن پر اللہ تعالیٰ نے صرح طرح کے انعامات کیے اور ان کی ہدایت کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا جنہوں نے شجرہ طیبہ کی دعوت دی اور شجرہ خبیثہ کی مسزتوں سے آگاہ فرمایا مگر ان لوگوں نے اس نعمت کی ناشکری کا اور بجائے اس کے کہ منعم حقیقی کی شکر گزاری اور اطاعت شعاری کرتے اس کی ناشکری پر کمر بستہ ہو گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قل لعبادی الذین امنوا میں اپنے خاص بندوں کو مراہم عبودیت بجالانے کی تلقین فرمائی کہ تم اپنے منعم حقیقی کی اطاعت اور عبادت میں لگے رہو اور ان کفارنا شجاری کی طرح ناشکرے نہ بنو کیا اسے دیکھنے والے تو نے ان ظالموں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احسان کو ناشکری سے بدل ڈالا کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے ایک رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا جس نے ان کو شجرہ طیبہ کی دعوت دی اور شجرہ خبیثہ کو اختیار کیا خود بھی تباہ ہوئے اور اپنی قوم کو بھی تباہی کے گھر میں جا اتارا۔ یعنی شجرہ طیبہ کے بدلے شجرہ خبیثہ کھلایا جسے کھا کر وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ بہت بری قرار گاہ ہے اور ان ظالموں نے تبدیل نعمت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ منعم کو بھی بدل ڈالا کہ اللہ جو منعم حقیقی تھا اس کے ہم سر بنائے اور اس کے شریک ٹھہرائے تاکہ لوگوں کو خدا کی راہ سے بھٹکادیں اے نبی ﷺ! آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ اچھا چند روز فائدہ اٹھا لو اور دنیا میں خوب مزے اڑو۔ پس تمہارا آخری ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ تہدید اور وعید ہے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی طیب کسی بد پر ہیز سے کہے کل ماشمت فاندہ جءک الموت (اچھا تو جو چاہے کھا تیرا انجام موت اور ہلاکت ہے) کفار و فجار کی اس تہدید و وعید کے بعد اپنے خاص بندوں کو ہدایت فرماتے ہیں اے نبی آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے جو میرے خاص بندے ہیں وہ ہم دنیا کے بندے نہیں جو مجھ پر ایمان لائے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ دنیا فانی ہے اور چند روزہ ہے ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نعمت الہی کی شکر گزاری میں لگے رہیں کہ نماز پڑھتے رہیں جو دین کا ستون ہے اور کفر و اسلام کے درمیان فارق ہے اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے کچھ ماہ خدا میں خرچ کرتے رہیں پوشیدہ اور ظاہر خدا کی راہ میں خیرات کرنا یہ مالی شکر ہے بہر حال جان اور مال سے اللہ کی نعمت کے شکر میں لگے ہیں ایسے دن کے آنے سے پہلے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہو سکے گی اور نہ کوئی دوستی چل سکے گی یعنی آخرت میں کوئی فدیہ قبول نہ ہوگا اور نہ کسی کی دوستی کام آدے گی اس دن کے آنے سے پہلے جو کچھ کرنا ہے وہ کر لو یہاں تک ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے خدا کی نعمت کی ناشکری کی اور اس کے لیے شرکاء تجویز کیے اب آئندہ آیت میں منعم حقیقی کے اوصاف بیان کرتے ہیں کیونکہ سب سے بڑی نعمت منعم حقیقی کی معرفت ہے اور منعم حقیقی کی ذات و صفات کی معرفت ہی سعادت کبریٰ ہے اس لیے آئندہ آیات میں منعم حقیقی کے دس اوصاف بیان کرتے ہیں۔

(۱) اللہ پاک وہ ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا۔ (۲) اور زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں کو تمہارے لیے چھت بنا یا اور

زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا۔ (۳) اور آسمان سے پانی اتارا جو تمہاری زندگی کا سامان ہے کما قال تعالیٰ وجعلنا من الماء کل شیء حئی پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے۔ (۴) اور پھر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لیے تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا تاکہ وہ تم کو اللہ کے حکم سے دریا میں لے کر چلیں جن کے ذریعہ تم تجارت وغیرہ کر سکو۔ (۵) اور تمہارے لیے نفع کے لیے نہروں کو مسخر کیا کہ جس طرح چاہوان سے فائدہ حاصل کرو۔ (۶) اور مسخر کیا تمہارے لیے آفتاب کو۔ (۷) اور مسخر کیا تمہارے لیے چاند کو کہ دونوں ایک طریقہ پر برابر چلتے ہیں اور دونوں سے تم کو ہزاروں فوائد حاصل ہوتے ہیں کھیتوں اور پھلوں کا پکنا اور حساب وغیرہ کا تعلق انہی دونوں سے ہے۔ (۸) اور مسخر کیا تمہارے لیے رات کو تاکہ تم آرام کرو۔ (۹) اور مسخر کیا تمہارے لیے دن کو تاکہ تم اپنے کاروبار کرو۔ (۱۰) اور ان کے علاوہ ویاتم کو اس قدر بے شمار ہیں کہ اگر تم ان کو شمار کرنا چاہو تو شمار میں نہیں لاسکتے اگر اپنے اعصاب دماغیہ میں اور ان کے آثار میں غور کرے کہ ہر ایک میں کیا کیا نعمتیں مضمحل ہیں تو شمار نہیں کر سکتا بلکہ ایک ہی نعمت میں اگر غور کرے کہ کس طرح حلق سے نیچے اتر اور کس طرح خون بنا اور کس طرح پاخانہ بنا تو اس کی حقیقت اور کونہ کو نہیں پہنچ سکتا ہے بے شک انسان بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی ناشکر ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو بے محل استعمال کرتا ہے نعمت دینے والے کے حق کو نہیں پہچانتا اور نعمت کا شکر تو کیا کرتا بلکہ اس کے ساتھ دشمنی کا معاملہ کرتا ہے آنحضرت ﷺ کا وجود باوجود کمال درجہ کی نعمت تھا اس کی دشمنی میں لگے ہوئے ہیں۔

وَإِذْ كُنَّا إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ مَكَّةَ آمِنًا ذَا مَنٍّ وَقَدْ آجَبَ اللَّهُ تَعَالَى دُعَاءَهُ فَجَعَلَهُ حَرَمًا لَا يُسْفِكُ فِيهِ دَمٌ إِنْسَانٍ وَلَا يُظْلَمُ فِيهِ أَحَدٌ وَلَا يُبْصَدُ صَيْدُهُ وَلَا يُخْتَلَى خَلَاءُهُ وَاجْتَنِبِي بَعْدِي وَبَنِيَّ عَنْ تَعْبُدِ الْأَصْنَامِ ۗ رَبِّ إِنَّهُمْ أَيْ الْأَصْنَامَ أَضَلُّنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۗ بَعَادَتِهِمْ لَهَا فَسُنُّ تَبِعَتِي عَلَى التَّوْحِيدِ فَإِنَّهُ مَعْنَى ۗ مِنْ أَهْلِ دِينِي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ۗ هَذَا قَبْلَ عَلَيْهِ أَنَّهُ تَعَالَى لَا يَغْفِرُ الشِّرْكَ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي أَيْ بَعْضِهَا وَهُوَ اسْمَعِيلُ مَعَ أَبِيهِ هَاجِرَ بَوَادٍ غَيْرِ ذِي ذُرُوعٍ هُوَ مَكَّةُ عِنْدَ بَيْتِكَ الْحَرَامِ ۗ الَّذِي كَانَ قَبْلَ الطُّوفَانِ رَبَّنَا لِيُقْبِلُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَقْبَدَةً قُلُوبًا مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي تَمِيلُ وَنَحْنُ إِلَيْهِمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا لَوْ قَالَ أَقْبَدَةً النَّاسِ لَحَثَّتْ إِلَيْهِ فَارِسُ وَالرُّومُ وَالنَّاسُ كُلُّهُمْ وَارْتَفَعَتْ مِّنَ الشِّرْكَ لَعَنَهُمْ يَشْكُرُونَ ۗ وَقَدْ فَعَلَ بِنَقْلِ الطَّائِفِ إِلَيْهِ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي مَا نَسِرُّ وَمَا نَعْلِنُ ۗ وَمَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْ زَائِدَةٍ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۗ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مِنْ كَلَامِهِ تَعَالَى أَوْ كَلَامِ إِبْرَاهِيمَ أَحَدًا لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي أَعْطَانِي عَلَى مَعَ الْكَبِيرِ إِسْمَاعِيلَ وَلِدَوْلَهُ تَسْعُ وَتَسْعُونَ سَنَةً وَإِسْحَاقَ ۗ

وَلَدَوْنَهُ مِائَةً وَتِسْعًا عَشْرَةَ سَنَةً إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَارْحَمْنِي وَأَحْمِلْ وِزْرَتِي ۚ مَنْ يُبْتَلِمْهَا وَآتَى بِمَنْ لِيَاغْلَامِ اللَّهِ تَعَالَى لَهُ أَنْ مِنْهُمْ كَمَا زَا رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۝ الْمَذْكُورَ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَتِي هَذَا قَبْلَ أَنْ يُبَيِّنَ لَهُ عَدَاوَتُهُمَا لِلَّهِ وَقَبْلَ أَنْ يَأْتِيَ الْوَالِدَيْنِ مُفْرَدًا وَوَالِدَتِي وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ يُبْتِئُ الْحِسَابُ ۝

۱
ع
۱۸

ترجمہ: اور (وہ وقت یاد کیجئے) جب کہ ابراہیم نے دعا مانگی اے میرے پروردگار! اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ بنا دیجئے (چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی اور اس جگہ کو حرم بنا دیا جس میں نہ کسی انسان کا خون گراناجائز ہے اور نہ کسی پر ظلم کرنا روا ہے نہ ہی وہاں شکار کھینے کی اجازت ہے اور نہ گھاس اکھاڑنا درست ہے) اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا (دور رکھ) پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا (اپنی پوجا پاٹ میں لگا کر) سو جس نے میری پیروی کی (توحید میں) وہ تو میرا (ہم مذہب) ہے ہی اور جس نے میرا کہنا نہ مانا سو تو بختی والا مہربان ہے (یہ دعا اس وقت فرمائی جب انہیں معلوم نہیں تھا کہ شرک معاف نہیں کیا جائے گا) اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو (یعنی بعض اولاد کو یعنی حضرت اسماعیل کو مع ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کے) ایک ایسے میدان میں جہاں کبھی نہیں (مکہ مراد ہے) تیرے محترم گھر کے پاس (جو طوفان نوح سے پہلے سے موجود ہے) بسایا ہے اے ہمارے رب تاکہ نماز قائم رکھیں سو بعض لوگوں کے دل ان کی طرف مائل (راغب) کر دے (حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اکثر حضرت ابراہیم "افشذة الناس" فرمادیتے تو سب لوگوں کے دل حرم کی طرف جھک پڑتے خواہ وہ فارسی ہوں یہ رومی یا کوئی بھی) اور روزی دے ان کو پھلوں سے تاکہ وہ آپ کے شکر گزار ہوں (دعاء ابراہیمی قبول ہوئی اور صورت یہ ہوئی کہ طائف کی پیداوار مکہ کی طرف منتقل ہونے لگی) اے ہمارے پروردگار تو جانتا ہے ان سب باتوں کو جن کو ہم مخفی رکھتے ہیں چھپاتے ہیں) اور جن کو ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ پر کوئی چیز (من زائد ہے) پوشیدہ نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (یہ کلام الہی ہے یا ابراہیم کا مقولہ دونوں احتمال ہیں) تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے عنایت کیے (عطا فرمائے) مجھے بڑھاپے کے باوجود (علی مع کے معنی میں ہے) اسماعیل (حضرت ابراہیم اس وقت ننانوے سال کے تھے) اور اسماعیل (ان کی پیدائش اس وقت ہوئی جب ابراہیم کی عمر ایک سو بارہ سال تھی) بیشک میرا رب دعا کو سننے والا ہے اے میرے رب! مجھے نماز کی پابندی کرنے والا بنا اور میری ولاد میں سے بھی (ایسے ہوں جو اس کو قائم رکھیں) حضرت ابراہیم نے "من" اس لئے استعمال فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو بخلا دیا تھا کہ ان کی اولاد میں سے بعض کافر بھی ہوں گے) اے میرے رب! اور قبول کر میری دعا (جو کی ہے) اے میرے رب! مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے (یہ دعا اس وقت مانگی تھی جب کہ آپ کو معلوم نہیں تھا کہ ان کے والدین اللہ کے دشمن ہیں ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی والدہ مشرف بایمان ہو چکی تھی ایک قراءت کے مطابق "والدی" اور "ولدی" مفرد ہے) اور سب ایمان والوں کو جس دن حساب قائم (ثابت) ہو۔

کلمات تفسیرہ کی توضیح و تشریح

۱۳۵

قولہ: ذَا أَمِنَ: اس تفسیر سے اشارہ کیا کہ امنیہ نام کی طرح اسم نسبت ہے۔ اسم فاعل نہیں۔

قولہ: عَنْ أَنْ تَعْبُدَ الْأَصْنَامَ: ان مصدر یہ ہے عبادت کے معنی میں مفسرہ نہیں۔

قولہ: أَضَلَّنَ: اس میں امنام کی طرف اضلال کی نسبت سمیت کی وجہ سے ہے کیونکہ لوگ انہی کے سبب گمراہ ہوئے گویا انہوں نے گمراہ کیا۔

قولہ: مِنْ أَهْلِ دِينِي: اس سے اشارہ کیا کہ حضرت نے اپنے کو ان میں سے بعض شمار کیا وہ فرط اختصاص کی وجہ سے ہے۔

قولہ: بَعْضُهَا: اس سے اشارہ کیا من تبعیضہ ہے بیان کے لئے نہیں۔

قولہ: الَّذِي كَانَ قَبْلَ: اس سے اشارہ کیا کہ بناء ابراہیمی سے پہلے زمان نوح علیہ السلام میں بھی وہاں اللہ تعالیٰ کا گھر موجود تھا اس کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ: لِيَقْبَلُوا الصَّلَاةَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ اسکت سے متعلق ہے۔

قولہ: أَعْطَانِي: اس سے اشارہ کیا کہ ہب سے یہاں معروف ہب مراد نہیں بلکہ عطاء کرنا ہے کیونکہ ہبہ اولاد میں ممکن نہیں وہ اموال میں ہوتا ہے۔

قولہ: وَأَجْعَلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي: اس سے اشارہ کیا کہ دس ذریتی کا عطف اجعلنی کے منصوب پر ہے۔ قریب پر نہیں۔

قولہ: بِقَوْمِهِ: یہاں بیثت کے معنی میں ہے حساب ثابت ہوا کرتا ہے۔



وَاذْ قَالِ لِبَنِيهِمْ رَبِّ اجْعَلْ

دعاء ابراہیمی کا ذکر:

(بط) گزشتہ آیات میں توحید و نعم الہیہ کا ذکر تھا اب ان آیات میں دعاء ابراہیمی کا ذکر کرتے ہیں چونکہ اہل مکہ کو یہ زعم تھا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کے طریقہ پر ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعائے نقل فرمائی تاکہ معصوم ہو جائے کہ وہ بڑے موجد تھے اور شرک سے متنفر تھے۔ اور اپنی اولاد کے لیے یہی دعا کرتے تھے کہ اے اللہ ان سب کو شرک اور بتوں سے دور رکھنا لہذا ان کی نس کو چاہئے کہ ان کے طریقہ پر چلے اور انہیں کی دعاؤں سے یہ ریگستانی خطہ ایک پر اس اور آباد شہر بنا لہذا تم کو چاہئے کہ ان احسانات کو دیکھ کر خدا کے شکر گزار بنو خانہ کعب کے اہل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو ایک خدا کی عبادت کریں یہ گھر ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی عبادت کے لیے بنایا تھا اسی وجہ سے اس گھر کو بیت اللہ کہا جاتا

ہے اور چونکہ ابراہیم علیہ السلام توحید اسلام کی دعوت دیتے تھے اور عبادت اصنام سے منع کرتے تھے اس لیے ان کا قصہ کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی تشریح ہے اس لیے کہ توحید بمنزلہ شجرہ طیبہ کے ہے اور شرک بمنزلہ شجرہ خبیثہ کے ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو وہ آفات ظاہری و باطنی سے مامون و محفوظ ہو جائے یعنی اس کو حرم محترم بنا دیجئے اور مجھ کو اور میری صلی اولاد کو اور اس اولاد کو جو میری زندگی میں پیدا ہو سب کو بت پرستی سے دور رکھ خواہ وہ بت ظاہری ہوں یا باطنی کیوں کہ نفس باطنی بت ہے کما قالہ انواء بت من اتخذہ ہواہ مطلب یہ تھا کہ اے اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری اولاد کو شرک جلی اور شرک خفی سے محفوظ رکھنا کیوں کہ ہوائے نفس کا اتباع یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا بھی قبول فرمائی کہ ان کے صبی بیٹوں میں سے کسی نے بت کو نہیں پوجا کیوں کہ اس دعا میں وہ بتی سے عام اولاد مراد نہیں بلکہ ان کے خاص صلی فرزند ہیں اور وہ اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری صلی اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھے گا مگر یہ دعا اس لیے فرمائی کہ ہماری معصومیت اور محفوظیت ہمارا طبعی اور ذاتی امر نہیں بلکہ اللہ کی عصمت اور اس کی حفاظت اور اس کی تائید و توفیق پر ہے اور مطلب یہ تھا کہ اے اللہ مجھ کو توحید خالص پر قائم اور ثابت قدم رکھ اور براہ لطف و کرم شرک جلی اور شرک خفی سے محفوظ رکھ چنانچہ ان کے صلی بیٹے یا جو بیٹے اس دعا کے وقت موجود تھے وہ سب شرک سے محفوظ رہے۔

(تفصیل کے لیے تفسیر کبیر ص ۲۰۵ جسدہ و تفسیر روح المعانی ص ۶۱ جلد ۱۳ کو دیکھیں)

لہذا قریش مکہ کا غیر اللہ کو پوجنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے منافی نہیں کیونکہ وہ ان کی صلی اولاد نہیں اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قریش کے حق میں قبول نہیں ہوئی تو اس سے ابراہیم علیہ السلام کی منقصد لازم نہیں آئے یہ ضروری نہیں کہ نبی کی دعا تمام و کمال قبول ہو جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا ان کے صلی بیٹوں کے حق میں یا اس اولاد کے حق میں جو اس وقت موجود تھی قبول ہوئی ساری نسل کے حق میں قبول نہیں ہوئی نیز قرآن کریم میں صرف ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے اور اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کا کوئی ذکر نہیں کہ یہ دعا قبول ہوئی یا نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ دعا ان بیٹوں کے ساتھ مخصوص تھی جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خاص محبت تھی قیامت تک آنے والی نسل کے لیے نہ تھی۔

اور ابراہیم علیہ السلام کی پہلی دعا بھی قبول ہوئی کہ مکہ ایک مومن اور محفوظ شہر بن گیا اور جابرہ کے تسلط اور ظالموں کی غارت

گری سے محفوظ رہا۔

خلاصہ کلام یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنے بیٹوں کیلئے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ مجھ کو اور میرے بیٹوں کو بتوں سے دور رکھ اس لیے کہ مجھ کو ڈر ہے کہ میری اولاد شیطان کرشموں کو دیکھ کر کہیں گمراہ نہ ہو جائے اے میرے پروردگار تحقیق ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے یعنی ان کی گمراہی کا سبب بنے ہیں بغیر آپ کی عصمت اور حفاظت کے ان کے فتنہ سے بچنا بہت مشکل ہے اس لیے آپ سے یہ دعا مانگ رہا ہوں پس جس نے میری پیروی کی اور میرے پیچھے چلا یعنی مسلمان اور موحد ہوا تو وہ مجھ سے ہے یعنی میرے ساتھ وابستہ ہے اور نجات اور نفع درجات میں میرے ساتھ ہے اور جس نے میری نافرمانی کی یعنی میرے دین کا تابع نہ ہو اور میری ملت میں داخل نہ ہو تو اے رب بلاشبہ تو بخشنے والا مہربان ہے یعنی تو مغفرت اور رحمت پر قادر ہے کہ ان نافرمانوں کو توبہ کی توفیق دے دے اور کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کر دے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کا اختیار ہے وہ اگر چاہے تو کافروں کو بھی بخش دے لیکن اس نے خبر دے دی ہے کہ مشرک اور کافر اور منافق کو نہیں بخشے گا اس کی قدرت اور اختیار ویسا ہی ہے۔ اے پروردگار تحقیق میں نے بسایا ہے اپنی بعض اولاد کو، ایسے میدان میں جو ریگستان ہے اور ناقابل زراعت نہیں ان کو تیرے محترم گھر کے قریب لاکر بسایا ہے اور زراعت وغیرہ کے لیے نہیں بسایا بلکہ اے ہمارے پروردگار تحقیق میں نے ان کو اس لیے بسایا ہے تاکہ نماز کو قائم رکھیں اور تیری عبادت کریں اور تیری طرف متوجہ رہیں اور تیرے گھر سے برکت حاصل کریں۔ جب میری اودا تیرے محترم گھر کے پاس آباد ہوگی تو بحق جو ار (پڑوس) ان پر تیری خاص الخاص رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہیں گی پڑوسی کا بھی حق ہوتا ہے اور چونکہ یہ وادی غیر زری زرع بے آب و گیاہ ہے جس میں ظاہری طور پر زندگی کا کوئی سامان نہیں اس لیے کچھ انسانوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے کہ جن سے یہ اس حاصل کر سکیں اور کچھ انسانوں سے مسلمان مراد ہیں۔ اور ایک دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمائی کہ اے اللہ ان کو قسم قسم کے پھلوں سے رزق تیری اطاعت اور عبادت میں ان کو مدد دے اور تاکہ یہ تیری نعمتوں کا شکر کریں اور مزید نعمت کے مستحق بنیں پھر ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے ہمارے پروردگار! تحقیق آپ ہماری تمام حاجتوں کو خوب جانتے ہیں جو ہم دل میں پوشیدہ رکھیں اور جو ہم زبان سے ظاہر کریں میری یہ عرض و معروض بحق عبودیت و انتقار و حاجت ہے آپ کی اطاعت کے لیے نہیں آپ کو ہمارا سارا ظاہر و باطن معلوم ہے آپ کو خوب معلوم ہے کہ اس وادی غیر زری زرع میں اپنی اولاد کو بسانے میں میری کیا نیت ہے اور میری یہ والہانہ عرض و معروض کس لیے ہے آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق فرمائی اور بے شک اللہ پر آسمان اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور التجا بھی اللہ پر پوشیدہ نہیں پھر ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا شکر ہے اس اللہ کا جس نے بڑھاپے میں مجھ کو اسماعیل اور اسحاق جیسے دو بیٹے عطا کیے جو ہر ایک ملت اسلام کا اور توحید کا شجرہ طیبہ ہے بے شک میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے یعنی وہ بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور قبول کرتا ہے اس لیے اور دعا میں اضافہ کیا اور کہا اے میرے پروردگار مجھ کو نماز کا قائم رکھنے والا کر دے کہ ٹھیک ٹھیک تیرے آداب عبودیت کو بجالاؤں اور میری بعض اولاد کو بھی کل اولاد کو اس لیے نہ کہا کہ ان کو بذریعہ وحی معلوم تھا کہ سب اولاد مسلمان نہ ہوگی یا مسلمان ہوگی مگر نماز کی پابند نہ ہوگی اے ہمارے پروردگار میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور تمام اہل ایمان کی جس دن حساب قائم ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والدین کے لیے دعائے مغفرت اس وقت تھی جب کہ وہ زندہ تھے کہ شاید وہ ایمان لے آئیں اور خدا کی مغفرت اور رحمت میں داخل ہو جائیں اور جب ان کا خاتمہ کفر اور گمراہی پر ہو گیا تو ابراہیم علیہ السلام ان سے بری ہو گئے۔

کہا قال تعالیٰ: وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لَابِيْهِ اِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدٰهَا اِيَّاہَا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَہٗ اَنۡہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ تَبَرَّ اَمْنٰہُ. (معارف القرآن مولانا ادیس کاندھلوی)

قَالَ تَعَالٰی وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ الْكَٰفِرُوْنَ مِنْ اٰہْلِ مَكَّةَ اِنَّمَا یُؤَخِّرُوْہُمْ
بَلَا عَذَابٍ لِّیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْہِ الْاَبْصَارُ ﴿۱۰﴾ لِهٰذَا مَا تَرٰی یُقَالُ شَخِصَ بَصَرَ فُلَانٌ اِیُّ فِتْحَہٖ فَلَمَّ

بِمِضِهِ مُهْطِعِينَ مُسْرِعِينَ خَالَ مُقْبِعِي رَافِعِي رُعُوبِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ
ظَرْفُهُمْ ۖ بَصْرُهُمْ وَأَفْدَانُهُمْ فُلُوبُهُمْ هَوَاءٌ ۝ خَالِيَةٌ مِنَ الْعَقْلِ لِفَرَعِهِمْ وَ أَنْذِرِ خَوْفَ
بِامْتِحَانِ النَّاسِ الْكُفَّارِ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ هُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا كَفَرُوا
رَبَّنَا أَخْرِنَا يَا نَزَدْنَا إِلَى الدُّنْيَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ نُنِجْ دَعْوَتِكَ بِالتَّوْحِيدِ وَ تَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ فَيَقَالُ
لَهُمْ تَوْبِيحًا أَوْ لَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ خَلَفْتُمْ مَنِ قَبْلُ فِي الدُّنْيَا مَا لَكُمْ مَنِ زَائِدَةٌ ذَوَالِ ۝ عَنْهَا إِلَى
الْآخِرَةِ وَ سَكَنْتُمْ فِيهَا فِي مَسْكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ بِالْكَفْرِ مِنَ الْأُمَّمِ السَّابِقَةِ وَ تَبَيَّنَ لَكُمْ
كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ مِنَ الْعُقُوبَةِ فَلَمْ تَنْزَجِرُوا وَ ضَرَبْنَا بَيْنَنَا لَكُمْ الْأَمْثَالَ ۝ فِي الْقُرْآنِ فَلَمْ تَعْتَبِرُوا وَ
قَدْ مَكَّرُوا بِالنَّبِيِّ ﷺ مَكْرَهُمْ حَيْثُ أَرَادُوا قِتْلَهُ أَوْ تَقْيِيدَهُ أَوْ إِخْرَاجَهُ وَ عِنْدَ اللَّهِ مَكْرَهُمْ ۖ أَى
عِلْمُهُ أَوْ خِرَاطُهُ وَ إِنْ مَا كَانَ مَكْرَهُمْ وَ إِنْ عَظُمَ لِيَتَزَوَّلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ الْمَعْنَى لَا يَتَعَبَّأُ بِهِ وَلَا يَضُرُّ
إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَ الْمُرَادُ بِالْجِبَالِ هُنَا قَبِيلَ حَقِيقَتِهَا وَ قَبِيلَ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ الْمُسْتَبَهَّةُ بِهَا فِي الْقَرَارِ وَ التَّيْبَاتِ
وَ فِي قِرَاءَةِ بَفَتْحِ لَا مَ لِيَتَزَوَّلَ وَ زَفِعِ الْفِعْلِ فَإِنْ مُخَفَّفَةٌ وَ الْمُرَادُ تَعْظِيمُ مَكْرِهِمْ وَ قَبِيلَ الْمُرَادُ بِالْمَكْرِ
كُفْرُهُمْ وَ يُتَّسَبَّأُ عَلَى الْقَائِيَةِ تَكَادُ السَّنَوْتُ يَنْقَطِرُونَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَ تَخْرُ الْجِبَالُ هَذَا وَ عَلَى
الْأُولَى مَا قُرِئَ وَ مَا كَانَ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ ۖ بِالنَّصْرِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَالِبٌ
لَا يَمْجِزُهُ شَيْءٌ وَ ذُو الْاِئْتِقَامِ ۝ مَتَى عَضَاءُ أَدْمَكْرَ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَ السَّمَوَاتُ هُوَ يَوْمُ
الْقِيَمَةِ فَيُحْشِرُ النَّاسَ عَلَى أَرْضٍ بَيْضَاءَ نَقِيَّةٍ كَمَا فِي حَدِيثِ الصَّحِيحِينَ وَ رَوَى مُسْلِمٌ حَدِيثًا سَمِعَ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آتِينَ النَّاسَ يَوْمَئِذٍ قَالِ عَلَى الصِّرَاطِ وَ بَرَزُوا خَرَجُوا مِنَ الْقُبُورِ لِلَّهِ الْوَاحِدِ
الْقَهَّارِ ۝ وَ تَرَى يَوْمَئِذٍ الْمَجْرِمِينَ الْكَافِرِينَ يَوْمَئِذٍ مُقَرَّنِينَ مَشْدُودِينَ مَعَ شَيْطَانِهِمْ
فِي الْأَصْفَادِ ۝ الْقَيْودِ أَوْ الْأَغْلَالِ سَرَابِيْلَهُمْ مُطْمَهَمٌ مِّنْ قَطْرَانِ لِأَنَّهُ أَبْلَغُ لِاسْتِعَالِ النَّارِ وَ
تُعْطَى تَعْلُوا وَ جُوهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزَى مَتَّعَلِقِي بِرَزُوا اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۖ مِنْ خَيْرٍ وَ شَرِّ

إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ يَحَاسِبُ جَمِيعَ الْخَلْقِ فِي قَدَرٍ يَضْفِ لِيَهَارِ مِنْ أَيَّامِ الدُّنْيَا لِحَدِيثِ

بِذَلِكَ هَذَا الْمُرَانُ بَلَّغٌ لِلنَّاسِ أَيْ أَنْزَلَ لِتَبْلِيغِهِمْ وَلِيُنذِرُوا بِهِ وَيَعْلَمُوا بِمَافِيهِ مِنَ الْحُجَجِ الْبَيِّنَاتِ

۱۹ هُوَ أَيْ اللَّهُ إِلَهُ وَاحِدٌ وَلَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ يَأْتِي فِي الْأَصْلِ فِي الذَّلِيلِ يَتَّعِظُ أَوْلُوا الْأَلْبَابِ ۝ أَصْحَابُ

العقول

توجہ چاہئے: (حق تعالیٰ نے فرمایا) اور ہرگز یہ خیال مت کر کہ اللہ ان کاموں سے بے خبر ہے جو ظالم (کفار مکہ) کرتے ہیں ان کو تو ڈھیل دے رکھی ہے (سزا نہ دے کر) اس دن کے لیے جب آنکھیں پتھرا جائیں گی (ہولناک منظر کو دیکھ کر کہا جاتا ہے "شخص بصر فلان" یعنی فلاں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں) روزتے ہوں گے (جلدی جلدی یہ لفظ حل واقع ہے) اپنے سراو پر اٹھائے ہوئے (بند کئے ہوئے آسمان کی طرف) پھر کر نہیں آئیں گے ان کی طرف ان کی نگاہیں (آنکھیں) اور ان کے دل (قلوب) اڑ گئے ہوں گے (خوف کے مارے حواس باختہ ہوں گے) اور ڈرائیے (خوف دلائیے اے تم)۔ لوگوں (کافروں) کو اس دن سے کہ آئے گا ان پر عذاب (قیامت کا دن مراد ہے) تب کہیں گے ظالم (کفر کرنے والے) اے ہمارے پروردگار! مہلت دے ہم کو (ہمیں دنیا میں واپس کر کے) تھوڑی مدت تک کہ ہم تیرے بلاوے (دعوت توحید) کو قبول کر لیں اور بیروی کر لیں رسول کی (ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر ان سے کہا جائے گا) کیا تم قسم نہ کھاتے تھے (حلف اٹھاتے تھے) اس سے پہلے (دنیا میں) کہ تم کو لوٹنا نہیں ہے (من زائدہ ہے دنیا سے آخرت کی جانب) اور آ باد تھے تم (دنیا میں) انہیں لوگوں کی بستیوں میں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا (کفر کر کے پہلی قوموں میں سے) اور کھیل چکا تھا تم پر کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا (عذاب دے کر لیکن تم بھی باز نہیں آئے) اور بتلا ہم نے (بیان کئے ہم نے) تمہارے لئے سارے قصے (قرآن کریم میں مگر تم نے عبرت حاصل نہیں کی اور یہ بنا چکے ہیں اپنے داؤ) (یعنی ان کی تدبیروں کا اس کو علم ہے یا ان تدبیروں کی سزا اس کے پاس موجود ہے) اور نہ ہوگا (ان مانافیہ کے معنی میں ہے) ان کا داؤ (اتنی بڑی تدبیر) کہ اس سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں (یعنی تدبیریں بغویں وہ اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچاتے ہیں یہاں پہاڑوں سے مراد یا تو حقیقی معنی ہیں بعض حضرات کی رائے یہی ہے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ پہاڑوں سے مراد ارکان شریعت ہیں جن کو اپنی پختگی اور استحکام میں پہاڑوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ایک قراءت میں لتزول کا لام مفتوح اور فعل مرفوع ہے اس صورت میں ان مخففہ ہوگا اور مراد تدبیروں کا بڑا ہونا ہوگا اور بعض کی رائے یہ ہے کہ مکر سے مراد کفر ہے اور دوسری قراءت کے مناسب یہ آیت کریمہ بھی ہے: تَكَادُ السَّمَاوَاتُ بِتَفْطُرِنِ مَنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَذَا أَوْ قَرَأَتْ أَوَّلِي كَے مناسب اس آیت کریمہ کی ایک آیت لفظاً و ماکان کے ساتھ ہے) سو خیال مت کر کہ اللہ خلاف کرے گا اپنا وعدہ نصرت جو اپنے رسولوں سے کر چکا ہے بیشک اللہ زبردست ہے اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی ہے اپنی نافرمانی کرنے والے سے بدلہ لینے والا (نافرمانوں سے یاد کیجئے) جس دن بدلی جائے گی اس زمین میں دوسری زمین اور آسمان بھی بدلے جائیں گے) قیامت کے دن ایک سفید زمین پر لوگوں کا حشر ہوگا جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت ہے اور مسلم کی روایت ہے

کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگ اس دن کہاں ہوں گے آپ نے فرمایا پل صراط پر (اور نکل کھڑے ہوں گے قبروں سے) خدائے واحد اور زبردست کے حضور اور (اے محمد) تم دیکھو گے اس دن مجرموں (کافروں) کو اس حال میں کہ جکڑے ہوئے (بندھے ہوئے ہوں گے اپنے شیطانوں کے ساتھ) بیڑیوں (ہتھکڑیوں یا طوقوں) میں ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے (کیوں کہ گندھک آگ کو زیادہ بھڑکاتی ہے) اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانکے ہوئے ہوگی (آگ کے شعلے چہروں سے بلند ہو رہے ہوں گے) پوری مخلوق کا حساب و کتاب دنیاوی ایام کے حساب سے آدھے دن میں نٹا دے گا جیسا کہ حدیث میں ہے (یہ) (قرآن کریم) پیغام ہے لوگوں کے لیے یعنی لوگوں تک ہدایت پہنچانے کے لئے ہے) اور تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ڈرایا جائے اور تاکہ جان لیں (ان دلائل کے ذریعہ جو اس میں موجود ہیں) کہ وہ (اللہ) ہی معبود واحد ہے اور تاکہ نصیحت پکڑیں (اصل میں یہاں تاء کا ادغام ذال میں ہو رہا ہے یعنی یتعظ عطف والے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: **بِلاَ عَذَابٍ**: کہہ کر اشارہ کیا کہ تاخیر کا معنی یہاں بلا عذاب چھوڑنا ہے۔
- قوله: **لِقَوْلٍ مَّا تَرَىٰ**: اس سے اشارہ کیا کہ تَشْخِصُ یہاں تقرر کے معنی میں ہے، اس کا سبب طاری ہونے والا خوف ہے۔
- قوله: **مُسْرِعِينَ**: یہ حال ہے صفت نہیں هطع - تیزی سے چلنا۔
- قوله: **لَا يَرْتَدُّ**: یہاں عدم ارتداد سے نگا ہوں کا پتھر انا ہی مراد ہے۔
- قوله: **خَالِيَةً مِّنَ الْعَقْلِ**: اس سے اشارہ کیا کہ حواء کا معنی خلاء ہے اور یہاں مجازی معنی عقل سے خالی ہونا یا گیا ہے۔
- قوله: **فَيَقَالُ لَهُمْ تَوْبِيخًا**: اس سے اشارہ کیا کہ ان مُخَفِّفِ مِّنَ الشُّكْلِ ہے۔ اور لام کا آنا یہ تانیہ اور مخففہ میں فرق ظاہر کرنے والا ہے۔
- قوله: **بَيِّنَاتٍ نَّقِيَّةٍ**: اس سے مراد خالصہ ہے۔
- قوله: **قَطِرَانٍ**: گندھک
- قوله: **مَتَّعَلِقٌ بِبَرَزُوا**: اس سے اشارہ کیا کہ یہ تنشی سے متعلق نہیں اور اس پر کل نفس دلالت کرتا ہے۔
- قوله: **أُنزِلَ لِيَتَّبِعِهِمْ**: یہاں بلاغ بمعنی تلخ ہے اس کی خبر مخذوف ہے اور وہ انزل ہے اور اس کی علت اس کے قائم مقام لائے ہیں۔
- قوله: **لِيُنذَرُوا**: یہ مخذوف پر معطوف ہے یعنی تاکہ وہ نصیحت پائیں اور لوگوں کو ڈرا لیں۔

تفسیر مقبولین

وَلَا تَحْصِبَنَّ اللَّهُ غَافِلًا عَنَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ...

قیامت کے دن کا ایک منظر، عذاب آنے پر ظالموں کا درخواست کرنا کہ مہلت دیدی جائے:

قرآن مجید نازل ہوتا تھا رسول اللہ (ﷺ) سنا تے تھے تو حید کی دعوت دیتے تھے لیکن مشرکین مکہ عناد و تکذیب سے باز نہ آتے تھے اور اپنے احوال اور اموال میں مست تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوری طور پر عذاب نہ آنے کی وجہ سے یوں کہتے تھے کہ اگر ہم اللہ کے نزدیک مجرم ہیں تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ ان کی اس جاہلانہ بات سے دوسرے لوگوں کے متاثر ہونے کا بھی احتمال تھی اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ آپ یہ خیال نہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے غافل ہے اسے سب خبر ہے ان کے حال اور انکار و تکذیب کا علم ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ تکذیب کرنے والوں پر وہ دنیا ہی میں عذاب بھیج دے نیز عذاب آنے میں دیر لگنے کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ کفر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں اللہ تعالیٰ ان کو مہلت دے رہا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی اور نظر بھی الٹ کر واپس نہ آئے گی ایسی ٹنگلی باندھے ہوئے دیکھتے ہوئے، کہ پلک بھی نہ جھپک سکے گی تیزی سے دوڑ رہے ہوئے سراد پر کواٹھائے ہوئے اور ان کے دل بالکل ہوا ہوئے یعنی دہشت سے حواس باختہ ہو چکے ہوئے مواخذے میں دیر لگنے کی وجہ سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ بس یہ دنیا ہے نہ قیامت ہے نہ حساب ہے، نہ عذاب ہے، ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائیں۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ: (وَلَا تَحْصِبَنَّ اللَّهُ) کا خطاب ہر اس شخص کی طرف ہے جس کے خیال میں یہ آسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کے اعمال سے غافل ہے، پھر فرماتے ہیں کہ یہ خطاب نبی اکرم (ﷺ) کو بھی ہو سکتا ہے آپ سے ایسے گمان کا صادر ہونا تو محال ہے لہذا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور خیر ہونے کے بارے میں جو آپ یقین رکھتے ہیں اسی پر دائم و قائم رہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ بظاہر خطاب آپ کو ہے لیکن اس سے مقصود دوسروں کو متنبہ کرنا ہے اور اس میں تشبیہ ہے۔ در تشبیہ شدید تاکید ہے کہ جس ذات سے ایسا گمان ہو ہی نہیں سکتا جب اسے اپنے خیال کی ممانعت کر دی گئی تو جو شخص ایسا گمان کر سکتا ہے ہوا سے تو ایسے گمان سے بہت زیادہ دور رہنا چاہیے۔ قیامت کا ہولناک منظر بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: وَ أَنْذَرُوا النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ کہ آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان پر عذاب آپہنچے گا۔ جب ان پر عذاب آئے گا تو کہیں گے کہ اے رب ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دیدیجیے آپ نے ہمیں جن کاموں کی دعوت دی تھی یعنی آپ کی طرف سے ہمیں جن کاموں کے کرنے کا بلاوا پہنچا تھا ہم ان پر عمل کریں گے اور آپ کا حکم مانیں گے اور رسولوں کا اتباع کریں گے، ان لوگوں کے جواب میں کہا جائے گا کہ تم دنیا میں بستے رہے دنیا کو آباد کیا تمہیں جب حق کی دعوت دی جاتی تھی اور قیامت کے دن کے آنے کی خبر دی جاتی تھی اور اس پر ایمان لانے کو کہا جاتا تھا اور تم ساری سنی ان سنی کر دیتے تھے تم تو یوں قسم کھاتے تھے کہ ہمیں دنیا ہی میں رہنا ہے یہاں سے ملن ہی نہیں، اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے خوب سمجھایا (ﷺ) ان کا سمجھنا

ایمان لانے کو فرمانا سمجھدار انسان کے لیے کافی تھا لیکن مزید تعبیر و تذکیر کے لیے یہ بات بھی کم نہ تھی کہ تم لوگ جن بستوں میں سکونت پذیر تھے اور جن گھروں میں رہتے تھے، تمہیں معلوم تھا کہ یہ ان لوگوں کی بستیاں ہیں اور ان لوگوں کے گھر ہیں، جنہوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا اور تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ جو لوگ ان بستوں میں رہتے تھے اور ان گھروں میں بستے تھے کفر و انکار کی وجہ سے ان پر عذاب آیا، اور مزید یہ کہ ہم نے تمہارے سامنے مثالیں بیان کیں اور پہلے لوگوں کی بربادی کے واقعات سنائے (جنہیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے بیان فرمایا) اور تم بھی سلا بعد نسل سنتے چلے آ رہے تھے یہ سب کچھ ہوتے ہوئے تم نے حق کو ٹھکرایا قیامت پر ایمان نہ لائے اب کہتے ہو کہ مہلت دی جائے اب مہلت کا کوئی موقعہ نہیں۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝

جس روز دوسری زمین بدل دی جائے گی اس زمین کے علاوہ اور آسمان بھی۔ يَوْمَ تُبَدَّلُ - يَوْمَ يَأْتِيهِمْ سے بدل ہے یا انتقام کا مفعول یہ ہے یا اذْ كُرُوا مخذوف کا مفعول یہ ہے اور السَّمَوَاتُ کا عطف الأرض پر ہے۔

تبدیلی دو طرح کی ہوتی ہے: (۱) تبدیل ذاتی یعنی ایک شے کی بجائے دوسری چیز لے آئی جائے جیسے میں نے درہم کو دینار سے بدل لیا یا بدل دیا، درہم دے کر دینار لے لیا۔ اللہ نے فرمایا ہے: نَبَدَّلْنَاهُمْ جُنُودًا غَيْرَهَا ہم ان کو ان کی کھالوں کی جگہ دوسری کھالیں دے دیں گے۔ (۲) تبدیل وصفی (یعنی نفس شے تو باقی رکھی جائے، اس کی حالت شکل وغیرہ بدل دی جائے) جیسے بَدَّلْتُ الْخَلْقَةَ بِالْخَلْقَاتِمِ میں نے چھلا بدن کو گٹھلی بنا دی، یعنی چھلے کو پگھلا کر گٹھلی کی شکل دے دی، چھلے کی شکل کو گٹھلی کی شکل میں تبدیل کر دیا۔

عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود کا قول اس آیت کی تشریح کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: یہ زمین بدل کر ایسی زمین کر دی جائے گی جو چاندی کی طرح ہوگی جہاں نہ کبھی حرام خون بہایا گیا ہوگا نہ کوئی اور گناہ کیا گیا ہوگا۔ بیہقی نے یہ حدیث مرفوعاً بھی بیان کی ہے یعنی حضرت ابن مسعود کا قول نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ (ﷺ) کا قول ہے اور حضرت ابن مسعود راوی ہیں اور موقوفاً بھی، یعنی حضرت ابن مسعود کا قول بھی قرار دیا ہے اور موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔ میں کہتا ہوں: اس جگہ موقوف حدیث بھی مرفوع کی طرح ہے (واقعات قیامت کا بیان اجتہاد و فکر ورائے سے کوئی صحابی نہیں کر سکتا کہ جس میں غلطی کا امکان ہو سکے۔ مبداء و معاد ملائکہ نبوت، جنت و دوزخ اور مستقبل کے سلسلے میں جو اقوال کسی صحابی کی طرف منسوب ہیں وہ یقیناً صحابی کے از خود نہیں ضرور رسول اللہ (ﷺ) سے سنے ہوئے ہیں، احتیاطاً کسی اور وجہ سے رسول اللہ (ﷺ) کی طرف ان کی نسبت نہیں کی گئی۔ پس تبدیل ارض و سماء کے سلسلے میں بھی جو حضرت ابن مسعود کا قول ہے وہ یقیناً رسول اللہ (ﷺ) کا فرمان ہے۔)

ایک دوسری سند سے ابن جریر و حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: یہ زمین بدل کر سفید زمین ہو جائے گی جیسے خالص چاندی۔ احمد، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ایوب کی روایت سے اور (صرف) ابن جریر نے حضرت انس کی روایت سے (موقوفاً) بیان کیا: قیامت کے دن اللہ اس زمین کو چاندی کی ایسی زمین سے بدل دے گا جس پر گناہ نہیں کیا گیا ہوگا۔ ابن جریر نے ابو حمزہ کے سلسلے سے حضرت زید کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے اس آیت کے ذیل

میں فرمایا: یہ زمین چاندی کی طرح سفید ہو جائے گی۔ ابن ابی الدنیا نے صفت الجنت میں حضرت علی کی روایت سے اس آیت کی تشریح کے ذیل میں بیان کیا کہ (حضرت علی نے فرمایا) زمین چاندی کی ہوگی اور آسمان سونے کا۔ ابن جریر نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ زمین ایسی ہوگی جیسے چاندی اور آسمان بھی ایسا ہی ہوگا۔ عبد بن حمید نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے، عکرمہ نے کہا: ہم کو یہ (روایت) پہنچی ہے کہ یہ زمین لپیٹ دی جائے گی اور اس کے برابر یک اور زمین ہوگی۔ اس زمین سے اس زمین کی طرف لوگوں کو لے جا کر جمع کیا جائے گا۔ صحیحین میں حضرت اہل بن سعد کی روایت آئی ہے، حضرت اہل نے فرمایا کہ میں نے خود سنا کہ رسول اللہ (ﷺ) فرما رہے تھے: قیامت کے دن لوگوں کو ایک سفید زمین پر جمع کیا جائے گا جس کا رنگ خاکستری (سفید مائل بہ خیالاً) ہوگا اور چھنے ہوئے آنے کی تکیہ کی طرح (ہموار و ہم رنگ) ہوگی جس کسی کی کوئی (عمارت، منارہ، گنبد وغیرہ غرض کوئی) نشانی نہ ہوگی۔ یہی سنتی نے ہندسہ صغیر بحوالہ کلینی از ابو صالح اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اس میں کسی بیشی کر دی جائے گی۔ نیلے پہر زوادیوں درخت اور جو کچھ اس زمین میں ہے، ختم کر دیا جائے گا اور عکاظ کے چمڑے کی طرح اس کو کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا۔ وہ چاندی کی طرح ایک سفید زمین ہوگی جس پر کوئی خون نہیں بہایا گیا ہوگا اور نہ کوئی گناہ کیا گیا ہوگا اور آسمانوں کے سورج چاند ستارے ختم کر دیئے جائیں گے۔

حاکم نے حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو چمڑے کی طرح زمین کو کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا اور سب مخلوق کو (اس پر) جمع کیا جائے گا۔

حاکم نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت جابر کی روایت سے رسول اللہ (ﷺ) کا فرمان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن چمڑے کے کھینچنے کی طرح زمین کو کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا، پھر کسی آدمی کیلئے قدموں کے رکھنے سے زیادہ جگہ نہ ہوگی پھر سب سے پہلے مجھے پکارا جائے گا اور میں سجدہ میں گر پڑوں گا، پھر مجھے اجازت ملے گی تو اٹھ کر کھڑا ہو جاؤں گا اور عرض کروں گا: اے میرے رب! یہ جبرئیل ہیں (حضرت جبرئیل اس وقت رحمن کے دائیں جانب ہوں گے اور حضرت جبرئیل نے اس سے پہلے رحمن کو کبھی نہ دیکھا ہوگا) انہوں نے مجھے اطلاع دی تھی کہ آپ نے ان کو میرے پاس بھیج دیا تھا۔ حضرت جبرئیل خاموش ہوں گے کوئی بات نہیں کریں گے۔ اللہ فرمائے گا: اس نے سچ کہا تھا۔ پھر اللہ مجھے شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرمائے گا۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! تیرے بندے زمین کے تمام اطراف میں ہیں۔ یہی مقام محمود ہوگا (اللہ کی حمد کرنے کا مقام جس پر قیامت کے دن رسول اللہ (ﷺ) کو فائز کیا جائے گا)۔

صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: قیامت کے دن زمین ایک روٹی ہوگی جو اللہ اپنے ہاتھ سے اہل جنت کی مہمانی کیلئے تیار کرے گا، جیسے تم لوگ سفر کیلئے اپنی روٹی تیار کرتے ہو (اس حدیث میں ((لَوْ لَا لِأَهْلِ الْجَنَّةِ)) کا لفظ آیا ہے، ہم نے نُزُل کا ترجمہ مہمانی کیا ہے خواہ مہمان کیلئے تیار کیا ہوا کھانا یا کوئی اور چیز جو کھانے کیلئے کھانے سے پہلے پیش کی جائے اور دردی نے کہا: نُزُل اس چیز کو کہتے ہیں جو طعام مہمانی سے پہلے مہمان کو پیش کی جاتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اہل جنت کو جنت میں پہنچنے تک مختلف مواقع و مقامات پر بطور نُزُل زمین کی روٹی پیش کی جائے گی اور آخر وہ جنت میں پہنچ جائیں گے۔

اسی طرح ابن مرجان نے الارشاد میں بیان کیا ہے کہ زمین بدل کر ایک روٹی کر دی جائے گی (جس کو) مؤمن اپنے قدموں کے درمیان سے (اٹھا کر) کھائے گا اور حوض (غالباً کوڑیا تسنیم) کا پانی پئے گا۔ ابن حجر نے لکھا ہے: اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ میدان حشر کے سارے مواقع کی پوری مدت میں مؤمنوں کو بھوک کی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اللہ اپنی قدرت سے زمین کی فطرت بدل دے گا کہ اللہ کی مشیت کے مطابق مؤمن اپنے قدموں کے نیچے سے بغیر کمالی اور تکلیف کے اٹھا کر (روٹی) کھائیں گے اسی کی تائید کرتا ہے۔ سعید بن جبیر کا وہ قول جو ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ زمین سفید روٹی ہو جائے گی جو مؤمن اپنے قدموں کے نیچے سے (اٹھا کر) کھائے گا اسی طرح کا محمد بن کعب کا قول بھی مروی ہے۔ بیہقی نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ زمین بدل کر سفید مثل روٹی کے ہو جائے گی جس کو اہل اسلام حساب سے فراغت کے وقت تک کھاتے رہیں گے۔ امام ابو جعفر یعنی امام باقر کا قول بھی اسی روایت میں اسی طرح آیا ہے۔

خطیب نے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ قیمت کے دن لوگوں کا حشر ایسی حالت میں ہوگا کہ بہت زیادہ بھوکے ہوں گے کہ ایسے بھوکے کبھی نہیں ہوئے ہوں گے بہت زیادہ پیاسے ہوں گے کہ ایسے پیاسے کبھی نہیں ہوئے ہوں گے بالکل برہنہ ہوں گے کہ کبھی ایسے ننگے نہ رہے ہوں گے اور ایسے تھکے ہوئے ہوں گے کہ کبھی ایسے نہ تھکے ہوں گے۔ پس جس نے (دنیا میں) اللہ کیلئے کھانا کھلایا ہوگا اللہ (اس روز) اس کو کھانا کھلائے گا اور جس نے اللہ کیلئے پانی پلایا ہوگا اللہ اس کو پانی پلائے گا اور جس نے اللہ کے واسطے لباس پہنایا ہوگا اللہ اس کو لباس پہنائے گا اور جس نے (اللہ کیلئے) کوئی عمل کیا ہوگا اللہ اس کیلئے کافی ہوگا۔ ابن جریر نے محمد بن کعب کا قول اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں نقل کیا ہے ابن کعب نے کہا: آسمان باغ ہو جائیں گے اور سمندر کی جگہ آگ ہو جائے گی اور زمین تبدیل کر کے کچھ اور کر دی جائے گی۔ حضرت ابن مسعود کا ایک قول آیا ہے کہ قیامت کے دن ساری زمین آگ ہو جائے گی۔ کعب احبار کا قول ہے کہ سمندر کی جگہ آگ ہو جائے گی۔

مسلم نے حضرت ثوبان کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک یہودی عالم نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر دریا پت کیا: جس روز زمین دوسری زمین میں تبدیل کر دی جائے گی اس روز لوگ کہاں ہوں گے؟ حضرت (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: پہل سے ورے تاریکی میں۔

مسلم نے حضرت عائشہ کا بیان نقل کیا ہے ام المؤمنین نے فرمایا: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ)! بیان فرمائیے کہ جس روز زمین تبدیل کر دی جائے گی تو لوگ کہاں ہوں گے؟ فرمایا: صراط پر۔ بیہقی نے کہا: اس حدیث میں صراط کا لفظ بطور مجاز استعمال کیا گیا ہے۔ چونکہ لوگوں کو (اس کے بعد) صراط سے گزرنا ہی ہوگا اسلئے بطور مجاز صراط پر ہونے کی صراحت فرمائی۔ اب حضرت ثوبان کی روایت سے اس روایت کی مطابقت ہو جائے گی۔ حضرت ثوبان کی روایت میں ”پہل سے ورے“ تاریکی میں“ آیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی ہے کہ تبدیل ارضی یعنی اس زمین سے منتقل ہو کر ارض موقوف پر پہنچنا تو جزوہ (جہز کی یا جھنجھوڑ) کے وقت ہوگا (جو پہل صراط پر پہنچنے سے پہلے ہوگا)۔

بیہقی نے حضرت ابی بن کعب کا قول نقل کیا ہے کہ آیت: وَنُحْمَلِكِ الْأَرْضَ وَنَجْعَلُكَ أَئِمَّةً وَاجِدْكَ كِ الشَّرْحِ میں آپ نے فرمایا: دونوں خاک ہو جائیں گے جو کافروں کے چہروں پر پڑے گی مؤمنوں کے چہروں پر نہیں پڑے گی۔

وَجُودًا يَوْمَ مَبِيدٍ عَلَيْهِمَا غَبْرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ كَأَنَّهُ يَأْكُلُ الْحَمِيمَ
 ہوگی۔

سیوطی نے لکھا ہے: قدماء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے کہ کیا تبدیل ارض سے مراد صرف تبدیل اوصاف (احوال رنگ ہیئت وغیرہ) ہے یا تبدیل ذات ہی ہو جائے گی۔ مؤخر الذکر قول کو ابن ابی حمزہ نے ترجیح دی ہے اور صراحت کی ہے کہ یہ دنیا کی زمین نابود ہو جائے گی اور موقف قیامت کی نئی زمین پیدا کی جائے گی۔

شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ تبدیل ارض کی احادیث اور زمین کو کھینچ کر پھیلانے اور اس میں کمی بیشی کرنے کی احادیث میں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ یہ سارے حوادث ارض دنیا پر واقع ہوں گے اور اس موقف کی زمین اس کے علاوہ ہوگی۔ یہ زمین بدل جائے گی تو ایک جھڑکی سے سب لوگ یہاں سے نکل کر ارض محشر میں پہنچ جائیں گے۔

ابن حجر نے لکھا ہے: اسی طرح ان احادیث میں بھی باہم منافات نہیں جن میں سے کسی میں زمین کا روٹی ہو جانا اور کسی میں خاک ہو جانا اور کسی میں آگ ہو جانا مذکور ہے۔ کچھ زمین روٹی بن جائے گی، کچھ خاک ہو جائے گی اور سمندر کی زمین آگ ہو جائے گی۔ حضرت ابی بن کعب کا اثر اسی پر دلالت کر رہا ہے۔

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں کہ مؤمنوں کے قدموں کے نیچے کی زمین روٹی بن جائے گی اور کافروں کے قدموں کے نیچے کی زمین خاک اور آگ ہو جائے گی۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ صاحب انصاح نے ان تمام متضاد احادیث کا تعارض دور کرنے کیلئے کہا ہے کہ زمین و آسمان کی تبدیلی دو مرتبہ ہوگی: پہلی مرتبہ نفع و صحت (پہلی مرتبہ صور پھونکنے) سے پہلے ہو گی کہ ستارے جھڑ جائیں گے، چاند اور سورج بے نور ہو جائیں گے، آسمان تانبے کی طرح سرخ ہو جائے گا، اس کا پوست اتار لیا جائے گا، پہاڑ اڑے اڑے پھریں گے، سمندر آگ ہو جائیں گے، زمین میں لرزہ پیدا ہو جائے گا اور وہ پارہ پارہ ہو جائے گی، اس کی ہیئت ہی بدل جائے گی، پھر پہلا صور پھونکا جائے گا تو آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے، آسمان بدل کر دوسرا آسمان ہو جائے گا اور زمین کو کھینچ کر پھیلادیا جائے گا اور ویسا ہی دوبارہ کر دیا جائے گا جیسے وہ پہلے تھی۔ اس کے اندر قبریں ہوں گی جن کے اندر مردے ہوں گے۔

پھر (دوبارہ صور پھونکے جانے پر) زمین میں دوسری تبدیلی ہوگی یہ اس وقت ہوگا جب لوگ میدان حشر میں کھڑے ہوں گے ایسی حالت میں روئے زمین جس کو ساہرہ کہا جائے گا اور اس پر حساب نہیں ہوگی بدل دیا جائے گا۔ اس وقت زمین چاندی کی ہوگی سفید خاستری رنگ ہوگا جس پر نہنوں ریزی کی گئی ہوگی نہ کوئی گناہ کیا گیا ہوگا۔ اس تبدیلی کے وقت لوگ صراط پر کھڑے ہوں گے اور سب اس میں سا جائیں گے۔ جو بچیں گے وہ جہنم کے پل پر ٹھہرے ہوں گے۔ دوزخ اس وقت منجمد ہو گی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں جو آیا ہے کہ زمین آگ ہو جائے گی اس سے یہی مراد ہے۔ جب لوگ صراط سے گزر جائیں گے اور (مؤمن) انبیاء علیہم السلام کے حوضوں پر پہنچ کر قیام کریں گے اور حیاض انبیاء کا پانی پیئیں گے تو زمین روٹی کی ایک ٹکڑی بنا دی جائے گی۔ جو جنت میں جانے والے ہوں گے وہ سب اس روٹی میں سے کھائیں گے۔ جنت کے نیل کے جگر یا مچھلی کی جگری کا اُن کیلئے سالن ہوگا۔

طبرانی نے الاوسط میں اور ابن عدی نے ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن سوائے مسجدوں کے سب زمین نابود ہو جائے گی مساجد کو باہم ملا دیا جائے گا (یعنی تمام مساجد یکجا جمع کر دی جائیں گی)۔

میں کہتا ہوں: اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو جائے تو شاید سب مساجد کی زمین جنت کی زمین بنا دی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد والنسائی عن عبد اللہ بن زید وفی الصحیحین والترمذی عن ابی ہریرۃ۔

وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ اور (قبروں سے نکل کر حساب نہیں اور جزا و سزا کیسے) ایک غالب اللہ کے سامنے آئیں گے۔ واحد و قہار دو صفتیں ذکر کرنے سے یہ بات بتائی ہے کہ معاملہ بہت سخت ہوگا۔ ایسے اللہ کی پیشی ہوگی جو سب پر غالب ہے جس سے مقابلہ ممکن نہیں۔ نہ اس کے سوا کہیں پناہ کی جگہ ہوگی نہ فریاد۔

سُورَةُ الْحَجِّ

آیاتها ۹۹
رُكُوعَاتُهَا ۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُورَةُ الْحَجِّ
۱۵ مَكِّيَّةٌ ۵۳

سورہ حج مکہ میں نازل ہوئی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی خانوے آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں

الرَّ ۱۰ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِذَلِكَ تِلْكَ هَذِهِ الْآيَاتُ آيَةُ الْكِتَابِ الْقُرْآنِ وَالْإِضَافَةُ بِمَعْنَى مِنْ وَقُرْآنِ مُبَيِّنٍ ①

توضیح: الرَّ (اس کی مراد اللہ ہی جانتے ہیں) یہ (آیتیں) کتاب (قرآن کریم) کی آیتیں ہیں (اضافت بیانہ ہے)۔ اور روشن قرآن کی (جو حق کو باطل سے ممتاز کرنے والا ہے یہ معطوف ہے صفت کی زیادتی کے ساتھ)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: هَذِهِ الْآيَاتُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں اسم اشارہ کو تانیث کی صورت میں کیوں لائے۔
قولہ: وَالْإِضَافَةُ بِمَعْنَى مِنْ: اشارہ فرمایا کہ آیات کتاب کی اضافت من کے معنی میں ہے۔

تفسیر مقبولین

الرَّ ۱۰ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ وَقُرْآنِ مُبَيِّنٍ ①

قرآن حکیم کی عظمت شان کا ایک اہم پہلو:

سوارشاد فرمایا گیا کہ یہ آیتیں ہیں اس کتاب حکیم کی یعنی یہ اس طرح کے جملے اور فقرے نہیں جو عام لوگوں کے کلام اور ان کی گفتگو میں پائے جاتے ہیں بلکہ ان میں سے ایک ایک کلمہ اور حصہ ایک آیت اور نشانی ہے ایسے عظیم الشان معانی اور حقائق کی جو انقلاب آفرین ہیں، اور جن سے انسانی زندگی اور معاشرے کے دھارے بدل جاتے ہیں۔ سو ان آیات کریمات کو اسی اعتبار سے دیکھا اور پڑھا جائے، سو یہ اس عظیم الشان کتاب حکیم کی آیتیں ہیں جو کہ اللہ کے رسول، ﷺ پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں لوگوں کو، سو یہ کلام حکیم کوئی عام کلام نہیں بلکہ یہ ایک عظیم الشان معجزہ ہے جس کے حصے کوئی عام کلام

کے حصے نہیں۔ بلکہ یہ معجزہ شان رکھنے والے نکلے ہیں، ان کو جملے نہیں کہا جاتا جس طرح دوسرے مختلف کلاموں میں پائے جاتے ہیں بلکہ آیات ہیں جو کہ اس کی شان اعجاز کی نشانیاں اور اس کی مظہر ہیں۔ سو ان کو اسی اعتبار سے دیکھا اور پڑھا جائے۔

قرآن حکیم ایک کامل کتاب:

اسی بناء پر اس کو یہاں بھی اور دوسرے کئی مقامات پر بھی الیکٹپ کے لفظ سے ذکر فرمایا گیا ہے سو یہی وہ کتاب ہے کہ الکتب کہلانے کے لائق ہے، اور جو بڑی ہی عظیم الشان کتاب ہے، اور ایسی عظیم الشان کہ اس کی دوسری کوئی نظیر و مثال نہ ہوگی، نہ ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ جو کہ رحمتوں بھری ایسی کامل اور عظیم الشان کتاب ہے کہ اس کے مقابلے میں دوسری کوئی کتاب کتاب کہلائے۔ بانے کی مستحق ہی نہیں۔ اور جو کہ تمہارے لئے اے بنی نوع انسان ضامن و کفیل ہے دارین کی سعادت و سرخروئی اور فوز و فلاح کی، سو اس سے منہ موڑنا پرے درجے کی حماقت اور سب سے بڑی محرومی ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس کتاب حکیم کو صدق دل سے اپناؤ اور اس کی تعلیمات مقدسہ اور ہدایات عالیہ کے مطابق اپنی زندگی بناؤ تاکہ تم لوگ دارین کی سعادت و سرخروئی سے سرفراز و بہرہ ور ہو سکو اور ہمیشہ کے اس خسارے اور افسوس سے بچ سکو جو اس کے منکرین کا مقدر بن چکا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ پس اس کتاب عظیم کو اس کی انہی عظمتوں کے مطابق دیکھا اور پڑھا جائے۔

قرآن حکیم کی عظمت اس کی صفت مسبین کے اعتبار سے:

ارشاد فرمایا گیا کہ یہ آیتیں ہیں کھول کر بیان کرنے والے اس قرآن عظیم کی، یعنی اس قرآن مجید کی جو کھول کر بیان کرتا ہے حق و باطل کو، صحیح اور غلط کو، جائز و ناجائز کو، سعادت و شقاوت اور کامیابی و ناکامی کو۔ اور اس بات کو بھی کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے، کسی بشر کے بس ہی میں نہیں کہ وہ ایسا عظیم الشان کلام پیش کر سکے، سو یہ قرآن مسبین اپنی مثال آپ ہے۔ اس لئے اس کی تعظیم کی ہے۔ جیسا کہ الکتب کی تعریف اس کی تعظیم کے لیے ہے (محاسن التاویل وغیرہ) مسبین کے معنی واضح ہونے والے کے بھی ہیں اور واضح کرنے والے کے بھی۔ اور قرآن حکیم میں یہ دونوں معنی پائے جاتے ہیں اور بدرجہ تمام و کمال پائے جاتے ہیں۔ سو یہ کتاب حکیم اپنے معانی و مطالب کے اعتبار سے نہایت واضح ہے اس میں کسی طرح کا کوئی ابہام نہیں پایا جاتا، نیز یہ کتاب حکیم آفتاب اور دلیل آفتاب کے مصداق اپنی صداقت و حقانیت پر خود گواہ ہے اور ایسی اور اس طور پر کہ اس کے لئے کسی بیرونی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں۔

مُظْهِرٍ لِلْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ رَبَّمَا بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ يَوَدُّ يَتَمَنَّى الَّذِينَ كَفَرُوا
 يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِذَا عَابَتْ أحوالهم وَحَالِ الْمُسْلِمِينَ ۝ لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ وَرَبُّكَ لِلْكَافِرِينَ فَإِنَّهُ بِكُفْرِهِمْ تَسْنِي
 ذَلِكَ وَيَقِيلُ لِلتَّقْوِيلِ فَإِنَّ الْأَهْوَالَ تُدْهِشُهُمْ فَلَا يُفِيقُونَ حَتَّى يَسْمُرُوا ذَلِكَ الْآفِيءِ أَحْيَانًا قَلِيلَةً ذَرَهُمْ أَتْرَكَ
 الْكُفَّارَ يَا مُحَمَّدُ يَا كُفَّارًا وَتَسْتَعْوَا بِدِيَارِهِمْ وَيُلْهِمُهُمْ يُشْغِلُهُمُ الْأَمَلُ بِطُولِ الْعُمُرِ وَغَيْرِهِ عَنِ
 الْإِيمَانِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ عَاقِبَةُ أَمْرِهِمْ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْقِتَالِ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ زَائِدَةٍ قَرِيْبَةٍ أُرِيدُ
 أَهْلَهَا إِلَّا وَ لَهَا كِتَابٌ أَحْجَلٌ مَعْلُومٌ ۝ مَحْدُوْدٌ لِإِهْلَاكِهَا مَا تَسْبِقُ مِنْ زَائِدَةٍ أُمَّةٍ أَجَلَهَا
 وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝ يَتَأَخَّرُونَ عَنْهُ وَقَالُوا أَيُّ كُفَّارٍ مَكَّةَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ
 عَلَيْهِ الذِّكْرُ الْقُرْآنُ فِي رُغْمِهِ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝ لَوْ مَا هَذَا تَأْتِينَا بِالْمَلِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ
 الصَّادِقِينَ ۝ فِي قَوْلِكَ إِنَّكَ نَبِيٌّ وَإِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ تَعَالَى قَالَ تَعَالَى مَا نُنزِّلُ فِيهِ خَدْفٌ
 إِخْدَى التَّائِيْنَ الْمَلِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ بِالْعَذَابِ وَمَا كَانُوا إِذَا أَيُّ جِبْنٍ تُرْوِلُ الْمَلَائِكَةَ بِالْعَذَابِ
 مُنْظَرِينَ ۝ مُؤَخَّرِينَ إِنَّا نَحْنُ نَاكِدٌ لِاسْمِ إِنْ أَوْفَضَلْ نُزِّلْنَا الذِّكْرَ الْقُرْآنَ وَإِقَالَهُ لَحِفْظُونَ ۝
 مِنَ التَّجْدِيلِ وَالتَّحْرِيفِ وَالتَّرْيَادَةِ وَالتَّقْصِصِ وَ لَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا فِي شِيَعٍ فِرْقِ الْأَوَّلِينَ ۝ وَ
 مَا كَانَ يَأْتِيهِمْ مِنْ رُسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ اسْتَهْزَأَ قَوْمٌ بِكَ وَهَذَا تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَلِكَ سَلَكَهُ أَيُّ مِثْلٍ إِدْخَالِنَا التَّكْذِيبِ فِي قُلُوبِ أَوْلِيكَ نُدْخِلُهُ فِي قُلُوبِ
 الْمُجْرِمِينَ ۝ أَيُّ كُفَّارٍ مَكَّةَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ خَلَّتْ سُنَّةُ
 الْأَوَّلِينَ ۝ أَيُّ سُنَّةِ اللَّهِ فِيهِمْ مِنْ تَعْدِيهِمْ بِتَكْذِيبِهِمْ أَنْبِيَائِهِمْ وَهُؤُلَاءِ مِثْلُهُمْ وَ لَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا
 مِنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ فِي الْبَابِ يَعْرُجُونَ ۝ يَضَعُدُونَ لِقَالُوا إِنَّمَا سَكِرَاتٌ مِمَّا عَمِلْتُمْ أَبْصَارُنَا بَلْ
 نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ ۝ يُخْبِلُ الْبِنَادُ ذَلِكَ

ترجمہ: اکثر (تشدید اور تخفیف کے ساتھ) آرزو (تمنا) کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا (قیامت کے دن جب وہ اپنی حالت اور اہل ایمان کی حالت کا مشاہدہ کریں گے) کیا اچھا ہوتا جو مسلمان ہوتے (لفظ رب کثیر کے لئے ہے کیونکہ اس

بات کی یہ کثرت تمنا کریں گے بعض نے کہا کہ رب تعالیٰ کے لیے ہے کیونکہ ان کی خستہ حالی ان کو خوف و ہشت میں مبتلا کرے گی جب ذرا افاقہ ہو گا تو اس تھوڑے سے وقت میں وہ یہ تمنا کریں گے (انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے) (اے محمد! کفار کو ان کے حال پر رہنے دیجئے) کھالیں اور برت لیں (اپنی دنیا کو) اور امید میں لگے رہیں (درازی عمر کی چھوٹ میں پڑ کر ایمان سے محروم رہیں) سو آئندہ انہیں معلوم ہو جائے گا (اپنا انجام یہ آیت جہاد کے حکم سے پہلے کی ہے) اور ہم نے نارت نہیں کی (ہن زائدہ ہے) کوئی بستی (بستی والے مراد ہیں) مگر اس کی میعاد (مدت) لکھی ہوئی تھی مقرر (ان کی ہلاکت کا وقت متعین تھا) نہ سبقت کرتی ہے (ہن زائدہ ہے) کوئی جماعت اپنے وقت مقرر سے اور نہ پیچھے رہتی ہے اور (ان کفار نے نبی کریم ﷺ سے) یوں کہا اے وہ شخص جس پر قرآن کے معنی میں ہے (ہمارے پاس فرشتوں کے خیال کے مطابق اس پر قرآن نازل کیا گیا) تحقیق کہ تم مجنون ہو، کیوں نہیں لے آتے (لَوْ مَا هَلَّا کے معنی میں ہے) ہمارے پاس فرشتوں کو اگر تم سچے ہو (یعنی اس بات میں کہ تم نبی ہو اور یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں) ہم نہیں اتارتے (اس میں ایک تاء کو حذف کیا گیا ہے) فرشتوں کو مگر فیصلہ کے لئے (عذاب بھیجنے کے لئے) اور اس وقت (جب فرشتے عذاب لے کر اترتے ہیں) ان کو مہلت بھی نہیں دینا (عذاب میں تاخیر نہیں کی جاتی) تحقیق ہم نے آپ (نمن ضمیر یا تو ان کے اسم کی تاکید کے لئے ہے یا فصل کے لئے) اتاری ہے یہ نصیحت (قرآن حکیم مراد ہے) اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں (اس میں تبدیلی و تحریف اور کمی و زیادتی سے ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے) اور ہم بھیج چکے آپ سے پہلے (پیغمبر) اگلے لوگوں کے گرد ہوں میں نہیں آتا تھا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ ان کا استہزاء کیا کرتے تھے (جس طرح آپ کی استہزاء کی جاتی ہے) ہمیں آنحضرت کو تسلی دی گئی ہے (اسی طرح ہم بٹھا دیتے ہیں) جیسے ان کے دلوں میں ہم نے تکذیب بٹھا دی (یہ استہزاء مجرمین (کفار) کے دلوں میں ایمان نہیں لائیں گے) اس (نبی کریم ﷺ) پر اور یہ دستور پہلوں ہی سے ہوتا آیا ہے (یعنی خدائی دستور یہی چلا آ رہا ہے کہ انبیاء کو جھٹلانے کے سبب مکذبین کو عذاب دیا جا رہا ہے یہ بھی انہیں لوگوں کی طرح ہیں) اور اگر ہم ان پر آسمان کا دروازہ کھول دیں اور سارے دن اس (دروازہ) میں چڑھتے رہیں تو بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی تھی بلکہ ہم لوگوں پر جادو کر رکھا ہے (جس کی وجہ سے ہمیں ایسا لگتا ہے)۔

کلمات تفسیر کے توضیح و شرح

قولہ: مُظْهِرٌ لِلْحَقِّ: اس سے اشارہ کیا کہ سین یہ مظہر کے معنی میں ہے جو کہ متعدی ہے اور قرآن کو صفت اضافیہ کے ساتھ لائے ہیں۔

قولہ: مِنْ زَائِدَةٍ: یعنی کم اہل کتنا میں من زائدہ ہے۔

قولہ: اَجَلٌ: یہاں کتاب معلوم کی تفسیر اجل سے کر کے اشارہ کیا کہ وہ لوح محفوظ میں درج ہے۔ اس لئے اس کو مدت معلوم کہہ سکتے ہیں۔

قولہ: بِمَا تَشْرُونَ عَنْهُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں استفعال بمعنی تفعّل ہے۔

- قوله: مؤخّرین: یہاں نظر انتظار کے معنی میں ہے۔ روایت کے معنی میں نہیں۔
- قوله: تا کھذ لاسم: اس کو موکد لائے کیونکہ اس میں ان کے انکار و استہزاء کی تردید ہے۔
- قوله: فزوق: الشیخ یہ شیعہ کی جمع جو ایک طریقہ پر متفق ہونے والے گروہ کو کہا جاتا ہے۔
- قوله: حکان: مقدر کو لا کر بتلا دیا کہ ما یہاں ماضی پر داخل ہے۔
- قوله: کفّار مکّة: ان کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے تاکہ تشبیہ اسی بنفسہ لازم نہ آئے۔
- قوله: یضعفون: تاکہ کھلے دن میں اس کے عجائب کو دیکھیں اور ظلو ابھی اس کی تائید کرتا ہے۔
- قوله: شدّت: یہ سکت۔ روکنے کے معنی میں ہے نہ کہ عقل کا ماؤف کرنا۔
- قوله: یختیل الینا: اس سے اشارہ کیا گیا کہ تن بیتی کو بھی سحر قرار دے کر رد کر دیں گے یہ ضد کی انتہاء ہے۔

تفسیر مقبولین

رُبَّمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝

کافر بار بار تمنا کریں گے کہ کاش مسلمان ہوتے:

یعنی آج منکرین نے قرآن و اسلام جیسی عظیم الشان نعمت الہیہ کی قدر نہیں کی لیکن ایسا وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ اپنی محرومی پر ماتم کریں گے اور دست حسرت مل کر کہیں گے کاش ہم مسلمان ہوتے! وہ وقت کب آئے گا؟ اس میں اختلاف ہوا ہے ہم ابن الانباری کے قول کے موافق اس کو عام رکھتے ہیں۔ یعنی دنیا و آخرت میں جو مواقع کافروں کی نافرمانی اور مسلمانوں کی کامیابی کے پیش آتے رہیں گے ہر موقع پر کفار کو رو کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا اور نعمت اسلام سے محروم رہ جانے کی حسرت ہوگی۔ اس سلسلہ میں پہلا موقع تو جنگ بدر کا تھا جہاں کفار مکہ نے مسلمانوں کی طرف کھلا ہوا غلبہ اور تائید نہیں دیکھ کر اپنے دلوں میں محسوس کیا کہ جس اسلام نے فقراء مہاجرین اور اوس و خزرج کے کاشتکاروں کو اونچی ناک والے قریشی سرداروں پر غالب کیا، افسوس ہم اس دولت سے محروم ہیں۔ اسی طرح اسلامی فتوحات و ترقیات کی ہر ایک منزل پر کفار کو اپنی تہی دستی حرمان پر پچھتانے اور دل سے اشک حسرت بہانے کا موقع ملتا رہا۔ انتہائی حسرت و افسوس کا مقام وہ ہوگا جب فرشتہ جان نکالنے کے لیے سامنے کھڑا ہے اور عالم غیب کے حقائق آنکھوں سے نظر آرہے ہیں۔ اس وقت ہاتھ کاٹیں گے اور آرزو کریں گے کہ کاش ہم نے اسلام قبول کر لیا ہوتا کہ آج حذاب بعد الموت سے محفوظ رہ سکتے۔ اس سے بھی بڑھ کر یا س آئیز نظارہ وہ ہوگا جو طبرانی کی حدیث میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے بہت سے آدمی اپنے گناہوں کی بدولت جہنم میں جائیں گے اور جب تک خدا چاہے گا وہاں رہیں گے۔ بعد مشرکین ان پر طعن کریں گے کہ تمہارے ایمان و توحید نے تم کو کیا فائدہ دیا؟ تم بھی آج تک ہماری طرح دوزخ میں ہو، اس پر حق تعالیٰ کسی موحد کو جہنم میں نہ چھوڑے گا۔ یہ فرما کر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی: (رُبَّمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ) (الحجر: 2) گویا یہ آخری موقع ہوگا جب کفار اپنے مسلمان ہونے کی تمنا کریں گے۔

ذَرَّهُمْ يَأْكُلُوا وَيَسْتَعْوُوا يُلْهِمُهُمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ①

یعنی عنقریب ہی انہیں کافرانہ زندگی کے انجام کا مشاہدہ اور ذاتی تجربہ ہوا چاہتا ہے۔ ”سوف“ یعنی مرنے کے ساتھ ہی ”ذَرَّهُمْ“ یعنی آپ ان کے کفر پر زیادہ غم و حزن نہ کیجئے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان پر تبلیغ ترک کر دیجئے۔ یَاكُلُوا وَيَسْتَعْوُوا يُلْهِمُهُمُ الْأَمَلُ۔ کھانے پینے کی لذتوں میں پڑے رہنا، فوری اور وقتی مقصدوں کی الت پھیر میں لگے رہنا و مدت عمر کو دور دور از کی خیالی آرزوؤں اور منصوبوں میں گزارتے رہنا، یہ سب خصوصیات آخرت سے غافل اور خدا فراموش قوموں کی ہیں۔ اور جس طرح گزشتہ مشرک، درجہ اولی قوموں کے حق میں صادق تھیں آج بھی فرنگستان کی ”مہذب“ و روشن خیالی“ قوموں پر کیسی صادق آ رہی ہیں! يَسْتَعْوُوا، تمتع سے مراد انہیں مشغلوں میں انہماک ہے، جن کا نفع تمارتر عامل و فوری ہے۔ وَ يُلْهِمُهُمُ الْأَمَلُ سے صاف اشارہ اسی طرف ہو گیا کہ طول اہل میں پڑے رہنا ہرگز مؤمن کے شایان شان نہیں۔
وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرِيْبَةٍ....

ہر قوم اپنے مقررہ وقت پر اپنے انجام کو پہنچ کر رہی:

پس تاریخ کے اس حوالے سے موجودہ دور کے سرکش کفار کو سبق لینا چاہئے۔ اور کچھ عرصہ اگر عذاب نہیں آتا تو اس سے دھوکے میں پڑنے اور مست ہونے کی بجائے ان کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں اور اپنی روش بدل لینی چاہیے۔ ورنہ وہ عذاب ان پر اپنے مقررہ وقت پر آ کر رہے گا جس کے یہ مستحق ہیں، مگر اس وقت کے پچھتاوے سے ان کو کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ سو اللہ تعالیٰ کا قانون بے لاگ اور سب کے لیے ایک ہے۔ پس جس انجام سے کل وہ باغی قومیں دوچار ہوئیں وہ ان کے لئے بھی آ کر رہے گا۔ سو ان لوگوں پر جو ان کے کفر و انکار، تمرد و سرکشی اور مطالبہ عذاب کے باوجود عذاب نہیں آتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان پر عذاب آئے گا ہی نہیں۔ اور یہ قابل مواخذہ ہی نہیں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ عذاب کی یہ تاخیر دراصل اللہ تعالیٰ کی ایک سنت کی بناء پر ہے۔ اور وہ سنت الہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم پر عذاب بھیجنے سے پہلے اس کو اتنی مہلت دیتا ہے کہ اس پر حجت تمام ہو جائے۔ اور اتمام حجت کے بعد بھی اگر یہ قوم باز نہیں آتی تو وہ لازماً اپنے آخری انجام سے دوچار ہو کر رہتی ہے۔ اور نوشتہ خداوندی کے مطابق جب ایسی قوم کی مدت مہلت پوری ہو جاتی ہے تو وہ اپنے ہونا کا انجام سے دوچار ہو کر رہتی ہے، سرسواس میں فرق واقع نہیں ہوتا، نہ اس میں کسی طرح کی تقدیم ہوتی ہے نہ تاخیر، پس منکرین و مکذبین کو تاخیر عذاب سے کسی دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ①

اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا محافظ ہے:

یہ چار آیات ہیں ان میں سے پہلی آیت میں منکرین رسالت کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ اے وہ شخص جس پر ذکر یعنی قرآن نازل کیا گیا ہے ہمیں تیرے دیوانہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے ان کا اصل مقصود دیوانہ بنانا تھا آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی بتانے کی بجائے جو انہوں نے (الَّذِي نَزَّلَ عَلَيْهِمُ الذِّكْرَ) (جس پر ذکر نازل کیا گیا) کہا ان کا یہ کہنا بطور تمسخر کے تھا کیونکہ وہ اس بات کو مانتے ہی نہیں تھے کہ اللہ کی طرف سے آپ پر وحی آتی ہے، دوسری آیت میں منکرین اور معاندین کی کٹ جتنی بیان فرمائی ہے اور تیسری آیت میں ان کی کٹ جتنی کا جواب دیا ہے ان لوگوں نے کٹ جتنی کے طور پر یوں کہا کہ اگر

تم اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہو تو ہمارے پاس فرشتوں کو لے آؤ، تم فرشتے کیوں نہیں لاتے جو اس بات کی گواہی دیں کہ تم اللہ کے رسول ہو، اللہ تعالیٰ شانہ نے جو اب میں فرمایا کہ ہم فرشتوں کو فیصلے کے ساتھ ہی بھیجتے ہیں یعنی جب لوگوں کی درخواست پر فرشتے آجائیں گے تو ان کا آنا فیصلہ ہی کے لیے ہوتا ہے فرشتوں کے آنے پر بھی لوگ ایمان نہیں مانتے تو لازمی طور پر عذاب آجاتا ہے اور اس وقت منکرین کو مہلت بھی نہیں دی جاتی، قرآن مجید کے مخاطب جو یوں کہہ رہے ہیں کہ فرشتے نازل ہو کر آپ کی رسالت کی گواہی دے دیں ان کی اس بات کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ ان کی ہلاکت جلدی ہو جائے کیونکہ انہیں فرشتوں کی آمد پر بھی ماننا نہیں ہے۔

چوتھی آیت میں قرآن مجید کی حفاظت کا تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا: **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَنَحْفَظُونَهُ** (بلاشبہ ہم نے قرآن نازل کیا، اور بلاشبہ ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں) منکرین رسالت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) جو منکرین قرآن بھی تھے انہوں نے بطور تمسخر انکار کیا اللہ جل شانہ نے ان کی تردید فرمائی: **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ** اور فرمایا کہ ہم نے قرآن نازل کیا تمہارے نہ ماننے سے حقیقت واقعہ نہیں بدلے گی، منکرین یہ بھی کہتے تھے کہ اس کو یہ اللہ کی کتاب بتاتے ہیں اگر یہ اللہ کی طرف سے ہی ہے تب بھی چند دن کی بات ہے نہ جانے یہ کتنے دن زندہ رہتے ہیں اور کتنے دن ان کی دعوت کا کام چلتا ہے، اور یہ جو کتاب ان کے دعوے کے مطابق ان پر نازل ہو رہی ہے نہ جانے محفوظ بھی رہے گی یا نہیں، اور اس کے پڑھنے والے اور اس کو یاد رکھنے والے آگے بڑھیں گے یا نہیں، اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ بلاشبہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ شانہ نے خود قرآن مجید کی حفاظت کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس کی حفاظت کا ذمہ دار انسانوں کو نہیں بنایا جیسا کہ توریت شریف کی حفاظت ان کے علماء اور مشائخ کے ذمے ڈالی گئی تھی سورۃ مائدہ میں جو بیان **اسْتَحْفِظُوا مِنِّي كِتَابَ اللَّهِ** فرمایا ہے اس میں ان کی اسی ذمہ داری کو بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید ہر طرح کی تغیر اور تبدیلی اور تحریف اور کمی بیشی سے محفوظ ہے اس کی تمام قراءات اور روایات کے جانے والے پڑھنے پڑھانے والے اور حفظ کرنے والے ہمیشہ سے موجود ہیں اور جب تک اللہ کی مشیت ہوگی ہمیشہ موجود رہیں گے، رسول اللہ ﷺ نے جو قرآن شریف چھوڑا تھا وہ آج تک مسلمانوں کے پاس اسی طرح محفوظ ہے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی گئی نہ کوئی نقص کر سکتا ہے اگر کوئی غلط پڑھے گا یا غلط چھاپ دے گا تو فوراً پکڑا جائے گا اسی سال کا قاری یا حافظ کی جگہ اگر غلطی کر دے تو نو سال کا بچہ جس نے قرآن حفظ کر رکھا ہو اسی وقت نوک دے گا سینکڑوں سال پہلے کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے دیکھ لو جو مسلسل یکے بعد دیگرے لکھے گئے ہیں وہ سب ابتداء سے انتہا تک الفاظ اور حروف اور کلمات اور ترتیب آیات کے اعتبار سے بالکل پوری طرح متفق ہیں کوئی فرق نہیں اور کوئی اختلاف نہیں اس کو درست اور دشمن مانتے ہیں، بعض جاہل اختلاف قراءات کو بہانہ بنا کر اعتراض کرتے ہیں لیکن ان کا یہ اعتراض ساقط ہے کیونکہ یہ قراءات بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور یہ قراءات ہمیشہ سے محفوظ ہیں اور موجود ہیں اگر کوئی شخص بعض آیات کے منسوخ ہونے پر اشکال کرے تو اس کا یہ اشکال بے وزن ہے اور غلط ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نسخ نہیں ہوا یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہے شیاطین سے بھی محفوظ ہے، ملحدین سے بھی، منکرین سے بھی، مجرمنین سے بھی، **(لَا يَأْتِيهِمُ الْبَاطِلُ مِنْ تَحْتِهَا يَنْدَبُ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ)** (جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ

اس کے پیچھے کی طرف سے یہ خدائے حکیم و محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا ۙ اِنْتِ عَشْرَ اَحْمَلٍ ۙ ۱ وَ وَالْقَوْزِ ۙ ۲ وَالْجُوزَاءِ ۙ ۳ وَالسَّرَطَانُ ۙ ۴
 ۵ وَالْاَسَدُ ۙ ۶ وَالسَّنْبُلَةُ ۙ ۷ وَالْمِيزَانُ ۙ ۸ وَالْعَقْرَبُ ۙ ۹ وَالْقَوْسُ ۙ ۱۰ وَالْجَدِيُّ ۙ ۱۱ وَالذَّلُو ۙ ۱۲
 ۱۳ وَالْحُوْتُ ۙ ۱۴ وَهِيَ مَنَازِلُ الْكَوَاكِبِ السَّبْعَةِ السِّيَارَةِ الْمِزْيَجِ ۙ ۱۵ وَهِيَ الْاَحْمَلُ وَالْعَقْرَبُ وَالزُّهْرَةُ ۙ ۱۶
 ۱۷ وَهِيَ النَّوْزُ وَالْمِيزَانُ وَعَطَارِدُ ۙ ۱۸ وَهِيَ الْجُوزَاءُ وَالسَّنْبُلَةُ وَالْقَمَرُ ۙ ۱۹ وَلَهَا السَّرَطَانُ وَالسَّمْسُ ۙ ۲۰
 ۲۱ وَلَهَا الْاَسَدُ وَالْمُشْتَرِيُّ ۙ ۲۲ وَهِيَ الْقَوْسُ وَالْحُوْتُ وَرُحْلٌ وَهِيَ الْجَدِيُّ وَالذَّلُو وَرَيْعَهَا بِالْكَوَاكِبِ
 لِلنَّظِيرِينَ ۙ ۲۳ وَحَفِظْنَاهَا بِالسُّهْبِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۙ ۲۴ مَرَجُومٌ اِلَّا لَكِنْ مِنْ اَسْتَرَقَ
 السَّمْعَ خَطْفَهُ فَاتَّبَعَهُ لَحِقَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ ۙ ۲۵ كَوْكَبٌ مُضِيٌّ يُحْرِقُهُ اَوْ يُثْقِبُهُ اَوْ يُخْبِلُهُ وَالْاَرْضُ
 مَدَدُهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ ۙ جِبَالًا تَوَاتَتْ لِبَالًا تَتَحَرَّكُ بِاَهْلِهَا وَ اَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
 مُوَزُونٍ ۙ ۲۶ مَعْلُومٌ مُقَدَّرٌ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۙ بِالْيَاكِ مِنْ الثَّمَارِ وَالْخُبُزِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ مِنْ
 لَسْتُمْ لَهُ بِرَزَاقِينَ ۙ ۲۷ مِنَ الْعَبِيدِ وَالذَّوَابِ وَالْاَنْعَامِ فَاَنْتَايِرُزُفُهُمُ اللّٰهُ وَ اِنْ مَا مِنْ زَايِدَةٍ شَيْءٍ اِلَّا
 عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ ۙ مَفَاتِيحُ خَزَائِنِهِ وَمَا نُنزِلُهُ اِلَّا بِعَدْرِ مَعْلُومٍ ۙ ۲۸ عَلٰى حَسْبِ الْمَصَالِحِ وَ اَرْسَلْنَا
 الرِّيحَ لَوَاقِحَ ۙ نَلْفُحُ السَّحَابِ فَيَمْثِلِيْ مَاءً فَانزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ السَّحَابَ مَاءً ۙ مَطْوًا فَاَسْقَيْنَاكُمُوهُ ۙ ۲۹
 وَمَا اَنْتُمْ لَهُ بِخٰزِنِيْنَ ۙ ۳۰ اَيُّ لَيْسَتْ خَزَائِنُهُ بِاَيْدِيكُمْ وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِيْ وَ نُمِيْتُ وَ نَحْنُ الْوَارِثُونَ ۙ ۳۱
 الْبٰقُونَ نَبْرُثُ جَمِيْعِ الْخَلْقِ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ اَيُّ مَنْ تَقَدَّمَ مِنَ الْخَلْقِ مِنْ لَدُنْ اٰدَمَ وَ
 لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاخِرِيْنَ ۙ ۳۲ الْمُنَاخِرِيْنَ اِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۙ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ ۙ ۳۳
 شُنْبُهُ عَلِيْمٌ ۙ ۳۴ بِخَلْقِهِ

ع

ترجمہ: اور ہم نے آسمان میں برج بنائے بارہ برج، (۱) حمل، (۲) ثور (۳) جوزاء (۴) سرطان (۵) سد (۶) سنبلہ
 (۷) میزان (۸) عقرب (۹) قوس (۱۰) جدی (۱۱) دلو (۱۲) حوت، یہ بارہ برج ان سات سیاروں کے منازل کہلاتے
 ہیں (۱) مریخ، ستارے کے لئے حمل اور عقرب دو برج ہیں اور (۲) زہرہ، ستارے کے لئے ثور اور میزان دو برج ہیں اور
 (۳) عطارد ستارے کے لئے جوزاء اور سنبلہ دو برج ہیں اور (۴) قمر کے لئے صرف سرطان برج ہے اور (۵) سورج کے

لئے بھی صرف ایک برج "اسد" ہے اور (۶) مشتری ستارے کے لئے قوس اور حوت دو برج ہیں اور (۷) زحل ستارے کے جدی اور دلو دو برج ہیں) اور رونق دی اس کو دیکھنے والوں کی نظر میں۔ اور محفوظ رکھا ہم نے (شعلوں کے ذریعہ) یہ شیطان مردود (رانڈہ درگاہ) سے مگر یہ جو چوری سے سن بھاگا (لے اڑا) سو اس کے پیچھے پڑا (اس کو دھر لیا) چمکتا ہوا انگارہ (ایک چمکدار ستارہ جو اس کو جلا ڈالتا ہے یا اس کو چھید کر دیتا ہے یا اس کو حواس باختہ کر دیتا ہے) اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا (بچھا دیا) اور اس پر بوجھ رکھ دیئے (مضبوط پہاڑ تاکہ وہ اپنے رہنے والوں کو لے کر ڈگمگانہ جائے) اور گائی اس میں ہر چیز اندازے سے (متعین مقدار میں) اور اس میں تمہارے نئے معیشت کے اسباب بنا دیئے (یاء کے ساتھ پھل اور غلے) اور ہم نے بنا کیں (وہ چیز جن کو تم روزی نہیں دیتے) (نوکر چاکر، جو نور چوپائے ان سب کو اللہ ہی روزی دیتا ہے) اور ہم نے کوئی چیز (من زائدہ ہے) مگر اس کے خزانے (خزانے کی چابیاں) ہمارے پاس موجود ہیں اور نہیں اتارتے ہم مگر اندازہ معلوم پر (مخلوق کی ضروریات اور مصلحتوں کے مطابق) اور ہم نے رس بھری (بادل لئے ہوئے اور پانی سے سریز) ہوا کیں چلائیں اور اتارا ہم نے آسمان (بادل) سے پانی (بارش) اور پھر تم کو پناہ اور تمہارے پاس اس کا خزانہ نہیں ہے (اس کے ذخیرے تمہارے قبضہ میں نہیں آسکتے) اور ہم ہی زندہ کرنے والے اور مارنے والے ہیں اور ہم ہی ہیں پیچھے رہنے والے (باقی رہنے والے، ساری مخلوق کے وارث ہم ہی ہوں گے) اور تم میں سے جو پہلے گذرے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں (یعنی آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر جو مخلوق گذر چکی) اور ہم جانتے ہیں انکو بیشک وہی حکمتوں والا ہے (اپنی کاریگری میں) خبردار ہے (اپنی مخلوق سے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: وَالْعُقُورُ: مطلب یہ ہے کہ حمل و عقب یہ مریخ کے منازل سے ہیں۔
 قوله: مَرَجُومٌ: یہاں فعل رجم۔ یہ مرجوم مفعول کے معنی میں ہے۔ ستارے کا شعلہ اس کے پیچھے پڑتا ہے۔
 قوله: لٰكِنْ: یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ استراق مع یہ حفاظت کی جنس سے نہیں۔
 قوله: حَاطِفَةٌ: اس سے سنا ہوا کلام مراد ہے۔ جس کو وہ جنی سے اُچک کر دوسری تک پہنچاتے ہیں اس کو بطور تشبیہ استراق کہا ہے۔

قوله: لٰحِقَةٌ: اتبع یہ باب افعال ہے مگر یہاں محق مجرد کے معنی میں لازم ہے۔
 قوله: يَنْجِبُهُ: جتنی چور کو کم از کم شہاب سے یہ تخیل پیدا ہو جاتا ہے کہ شہاب اس کو جلا ڈالے اور اس میں سوراخ کر دے گا۔
 قوله: مَغْلُومٌ: اس سے موزوں کی تاویل کی چنداں حاجت نہیں کیونکہ آج کل ہوا و حرارت کا بھی وزن ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر شئی ناپ تول کر بنائی ہے سبحان من جل قدرتہ۔
 قوله: مِنَ السَّمَاءِ: اس سے اشارہ کیا کہ معاش جمع معیشتہ ہے اور یہ مصدر ہے مگر اس سے مراد جس پر ان بن گزارا کرتے ہیں۔
 قوله: مَفَاتِيْحُ خَزَائِنِهِ: مصناف کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اس سے مراد قدرت الہی ہر چیز پر حاوی ہے اور وہی منتج ہیں۔

قوله: **يَخْرُجُونَ** یعنی تمہیں اس کے نکالنے پر قدرت نہ ہوگی انسانوں سے اس چیز کی نفی کی جس کو اپنی ذات کے لئے ثابت کیا۔

قوله: **الْوَدَّ لَوْ** کی تفسیر الباقون سے کر کے بتلایا اور ثوں کو استعارة باقی کے لئے استعمال کیا۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّظِيرِينَ ﴿٥﴾

ستارے آسمان کیلئے زینت ہیں اور ان کے ذریعہ شیاطین کو مارا جاتا ہے:

اللہ جل شانہ نے ان آیات میں آیات تکوینیہ بیان فرمائی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔ اول تو یہ فرمایا کہ ہم نے آسمان میں برج یعنی ستارے بنائے ہیں اور آسمان کو زینت والا پر رونق بنا دیا، رات کو جب دیکھنے والے آسمان کی طرف دیکھتے ہیں تو ستاروں کی جگگاہٹ سے نہایت عمدہ پر رونق منظر نظر آتا ہے، سورۃ ملک میں فرمایا: **وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا زُجُجًا لِّلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ** (اور ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور ہم نے ان کو شیطانوں کو مارنے کا ذریعہ بنایا اور ہم نے شیاطین کے لیے دوزخ کا عذاب تیار کیا ہے۔)

ستاروں کو مصابیح یعنی چراغ سے تعبیر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے ان کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا ہے مزید توضیح کے لیے سورۃ صافات کی آیات ذیل اور ان کا ترجمہ پڑھئے: **إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوْكَبِ ﴿٥﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ﴿٦﴾ لَا يَسْتَعِينُ إِلَى الْمَلَائِكَةِ الْأَعْلَىٰ وَ يُقَدِّفُونَ مِّنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿٧﴾ دُحُورًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ﴿٨﴾ إِلَّا مَنْ حَظَّفَ الْخَطْفَةَ فَاتَّبَعَهُ سِهَابٌ ثَائِبٌ ﴿٩﴾** (بلاشبہ ہم نے آسمانوں کو آراستہ کر دیا ایک زینت کے ساتھ جو ستاروں کی زینت ہے اور ہم نے محفوظ کر دیا ہر سرکش شیطان سے، شیطان عالم ہمارا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور ہر جانب سے ان کو مار کر دھکے دیتے جاتے ہیں اور ان کے لیے ہمیشگی والا عذاب ہے، سوائے اس شیطان کے جو کوئی بات اچک لے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ لگ جاتا ہے۔)

سورۃ حجر اور سورۃ صافات اور سورۃ ملک کی مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ آسمان میں جو ستارے ہیں ان سے آسمان کی زینت بھی ہے اور شیاطین سے حفاظت بھی ہے اور سورۃ نحل میں فرمایا: **وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ** (اور ستارہ کے ذریعہ وہ لوگ راہ پاتے ہیں) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت قتادہ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین باتوں کے لیے پیدا فرمایا اول تو انہیں آسمان کی زینت بنایا دوم شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بنایا سوم ان کو علامات بنایا جن کے ذریعہ راہ یاب ہوتے ہیں (یعنی راتوں کو سفر کرنے والے ان کے ذریعے اپنے سفر کے رخ کا پتہ چلا لیتے ہیں) سو جس شخص نے ان تینوں باتوں کے علاوہ کوئی اور بات کہی اس نے خطا کی اور اپنا نصیب ضائع کیا اور جس بات کو نہیں جانتا تھا خواہ مخواہ اس کے پیچھے پڑا حضرت قتادہ نے انہیں کی تردید کی وہ اپنی عمر بھی ضائع کرتے ہیں اور وہ بات کرتے ہیں جن کا انہیں علم نہیں اور ان لوگوں کو بھی

تعبیر فرمادی جو ان کی بات مانتے ہیں اور ان کے پیچھے پھرتے ہیں۔

بروج سے کیا مراد ہے؟

ہم نے بروج کا ترجمہ ستارے کیا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ سورۃ ملک میں ستاروں ہی کو زینت بتایا ہے اور ستاروں ہی کو شیاطین کے مارنے کا ذریعہ بتایا ہے معلوم ہوا جو چیز آسمان کی زینت ہے وہی شیاطین کے مارنے کا سبب ہے بعض مفسرین نے جو بروج کا ترجمہ بروج ہی کیا ہے اور اس سے آسمان کے وہ بارہ بروج مراد لیے ہیں جنہیں ہیئت والے بیان کرتے ہیں ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے یہ بارہ بروج فرضی ہیں ان کے نام فلاسفہ نے خود رکھ لیے ہیں اور خود ہی تجویز کر لیے ہیں یہ بروج شیاطین کو نہیں مارتے پھر آیت کریمہ میں ان سے بروج فلاسفہ کیسے مراد لیے جاسکتے ہیں۔

صاحب تفسیر جلالین نے یہاں سورۃ حجر میں اور سورۃ فرقان میں بروج سے وہی فلاسفہ والے بارہ بروج مراد لیے ہیں اور ان کے نام بھی لکھے ہیں اور صاحب معالم الثریل نے اولاً تو یوں لکھا ہے کہ البروج ہی النجوم الکبار پھر وہی فلاسفہ والے بارہ بروج اور ان کے نام ذکر کر دیئے ہیں صاحب کمالین نے مفسر جلال الدین سیوطی کی تردید کرتے ہوئے کہا: ولا یبق بمثل المصنف ان یدکر تلك الامور المبتنی علی الامور الوهمیة فی التفسیر مع انه انکر فی کثیر من المواضع می حاشیة الانوار علم الہیة فضلًا عن النجوم لکنہ اقتضی الشیخ المحلی حیث ذکر ہا فی سورۃ الفرقان كذلك مصنف جیسے آدمی کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ تفسیر میں ان امور کا ذکر کرے جن کی بنا اوہام پر ہے باوجود اس کے کہ مصنف نے انوار کے حاشیہ میں بہت سارے مواقع میں علم الہیة پر تکیہ کی ہے چہ جائیکہ علم نجوم لیکن یہاں مصنف نے شیخ جلالین الدین علی کی بیرونی کی ہے کہ اس نے انہیں سورۃ الفرقان میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ سورۃ حجر کی آیت بالا میں فرمایا کہ ہم نے آسمان کو ہر شیطان مردود سے محفوظ کر دیا جو کوئی شیطان چوری سے کوئی بات سننے لگے تو اس کے پیچھے روشن شعلہ لگ جاتا ہے، سورۃ صافات میں اس کو اور زیادہ واضح کر کے بیان فرمایا کہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے وہاں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہر جانب سے ان کو مارا جاتا ہے اور دور بھگا دیا جاتا ہے، یہ ان کا دنیا میں حال ہے اور آخرت میں ان کے لیے دگنی عذاب ہے ہاں اگر کوئی شیطان اوپر پہنچ کر چوری کے طور پر جہدی سے کوئی کلمہ لے بھاگے تو اس کے پیچھے روشن شعلہ لگ جاتا ہے، بات کے جانے والے شیطان کو مارنے کے لیے جو چیز پیچھے لگتی ہے اسے سورۃ حجر میں شہاب مبین سے اور سورۃ صافات میں شہاب ثاقب سے تعبیر فرمایا شہاب انگارہ کو اور شعلہ کو کہتے ہیں اس شعلے اور انگارے کی کیا حقیقت ہے اس کے سمجھنے کے لیے سورۃ ملک کی آیت کو بھی سامنے رکھ لیں، سورۃ ملک میں ستاروں کو چراغ بتایا اور آسمان کی زینت فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ ستارے شیاطین کے مارنے کے لیے ہیں دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں یہ دعویٰ نہیں ہے کہ بدون اس سبب کے شہاب پیدا نہیں ہوتا بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ استراق کے وقت شہاب سے شیاطین کو رجم کیا جاتا ہے پس ممکن ہے کہ شہاب کبھی محض طبعی طور پر ہوتا ہو اور کبھی اس غرض کے لیے ہوتا ہو اور اس میں کوکب (ستارہ) کو یہ دخل ہو کہ سخونیت کوکب (ستاروں کی گرمی) سے خود مادہ شیاطین میں یا مادہ بخارات میں بواسطہ فعل مذکورہ کے نار پیدا ہو جاتی ہے جس سے شیاطین کو ہلاکت یا فساد عقل کا صدمہ پہنچتا ہو۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یہ کاہن جو بطور پیشین گوئی کچھ بتا دیتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ:

لوگ کچھ بھی نہیں ہیں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کان جو بات بیان کرتا ہے ٹھیک نکل آتی ہے، آپ نے فرمایا وہ ایک صحیح بات ہوتی ہے جسے جن اچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں ڈال دیتا ہے جیسے مرغی کرکڑ کرتی ہے پھر وہ اس میں سو سے زیادہ جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۹۲ از بخاری، مسلم)

وَالْأَرْضُ مَدَدُ نُهْآءِ الْقَيْتِنَا فِيهَا رَوَايِي وَآبَيْتِنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَقْوُزُونَ ۝

زمین کا پھیلاؤ اور اس کے پہاڑ اور درخت معرفت الہی کی نشانی ہیں:

آسمان کے بروج اور آسمان کی زینت اور شیاطین سے ان کی حفاظت کا ذکر فرمانے کے بعد زمین کے پھیلاؤ کا اور اس میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دینے کا تذکرہ فرمایا، زمین بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی مخلوق ہے زمین پر لوگ بستے ہیں اور آسمان کی طرف بار بار دیکھتے ہیں دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ پر درالت کرتے ہیں اور سورۃ لقمان میں فرمایا: (وَالْقِي فِي الْأَرْضِ رَوَايِي أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ) (اور اللہ نے زمین میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے تاکہ وہ تمہیں لے کر حرکت نہ کرنے لگے۔) تفسیر روح المعانی ص ۲۹ ج ۱۱ میں حضرت امین عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پانی پر پھیلا دیا تو وحشت کی طرح ڈمگانے لگی لہذا اللہ تعالیٰ نے اس میں بھاری بھاری پہاڑ پیدا فرمادیئے تاکہ وہ حرکت نہ کرے ان پہاڑوں کے بارے میں سورۃ نبا میں فرمایا ہے: (الَّذِي تَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهْدًا وَالْجِبَالِ أَوْتًا ذَا) (کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو بٹھیں نہیں بنایا) یہ استفہام تقریری ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے پہاڑوں کو زمین کی میخیں یعنی کیلیں بنا دیا یعنی پہاڑوں کو زمین میں گاڑ دیا جس سے وہ ٹھہر گئی لیکن یہ ایک سبب ظاہری کے طور پر ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو پہاڑ بھی پھٹ جاتے ہیں اور زمین بھی اٹھ جاتی ہے اور پہاڑ اور زمین حرکت کرنے لگتے ہیں پھر فرمایا: (وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَقْوُزُونَ) (اور ہم نے زمین میں ہر قسم کی چیز ایک معین مقدار سے اگائی) موزون کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: ای مقدر بمقدار معین تقتضيه الحكمة فهو مجاز مستعمل في لازم معناه۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَكُمْ بِهِ بَرَزِقِينَ ۝

سامانہائے زینت کے بارے میں دعوت غور فنکر:

سوا آسمان و زمین کی نشانیوں کی طرف توجہ دلانے کے بعد اس ارشاد سے انسان کے سامان زندگی اور اللہ پاک کے حکمتوں بھرے نظام ربوبیت کی طرف توجہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا اور ہم ہی نے رکھ دیئے زمین میں طرح طرح کے وہ سامان ہائے زینت کھانے کے، پینے کے، پہننے اور صنے، رہنے سہنے اور علاج معالجہ وغیرہ وغیرہ کے طرح طرح کے وہ سامان جن سے تم لوگ دن رات فائدہ اٹھاتے اور طرح طرح سے مستفید ہوتے ہو۔ اور دن رات کے پورے دورانیے میں اور لگاتار مستفید ہوتے ہو۔ سو ذرا سوچو تو سہمی کہ کس قدر قادر مطلق اور کیسا مہربان اور وہاب و کریم ہے تمہارا وہ رب جس نے تمہارے لئے یہ سب کچھ پیدا فرمایا اور تمہاری طرف سے کسی اچیل و در خواست کے بغیر۔ سو ذرا سوچو کہ زمین سے اگنے والی طرح طرح کی پیداواریں اور غلے اس میں پائی جانے والی قسم قسم کی کانیں اور عظیم الشان خزانے جن سے تم لوگ دن رات فائدہ اٹھاتے اور طرح طرح سے مستفید ہوتے ہو آخر یہ سب کچھ کس کی بخشش و عطاء ہے؟ اور اس کا تم پر کیا حق عائد ہوتا ہے؟ سو وہی اللہ وحدہ لا شریک خالق و مالک حقیقی ہے، جو کہ معبود برحق ہے، اور عبادت و بندگی کی ہر قسم اور

مَنْزُورٌ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ۝ الْجَزَاءُ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمٍ يَبْعَثُونَ ۝ أَيْ
النَّاسِ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۝ إِلَى يَوْمِ الْوَعْدِ الْمَعُودِ ۝ وَقَتِ النَّفْحَةِ الْأُولَى قَالَ رَبِّ بِمَا
أَغْوَيْتَنِي أُنْزِلْ بَاعْوَانِكَ لِي وَالْبَاءُ لِلْقَسَمِ وَحَوَالِهِ لِأَذْيَانِ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ الْمَغَاصِي وَالْأَغْوِيَتُهُمْ
أَجْعِلَن ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ أَيْ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ تَعَالَى هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۝
وَمَنْ أَرَادَ عِبَادِي أَيْ الْمُؤْمِنِينَ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ قُوَّةً إِلَّا لِمَنْ أَتَّبَعَكَ مِنَ الْغَوِينَ ۝
الْكَافِرِينَ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْعِلَن ۝ أَيْ مَنْ أَتَّبَعَكَ مَعَكَ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ أَطْبَاقٍ لِكُلِّ
بَابٍ مِنْهَا مِنْهُمْ جُزْءٌ نَصِيبٌ مَقْسُومٌ ۝

ع

ترجمہ: اور ہم نے آدمی (آدم) کو پیدا کیا کھلکانے (خشک مٹی کہ جب اسے خشک ہونے کے بعد بجایا جائے تو بجنے لگے) ہوئے گارے (سیاہ مٹی) سے جو بنا ہوا ہو (خیر اٹھا ہوا) اور جن کو (جان سے مراد ابوالجن شیطان مراد ہے) پیدا کیا اس سے پہلے (تخلیق دم سے پہلے) آگ کی لو سے (آگ جس میں دھواں نہ ہو اور مسامات میں گھستی چلی جائے) اور (یاد کیجئے اس وقت کو) جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں بناؤ گا ایک بشر کھلکانے سے ہوئے گارے سے پھر جب اس کو ٹھیک کروں (کامل کر دوں) اور اس میں اپنی روح پھونک دوں (جس سے وہ زندہ ہو جائے روح کی اضافت حق تعالیٰ کی جانب آدم کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے) تو گر پڑا اسکے آگے سجدہ کرتے ہوئے (جھک کر آداب بجا مانا) تب سجدہ کیا ان سب فرشتوں نے مل کر (اس جسدہ میں کلہم اور اجعجون) دو تاکیدیں ہیں (مگر ابلیس (جنوں کا گرو گھٹنا ل جو اس وقت فرشتوں میں شامل تھا) نے نہ مانا (انکار کیا) کہ ساتھ یہ سجدہ کرنے والوں کے (حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا) اے ابلیس! تجھ کو کیا ہوا (تجھے کس نے روکا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل نہ ہوا۔ لاء زائدہ ہے) بولا کہ تجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ سجدہ کروں (مجھے زیب نہیں دیتا کہ سجدہ کروں) ایک ایسے انسان کو جس کو تو نے بنایا کھلکانے سے ہوئے گارے سے فرمایا تو نکل یہاں سے (یعنی جنت سے یا آسمانوں سے) تجھ پر مارے (تو دھتکارا ہوا ہے) اور تجھ پر پھنکارا ہے انصاف کے دن تک (یوم جزاء تک) بولا اے رب! تو مجھ کو ڈھیل دے اس دن تک کہ جس دن مردے زندہ ہوں (جس دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں) فرمایا تو تجھ کو ڈھیل دی اسی مقرر وقت کے دن تک (نچھ اولیٰ کے وقت تک) بولا اے رب! جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھو دیا (یعنی آپ کے گمراہ کرنے کی وجہ سے اس میں باہر تسمیہ ہے اور جواب قسم اگلی آیت ہے) میں بھی ان سب کو بہاریں دکھلاؤ نگاز میں میں (گناہوں کو بنا سنوار کر پیش کروں گا) اور ان سب کو راہ سے کھو دوں گا مگر جو تیرے پتے ہوئے بندے ہیں، (یعنی اہل ایمان) فرمایا (حق تعالیٰ شانہ نے) یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی اور (وہ) جو میرے بندے ہیں (مجھ پر ایمان لانے والے ہیں) تیرا ان پر کچھ اختیار (زور) نہیں مگر (لیکن) جو تیری راہ چلا بنکے ہوؤں میں (کافروں میں) ان سب کے لئے جہنم کا وعدہ ہے (یعنی جس نے تیری پیروی کی) اس کے ساتھ دروازے (طبتے) ہیں (ان میں) ہر

دروازے کے لئے ان میں سے ایک فرقہ (حصہ) ہے بانٹا ہوا۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قولہ: الْإِنْسَانَ: اس میں الف لام عہد کا ہے اس وجہ سے آدم سے تفسیر کی گئی ہے۔
- قولہ: صَلْصَالٍ: دراصل چونچ سے دانا اٹھانے کو کہتے ہیں۔
- قولہ: بِمَنْعَتِهِ: یہ تفسیر کر کے بتلایا کہ یہ تصویر سے پہلے کی بات ہے۔
- قولہ: الْإِبْرَاقُ: اس کی تفسیر ابوالجین سے کی کہ اس کو نار سموم سے پیدا کیا۔ السَّمُومُ مسام میں گھس جانے والی ہو۔
- قولہ: بِحَزْبِئِثٍ: نفع اصل میں کھوکھرے جسم میں ہوا کا داخل کرنا۔ بھور تمثیل اجراء سے تعبیر کیا۔
- قولہ: كَانَ بَيْنَ الْمَلَائِكَةِ: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ حکم کے وقت یہ بھی ملائکہ کے جمع میں موجود تھا پس استثناء درست ہے۔
- قولہ: مِنْ آنَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ان مصدر یہ ہے مفسرہ نہیں۔
- قولہ: مِمَّا مَنَعَكَ: اس کو منع کے معنی میں نہ کہ عرض کے معنی میں۔
- قولہ: لَا يَنْبَغِي لِي: لم اکن لاسجد کی تفسیر اس سے کر کے اشارہ ہے لام زائدہ تاکید نفی کیلئے ہے اسی وجہ سے لی ساتھ لائے۔
- قولہ: بِإِعْوَابِكَ لِي: ما مصدر یہ ہے موصولہ نہیں بما کی باقیہ ہے۔
- قولہ: الْمَعَاصِي: یہ لازمن کا مفعول محذوف ہے یہ نہیں کہ یہ بمنزلہ لازم کے ہے۔
- قولہ: هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ: یعنی یہ میرا سچا راستہ ہے اس کے ساتھ ساتھ میں اس کی تکہبانی کرنے والا ہوں۔ اس سے اشارہ ملا کہ مومن اس سے چھوٹنے والے ہیں۔
- قولہ: عِبَادِي: یہ صراط مستقیم کا بیان ہے اور عدم وصل کی وجہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔ ان عبادی میں ابلیس کے ان وہم کی تکذیب ہے کہ اسکو غیر مخلص بندوں پر قابو حاصل ہے۔ حالانکہ اسکی قوت نقطہ تحریر و تلبیس ہے۔ پس یہ استثناء منقطع ہے۔
- قولہ: مَنْ اتَّبَعَكَ: مذعوم میں غائبین کو حاضرین پر تغلیب دی گئی ہے۔
- قولہ: اطَّبَاقٍ: اس سے اشارہ کیا درکات جہنم میں حسب مراتب اتارا جائے گا۔ مقوم بانٹا ہوا۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَبَآءٍ مُّسْتَوِينَ ۝

ذکر پیدائش انس و جن و قبضہ پیدائش آدم علیہ السلام:

(و بطن) اوپر کی آیتوں میں حق جل شانہ نے حیوانات کی پیدائش سے اپنی قدرت اور خالقیت کا ذکر فرمایا اب یہاں جن وانس سے اسی مقصود پر استدلال فرماتے ہیں اور جان سے مراد یہاں جنوں کا باپ ہے جس طرح اوپر کی آیتوں میں

انسان سے تمام انسانوں کے باپ مراد ہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ آدمیوں کا باپ، ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر زہابی غالب تھا اور جنوں کا باپ ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ناری کا غلبہ تھا۔ ابلیس اسی قسم میں سے تھا اللہ تعالیٰ نے ان دو مختلف نوعوں کو پیدا کیا اور ایک دوسرے کا دشمن بنایا۔ چنانچہ آئندہ آیات میں ان دونوں کی خلقت اور باہمی عداوت کا ذکر فرماتے ہیں۔

اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو یعنی آدم علیہ السلام کو جو نوع انسانی کی اصل اور فرد اول ہیں۔ بجتی ہوئی مٹی سے جو بنی تھی سڑے ہوئے گارے سے حضرت آدم علیہ السلام کی اصل اور ابتدا تراب ہے یعنی خاک کے متفرق اجزاء پھر اس کو پانی میں زکيا تو وہ طین ہو گئی پھر کچھ دیر کے بعد طین لازم یعنی چمکتی ہوئی لیس دار ہو گئی پھر جماسنون یعنی سدا ہوا اور بد بودار گارا ہو گیا۔ پھر خشک ہو کر وہ صلصال بننے والی ہو گئی۔ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ انسان کو بننے والی مٹی سے بنایا جیسے ٹھیکرا۔ اور فخرا اس مٹی کو کہتے ہیں جو آگ میں پکائی گئی ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔

بدن انسانی میں نفخ روح اور اس کو مسجود ملائکہ بنانے کی مختصر تحقیق:

روح کوئی جسم ہے یا جو ہر مجرد اس میں علماء و حکماء کا اختلاف قدیم زمانے سے چلا آتا ہے شیخ عبدالرؤف مناوی نے فرمایا کہ اس میں حکماء کے اقوال ایک ہزار تک پہنچنے ہیں مگر سب قیاسات اور تخمینے ہی ہیں کسی کو یقین نہیں کہا جا سکتا امام غزالی، امام رازی اور عموما صوفیہ اور فلاسفہ کا قول یہ ہے کہ وہ جسم نہیں بلکہ جو ہر مجرد ہے امام رازی نے اس کے بارہ دلائل پیش کئے ہیں مگر جمہور علماء امت روح کو ایک جسم لطیف قرار دیتے ہیں نفخ کے معنی پھونک مارنے کے ہیں اگر بقول جمہور روح کو جسم لطیف قرار دیا جائے تو اس کو پھونکنا ظاہر ہے اور جو ہر مجرد مان لیا جائے تو پھونکنے کے معنی اس کا بدن سے تعلق پیدا کر دینا ہوگا۔ (بیان القسرات)

روح اور نفس کے متعلق حضرت قاضی شفاء اللہ کی تحقیق:

یہاں اس طویل اندیل بحث کو چھوڑ کر ایک خاص تحقیق پر اکتفاء کیا جاتا ہے جو تفسیر مظہری میں قاضی شفاء اللہ پانی پتی نے تحریر فرمائی ہے حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ روح کی دو قسم ہیں، علوی اور سفلی، روح علوی مادہ سے مجرد اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جس کی حقیقت کا ادراک مشکل ہے اہل کشف کو اس کا اصل مقام عرش کے اوپر دکھائی دیتا ہے کیونکہ وہ عرش سے زیادہ لطیف ہے اور روح علوی بنظر کشفی اوپر نیچے پانچ درجات میں محسوس کی جاتی ہے وہ پانچ یہ ہیں قلب، روح، سر، خمی، انفی، اور یہ سب عالم امر کے لطائف میں سے ہیں جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا ہے: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي اور روح سفلی وہ بخار لطیف ہے جو بدن انسانی کے عناصر اربعہ آگ پانی مٹی ہوا سے پیدا ہوتا ہے اور اسی روح سفلی کو نفس کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس روح سفلی کو جسے نفس کہا جاتا ہے ارواح علویہ مذکورہ کا آئینہ بنا دیا ہے جس طرح آئینہ جس آفتاب کے مقابل کیا جائے تو آفتاب کے بہت بعید ہونے کے باوجود اس میں آفتاب کا عکس آجاتا ہے اور روشنی کی وجہ سے وہ بھی آفتاب کی طرح چمک اٹھتا ہے اور آفتاب کی حرارت بھی اس میں آجاتی ہے جو کپڑے کو جلا سکتی ہے اسی طرح ارواح علویہ اگر چہ اپنے

تجرد کی وجہ سے بہت اعلیٰ و ارفع اور بہت مسافت بعیدہ پر ہیں مگر ان کا عکس اس روح سفلی کے آئینہ میں آرا اور ان کی کیفیات و آثار اس میں منتقل کر دیتا ہے اور یہی آثار جو نفوس میں پیدا ہو جاتے ہیں ہر ہر فرد کے لئے ارواح جزئیہ کہلاتی ہیں پھر یہ روح سفلی جس کو نفس کہتے ہیں اپنی ان کیفیات و آثار کے ساتھ جن کو ارواح علویہ سے حاصل کیا ہے وہ نفس بدن انسانی میں سب سے پہلے مضبوط قبضہ سے ہوتا ہے اور اس تعلق ہی کا نام حیات اور زندگی ہے روح سفلی کے تعلق سے سب سے پہلے انسان کے قلب میں حیات اور وہ ادراکات پیدا ہوتے ہیں جن کو نفس نے ارواح علویہ سے حاصل کیا ہے یہ روح سفلی پورے بدن میں پھیلی ہوئی باریک رگوں میں سرایت کرتی ہے جن کو شراکین کہا جاتا ہے اور اس طرح وہ تمام بدن سفلی کے ہر حصہ میں پہنچ جاتی ہے۔

روح سفلی کے بدن انسانی میں سرایت کرنے ہی کو نفع روح سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہ کسی چیز میں پھونک بھرنے سے بہت مشابہ ہے۔

اور آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے روح کو اپنی طرف منسوب کر کے من روحی اسی لئے فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات میں روح انسانی کا اشرف و اعلیٰ ہونا واضح ہو جائے کیونکہ وہ بغیر مادے کے محض امر الہی سے پیدا ہوئی ہے نیز اس میں تجلیات رحمانیہ کے قبول کرنے کی ایسی استعداد ہے جو انسان کے علاوہ کسی دوسرے جاندار کی روح میں نہیں ہے۔

اور انسان کی پیدائش میں اگرچہ عنصر غلب مٹی کا ہے اور اسی لئے قرآن عزیز میں انسان کی پیدائش کو مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے لیکن درحقیقت وہ دس چیزوں کا جامع ہے جن میں پانچ عالم خلق کی ہیں اور پانچ عالم امر کی عالم خلق کے چار عنصر آگ پانی مٹی ہوا اور پانچوں ان چاروں سے پیدا ہونے والا بخار لطیف جس کو روح سفلی یا نفس کہا جاتا ہے اور عالم امر کی پانچ چیزیں وہ ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے یعنی قلب، روح، امر، نفس، اخفی، اسی جامعیت کے سبب انسان خلافت الہیہ کا مستحق بنا اور نور معرفت اور نار عشق و محبت کا متحمل ہوا جس کا نتیجہ بے کیف معیت الہیہ کا حصول ہے کیونکہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ((المرء مع من احب)) یعنی ہر انسان اس فرد کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے۔

اور انسان میں تجلیات الہیہ کی قابلیت اور معیت الہیہ کا جو درجہ اس کو حاصل ہے اسی کی وجہ سے حکمت الہیہ کا تقاضا ہوا کہ اس کو مسجود ملائکہ بنایا جائے ارشاد ہوا: فَقَعُوْا لَہٗ سَجْدًا ۝۱۶

اور انسان کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے جان یعنی ابوالحسن کو کوئی آگ سے پیدا کیا۔ جمہور مفسرین کے نزدیک جان بتشہید لون جنوں کا باپ ہے جو ایسی لطیف آگ سے پیدا کیا گیا جو لطافت کی وجہ سے مسامات میں ٹھس جاتی ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ جان سب جنوں کے باپ کا نام ہے اور حسن بصری رحمہ اللہ علیہ اور قتادہ رحمہ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ جان سے ابلیس مراد ہے جو شیطانوں کا باپ ہے اور ان دونوں قولوں میں یہ فرق ہے کہ جنوں میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی اور وہ کھاتے اور پیتے بھی ہیں اور پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ ان کا حال انسانوں جیسا ہے بخلاف شیاطین کے کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں اور نہ وہ مرتے ہیں۔ سب کے سب ابلیس کے ساتھ مرے گئے جب ان کا باپ مرے گا

تب وہ بھی مرے گے۔ (تفسیر خازن قرطبی)

امام رازی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ جن ایک مستقل جنس ہے اور شیاطین دوسری جنس ہے مگر زیادہ صحیح اور راجح یہ ہے کہ شیاطین جنات کی ایک خاص قسم ہے جنات میں سے جو مؤمن ہو اس کو شیطان نہیں کہا جاسکتا ہے جنات میں سے جو کافر ہو صرف اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۷۵ جلد ۷ و تفسیر روح المعانی ص ۲۲ جلد ۱۷)

علامہ صاوی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اصول تین ہیں۔ آدم ﷺ ابو البشر ہے۔ اور جان ابوالجن ہے اور ابلیس ابو اللہیا طین ہے۔ (صاوی ماشیہ جلالین ص ۲۹۶ جلد ۲)

خداوند لطیف وخبیر نے اول ملائکہ کو نور سے بنایا ان کے بعد قوم جن کو نارِ سموم سے بنایا جن کا وہ ملائکہ سے ذرا قریب تھا بعد ازاں انسان کو مٹی سے بنایا۔ جس کا مادہ کثیف ہے باقی رہے حیوانات گھوڑا اور گدھا اور بیل اور بھینس وغیرہ معلوم نہیں کہ کب بنائے گئے آدم ﷺ سے پہلے یا چھپے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نکتہ: آدم ﷺ سے پہلے کوئی مخلوق مٹی سے نہیں بنائی گئی چونکہ مٹی کی خاصیت تزلزل اور خاکساری ہے اس لیے آدم ﷺ کو مٹی سے بنایا تاکہ خدا کے خشوع و خضوع کرنے والے بندے بنیں اور مقام عہدیت و عبودیت ان کو علیٰ وجہ اکمال حاصل ہو اس لیے کہ ہر شے اپنی اصل جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اس لیے آدم ﷺ نے خاکی ہونے کی وجہ سے تواضع اور خاکساری کو اختیار کیا۔ اور ابلیس نے ناری ہونے کی وجہ سے علو اور استکبار کی راہ کو اختیار کیا اور جسم خاکی کو حقیر جانا اور تکبر اور حسد نے ابلیس کو ایسا اندھا بنایا کہ وہ اس جسم انسانی کے انوار و آثار کو نہ سمجھ سکا جن کو خود دست قدرت نے خاک اور پانی سے بنایا اس لیے اب آئندہ آیات میں انسان کی فضیلت اور کرامت کو بیان کرتے ہیں۔ اور اولاد آدم کے ساتھ ابلیس لعین کی عداوت کو بیان کرتے ہیں تاکہ آدم ﷺ کی اولاد باخبر رہے کہ شیطان کو اپنا دشمن جانے اور فرشتوں کو اپنا دوست جانے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں کھٹکھٹاتے ہوئے سڑے ہوئے کالے کچڑے سے ایک آدمی کا پتلہ بنانے والا ہوں سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں یعنی خاص روح پھونک دوں جس سے وہ زندہ ہو جائے تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ یہ سجدہ تحیت و تعظیم تھا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ سو جب اللہ تعالیٰ ان کو بنا چکا تو تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر ایک بارگی ہی ان کو سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے تکبر کی وجہ سے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔ اس تعبیر میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ ملائکہ میں سے نہ تھا بلکہ ان کے ساتھ عبادت کرتا تھا۔ اور دوسری آیت میں تصریح ہے کہ وہ جنات میں سے تھا۔ کیا قال تعالیٰ: كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ۔ ابلیس نے ازراہ تکبر اپنے کو بڑا سمجھا اور آدم ﷺ پر حسد کیا لیکن اللہ کے حکم کو نہ دیکھا۔ اللہ کا حکم سب سے بالا اور برتر ہے۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا اور ابلیس تجھے کیا امر مانع ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ فرشتے کس درجہ خدا کے مقرب بندے ہیں۔ ابلیس بولا میں وہ نہیں ہوں کہ ایک بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے کھٹکھٹاتے ہوئے سڑے ہوئے کالے کچڑے سے پیدا کیا۔ یعنی میرے اس سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں میں پیدا ہوا ہوں آگ سے اور وہ پیدا ہوا ہے مٹی سے اور آگ مٹی سے افضل اور بہتر ہے۔ اس لیے کہ آگ جو ہر لطیف ہے اور بہترین عنصر ہے اور مٹی ایک جسم کثیف اور بدترین عنصر ہے مطلب یہ تھا کہ آدم ﷺ ایک جسم کثیف ہے

اور میں ایک جسم روحانی اور لطیف ہوں اور لطیف کثیف سے اعلیٰ ہے۔ پس اعلیٰ اولیٰ کو کیسے سجدہ کرے یہ سب اس کا خیال خام تھا جس پر کوئی دلیل نہ تھی اس لعین نے یہ نہ جانا کہ فضل و شرف کا دار و مدار اللہ کے حکم پر ہے نہ کہ مادہ اور ہوتی پر اور یہ نہ خیال کیا کہ فرشتے جو خالص نورانی ہیں اور ان میں ظلمت اور کدورت کا شائبہ نہیں وہ اس خلیفہ خاکی کو سجدہ کر رہے ہیں نیز فرشتوں کو جو علو منزلت اور قرب خداوندی حاصل ہے وہ اس کی نظروں کے سامنے تھا ان کو دیکھ کر بھی یہ نہ سمجھا کہ جب خالص نور سے پیدا ہونا دلیل افضلیت کی نہیں تو نار سے پیدا ہونا کیسے افضلیت کی دلیل ہو سکتی ہے ابلیس نے محض تکبر اور حسد کی بناء پر آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور بہانہ یہ بنایا کہ آگ کا رے اور مٹی سے بہتر ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

خلاصہ کلام:

یہ کہ جب ابلیس نے ازراہ تکبر و غرور فرما کر خداوندی کے مقابلہ میں اپنی رائے کو بہتر جانا تو اللہ نے حکم دیا کہ اے مغرور اور بے ادب جب تیرے غرور کا یہ حال ہے تو تو یہاں سے نکل جا تو راندہ درگاہ ہے اور تجھ پر میری لعنت ہے روز قیامت تک تو ہمیشہ کے لیے ملعون ہوا۔ بولا اے میرے پروردگار مجھے مہلت دیجئے اس دن تک کہ مردے قبروں سے اٹھائے جائیں غرض یہ تھی کہ مردوں نہیں اس لیے کہ بعثت کے بعد موت نہیں اور اس درخواست سے مقصود یہ تھا کہ مجھ کو اتنی طویل مہلت مل جائے کہ اولاد آدم علیہ السلام سے بدلہ لے سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا جب تو مہلت مانگتا ہے تو تجھ کو مہلت دی گئی نفیہ اولیٰ تک جس وقت تمام مخلوق فنا ہو جائے گی اور ان کے ساتھ تو مرے گا اور نفیہ ثانیہ کے بعد سب کے ساتھ تو بھی زندہ ہوگا۔ نفیہ اولیٰ یعنی جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سارا عالم مر جائے گا اس میں ابلیس بھی مر جائے گا۔ پھر چالیس سال کے بعد نفیہ ثانیہ یعنی دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے اور اس چالیس سال کے درمیانی وقفہ میں ابلیس بھی مردہ پڑا رہے گا پھر اٹھایا جائے گا۔ شیطان نے حشر تک زندہ رہنے کی درخواست کی مگر بارگاہ خداوندی سے وقت معین یعنی صور پھونکنے تک منظوری ہوئی اللہ نے شیطان کی ایک بات تو منظور فرمائی کہ اس کو بنی آدم کے اغواء کے لیے طویل مہلت دے دی گئی۔ مگر اس کی دوسری درخواست کہ وقت بعثت تک اس کو مہلت مل جائے یہ منظور نہ ہوئی۔ بولا اے پروردگار جیسا تو نے مجھے بہکا میں بھی اولاد آدم کو بہکانے میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا البتہ میں ان کے لیے زمین میں تیری معصیت کو خوب صورت بنا کر دکھاؤں گا یعنی ان کو دنیا کی بہاریں دکھاؤں گا اور ان سب کو راہ حق سے گمراہ کروں گا سوائے ان کے جو تیرے خالص اور چیدہ بندے ہیں کیونکہ وہ میرے بس میں آنے والے نہیں۔ فرمایا کہ یہی اخلاص اور بندگی میرے تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے بے شک جو میرے اصل بندے ہیں ان پر تیرا کوئی زور نہیں

اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں پر شیطان کا تسلط نہ ہونے کے معنی:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص اور منتخب بندوں پر شیطان فریب کا اثر نہیں ہوتا مگر اسی واقعہ آدم میں یہ بھی مذکور ہے کہ آدم دحوا پر اس کا فریب چل گیا اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے: **إِنَّمَا أَشْرَكَ الْبَشَرُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا** (آل عمران) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ پر بھی شیطان کا کید اس موقع میں چل گیا۔

اس لئے آیت مذکورہ میں اللہ کے مخصوص بندوں پر شیطان کا تسلط نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قلوب و عقول پر شیطان کا ایسا تسلط نہیں ہوتا کہ وہ اپنی غلطی پر کسی وقت متنبہ ہی نہ ہوں جس کی وجہ سے ان کو توبہ نصیب نہ ہو یا کوئی ایسا گناہ کر پیش جس کی مغفرت نہ ہو سکے۔

اور مذکورہ واقعات اس کے منافی نہیں کیونکہ آدم وحواء علیہما السلام نے توبہ کی اور یہ توبہ قبول ہوئی اسی طرح حضرات صحابہ نے بھی توبہ کر لی تھی اور شیطان کے مکر سے جس گناہ میں ابتلاء ہوا وہ معاف کر دیا گیا۔

آگے فرمایا ہاں تیرا در صرف ان لوگوں پر ہے جو گمراہوں میں سے تیرے پیچھے ہوئے۔ شہوت پرست تیرے پیچھے لگ جائیں گے انہیں پر تیرا در چلے گا اور بے شک تیرے تمام پیچھے چلنے والوں کی وعدہ گاہ دوزخ ہے یعنی شیطان اور اس کے پیرو ب کے لئے جہنم کا وعدہ ہے اس جہنم کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے ان گمراہوں میں سے ایک حصہ مقرر اور معین ہے ہر دروازے سے وہی لوگ داخل ہوں گے جو ان کے لیے مقرر اور معین ہے۔

سببہ ابواب سے بعض سلف کے نزدیک جہنم کے سات طبقے مراد ہیں جن کے نام ترتیب وار یہ ہیں۔ جہنم۔ لظی۔ عظمہ، سعیر، سقر، جحیم، ہادیہ اور لفظ جہنم کا اطلاق ایک خاص طبقہ پر بھی ہوتا ہے۔ اور مجموعہ طبقات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور بعض علماء کے نزدیک سات دروازے مراد ہیں جن سے الگ الگ درختی داخل ہوں گے۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں۔ جیسے بہشت کے آٹھ دروازے ہیں نیک عمل والوں پر بانٹے ہوئے ہیں ویسے ہی دوزخ کے سات دروازے ہیں بد عمل لوگوں پر بانٹے ہوئے ہیں۔ شاید بہشت کا ایک دروازہ زیادہ اس لیے ہے کہ بعض مومنین نے فضل سے جنت میں جائیں گے۔ بغیر عمل کے باقی عمل میں دروازے برابر ہیں۔ اھ۔

بظاہر ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ الیمس سے کلام کیا مگر یہ کلام خطاب تہدید غضب تھا جیسے کوئی بادشاہ کسی خادم کو دھمکائے اور زبرد توخی کرے تو ایسا بالمشافہ کلام دلیل عزت و کرامت نہیں بلکہ دلیل اہانت و حقارت ہے۔
(دیکھو آکام المسرمان فی احکام الجنان ص ۱۵۶)

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ بَسَاتِينٍ وَعُيُونٍ ﴿۵۰﴾ تَجْرِي فِيهَا نِجَالٌ يُقَالُ لَهُمْ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ أَيْ سَالِمِينَ مِنْ
كُلِّ مَخُوفٍ أَوْ مَعَ سَلَامٍ أَيْ سَلِيمُونَ ﴿۵۱﴾ وَأَدْخُلُوا مِنْهَا مِنْ كُلِّ فَزَعٍ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ
غَلٍّ حَقْدٍ إِخْوَانًا خَالَ مِنْهُمْ عَلَى سُرْرٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿۵۲﴾ خَالَ أَيضًا أَي لَا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى قَفَا بَعْضٍ
لِنُورَانِ الْأَسْرَةِ بِهِمْ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ نَعَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿۵۳﴾ أَبَدًا أَي خَيْرًا مِمَّا حَقَّقُوا
عِبَادَتِي أَيْ أَنَا الْعَفْوُورُ لِمُؤْمِنِي الرَّحِيمِ ﴿۵۴﴾ بِهِمْ وَأَنَّ عَذَابِي لِلْعَصَاةِ هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿۵۵﴾
الْمُؤَلَّمُ وَنَبِّئُهُمْ عَن ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ﴿۵۶﴾ وَهُمْ مَلَائِكَةٌ إِنَّا عَشْرٌ أَوْ عَشْرَةٌ أَوْ ثَلَاثَةٌ مِنْهُمْ جِبْرَائِيلُ إِذَا

دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلِّمًا أَي هَذَا اللَّفْظُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لَمَّا عَرَضَ عَلَيْهِمُ الْأَكْلَ فَلَمْ يَأْكُلُوا إِنَّا مَنَّامُ

وَجَلُونَ ﴿۳۰﴾ خَائِفُونَ قَالُوا لَا تَوَجَّلْ لَا تَخَفْ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لِنُبَشِّرَكَ بِعِلْمٍ عَلِيمٍ ﴿۳۱﴾ ذِي عِلْمٍ كَثِيرٍ

هُوَ إِسْحَاقُ كَمَا ذَكَرَ فِي هَذَا قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي بِالْوَلَدِ عَلَى أَنْ مَسَّنِي الْكِبَرُ حَالُ أَي مَعَ مَنَسَةِ إِبْرَاهِيمَ

فِيمَ فَبَيَّأَ شَيْءًا تَبَشَّرُونَ ﴿۳۲﴾ اسْتَفْهَمُوا نَعَجِبَ قَالُوا بَشِّرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ

الْقَاطِئِينَ ﴿۳۳﴾ الْأَيْسِينَ قَالَ وَمَنْ أَيْ لَا يَقْنَطُ بِكُثْرِ التَّوْبِ وَفَتْحِهَا مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿۳۴﴾

الْكَافِرُونَ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ شَأْنُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۳۵﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿۳۶﴾

كَافِرِينَ أَي قَوْمٍ لُوطٍ لِأَهْلَائِهِمْ إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَنَجُوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۷﴾ لِإِيمَانِهِمْ إِلَّا أَمْرًا نَدَّ

بِغٍ قَدَّرْنَا إِنَّهَا لَمِنَ الْغَيْبِ ﴿۳۸﴾ الْبَاقِينَ فِي الْعَذَابِ لِكُفْرِهِا

ترجمہ: بیشک خدا سے ڈرنے والے باغوں اور چشموں میں ہوں گے (جو چشمے ان باغوں میں بہ رہے ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا) جاؤ ان میں سلامتی سے (ہر خطرہ اور اندیشہ سے مامون یا سلام کے ساتھ یعنی سلام کرتے ہوئے اور داخل ہو جاؤ) جمع خاطر سے (ہر طرح کے کھلے سے بے فکر ہو کر) اور نکال ڈالی ہم نے جو ان کے جیوں میں تھی خشکی (کینہ) سب بھائی بھائی ہو کر رہیں گے (یہ ہم ضمیر سے حال واقع ہے) ایک دوسرے کے آنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے (یہ بھی حال واقع ہے یعنی ایک دوسرے کی گدی کو نہیں دیکھ سکیں گے کیونکہ جن تختوں پر وہ بیٹھے ہوں گے وہ گھومنے والے ہوں گے) ان کو وہاں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہاں سے (کبھی نکالے جائیں گے، خبر سنا دیجئے اسے محمد! میرے بندوں کو میں ہوں اصل بخشنے والا (اہل ایمان کو) مہربان (اہل ایمان پر) اور یہ بھی کہ میرا عذاب (گنہگاروں کے لئے وہ) بڑا دردناک عذاب ہے اور حال سنا دیجئے ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا (یہ بارہ فرشتے تھے یا دس تھے یا تین تھے جن میں حضرت جبریل علیہ السلام بھی موجود تھے) جب چلے آئے اس کے گھر میں اور بولے سلام (یعنی غلط سلام کہا) وہ بولے (یعنی ابراہیم علیہ السلام، جب ان کے سامنے کھانا پیش کیا اور انہوں نے نہیں کھایا) ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے وہ بولے ڈر مت ہم (آپ کے پروردگار کے فرستادہ ہیں اور) آپ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک عالم فرزند کی (صاحب علم فرزند، مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں جیسا کہ سورہ ہود میں مذکور ہے) بولے کیا خوشخبری سناتے ہو مجھ کو (لڑکے کی) جب کہ مجھ کو بڑھا پا آلیا، (یہ حال واقع ہے یعنی میرے بڑھاپے کے باوجود) اب کس چیز کی خوشخبری سناتے ہو (یہ استفہام تعجب ہے) وہ بولے ہم نے آپ کو سچی خوشخبری سنائی سونا امیدوں میں مت ہو (مایوس ہونے والوں میں) بولے کون (یعنی نہیں) آس توڑتا ہے (نون کے کسرہ اور فتح کے ساتھ) اپنے پروردگار کی رحمت سے مگر جو گمراہ ہیں (کافر ہیں) بولے تمہاری کیا ہم (پروردگار) ہے؟ اے اللہ کے بھیجے ہوئے لوگو! وہ بولے ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں ایک گنہگار قوم کی طرف (یعنی قوم لوط کے کافروں کو ہلاک کرنے کے لئے) مگر لوط کے گھر

والے ہم ان کو بچالیں گے (ان کے ایمان کی وجہ سے) ان سب کو مگر ایک اس کی عورت ہم نے طے کر لیا ہے کہ وہ رہ جائے والوں میں ہوگی (یعنی ان کے ساتھ رہ جائے گی جو اپنے کفر کی وجہ سے بتلائے عذاب ہوں گے)

کلماتِ تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قولہ: **سَالِمِينَ**: اس سے اشارہ ہے کہ طرفِ مشتق کی تاویل سے حال ہے۔
- قولہ: **اِذْ خُلُوا**: اس سے اشارہ کیا کہ انہیں حالِ ثانیہ اور ضلوا کی ضمیر سے ہے۔ سلام سے نہیں کیونکہ فعلِ عمل میں اصل ہے۔
- قولہ: **بِذُورَانٍ**: جہاں وہ گھومے گا وہ نشست گا ہیں گھوم جائیں گی پس تمام احوال میں مقابل رہیں گے۔
- قولہ: **الْأُسْرَةَ**: یہ سریر کی جمع ہے۔
- قولہ: **عَلَىٰ أَنْ مَسَّنِي الْكِبَرُ**: یہ حال ہے اور علی مع کے معنی میں ہے۔
- قولہ: **فِيهِمْ**: یہ استفہامِ تعجبی ہے۔
- قولہ: **الطَّاغُوتِ**: کی تفسیر کافروں سے کر کے اشارہ کیا کہ یہ: **لَا يَأْتِيَنَّكَ مِنْ زَوْجِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ** کے موافق ہے۔
- قولہ: **يَاهُلَا كَيْفَ هُمْ**: اشارہ کیا کہ مضاف مخدوف ہے۔
- قولہ: **فَقَدَرْنَا**: یہاں قدر ناقلاً کے قائم مقام ہے کیونکہ تقدیر بمعنی قہسی ایک قول ہے اور ملائکہ کی طرف تقدیر کا اسناد قرب کی وجہ سے ہے۔

تفسیر مقبولین

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝

متقی باغوں اور چشموں میں ہوں گے، سلامتی کے ساتھ رہیں گے آپس میں کوئی کینہ نہ ہوگا:

گزشتہ آیت میں دوزخ کا اور اس کے دروازوں کا ذکر تھا اور یہ فرمایا تھا کہ دوزخ میں ایسے کا اتباع کرنے والے داخل ہوں گے، اب یہاں ان آیات میں اہل جنت اور ان کی بعض نعمتوں کا ذکر ہے، جنت والے کون ہیں؟ یہ متقی حضرات ہیں تقویٰ کے بہت سے درجات ہیں کفرِ شرک سے بچنا سب سے بڑا تقویٰ ہے، کبیرہ گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ ہے صغیرہ گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ میں شامل ہے مکروہات سے بچنا اور تشابہات سے بچنا یہ بھی تقویٰ ہے جنت میں کوئی کافر و مشرک تو جا ہی نہیں سکتا مسلمان اپنے اپنے تقویٰ کے اعتبار سے جنت کے درجات میں داخل ہوں گے دارالنعیم جس میں اہل ایمان داخل ہوں گے اس کا نام جنت ہے اور اسے بہشت بھی کہا جاتا ہے پھر اس میں بہت سے ہائے ہیں گے اس لیے بہت سی جگہ لفظ جہنم جمع کے ساتھ وارد ہوا ہے، یہاں بھی لفظ جہنم آیا ہے اور اس کے ساتھ لفظ عیون ۝ بھی ہے جو عین کی جمع ہے، عین عربی میں چشمہ کو کہتے ہیں جنت میں باغ بھی ہوں گے اور چشمے بھی ہوں گے اور متعدد آیات میں (جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ) وارد ہوا

ہے، یعنی ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہرے بھرے باغ درختوں پر پھیل ہوں گے اہل جنت سے قریب لٹکے ہوئے ہوں گے، چٹھے اور نہریں جاری ہوں گی اور ان کے سوا کثیر تعداد میں دیگر انمول، در بے مثال نعمتیں ہوں گی اور ان سب سے زیادہ بڑھ کر اللہ کی رضا حاصل ہوگی اس میں داخل ہوں گے، سلامتی کے ساتھ رہیں گے اور سلامتی کے ساتھ امن بے خوف، ہوں گے نہ کوئی خوف ہوگا نہ نعتیں چینیے جانے کا اندیشہ ہوگا، آپس میں نہ بغض نہ حسد نہ دشمنی نہ مخالفت نہ مخالفت، سب بھائیوں کی طرح ایک دل ہو کر رہیں گے، دنیا میں جو آپس میں کسی وجہ سے کوئی کھوٹ، کینہ در دشمنی تھی وہ سب جنت میں داخل ہونے سے پہلے نکال دی جائے گی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ: ((قلوبہم علی قلب رجل واحد لا اختلاف بینہم ولا تباعد)) یعنی ان سب کے دل ایسے ہوں گے جیسے ایک ہی شخص کا دل ہونہ آپس میں کوئی اختلاف ہوگا اور نہ بغض ہوگا، مفسر ابن کثیر نے (ص ۵۰۰ ج ۲) حضرت ابوامامہ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ جنت میں کوئی مؤمن اس وقت تک داخل نہ ہوگا جب تک اس کے سینہ سے کھوٹ کھٹ کونہ نکال دیا جائے جیسے حملہ کرنے والا ورنہ ہٹایا جاتا ہے اسی مرتبہ سے مؤمن کے دل سے کینہ نکال دیا جائے گا۔

لَا يَسْتَهْمُونَ فِيهَا نَسَبًا وَ مَآهَةً قِنَّهَا يُخْرَجُونَ ﴿۵﴾ اس آیت سے جنت کی دو خصوصیات معلوم ہوئیں اول یہ کہ کسی کبھی مکان اور ضعف محسوس نہ ہوگا بخلاف دنیا کے کہ یہاں محنت و مشقت کے کاموں سے تو ضعف و تکان ہوتا ہی ہے خاص آرام اور تفریح سے بھی کسی نہ کسی وقت آدمی تھک جاتا ہے اور ضعف محسوس کرنے لگتا ہے خواہ وہ کتنا ہی لذیذ کام اور مشغلہ ہو۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جو آرام و راحت اور نعمتیں وہاں کسی کو مل جائیں گی پھر وہ دائمی ہوں گی نہ وہ نعتیں کبھی کم ہوں گی اور نہ ان میں سے اس شخص کو نکالا جائے گا سورۃ ص میں ارشاد ہے: ﴿إِنَّ هَذَا الرَّزْقَ أَنَا لَهُ وَمَنْ أَتَقَدَّرُ﴾ یعنی یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا اور اس آیت میں فرمایا: ﴿وَمَا هُمْ قِنَّهَا يُخْرَجُونَ﴾ یعنی ان کو کبھی ان نعمتوں و راحتوں سے نکال نہیں جائے گا بخلاف معاملات دنیا کے کہ یہاں اگر کوئی کسی کو بڑے سے بڑا انعام و راحت دے بھی دے تو یہ خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے کہ نہیں نے یہ انعام دے دیے ہیں وہ کسی وقت نازاں ہو کر یہاں سے نکال دے گا۔

ایک تیسرا احتمال جو یہ تھا کہ نہ جنت کی نعمتیں ختم ہوں اور نہ اس کو وہاں سے نکالا جائے مگر وہ خود ہی وہاں رہتے رہتے اتکا جائے اور باہر جانا چاہے قرآن عزیز نے اس احتمال کو بھی ایک جملہ میں ان الفاظ سے ختم کر دیا ہے کہ: ﴿لَا يَسْتَهْمُونَ عَنْهَا جُلُودًا﴾ یعنی یہ لوگ بھی وہاں سے پلٹ کر آنے کی کبھی خواہش نہ کریں گے۔

وَلَا يَسْتَهْمُونَ عَنْهَا جُلُودًا ﴿۵﴾

ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا تذکرہ، ان سے خوشنزدہ ہونا اور انکو بیٹے کی بشارت دینا:

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا ذکر ہے، یہ مہمان اللہ جل شانہ کے پیچھے ہوئے فرشتے تھے جو اس لیے بھیجے گئے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دیں اور اس پر بھی مامور تھے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کر دیں، اس کا مفصل تذکرہ سورۃ صود (ع ۷) میں گزر چکا ہے اور سورۃ زار آیات میں بھی مذکور ہے، اور سورۃ العنکبوت رکوع ۴ میں بھی ہے جب یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے اور اندر داخل ہو گئے تو انہوں نے سلام کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا

جواب دیا (جیسا کہ سورۃ ہود اور سورۃ زاریات میں تصریح ہے) یہ فرشتے چونکہ انسانوں کی صورتوں میں تھے اور اس سے پہلے ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی اس لیے اول تو یوں فرمایا کہ: (قَوْمٌ مُّشْكِرُونَ) یعنی یہ حضرات ایسے ہیں جن سے کوئی جان پہچان نہیں، اور چونکہ انہیں انسان سمجھا تھا اس لیے ایک موٹا تازہ بچھڑا بھنا ہوا ضیانت کے طور پر ان کے سامنے لا کر رکھ دیا، وہ فرشتے تھے جو کھاتے پیتے نہیں ہیں اس لیے انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے جب یہ ماجرا دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مزید توحش ہوا اور اپنے دل میں ان کی طرف سے ڈر محسوس کرنے لگے اور صرف دل میں ہی نہیں زبان سے بھی (اِنَّا مِنكُمْ وَجَلُونَ) (بے شک ہم تم سے ڈر رہے ہیں) مہمانوں نے کہا کہ آپ ڈریئے نہیں ہم تمہیں ایک ایسے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جو صاحب علم ہوگا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت زیادہ ہو چکی تھی خود بھی بوڑھے تھے اور ان کی بیوی بھی بوڑھی تھی جیسا کہ سورۃ ہود میں مذکور ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعجب ہوا اور فرشتوں سے فرمایا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں مجھے اس حالت میں بیٹے کی خوشخبری دے رہے ہو یہ کیسی بشارت دے رہے ہو اس بشارت کا ظہور کس طرح ہوگا چونکہ بات اس انداز سے فرمائی تھی جس میں استفہام انکاری کی جھلک تھی اس لیے فرشتوں نے جواب میں کہا کہ ہم نے آپ کو امر واقعی کی بشارت دی ہے (ظاہری اسباب عادیہ کے اعتبار سے اچھے کی سی بات ہے لیکن جس نے بشارت بھیجی ہے اس کے لیے کچھ مشکل نہیں) لہذا آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جو امید نہیں رکھتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت سے ناامیدی کے طور پر میرا سوال نہیں بلکہ اس اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے کچھ عجیب سا معلوم ہو رہا ہے اس لیے یہ سوال زبان پر آ گیا کہ اب اس حالت میں اولاد کس طرح ہوگی یہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد ان کے بیٹے یعقوب علیہ السلام کے بارے میں تھی جیسا کہ سورۃ ہود میں مذکور ہے سورۃ صافات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ جل شانہ سے دعا کی تھی کہ (رَبِّ هَبْ لِي مِن الصَّالِحِينَ) (کہ اے میرے رب مجھے صالحین میں سے ایک فرزند عطا فرما دے) اللہ نے فرمایا: (فَبَشِّرْهُ بِعِيسَىٰ) (کہ ہم نے انہیں علم والے فرزند کی بشارت دی) بعض مفسرین نے فرمایا کہ سورۃ صافات کی مذکورہ آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دی ہے اور سورۃ ہود اور سورۃ حجر اور سورۃ زاریات میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝

ابراہیم نے کہا: اے فرستادگان (الہی) تمہارا (آنے کا) معاملہ کیا ہے؟

یعنی اس بشارت کے علاوہ اصل سبب تمہارے نازل ہونے کا کیا ہے وہ کیا بڑا کام ہے جس کیلئے تم کو بھیجا گیا ہے۔ شاید حضرت ابراہیم سمجھ گئے کہ متعدد فرشتوں کے آنے کی غرض یہ خوشخبری تو ہو نہیں سکتی بشارت دینے کیلئے تو ایک بھی کافی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت زکریا اور حضرت مریم کو ایک فرشتہ نے بشارت دی تھی۔ یا حضرت ابراہیم یہ سمجھے کہ ان کے آنے کی اگر اصل غرض اگر خوشخبری پہنچانی ہوتی تو آئے ہی بشارت دیتے۔ بشارت تو انہوں نے خوف کو دور کرنے کیلئے ذیلی اور ضمنی طور پر دے دی (شروع میں تو سہمان بن کر آئے تھے)۔

قَالُوا إِنَّا بُرْسِلْنَا إِلَيْكَ بِبَشِيرٍ مِّنْ رَبِّكَ

فرشتوں نے کہا: ہم کو مجرم لوگوں کو ہلاک کرنے کیلئے بھیجا گیا ہے۔

فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۰﴾ قَالَ لَهُمْ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مَنَّكُونَ ﴿۱۱﴾ لَا أَعْرِفُكُمْ قَالُوا بَلْ
 جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا آئِي قَوْمِكَ فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿۱۲﴾ يَشْكُرُونَ وَهُوَ الْعَذَابُ وَآتَيْنَكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا
 لَصَادِقُونَ ﴿۱۳﴾ فَبِئْسَ مَا يَأْتِيكَ بِقَطْعٍ مِنَ الْيَلِّ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ إِنَّمَا خَلْفُهُمْ وَلَا
 يَلْتَفِتُ مِنْكُمْ أَحَدٌ لِّئَلَّا يُزِيَ عَظِيمٌ مَا يَنْزِلُ بِهِمْ وَآمُضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿۱۴﴾ وَهُوَ الشَّامُ وَقَضِينَا
 أَوْ حِينَا إِلَيْهِ ذَلِكَ الْأَمْرُ وَهَرِ أَنْ دَابِرَهُ هُوَ لِأَنَّ مَقْطُوعٌ مُصْبِحِينَ ﴿۱۵﴾ خَالَ أَيُّ يُتِمُّ اسْتِثْنَاءُ لَهُمْ فِي
 الصَّبَاحِ وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مَدِينَةً سَدُومَ وَهُمْ قَوْمٌ لُوطٍ لَمَّا أَخْبَرُوا أَنَّ فِي بَيْتِ لُوطٍ مُرْدًا حَسَنًا وَهُمْ
 الْمَلَائِكَةُ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۱۶﴾ خَالَ طِنَعًا فِي فِعْلِ الْفَاحِشَةِ بِهِمْ قَالَ لُوطٌ إِنَّ هَذَا لَأَيْ ضَيْفِي فَلَا
 تَقْضُونِ ﴿۱۷﴾ وَالْقَوْلُ لِلَّهِ وَلَا تُخْزُونَ ﴿۱۸﴾ بِقَضِدِ كُمْ آيَاهُمْ بِفِعْلِ الْفَاحِشَةِ بِهِمْ قَالُوا أَوْ لَمْ تَنْهَكْ عَنِ
 الْعَالَمِينَ ﴿۱۹﴾ عَنْ إِضَائِهِمْ قَالَ هُوَ لِأَنَّ بَلِيَّتِي إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ﴿۲۰﴾ مَا تَرِيدُونَ مِنْ قَضَاءِ الشُّهُوةِ
 فَتَزَوَّجُوهُنَّ قَالَ تَعَالَى لَعَنُوكَ خَطَابُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ وَحْيَاتِكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ
 يَعْمَهُونَ ﴿۲۱﴾ يَتَرَدَّدُونَ فَأَخَذَتْهُمْ الصَّبِيحَةُ صَبِيحَةُ جِبْرِيلَ مُشْرِقِينَ ﴿۲۲﴾ وَقَتِ شُرُوقِ الشَّمْسِ
 فَجَعَلْنَا عَلَيْهَا أَيُّ قُرَاهُمْ سَافِلَهَا بَارُ رَفَعَهَا جِبْرِيلَ إِلَى السَّمَاءِ وَأَسْقَطَهَا مَقْلُوبَةً إِلَى الْأَرْضِ وَ
 أَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ ﴿۲۳﴾ طِينِ طَبَخَ بِالنَّارِ إِنْ فِي ذَلِكَ الْمَذْكَورِ لآيَاتٍ ذَلَالَاتٍ
 عَلَى رَحْمَاتِنَا تَعَالَى لِلْمُتَوَسِّمِينَ ﴿۲۴﴾ لِلنَّاطِرِينَ الْمُعْتَبِرِينَ وَرَأَيْهَا أَيُّ قَرَى قَوْمِ لُوطٍ لِكِسْبِيلٍ
 مَقِيمٍ ﴿۲۵﴾ طَرِيقِ قُرَيْشٍ إِلَى الشَّامِ لَمْ يَنْدَرِسْ أَفَلَا يَعْتَبِرُونَ بِهِمْ إِنْ فِي ذَلِكَ لآيَةٌ لِعِبْرَةٍ لِلْمُؤْمِنِينَ
 ﴿۲۶﴾ وَإِنْ مَخَفَتْ أَيُّ إِنَّهُ كَانَ أَصْحَبُ الْأَيْكَةِ هِيَ غَيْصَةُ شَجَرٍ بِقُرْبِ مَدِينِ وَهُمْ قَوْمٌ شَعِيبَ
 لَطِيمِينَ ﴿۲۷﴾ بِتَكْذِيبِهِمْ شَعِيبًا فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ بِأَنْ أَهْلَكْنَا هُمْ بِشِدَّةِ الْحَرِّ وَرَأَيْهَا أَيُّ قَرَى قَوْمِ
 لُوطٍ وَالْآيَةُ لِيَأْمُرَ طَرِيقِ قُرَيْشٍ ﴿۲۸﴾ وَاضِحٌ أَفَلَا يَعْتَبِرُونَ بِهِمْ أَهْلُ مَكَّةَ

ترجمہ: پھر جب وہ بھیجے ہوئے لوط کے گھر (لوط کے پاس) پہنچے تو (ان سے) بولے تم لوگ اوپر سے ہو (یعنی میں تم سے واقف نہیں) بولے نہیں، پر ہم لے کر آئے ہیں آپ کے پاس وہ چیزیں جس میں وہ (آپ کی قوم کے لوگ) جھگڑتے

تھے شک کرتے تھے یعنی عذاب اور ہم لے کر آئے ہیں آپ کے پاس کئی بات اور ہم سچے ہیں (اپنی بات میں) سو آپ نکل جائیے اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے کسی حصہ میں اور آپ ان کے پیچھے ہو لیجئے (یعنی ان کے پیچھے چلئے) اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں سے کوئی (تاکہ قوم لوط پر نازل ہونے والے خونخوار عذاب کو نہ دیکھ لے) اور صبح جاؤ جہاں تم کو حکم دیا جاتا ہے (یعنی شام میں) اور ہم نے مقرر کر دیا (اس کی طرف وحی کی) یہ بات (کہ) ان کی جڑ کٹے گی صبح ہوتے ہی (یہ حال واقع ہے یعنی صبح کے وقت ان کی بیخ کنی ہو جائے گی) اور شہر کے لوگ (شہر سدوم کے لوگ جو لوط کی قوم کے تھے جب ان کو یہ خبر ملی کہ لوط کے گھر میں کچھ خوبصورت بے ریش لڑکے آئے ہوئے ہیں حالانکہ وہ فرشتے تھے) آئے خوب خوشیاں مناتے ہوئے (یہ حال واقع ہے، مہمانوں کے ساتھ بد فعلی کے لالچ میں) بولے (بوط) یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو بروامت کرو اور اللہ سے ڈرو اور میری آبرومت کھوؤ (مہمانوں کے ساتھ بد فعل کا قصد کر کے) بولے کیا ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا دنیا کی حمایت (نیابت) سے بولے، یہ ضرور میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے (اگر شہوت پوری کرنا چاہتے ہو تو ان سے شادی کر لو حق تعالیٰ نے فرمایا) قسم ہے تیری جان کی (یہ آنحضرت کو خطاب ہے یعنی آپ کی زندگی کی قسم وہ اسی مستحق مدہوشی) میں ہیں پھر آدبایا ان کو ایک ہولناک آواز (جو جبرئیل علیہ السلام کی تھی) نے سورج نکلنے کے وقت پھر ہم نے ان بستیوں کو اوپر تلے کر دیا (یعنی جبرئیل علیہ السلام نے ان بستیوں کو آسمان کے قریب لیجا کر الٹ کر دے مارا) اور ان پر کنکر کے پتھر برسائے (جو آگ میں پکے ہوئے تھے) بیشک اس (مذکورہ واقعہ) میں نشانیاں ہیں (حق تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیلیں ہیں) دھیان کرنے والوں (عبرت سے دیکھنے والوں) کے لئے اور وہ (یعنی قوم لوط کی بستیاں سیدھی راہ پر واقع ہیں) قریش کے شام کے راستے میں پڑتی ہیں کہ جن کے نشانات تاہنوز موجود ہیں مئے نہیں کیا ان سے وہ عبرت حاصل نہیں کرتے؟ بیشک ان باتوں میں نشانی ہے (صحیح ہے) ایمان والوں کیلئے اور بن کے رہنے والے (ان مخلفہ یعنی انہ تھا) لوگ بھی (مدین کے قریب ایک گھنا جنگل ہے جس میں قوم شعیب آباد تھی) بڑے عالم تھے (شعیب کو جھٹلانے کی وجہ سے) سو ہم نے ان سے بدلہ لیا (شدید گرمی سے ہلاک کر کے) اور یہ دونوں (قوم لوط کی بستیاں اور بن) کھلے راستے پر واقع ہیں (تو پھر کیا اہل مکہ ان سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قولہ: **بِقَاتِلِ بَرِي عَظِيمٍ**: پیچھے چلیں تاکہ اس بڑے عذاب کا معائنہ نہ کریں اور اس کی ان میں طاقت نہیں۔
- قولہ: **مُرْدًا**: بیمار کی جمع بے ریش لڑکا۔
- قولہ: **لَفِي سَكْرَتِهِمْ**: اس سے ان کی گمراہی اور شدت شہوت مراد ہے جس نے ان کی عقل کو ہوا کر دیا تھا۔
- قولہ: **وَأَمَّا مَدْيَنُ فَجَاءَهَا بِاصْحَابِهَا**: اس سے اشارہ کیا کہ ابتداء عذاب طلوع فجر کے وقت ہوگا اور جبرائیل کی چٹخ کی ابتداء صبح صادق کے بعد ہوگی۔
- قولہ: **مَغِيمٌ**: ثابت اور تندرس: خراب ہونا مثلاً۔
- قولہ: **مِي غَيْضًا**: جنگل۔

قولہ: امام: یہ شارع کے لئے بولا گیا ہے معروف معنی میں نہیں۔
 قولہ: واضح: یعنی مبین لازم ہے۔

تفسیر مقبولین

فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦﴾

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی شرارت اور ہلاکت:

یہ فرشتے جو حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے یہ خوبصورت انسانوں کی شکلوں میں تھے اور چونکہ وہ اس بستی کے رہنے والوں میں نہ تھے (اور بستی والے باہر سے آنے والے لوگوں کو اپنے برے مقصد کے لیے استعمال کرتے تھے) اس لیے برائی نیت کے ساتھ خوش ہوتے ہوئے پہنچے تاکہ ان مہمانوں سے اپنا کام نکالیں، حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ میرے مہمان ہیں تم میری نصیحت نہ کرو اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو وہ لوگ اپنی بدستی میں اندھے بنے ہوئے تھے کہنے لگے کہ ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں کو مہمان بنانے سے منع نہیں کر چکے ہیں، ہمارے اور آنے والے لوگوں کے درمیان آڑے نہ آئیں، آپ کو کیا ضرورت ہے کہ باہر کے آنے والوں کو مہمان بنا لیں نہ آپ مہمان بناتے نہ آپ کے رسوا ہونے کی نوبت آئی، حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو سمجھایا اور فرمایا کہ تمہیں اپنی شہوت کو پوری کرنے کے لیے ان بیہودہ حرکتوں کی کیا ضرورت ہے بلکہ میری بیٹیاں (قوم کی لڑکیاں) ہیں تم ان سے حلال طریقے سے قضائے شہوت کا کام نکالو ان لوگوں نے کہا ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی مطلب نہیں تمہیں معلوم ہے ہم کیا چاہتے ہیں (کمانی سورۃ صافات) فرشتوں نے کہا کہ آپ تمہارا صبر کریں صبح ہوتے ہی یہ لوگ ہلاک کر دیئے جائیں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے رات کے وقت نکل گئے بیوی وہیں رہ گئی۔ جب سورج نکلنا تو ایک سخت آواز آئی جو بہت کرخت تھی پھر اوپر سے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین کو اوپر اٹھایا اور زمین کا تختہ الٹ دیا، زمین کے اوپر کا حصہ نیچے ہو گیا اور نیچے کا حصہ اوپر ہو گیا۔ جس سے لوگ دب گئے اور مزید یہ ہوا کہ لگاتار مسلسل پتھر برسادیئے گئے۔ یہ پتھر جمیل کے تھے سورۃ صافات اور سورۃ حجر میں (بِحِجَارٍ قَاقِنٍ بِيضِيْلٍ) فرمایا اور سورۃ ذاریات میں (بِحِجَارٍ قَاقِنٍ طَلْحِيْنٍ) فرمایا ہے دونوں جگہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں پر جو پتھر برسائے گئے تھے وہ عام پتھر یعنی پہاڑوں کے ٹکڑے نہیں تھے بلکہ ایسے پتھر تھے جو مٹی سے پکا کر بنائے جاتے ہیں جس کا ترجمہ ”کنکر“ کیا گیا ہے۔

یہ لفظ سنگ اور گل سے مرکب ہے سنگ پتھر کو اور گل مٹی کو کہتے ہیں مٹی کو اگر پکایا جائے تو اس سے پتھر کی طرح ایک چیز بن جاتی ہے۔ سورۃ صافات میں (بِحِجَارٍ قَاقِنٍ مَقْنُطُوْدٍ) فرمایا یعنی ان پر پتھروں کی جو بارش کی گئی جو لگاتار گر رہے تھے آیات قرآنیہ کو طمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر تینوں طرح کا عذاب آیا چیخ نے بھی پکڑا، ان کی زمین کا تختہ بھی الٹ دیا گیا، اور ان پر پتھر بھی برسادیئے گئے ان بستیوں کو سورۃ براءۃ میں (الْمَوْتُ تَفِيْكَالِيْتِ) (یعنی ایسی ہوئی بستیوں فرمایا ہے) اور سورۃ

حجرت میں فرمایا ہے: (وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ فَفَجَشَّهَا مَا غَشَّىٰ) (اور اٹھی ہوئی بستیوں کو پھینک مارا پھر ان بستیوں پر وہ چیز چھانسی جو چھانسی) یعنی اوپر سے پتھر برساتا شروع ہوئے۔

حضرت لوط علیہ السلام مؤمنین کو لے کر راتوں رات بستیوں سے نکل چکے تھے جو عذاب آیا وہ کافروں پر آیا۔ ان کی بیوی کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں یا تو ان کے ساتھ نکلی ہی نہ تھی یا ساتھ تو نکلی تھی لیکن پیچھے مڑ کر دیکھ لیا اور ہلاک والوں میں شریک ہو گئی ایک پتھر آیا اور اسے وہیں قتل کر دیا۔

یہاں بظاہر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب زمین الٹ دی گئی تو وہ اسی سے مر گئے ہونگے پھر پتھر کیوں برسائے گئے؟ اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ جو لوگ بستیوں سے باہر تھے ان پر پتھروں کی بارش برسا دی گئی۔

یہ بستیاں نہر اردن کے قریب تھیں ان کو الٹ دیا گیا اور ان کی جگہ اللہ تعالیٰ نے بحریت پیدا فرمایا جو آج بھی موجود ہے پانی بدبودار ہے اس سے انسانوں کو یا کھیتوں کو نفع نہیں ہوتا اور یہ پانی انہیں بستیوں کی حدود میں ہے کسی دوسری جگہ سے نہیں آتا۔

لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت سے عبرت حاصل کریں جن کی الٹی ہوئی بستیوں پر گزرتے ہیں:

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بربادی کا تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ: (إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّمَنْتَوَسَّعُونَ وَإِنَّهَا لَلسَّبِيلِ مَقِيضٌ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ يُمِينُ) (بلاشبہ اس میں بصیرت والوں کے لیے نشانیاں ہیں، بلاشبہ یہ بستیاں شاہراہ عام پر پڑی ہیں، بے شک اس میں اہل ایمان کے لیے نشانی ہے۔)

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ یہ جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہلاک ہوئی اس میں بصیرت والوں کے لیے نشانیاں ہیں کہ کفر اور فعل بد کا برا نتیجہ ہے اور ایمان اور طاعت باعث نجات ہے، پھر یہ فرمایا کہ یہ بستیاں ایک عام شاہراہ پر پڑتی ہیں، اہل عرب جب شام کو جاتے ہیں تو ان الٹی ہوئی بستیوں کے پاس سے گزرتے ہیں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہ کرنا بہت بڑی حماقت اور شقاوت ہے، اس کے بعد مزید توجہ دلائی اور عبرت کی طرف متوجہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ان بستیوں میں اہل ایمان کے لیے بڑی نشانی ہے، جس نے آنکھوں پر پٹی باندھ لی وہ عبرت کی باتوں سے متاثر نہیں ہوتا اہل ایمان ہی نصیحت قبول کرتے ہیں، اور مانتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں، سورۃ صافات میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے: (وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِينَ وَبِالْغُلُقُوتِ) (اور تم ان پر صبح کے وقت اور رات کے وقت گزرا کرتے ہو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) اہل عرب تجارت کے لیے شام جایا کرتے تھے راستے میں یہ بستیاں بھی پڑتی تھی جن کا تختہ الٹ دیا گیا تھا کبھی صبح کے وقت اور کبھی رات کے وقت وہاں سے گزرتے ہوئے تھے ان لوگوں کو یاد دلایا کہ دیکھو کافروں اور بدکاروں کا کیا انجام ہوا تم وہاں سے گزرتے ہو اور الٹی ہوئی بستیاں دیکھتے ہو پھر کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے کیا بالکل ہی سمجھ سے ہاتھ دھو بیٹھے ہو، قرآن مجید بیان سامنے ہے تاریخوں میں بھی واقعہ موجود ہے لیکن عبرت کا نام نہیں، کفر کی وجہ سے اور مردوں سے قضاء شہوت کرنے کی وجہ سے یہ عذاب آیا تھا، اب یورپ کی اقوام کو دیکھ لو جو مہذب سمجھی جاتی ہیں ہلاکت کے دھارے پر ہیں کافر تو ہیں ہی زنا کاری ان میں عام تھی ہی اب مردوں سے قضاء حاجت کرنے کا رواج بھی عام ہو گیا ہے اور حکومتوں نے قانونی طور پر ان کو جائز قرار دے دیا ہے۔ (فَأَنْتَظِرُونَ) (فانتظاراً وَاِنَّا مُنْتَضِرُونَ)

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ وَإِيمَنَ الْمَدِينَةِ وَالشَّامِ وَهُمْ تَمْوُدُ الْمُرْسَلِينَ ۝ بِتَكْذِيبِهِمْ صَالِحًا لَّهِ
تَكْذِيبَ لِبَاقِي الرُّسُلِ لِاسْتِرْكَابِهِمْ فِي الْمَجِيِّ بِالتَّوْحِيدِ وَآيَاتِهِمْ آيَاتِنَا فِي النَّاقَةِ فَكَانُوا عَنْهَا
مُعْرِضِينَ ۝ لَا يَتَفَكَّرُونَ فِيهَا وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ۝ فَأَخَذْتَهُمُ الصَّيْحَةَ
مُصْبِحِينَ ۝ وَقَتَ الصَّبَاحِ فَمَا أَغْنَىٰ دَفْعَ عَنْهُمْ الْعَذَابَ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ مِنْ بِنَاءِ الْحُطُورِ
وَجَمْعِ الْأَمْوَالِ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَأْتِيَةٌ لَا
مُحَالَةَ فِيَجَازِي كُلَّ أَحَدٍ بِعَمَلِهِ فَاصْفَحْ يَا مُحَمَّدُ عَنْ قَوْمِكَ الظَّفَحِ الْجَبِيلِ ۝ أَعْرَضَ عَنْهُمْ
إِعْرَاضًا لَا جُرْعَ فِيهِ وَهَذَا مَشْرُوحٌ بِآيَةِ السَّيْفِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ لِكُلِّ شَيْءٍ الْعَلِيمُ ۝ بِكُلِّ شَيْءٍ
لَقَدْ آتَيْنَكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ الْفَاتِحَةُ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ لِأَنَّهَا تَنْشِي فِي كُلِّ
رَكْعَةٍ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝ لَا تَمُدَّنْ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا أَصْنَافًا مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ
عَلَيْهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا وَاحْفَظْ جَنَاحَكَ مِنَ جَانِبِكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ مِنْ عَذَابِ
اللَّهِ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْكُمْ الْهَبِيمَ ۝ الْبَيْنَ الْإِنذَارِ كَمَا أَنْزَلْنَا الْعَذَابَ عَلَى الْمُقْتَسِبِينَ ۝ الْيَهُودِ
وَالنَّصَارَى الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ أَيْ كُتُبَهُمْ الْمُتَرْتَبَةَ عَلَيْهِمْ عِضِينَ ۝ أَجْزَاءَ حَيْثُ امْتُوا يَبْتَعْضُ
وَكَفَرُوا يَبْتَعْضُ وَقِيلَ الْمُرَادُ بِهِمُ الَّذِينَ رَقَسُوا طَرِيقَ مَكَّةَ يَضُدُّونَ النَّاسَ عَنِ الدِّ مَسَارِمِ وَقَالَ
يَعْضُهُمُ الْمُرَادُ بِهِمْ فِي الْقُرْآنِ سِحْرًا وَنَعْضُهُمْ كَهَانَةً وَبَعْضُهُمْ شِعْرًا فَوَرَبِّكَ لَسُنَّتُهُمْ أَجْعَلِينَ ۝
سَوَالُ تَرْبِيحٍ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ قَاصِدٌ يَا مُحَمَّدُ بِمَا تَوَمَّرُ أَيَّ اجْتِهَادِهِ وَامْتِنَهُ وَاعْرِضْ عَنِ
الْمُشْرِكِينَ ۝ هَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْجِهَادِ إِذَا كَفَيْتَكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝ بِكَ يَا أَهْلَكُنَا كَلَّا مِنْهُمْ بِآيَةِ
وَهُمُ الْوَالِدُ بْنُ الْمُغْبِرَةِ وَالْعَاصُ بْنُ وَائِلٍ وَعَدِيُّ بْنُ قَيْسٍ وَالْأَسْوَدُ بْنُ الْمُطَلِّبِ وَالْأَسْوَدُ بْنُ عَبْدِ
يَعْقُوثَ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۝ صِفَةٌ وَقِيلَ مُبْتَدَأٌ وَلِتَضَمُّنِهِ مَعْنَى الشَّرْطِ دَخَلَتْ الْفَاءُ فِي
بِخَبْرِهِ وَهُوَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ غَابِئُهُ أَمْرُهُمْ وَ لَقَدْ لِلتَّحْقِيقِ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرَكَ بِمَا
يَقُولُونَ ۝ مِنَ الْإِسْتِهْزَاءِ وَالتَّكْذِيبِ فَسَبِّحْ مُتَابِعًا بِحَمْدِ رَبِّكَ أَيُّ قُلِّ مُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَ كُنْ

مِنَ الشَّجْدَانِ ۝ وَاعْبُدْنَاكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۝ الْمَوْثُ

بج

ترجمہ: اور بیشک جھٹلایا حجر والوں نے (مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی کا نام ہے مراد قوم شمود ہے) رسولوں کو) کیونکہ انھوں نے صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور صالح کو جھٹلانا باقی تمام رسولوں کو جھٹلانے کے ہم معنی ہے، اس واسطے کہ دعوت توحید میں سب برابر تھے) اور ان کو ہم نے اپنی نشانیاں (صالح کی اونی میں) دیں سو وہ ان سے منہ پھیرتے رہے (ان نشانوں میں غور نہیں کرتے تھے اور پہاڑوں سے گھر تراشتے تھے اطمینان کے ساتھ پھر آدباہ ان کو ہولناک آواز نے صبح ہی صبح، پھر کام نہ آیا ان کے (عذاب کو روک نہیں سکا) جو کچھ انھوں نے کیا تھا (یعنی قلعوں کی تعمیر اور مال کا جمع کرنا) اور ہم نے نہیں بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بغیر حکمت کے اور قیامت بیشک آنے والی ہے یقیناً سو ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا) سو درگزر کر (اے محمد! اپنی قوم سے) اچھی طرح (اس طرح درگزر کیجئے کہ دل میں کوئی شکوہ و شکایت نہ رہے یہ حکم آیت جہاد سے منسوخ ہے) تمہارا پروردگار ہی ہے (جو سب کا) پیدا کرنے والا (سب کچھ) جاننے والا ہے اور بلاشبہ ہم نے دہرائی جانے والی آیتوں میں سے سات آیتوں کی سورۃ عطا کی ہے (حضور کا ارشاد ہے کہ اس سے سورۃ فاتحہ مراد ہے کیوں کہ ہر رکعت میں یہ سورۃ دہرائی جاتی ہے) بخاری و مسلم) اور قرآن عظیم عنایت فرمایا یہ جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو بہرہ مند کر دیا ہے تو آپ اپنی آنکھوں کو اٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھئے (اور اگر یہ ایمان نہ لائیں تو) ان پر بیکار غم نہ کیجئے، اور مؤمنوں کے لیے اپنے بازو پھیلا دیجئے (ان پر شفقت رکھئے) اور اعلان کر دیجئے کہ میں (عذاب الہی سے) کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہوں (صاف صاف آگاہ کرنے والا ہوں) جیسا ہم نے (یہ عذاب) نازل کیا ہے ان بانٹنے والوں (یہود و نصاریٰ) پر جنھوں نے قرآن کو (اپنی آسانی کتابوں کو جو ان پر نازل ہوئیں) پارہ پارہ کر دیا (اس طرح کٹڑے کر دیئے تھے کہ کتاب کے بعض حصے کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں مانتے تھے اور بعض حضرات کے نزدیک اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے مکہ کے راستوں کو بانٹ رکھا تھا وہ لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے بعض کہتے تھے کہ قرآن میں جادو ہے کچھ کہتے تھے کہ کہانت ہے اور کچھ کہتے تھے کہ شعر ہے) سو قسم ہے تیرے رب کی قسم ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے (ڈانٹ ڈپٹ کر) غرض کہ جو کچھ آپ کو (اے محمد!) حکم دیا گیا ہے اسے کھول کر سنا دیجئے (صاف صاف بیان کر دیجئے) اور ان مشرکوں کی پرواہ نہ کیجئے (یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) ہم کافی ہیں تیری طرف سے ٹھٹھا کرنے والوں کو (انھیں ہم کسی نہ کسی آفت میں ہلاک کر کے رہیں یہ ٹھٹھا کرنے والے ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، عدی بن قیس، اسود بن مطلب، اسود بن یثوب تھے) جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی معبود ٹھہراتے ہیں (یہ صفت ہے اور بعض کے نزدیک مبتداء ہے اور چونکہ یہ معنی شرط کو متضمن ہے اس لئے اس کی خبر پر فاء داخل کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے) سو عقرب معلوم کر لیں گے (پنے انجام کو) اور واقعی (قد تحقیق کے لئے ہے) ہم جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان کی باتوں سے (ہنسی اور تکذیب کی باتوں سے) سو آپ اپنے رب کی خوبیاں بیان کیا کیجئے (یعنی سبحان اللہ و بحمدہ کا ورد رکھیں) اور اس کے سامنے سجدہ کرنے والوں میں ہو جائے (نماز پڑھتے رہئے) اور بندگی کرتے رہئے اپنے رب کی یہاں تک کہ آپ کے پاس یقینی بات آجائے (یقین سے مراد موت ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قولہ: زَادَ: جمر وہ داوی ہے جس میں ان کی سکونت تھی۔
- قولہ: فِي النَّاقَةِ: کہہ کر اشارہ کیا کہ آیت سے پہلی مراد ہے، جمع لائے اس کے بچے اور دودھ اور جرس کی وجہ سے۔
- قولہ: بِكُلِّ شَيْءٍ: صیغہ مبالغہ کا بیان ہے تعیم کے لئے مفعول کو حذف کر دیا۔
- قولہ: بُنِيَ: یہ ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے خواہ فرض ہو یا نفل۔
- قولہ: وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ: سبع مثانی سے جب فاتحہ مراد لی گئی تو بقیہ قرآن کو قرآن عظیم کہا۔
- قولہ: رَاكِبًا وَعَمِيْنًا: کسی چیز پر تمنا کی نگاہ مت ڈالو۔
- قولہ: اَصْنَافًا: یہاں ازواج کا متعارف معنی مراد نہیں بلکہ اصناف و اقسام مراد ہیں۔
- قولہ: كَمَا اَنْزَلْنَا: یہ اللہ پر کا وصف ہے جو کہ مفعول ہے اور نذیر وہ دردناک عذاب ہے۔
- قولہ: كُتِبَتْهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ قرآن بول کر آسمانی کتابیں مراد لیں جن میں یہود و نصاریٰ نے تحریفات کیں۔
- قولہ: عِضِينَ: یہ عضو کی جمع ہے اصل عضو یہ عضی الشاة سے ہے جب اس کے اعضاء کو الگ الگ کر دیا جائے۔
- قولہ: لِنَسْئَلَهُمْ: یہ تیغ کا سوال ہے۔
- قولہ: اَجْهَرُ بِهِ: حجت کو مر عام کھول کر بیان کرو۔
- قولہ: الْمُسْتَهْزِئِينَ: یہ جبریل امین کے اشارات سے ہلاک ہوئے اللہ تعالیٰ نے کفایت کر دی۔
- قولہ: لِّلْحَفِيْقِ: لقمہ یہ یہاں تقلیل کے لئے نہیں جیسا عموماً مضارع پر ہوتا ہے۔
- قولہ: اَلْمُضَلِّيْنَ: اس میں جزء کو ذکر کر کے کل مراد لیا وہ سجدہ ہے جس سے کل نماز مراد لی۔
- قولہ: اَلْمَوْتُ: موت کو یقین کہا کیونکہ اس کا آمانت یعنی ہے جو ہر زندہ مخلوق کو پالے گی۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحَابُ الْحَجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

آل شموذی کی تباہیاں:

حجر والوں سے مراد شموذی ہیں جنہوں نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا اور ظاہر ہے کہ ایک نبی کا جھٹلانے والا گویا سب نبیوں کا انکار کرنے والا ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ انہوں نے نبیوں کو جھٹلایا۔ ان کے پاس ایسے معجزے پہنچے جن سے حضرت صالح علیہ السلام کی سچائی ان پر کھل گئی۔ جیسے کہ ایک سخت پتھر کی چٹان سے اونٹنی کا ٹکٹا جو ان کے شہروں میں چرتی چگتی تھی اور ایک دن وہ پانی پیتی تھی ایک دن شہروں کے جانور۔ مگر پھر بھی یہ لوگ گردن کش ہی رہے بلکہ اس اونٹنی کو مار ڈالا۔ اس وقت

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا بس اب تم دن کے اندر اندر قہرے الہی نازل ہوگا۔ یہ بالکل سچا وعدہ ہے اور اٹل عذاب ہے ان لوگوں نے اللہ کی بتلائی ہوئی راہ پر بھی اپنے اندھا پے کو ترجیح دی۔ یہ لوگ صرف اپنی قوت جتانے اور ریاکاری ظاہر کرنے کے واسطے تکبر و تجبر کے طور پر پہاڑوں میں مکان تراشتے تھے۔ کسی خوف کے باعث یا ضرورتاً یہ چیز نہ تھی۔ جب رسول کریم ﷺ جوک جاتے ہوئے ان کے مکانوں سے گزرے تو آپ نے سر پر کپڑا ڈال لیا اور سواری کو تیز چلایا اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ جن پر عذاب الہی اترا ہے ان کی بستیوں سے روتے ہوئے گزرو۔ اگر روانہ آئے تو رونے جیسی شکل بنا کر چلو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں عذابوں کا شکار تم بھی بن جاؤ آخر ان پر ٹھیک چوتھے دن کی صبح عذاب الہی بصورت چنگھاڑ آیا۔ اس وقت ان کی کمائیاں کچھ کام نہ آئیں۔ جن کھیتوں اور پھولوں کی حفاظت کے لئے اور انہیں بڑھانے کے لئے ان لوگوں نے اونٹنی کا پانی پینا نہ پسند کر کے اسے قتل کر دیا وہ آج بے سود ثابت ہوئے اور مر رہا اپنا کام کر گیا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَرَاتِ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝

سبع مشانی اور ایک لازوال دولت:

اے نبی ﷺ ہم نے جب قرآن عظیم جیسی لازوال دولت تجھے عنایت فرما رکھی ہے تو تجھے نہ چاہئے کہ کافروں کے دنیوی مال و متاع اور ٹھاٹھ باٹھ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے۔ یہ تو سب فانی ہے اور صرف ان کی آزمائش کے لئے چند روزہ انہیں عطا ہوا ہے۔ ساتھ ہی تجھے ان کے ایمان نہ لانے پر صدمے اور افسوس کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ ہاں تجھے چاہئے کہ زری، خوش خلقی، تواضع اور مٹناری کے ساتھ مؤمنوں سے پیش آتا رہے۔ جیسے ارشاد ہے: (لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ) (التوبہ: 128) کہ تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک رسول آگئے ہیں جن پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے جو تمہاری بہبودی کا دل سے خواہاں ہے جو مسلمانوں پر ہلے درجے کا شفقت و مہربان ہے۔ سبع مشانی کی نسبت ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم کی ابتدا کی سات لمبی سورتیں ہیں سورۃ بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف اور یونس۔ اس لئے کہ ان سورتوں میں فرائض کا، حدود کا، قصوں کا اور احکام کا خاص طریق پر بیان ہے اسی طرح مثالیں، خبریں اور عبرتیں بھی زیادہ ہیں۔ بعض نے سورۃ اعراف تک کی چھ سورتیں گونا گرساتویں سورت انتقال اور براءۃ کو بتلایا ہے ان کے نزدیک یہ دونوں سورتیں مل کر ایک ہی سورت ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھ ملی تھیں لیکن جب آپ نے تختیاں گرا دیں تو دو اٹھ گئیں اور چار رہ گئیں۔ ایک قول ہے قرآن عظیم سے مراد بھی یہی ہیں۔ زیادہ کہتے ہیں میں نے تجھے سات جزویئے ہیں۔ حکم، منع، بشارت، ڈر اور مثالیں، نعمتوں کا شمار اور قرآنی خبریں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد سبع مشانی سے سورۃ فاتحہ ہے جس کی سات آیتیں ہیں۔ یہ سات آیتیں (بسم اللہ الرحمن الرحیم سمیت ہیں۔ ان کے ساتھ اللہ نے تمہیں مخصوص کیا ہے یہ کتاب کا شروع ہیں۔ اور ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں۔ خواہ فرض نماز ہو خواہ نفل نماز ہو۔ امام ابن جریرؒ اسی قول کو پسند فرماتے ہیں اور اس بارے میں جو حدیثیں مروی ہیں ان سے اس پر استدلال کرتے ہیں ہم نے وہ تمام احادیث فضائل سورۃ فاتحہ کے بیان میں اپنی اس تفسیر کے اول میں لکھ دی ہیں نا لحمد للہ۔ امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے اس جگہ دو حدیثیں وارد فرمائی ہیں۔ ایک میں ہے حضرت ابوسعید بن مہلؓ فرماتے ہیں میں نماز

پڑھ رہا تھا جو آنحضرت ﷺ آئے مجھے بلایا لیکن میں آپ کے پاس نہ آیا نماز ختم کر کے پہنچا تو آپ نے پوچھا کہ اسی وقت کیوں نہ آئے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ میں نماز میں تھا۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں آیت: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَدْنُ الْمَرْءِ وَقَلْبُهُ وَأَنَّهُ إِلَهٌُ مُّخْتَفِرٌ) (الأنفال: ۲۴) یعنی ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی بات مان لو جب بھی وہ تمہیں پکاریں۔ سن اب میں تجھے مسجد میں سے نکلنے سے پہلے ہی قرآن کریم کی بہت بڑی سورت تلاؤں گا۔ تھوڑی دیر میں جب حضور ﷺ تشریف لے جانے لگے تو میں نے آپ کا وعدہ یاد دلایا آپ نے فرمایا وہ سورۃ آیت (الحمد للرب العالمین) کی ہے یہی سبع مثانی ہے اور یہی بڑا قرآن ہے جو میں دیا گیا ہوں۔ دوسری میں آپ کا فرمان ہے کہ ام القرآن یعنی سورۃ فاتحہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔ پس صاف ثابت ہے کہ سبع مثانی اور قرآن عظیم سے مراد سورۃ فاتحہ لیکن یہ بھی نہیں رہے کہ اس کے سوا اور بھی یہی ہے اس کے خلاف یہ حدیثیں نہیں۔ جب کہ ان میں بھی یہ حقیقت پائی جائے جیسے کہ پورے قرآن کریم کا وصف بھی اس کے مخالف نہیں۔ جیسے فرمان الہی ہے: اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيًّا پس اس آیت میں سارے قرآن کو مثانی کہا گیا ہے۔ اور قضاہ بھی۔ پس وہ ایک طرح سے مثانی ہے اور دوسری وجہ سے تشابہ۔ اور قرآن عظیم بھی یہی ہے جیسے کہ اس روایت سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ تقویٰ پر جس مسجد کی بنا ہے وہ کون ہے؟ تو آپ نے اپنی مسجد کی طرف اشارہ کیا حالانکہ یہ بھی ثابت ہے کہ آیت مسجد قبا کے بارے میں اتری ہے۔ پس قاعدہ یہی ہے کہ کسی چیز کا ذکر دوسری چیز سے انکار نہیں ہوتا۔ جب کہ وہ بھی وہی صفت رکھتی ہو۔ واللہ اعلم۔

پس تجھے ان کی ظاہری شیب ٹاپ سے بے نیاز رہنا چاہئے اسی فرمان کی بنا پر امام ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صحیح حدیث جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہم میں سے وہ نہیں جو قرآن کے ساتھ تقنی نہ کرے کی تفسیر یہ لکھی ہے کہ جو قرآن کو لے کر اس کے ماسوا سے دست بردار اور بے پرواہ نہ ہو جائے وہ مسلمان نہیں۔ گو یہ تفسیر بالکل صحیح ہے لیکن اس حدیث سے یہ مقصود نہیں حدیث کا صحیح مقصد اس ہماری تفسیر کے شروع میں ہم نے بیان کر دیا ہے ابن ابی حاتم میں ہے حضور ﷺ کے ہاں ایک مرتبہ مہمان آئے آپ کے گھر میں کچھ نہ تھا آپ نے ایک بیوی سے رجب کے وعدے پر آنا ادھار مانگا لیکن اس نے کہا بغیر کسی چیز کو رهن رکھے میں نہیں دوں گا اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا واللہ میں امین ہوں اور زمین والوں میں بھی اگر یہ مجھے ادھار دیتا یا میرے ہاتھ فروخت کر دیتا تو میں اسے ضرور ادا کرتا پس: (لَا تَمْتَدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنَّا وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَخَفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ) (الحجر: ۸۸) نازل ہوئی اور گویا آپ کی دل جوئی کی گئی۔ لیکن عباس فرماتے ہیں انسان کو ممنوع ہے کہ کسی کے مال و متاع کو لپٹی ہوئی نگاہوں سے تاکے۔ یہ جو فرمایا کہ ان کی جماعتوں کو جو قاعدہ ہم نے دے رکھا ہے اس سے مراد کفار کے مالدار لوگ ہیں۔

كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِبِينَ ﴿١﴾

سابقہ امتوں نے اپنی کتباؤں کے احبزاء بنا رکھے تھے:

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان پر بھی اللہ تعالیٰ شانہ نے آسانی کتابیں نازل فرمائی

تھیں ان لوگوں نے ان کے مختلف اجزاء کر لیے تھے یعنی بعض پر ایمان لاتے تھے بعض کے منکر ہو جاتے تھے اور ان میں تحریف و تبدیلی بھی کرتے تھے ان تقسیم کرنے والوں کو **الْمُتَشَبِّهِينَ** سے تعبیر فرمایا اور جو کتابیں ان پر نازل ہوئی تھیں ان کو قرآن سے تعبیر کیا لفظ قرآن فعلان کا وزن ہے جو **قَرَأَ يَفْرَأُ** سے ماخوذ ہے ہر وہ چیز جو پڑھی جائے وہ قرآن ہے یہ اس کا لغوی معنی ہے اور امت حاضر کی اصطلاح میں لفظ قرآن اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کا علم ہے یعنی مخصوص نام ہے جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی، آیت کا مطلب بعض مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ جس طرح ہم نے گزشتہ زمانہ میں ان لوگوں پر عذاب نازل کیا جنہوں نے احکام الہیہ کے حصے کر رکھے تھے یعنی آسمانی کتابوں کے مختلف اجزاء قرار دیئے تھے، اسی طرح سے اس زمانے کے کذیبین پر بھی عذاب نازل ہو سکتا ہے، قال صاحب معالم التنزیل ص ۵۸ ج ۲ جزوہ فجعلوہ جزء فامنوا ببعضہ و کفروا ببعضہ وقال مجاہدہم الیہود والنصارى قسموا کتابہم ففرقوہ و بدلوا ۸۱، کہ انہوں نے کتاب اللہ کو حصوں میں تقسیم کر دیا اور بعض حصوں پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کر دیا اور مجاہد کہتے ہیں وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ جنہوں نے اپنی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اسے تقسیم کیا اور تبدیل کیا۔ صحیح بخاری ص ۶۸۴ ج ۲ میں حضرت ابن عباسؓ سے مذکورہ بالا تفسیر یوں نقل کی ہے: قال امنوا ببعض و کفروا ببعض الیہود والنصارى

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ میں سولہ مشرکین نے یہ مشورہ کیا کہ حج کے دنوں میں مکہ معظمہ کے راستوں پر بیٹھ جائیں اور مکہ معظمہ کی گھاٹیوں اور راستوں کو تقسیم کر لیں جس شخص کی طرف سے بھی آنے والے گزریں وہ ان سے یوں کہے کہ اہل مکہ میں سے جو شخص مدنی نبوت نکلا ہے اس کے دھوکہ میں نہ آنا کوئی شخص یوں کہے کہ یہ شخص دیوانہ ہے اور کوئی شخص یوں کہے کہ یہ شخص کاہن ہے اور کوئی شخص یوں کہے کہ یہ شاعر ہے (العیاذ باللہ) چنانچہ ان لوگوں نے ایسا کیا اس قول کی بناء پر انزلنا جو ماضی کا صیغہ ہے مضارع کے معنی میں ہوگا اور مطلب یہ ہے کہ مکہ کے راستے کی گھاٹیاں تقسیم کرنے والے اور ان پر بیٹھنے والے ہلاک ہوں گے چنانچہ یہ لوگ غزوہ بدر میں مقتول ہو گئے اس تفسیر کی بنا پر **الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ** کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے قرآن کریم کو اس طرح ہانٹ لیا کہ اس کے بارے میں بطور تکذیب مختلف قسم کی باتیں کہتے تھے کوئی کہتا تھا کہ یہ سحر ہے اور کسی کا کہنا تھا کہ یہ شعر ہے اور بعض نے یوں کہا کہ یہ کذب ہے اور بعض نے اسے (أَتَا طَيْبَةَ الْأَوْلَادِ) بتایا اس صورت میں قرآن سے قرآن مجیدی مراد ہوگا اور کتب سابقہ مراد لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔

فَأَصْدَعُ بِمَا تُؤْمَرُونَ وَأَعْرِضُ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۵﴾

رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کا عبرتناک انجام:

حکم ہو رہا ہے کہ اے رسول اللہ ﷺ آپ اللہ کی باتیں لوگوں کو صاف صاف بے جھجک پہنچادیں نہ کسی کی رو رعایت کیجئے نہ کسی کا ڈر خوف کیجئے۔ اس آیت کے اترنے سے پہلے تک حضور ﷺ پوشیدہ تبلیغ فرماتے تھے لیکن اس کے بعد آپ اور آپ کے اصحاب نے کھلے طور پر اشاعت دین شروع کر دی۔ ان مذاق اڑانے والوں کو ہم پر چھوڑ دے ہم خود ان سے نمٹ لیں گے تو اپنی تبلیغ کے فریضے میں کوتاہی نہ کریں تو چاہتے ہیں کہ ذرا سی سستی آپ کی طرف سے دیکھیں تو خود بھی دست بردار ہو جائیں۔ تو ان سے مطلقاً خوف نہ کر اللہ تعالیٰ تیری جانب اتارا گیا لوگوں کی برائی سے تجھے محفوظ رکھے گا۔ چنانچہ ایک دن

حضور ﷺ راستے سے جا رہے تھے کہ بعض مشرکوں نے آپ کو چھیڑا اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہیں شہر مارا جس سے ان کے جسموں میں ایسا ہو گیا جیسے نیزے کے زخم ہوں اسی میں وہ مر گئے اور یہ لوگ مشرکین کے بڑے بڑے رؤس تھے۔ بڑی عمر کے تھے اور نہایت شریف گئے جاتے تھے۔ بنو اسد کے قبیلے میں تو اسود بن عبدالمطلب ابو زمعہ۔ یہ حضور ﷺ کا بڑا ہی دشمن تھا۔ ایذا میں دیا کرتا تھا اور مذاق اڑایا کرتا تھا آپ نے تنگ آ کر اس کے لئے بددعا بھی کی تھی کہ اے اللہ اسے اندھا کر دے بے اولاد کر دے۔ نبی زہر میں سے اسود تھا اور نبی مخزوم میں سے ولید تھا اور نبی سہم میں سے عاص بن وائل تھا۔ اور خزاعہ میں سے حارث تھا۔ یہ لوگ برابر حضور ﷺ کو ایذا رسائی کے درپے لگے رہتے تھے اور لوگوں کو آپ کے خلاف ابھارا کرتے تھے اور جو تکلیف ان کے بس میں ہوتی آپ کو پہنچایا کرتے جب یہ اپنے مظالم میں حد سے گزر گئے اور بات بات میں حضور ﷺ کا مذاق اڑانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے آیت (فاصدع سے یعلمون) تک کی آیتیں نازل فرمائیں۔ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ طواف کر رہے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے بیت اللہ شریف میں آپ کے پاس کھڑے ہو گئے اتنے میں اسود بن عبد یغوث آپ کے پاس سے گزرا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اسے پیٹ کی بیماری ہو گئی اور اسی میں وہ مرا۔ اتنے میں ولید بن مغیرہ گزرا اس کی ایڑی ایک خزامی شخص کے تیر کے پھل سے کچھ پونجی سی چھل گئی تھی اور اسے بھی دو سال گزر چکے تھے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اسی کی طرف اشارہ کیا وہ پھول گئی، پکی اور اسی میں وہ مرا۔ پھر عاص بن وائل گزرا۔ اس کے ٹوے کی طرف اشارہ کیا کچھ دنوں بعد یہ طائف جانے کے لئے اپنے گدھے پر سوار چلا۔ راستے میں گر پڑا اور ٹوے میں کیل کھس گئی جس نے اس کی جان لی۔ حارث کے سر کی طرف اشارہ کیا اسے خون آنے لگا اور اسی میں مرا۔ ان سب موذیوں کا سردار ولید بن مغیرہ تھا اسی نے انہیں جمع کیا تھا پس یہ پانچ یا سات شخص تھے جو جڑ تھے اور ان کے اشاروں سے اور ذمے لوگ بھی کینہ پن کی حرکتیں کرتے رہتے تھے۔ یہ لوگ اس لنو حرکت کے ساتھ ہی یہ بھی کرتے تھے کہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے تھے۔ انہیں اپنے کرتوت کا مزہ ابھی ابھی آجائے گا۔ اور بھی جو رسول کا مخالف ہو اللہ کے ساتھ شریک کرے اس کا یہی حال ہے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ ان کی بکو اس سے اے نبی تمہیں تکلیف ہوتی ہے دل تنگ ہوتا ہے لیکن تم ان کا خیال بھی نہ کرو۔ اللہ تمہارا مددگار ہے۔ تم اپنے رب کے ذکر اور اس کی تسبیح اور حمد میں لگے رہو۔ اس کی عبادت جی بھر کر کرو نماز کا خیال رکھو سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دو۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ابن آدم شروع دن کی چار رکعت سے عاجز نہ ہو میں تجھے آخر دن تک کفایت کروں گا۔ حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ کا معاملہ آ پڑتا تو آپ نماز شروع کر دیتے۔

یقین کا مفہوم:

یقین سے مراد اس آخری آیت میں موت ہے اس کی دلیل سورۃ مدثر کی وہ آیتیں ہیں جن میں بیان ہے کہ جہنمی اپنی برائیاں کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے مسکینوں کو کھانا کھلاتے نہیں تھے باتیں بنایا کرتے تھے اور قیامت کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ موت آگئی یہاں بھی موت کی جگہ لفظ یقین ہے۔ ایک صحیح حدیث میں بھی ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کے انتقال کے بعد جب حضور ﷺ ان کے پاس گئے تو انصار کی ایک عورت ام العلاء نے کہا کہ اے ابوالسائب

اللہ کی تجھ پر رحمتیں ہوں بیشک اللہ تعالیٰ نے تیری تکریم و عزت کی حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا تجھے کیسے یقین ہو گیا کہ اللہ نے اس کا اکرام کیا انہوں نے جواب دیا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں پھر کون ہوگا جس کا اکرام ہو؟ آپ نے فرمایا سنو اسے موت آچکی اور مجھے اس کیلئے بھلائی کی امید ہے اس حدیث میں بھی موت کی جگہ یقین کا لفظ ہے۔ اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نماز وغیرہ عبادات انسان پر فرض ہیں جب تک کہ اس کی عقل باقی رہے اور ہوش حواس ثابت ہوں جیسی اس کی حالت ہو اسی کے مطابق نماز ادا کر لے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کر، نہ ہو سکے تو بیٹھ کر، نہ ہو سکے تو کروٹ پر لیٹ کر۔ بد مذہبوں نے اس سے اپنے مطلب کی ایک بات گھڑ لی ہے کہ جب تک انسان درجہ کمال تک نہ پہنچے اس پر عبادات فرض رہتی ہیں لیکن جب معرفت کی منزلیں طے کر چکا تو عبادت کی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے یہ سراسر کفر ضلالت اور جہالت ہے۔ یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ انبیاء اور حضور سرور انبیاء علیہم السلام اور آپ کے اصحاب معرفت کے تمام درجے طے کر چکے تھے اور دین کے علم و عرفان میں سب دنیا سے کامل تھے رب کی صفات اور ذات کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے باوجود اس کے سب سے زیادہ اللہ کی عبادت کرتے تھے اور رب کی اطاعت میں تمام دنیا سے زیادہ مشغول رہتے تھے اور دنیا کے آخری دم تک اسی میں لگے رہے۔ پس ثابت ہے کہ یہاں مراد یقین سے موت ہے تمام مفسرین صحابہ تابعین وغیرہ کا یہی مذہب ہے فاقمہ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے اس نے جو ہمیں ہدایت عطا فرمائی ہے اس پر ہم اس کی تعریفیں کرتے ہیں اسی سے نیک کاموں میں مدد پاتے ہیں اسی کی پاک ذات پر ہمارا بھروسہ ہے ہم اس مالک حاکم سے دعا کرتے ہیں کہ وہ بہترین اور کامل اسلام ایمان اور نیکی پر موت دے وہ جو اد ہے اور کریم ہے۔

سُورَةُ النَّحْلِ

النحل
سورة ۱۶
مکینہ ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیتوں کی تعداد
۱۶

سورہ نحل ۱۶ میں آزی شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے اور اس کی ایک سو اٹھائیس آیتیں ہیں اور سورہ کو سورہ نحل مکی ہے بحزب آیت وان عاقبتہم الی کے اس میں ۱۲۸ آیتیں ہیں

لَمَّا اسْتَبْطَأَ الْمَشْرِكُونَ الْعَذَابَ نَزَلَ إِلَىٰ أَمْرُ اللَّهِ أَي السَّاعَةِ وَأَتَىٰ بِصِبْغَةِ الْمَاضِي لِتَحَقُّقِ وَقُوعِهِ أَي قُرْبٍ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ ۗ تَطْلُبُوهُ قَبْلَ جَنِيهِ فَإِنَّهُ وَقَعَ لَا مَحَالَةَ سُبْحَانَهُ تَنْزِيلُهُ لَهَا وَتَعْلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

بِهِ غَيْرُهُ يَنْزِلُ الْمَلَائِكَةُ أَي حَبْرُ جِبِلِّ بِالرُّوحِ بِالْوَحْيِ مِنْ أَمْرِهِ بِإِرَادَتِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَ هُمْ الْأَنْبِيَاءُ أَنْ مُفْسِرَةٌ أَنْزِلُوا خَوْفُوا الْكَافِرِينَ بِالْعَذَابِ وَاعْلَمُوهُمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ ۝ خَافُونَ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِالْحَقِّ ۗ أَي مُحِقًّا تَعْلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ بِهِ مِنَ الْأَضْمَامِ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ مَنِيٍّ إِلَىٰ أَنْ صَبَّرَهُ فَوَيْلًا شَدِيدًا فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ شَدِيدٌ الْخُضُومَةِ قَمِيمٌ ۝

بَيْنَهَا فِي نَفْسِ الْبُعْثِ قَائِلًا مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ وَالْأَنْعَامَ الْإِبِلَ وَالْبَقَرَ وَالغَنَمَ وَنَصَبَهُ بِفِعْلِ يَفْسِرُهُ خَلَقَهَا لَكُمْ فِي جُمْلَةِ النَّاسِ فِيهَا دِفٌّ مَا تَسْتَدْفِتُونَ بِهِ مِنَ الْأَكْسِيَةِ وَالْأَرْدِيَةِ مِنْ أَشْعَارِهَا وَاصْرَافَهَا وَمَنَافِعَ مِنَ النَّسْلِ وَالْبَدْرِ وَالرُّكُوبِ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ قَدَّمَ الظَّرْفَ لِلْقَاصِلَةِ وَ لَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ زِينَةٌ حِينَ تُرِيحُونَ تَرُدُّونَهَا إِلَىٰ مَرَاحِهَا بِالْعَيْشِيِّ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ تُخْرِجُونَهَا إِلَىٰ الْمَرْعَىٰ بِالغَدَاةِ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ أَحْمَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَمْ تَكُونُوا بِلَاغِيهِ إِلَّا يَشِقُّ الْأَنْفُسُ ۗ وَأَصْلَابِينَ إِلَيْهِ عَلَىٰ غَيْرِ الْإِبِلِ إِنْ رَبَّكُمْ لَرَوُوفٌ رَحِيمٌ ۝ رَبِّجْهَدَهَا بِكُمْ حَيْثُ خَلَقَهَا لَكُمْ وَ خَلَقَ الْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۗ مَفْعُولٌ لَهُ وَالتَّغْلِيلُ بِهِمَا لِتَعْرِيفِ النِّعَمِ لَا يُنَافِي

خَلَقَهَا لِيُغَيِّرَ ذَلِكَ كَمَا أَكَلُ فِي الْخَيْلِ النَّابِتِ بِحَدِيثِ الصَّحِيحَيْنِ وَيَخَافُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ① مِنْ الْأَشْيَاءِ الْعَجِيبَةِ الْغَرِيبَةِ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ أَيْ بَيَانُ الطَّرِيقِ الْمُسْتَقِيمِ وَمِنْهَا أَيْ السَّبِيلِ جَائِدٌ خَالِدٌ عَنِ الْإِسْتِقَامَةِ وَكَوَشَاءٌ هَذَا يَتَكَّمُّ لِهَذَا كَمَا إِلَى قَصْدِ السَّبِيلِ أَجْعِلِينَ ② فَتَهْتَدُونَ إِلَيْهِ بِاخْتِيَارٍ مِنْكُمْ

توجہ: (عذاب کے آنے میں جب مشرکین نے جلدی چاہی تو یہ آیات نازل ہوئیں) اللہ کا حکم آپہنچا (یعنی قیامت کی گھڑی، قیامت کے وقوع کے یقینی ہونے کی وجہ سے صیغہ ماضی لائے یعنی عنقریب) سو اس کی جلدی مت کرو (وقت سے پہلے طلب نہ کرو کیونکہ وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے) وہ پاک ہے (اس کے لئے پاکی ہے) اور برتر ہے ان کے شریک بتلانے سے (غیر اللہ کی اس کے ساتھ شرکت سے) اتارتا ہے فرشتوں کو (یعنی جبرئیل کو بھید و وحی) دیکرا ہے حکم (ارادہ) سے جس پر چاہے اپنے بندوں (پیغمبروں) میں کہ (ان مفسرہ ہے خبردار کرو) کفار کو خوف دلاؤ عذاب کا اور ان کو بتلاؤ) کہ کسی کی بندگی نہیں ہے سو میرے سو مجھ سے ڈرو (خوف کھاؤ) آسمان اور زمین بنائے ٹھیک ٹھیک (یعنی تدبیر کرتے ہوئے) وہ برتر ہے ان کے شریک بتلانے سے (اس کے ساتھ جنوں کو شریک کرنے سے) آدمی کو پیدا کیا ایک بوند سے (منی سے یہاں تک کہ اس کو طاقتور، مضبوط بنا دیا) پھر جب ہی ہو گیا جھگڑا کرنے والا (بے حد جھگڑالو) بولنے والا (یہ کہہ کر قیامت کا صاف انکار کرنے والا کہ ان بودی پرانی ہڈیوں کو کوئی زندہ کرے گا؟) اور چوپائے (اونٹ، گائے بکریاں وغیرہ یہ فعل مخذوف کی وجہ سے منصوب ہے اگلا جملہ اس کی تفسیر کرتا ہے) پیدا کیے تمہارے واسطے (کچھ لوگوں کے لئے) ان میں جاڑے کا سامان ہے (ہاں اور اون سے بنے ہوئے کمبوں اور چادروں سے جو تم گرمی حاصل کرتے ہو) اور کتنے فائدے (نسل اور دودھ اور سواری کے) اور بعضوں کو کھاتے ہو (ظرف کو فاصلہ کے لئے مقدم کیا) اور تمہارے لئے ان میں خوبصورتی (زینت) ہے جب شام کو چرا کر لاتے ہو (شام کے وقت جب ان کو چرا کر ان کے ٹھکانوں پر واپس لاتے ہو) اور جب چرانے لیجاتے ہو (جب صبح کے وقت ان کو چرا گاہ کی طرف نکال کر لے جاتے ہو) اور اٹھالے چلتے ہیں تمہارے بوجھ (تمہارے بار) ان شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں (بغیر اونٹ پر سوار ہوئے نہ پہنچ سکتے) مگر جان مار (مشقت سے) بیشک تمہارا رب بڑا شفقت کرنے والا ہے مہربان ہے (تم پر کہ ان کو تمہارے واسطے پیدا کیا) اور (پیدا کیے) تمہارے واسطے گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لیے (یہ مفعول لہ ہے اور تینوں جانوروں کے پیدا کرنے کی ان دونوں علتوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی پیدائش کی کوئی اور غرض نہ ہو چنانچہ گھوڑے کے گوشت کا کھانا حدیث صحیحین سے ثابت ہے) اور پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے (عجیب و غریب چیزیں) اور اللہ کا کام ہے کہ راہ حق بتانا (سیدھی راہ کو واضح کرنا) اور کچھ راہیں لیزمی بھی ہیں (سیدھے راستے سے ہٹی ہوئیں) اور اگر وہ چاہے (تمہاری ہدایت کو) تو ہدایت دے (سیدھی راہ کی) تم سب کو (تو تم سے اپنے اختیار سے اس تک پہنچ جاتے)۔

کلمات تفسیر کی توضیح و تشریح

- قوله:** وَآتَىٰ بِصِغَةِ الْمَاضِي: قطعی دہینی ہونے کی وجہ سے ماضی سے تعبیر فرمائی۔
- قوله:** بِبِهْ غَيْرُهُ: اس میں ضمیر عائد مخذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔
- قوله:** جِبْرِتَيْل: تمام کا ذکر کر کے بعض کو مراد لیا اور وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں۔
- قوله:** بِالرُّوحِ: وحی کو روح کہا اس لئے کہ وہ دین میں اس طرح ہے جیسا جسم میں روح یا اس طرح کہہ لیں کہ جہالت سے مردہ دلوں کو وحی نور علم سے زندہ کر دیتی ہے۔
- قوله:** يَا زَادِيَه: اشارہ کیا کہ عن یہ ہا کے معنی میں ہے اور امر ارادہ کے معنی میں ہے کیونکہ ارادہ الہی کے بغیر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔
- قوله:** اَنْ مُّفْتِسِرَةً: روح وحی کے معنی میں قول پر دلالت کرتی ہے پس ان مفسرہ کی شرط پائی گئی۔
- قوله:** وَاعْلَمُوْهُمْ: اس کو مقدر مانا پس انہ لہ الا آنا یہ دوسرا مفعول بنا اور انہ کی ضمیر ضمیر شان ہے۔
- قوله:** خَلَقَهَا لَكُمْ: اس میں جس کی خاطر بنایا اس کا ذکر کر دیا اور ما بعد اس کی تفصیل لائے۔
- قوله:** فِي جُمَّلَةٍ: الناس اس میں اشارہ کہ خطاب تمام انسانوں کو ہے خاص مومنوں کو نہیں۔
- قوله:** تُنْخِرُ جُوْنَهَا: اس سے اشارہ ہے کہ گھروں کے صحن دو اوقات میں ان سے زینت پاتے ہیں۔
- قوله:** بِيَانِ الطَّرِيقِ: مضاف کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ وعدہ الہی تو بیان طریق کا ہے نہ کہ نفس طریق کا۔
- قوله:** الْمُسْتَقِيمِ: التصدیق مصدر ہے جو فاعل کے معنی میں آیا ہے۔ لفظ سبیل مؤنث و مذکر آتا ہے۔

تفسیر مقبولین

آتَىٰ أَمْرًا لَّهُ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

قیامت کا آنا یقینی ہے، انسان بڑا جھگڑالو ہے:

یہاں سے سورۃ نحل شروع ہے اس میں عموماً اللہ کی توحید بیان کی گئی ہے اور توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں اور مشرکین کی تردید فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائی ہیں، اس میں ایک جگہ شہد کی کہی کے گھر بنانے اور پھلوں کو چوسنے اور اس سے شہد پیدا ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے، شہد کی کہی کو عربی میں نحل کہتے ہیں اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۃ النحل رکھا گیا۔

مذکورہ بالا آیت میں معاد یعنی قیامت اور توحید و رسالت اور آسمان و زمین کی تخلیق اور انسانوں کی پیدائش کا تذکرہ فرمایا ہے اول تو یہ فرمایا: آتَىٰ أَمْرًا لَّهُ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (اللہ کا حکم آپہنچا لہذا تم اس کے بارے میں جلدی نہ مچاؤ) جب مشرکین کے سامنے ایمان نہ لانے پر اور شرک اختیار کرنے پر عذاب آنے کا تذکرہ ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ عذاب آنے والا نہیں یہ تو خالی دھمکیاں ہیں ہمیں تو عذاب آتا ہوا نظر نہیں آتا، اور جب قیامت کی بات سامنے آتی تھی تو اس کا بھی انکار کرتے تھے اور عذاب

کے بارے میں کہتے تھے کہ عذاب آنا ہے تو کیوں نہیں آ جاتا، ابھی آ جائے اور جلدی آ جائے، ان کو تشبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا حکم آپہنچا یعنی اس کا آنا یقینی ہے اور جس چیز کا آنا یقینی ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی چیز پہنچی ہو، کسی چیز کے آنے میں دیر لگنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ نہیں آئے گی، دنیا کی جتنی زندگی گزر گئی اس کے اعتبار سے اب قیامت کے آنے میں قابل ذکر ویر نہیں رہی، یہ امت آخر الامم ہے اس کے بعد کوئی امت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بعثت انا ولسانہ کھ تین (یعنی میں اور قیامت دونوں اس طرح سے بھیجے گئے ہیں جیسے آپس میں یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں اور ان میں بیچ کی انگلی اشارہ والی انگلی ہے ذرا سی آگے بڑھی ہوئی ہے) اتنی بات ہے کہ میں اس سے پہلے آ گیا۔ (رواہ البخاری)

بعض مفسرین نے امرٌ لله سے تکذیب کرنے والوں کا عذاب مراد لیا ہے صاحب معالم التنزیل (ص ۱۷ ج ۲) لکھتے ہیں کہ نصر بن حارث نے یوں کہا تھا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاقْطِعْ عَلَيْنَا حِجَابًا مِنَ السَّمَاءِ (کہا اے اللہ اگر یہ (یعنی دین اسلام) حق ہے آپ کی طرف سے ہے (تو اس کے قبول نہ کرنے پر) ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجیے، اس نے عذاب جلدی آنے کا مطالبہ کیا لہذا عذاب آ گیا اور وہ (وراسکے ساتھی) غزوہ بدر کے موقع پر مقتول ہو گئے۔

پھر فرمایا: سُبْحٰنَكَ وَتَعَالٰی عَنَّا يٰسُبْحٰنُ ۝ (وہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں) مشرکین اللہ تعالیٰ کے لیے شریک قرار دیتے تھے اور غیر اللہ کو بھی عبادت کا مستحق جانتے تھے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی تازیہ بیان فرمائی اور صاف بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو اور اس سے برتر ہے کہ کوئی اس کے برابر اور مستحق عبادت ہو، یہ مضمون جگہ جگہ قرآن میں واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

ذکر دلائل توحید:

(بط) گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ اللہ کی معرفت اور اس کی وحدانیت کا علم سب سے اول اور مقدم اور اہم ہے اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس کی تعظیم دیتے رہے۔ وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحى اليه انه لا اله الا انا فاعبدون اور توحید کے بعد درجہ تقویٰ کا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تمام اولین اور آخرین کو وصیت فرمائی ولقد وصينا الذين اوتوا الکتب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ اس لیے اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کمال قدرت و حکمت کے قسم قسم کے دلائل بیان فرماتے ہیں اور کمال قدرت کی ہر دلیل میں حق جل شانہ کی ایک خاص نعمت کا ذکر ہے جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ رب اکرم تمہارا خالق بھی ہے اور منعم بھی ہے اور باوجود تمہاری نافرمانیوں اور سرکشوں کے تمہارے عذاب اور سزا میں جلدی نہیں کرتا تم کو چاہئے کہ نعمتوں سے منعم کو پہچانو اور اس سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو اور یہ دلائل چند قسم کے ہیں۔

قسم اول: زمین و آسمان کے تغیرات اور اس کے عجائب و غرائب سے استدلال فرمایا کہ ان کا ایک خاص اندازہ اور خاص مقدار پر پیدا کرنا حالانکہ اس کے خلاف بھی ممکن تھا۔ یہ اس کی کمال قدرت و حکمت کی دلیل ہے اور چونکہ تمام مخلوقات میں زمین و آسمان سب سے عظیم ہیں اس لیے سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر فرمایا۔

قسم دوم: آسمان و زمین کے بعد انسان کی پیدائش اور اس کے احوال سے استدلال فرمایا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: خَلَقْنَا

الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝ ایک قطرہ آب سے ایک عجیب و غریب چیز یعنی انسان کا اس طرح پیدا ہونا کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں اس لیے کہ مادہ اور طبیعت کے افعال یکساں ہوتے ہیں۔ ان میں تفاوت نہیں ہوتا۔ انسان کی یہ عجیب و غریب پیدائش خدا کی کمال قدرت و حکمت کی دلیل ہے انسان کا مادہ ایک ہے مگر اس کے اعضاء اور اجزاء مختلف ہیں اور ہر ایک کے افعال اور خواص بھی مختلف ہیں۔ کوئی جز سر ہے اور کوئی کان اور آنکھ ہے اور کوئی دل ہے اور کوئی پیٹ ہے وغیرہ وغیرہ ظاہر ہے کہ یہ فعل مادہ اور طبیعت کا نہیں اس لیے کہ مادہ اور طبیعت بے شعور ہے بلکہ یہ کسی عظیم و قدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے اگر بالفرض طبیعت ہی کا فعل ہے تو طبیعت بھی اسی کی پیدا کردہ ہے رحم مادر میں نطفہ قرار پکڑ گیا اور اندر ہی بچہ تیار ہو رہا ہے اور ماں باپ کو خبر بھی نہیں کہ اندر ہی اندر کیا ہو رہا ہے۔ لہذا ماں باپ کو خالق نہیں کہا جاسکتا۔

قسم سوم: احوال انسانی کے بعد حیوانات کے احوال سے استدلال کیا جو انسان کے کام آتے ہیں۔ بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے۔ پھر کسی کو کیا اور کسی کو کیا پیدا کیا۔ کہا قال اللہ تعالیٰ: وَالْأَنْعَامَ خَلَقْنَا لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعَ ۚ وَ مِنْهَا تَكُونُونَ ۝ وَ لَكُمْ فِيهَا جَبَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَ حِينَ تَسْرَحُونَ ۝ وَ تَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ وَ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَ زِينَةً ۚ وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَ عَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَ مِنْهَا جَائِدٌ ۚ وَ كَوْشًا لَهَذَا لَكُمْ أَجْعِلِينَ ۝ اور اس ضمن میں حیوانات کے جو فوائد اور منافع بیان فرمائے ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی دلیل ہے اور ہر ایک مستقل نعمت ہے جس کا شکر بندوں کو واجب ہے اس ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اول حیوانات کے ان منافع کا ذکر فرمایا جس کی انسان کو ضرورت ہے اور انسان کے کھانے کے کام آتے ہیں جیسے بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے اور اس کے بعد ان چوپایوں کا ذکر جو سواری کے کام آتے ہیں۔

قسم چہارم: جس کو الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيرَ میں ذکر فرمایا اس آیت میں ان چوپایوں کی پیدائش سے استدلال کیا جو انسان کے لیے ضروری اور لابدی تو نہیں مگر سواری اور زیب و زینت اور شان و شوکت کا ذریعہ ہیں۔ جب جنگل جاتے ہیں تو جنگل بھر جاتے ہیں اور جب شام کو گھر واپس آتے ہیں تو گھر میں رونق ہو جاتی ہے اور وہ مخلوق مالا تعلمون میں ان سواروں کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو ہنوز ظہور میں نہیں آئیں بلکہ آئندہ چل کر پیدا ہوں گی۔ جیسے ریل گاڑی اور دھاتی جہاز اور موٹر اور بائیسکل یہ سواریاں نزول آیت کے وقت موجود نہ تھیں۔ اور لوگ اس وقت ان چیزوں سے واقف نہ تھے۔

قسم پنجم: عجائب حیوانات کے بعد عجائب نباتات سے اپنی قدرت و حکمت پر استدلال فرمایا۔ کہا قال تعالیٰ: هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَ مِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ۝ يُنبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الرِّيُونَ وَ النَّخِيلَ وَ الْأَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّعُلُوِّ تَفَكُّرُونَ ۝ یہ قسم قسم کے نباتات اس کی قدرت کاملہ کی واضح اور روشن دلیل ہیں۔ جن کی ماہیت اور حقیقت اور ان کی خاصیت اور کیفیت دریافت کرنے سے بڑے بڑے حکماء کی عقلیں عاجز ہیں۔

قسم ششم: احوال نباتات کے بعد اب شمس و قمر و کواکب و سیارات کے احوال سے استدلال کرتے ہیں کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھ جائے کہ کھیتوں اور پھلوں کا پلٹنا شمس و قمر اور کواکب و سیارات کی تاثیر سے ہے کہا قال اللہ تعالیٰ: وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَ

مقبول شرح جلالین
 النہار والشمس والقمر والنجوم مسخرت ما یومہ ان فی ذلک لآیة لِّقَوْمٍ یَعْقِلُونَ ﴿۱۲﴾
 الجزء ۱۳ - النحل ۱۲
 ۵۲۱

ارادہ سے ہے۔
 قسم ہفتم: اس کے بعد اشجار و نباتات کے اختلاف الوان سے استدلال فرمایا کہ نباتات کے الوان (رنگتوں) کا مختلف ہونا طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی عظیم و قدیر کے قدرت و حکمت کا کرشمہ ہے۔

قسم ہشتم: (استدلال باحوال کائنات بحریہ) کما قال اللہ تعالیٰ: وَهُوَ الَّذِی سَخَّرَ الْبَحْرَ لَنَا کُلَّوَامِنُهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَتَسْتَخْرِجُ جَوَامِئَهُ حَلِیۡةً تَلْبَسُوْنَہَا وَتَرَى الْفُلْکَ مَوَاجِرَ فِیۡہِ وَلِیَتَدَبَّعُوا مِیۡنَ فَضْلِہِ وَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ ان آیات میں کائنات بحریہ اور ان کے احوال سے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دریا کو مسخر کیا کہ تم اس سے دریائی جانوروں کو پکڑتے ہو اور قسم قسم کے جواہر اس سے نکالتے ہو اور کشتیوں کے ذریعے اس میں سفر کرتے ہو۔

قسم نہم: (استدلال باحوال کائنات ارضیہ جیسے پہاڑ اور نہریں) کما قال تعالیٰ: وَ اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیۡ اَنْ تَمِیۡدًا یَّکۡہُ وَ اَنْہٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۴﴾ ابتداء میں زمین جنبش کرتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ پیدا کر دیئے جس سے اس کی جنبش اور اضطراب میں سکون آ گیا۔

قسم دہم: (استدلال باحوال نجوم فلکیہ) کما قال تعالیٰ: وَ بِالنَّجۡمِ ہُمۡ یَّهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ (فتاویٰ عشرہ کاملہ) اب ان دس دلائل کے بعد مشرکین کی مذمت فرماتے ہیں کہ جب ان دلائل اور براہین سے یہ واضح ہو گیا کہ ان تمام کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بت کسی چیز کے خالق نہیں تو ان مشرکین کو کیا ہوا کہ خالق اور مخلوق میں فرق نہیں کرتے کیا ان نادانوں کو اتنی عقل نہیں کہ یہ سمجھیں کہ لائق عبادت وہ ذات پاک یا برکات ہے جو ان عجائب کا خالق ہے اور جو چیز کسی شے کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہو وہ کیسے لائق عبادت ہو سکتی ہے۔

نتیجہ دلائل مذکورہ: جب گزشتہ آیات میں وجود باری تعالیٰ پر احوال فلکیہ اور احوال انسانیہ اور احوال حیوانیہ اور احوال نباتیہ اور عناصر اربعہ سے استدلال فرمایا تو اخیر میں ان تمام دلائل کا نتیجہ بیان فرمایا: اَللّٰہُ کَلِمَۃٌ وَّاحِدٌ اور چونکہ اتباع حق سے تکبر مائع تھا اس لیے مضمون مذکورہ کو اَللّٰہُ لَا یُجِبُّ الْمُسْتَلْزِمِیۡنَ ﴿۱۶﴾ پر ختم فرمایا۔

تفصیل دلائل توحید

قسم اول: - خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ لَعَلَّ عِبَادَیۡنُشْرِکُوۡنَ ﴿۱۷﴾

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا جن کو دیکھ کر عقل حیران اور دنگ رہ جاتی ہے وہ بلند اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ نادان خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ خداوند قدیر نے زمین کو اس عالم کا فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا عقل ایسے عرش اور فرش بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آسمان کی یہ بے پناہ بلندی اور زمین کی یہ بے پناہ پستی کہ کوئی اس پر دوڑ رہا ہے یا اپنی سواری کو اس پر دوڑا رہا ہے یا اس پر پیشاب اور پاخانہ کر رہا ہے یا اس پر کدال چلا رہا ہے اور کھود کر اس میں یہ خانہ یا کنواں بنا رہا ہے کیا یہ آسمان اور زمین جن کا نہ مبداء معلوم نہ ملحق معلوم خود بخود ہی غیر متناہی اجزاء سے مرکب ہو کر تیار ہو گئے اور ایک عظیم جسم خود بخود بلند ہو کر آسمان بن گیا اور دوسرا جسم خود بخود پست ہو کر زمین بن گیا۔ یا کوئی امر اتفاقی ہے کہ

اتفاق طور پر ایک جسم عظیم بن گیا اور دوسرا جسم زمین بن گیا۔ یا کسی مادہ اور طبیعت کا یا کسی ایٹم کا مقصدی ہے تو کوئی مدعی فلسفہ اور سائنس بتلائے تو یہی کہ وہ کبھی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے فلسفی کو جب آسمان اور زمین کے مبداء اور منتہا کا پتہ چل سکا تو کہہ دیا کہ آسمان اور زمین قدیم ہیں انبیاء کرام علیہم السلام نے خبر دی ہے کہ یہ آسمان اور زمین مخلوق خداوندی ہیں اور قدرت قدر کا کرشمہ ہیں۔ زمین و آسمان کا ہر جز اس کی خدائی اور یکتائی کی گواہی دے رہا ہے۔

قسم دوم: خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَوَّيْمٌ مُّبِينٌ ۝

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا جو ایک بے حس اور بے شعور چیز ہے اور پھر اس کو عقل اور سمجھ دی۔ پس وہ نکلا بڑا جھگڑا لو پیدا ہونے کے بعد خدا کی ذات و صفات میں جھگڑنے لگا اور اس کی تکذیب کرنے لگا اور جس نے پیدا کیا اسی میں جھگڑنے لگا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک بے شعور اور بے حس قطرہ آب سے ایسا ہوشیار اور سمجدار انسان کیسے بن گیا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک نطفہ جو نو ماہ مادر شکم میں رہا اور خون حیض اس کی غزاری اور مختلف مراحل اور من زل طے کرنے کے بعد وہ پیدا ہوا اور پھر شیر خواری کی منزل سے جوان ہوا یہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء تھا بلاشبہ یہ کسی قادر حکیم کی تدبیر اور تصویر تھی۔

یہ آیت ابی بن خلف جمحی کے بارے میں نازل ہوئی جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کا منکر تھا یہ شخص آنحضرت ﷺ کے حضور میں ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا کہ تیرا یہ خیال ہے کہ خدا اس ہڈی کو بوسیدہ ہونے کے بعد زندہ کرے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ یہ جھگڑا لو انسان اس بات پر غور نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو ایک بے حس نطفہ سے پیدا کیا اور پھر اسے عقل اور دانائی اور گویائی دی اب یہ ہرے ساتھ جھگڑتا ہے اور اپنی پیدائش سے دوبارہ پیدا ہونے پر دلیل نہیں پکڑتا بوسیدہ ہڈی سے انسان کا پیدا کرنا نطفہ سے انسان کے پیدا کرنے سے زیادہ عجیب نہیں جو ذات تجھ کو نطفہ سے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ تجھ کو بوسیدہ ہڈیوں سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

قسم سوم: وَالْأَنْعَامَ خَلَقْنَاهَا لَكُمْ فِيهَا ذُرِّيٌّ وَمَنْفَعٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَلكُمْ فِيهَا جِوَارٌ مِّنْ دُونِ الْحَيْثُوتِ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۝ وَتَحِيْلٌ أُنْقَالِكُمْ إِلَىٰ بَكْرٍ لَّمْ تَكُونُوا بِلَيْبِهِ إِلَّا بِشِقِّ لَأَنفُسِكُمْ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَوَدَّعَزِيْزٌ ۝ اور خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے چوپایوں کو پیدا کیا ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان یعنی ان جانوروں کی اون اور بالوں سے ایسی پوشش تیار ہوتی ہیں جو تم کو چارے سے بچائے جسے جز اول کہتے ہیں اس کے علاوہ کتنے فائدے ہیں اور بعض کو تم ان میں سے کھاتے ہو یعنی ان کے گوشت اور چربی اور دودھ اور گھی کو کھاتے ہو اور تمہارے لیے ان جانوروں میں رونق اور زینت بھی ہے جب تم ان کو چرا کر شام کے وقت جنگل سے گھر واپس لاتے ہو اس وقت تر تازہ اور خوبصورت ہوتے ہیں اور ان کے تھن دودھ سے لبریز ہوتے ہیں اور گھر میں خوب رونق اور چمک چمک ہے اور جب صبح کے وقت ان کو چرا گاہ کی طرف لے جاتے ہو اگرچہ اس وقت ان کے پیٹ خالی ہوتے ہیں مگر ان کا چرا گاہ میں جانا بھی موجب زینت ہوتا ہے اور یہ جانور تمہارے بوجھ اٹھا کر اس شہر کی طرف لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے نہیں پہنچ سکتے۔ بے شک تمہارا پروردگار شفقت کرنے والا مہربان ہے کہ اس نے تمہاری راحت کے لیے یہ سامان پیدا کیا جو تمہارے لیے سامان سفر بھی ہے اور سامان زراعت و حرثت بھی ہے اور ان کا دودھ اور گوشت تمہاری اعلیٰ ترین غذا ہے اور ان کا صوف اور بال تمہارا سامان لباس ہے۔

قسم چہارم: وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَالْحَبْزِيرَ تَرْكَبُوهَا ذَرِيئَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور تمہارے لیے زینت ہوں اور جس طرح وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے اسی طرح وہ ان عجیب و غریب چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے۔ جیسے انواع و اقسام کے کیڑے مکوڑے یا دریائی جانور یا جو پہاڑوں کے کھنڈوں میں ہیں جن کو کسی بشر نے نہیں دیکھا اور نہ سنا۔
نکتہ: اول حق تعالیٰ نے ان حیوانات کے منافع کا ذکر فرمایا جن کی انسان کو کھانے کے لئے ضرورت ہے دوم ان حیوانات کا ذکر کیا جن سے بجائے غذا کے سواری کا فائدہ ہوتا ہے اور پھر آخر میں وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ سے ان حیوانات کی طرف اشارہ فرمایا جن کی انسان کو ضرورت نہیں ہوتی۔

جملہ معترضہ برائے بیان اثر و دلائل مذکورہ:

وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَايِزٌ ۝ وَكَوَسَلَةٌ لِهَدْيِكُمْ أَجْعَلِينَ ۝

اوپر سے دلائل توحید کا ذکر چلا آ رہا ہے درمیان میں بطور جملہ معترضہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ دلائل مذکورہ صراط مستقیم تک پہنچانے والے ہیں۔ اور اللہ ہی پر پہنچتا ہے سیدھا راستہ یعنی دین اسلام جو اس راہ پر چلے گا وہ اللہ تک پہنچ جائے گا۔ اور بعضے راستے ٹیڑھے ہیں جو خدا تک نہیں پہنچتے وہ وہ ہیں جو دین اسلام کے سوا ہیں مطلب یہ ہے کہ راہ توحید کے سوا کوئی راستہ ایسا نہیں کہ جس پر چل کر بندہ خدا تک پہنچ سکے۔ اسلام کے سوا جو راستے ہیں جیسے یہودیت اور نصرانیت اور مجوسیت اور نجریت اور بت پرستی وغیرہ وغیرہ یہ سب راستے ٹیڑھے ہیں ان پر چل کر خدا تک نہیں پہنچا جاسکتا اور بعض کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ سیدھے راستے کا بیان کرنا اللہ کے ذمہ ہے کیونکہ وہ طریق ہدایت کو ظاہر کیے بغیر کسی کو عذاب نہیں دیتا۔

آگے فرماتے ہیں کہ خواہ کوئی سیدھی راہ پر چلے یا ٹیڑھی راہ پر چلے وہ سب اللہ کی قدرت اور اس کے علم اور مشیت کے ساتھ ہے اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر کر دیتا اس نے جس کو چاہا ہدایت دی اور جس کو چاہا شہوات کے اور ظلمات کے بیابانوں میں گم گشتہ راہ بنایا اب آگے پھر اپنی نعمتوں کو بیان فرماتے ہیں۔ جو اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں پہلی آیت میں احوال حیوانات سے استدلال تھا اب احوال نباتات سے استدلال فرماتے ہیں۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ تَشْرَبُونَ ۝ وَمِنْهُ شَجَرٌ يُنْبِتُ بِهِ فِيهِ

لَسِيمُونَ ۝ تَرْعَوْنَ دَوَابَّكُمْ يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ

كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۝ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَلْمَذْكُورِ لَآيَةً دَالَّةً عَلَى وَحْدَانِيَّتِهِ تَعَالَى لِقَوْمٍ

يَتَفَكَّرُونَ ۝ فِي ضُئِبِهِ فَيَوْمِنُونَ وَسَعَرَكُمْ أَيْلٌ وَالتَّهَارُ وَالشَّمْسُ بِالنَّصَبِ عَطْفًا عَلَى مَا

قَبْلَهُ وَالزَّرْعُ مُبْتَدَأٌ وَالْقَمَرُ وَالنَّجُومُ بِالْوَجْهِينِ مَسْعُورَاتٌ بِالنَّصَبِ خَالٍ وَالزَّرْعُ خَبَرٌ بِأَمْرِهِ ۝

بِإِرَادَتِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ يَتَذَكَّرُونَ وَسَخَّرْ لَكُمْ وَمَا ذَرَأَ خَلَقَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ

مِنَ الْخَيْوَانِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ۖ كَأَحْمَرٍ وَأَخْضَرَ وَاصْفَرَ وَغَيْرِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَكَّرُونَ ﴿۱۰﴾ يَعْطُونَ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ ذَلَّةً لِّكَوْبِهِ وَالْعُوصَ فِيهِ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا هُوَ السَّمَكُ وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حَلِيَةً تَلْبَسُونَهَا ۗ هِيَ اللَّوْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ وَتَرَى تَبْصُرُ الْفَلَكَ السُّفُنَ مَوَاجِرَ فِيهِ تَمَخَّرَ الْمَاءُ أَي تَشَفَّهَ بِجَزَيْهَا فِيهِ مُقْبِلَةٌ وَمُذْبِرَةٌ بِرِيحٍ وَاحِدَةٍ وَلِتَبْتَغُوا عَطْفَ عَلِيٍّ لِتَأْكُلُوا تَطْلُبُوا مِنْ فَضْلِهِ تَعَالَى بِالتِّجَارَةِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۱﴾ اللَّهُ عَلَى ذَلِكَ وَالْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيًّ جِبَالًا ثَوَابِتَ أَنْ لَا تَمِيدَ تَسْحَرُكَ بِكُمْ وَجَعَلَ فِيهَا وَأَنْهَارًا كَالنَّيْلِ وَسُبُلًا طُرُقًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۲﴾ إِلَى مَقَاصِدِكُمْ وَعَلِمَتْ تَسْتَدِلُّونَ بِهَا عَلَى الطُّرُقِ كَالْجِبَالِ بِالنَّهَارِ وَبِالنَّجْمِ بِسَمْعِي النُّجُومِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۱۳﴾ إِلَى الطُّرُقِ وَالْقِبْلَةَ بِالنَّيْلِ أَمَّنْ يَخْلُقُ وَهُوَ اللَّهُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۗ وَهُوَ الْأَصْنَامُ حَيْثُ تُشْرِكُ كَوْنَهَا مَعَهُ فِي الْعِبَادَةِ لَا أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۴﴾ هَذَا قَوْلُ مُتَوَنِّئٍ وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ تَضِبُّوهَا فَضْلًا أَنْ تُطِيفُوا شُكْرَهَا إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۵﴾ حَيْثُ يُنْعِمُ عَلَيْكُمْ مَعَ تَقْصِيرِكُمْ وَعَضِيَانِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ بِالنَّارِ وَالْبَاءِ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهُوَ الْأَصْنَامُ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿۱۷﴾ بَصُورُونَ مِنَ الْجِبَارَةِ وَغَيْرِهَا أَمْوَاتٌ لَا رُوحَ فِيهِمْ خَيْرٌ ثَابِتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۗ تَاكِيدٌ وَمَا يَشْعُرُونَ ۗ أَيُّ الْأَصْنَامِ

ترجمہ: وہی ہے جس نے اتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی جو تمہارے پینے کے کام آتا ہے اور اسی سے درخت ہوتے ہیں (اسی سے درخت اُگتے ہیں) جس میں جرتے ہو (اپنے مویشیوں کو چگاتے ہو) اس سے تمہارے واسطے کھیتی اگاتا ہے اور ریتوں اور کھجوریں اور انگور، اور ہر قسم کے میوے اس (مذکورہ) بات میں نشانی (حق تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل) ہے ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں (حق تعالیٰ کی کاریگری میں پھر اس پر ایمان لاتے ہیں) اور تمہارے کام میں لگا دیارات اور دن اور سورج (نصب کے ساتھ ما قبل پر عطف کرتے ہوئے اور رفع کے ساتھ مبتدا جاننے کی صورت میں) اور چاند کو اور ستارے (اس میں بھی رفع، نصب دونوں صورتیں ہیں) کام میں لگے ہیں (منسوب ہونے کی صورت میں حال واقع ہے اور مرفوع ہونے کی صورت میں جرواقع ہے) اس کے حکم (ارادہ) سے اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں (غور و فکر کرتے ہیں) اور تمہارے کام میں لگا دیا) ان چیزوں کو جو تمہارے واسطے پھیلا دیں (پیدا کیں) زمین

میں (حیوانات، نباتات وغیرہ) رنگ برنگ کی (سرخ زرد، ہری وغیرہ) اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سوچتے (نصیحت پکڑتے) ہیں اور وہی ہے جس نے کام میں لگا دیا (یہ کو) (چہ زراعی اور غوطہ خوری کے لئے) کہ اس میں تازہ گوشت (مچھلی کا) کھاؤ اور اس میں سے زیورات نکالو جو پہنتے ہو (موتی اور مرجان) دیکھتے ہو کہ کشتیاں پانی چیر کر چلتی ہیں (پانی کو چیرتی چلی جاتی ہیں ان کے چلنے کے وقت پانی آگے پیچھے ہٹ جاتا ہے ایک ہی ہوا کے ساتھ) اور اس واسطے کہ تلاش کرو (یہ جملہ لاکھو پر عطف ہے اور تَبْتَغُوا تطلبوا کے معنی میں ہے) اسکی روزی (تجارت کے ذریعہ روزی تلاش کر سکو) اور تاکہ احسان مانو (حق تعالیٰ کا اس نعمت عظیمہ پر) اور زمین پر بوجھ رکھئے (مضبوط پہاڑ) تاکہ تم کو لے کر ڈگ گانے نہ لگے (ہلنے نہ لگے) اور (اس میں جاری کر دیں) نہریں اور راستے تاکہ تم راہ پاؤ اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکو) اور ایسی علامتیں بنائیں (جو تمہیں راستہ بتائیواں ہیں جیسے پہاڑوں میں) اور ستاروں (نجم مجوم کے معنی میں ہے) سے لوگ راہنمائی حاصل کرتے ہیں (راستہ کی، اور رات کے وقت قبلہ کی سمت معلوم کرتے ہیں) بھلا جو پیدا کرے (خدا تعالیٰ) برابر ہے اس کے جو کچھ پیدا نہ کرے (وہ بہت ہیں کہ جن کو تم عبادت میں اس کا شریک ٹھہراتے ہو؟ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے) کیا تم سوچتے نہیں ہو (اس بات کو تاکہ ایمان لے آؤ) اور اگر تم شاکر و اللہ کی نعمتوں کو تو شاکر نہ کر سکو گے (ان نعمتوں کا احاطہ نہیں کر سکو گے ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا تو دور کی بات ہے) بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے (کہ تمہاری کوتاہیوں اور نافرمانیوں کے باوجود تم پر نعمتوں کی بارش کرتا ہے) اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور جن کو پکارتے ہیں (تاء اور یاء کے ساتھ، جنگی عبادت کرتے ہو) اللہ کے سوا (بت مراد ہیں) کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں (پتھروں وغیرہ سے بنائے گئے ہیں) وہ مردے ہیں (ان میں روح نہیں ہے) (خبر ثانی ہے) بے جان ہیں (یہ تاکید ہے) اور نہیں جانتے (یعنی بت) کب (کس وقت) اٹھائے جائیں گے (لوگ پھر کیسے ان کی عبادت کی جا رہی ہے، کیونکہ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو پیدا کرنے والا ہو زندہ ہو اور غیب کی باتوں کو جاننے والا ہو)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **مَاءٌ لَّكُم**: اس میں لام یہ انزل کا صلہ ہے۔

قوله: **يُنْبِتُ** بسببہ: درخت کے پانی کی طرف نسبت نسبت کے واسطے کی وجہ سے ہے۔

قوله: **سَخَّرَ لَكُمْ الْيَلَّ**: اس میں تسخیر سے مراد مہیا کرنا اور اس طرح بنانا کہ جس سے فوائد حاصل ہوں۔

قوله: **سَخَّرَ لَكُمْ** ماء کا عطف اللیل پر ہے قریب پر نہیں۔

قوله: **سَخَّرَ لَنَا**: پانی کو چیرنا۔

قوله: **عَطْفٌ عَلَيَّ لِنَا كَلُوا**: اس سے اشارہ کیا کہ کسی قریب پر عطف نہیں۔

قوله: **لَا**: اس میں لام کو مقدم مان کر اشارہ کیا کہ ان مصدر یہ ہے مفسرہ نہیں۔

قوله: **وَجَعَلَ فِيهَا**: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف رد اس پر ہے کیونکہ القی میں جعل کا معنی پایا جاتا ہے۔

قولہ: لا روح فیہم: کا یہ معنی نہیں کہ پہلے روح تھی پھر زائل ہو گئی۔ یہ والذین یدعون کی دوسری خبر ہے۔

تفسیر مقبولین

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

احوال نباتات سے استدلال:

وہی ہے رب تمہارا جس نے آسمان سے کچھ پانی اتارا۔ تمہارا اسی سے پینا ہے اور اسی سے تمہارے لیے درخت اور گھاس اگتے ہیں جس میں تم اپنے مویشی چراتے ہو اسی پانی سے اللہ تمہارے لیے کھیتی اور زیتوں اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل زمین سے اگاتا ہے بے شک اس میں سوچنے والے لوگوں کے لیے ہماری قدرت اور وحدانیت کی نشانی ہے۔ جو شخص اس میں غور کرے کہ دانہ زمین میں غائب ہوا اور تری سے پھول کر پھٹا اور اس سے سوراخیں نمودار ہوئیں اور زمین میں پھیلیں اور ادھر شاخیں نکلیں اور مختلف قسم کے پھل اور پھول نمودار ہوئے جن کی صورتیں اور شکلیں بھی مختلف اور رنگتیں بھی مختلف اور خاصیتیں بھی مختلف اور مزے بھی مختلف۔ حالانکہ زمین اور پانی اور ہوا سب کی ایک ہے اور اسباب و علل بھی سب کے ایک ہیں اور تاثیرات فلکیہ اور تحریکات کوکیہ کی نسبت بھی سب کے ساتھ ایک ہے جو اس میں غور و فکر کر لے گا وہ سمجھ جائے گا کہ یہ تمام تغیرات اور اختلافات کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضا نہیں بلکہ کسی قادر حکیم کی کاریگری اور کرشمہ سازی ہے۔

قسم ششم: وَسَخَّرَ لَكُمُ الْبَيْتَ وَالنَّهَارَ وَاللَّيْلَ وَالنَّجْمَ وَالْقَمَرَ وَالنَّجْمِ مَسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّعُقُولٍ يَعْقِلُونَ اور رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کر دیا یعنی ان چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا کہ دن اور رات کی آمد و رفت اور چاند اور سورج کے طلوع و غروب سے اور اوقات کے بدلنے سے کارخانہ عالم چل رہا ہے اور سب اس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ کے حکم سے ایسی چال پر چلتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دی ہے اور انسان ان سے اوقات اور فصول کو معلوم کرتا ہے۔ پس فلاسفہ اور جہمین کا یہ قول کہ عالم سفلی کا کارخانہ، کوکب اور نجوم کی تاثیر اور تصرف سے چل رہا ہے، غلط ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے مقہور اور مسخر ہیں۔ سب اس کے بیگاری ہیں جس کام میں لگا دیا اس میں لگے ہوئے ہیں۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ہماری قدرت و یکتائی کی نشانیاں ہیں کہ آفتاب و ماہتاب اور کوکب و نجوم سب اجسام ہیں مگر سب مختلف اور متفاوت ہیں۔ حالانکہ من حیث الجسم ہونے کے لحاظ سے سب یکساں ہیں معلوم ہوا کہ یہ تفاوت جسمیت کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ستارے کسی کے حکم کے تابع نہیں بذات خود عالم سفلی میں مدبر اور متصرف ہیں یہ لوگ بے عقل ہیں۔

غرض جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم اور فہم مستقیم عطا فرمائی وہ سمجھتا ہے کہ چاند اور سورج اور ستارے خود بخود حرکت نہیں کر رہے ہیں پس جو ذات ان کو حرکت دے رہی ہے وہی خدا تعالیٰ ہے اور چونکہ آثار علویہ کی دلالت قدرت قاہرہ پر ظاہر دباہر ہے ہے اس لیے اس آیت کو عقل پر ختم فرمایا۔

تم ہستم: وَمَا ذَرَأَا لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۱﴾

اور مسخر کر دیا اللہ تعالیٰ نے جو کس اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیا حالانکہ ان کے رنگ مختلف ہیں جتنی چیزیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیں انسان ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ چیزیں صورت اور شکل اور رنگ اور بو کے اعتبار سے مختلف ہیں اور ایک دوسرے سے ممتاز ہیں اس سے بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت ظاہر ہوتی ہے اگر کواکب اور نجوم کی تاثیر ہوتی تو سب نباتات ایک رنگ کے ہوتے۔ ان مخلوقات میں اللہ کی قدرت اور الوہیت کی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پکڑتے ہیں اور غافل نہیں ذرا غفلت کا پردہ اٹھا تو مصنوع کو دیکھ کر صانع کا پتہ چلا لیا اس لیے اس آیت کو تذکر پر ختم فرمایا۔ کیوں کہ ان کی دلالت اس قدر واضح ہے کہ اس میں دقیق نظر و فکر کی حاجت نہیں محض تذکر اور یاد دہانی کافی ہے۔

تم ہستم: وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لَنَا كُلًّا مِّنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَنَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حَلِيمَةً تَلْبَسُونَهَا ۗ وَتَكْمَى الْقُلُوكَ مَوَاجِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَلَكُمْ فِي شُكْرِهِمْ ﴿۱۲﴾ حق جل شانہ نے اپنی الوہیت کے ثابت کرنے کے لیے اول اجرام سماویہ سے استدلال کیا اور پھر دوسری مرتبہ میں انسان کی پیدائش سے استدلال فرمایا اور تیسری مرتبہ میں عجائب حیوانات سے استدلال کیا اور چوتھے مرتبہ میں عجائب نباتات سے استدلال کیا اب احوال عناصر کے عجائب سے استدلال فرماتے ہیں عناصر میں اول پانی کا ذکر فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور وہ ہے جس نے دریا کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ یعنی مچھلی نکال کر کھاؤ سمندر کا پانی شور ہے مگر مچھلی جو اس سے نکلتی ہے اس کا گوشت شور نہیں۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کی دلیل ہے کہ شور میں سے یک لذیذ چیز تمہارے کھانے کے لیے نکال دی اور تاکہ تم اس سمندر سے زیور نکالو یعنی موتی اور مرجان نکالو جس کو تم پہنچتے ہو یعنی تمہاری عورتیں۔ چونکہ عورتوں کی زینت مردوں کے لیے ہوتی ہے اس لیے حق تعالیٰ نے پہننے کی نسبت مردوں کی طرف کی اور دیکھا ہے تو کشتیوں کو کہ چرتی چلی جاتی ہیں، کشتی کا ایک ہی ہوا سے ایک جانب سے دوسری جانب پار ہو جانا یہ خدا کی کمال قدرت کی نشانی ہے اور کشتیوں کا سمندر میں چلانا اس لیے ہے تاکہ اس کے فضل سے روزی تلاش کرو۔ یعنی تاکہ تم کشتیوں پر سوار ہو کر تجارت کرو اور فضل الہی سے نفع کماؤ اور تاکہ اللہ عزوجل کی شکر گزاری کرو کہ یہ دریا کی تسخیر اور کشتی کی ترکیب اور تمہارا اس طرح سے سفر یہ اللہ کی نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے۔

تم ہستم: وَالتَّغَىٰ فِي الْأَرْضِ دَوَابٌّ مِّنْهُنَّ لَا تَحْمِلْنَ أَثْقَالًا ﴿۱۳﴾

جب عنصر خاک سے استدلال فرماتے ہیں اور اسی نے تمہارے لیے زمین میں مضبوط پہاڑ ڈال دیئے کہ وہ زمین تم کو لے کر حرکت نہ کرے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین پر پہاڑوں کا بوجھ ڈال دیا اور پہاڑوں کو زمین کے لیے میٹھیں بنا دیا تاکہ زمین حرکت نہ کر سکے اس لیے زمین ٹھہر گئی یہ اس کی قدرت کاملہ کی دلیل ہے کہ اس نے ایک جسم کو خفیف بنایا اور ایک جسم (پہاڑ) کو ثقیل بنایا اور اللہ نے زمین میں نہریں پیدا کیں جیسے لیل اور فرات اور نیلون اور سمون اور اکثر دریا پہاڑوں سے نکلتے ہیں اور پیدا کی زمین میں راہیں اور راستے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ سکو، ان دلائل میں غور کرو کہ شاید تم اپنی منزل مقصود کی راہ پا لو اور راستوں کی شناخت کے لیے اللہ نے اور بھی نشانیاں رکھی ہیں جن سے چلنے والے راستہ معلوم کرتے

ہیں اگر زمین کی ساری سطح یکساں ہوتی۔ کہیں ذرخت اور پہاڑ اور یہ نشان نہ ہوتے تو مسافر کو راستہ چلانا اور منزل پر پہنچنا مشکل ہو جاتا۔

قسم دوم: رَبِّهَا النَّجْوُ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۱۰﴾

اور علاوہ ازیں ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کر لیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ صرف زمین ہی کی چیزیں راستوں کی علامتیں نہیں بلکہ لائق و درق میدانوں میں ستارے بھی راستوں کی علامتیں ہیں کہ قافلے ان کی سیدھ میں چلتے ہیں سمت اور رخ اور راستوں کا پتہ ستاروں کے ذریعے چلتا ہے اگر یہ علامتیں نہ ہوتیں تو بہت مشکل پڑ جاتی۔

تہدید بر اعراض از دلائل واضحہ:

یہاں تک توحید کے دلائل بیان فرمائے۔ اب آگے ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہیں جو ان دلائل واضحہ میں ذرا بھی غور نہیں کرتے چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کیا جو خدا ان اجرام علویہ اور سفالیہ اور حیوانات عجیبہ اور نباتات غریبہ اور مصنوعات عظیمہ کو پیدا کرتا ہے۔ مثل ان جنوں کے ہو سکتا ہے جو کچھ پیدا نہیں کرتے پس کیا تم سوچتے نہیں کہ خالق اور غیر خالق کا برابر ہونا عقلاً محال ہے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو شمار بھی نہیں کر سکتے ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کی نعمتیں مبذول ہوتی رہتی ہیں صرف ایک اپنے ہی وجود پر نظر ڈال لو کہ اس نے تمہیں صحت دی۔ عقل دی سننے کے لیے کان دیئے اور بولنے کے لئے زبان دی اور پکڑنے کے لیے ہاتھ دیئے اور چلنے کے لیے پیر دیئے اس قسم کی بے شمار نعمتیں تم کو دیں جن کو تم گن نہیں سکتے۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ اس نے باوجود تمہاری تقصیرات کے اپنی نعمتیں بند نہیں کیں۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے منعم کی پرستش کرو کہ جس کی نعمتوں کو تم شمار نہیں کر سکتے اور وہ ایسا مہربان ہے کہ باوجود تمہاری تقصیرات کے اپنی نعمتیں تم پر بند نہیں کرتا اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم دلوں میں چھپاتے ہو اور جو تم زبان سے ظاہر کرتے ہو۔ وہ تمہارے نیک و بد کی تمہیں سزا دے گا وہی عالم الغیب ہے قابل عبادت ہے ظاہر و باطن اس کے نزدیک برابر ہے یہ بت جن کو نہ تمہاری بدی کی خبر ہے اور نہ نیکی کی۔ پوجنے کے لائق نہیں اور جن حقیر چیزوں کی یہ لوگ خدا کے سوا پرستش کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں پس کیسے خالق کے برابر ہو سکتے ہیں۔ وہ تو مردے ہیں زندہ نہیں۔ وہ تو جمادات ہیں نہ سننے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ حرکت کر سکتے ہیں پس یہ بت معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔ معبود کے لئے حیات ازلیہ اور علم محیط چاہئے اور تمہارے ان معبودین کو اتنی بھی خبر نہیں کہ ان کے عابدین یعنی جو ان کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے یعنی ان کو قیامت کا علم نہیں اور نہ اپنے عابدین کی عبادت کا علم ہے لہذا جسے اپنے عبادت کرنے والے کا حال معلوم نہ ہو وہ معبود ہی کیا ہوا تو ایسوں کو پوجنا کمال بے وقوفی ہے خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خالق معبود اور عالم الغیب اور محیط کل ہو اور خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی خالق ہے اور نہ کوئی عالم الغیب ہے پس ثابت ہوا کہ تمہارا معبود ایک اور یگانہ ہے۔ احد اور صد ہے اس کے سوا کوئی معبود ہو ہی نہیں سکتا۔ سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل ایک معبود ہونے سے انکار کرتے ہیں اور وہ متکبر ہیں اس لیے انہیں حق کے قبول کرنے سے عار ہے بلکہ شہرہ انتہا جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور حق کو قبول نہ کرنا یہ تکبر ہے جو خدا

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: الْمَشْحِقُّ لِلْعِبَادَةِ: اللہ کا معنی بتلایا کہ وہ ہے جو عبادت کا حقدار ہو۔

قوله: مِنْ كِبْرُونَ: یہاں استفعال تفاعل کے معنی میں مبالغہ کے لئے لائے۔

قوله: إِنَّهُ يُعَاقِبُهُمْ: محبت نہ کرنے سے مراد سزا دینا ہے۔

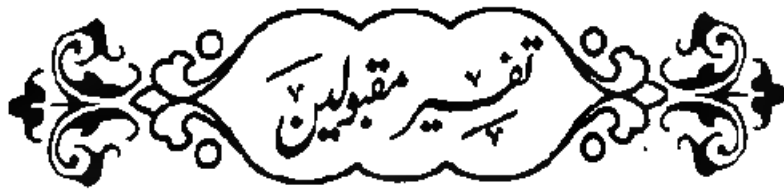
قوله: جَمًّا: یہاں استفہامیہ ہے نافیہ اور شرطیہ اور موصولہ نہیں ہے۔

قوله: ذَا: یہ موصولہ ہے اسم اشارہ نہیں۔

قوله: هُوَ أَسَاطِيرُ: مبتداء کو مقدر مانا اور وہ ہوئی ضمیر ہے۔

قوله: بِنَجْوَى عَاقِبَةِ الْأَمْرِ: اس سے اشارہ کیا کہ لام یہاں عاقبت کا ہے۔

قوله: حَمَلَهُمْ: یہ مخصوص بالذم ہے۔



إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ

یعنی جو دلائل و شواہد اور پر بیان ہوئے ایسے صاف اور واضح ہیں جس میں ادنیٰ غور کرنے سے انسان توحید کا یقین کر سکتا ہے لیکن غور و طلب تو وہ کرے جسے اپنی عاقبت کی فکر اور انجام کا ڈر ہو۔ جن کو بعد الموت کا یقین ہی نہیں نہ انجام کی طرف دھیان ہے وہ دلائل پر کب کان دھرتے اور ایمان و کفر کے نیک و بد انجام کی طرف کب التفات کرتے ہیں۔ پھر دلوں میں توحید کا اقرار اور پیغمبر کے سامنے تواضع سے گردن جھکانے کا خیال آئے تو کہاں سے آئے۔

وَرَادَاقِيلُ لَهُمْ

قرآن حکیم کے ارشادات کو افسانے کہنا کفر کی علامت ہے:

ان منکرین قرآن سے جب سوال کیا جائے کہ کلام اللہ میں کیا نازل ہوا تو اصل جواب سے ہٹ کر بک دیتے ہیں کہ سوائے گزرے ہوئے افسانوں کے کیا رکھا ہے؟ وہی لکھ لئے ہیں اور صبح شام دوہرا رہے ہیں پس رسول اللہ ﷺ پر انترا باندھتے ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی اس کے خلاف اور کچھ کہنے لگتے ہیں۔ دراصل کسی بات پر جم ہی نہیں سکتے اور یہ بہت بری دلیل ہے ان کے تمام اقوال کے باطل ہونے کی۔ ہر ایک جو حق سے ہٹ جائے وہ یونہی مارا مارا بہکا بہکا پھرتا ہے کبھی حضور رسول ﷺ کو جادو گر کہتے، کبھی شاعر، کبھی کاہن، کبھی مجنون۔ پھر ان کے بڑھے گرد و لید بن مضرہ مخزومی نے انہیں بڑے غور و خوض کے بعد کہا کہ سب مل کر اس کلام کو موثر جادو کہا کرو۔ ان کے اس قول کا نتیجہ بد ہوگا اور ہم نے انہیں اس راہ پر اس لئے لگا دیا ہے کہ یہ اپنے پورے گناہوں کے ساتھ ان کے بھی کچھ گناہ اپنے اوپر لادیں جو ان کے مقلد ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے چل

رہے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے ہدایت کی دعوت دینے والے کو اپنے اجر کے ساتھ اپنے بیچ لوگوں کا اجر بھی ملتا ہے لیکن ان کے اجر کم نہیں ہوتے اور برائی کی طرف بلانے والوں کو ان کی ماننے والوں کے گناہ بھی ملتے ہیں لیکن ماننے والوں کے گناہ کم ہو کر نہیں۔ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے: (وَلْيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ وَلَيَسْئَلُنَّ يَوْمَ الْعِقَابِ عَمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ) (احکوت: 13) یہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ہی ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان کے اثرا کا سوال ان سے قیامت کے دن ہونا ضروری ہے۔ پس ماننے والوں کے بوجھ کو ان کی گردنوں پر ہیں لیکن وہ بھی ہلکے نہیں ہوں گے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَهُوَ نَعْمُ زُذُنِي صَرَ حَاطُوِيْلًا لِيُصْعَدَ مِنْهُ اِلَى السَّمَاءِ لِيُقَاتِلَ اَهْلَهَا فَاَنى
 اللهُ فَصَدَّ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ الْاَسَاسِ فَاَزْ سَلَ عَلَيْهِ الرِّيحُ وَالزَّلْزَلَةُ فَهَدَّ مَثَهَا فَخَرَّ عَلَيْهِمْ
 السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ اَى وَهُمْ تَحْتَهُ وَ اَتَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٣﴾ مِنْ جِهَةٍ لَا يَخْطُرُ
 بِاِيْلِهِمْ وَقِيلَ هَذَا تَمْبِيلٌ لِاِفْسَادِ مَا اَبْرَمُوا مِنَ الْمَكْرِ بِالرُّسْلِ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ بِذُنُوبِهِمْ وَ
 يَقُولُ لَهُمُ اللهُ عَلَى لِسَانِ الْمَلَائِكَةِ تَزِيحًا اَيَّنْ شُرَكَاءِى بِرَعْمِكُمْ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقِقُونَ
 تُخَالِفُونَ الْمُؤْمِنِينَ فِيهِمْ ۚ فَبِىْ شَانِهِمْ قَالَ اَى يَقُولُ الَّذِينَ اَوْثُوا الْعِلْمَ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُؤْمِنِينَ اِنَّ
 الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤﴾ يَقُولُوْنَهُ شَمَاتَةٌ بِهَمِّ الدِّينِ تَتَوَقَّعُهُمُ بِالْاَنْبِيَاءِ الْمَلِكَةِ
 ظَالِمِيْ اَنْفُسِهِمْ ۚ بِالْكَفْرِ فَالْقَوَا السَّلْمَ اِنْقَادًا وَاوْا شَسْلِمُوا عِنْدَ الْمَوْتِ فَاذْبَنَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ
 سُوْءٍ ۚ شَرِكٌ فَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ بَلَى اِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ فَيَجَازِيْكُمْ بِهٖ وَيُقَالُ لَهُمْ
 فَادْخُلُوا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَلْيَسَّسْ مَثْوٰى مَا وى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿١٦﴾ وَقِيلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا
 الشِّرْكَ مَا ذَا اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرٌ ۚ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْاِيْمَانِ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ حَيٰةٌ
 طَيِّبَةٌ وَّلَدَارُ الْاٰخِرَةِ اَى الْجَنَّةُ خَيْرٌ ۚ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا قَالَ تَعَالٰى فِيْهَا وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٧﴾ هِيَ
 جَنَّتُ عَدْنٍ اِقَامَةٌ مَبْتَدِئِىْ خَبْرَةٌ يَدْخُلُوْنَهَا تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۚ
 كَذٰلِكَ الْجَزَاءُ يَجْزِيْ اللهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٨﴾ الَّذِينَ تَتَوَقَّعُهُمُ الْمَلِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۚ طَاهِرِيْنَ مِنَ الْكُفْرِ
 يَقُولُوْنَ لَهُمْ عِنْدَ الْمَوْتِ سَلَمٌ عَلَيْكُمْ ۚ وَيُقَالُ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ

تَعْمَلُونَ مَا هَلْ مَا يَنْظُرُونَ يَنْظُرُونَ الْكُفَّارِ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ
 أَوْ يَأْتِي أَمْرٌ مِنْكَ الْعَذَابُ أَوْ الْبِقَامَةُ الْمَشْتَمَلَةُ عَلَيْهِ كَذَلِكَ كَمَا فَعَلَ هَؤُلَاءِ فَعَلَّ الَّذِينَ مِنْ
 قَبْلِهِمْ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ كَذَّبُوا وَرَسُولُهُمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ مَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ بِأَهْلًا بِهِمْ يَتَغَيَّرُونَ وَإِن كَانُوا
 أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ بِالْكَفْرِ فَاصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَإِي حَزَّؤُهُمَا وَحَقَّ أَنْزَلُ بِطَلَمٍ مَا كَانُوا بِهِ
 يَسْتَهْزِئُونَ ۝ أَي الْعَذَابِ

تو کچھ نہیں: البتہ دعا بازی کر چکے تھے جو ان سے پہلے (نمرو نے ایک بہت بڑا قلعہ تعمیر کیا تھا تاکہ اس پر چڑھ کر آسمان
 والوں سے جنگ کرنے) پھر یہو نجا حکم اللہ کا ان کی غارتگری پر لیا تو ان سے (اچھا نچو آں آتدھی اوزد لولولہ یا اوزد اس نمازت کو بڑا
 بنیاد سے اکھاڑ پھینکا) پھر ان پر عذبت کر پڑی (اور وہ ان کے بدلے دیے گئے) اور ان پر عذاب آنا چاہتا تھا سب ان کو خیر نہ
 تھی (یعنی ایسی طرف سے عذاب آیا کہ انہیں خطرہ بھی نہیں گذر سکتا تھا اور بعض کی رائے یہ ہے کہ ان کفار نے اپنے پیغمبروں
 کے ساتھ جو کر کا خیال بنا تھا یہ اس کی تمثیل ہے) پھر قیامت کے دن ان کو اللہ رسوا کرے گا (اور وہ اپنے فرشتوں کی
 نمازیں ان سے پوچھے گا کہ کہاں تھے میرے وہ شریک (تمہارے خیال کے مطابق) جن پر اللہ نے ان کے پارے پھینکے
 مسلمانوں سے جھگڑا کرتے تھے (مسلمانوں سے اختلاف کیا کرتے تھے) اس وقت (انبیاء اور اہل ایمان میں سے) جاننے
 والے پکارا تھے کہ بیشک آج کے دن رسوائی اور برائی مسکروں پر ہے (یعنی بات ان کی بدر حالت سے خوش ہونے ہوئے
 جنہیں ان کے جنہوں نے ان کی جہنم نکالی تھی اس حال میں کہ وہ اپنے آپ کو ظالم کہتے ہیں اور اللہ کے کفر کو ان کے تب ظہر کر رہے ہیں
 اطاعت (فرمانبرواری ظاہر کریں گے ورموت کے قریب تمہارے ذمے لگے ہوئے ہیں) ہم تو کچھ برائی (شرک نہیں
 کرتے تھے) اس پر فرشتے کہیں گے (کیوں نہیں اللہ خوب جوینا ہے جو تم کہتے تھے) لہذا اس پر تم کو بدلہ دے گا پھر ان
 سے کہا جائے گا خود دوزخ کے ڈرو اور ان میں اور اٹھنا جو جاسوس اسی میں رہا کرو تو کیا برا بھلا کا (جالسے پڑا ہوا ہے فرور کوشہ و اوفون
 گا اور ان لوگوں سے بچا جاتا ہے جو ان کے پرہیزگاری اختیار کر کے (خیر کے) کو لیا کرتا رہے تمہارے پروردگار نے ان کو
 بات جنہوں نے بھلائی کی (ایمان لیا کر) ان کے لیے بھلائی ہے اس دنیا میں (یا کہ نہ زندگی) اور آخرت کا کھر (جنت)
 بہتر ہے (دنیا و مایہا سے حق تعالیٰ نے جنت کے بارے میں فرمایا) اور کیا خوب ہے پرہیزگاروں کا کھر (دور) عید ہے جس کے
 بارگاہی کی دعا کی قیام کے، یہ مہلتا ہے اور اگلا جملہ خیر ہے ان میں داخل ہوں یہ کہاں کے نیچے نہیں لگتا ہے ان کے
 واسطے وہاں سے جو جاہلین کے ایسا (بدلتہ) حق تعالیٰ پرہیزگاروں کو دیں گے جنہیں (صفت ہے) فرشتوں نے ایسی حالت
 میں موت دی ہوگی کہ وہ پاک تھے (کفر سے بچے رہے) لڑتے ان سے ہیں کے موت کے وقت اسلام یوم (اور آخرت
 میں ان سے کہا جائے گا) تم جنت میں پہلے جاؤ اپنے اعمال کے نسبت یہ (اکفان) اس چیز کے منتظر ہیں کہ (ان کی اہمیت کو
 پر کرتے کے لیے) ان پر فرشتے اتر آئیں (لفظ تاتبع ہر تاہ اور یاہ کے ساتھ ہے) آیا آپ کے پروردگار کا حکم آئے (حکم
 سے مراد عذاب لگے ہوئے) اسی طرح (جس طرح انہوں نے کیا) ان سے پہلے لوگوں نے بھی کیا تھا (وہ ان میں جنہوں نے

اپنے پیغمبروں کو جھٹلانا نتیجتاً ہلاک ہو گئیں اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا (کہ انہیں بلا قصود ہلاک کر دیا ہو) لیکن (کہ ظلم نہیں کیا) انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے آخر کار ان کی بلا عملیوں کی سزا لیگی (پناہ دہش) انہیں سزا اور عس (عذاب) کی دہائی آ رہی ہے تیسرے اس خطے انہیں آگھیرا ہے

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: طویلاً: نمرود نے پانچ ہزار ہاتھ بلند کھل بنایا تاکہ اہل ممالک سے جنگ کرے۔

قولہ: فیصدہ یہاں مستی کا ذکر کیا اور مراد سبب مجاز الیہ۔

قولہ: یذنبنا انہم: اس میں مضاف مقدر یعنی ان کی زیادتی کے گہرائی کا ارادہ فرمایا۔

قولہ: قبل ہذا تمہیں: اس صورت میں منصوبہ بندی کرنے والوں کی جو کاٹھا اور منصوبے کو ناکام کرنا چاہتے ہیں۔

قولہ: یذنبنا انہم: انہوں نے جو ہمیں گناہ پہنچا رہے ہیں۔

قولہ: یذنبنا انہم: انہوں نے جو ہمیں گناہ پہنچا رہے ہیں۔

قولہ: یذنبنا انہم: انہوں نے جو ہمیں گناہ پہنچا رہے ہیں۔

قولہ: یذنبنا انہم: انہوں نے جو ہمیں گناہ پہنچا رہے ہیں۔

قولہ: یذنبنا انہم: انہوں نے جو ہمیں گناہ پہنچا رہے ہیں۔

قولہ: یذنبنا انہم: انہوں نے جو ہمیں گناہ پہنچا رہے ہیں۔

قولہ: یذنبنا انہم: انہوں نے جو ہمیں گناہ پہنچا رہے ہیں۔

قولہ: یذنبنا انہم: انہوں نے جو ہمیں گناہ پہنچا رہے ہیں۔

قولہ: یذنبنا انہم: انہوں نے جو ہمیں گناہ پہنچا رہے ہیں۔

قولہ: یذنبنا انہم: انہوں نے جو ہمیں گناہ پہنچا رہے ہیں۔

قولہ: یذنبنا انہم: انہوں نے جو ہمیں گناہ پہنچا رہے ہیں۔

معاندین سابقین کے عذاب کا تذکرہ:

مشرکین مکہ جو قرآن مجید کے اولین مخاطب تھے اسلام اور داعی اسامی نے ان کے خلاف طرز عمل کی مدد سے یہی سچے تھے اور آپس میں مشورے کرتے تھے۔ **قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ** میں ان لوگوں کی مکاری کا یہ ذکر فرمایا جو پہلی امتوں میں گزرتے ہیں، یہ لوگ حضرت انبیاء علیہم السلام کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا کیا کر لیا سب برباد کر دیا جسے کوئی شخص نہارت بنائے اور پھر اس کی بنیادیں اور ستونیں گر پڑیں اور پھر آخر سے نجات کر جائے، ان کی بنائی ہوئی تعمیریں برباد ہوئی اور خود بھی اس میں دب کر رہ گئے اپنے مقاصد نہیں ناکام ہوئے اور اس طرح ان پر عذاب آ گیا لیکن

۵۳۴

کثیر تعداد میں ایسی قومیں گزری ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی مخالفت کی اور ان کی تہذیب میں ناکام ہوئے۔ ان پر عذاب آیا اور برباد و ہلاک ہوئے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: واختار جماعة بناء على التمثيل حسبها سمعت وعليه فالمراد على المختار من اللذين كفروا من قبل ما يشمل جميع الماكرين اللذين هدم عليهم بنيانهم وسقط في ايدىهم ابيك جماعت نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس کی بناء تمثیل پر ہے پس مٹا کر قول کے مطابق اس سے مراد سابقہ اقوام کے کافر ہیں جو ان تمام مکاروں کو شامل ہے جن کی تمہیریں خود ان کے اپنے اوپر کر پڑیں اور انہیں کے ہاتھوں گریں۔ (ص ۱۳۶ ج ۱)

اور حافظ ابن کثیر نے بھی (ص ۵۶۶ ج ۱) یہ بات لکھی ہے: حيث قال هذا من باب المثل بالابطال ما صنعته هؤلاء الذين كفروا بالله واشركوا في عبادته جو یہ فرمایا یہ ان کافروں کی ان مکاروں کے ابطال کے لیے ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا اور دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کیا۔

لیکن خود صاحب روح المعانی اور حافظ ابن کثیر نے اور علامہ بغوی نے معالم التنزيل میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے نمرود بن کنعان مراد ہے جس نے شہر بابل میں ایک محل بنایا تھا جس کی اونچائی پانچ ہزار ہاتھ اور چوڑائی تین ہزار ہاتھ تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ آسمان پر چڑھے اور وہاں کے حالات معلوم کر کے آسمان والوں سے قتال کرے، اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیج دی جس نے اس محل کو گرا دیا اور اس کی چھت نمرود پر اور اس کے اتباع پر گر پڑی جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ صاحب روح المعانی نے ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ خود نمرود اس وقت ہلاک نہیں ہوا تھا بلکہ محل کی بربادی کے بعد زندہ رہا اور اللہ تعالیٰ نے اسے ایک ٹھکر کے ذریعے ہلاک فرمادیا جو اس کے دماغ میں پہنچ گیا تھا۔ حافظ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے بخت نصر مراد ہے اس نے بھی مکاری کی تھی اور اونچا محل بنایا تھا پھر وہ محل برباد ہو گیا یہ سب اسرائیلی روایات ہیں اگر محل بنانے والی بات درست ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے فرعون نے اپنے وزیر سے کہا تھا: (وَأَهْلَامَانِ ابْنِي صَارَ خَالِعًا لِبَلْعِ الْأَسْتِثَابِ أَسْبَابِ السَّنُوبِ فَأَطْلَعِ إِلَى الْوَمُونِيِّ وَالْبُحِّي لَا ظُلْمَةَ كَانَتْهَا) (اے ہامان بنا دے میرے لیے ایک عمارت شاید میں آسمان پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤ پھر موسیٰ کے معبود کو دیکھوں اور میں تو اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں) فرعون کی تدبیریں بھی ٹپس ہوئیں، قارون بھی اپنے گھر سمیت زمین میں دھنسا گیا عاود و ثمود بھی برباد ہوئے اور دنیا میں عذاب چکھ لیا۔

الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمْ الْمَلَكَةُ خَالِيَةً أَلْفَيْهِمْ

مشرکین کی جان کنی کا عالم:

مشرکین کی جان کنی کے وقت کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب فرشتے ان کی جان لینے کے لئے آتے ہیں، تو یہ اس وقت نئے عمل کرنے اور مان لینے کا اقرار کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اپنے کربوت چھپاتے ہوئے اپنی بے گناہی بیان کرتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ کے سامنے بھی قسمیں کھا کر اپنا مشرک نہ ہونا بیان کریں گے۔ جس طرح دنیا میں اپنی بے گناہی پر لوگوں کے سامنے جھوٹی قسمیں کھاتے تھے۔ انہیں جواب ملے گا کہ جھوٹے ہو، بد اعمالیاں جی کھول کر کر چکے ہو، اللہ غافل نہیں جو باتوں میں آ

جائے ہر ایک عمل اس پر روٹن ہے۔ اب اپنے کرتوتوں کا ضیازہ بھگتو اور جہنم کے دروازوں سے جا کر ہمیشہ اسی بری جگہ میں پڑے رہو۔ مقام براء مکان براء، ذلت اور سوائی والا، اللہ کی آیتوں سے تکبر کرنے کا اور اس کے رسولوں کی اتباع سے جی چرانے کا یہی بدلہ ہے۔ مرتے ہی ان کی رومیں جہنم رسید ہو جائیں اور جسموں پر قبروں میں جہنم کی گرمی اور اس کی لپک آنے لگی۔ قیامت کے دن رومیں جسموں سے مل کر نار جہنم میں گئیں اب نہ موت نہ تخفیف۔ جیسے فرمان باری ہے: **مَكْرَاهُونَ لَمْ يَلْمُوا سَعِيًا وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ كُفْرًا وَلَا يَكُونُوا لَكُمْ حُرْمًا ۚ وَمَا كَانَ لِلْأَعْيُنِ أَنْ يَبْرُوا الصَّالِحِينَ وَلَا لِيُنْزِلَ فَاكِرًا عَلَيْهِمْ سُنُوءًا ۚ لَئِن كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝۱۲** (نمل) یہ دوزخ کی آگ کے سامنے ہر صبح شام لائے جاتے ہیں۔ قیامت کے قائم ہوتے ہی اے آل فرعون تم سخت تر عذاب میں چلے جاؤ۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ ۚ

اہل تقویٰ کا اچھا انجھام، انہیں جنت کے باغوں میں وہ سب کچھ نصیب ہوگا جو ان کی خواہش ہوگی:

گزشتہ آیات میں کافروں کے مکر اور آخرت میں جو انہیں عذاب ہوگا اور رسوائی ہوگی اس کا ذکر تھا اور اس بات کا بھی ذکر تھا کہ فرشتے اسی حالت میں ان کی جانیں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، ان آیات میں اہل ایمان کے اچھے اعمال اور اچھے اقوال کا تذکرہ فرمایا اور انہیں بشارت دی کہ وہ ایسے باغوں میں داخل ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور ان باغیچوں میں ان کی خواہش کے مطابق سب کچھ موجود ہوگا جو بھی چاہیں گے وہ سب ملے گا، سورۃ زخرف میں فرمایا: **(وَفِيهَا مَا كَشَفْنَا بِهِيَ الْأَنْفُسَ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ)** (اور وہاں وہ چیزیں موجود ہوں گی جن کی ان کے نفسوں کو خواہش ہوگی اور جن سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی) ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو اسی طرح بدلہ عطا فرماتا ہے، تقویٰ میں ہر چیز آگنی شرک و کفر سے بچنا اور تمام گناہوں سے بچنا لفظ تقویٰ ان سب کو شامل ہے متقی حضرات کی موت کے وقت کی حالت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ فرشتے ان کی رومیں اس حال میں قبض کریں گے کہ یہ لوگ پاکیزہ ہوں گے جس کا دل کفر و شرک سے پاک ہو اور دل میں ایمان کی نورانیت ہو اور اس کا ظاہر اعمال صالحہ سے مزین ہو ظاہر ہے کہ موت کے وقت بھی اس کی حالت اچھی ہوگی، فرشتے بھی ان سے اچھا معاملہ کرتے ہیں اور انہیں اس وقت سلام پیش کرتے ہیں اور جنت کی بھی بشارت دے دیتے ہیں، دنیا سے ایمان پر رخصت ہونا اور اچھے اعمال لے کر جانا یہ جنت میں جانے کا سبب ہے، جنت کا حقیقی داخلہ تو قیامت کے دن ہوگا لیکن موت کے وقت اس کی خوشخبری بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ فی معالم التنزیل ص ۶۶ ج ۳ طیبین

مؤمنین طاہرین من الشریک، قال مجاہد زکیۃ افعالہم و اقوالہم و قبل معناه ان وفاتہم تقع طیبۃ سہلۃ۔
فَأَنْزَلْنَا لَهُمْ أَنْزَلًا وَمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۚ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ ۚ قَالُوا مَا كُنَّا لِنَكْفُرَ بِهِ ۚ وَمَا كُنَّا لِنَكْفُرَ بِهِ ۚ وَمَا كُنَّا لِنَكْفُرَ بِهِ ۚ وَمَا كُنَّا لِنَكْفُرَ بِهِ ۚ
 فرمایا: **وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرٌ مِّنْ سُنُوءِهِمْ يُبَدَّلُ خَيْرًا لَّئِن كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝۱۲**
 ہے جس کا کچھ تذکرہ: **كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِبِينَ ۝۱۲** کے ذیل میں گزر چکا ہے اور وہ یہ کہ مکہ معظمہ کے مشرکین نے یہ مشورہ کیا کہ اس شہر میں آنے والوں کو رسول اللہ ﷺ سے دور رکھنے کے لیے مختلف راستوں پر بیٹھ جاؤ جب اس پر عمل کیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ جس کسی قبیلے کا کوئی نمائندہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھتا تو جھوٹی باتیں کر کے اسے وہیں سے برگشتہ کرتے تھے جب وہ لوگ اپنی قوم میں واپس ہوتے اور ان کی قوم کے لوگ دریافت کرتے کہ کیا معلوم کر کے آئے ہو تو یہ نمائندہ انہیں

راستوں پر بیٹھے والوں کا قول نقل کر دیتا تھا اور کہہ دیتا تھا اساطیر الاولین (کہ یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیاں ہوتی ہیں) اور ان نمائندوں میں سے جو شخص یہ طے کر لی لیتا کہ مجھے اصل بات کا پتہ چھانا ہی ہے تو وہ ان لوگوں کی باتوں میں نہ آتا تھا اور حضور مقررہ شخص تک پہنچ ہی جاتا تھا یہ شخص مکہ معظمہ میں داخل ہوا تا اور مؤمنین سے ملاقات کرتا اور آنحضرت سرور عالم ﷺ کے بارے میں دریافت کرتا تو اہل ایمان جواب میں کہتے تھے کہ آپ کی وغرت حق ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ پر خیر نازل فرما لیا ہے مؤمنین کا جو آپ سے کریم نمائندہ مطہر ہوا تا اور پھر وہ جس جا کر اپنی قوم کو مطہرین کر دیتا تھا۔

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۰﴾

یعنی اگلے معاندین بھی اسی طرح غرور و غفلت کے نشے میں پڑے رہے تھے۔ باطل پرستی میں تہاوری ہوتی رہی، تو یہ کے وقت تو یہ نہ کی، اخیر تک انبیاء کی تکذیب و مخالفت پر تلے رہے اور ان کی باتوں کی ہنسی اڑاتے رہے۔ آخر جو کیا تھا سانسے آیا اور عذاب الہی وغیرہ کی جن خبروں سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے وہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ ان کا استہزاء و تمسخر اسی پر الٹ پڑا، بھاگ کر چین بچانے کی کوئی سبیل نہ رہی اپنی شرارتوں کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ جو بویا تھا سو کاٹا۔ خدا کو ان سے کوئی پیر نہ تھا اس کے یہاں ظلم و تعدی کا امکان ہے۔ ان لوگوں نے اپنے پاؤں پر خود کھپاڑی ماری کسی کا کیا بگڑا کی کا نقصان ہوا۔

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبْدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ وَحُنُّ وَاَبَاؤُنَا وَا

لَا حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ﴿۱۱﴾ مِنَ النَّجَائِرِ وَالشَّرَائِبِ فَاثْرَأ كُنَّا وَتَحَرَّيْمُنَا بِمَشِيئَتِهِ فَهَوَ رَاضٍ بِهِ قَالَ

تَعَالَى كُنْ لَكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴿۱۲﴾ أَيْ كَذَّبُوا رُسُلَهُمْ فِيمَا سَخَّرْنَا لَهُمْ قَهْلًا فَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا

الْبَلَاغُ الْبَيِّنُ ﴿۱۳﴾ الْإِبْلَاحُ الْبَيِّنُ وَنَيْسَ عَلَيْهِمْ هِدَايَتَهُ وَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا كَمَا بَعَثْنَاكَ

فِي هَؤُلَاءِ أَنْ أَيْ بَانَ اعْبُدُوا اللَّهَ وَخُدُّوهُ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴿۱۴﴾ الْإِوتَانِ أَنْ تَعْبُدُوا مَا فَمِنْهُمْ مِمَّن

هَدَى اللَّهُ فَمَنْ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ وَحِبَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَلَةُ ﴿۱۵﴾ فِي عِلْمِ اللَّهِ فَلَمْ يُوْمِرْ فَمَنْ فَمِنْهُمْ مَنْ فَمِنْهُمْ مَنْ فَمِنْهُمْ مَنْ

مَكَّةَ فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْكَاذِبِينَ ﴿۱۶﴾ رُسُلَهُمْ مِنَ الْهَلَكَ إِنْ تَحْرُصُ

بِمُحْتَدٍ عَلَى هُدَاهُمْ وَقَدْ أَضَلَّهُمُ اللَّهُ لَا تَقْدِرُ عَلَى ذَلِكَ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۱۷﴾ وَالْفَاعِلُ

مَنْ يُضِلُّ مَنْ يُرِيدُ الضَّلَالَهَ وَمَا لَهُمْ مِنْ نُصْرِينَ ﴿۱۸﴾ مَا يَعْنِي مِنْ عَذَابِ اللَّهِ وَاقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ

أَيْبَانِهِمْ أَيْ عَاقِبَةُ اجْتِهَادِهِمْ فِيهَا لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مِنْ يَمُوتُ ﴿۱۹﴾ قَالَ تَعَالَى بَلَى يَعْذِبُهُمْ وَعَذَابٌ عَلَيْهِ

حَقًّا مُعَذَّرَانِ مَوْكِدَانِ مَنصُوبَانِ بِفَعْلِهِمَا الْمُقَدَّرَانِ وَعَذَابٌ ذَلِكَ وَعَذَابٌ حَقٌّ حَقًّا وَكَلِمَاتُ الَّذِينَ

النَّاسِ أَيْ أَهْلُ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١١﴾ ذَلِكَ لِیُبَیِّنَ مُتَعَلِّقًا بَیْنَهُمُ الْمُقَدَّرَ لَهُمُ الَّذِي یُخْتَلِفُونَ مَعِ الْمُؤْمِنِينَ فِيهِ مِنْ أَمْرِ الدِّینِ بِتَعَدُّیَّتِهِمْ وَأَنَّابَةِ الْمُؤْمِنِينَ وَلِیَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَذِبِینَ ﴿١٢﴾

فِي انْكَارِ النَّبُؤِثِ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَيْ أَرَدْنَا بِإِجَادَتِهِ وَقَوْلُنَا لَمَنْ نَشَاءُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿١٣﴾ أَيْ فَهُوَ يَكُونُ وَفِي قِرَاءَةِ بِالنَّبْصِ عَطْفًا عَلَى نَقُولِ وَالْآيَةُ لِتَقْرِيرِ الْقُدْرَةِ عَلَى النَّبُؤِثِ

ترجمہ: اور مکہ کے مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کر سکتے اور اس کے حکم بغیر کسی چیز کو حرام نہ ٹھہراتے (جیسے بکیرہ اور سناپ جانور، پس ہمارا شریک کرنا اور ان جانوروں کو حرام ٹھہرانا اس کی بیشیت سے ہے لہذا ان باتوں سے خوش ہے، حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں) ایسا ہی کیا ان سے انگوٹے بھی (یعنی اپنے پیغمبروں کی لائی ہوئی باتوں کو جھٹلایا) سورہوں کے ذمہ نہیں ہے مگر پہنچا دینا، صاف صاف (واضح طور پر) بیان کر دینا ان کا کام ہے کسی کو ہدایت دینا ان کی ذمہ داری نہیں ہے) اور ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول پیدا کیا ہے (جس طرح ہم نے آپ کو ان لوگوں میں سے رسول بنا کر بھیجا ہے) کہ اللہ کی بندگی کرو (ان سے پہلے بامخوف ہے یعنی بان ہے اور بندگی سے مراد اللہ کو ایک ماننا ہے) اور جو معبودان باطلہ سے (یعنی بتوں کی پرستش نہ کرو) پھر کسی کے لئے حق میں سے ہدایت کی راہ کھول دی (کہ وہ ایمان لے آیا) اور کسی پر گمراہی ثابت ہوئی (علم خداوندی میں، اس لئے وہ ایمان نہیں لاسکا) سو سفر کرو (اے کفار مکہ!) انگوٹوں میں پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا (اُن سے پیغمبروں کو جھٹلانے والے آخر ہاک ہوئے) اگر آپ (اے محمد) طمع کریں ان کو راہ پر لاسنے کی (جن کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہے تو آپ راہ راست پر نہیں لاسکتے) کیونکہ حق تعالیٰ راہ نہیں دیتا (یہ ہدی معروف و مجہول دونوں طرح سے ہے) جس کو بچلاتا ہے (جن کے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے) اور ان لوگوں کا کوئی مددگار نہیں (اللہ کے عذاب سے ان کو کوئی بچائے والا نہیں) اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی سخت قسمیں (مکمل زور لگا کر قسم کھاتے ہیں) کہ جو مر جائے گا اللہ دوبارہ اس کو نہیں اٹھائے گا (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) ہاں ضرور (اٹھائے گا) اس پر پکا وعدہ ہو چکا ہے (یہ دونوں مصدر تاکید کے لئے ہیں اور فعل مقدر کی وجہ سے منسوب ہیں یعنی وعدہ اللہ و خد او حقه حقا) لیکن اکثر لوگ (یعنی مکہ کے رہنے والے) نہیں جانتے (اس بات کو) اٹھائے گا یا کہ ظاہر کر دے (یَبْعَثُهُمْ فَعِلَ مُقَدَّرٌ مَتَعَلِّقٌ هُنَا) ان پر وہ بات جس میں وہ جھگڑتے ہیں (اہل ایمان کے ساتھ) کفار کے عذاب اور اہل ایمان کے ثواب جیسے دینی معاملات میں (اور تاکہ جان لیں کافر کہ وہ جھوٹے تھے) دوبارہ زندہ کئے جانے کے انکار کرنے میں (بنا جب ہم کسی چیز کو کرنا چاہیں تو ہمارا یہی کہنا کافی ہوتا ہے) (یعنی جب کسی چیز کو ہم موجود کرنے کا ارادہ کر لیں لفظ قولنا مبتدا ہے اور اس کی خبر اگلا جملہ ہے) کہ "تو ہو جائے وہ ہو جاتی ہے" (فمکون فہو یکنون تھا، اور یک قراءت میں مکون نصب کے ساتھ ہے نقول پر عطف کرتے ہوئے آیت کریمہ کا مقصد بحث بعد الموت پر حق تعالیٰ کی قدرت کا بلکہ بیان کرنا ہے

کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بلکہ بیان کرنا ہے

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قولہ: بَانَ:** ان مصدر یہ ہے تفسیر یہ نہیں کیونکہ اس کی شرائط نہیں۔
- قولہ: اَنْ تَعْبُدُوْهَا:** یہاں مضاف مخذوف ہے اور وہ عبادۃ ہے۔ یعنی عبادۃ الطاغوت سے پرہیز کرو۔
- قولہ: وَقَدْ اَضَلَّهُمُ اللّٰهُ:** اس سے مقید کیا تاکہ عدم قدرت کا ترتب حرص پر ہو۔
- قولہ: لَا تَقْدِرُ عَلٰی ذٰلِكَ:** اس سے اشارہ کیا کہ جزاء مقدر ہے۔ اس کی علت کو اس کے قائم مقام کیا گیا ہے۔
- قولہ: بِالْبَيْتِ الَّذِيْ لَمْ تَقْعُوْا:** اگر اس کو مجہول پڑھا جائے تو من یضلل مبتداء اور لا یبھدی یہ اس کی خبر بنے گی اس کا مطلب یہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے گمراہ کر دیا جائے وہ اس کی طرف راہ نہیں پاسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فعل میں تبدیلی نہیں۔
- قولہ: مَنْ يُرِيدْ اِضْلَآكُ:** اس سے تفسیر اس لئے کی کیونکہ اگر مراد حقیقی ضلالت ہو تو ہدایت کی نفی کی ضرورت نہیں جیسا واضح ہے۔
- قولہ: اَرٰ ذٰنَا اِیْجَادَہُ:** یہاں مضاف ایجاد کو مقدر مانا۔
- قولہ: فَهُوَ یَكْتُمُ:** ان یكون مبتداء مخذوف کی خبر ہے۔ اور جملہ محل نصب میں جواب امر ہے۔
- قولہ: وَعَطَفًا عَلٰی نَقْوٰی:** اس بناء پر نہیں کہ یہ جواب امر ہے۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ الَّذِينَ اشْرَكُوا ----

مشرکین کے ایک معنی کی تردید:

یعنی یہ کہ وہ لوگ اپنے کفر و شرک اور اپنے شرکیہ اعمال کے لئے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے استدلال کرتے تھے، یعنی یہ کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ کسی چیز کو از خود حرام ٹھہراتے۔ یعنی بحیرہ و سائبہ وغیرہ جن چیزوں کو انہوں نے از خود حرام قرار دے رکھا تھا۔ مشرکین کے اس قول باطل کا مدعا مقصد یہ تھا کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں خدا تعالیٰ کے حکم و ارشاد اور اس کی رضا اور مشیت سے کرتے ہیں۔ اور اس پر وہ راضی ہے۔ ورنہ ہم ایسا کیوں کرتے۔ اور وہ ہمیں اس کے لیے یہ چھوٹ کیوں دیتا؟ حالانکہ مشیت خداوندی اور چیز ہے اور رضائے خداوندی بالکل دوسری چیز۔ اس کی مشیت سے اس کی رضا لازم نہیں آتی۔ وہ کفر و شرک اور معاصی و ذنوب پر کبھی راضی نہیں ہو سکتا۔ سبحانہ و تعالیٰ: اس کا اپنا ارشاد اور قول فصل ہے۔ (وَلَا يَرْضٰی لِبَعَادٰہِ الْکُفْرِ) (الزمر: ۷) سو مشرکین کا یہ قول محض ایک قول باطل، مغلطہ اور محض ایک عذر رنگ ہے جس سے وہ اپنے باطن کی سیاحتی کو اور گہرا اور پکا کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ مشرک لوگ کہتے ہیں کہ ہم جن خود ساختہ بتوں اور معبودوں کی پوجا پاٹ کرتے اور بحیرہ و سائبہ وغیرہ جن چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں تو یہ سب اللہ کی مرضی سے کرتے ہیں۔ ورنہ وہ ہمیں ایسا کیوں کرنے دیتا۔ ہمیں اپنی قدرت سے ان کاموں سے روک دیتا۔ سو یہ ان لوگوں کی محض کج بھٹی اور کٹ جھٹی ہے

موجودہ کفار و مشرکین اپنے پیشروں کے طسریے پر:

چنانچہ ان لوگوں کے اس مغالطے کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اسی طرح کیا ان سے پہلے کے لوگوں نے، سوان کا ایسا کہنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ اسی طرح کیا ان سے پہلے کے اہل کفر و باطل نے کہ وہ بھی اسی طرح اپنے کفر و باطل پر اڑے رہے۔ اور حق کے مقابلے میں طرح طرح کی حجت بازیوں اور فریبوں سے کام لیتے رہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنے آخری اور ہولناک انجام کو پہنچ کر رہے۔ تو جب دونوں فریقوں کے جرائم ایک سے ہیں تو ان کے عذاب بھی ایک جیسے ہوں گے۔ سو دور حاضر کے ان اہل کفر و باطل کو ان گزشتہ اقوام سے سبق لینا چاہیے اور ایسے ہولناک انجام سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے۔ قبل اس سے کہ یہ اسی انجام سے دوچار ہوں جس سے وہ لوگ دوچار ہو چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون سب کے لئے ایک اور بے لاگ ہے۔ سو فرصت عمر کے تمام ہونے سے پہلے ایسے لوگوں کے لئے تلافی یافتہ کا موقع موجود ہے مگر اس کے بعد اس کا کوئی موقع ممکن نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے اپنے کرائے کا بھگتنا ہوگا۔

فَهَلْ عَلَى التَّوَسُّلِ إِلَّا لِيَبْلُغَ الْمُبِينُ ۝

پنجمیہ سروں کے ذمے پیغام رسانی ہے اور بس:

اس کے بعد ان کی ذمہ داری ختم۔ سو ارشاد فرمایا گیا کہ پیغمبروں کے ذمے تو صرف پیغام حق کو پہنچانا ہے کھول کر اور بس۔ آگے منواتا تو ان کے بس میں ہے اور نہ ہی یہ ان کی ذمہ داری ہے۔ بلکہ یہ امر تو اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہے نور حق و ہدایت سے سرفراز فرمادے اور جس کو چاہے اس سے محروم کر دے کہ اس چیز کا مدار و انحصار اصل میں انسان کے اپنے باطن اور اس کی نیت و ارادہ پر ہے۔ سو جس میں طلب صادق اور نیت خالص موجود ہوگی اس کو وہ اپنے کرم سے نور حق و ہدایت سے نوازے گا۔ اور جو طلب صادق اور نیت خالص سے محروم ہوگا وہ نور حق و ہدایت سے بھی محروم رہے گا۔ اور لوگوں کے دلوں اور ان میں پوشیدہ نیتوں کا حل اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں سجانہ و تعالیٰ۔ وہی جانتا ہے اور پوری طرح جانتا ہے کہ کس کے باطن کی کیفیت کیا ہے اور کون کس کے لائق ہے؟ اس لئے عقل و خرد کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے اس خالق و مالک سے اپنے ظاہر و باطن کا معاملہ صحیح رکھے کہ اس سے اس کی کوئی بھی حالت اور کیفیت کسی بھی طرح مخفی نہیں رہ سکتی۔ بس ہمیشہ اور حال میں اس کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح رکھنے کی کوشش کرے و باللہ التوفیق۔ تبلیغ حق کے بعد قبول حق کی ذمہ داری خود لوگوں کے اپنے ذمے ہے۔ اس کے بعد لوگ اپنے کئے کرائے کے خود ہی ذمہ دار اور جوابدہ ہونگے اور انکے لئے کسی عذر و معذرت کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ...

کیا پاکستان و ہندوستان میں بھی اللہ کا کوئی رسول آیا ہے؟

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا اس آیت سے نیز دوسری آیت: وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ سے ظاہر ایسی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان و پاکستان کے علاقوں میں بھی اللہ کے پیغمبر ضرور آئے ہوں گے۔ خواہ وہ ہمیں کے ماشدے ہوں یا

کسی دوسرے ملک میں ہوں اور ان کے نائب اور ملحق ہوں اور آیت: لَنْ نُجِزَ قَوْمًا مَا أَنهَمُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ جَزِيَةً
 معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ جس امت کی طرف بھیجے گئے ہیں ان کی طرف آپ ﷺ سے پہلے کسی رسول نہیں آیا اس کا
 جو نائب ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد بظاہر وہ قوم عزیم ہے جو آپ کی بعثت و تہوٹ کی سبب سے پہلے مخاطب ہوئی اگر ان میں
 حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد سے کوئی رسول نہیں آیا تھا ہی ایسے ان لوگوں کا لقب قرآن کریم میں امین رکھ دیا ہے اس لئے کہ
 لازم نہیں آتا کہ باقی دنیا میں بھی آپ سے پہلے کوئی رسول نہ آیا ہو واللہ اعلم بالارباب۔ اور آیت: لَنْ نُجِزَ قَوْمًا مَا أَنهَمُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ جَزِيَةً
 -- إِنَّ تَخْوِضَ عَلَى هَذَا نَهْمًا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الضَّالِّينَ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٥٤﴾ آیت میں اس کا جواب ہے کہ جو لوگ
 رسول اللہ ﷺ کے لقب مبارک میں اس لقب کا بہت زیادہ تقاضا تھا کہ جو کون ان کے نائب بنے جن کی دعوت میں گروہ
 ہوں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلا رہا ہوں یہ لوگ ایمان قبول کر ہی نہیں، لیکن سارے انبیاء نون کا اعلان قبول کر لیا اللہ
 تعالیٰ کے قضا و قدر میں نہیں ہے اس لیے ارشاد فرمایا: لَنْ نُجِزَ قَوْمًا مَا أَنهَمُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ جَزِيَةً (اگر آپ حرم
 کریں تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گروہ فرماتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے جو لوگ اس کے نائب بنیں وہ نہیں ہوں گے
 آپ اپنا کام کرتے رہیں جسے ایمان نہیں لانا وہ ایمان نہ لائے گا۔ مَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ اور جو لوگ گمراہی اختیار
 کریں گے اور اس کی وجہ سے آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے اللہ کے لیے کوئی مددگار اور حمایتی نہ ہوگا، اگر یہ لوگ یہ سمجھتے ہوں تو

کہ ہم اللہ کے علاوہ جن لوگوں کی پرستش کرتے ہیں وہ ہمیں اللہ کے عذاب سے بچا لیں گے تیزان کی جہالت اور حماقت ہے۔
 وَإِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَا أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٥﴾ اور ان کے لئے آیت: مَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ اور
 لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوتا تھا کہ میرے بے بعد لوگ کیسے زندہ کیے جائیں گے اللہ جل شانہ نے ان کا استہزاء دور
 فرمایا اور اپنی قدرت کا علم بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا: إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَا أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٥٥﴾ (کہہ
 جب ہم کسی چیز کو وجود میں لائے گا اور وہ کہہ کر ہی تو ہوا اور یہ فرمادیا کافی ہے کہ ہوا اللہ اور وہ چیز وجود میں آجاتی ہے) مطلب یہ ہے
 کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کے پیدا کرنے پر قدرت ہے، جس کی چیز کا پیدا کرنا اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے جس نے پہلے سب
 کو پیدا فرمایا وہ اس بات پر کیسے قادر نہ ہوگا کہ دوبارہ پیدا فرمادے، قیامت میں اور بعث و نشر کا انکار کرنے والے یہ تو جانتے ہیں
 کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کوئی پیدا فرمایا ہے لیکن یہ بات نہیں مانتے کہ موت کے بعد دوبارہ پیدا ہوں گے۔ سورۃ قیامت میں ان کے
 استبعاد کو دور فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: أَفَعِيبَتْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ﴿٥٦﴾ (کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے ٹھک گئے) اور سورۃ یس میں
 فرمایا: قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٥٧﴾ (آپ فرمادیں گے کہ ان کی ہولی ہڈیوں کو وہی
 زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا فرمایا اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) جس کے (کن) (ہوگا) فرماتے سے ہر چیز کا
 وجود ہو جاتا ہے اس کے بارے میں یہ کہنا کہ دوبارہ کیسے پیدا فرمائے گا جہالت ہے اور حماقت ہے۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ لِقَائِهِ إِذْ يُؤْتِيهِمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ أَجْرًا جَدِيدًا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ لِقَائِهِ إِذْ يُؤْتِيهِمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ أَجْرًا جَدِيدًا

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ لِقَائِهِ إِذْ يُؤْتِيهِمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ أَجْرًا جَدِيدًا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ لِقَائِهِ إِذْ يُؤْتِيهِمْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ أَجْرًا جَدِيدًا

الْبَيْتِ الْكِبَرِ لَوْ أَقْبَرُوا مِنْهُمْ مِمَّنْ صَبَرُوا عَلَيَّ أَدَى الْمَشْرِكَمِ وَالْهَجْرَةَ لِأَظْهَارِ الدِّينِ وَعَلَى رِجْلِهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٥٥﴾ فَاقْبُرُوا فِيهِمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُونَ ﴿٥٦﴾

لَا تَلَايَكُمُ فَسَلُّوا أَهْلَ الدِّكْرِ الْعُلَمَاءَ بِالتُّورَةِ وَالْإِنْجِيلِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٥٦﴾ ذَلِكَ فَاتَهُمْ يَمِينُهُ وَاتَّبَعُوا إِلَى تَضْيِيقِهِمْ أَقْرَبَ مِنْ تَضْيِيقِ الْمُؤْمِنِينَ فَجَعَلَ ضَلَى إِلَهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَيْتِ

بِشَقْلِ بَيْتِ حُدُوفِ أَيْ أَرْسَلْنَا لَهُمُ بِالْحَجَّجِ الْوَاضِحَةِ وَالزَّيْبِ الْكُتْبِ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ الْقُرْآنَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ مِنْ الْبَيِّنَاتِ وَالْحُرْمِ وَالْحَلَالِ مِنْ بَيْنِهِمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ فِي ذَلِكَ يُعْتَبِرُونَ

أَفَأَمَّنَ الَّذِينَ مَكَرُوا الْأَمْكَرَاتِ الشَّكَايَاتِ بِالنَّبِيِّ فِي دَارِ الْكُدُومِ مِنْ تَضْيِيقِهَا أَوْ أَخْرَجَهُمْ كَمَا ذَكَرَ فِي لَانْقَالَ إِنْ يَخْسِفُ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ كَفَارُونَ أَوْ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٨﴾

أَيُّ مِنْ جِهَةِ لَا يَحْتَسِبُونَ جَاهِلِيَّةً زُقْلًا أَهْلِكُوا بَيْتَهُمْ كَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ذَلِكَ أَوْ يَأْخُذُهُمْ فِي تَقْلِبِهِمْ فِي أَسْفَارِهِمْ لِتَجَارِهِ فَمَا هُمْ بِمُحْجَرِينَ ﴿٥٩﴾ بِفَاتِنِ الْعَذَابِ أَوْ يَأْخُذُهُمْ كُلُّ نَحْوٍ تَقْصُصُ شَيْئًا فَشَيْئًا حَتَّى يَهْلِكَ الْجَمِيعُ أَجَالٌ مِنْ أَلْفِ عَامٍ أَوْ أَلْفِ مِئْتَةٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَّءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٦٠﴾ حَيْثُ لَمْ

يَعْلَمُوا بِشَيْءٍ بِالْعُقُوبَةِ وَكَمْ يَكُونُوا إِلَى مَا حَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ لَمْ يَطَّرُ كَشَجَرٍ وَجَنَلٍ يَتَفَيَّؤُا تَحْتَهُ ظِلُّهُ عَنِ الْبَيْتِ وَالشَّيْبَانِ يَجْمَعُ شَيْئًا رَأَى عَنْ جَانِبِهَا أَوَّلَ النَّهَارِ وَآخِرَهُ سَجْدًا لِلَّهِ حَالًا أَيْ خَاضِعِينَ بِمَائِزِ إِذْ مَنَّهُمْ وَأَهْمُ بَأَى الظُّلْمِ وَالْجُرُومِ ﴿٦١﴾ ضَالِّينَ لَوْ أَنَّ مَرْكَةَ الْعُقُلَاءِ وَإِلَيْهِ يُسْجَدُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ أَيْ نَسْمَةٍ تَدْبُ عَلَيْهِهَا أَيْ يَخْضَعُ لَهُ بِمَائِزِ إِذْ مَنَّهُ وَعَلَّتْ فِي الْإِيمَانِ بِمَا مَالَا

تَقَعَلُ لِكَثْرَتِهِ وَالْمَلِكَةُ نَحِصَهُمْ بِالذِّكْرِ تَضْيِيقًا وَهَمَلًا سَتَكْبَرُونَ ﴿٦٢﴾ يَكْفُرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ يَخَافُونَ أَى الصَّلَاةِ حَالٌ مِنْ صَمِيرٍ يَسْتَكْبِرُونَ رَبَّهُمْ مِنْ لَوْ قِهِمْ حَالٌ مِنْ هَمٍّ أَيْ غَالِيًا عَلَيْهِمْ بِالْفَهْرِ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٦٣﴾

الْبَيْتِ الْكِبَرِ

الْبَيْتِ الْكِبَرِ

الْبَيْتِ الْكِبَرِ

ترجمہ: اور جنہوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے (اس کا دین قائم کرنے کے لئے) ان پر ظلم و ستم ہو چکنے کے بعد (اہل مکہ

کی طرف سے جنہیں ستایا گیا یعنی نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہؓ) انہیں ہم دنیا (مدینہ) میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا ثواب (جنت) تو بہت بڑا ہے کاش یہ لوگ جان لیتے (یعنی کافر یا ہجرت سے رہ جائیو الے اگر مہاجرین کے مرتبہ سے واقف ہو جاتے تو یہ لوگ بھی ہجرت والوں کا ساتھ دیتے) یہ لوگ ایسے ہیں جو ثابت قدم رہے (دین کے غلبہ کی خاطر، مشرکوں کے ستانے پر اور ہجرت کی تکلیف گوارا کی) اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں! (اس لئے اللہ انہیں ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں ان کا دہم و گمان بھی نہیں جاسکتا) اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسولوں کو بھیجا تو وہ آدمی تھے جن کے پاس ہم نے وحی بھیجی (وہ فرشتے نہیں تھے) پس اہل علم (علماء تورات و انجیل) سے پوچھ لو اگر تمہیں علم نہیں (کیونکہ اہل کتاب ان باتوں سے واقف ہیں اور تمہیں ان کی تصدیق پر زیادہ اطمینان ہوگا بہ نسبت مسلمانوں کی تصدیق کے آنحضرت ﷺ کے متعلق) اور ہم نے ان پیغمبروں کو روشن دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا (لفظ بالویت مخدوف سے متعلق ہے) یعنی ارسلنا ہم بالحق الواضح) اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ واضح طور پر بیان کر دیں جو مضامین ان لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں (قرآن کریم میں حلال و حرام سے متعلق) اور اس لئے کہ وہ غور و فکر کریں (ان باتوں میں اور پھر ان سے عبرت حاصل کریں) پھر جن لوگوں نے بری بری تدبیریں کیں (نبی کریم ﷺ کے بارے میں دارالندوہ میں جمع ہو کر کسی نے قید کرنے کا مشورہ دیا، کسی نے قتل کر دینے کا اور کسی نے جلاوطن کر دینے کا جیسا کہ سورہ انفال میں گذر چکا ہے) کیا وہ اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں (قارون کی طرح) دھنسا دے؟ یا ایک ایسے راستہ سے عذاب ان پر آپڑے جس کا انہیں دہم و گمان بھی نہ ہو؟ (یعنی ایسی طرف سے عذاب آ جائے جس کی طرف دھیان بھی نہ جاسکے چنانچہ بدر میں یہ مشرکین تباہ ہوئے حالانکہ انہیں اس کا خیال تک نہ تھا) یا (تجارتی سفروں میں) عذاب الہی آتے جاتے انہیں آ پکڑے) سو یہ لوگ اللہ کو ہرگز ہر انہیں سکتے (عذاب سے بچ نہیں سکتے) یا انہیں گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے (آہستہ آہستہ یہاں تک کہ سب ہلاک ہو جائیں یہ فاعل یا مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے) بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت والا، بڑا ہی رحمت والا ہے (جلد سزا نہیں دیتا) کیا انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں (درختوں پہاڑوں) کو نہیں دیکھا جن کے ساتھ کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف ڈھلکتے رہتے ہیں، (شمال، شمال کی جمع ہے یعنی صبح ایک طرف اور شام دوسری طرف سائے جھکتے رہتے ہیں) کہ اللہ کے سامنے سجدہ کرتے رہتے ہیں (یہ حال واقع ہے یعنی اللہ کے حکم کے تابع دار ہیں) اور یہ (سائے) سب کے سب اس کے آگے مطیع ہیں (ان سیوں کو عقلاء کے درجہ میں مان لیا گیا ہے) اور آسمان میں جتنی چیزیں ہیں اور زمین میں جتنے جانور ہیں (یعنی زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں وہ سب اس مقصد کو پورا کر رہے ہیں جس کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے اور یہاں غیر ذوی العقول کی کثرت کی وجہ سے "ما" کے ساتھ تعبیر کرنے میں انہیں کی رعایت کی گئی ہے) اور فرشتے سر بسجود رہتے ہیں (بطور خاص فرشتوں کا ذکر ان کی فضیلت ظاہر کرنا ہے) اور وہ تکبر نہیں کرتے وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں (یعنی فرشتے میخافون، بستکبیرون کی ضمیر سے حال واقع ہے) اپنے اوپر سے (یہ ہم ضمیر سے حال واقع ہے یعنی ان پر بالادستی رکھنے والا طاقت کے ساتھ) اور کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں (جس چیز کے کرنے کا حکم دیا جاتا ہے)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قولہ: **لَا تَأْمَنُ دِينَهُ**: فی لام کے معنی میں ہے اور مضاف مخذوف ہے۔
- قولہ: **الْكَفَّارُ**: یہاں سے اشارہ کیا کہ ضمیر کا مرجع مہاجرین نہیں اگرچہ ان کا قریب میں تذکرہ ہے کیونکہ توجہ کہ اتقاء کے لئے آتا ہے وہ ان کے احوال کے مناسب نہیں۔
- قولہ: **نَالِلُهُمْ**: جریئین: یہ یعلمون کا مفعول ہے۔
- قولہ: **لَوْ أَقْفَوْهُمْ**: لوکا جواب مخذوف ہے نہ کہ ماقبل۔
- قولہ: **هُمُ الَّذِينَ**: یہ مدح کی وجہ سے محل رفع میں واقع ہے۔
- قولہ: **الْعُلَمَاءُ بِالتَّوْرَةِ**: یہاں کتاب کو ذکر فرمایا کیونکہ وہی نصیحت ہے۔
- قولہ: **فِي أَنفُسِهِمْ**: ان کا جواب مخذوف ہے۔
- قولہ: **مُتَعَلِّقٌ بِمُحَدِّثٍ**: یعنی دواارسلنا یا لوجی کے ساتھ نہیں یا لایعلمون کے ساتھ بھی نہیں۔
- قولہ: **بِالسُّجُجِ الْوَاضِحَةِ**: کتب کے ساتھ ان کی مغایرت بیان کی۔
- قولہ: **الْقُرْآنَ**: اس کو ذکر سے تعبیر فرمایا کیونکہ وہ نصیحت و تنبیہ ہے پس یہ سب کو مسبب کا نام دے دیا۔
- قولہ: **فِيهِ مِنَ الْخَلَالِ**: اس کو مقدر مانا تا کہ معلوم ہو کہ یہ تمہیں حلال و حرام کے اعتبار سے ہے۔
- قولہ: **تَنْقُصُ**: یعنی ان کے جان و کی لائی جائے جبکہ عذاب سے پکڑے جانے کا خطر ہو نہ کہ اچانک۔
- قولہ: **جَمْعٌ شِمَالٍ**: یہ انسان کے یمن و شمال سے استعارہ ہے۔ شاید یمن کو واحد اور شمال کو جمع! تا اس لحاظ سے ہو کہ اول میں ما کے لفظ کا لحاظ دوسرے میں معنی کا لحاظ ہے۔
- قولہ: **عَنْ جَانِبَيْهَا**: یمن و شمال جو انب کے لحاظ سے کہہ دیا۔
- قولہ: **حَالٌ**: یعنی ظلال سے حال ہے صفت نہیں۔
- قولہ: **خَاضِعِينَ**: خواہ طبعی ہو یا اختیاری۔
- قولہ: **وَهُمْ ذَخِرُونَ**: یہ ظلال سے دوسرا حال ہے۔
- قولہ: **الدَّبِيبُ**: زمین و آسمان میں کسی جگہ حرکت کو کہا جاتا ہے۔
- قولہ: **حَالٌ مِنْ ضَمِيرٍ**: یعنی یہ يستکبرون کی ضمیر سے حال ہے اور من فوعمم یہ ہم ضمیر سے حال ہے۔ یعنی اس حاں میں کہ وہ ان پر قہر سے غالب ہے۔

تفسیر مقبولین

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ.....

فی سبیل اللہ ہجرت کرنے والوں سے دنیا و آخرت کی خیر و خوبی کا وعدہ

مکہ معظمہ میں جب رسول اللہ ﷺ نے توحید کی دعوت دینا شروع کی تو مشرکین مکہ کو بہت زیادہ ناگوار ہوا یہ لوگ آپ کے بھی دشمن ہو گئے اور جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے ان سے بھی دشمنی کرتے تھے، شروع میں عموماً ایسے لوگوں نے اسلام قبول کیا جو دنیاوی اعتبار سے بڑے نہیں سمجھے جاتے تھے یہ لوگ پردیسی تھے مالی اعتبار سے کمزور تھے اور ان میں بعض غلام مشرک کے مشرک انہیں مارتے پیٹتے تھے اور بہت تکلیف پہنچاتے تھے۔ لہذا رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو حبشہ جانے کی اجازت دے دی، حبشہ میں نصرانی حکومت تھی یہ حضرات وہاں پہنچے آرام سے رہنے لگے لیکن مکہ معظمہ کے مشرکوں نے وہاں بھی پہنچا کر وہاں جا کر بادشاہ کو بہکا یا اور غلایا اور کہا کہ ہمارے من کے کچھ لوگ جو نو عمر ہیں اور بے وقوف ہیں انہوں نے نیازیوں اختیار کر لیا ہے۔ اور وہ تمہارے ملک میں آگئے ہیں ان کو واپس کیا جائے، بادشاہ کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ سے عرض کر لیا اور پوری کیفیت بتائی کہ ہم لوگ دینی اعتبار سے ایسے ایسے بد حال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول بھی ہم نے ان کا اتباع کر لیا، یہ لوگ دشمنی کرتے ہیں اور ہمیں تکلیف پہنچاتے ہیں اسی لیے ہم تمہارے ملک میں آگئے ہیں، یہ لوگ بادشاہ اور اس کے متعلقین منظمین ہو گئے اور ان حضرات کو حبشہ میں اطمینان سے رہنے کا موقع مل گیا پھر ان میں سے بعض حضرات واپس مکہ مکرمہ آگئے اور بعض حضرات وہیں رہتے رہے اور ۸ ہجری میں دوسری ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے، ان سے پہلے وہ حضرات مکہ معظمہ سے آچکے تھے جنہوں نے براہ راست مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی، بعض حضرات نے دو ہجرتیں کیں حبشہ بھی پہنچے اور وہاں سے مکہ معظمہ کو واپس پہنچے اور وہاں سے مدینہ منورہ چلے آئے اور بعض حضرات نے ایک ہی مرتبہ ہجرت کی یہ ہجرتیں مشرکین کے ظلم کی وجہ سے تھیں، آیت بالا میں ہجرت کرنے والوں سے ایک تو وعدہ فرمایا ہے کہ ہم انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے دوسرے انہیں آخرت کے اجر سے باخبر فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق حبشہ میں بھی ان کو اچھا ٹھکانہ دیا اور مدینہ میں بھی، اپنے وطن اور اعزہ و اقرباء، مال جائیداد وغیرہ کو چھوڑ دینا جہاں پیدا ہوئے بے بارے آسان نہیں ہے لیکن حضرات صحابہ نے سب کچھ قربان کر دیا تکلیفیں برداشت کیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی انہیں اچھا ٹھکانہ دیا اور آخرت کے ثواب کی بھی خوشخبری دی اور فرمایا: **وَلَا يَجْرُؤُا كُفْرًا** کہ آخرت کا ثواب ان دنیاوی آرام و راحت اور مال و دولت سے بدرجہا بڑا ہے۔

ساتھ ہی **لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ** بھی فرمایا اس کی ضمیر کس طرف راجع ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ بطور جہد معترضہ کافروں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اسلام قبول کرنے کا اور ہجرت کا آخرت والا ثواب جان لیتے تو یہ بھی مسلمان ہو جاتے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس کی ضمیر مہاجرین کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کو عین یقین کے روج

میں اپنی ہجرت کا ثواب معلوم ہو جاتا تو اور زیادہ دینی کاموں میں مشقت برداشت کرتے اور ہجرت کرنے میں جو سختیاں اور دشواریاں برداشت کیں ان پر اور زیادہ خوش ہوتے۔ (روح المعانی ص ۱۶۷ ج ۱)

کیا ہجرت دنیا میں بھی فرائض عیش کا سبب ہوتی ہے؟

آیت مذکورہ میں چند شرائط کے ساتھ مہاجرین کے لئے دو عظیم الثواب وعدے کئے گئے ہیں اول تو دنیا ہی میں اچھا ٹھکانا دینے کا دوسرے آخرت کے بے حساب ثواب عظیم کا دنیا میں اچھا ٹھکانا ایک نہایت جامع لفظ ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ مہاجر کو سکونت کے لئے مکان اور پڑوسی اچھے ملیں یہ بھی داخل ہے کہ اس کو رزق اچھا ملے دشمنوں پر فتح وغلبہ نصیب ہو عام لوگوں کی زبان پر ان کی تعریف اور بھلائی ہو عزت و شرف ملے جو ان کے خاندان اور اولاد تک چلے۔ (قرطبی)

آیت کا شان نزول اصالتاً وہ پہلی ہجرت ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حبشہ کی طرف کی اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہجرت حبشہ اور اس کے بعد کی ہجرت مدینہ منورہ دونوں اس میں داخل ہوں آیت میں یہاں انہی مہاجرین حبشہ یا مہاجرین مدینہ کا ذکر ہے اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ یہ وعدہ انہی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لئے تھا جنہوں نے حبشہ کی طرف یا پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ دنیا میں پورا ہو چکا جس کا سبب نے مشاہدہ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو ان کا کیسا اچھا ٹھکانا بنا دیا یا ایزاء دینے والے پڑوسیوں کے بجائے غمخوار ہمدرد و جاں نثار پڑوسی ملے دشمنوں پر فتح و غلبہ نصیب ہوا ہجرت کے تھوڑے ہی عرصہ گزرنے کے بعد ان پر رزق کے دروازے کھول دیئے گئے فقراء و مساکین مال دار ہو گئے دنیا کے ممالک فتح ہوئے ان کے حسن اخلاق حسن عمل کے کارنامے رہتی دنیا تک ہر موافق و مخالف کی زبان پر ہیں ان کو اور ان کی نسلوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت و شرف بخشا یہ تو دنیا میں ہونے والی چیزیں تھیں جو ہو چکیں اور آخرت کا وعدہ پورا ہونا بھی یقینی ہے لیکن تفسیر بحر محیط میں ابو حیان کہتے ہیں۔

والذین ہاجروا عام فی المہاجرین کائنات ما کانوا فی شمل اولہم و اخرہم و الذین ہاجروا کاللفظ تمام مہاجرین عالم کے لئے عام اور شامل ہے کسی بھی خطے اور زمانہ کے مہاجر ہوں اس لئے یہ لفظ مہاجرین اولین کو بھی شامل ہے اور قیامت تک اللہ کے لئے ہر ہجرت کرنے والا اس میں داخل ہے۔

عام تفسیری ضابطہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آیت کا شان نزول اگرچہ کوئی خاص واقعہ اور خاص جماعت ہو مگر اعمابہ عموم لفظ کا ہوتا ہے اس لئے وعدہ میں تمام دنیا کے اور ہر زمانہ کے مہاجرین بھی شامل ہیں اور یہ دونوں وعدے تمام مہاجرین کے لئے پورا ہونا امر یقینی ہے۔

اسی طرح کا ایک وعدہ مہاجرین کے لئے سورۃ نساء کی اس آیت میں کیا گیا ہے: **وَمَنْ يُهَاجِرْ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرْتَحٰلًا مَّا سَعَتْ** جس میں وسعت مکانی اور فرائض عیش خاص طور سے موعود ہیں مگر قرآن کریم نے ان وعدوں کے ساتھ مہاجرین کے کچھ اوصاف اور ہجرت کی کچھ شرائط بھی بیان فرمائی ہیں اس لئے ان وعدوں کے مستحق وہی مہاجرین ہو سکتے ہیں جو ان اوصاف کے حامل ہوں اور جنہوں نے مطلوبہ شرائط پوری کر دی ہوں،

ان میں سب سے پہلی شرط تو فی اللہ کی ہے یعنی ہجرت کرنے کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو اور میں دنیاوی منافع

تجارت، ملازمت وغیرہ اور نفسانی فوائد پیش نظر نہ ہوں دوسری شرط ان مہاجرین کا مظلوم ہونا ہے۔ **مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا** تیسرا وصف ابتدائی تکالیف و مصائب پر صبر اور ثابت قدم رہنا ہے

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

انسان اور منصب رسالت پر اختتام:

پانچواں شبہ: قال الله تعالى: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحي إِلَيْهِمْ فَسَأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٠٦﴾ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿١٠٧﴾

(ربط) اس آیت میں کافروں کے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں جو وہ کہا کرتے تھے کہ پیغمبر بشر نہیں ہوتا بلکہ فرشتہ ہونا چاہئے۔ یہ لوگ رسالت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے اس لیے ایسا کہتے تھے حق تعالیٰ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جتنے پیغمبر ہم نے پہلے بھیجے وہ سب بشر تھے اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کرو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے فرشتے نازل نہیں کئے، بلکہ انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا اور ان کی صداقت کے لیے ان کو معجزات عطا کیے چنانچہ فرماتے ہیں اور نہیں بھیجا ہم نے رسول بنا کر آپ سے پہلے مگر صرف مردوں کو نہ فرشتوں کو اور نہ عورتوں کو وحی بھیجتے تھے ہم ان کی طرف، مقام نبوت و رسالت مردوں کے لیے مخصوص ہے۔ کسی عورت کو اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول نہیں بنایا اور نہ ان کی طرف وحی نبوت و رسالت بھیجی۔ حضرت مریم اور مادر موسیٰ کی طرف جس وحی کا ذکر آیا ہے وہ وحی الہام اور وحی وایت تھی نہ کہ وحی نبوت و رسالت کیونکہ وحی کا لفظ قرآن کریم میں مختلف معنی میں مستعمل ہوا ہے "الہام" کے معنی میں بھی آیا ہے جیسا کہ واو حی ربك الى النحل میں ایحاء سے وحی الہام مراد ہے۔ اور وان الشياطين ليوحون الى اولياءهم میں ایحاء سے دوسرے مراد ہے اس لیے کہ وحی کے لغوی معنی القاء خفی کے ہیں جو وحی نبوت اور وحی الہام اور دوسرے وغیرہ کو شامل ہیں۔ مشرکین مکہ کہتے تھے کہ شان خداوندی اس سے بالاتر ہے کہ اس کا پیغمبر آدمی ہو اگر خدا کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا تو فرشتوں کو بھیجتا اس پر خدا تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ وہ فرشتوں کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجتا ہے سابق میں اس نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب آدمی تھے اور سب مرد تھے تو محمد ﷺ کی نبوت و رسالت میں کیا استبعاد ہے۔ پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل کتاب سے دریافت کر لو کہ جن میں ہمیشہ پیغمبر آتے رہے وہ تم کو بتا دیں گے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک جو نبی گزرے اور وہاں فرشتہ نہ تھا اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم اس لیے دیا کہ کفار مکہ ان کے علم کے معتقد تھے غرض یہ کہ آپ ﷺ سے پہلے جس قدر نبی بھیجے گئے وہ سب مردوں میں سے تھے اور کھلے معجزات اور صحیفوں کے ساتھ بھیجے گئے اور اسی طرح اے نبی ﷺ ہم نے تیری طرف یہ نصیحت کی کتاب اتاری تاکہ تو تمام لوگوں کے لیے اللہ کے نازل کردہ احکام۔ اوامر و نواہی کو صاف اور واضح طور پر بیان کرے اور نیز یہ نصیحت کی کتاب اس لیے اتاری گئی کہ وہ اس میں غور و فکر کریں اور جانیں کہ یہ مخلوق کا کلام نہیں اور ہدایت پا جائیں۔ غور و فکر سے انسان حق کی راہ پاتا ہے اور عناد اور غفلت آدمی کو تباہ اور برباد کر کے چھوڑتی ہے۔

فائدہ اولیٰ: (۱) اس آیت کے عموم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر عالم پر عالم کی تقلید واجب ہے۔ اور تقلید کے معنی یہ ہیں کہ غیر عالم کسی عالم سے حکم شرعی دریافت کرے۔ اور بغیر دلیل معلوم کیے اس پر عمل کرے تقلید شخص میں کسی خاص امام کی ذات کا

اجماع مقصود نہیں ہوتا اس لیے کہ ذاتی طور پر سوائے رسول خدا ﷺ کے کسی کا اتباع واجب نہیں۔ غیر عالم، عالم شریعت سے جو مسئلہ پوچھتا ہے اس کا مقصود حکم شرعی کا دریافت کرنا ہوتا ہے نہ کہ اس کی ذاتی رائے۔ جو شخص کسی کو نبی کی طرح واجب الاتباع سمجھے وہ کافر ہے البتہ بغیر سند اور بغیر دلیل معلوم کیے کسی حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اعتماد پر صحیح مان لینا یہ تقلید فی الروایت ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور امام مالک رحمہ اللہ علیہ کا علم اور فہم اور ان کے تقویٰ اور ان کی فقہت اور روایت پر اعتماد کر کے قرآن اور حدیث پر عمل کرنا اور ان کے فتویٰ کے مطابق شریعت کا اتباع کرنا۔ تقلید فی الدرایت ہے اور غیر عالم کو عالم کا اتباع واجب ہے اور ظلم و جہول ایک انسان کو جس کا علم بھی ناقص اور فہم بھی ناقص اور تقویٰ بھی ناقص اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے سمجھے ہوئے معنی کے مطابق قرآن و حدیث پر عمل کرے اس پر فرض ہے کہ راہنمائی فی العلم اور مستمطین کی تقلید کرنی ہے ناقص پر کامل کا اتباع عقلاً و شرعاً واجب ہے۔

چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش - باز اراں گریہ و آشوب باش

اور جو شخص اپنے آپ کو علم اور فہم میں ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور امام مالک رحمہ اللہ علیہ کا ہمسر سمجھے اس سے ہمارا خطاب نہیں اور جو اپنی کمتری کا اقرار کرے تو پھر عرض یہ ہے کہ باجماع عقلاء کمتر پر بالاتر کا اتباع واجب ہے معلوم نہیں کہ مدعیان کمتری بالحدیث کے نزدیک عقلاء عالم کا یہ اجماع حجت ہے یا نہیں۔ نابالغ پر بالغ کا اتباع عقلاً و شرعاً واجب ہے بغیر ولی کی اجازت کے نابالغ کا کوئی تصرف بیع و شراء اور نکاح وغیرہ معتبر نہیں اسی طرح علم اور فہم کے نابالغوں کا فتویٰ بغیر ائمہ ہدایت۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور شافعی اور احمد کی تصدیق اور ولایت کے معتبر نہیں یہ حضرات باتفاق اہل علم۔ علم اور عقل اور ہدایت کے بالغ تھے اور آج کے مدعیان عمل بالحدیث اگر یہ کہیں کہ ہم بھی علم اور عقل کے بالغ ہیں ہمیں کسی بالغ کی ولایت کی ضرورت نہیں تو ہم عرض کریں گے کہ آپ اپنے علم و عقل کے بلوغ کی علامتیں بیان کیجئے تاکہ آپ کے دعوے کا صدق ظاہر ہو سکے۔ فَسْتَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۰﴾

نامدہ دوم: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلق تقلید کو فرض فرمایا ہے اور مطلق تقلید کے دو فرد ہیں ایک تقلید شخصی کو سب مسائل ضرور یہ ایک ہی عالم سے پوچھ کر عمل کرے دوسرے تقلید غیر شخصی وہ یہ ہے کہ جس عالم دین سے چاہے حکم شرعی دریافت کر کے اس پر عمل کرے اور آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے دونوں قسموں کو شامل ہے اور ظاہر ہے کہ مطلق کا وجود خارج میں افراد ہی کے ضمن میں ہوتا ہے لہذا تقلید شخصی بھی مامور بہ کا ایک فرد ہوگی فی حد ذاتہ تقلید کی دونوں قسمیں جواز میں برابر ہیں اور صحابہ کرام و تابعین کے زمانہ میں مسلمان اپنے اپنے شہر کے عالم اور مفتی سے حکم شرعی معلوم کر کے اس پر عمل کرتے تھے اور یہ تقلید شخصی تھی قراءت قرآن بہ سببہ احرف جائز اور مخیر تھی مگر حضرت عثمان نے باجماع صحابہ کرام قراءت قرآن کو لغت قریش پر مقصود کر دیا اور باقی حروف پر قراءت قرآن کو ممنوع قرار دیا تقلید غیر شخصی فی حد ذاتہ جائز ہے بشرطیکہ مقصود اتباع شریعت ہو اور بشرطیکہ ہوئے نفسانی سے خالی ہو اور اگر مقصود اتباع ہوئے نفس ہو کہ جس امام کا قول اس کی خواہش اور غرض کے مطابق ہو اس کو لے تو یہ مفہوم ہے اور باجماع امت حرام ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے تقلید غیر شخصی سے دین کھیل تماشہ نہیں پڑھا وہ لامحالہ کسی کی تقلید پر مجبور ہے تو اس زمانہ کے علماء اہل حدیث کی تقلید سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ اور

امام شافعی کی تقلید بہتر ہے۔

اے مسلمانو! امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سنہ ۸۰ ہجری میں گزرے اور صحابہ کرام کو دیکھا اور پھر صحابہ کرام مثلاً حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے شاگردوں سے علم حاصل کیا تو کیا ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ کے علماء اہل حدیث سے بھی گئے گزرے تھے کہ ان کی تقلید تو شرک اور بدعت ہو جائے اور اس زمانہ کے علماء اہل حدیث کی تقلید تو حید بن جائے۔ اے مسلمانو! تم اپنے انجام کو سوچ لو۔ (وما علینا الا البلاغ)۔

بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ۚ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۰﴾

بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ - جار مجرور کس سے متعلق ہے اس کے بارے میں مفسرین نے کئی باتیں لکھیں ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ: وَمَا أَرْسَلْنَا سِوَاكَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں اَنْزَلْنَا مَقْدَرٌ ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہاں اَرْسَلْنَا مَقْدَرٌ ہے یعنی اَرْسَلْنَاكَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ کہ ہم نے آپ کو کھلے ہوئے دلائل کے ساتھ اور ان مضامین کے ساتھ بھیجا جو کتب سابقہ میں بیان کیے گئے ہم نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے اس صورت میں وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ اَرْسَلْنَا مَقْدَرٌ مَعْطُوفٌ ہوگا۔

منکرین حدیث کی تردید:

وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ میں قرآن کو ذکر بتایا کیونکہ وہ عبرتوں اور ”موعظتوں“ پر مشتمل ہے اور ساتھ ہی یوں فرمایا: لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس ذکر کو بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا) اس میں یہ بتا دیا کہ آپ کا کام صرف اتنا ہی نہیں کہ اللہ کی کتاب بندوں تک پہنچادیں بلکہ اس کا بیان کرنا بھی آپ سے متعلق تھا، اس میں ان طحردوں اور زندیقوں کی تردید ہے جو یوں کہتے ہیں کہ رسول کی حیثیت (العیاذ باللہ) ایک ڈاکے کی سی ہے۔ انہوں نے قرآن لا کر دے دیا اب ہم اس کو خود سمجھ لیں گے یہ طحرد خود تو زندق بن ہی چکے ہیں اب چاہتے ہیں کہ امت کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبیں، جب رسول اللہ ﷺ کو درمیان میں سے نکال دیں گے تو عمل کرنے کے لیے پاس رہے گا کیا؟ قرآن مجید میں تو مجمل طریقے پر احکام بیان کیے گئے ہیں اس اجمال کی تفصیل رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، سورۃ نساء میں رسول کی اطاعت کو اللہ ہی کی اطاعت بتایا ہے اور سورۃ آل عمران میں آپ کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ (قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي) اور سورۃ احزاب میں آپ کو مقتدی بتایا ہے اور آپ کی ذات گرامی کو عمدہ نمونہ فرمایا ہے (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) جو شخص قرآن حکیم کو اللہ کی کتاب مانتا ہے اس پر واجب ہے کہ احادیث شریفہ میں وارد شدہ تفصیلات کے مطابق قرآن پر عمل کرے۔ حدیث کے بغیر کوئی شخص قرآن مجید پر چل ہی نہیں سکتا قرآن مجید میں حکم ہے کہ جب نماز کو کھڑے ہو تو ہاتھ منہ دھو لو اور سر کا مسح کر لو جس کو سب عوام و خواص وضو کہتے ہیں لیکن یہ بات کہ کتنی کتنی مرتبہ دھوئے قرآن مجید میں نہیں ہے اور پھر اس وضو کو توڑنے والی کیا چیزیں ہیں یہ بھی قرآن مجید میں نہیں ہے، قرآن مجید میں جگہ جگہ نماز پڑھنے کا حکم ہے لیکن رکعتوں کی تعداد نہیں بتائی، نماز میں نظر کہاں رہے، ہاتھ کہاں ہوں، ہر رکعت میں کتنے رکوع ہیں کتنے سجدے ہیں قرآن مجید نے یہ نہیں بتایا، قرآن مجید میں حج و عمرہ پورا کرنے کا حکم ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ

یہ دونوں کس طرح ادا ہوتے ہیں حج کس تاریخ میں ہوتا ہے طواف میں کتنے چکر ہیں، کہاں سے شروع ہوتا ہے کہاں ختم ہوتا ہے، مغامروہ کے درمیان کتنی مرتبہ آنا جانا ہے احرام کس طرح باندھا جاتا ہے، عمرہ میں کیا افعال ہیں یہ بھی قرآن مجید میں نہیں ہے میت کو غسل دیا جانا اور کفن دفن کا طریقہ بھی قرآن مجید میں ذکر نہیں فرمایا۔

نکاح انسانی زندگی کی اہم ضرورت ہے اس کا انعقاد کس طرح ہوتا ہے اور دیت (خون بہا) میں کیا دینا پڑتا ہے ایک جان کی دیت کتنی ہے اور مختلف اعضاء کی دیت میں کیا دیا جائے یہ سب چیزیں بھی قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں، قرآن مجید میں حکم ہے کہ چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں لیکن یہ نہیں بتایا کہ کہاں سے کاٹا جائے اور کتنا مال چرانے پر کاٹا جائے کیا ایک چنا اور ایک لاکھ روپے چرانے کا ایک ہی حکم ہے، پھر اگر دوسری بار چوری کر لے تو کیا کیا جائے، قرآن مجید میں زانی اور زانیہ کو سو کوڑے مارنے کا حکم ہے اس میں کیا تفصیل ہے متفرق کر کے مارے جائیں یا متواتر، ان سب چیزوں کا جواب قرآن مجید میں نہیں ہے، مذکورہ بالا چیزیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائیں آپ کے بیان فرمانے کے مطابق ہی عمل کیا جائے تب قرآن مجید پر عمل ہوگا۔

قرآن مجید کا اعلان ہے کہ دین کامل ہے اور بے شمار احکام ہیں جو قرآن میں نہیں ہیں اور جو احکام قرآن میں مذکور ہیں وہ مجمل ہیں بیان اور تشریح کے بغیر قرآن مجید پر عمل نہیں ہو سکتا اور یہ بیان و تشریح کا کام اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے سپرد فرمایا ہے جیسا کہ اوپر آیت شریفہ میں واضح طور پر مذکور ہے۔ منکرین حدیث کی یہ کیسی جاہلانہ بات ہے کہ جس پر قرآن مجید نازل ہوا اس کا بیان فرمانا اور اس کی تشریح اور تفہیم معتبر نہ ہو اور ان جاہلوں کی تفہیم اور تشریح معتبر ہو جائے، جو لوگ انکار حدیث کا فتنہ لے کر اٹھے ہیں نہ صرف دُجھوسے واقف ہیں نہ بلاغت و فصاحت سے، نہ انہیں مسیخوں کی پہچان ہے نہ حروفِ اصلیہ و زائدہ کی نہ مادہ اشتقاق سے باخبر ہیں لیکن قرآن دانی کا دعویٰ کر کے خود گمراہ ہو چکے ہیں اور امت مسلمہ کو گمراہ کرنے کا بیڑہ اٹھ رکھا ہے۔ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کو حجت نہ مانے وہ درحقیقت قرآن کا بھی منکر ہے جو شخص قرآن کو ماننے کا دعویٰ دار ہے وہ قرآن کی ان آیات کو کیوں نہیں مانتا جن میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، اقتداء اور اتباع کو فرض قرار دیا گیا ہے اور آپ کے اتباع کو اللہ کا محبوب بننے کا ذریعہ بتایا ہے۔

بات سچی یہ ہے کہ جن لوگوں نے فتنہ انکار حدیث کا شوشہ نکالا ہے یہ لوگ خود سے سوچنے اور کرنے والے نہیں ہیں ان کو یہود و نصاریٰ نے اور مشرکین نے اس کام پر لگایا ہے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر دشمنوں کا کھلونا بن گئے ہیں (اعوذ باللہ

الامة للمسلمة من اباطيلهم)

آیت کے ختم پر فرمایا: لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۰﴾ (تاکہ یہ لوگ فکر کریں) قرآن مجید میں جو عبرت و موعظت اور جو واضح بیانات ہیں اور جو آیات تکوینیہ مذکور ہیں ان میں فکر کرنے سے ہدایت تک پہنچ سکتے ہیں اس کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

اَفَاَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ

اللہ عزوجل کا غضب:

اللہ تعالیٰ خالق کائنات اور مالک ارض و سموات اپنے حکم کا باوجود علم کے باوجود اور اپنی مہربانی کا باوجود غصے کے بیان

فرماتا ہے کہ وہ اگر چاہے اپنے گنہگار بدکردار بندوں کو زمین میں دھنسا سکتا ہے۔ بے خبری میں ان پر عذاب اسکتا ہے لیکن اپنی غایت مہربانی سے درگزر کئے ہوئے ہے جیسے سورۃ تہارک میں فرمایا اللہ جو آسمان میں ہے کیا تم اس کے غضب سے نہیں ڈرتے؟ کہ کہیں زمین کو دلدل بنا کر تمہیں اس میں دھنساندے کہ وہ تمہیں چکولے ہی لگاتی رہا کرے کیا تمہیں آسمانوں والے اللہ سے ڈر نہیں لگتا کہ کہیں وہ تم پر آسمان سے پتھر نہ برسا دے۔ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے کہ میرا ڈرانا کیسا تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے مکار، بدکردار لوگوں کو ان کے چہتے پھرتے، آتے، کھاتے، کھاتے ہی پکڑ لے۔ سفر حضرات دن جس وقت چاہے، پکڑ لے جیسے فرمان ہے: ﴿أَفَأَمِّنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيِّنًا نَّأْتِيهِمْ فِي السَّمُومِ﴾ (الاعراف: ۹۷) کہ بستی والے اس سے نڈر ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس ہمارا عذاب رت میں ان کے سوتے سلاتے ہی آ جائے۔ یادن چڑھے ان کے کھیل کود کے وقت ہی آ جائے۔ اللہ کو کوئی شخص اور کوئی کام عاجز نہیں کر سکتا وہ ہارنے والا، ٹھکنے والا اور ناکام ہونے والا نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ باوجود ڈر خوف کے انہیں پکڑ لے تو دونوں عتاب ایک ساتھ ہو جائیں ڈر اور پھر پکڑ۔ ایک کو اچانک موت آ جائے دوسرا ڈرے اور پھر مرے۔ لیکن رب العلی، رب کائنات بڑا ہی رؤف ورحیم ہے اس لئے جلدی نہیں پکڑتا۔ بخاری و مسلم میں ہے خلاف طبع باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ لوگ اس کی اول دٹھراتے ہیں اور وہ انہیں رزق و عافیت عنایت فرماتا ہے۔ بخاری مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ عالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب پکڑنازل فرماتا ہے پھر وہ اچانک تباہ ہو جاتا ہے پھر حضور ﷺ نے آیت: ﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذًا أَلِيمًا شَدِيدًا﴾ (موم: ۱۰۲) پڑھی اور آیت میں ہے: ﴿وَكَايِنُ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ لَّمَّا أَخَذْنَا بِهَا وَإِلَى الْمَصِيرِ﴾ (الحج: ۳۸) بہت سی بستیاں ہیں جنہیں میں نے کچھ مہلت دی لیکن آخر ان کے ظلم کی بنا پر انہیں گرفتار کر لیا۔ لوٹنا تو میری ہی جانب ہے۔

أَوْ لَعْنَةُ يَوْمِئِذٍ إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ

ہر مخلوق مندرشتے وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں:

ان آیات میں بندوں کو اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور اپنی شان خالقیت اور کعبیت بیان فرمائی ہے اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں پیدا فرمائی ہیں ان کو کیوں نہیں دیکھتے؟ ان میں غور کرو اور دیکھو کہ ان کا سایہ دائیں طرف بائیں طرف جو زمین پر پڑتا ہے اس سائے میں بھی اللہ تعالیٰ شانہ کی شان خالقیت ظاہر ہو رہی ہے یہ سائے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اللہ تعالیٰ جس طرف چاہتے ہیں یہ سائے اسی طرف جھکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اور اس کے حکم کے سامنے عاجز محض ہیں، اور سایوں پر اور سایہ والی چیزوں پر کچھ منحصر نہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں، ان میں حیوانات بھی ہیں اور فرشتے بھی، اور یہ فرشتے تکبر نہیں کرتے فرمانبردار ہیں اور اطاعت ہی ان کا شعار ہے، فرشتے اس بات کو جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شانہ پوری طرح قدرت رکھتا ہے اور قاہر اور غالب ہے اور اس سے ڈرتے ہیں کہ اس کی طرف سے کوئی گرفت نہ ہو جائے قال صاحب الروح ص ۵۸ ج ۳ و معنی کونہ سبحانہ فونہم قہرہ و غلبتہ لان الفوقیۃ المکانیۃ مستحیلۃ بالنسبۃ الیہ تعالیٰ (وقال ایضا) و خوف ربہم کنایۃ عن خوف عذابہ (صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ان کے اوپر ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کا قہر اور غلبہ ہے کیونکہ

مکاتی برتری اللہ تعالیٰ کی نسبت سے محال ہے اور فرمایا ان کے رب کا خوف کتنا ہے اس کے عذاب کے خوف سے) اور علامہ بنوی - عالم التذلیل میں لکھتے ہیں: (هو) کقولہ تعالیٰ: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ

سایوں کے ہارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اللہ تعالیٰ جس طرف چاہتا ہے اسی طرف سایہ پڑتا ہے اور سایہ زیادہ بھی ہوتا ہے اور گھٹتا بھی ہے ہر طرح کا تصرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اور سب نگوینی طور پر اللہ تعالیٰ کے منقاد اور فرمانبردار ہیں اس لیے (سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُدًى ذُرِّيَّتُونَ) فرمایا ہے سورۃ فرقان میں فرمایا: (اللَّهُ تَزَيَّ بِرَبِّكَ كَيْفَ مَتَّ الْبَطْلُ وَتَوَ مَسَاءَ لَمْ تَعْلَمْ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسُ عَلَيْهِ ذَلِيلًا ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِرْتِيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا) (کیا تو نے اپنے رب کو نہیں دیکھا اس نے سایہ کو کس طرح پھیلا دیا اور اگر وہ چاہتا تو اسے ٹھہرا ہوا رکھتا پھر ہم نے آفتاب کو اس پر علامت مقرر کیا پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا) جب آفتاب نکلتا ہے تو ہر چیز کا سایہ لہبا ہوتا جاتا ہے پھر جیسے جیسے آفتاب بلند ہوتا ہے سایہ کم ہوتا جاتا ہے بظاہر سایہ کا وجود آفتاب کے چلنے اور اس کے سامنے اجسام کثیف آنے کی وجہ سے ہے لیکن خود آفتاب کی حرکت ہی اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے اور پھر سایوں کا وجود میں آنا اور گھٹنا بڑھنا یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو ذرا سا بھی سایہ نہ ہو، سایہ کا ایک مثل درمشل ہونا سایہ کے بڑھنے ہی کی وجہ سے ہے اللہ چاہتا تو سایہ ایک ہی جگہ پر ٹھہرا رہتا جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے نہ آفتاب خود کوئی حیثیت رکھتا ہے اور نہ سایہ، سب اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔

سایوں کی فرہ نبرداری بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا جو بھی چیزیں آسمان اور زمین میں ہیں سب اللہ کی فرمانبردار ہیں، نگوینی طور پر ان کا وجود اور ان کی کیفیات اسی طرح سے ہیں جس طرح سے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے ان میں شمس و قمر، ستارے، درخت، پہاڑ اور چوپائے سبھی ہیں جیسا کہ سورۃ حج کے دوسرے رکوع میں ان چیزوں کا خصوصی تذکرہ ہے۔ یہاں سورۃ محل میں من دابۃ یعنی زمین پر جو چیزیں چلتی پھرتی ہیں وہ سب اللہ کی فرمانبردار ہیں، پھر خاص طور پر فرشتوں کا تذکرہ فرمایا کہ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں، اور وہ تکبر نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے اور اس کے قہر اور غلبہ کے سامنے اپنے اندر کوئی بڑائی محسوس نہیں کرتے، سورۃ نساء میں فرمایا: كُنْ يُسْتَنْكِفُ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَدَّبُونَ - (مسح اللہ کا بندہ ہونے سے ہرگز عار نہیں کریں گے اور نہ متعرب فرشتے) جتنی جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے انہی قدر اس کی شان بندگی بڑھ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کو جانتا اور مانتا ہے، فرشتوں کو تو بہت زیادہ معرفت حاصل ہے وہ کیوں کہ عبادت گزار اور فرمانبردار نہ ہوں گے، نہ صرف یہ کہ وہ عبادت گزار اور سجدہ ریز ہیں بلکہ وہ اللہ کے عذاب سے بھی ڈرتے ہیں اور اس کے ہر حکم کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

فائدہ: آیت شریفہ میں وَ يَلُو يُسْجُدُ فَرَا یا اس سجدہ سے مفسرین نے مطیع اور فرہ نبرداری ہونا مراد لیا ہے کیونکہ ظاہری حال میں ہر چیز سے سجدہ کا مظاہرہ نہیں ہو سکتا لیکن مخلوقات میں جو جماعتیں ذوی العقول ہیں (فرشتے اور انسان اور جن) ان کا سجدہ حقیقی بھی مراد ہو سکتا ہے اور یہ جمع بین الحقیقۃ والجماز کے طور پر نہیں بلکہ اس طرح سے کہ جو سجدہ ریز ہیں وہ فرمانبرداری ہی کے ذیل میں سجدہ کرتے ہیں جن لوگوں کو اختیار دیا گیا ہے ان لوگوں کا مؤمن ہونا اور پھر اپنے اختیار سے سجدہ کرنا یہ اختیار کا اعلیٰ

مقبولین شرط صلیحین ۵۵۲ کہ جس پر ایمان نہیں ہے وہ کونسی طور پر منقاد ہیں اس لیے
 درج ہے اہل ایمان کونسی طور پر منقاد ہیں اور تشریحی طور پر بھی ہاں جو لوگ اہل ایمان نہیں ہیں وہ کونسی طور پر منقاد ہیں اس لیے
 سورۃ حج میں (وَ كَيْدُهُمْ هُنَّ النَّاسِ) فرمایا۔

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَهَيْنِ إِلَّا هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ ۚ أَنَّىٰ بِهِ الْبَنَاتُ الْإِلَهِيَّةُ وَالْوَحْدَانِيَّةُ
 فَإِنِّي أَنَا فَارَهُبُونَ ﴿۱۰﴾ خائفون دُورِ غَيْرِي وَفِيهِ الْبِنَاتُ عَنِ الْعَبِيَّةِ وَلَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِلْكًا
 وَخُلُقًا وَعَبِيدًا وَ لَهُ الدِّينُ الطَّاعَةُ وَأَيْبَاءٌ ۚ دَائِمًا خَالَ مِنَ الدِّينِ وَالْعَامِلُ فِيهِ مَعْنَى الظَّرْفِ الْغَيْرِ
 اللَّهُ تَتَّقُونَ ﴿۱۱﴾ وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۚ وَهُوَ إِلَهُ الْحَقِّ وَلَا إِلَهَ غَيْرُهُ ۚ وَالْإِسْتِفْهَامُ لِلانْكَارِ أَوْ
 التَّوْبِيخِ أَيْ لَا يَأْتِي بِهَا غَيْرُهُ وَمَا شَرْطِيَّةٌ أَوْ مَوْضُوعَةٌ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمْ أَصَابِكُمُ الضَّرُّ الْفَقْرُ وَالْمَرَضُ
 فَإِلَيْهِ تَجْرُونَ ﴿۱۲﴾ تَرْفَعُونَ أَصْوَاتَكُمْ بِالْإِسْتِغَاثَةِ وَالِدُعَاةِ وَلَا تَدْعُونَ غَيْرَهُ ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضَّرُّ
 عَنْكُمْ إِذَا فَرِحْتُمْ فَمِنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿۱۳﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَهُمْ ۚ مِنَ النِّعْمَةِ
 فَتَسْبِعُوا ۚ بِاجْتِمَاعِكُمْ عَلَى عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ أَمْرٌ تَهْدِيدٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾ عَاقِبَةُ ذَلِكَ وَيَجْعَلُونَ أَيْ
 الْمُشْرِكُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ أَنَّهُ لَا تَنْفَعُ وَهِيَ الْأَصْنَامُ نَصِيبًا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۚ مِنَ الْحَرْثِ
 وَالْأَنْعَامِ بِقَوْلِهِمْ هَذَا لِلَّهِ وَهَذَا لِلشَّرِّ كَأَنَّا تَأَلَّلْنَا لِنَسْتَأْذِنَ سَوَالِ تَوْبِيخِ وَفِيهِ الْبِنَاتُ عَنِ الْعَبِيَّةِ عَمَّا
 كُنْتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿۱۵﴾ عَلَى اللَّهِ مِنْ أَنَّهُ أَمَرَكُمْ بِذَلِكَ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبِنَاتُ بِقَوْلِهِمُ الْمَلَائِكَةُ بِنَاتُ اللَّهِ
 سُبْحٰنَهُ لَا تَنْزِيهِهَا لَهٗ عَمَّا زَعَمُوا وَ لَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ ﴿۱۶﴾ أَيْ الْبَنَاتُ وَالْجُمْلَةُ فِي مَنْحَلٍ رَفِعٍ أَوْ نَصَبٍ
 يَجْعَلُ الْمَعْنَى يَجْعَلُونَ لَهُ الْبِنَاتُ الَّتِي نَهَا هُوَ نَهَا وَهُوَ مَمْتَرَةٌ عَنِ الْوَلَدِ وَيَجْعَلُونَ لَهُمُ الْبَنَاتُ الْبِنَاتُ
 يَخْتَارُونَ نَهَا فَيَخْتَصُّونَ بِالْأَبْنَاءِ لِقَوْلِهِ فَاسْتَفْتِهِمُ الرَّبُّ الْبِنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنَاتُ وَ لَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ ﴿۱۷﴾ تَوْلَدُ
 لَهُ ظَلٌّ صَارَ وَجْهَهُ مُسَوِّدًا مَتَّعِيْرًا مَتَّعِيْرًا مَعْتَمٌ وَهُوَ كَطِيمٌ ﴿۱۸﴾ مُتَمَلِّئِي غَمًّا فَكَيْفَ تُنْسَبُ الْبِنَاتُ إِلَيْهِ
 تَعَالَى يَتَوَارَى يَخْتَفِي مِنَ الْقَوْمِ أَيْ قَوْمِهِ مِنْ سُوءِ مَا بَشَّرَ بِهِ ۚ خَوْفًا مِنَ التَّعْيِيرِ مَمْتَرَةٌ إِذَا فَيَمَّا يَفْعَلُ
 بِهِ أَيْسَكَةُ يَثْرُكُهُ بِلا قَتْلِ عَلَى هَوْنٍ هَوَانٍ وَذَلَّ أَمْرٌ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۚ بَانَ يَبْدَهُ الْأَسَاءُ بِشَسَّ مَا
 يَحْكُمُونَ ﴿۱۹﴾ حُكْمُهُمْ هَذَا حَيْثُ نَسَبُوا الْخَالِقِيهِمُ الْبِنَاتُ اللَّاتِي هُنَّ عِنْدَهُمْ بِهَذَا الْمَحَلِّ لِلدِّينِ لَا

يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَي الْكُفْرَ مَثَلُ السَّوَةِ أَي الصِّفَةُ السُّوَى بِمَعْنَى الْقَبِيحَةِ وَهِيَ الْبَنَاتِ مَعَ
 اخْتِيَابِهِمْ إِلَيْهِنَّ لِلنِّكَاحِ وَبَلَى الْمَثَلُ الْأَعْلَى الصِّفَةُ الْعُلْيَا وَهُوَ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَهُوَ الْعَزِيزُ فِي
 بَلَدِ الْحَكِيمِ ۝ فِي خَلْقِهِ

۱۴

ترجمہ: اور اللہ نے فرمایا دو معبود (الشی، الہین کی تاکید ہے) مت پکڑو، معبود ایک ہی ہے (اس سے الوہیت اور وحدانیت کرنا مقصود ہے) سو مجھ سے ہی ڈرو (میرے علاوہ کسی سے مت ڈرو) (اس میں التفات عن الغائب ہے) جو کچھ آسمانوں میں ہے اسی کا ہے، وہی مالک و خالق ہے سب اسی کے بندے ہیں) اور ہمیشہ اسی کی عبادت ہے (واصباء دین سے حال واضح ہے اور معنی ظرف اس میں عامل ہے) پھر کیا تم اللہ کے سوا دوسری ہستیوں سے ڈرتے ہو؟ (حالانکہ وہی معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، استفہام یا تو انکار کے لئے ہے یا توبیح کے لئے) تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمت ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے (اس کے سوا کوئی بھی اسے نہیں دیتا اور ماشرطیہ ہے یا موصولہ ہے) پھر جب تمہیں کوئی دکھ پہنچتا ہے (افلاس یا بیماری پیش آتی ہے) تو اسی کے آگے فرمایا کرتے ہو (آوازیں بلند کرتے ہو یا دعاء کر کے اس کے علاوہ کسی کو نہیں پکارتے ہو) پھر جب تم سے دکھ درد دور کر دیتا ہے تو تم میں سے ایک گروہ اسی وقت اپنے پروردگار کے ساتھ شریک کرنے لگتا ہے تاکہ جو نعمت ہم نے اس کو دی اس کی ناشکر کرے سو مزے اڑالو (سب مل کر بت پرستی کر لو، یہ امر تہدید کیلئے ہے) آخر کار تم کو پتہ چل جائے گا (اس کے انجام کا) پھر یہ لوگ (شرکین) ان چیزوں کے لئے جس کے متعلق انہیں کچھ علم نہیں (کہ وہ نفع بخش ہیں یا نقصان دہ، یعنی بت) ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے حصہ لگاتے ہیں (یعنی کھیتی باڑی اور جانوروں میں ہے، یہ کہہ کہ یہ اللہ کا حصہ ہے اور یہ ان بتوں کی ڈھیری ہے) قسم اللہ کی تم سے جو بدی ہوگی سوال تو یہی ہے، اس میں صیغہ غائب سے التفات پایا جاتا ہے) جو تم نے بہتان طرازیوں کی ہیں (کہ اللہ نے تمہیں اس کام کے بارے میں حکم دیا ہے) اور یہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے رہتے ہیں (یعنی فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے رہتے ہیں) اس کے لئے پاکی ہو (ان چیزوں سے جن کا اللہ کے لئے یہ لوگ گمان کرتے ہیں) اور اپنے لئے اپنی من چاہتی چیز پسند کرتے ہیں (یعنی بیٹے اور جملہ مل رفع میں ہے یہ معجل کی وجہ سے منصوب ہے غلام یہ کہ اللہ کے لئے تو بیٹیوں کا انتخاب کر رکھا ہے جو خود کے لئے پسند نہیں حالانکہ اللہ بالکل اولاد سے پاک ہے اور اپنے لئے بیٹے تجویز کر رکھے ہیں جو ان کی من پسند چیز ہے چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے: فَاسْتَفْتِهِمُ الْوَنَاتُ الْبَنَاتُ وَكُهُمُ الْبَنُونَ ۝ جب خوشخبری ملے ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی تو سارے دن اس کا چہرہ سیاہ رہتا ہے (مارے غم کے بے رونق) اور بیٹی میں گھٹتا رہتا ہے (غم میں ڈوب رہتا ہے پھر بیٹیوں کی نسبت اللہ کی طرف کیسے کرتا ہے؟) لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس خبر سے شرم کے مارے جو اسے دیکھتی تھی (عاکے ڈر سے اس تردد کے ساتھ کہ نہ معلوم اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا) اس کو رہنے دے (بلال کے چھوڑے رکھے ذلت قبول کر کے) (رسوائی و پستی کے ساتھ) یا اس کو مٹی میں داب دے (زندہ دفن کر دے) سنتے ہو! بہت برا فیصلہ کرتے ہیں (کہ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف تو بیٹیوں کی نسبت کرتے ہیں جن کی حیثیت ان کے نزدیک بس اتنی ہے) جو لوگ نہیں مانتے

آخرت کو (یعنی کفار) انکی بری مثال ہے (بری مثال سے بری عادت مراد ہے، وہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا ہے باوجودیکہ مرد نکاح کے لئے لڑکیوں کے محتاج ہیں) اور اللہ کی مثال سب سے اوپر ہے (اللہ کے لئے اعلیٰ صفت ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں) اور وہ زبردست ہے (اپنے ملک میں) حکمت والا ہے (اپنی مخلوق میں)۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: لَا بُدَّ مِنَ الْإِلَهِيَّةِ: جب کوئی ایسا اسم لایا جائے جس میں افراد کا معنی ہو مگر وہ جنسیت اور وحدت پر دلالت کرتا ہو وحدت دلالت کے لئے اس کے بعد تاکید لازم ضروری ہوگا۔

قوله: الطَّاعَةُ: یہاں دین سے جزاء مراد نہیں بلکہ طاعت مراد ہے جزاء تو آخرت میں ہوگی۔

قوله: وَأَصْبًا: ہمیشہ اور دائم کے معنی میں آتا ہے۔

قوله: خَالٍ: نواصباً یہ الدین سے حال ہے۔

قوله: لَا يَأْتِي بِهَا: مسیت خبر ہونے کے لحاظ سے ہے۔ ان کے ساتھ نعمت کا استقرار یہ اخبار کا سبب ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حصول کے بغیر ہے۔

قوله: تَرَفَعُونَ أَصْوَاتَكُمْ: الجوار۔ دعائیں ادا کرنا بلند کرنا۔

قوله: لَا يَعْلَمُونَ: ضمیر مرفوع کا مرجع تو مخاطبین ہیں اور لولٹنے والی ضمیر ماحذوف کی طرف لولٹی ہے جو کہ اٹھا ہے۔

قوله: وَالْجُمْلَةُ فِي مَحَلِّ رَفْعٍ: یعنی ابتداء کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور لہم خبر ہے اور نصب کی صورت میں اس کا عطف بنات پر ہے۔

قوله: أَلَيْسَ يَخْتَارُونَهَا: یہاں اختیار کے معنی میں ہے۔

قوله: ظَلَّ: اس کی تفسیر صاف سے کر کے بتلایا کہ ظل دن گزارنے کے معنی میں نہیں بلکہ ہو جانے کے معنی میں ہے۔

قوله: بِمَنْتَقِيَا: اس سے اشارہ کیا اسو ادوج سے مراد غم شدید میں مبتلا ہونا ہے یہ کنایہ ہے۔

قوله: قَوْمِهِ: اشارہ کیا کہ وہ اپنی قوم و قبیلہ سے چھپاتا ہے تمام اقوام سے تو ممکن نہیں۔

قوله: بِمَنْتَرَدَا فِيمَا يُفْعَلُ بِهِ: یہ جملہ تیواری کی ضمیر سے حال ہے۔

قوله: بِمَعْنَى الْقَبِيحَةِ: سے مراد زندہ درگور کرنا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا آلِهَةً إِلَّا هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ قَائِمًا قَارِهُونَ ۝

ہر چیز کا واحد مالک وہی ہے:

اللہ واحد کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، وہ لا شریک ہے، وہ ہر چیز کا خالق ہے، مالک ہے، پالنے والا ہے۔ اسی کی خالص عبادت دائمی اور واجب ہے۔ اس کے سوا دوسروں کی عبادت کے طریقے نہ اختیار کرنے چاہئیں۔ آسمان وزمین کی تمام مخلوق خوشی یا ناخوشی اس کی ماتحت ہے۔ سب کو لوٹنا یا جانا اسی کی طرف ہے، خلوص کے ساتھ اسی کی عبادت کر۔ اسکے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے سے بچو۔ دین خالص صرف اللہ ہی کا ہے آسمان وزمین کی ہر چیز کا مالک وہی تھا ہے۔ نفع نقصان اسی کے اختیار میں ہے، جو کچھ نعمتیں بندوں کے ہاتھ میں ہیں سب اسی کی طرف سے ہیں، رزق نعمتیں عافیت تصرف اسی کی طرف سے ہے، اسی کے فضل و احسان بدن پر ہیں۔ اور اب بھی ان نعمتوں کے پالنے کے بعد بھی تم اس کے ویسے ہی محتاج ہو مصیبتیں اب بھی سر پر منڈلا رہی ہیں۔ سختی کے وقت وہی یاد آتا ہے اور گزر گزرا کر پوری عاجزی کے ساتھ کٹھن وقت میں اسی کی طرف جھکتے ہو۔ خود مشرکین مکہ کا بھی یہی حال تھا کہ جب سمندر میں گھر جاتے یا مخالف کے جھوٹے کشتی کو پتے کی طرح بچکولے دینے لگتے تو اپنے ٹھا کروں، دیوتاؤں، بتوں، فقیروں، ولیوں، نبیوں سب کو بھول جاتے اور خالص اللہ سے لو لگا کر خلوص دل سے اس سے بچاؤ اور نجات طلب کرتے۔ لیکن کنارے پر کشتی کے پار لگتے ہی اپنے پرانے اللہ سب یاد آ جاتے اور معبود حقیقی کے ساتھ پھر ان کی پوجا پاٹ ہونے لگتی۔ اس سے بڑھ کر بھی ناشکری کفر اور نعمتوں کی فراموشی اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہاں بھی فرمایا کہ مطلب نکل جاتے ہی بہت سے لوگ آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ لیکر وا کالام لام عاقبت ہے، و رلام تعلیل بھی کہا گیا ہے یعنی ہم نے یہ خلعت ان کی اس لئے کر دی ہے کہ وہ اللہ کی نعمت پر پردے ڈالیں اور اس کا انکار کریں حالانکہ دراصل نعمتوں کا دینے والا، مصیبتوں کا دفع کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں۔ پھر انہیں ڈراتا ہے کہ اچھا دنیا میں تو اپنا کام چلا لو، معمولی سا فائدہ یہاں کا اٹھا لو لیکن اس کا انجام ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا۔

وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّیْنُ وَاٰصِبًاۙ اَفَغٰیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰﴾

معبود صرف ایک ہی ہے ہر نعمت اسی کی طرف سے ہے اسی سے ڈرو:

ان آیات میں اول تو اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ دو معبود مت بناؤ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ تنہا معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں، آسمان میں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اسی کی مخلوق اور مملوک ہے (مخلوق اور مملوک اپنے خالق اور مالک کے برابر نہیں ہو سکتے لہذا معبود بھی نہیں ہو سکتے) جب سب کچھ اسی کی ملکیت ہے تو ہمیشہ اسی کی فرمانبرداری کرنا لازم ہے لازمی طور پر ہمیشہ اسی کی عبادت کرو جب اس کی اطاعت لازم ہے تو اس کے علاوہ کسی دوسرے سے ڈرنے کا کوئی موقع نہیں اسی کو فرمایا: اَفَغٰیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰﴾ اس میں مشرکین کو تنبیہ ہے جو ڈر کے مارے بتوں کو پوجتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی پوجا نہ کی تو یہ ہمیں تکلیف پہنچائیں گے۔ نولہ تعالیٰ: وَاٰصِبًاۙ فسر بثلاثة معان (الاول) دائما (والثانی) واجبا (والثالث) تا عبا ای تجب طاعة الله تعالى ان تعبد العبد فيها قاله القرطبي (وَاٰصِبًاۙ ای تفسیر تین معانی کے ساتھ کی گئی ہے (۱) دائما (ہمیشہ) (۲) واجبا (ضروری حق) (۳) تا عبا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس قدر واجب ہے کہ بندہ اس میں اپنے آپ کو تھکا دے)

وَيَجْعَلُوْنَ لِيۡسَالًا يَّعْلَمُوْنَ

یہ ان کو لرایا جو اپنے کھیت میں، مویشی میں، تمہارت میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی نیاز ٹھہراتے ہیں (موضح القرآن) صحیحہ کہ مشرکین عرب کا دستور تھا بس کا اگر آٹھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں گزر چکا مالا یعلمون سے مراد وہ ہی اصنام وغیرہ ہیں جنہیں مشرکین جہالت اور بے خبری سے جو دیو یا مالک نفع و ضرر سمجھتے تھے، حالانکہ اس کی کوئی دلیل یا سند ان کے پاس نہ تھی، پھر شرکاء بھی تجویز کیے گئے پھر کے بت جو ہر قسم کے علم و شعور سے کورے ہیں۔ اِنْ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ۔

یعنی قیامت میں ان افتراء پرداز یوں کی تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔ خدا کے دیے ہوئے مال میں کیا حق تھا کہ دوسروں کو شریک و سہیم بناؤ۔ (باقی کسی کو جواب پہنچانے کا مسئلہ جدا گانہ ہے وہ اس آیت کے تحت میں داخل نہیں)

وَيَجْعَلُونَ بَيْنَهُمُ الْبَحْرَ سُبْحَةَ اَوْ لَهْمًا مَّا يَشْتَهُونَ ﴿۵﴾

مشرکین کی بھونڈی تجویز، اللہ کے لیے بیٹیاں اور اپنے لیے بیٹے تجویز کرتے ہیں خود ان کے یہاں بیٹی پیدا ہونے کی خبر مل جائے تو چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے

مشرکین جو شرک کرتے ہیں اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مال کا کچھ حصہ باطل معبودوں کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جس کی تفسیر سورۃ انعام کی آیت (وَجَعَلُوا بَيْنَهُم مَّا خَذُوا مِنَ الْحَرِّبِ وَالْاَنْعَامِ) (الی اخر الایة) میں گزر چکی ہے۔ مال تو دیا اللہ نے اس میں شریک کر دیا باطل معبودوں کو اور اوپر سے یوں کہتے ہیں کہ ایسا کرنا درست ہے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے، اس لیے فرمایا: (ثَالِثًا لِّتَسْتَلْنَ عَنْ مَا كُنْتُمْ تُفْتَرُونَ) (کہ اللہ کی قسم تم سے افتراء پرداز یوں کے بارے میں ضرور ضرور سوال ہوگا اور سورۃ انعام میں فرمایا: (سَيَجْزِيهِمْ مِمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ) (وہ مغریب ان کی افتراء پرداز یوں کا بدلہ دے گا۔)

اس کے بعد مشرکین کا ایک اور شرکیہ عقیدہ بیان فرمایا اور وہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور کہتے ہیں فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں (العیاذ باللہ) نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتایا اور یہودیوں نے کہا کہ حضرت عزیز اللہ کے بیٹے ہیں اور مشرکین مکہ نے کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اول تو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا ہی شرک ہے وہ اس سے بال اور برتر ہے کہ اس کی اولاد ہو، سورۃ مریم میں فرمایا: (وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا) (یہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ اولاد اختیار کرے) صحیح بخاری ص ۷۴۴ ج ۲ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان نے مجھے گالی دی اور اس کا گالی دینا یہ ہے کہ وہ یوں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے حالانکہ میں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ میں جنا کیا اور نہ کوئی میرے برابر ہے، مشرکین کی بھونڈی عقل تو دیکھو کہ اول تو اللہ تعالیٰ کو صاحب اولاد بتا کر شرک ہوئے پھر جو اولاد تجویز کی وہ بھی لڑکی، جبکہ اپنے ہاں لڑکی کا پیدا ہونا برا سمجھتے ہیں اور اپنے لیے لڑکوں کو پسند کرتے ہیں، سورۃ زخرف میں فرمایا: (وَجَعَلُوا الْبَنَاتِ نِكَاحَ الدِّينِ لَهُمْ عِبَادَ الرَّحْمٰنِ اِنَّا كَاٰنًا) (اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے) اپنے لیے لڑکیاں پسند نہیں کرتے اور اللہ کی اولاد تجویز کرنے بیٹھے تو لڑکیاں تجویز کر دیں۔ سورۃ زخرف میں فرمایا (اَوْ مَنْ يَّتَّخِذُ فِي الْجَلِيَّةِ وَهُوَ فِي الْخُصَايِرِ عَذُوًّا مُّبِينًا) (کیا اللہ نے اپنی اولاد بنانے کے لیے لڑکی کو پسند فرمایا جو زور میں نشوونما پائے اور جو جھگڑے میں قوت بیان نہ رکھتی ہو) صنف ضعیف کو اللہ کی بیٹیاں بتا رہے ہیں، بیوقوفی کی انتہا ہے۔

اللہ کے لیے تو بیٹیاں تجویز کر دیں اور اپنا حال یہ ہے کہ جب ان میں سے کسی کو خبر ملے کہ اس کے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی

ہے تو اس خبر سے اس کا چہرہ سیاہ یعنی بے رونق ہو جاتا ہے اور دل میں گھٹا گھٹا پھرتا رہتا ہے لوگوں کے سامنے آنے میں عار محسوس کرتا ہے اور چھپا چھپا پھرتا ہے کہ لوگ یہ عیب نہ لگائیں کہ تیرے گھر بیٹی پیدا ہوئی ہے اور ساتھ ہی اس لگڑ میں پڑ جاتا ہے کہ ذلت برداشت کرتے ہوئے اسے روکے رکھوں یا عار سے بچنے کے لیے زمین میں گاڑ دوں، پھر ہوتا یہ تھا کہ بچی کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور رواج کی وجہ سے لوگوں کے سامنے آ کر اپنے کو باعزت قرار دیتے تھے گویا انہوں نے بہت بڑا عزت کا کارنامہ انجام دیا کہ اپنی لڑکی کو زندہ دفن کر دیا سورۃ نکویر میں فرمایا: (اور جب زندہ دفن کی ہوئی بچی کے بارے میں سوال کیا جاوے گا کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی) عرب جن جہالتوں میں مبتلا تھے ان میں سے ایک یہ جہالت بھی تھی۔ رواج نے انہیں سخت دل بنا دیا اپنی زندہ بچی کو دفن کرتے ہوئے ذرا رحم نہیں آتا تھا عورت اسلام سے پہلے بالکل بے حیثیت تھی، اس سے بڑی بے آبردی کیا ہوگی، کہ بچی پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دی جاتی تھی، اور ہندوستان میں تو یہ حال تھا کہ شوہر مر جاتا تھا تو عورت کو اس کے ساتھ زندہ جلنا پڑتا تھا اسلام نے عورت کو مرتبہ عطا فرمایا ہے اس کے حقوق بتائے بچوں کی پرورش کا ثواب بتایا اسے عزت کے ساتھ گھر میں رہنے کا حکم دیا پھر بھی عورتوں کی ناکھچی پر افسوس ہے کہ دور حاضر کے ٹھنڈوں اور زندگیوں کی باتوں سے متاثر ہو کر اپنی ذات کو بے آبرو کر رہی ہیں بے پردہ پھرنے میں گندی زندگی گزارنے میں ہنر سمجھتی ہیں شوہروں کے بجائے دوست تلاش کرتی پھرتی ہیں آخر میں فرمایا: (الْأَسَاءُ مَا يَحْكُمُونَ) (خبردار ان کے فیصلے برے ہیں) اول تو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کرنا ہی بہت بڑی حماقت اور سفاقت ہے پھر اولاد بھی تجویز کی تو ایسی چیز تجویز کی جسے اپنے لیے سب ذلت اور موجب عار سمجھتے ہیں۔

وَلَوْ يَأْخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ بِالْمَعَاصِي مَا تَرَكَ عَلَيْهَا أَيْ الْأَرْضَ مِنْ دَابَّةٍ نَسْمَةٍ تَذُبُّ عَلَيْهَا وَ لَكِنْ يُوَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسْتَقَرٍّ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٥١﴾ عَلَيْهِ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ لِأَنفُسِهِمْ مِنَ الْبَنَاتِ وَالشَّرِيكِ فِي الرِّيَاسَةِ وَاهَانَةِ الرُّسُلِ وَتَصِفُ تَقُولُ أَلَسِنْتُهُمْ مَعَ ذَلِكَ الْكَيْبِ وَهُوَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ عِنْدَ اللَّهِ أَيْ الْجَنَّةِ كَقَوْلِهِ وَلَئِن رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لِلْحُسْنَىٰ قَالَ تَعَالَىٰ لَا جَرَمَ لَكُمْ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ﴿٥٢﴾ مُتْرَكُونَ فِيهَا أَوْ مُقَدَّمُونَ إِلَيْهَا وَفِي قِرَاءَةِ بَكْسَرِ الزَّاهِ مُتَجَاوِزُونَ الْحَدَّ تَأْكَلُوهُ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ رُسُلًا فَرِيقًا لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ السَّيِّئَةَ فَرَأَوْهَا حَسَنَةً فَكَذَّبُوا الرُّسُلَ فَهُوَ وِلِيُّهُمْ مُّتَوَلِّئٌ أَمْوَرِهِمُ الْيَوْمَ أَيْ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٥٣﴾ مُؤَلِّمٌ فِي الْآخِرَةِ وَقِيلَ الْمُرَادُ بِالْيَوْمِ الْيَوْمِ عَلَى حِكَايَةِ الْحَالِ الْآيَةِ أَيْ لِأَنَّ لِي لَهُمْ غَيْرُهُ وَهُوَ عَاجِزٌ عَنِ نَصْرِ نَفْسِهِ فَكَيْفَ يَضُرُّهُمْ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ بِالْحَمْدِ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الْبَيِّنَاتِ الَّتِي اخْتَلَفُوا

فِيهِ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ وَهُدًى عَظُمَ عَلَى لُبَّتَيْنِ وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾ بِهِ وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَالِنَّبَاتِ بَعْدَ مَوْتِهَا يُبَيِّنُهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَمَذْكَورٍ لآيَةً دَالَّةً عَلَى

عِ الْبُعْبُ لِقَوْمٍ يُسْعُونَ ﴿٥١﴾ سَمَاعٌ تَذْبُرُ

تو کچھ کہتا ہے: اور اگر اللہ کھڑے لوگوں کو ان کی ناانصافی (گناہوں) پر تو نہ چھوڑے اس (زمین) پر ایک بھی چلنے والا (جاندار مخلوق جو ریگ کر چلنے والی ہے) لیکن وہ انہیں ایک متعین وقت تک ڈھیل دیتا ہے پھر جب وہ وقت موعود آ پہنچے گا تو پھر نہ ایک گھڑی پیچھے سرک سکیں گے اور نہ آگے سرک سکیں گے، اور یہ اللہ کے واسطے ایسی باتیں ٹھہراتے ہیں جنہیں خود پسند نہیں کرتے (یعنی لڑکیوں کا ہونا، اور خدا کا بادشاہت میں شریک کرنا اور پیغمبروں کی توہین) اور ان کی زبان جھوٹ بیان کرتی ہے (یعنی یہ کہ) ان کے لئے اچھائی ہی اچھائی ہے اللہ کے یہاں یعنی جنت جیسا کہ دوسری آیت میں نقل فرمایا گیا ہے: وَ لَیْسَ لَیْسَ رُجْعَتُ إِلَى رَبِّیْ۔ حق تعالیٰ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں (یقینی بات ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے بلشبہ وہ اس میں سب سے پہلے پہنچنے والے ہیں (جہنم رسید ہونے والے ہیں یا سب سے پہلے جہنم میں جھوٹے جائیں گے اور ایک تراءت میں راء کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی حدود سے آگے بڑھنے والے) خدا کی قسم آپ سے پہلے جتنی امتیں گذری ہیں ان کے پاس بھی ہم نے پیغمبروں کو بھیجا تھا لیکن شیطان ان کا رفیق (کارساز) بن بیٹھا آج کے دن (یعنی دنیا میں) اور ان کے لئے دردناک مزا ہوگی (آخر میں، کہا گیا ہے کہ ایوم سے مراد قیامت کا دن ہے، آنے والے حال کی حکایت کرتے ہوئے، یعنی شیطان کے سوا ان کا کوئی دوست نہیں ہوگا جو خود بھی اپنی مدد سے، جز ہوگا چہ جائیکہ ان کی مدد کر سکے) اور ہم نے آپ پر (اے محمد) اس کتاب (قرآن کریم) کو اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ واضح کر دیں ان (لوگوں) کی غرض سے اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے (سبزی اگا کر) زمین کو زندگی بخشی اس کے مردہ (خشک) ہو جانے کے بعد ہا شبہ اس (شئی مذکور) میں نشانی ہے (دوبارہ زندہ کئے جانے پر دلالت کرنے والی ہے) ایسے لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں (غور و فکر کے ساتھ)۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و شرح

قوله: الْأَرْضُ: اس کو علیہا مضر ذکر کیا حالانکہ اس کا تذکرہ پہلے موجود نہیں اس کی وجہ الناس یا التوبہ سے دلالت پائی جاتی ہے۔

قوله: ان: اپنے مدخول سمیت مبتداء مخدوف کی خبر ہے تصف کا مفعول نہیں۔

قوله: مُقَدَّمُونَ: افرطہ فی طلب الماء سے لیا گیا جس کا معنی آگے بڑھانا ہے۔

قوله: فِي الدُّنْيَا: دنیا کے وقت یوم سے تعبیر کیا گیا کیونکہ آخرت کی نسبت سے یہ ایک دن کی مانند ہے۔

قوله: لِأُولَىٰ لَهُمْ: مبتداء و خبر کا معرفہ آنا حصر کے لئے مفید ہے تو اس سے ناصر کی نہایت بلیغ انداز سے نفی ثابت ہوئی۔

مقبولین ترجمہ طالعین ۵۵۹ ﴿سُورَةُ النُّحْلِ﴾ الجزء ۱۳ - النحل ۱۱
 قولہ: سِنَاعٌ تَدْبُرُ: اس سے اشارہ کیا کہ مطلق سماع مراو نہیں بلکہ تدبر سے سنا مراد ہے۔

تفسیر مقبولین

وَلَوْ يُدْرِخُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ.....

یعنی اگر خدا تعالیٰ لوگوں کی گستاخی اور نا انصافی پر دنیا میں فوراً پکڑنا اور سزا دینا شروع کر دے تو چند گھنٹے بھی زمین کی یہ آبادی نہیں رہ سکتی، کیونکہ دنیا میں بڑا حصہ ظالموں اور بدکاروں کا ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی خطا و قصور سے تو کوئی خالی ہوگا؟ (كُلُّكُمْ خَطَاةُونَ) جب خاطر اور بدکار فوراً ہلاک کر دیے گئے تو صرف معصوم انبیاء کے زمین پر بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ ان کا ملائکہ معصومین کے ساتھ رہنا موزوں ہے۔ جب نیک و بد انسان دونوں زمین پر نہ رہے تو دوسرے حیوانات کا رکھنا بے فائدہ ہوگا، کیونکہ وہ سب بنی آدم کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ نیز فرض کیجئے خدا نے انسانوں کے ظلم و عدوان پر بارش بند کر دی تو کیا آدمیوں کے ساتھ جانور نہیں مرے گا۔ بہر حال خدا اگر بات بات پر دنیا میں پکڑے اور فوراً سزا دے تو اس دنیا کا سارا قصہ منٹوں میں تمام ہو جائے۔ مگر وہ اپنے ظلم و حکمت سے ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ مجرموں کو توبہ و اصلاح کا موقع دیتا ہے اور وقت موعود تک انھیں ڈھیلا چھوڑتا ہے۔ جب وقت آ پہنچا، پھر ایک سکیڑ ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ (تسبیہ) بعض مفسرین نے قَاتِرَانَ عَلَيْهِمَا مِنْ دَابَّةٍ سے خاص دابہ ظالمہ مراد لیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو مطلب واضح ہے کوئی اشکال نہیں۔ واللہ اعلم۔

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ.....

یعنی قرآن صرف اس لیے اتارا گیا ہے کہ جن سچے اصولوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں اور جھگڑے ڈال رہے ہیں (مثلاً توحید و معاد اور احکام حلال و حرام وغیرہ) ان سب کو وضاحت و تحقیق کے ساتھ بیان کر دے۔ کوئی اشکال و خطا باقی نہ رہے۔ گویا نبی کریم ﷺ بذریعہ قرآن تمام نزاعات کا دونوں فیصلہ سنا دیں اور بندوں پر خدا کی رحمت تمام کر دیں۔ آگے ماننا نہ ماننا خود مخاطبین کا کام ہے جسے توفیق ہوگی قبول کرے گا۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

یعنی فیصلہ اور بین تو سب کے لیے ہے لیکن اس کی ہدایت سے مستفیع ہونا اور رحمت الہی کی آغوش میں آنا انہی کا حصہ ہے جو اس فیصلہ کو صدق دل سے تسلیم کرتے ہیں اور بطوع و رغبت ایمان لاتے ہیں۔

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ اِغْتَابُوا سُقْيَكُمْ ۚ بَيَانَ لِلْعِبْرَةِ مِمَّا فِي بُطُونِهِ ۚ أَيِ الْأَنْعَامِ مِنْ
 لِلْإِبْتِدَاءِ مُتَعَلِّقَةً بِسُقْيِكُمْ بَيْنَ قَرْنٍ نَقْلِ الْكُرْشِ ۚ وَدَمٍ لَبِنًا خَالِصًا لَا يَشْوُهُ شَيْءٌ مِنَ الْفَرْثِ
 وَالذَّمِّ مِنْ طَعْمٍ أَوْ لَوْنٍ أَوْ رِيحٍ وَهُوَ بَيْنَهُمَا سَائِغًا لِلشَّرْبِ ۚ سَهْلُ الْمَرْوْرِ فِي حَلْقِهِمْ لَا يَغْضُ بِهِ وَ
 مِنْ كَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ ۚ نَمْرٌ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكْرًا ۚ خَمْرًا تَشْكُرُونَ سُبَيْتٌ بِالْمُصَدَّرِ وَهَذَا

قَبْلَ تَحْرِيمِهَا وَرِزْقًا حَسَنًا كَالثَّمْرِ وَالزَّرِيْبِ وَالخَلِّ وَالذَّبْسِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَمَذْكُورٍ لآيَةٍ عَلَى قُدْرَتِهِ تَعَالَى لآيَةٌ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ يَتَذَكَّرُونَ ۝ وَأَوْحَى رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ وَحَى الْهَامِ أَنْ مَفْسِرَةٌ أَوْ مَضْرِبَةٌ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا تَارِيًّا لِبَنَاتِكِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۝ أَي النَّاسِ يَتَذَكَّرُونَ لَكَ مِنَ الْأَمَّاكِينِ وَالْأَلَمِ تَارِيًّا لِبَنَاتِكِ كُلِّ مِنْ كُلِّ الشَّرَاكِ فَاسْأَلِيكَ أَدْخُلِي سُبُلَ رَبِّكَ طَرِيقًا فِي طَلَبِ الْمَرْغَى ذُلًّا جَمْعُ ذُلُولٍ خَالَ مِنَ السُّبُلِ أَي مُسَخَّرَةٌ لَكَ فَلَا تَعْبَسُ عَلَيْكَ وَإِنْ تَوَعَّرِبَ وَلَا تُضَلِّي عَنِ الْعَزْدِ مِنْهَا وَإِنْ بَعُدَتْ وَقَبْلَ خَالَ مِنَ الضَّمِيرِ فِي أَسْأَلِيكَ أَي مُنْقَادَةٌ لِمَا يَرَاؤُكَ مِنْكَ يَخْرُجُ مِنْ بَطُونِهَا شَرَابٌ هُوَ الْعَسَلُ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ۝ مِنَ الْأَوْجَاعِ وَقَبْلَ لِبَعْضِهَا كَمَا ذَلَّ عَلَيْهِ تَكْبِيرُ شِفَاءٌ أَوْ لِكُلِّهَا بِضَمِّ يَمِينَةٍ إِلَى غَيْرِهِ أَقُولُ وَيُدْوِنُهَا بَيْتَةٌ وَقَدَّامَرِ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اسْتَطْلَقَ بَطْنُهُ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ فِي طَبْعِهِ تَعَالَى وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ شَيْئًا تَمَّتْ يَتَوَقَّكُمْ ۝ عِنْدَ انْقِضَاءِ أَجَالِكُمْ وَمِنْكُمْ مَن يَرُدُّ إِلَى أَرْدَلِ الْعَمْرِ أَي أَخْتَبِهِ مِنَ الْهَزَمِ وَالْخَرَفِ لِكُنِّي لَا يَعْلَمُ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۝ قَالَ عِكْرِمَةُ مَن قَرَأَ الْقُرْآنَ لَمْ يَبْصُرْ بِهَذِهِ الْحَالَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِتَدْبِيرِ خَلْقِهِ قَدِيرٌ ۝ عَلَى مَنَائِرِ بَدْوِهِ

ترجمہ: اور بے شک تمہارے واسطے جو پایوں میں سوچنے کی جگہ ہے (سامان عبرت ہے) پلاتے ہیں تم کو (یہ عبرت کا بیان ہے) اس کے پیٹ کی چیزوں میں سے (یعنی جانوروں کے پیٹ سے) من ابتدائیہ ہے اور نسقیکم سے متعلق ہے) گوبر (گندگی) اور لہو کے بیچ میں سے صاف سحر اوددہ کے درمیانی حصہ ہوتا ہے (پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے) (حلق سے نیچے اترنے میں آسانی ہوتی ہے اس سے اچھوٹیں لگتا) اسی طرح کھجور اور انگور کے درختوں کے پھل ہیں کہ ان سے نشا آور عرق کشید کرتے ہو (نشا آور شراب تیار کرتے ہو) (سکر مصدر ہے جس کے معنی شراب کے پڑ گئے، یہ آیت حرمت شراب کے حکم سے پہلے کی ہے) اور عمدہ غذا (جیسے کھجور، کشمش، ہنتی، مرکہ، شیرہ کھجور) دونوں کی چیزیں حاصل کرتے ہو بلاشبہ اس بات میں لوگوں کے لئے (اللہ کی قدرت پر) ایک نشانی ہے جو عیش سے کام لیتے ہیں (غور فکر کرتے ہیں) آپ کے پروردگار نے شہد کی کھس کے دل میں یہ بات ڈال دی (وحی، الہام کے معنی میں ہے) کہ (ان مفسرہ ہے یا مصدر یہ ہے) پہاڑوں میں اپنا چھتہ بنا لے (ٹھکانہ کرنے کے لئے) اور درختوں میں اور ان ٹلیوں میں جو اس غرض سے بلندی میں بنائی جاتی ہیں (یعنی ہر قسم کے پھلوں سے رس چوس پھر اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے طریقہ پر (اپنی غذا کی تلاش میں) پھل جو تیرے لئے آسان کر دیئے گئے ہیں (دل ذل کی جمع ہے بل سے حال واقع ہے یعنی وہ راستے تیرے لئے آسان کر دیئے

گئے ہیں ان میں کوئی دشواری نہیں رہتی خواہ وہ کتنے ہی دشوار کیوں نہ ہوں اور وہاں سے واپسی میں ہرگز بچل نہیں سکتی خواہ وہ راستے دُور دراز ہی کیوں نہ ہوں اور بعض کی رائے میں اسکی کمیضیر سے حال واقع ہے یعنی جس کام کے لئے تجھے پیدا کیا گیا ہے تو اسے بجالاتی ہے) اس کے پیٹ سے عرق (شہد) نکلتا ہے مختلف رنگوں کا جس میں انسان کے لئے شفاء ہے (تکالیف سے، بعض کے نزدیک کچھ بیماریوں سے شفاء جیسا کہ شفاء کا کمرہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے اور بعض کے نزدیک ہر مرض کی دوا ہے بشرطیکہ دوسرا بدرقہ اس کے ساتھ شامل کر لیا جائے میں کہتا ہوں کہ بغیر بدرقہ کے بھی شہد ہر بیماری کی دوا ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو چنانچہ ایک صحابی کو دستوں کی شکایت تھی اس کو آنحضرت ﷺ نے شہد استعمال کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے) بلاشبہ اسمیں لوگوں کے لئے ایک بڑی نشانی ہے جو غور و فکر کرنے والے ہیں (اللہ کی کارگیری میں) اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا (حالانکہ تم کچھ نہیں تھے) پھر وہی تمہاری جان قبض کرتا ہے (تمہاری زندگی پوری ہونے پر) اور بعضوں کو تم میں کئی عمر کو پہنچاتا ہے (بڑھا پا اور پیرانہ سالی کی خستہ حالت تک) جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتا ہے (حضرت عکرمہؓ نے فرمایا کہ جو تلاوت قرآن کو معمول بنائے رکھے وہ اس بدترین حالت میں مبتلا نہیں ہوگا) بے شک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں، (اپنی مخلوق کے بندوبست کے سلسلہ میں) بڑی قدرت والے ہیں (جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قولہ: **كِعْبَرَةً**: یعنی ایسی دلالت موجود ہے جس کے ذریعہ جہالت سے علم کی طرف عبرت حاصل ہو۔
- قولہ: **مِمَّا فِي بَطُونِهِ**: اس میں ضمیر کو مفرد لانے میں لفظ کا لحاظ ہے۔ اور بقول سیبویہ انعام بروزن افعال مفرد ہے اور سورہ مومنون میں اس کو مؤنث لایا گیا ہے وہ معنی کے لحاظ سے ہے اور یہ اسم جمع ہے۔
- قولہ: **وَمِنْ لَّيْلِئِنَّا**: یعنی من بین فریٹ الایہ۔ اس میں من ابتدائیہ ہے البتہ ممافی بطونہ میں من تبعیضیہ ہے۔
- قولہ: **مِنْتَلَقًا بِسُقُوطِكُمْ**: یہ لہذا سے حال نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔
- قولہ: **بِثَلِّ الْكُورِ**: اس کا معنی گوبر ہے۔
- قولہ: **وَمِنْ كَمْرَاتِ النَّحِيلِ**: اس کا تعلق محذوف نسفیکم سے ہے اور اس کا عطف دان لکم فی الانعام پر ہے۔
- قولہ: **وَحُجْرِ الْهَامِ**: اس سے اشارہ کر دیا کہ وحی سے مراد یہاں دل کے اندر ڈالنا ہے۔ ان مفسرہ ہے کیونکہ ایہا میں قول کا معنی پایا جاتا ہے۔
- قولہ: **النَّاسِ**: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو شہد کی کھیوں کے لئے چھپر بناتے ہیں تاکہ ان سے شہد حاصل کریں۔
- قولہ: **مِنْ كُلِّ الشَّرْبِ**: اس سے مراد جو تم پسند کرو مٹھی یا کڑوی۔
- قولہ: **جَمْعُ ذُكُورٍ**: اس کا مفرد نہیں ہے اور ذل بل سے حال ہے اس کی صفت نہیں ہے۔
- قولہ: **فَوَالْعَسَلِ**: یعنی شراب سے یہاں شہد مراد ہے کیونکہ وہی پیا جاتا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَأَرْزُقْهُ مِنْ أَرْضِنَا لَهُ عَزَابٌ شَدِيدٌ

ہو پاویں میں اور شہد کی مکھی میں تمہارے لیے عبرت ہے:

ان آیات سے پہلے ہادش کی فوت کا تذکرہ تھا کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ فرما دیتا ہے اور اس سے طرح طرح کی غذایں ملتی ہیں ان آیات میں اولاد دودھ کا اور ثانیاً سکر کا اور اس کے ساتھ رزق حسن کا ملنا شہد کا تذکرہ فرمایا۔

اور دودھ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ دیکھو چوپایوں میں تمہارے لیے عبرت ہے چوپایوں سے دودھ کے جانور مراد ہیں مگر اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بیٹوں سے دودھ نکال کر پلاتا ہے یہ جانور چارہ اور گھاس پھوس کھاتے ہیں اس سے خون بھی بنتا ہے اور فضلہ یعنی گوبر بھی، یہ دودھ خون اور گوبر کے درمیان سے صاف ستھرا خالص نکلتا ہے اس میں ایک اور بھی گوبر یا خون کا نہیں ہوتا، اور اس دودھ کا پینا نہایت آسان ہے آسانی سے گلے میں اتر جاتا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے جانوروں نے کھایا تھا گھاس پھوس اور اس سے پیدا ہوا دودھ، یہ دودھ پیدا ہوا تو چھوٹوں اور بڑوں کے لیے غذا بن گیا۔ معالم التنزیل میں ص ۷۵ ج ۳ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جانور جب چارہ کھاتا ہے اور اس کے معدہ میں جگہ پکڑ لیتا ہے اور معدہ اسے پیٹتا ہے تو نیچے گوبر، درمیان میں دودھ اور اوپر خون بن جاتا ہے، پھر باذن اللہ تعالیٰ جگر اپنا کام کرتا ہے خون رگوں میں چل جاتا ہے اور دودھ نغٹوں میں آجاتا ہے اور فضلہ یعنی گوبر اپنی جگہ رہ جاتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو یوں دعا کرے: ((اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَأَطْعِمْنَا مِنْهُ مِنْهُ)) (اے اللہ ہمیں اس میں برکت دے اور ہمیں اس سے بہتر کھلا) اور جب دودھ پیئے تو یوں کہے: ((اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَزِدْنَا مِنْهُ)) (اے اللہ ہمیں اس میں برکت دے اور اس میں سے اور زیادہ دے) عام کھانے کی دعا میں: ((أَطْعِمْنَا مِنْهُ مِنْهُ)) فرمایا اور دودھ پینے میں: ((وَزِدْنَا مِنْهُ)) فرمایا اس کا سبب آنحضرت ﷺ نے خود ہی بتا دیا: فانہ لیس شیء من الطام والشراب الا اللبن کہ دودھ کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتی ہو۔

(رواہ ابوداؤد ص ۶۸ ج ۲)

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ

دودھ کا تذکرہ فرمانے کے بعد نخیل اور اعناب کے پھلوں کا تذکرہ فرمایا یعنی ہم نے تمہیں کھجور اور انگور کے پھل عطا کیے جن سے تم سکر اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو، کھجوروں اور انگوروں کی مٹھاس اور غذائیت کو لوگ عام طور سے جانتے ہیں ان دونوں سے عمدہ چیزیں بناتے ہیں اچھا رزق تیار کر کے کھاتے ہیں، اس میں جو لفظ ”سکر“ وارد ہوا ہے۔ بعض حضرات نے اس کا ترجمہ نشہ والی چیز کیا ہے اور یہ جو سوال پیدا ہوتا ہے کہ نشہ تو حرام ہے جو چیز حرام ہے اور اس کا استعمال کرنا ممنوع ہے اس کو مقام

انتان میں یعنی احسان کرنے کے بیان میں کیسے ذکر فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سورہ نحل کی ہے اس وقت تک نشہ والی چیزیں حرام نہ ہوئی تھیں لوگ شراب سے منتفع ہوتے تھے لہذا اس کا تذکرہ فرمادیا، لیکن چونکہ بعد میں حرام ہونے والی تھیں اس لیے خوبی پر دلالت کرنے والا کوئی کلمہ ذکر نہیں فرمایا اور اس کے علاوہ انگور سے جو دوسری عمدہ چیزیں تیار کر لیتے ہیں انہیں رزق حسن سے تعبیر فرمایا، اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک قول یوں مروی ہے کہ اہل حبشہ کی شہت میں سرکہ کو سکر کہتے ہیں (گویا لفظ سکر یہاں اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے) اور صاحب معالم التنزیل نے ابو عبیدہ کا قول نقل کیا ہے کہ سکر سے طعم مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہیں ایسی کھانے کی چیزیں دیں جن میں مزہ اور لذت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۵﴾ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں۔)

وَ أَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ

اس کے بعد شہد کی مکھی کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور لوگوں کی بنائی ہوئی عمارتوں میں گھر بنا یعنی شہد کے لیے چھتہ تیار کر لے اور شہد کی مکھی سے فرمایا کہ تو پھلوں میں سے کھالے یعنی چوس لے اور اس کام کے لیے اللہ کے بنائے راستوں میں آتا جانا، یہ راستے شہد کی مکھی کے لیے آسان فرمادیئے تھے، جب وہ پھلوں سے رس چوس کر آتی ہے تو چوسا ہوا مواد ان چھتوں میں جمع کرتی ہے جو پہلے سے بنا رکھے تھے، یہ جمع شدہ مواد جسے شہد کی کھیاں چوس چوس کر لاتی ہیں غسل یعنی شہد ہے اس کو پیتے ہیں یہ میٹھی مقوی چیز ہے اور اس کا رنگ بھی مختلف ہے شہد ایک میٹھی غذا ہی نہیں دوا دارو کے لیے بھی اس کا استعمال بہت مفید ہے۔ اس لیے فرمایا کہ: **فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ** (کہ اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **((عليكم بالشفائين البعسل والقرآن))** لکہ تم ایسی دو چیزوں کو لازم کر لو جو سراپا شفا ہیں ایک شہد دوسرے قرآن (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۹۱) مطلب یہ ہے کہ اپنے امراض کے علاجوں کے لیے شہد کو استعمال کرو اور قرآن مجید پڑھ کر مریض پر دم کرو، اطباء نے شہد کے بہت سے منافع لکھے ہیں اور امراض کے لیے استعمال کرنے کے بہت سے طریقے بتائے ہیں، قرآن مجید سراپا شفا ہے تجربہ ہے کہ کوئی چھوٹی بڑی سورت پڑھ کر دم کیا جاتا ہے تو شفا ہو جاتی ہے حضرات صحابہؓ ایک جگہ تشریف لے گئے وہاں ایک شخص کوزہ ہریلے جانور نے ڈس لیا تھا جو اس علاقہ کا سردار تھا، وہ لوگ حضرات صحابہ کرامؓ کے پاس آئے اور اپنی پریشانی ظاہر کی، ان میں سے ایک صحابی نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کر دیا جس کے اثر سے وہ ڈسا ہوا شخص بالکل ٹھیک ہو گیا جیسے کوئی شخص رتی میں باندھا ہو پھر اسے چھوڑ دیا جائے۔

(مسح بحاری ص ۱۷۲۰)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۵﴾ (بلاشبہ اس میں لوگوں کے لیے نشانی ہے جو فکر کرتے ہیں۔)

وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۖ فَمِنْكُمْ غَنِيٌّ وَفَقِيرٌ وَمَالِكٌ وَمَمْلُوكٌ ۚ فَمَا الَّذِينَ فَضَّلْنَا

أَيُّ الْمَوَالِي بِرَادِي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ أَىٰ بِجَاعِلِهِ مَارَزَقْنَاهُمْ مِنَ الْأَمْوَالِ وَغَيْرِهَا
شُرْكَاءَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَمَالِكِهِمْ فَهُمْ أَيُّ الْمَمَالِكِ وَالْمَوَالِي فِيهِ سَوَاءٌ ۗ شُرْكَاءَ الْمَعْنَى لَيْسَ لَهُمْ

شُرَكَاءَ مِنْ مَتَالِكِهِمْ فِي أَمْوَالِهِمْ فَكَيْفَ يَجْعَلُونَ بَعْضَ مَتَالِكِ اللَّهِ شُرَكَاءَ لَهُ أَفَبَدِيعَةِ اللَّهِ

يَجْعَلُونَ ۝ يَكْفُرُونَ حَيْثُ يَجْعَلُونَ لَهُ شُرَكَاءَ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا فَخَلَقَ خَوْفًا

مِنْ ضَلْعِ أَدَمَ وَسَائِرِ النَّاسِ مِنْ نُطْفِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً

أَزْوَاجًا وَأَوْلَادًا وَرَزَقَكُمُ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ مِنْ أَنْوَاعِ الثَّمَرِ وَالْحَبُوبِ وَالْخَيْثَانِ أَفَبِالْبَاطِلِ الْغَنَمِ

يُؤْمِنُونَ وَيَنْعَمَتِ اللَّهُ هُمْ يَكْفُرُونَ ۝ بِأَشْرَاقِهِمْ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى غَيْرُهُ مَا لَا

يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنَ السَّمَوَاتِ بِالْمَطَرِ وَالأَرْضِ بِالنَّبَاتِ شَيْئًا بَدَلُ مِنْ رِزْقًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝

يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ الْأَضْنَامُ فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ ۚ لَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَشْبَاهًا تُشْرِكُونَ كُونَهُمْ بِهِ إِنْ

اللَّهُ يَعْلَمُ أَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَ أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ ذَلِكَ ضَرْبُ اللَّهِ مَثَلًا وَيَبْدُلُ مِنْهُ عِبَادًا مَسْلُوكًا

صِفَةً تَمِيزُهُ مِنَ الْخَيْرِ فَإِنَّهُ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ لِعَدَمِ مِلْكِهِ وَ مَنْ تَكْرَهُهُ مُزْطَرَّةً أَى خُرَا

رَزَقُهُ مَثَلًا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا ۚ أَى يَتَصَرَّفُ فِيهِ كَيْفَ يَشَاءُ وَالأَوَّلُ مَثَلُ

الأَضْنَامِ وَالثَّانِي مَثَلُهُ تَعَالَى هَلْ يَسْتَوُونَ ۚ أَى الْعَبِيدُ الْعَجِزَةُ وَالْخُرُ الْمُتَصَرِّفُ لَا الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ وَخُذْهُ

بَلْ أَكْثَرُهُمْ أَى أَهْلُ مَكَّةَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ مَا يَصِيبُونَ مِنَ الْعَذَابِ فَيُشْرِكُونَ وَضَرْبُ اللَّهِ مَثَلًا

وَيَبْدُلُ مِنْهُ رَجُلَيْنِ أَحَدَهُمَا أَبِكُمْ وَالأُخْرَى لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ لِأَنَّهُ لَا يَفْهَمُ وَلَا يَفْهَمُ وَهُوَ كُلُّ

تَنْبِيْلِ عَلَى مَوْلَاهُ ۚ لِأَوَّلِي أَعْرَبِهِ أَيْنَمَا يُوجِّهُهُ يَصْرِفُهُ لِأَيَّاتٍ مِنْهُ بِخَيْرٍ ۚ بِنِ خُجَّ وَهَذَا مَثَلُ الْكَافِرِ

هَلْ يَسْتَوِي هُوَ أَى الأَبْنَاءُ الْمُدْكُورُ وَ مَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۚ أَى وَ مَنْ هُوَ نَاطِقٌ نَافِعٌ لِلنَّاسِ حَيْثُ

يَأْمُرُ بِهِ وَيَحْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَهُوَ الثَّانِي الْمُؤْمِنُ لِأَوْقِيلِ هَذَا مَثَلُ اللَّهِ تَعَالَى

وَالْأَبْنَاءُ لِلْأَضْنَامِ وَالأَدَى قَبْلَهُ فِي الْكَافِرِ وَ الْمُؤْمِنِ

توجیہاً: اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی کے لحاظ سے فضیلت دی (کوئی امیر ہے کوئی فقیر، کوئی آقا ہے کوئی غلام) پھر ایسا نہیں کہ جس کو روزی دی گئی (یعنی آقا) وہ اپنی روزی اپنے غلاموں کو لک ڈالے (یعنی جو کچھ مال و دولت وغیرہ ام نے ان آقاؤں کو دیا وہ اس میں اپنے ساتھ اپنے غلاموں کو بھی شریک کریں) کیونکہ وہ سب (آقا و غلام) اس میں برابر کے

تھار ہیں (شریک ہیں یعنی جب یہ لوگ اپنے غلاموں کی مال میں شرکت گوارا نہیں کرتے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی مخلوق کی شرکت کیسے گوارا کر رہے ہیں) پھر کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مکر رہے ہیں (اس کے لئے شریک ٹھہرا کر کفر کر رہے ہیں) اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کر دیئے (چنانچہ حواء کو آدم کی بائیں ہلی سے پیدا کر دیا اور باقی انسانوں کو مرد و عورت کی منی سے پیدا کر دیا) اور تمہارے جوڑوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کر دیئے (یعنی اولاد کی اولاد) اور تم کو اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں (طرح طرح کے پھل، پھول، جانور) پھر کیا یہ لوگ بنیاد جھوٹی باتیں (بت) تو مان لیتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں (اللہ کے ساتھ شریک کر کے) یہ اللہ کو چھوڑ کر (اس کے سوا) ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ آسمان سے (بارش کے ذریعہ) روزی دینے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ (گھاس پھوس کے ذریعہ) زمین میں سے کچھ رزق دے سکتے ہیں (لفظ شیما رزقا سے بدل واقع ہے) اور نہ انہیں کسی بات کا مقدر ہے (کسی چیز پر بھی انہیں قدرت نہیں، بت مراد ہیں) پس تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو (اس کے لئے کوئی شریک تجویز نہ کرو) اللہ تعالیٰ جانتا ہے (کہ اس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے) اور تم کچھ نہیں جانتے (یہ بات) اللہ تعالیٰ ایک مثال میں بیان فرماتے ہیں (اگلا جملہ اس سے بدل واقع ہے) ایک غلام ہے کسی دوسرے کی ملک (لفظ عبدا کے ساتھ مملوکا کی قید آزاد آدمی کو الگ کرنے کے لئے ہے کیونکہ اللہ کا بندہ تو وہ بھی ہوتا ہے) وہ خود کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا (ماکانہ اختیار نہ ہونے کی وجہ سے) اور ایک دوسرا آدمی ہے (یہ نکرہ موصوفہ ہے) (یعنی آزاد آدمی) کہ ہم نے اپنے فضل سے اسے اچھی روزی دے رکھی ہے اور وہ اسے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتا ہے (یعنی جو چاہتا ہے اس روزی میں تصرف کرتا ہے پہلی مثال تو بتوں کی ہے اور دوسری مثال حق تعالیٰ کی ہے) اب بتلاؤ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ (یعنی غلام عاجز اور آزاد و قدرت رکھنے والا ہرگز برابر نہیں ہو سکتے) ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں (تہا) مگر (اہل مکہ میں سے) اکثر آدمی جانتے ہی نہیں (کہ انہیں کیا سزا بھگتنی پڑے گی) اس لئے وہ شریک کرتے رہتے ہیں اور اللہ ایک اور مثال بیان فرماتے ہیں (اگلا جملہ بدل واقع ہے) دو آدمی ہیں ایک (پیدا کنی طور پر) گونا گے کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا (نہ خود سمجھ سکتا ہے اور نہ دوسرے کو سمجھا سکتا ہے) اپنے آقا پر ایک بوجھ (وبال جان) ہے اسے جہاں کہیں بھیجتا ہے کوئی درست کام کر کے نہیں لاتا، کامیاب ہو کر نہیں آتا یہ مثال تو کافر کی ہوئی (کیا یہ شخص (مذکورہ گونا گے) اور ایسا شخص برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کی تعلیم کرتا ہو (یعنی وہ شخص جو ناطق ہو لوگوں کو فائدہ پہنچانے والا ہو اور اچھی باتوں پر لوگوں کو ابھارتا ہو) اور خود بھی معتدل طریقہ پر ہو (دوسری مثال مومن کی ہے، یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے کہا گیا ہے کہ یہ دوسری مثال اللہ تعالیٰ کی ہے اور گونگے کی مثال بتوں کی ہے اور پہلی دو مثالوں کے مصداق کافر اور مومن ہیں)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: بِرَّآدَمِي: اس کا معنی دینے والا۔

قولہ: الْمَعْنَى لَيْسَ لَهُمْ شُرَكَاءُ: یہ جملہ نفی کے جواب میں آیا ہے اس میں مشرکین کی اس حرکت کی تردید کی ہے کہ

انہوں نے اللہ کی بعض مخلوقات کو اس کی الوہیت میں شریک ٹھہرایا حالانکہ وہ اپنے غلاموں کو اللہ کے دیئے ہوئے مال میں شریک کرنے کے لئے تیار نہیں۔

قولہ: يَكْفُرُونَ: یہاں بےحدوں کفر کے معنی کو متضمن ہے اور وہ متعدی ہے اس لئے ب کی ضرورت نہیں۔

قولہ: حَيْثُ يَجْعَلُونَ لَكَ: اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی طرف اللہ تعالیٰ کے بعض انعامات کی نسبت کی جائے۔

قولہ: مِنْ أَنْوَاعِ الْبَهَائِمِ: یہاں من تعبیضیہ ہے۔

قولہ: بِأَشْرِكِهِمْ: اس میں ان کے کفر کی نوعیت بتائی ہے کہ اللہ کے انعامات کی نسبت انہوں نے جنوں کی طرف کر دی ہے۔

قولہ: لَا يَسْتَطِيعُونَ: اس میں جمع کی ضمیر اور لایمکنک میں مفرد کی ضمیر اس لئے لائی گئی کہ ما مفرد ہے اور الہیہ کے معنی میں جمع ہے۔

قولہ: لَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَشْبَاهًا: اس میں اشارہ کیا کہ امثال یہاں مثل کی جمع بمعنی صفت نہیں ہے۔

قولہ: نُشْرِكُكُمْ نَهْمٌ: اس سے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہیں اس لئے کہ مثال کا بیان کرنا ایک حال کو دوسرے حال سے تشبیہ دینا ہوتا ہے اور وہ اس سے بری ہے۔

قولہ: لِعَدَمِ مَلِكِهِ: کیونکہ غلام کی ملکیت کوئی نہیں اور اس کی قدرت بھی مسلوب ہوتی ہے اس سے مکاتب اور مازوں کا فرق واضح ہو گیا۔

قولہ: نَكْبَرَةٌ مَوْضُوفَةٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ موصولہ نہیں۔

قولہ: الْعَبِيدُ: اس میں اشارہ ہے کہ یہ ستونوں میں ضمیر کو اس لئے جمع لائے کہ اس کا تعلق دونوں جنسوں سے ہے پس معنی یہ ہے کیا آزاد اور غلام دونوں برابر ہیں؟

قولہ: وَلِجِ آخِرِهِ: اس سے اشارہ کیا کہ مولیٰ یہاں ولی سے ہے جو کہ قرب کے معنی میں ہے نہ کہ مالک کے معنی میں ہے۔

قولہ: نَافِعٌ لِلنَّاسِ: یعنی عدل کا وہی حکم دے سکتا ہے جس میں یہ صفات کمالیہ پائی جائیں۔

قولہ: هُوَ الثَّانِي: یعنی من ما مر بالعدل میں رطلین میں سے مؤمن ہی مراد ہیں۔

تفسیر مقبولین

وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ.....

اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری عطا کی ہے۔ کوئی مالدار ہے، مالک ہے، بادشاہ ہے، ہزاروں لاکھوں روپیہ خرچ کرتا ہے۔ کوئی نادار فقیر غلام اور ادنیٰ فوجی ہے، ایک روپیہ بھی صرف نہیں کر سکتا۔

معاش میں درجات کا اختلاف انسانوں کے لئے رحمت ہے:

اس آیت میں واضح طور پر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فقر و غنی اور معیشت میں انسانوں کے مختلف درجات ہونا کہ کوئی غریب ہے کوئی امیر کوئی متوسط الحال یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہے اور انسانی مصالح کا مقتضی اور انہوں کے

لئے رحمت ہے اگر یہ صورت نہ رہے اور مال و سامان میں سب انسان برابر ہو جائیں تو نظام عالم میں خلل اور فساد پیدا ہو جائے گا اسی لئے جب سے دنیا آباد ہوئی کسی دور اور کسی زمانے میں سب انسان مال و متاع کے اعتبار سے مساوی نہیں ہوتے اور نہ ہو سکتے ہیں اور اگر کہیں زبردستی ایسی مساوات پیدا کر بھی دی جائے تو چند ہی روز میں تمام انسانی کاروبار میں خلل اور فساد کا مشاہدہ ہو جائے گا حق تعالیٰ نے جیسے تمام انسانوں کو عقل و دماغ اور قوت و طاقت اور صلاحیت کار میں مختلف مزا جوں پر تقسیم کیا ہے اور ان میں ادنیٰ اعلیٰ متوسط کی اقسام ہیں جس کا کوئی صاحب عقل انکار نہیں کر سکتا اس طرح یہ بھی ناگزیر ہے کہ مال و متاع میں بھی یہ مختلف درجات قائم ہوں کہ ہر شخص اپنی اپنی صلاحیت کے اعتبار سے اس کا صلہ پائے اور اگر اہل صلاحیت اور نااہل کو برابر کر دیا گیا تو اہل صلاحیت کی حوصلہ شکنی ہوگی جب معیشت میں اس کو نااہلوں کے برابر ہی رہنا ہے تو وہ کونسا دعوہ ہے جو اسے جدوجہد اور فکر و عمل پر مجبور کرے اس کا لازمی نتیجہ صلاحیت کار کو برباد کرنا ہوگا۔

ارتقا کی دولت کے خلاف شرآنی احکام:

ابنہ خالق کائنات نے جہاں عقلی اور جسمانی قوتوں میں بعض کو بعض پر فضیلت دی اور اس کے تابع رزق اور مال میں تفاوت قائم فرمایا وہیں معاش کا یہ نظام محکم بھی قائم فرمایا کہ ایسا نہ ہونے پائے کہ دولت کے خزانوں اور کسب معاش کے مرکزوں پر چند افراد یا کوئی خاص جماعت قبضہ کر لے دوسرے اہل صلاحیت کے کام کرنے کا میدان ہی باقی نہ رہے کہ وہ اپنی عقلی اور جسمانی صلاحیتوں سے کام لے کر معاش میں ترقی کر سکیں اس کے لئے قرآن کریم سورۃ حشر میں ارشاد فرمایا: **يَكُونُ حُكْمَ اللَّهِ بَيْنَ الْأَعْيُنِ** یعنی ہم نے تقسیم دولت کا قانون اس لئے بنایا کہ دولت صرف سرمایہ داروں میں منحصر ہو کر نہ رہ جائے۔

آج کل دنیا کے معاشی نظاموں میں جو انفراتفری پھیلی ہوئی ہے وہ اس ربانی قانون حکمت کو نظر انداز کرنے ہی کا نتیجہ ہے ایک طرف سرمایہ دارانہ نظام ہے جس میں دولت کے مرکزوں پر سود و قمار کے راستہ سے چند افراد یا جماعتیں قابض ہو کر باقی ساری مخلوق کو اپنا معاشی غلام بنانے پر مجبور کر دیتی ہیں ان کے لئے بجز غلامی اور مزدوری کے کوئی راستہ اپنی ضروریات حاصل کرنے کے لئے نہیں رہ جاتا وہ اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے باوجود صنعت و تجارت کے میدان میں قدم نہیں رکھ سکتے۔

سرمایہ داروں کے اس ظلم و جور کے رد عمل کے طور پر ایک متضاد نظام اشتراکیت کمیونزم یا سوشلزم کے نام سے وجود میں آتا ہے جس کا نعرہ غریب و امیر کے تفاوت کو ختم کرنا اور سب میں مساوات پیدا کرنا ہے ظالمانہ سرمایہ داری کے مظالم سے تنگ آئے ہوئے عوام اس نعرہ کے پیچھے لگ جاتے ہیں مگر چند ہی روز میں وہ مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ یہ نعرہ محض فریب تھا معاشی مساوات کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوا اور غریب اپنی غربت اور فقر و فاقہ کے ساتھ بھی جو ایک انسانی احترام رکھتا تھا اپنی مرضی کا مالک تھا یہ احترام انسانیت بھی ہاتھ سے جاتا رہا نظام اشتراکیت میں انسان کی قدر و قیمت مشین کے ایک پرزے سے زیادہ نہیں کسی جائیداد کی ملکیت کا تو وہاں تصور ہی نہیں ہو سکتا اور جو معاملہ وہاں ایک مزدور کے ساتھ کیا جاتا ہے اس پر غور کریں تو وہ کسی چیز کا مالک نہیں اس کی اولاد اور بیوی بھی اس کی نہیں بلکہ سب ریاست کی مشین کے کل پرزے ہیں جن کو مشین اسٹارٹ ہوتے ہی اپنے کام پر لگ جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ریاست کے مفروضہ مقاصد کے سوا اس کا کوئی ضمیر ہے نہ آواز ریاست کے جبر و تشدد

اور ناقابل برداشت محنت سے کرنا ایک بغاوت شمار ہوتا ہے جس کی سزا موت ہے خدا تعالیٰ اور مذہب کی مخالفت اور خالص مادہ پرستی نظام اشتراکیت کا بنیادی اصول ہے۔

یہ وہ حقائق ہیں جن سے کوئی اشتراکی انکار نہیں کر سکتا ان کے پیشواؤں کی کتابیں اور اعمال نامے اس کے شاہد ہیں کہ ان کے حوالوں کو جمع کرنا بھی ایک مستقل کتاب بنانے کے مترادف ہے۔

قرآن حکیم نے ظالمانہ سرمایہ داری اور احق نہ اشتراکیت کی دونوں انتہاؤں کے درمیان افراط و تفریط سے پاک ایک ایسا نظام بتایا ہے کہ رزق اور دولت میں فطری تفاوت کے باوجود کوئی فرد یا جماعت عام مخلوق کو اپنا غلام نہ بنا سکے اور مصنوعی گرامی اور قحط میں مبتلا نہ کر سکے سود اور جوئے کو حرام قرار دے کر ناجائز سرمایہ داری کی بنیاد مہندم کر دی پھر ہر مسلمان کے مال میں

غریبوں کا حق متعین کر کے شریک کر دیا جو غریبوں پر احسان نہیں بلکہ ادائے فرض ہے۔ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَلِيْهِمْ حَقُّ مَقْلُوْبٍ لِّلشَّٰكِلِيْنَ**

وَالْمَخْرُوْبِيْنَ اِسْرَافًا عَلٰى اَمْوَالِهِمْ اَلَا يَتَذَكَّرْنَ اَنْ سَخَّرَ اللّٰهُ رِزْقَهُمْ لِمَنْ شَاءَ مِنْ اٰمِنِيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ذٰكِرٌ

دیا قدرتی چشموں سمندروں اور پہاڑی جنگلوں کی خورد و پیدوار کو تمام خلق خدا کا مشترک سرمایہ قرار دے دیا جس پر کسی فرد یا جماعت کا قبضہ نہ لگانا جائز نہیں جب کہ سرمایہ داری نظام میں یہ سب چیزیں صرف سرمایہ داروں کی ملکیت قرار دے دیکئی ہیں۔

چونکہ علمی عملی صلاحیتوں کا متفاوت اور مختلف ہونا ایک امر فطری ہے اور تحصیل معاش بھی انہی صلاحیتوں کے تابع ہے اس لئے مال و دولت کی ملکیت کا متفاوت ہونا بھی عین تقاضائے حکمت ہے جس کو دنیا کا کچھ بھی عقل و شعور ہے وہ اس کا انکار نہیں کر سکتا اور مساوات کے نعرے لگانے والے بھی چند قدم چلنے کے بعد اس مساوات کے دعوے کو چھوڑنے اور معیشت میں تفاوت و تقاض پیدا کرنے پر مجبور ہو گئے۔

خردشیف نے ۵ مئی کو پیریم سویٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا:

ہم اجرتوں میں فرق مٹانے کی تحریک کے سختی سے مخالف ہیں ہم اجرتوں میں مساوات قائم کرنے اور ان کے ایک سطح پر لانے کے کھلے بندوں مخالف ہیں یہ لیسن کی تعلیم ہے اس کی تعلیم یہ تھی کہ سوشلسٹ سماج میں مادی محرکات کا پورا لحاظ رکھا جائے گا۔ (سویٹ ورلڈس ۲۴۶)

معاشی مساوات کے خواب کی یہ تعبیر عدم مساوات تو ابتداء ہی سے سامنے آئی تھی مگر دیکھتے ہی دیکھتے یہ عدم مساوات اور امیر و غریب کا تفاوت اشتراکی ملکیت روس میں عام سرمایہ دار ملکوں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ لیون شیڈولکھتا ہے:

شاید ہی کوئی ترقی یافتہ سرمایہ دار ملک ایسا ہو جہاں مزدوروں کی اجرتوں میں اتنا تفاوت ہو جتنا روس میں ہے۔

واقعات کی ان چند مثالوں نے آیت مذکورہ: **وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ** کی جبری تصدیق مگرین کی زبانوں سے کرا دی۔ **وَاللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ** یہاں اس آیت کے تحت تو صرف اتنا ہی بیان کرنا تھا کہ رزق و مال میں تفاوت قدرتی اور فطری اور عین مصالح انسان کے مطابق ہے۔

فَاَلَّذِيْنَ فَضَّلُوْا يَرْزُقُوْهُ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْسَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوٰٓءٌ سو وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو

اس طرح کبھی دینے والے نہیں کہ وہ (مالک و مملوک) سب اس مال میں برابر ہو جائیں۔ یعنی مالداروں اور بادشاہوں کو اللہ نے جو زیادہ مال عطا کیا ہے وہ اپنا زائد مال اپنے غلاموں اور خادموں کو اتنا دینے والے نہیں کہ آقا اور غلام اور بادشاہ و فقیر سب مال میں برابر ہو جائیں۔

اس آیت سے مشرکوں کے شرک کی تردید مقصود ہے۔ مشرک اللہ کے ساتھ مخلوق کو الوہیت و معبودیت میں شریک قرار دیتے تھے باوجودیکہ ان کے فرضی معبود کسی چیز میں اللہ کے شریک نہیں بن سکتے تھے (اللہ خالق ہے اور اس کے سوا ہر چیز مخلوق اللہ مالک ہے اور ہر چیز اس کی مملوک اللہ حاکم ہے اور ہر چیز اس کی مخلوق اس کی ہم جنس نہیں اس کے مشابہ نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں نہ کسی کیفیت و حالت میں۔ مترجم) مشرک خود تو اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ اپنے مال میں اپنے غلاموں کو مساویانہ شریک کر لیں باوجودیکہ غلام و آقا دونوں ہم جنس ہوتے ہیں اور آقا کے پاس خدا داد مال ہوتا ہے اور آقا اپنے غلام کا رازق نہیں ہوتا رزق اس کو بھی اللہ دیتا ہے۔

آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جن لوگو کو اللہ زائد رزق عطا فرمادیتا ہے وہ اپنا رزق غلاموں کو نہیں دیتے بلکہ غلام اپنا رزق کھاتے ہیں جو اللہ نے ان کو عطا فرمایا ہے۔ پس اس رزق میں مالک و مملوک سب برابر ہیں سب خدا داد رزق کھاتے ہیں۔
 أَفَبِعِزَّتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿۱۶﴾ یا پھر بھی اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں کہ اللہ کے شریک قرار دیتے ہیں۔ شرک کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی بعض نعمتوں کا انکار کیا جائے اور ان کو شریکوں کی عطا کردہ قرار دیا جائے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ ایسے واضح دلائل و براہین سے اپنی توحید و الوہیت کو ثابت کر رہا ہے اور یہ دلائل توحید اللہ کی نعمت ہیں تو کیا یہ اللہ کی نعمت کے منکر ہیں۔
 وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ.....

بندوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان:

اپنے بندوں پر اپنا ایک اور احسان جتنا ہے کہ انہی کی جنس سے انہی کی ہم شکل، ہم وضع عورتیں ہم نے ان کے لئے پیدا کیں۔ اگر جنس اور ہوتی تو دلی میل جول، محبت و مودت قائم نہ رہتی لیکن اپنی رحمت سے اس نے مرد و عورت ہم جنس بنائے۔ پھر اس جوڑے سے نسل بڑھائی، اولاد پھیلانی، لڑکے ہوئے، لڑکوں کے لڑکے ہوئے، حنفہ کے ایک معنی تو یہی پوتوں کے ہیں، دوسرے معنی خادم اور مددگار کے ہیں پس لڑکے اور پوتے بھی ایک طرح خدمت گزار ہوتے ہیں اور عرب میں یہی دستور بھی تھا۔ ابن عباس کہتے ہیں انسان کی بیوی کی سابقہ گھر کی اولاد اس کی نہیں ہوتی۔ حنفہ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو کسی کے سامنے اس کے لئے کام کاج کرے۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اس سے مراد مادہی رشتہ ہے اس کے معنی کے تحت میں یہ سب داخل ہیں، چنانچہ قنوت میں جملہ آتا ہے وَالْيَكِ نَسْعَى وَنَحْفَدُ هَمَارِي سَعَى كُوشَشِ اور خدمت تیرے لئے ہی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اولاد سے، غلام سے، سسرال والوں سے، خدمت حاصل ہوتی ہے ان سب کے پاس سے نعمت الہی ہمیں ملتی ہے۔ ہاں جن کے نزدیک و حنفہ کا تعلق ازواج سے ہے ان کے نزدیک تو مراد اولاد اور اولاد کی اولاد اور داماد اور بیوی کی اولاد ہیں۔ پس یہ سب بسا اوقات اسی شخص کی حفاظت میں، اس کی گود میں اور اس کی خدمت میں ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ یہی مطلب سامنے رکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ اولاد تیری غلام ہے۔ جیسے کہ ابوداؤد میں ہے اور جنہوں نے حنفہ سے مراد خادم لیا ہے۔ ان

کے نزدیک یہ معطوف ہے اللہ کے فرمان: (وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدًا وَرَزَقَكُم مِّنْ لَّدُنِّيْهِ) (نحل: 72) پر یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیویوں اور اولاد کو خادم بنا دیا ہے اور تمہیں کھانے پینے کی بہترین ذائقے دار چیزیں عنایت فرمائی ہیں پس باطل پر یقین رکھنے والوں کی نعمتوں کی ناشکری نہ کرنی چاہئے۔ رب کی نعمتوں پر پردہ ڈال دیا اور ان کی دوسروں کی طرف نسبت کر دی۔ صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے احسان جتاتے ہوئے فرمائے گا کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ میں نے تجھے ذی عزت نہیں بنایا تھا؟ میں نے گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرے تابع نہیں کیا تھا اور میں نے تجھے سرداری میں اور آرام میں نہیں چھوڑا تھا؟

فَلَا تَضْرِبُوْا اللّٰهَ الْاَمْثَالَ ...

اللہ پاک کیلئے مثالیں بیان کرنے کی ممانعت:

سوارشاد فرمایا گیا پس تم لوگ اللہ کیلئے مثالیں مت بیان کرو کہ وہ نظیر و مثال سے پاک ہے۔ کیسے کہشلیہ شئی و ھو السَّبِيْحُ الْبَصِيْرُ ۝ پس نہ تم اللہ کیلئے کوئی مثل بناؤ اور نہ تم اس کو اس کی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ دو کہ اس کی کوئی نظیر و مثال سرے سے ہے ہی نہیں۔ اور وہ اس طرح کے تمام تصورات سے پاک اور اعلیٰ و بالا ہے۔ سو اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ کیلئے اپنی طرف سے مثالیں بیان کرنے سے صاف اور صریح طور پر منع فرما دیا گیا۔ اور طرح طرح کے شریکات کے ایک بڑے دروازے کو ہمیشہ کیلئے بند فرما دیا گیا۔ کیونکہ انسان اپنی عقل و فکر سے جو بھی کوئی مثال بیان کرے گا وہ مخلوق ہی سے متعلق اور ای کے دائرے میں ہوگی۔ اس سے آگے وہ نکل سکتا ہی نہیں۔ کیونکہ اس کی کھوپڑی بہر حال مخلوق اور محدود ہے۔ جبکہ حضرت حق جل مجدہ۔ مخلوق سے درء الوریاء ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ پس اس کو ویسے مانا جائے جیسے وہ اپنے بارے میں خود بتائے یا اس کا رسوا بتائے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا حوالہ:

ارشاد فرمایا گیا بے شک اللہ (سب کچھ) جانتا ہے اور تم لوگ کچھ بھی نہیں جانتے۔ حق اور حقیقت کے بارے میں۔ مگر اتنا ہی جتنا کہ نوروی سے معلوم ہو اور بس۔ سو تم بو بھی مثال بیان کرو گے وہ مخلوق کے دائرے ہی میں ہوگی کہ تم اور تمہاری کھوپڑی سب کچھ مخلوق و محدود ہے جبکہ اللہ تعالیٰ خالق اور دائرہ مخلوق سے ورء الوریاء ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔

سو اس طرح اس ارشاد ربانی سے ایک ایسے دروازے کو بند کر دیا گیا جس سے طرح طرح کی گمراہیوں نے جنم لیا اور جنم لیتی ہیں۔ کیونکہ بہت سے لوگوں نے اللہ پاک سبحانہ و تعالیٰ کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے طرح طرح کی گمراہیوں کا ارتکاب کیا۔ پہلے بھی یہی تھا اور اب بھی یہی ہے۔ اس لئے یہاں پر صاف اور صریح طور پر اس سے منع فرما دیا گیا ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی مثالیں مت بیان کیا کرو کہ وہ مخلوق کی مثالوں سے پاک اور درء الوریاء ہے۔ تم اس کو ویسے ہی مانو جیسے وہ اپنے بارے میں خود بتائے اور جیسے اس کے بارے میں اس کے رسول بتائیں۔

دو مثالیں پیش فرما کر مشرکین کی تردید فرمائی:

ان آیات میں بھی مشرکین کی تردید فرمائی اور اس بارے میں دو مثالیں بیان فرمائیں یہ ہے کہ جیسے ایک غلام ہے وہ کسی کی ملکیت میں ہے خود کسی چیز کا مالک نہیں لہذا کسی مال میں بھی کسی قسم کا تصرف کرنے کا ذاتی طور پر کوئی اختیار نہیں رکھتا اور دوسرا وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خوب روزی عطا فرمائی اسے اپنے مال پر پورا اختیار ہے پوشیدہ طور پر اور علانیہ طور پر کسی روک ٹوک کے بغیر جس طرح چاہتا ہے اور جہاں چاہتا ہے خرچ کرتا ہے دونوں شخصوں کا حال سامنے رکھ کر یہ مشرکین بتائیں کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ تھوڑے سے علم و فہم والا بھی جواب دینے کا ارادہ کرے گا تو یہی کہے گا کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جب یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو اللہ تعالیٰ کے برابر کون ہو سکتا ہے؟ معلوم ہو گیا کہ اللہ ہی سب تعریفوں کا مستحق ہے کیونکہ وہ اپنی ذات و صفات میں کامل ہے کوئی اس کے برابر نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کا کوئی عقلی اور نقلی جواز نہیں، جو لوگ شرک میں لگے ہوئے ہیں ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کیا ہیں اور یہ کہ اس کی ذات و صفات میں کوئی اس کا ہمسر نہیں، اور اس کے علاوہ عبادت کا مستحق بھی کوئی نہیں، ان میں اکثر کا یہ حال ہے کہ جانتے نہیں بلکہ جاننا چاہتے بھی نہیں، اگر جاننا چاہتے تو غور و فکر کرتے اور حق کے طالب ہوتے تو ان کا یہ غور و فکر ان سے شرک چھڑا کر انہیں توحید پر ڈال دیتا، اب رہے وہ لوگ جو جانتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے وہ کچھ رواج سے دبے ہوئے ہیں جو آبائی رین کو چھوڑنا نہیں چاہتے اور کچھ ایسے ہیں جو دنیاوی منافع کی وجہ سے شرک اور مشرکین سے جدا ہونا نہیں چاہتے۔ قال صاحب الروح ص ۱۹۶ ج ۱: ونفى العلم عن اكثرهم للاشعار بان بعضهم يعلمون ذلك وانما لم يعملوا بموجبه عناد اصحاب روح المعاني فرماتے ہیں ان میں سے اکثر سے علم کی نفی کی یہ بتلانے کے لیے کہ ان میں سے بعض اسے جانتے ہیں مگر اس پر عمل عناد کی وجہ سے نہیں کرتے۔

دوسری مثال یوں بیان فرمائی کہ جیسے دو آدمی ہوں ان میں سے ایک پیدائشی طور پر گونا گوا ہو (جو ہر ابھی ہوتا ہے وہ نہ کچھ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے، اور اپنی اس حالت کی وجہ سے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا) کسی کے گھرا یا بچہ پیدا ہو گیا جو بچہ اس لائق ہوتا ہی نہیں کہ وہ کسی کی خدمت کرے بلکہ جو لوگ اس کی پرورش اور پرداخت کرتے ہیں ان کے لیے بھی مصیبت بنا ہوا ہوتا ہے نہ اپنی خدمت خود کر سکے نہ دوسروں کی خدمت کے لائق، اور دوسرے اس کی خدمت کریں تو ان کے لیے بھی وبال، اس کو جہاں کہیں بھی بھیجا جائے کسی قسم کی کوئی بھلائی لے کر واپس نہیں آتا اول تو یہی پتہ نہیں ہوتا کہ جو بات کہی گئی ہے وہ سمجھ گیا ہے پھر جب کہیں جائے گا تو جن سے کوئی چیز لینی ہے یا کچھ کام لینا ہے ان کو سمجھانے سے عاجز رہے گا، اب تم سمجھ لو ایک طرف تو یہ شخص ہے جو گونا گوا ہے، بہر اے نہ یقینی طور پر بات سمجھتا ہے نہ سمجھا سکتا ہے خدمت بھی نہیں کر سکتا جو لوگ اس کی خدمت کریں ان کے لیے بھی وبال جان ہے کہیں بھیجا جائے تو خیر لے کر واپس نہ آئے اور اس کے برعکس دوسرا شخص وہ ہے جو سنتا بھی ہے جانتا بھی ہے سمجھتا بھی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی قوت بھی عطا فرمائی ہے وہ خود بھی ٹھیک کام کرتا ہے اور لوگوں کو بھی اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور عملی طور پر صراط مستقیم پر ہے جس مطلب اور مقصد کے لیے جاتا ہے اپنے علم و عمل کو کام میں لا کر جلد ہی

مفید کام کر کے راہیں آجاتا ہے یہ دو قسم کے آدمی ہیں اب بتاؤ کہ یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہر سمجھ دار یہ جواب دے گا کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے، جب یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو یہ گونگے بت اور وہ سب باطل معبود جو کسی نفع و ضرر کے مالک نہیں کیسے اللہ شانہ کے برابر ہو سکتے ہیں جن کی مشرکین عبادت کرتے ہیں۔

وَاللَّهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَىٰ عِلْمٍ مَا غَابَ فِيهِمَا وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ ۗ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ ۗ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ۗ مِنْهُ لِأَنَّهُ
 بِلَفْظٍ كُنْ فَيَكُونُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا ۗ الْجُمْلَةُ
 خَالٍ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ بِمَعْنَى الْأَسْمَاعِ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۗ الْقُلُوبَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ عَلَىٰ ذَلِكَ
 فَتُؤْمِنُونَ ۗ أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ مِثْلَ لِبَطِينِ ۗ فِي جَوِّ السَّمَاءِ ۗ أَى الطَّيْرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ
 مَا يُسْكِنُونَ ۗ عِنْدَ قَبْضِ أَجْنِحَتَيْهِمْ وَبَسْطِهَا أَنْ يَقَعْنَ ۗ إِلَّا اللَّهُ ۗ بِقُدْرَتِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ
 يُؤْمِنُونَ ۝ هِيَ خَلَقَهَا بِحَيْثُ يُمَكِّنُهَا الطَّيْرَانِ وَخَلَقَ الْجَوَّ بِحَيْثُ يُمَكِّنُ الطَّيْرَانِ فِيهِ وَأَمْسَا كِهَارَ
 اللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا مَوْضِعًا تَسْكُنُونَ فِيهِ ۗ وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا كَالْحِجَابِ
 وَالْقُبَابِ تَسْتَخْفُونَ فِيهَا لِلْحَمْلِ يَوْمَ طَعْنَكُمْ سَفَرَكُمْ ۗ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ ۗ وَمِنْ أَصْوَابِهَا أَى الْعَنَمِ وَأَوْبَارِهَا أَى
 الْإِبِلِ وَأَشْعَارِهَا أَى الْمَغْزِ أَيْ مَتَاعًا لِيُبَيِّنَ لَكُمْ كَيْبَسَطِ وَأَكْسِيَّةٍ وَمَتَاعًا تَتَمَتَّعُونَ بِهِ إِلَى جِينِ ۝ تَبْلَى
 فِيهِ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِمَّا خَلَقَ مِنَ الْبَيْتِ وَالشَّجَرِ وَالْغَنَامِ ظِلًّا جَمْعُ ظِلِّ تَقِيكُمْ خَرَّ الشَّمْسِ ۗ وَجَعَلَ لَكُمْ
 مِنَ الْجِبَالِ الْكُنُفَ جَمْعُ كِنٍ وَهُوَ مَا لِيَسْتَكِنَ فِيهِ كَالْغَارِ وَالسِّيْرِ ذَابٍ ۗ وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَائِلَ ۗ قُمْصًا تَقِيكُمْ
 الْحَرَّ أَى وَالْبَرْدَ ۗ وَسَرَائِلَ تَقِيكُمْ بِأَسْمِكُمْ ۗ خَرَّبَكُمْ أَى الطَّعْنَ وَالصَّرْبَ فِيهَا كَالدَّرُوعِ وَالْجَوَاشِينِ
 كَذَٰلِكَ كَمَا خَلَقَ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ فِي الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ بِخَلْقِ مَا تَحْتَاجُونَ إِلَيْهِ لَعَلَّكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ
 تُسَلِّمُونَ ۝ تُوَخِّدُونَهُ فَإِنْ تَوَلَّوْا أَعْرِضُوا عَنِ الْإِسْلَامِ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝ الْإِبْلَاحُ
 الْبَيِّنُ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْقِتَالِ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ۗ أَى يَقْرِءُونَ بِأَنَّهَا مِنْ عِنْدِهِ ثُمَّ يُفَكِّرُونَ بِأَنَّهَا بِأَشْرَافِهِمْ وَ
 أَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ ۝ اذْكُرْ

ترجمہ: اور آسمان وزمین کی تمام پوشیدہ باتیں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں (آسمان وزمین کی تمام چھپی ہوئی باتوں کا علم اللہ کے پاس ہے) قیامت کا معاملہ بس ایسا ہوگا جیسے آنکھ چھپکنا بلکہ اس سے بھی جلدی (کیونکہ کفر کن کہتے ہی قیامت برپا ہوتی ہے)

جائے گی) یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے (یہ حال واقع ہے) اور اس نے تمہیں کان دیئے (سمع السامع کے معنی میں ہے) اور آنکھ اور دل تاکہ تم (ان نعمتوں پر) شکر کرو (اور ایمان لے آؤ) کیا لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا (آسمان وزمین کے درمیان) میں سفر ہو رہے ہیں (اڑنے کی استعداد لئے ہوئے ہیں) ان کو کوئی نہیں تھا متاثر اللہ کے (بازوؤں کے پھیلائے اور سکونز نے کے وقت انہیں گر جانے سے) بلا شہاس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لئے (کہ یہ اللہ کی مخلوق ہیں اور کس قدرت کے تحت ان کے لئے اڑنا آسان کیا اور فضا کو پیدا کیا کہ جس میں اڑنا اور پروں کو سیٹنا ممکن ہو سکے) اور اللہ نے تمہارے گھروں کو تمہارے رہنے کی جگہ بنایا (جس میں تم سکونت اختیار کر سکتے ہو) اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھال کے گھر بنا دیئے (جیسے خیمے اور تپے) جو سبک ہیں (اٹھانے میں ہلکے پھلکے) کوچ کرو (سفر کی حالت میں) یا اقامت کی حالت ہو اور (بھیڑوں کے) (اون سے) اور (اونٹ کے) (روڈوں سے) اور (بکریوں سے) کتنے ہی سامان (جیسے گھروں کے بچھونے، کبیل اور سامان) (جس سے تم فائدہ اٹھاتے ہو) ایک خاص وقت تک (پھر پھٹ پھٹا جاتی ہیں) اور اللہ نے پیدا کی ہوئی بعض چیزوں کے (گھر، درخت، بادل) تمہارے لئے سائے پیدا کر دیئے ظلال، ظل کی جمع ہے، جو تم کو دھوپ کی گرمی سے بچاتے ہیں) اور پہاڑوں میں پناہ لینے کی جگہیں بنا دیں (اکٹان، کن کی جمع ہے چھنے کی جگہ جیسے غار اور تہ خانے) اور تمہارے لئے لباس (کرتے) بنا دیئے جو گرمی (اور سردی) سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں نیز آہنی لباس بنا دیا جو لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتا ہے تلوار اور نیزہ بازی کے وقت کام آتا ہے جیسے زرہ اور جوشن) اللہ تعالیٰ اسی طرح (جیسے ان چیزوں کو پیدا کیا) اپنی نعمتیں پوری کر رہا ہے (دنیا میں) تم پر (تمہاری ضروریات پوری کر کے) تاکہ تم (اے مکہ والو!) اس کے آگے جھک جاؤ (توحید بجا لاؤ) پھر اگر اس پر بھی یہ لوگ اعتراض کریں (اسلام سے روگردانی کریں) تو آپ کے ذمہ صاف صاف پیغام حق پہنچا دینا ہے یہ حکم جہاد سے منسوخ ہو چکا ہے یہ لوگ اللہ کی نعمتیں پہچانتے ہیں (یعنی یہ اقرار کرتے ہیں کہ یہ ساری نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں) پھر ان کی ناشکری کرتے ہیں (اس کے ساتھ شرک کر کے) اور اکثر ان میں ناشکرے ہیں۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضح و شرح

قولہ: عِلْمٌ مِّنَ غَايِبٍ: یعنی بندوں سے جو غائب ہے وہ مراد ہے۔

قولہ: إِلَّا كَلِمَاتٍ بَصِيْرَةٍ: یعنی نگاہ کا اوپر والی پلک سے نیچے کی جانب پلٹنا اور یہ حرکت ایک ہی زمانے میں پائی جاتی ہے اور اللہ کا مخلوق کو پیدا کرنا بھی ایک ہی مرتبہ ہے جو اس سے قریب تر وقت میں ہو گا اور وہاں مل کے معنی میں ہے۔

قولہ: مُذَلَّلَاتٍ لِلطَّيْرِ: یعنی اپنے پروں وغیرہ کے ذریعے وہ فضا میں تامل کئے ہوئے ہیں۔

قولہ: وَأَمْسَا كُنَّهَا: یعنی جسم کا بوجھ اس کے گرنے کا متقاضی ہے نہ کہ اوپر معلق رہے اور نیچے بھی کوئی سہارا نہیں جو اس کو روک سکے بس قدرت ہی ہے۔

قولہ: مَوْضِعَاتٍ مَّكْنُونٍ: یعنی سکن فعل بمعنی مفعول ہے یعنی جس کے اندر آدی رہائش اختیار کرتا ہے۔

قوله: الْقَبَابُ: یہ قبتہ کی جمع ہے چڑے کا خیمہ۔

قوله: الْأَبْلُ: یعنی اون وغیرہ کی اضافت انعام کی طرف مجازی ہے کیونکہ تمام کا ذکر کر کے مراد جز لیا ہے۔

قوله: بَجَلِيٍّ: اس سے اشارہ کیا کہ وہ اپنی مضبوطی کی وجہ سے طویل عرصہ تک چلتے ہیں۔

قوله: سَكِينٌ: اس کی جمع اکنان ہے گھر، غار اور خیمے پر بولا جاتا ہے۔

قوله: الْحَمْرُ: اس کو خاص اس لئے کیا کہ ان کے ہاں گرمی سردی کی نسبت زیادہ پائی جاتی ہے۔ یا متقابلین میں سے ایک کا

تذکرہ بطور اکتفاء ہے۔

قوله: زَأَجْوَانِيْنَ: یہ جوش کی جمع ہے ذرع کو کہا جاتا ہے جبکہ سر بال اس کے مقابلے میں عام ہے۔

قوله: يُقْرُونَ: اس کی تفسیر اقرار سے کر کے اشارہ کیا کہ وہ انکار کرنے والے ہیں جو کہ اس کا مقابل ہے۔ تَعْدُ يَنْكُرُونَهَا

اس کا مؤید ہے۔

قوله: الْكُفْرُونَ: یہاں عناد سے انکار کرنے والے مراد ہیں اور کفار کی اکثریت اسی طرح تھی۔

تفسیر مقبولین

وَيَلْبِغُو غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ

اللہ تعالیٰ ہی کو غیب کا علم ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے:

توحید کے دلائل بیان فرمانے کے بعد یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو آسمانوں کی اور زمین کی ان سب چیزوں کا علم ہے جو مخلوقات کے علم اور فہم اور عقل و ادراک سے باہر ہیں، وقوع قیامت کی جو خبر آ رہی ہے اس میں اس کی تمہید ہے، مذکورہ بالا علوم غیبیہ کا تذکرہ فرما کر جن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہے یوں فرمایا کہ جب قیامت کے آنے کا وقت ہوگا جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے اس وقت اچانک آجائے گی اور ایسی جلدی اس کا وقوع ہوگا جیسے پلک جھپک جائے، پلک جھپکنے میں کچھ دیر بھی لگتی ہے اس سے بھی کم وقت میں آپہنچے گی، اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰﴾ (بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے) اس میں منکرین بعثت کی تردید فرمائی کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس نے جو قیامت کا وقت مقرر کیا ہے اس کے مطابق آئے گی اس وقت جلدی سے آجائے گی مردوں کو زندہ کرنا اور گلی سزی ریزہ ریزہ ہڈیوں میں جان ڈالنا یہ سب کچھ اس کی قدرت میں ہے سب کے احوال اور اعمال بھی اسے معلوم ہیں وہ زندہ فرما کر اپنے علم کے مطابق حساب لے گا اور جزا دے گا، موصد ہونے کے ساتھ ساتھ چونکہ معاد اور بعثت و نشور پر ایمان لانا بھی ضروری ہے اس لیے توحید کے دلائل بیان کرنے کے بعد وقوع قیامت کا بھی تذکرہ فرما دیا۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهَاتِكُمْ

دلائل انفسی میں غور و فکر کی دعوت:

سوارشاد فرمایا گیا کہ اور اللہ ہی نے تم سب کو نکالا تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے (اے لوگو!)۔ جو ایک بڑا ثبوت ہے اس کمال قدرت اور بے نہایت رحمت و عنایت کا سبحانہ و تعالیٰ۔ سو نو ماہ تک تم لوگ اپنی ماؤں کے پیٹوں میں رہے جہاں حیض اور خون تمہاری غذا تھی۔ تو اس قادر مطلق نے اپنی قدرت بے پایاں اور رحمت و عنایت بے نہایت سے تم کو وہاں سے نکالا۔ جبکہ تم لوگ کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور جاننے کے قابل بھی نہیں تھے کہ تم محض گوشت کی بوٹی کی طرح تھے تو اس نے تمہیں وسائل علم و ادراک سے نوازا اور تم کو بتدریج اور آہستہ آہستہ کہاں سے کہاں پہنچایا۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ پھر اس کی قدرت و عنایت کو بھلا کر اس کا باغی بن جاؤ ناکس قدر اور کتنی بڑی بے انصافی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے زلف و ضلال سے ہمیشہ اپنی حفاظت و پناہ میں رکھے آمین۔ تم آمین۔

کانوں اور آنکھوں کی نعمت کے بارے میں غور و فکر کا سامان:

ارشاد فرمایا اور اسی نے تمہیں کان بخشے اور آنکھیں عطا کیں۔ جو کہ عظیم الشان ذرائع و وسائل ہیں علم و ادراک کے حصول کے۔ جن سے اس نے محض اپنے فضل و کرم سے تمہیں نوازا ہے۔ اور اس نے تمہاری طرف سے کسی طرح کی اپیل و درخواست کے بغیر تمہیں نوازا ہے۔ سو ان عنایات کا تقاضا تھا کہ تم لوگ ان ذرائع و وسائل علم و ادراک سے صحیح طور پر کام لے کر نور علم و معرفت سے سرفراز ہوتے اور اپنے خالق و مالک کے حضور دل و جان سے جھک جاتے۔ اور اس طرح تم اس کا حق شرک ادا کرنے کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوتے اور خود اپنے لئے بھی سعادت دارین کی سرفرازی کا سامان کرتے۔ مگر تم لوگوں نے اس کے برعکس اسی وعدہ لا شریک کے ساتھ کفر و شرک جیسے سنگین اور گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا۔ جو کہ دارین کی ہلاکت و تباہی اور ابدی اور ہولناک خسارے کا باعث ہے۔

نعمت دل کی عنایت اور اس کا تقاضا:

سوارشاد فرمایا اور اسی نے تمہیں دل دیئے تاکہ تم لوگ شکر ادا کر سکو پس اس داہب مطلق کا جس نے تم کو ان عظیم الشان نعمتوں سے نوازا اس کا شکر ادا کرو دل و جان سے۔ اس کے ان عظیم احسانات کو پہچان کر۔ اور ان کا احساس کر کے۔ اور اس طرح کہ تم ان نعمتوں کو اس کی اطاعت و بندگی اور رضاء و خوشنودی میں صرف کرو کہ یہ اس کا حق شکر بھی ہے جو تم لوگوں پر واجب ہے۔ اور اسی میں خود تمہارا بھلا ہے کہ اس سے ایک طرف تو تمہاری ان نعمتوں میں برکت آئے گی اور دوسری طرف تم اپنے خالق و مالک کی رضاء و خوشنودی سے سرفراز ہو سکو گے جو کہ اصل مقصود اور سب سے بڑا شرف و انعام ہے۔ وباللہ التوفیق۔ مگر تم لوگوں نے ان اس داہب مطلق کی بخشی ہوئی ان انمول اور عظیم الشان نعمتوں کو اس کی معصیت و نافرمانی میں صرف کیا اور کفر و شرک جیسے جرائم کا ارتکاب کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنی رضاء و خوشنودی کی راہوں پر گامزن رہنے کی توفیق بخشے آمین تم آمین۔

اَللّٰهُ يَرْوٰ اِلَى الظُّلُمٰتِ مُمْسِكًا تِى جَوِّ السَّمَآءِ

پھر ارشاد فرمایا کہ کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے جو آسمانی نضا میں مسخر ہیں ان کو نیچے گرنے سے کوئی چیز روکنے والی نہیں صرف

اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قدرت سے رکے ہوئے ہیں، اڑ رہے ہیں اور آگے بڑھ رہے ہیں حالانکہ بوجھ والے ہیں زمین کی کشش انہیں اپنی طرف نہیں کھینچ پاتی اگر کوئی شخص یوں کہے کہ پروں کی حرکت کی وجہ سے ہوا میں موج اور تحریک ہے جس کی وجہ سے نہیں گرتے اس کا جواب یہ ہے کہ پروں میں یہ قوت اور ہوا میں یہ تحریک اور موج کہاں سے آیا؟ یہ بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کا پیدا فرمایا ہوا ہے، ذرا انسان تو اڑ کے دیکھ لے اپنے ہاتھوں کو حرکت دے پھر دیکھے فضا میں ٹھہر سکتا ہے یا نہیں، اسی سے ہوائی جہاز کو بھی سمجھ لیں ہزاروں سال انسان کو پتہ ہی نہ تھا کوئی فضاء میں چلنے والی سواری وجود میں آسکتی ہے جب اللہ تعالیٰ شانہ نے دماغ میں ڈالا اور طریقہ بتایا تو اس کی مشین اور باڈی بنانے کے لائق ہو گئے، یہ تسخیر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب اس کی تسخیر نہیں رہتی تو سارے آلات دھرے رہ جاتے ہیں، ہوشمند پائلٹ بے قابو ہو جاتا ہے اور جہاز گر پڑتا ہے۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۲﴾ (بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔)

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ....

احسانات الہی کی ایک جھلک:

قدیم اور بہت بڑے ان گنت احسانات و انعامات والا اللہ اپنی اور نعمتیں ظاہر فرما رہا ہے۔ اسی نے بنی آدم کے رہنے سہنے آرام اور راحت حاصل کرنے کے لئے انہیں مکانات دے رکھے ہیں۔ اسی طرح چوپائے، جانوروں کی کھالوں کے خیمے، ڈیرے، تم کو اس نے عطا فرما رکھے ہیں کہ سفر میں کام آئیں، نہ لے جانا دو بھرنہ لگانا مشکل، نہ اکھیڑنے میں کوئی تکلیف۔ پھر بکریوں کے بال، اونٹوں کے بال، بھینڑوں اور دنبوں کی اون، تجارت کے لئے مال کے طور پر اسے تمہارے لیے بنایا ہے۔ وہ گھر کے برتنے کی چیز بھی ہے اس سے کپڑے بھی بنتے ہیں، فرش بھی تیار ہوتے ہیں، تجارت کے طور پر مال تجارت ہے۔ فائدے کی چیز ہے جس سے لوگ مقررہ وقت تک سود مند ہوتے ہیں۔ درختوں کے سائے اس نے تمہارے فائدے اور راحت کے لئے بنائے ہیں۔ پہاڑوں پر غار قلعے وغیرہ اس نے تمہیں دے رکھے ہیں کہ ان میں پناہ حاصل کرو۔ چھپنے اور رہنے سہنے کی جگہ بنا لو۔ سوتی، اونی اور بالوں کے کپڑے اس نے تمہیں دے رکھے ہیں کہ پہن کر سردی گرمی کے بچاؤ کے ساتھ ہی اپنا ستر چھپاؤ اور زیب و زینت حاصل کرو اور اس نے تمہیں زرہیں، خود بکتر عطا فرمائے ہیں جو دشمنوں کے حملے اور لڑائی کے وقت تمہیں کام دیں۔ اسی طرح وہ تمہیں تمہاری ضرورت کی پوری پوری نعمتیں دیئے جاتا ہے کہ تم راحت و آرام پاؤ اور اطمینان سے اپنے منعم حقیقی کی عبادت میں لگے رہو۔ تسلمون کی دوسری قرأت تسلمون بھی ہے۔ یعنی تم سلامت رہو۔ اور پہلی قرأت کے معنی تاکہ تم فرمانبردار بن جاؤ۔ اس سورۃ کا نام سورۃ النعم بھی ہے۔ لام کے زبردانی قرأت سے یہ بھی مراد ہے کہ تم کو اس نے لڑائی میں کام آنے والی چیزیں دیں کہ تم سلامت رہو، دشمن کے وار سے بچو۔ بیشک جنگل اور بیابان بھی اللہ کی بڑی نعمت ہیں لیکن یہاں پہاڑوں کی نعمت اس لئے بیان کی کہ جب سے کلام ہے وہ پہاڑوں کے رہنے والے تھے تو ان کی معلومات کے مطابق ان سے کلام ہو رہا ہے اسی طرح چونکہ وہ بھیڑ بکریوں اور اونٹوں والے تھے انہیں یہی نعمتیں یاد دلائیں حالانکہ ان سے بڑھ کر اللہ کی نعمتیں مخلوق کے ہاتھوں میں اور بھی بی شمار ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سردی کے اتارنے کا احسان بیان فرمایا حالانکہ اس سے اور بڑے احسانات موجود ہیں۔ لیکن یہ ان کے سامنے اور ان کی جانی پہچانی چیز تھی۔ اسی طرح چونکہ یہ لڑنے بھڑنے والے جنگجو لوگ

متبلین شرح جلالینہ جلد ۱۱ ۵۷۷
تھے، لڑائی کے بجائے کی چیز بطور نعمت ان کے سامنے رکھی حالانکہ اس سے صدمہ ہار جے بڑی اور نعمتیں بھی مخلوق کے ہاتھ میں موجود ہیں۔ اسی طرح چونکہ ان کا ملک گرم تھا فرمایا کہ لباس سے تم گرمی کی تکلیف ذائل کرتے ہو ورنہ کیا اس سے بہتر اس منعم حقیقی کی اور نعمتیں بندوں کے پاس نہیں؟

اسی لئے ان نعمتوں اور رحمتوں کے اظہار کے بعد ہی فرماتا ہے کہ اگر اب بھی یہ لوگ میری عبادت اور توحید کے اور میرے بے پایاں احسانوں کے قائل نہ ہوں تو تجھے ان کی ایسی پڑی ہے؟ چھوڑ دے اپنے کام میں لگ جاتجھ پر تو صرف تبلیغ ہی ہے وہ کئے جا۔ یہ خود جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نعمتوں کا دینے والا ہے اور اس کی بی شمار نعمتیں ان کے ہاتھوں میں ہیں لیکن باوجود علم کے منکر ہو رہے ہیں اور اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں بلکہ اس کی نعمتوں کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں سمجھتے ہیں کہ مددگار فلاں ہے رزق دینے والا فلاں ہے، یہ اکثر لوگ کافر ہیں، اللہ کے شاکرے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، آپ نے اس آیت کی تلاوت اس نے تمہیں جو پاپوں کی کھالوں کے خیمے دیئے اس نے کہا یہ بھی سچ ہے، اسی طرح آپ ان آیتوں کو پڑھتے گئے اور وہ ہر ایک نعمت کا اقرار کرتا رہا آخر میں آپ نے پڑھا اس لئے کہ تم مسلمان اور مطیع ہو جاؤ اس وقت وہ پیٹھ پھیر کر چل دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آخری آیت اتاری کہ اقرار کے بعد انکار کر کے کافر ہو جاتے ہیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا هُوَ نَبِيُّهَا يَشْهَدُ لَهَا وَعَلَيْهَا وَعَلَيْهَا وَهُوَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا فِي
الْإِعْتِدَارِ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ لَا تَطْلُبُ مِنْهُمْ الْعُثْبِيُّ أَيُّ الرَّجُلِ غَالِي مَا لَا يَرْضَى اللَّهُ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا
كَفَرُوا الْعَذَابَ النَّارَ فَلَا يُخَفُّ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ۝ يَمْهَلُونَ عَنْهُ إِذَا رَأَوْهُ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا
شُرَكَاءَهُمْ مِنَ الشَّيَاطِينِ وَغَيْرِهَا قَالُوا رَبَّنَا هُوَ لَآءِ شُرَكَائِنَا الَّذِينَ كَانُوا نَدْعُوا نَعْبُدُهُمْ مِنْ دُونِكَ قَالُوا
لَهُمْ الْقَوْلُ أَيْ قَالُوا لَهُمْ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ فِي قَوْلِكُمْ إِنَّكُمْ عِبُدْتُمْوْنَا كَمَا فِي آيَةِ أُخْرَى مَا كَانُوا آيَانَا
يُعْبُدُونَ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَالْقَوْلُ إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَامُ أَيْ اسْتَسَلِمُوا الْحُكْمَ وَصَلَّ غَاب عَنْهُمْ مَا
كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ مِنْ أَنَّ إِلَهُتَهُمْ تَشْفَعُ لَهُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدَّوْا النَّاسَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ دِينَهُ زِدْ لَهُمْ عَذَابًا
فَوْقَ الْعَذَابِ الَّذِي اسْتَحَقُّوهُ بِكُفْرِهِمْ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَقَابُ آبِيهَا كَالنَّخْلِ الطَّوَالِ
بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ۝ بِصَدِّهِمِ النَّاسَ عَنِ الْإِيمَانِ وَأَذْكَرُ يَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ
هُوَ نَبِيُّهُمْ وَجِئْنَا بِكَ يَا مُحَمَّدُ شَهِيدًا عَلَى هَوَالِءِ أَيُّ قَوْمِكَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ تِبْيَانًا بَدِيَانًا
لِكُلِّ شَيْءٍ يَحْتَاجُ النَّاسُ إِلَيْهِ مِنْ أَمْرِ الشَّرِيعَةِ وَهُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ وَرَحْمَةً وَبُشْرَى بِالْجَنَّةِ لِلْمُسْلِمِينَ ۝

تو چھٹی: (اس وقت کو یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہی دینے والا کھڑا کریں گے (وہ اس امت انبیاء ہوگا جو اس امت کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دے گا، یہ قیامت کا دن ہوگا) پھر ان کافروں کو اجازت نہ دی جائے گی (عذرو معذرت کرنے کی) اور نہ ان سے توبہ لی جائے گی (یعنی ان سے ایسی چیزوں سے توبہ کرنے کی فرمائش نہیں کی جائے گی جن میں حق تعالیٰ کی ناراضگی ہے) اور جب ظالم (یعنی کافر) عذاب (جہنم کی آگ) کو دیکھیں گے تو غدا ب ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو ڈھیل ملے گی (عذاب سامنے آ جانے کے بعد ان کو مہلت نہیں دی جائے گی) اور جن لوگوں نے ظلم کے ساتھ (شیاطین وغیرہ) شریک ٹھہرایا ہے جب اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو پکارا نہیں گے سے پروردگار یہ ہیں ہمارے شریک جنہیں ہم تیرے سوا پکارتے تھے (جن کی عبادت کیا کرتے تھے) اس پر وہ بنائے ہوئے شریک ان کی طرف اپنا جواب بھیجیں گے (یہ کہیں گے کہ) نہیں تم سراسر جھوٹے ہو! کہ تم نے ہماری بندگی کی چنانچہ دوسری آیت میں بھی ارشاد ہے: اور اس دن یہ لوگ اللہ کے سامنے سر جھکا دیں گے (یعنی اس کے آگے اطاعت کی باتیں کرنے لگیں گے اور کہیں جائیں جو کچھ افتراء پردازیاں کرتے تھے (یہ کہ ان کے معبود ہیں جو ان کی سفارش کریں گے) جو لوگ کفر کرتے تھے اور روکتے تھے (لوگوں کو) اللہ کی رہ (اس کے دین) سے ان کے لئے ہم بڑھائیں گے سزا پر دوسری سزا (اپنے کفر کی وجہ سے جس کے وہ مستحق ہوئے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ (ایسے پچھو ہوں گے کہ کھجور کے بڑے بڑے درختوں کے برابر اٹکے ڈنک ہوں گے) ان کے اس فساد کے مقابلہ میں جو وہ کرتے تھے (لوگوں کو ایمان سے روک کر اور وہ دن بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جس دن ہم ہر امت سے ایک ایک گواہ جو انہیں میں کا ہوگا ان کے مقابلہ میں کھڑے کریں گے (مراد اس امت کا نبی ہے) اور ان لوگوں (آپ کی امت پر) ہم آپ کو (اے محمدؐ) گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر کتاب (قرآن کریم کو) اتارا ہے کہ تمام باتوں کا بیان کرنے والا (واضح کرنے والا) ہے ان باتوں کو جس کے لوگ محتاج ہیں اپنے دین کے بارے میں) اور ہدایت ہے (مگر انہی سے) اور رحمت ہے اور خوشخبری سننے والا ہے (جنت کی) مسلمانوں کے لئے (توحید پرستوں کے لئے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضح و شرح

قولہ: اذ ٹکڑ: اس سے اشارہ کیا کہ یوم نفل محذوف کا ظرف ہے نہ کہ مذکورہ کا۔

قولہ: قَالُوا رَبَّنَا: اس سے اشارہ ہے کہ یہ قول ان کا اپنی خطا کے اعتراف کے طور پر ہے یا عذاب کی کمی میں انتہاس کے طور پر ہے۔

قولہ: وَتَوَلَّوْنَا: یہ جملہ متانفہ ہے۔

تفسیر مقبولین

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا

قیامت کے دن کے چند منظر، کاسنروں اور مشرکوں کیلئے عذاب کی وعید:
ان آیات میں روز قیامت کے بعض منظر ذکر فرمائے ہیں اول تو یہ فرمایا کہ قیامت کے دن ہر امت میں سے ہم ایک گواہ قائم کریں گے یہ گواہ ان کا پیغمبر ہوگا جو ان کے کفر کے بارے میں گواہی دے گا، جب کفار قیامت کے دن جمع ہوں گے تو انہیں کسی قسم کے عذر اور معذرت کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان سے یوں کہا جائے گا کہ اللہ کو راضی کر لو اور راضی کر کے عذاب سے چھوٹ جاؤ کیونکہ راضی کرنے کا موقع صرف دنیا ہی میں تھا وہاں کفر سے توبہ کر لیتے تو اللہ تعالیٰ شہ راضی ہو جاتا لیکن جب کفر پر موت آگئی تو اب اپنے رب کو راضی کرنے کا کوئی راستہ نہ رہا اب تو عذاب میں جانا ہی ہوگا۔

کفر کی سزائیں جب انہیں عذاب نظر آئے گا اور عذاب میں داخل ہونے لگیں گے تو خلاصی کا یا تخفیف عذاب کا یا مہلت کا کوئی راستہ نہ پائیں گے اس موقع پر کفار اور مشرکین اپنے شرکاء یعنی اپنے معبودوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ ہمارے شرکاء ہیں یعنی یہ وہ معبود ہیں جنہیں ہم نے آپ کی عبادت میں شریک کر لیا تھا ان کے شرکاء یعنی باطل معبودوں کی طرف متوجہ ہو کر کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو یہ بات کہہ کر ان سے اپنی بے تعلقی ظاہر کر دیں گے۔

علامہ قرطبی اپنی تفسیر ص ۱۶۳ ج ۱۰ میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جن کو بولنے کی قوت عطا فرمائے گا اور وہ یوں کہیں گے کہ تم نے جو ہمارے بارے میں معبود ہونے کا عقیدہ بنایا اس میں تم جھوٹے ہو، ہم معبود نہیں تھے، ہم تو معبود حقیقی کی مخلوق تھے اور عاجز محض تھے، ہم نے تمہیں اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا، کافروں کو رسوا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ جن کو زبان دے دے گا جب یہ کفار عذاب دیکھیں گے اور عذاب سے بچنے کا کوئی راستہ نہ پائیں گے تو فرما نہر داری کی باتیں کرنے لگیں گے اور یوں کہیں گے کہ اے رب جو کچھ حکم ہو ہم کرنے کے لیے تیار ہیں ہمیں عذاب سے محفوظ کر دیا جائے، دنیا میں جب انہیں توحید کی دعوت دی جاتی تھی تو کفر و شرک کی باتیں کرتے تھے اور انہیں ضدھی کہ حق قبول نہ کریں گے، حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی جھٹلاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے تھے جن سے وہ پاک ہے، ساری باتیں اس دن گم ہو جائیں گی اور توبہ کا بھی موقع نہ دیا جائے گا قبول ایمان اور توبہ کا موقع دنیا میں تھا جسے پیچھے چھوڑ آئے۔

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے رد کا وہ جھٹلائے عذاب ہوں گے اور ان کے فساد پھیلانے کی وجہ سے ان کو عذاب دیا جائے گا ایک عذاب کفر پر دوسرا عذاب فساد کرنے پر۔ قال صاحب الروح ای زدناہم عذابا فوق العذاب الذی يستحقونہ بکفرہم بسبب استمرارہم علی الافساد وهو الصدع عن السبیل صاحب روح المعانی فرماتے ہیں یعنی اپنے کفر کی وجہ سے وہ جس عذاب کے مستحق تھے اس سے اوپر اور عذاب دیا فساد پر ان کے اصرار کی وجہ سے اور ان کا فساد راہ حق سے لوگوں کو روکنا ہے۔ (ص ۲۱۲ ج ۱۷)

آخر میں فرمایا ہم ہر جماعت میں سے ایک گواہ قائم کریں گے جو انہیں میں سے ہوگا اور ان پر گواہی دے گا، یہ ہر امت کا نبی ہوگا اور نبی اکرم ﷺ کو بھی اپنی امت پر گواہ بنایا جائے گا، آپ ان کا تذکرہ فرمائیں گے، کہ میری امت گواہی دینے کے لائق ہے، شاہد عدل ہے (کما مرئی البقرة) اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ حواء سے حضرات انبیاء کرام ﷺ مراد ہیں وہ حضرات اپنی اپنی امتوں کے بارے میں گواہی دیں گے اور آنحضرت ﷺ حضرات انبیاء کرام ﷺ کے بارے میں گواہی دیں گے کہ ان حضرات کی گواہی حق ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ اِس میں کتاب یعنی قرآن کو ہر چیز کا بیان فرمایا گیا ہے مراد اس سے دین کی سب چیزیں اور باتیں ہیں کیونکہ وحی و نبوت کا مقصد انہی چیزوں سے متعلق ہے اس لئے معاشی فنون اور ان کے مسائل کو قرآن میں زھونڈھنا ہی غلط ہے اگر کہیں کوئی ضمنی اشارہ آجائے تو وہ اس کے منافی نہیں رہا یہ سوال کہ قرآن کریم میں دین کے بھی تو سب مسائل مذکور نہیں تو تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کہنا کیسے درست ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اصول تو تمام مسائل کے موجود ہیں انہی کی روشنی میں احادیث رسول کریم ﷺ ان مسائل کا بیان کرتی ہیں اور کچھ تفصیلات کو اجماع و قیاس شرعی کے سپرد کر دیا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ احادیث رسول کریم ﷺ اور اجماع و قیاس سے جو مسائل نکلے ہیں وہ بھی ایک حیثیت سے قرآن ہی کے بیان کئے ہوئے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِنصَافِ وَالْإِحْسَانِ ۚ أَدَاءَ الْفَرَائِضِ ۚ وَأَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ كَمَا فِي الْحَدِيثِ ۚ وَرَبَّنَا ۙ أَعْطَا ۙ ذِي الْقُرْبَى الْقُرْبَى ۚ حَصَّةً بِالذِّكْرِ ۚ اهْتِمَامًا بِهِ وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ الرِّئَا وَالسُّكْرِ شَرِّ عَا مِّنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِي ۚ وَالْبَغْيِ ۚ الظُّلْمِ لِلنَّاسِ حَصَّةً بِالذِّكْرِ ۚ اهْتِمَامًا كَمَا بَدَأَ بِالْفَحْشَاءِ لِذَلِكَ يَعْظُمُ بِالْأَمْرِ وَالنَّهْيِ لِعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ تَعِظُونَ ۚ وَفِيهِ إِذْ غَامَ النَّاءُ فِي الْأَصْلِ فِي الدَّالِ ۚ وَفِي الْمُشْتَدِّكَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ ۚ هَذِهِ أَجْمَعُ آيَةٌ فِي الْقُرْآنِ لِلْخَيْرِ وَالشَّرِّ ۚ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ۚ مِنَ الْبَيْعَةِ وَالْإِيمَانِ ۚ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْإِيمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا ۚ تَوْكِيدُهَا تَوْكِيدُهَا وَقَدْ جَعَلْتُمْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ كَهَيْلًا بِالْوَفَاءِ ۚ حَيْثُ خَلَقْتُمْ بِهِ ۚ وَالْجُمْلَةُ خَالَ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ۝ تَهْدِيدٌ لَهُمْ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَقَضَتْ ۚ أَسَدَتْ ۚ عَزَلَهَا مَا عَزَلْتَهُ مِنْ بَعْدِ قَوْلِهِ إِحْكَامٌ لَهُ ۚ وَبَرِّمَ ۚ أَنْكَافًا ۚ خَالَ جَمْعٌ نَكْبٌ ۚ وَهُوَ مَا يُنْكُتُ ۚ أَيْ يَجْلُ أَحْكَامُهُ ۚ وَهِيَ امْرَأَةٌ حَمَقَاءُ مِنْ مَكَّةَ كَانَتْ تَغْرُلُ طُولَ يَوْمِهَا ۚ تَمْتَمُ تَتَّخِذُونَ ۚ خَالَ مِنْ ضَمِيرٍ تَكُونُوا ۚ أَيْ لَا تَكُونُوا ۚ امْتَلَاهَا فِي اتِّخَاذِكُمْ لِمَا نَكَبْتُمْ ۚ وَخَلَا ۚ هُوَ مَا يَدْخُلُ فِي الشَّيْءِ ۚ وَلَيْسَ مِنْهُ أَيْ فَسَادًا ۚ أَوْ خَدِيعَةً بَيْنَكُمْ ۚ بَانَ تَنْقُضُوهَا ۚ أَنْ أَيْ لِأَنَّ تَكُونُ أُمَّةٌ جَمَاعَةٌ ۚ هِيَ أَرْبَى ۚ أَكْثَرُ مِنْ أُمَّةٍ ۚ وَكَانُوا ۚ أَحْيَالُ الْقُرُونِ ۚ الْحَلْفَاءُ ۚ فَادَّو ۚ وَجَدُوا ۚ أَكْثَرُ مِنْهُمْ ۚ وَأَعَزَّ ۚ نَفْضُوا

خَلْفَ أَوْلَٰئِكَ وَخَالَفُواهُمْ إِنَّمَا يَبْتَغُونَكَ بِخَيْرٍ كَمَا اللَّهُ بِهِ أَيُّ بِنَا أَمْرٍ بِهِ مِنَ الْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ لِيُنْظَرَ الْمُطِيعُ
 مِنْكُمْ وَالْعَاصِي أَوْ تَكُونَ أُمَّةً أَرَبِي لِيُنْظَرَ أَتَقُونَ أَمْ لَا وَكَيِّبَتُنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٨١﴾
 فِي الدُّنْيَا مِنْ أَمْرِ الْعَهْدِ وَوَعْدِهِ بِأَنْ يُعَذِّبَ النَّاسِ وَيُثِيبَ الْوَافِي وَكَوَشَاءَ اللَّهِ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدًا أَهْلَ
 دِينٍ وَاحِدٍ وَلَكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَلَكَسَلْتُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَوَاءً تَجِيِبُ عَمَّا كُنْتُمْ
 تَعْمَلُونَ ﴿٥٨٢﴾ لِيَجَازُوا عَلَيْهِ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِنَا كَمَا كُنْتُمْ تَتَّخِذُونَ كَثْرَةً تَكِيدًا وَدَخَلًا بَيْنَكُمْ كَثْرَةً تَكِيدًا فَتَرَى قَدَمًا أَيْ
 أَقْدَامَكُمْ عَنْ مَحَجَّةِ الْإِسْلَامِ بَعْدَ ثُبُوتِهَا اسْتِقَامَتِهَا عَلَيْهَا وَتَدَوُّوهُ السُّوءَ الْعَذَابِ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ
 سَبِيلِ اللَّهِ أَيُّ بَصَدْتُمْ عَنْ الْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ أَوْ بَصَدْتُمْ غَيْرَكُمْ عَنْهُ لِأَنَّهُ يَنْسِي بَكُمْ وَلكُمْ عَذَابٌ
 عَظِيمٌ ﴿٥٨٣﴾ فِي الْآخِرَةِ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا مِنَ الدُّنْيَا بَأَنْ تَنْقُضُوهُ لِأَجَلِهِ إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ مِنَ
 الثَّرَابِ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ مِمَّا فِي الدُّنْيَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٨٤﴾ ذَلِكَ فَلَا تَنْقُضُوا مَا عِنْدَكُمْ مِنَ الدُّنْيَا يُنْفَذُ بِقَبْضِ
 وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقِي دَائِمٌ وَكَعْجِزِينَ بِالْبِئَاءِ وَالنُّونِ الَّذِينَ صَبَرُوا عَلَى الْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ أَجْرُهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا
 يَعْمَلُونَ ﴿٥٨٥﴾ أَحْسَنُ بِمَعْنَى حَسَنٍ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِمَّنْ ذَكَرَ أَوْ أُنْثِيَ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّاهُ حَيَاةً طَيِّبَةً قَبَسَ
 هِيَ حَيَاةُ الْجَنَّةِ وَقِيلَ فِي الدُّنْيَا بِالْقَنَاعَةِ وَالرِّزْقِ الْحَلَالِ وَكَعْجِزَتَهُمْ أَجْرُهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا
 يَعْمَلُونَ ﴿٥٨٦﴾ فَإِذَا قُرَأَتِ الْقُرْآنُ أَيُّ أَرَدَتْ فِرَاتُهُ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٥٨٧﴾ أَيُّ قُلِّ اعْوُذُ بِاللَّهِ مِنَ
 الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَنٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٥٨٨﴾ إِنَّمَا سُلْطَنُهُ عَلَى الَّذِينَ
 يَتَوَكَّلُونَ بِطَاعَتِهِ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ أَيُّ اللَّهُ تَعَالَى مُشْرِكُونَ ﴿٥٨٩﴾

۱۹

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے عدل کا (توحید بجالانے یا انصاف کرنے کا) اور بھلائی کرنے کا (فرائض کی ادائیگی کا) یا
 یہ کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو جیسا کہ حدیث میں ہے) اور قرابت داروں کو دینے کا (رشتہ
 داروں کی تخصیص ان کی اہمیت کے پیش نظر ہے اور منع کرتا ہے بے حیائی (زنا) سے اور ہر نامعقول کام سے (جو شریعت کی نظر
 میں برا ہو جیسے کفر اور گناہ کا ارتکاب) اور سرکشی (لوگوں پر زیادتی کرنے) سے ظلم کی تخصیص ہر کے پیش نظر ہے جیسا کہ شروع
 میں فرماتا ہے (تم کو سمجھاتا ہے) (حکم دیکھ اور منع کر کے) تاکہ تم یاد رکھو (نصیحت پکڑو) کہ "میں تا۔
 کا ادغام ذال میں ہو رہا ہے متدرک میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ خیر و شر کے سلسلہ میں قرآن کریم کی یہ جانتا

ترین آیت ہے) اور پورا کر دینا کا عہد (بیعت اور ایمان وغیرہما) جب آپس میں عہد کر داور نہ توڑ دقسموں کو ان کے مستحکم (پکا) کرنے کے بعد حالانکہ اللہ کو گواہ بھی بنا چکے ہو (ایفاء عہد پر قسم کھا کر (یہ جملہ حال واقع ہے) بیشک اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو (یہ ان کے لئے دھمکی ہے) تم اس عورت کے مشابہ مت بنو جس نے توڑا (بیکار کر دیا) اپنا سوت (جس کا کات رہی تھی) محنت کے بعد (مستحکم و مضبوط کاتنے کے بعد) ٹکڑے ٹکڑے (انکا حال واقع ہے اور نکث کی جمع ہے، کسی مضبوط چیز کو ڈھیلا کر دینا کھول دینا، یہ مکہ میں ایک بیوقوف عورت تھی جو پورے دن سوت کاتی اور پھر شام کو خراب کر دیتی تھی) تم مت بناؤ (یہ تکنو نو کی خبر سے حال واقع ہے یعنی تم اس عورت کے مشابہ نہ بنو، اپنے بنانے میں) قسموں کو فساد کا ذریعہ (داخل ایسی چیز کو کہتے ہیں جو شئی کی جنس سے نہ ہو اور اس میں داخل کر دی جائے یعنی نسا اور دھوکہ کا ذریعہ اپنی قسموں کو نہ بناؤ) اپنے درمیان (قسموں کو توڑ کر) تاکہ (ان لان کے معنی میں ہے) ایک جماعت بڑھ جائے دوسری جماعت سے (زمانہ جاہلیت میں لوگ قسمیں کھایا کرتے تھے پھر جب طاقت میں دوسروں پر بڑھ چڑھ جاتے تو پھر ان قسموں کو توڑ دیتے تھے) یہ تو اللہ تم کو پرکھتا ہے (آزماتا ہے) اس سے (اس عہد کے ذریعہ جس کو پورا کرنے کا تم کو حکم دیا تاکہ تم میں سے فرمانبردار اور نافرمان کو دیکھ سکے یا اگر غالب گروہ ہے تو دیکھے کہ عہد کو پورا کرتا ہے یا نہیں؟) اور تاکہ ظاہر کر دے تمہارے لیے قیامت کے دن ان چیزوں کو جن میں تم اختلاف کرتے تھے (دنیا میں، عہد وغیرہ کے سلسلہ میں۔ یعنی عہد شکنی کرنے والے کو قیامت کے دن مزادے گا اور عہد کی پاسداری کرنے والے کو جزا دے گا) اگر اللہ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا (ایک ہی دین کے ماننے والے لیکن وہ جسے چاہتا ہے بے راہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ پر ڈال دیتا ہے اور تم سے تمہارے اعمال کی ضرورت باز پرس ہوگی) تاکید تمہیں اس پر بدلہ دیا جائے (اور اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ مت بناؤ) اس جملہ کو بغرض تاکید مکرر لایا گیا ہے) کبھی لوگوں کے پاؤں اکھڑ نہ جائیں (یعنی تمہارے قدم اسلام کی میانہ روی سے ڈگمگانہ جائیں) چمنے کے بعد (اسلام پر قدم مضبوط ہونے کے بعد) اور تمہیں اس کی پاداش میں تکلیف (عذاب) کا مزہ چکھنا پڑے کہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو تم سے روکا (یعنی تم ایفاء عہد سے رک گئے یا تم نے دوسروں کو ایفاء عہد سے روکا کیوں کہ وہ تمہارے طریقہ پر چلیں گے) اور تم ایک بڑے عذاب کے سزاوار ہو (آخرت میں) اور اللہ کے نام پر کیے ہوئے عہد بہت تھوڑے فائدے کے بدلے نہ پیچو (یعنی دیا کے فائدوں کی خاطر عہد توڑ ڈالو) جو (ثواب) اللہ کے پاس ہے وہی تمہارے حق میں بہتر ہے بشرطیکہ تم سمجھتے ہو جیسے (تو ان عہدوں کو نہ توڑنا) جو کچھ تمہارے پاس ہے (دنیاوی سامان) وہ ختم ہو جائے گا (فنا ہو جائے گا) اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے کبھی ختم نہ ہوگا (داغی ہے) اور ہم بدلہ میں ضرور دیں گے (ولنجزین، یا، اور نون کے ساتھ دونوں طرح صحیح ہے) صبر کرنے والوں کو (ایفاء عہد پر) ان کا حق اچھے کاموں پر جو کرتے تھے (احسن حسن کے معنی میں ہے) جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے (بعض حضرات کی رائے ہے کہ "حیات طیبہ" سے مراد جنت ہے اور بعض کی رائے ہے کہ دنیا میں قناعت اور رزق حلال مراد ہے) اور ان کے اچھے کاموں کے عوض میں انکا اجر دیں گے سو جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں (یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہہ لیا کیجئے) یقیناً اس کا زور (قابو) ان لوگوں پر نہیں چلتا ہے جو ایمان رکھتے ہیں اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں پس اس کا زور تو انہیں پر ہے جو اس کو رفق سمجھتے (اس کی اطاعت کر

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله:** التَّزْوِجُ: یہ عدل کا معنی ہے اور یہ تعطیل اور تشریک کے درمیان میں ہے یا جبر و قدر اور نخل و تہذیر کے درمیان میں ہے۔
- قوله:** الْقَرَابَةُ: یہاں ذی القربیٰ کو اہتمام کے لئے مانے ہیں۔ نیز تعیم کے بعد تخصیص ہے۔
- قوله:** الزَّنا: اس سے اشارہ کیا کہ لُحشاء اور منکر الگ الگ چیزیں ہیں۔
- قوله:** بَخْضَهُ بِالذِّكْرِ: اس سے اشارہ کیا کہ منکر میں اگرچہ یہ سب داخل ہیں مگر ظلم اس میں بڑا منکر ہے۔
- قوله:** يَتَعَطَّرُونَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں تذکر نصیحت حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔
- قوله:** وَالْجُمْلَةُ خَالٌ: اس سے اشارہ کیا کہ تَتَّخِذُونَ کا جملہ یہ تگون کی ضمیر سے حال ہے۔ اس پر معطوف نہیں۔
- قوله:** بِمَاعَزَلْتَهُ: اس میں اشارہ کیا کہ مصدر بمعنی مفعول ہے۔
- قوله:** جَمَعَ نَكْبٍ: اس کا معنی کپڑے کی پھٹی ہوئی جگہ توڑنا تاکہ دوبارہ اسے دھاگے سے رفو کریں اور مَا يَنْتَكِبُ بمعنی منکوت ہے یعنی ٹوٹا ہوا۔
- قوله:** خَالٌ: تَتَّخِذُونَ نَكْوُتُوا کی ضمیر سے حال ہے۔ صفت نہیں ہے
- قوله:** هُوَ مَا يَدْخُلُ: یعنی دخل اصل میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز میں داخل ہو اور وہ اس میں سے نہ ہو اور یہاں دھوکہ اور نسا دمراد ہے۔
- قوله:** لِأَنَّ تَكْوُونَ: اس سے اشارہ کیا کہ ان مصدر یہ ہے مفسرہ نہیں اور یہ جملہ کے ساتھ مل کر مفعول لہ ہے۔ اسی لئے لام قدر مانا گیا ہے۔
- قوله:** فَإِذَا وَجِدُوكَ: اس سے اشارہ ہے کہ جب قریش اپنے دشمن حلیفوں میں سے کسی دوسرے حلیف کو زیادہ طاقتور دیکھتے تو پہلے حلیف کے ساتھ معاہدے کو توڑ دیتے اور ان کے دشمنوں سے عہد کر لیتے۔
- قوله:** كَرَزَةً تَأْكِيذًا: یعنی دَخَلًا بَيْنَكُمْ کو دوبارہ لائے تاکہ جس چیز سے منع کیا گیا ہے اسکی قباحت میں مبالغہ ہو جائے۔
- قوله:** أَقْدَامِكُمْ: قدم کو واحد ذکر کیا اور نکرہ لاکر اشارہ کر دیا کہ جب ایک قدم کا پھسلنا اتنا خطرناک ہے تو بہت سارے قدموں کا پھسلنا خطرناک کیوں نہیں ہوگا۔
- قوله:** يَصِدُّكُمْ عَنِ الْوَفَاءِ: اس سے اشارہ کیا کہ ما مصدر یہ ہے موصولہ نہیں اور یہ بھی اشارہ کیا کہ صد لازم ہے جو کہ اعراض کے معنی میں ہے اور اس کا متحدی ہونا بھی جائز ہے۔
- قوله:** بَأَنَّ تَنْفُضُوهُ: اس سے اشارہ کیا کہ اشتری کا حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ استبدال مراد ہے۔
- قوله:** بِأَحْسَنِ: اس سے اشارہ کیا کہ احسان یہاں حسن کے معنی میں ہے۔
- قوله:** قُلْ أَعُوذُ بِاللَّهِ: جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل بوح محفوظ سے اسی طرح پڑھایا۔

تفسیر مقبولین

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ

یہ آیت قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے جس میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند الفاظ میں سمودیا گیا ہے اسی لئے سلف صالحین کے عہد مبارک سے آج تک دستور چلا آ رہا ہے کہ جمعہ وعیدین کے خطبوں کے آخر میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی جامع ترین آیت سورہ نحل میں یہ ہے: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ

اور حضرت اکثم بن صیفی تو اسی آیت کی بناء پر اسلام میں داخل ہوئے ام ابن کثیر نے حافظ حدیث ابو یعلیٰ کی کتاب معرفۃ الصحابہ میں سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ اکثم بن صیفی اپنی قوم کے سردار تھے جب ان کو رسول کریم ﷺ کے دعوائے نبوت اور اشاعت اسلام کی خبر ملی تو ارادہ کیا کہ آنحضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں مگر قوم کے لوگوں نے کہا کہ آپ ہم سب کے بڑے ہیں آپ کا خود جانا مناسب نہیں اکثم نے کہا کہ اچھا تو قبیلہ کے دو آدمی منتخب کرو جو وہاں جائیں اور حالات کا جائزہ لے کر مجھے بتلائیں یہ دونوں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اکثم بن صیفی کی طرف سے دو باتیں دریافت کرنے کے لئے آئے ہیں اکثم کے دو سوال یہ ہیں:

من انت وما انت؟ آپ کون ہیں اور کیا ہیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اس کے بعد آپ نے سورہ نحل کی یہ آیت تلاوت فرمائی: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ان دونوں قاصدوں نے درخواست کی کہ یہ جملے ہمیں پھر سنائیے آپ اس آیت کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ ان قاصدوں کو آیت یاد ہو گئی قاصد واپس اکثم بن صیفی کے پاس آئے، در بتلایا کہ ہم نے پہلے سول میں یہ چاہا تھا کہ آپ کا نسب معلوم کریں مگر آپ نے اس پر زیادہ توجہ نہ دی صرف باپ کا نام بیان کر دینے پر اکتفا کیا مگر جب ہم نے دوسروں سے آپ کے نسب کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ بڑے عالی نسب شریف ہیں اور پھر بتلایا کہ حضرت محمد ﷺ نے ہمیں کچھ کلمات بھی سنائے تھے وہ ہم بیان کرتے ہیں۔

ان قاصدوں نے آیت مذکورہ اکثم بن صیفی کو سنائی آیت سنتے ہی اکثم نے کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکارم اخلاق کی ہدایت کرتے ہیں اور برے اور رذیل اخلاق سے روکتے ہیں تم سب ان کے دین میں جلد داخل ہو جاؤ تاکہ تم دوسرے لوگوں سے مقدم اور آگے رہو پیچھے تابع بن کر نہ رہو۔ (ابن کثیر)

اسی طرح حضرت عثمان بن مظعون فرماتے ہیں کہ شروع میں میں نے لوگوں کے کہنے سننے سے شرما شرما کر اسلام قبول کر لیا تھا مگر میرے دل میں اسلام راسخ نہیں تھا یہاں تک کہ ایک روز میں آنحضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا چانک آپ پر نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے اور بعض عجیب حالات کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد میرے پاس آیا اور یہ آیت مجھ

پر نازل ہوئی حضرت عثمان بن مظعون فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو دیکھ کر اور آیت سن کر میرے دل میں ایمان مضبوط اور مستحکم ہوا اور رسول کریم ﷺ کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی (ابن کثیر نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ اسناد اس کی جید ہے)۔
اور جب رسول کریم ﷺ نے یہ آیت ولید بن مغیرہ کے سامنے تلاوت فرمائی تو اس کا تاثر یہ تھا جو اس نے اپنی قوم قریش کے سامنے بیان کیا۔

والله ان له لحلاوة وان عليه لطلاوة وان اصله لمورق واعلاه لثمر وما هو بقول بشر: خدا کی قسم اس میں ایک خاص حلاوت ہے اور اس کے اوپر ایک خاص رونق اور نور ہے اس کی جڑ سے شاخیں اور پتے نکلنے والے ہیں اور شاخوں پر پھل لگنے والا ہے یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہو سکتا۔

تین چیزوں کا حکم اور تین چیزوں کی ممانعت:

اس آیت میں حق تعالیٰ نے تین چیزوں کا حکم دیا ہے عدل احسان اور اہل قرابت کو بخشش اور تین چیزوں سے منع فرمایا ہے نفس کام اور ہربراکام اور ظلم و تعدی ان چھ الفاظ کی شریح مفہوم اور اس کے حدود کی تشریح یہ ہے۔

عدل: اس لفظ کے اصلی اور لغوی معنی برابر کرنے ہیں اسی کی مناسبت سے حکام کا لوگوں کے نزاعی مقدمات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ عدل کہلاتا ہے قرآن کریم میں **أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ** اسی معنی کے لئے آیا ہے اور اسی لحاظ سے لفظ عدل انفرادی تفریط کے درمیان اعتدال کو بھی کہا جاتا ہے اور اسی کی مناسبت سے بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ لفظ عدل کی تفسیر ظاہر و باطن کی برابری سے کی ہے یعنی جو قول یا فعل انسان کے ظاہری اعضاء سے سرزد ہو اور باطن میں بھی اس کا وہی اعتقاد اور حال ہو اور اصل حقیقت یہی ہے کہ یہاں لفظ عدل اپنے عام معنی میں ہے جو ان سب صورتوں کو شامل ہے جو مختلف ائمہ تفسیر سے منقول ہیں ان میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں

اور ابن عربی نے فرمایا کہ لفظ عدل کے اصلی معنی برابری کرنے ہیں پھر مختلف نسبتوں سے اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے مثلاً ایک مفہوم عدل کا یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنے حظ نفس پر اور اس کی رضا جوئی کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے، اور اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی ممنوعات و محرقات سے کھل اجتناب کرے۔

دوسرا عدل یہ ہے کہ آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے وہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جس میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت ہو اس کی ایسی خواہشات کو پورا نہ کرے جو اس کے لئے انجام کار مضر ہوں اور قناعت و ہمسرے کام لئے نفس پر بلا و جذبہ زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔

تیسرا عدل اپنے نفس اور تمام مخلوقات کے درمیان ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے ساتھ خیر خواہی اور ہمدردی کا معاملہ کرے اور کسی ادنیٰ اعلیٰ معاملہ میں کسی سے خیانت نہ کرے سب لوگوں کے لئے اپنے نفس سے انصاف کا مطالبہ کرے کسی انسان کو اس کے کسی قول و فعل سے ظاہر یا باطن کوئی ایذا اور تکلیف نہ پہنچے،

اسی طرح ایک عدل یہ ہے کہ جب دو فریق اپنے کسی معاملہ کا حاکم اس کے پاس لائیں تو فیصدہ میں کسی کی طرف میلان

کے بغیر حق کے مطابق فیصلہ کرے اور ایک عدل یہ بھی ہے کہ ہر معاملہ میں افراط و تفریط کی راہوں کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرے ابو عبد اللہ رازی نے یہی معنی اختیار کر کے فرمایا ہے کہ عدل میں عقیدہ کا اعتدال، عمل کا اعتدال، اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں۔ (عربی)

۱۔ م قرطبی نے عدل کے مفہوم میں اس تفصیل کا ذکر کر کے فرمایا کہ یہ تفصیل بہتر ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس آیت کا صرف لفظ عدل تمام اعمال و اخلاق حسنہ کی پابندی اور برے اعمال و اخلاق سے اجتناب کو حاوی اور جامع ہے۔
الاحسان: اس کے اصل لغوی معنی اچھا کرنے کے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ فعل یا خلق و عادت کو اپنی ذات میں اچھا اور مکمل کرے دوسرے یہ کہ کسی دوسری شخص کے ساتھ اچھا سلوک اور عمدہ معاملہ کرے اور دوسرے معنی کے لئے عربی زبان میں لفظ احسان کے ساتھ حرف الی استعمال ہوتا ہے جیسا ایک آیت میں: **وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ** فرمایا ہے امام قرطبی نے فرمایا کہ آیت میں یہ لفظ اپنے عام مفہوم کے لئے مستعمل ہوا ہے اس لئے احسان کی دونوں قسموں کو شامل ہے پھر پہلی قسم کا احسان یعنی کسی کام کو اپنی ذات میں اچھا کرنا یہ بھی عام ہے عبادت کو اچھا کرنا اعمال و اخلاق کو اچھا کرنا معاملات کو اچھا کرنا۔

حضرت جبرائیل کی مشہور حدیث میں خود آنحضرت ﷺ نے احسان کے جو معنی بیان فرمائے ہیں وہ احسان عبادت کے لئے ہے اس ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر استحضار کا یہ گورجہ نصیب نہ ہو تو اتنی بات کا یقین تو ہر شخص کو ہونا ہی چاہئے کہ حق تعالیٰ اس کے عمل کو دیکھ رہے ہیں کیونکہ یہ تو اسلامی عقیدہ کا اہم جز ہے کہ حق تعالیٰ کے علم و بصیرت سے کائنات کا کوئی ذرہ خارج نہیں رہ سکتا خلاصہ یہ ہے کہ دوسرا حکم اس آیت میں احسان کا آیا ہے اس میں عبادت کا احسان حدیث کی تشریح کے مطابق بھی داخل ہے اور تمام اعمال اخلاق عبادت کا احسان یعنی ان کو مطلوبہ صورت کے مطابق بالکل صحیح و درست کرنا بھی داخل ہے اور تمام مخلوقات کیساتھ اچھا سلوک کرنا بھی داخل ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر انسان ہوں یا حیوان۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ جس شخص کے گھر میں اس کی بیٹی کو اس کی خوراک اور ضروریات نہ ملیں اور جس کے پنجرے میں بند پرندوں کی پوری خبر گیری نہ ہوتی ہو وہ کتنی ہی عبادت کرے عسین میں شمار نہیں ہوگا۔

اس آیت میں اول عدل کا حکم دیا گیا پھر احسان کا بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ عدل تو یہ ہے کہ دوسرے کا حق پورا پورا اس کو دیدے اور اپنا وصول کر لے نہ کم نہ زیادہ اور کوئی تکلیف تمہیں پہنچائے تو ٹھیک اتنی ہی تکلیف تم اس کو پہنچو و نہ کم نہ زیادہ اور احسان یہ ہے کہ دوسرے کو اس کے اصل حق سے زیادہ دو اور خود اپنے حق میں چشم پوشی سے کام لو کہ کچھ کم ہو جائے تو بخوشی قبول کر لو، اسی طرح دوسرا کوئی تمہیں ہاتھ یا زبان سے ایذا پہنچائے تو تم برابر کا انتقام لینے کے بجائے اس کو معاف کر دو بلکہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دو اسی طرح عدل کا حکم تو فرض و واجب کے درجہ میں ہو اور احسان کا حکم نفی اور تبرع کے طور پر ہوا۔

إِنِّي آتِي ذِي الْقُرْبَىٰ تیسرا حکم جو اس آیت میں دیا گیا ہے وہ **إِنِّي آتِي ذِي الْقُرْبَىٰ** ہے **إِنِّي آتِي** کے معنی اعطاء یعنی کوئی چیز دینے کے ہیں اور لفظ **قُرْبَىٰ** کے معنی قرابت اور رشتہ داری کے ہیں **ذِي الْقُرْبَىٰ** کے معنی رشتہ دار **ذِي الْقُرْبَىٰ** کے معنی

ہوئے رشتہ دار کو کچھ دینا یہاں اس کی تصریح نہیں فرمائی کہ یہ چیز دینا لیکن ایک دوسری آیت میں اس کا مفعول مذکور ہے (یٰۤاٰیَّتَیْہِ ذٰی الْقُرْبٰی یعنی دور رشتہ دار کو اس کا حق ظاہر یہی ہے کہ یہاں بھی یہی مفعول مراد ہے کہ رشتہ دار کو اس کا حق دیا جائے اس حق میں رشتہ دار کو مال دے کر مالی خدمت کرنا بھی داخل ہے اور جسمانی خدمت بھی بیمار پر سی اور خبر گیری بھی زبانی تسلی و ہمدردی کا اظہار بھی اور اگرچہ لفظ احسان میں رشتہ داروں کا حق ادا کرنا بھی داخل تھا مگر اس کو اس کی زیادہ اہمیت بتلانے کے لئے علیحدہ بیان فرمایا گیا۔

یہ تین حکم ایجابی تھے آگے تین ممانعت و حرمت کے احکام ہیں۔

وَ یَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ : یعنی اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے فحشاء اور منکر اور بغی سے فحشاء ہر ایسے برے فعل یا قول کو کہا جاتا ہے جس کی برائی کھلی ہوئی اور واضح ہو ہر شخص اس کو برا سمجھے اور منکر وہ قول و فعل ہے جس کے حرام و ناجائز ہونے پر اہل شرع کا اتفاق ہو اس لئے اجتہادی اختلافات میں کسی جانب کو منکر نہیں کہا جاسکتا اور لفظ منکر میں تمام گناہ ظاہری اور باطنی عملی اور اخلاقی سب داخل ہیں اور بغی کے اصل معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں مراد اس سے ظلم و عدوان ہے یہاں اگرچہ لفظ منکر کے مفہوم میں فحشاء بھی داخل ہے اور بغی بھی لیکن فحشاء کو اس کی انتہائی برائی اور شاعت کی وجہ سے الگ کر کے بیان فرمایا اور مقدم کیا اور بغی کو اس لئے الگ بیان کیا کہ اس کا اثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ تعدی باہمی جنگ و جدل تک یا اس سے بھی آگے عالمی فساد تک پہنچ جاتی ہے۔

حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ظلم کے سوا کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا بدلہ اور عذاب جلد دیا جاتا ہو اس سے معلوم ہوا کہ ظلم پر آخرت کا عذاب شدید تو ہوتا ہی ہے اس سے پہلے دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ ظالم کو سزا دیدیتے ہیں اگرچہ وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ فلاں ظلم کی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مظلوم کی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت نے جو چھ حکم ایجابی اور تحریمی دیئے ہیں اگر غور کیا جائے تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی مکمل فلاح کا نسخہ اکسیر ہیں۔ رزقنا اللہ تعالیٰ اتباعہ۔

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُمْ

اوپر کی آیت میں جن چیزوں کے کرنے یا چھوڑنے کا حکم تھا ان کے بعض افراد کو باقتضیٰ بیان فرماتے ہیں۔ یعنی ایٹائے عہد کی تاکید اور غدر و بدعہدی سے ممانعت کی یہ چیز عداوتی نفسہ مہتم بالشان ہونے کے اس وقت مخاطبین کے بہت زیادہ مناسب حال تھی جس کا مسلم قوم کے عروج و ترقی اور مستقبل کی کامیابی پر بے انتہاء اثر پڑنے والا تھا۔ اسی لیے حکم دیا کہ جب خدا کا نام لے کر اور قسمیں کھا کر معاہدے کرتے ہو تو خدا کے نام پاک کی حرمت قائم رکھو۔ کسی قوم سے یا کسی شخص سے معاہدہ ہو (بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہو) مسلمان کا فرض ہے کہ اسے پورا کرے، خواہ اس میں کتنی ہی مشکلات اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑے۔ قول مرداں جان دار و خصوصاً جب خدا کا نام لے کر اور حلف کر کے ایک معاہدہ کیا ہے تو سمجھنا چاہیے کہ قسم کھانا گویا خدا کو اس معاہدہ کا گواہ یا ضامن بنانا ہے۔ وہ جانتا ہے جب تم اسے گواہ بنا رہے ہو، اور یہ بھی جانتا ہے کہ کہاں تک اس گواہی کا لحاظ رکھتے ہو۔ اگر تم نے خیانت اور بدعہدی کی۔ وہ اپنے علم محیط کے موافق پوری سزا دے گا۔ کیونکہ تمہاری کسی قسم کی کھلی چھپی

دغا بازی اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَقَضَتْ غَزْلَهُمَا ...

اور تم (مکہ کی) اس (بیوقوف) عورت کی طرح نہ ہو جو جس نے اپنا سوت کا تنے کے بعد ریزہ ریزہ کر کے ٹوچ ڈالا۔

غزل بننا کا تنا مضبوط کرنا۔ انکاٹنگٹ کی جمع ہے ریزہ ریزہ سارے ٹل کھلے ہوئے۔
ابن ابی حاتم نے ابو بکر بن ابی حفص کا بیان نقل کیا ہے کہ (مکہ کی ایک عورت) سعیدہ اسدیہ پاگل تھی۔ بال اور کھجور کی جھال کے ریشے جمع کرتی تھی۔ اسی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ کلبی اور مقاتل نے کہا کہ ربط بنت عمر بن سعد بن کعب بن زید بن مناة بن تمیم ایک الہز بیوقوف عورت تھی۔ اس کا لقب جمع تھا۔ اس کے دماغ میں کچھ خرابی تھی۔ اس نے ایک چرخہ ہاتھ بھر کا اور اس میں ایک سیخ انگل بھر کی اور درم کہ بہت بڑا بنا رکھا تھا۔ (روز) وہ اون روئیں اور بالوں کی کتابی کرتی تھی اور اپنی بندویوں سے بھی کتواتی تھی۔ سب مل کر دو پہر تک کاتتی تھیں دو پہر کو وہ سب کا کاتا ہوا دھاگہ کھول ڈالتی تھی (اور ریزہ ریزہ کر دیتی تھی) یہی اس کا روزانہ کا معمول تھا۔ اس پس منظر میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ عورت جو کاتنے کا کام برابر کرتی تھی کاتنا ترک نہیں کرتی تھی اور کاتنے کے بعد کتے ہوئے سوت کو توڑنے سے بھی باز نہیں رہتی تھی تم اس کی طرح نہ ہو جاؤ۔ یا تو عہد ہی نہ کرو اور کرو تو اس کو پورا بھی کرو۔ ہر مرتبہ معاہدہ کر کے اس کو نہ توڑو۔

تتخذون ایمانکم دخلاً بینکم ان تکون امة ہی اربی من امة (کہ اس طرح) تم بھی اپنی قسموں کو آپس میں نفاذ ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جائے۔ دَخَلَ بگاڑ دھوکہ فریب خیانت۔ دَخَلَ لغوی (ساخت کے) اعتبار سے اس چیز کو کہتے ہیں جس کو کسی دوسری چیز کے اندر اس کو خراب کرنے اور بگاڑنے کیلئے داخل کیا جائے، بعض علماء نے کہا: دخل اور دخل یہ ہے کہ ظاہر میں تو دفاعی عہد کرے اور باطن میں اس کو توڑ دے۔ اربی تعدد انفرادی اور مال میں زیادہ۔ مجاہد نے کہا: (دور جاہلیت میں) عرب کا دستور تھا کہ ایک قبیلہ یا ایک جماعت دوسری جماعت سے باہمی امداد کا قسم معاہدہ کر لیتی تھی (یعنی ایک جماعت دوسری جماعت کی حلیف ہو جاتی تھی، دونوں کا معاہدہ بحلف ہو جاتا تھا) لیکن جب ان دونوں قبیلوں میں سے کسی کو اپنے حلیفوں کی دشمنی زیادہ طاقتور یا مالدار نظر آتی تھی تو اپنے حلیفوں سے غداری کر کے حلیفوں کے دشمنوں سے جا کر مل جاتے تھے اور ان سے محافہہ کر لیتے تھے۔ مجاہد کی تشریح کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کمزوروں سے عہد شکنی کر کے طاقتوروں سے تم معاہدے کریتے ہو، محض اسلئے کہ تم کو غلبہ اور طاقت حاصل ہو جائے ایسا نہ کرنا چاہئے۔

یا آیت کا یہ مطلب ہے کہ تم اپنی قسموں کو نفاذ کا ذریعہ صرف اس وجہ سے بنا لیتے ہو کہ تمہارا ایک گروہ دوسرے ہم معاہدہ گروہ سے تعدد اور مال میں زیادہ ہوتا ہے اسلئے طاقتور گروہ کو معاہدہ شکنی کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ جس طرح قریش نے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں سے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا تھا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی جماعت سے قریش کی تعداد زیادہ ہے اور مالی طاقت بھی بڑھ کر ہے اسلئے دو ہی سال میں معاہدہ توڑ دیا۔

إِنَّمَا يَهْتَدِيكُمْ اللَّهُ فِي مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۗ پس اس سے اللہ تمہاری آزمائش کرتا

ہے اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے قیامت کے دن ان سب کو تمہارے سامنے (جملہ) ظاہر کر دے گا۔
 یعنی ایک جماعت کو دوسری جماعت سے بڑا اور برتر کر کے اللہ جانچ کرتا ہے کہ یہ جماعتیں اللہ سے کئے ہوئے عہد اور
 دیتی ہیں اور دنیا میں کئے ہوئے اختلافی امور کا فیصلہ جب قیامت کے دن اللہ کرے گا اور ہر ایک کو اعمال کا بدلہ دے گا تو جن
 لوگوں نے عہد کو پورا کیا ہوگا ان کو ثواب اور جن لوگوں نے وعدہ شکنی کی ہوگی ان کو عذاب دے کر حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔
 فرمایا: وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِنَا كُفْرًا دَخَلْنَا بَيْنَكُمْ... کہ اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد کا ذریعہ نہ بناؤ اس مضمون کو بطور
 تاکید دوبارہ ذکر فرمایا اور ساتھ ہی قسموں کو فساد کا ذریعہ بنانے کا نتیجہ بھی بیان فرمایا اور نتیجہ کے نتیجہ سے بھی باخبر فرمادیا، نتیجہ بیان
 کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَتَنَّا قَوْمًا بَعْدَ مَا بَعَدْنَا لِيَسْبُوْنَهَا (کہ اس کی وجہ سے قدم جسے کے بعد پھسل جائے گا) اگر اللہ اور اس
 کے رسول ﷺ کے عہد کو توڑا تو یہ تو کفر ہے، ایمان کے بعد کوئی شخص کفر کے گڑھے میں جا پڑے اس سے زیادہ لغزش دالاکون
 ہو سکتا ہے عہد توڑا ایمان چھوڑا کفر کے گڑھے میں جا پڑا اس سے بڑی لغزش کوئی نہیں، اور اگر بندوں کے عہد کو توڑا ان کو دھوکہ دیا
 اگرچہ حد و کفر میں داخل نہ ہو اب عہد کی وجہ سے جو مستحق عقاب و عذاب ہوئے یہ بھی بہت بڑی لغزش ہے۔ اہل ایمان پر لازم
 ہے کہ ایمان پر پختگی کے ساتھ جمیں جب قدم راسخ ہو گیا تو اسے جمائے رہیں ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتے رہیں پھر نتیجہ کا
 نتیجہ بیان فرمایا یعنی قدم پھسلنے کے بعد یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے دنیا میں بھی برا عذاب چکھو گے اور آخرت
 میں بھی برے عذاب میں گرفتار ہو گے۔ قال صاحب الروح: والمراد من السوء العذاب الدنيوي من القتل
 والاسر والنهب والجلأ وغير ذلك مما يسوء اور اللہ کی راہ سے روکنے کا مطلب بتاتے ہوئے صاحب معالم التنزیل
 ص ۸۴ ج ۳ بعض اکابر سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: معناه مثلتم طريقة نقض العهد على الناس
 بنقضكم العهد یعنی جب تم عہد توڑ دو گے تو لوگوں کے لیے مثال بن جاؤ گے ان کو بھی اس کا راستہ مل جائے گا، نقض عہد
 کر کے دوسروں کے لیے نقض عہد کا راستہ ہموار کرنا یہ اللہ کے راستہ سے روکنا ہے، اور بعض اکابر نے فرمایا ہے: فَتَنَّا قَوْمًا
 بَعْدَ مَا بَعَدْنَا سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ قسمیں کھا کر دھوکہ دینا اور اپنے درمیان فساد ڈالنے کا ذریعہ بنا دینا ایسی چیز ہے جس سے
 سلب ایمان کا خطرہ ہے بہت سے لوگ اللہ کی قسم کھا کر وعدہ کر لیتے ہیں یا کسی گزشتہ واقعہ پر جھوٹی قسم کھا جاتے ہیں کہ ہم نے
 ایسا کیا ہے۔ فلاں نے ایسا کیا ہے اور مخاطب کو فریب دینا مقصود ہوتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کا نام مکرو فریب کے لیے استعمال کیا اس
 کی پاداش میں سلب ایمان کی سزا مل سکتی ہے۔

مَنْ عَيْلًا صَالِحًا....

(اس سے پہلی آیات میں ایفاء عہد کی تاکید اور عہد شکنی کی مذمت کا بیان تھا جو ایک خاص عہد ہے اس آیت میں تمام اعمال
 صالحہ اور عالمین صالحین کا عمومی بیان ہے مضمون آیت کا یہ ہے کہ آخرت کا اجر و ثواب اور دنیا کی برکات صرف ایفاء عہد میں
 منحصر نہیں اور نہ کسی عامل کی تخصیص ہے بلکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ) جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ
 صاحب ایمان ہو (کیونکہ کافر کے اعمال صالحہ مقبول نہیں) تو ہم اس شخص کو (دنیا میں تو) بالطف زندگی دیں گے اور (آخرت

میں ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔

حیات طیبہ کیا چیز ہے؟

جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں حیات طیبہ سے مراد دنیا کی پاکیزہ اور ہلکے زندگی ہے اور بعض ائمہ تفسیر نے اس سے آخرت کی زندگی مراد لی ہے اور جمہور کی تفسیر کے مطابق بھی اس سے یہ مراد نہیں کہ اس کو کبھی فقر و فاقہ یا بیماری پیش نہ آئے گی بلکہ مراد یہ ہے کہ مؤمن کو اگر کبھی معاشی تنگی یا کوئی تکلیف بھی پیش آتی ہے تو وہ چیزیں اس کو پریشان نہیں ہونے دیتیں ایک قناعت اور سادہ زندگی کی عادت جو تنگدستی میں بھی چل جاتی ہے دوسرے اس کا یہ عقیدہ کہ مجھے اس تنگی اور بیماری کے بدلے میں آخرت کی عظیم الشان دائمی نعمتیں ملنے والی ہیں بخلاف کافر و فاجر کے کہ اگر اس کو تنگدستی اور بیماری پیش آتی ہے تو اس کے لئے کوئی تسلی کا سامان نہیں ہوتا عقل دہوش کھو بیٹھتا ہے بعض اوقات خودکشی کی نوبت آ جاتی ہے اور اگر اس کو فراموشی عیش بھی نصیب ہو تو اس کو زیادتی کی حرص کسی وقت چین سے نہیں بیٹھنے دیتی وہ کروڑ پتی ہو جاتی ہے تو ارب پتی بننے کی فکر اس کے عیش کو خراب کرتی رہتی ہے۔

ابن عطیہ نے فرمایا کہ مؤمنین صالحین کو حق تعالیٰ دنیا میں بھی وہ فرحت و انبساط اور ہلکے زندگی عطا فرماتے ہیں جو کسی حال میں متغیر نہیں ہوتی تندرستی اور فراخ دستی کے وقت تو ان کی زندگی کا ہلکے ہونا ظاہر ہے ہی خصوصاً اس بنا پر کہ بلا ضرورت مال کو بڑھانے کی حرص ان میں نہیں ہوتی جو انسان کو ہر حال میں پریشان رکھتی ہے اور تنگدستی یا بیماری بھی پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر ان کا مکمل یقین اور مشکل کے بعد آسانی کلفت کے بعد راحت ملنے کی قومی امید ان کی زندگی کو ہلکے لطف نہیں ہونے دیتی جیسے کاشتکار کھیت بولے اور اس کی پرورش کے وقت اس کو کتنی ہی تکلیفیں پیش آ جائیں سب کو اس لئے راحت محسوس کرتا ہے کہ چند روز کے بعد اس کا بڑا صلہ اس کو ملنے والا ہے تا جرابنی تجارت میں ملازم اپنی ڈیوٹی ادا کرنے میں کیسی کیسی محنت و مشقت بلکہ بعض اوقات زلت بھی برداشت کرتا ہے مگر اس لئے خوش رہتا ہے کہ چند روز کے بعد اس کو تجارت کا بڑا نفع یا ملازمت کی تنخواہ ملنے کا یقین ہوتا ہے مؤمن کا بھی یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ مجھے ہر تکلیف پر اجر مل رہا ہے اور آخرت میں اس کا بدلہ دائمی عظیم الشان نعمتوں کی صورت میں ملے گا اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی اس لئے یہاں کے رنج و راحت اور سرد گرم سب کو آسانی سے برداشت کر لیتا ہے اس کی زندگی ایسے حالات میں بھی مشوش اور ہلکے لطف نہیں ہوتی یہی وہ حیات طیبہ ہے جو مؤمن کو دنیا میں نقد ملتی ہے۔

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۱۰۰﴾ جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے بچنے کیلئے اللہ کی پناہ طلب کریں۔ یعنی جب قرآن پڑھنے کا ارادہ کریں تو شروع کرنے سے پہلے اللہ سے پناہ کی دعا کریں تاکہ شیطان مردود قراءت میں دوسرے نہ پیدا کر سکے اور تلاوت میں کوئی غیر لفظ شامل نہ کر دے کیونکہ شیطان کی عادت ہے کہ اللہ نے جو بھی پیغمبر یا نبی بھیجا اور اس نے اللہ کا کلام پڑھا تو شیطان نے اس کی قراءت میں مداخلت ضرور کی۔ اس آیت میں قراءت کرنے سے مراد ہے: ارادہ قراءت کرنا۔ ایجاز کلام کیلئے ارادہ کی تعبیر نعل سے کی اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو شخص عبادت کرنے کا ارادہ کر لے تو اس کے بعد عبادت ضرور کرے (ایسا نہ ہو کہ ارادہ کر لے اور عبادت نہ کرے) نغی اور ابن

سیرین نے ظاہر لفظ کو دیکھ کر (یعنی فاذا قرأت کا ظاہری مطلب مراد لے کر) صراحت کی ہے کہ تلاوت کرنے کے بعد اعوذ باللہ پڑھی جائے۔ اس کے علاوہ تاخیر تعوذ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عبادت اقرب الی الاجابت ہو جائے گی۔ ویسے شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ کی طلب تو ہمیشہ ہی کرنا چاہئے (آغاز قراءت پر ہی موقوف نہیں ہے)۔

صحیح روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قراءت سے پہلے دعا کرتے (یعنی اعوذ باللہ پڑھا کرتے) تھے۔ جمہور سلف و خلف کا اسی پر اجماع ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک قراءت سے پہلے تعوذ سنت ہے اور عطاء نے اسی آیت کو استدلال میں پیش کرتے ہوئے واجب ہونے کی صراحت کی ہے کیونکہ ائمتنا بعد امر کا معنی ہے اور امر کا حقیقی مفہوم وجوب ہے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اعوذ باللہ پڑھنے کا حکم شیطانی وسوسہ کو دفع کرنے کیلئے دیا گیا ہے اور یہ مسنون ہونے کی علامت ہے (اگر انغواء شیطانی کا اندیشہ نہ ہو تو ترک تعوذ جائز ہے) یہ دلیل کمزور ہے۔ وجوب تعوذ اس کے باوجود بھی ہو سکتا ہے۔

جمہور علماء تعوذ کے واجب ہونے کے قائل نہیں کیونکہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ نے قراءت سے پہلے تعوذ کو ترک کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور کے نزدیک بعض وقت ترک تعوذ جائز ہے۔ اگر بعض وقت تعوذ کو ترک کرنا رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت نہ ہوتا تو علماء بھی ترک تعوذ کو جائز نہ قرار دیتے۔ بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعوذ پڑھے بغیر بھی قرآن کی تلاوت فرمائی۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس کا بیان منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخری تہائی رات میں اٹھ بیٹھے اور سورہ آل عمران کی آخری دس آیات *إِنَّا فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالاختلافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ* سے پڑھیں پھر کھڑے ہو کر وضو کیا الی آخرہ.... صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حضرت انس نے بیان کیا: ہم ایک روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت گرامی میں حاضر تھے کہ اچانک آپ کو غفلت سی ہوئی پھر کچھ دیر کے بعد مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے مسکرانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: ابھی مجھ پر ایک سورت اتری ہے۔ اس کے بعد آپ نے تلاوت کی: *بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ إِنَّا أَنْعَمْنَا بِكَ الْكُوفِرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّا شَاطِرْنَا ۝ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝*

مسئلہ * کیا نماز کے اندر ہر رکعت میں قراءت سے پہلے اعوذ پڑھنا چاہئے یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد قائل ہیں کہ نماز کی صرف پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے اعوذ پڑھی جائے۔ امام شافعی ہر رکعت میں تعوذ کے قائل ہیں۔ شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حسن اور عطاء اور ابن سیرین کے نزدیک ہر رکعت میں اعوذ پڑھنی مستحب ہے۔ امام مالک نے کہا: فرض نماز میں تعوذ نہ کیا جائے۔ بیضاوی نے امام شافعی کے قول کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ جو حکم کسی شرط پر مرتب ہو قیاس کا تقاضا ہے کہ تکرار شرط سے تکرار حکم ہوگی۔ پس جب بھی کسی رکعت میں کوئی شخص قراءت کرے گا اعوذ پڑھنا ہوگی خواہ پہلی رکعت ہو یا دوسری۔ امام مالک نے اپنے مسلک کے ثبوت میں حضرت انس کی روایت پیش کی ہے۔ حضرت انس نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کے پیچھے بھی اور سب جہری قراءت سورہ فاتحہ سے شروع کرتے تھے۔ صحیحین کی دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے کہ یہ حضرات نماز کو *الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝* سے شروع کرتے تھے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں: جہراً اعوذ نہ پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پوشیدہ چپکے سے بھی نہ پڑھی جائے۔ ہماری

دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلی رکعت میں ثنا (سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ...) پڑھنے کے بعد اعوذ پڑھا کرتے تھے۔ پہلی رکعت کے علاوہ کسی دوسری رکعت میں اعوذ پڑھنا کسی روایت میں نہیں آیا۔ ابن السنی اور ابن ماجہ نے حضرت جبیر بن مطعم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں داخل ہو جاتے تھے تو تین بار اللہ اکبر کبیر اور تین بار الحمد للہ کثیر اور تین بار سبحان اللہ بکرہ وَاَصِيلاً کہنے کے بعد اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھتے تھے۔ امام احمد اور امام ابن حبان اور ابو داؤد کی روایت میں من الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ کے بعد مِنْ نَفْسِهِ وَنَفْسِهِ وَهَمَزِهِ کے الفاظ بھی آئے ہیں (میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے اس کی پھونک سے اور اس کے دم کرنے سے اور اس کے دوسرے سے) حاکم نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

امام احمد اور حاکم اور اہل السنن نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات میں نماز کو کھڑے ہوتے تھے تو تکبیر کے بعد پڑھتے: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ پھر تین بار لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور تین بار اللہ اکبر کہنے کے بعد پڑھتے: اَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ نَفْسِهِ وَهَمَزِهِ۔ امام احمد نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بھی یہی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ آیا ہے مگر اس کی اسناد میں بعض راویوں کے نام ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔

بن ماجہ اور ابن خزیمہ نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے: اللَّهُمَّ إِنِّي اَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمَزِهِ وَنَفْسِهِ وَنَفْسِهِ۔ حاکم اور بیہقی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: جب نماز میں داخل ہوتے تھے۔ حضرت انس کی روایت سے دارقطنی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اس اسناد میں ایک راوی حسین بن علی بن اسود ہے اس کے متعلق اہل علم نے کلام کیا ہے۔ مراہیل ابو داؤد میں حسن بصری کا قول (بغیر صحابی) کے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان الفاظ کے ساتھ تعوذ کرتے تھے: اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔

فائدہ: صاحب ہدایہ نے لکھا ہے: اَسْتَعِينُ بِاللَّهِ کہنا افضل ہے اس لفظ سے آیت کے لفظ اَسْتَعِينُ کی موافقت ہو جاتی ہے۔ اَعُوذُ بِاللَّهِ کہنا بھی اسی کے قریب ہے۔

میں کہتا ہوں: ماہر اہل تجوید اور فقہاء کے نزدیک اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ آیا ہے دوسرے الفاظ نہیں آئے۔ ثعلبی اور واحدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اَعُوذُ بِاللَّهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھو۔ مجھے حضرت جبریل نے قلم سے یعنی لوح محفوظ سے (نقل کر کے) ایسا ہی پڑھایا ہے۔

ابو عمرو دانی نے التیسیر میں لکھا ہے: میں نے بعینہ ہی لفظ (اعوذ) پڑھا اور اسی کو لیا اور قرآن کی تلاوت شروع کرتے وقت (یعنی نماز سے باہر) جہر کے ساتھ ہی لفظ پڑھا جاتا ہے۔ اہل تجوید میں کسی کی قراءت اس کے خلاف مجھے معلوم نہیں اور پاروں وغیرہ کے شروع میں اس کو پڑھنا اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے۔ نص قرآنی کی تعمیل اور سنت کا اتباع اسی سے ہوتا ہے۔

امام القراء حمزہ صرف سورہ فاتحہ کے شروع میں اعوذ کو جہر سے پڑھتے تھے باقی قرآن میں پوشیدہ پڑھتے تھے۔ خلف کی روایت یہی ہے لیکن خلاد نے حمزہ کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ آپ کے نزدیک جہر و اخفاء دونوں درست ہیں۔ جہر سے پڑھے یا

بڑا مقابلہ میں شریعت جا لیں گے۔ ۱۷۱: ۱۷۱ جلد ۱۷۱: ۱۷۱ ۵۹۳

آپ انتراء کرنے والے ہیں (آپ انتہائی جھوٹے ہیں یہ سب باتیں اپنی طرف سے کہتے ہیں) بلکہ ان میں اکثر لوگ ہمارے ہیں (قرآن کریم کی حقیقت اور فتح کے فائدے سے) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ اس کو روح القدس (جبرئیل) سے ملے آئے ہیں آپ کے رب کی طرف سے حکمت کے موافق (بالحق نزول سے متعلق ہے) تاکہ ایمان لانے والوں کو (اس کتاب پر ایمان لانے میں) ثابت قدم رکھے اور ان مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری کا ذریعہ ہو جائے اور ہم کو معلوم ہے (قرآن کریم کے لئے ہے) کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو تو آدی تعلیم دیتا ہے (قرآن کریم کی اور وہ ایک نصرانی لوہار تھا جس کے پاس نبی کریم ﷺ آیا جایا کرتے تھے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) جس شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں (کہ وہ ان کو تعلیم دیتا ہے) اس کی زبان (بولی) تو عجمی ہے اور یہ (قرآن) تو صاف عربی ہے (فصح و بلیغ، اس کو کوئی عجمی کس طرح سکھا سکتا ہے؟) جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے ان کو اللہ تعالیٰ کبھی راہ پر نہیں لائیں گے اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی جھوٹ انتراء کرنے والے تو وہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیتوں (قرآن کریم) پر ایمان نہیں رکھتے (یہ کہہ کر کہ یہ تو آدی کا کلام ہے) اور یہ لوگ پورے جھوٹے ہیں (حرف ان اور ٹکرا کے ذریعہ جو تائید لائی گئی ہے اس کا مقصد کفار کے اس قول کو رد کرنا ہے کہ نبی کریم ﷺ (نعوذ باللہ) انتراء کرنے والے ہیں) جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے مگر جس شخص پر زبردستی کی جائے (کلمہ کفر کے بولنے پر اور وہ کلمہ کفر بول بھی دے) بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (لفظ من یا تو مبتداء ہے یا شرطیہ ہے لہذا عذاب شدید خبر ہے یا جواب شرط اگلی آیت اس پر دلالت کرتی ہے) لیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا (یعنی کفر کے لئے اس نے اپنے سینے کو کھول دیا اور اس کے سینہ میں گنجائش پیدا کر لی، گویا کفر پر سمجھ گیا) سو ان پر غضب ہے اللہ کا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے یہ (دعید) اس واسطے ہے کہ انھوں نے عزیز رکھا (ترجیح دی) دنیاوی زندگی اور آخرت کے مقابلہ میں اور اللہ راستہ نہیں دیتا منکر لوگوں کو یہ وہی ہیں کہ جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور یہی ہے بے ہوش (اپنے مقصد سے) لازمی بات ہے (حقیقت ہے) کہ یہ لوگ آخر میں بالکل گھائلے میں رہیں گے (دائمی آگ میں ان کے ٹھکانہ کے باعث) پھر بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے (مدینہ کی طرف) ہجرت کی مصیبت اٹھانے کے بعد (انکو سزا میں دی گئی اور کلمہ کفر کے تلفظ پر مجبور ہوئے ایک قراءت "فقہنا، صیغہ معروف کے ساتھ ہے یعنی کفر کیا اور لوگوں کو بھی ایمان سے ہٹا کر بتلائے فتنہ کیا) پھر جہاد کیا اور (اطاعت پر) قائم رہے تو آپ کا رب (اس ابتلا کے بعد ان کو بخشنے والا ہے، (ان پر) مہربان ہے (پہلے ان کی خبر پر دوسرے ان کی خبر دلالت کرتی ہے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: **بِسَائِرِ نَزْلٍ**: یعنی جو مصالح اتارے جاتے ہیں شاید کہ اس اتارنے میں بھی مصلحت ہو۔
- قوله: **فَالْوَا**: یہ اذا کا جواب ہے اور واللہ اعلم **بِسَائِرِ نَزْلٍ** یہ جملہ معترضہ کفار کی توبیح کے لئے لائے ہیں۔
- قوله: **جِبْرَائِيلُ**: روح کی اضافت قدس کی طرف جبکہ اس کا معنی طہارت ہے خاتم الجود کی طرح ہے یعنی مقدس و مطہر۔
- قوله: **بِإِيمَانِهِمْ**: یہاں ب علی کے معنی میں ہے اور ہدی و بشری یہ دونوں یسببت کے محل پر معطوف ہیں۔

اخفاء سے دونوں کا اختیار ہے۔ باقی قراء کا کوئی قول جہر و اخفاء کے متعلق منقول نہیں۔

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً بِنَسخِهَا وَأَنزَلْنَا غَيْرَهَا الْمَصْلُحَةَ الْعِبَادِ مَكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنزِلُ قَالُوا أَيْ الْكُفَّارِ
 لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ ۚ كَذَّابٌ تَقُولُهُ مِنْ عِنْدِكَ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ حَقِيقَةُ
 الْقُرْآنِ وَفَائِدَةُ النَّسْخِ قُلْ لَهُمْ نُزُلُهُ رُوحُ الْقُدُسِ جِئْتُ لِيُؤْمِنُوا بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِنَزْلِ الْبَيِّنَاتِ الَّذِينَ آمَنُوا
 بِالْإِيمَانِ بِهِ وَهُدًى وَبُشْرَى الْمُسْلِمِينَ ۝ وَقَدْ لَلْتَحْقِيقِ نَعَلِمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ الْقُرْآنُ بُشْرًا
 وَهُوَ قَوْلُ نَضْرَانِي كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ عَلَيْهِ قَالَ تَعَالَى لِسَانَ الَّذِي يُلْجِدُونَ
 يَمِيلُونَ لَيْلِيَهُ إِنَّهُ يُعَلِّمُهُمْ أَعْجَبُ وَهَذَا الْقُرْآنُ لِسَانَ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۝ ذُو بَيَانٍ وَفَصَاحَةٍ فَكَيْفَ يُعَلِّمُهُ
 أَعْجَبِي إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مُؤَلِّمٌ إِنَّمَا يُفْتَرِي الْكُذِبَ
 الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۝ الْقُرْآنُ بِقَوْلِهِمْ هَذَا مِنْ قَوْلِ الْبَشَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۝ وَالتَّكْزِيرُ
 بِالتَّكْزِيرِ وَإِنْ وَغَيْرُهُمَا رَدُّ قَوْلِهِمْ إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ عَلَى التَّلْفِظِ
 بِالْكَفْرِ فَتَلْفِظَ بِهِ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَمَنْ مَبْتَدَأُ أَوْ شَرَطِيَّةً وَالْخَيْرُ أَوْ الْجَوَابُ لَهُمْ وَعَيْدٌ شَدِيدٌ
 دَلَّ عَلَيْهِ هَذَا وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكَفْرِ صَدْرًا لَهُ أَيْ فَتَحَهُ وَرَسَعَهُ بِمَعْنَى طَابَتْ بِهِ نَفْسُهُ فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ
 مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ذَلِكَ أَلْوَعِيدُ لَهُمْ بِأَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا أَخْتَارُوا هَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ
 اللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝ أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَسَمِعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۝ وَأُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝
 عَمَّا يُرَادُ بِهِمْ لَا جَرَمَ حَقًّا أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَيْرُونَ ۝ بِمَصِيرِهِمْ إِلَى النَّارِ الْمُؤَيَّدَةِ عَلَيْهِمْ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ
 لِلَّذِينَ هَاجَرُوا إِلَى الْمَدِينَةِ مِنْ بَعْدِ مَا قَاتَلُوا عَذِيبًا وَتَلَفَّظُوا بِالْكَفْرِ وَبِحِجْرَةِ الْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ أَيْ
 كَفَرُوا وَارْتَفَعُوا النَّاسَ عَنِ الْإِيمَانِ ثُمَّ جَهَدُوا وَأَوْصَبُوا عَلَى الطَّاعَةِ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا أَيْ الْفِتْنَةِ لَكُفُورٌ
 لَهُمْ رَجِيمٌ ۝ بِهِمْ وَخَيْرَانَ الْأُولَى دَلَّ عَلَيْهِ خَيْرُ الثَّانِيَةِ

ترجمہ: اور جب ہم بدتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت (پہلی آیت کو منسوخ کر کے دوسری آیت کو اس جگہ نازل کرتے ہیں، بندوں کی مصلحت کے پیش نظر) اور اللہ خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے تو (کفار نبی کریم ﷺ سے کہتے ہیں) کہ

قوله: لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ: یہ دونوں پہلے مستانہ ہیں۔
 قوله: عَلَى التَّلَفُظِ بِالْكَفْرِ: اس میں اشارہ ہے کہ جان کی مجبوری کے وقت کفر یہ اغاظ زبان پر لانا جبکہ دل ایمان پر مطمئن ہو جائز ہے۔

قوله: وَمَنْ مُبْتَدَأُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ کا بدل نہیں ہے۔
 قوله: أَوِ الْحَوَائِبِ: اس سے اشارہ کیا کہ بالکفر میں بلام کے معنی میں ہے کیونکہ ب شرح کا صلہ نہیں بن سکتا۔
 قوله: اخْتَارَ وَهَذَا: اس سے اشارہ کیا کہ اُسْتَحَبُّوا کا صلہ علی نہیں آتا۔ یہاں اسلئے آیا کہ وہ اختار کے معنی کو متضمن ہے۔
 قوله: بِالنِّسَاءِ لِقَاعِلٍ: اس سے اشارہ کیا کہ قَتِلُوا کو قَتِلُوا بھی پڑھ سکتے ہیں مگر اس صورت میں فاعلی ضمیر الذین ہا جروا کی طرف لوٹے گی۔

تفسیر مقبولین

وَإِذَا بَدَأْنَا آيَةً مِّمَّا كَانَ آيَةً...

منکرین نبوت کے چند شبہات اور ان کے جوابات

(ربط) اب یہاں سے منکرین نبوت کے چند شبہات نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ اصول دین میں پہلی اصل توحید ہے اور دوسری اصل نبوت ہے دلائل توحید کے بعد نبوت کے متعلق چند شبہات کا جواب دیتے ہیں۔ قرآن مجید کا جب کوئی حکم منسوخ ہو جاتا تو کفار کہتے کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب سے مسخرہ پن کرتے ہیں کبھی ایک چیز کا حکم دیتے ہیں اور پھر اس سے منع کر دیتے ہیں۔ وَإِذَا بَدَأْنَا آيَةً مِّمَّا كَانَ آيَةً میں اس شبہ کا ذکر فرمایا اور بتلادیا کہ نسخ احکام کے مصالحوں کو ہم خوب جانتے ہیں تم نہیں جانتے۔ اللہ کا ہر حکم مصلحت پر مبنی ہوتا ہے اور منکرین نبوت دوسرا شبہ یہ کرتے تھے کہ محمد ﷺ انبیاء سابقین اور امم سابقہ کے حالات کسی سے سن کر اور سیکھ کر آتے ہیں اور ان سنی سنائی اور سیکھی سکھائی باتوں کو اللہ کا کلام کہہ کر لوگوں کے سامنے آکر بیان کر دیتے ہیں اس پر آیت نازل ہوئی: وَ لَقَدْ نَعَلَكُمْ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ۔

اس آیت کریمہ میں ان کے اس شبہ کا یہ جواب دیا کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ ﷺ کسی سے سن کر یہ قصے بیان کرتے ہیں تو یہ بتلاد کہ ایسی فصیح و بلیغ عبارت آپ ﷺ نے کیسے بناں جس کے معارضہ اور مقابلہ سے تمام بلغاء عرب عاجز و درماندہ ہیں کیا یہ عربی عبارت بھی اسی غلام نے آپ کو سکھائی ہے وہ غلام تو عجی ہے۔ عربی زبان میں بات بھی نہیں کر سکتا۔ یہ فصاحت و بلاغت تو درکنار۔ اور اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے تو تم بھی اس عجی غلام سے قرآن جیسی ایک سورت نبوالاؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں اور ایک آیت اور حکم منسوخ کر کے دوسری آیت اور دوسرا حکم نازل کرتے ہیں حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے اور جو حکم اس نے پہلے نازل کیا اور جو بعد میں نازل کیا اس کی حکمت

اور مصلحت وہی خوب جانتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ بس تو مفسری ہے اپنی طرف سے ایک حکم بناتا ہے اور اپنے ساختہ اور پرداختہ کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اللہ کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ ایک حکم کو نازل کرے اور پھر اسے منسوخ کر دے اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا یہ جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ جو حکم نازل کرتا ہے وہ اس کی حکمت اور مصلحت سمجھتا ہے جس وقت جو حکم مناسب معلوم ہوتا ہے وہی حکم دیتا ہے۔ اس کی مثال طیب کا نسخہ بدلنے کی ہے طیب کا نسخہ نہ پہلا نازل ہے نہ پچھلا۔ طیب مرض کے حال کے مطابق نسخہ تجویز کرتا ہے پس اس پر اعتراض کرنا حماقت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ تو مفسری نہیں بلکہ ان میں اکثر جاہل اور نادان ہیں نسخہ احکام کی حکمت اور مصلحت کو نہیں سمجھتے۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ مراکلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام اور اس کا پیغام ہے جس کو پاک روح یعنی جبرئیل امین علیہ السلام تیرے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ لے کر نازل ہوئے اس میں کذب اور افتراء کو ذرہ برابر دخل نہیں۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے مرتبہ اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اور معنوی انوار و برکات کے لحاظ سے قلب کو منور اور مطمئن کرتا ہے جو پروردگار عالم نے یہ کلام بندوں کی تربیت کے لیے نازل فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان کو دین پر ثابت قدم رکھے اور ان کی نورانیت اور قوت اور سکینت سے اور طماننت میں زیادتی کرے تاکہ ان کے پائے استقامت میں تزلزل نہ آنے پائے اور سمجھ جائیں کہ ہمارا پروردگار ہمارے احوال سے خبردار ہے۔ اور اطاعت شعاروں کے لیے ہدایت اور بشرت بنے۔ ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ ظلمت و تاریکی میں ان کی راہ نمائی کرے اور راہ حق ان کو سمجھا دے اور بتلا دے۔ اور بشارت کا مطلب یہ ہے کہ فرمانبرداروں کو جنت کی خوشخبری دے تاکہ یہ مسلمین، مؤمنین، مخلصین کے درجے کو پہنچ جائیں۔

کافسروں کا دوسرا اعتراض اور اس کا جواب:

اور البتہ تحقیق ہم خوب جانتے ہیں کہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن نہ اللہ کا کلام ہے اور نہ کوئی فرشتہ اس کو لے کر نازل ہوا بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو ان کو ایک آدمی سکھلاتا ہے۔

مکہ میں بلعام نامی ایک نصرانی لوہار تھا اس کی زبان عجیب تھی۔ مشرک کہتے تھے کہ محمد ﷺ کو قرآن بلعام سکھاتا ہے، فرمایا کہ یہ لوگ قرآن کے سکھانے کو منسوب کرتے ہیں جو عجیب ہے اور غیر فصیح ہے اور یہ قرآن صاف اور فصیح عربی ہے اور ایسا فصیح و بلیغ ہے کہ فصحاء و بلغاء اس کے معارضہ سے عاجز اور درمندانہ ہیں پس جو شخص صاف عربی بولنے پر بھی قادر نہ ہو وہ دوسرے کو ایسا فصیح و بلیغ کلام کیونکر سکھاسکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ قرآن نہ تعلیم بشری ہے اور نہ خود آپ ﷺ کا ساختہ اور پرداختہ ہے بلکہ وحی ربانی اور تنزیل سبحانی ہے ایسے علوم و معارف اور مکارم اخلاق اور محسن آداب اور ایسی فصاحت و بلاغت ایک عجیب لوہار کے پاس کہاں سے آئی بغرض محال اگر یہ فضل و کمال کسی لوہار کے پاس ہوتا تو دنیا اس کے قدموں میں گرتی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا کوئی نام بھی نہ لیتا بہر حال ایسی مہمل بات سوائے کورباطن کے کوئی نہیں کہہ سکتا۔ عقلا یہ بات ناممکن ہے کہ ایسا فاضل معلم جس نے آپ ﷺ کو ایسے عجیب و غریب علوم کی تعلیم دی کہ دنیا اس کے نام سے بھی واقف نہ ہوتی کہ مکہ کے لوگ بھی اس سے واقف نہ ہوں اگر آپ ﷺ نے کسی معلم سے تعلیم پائی ہوتی تو کم از کم حضور پر نور ﷺ کے برابر تو تاریخ میں اس کا نام و نشان ملتا۔ بے شک جو لوگ اللہ کی

تقریباً ۵۹۷ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق کنیزوں سے ہے۔ آپ نے اپنے والدین سے اسلام قبول کیا۔ آپ نے اپنے والدین کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ آپ نے اپنے والدین کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ آپ نے اپنے والدین کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا۔

آجوں پر ایمان نہیں لاتے۔ اور باوجود اکل اعجاز کے اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ اللہ ان کو دنیا میں راہ راست نہیں دکھاتا اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے اور معاذ اللہ یہ لوگ جو آپ ﷺ کو مغفرتی کہتے ہیں، آپ مغفرتی نہیں مغفرتی اور جھوٹ بنانے والے وہ لوگ ہیں جو دیدہ دانستہ اللہ کی آیات کو نہیں مانتے اور حقیقت میں ایسے ہی لوگ جھوٹے ہیں جو یہ کہتے ہیں۔ انما یعلمہ بشر، اور دیدہ دانستہ جھوٹ بولتے ہوئے نہیں جھمکتے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ

ایمان لانے کے بعد مسترد ہو جانے کی سزا، جس سے زبردستی کلمہ کفر کہوا یا جائے اس کا حکم:

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ معظمہ میں توحید کی دعوت دینا شروع کیا تو اہل مکہ کو بہت ناگوار ہوا وہ اس کو کئی بات سمجھتے تھے، رسول اللہ ﷺ کو پہلے تو محبوب جانتے تھے لیکن توحید کی دعوت دینے کی وجہ سے آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کو طرح طرح سے ستاتے تھے آپ کی دعوت جو قبول کر لیتے تھے ان کے ستانے میں تو بہت ہی زیادہ آگے بڑھے ہوئے تھے، ابتداءً جن حضرات نے اسلام قبول کیا ان میں عموماً وہ لوگ تھے جو دنیاوی اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے ان میں وہ حضرات بھی تھے جو غلام تھے یا باہر سے آئے ہوئے تھے ان کے مارنے پیٹنے میں مشرکین مکہ ذرا سی کسر بھی اٹھ کر نہیں رکھتے تھے، حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت عمار اور ان کے والد یا سر اور ان کی والدہ سمیہؓ انہیں تکلیف اٹھانے والے حضرات میں سے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان فرمایا کہ سب سے پہلے سات افراد نے اپنا اسلام ظاہر کیا رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر اور عمر اور ان کی والدہ سمیہ اور صہیب اور بلال اور مقدادؓ رسول اللہ کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا (ابوطالب) کے ذریعے فرمائی اور حضرت ابو بکرؓ کی حفاظت کا ذریعہ ان کی قوم کو بنا دیا یا بانی حضرات کو مشرکین مکہ نے لوہے کی زرہیں پہنا پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا مشرکین ان سے کہتے تھے کہ ایمان سے پھر جاؤ اور کفر کا کلمہ کہہ دو ورنہ اسی عذاب میں رہو گے، حضرت بلالؓ کے علاوہ باقی سب نے صرف زبانی طور پر مشرکین کے کہنے کے مطابق بعض کلمات کہہ دیئے لیکن حضرت بلالؓ نے زبان سے بھی کوئی کفریہ کلمہ نہیں کہا انہوں نے اپنی جان کو اللہ کی راہ میں بالکل ہی بے حقیقت بنا دیا، پھر حضرت بلالؓ کو حضرت ابو بکرؓ نے خرید کر آزاد کر دیا اور حضرت عمارؓ کے والدین کو مشرکین نے شہید کر دیا ان کی والدہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلی شہیدہ ہیں۔ (الہدایۃ والنہیہ ص ۵۹۰ ج ۲)

مذکورہ بالا آیت اسی موقع پر نازل ہوئی جبکہ بعض صحابہ نے دل سے ایمان پر مطمئن ہوتے ہوئے کافروں کی مار سے بچنے کی وجہ سے ظاہری طور پر صرف زبان سے کفر کا کلمہ کہہ دیا تھا، تفسیر درمنثور ص ۱۳۲ ج ۲ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمارؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کیا خبر ہے انہوں نے عرض کیا کہ بری بات ہے پھر بیان کیا کہ آج میں اس وقت چھوٹا ہوں جبکہ آپ کے بارے میں غلط کلمات استعمال کیے اور ان کے معبودوں کو خیر کے ساتھ یاد کیا، آپ نے فرمایا تمہارے دل کا کیا حال ہے عرض کیا دل تو ایمان کے ساتھ مطمئن ہے فرمایا اگر وہ لوگ پھر ایسی ہی تکلیف دینے لگیں تو پھر ایسے کلمات کہہ دینا اس پر آیت کریمہ: **إِلَّا مَنْ أَكْبَرَهُ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ** نازل ہوئی۔

تفسیر درمنثور میں یہ بھی لکھا ہے کہ عبد اللہ بن ابی سرح نے اسلام قبول کر لیا تھا پھر مرتد ہو کر کافروں سے جا ملا اس کے

بارے میں وَلٰكِنْ مَن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدًّا نَازِلٌ هُوَ۔

آیت بالا میں یہ بتا دیا کہ جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے پھر مرتد ہو جائے اور یہ مرتد ہونا دل سے ہو شرح صدر کے ساتھ ہو ایسے شخص پر اللہ کا غصہ ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔

دوسری بات یہ بتائی کہ جس شخص کو مجبور کیا گیا کہ کفر اختیار کر لے اور اس نے جان بچانے کے لیے کفر کا کلمہ کہہ دیا تو اس کا گنہگار نہیں ہے اور اجازت ہے (لیکن اگر تکلیف کو جھیل جائے جیسے حضرت بدل نے کیا یا شہید ہو جائے جیسا کہ حضرت عثمان کے والدین نے اختیار کیا تو یہ افضل ہے) تفسیر درمنثور میں لکھا ہے کہ مسید کذاب کے آدمیوں نے دو مسلمانوں کو پکڑ لیا اور انہیں مسیلمہ کے پاس لے آئے مسیلمہ نے ایک سے پوچھا کیا تم محمد کے بارے میں گواہی دیتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں پھر اس نے پوچھا کیا تم محمد کے بارے میں یہ گواہی دیتے ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں! پھر اس نے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں انہوں نے کانوں پر ہاتھ دھر کر اٹھا کر دیا کہ میں بہرا ہوں اس پر مسیلمہ نے ان کو قتل کر دیا پھر دوسرے سے اسی طرح سوال کیا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں انہوں نے کہا ہاں پھر کہا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں انہوں نے اس پر بھی ہاں کر لیا، لہذا ان کو چھوڑ دیا، وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سنایا آپ نے فرمایا تیرا ساتھی (جو مقتول ہو گیا) وہ تو ایمان پر گزر گیا (یعنی دل سے بھی مؤمن رہا اور زبان سے بھی کوئی کلمہ ایمان کے خلاف نہیں کہا) اور تو نے رخصت یعنی شرعی اجازت پر عمل کر لیا۔ واضح رہے کہ محض یوں ہی ڈرانے دھمکانے کا نام اکراہ نہیں ہے۔

اگر کوئی فرد یا جماعت یوں کہے کہ اتنا ماریں گے کہ کوئی نہ کوئی عضو تلف کر دیں گے یا قتل کر دیں گے اور وہ واقعی اس پر قادر بھی ہوں اور جس سے کہا ہے بھاگنے پر قدرت نہ رکھتا ہو ایسی صورت میں بھی صرف زبان سے کفر کا کلمہ کہہ دینے کی اجازت ہے، دل ہر حال میں ایمان سے سرشار اور لبریز رہنا لازم ہے۔

عبداللہ ابن ابی سرح جن کا ذکر اوپر ہوا یہ حضرت عثمان بن عفان کے رضاعی بھائی تھے انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے کاتب تھے پھر ان کو شیطان نے بہکا یا تو مرتد ہو کر کافروں سے جا ملے، فتح مکہ کے دن حضرت عثمان انہیں خدمت عالی میں سے کر حاضر ہوئے تو انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا، گو وہ بعد میں مسلمان ہو گئے لیکن آیت شریفہ میں جو (وَلٰكِنْ مَن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدًّا) فرمایا ہے اس کا مضمون اور اس کا حکم تاابد باقی ہے جو شخص پہلے ہی سے دل سے کافر ہو یا اسلام قبول کرنے کے بعد دل سے کفر اختیار کرے اس پر اللہ تعالیٰ کا غصہ ہے اور آخرت میں اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔

مسئلہ: اگر کسی صاحب اقتدار نے مردار، خنزیر کھانے یا شراب پینے پر مجبور کیا اور یوں کہا کہ بات نہ مانے گا تو مار ڈالوں گا یا کوئی عضو کاٹ دوں گا اور اندازہ ہے کہ مذاق میں یا شخص دھمکی کے طور پر نہیں کہہ رہا ہے تو اس صورت میں حرام چیز کھانے پینے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ ایسے موقع پر حرام کھانا پینا فرض ہے۔ اگر حرام نہ کھایا اور زبردستی کرنے والے نے قتل کر دیا تو دونوں گنہگار ہوں گے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص یوں کہے کہ فلاں مسلمان کو قتل کر دو ورنہ تمہیں قتل کر دیں گے تو اس کی وجہ سے کسی مسلمان کو قتل کرنا حلال

نہیں ہے۔

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِن بَعْدِ

ہجرت کر کے ثابت قدم رہنے والوں کا اجر و ثواب، قیامت کے دن کی پیشی کا ایک منظر:

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیت کے بارے میں علامہ بغوی معالم التنزیل (ص ۸۷ ج ۲) میں لکھتے ہیں کہ عیاش بن ابی ریبہ اور ابی جندب اور ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عبد اللہ بن ابی اسید کے بارے میں نازل ہوئی ان حضرات کو مشرکین نے اسلام قبول کرنے پر تظلیفیں دیں تو انہوں نے ان کے شر سے محفوظ ہونے کے لیے بعض ایسے کلمات کہہ دیے جو مشرکین کی خواہش کے مطابق تھے پھر ان حضرات نے ہجرت کی اور جہادوں میں حصہ لیا اور استقامت کے ساتھ ایمان پر جتھے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا اور ان پر بہرانی فرمائے گا۔ صاحب معالم التنزیل نے حضرت حسن و در حضرت عمرؓ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ آیت عبد اللہ بن ابی سرح کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے اسلام کے بعد کفر اختیار کر لیا تھا پھر فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئے اور اچھے مسلمان ہو گئے ہجرت کی اور جہادوں میں بھی حصہ لیا۔ آیت کا سبب نزول جو بھی ہو اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے یہ اعلان عام ہے کہ کفر کے بعد جو بھی شخص ایمان قبول کرے گا اور ایمان پر ثابت قدم رہے گا دار اسلام کو ہجرت کرے گا جہاد میں حصہ لے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مغفرت فرمائے گا اسلام کی وجہ سے وہ سب معاصی ختم ہو جاتے ہیں جو زمانہ کفر میں کیے تھے: **إِنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِيهِمْ مَّا كَانُوا قَبْلَهُ فِتْنَةً فِي ذُلِّهِ** والے ہوں یا فتنہ میں ڈالے جانے ہوں اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کرنے پر پچھلا سب کچھ معاف ہے۔ قد قرأ ابن عامر فتنا علی صیغۃ الماضي المعلوم۔

أَذْكَرَ يَوْمَ تَأْتِي كُلَّ نَفْسٍ تُجَادِلُ تُحَاجُّ عَنْ نَفْسِهَا لَا إِلَهَ إِلَّا هِيَ هَذَا هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَتُؤْتَى كُلُّ نَفْسٍ

جَزَاءً مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ شَيْئًا وَصَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا وَيُذِلُّ مِنْهُ قَرْيَةً هِيَ مَكَّةُ وَالْمَرَادُ أَهْلُهَا كَانَتْ

أُوبَةً مِنَ الْعَارَاتِ لَا تَحَاجُّ مُطَهَّرَةً لِأَنَّهَا لَا تَحْتَاجُ إِلَى الْإِنْفَالِ عَنِهَا اجْرِي أَوْ خَوْفٍ يَأْتِيهَا رِقَابُهَا عَذَابًا

وَأَسْعَاقِينَ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ بِتَكْذِيبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ

فَقُحِطُوا سَبْعَ سِنِينَ وَالْخَوْفُ بِسَرِّ آيَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ

مِنْهُمْ مُخَمِّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ الْجُوعَ وَالْخَوْفَ وَهُمْ ظَالِمُونَ ۝ فَكُلُوا مِنْهَا

الْمُؤْمِنُونَ وَمِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۝ وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنَّ كُنتُمْ لِيَآئِهِ تَعْبُدُونَ ۝ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ

الدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمِمَّا أَهْلًا لِبَغْيِ اللَّهِ بِهِ ۝ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَلَا تَقُولُوا لِبِ

تَصِفُ الْمُنْكَرُ الْكُذِبَ أَي لِرُصْفِ الْمُنْكَرِ هَذَا حَرَامٌ لِمَا لَمْ يُحِلَّهُ اللَّهُ وَنَمْ يَحْرِمُهُ لِقَوْلِهِ

عَلَى أَنَّهُ الْكُذِبُ بِبَيْتِهِ ذَلِكَ إِلَيْهِ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝ لَهُمْ مَتَاعٌ قَلِيلٌ فِي الدُّنْيَا

لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مُؤَلَّمٌ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا أَيْ الْيَهُودَ حَرْمًا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ فِي آيَةِ

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرْمًا كُلِّ ذِي ظُفْرِ إِلَى آخِرِهَا وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ بِتَحْرِيمِ ذَلِكَ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ

يُظْلِمُونَ ۝ بِإِذْنِكِ الْمَعَاصِي الْمَوْجِبَةَ لِذَلِكَ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا الشُّرُوكَ بِجَهَنَّمَ تَابُوا

رَجَعُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا ۝ عَمَلُهُمْ لَا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا أَيْ الْجَهْلِيَّةِ أَوْ التَّوْبَةِ لِقَوْلِهِ لَكُمْ رَحِيمَةٌ

بِهِمْ

ترجمہ: (اور وہ وقت یاد کیجئے) جس دن ہر شخص اپنی اپنی طرفداری میں گفتگو (حجت بازی) کرتا ہوا آئے گا (اسے کسی دوسرے کی پرواہ نہیں ہوگی یہ قیامت کا دن ہوگا) اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتے ہیں (اگلا جملہ بدل ہے) ایک بستی تھی (یعنی مکہ، مراد اہل مکہ ہیں) جہاں ہر طرح کا امن چھین تھ (لوٹ مار نہیں تھی) اطمینان تھا (کسی تنگی یا خوف کی وجہ سے نقل مکانی کی ضرورت نہیں تھی) ہر طرف سے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ان کو پہنچا کرتی تھیں لیکن پھر انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی (نبی کریم ﷺ کو جھٹلا کر) اس پر اللہ نے انہیں قحط میں گھر کر مزہ چکھا دیا (سالہا سال قحط میں مبتلا رہے) اور ان پر خوف چھا گیا (نبی کریم ﷺ کی طرف سے لشکر کشی کے خطرہ کی وجہ سے) ان کی حرکتوں کی پاداش میں اور پھر خود انہیں میں سے ایک رسول (محمد ﷺ) ان کے پاس آ گیا مگر انہوں نے اسے جھٹلایا تب انہیں (بھوک اور خوف کے) عذاب میں پکڑا جب وہ ظالم تھے سو کھاؤ (سے ایمان والو!) اللہ نے تمہیں جو رزق عطا فرمایا ہے حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اگر فی الحقیقت تم اسی کی عبادت کرتے ہو تم پر حرام کر دیا مراد خون، خنزیر کا گوشت اور جس کو غیر اللہ کے لئے نامزد کر دیا گیا ہو پھر جو شخص ناجائز مجبور ہو جائے بشرطیکہ مذت کا طلب گار نہ ہو اور نہ حد سے گذر جانے والا ہو تو حق تعالیٰ بخشنے والا، رحمت والا ہے، اور جن چیزوں کے بارے میں تمہارا محض جھوٹا زبانی دعویٰ ہو (تمہاری زبان پر جھوٹی بات ہو) انکی نسبت بے دھڑک یوں مت کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے (حالانکہ اللہ نے نہ اسے حلال قرار دیا نہ حرام) تاکہ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھ سکو (اس بات کی نسبت اللہ کی طرف کر کے) بلاشبہ جو لوگ اللہ پر انترام پر دازیاں کرتے ہیں وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں ہیں یہ چند روزہ عیش ہے (دنیا میں) اور انکے لئے (آخرت میں) دردناک ہے اور صرف یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا بیان اس سے پہلے ہم آپ سے کر چکے ہیں (یہ آیت: وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرْمًا كُلِّ ذِي ظُفْرٍ) ہم نے ان پر کچھ زیادتی نہیں کی (یہ چیزیں حرام کر کے) بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے رہے (اسکا برائیاں کیوں جو اس کو حرام کرنے کا سبب بنیں) یہاں جو لوگ نادانی سے برائیوں (شرک باللہ) میں پڑ گئے پھر تائب

(رجوع) ہو گئے اس کے بعد اور ٹھیک ٹھاک کر لیا پناہ عمل تو بلاشبہ آپ کا پروردگار (نافرمانی اور توبہ کے بعد انکو) معاف کرنے والا (ان پر) رحم کرنے والا ہے۔

کلمات تفسیر کے توضیح و تشریح

- قوله: تُخَاجُ: یہ تفسیر اس لئے کی گئی کہ عن تجادلوا کا صلہ نہیں بن سکتا۔
- قوله: لَا يَهْمُهَا غَيْرُهَا: یعنی ہر ایک نفسی نفسی کہے گا دوسرے کی فکر نہ ہوگی۔
- قوله: جِزَاءُ: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف مخذوف ہے۔
- قوله: فَأَإِذَا قَهَّ اللَّهُ: اس سے اشارہ کر دیا کہ تکلیف کے پہنچ جانے کو استعارہ ذوق سے تعبیر کر دیا ہے۔
- قوله: فَكَلُوا: اس سے اشارہ کیا کہ جاہلیت کی حرکات سے باز رہو کہ بجز سائبہ وغیرہ بتانے لگ جاؤ۔
- قوله: لِيُوصَفَ أَلْسِنَتِكُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ ما مصدریہ ہے موصول نہیں۔
- قوله: الْكُذِبَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ لَا تَقُولُوا کی وجہ سے منصوب ہے اور هَذَا كَذِبٌ وَهَذَا كَذِبٌ یہ الكذب کا بدل ہے اور زبان کو کذب کہا گیا ہے۔ یہ وصف کذب میں مبالغہ ظاہر کرنے کے لئے ہے۔
- قوله: بِنِسْبَةِ ذَلِكَ: ذَلِكَ کا اشارہ الیہ کذب ہے اور لہذا تصف یہ مطلقاً ثبات کذب کے لئے آیا ہے۔
- قوله: لَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ متاع مبتداء ہے اور اس کی خبر ظرف مقدر ہے۔
- قوله: بِإِزَابِ تَكَاثُفِ الْمُعَاصِي: یعنی ان کے لئے تحریم بطور سزا کے مقرر کی گئی ہے نہ کہ دفع معصرت کے لئے۔

تفسیر مقبولین

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا: جس روز ہر شخص اپنی ہی طرفداری میں بات کرے گا اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا یعنی ہر شخص کو اپنی ہی پڑی ہوگی ہر شخص کو اپنے ہی بچاؤ کی لگراور کوشش ہوگی دوسرے کا خیال بھی نہ ہوگا۔ کافر کہے گا: اے ہمارے مالک! انہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا اے ہمارے مالک! ہم نے اپنے سرواروں اور بڑوں کا کہا مانا۔ ہم اپنے رب کی قسم کھا کر کہتے ہیں جو معبود برحق ہے کہ ہم (خود) مشرک نہیں تھے۔ ہم کو دوبارہ دنیا میں لوٹا دئے ہم نیک عمل کریں گے۔ مؤمن کہے گا: اے رب! میں تجھ سے اپنی جان کی امان مانگتا ہوں مجھے کافر لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر دینا۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: قیامت کے دن جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا؟ فرمایا: ”ساتویں زمین سے لایا جائے گا۔ اس کی ایک ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے پکڑ کر کھینچتے ہوں گے۔ جب دوزخ انسانوں سے ایک ہزار سال کی مسافت پر رہ جائے گی تو ایک سال کھینچنے کی جس کی

وجہ سے ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل دوزانو بیٹھ کر عرض کرے گا: اے میرے مالک! میری جان (بچا دے)۔“

بغوی نے لکھا ہے: حضرت عمر بن خطاب نے کعب احبار سے فرمایا: (کچھ آخرت کا تذکرہ کر کے) ہمارے اندر (اللہ کا) خوف پیدا کر دو۔ کعب احبار نے عرض کیا: امیر المؤمنین! اگر ستر پیغمبروں کے برابر عمل کر کے آپ قیامت کا دن پاگیں گے تب بھی قیامت آپ پر بار بار ایسے حالات لائے گی کہ اس وقت آپ کو اپنی جان کے علاوہ کسی دوسرے کا خیال ہی نہیں رہے گا۔ جہنم ایک ایسا دم کھینچنے کی کہ ہر مقرب فرشتہ اور ہر برگزیدہ نبی دوزانو بیٹھ جائے گا یہاں تک کہ حضرت ابراہیم بھی کہہ انھیں گے: میں تجھ سے صرف اپنی جان کی امان مانگتا ہوں۔ اس کی تصدیق اللہ کی بھیجی ہوئی آیت میں موجود ہے۔ ارشاد فرمایا ہے: **يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تَجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا**۔

عکرمہ نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں میں باہم جھگڑا برپا ہوتا رہے گا یہاں تک کہ روح اور بدن میں بھی باہم جھگڑا ہوگا۔ روح کہے گی: اے میرے رب! نہ میرے ہاتھ تھے جن سے میں پکڑتی نہ میرے پاؤں تھے جن سے میں چلتی نہ میری آنکھ تھی کہ میں دیکھتی (جو کچھ بد اعمالی ہے وہ اس بدن کی ہے) بدن کہے گا: تو نے مجھے لکڑی کی طرح (بے حس بے شعور بے جان) پیدا کیا تھا۔ میرے ہاتھ نہ تھے کہ میں پکڑتا میرے پاؤں نہ تھے کہ میں ان سے چلتا نہ میری آنکھیں تھیں کہ میں ان سے دیکھتا۔ جب یہ میرے اندر نور کی شعاع کی طرح آگئی تو میری زبان بولنے لگی، میری آنکھ بینا ہو گئی اور میرے پاؤں رواں ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ نے روح اور جسم کو اس طرح بنایا ہے جیسے ایک اندھا اور ایک اپانچ کسی کے باغ میں پہنچ گئے باغ میں درختوں پر پھل لگے ہوئے تھے۔ اندھا تو پھلوں کو دیکھ ہی نہ سکتا تھا اور اپانچ (دیکھتا تو تھا) پھلوں تک پہنچ نہ سکتا تھا۔ آخر اندھے نے اپانچ کو اپنے اوپر سوار کر لیا اس طرح دونوں نے پھل حاصل کر لے (اور دونوں چوری کے مجرم قرار پائے) روح اور بدن بھی دونوں اسی طرح عذاب میں پکڑے جائیں گے۔

تَجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا میں نفس سے مراد ذات ہے۔ عین شئیء اور ذات شئیء کو نفس شئیء کہا جاتا ہے اور جو عین اور ذات نہ ہو اس کو غیر کہتے ہیں۔ یعنی ہر شخص اپنی ذات کی طرف سے دفاع کرے گا۔

لَا يَظْلُمُونَ کا یہ مطلب ہے کہ کسی کا ثواب کم نہیں کیا جائے گا، کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔
وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَوْمًا

ایک ایسی بستی کا تذکرہ جسے اللہ تعالیٰ نے خوب نعمتیں دیں پھر ناشکری کی وجہ سے ان کی نعمتیں چھین لی گئیں:

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت بالا میں کسی خاص بستی کا ذکر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عمومی مثال بیان فرمائی ہے، اور اس سے اہل مکہ کو متنبہ کرنا اور ڈرانا مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ بہت سی بستیاں ایسی گزر چکی ہیں جو امن اور اطمینان سے رہتی تھیں اس کے رہنے والوں کی زندگی خوب اچھے طریقے پر گزرتی تھی ہر جگہ سے ان کے پاس رزق پہنچتا تھا۔ لیکن انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی قدر نہ کی۔ نعمتوں کی ناشکری کی کفر پر جسے رہے۔ ان کے پاس جو رسول آیا اس کو جھٹلا دیا ان کی ان سب حرکتوں کی وجہ سے انہیں عذاب نے پکڑ لیا۔ یہ عذاب بھوک کا بھی تھا خوف کا بھی۔ جن بستیوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ان میں سے کسی

بھی بستی کا صلہ سامنے رکھ لو اور اس سے عبرت حاصل کرو۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ”بستی“ سے خود مکہ معظمہ ہی مراد ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا آپ انہیں میں سے تھے نسب کے اعتبار سے آپ قریشی اور ہاشمی تھے۔ جن کی مکہ معظمہ میں بات چلتی تھی اور آپ مکہ معظمہ کے رہنے والوں میں سے بھی تھے مکہ والوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام تھا کہ امن چھین سے اطمینان سے رہتے اور زندگی گزارتے تھے۔ عرب کے قبائل آپس میں لڑتے رہتے تھے لیکن حرم کی وجہ سے اہل مکہ پر کوئی حملہ آور نہیں ہوتا تھا۔ اس بات کو سورۃ عنکبوت میں یوں فرمایا ہے: (أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مَّا أَيْمَنَّا وَبَيْنَ مَخْطَفِ النَّاسِ وَبَيْنَ حَوْلِهِمْ) (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش سے لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے) اہل مکہ کے لیے کھانے پینے کی فراوانی بھی خوب تھی۔ ہر طرف سے ان کے پاس رزق آتا تھا۔ خوب کھاتے پیتے اور پہنتے تھے۔ اس کو سورۃ قصص میں یوں بیان فرمایا: (أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ حَرَمًا مَّا أَيْمَنَّا فَجَاءُوا بِالنِّجْمِ كَمَا جَاءُوا بِالنِّجْمِ كَمَا جَاءُوا بِالنِّجْمِ كَمَا جَاءُوا بِالنِّجْمِ) (کیا ہم نے ان کو امن دیا ان کے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل گچھے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے کھانے کو ملتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔)

رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کو توحید کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا آپ کی نبوت کے ماننے سے انکاری ہوئے۔ اور آپ کو طرح طرح سے ستانے اور دکھ دینے لگے۔ اور آپ کو مکہ معظمہ چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی اور اللہ کے نبی کو ستایا اور اس شہر سے نکلنے پر مجبور کیا جو آپ کا وطن اصلی اور وطن عزیز تھا۔ بلکہ آپ کے اجداد حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا آباد کیا ہوا تھا۔ جب آپ مکہ معظمہ چھوڑ کر تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے تب بھی اہل مکہ نے اپنی دشمنی جاری رکھی۔ آپ نے ان کے لیے بددعا کر دی اور عرب قبائل جو مسلمان ہو گئے ان سے فرما دیا کہ اہل مکہ کو غلہ نہ دیں سات سال تک بھوک کی تکلیف میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ مردار چیزیں مرے ہوئے کتے اور چلی ہوئی ہڈیاں کھانے پر مجبور ہوئے۔ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو بھوک کی وجہ سے ایسا نظر آتا تھا جیسے آسمان تک دھواں ہی دھواں ہے۔ یہ ان کی بھوک کا صلہ تھا اور کیونکہ اہل ایمان سے دشمنی تھی اس لیے مسلمانوں کی طرف سے خوف زدہ بھی رہتے تھے۔ اہل مکہ نے آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ صلہ رحمی والے ہیں مردوں سے دشمنی ہے عورتوں اور بچوں کو کیوں تکلیف میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔ اس پر آپ نے لوگوں کو اجازت دے دی کہ اہل مکہ کو غلہ پہنچائیں اور خود بھی اپنے پاس سے ان کے لیے غلہ بھیجا اہل مکہ نے عمومی طور پر اسلام قبول کیا تھا لیکن آپ نے ان کی تکلیف کو دور کرنے کی راہ استوار فرما دی۔ صاحب معالم التنزیل نے اسی کو اختیار کیا ہے آیت ہالہ میں (قُرْبَىٰ) (بستی) سے مکہ معظمہ ہی مراد ہے۔ علامہ قرطبی نے بھی یہ بات لکھی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کو بطور مثال پیش فرما کر دوسرے شہروں کو متنبہ فرمایا کہ دیکھو جو نبوتوں کی ناشکری اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی وجہ سے اہل مکہ کا ایسا حال ہوا جو بیت اللہ کے پاس رہتے تھے اور مسجد حرام کی خدمت کرنے والے تھے تو تم پر بھی عذاب آسکتا ہے کفر سے دور کفر ان نعمت سے توبہ کرو۔ اور ایمان لا کر اللہ کے سچے بچے بندے بن جاؤ۔

گندی چیزوں کو حرام قرار دے دیا۔ اور وہی جانتا ہے کہ اس کے بندوں کے لئے طیب اور پاکیزہ چیزیں کیا ہیں اور ناپاک اور خبیث کیا۔ اس کے سوا یہ شان اور کسی میں بھی نہیں ہو سکتی۔ اس سے تحلیل و تحریم اسی کا حق ہے۔ سبحانہ و تعالیٰ۔

غیر اللہ کی طرف منسوب چیز کی حرمت کا ذکر و بیان:

سوار شاد فرمایا گیا کہ اور ہر چیز جس پر نام لیا گیا ہو اللہ کے سوا کسی اور کا اس کے تقرب کی نیت سے۔ خواہ اس کے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو یا کسی اور کا۔ کیونکہ وہ چیز غیر اللہ کے لئے نامزد کر دینے کے باعث حرام قرار پائی۔ پس اہل بدعت جو اس کے ترجمہ میں کہتے ہیں کہ جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور اس طرح وہ اپنی شریکات کیلئے جو چور دروازہ نکالنا چاہتے ہیں وہ سب باطل و مردود ہے۔ کہ یہاں نص قرآنی میں اھل کالفاظ ارشاد فرمایا گیا ہے جس کا معنی بافاق اہل لغت رفع الصوت ہے۔ یعنی آواز اٹھانا اور نامزد کرنا نہ کہ ذبح کرنا۔ اور جن حضرات مفسرین نے اس موقع پر ذبح کا ذکر فرمایا ہے تو وہ محض ایک کثیر الوقوع صورت کے ذکر کے طور پر کیا ہے نہ کہ دھر کیلئے۔ نیز اس لیے کہ اس کی حرمت اتفاقی اور اجماعی ہے۔ ورنہ (احل) کا اصل معنی ذبح ہے ہی نہیں۔ بہر کیف جس چیز کو غیر اللہ کے تقرب کیلئے مخصوص کیا گیا اور اس پر اسی کا نام لیا گیا ہو وہ بھی حرام ہے۔ اور اس کی شدت حرمت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ یہاں پر اس کا ذکر خنزیر کے گوشت پر معطوف کر کے فرمایا گیا ہے۔ مفسر احمد مصطفیٰ مراغی مرحوم اپنی شہرہ آفاق تفسیر میں اس موقع پر لکھتے ہیں کہ غیر اللہ سے مراد عام ہے خواہ کوئی جن ہو یا انسان۔ جیسے کوئی نبی یا ولی۔ زندہ ہو یا مردہ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کسی کی طرف بھی اس کو منسوب کیا گیا ہو وہ حرام ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے: ((ملعون من ذبح لغير الله)) یعنی جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کر کے کسی چیز کو ذبح کیا وہ ملعون یعنی لعنتی ہے۔ خواہ ایسے شخص نے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو۔ سو جس سے سید بدوی یا ابراہیم دسوقی یا سیدہ زینب وغیرہ کسی بھی نام سے کوئی جانور ذبح کیا وہ حرام ہے۔ اس کا کھانا جائز نہیں۔

(تفسیر المراغی جلد ۱، ص ۱۰۲ طبع بیروت لبنان)

مضطر کیلئے اکل حرام کی مشروط اجازت:

سو (غَيْرَ بَاطِلٍ وَلَا عَادٍ) کی ان دو قیدوں سے واضح فرما دیا گیا کہ نہ تو حرام کو لذت و شوق کی بناء پر کھائے اور نہ حد ضرورت سے زیادہ۔ بلکہ اس قدر کھائے جس سے اس کی جان بچ سکتی ہو اور بس۔ مثلاً ایک لقمے سے جان بچ سکتی ہو تو دوسرا نہ کھائے وغیرہ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو مضطر و لاچار شخص بقدر ضرورت اور بمقدار سدر متق کھا سکتا ہے اور بس اور اس سے زیادہ اس کے لئے جائز نہیں۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً إِمَامًا قَدْرَةً جَامِعًا لِيَخْضَلَ الْخَيْرِ قَائِلًا مَطِيئًا تَلُو حَنِيفًا مَا أَتَى إِلَى الدِّينِ الْقَنِيمِ وَ

لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱﴾ شَاكِرًا لِأَنْعَمِهِ رَاجِيًا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۲﴾ فِيهِ التَّفَاتُ عَنْ

لُعْبَةِ وَاتِّبَانُهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ هِيَ النَّهْيُ الْحَسَنُ فِي كُلِّ أَهْلِ الْأَدْيَانِ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَيَسَّ لِلصَّالِحِينَ ﴿۳﴾

الَّذِينَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ لَأُوْحِيْنَآ إِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ أَنْ أُبْعِثَ مِثْلَهُ دِينَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۷﴾ كَثُرَ زُرْدًا عَلَىٰ زَعْمِ الْيَهُودِ وَالتَّصَارِي أَنَّهُمْ عَلَىٰ دِينِهِ إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ فَرَضَ تَعْظِيمُهُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ عَلَىٰ نَبِيِّهِمْ وَهُمْ الْيَهُودُ أَمْرًا أَنْ يَتَفَرَّقُوا فِي الْعِبَادَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالُوا لَا تُرِيدُهُ وَاخْتَارُوا السَّبْتَ فَسُدَّ عَلَيْهِمْ فِيهِ وَإِنْ رَبُّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۸﴾ مِنْ أَمْرِهِ بِأَنْ يُعْبَدَ الطَّائِعَ وَيُعَذَّبَ الْعَاصِيَ بِإِتِهَافِكَ حُرْمَتِهِ أَدْعُ النَّاسَ يَا مُحَمَّدُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ دِينِهِ بِالْحِكْمَةِ بِالْقُرْآنِ وَالمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ مَوَاعِظِهِ أَوْ الْقَوْلِ الرَّفِيقِ دَجَادِلْهُمْ بِالْحَقِّ أَيْ بِالْمُجَادِلَةِ الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ كَالدُّعَاءِ إِلَى اللَّهِ بِآيَاتِهِ وَالدُّعَاءِ إِلَىٰ مُحَجَّجِهِ إِنْ رَبُّكَ هُوَ أَعْلَمُ أَيْ عَلِيمٌ بِمَنْ صَلَّىٰ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۹﴾ فَيَجَازِيهِمْ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْقِتَالِ وَنَزَلَ لِمَنْ قَبِلَ حَمْرَةَ وَثُمَّ لِيَهِيَ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدَّرَاهُ لَا مِثْلَانَ بِسَبْعِينَ مِنْهُمْ مَكَانَكَ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوِّقْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ صَبِرْتُمْ عَنِ الْإِثْتِمَامِ لَهُمْ أَيْ الصَّبْرُ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿۲۰﴾ فَكَفَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَفَّرَ عَنْ يَمِينِهِ رَوَاهُ الْبَرَاءُ وَأَصْبِرْ وَمَا صَبْرَكَ إِلَّا بِاللَّهِ بِنُوفِقِهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ أَيْ الْكُفَّارِ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا لِحُرْمَتِكَ عَلَىٰ إِيْمَانِهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَسْكُرُونَ ﴿۲۱﴾ أَيْ لَا تَهْتَمَّ بِمَكْرِهِمْ فَإِنَّا نَاصِرُكَ عَلَيْهِمْ إِنْ اللَّهُ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا الْكُفْرَ وَالمَعَاصِيَ وَالَّذِينَ هُمْ

مُحْسِنُونَ ﴿۲۲﴾ بِالطَّاعَةِ وَالصَّبْرِ بِالعَزْمِ وَالتَّصَبُّرِ

تَوْجِیْہاً: بیشک ابراہیم بڑے مقتدا تھے (راہ دکھانے والے، نمونہ عمل، عمدہ خصلتوں کے جامع تھے) اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے بالکل ایک طرف (مضبوط دین کی طرف جھکاؤ رکھنے والے ہو رہے تھے وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اللہ نے ان کو جن لیا تھا (منتخب کر لیا تھا) اور ان کو سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا اور ہم نے ان کو (سینہ غائب سے الثقات) دنیا میں بھی خوبیاں دی تھیں (جملہ ادیان کے پیروکاروں میں نیک نامی) اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں ہوں گے (کہ جن کے لئے بلند مراتب ہیں) پھر ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی (اے محمد) کہ آپ ابراہیم کے طریقہ (دین ابراہیمی) پر جو کہ بالکل ایک طرف ہو رہے تھے چلے اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے (اس جملہ کو یہود و نصاریٰ پر رد کرنے کے لئے مکر لائے جن کا گمان تھا وہ دین ابراہیم پر ہیں) بس ہفتہ کی تعظیم انہیں لوگوں پر فرض کی گئی تھی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا (اپنے نبی سے، مراد یہود ہیں جن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ جمعہ کی عبادت کے لئے خود کو فارغ کر لیں، یہودی بولے کہ جمعہ کو ہم نہیں چاہتے، اور ہفتہ کے دن کو انہوں نے منتخب کر لیا) اس دن ان پر سختی کی

مئی) بلاشبہ تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان میں باہم فیصلہ کر دے گا جس بات میں یہ اختلاف کیا کرتے تھے (اس کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اطاعت گزار کو ثواب اور گنہگار کو عذاب دے گا اس کی حرمت کے حکم کو پامال کرنے کی پاداش ہیں) آپ (اسے عزت) اپنے پروردگار کی راہ (دین اسلام) کی طرف (لوگوں کو) بلائے حکمت (قرآن کریم) اور اچھی بصیرت (وعظ یا دلوں کو نرم کرنے والی بات) کے ذریعہ اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے (جیسے اللہ کی آیاتوں کے ذریعہ اس کی طرف دعوت اور اس کی دلیلوں کی طرف دعوت) تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس کے راستے سے گم ہو گیا اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے (پس وہ ان کو بدلہ دے گا یہ آیت جہاد کے حکم سے پہلے کی ہے اور جب حضرت حمزہؓ شہید ہوئے اور ان کو مثلہ کیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا کہ کفار میں سے سزاؤں میں کو آپ کے بدلہ میں مثلہ کروں گا) اور اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر تم کو تکلیف پہنچائی جائے اور اگر مہر کرو (انقام نہ لے کر) تو وہ (مہر کرنا) مہر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے (نبی کریم ﷺ رک گئے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا مسند بزار نے اس روایت کو نقل کیا) اور مہر کیجئے آپ کا مہر کرنا خدا ہی کی توفیق خاص سے ہے اور ان لوگوں پر غم نہ کیجئے (یعنی کفار پر اگر وہ ایمان نہ لائیں، کیونکہ آپ ان کے ایمان کے بے حد خواہشمند ہیں اور تنگ دل نہ ہوں ان تدبیروں سے جو یہ کیا کرتے ہیں) (یعنی ان کی تدبیروں پر غم نہ کیجئے میں ان پر آپ کو غالب رکھنے والا ہوں) اللہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیز کرتے ہیں (کفر اور گناہوں سے) اور نیکی کرتے ہیں (اطاعت اور مہر کر کے۔ اللہ کے ساتھ ہونے کا مطلب اس کی مدد اور نصرت کرنا ہے)۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و شرح

قولہ: **جَامِعًا**: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں امت کا لفظ جامع کے معنی میں ہے اور ابراہیم علیہ السلام تمام صفات خیر کے جامع تھے جو ایک شخص میں پائی جانی مشکل ہیں۔

قولہ: **إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ**: یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں وہ سیدھی راہ پر تھے۔

قولہ: **فَرَضَ**: اس سے اشارہ کیا کہ جمل یہاں فرض کے معنی میں ہے۔

قولہ: **تَنْظِيحًا**: یہ مقدر مان کر اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔

قولہ: **بِالْحِكْمَةِ**: یعنی امت کے خاص لوگوں کو جو حق کے طلبکار ہوں ان کو دین کے اسرار سکھانے والے۔

قولہ: **الْقَوْلِ الرَّفِيقِ**: اس سے مراد رغبت اور ڈراؤرا نذار و بشارت سے ملی ہوئی بات۔

قولہ: **بِالْمَجَادِلَةِ**: اس سے اشارہ کیا کہ موصول کی ثابیت وہ موصوف کی ثابیت کی وجہ سے ہے اور وہ مجادلہ ہے یہ نہیں کہ وہ طریقہ کی صفت ہے۔

قولہ: **عَالِمٍ**: یہ معنی کر کے اشارہ کیا کہ اعلم اسم تفضیل فاعل کے معنی میں ہے۔

قولہ: **وَأَضْمِرًا**: اس میں جناب رسول اللہ ﷺ کو صراحت کے ساتھ مہر کی تلقین کی گئی کیونکہ سب سے زیادہ آپ اس کے حقدار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے متعلق علم و ثوف میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں۔

قولہ: لَا تَنْتَهَمُ: اس میں لزوم کا ذکر کر کے مطلقاً لازم کا ارادہ کیا ہے۔
 قولہ: بِالطَّاعَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ اخلاص اطاعت کے ساتھ ضروری ہے۔
 قولہ: بِالْعَوْنِ: اس سے اشارہ کیا کہ اللہ کی معیشت کے ساتھ مراد عون و نصرت کی معاونت ہے۔ ذات و جسمیت کی نہیں۔

تفسیر مقبولین ۲

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا ۖ وَ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝۱

ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف عالیہ اور ان کی ملت کے اتباع کا حکم:

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قرآن مجید میں جگہ جگہ ذکر ہے۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں تو حید کی دعوت دینے اور شرک کی تردید کرنے کی وجہ سے انہیں آگ تک میں ڈالا گیا اور اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کو نوازا دیا۔
 سورہ بقرہ میں ارشاد ہے: وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَتْهُنَّ ۗ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۗ (اور جب ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات کے ذریعہ آزمایا تو انہوں نے ان کو پورا کر دیا، ان کے رب نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں) اللہ تعالیٰ نے انہیں جن کلمات یعنی جن احکام کا حکم دیا انہیں پورا کیا اللہ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا ان پر صحیفے نازل فرمائے پھر ان کی نسل و ذریت میں امامت کو جاری فرمایا یعنی ان کے بعد جتنے بھی نبی آئے وہ سب انہیں کی نسل میں سے تھے اور ان کی شریعت کا اتباع کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو جیسے کہ آیت بالا میں مذکور ہے چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد تشریف مانے والے نبیاء کرام علیہم السلام سب ان کی شریعت کا اتباع کرنے والے تھے اور ان کی امتیں اپنے نبیوں کا اتباع کرتی تھیں اس لیے ابراہیم علیہ السلام اپنے بعد کے تمام انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے امام اور مقتدی ہو گئے ان کو آیت بالا میں مقتدی اور سورۃ بقرہ میں لوگوں کا امام بتایا چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت تو حید ہی تو حید ہے اور فرمانبرداری ہی فرمانبرداری ہے اس لیے سورۃ بقرہ میں اس شخص کو یوقوف بتایا جو ملت ابراہیمی سے ہے، ارشاد ہے: (وَمَنْ يُؤْتَ عِلْمًا فَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الْغِيْطِ ۚ وَهُوَ الْمَغْتَابُ ۚ لَمْ يُؤْتِ سُلْطٰنًا ۚ وَ لَقَدْ اٰمَنَّا بِحَبْلِ اللّٰهِ الْغَلِيظِ ۚ وَرٰنٰهُ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ لَيَسَّ لَلْمُؤْمِنِيْنَ الضَّلٰلِيْنَ اِذَا قَالُوْا لَهٗ زَيْنٰةٌ ۚ اَسْلِمْنَا ۚ وَ اَسْلَمْنَا ۚ لِيُؤْتِيَ الْعٰلَمِيْنَ اَلْحٰكِمِيْنَ) (اور ملت ابراہیمی سے وہی روگردانی کرے گا جس نے اپنے نفس کو اسحق بنایا، اور بے شک ہم نے ان کو دین میں منتخب کر لیا اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں جب فرمایا ان کے رب نے فرمایا فرمانبردار ہو جاؤ، تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رب الغلیظ کا فرمانبردار ہوں۔)

ملت ابراہیمی اس وقت ملت محمدیہ میں منحصر ہے اور آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہی اس کے داعی ہیں، جو لوگ اس سے بیزار ہیں وہ لوگ مشرک، بت پرست، بے حیا، بے شرم، بد اخلاق، بد اعمال، دھوکے باز اور زمین میں فساد کرنے والے اور قوموں کو لڑنے والے ہیں، اور جس قدر بھی دنیا میں قبائح و برے کام ہیں سب انہیں لوگوں میں پائے جاتے ہیں جو ملت ابراہیمی سے ہٹے ہوئے ہیں گو کمزور ایمان والے مسلمانوں میں بھی معاصی ہیں لیکن اول تو انہیں گناہ سمجھتے ہوئے کرتے ہیں

دوسرے توبہ کرتے رہتے ہیں اور ہر حال میں گناہ حماقت ہی سے ہوتا ہے۔

حج کرنا اور حج میں صفا مردہ کی سعی کرنا منیٰ میں قربانیاں کرنا، اور عید الاضحیٰ میں پورے عالم میں قربانیاں ہونا، اور ختنہ کرنا یہ سب ابراہیم علیہ السلام کی امت میں سے ہیں جو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں آئے ہیں۔

آیت بالا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قانت بھی بتایا ہے، یہ لکھ لفظ "قوت" سے ماخوذ ہے جو فرمانبرداری اور عبادت گزار کی معنی میں آتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام فرما نیردار بھی تھے اور عبادت گزار بھی، سورۃ آل عمران نے فرمایا: (مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ) (ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن وہ حنیف تھے اور فرمانبردار تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرآن مجید میں "حنیف" فرمایا ہے۔ اس کا مادہ ح-ن-ف ہے امام راغب لکھتے ہیں: الحنف هو الميل عن الضلال الى الاستقامة والحنيف هو للمائل الى ذلك (ص ۱۳۳) یعنی حنف یہ ہے کہ گمراہی سے ہٹتے ہوئے حق پر استقامت ہو، اور حنیف وہ ہے جس میں یہ صفت پائی جائے، تفسیر درمنثور ص ۱۴۰ ج ۱ میں مسند احمد اور لادب المفرد (للبخاری) سے نقل کیا ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کو کونسا دین پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: الحنفية السمعة یعنی وہ دین اللہ کو محبوب ہے جس میں باطل سے بچتے ہوئے حق کو اپنایا گیا ہو اور جس پر عمل کرنے میں دشواری نہیں ہے۔ (اس سے دین اسلام مراد ہے۔)

یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں حالانکہ مشرک بھی ہیں، قرآن پاک میں جگہ جگہ ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے۔ سورۃ بقرہ میں اور سورۃ آل عمران میں فرمایا: (وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ) اور یہاں سورۃ نحل میں (وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ) بھی فرمایا اور (وَلَعَلَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ) بھی فرمایا، مشرکین مکہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنا انتساب رکھتے تھے اس میں ان کی بھی تردید ہے کہ تم مشرک ہو اور وہ موحد تھے تمہارا ان کا کیا جوڑ ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات بیان کرتے ہوئے (شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ) بھی فرمایا یعنی وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر عام و خاص سب ہی بندے کرتے ہیں ظلیل اللہ بدر جا ولی شکر گزار تھے اس میں اہل مکہ کو توجہ دلائی ہے کہ دیکھو تمہیں نعمتوں کا شکر گزار ہونا لازم ہے، تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام جنہوں نے مکہ بسایا ہے، وہ مکہ میں بسنے والوں کے لیے ہر طرح کے پھلوں کے لیے دعا کی موحد تھے تم بھی موحد ہو جاؤ۔ شرک چھوڑو، تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام نعمتوں کے شکر گزار بھی تھے، تم نعمتوں کی قدر دانی بھی نہیں کرتے (ناشکری کا وبال بھوک اور خوف کی صورت میں بھگت چکے ہو اور اب ناشکری چھوڑو اور ایمان قبول کرو۔)

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۗ

ہفتہ کے دن کی تعظیم یہودیوں پر لازم تھی:

دنیا میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا اور آخرت میں جو ان کا مرتبہ ہوگا اس کا ذکر کرنے کے بعد اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۗ فرمایا سبت سنہرے دن کو کہتے ہیں بنی اسرائیل یعنی یہودیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ سنہرے

کے دن کی تعظیم کریں اس دن انہیں مچھلیاں پکڑنے کی ممانعت تھی، انہوں نے خلاف ورزی کی اور مچھلیوں کا شکار کیا اور کچھ حیلے تراش لیے جس پر وہ بندر بنا دیئے گئے جس کا ذکر سورۃ بقرہ (رکوع آٹھ میں) اور سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے۔ یہودیوں پر یہ جہالت سوار تھی کہ وہ جس دین پر چلتے تھے اس کو ابراہیم علیہ السلام کا دین بتا دیتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور جو چیزیں ان پر حرام کی گئی تھیں ان کے بارے میں کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں، اللہ جل شانہ نے انکی تردید فرمائی کہ سنیچر کے دن کی تعظیم کا جو یہودیوں کو حکم دیا گیا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں نہ تھا انکے بعد یہودیوں پر جیسے بعض چیزیں حرام کر دی گئی تھیں اسی طرح سنیچر کی تعظیم کا حکم بھی دیا گیا تھا اسے ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی طرف منسوب نہ کرو۔ (قال صاحب الروح ص ۲۵۲ ج ۱۴ فان اليهود كانوا يزعمون ان السبت من شعائر السلام وان ابراهيم عليه السلام كان محافظا عليه اى ليس السبت من شرائع ابراهيم شعائر ملته عليه السلام التي امرت باتباعها حتى يكون بينه وبين بعض المشركين علاقة فى الجملة)

الذین اختلفوا کے بارے میں صاحب معالم التزیل حضرت قتادہ سے نقل کرتے ہیں۔ ہم یہود استحلوا بعضہم و حرمہ بعضہم (یعنی یہ اختلاف کرنے والے یہودی تھے جب ان کو سنیچر کے دن کی تعظیم کا حکم دیا گیا تو ان میں سے بعض لوگوں نے اس کی تحریم کی خلاف ورزی کی اور بعض لوگوں نے حکم کے مطابق عمل کر کے اس کو باقی رکھا۔)

یہ تفسیر زیادہ اقرب ہے جو سورۃ اعراف کی تصریح کے مطابق ہے وہاں بیان فرمایا ہے کہ کچھ لوگوں نے سنیچر کے دن کی بے حرمتی کی اور مچھلیاں پکڑیں اور کچھ لوگ ایسے تھے جو انہیں منع کرتے تھے۔

جمعہ کا دن آخر الانبیاء ﷺ کی امت کے لیے رکھا گیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ دن اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ اور یوم النضر کے دن سے بھی بڑا ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۲۰) اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ بندہ جو بھی سوال کرے اللہ تعالیٰ عطا فرمادیتا ہے (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۹) اس دن میں اجتماع بھی رکھا گیا ہے خطبہ بھی ہے نماز جمعہ بھی ہے جمعہ میں حاضر ہونے کی بڑی بڑی فضیلتیں اور جمعہ چھوڑنے کی بڑی بڑی وعیدیں احادیث شریف میں مذکور ہیں، حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم بعد میں آئے ہیں اور قیامت کے دن ہم سب سے آگے ہوں گے (ہمارے فیصلے بھی جلدی ہوں گے اور جنت میں داخلہ بھی پہلی امتوں سے پہلے ہوگا) ہاں اتنی بات ہے کہ ان لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر یہ دن ہے جو ان پر فرض کیا گیا تھا انہوں نے اس میں اختلاف کیا پھر اللہ نے ہمیں راہ بتادی۔ (یعنی ہمارے لیے یوم جمعہ مقرر فرمادیا) سو لوگ اس میں ہمارے تابع ہیں یہود نے کل کا دن لے لیا اور نصاریٰ نے پرسوں کا دن لے لیا (صحیح بخاری ص ۱۲۰ ج ۱) یہ جو فرمایا کہ اہل کتاب پر یہ دن فرض کیا گیا تھا حدیث کی شرح لکھنے والوں نے اس کا یہ مطلب لکھا ہے کہ ان کے نبیوں کے ذریعہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک دن اپنی سمجھ سے متعین کر لیں لہذا یہودیوں نے سنیچر کا دن لے لیا اور نصاریٰ نے اتوار کا دن لے لیا ان کے دونوں دن بعد میں آتے ہیں پہلے ہمارا دن آتا ہے۔ اس سے فرمایا کہ وہ ہمارے تابع ہیں اپنے اپنے وقت میں جو یہود و نصاریٰ مسلمان تھے اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے اب تو سب کافر ہی ہیں۔ پھر فرمایا: وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ (بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن اس کے بارے میں فیصلہ فرما

دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے (یہودیوں پر سینچر کی تعظیم لازمی کی گئی تھی اور ان پر اس دن شکار کرنا حرام کر دیا گیا تھا، وہ اس میں مختلف رہے بعض شکار کرتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اس طرح فیصلہ فرمادے گا کہ حکم پر عمل کرنے والوں کو ثواب عطا فرمائے گا اور خلاف ورزی کرنے والوں کو عذاب میں مبتلا فرمادے گا۔

أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ

اوپر کی آیتوں میں مخاطبین کو آگاہ کرنا تھا کہ یہ پیغمبر اصل ملت ابراہیمی لے کر آئے ہیں، اگر کامیابی چاہتے ہو اور حریف ہونے کے دعوے میں سچے ہو تو اس راستہ پر چل پڑو۔ أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ سے خود پیغمبر ﷺ کو تعظیم دی جا رہی ہے کہ لوگوں کو راستہ پر کس طرح لانا چاہیے، اس کے تین طریقے بتلائے۔ حکمت، موعظت، حسنہ، جدال بالحق ہی احسن حکمت سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اور اہل مضامین مضبوط دلائل و براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے پیش کیے جائیں۔ جن کو سن کر فہم و ادراک اور علمی ذوق رکھنے والا طبقہ گردن جھکا سکے۔ دنیا کے خیالی فلسفے ان کے سامنے ماند پڑ جائیں اور کسی قسم کی علمی و دماغی ترقیات وحی الہی کی بیان کردہ حقائق کا ایک شوٹہ تبدیل نہ کر سکیں۔ موعظت حسنہ موثر اور رقت انگیز نصیحتوں سے عبارت ہے جن میں نرم خوئی اور لسانی کی روح بھری ہو۔ اخلاص، ہمدردی اور شفقت و حسن اخلاق سے خوبصورت اور معتدل پیرایہ میں جو نصیحت کی جاتی ہے، بسا اوقات پتھر کے دل بھی موم ہو جاتے ہیں، مردوں میں جانیں پڑ جاتی ہیں۔ ایک مایوس و پڑمردہ تو مچھر جھری لے کر کھڑی ہو جاتی ہے، گوگ ترغیب و ترہیب کے مضامین سن کر منزل مقصود کی طرف جتا بانہ دوڑنے لگتے ہیں۔ اور بالخصوص جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی و فہیم نہیں ہوتے، مگر طلب حق کی چنگاری سینے میں رکھتے ہیں، ان میں موثر و عطا و پند سے عمل کی ایسی اسٹیم بھری جاسکتی ہے جو بڑی اونچی عاसानہ تحقیقات کے ذریعہ سے ممکن نہیں۔ ہاں دنیا میں ہمیشہ سے ایک ایسی جماعت بھی موجود رہی ہے جن کا کام ہر چیز میں الجھنا اور بات بات میں تجتیس نکالنا اور کج بحثی کرنا ہے یہ لوگ نہ حکمت کی باتیں قبول کرتے ہیں نہ وعظ و نصیحت سنتے ہیں۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں بحث و مناظرہ کا بازار گرم ہو۔ بعض اوقات اہل فہم و انصاف اور طالبین حق کو بھی شہات گھیر لیتے ہیں اور بددن بحث کے تسلی نہیں ہوتی اس لیے وہ جاؤ لہم بائتی ہی احسن فرمادیا کہ اگر ایسا موقع پیش آئے تو بہترین طریقہ سے تہذیب، شانستگی، حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو۔ اپنے حریف مقابل کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو، خواہی نواہی دل آزار اور بگڑناش باتیں مت کرو۔ جن سے تفسیر بڑھے اور معاملہ طول کینچے، مقصود تفہیم اور احقاق حق ہونا چاہیے۔ خشونت، بد اخلاقی، سخن پروری اور ہٹ دھرمی سے کچھ نتیجہ نہیں۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِنُحُورِهِمْ مَآ عَوْقِبْتُمْ بِهِ ۗ

داعی حق کو کوئی ایذا پہنچائے تو بدلہ لینا بھی جائز ہے مگر صبر بہتر ہے:

اس کے بعد کی تین آیتوں میں داعیان حق کے لئے ایک اور اہم ہدایت ہے وہ یہ کہ بعض اوقات ایسے سخت دل جاہلوں سے سابقہ پڑتا ہے کہ ان کو کتنی ہی نرمی اور خیر خواہی سے بات سمجھائی جائے وہ اس پر بھی مشتعل ہو جاتے ہیں زبان درازی کر کے ایذا پہنچاتے ہیں اور بعض اوقات اس سے بھی تجاوز کر کے ان کو جسمانی تکلیف پہنچانے بلکہ قتل تک سے بھی گریز نہیں کرتے ایسے حالات میں دعوت حق دینے والوں کو کیا کرنا چاہئے۔

اس کیلئے **وَإِنْ عَاقَبْتُمْ** میں ایک تو ان حضرات کو قانونی حق دیا گیا کہ جو آپ پر ظلم کرے آپ کو بھی اس سے اپنا بدلہ لینا جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ بدلہ مینے میں مقدار ظلم سے تجاوز نہ ہو جتنا ظلم اس نے کیا ہے اتنا ہی بدلہ لیا جائے اس میں زیادتی نہ ہونے پائے اور آخر آیت میں مشورہ دیا کہ اگرچہ آپ کو انتقام لینے کا حق ہے لیکن صبر کریں اور انتقام نہ لیں تو یہ بہتر ہے۔

آیات مذکورہ کا شان نزول اور رسول کریم ﷺ و صحابہ کی طرف سے تعمیل حکم:

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت مدنی ہے غزوہ احد میں ستر صحابہ کی شہادت اور حضرت حمزہؓ کو قتل کر کے مثلہ کرنے کے واقعہ میں نازل ہوئی صحیح بخاری کی روایت اسی کے مطابق ہے دارقطنی نے بروایت ابن عباس نقل کیا ہے کہ:

غزوہ احد میں جب مشرکین لوٹ گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ستر اکابر کی لاشیں سامنے آئیں جن میں آنحضرت محمد ﷺ کے عم محترم حضرت حمزہؓ بھی تھے چونکہ مشرکین کو ان پر بڑا غیظ تھا اس لئے ان کو قتل کرنے کے بعد ان کی لاش پر اپنا غصہ اس طرح نکالا کہ ان کی ناک کان اور دوسرے اعضاء کاٹے گئے پیٹ چاک کیا گیا رسول کریم ﷺ کو اس منظر سے سخت صدمہ پہنچا اور آپ نے فرمایا کہ میں حمزہ کے بدلے میں مشرکین کے ستر آدمیوں کا اسی طرح مثلہ کروں گا جیسا انہوں نے حمزہ کو کیا ہے اس واقعہ میں یہ تین آیات نازل ہوئیں: **وَإِنْ عَاقَبْتُمْ** (تفسیر قرطبی) بعض روایات میں ہے کہ دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ بھی ان ظالموں نے اسی طرح کا معاملہ مثلہ کرنے کا کیا تھا۔

(کبار واہ الترمذی و احمد و ابن خزیمہ و ابن حبان فی صحیحہما عن ابن بن کعب)

اس میں چونکہ رسول کریم ﷺ نے فرط غم میں بلا لحاظ تعداد ان صحابہ کے بدلے میں ستر مشرکین کے مثلہ کرنے کا عزم فرمایا تھا جو اللہ کے نزدیک اس اصول عدل و مساوات کے مطابق نہ تھا جس کو آپ کے ذریعے دنیا میں قائم کرنا منظور تھا اس لئے ایک تو اس پر متنبہ فرمایا گیا کہ بدلہ لینے کا حق تو ہے مگر اسی مقدار اور پیمانہ پر جس مقدار کا ظلم ہے بلا لحاظ تعداد چند کا بدلہ ستر سے لینا درست نہیں دوسرے آپ کو مکارم اخلاق کا نمونہ بنانا مقصود تھا اس لئے یہ نصیحت کی گئی کہ برابر برابر بدلہ لینے کی اگرچہ اجازت ہے مگر وہ بھی چھوڑ دو اور مجرموں پر احسان کر دو یہ زیادہ بہتر ہے۔

اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اب ہم صبری کریں گے کسی ایک سے بھی بدلہ نہیں لیں گے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا (مظہری عن البغوی) فتح مکہ کے موقع پر جب یہ تمام مشرکین مغلوب ہو کر رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے قبضہ میں تھے یہ موقع تھا کہ اپنا وہ عزم و ارادہ پورا کر لیتے جو غزوہ احد کے وقت کیا تھا مگر آیات مذکورہ کے نزول کے وقت ہی رسول کریم ﷺ اپنے ارادے کو چھوڑ کر صبر کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے اس لئے فتح مکہ کے وقت ان آیات کے مطابق صبر کا عمل اختیار کیا گیا شاید اسی بنا پر بعض روایات میں یہ مذکور ہوا ہے کہ یہ آیتیں فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی تھیں اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ان آیات کا نزول مکرر ہوا ہو اور غزوہ احد میں نازل ہوئیں اور پھر فتح مکہ کے وقت دوبارہ نازل ہوئیں۔

(کما حکاہ الظہری عن ابن الحصار)

مسئلہ: اس آیت نے بدلہ لینے میں مساوات کا قانون بتایا ہے اسی لئے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ جو شخص کسی کو قتل کر دے اس کے بدلے میں قاتل کو قتل کیا جائے گا جو زخمی کر دے تو اتنا ہی زخم اس کرنے والے کو لگایا جائے گا جو کسی ہاتھ یا پاؤں کاٹنے

البتہ اگر کسی نے پتھر مار کر کسی کو قتل کیا یا تیروں سے زخمی کر کے قتل کیا تو اس میں نوعیت قتل کی صحیح مقدار متعین نہیں کی جاسکتی کہ کتنی ضربوں سے یہ قتل واقع ہوا ہے اور مقتول کو کتنی تکلیف پہنچی ہے اس معاملہ میں حقیقی مساوات کا کوئی پیمانہ نہیں ہے اس لئے اس کو توارعی سے قتل کیا جائے گا۔ (جصاص)

مسئلہ: آیت کا نزول اگر چہ جسمانی تکالیف اور جسمانی نقصان پہنچانے کے متعلق ہوا ہے مگر الفاظ عام ہیں جس میں مالی نقصان پہنچانا بھی داخل ہے اسی لئے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ جو شخص کسی سے اس کا مال غصب کرے تو اس کو بھی حق حاصل ہے کہ حق کے مطابق اس سے مال چھین لے یا یاچوری کر کے لے لے بشرطیکہ جو مال لیا ہے وہ اپنے حق کی جنس سے ہو مثلاً نقد روپیہ لیا ہے تو اس کے بدلے میں اتنا ہی نقد روپیہ اس سے غصب یا چوری کے ذریعے لے سکتا ہے غلہ کپڑا وغیرہ لیا ہے تو اسی طرح کا غلہ کپڑا لے سکتا ہے مگر اس جنس کے بدلے میں دوسری جنس نہیں لے سکتا مثلاً روپے کے بدلے میں کپڑا یا کوئی دوسری استعمالی چیز زبردستی نہیں لے سکتا اور بعض فقہاء نے مطلقاً اجازت دی ہے خواہ جنس حق سے ہو یا کسی دوسری جنس سے اس مسئلہ کی کچھ تفصیل قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھی ہے اور تفصیلی بحث کتب فقہ میں مذکور ہے۔

آیت: وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فِي عَمَلِكُمْ قَانُونِ مَذْكَورٍ تَحْتَ حَسَبِ الْمُسْلِمِينَ كَمَا لَكُمْ فِي عَمَلِكُمْ مَذْكَورٍ تَحْتَ حَسَبِ الْمُسْلِمِينَ
 بتلایا گیا ہے اس کے بعد کی آیت میں نبی کریم ﷺ کو خصوصی خطاب فرما کر صبر کرنے کی تلقین و ترغیب دی گئی ہے کیونکہ آپ کی شان عظیم اور منصب بلند کے لئے دوسروں کی نسبت سے وہی زیادہ موزوں و مناسب ہے اس لئے فرمایا: وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ یعنی آپ تو انتقام کا ارادہ ہی نہ کریں صبر ہی کو اختیار کریں اور ساتھ ہی یہ بھی بتلادیا کہ آپ کا صبر اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہوگا یعنی صبر کرنا آپ کے لئے آسان کر دیا جائے گا۔

الجزء ١٥

سورة بقره اسراء

سورة بقره نزل
١٤ مكية ٥٠

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بابها
١١

آياتها
١١

سورة بقره من احدى ثمان مائة وثمانين آية من كتاب الله عز وجل

سُبْحٰنَ تَعٰوِيْثِ الَّذِيْٓ اَسْرٰى يٰعٰمِرُ ۝ مُحَمَّدٌ لِّيْلًا نَضَبَ عَلٰى الظُّرْفِ وَاوْاَسْرٰاهُ سَيِّرُ اللَّيْلِ وَ فَاٰئِدُهُ ذِكْرُهٗ
 الْاِسْرٰاهُ بِتَشْكِيْرِهٖ اِلٰى تَقْلِيْلِ مَدِيْنَةٍ مِّنَ السُّجْدِ الْحَرَامِ اٰى مَكَّةَ اِلَى السُّجْدِ الْاَقْصَا بَيْتِ الْمَقْدِسِ لِغِيْثِهٖ مِنْهُ
 الَّذِيْ بَرَكْنَا حَوْلَهٗ بِالْاِسْمَارِ وَالْاَنْهَارِ لِزَيْرِيْكَ مِنْ اٰيَاتِنَا عَجَابٍ قَدْ رَتَبْنَا اِنَّهُ هُوَ السُّوْبُجُ الْبَصِيْرُ ۝ اٰى الْعَالَمِ
 بِاَقْوَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَفْعَالِهٖ فَاَنْعَمَ عَلَيْهِ بِالْاِسْرٰاهِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى الْجَمَاعَةِ بِالْاَنْبِيَا
 وَغُرُوْجِهٖ اِلَى السَّمٰوٰتِ وَرُوْبِيْهِ عَجَابِ الْمَلَكُوْتِ وَمُنَاجَاةِهٖ تَعَالٰى فَاِنَّهٗ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰيْتِكُ
 بِالْبُرَاقِ وَهُوَ دَابَّةٌ اَبْيَضُ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُوْنَ الْبَعْلِ يَضَعُ حَافِرُهٗ عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرَفِهٖ فَرَكِيْبُهٗ فَمَسَارِيْبِيْ حَتٰى
 اٰيْتِكُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَرَبَطْتُ الدَّابَّةَ بِالْحَلْقَةِ الَّتِي يَرِبُّ بِهَا الْاَنْبِيَا ثُمَّ دَخَلْتُ فَصَلَّيْتُ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ
 خَرَجْتُ فَحَاةَ نَبِيِّ جِبْرِئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِاَنَّهُ مِنْ خَيْرِ وَاَنَّهُ مِنْ لَبَنٍ فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ قَالَ جِبْرِئِيْلُ اَصْبَتْ
 الْفِطْرَةَ قَالَ ثُمَّ عَرَجَ بِيْ اِلَى السَّمٰوٰتِ الدُّنْيَا فَاَسْتَفْتَحَ جِبْرِئِيْلُ فِقِيْلَ لَهٗ مِنْ اَنْتَ فَقَالَ جِبْرِئِيْلُ فِقِيْلَ وَمَنْ
 مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ فِقِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ فَفَتَحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بَادِمٌ فَرَحَبْتُ بِيْ وَدَعَا لِيْ بِخَيْرٍ ثُمَّ
 عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمٰوٰتِ الثَّانِيَةِ فَاَسْتَفْتَحَ جِبْرِئِيْلُ فِقِيْلَ مَنْ اَنْتَ فَقَالَ جِبْرِئِيْلُ فِقِيْلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ
 فِقِيْلَ وَقَدْ بَعِثْتُ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ بَعِثْتُ اِلَيْهِ فَفَتَحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِابْنِي الْخَالَةِ يَحْيٰى وَعِيْسٰى فَرَحَبَا بِيْ وَعَوَا لِيْ بِخَيْرٍ
 ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمٰوٰتِ الثَّلَاثَةِ فَاَسْتَفْتَحَ جِبْرِئِيْلُ فِقِيْلَ مَنْ اَنْتَ قَالَ جِبْرِئِيْلُ فِقِيْلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ
 فِقِيْلَ وَقَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ قَالَ قَدْ اُرْسِلَ اِلَيْهِ فَفَتَحَ لَنَا فَاِذَا اَنَا بِيُوْسُفَ وَاِذَا هُوَ قَدْ اَعْطِيْ شَطْرَ الْحُسَيْنِ فَرَحَبْتُ
 بِيْ وَدَعَا لِيْ بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا اِلَى السَّمٰوٰتِ الرَّابِعَةِ فَاَسْتَفْتَحَ جِبْرِئِيْلُ فِقِيْلَ مَنْ اَنْتَ قَالَ جِبْرِئِيْلُ فِقِيْلَ

مِنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ فَقِيلَ وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِأَدْرِيسَ فَرَحَبَ بِي وَدَعَا لِي
 بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ فَقِيلَ مِنْ أَنْتَ فَقَالَ جِبْرِيلُ فَقِيلَ وَمَنْ مَعَكَ
 قَالَ مُحَمَّدٌ فَقِيلَ وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِهَارُونَ فَرَحَبَ بِي وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ ثُمَّ
 عَرَجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ فَقِيلَ مِنْ أَنْتَ قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ
 قِيلَ وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى فَرَحَبَ بِي وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ ثُمَّ عَرَجَ بِنَا إِلَى
 السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ فَقِيلَ مِنْ أَنْتَ قَالَ جِبْرِيلُ فَقِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيلَ وَقَدْ بُعِثَ
 إِلَيْهِ قَالَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَإِذَا أَنَا بِإِبْرَاهِيمَ فَإِذَا هُوَ مُسْتَبِدٌّ إِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ وَإِذَا هُوَ يُدْخِلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ
 مَلَكٍ ثُمَّ لَا يُعُودُونَ إِلَيْهِ ثُمَّ ذَهَبَ بِي إِلَى سِدْرَةِ الْمُتَنَهَى فَإِذَا وَرْفَتُهَا كَأَذَانِ الْفِيلَةِ وَإِذَا ثَمَرُهَا كَأَلْفِ لَالٍ
 فَلَمَّا غَشَّهَا مِنْ أَمْرِ اللَّهِ مَا غَشَّهَا تَغَيَّرَتْ فَمَا أَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللَّهِ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَصِفَهَا مِنْ حُسْنِهَا قَالَ
 فَأَوْخَى إِلَيَّ مَا أَوْخَى وَفَرَضَ عَلَيَّ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ خَمْسِينَ صَلَاةً فَتَنَزَّلْتُ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى مُوسَى
 فَقَالَ مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلَيَّ قُلْتُ خَمْسِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ قَالَ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَسَلَّهُ التَّخْفِيفَ
 فَإِنَّ أَمْرَكَ لَا يُطِيقُ ذَلِكَ وَإِنِّي قَدْ بَلَوْتُ بَيْنَ إِسْرَائِيلَ وَخَبَرْتُهُمْ قَالَ فَرَجَعْتُ إِلَى رَبِّي فَقُلْتُ أَيُّ رَبِّ
 خَفِيفٌ عَنِ أُمَّتِي فَحَطَّ عَنِّي خَمْسًا فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى قَالَ مَا فَعَلْتَ قُلْتُ قَدْ حَطَّ عَنِّي خَمْسًا قَالَ إِنَّ
 أَمْرَكَ لَا يُطِيقُ ذَلِكَ فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَسَلَّهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ قَالَ فَلَمْ أزلْ أَرْجِعُ بَيْنَ رَبِّي وَبَيْنَ مُوسَى وَ
 يَحُطُّ عَنِّي خَمْسًا خَمْسًا حَتَّى قَالَ يَا مُحَمَّدُ هِيَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ بِكُلِّ صَلَاةٍ عَشْرُ
 فِتْلِكَ خَمْسُونَ صَلَاةً وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبْتُ لَهُ حَسَنَةً فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُ لَهُ عَشْرًا وَمَنْ
 هَمَّ بِسَيِّئَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ فَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبْتُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً فَتَنَزَّلْتُ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى مُوسَى
 فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّ أَمْرَكَ لَا يُطِيقُ ذَلِكَ فَقُلْتُ قَدْ رَجَعْتُ إِلَى
 رَبِّي حَتَّى اسْتَحْيَيْتُ رِوَاهُ الشَّيْخَانِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ وَرَوَى الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرِكِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ
 رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ قَالَ تَعَالَى وَأَتَيْنَا مُوسَى الْكُتُبَ التَّوْرَةَ وَجَعَلْنَاهُ
 هُدًى لِبَنِي إِسْرَائِيلَ لَئَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِلَالًا ۝ يَتَوَضَّؤْنَ إِلَيْهِ أَمْرُهُمْ وَفِي قِرَاءَةِ تَتَّخِذُوا بِالْفُرْقَانِيَّةِ

سَمَاءٍ رَدَدَهُ وَنَعُولٍ مُصَمَّرٍ بِأَذْنِئَةٍ مِنْ خَمَلِنَاغٍ كَوَجٍّ فِي السَّفِينَةِ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَدِيدًا
 مُشْتَرِبًا حَامِدًا لِي حَمِيحِ إِخْوَانِهِ وَقَضَرْنَا أَوْ حِينًا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكَيْتِ التَّنُورَةُ تَلْبَسَانِ فِي الْأَرْضِ
 زَمْرٍ بِمَا مَعَصَى مَرْتَبِينَ وَتَعْلَقَنَ عَلْوًا كَثِيرًا تَعْلُونَ نَفِيًا عَظِيمًا فَإِذَا جَاءَ وَعَدُّ أَوْلَاهُمَا أُولَى مَرَى
 مُسَدِّدٌ بَعَثُ سَيْفَهُ عِبَادًا لَنَا أُولَى يَأْسٍ شَدِيدٍ أَصْحَابِ قُوَّةٍ فِي الْحَرْبِ وَالنُّطْلِ فَجَاءُوا تَرَدُّدًا
 مَسْمُومًا مِنْ الدَّمَارِ وَسَطْرًا دِيَارِكُمْ يُنْقَلُونَكُمْ وَيَسْبُونَكُمْ وَكَانَ وَعْدًا مُفْعُولًا ۝ وَقَدْ أَفْسَدُوا الْأَرْضَ
 بِمَشْرِكَرِيَامِ عَثَ عَلَيْهِمْ جَالُوتٌ وَجُنُودُهُ فَنَقَلُوهُمْ وَسَبُّوا أَوْلَادَهُمْ وَخَرَّبُوا بَيْتَ الْمُقَدَّسِ ثُمَّ رَدَدْنَا
 نَكْمًا أَمْرًا ائِذْ لَوْلَا وَالْعُنْبَةَ عَلَيْهِمْ بَعْدَ مِائَةِ سَنَةٍ بِقَتْلِ جَالُوتٍ وَآمَدَدَكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَيْنَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ
 نُفُورًا عَشِيرَةً وَقُلْنَا إِنْ أَحْسَنْتُمْ بِالطَّاعَةِ أَحْسَنَّا لَكُمْ لِأَنَّ ثَوَابَهُ لَهَا وَإِنْ أَسَاءْتُمْ بِالْفَسَادِ فَلَهَا
 أَسَاءْتِكُمْ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْمَرَّةِ الْأُخْرَى بَعَثْنَا لَهُمُ الْيَمُودَ أَوْ جَوْكُمُ يَخْرَبُونَكُمْ بِالْقَتْلِ وَالسَّبِّ خَرْنَا يُظَاهِرُونَ فِي
 وَخَرِبَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فَيَخْرَبُوهُ كَمَا دَخَلُوهُ وَخَرَّبُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيَتَّبِعُوا بِهَلِكُوا مَا
 عَمُوا عَلْوًا عَنِيهِ تَتَّبِعُوا ۝ أَهْلَاكَ وَأَقْدَأَفْسَدُوا ثَانِيًا بِقَتْلِ يَحْيَى فَبَعَثَ عَلَيْهِمْ بُحْتًا نَضَرَ فَقَتَلَ مِنْهُمْ
 نُفَاؤَ سَبِي دُرَيْتَهُمْ وَخَرَّبَ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ وَقُلْنَا فِي الْكِتَابِ عَلَى رَبِّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ ۝ بَعْدَ الْمَرَّةِ الثَّانِيَةِ إِنْ
 تَشَاءُ وَإِنْ عُدْتُمْ إِلَى الْفَسَادِ عُدْنَا إِلَى الْعُقُوبَةِ وَقَدْ عَادُوا ابْتِكَذِيبَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَنَطَ
 عَلَيْهِمْ بِقَتْلِ قُرَيْظَةَ وَنَهْيِ النَّضِيرِ وَضَرْبِ الْجَزْيَةِ عَلَيْهِمْ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۝ مَحْبَسًا وَ
 سَحَابًا إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّذِي أَيْ لِيَطْرُقَ رُفْعَةُ النَّبِيِّ هِيَ الْقَوْمُ أَغْدَلُ وَأَصْرَبُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ
 يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ إِنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَثِيرًا ۝ وَيُخْبِرُ أَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا

عَائِدَةُ مَوْلَانَا النَّازِ

ترجمہ: دو رات پاک ہے (اس کے لیے پاکی ثابت ہے) جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو لے گیا راتوں رات (لیلاً)
 مفعول فی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور آسری کے معنی رات کو چلنے کے ہیں لیڈ کو کمرہ لانے کا مادہ یہ ہے کہ اس سے کم
 سے کم رات کی طرف اشارہ ہوتا ہے (مسجد حرام) مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) (مسجد حرام بیت المقدس کے دور
 ہونے کی وجہ سے) جس کو کبیر کہا ہے ہماری برکت نے (پہلوں اور نہروں سے) ۳۲ دکھائیں اس کو چھ اپنی قدرت سے
 ہونے (فی قدرت) اسی نے سننے والا اور دیکھنے والا (یعنی آنحضور ﷺ) کے اقوال و افعال کو جاننے والے ہیں، جو اللہ نے

ان پر اسراء کے ذریعہ انعام فرمایا کہ جس میں آپ کی انبیاء سے ملاقات ہوئی، مہمان آسانی کا واقعہ پیش آیا یا غائب ملکوت کا مشاہدہ ہوا اور حق تعالیٰ سے ملاقات و مناجات کی سعادت نصیب ہوئی، خود نبی کریم ﷺ نے واقعہ اسراء کو یوں بیان فرمایا کہ میرے پاس براق لایا گیا جو ایک سفید رنگ کا جالور تھا جو گدھے سے بڑا اور ٹہر سے چھوٹا تھا جس کا کھرتا حدنگاہ جاتا تھا چنانچہ میں اس پر سوار ہوا اور وہ براق مجھے لے کر چل پڑا یہاں تک کہ میں بیت المقدس آیا، اور اس میں دو رکعت نماز ادا کی پھر باہر آیا جبرئیل علیہ السلام نے دو برتن پیش کیے جن میں سے ایک میں شراب تھی دوسرے میں دودھ میں نے دودھ کو پسند کیا تو جبرئیل بولے کہ آپ نے صحیح فطرت کو اختیار کیا فرمایا کہ پھر مجھے آسمان دنیا پر لے گئے اور جبرئیل نے آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہا تو آسمان سے پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا جبرئیل! پوچھا گیا تمہارے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا کہ محمدؐ ہیں دریافت کیا گیا کہ تمہیں ان کے پاس بھیجا گیا تھا؟ جواب ملا ہاں بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا تو حضرت آدم سے ملاقات ہوئی تو مجھے سلام کیا پھر مجھے دعاء خیر دی پھر مجھے دوسرے آسمان پر لے جایا گیا وہاں بھی جبرئیل نے دروازہ کھلوانا چاہا تو اسی طرح پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ جواب دیا کہ جبرئیل! پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا کہ محمدؐ پوچھا گیا کہ آپ کون کے پاس بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں جبرئیل دروازہ کھولا گیا تو دونوں خالہ زاد بھائی بھئی اور بھئی سے ملاقات ہوئی انہوں نے بھی خوش آمدید کہا اور مجھے دعاء خیر دی پھر مجھے تیسرے آسمان پر لے جایا گیا وہاں بھی جبرئیل نے دروازہ کھلوانا چاہا تو پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ جواب دیا کہ جبرئیل! دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا گیا کہ محمدؐ پوچھا گیا کہ آپ کون کے پاس بھیجا گیا تھا جواب دیا کہ ہاں بھیجا گیا چنانچہ دروازہ کھلا تو یوسف سے ملاقات ہوئی دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ انہیں ساری دنیا کے حسن کا ایک حصہ ملا ہے انہوں نے بھی خوش آمدید کہا اور دعاء خیر دی پھر مجھے چوتھے آسمان پر لے جایا گیا اور جبرئیل نے دروازہ کھلوانا چاہا تو پوچھا گیا کہ آپ کون ہیں؟ جواب دیا کہ جبرئیل ہوں! سوال کیا گیا کہ آپ کے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا کہ محمدؐ ہیں پوچھا گیا کہ آپ کون کے پاس بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں بھیجا گیا تھا چنانچہ دروازہ کھول دیا گیا تو اور میں سے ملاقات ہوئی انہوں نے بھی خوش آمدید کہا اور دعاء خیر دی اس کے بعد مجھے پانچویں آسمان پر لے جایا گیا جبرئیل نے دروازہ کھلوانا پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ جواب دیا کہ محمدؐ پوچھا گیا کہ آپ کون کے پاس بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں بھیجا گیا تھا چنانچہ دروازہ کھلا تو ہارون سے ملاقات ہوئی انہوں نے خوش آمدید کہا اور دعاء خیر دی، اس کے بعد مجھے چھٹے آسمان پر پہنچایا گیا اور جبرئیل سے دروازہ کھلوانا چاہا تو پوچھا گیا کہ آپ کون ہیں؟ جواب دیا کہ جبرئیل ہوں، دریافت کیا گیا کہ آپ کے ساتھ اور کون ہے؟ جواب دیا کہ محمدؐ ہیں سوال کیا گیا کہ ان کے پاس آپ کو بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں بھیجا گیا تھا چنانچہ دروازہ کھلا تو ابراہیم سے ملاقات ہوئی وہ بیت المعمور سے یک لگائے بیٹھے تھے جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے حاضری دیتے ہیں جن کو دوبارہ حاضری کی نوبت نہیں آتی ہے اس کے بعد مجھے سدرة المنتہی کی طرف لے جایا گیا اس بیری کے پتے ہاتھی کے کان کے مانند اور اس کے پھل منکوں کے برابر تھے پیغامات الہی جب اس مقام پر چھائے تو جو کیفیت اس کی خوبصورتی کی ہوئی وہ ناقابل بیان ہے ارشاد نبوی ہے کہ پھر

جو کچھ وحی آئی تھی وہ مجھ پر آئی اور روزانہ کے لیے پچاس نمازیں فرض ہوئیں غرضیکہ واپسی پر جب موئی سے ملاقات ہوئی انہوں نے پوچھا کہ آپ کی امت کے لیے پروردگار نے کیا حکم دیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ روزانہ پچاس نمازیں فرض ہوئی ہیں ابولے کہ اپنے پروردگار کے پاس واپس جائیے اور اس میں کمی کی درخواست کیجئے آپ کی امت یہ حکم نہیں پہلا سکتی کیونکہ میں نے بنی اسرائیل کو خوب آزمایا ہے ارشاد نبوی ہے کہ میں بارگاہ خداوندی میں پھر حاضر ہوا اور عرض گزار ہوا کہ اے پروردگار میری امت پر کچھ تخفیف فرما چنانچہ پانچ نمازیں کم کر دی گئیں لیکن جب موئی کے پاس واپس آیا اور انہوں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ پانچ نمازیں کم ہو گئیں انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ کی امت اس پر بھی عمل نہیں کر سکتی جائیے اور اس میں کچھ اور کمی کرائیے آپ فرماتے ہیں کہ میں اسی طرح برابر موئی اور اپنے رب کے پاس آتا جا تا رہا اور پانچ پانچ نمازیں کم کراتا ہاں آخر حکم الہی ہو گیا کہ اے محمد روزانہ کی یہ پانچ نمازیں ہیں ہر نماز کا ثواب دس نمازوں کے برابر ہوگا اور اس طرح پچاس نمازیں ہو جائیں گی اور جو شخص کسی نیک کام کا ارادہ کرے گا اور اس کام کو کسی وجہ سے انجام نہ دے سکے گا تو اس کے لیا ایک ننگی لکھ دی جائیگی اور اگر اس نے وہ کام کر لیا تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ لی جائیں گی لیکن اگر کوئی کس برے کام کا ارادہ کرے گا۔ مگر اس برے کام کا ارتکاب اس نے نہیں کیا تو کچھ نہیں لکھا جائے گا البتہ جب وہ برا کام کر لے گا تو صرف ایک برائی لکھی جائے گی غرضیکہ اس کے بعد میں موسیٰ کے پاس آیا اور واقعہ کی اطلاع دی تو انہوں نے پھر بارگاہ ایزدی میں حاضر ہونے اور مزید تخفیف کی درخواست کرنے کا مشورہ دیا کہ آپ کی امت اتنی طاقت نہیں رکھتی میں نے جواب دیا کہ میں اپنے پروردگار کے پاس جا چکا ہوں اب مجھے (بار بار جاتے ہوئے) شرم آتی ہے یہ روایت بخاری و مسلم کی ہے البتہ اس کے الفاظ مسلم کے ہیں اور حاکم نے مستدرک میں ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ کی تجلی کا مشاہدہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے موئی کو کتاب (تورات) دی اور اسے بنی اسرائیل کے یہ ذریعہ بنایا (تاکہ) میرے سوا تم کسی اور کو کارساز نہ بناؤ (جس کی طرف اپنے کام سپرد کرو، اور ایک قراءت میں سنہ تتخذ تاء کے ساتھ ہے صنعت التفات ہوگی اور ان زائد ہوگا اور لفظ قول مقدر ہوگا) ان لوگوں کی نسل جن کو ہم نے نور کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا بلاشبہ نوح ایک شکر گزار بندہ تھا (ہمارے ہمد شکر گزار ہر حال میں ہماری تعریف کرنے والے) اور ہم نے خبر یہی تھی (یہ بات بتلا دی تھی) بنی اسرائیل کو ان کی کتاب (تورات) میں کہ تم ضرور سرزمین میں (ملک شام میں منناہ کر کے) دو مرتبہ خرابی پھیلاؤ گے اور حد درجہ کی سرکشی کرو گے (بزازور باندھو گے) پھر جب ان دونوں میں کئی بار آئے گی (پہلے فساد آئے گا) ہم تم پر ایسے بندے مسلط کر دیں گے جو بڑے جنگجو ہوں گے (لانے اور پکڑنے دشمنان میں بڑے طاقتور ہوں گے) پھر وہ (تمہیں قتل و قید کرنے کے لیے) گھس پڑیں (تمہیں تلاش کرتے پھریں گے) تمہارے گھروں میں اور اللہ کا وعدہ تو اسی لیے تھا کہ پورا ہو کر ہے! (چنانچہ پہلا فساد تو حضرت زکریا کے قتل کرنے پر ہوا، اللہ نے ان پر جالوت بادشاہ کو مسلط کر دیا انہوں نے سب کو قتل کر کے ان کی اولاد کو قیدی بنا لیا اور بیت المقدس کو برباد کر ڈالا) پھر ان پر ہم تمہارا طلبہ کر دیں گے (جالوت کے واقعہ قتال کے سو سال بعد) اور مال و دولت اور اولاد کی کثرت سے ہم تمہاری امداد کریں گے اور تمہیں بڑے جتنے والا (گروہ بند) بنا دیں گے (اور ہم نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ) اگر تم اچھے کام کرتے رہتے تو اپنے ہی فائدے کے لیے کرو گے (کیونکہ اس کا ثواب تمہیں ہی ملے گا) اور اگر برے کام کرو گے تو بھی اپنے لیے کرو گے (اس ۹

تصان تمہیں ہی ہوگا) پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آیا (تو پھر ہم انہیں مسلط کر دیں گے کہ) وہ تمہارا منہ بکاڑ دیں گے (قتل اور گرفتار کر کے تمہیں اس درجہ تک لگین کر دیں گے کہ تم کا اثر تمہارے چہروں پر نمایاں ہو جائے گا) اور اسی طرح یہ لوگ مسجد (بیت المقدس میں داخل ہو کر اسے برباد کر ڈالیں گے جس طرح پہلی مرتبہ یہ حملہ آور تھے) اور اسے خراب کر چکے) اور جس چیز پر انکا زور (بس) خلاا است توڑ پھوڑ کر برباد کر ڈالیں (چنانچہ دوسری دفعہ حضرت یحییٰ کو شہید کر کے فساد برپا کر دیا، اللہ نے ان پر بخت نصر کو مسلط فرما دیا جس نے ہزاروں آدمی مار ڈالے اور ان کی نسل کو قید کر لیا اور بیت المقدس کو بھی تخریب کاری کا نشانہ بنایا) ہم نے کتاب تورات میں لکھ دیا تھا کہ مجب نہیں تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے (اس دوسری دفعہ کے بعد بشرطیکہ تم توبہ کر لو) لیکن اگر پھر تم سرکشی اور فساد کی طرف لوٹے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے (یعنی کان پکڑی، چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی پھر تکذیب کی تو حق تعالیٰ نے بھی ان پر قریظہ کی جنگ اور بنی نضیر کی جلا وطنی اور جزیرہ کی وباہ مسلط کر دی) اور ہم نے کافروں کے لیے جہنم کا قید خانہ (جیل خانہ) تیار کر رکھا ہے بلاشبہ یہ قرآن اس راستہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھا (درمیانہ اور درست) راستہ ہے اور نیکو کار اہل ایمان کو خوشخبری دیتا ہے کہ انہیں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے (اور قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انکے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے (تکلیف دہ عذاب یعنی جہنم کی آگ)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: مُحَمَّدٌ: اس سے اشارہ کیا کہ عبد جو کہ عام ہے اس کا تذکرہ کر کے خاص مراد لیا۔
 قولہ: كَيْلًا: یہ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ مفہومیت کی وجہ سے نہیں اور سرئی، اسرئی کا ایک معنی ہے۔
 قولہ: الْاِسْزَارُ بِنْتِ كَبِيْرٍ: لیلیا کو اس لیے بڑھایا کہ اس کی تکبر مدت کی نہایت قلت پر دلالت کرے۔
 قولہ: يٰلِقْدِهِ مِثْلُ: اس سے بیت المقدس کے نام انصی کی وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بعید ترین مساجد سے ہے۔
 قولہ: وَعَجَابٍ فُذْرَتِنَا: اس سے اشارہ کیا کہ اس سے وہ عجائبات مراد ہیں جو وحدانیت باری تعالیٰ پر دلالت کرتے والے ہوں۔

قولہ: لَانِ: اس سے اشارہ ہے کہ ان مصدر یہ ہے مفسرہ نہیں۔
 قولہ: وَالنَّوْلُ مُضْمَرٌ: اس سے اشارہ ہے کہ قول مضمر ہے تفسیر نہیں۔ مضمر اس لیے مانا تا کہ عبارت منظم ہو جائے۔
 قولہ: بِالْاَذْيَةِ: اس سے اشارہ کیا اذْيَةِ کا نصب منادئی ہونے کی وجہ سے ہے۔
 قولہ: اَوْ حَيْثَا: قضاء سے وہی اس لیے مراد لی کیونکہ اس کا فیصلہ شدہ ہونا تو قطعی ہے۔
 قولہ: يَبْعَثُوْنَ بَعِيْثًا: یعنی احکام الہی اور لوگوں کے معاملات میں تم سرکشی میں انتہاء کرنے والے ہو۔
 قولہ: اَصْحَابِ قُوْرَةٍ: اس سے بخت نصر جو اس زمانے کا بڑا زور آور بادشاہ تھا اس کی طرف اشارہ ہے۔

ہے۔ اللہ کا بندہ ہونا بہت بڑی بات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنا بندہ بنا لیا اور یہ اعلان فرمایا کہ وہ ہمارا بندہ ہے اس سے بڑا کوئی شرف نہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ((احب الاسماء الی اللہ عبد اللہ و عبد الرحمن)) کہ اللہ کو سب سے زیادہ پیارے نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۹، ۱۰ از شرح السنۃ) ایک مرتبہ ایک فرشتہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ آپ کے رب نے سلام فرمایا ہے اور فرمایا ہے اگر تم چاہو تو عبدیت دالے نبی بن جاؤ اور اگر چاہو تو بادشاہت والے نبی بن جاؤ، آپ نے مشورہ لینے کے لیے جبرائیل کی طرف دیکھا انہوں نے تو اسے اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے جواب دیا کہ عبدیت والا نبی بن کر رہنا چاہتا ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (جو حدیث کی راویہ ہیں انہوں نے) بیان بیان کیا کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مکہ لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے آپ فرماتے تھے کہ میں ایسے کھاتا ہوں جیسے بندہ کھاتا ہے اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھتا ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۰۲۱ از شرح السنۃ)

اسراء کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لفظ (عَبْدٌ) لانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ واقعہ کی تفصیل سن کر کسی کو یہ وہم نہ ہو جائے کہ آپ کی حیثیت عبدیت سے آگے بڑھ گئی، اور آپ کی شان میں کوئی ایسا اعتقاد نہ کر لے کہ مقام عبدیت سے آگے بڑھا کر اللہ تعالیٰ کی شان الوہیت میں شریک قرار دے دے، اور جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کر کے گمراہ ہوئے اس طرح کی کوئی گمراہی امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں نہ آجائے۔

قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک رات میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی، مسجد حرام اس مسجد کا نام ہے جو کعبہ شریف کے چاروں طرف ہے اور بعض مرتبہ حرم مکہ پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے (کما قال تعالیٰ: اِلَّا الَّذِیْنَ غَفَرْنَا لَہُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) اور مسجد اقصیٰ کو اقصیٰ کیوں کہا جاتا ہے اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں چونکہ وہ حجاز میں رہنے والوں سے دور ہے اس لیے اس کی صفت اقصیٰ لائی گئی اور ایک قول یہ ہے کہ جن مساجد کی زیارت کی جاتی ہے ان میں وہ سب سے زیادہ دور ہے کوئی شخص مسجد حرام سے روانہ ہوتا تو پہلے مدینہ منورہ سے گزرے گا پھر بہت دن کے بعد مسجد اقصیٰ پہنچے گا (جب انہوں پر سفر ہوتے تھے تو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک آنے جانے کا تقریباً چالیس دن کا سفر تھا) اور ایک قول یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ اس لیے کہا گیا کہ وہ گندی اور خبیث چیزوں سے پاک ہے۔

(روح المعانی ص ۱۰۶ ج ۱۵)

مسجد اقصیٰ کے بارے میں الَّذِیْ بُرُکْنَا حَوْلَہُ فرمایا یعنی جس کے چاروں طرف ہم نے برکت دی ہے، یہ برکت دینی اعتبار سے بھی ہے اور دنیاوی اعتبار سے بھی، دینی اعتبار سے تو یوں ہے کہ بیت المقدس حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عبادت گاہ ہے اور ان حضرات کا قبلہ رہا ہے اور وہ ان تین مساجد میں سے ہے جن کی طرف سفر کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور اس کے چاروں طرف حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مدفون ہیں، اور دنیاوی اعتبار سے اس لیے بابرکت ہے کہ وہاں پر انہار اور اشجار بہت ہیں، لِیُزِیَہُ مِنْ اٰیَاتِنَا (تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی آیات یعنی عجائب قدرت دکھائیں) ایک رات میں اتنا لبا سفر ہو جاتا اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملاقاتیں ہوتا ان کی امامت کرنا اور راستہ میں بہت سی چیزیں دیکھنا یہ سب عجائب قدرت میں سے تھا۔

یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کا سننے والا ہے اور البصیر (بلاشبہ اللہ سننے والہ دیکھنے والا ہے) صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ التبییح فرما کر میں حفاظت کرنے والا ہے۔

سورۃ الاسراء میں مسجد اقصیٰ تک سفر کرانے کا ذکر ہے اور احادیث شریفہ میں آسمانوں پر جانے بلکہ سدرۃ المنتہیٰ بلکہ اس سے بھی اوپر تک تشریف لے جانے کا ذکر ہے، اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے ساتویں آسمان سے ادھر تک سیر کرائی پھر اسی رات میں واپس مکہ معظمہ پہنچا دیا اور یہ آنا جانا سب حالت بیداری میں تھا اور جسم اور روح دونوں کے ساتھ تھا۔

واقعہ معراج کا مفصل تذکرہ:

ہم پہلے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت نقل کرتے ہیں، ہم نے پہلے صحیح مسلم کی روایت لی ہے کیونکہ اس میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا اور پھر عالم بالا میں تشریف لے جانے کا ذکر ہے صحیح بخاری کی کسی روایت میں ہمیں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچنے کا ذکر نہیں ملا اس لیے بخاری کی روایت کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

براق پر سوار ہو کر بیت المقدس کا سفر کرنا اور وہاں حضرات انبیاء کرام کی امامت کرنا:

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس ایک براق لایا گیا جو لہب سفید رنگ کا چو پاپہ تھا اس کا قدم گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا وہ اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں تک اس کی نظر پڑتی تھی، میں اس پر سوار ہوا یہاں تک کہ میں بیت المقدس تک پہنچ گیا میں نے اس براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے حضرات انبیاء کرام باندھا کرتے تھے پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور اس میں دو رکعتیں پڑھیں پھر میں مسجد سے باہر آیا تو جبرائیل علیہ السلام میرے پاس ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ لے کر آئے میں نے دودھ کو لے لیا اس پر جبرائیل نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کر لیا، پھر ہمیں آسمان کی طرف لے جایا گیا اور پہلے آسمان میں حضرت آدم اور دوسرے آسمان میں عیسیٰ اور یحییٰ علیہما السلام اور تیسرے آسمان پر حضرت یوسف اور جو تھے آسمان میں حضرت اور لیس اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور سب نے مرحبا کہا اور ساتویں آسمان میں ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ان کے بارے میں آپ نے بتایا کہ وہ البیت المعمور سے نیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے اور یہ بھی بتایا کہ البیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو دوبارہ اس میں لوٹ کر نہیں آتے۔

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ لے جایا گیا، اچانک دیکھتا ہوں کہ اس کے پتے اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے ہاتھی کے کان ہوں اور اس کے پھل اتنے بڑے بڑے ہیں جیسے مکے ہوں، جب سدرۃ المنتہیٰ کو اللہ کے حکم سے ڈھانکنے والی چیزوں نے ڈھانک لیا تو اس کا حال بدل گیا اللہ کی کسی مخلوق میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کے حسن کو بیان کر سکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کو سونے کے پردوں نے ڈھانک رکھا تھا۔

اس وقت مجھ پر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی وحی فرمائی جن کی وحی اس وقت فرمانا منظور تھا اور مجھ پر رات دن میں روزانہ پچاس نمازیں پڑھنا فرض کیا گیا میں واپس اتر اور موسیٰ علیہ السلام پر گزر رہا تو انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا پچاس نمازیں فرض فرمائی ہیں، انہوں نے کہا کہ واپس جائیے اپنے رب سے تخفیف کا سوال کیجیے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی، میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں، آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف واپس لوٹا اور عرض کیا کہ اے رب میری امت پر تخفیف فرما دیجیے چنانچہ پانچ نمازیں کم فرمادیں میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا اور میں نے بتایا کہ پانچ نمازیں کم کر دی گئی ہیں انہوں نے کہا کہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھ سکتی آپ اپنے رب کی طرف رجوع کیجیے اور تخفیف کا سوال کیجیے آپ نے فرمایا کہ میں بار بار واپس ہوتا رہا (کبھی موسیٰ علیہ السلام نے پاس آتا کبھی بارگاہ الہی میں حاضری دیتا) یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ یہ روزانہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں ہر نماز کے بدلہ دس نمازوں کا ثواب ملے گا لہذا یہ (ثواب میں) پچاس ہی ہیں، جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے گا پھر اسے نہ کرے گا تو اس کے لیے (محض ارادہ کی وجہ سے) ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور جس شخص نے ارادہ کرنے کے بعد عمل بھی کر لیا تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس شخص نے کسی برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہ کیا تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر اپنے ارادے کے مطابق عمل کر لیا تو ایک گناہ لکھا جائے گا، آپ نے فرمایا کہ میں نیچے واپس آیا تو موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا اور انہیں بات بتادی انہوں نے کہا کہ واپس جاؤ اپنے رب سے تخفیف کا سوال کرو میں نے کہا میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ میں مراجعت کرتا رہا ہوں یہاں تک کہ اب مجھے شرم آتی ہے۔ (ص ۱۹ ج ۱)

صحیح مسلم (ص ۹۶ ج ۱) میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بھی ہے کہ میں نے اپنے آپ کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں دیکھا، اسی اثناء میں نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان کی امامت کی جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا کہ اے محمد ﷺ یہ دوزخ کا دروغہ ہے اس کو سلام کیجیے میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے خود سلام کیا، (یہ بیت المقدس میں امامت فرمانا، آسمانوں پر تشریف لے جانے سے پہلے واقع ہوا)

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر ص ۶ ج ۳ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت جو بحوالہ ابی حاتم نقل کی ہے اس میں یوں ہے (ابھی بیت المقدس ہی میں تھے) کہ بہت سے لوگ جمع ہوئے پھر ایک اذان دینے والے نے اذان دینی اس کے بعد ہم صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے سب انتظار میں تھے کہ کون امام بنے گا، جبرائیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا اور میں نے حاضرین کو نماز پڑھادی جب میں نماز سے فارغ ہوا تو جبرائیل نے کہا اے محمد ﷺ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے پیچھے کن حضرات نے نماز پڑھی ہے، میں نے کہا نہیں (جن حضرات انبیاء سے پہلے ملاقات ہو چکی تھی ان کے علاوہ بھی بہت سے حضرات نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی تھی اور سب سے تعریف نہیں ہوا تھا اس لیے یوں فرمادیا کہ میں ان سب کو نہیں جانتا) حضرت جبرائیل نے کہا کہ جتنے بھی نبی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں ان سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے (اس کے بعد آسمانوں پر جانے کا تذکرہ ہے۔)

صحیح بخاری میں واقعہ معراج کی تفصیل:

صحیح بخاری میں واقعہ معراج بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متعدد جگہ مروی ہے کہیں حضرت انس نے بار بار

حضرت ابو ذرؓ اور کہیں بواسطہ حضرت مالک بن معصود انصاریؓ نقل کیا ہے۔ فی مجمع الزوائد حص ۷۴ ج ۱ فریبت الدابة بالحلقة التي تربط بها الانبياء ثم دخلنا المسجد فنشرت لي الانبياء سمي الله ومن لم يسلم فصلت بهم (دیکھو، ۱۰-۱۰۰-۱۷۱-۱۷۰-۱۷۰)

حضرت انسؓ نے حضرت مالک بن معصودؓ کے واسطے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں کعبہ شریف کے قریب اس حالت میں تھا جیسے کچھ جاگ رہا ہوں کچھ سو رہا ہوں، میرے پاس تین آدمی آئے میرے پاس سونے کا طشت لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے پر تھا میرا سینہ چاک کیا گیا پھر اسے زم زم کے پانی سے دھویا گیا پھر اسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا اس کے بعد اس کو درست کر دیا گیا اور میرے پاس ایک سفید چوپایہ لایا گیا وہ قدم میں ٹخڑے کم تھا اور گدھے سے اونچا تھا یہ چوپایہ براق تھا۔

آسمان میں تشریف لے جاتا اور آپ کے لیے دروازہ کھولا جاتا حضرات انبیاء کرامؑ سے ملاقات فرماتا اور ان کا مرحبا کہتا۔

میں جبرائیلؑ کے ساتھ روانہ ہوا یہاں تک کہ قریب والے آسمان تک پہنچ گیا۔ حضرت جبرائیل نے آسمان کے خازن سے کہا کہ کھول لے اس نے سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے جبرائیل نے جواب دیا کہ محمد ﷺ ہیں اس نے دریافت کیا، کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے جواب دیا کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے اس پر مرحبا کہا گیا اور دروازہ کھول دیا گیا اور کہا گیا ان کا آنا بہت اچھا آتا ہے، ہم اوپر پہنچے تو وہاں حضرت آدمؑ کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے فرمایا مرحبا بک من ابن ونبی بنی اور نبی کے لیے مرحبا، پھر ہم دوسرے آسمان تک پہنچے وہاں بھی جبرائیل سے اسی طرح سوال جواب ہوا جو پہلے آسمان میں داخل ہونے سے قبل کیا گیا تھا جب دروازہ کھول دیا گیا اور اوپر پہنچے تو وہاں عیسیٰ اور یحییٰ (علیہما السلام) کو پایا انہوں نے بھی مرحبا کہا ان کے الفاظ یوں تھے۔ مرحبا بک من ابن ونبی (مرحبا ہو بھائی کے لیے اور نبی کے لیے) پھر ہم تیسرے آسمان پر پہنچے وہاں جبرائیل سے وہی سوال ہوا جو پہلے آسمانوں میں داخل ہونے سے قبل ہوا تھا پھر دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں یوسفؑ کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے مرحبا بک من ابن ونبی کہا ہم چوتھے آسمان تک پہنچے وہاں بھی جبرائیل سے حسب سابق سوال جواب ہوا، دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں اور یسٰیؑ کو پایا میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی وہی کہا: مرحبا بک من ابن ونبی پھر ہم پانچویں آسمان پر پہنچے تو وہاں بھی جبرائیل سے حسب سابق سوال جواب ہوا۔ دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچے وہاں ہارونؑ کو پایا میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی مرحبا بک من ابن ونبی کہا پھر ہم چھٹے آسمان تک پہنچے وہاں بھی حسب سابق حضرت جبرائیل سے وہی سوال جواب ہوئے، جب دروازہ کھول دیا گیا تو ہم اوپر پہنچ گئے وہاں حضرت موسیٰؑ کو پایا میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے بھی مرحبا بک من ابن ونبی کہا جب میں آگے بڑھ گیا تو وہ رونے لگے ان سے سوال کیا گیا کہ آپ کے رونے کا سبب کیا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ ایک لڑکا میرے بعد مبعوث ہوا اس کی امت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جو میری امت کے داخل ہونے والوں سے افضل ہوں گے (دوسری روایت میں ہے کہ اس کی امت کے جنت میں داخل ہونے والے میری امت سے زیادہ ہوں گے) پھر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے وہاں بھی جبرائیلؑ سے حسب سابق سوال جواب ہوا۔

والاصل فی الباب حدیث ابن عباس حبر الامۃ والمرجوح الیہ فی العضلات وقد راجعہ ابن عمر فی هذه المسئلة هل رای محمد ﷺ بہ فاخبرہ انه رآہ ولا یقدح فی هذا حدیث عائشة فان عائشة لم تخبر انہا سمعت النبی یقول لم ار ربی وانما ذکرت ما ذکرت متأولہ لقول اللہ تعالیٰ: وَمَا كَانَ لِیُبَشِّرَ اَنْ یُکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَخِیًا اَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلُ رَسُوْلًا و لقول اللہ تعالیٰ: لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ و اصحابی اذا قال قولاً و خالفه غیره منهم لم یکن قوله حجة و اذا صحت الروایات عن ابن عباس فی اثبات الرویة و جب المصیر الی اثباتها فانہا لیست مما یدرک بالعقل و یؤخذ بالظن و انہا یتلقى بالسماع ولا یستجیز احد ان یظن بابن عباس ان تکلم فی هذه المسئلة بالظن و الاجتهاده قلت لم اجد التصریح من ابن عباس انه رای ربہ تعالیٰ بعینی راسه و روی مسلم عنه انه رآہ بقلبه و فی روایة رآہ بفواده مرتین و العلم عند اللہ العلیم۔

سورۃ النجم میں جو (ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى) اور (وَلَقَدْ رَاَهُ نَزْلَةً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی) وارد ہے اس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ان میں جبرائیل علیہ السلام کا دیکھنا مروی ہے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی صورت میں آیا کرتے تھے سدرة المنتہی کے قریب آپ نے ان کو اصل صورت میں اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چہرہ (۶۱۰) پر تھے انہوں نے افق کو بھر دیا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بھی یہی فرماتے تھے کہ (فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی) اور (لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی) سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کا قریب ہونا اور دیکھنا مراد ہے۔ (صحیح مسلم مع شرح الامام النووی ص ۹۷-۹۸ ج ۱)

تشریح کی تکذیب اور ان پر حجت قائم ہونا:

بیت المقدس تک پہنچنا پھر وہاں سے آسمانوں تک تشریف لے جانا اور مکہ معظمہ تک واپس آ جانا ایک ہی رات میں ہوا واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ایک تجارتی قافلہ سے ملاقات ہوئی جو قریش کا قافلہ تھا اور وہ شام سے واپس آ رہا تھا صبح کو جب آپ نے معراج کا واقعہ بیان کیا تو قریش تعجب کرنے لگے اور جھٹلانے لگے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس پہنچے ان سے کہا کہ محمد ﷺ بیان کر رہے ہیں کہ رات کو انہوں نے اس طرح سفر کیا پھر صبح ہونے سے پہلے واپس آ گئے، حضرت ابو بکر نے اول تو یوں کہا تم لوگ جھوٹ بولتے ہو ان لوگوں نے قسم کھا کر کہا کہ واقعی وہ اپنے بارے میں یہ بیان دے رہے ہیں اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کہا: اِنْ كَانَ قَالَہ فَقَدْ صَدَقَ کہ اگر انہوں نے یہ بیان کیا ہے تو سچ فرمایا ہے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا تم اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہو انہوں نے فرمایا کہ میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتوں کی تصدیق کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آسمان سے آپ کے پاس خبر آتی ہے، اسی وجہ سے حضرت ابو بکر کا لقب صدیق پڑ گیا۔

(دلائل النبوة للشیخ ص ۲۶۰ ج ۱۲ البدایہ والنہایہ)

اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے پیش فرما دیا:

قریش مکہ تجارت کے لیے شام جایا کرتے تھے بیت المقدس ان کا دیکھا ہوا تھا کہنے لگے اچھا اگر آپ رات بیت

المقدس کے تھے اس میں نماز پڑھی ہے تو بتائیے بیت المقدس میں فلاں فلاں چیز کیسی ہیں (یعنی اس کے ستون اور دروازوں اور دوسری چیزوں کے بارے میں سوال کرنا شروع کر دیا) اس وقت آپ حطیم میں تشریف رکھتے تھے آپ نے فرمایا ان لوگوں کے سوال پر مجھے بڑی بے چینی ہوئی اس جیسی بے چینی کبھی نہیں ہوئی تھی میں نے بیت المقدس کو دیکھا تو تھا لیکن خوب اچھی طرح اس کی ہر چیز کو محفوظ نہیں کیا (اس کا کیا اندازہ تھا کہ ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا) اللہ جل شانہ نے بیت المقدس کو میری طرف اس طرح اٹھادیا کہ مجھ سے قریش مکہ جو بھی کچھ پوچھتے رہے میں ان سب کا جواب دیتا رہا۔

(صحیح مسلم ص ۱۰۶)

بعض روایات میں یوں ہے: فجلی اللہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرهم عن آیاتہ وانا انظر الیہ (اللہ نے بیت المقدس کو میرے لیے واضح طریقے پر روشن فرمادیا میں اسے دیکھتا رہا اور اس کی جو نشانیاں پوچھ رہے تھے وہ میں نہیں بتاتا رہا۔) (صحیح بخاری ص ۴۸ ج ۱)

تفسیر ابن کثیر ص ۱۰ ج ۲ میں ہے کہ جب آپ نے بیت المقدس کی علامات سب بتادیں تو وہ لوگ جو آپ کی بات پر شک کرنے کی وجہ سے بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کر رہے تھے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم بیت المقدس کے بارے میں صحیح بیان دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کو یہ بھی بتایا کہ مجھے سفر میں فلاں وادی میں فلاں قبیلے کا قافلہ ملا تھا ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا میں نے انہیں بتایا کہ تمہارا اونٹ فلاں جگہ پر ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب میں بیت المقدس کی طرف جا رہا تھا پھر جب میں واپس آ رہا تھا تو مقام جھنجان میں پہنچا دیکھ کہ وہ لوگ سو رہے ہیں ایک برتن میں پانی تھا جسے انہوں نے کسی چیز سے ڈھانپ رکھا تھا میں نے ان کا ڈھکن ہٹایا اور پانی پی کر اسی طرح ڈھانک دیا جس طرح سے ڈھانکا ہوا تھا (اہل عرب پانی، دودھ اور دیگر معمولی چیزوں کے بارے میں عام طور سے بے اجازت خرچ کرنے پر اعتراض نہیں کرتے تھے۔ ایسی چیزیں بلا اجازت استعمال میں ان کے ہاں رواج عام پذیر تھا اجازت عامہ کی وجہ سے صریح اجازت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے) آپ نے مزید فرمایا کہ دیکھو وہ قافلہ ابھی تنعم کی گھاٹی سے ظاہر ہونے والا ہے ان کے آگے ایک چنگبرے رنگ کا اونٹ ہے اس کے اوپر سامان کے دو بورے ہیں ایک سیاہ رنگ کا اور دوسرا سفید رنگ کا ہے، یہ بات سن کر وہ لوگ جلدی جلدی تنعم کی گھاٹی کی طرف چل دیئے وہاں دیکھا کہ واقعی مذکورہ قافلہ آ رہا ہے اور اس کے آگے وہی اونٹ ہے جب قافلے پر گزرنے کی تصدیق ہو گئی تو ان لوگوں نے قافلے والوں سے پوچھا کہ تم نے کسی برتن میں پانی رکھا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ہم نے ایک برتن میں پانی ڈھانک دیا تھا پھر دیکھا کہ وہ برتن اسی طرح ڈھانکا ہوا ہے لیکن اس میں پانی نہیں ہے، پھر قافلہ والوں سے سوال کیا تمہارا کوئی اونٹ بدک گیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں ایک اونٹ بدک کر چلا گیا تھا ہم نے ایک آدمی کی آواز سنی جو ہمیں بلا رہا تھا کہ یہ تمہارا اونٹ ہے یہ آواز سن کر ہم نے اسے پکڑ لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے قافلہ والوں کو سلام بھی کیا تھا اور ان میں بعض سننے والوں نے کہا کہ یہ محمد ﷺ کی آواز ہے۔

سفر معراج کے بعض دیگر مشاہدات:

معراج کے سفر میں رسول اللہ ﷺ نے بہت سی چیزیں دیکھیں جو حدیث اور شروع حدیث میں جگہ جگہ منتشر ہیں جن

سہجی نے دلائل النبوة جلد دوم میں اور حافظ نور الدین دمشقی نے مجمع الزوائد جلد اول میں اور علامہ محمد بن محمد سلیمان مغربن اردانی نے جمع الفوائد جلد سوم (طبع مدینہ منورہ) میں اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں جمع کیا ہے، بعض چیزیں اوپر ذکر ہو چکی ہیں بعض ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں سوئی نہیں پر گزرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (صحیح مسلم ص ۲۶۸ ج ۲)

ایسے لوگوں پر گزرا جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے:

حضرت انسؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی اس رات میں، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے، میں نے جبرائیل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہیں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو وہ باتیں کہتے ہیں جس پر خود عامل نہیں، ورنہ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۸)

کچھ لوگ اپنے سینوں کو ناخنوں سے چھیل رہے تھے:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے تانے کے ناخن تھے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے ہیں (یعنی نبیت کرتے ہیں) اور ان کی بے آبروئی کرنے میں پڑے رہتے ہیں۔ (رواہ ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۴۲۶)

سود خوروں کی بد حالی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کے پیٹ اتنے بڑے بڑے تھے جیسے (انسانوں کے رہنے کے) گھر ہوتے ہیں ان میں سانپ تھے جو باہر سے ان کے پیٹوں میں نظر آ رہے تھے میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ سود کھانے والے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۶)

کچھ لوگوں کی کھالیں قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھیں:

حضرت راشد بن سعدؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایسے لوگوں پر گزرا جن کی کھالیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھیں میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لیے زینت اختیار کرتے ہیں، پھر میں ایسے بد بودار گڑھے پر گزرا جس سے بہت سخت

۲۳۰
 آوازیں آرہی تھیں میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کاری کے لیے
 بنتی سنورتی ہیں اور وہ کام کرتی ہیں جو ان کے لیے حلال نہیں۔ (التزئیب والترہیب ص ۵۱۱ ج ۳)

ایک شیطان کا پتھیرے لگنا:

سوط امام مالک میں بروایت یحییٰ بن سعید (مرسل) نقل کیا ہے کہ جس رات رسول اللہ ﷺ کو سیر کرائی گئی آپ نے
 جنات میں سے ایک عفریت کو دیکھا جو آگ کا شعلہ لیے ہوئے آپ کا پتھیرا کر رہا تھا۔ آپ جب بھی (دائیں بائیں) التفات
 فرماتے وہ نظر پڑ جاتا تھا جبرائیل نے عرض کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ بتا دوں جنہیں آپ پڑھ لیں گے تو اس کا شعلہ بجھ
 جائے گا اور یہ اپنے منہ کے بل گر پڑے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں بتا دو! اس پر جبرائیل نے کہا کہ آپ یہ کلمات
 پڑھیں۔

اعوذ بوجه الله الكريم وبكلمات الله التامات التي لا يجاوزهن بر ولا فاجر من شر ما ينزل من
 السماء وشر ما يعرج فيها، وشر ما ذرأ في الارض وشر ما يخرج منها ومن فتن الليل والنهار، ومن
 طوارق الليل والنهار، الاطارق ايطرق بخير بارحمن۔ (موطامالک کتاب الجامع)

فسرشتوں کا پھینچنے لگانے کے لیے تاکید کرنا:

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کے سفر میں پیش آنے والی جو باتیں بیان
 فرمائیں ان میں سے ایک یہ بات بھی تھی کہ آپ فسرشتوں کی جس جماعت پر بھی گزرے انہوں نے کہا کہ آپ اپنی امت کو
 جماعت یعنی پھینچنے کا حکم دیجیے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۸۹ از ترمذی و ابن ماجہ)

عرب میں پھینچنے لگانے کا بہت رواج تھا اس سے زائد خون اور فاسد خون نکل جاتا ہے۔ بلڈ پریشر کا مرض جو عام ہو گیا
 ہے یہ اس کا بہت اچھا علاج ہے لوگوں نے اسے بالکل ہی چھوڑ دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے سر میں اپنے مونڈھوں کے
 درمیان پھینچنے لگاتے تھے۔ (حولہ بالا)

محبابین کا ثواب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ شب معراج میں نبی اکرم ﷺ جبرائیل کے ساتھ چلے تو آپ کا ایک ایسی قوم
 پر گزر رہا جو ایک ہی دن میں تمہاری ریزی بھی کر لیتے تھے اور اسی ایک دن میں کات بھی لیتے ہیں اور کانٹے کے بعد پھر ویسی ہی
 ہو جاتی ہے جیسے پہلے تھی آپ نے جبرائیل سے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد
 کرنے والے ہیں ان کی ایک نیکی سات سو گنا تک بڑھا دی جاتی ہے اور یہ لوگ جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کا
 بدل عطا فرماتا ہے۔

کچھ لوگوں کے سر پتھروں سے کچیلے جا رہے تھے:

پھر آپ کا ایک اور قوم پر گزر رہا جن کے سر پتھروں سے کچیلے جا رہے تھے، کچیلے جانے کے بعد ویسے ہی ہو جاتے تھے

جیسے پہلے تھے اسی طرح سلسلہ جاری ہے ختم نہیں ہوتا آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ لوگ نماز کے بارے میں کاہلی کرنے والے ہیں سوتے رہ جاتے ہیں اور نماز نہیں پڑھتے۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں کی بدحالی:

پھر ایک اور قوم پر گزر ہوا جن کی شرمگاہوں پر آگے اور پیچھے پھینڈے لپٹے ہوئے ہیں اور وہ اونٹ اور بیل کی طرح چرتے ہیں اور ضریح اور زقوم یعنی کانٹے دار خبیث درخت اور جہنم کے پتھر کھا رہے ہیں آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔

سزا ہوا گوشت کھانے والے:

پھر آپ ﷺ کا ایسی قوم پر گزر ہوا جن کے سامنے ایک ہانڈی میں پکا ہوا گوشت ہے اور ایک ہانڈی میں کچا اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے یہ لوگ سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں اور پکا ہوا گوشت نہیں کھاتے، آپ نے دریافت کیا یہ کون ہیں؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ آپ کی امت کا وہ شخص ہے جس کے پاس حلال اور طیب عورت موجود ہے مگر وہ ایک زانیہ اور فاحشہ عورت کے ساتھ شب باشی کرتا ہے اور صبح تک اسی کے پاس رہتا ہے اور آپ کی امت کی وہ عورت ہے جو حلال اور طیب شوہر کو چھوڑ کر کسی زانی اور بدکار کے ساتھ رات گزارتی ہے۔ ضریح آگ کے کانٹے، اور زقوم دوزخ کا بدترین بدبودار درخت۔

لکڑیوں کا بڑا گھڑا اٹھانے والا:

پھر ایک ایسے شخص پر آپ ﷺ کا گزر ہوا جس کے پاس لکڑیوں کا بڑا گھڑا ہے وہ اسے اٹھا نہیں سکتا (لیکن) اور زیادہ بڑھانا چاہتا ہے آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون شخص ہے؟ جبرائیل نے بتایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں ان کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا اور مزید امانتوں کا بوجھ اپنے سر لینے کو تیار ہے۔

ایک بیل کا چھوٹے سے سوراخ میں داخل ہونے کی کوشش کرنا:

اس کے بعد ایسے سوراخ سے گزر ہوا جو چھوٹا سا تھا اس میں سے ایک بڑا بیل نکلا، وہ چاہتا ہے کہ جہاں سے نکلا ہے پھر اس میں داخل ہو جائے، آپ نے سوال فرمایا یہ کون ہے؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جو کوئی برا کلمہ کہہ دیتا ہے (جو گناہ کا کلمہ ہوتا ہے) اس پر وہ نام ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو واپس کر دے پھر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا۔

جنت کی خوشبو:

پھر آپ ﷺ ایک ایسی وادی پر پہنچے جہاں خوب اچھی خوشبو آ رہی تھی یہ مشک کی خوشبو تھی اور ساتھ ہی ایک آواز بھی آ رہی تھی آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ جبرائیل نے کہا کہ یہ جنت کی آواز ہے وہ کہہ رہی ہے کہ اے میرے رب جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں انہیں لایئے اور اپنا وعدہ پورا فرمائیئے۔

دوزخ کی آواز سننا:

اس کے بعد ایک اور وادی پر گزر ہوا وہاں صوت منکر یعنی ایک آواز ایسی سنی جو ناگوار تھی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ جبرائیل نے جواب دیا یہ جہنم ہے یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کر رہی ہے کہ جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں ان کو لے آئے اور اپنا وعدہ پورا فرمائے۔ (انتھی روایۃ ابی ہریرۃ عن جمع القوام ص ۱۵۱ ج ۲ طبع مدینہ منورہ)

باب الحفظ

پہلے آسمان کے دروازے کے بارے میں فرمایا کہ وہ باب الحفظ ہے اور فرمایا کہ اس پر ایک فرشتہ مقرر ہے جس کا نام اسماعیل ہے اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے ہیں اور ہر فرشتے کے ماتحت بارہ ہزار ہیں جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے یہ بات بیان فرمائی تو یہ آیت تلاوت کی: (وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ)۔ (فتح الباری ص ۹، ۱۰ ج ۷ سیرت ابن ہشام)

پہلے آسمان پر داروغہ جہنم سے ملاقات ہونا اور جہنم کا ملاحظہ فرمانا:

جب آپ ﷺ معنی قریب والے آسمان میں داخل ہوئے تو جو بھی فرشتہ ملتا تھا ہتھے ہوئے بشاشت اور خوشی کے ساتھ ملتا تھا اور خیر کی دعا دیتا تھا، انہیں میں ایک ایسے فرشتے سے ملاقات ہوئی جس نے ملاقات بھی کی اور دعا بھی دی لیکن وہ ہنسا نہیں، آپ نے جبرائیل سے پوچھا کہ یہ کون سا فرشتہ ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ مالک ہے جو دوزخ کا داروغہ ہے یہ اگر آپ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی کے لیے ہنستا تو آپ کی ملاقات کے وقت (بھی) آپ کے سامنے اسے ہنسی آجاتی، یہ فرشتہ ہنسا ہی نہیں ہے آپ نے حضرت جبرائیل سے فرمایا کہ اس فرشتے سے کہیے کہ مجھے دوزخ دکھا دے، جبرائیل علیہ السلام نے اس سے کہا: یا مالک ار محمد النار (اے مالک محمد ﷺ کو دوزخ دکھا دو) اس پر اس فرشتے نے دوزخ کا ڈھکن اٹھایا جس کی وجہ سے دوزخ جوش مارتی ہوئی ادا پر اٹھ آئی آپ نے فرمایا اے جبرائیل اس کو کہیے کہ دوزخ کو اپنی جگہ واپس کر دے، چنانچہ جبرائیل نے اس فرشتے سے کہا کہ اس کو واپس کر دو فرشتے نے اسے واپس ہونے کا حکم دیا جس پر وہ واپس چلی گئی جس پر اس نے ڈھکن ڈھک دیا۔ (سیرت ابن ہشام ص ۲۱۹ علی حاشی الروض الافف)

دودھ، شہد اور شراب کا پیش کیا جانا اور آپ ﷺ کا دودھ کو لے لینا:

صحیح مسلم میں (ص ۹۱) جو حدیث نقل کی گئی ہے اس میں یوں ہے کہ بیت المقدس ہی میں ایک برتن میں شراب ایک برتن میں دودھ پیش کیا گیا ہے آپ نے دودھ لے لیا اس کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں صحیح مسلم کی دوسری روایت جو صفحہ ۹۵ پر مذکور ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اس میں یوں ہے کہ عالم بالا میں سدرۃ المنتہی کے قریب پینے کی چیزیں پیش کی گئیں اس میں بھی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دودھ لے لیا اور امام بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ بیت المعمور سامنے کیے جانے کے بعد ایک برتن میں شراب ایک برتن میں دودھ اور ایک برتن میں شہد پیش کیا گیا، بیت المقدس میں بھی پینے کے لیے چیزیں پیش کی گئی ہوں اور پھر عالم بالا میں بھی حاضر خدمت کی گئی ہوں اس میں کوئی منافات نہیں ہے دوبارہ پیش کیے جانے میں عقلاً نقلاً کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کا انکار کیا جائے، صحیح بخاری میں ایک چیز یعنی شہد کا ذکر زیادہ ہے اس

میں بھی کوئی اشکال کی بات نہیں بعض مرتبہ راویوں سے کوئی چیز رو جاتی ہے جسے دوسرا ذکر دیتا ہے دغ ذالک المشیت مقدم علی من لم یحفظ صحیح مسلم (کی روایت ص ۹۷ ج ۱) میں یہ بھی ہے کہ جب آپ نے دودھ لے لیا تو حضرت جبرائیل نے عرض کیا کہ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی، اس سے معلوم ہوا کہ تادم اور پیشوا کے اخلاق اور اعمال کا اثر اس کے ماننے والوں پر بھی پڑتا ہے۔ اسح الباری (ص ۲۱۵ ج ۷) میں علامہ قرطبی سے نقل کیا ہے کہ دودھ کے بارے میں جوھی الفطرة التي انت علیہا فرمایا، ممکن ہے کہ یہ اس وجہ سے ہو کہ بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے پیٹ میں دودھ داخل ہوتا ہے اور وہی اس کی آنتوں کو پھیلا دیتا ہے (اور ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لہذا فطری طور پر فطرت اسلام اور بچہ کی ابتدائی غذا میں ایک مناسبت ہوئی اس لیے فطرت سے دین اسلام مراد لیا) حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ روایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ (جو برتن پیش کیے گئے وہ) چار تھے دودھ اور شہد اور خمر اور پانی، کسی نے دودھ کے ذکر پر اکتفا کیا، کسی نے تین کے ذکر پر، یا یہ کہ تین ہوں ایک پیالے میں پانی ہو کہ شیرینی میں شہد جیسا ہو، کبھی اس کو شہد کہہ دیا کبھی پانی اور ہر چند کہ شراب اس وقت حرام نہ تھی کیونکہ یہ مدینہ میں حرام ہوئی مگر سامان نشاط ضرور ہے اس لیے مشابہ دنیا کے ہے، شہد بھی اکثر تملذذ کے لیے پیاجاتا ہے غذا کے لیے نہیں تو یہ بھی امر زائد اور اشارہ لذات دنیا کی طرف ہو اور پانی بھی معین غذا ہے غذا نہیں جس طرح دنیا معین دین ہے مقصود نہیں اور دین خود غذائے روحانی مقصود ہے جیسا کہ دودھ غذائے جسمانی مقصود ہے اور گو غذا میں اور بھی ہیں مگر دودھ کو ادروں پر ترجیح ہے کہ یہ کھانے اور پینے دونوں کا کام دیتا ہے۔ (کذانی تشریح در جامع فتح الباری ص ۲۱۵ ج ۸) تفسیر ابن کثیر ص ۵ ج ۲ میں دلائل النبوة للسیوطی سے نقل کیا ہے کہ جب آپ نے پانی کو اور شراب کو چھوڑ دیا اور دودھ کو لے لیا تو جبرائیل نے کہا کہ اگر آپ پانی پی لیتے تو آپ اور آپ کی امت غرق ہو جاتی اور اگر شراب پی لیتے تو آپ اور آپ کی امت راہ صحیح سے ہٹ جاتی۔

سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟

روایات حدیث میں السدرۃ المنتہیٰ (صفت موصوف) اور سدرۃ المنتہیٰ (مضاف مضاف الیہ) دونوں طرح وارد ہوا ہے لفظ "سدرۃ" عربی زبان میں بیری کو کہتے ہیں اور "المنتہیٰ" کا معنی ہے انتہاء ہونے کی جگہ اس درخت کا یہ نام کیوں رکھا گیا اس کے بارے میں صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اوپر سے جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ اس پر منتہیٰ ہوتے جاتے ہیں اور جو بندوں کے اعمال نیچے سے اوپر جاتے ہیں وہ وہاں پر ٹھہر جاتے ہیں (آنے والے احکام پہلے وہاں آتے ہیں پھر وہاں سے نازل ہوتے ہیں اور نیچے سے جانے والے جو اعمال ہیں وہ وہاں ٹھہر جاتے ہیں پھر اوپر اٹھائے جاتے ہیں۔)

پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس سدرہ پر جو چیزیں چھائی ہوئی تھیں ان کی وجہ سے جو اس کا حسن تھا اسے اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی شخص بیان نہیں کر سکتا اور دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس پر سونے کی پروانے چھائے ہوئے تھے اس درخت کے بارے میں یہ بھی حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ اس کی شاخوں کے سایہ میں ایک سو سو سال تک چل سکتا ہے یا پونے فرمایا کہ اس کے سایہ میں ۱۰۰ سو سو سال تک چل سکتے ہیں۔

قال النووي قال ابن عباس والمفسرون وغيرهم سميت سدرۃ المنتهى لان علم الملكة ينتهي اليها ولم يجاوزها احد الا رسول الله-

جنت میں داخل ہونا اور نہر کوثر کا ملاحظہ فرمانا:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس درمیان میں کہ میں جنت میں چل رہا تھا اچانک دیکھتا ہوں کہ میں ایک ایسی نہر پر ہوں جس کے دونوں کناروں پر ایسے موتیوں کے قبے ہیں جو بیچ میں سے خالی ہیں (یعنی پورا قبہ ایک موتی کا ہے) میں نے کہا اے جبرائیل یہ کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ یہ نہر کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمائی ہے میں نے جو دھیان کیا تو دیکھتا ہوں کہ اس کی مٹی (جس کی سطح پر پانی ہے) خوب تیز خوشبو والا منگ ہے۔ (رواہ ابوی مریم ص ۴۷۱)

فوائد و اسرار اور حکم متعلقہ واقعہ معراج شریف

براق کی سہت اور کیا سہت؟

”لفظ براق“ بریق سے مشتق ہے جو سفیدی کے معنی میں آتا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لفظ برق سے لیا گیا ہے برق بجلی کو کہتے ہیں برق کی تیز رفتاری تو معلوم ہی ہے اس تیز رفتاری کی وجہ سے براق کا نام براق رکھا گیا، روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس براق پر آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سوار ہوتے تھے امام بیہقی نے دلائل النبوة (ص ۲۳۹۰) میں ارشاد نقل کیا ہے۔ وکانت الانبیاء ترکب قبل (اور حضرات انبیاء کرامؑ مجھ سے پہلے اس براق پر سوار ہوتے رہے ہیں۔)

براق کی شوخی اور اس کی وجہ:

سنن ترمذی (تفسیر سورۃ الاسراء) میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس رات مجھے میر کرائی گئی میرے پاس براق لایا گیا جس کو لگام لگی ہوئی تھی اور زین کسی ہوئی تھی، براق شوخی کرنے لگا، جبرائیل نے کہا کہ تو محمد ﷺ کے ساتھ شوخی کرتا ہے تیرے اوپر کوئی بھی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ کے نزدیک محمدؐ سے زیادہ مکرم اور معزز ہو، یہ سنتے ہی براق پسینہ پسینہ ہو گیا (پھر اس نے اپنا نافرمانی کا انداز چھوڑ دیا) قال الترمذی ہذا حدیث حسن غریب، دلائل النبوة میں ہے کہ آپ نے فرمایا جب براق نے شوخی کی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کا کان پکڑ کر گھما دیا پھر مجھے اس پر سوار کر دیا۔

(دلائل النبوة ج ۲ ص ۲۵۵)

بعض روایات میں ہے کہ جب بیت المقدس پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنی انگلی سے ہاتھ میں سوراخ کر دیا پھر اس سوراخ سے آپ نے براق کو باندھ دیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۷)

براق نے شوخی کیوں کی؟ اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ایک عرصہ دراز گزر چکا تھا اور زمانہ نعت میں (یعنی اس عرصہ دراز میں جبکہ حضرت عیسیٰ اور حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی نہیں آیا تھا) براق پر کوئی

سوار نہیں ہوا تھا وہ نئی سی بات دیکھ کر چمکنے لگا اور بعض حضرات نے یوں کہا کہ براق کا چمکنا اور شوخی کرنا بطور خوشی اور فخر کے تھا کہ آج مجھ پر آخر الانبیاء اور افضل الانبیاء سوار ہے ہیں۔ (فتح الباری ص ۷۷ ص ۲۰۷)۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک مرتبہ آپ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ شہر پہاڑ پر تھے وہ پہاڑ حرکت کرنے لگا آپ ﷺ نے فرمایا کہ ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور در شہید ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے کہ بغیر براق کے سفر کرادے لیکن آپ کو تشریف لانا دیکر میرا براق پر سوار کر کے لے جایا گیا۔ اگر سواری نہ ہوتی تو گویا پیدل سفر ہوتا کیونکہ سوار بنسبت پیدل چلنے والے کے زیادہ معزز ہوتا ہے اس لیے سواری بھیجی گئی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۴۲)

جبرائیل کا بیت المقدس تک آپ کے ساتھ براق پر سوار ہونا اور وہاں سے زینہ کے ذریعے آسمانوں پر جانا: جب مکہ معظمہ سے بیت المقدس کے لیے روانگی ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ براق پر سوار ہو گئے اور آپ کو پیچھے بٹھایا اور خود بطور رہبر سوار ہوئے۔ (فتح الباری ص ۲۰۸ ص ۷۵۲)

دونوں حضرات براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے وہاں دونوں نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھائی جب آسمانوں کی طرف تشریف لے جانے لگے تو ایک زینہ لایا گیا جو بہت ہی زیادہ خوبصورت تھا اور بعض روایات میں ہے کہ ایک زینہ سونے کا ایک چاندی کا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ موتیوں سے جڑا ہوا تھا عالم بالا کا سفر کرتے وقت دائیں بائیں فرشتے تھے آنحضرت سرور عالم ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام دونوں زینہ کے ذریعہ آسمان تک پہنچے اور آسمان کا دروازہ کھلوا یا۔ (فتح الباری ص ۲۰۷ ص ۲۰۹ ص ۲۰۸)

آسمانوں کے محافظین نے جبرائیل علیہ السلام سے یہ سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے کیا انہیں بلایا گیا ہے؟

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جب بھی کوئی دروازہ کھلوا یا تو آسمانوں کے ذمہ داروں نے حضرت جبرائیل سے یہ سوال کیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ محمد ہیں اس پر سوال ہوا کیا انہیں بلایا گیا ہے حضرت جبرائیل جواب دیتے رہے کہ ہاں انہیں بلایا گیا ہے جواب ملنے پر دروازے کھولے جاتے رہے اور آپ اوپر پہنچتے رہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ کے حضرات نے یہ سوالات کیوں کیے کیا جبرائیل علیہ السلام کے بارے میں انہیں یہ گمان تھا کہ وہ کسی ایسی شخصیت کو ساتھ لے آئے ہوں گے جسے اوپر بلایا نہ گیا ہو اس کا جواب یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ کے حضرات کو پہلے سے معلوم تھا کہ آج کسی کی آمد ہونے والی ہے لیکن آنحضرت ﷺ کا شرف بڑھانے کے لیے اور خوش ظاہر کرنے کے لیے یہ سوال جواب ہوا اور اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ نبی اکرم ﷺ کو پتہ چل جائے کہ آپ کا اسم گرامی ملاء اعلیٰ میں معروف ہے جب یہ سوال کیا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ محمد ہیں اگر وہ آپ کے اسم گرامی سے واقف نہ ہوتے اور آپ کی شخصیت سے متعارف نہ ہوتے تو یوں سوال کرتے کہ محمد کون ہیں۔ اسی سے پہلے سے دروازے نہ کھولنے کی حکمت بھی معلوم ہو گئی اور وہ یہ کہ آپ کو یہ بتانا تھا کہ آپ سے پہلے زمین کے رہنے والوں میں سے کسی کے لیے اس طریقے پر آسمان کا دروازہ نہیں کھولا گیا کہ وفات سے پہلے دنیاوی زندگی میں ہوتے ہوئے قائم بھیج کر بلایا گیا ہو جہاں اکثر مہمان آتے

ہوں اور بار بار آتے رہتے ہوں وہاں یہی بات ہے کہ پہلے سے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے اور چونکہ ہر مہمان کے لیے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اس لیے اس میں کسی خصوصیت اور امتیاز کا اظہار نہیں ہوتا لیکن معراج کا مہمان بے مثل مہمان ہے نہ اس سے پہلے کسی کو یہ مہمانی نصیب ہوئی نہ اس کے بعد اور مہمانی بھی ایسی نہیں کہ امریکہ والا ایشیا چلا آیا اور ایشیا والا افریقہ تک گیا یعنی خاکی انسان خاک پر ہی گھومتا رہا بلکہ وہ ایسی مہمانی تھی کہ فرش خاک کا رہنے والا سبع سموات سے گزرتا ہوا سدرة المنتہی تک پہنچ گیا جہاں اس محبوب مہمان کے سوا کوئی نہیں پہنچا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ بقدر کمال وجمال، چونکہ انسانوں میں سے وہاں کوئی نہیں جاتا، دروہاں کی راہ متبذل نہیں ہے اس لیے حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ہر ہر آسمان کا دروازہ آمد پر کھولا جائے تاکہ وہاں کے شائقین اور مقیمین کو معزز مہمان کا مرتبہ معلوم ہوتا چلا جائے اور یہ جان لیں کہ یہ کوئی ایسی ہستی ہے جس کو بغیر درخوست کے بلا یا گیا ہے اور جس کے لیے آج وہ دروازے کھولے جا رہے ہیں جو کبھی کسی کے لیے نہیں کھولے گئے۔ درحقیقت یہ اعزاز اس اعزاز سے زیادہ ہے کہ پہلے سے دروازے کھلے رہیں جو دوسروں کے لیے بھی کھلے رہے ہوں۔ قال ابن المنیر حکمته التحقق ان السماء لم تفتح الا من اجله بخلاف مالو وجدہ مفتوحا۔

(منہج الساری ص ۱۶۶)

جوں ہی کوئی دروازہ کھٹکھٹایا گیا اس آسمان کے رہنے والے متوجہ ہوئے اور یہ سمجھ لیا کہ کسی اہم شخصیت کی آمد ہے اور پھر جبرائیل علیہ السلام سے سوال و جواب ہوا اس سے حاضرین کو مہمان کا تعارف اور تشخص حاصل ہو گیا پہلے سب نے مہمان کا نام سنا پھر زیارت کی مہمان کی آمد کے بعد جو تعارف حاضرین سے کرایا جاتا ہے وہ دروازہ کھٹکھٹانے کے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے نام دریافت کرنے سے حاصل ہو گیا، ظاہر ہے کہ آمد کی عمومی اطلاع سے یہ بات حاصل نہ ہوتی اور چونکہ بارگاہ رب العالمین کی حاضری کے لیے یہ سفر تھا، در فرشتوں کی زیارت یا فرشتوں کو زیارت کرنا مقصد اعلیٰ نہ تھا اس لیے ہر جگہ قیام کرنے کا موقع نہ تھا علماء اعلیٰ متوجہ ہوتے رہے اور آپ کی زیارت کرتے رہے اور آپ آگے بڑھتے چلے گئے دنیا میں استقبال کے لیے استقبال کمیٹی کے افراد کو پہلے سے جمع کرنا پڑتا ہے کیونکہ دنیا کے وسائل کے پیش نظر اچانک سب کا حاضر ہونا مشکل ہوتا ہے لامحالہ پہلے سے آنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وقت نہ نکل جائے لیکن عالم بالا کے ساکنین کو وہ تو تیس حاصل ہیں کہ آن واحد میں ہزاروں میل کا سفر کر کے جمع ہو سکتے ہیں دروازہ کھٹکھٹایا گیا بھنک پڑی سب حاضر ہو گئے دروازہ کھولتے وقت سب موجود ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے نماز کم کرانے کی ترغیب کیوں نہیں دی:

ایک یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمازوں کی تخفیف کا سوال کرنے کی طرف کیوں توجہ نہیں دلائی؟ حضرات اکابر نے اس کے بارے میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم ظلیل ہیں۔ مقام خست کا تقاضا تسلیم و رضا ہے جو حکم ہوا مان لیا آگے سوچنا کچھ نہیں، اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہیں مقام تکلم مقام ناز ہے اور موجب انبساط ہے جو کلیم جرات کر سکتا ہے دوسرا نہیں کر سکتا پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم کو اہل شرک و کفر سے زیادہ واسطہ پڑا تھا ان ہی لوگوں سے بحث و مناظرہ میں عمر مبارک صرف ہوئی آپ کے اتباع اور امت اجابت کے افراد زیادہ نہیں ہوئے اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے تھے وہ سچے فرمانبردار تھے نافرمانوں اور ناسقوں کے رنگ ڈھنگ پچشم خورد نہ دیکھے تھے جیسے حضرت موسیٰ نے اپنی امت میں

آزمائے تھے اس لیے حضرت موسیٰ کا ذہن تخفیف کرانے کی طرف چلا گیا اور اپنے تجربہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: فاسی قد بلوت بنی اسرائیل وخبیرتہم (مسلّم شریف) یعنی میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں، اور اسی تجربہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ اتنی نماز پڑھنا آپ کی امت کے لیے دشوار ہوگا۔

حضرت ابراہیم ظلیل اللہ بھی امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی خیر خواہی سے غافل نہ تھے۔ انہوں نے نکمیر حسنت کو پیش نظر رکھا پچاس نمازوں کی فرضیت کی خبر سن کر ان کا دل بارغ بارغ ہو گیا جب یہ خبر ملی کہ کعبہ شریف بناتے وقت میں نے (رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ) کے ذریعہ جس امت کے لیے دعا کی تھی وہ آج نوازی جا رہی ہے اور اسے رات دن میں پچاس مرتبہ بارگاہ خداوندی میں حاضری کا شرف دیا جا رہا ہے پھر بھلا وہ تخفیف صلوٰۃ کا مشورہ کیوں دیتے چونکہ وہ نکمیر حسنت کی طرف متوجہ تھے اس لیے انہوں نے امت محمدیہ کو ایک پیغام بھیجا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس رات مجھے سیر کرائی گئی حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی انہوں نے فرمایا کہ اے محمد میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہہ دینا اور انہیں بتا دینا کہ بلاشبہ جنت کی اچھی مٹی ہے، میٹھا پانی ہے اور وہ چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے یہ ہیں: سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۲) یہ جو فرمایا کہ جنت چٹیل میدان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس میں سب کچھ ہے لیکن اس کے لیے ہے جو دنیا میں ایسے کام کر کے جائے گا جن کے ذریعہ جنت میں داخلہ ہو سکے جنت اپنی محنت سے ملے گی اور اس کو اس طرح سمجھ لیا جائے جیسے کوئی بہت اچھی زمین ہو مٹی بھی عمدہ ہو پانی بھی میٹھا ہو جب کوئی شخص اس میں درخت لگائے گا اور اس عمدہ پانی سے سیرابی کرے گا تو اس کا پھل پالے گا لہذا دنیا میں نیک اعمال کرتے رہو اللہ کا ذکر کرو: سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ پڑھا کرو ان کو پڑھو گے تو جنت میں ان کے عوض درخت پالو گے اسی سے ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ جس نے سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ کہا اس کے لیے جنت میں ایک درخت لگا دیا جائے گا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۰۱ من ترمذی)

سونے کے طشت میں زرم زرم سے قلب اطہر کا دھویا جانا:

واقعہ معراج جن احادیث میں بیان کیا گیا ہے ان میں یہ بھی ہے کہ آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اطہر کو نکال کر زرم زرم کے پانی سے دھو کر واپس اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور پھر اسی طرح درست کر دیا گیا جیسا پہلے تھا آج کی دنیا میں جبکہ مرجی عام ہو چکی ہے۔ اس میں کوئی اشکال بھی نہیں ہے اور زرم زرم کے پانی سے جو دھویا گیا اس سے زرم زرم کے پانی کی فضیلت واضح طور پر معلوم ہوگئی، روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ کے قلب اطہر کو سونے کے طشت میں دھویا گیا تھا چونکہ اس کا استعمال کرنے والا فرشتہ تھا اور اس وقت تک احکام نازل بھی نہیں ہوئے تھے اور سونے کی حرمت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس لیے اس سے امت کے لیے سونے کے برتن استعمال کرنے کا جواز ثابت نہیں کیا جاسکتا، اور ایمان و حکمت سے بھرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس سے آپ کی قوت ایمانیہ میں اور قلب مبارک کے حکمت سے لبریز ہونے میں اور زیادہ ترقی ہوگئی اور عالم بالا میں جانے کی طاقت پیدا ہوگئی۔

جماعت کا یہی مذہب ہے ایک ہی رات میں آپ مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں پہنچے وہاں حضرت انبیاء کرام کی بیت کی پھر وہاں سے آسمانوں پر تشریف لے گئے وہاں حضرات انبیاء کرام سے ملاقاتیں ہوئیں سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھنا البیت معور کو ملاحظہ فرمایا ایسی جگہ پر پہنچے جہاں قلموں کے لکھنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ عالم بالا میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار توجہ دلانے پر آپ ﷺ تخفیف کرنے کی درخواست کرتے رہے اور خالق کائنات جل مجدہ نے پانچ نمازیں پڑھنے پر ہی پچاس نمازوں کے ثواب کا اعلان فرمایا پھر اسی رات میں آسمانوں سے نزول فرمایا اور واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے، راستے میں قریش کا ایک قافلہ ملا جب صبح کو قریش کے سامنے رات کا واقعہ بیان کیا تو وہ تکذیب کرنے لگے لیکن جب آپ نے بیت المقدس کے بارے میں ان کے سوالات کے شافی جوابات دے دیئے اور جس قافلہ سے ملاقات ہوئی تھی وہ بھی پہنچ گیا اور آپ نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ سب کے سامنے صحیح ثابت ہو گیا تو قریش کا منہ بند ہو گیا اور آگے کچھ نہ کہہ سکے۔

لیکن اب دور حاضر کے لٹھرین واقعہ معراج کو بانٹنے میں تامل کرتے ہیں، اور بعض جاہل بالکل ہی جھٹلا دیتے ہیں اور یوں کہہ دیتے ہیں کہ خواب کا واقعہ ہے، یہ لوگ یہ نہیں سوچتے اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو مشرکین مکہ اس کا انکار کیوں کرتے اور یوں کیوں کہتے کہ بیت المقدس تک ایک ماہ کی مسافت کیسے طے کر لی اور پھر انہیں بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ سورۃ الاسراء کے شروع میں جو سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی یَعْبُدُوْنَ فرمایا ہے اس میں یَعْبُدُوْنَ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ روح اور جسم دونوں کے ساتھ تشریف لے گئے نیز لفظ اَسْرٰی جو سری سری (مغل اللام) سے باب افعال سے ماضی کا صیغہ ہے یہ بھی رات کے سفر کرنے پر دلالت کرتا ہے خواب میں کوئی کہیں چلا جائے اس کو سری اور اسری سے تعبیر نہیں کیا جاتا لیکن جنہیں ماننا نہیں ہے وہ آیت قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کا انکار کرنے میں ذرا نہیں جھکتے۔ ہدایہم للہ تعالیٰ

منکرین کی جاہلانہ باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ زمین سے اوپر جانے میں اتنی مسافت کے بعد ہوا موجود نہیں ہے اور فلاں کرہ سے گزرنالازم ہے اور انسان بغیر ہوا کے زندہ نہیں رہ سکتا اور فلاں کرہ سے زندہ نہیں گزر سکتا یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں اول تو ان باتوں کا یقین کیا ہے جس کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں اور اگر ان کی کوئی بات صحیح بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کو پوری پوری قدرت ہے کہ اپنے جس بندہ کو جس کرہ سے چاہے باسلامت گزار دے اور بغیر ہوا کے بھی زندہ رکھے، اور سانس لینے کو بھی تو اس نے زندگی کا ذریعہ بنایا ہے اگر وہ انسان کو تخلیق کی ابتدا ہی سے بغیر ہوا اور بغیر سانس کے زندہ رکھتا تو اسے اس پر بھی قدرت تھی، اور کیا سکتا کا مریض بغیر سانس کے زندہ نہیں رہتا؟ کیا جس دم کرنے والے سانس لیے بغیر گھنٹوں نہیں جیتے۔

بعض جاہل تو آسمان کے وجود کے ہی منکر ہیں ان کے انکار کی بنیاد صرف عدم العلم ہے: اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ۝ کسی چیز کو نہ جانا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا وجود ہی نہ ہو محض انکوں سے اللہ تعالیٰ کی کتاب جھٹلاتے ہیں۔ (فَاتَلْبَثُوهٗ اِنَّهٗ لَیُّوْفٌ کُوْنًا)

فلسفہ قدیر ہو یا جدیدہ اس سے تعلق رکھنے والوں کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں خالق کائنات جل مجدہ نے اپنی کتاب میں رات آسمانوں کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا لیکن اصحاب فلسفہ قدیر کہتے تھے کہ نوا آسمان ہیں اور اب نیا فلسفہ آیا تو ایک آسمان کا وجود بھی تسلیم نہیں کرتے، اب بتاؤ ان انکل لگانے والوں کی بات ٹھیک ہے یا خالق کائنات جل مجدہ کا فرمان صحیح ہے؟ سورۃ

میں مقبلین شرق جہان میں (چند روز قبل ۶۴۰) کیا وہ نہیں جتنا جس نے پیدا فرمایا اور وہ لطیف ہے خیر ملک میں فرمایا: (أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ) کیا وہ نہیں جتنا جس نے پیدا فرمایا اور وہ لطیف ہے خیر

ہے۔) فلسفہ قدیمہ والے آسمان کا وجود تو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ آسمانوں میں خرق و التیام نہیں ہو سکتا یعنی آسمان پھٹ نہیں سکتا یہ بھی ان کی انکل پچوال بات تھی کبھی نہ گئے نہ جا کر دیکھا زمین پر بیٹھے بیٹھے سب کچھ خود ہی طے کر لیا، جس ذات پاک نے آسمان زمین پیدا فرمائے اس نے تو آسمانوں کے دروازے بھی بتائے، سورۃ اعراف میں فرمایا: (أَلَا تَفْتَحُ لَهُمْ أَبْوَابَ السَّمَاءِ) اور سورۃ نباء میں فرمایا: (وَوُفِّيَتْ لَهَا مَا كَانَتْ تُرِيدُ) اور آسمان کے پھٹنے کا بھی ذکر فرمایا جس کا قیامت کے دن ظہور ہوگا۔ (إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ وَإِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ) اور (وَأَنشَقَّتِ السَّمَاءُ فَسُيَبِحُ يَوْمَئِذٍ وَأُهْبِتُهُ) میں تذکرہ فرمایا ہے لہذا ان لوگوں کی بات بالکل جھوٹ ہے جنہوں نے یوں کہا کہ آسمان میں خرق و التیام نہیں ہو سکتا۔

کچھ لوگوں کو یہ اشکال تھا اور بعض تمدنوں کو ممکن ہے اب بھی یہ اشکال ہو کہ ایک رات میں اتنا بڑا سفر کیسے ہو سکتا ہے؟ کبھی پہلے زمانہ میں کوئی شخص اس طرح کی بات کرتا تو اس کی کچھ وجہ بھی تھی کہ تیز رفتار سواریاں موجود نہ تھیں اور اب جو نئے آلات ایجاد ہو گئے ہیں ان کا وجود نہ تھا اب تو جدہ سے ہوائی جہاز گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں دمشق پہنچ جاتا ہے جہاں سے بیت المقدس تھوڑی ہی دور ہے اگر اسی حساب کو دیکھا جائے تو بیت المقدس آنے جانے میں صرف دو تین گھنٹے خرچ ہو سکتے ہیں اور رات کے باقی گھنٹے آسمانوں پر پہنچنے اور وہاں شہادت فرمانے اور وہاں سے واپس آنے کے لیے تسلیم کر لیے جائیں تو اس میں کوئی بعد نہیں ہے، اب تو ایک رات میں لمبی مسافت قطع کرنے کا اشکال ختم ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ختم نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ چاہے تو تیز رفتار سواریاں ہیں انہیں مزید درمیز رفتاری عطا فرمادے، اور نئی سواریاں پیدا فرمادے جو موجودہ سواریوں سے تیز تر ہوں، سورۃ نحل میں جو سواریوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد فرمایا ہے: (وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ) اس میں موجودہ سواریوں اور ان سب سواریوں کی طرف اشارہ ہے جو قیامت تک وجود میں آئیں گی اب تو ایسے طیارے تیار ہو چکے ہیں جو آواز کی رفتار سے بھی زیادہ جلدی پہنچنے والے ہیں اور ابھی مزید تیز رفتار سواریاں بنانے کی کوششیں جاری ہیں، یہی لوگ جو سفر معراج کے منکر ہیں یا اس کے وقوع میں متروک ہیں خود ہی بتائیں کہ ذات دن کے آگے پیچھے آنے میں (ان کے خیال میں) زمین جو اپنے محور پر گھومتی ہے چوبیس گھنٹے میں کتنی مسافت طے کر لیتی ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ آفتاب جو زمین کے کرہ سے کروڑوں میل دور ہے کرن ظاہر ہوتے ہی کتنے سیکنڈ میں اس کی روشنی زمین پر پہنچ جاتی ہے؟ اور یہ بھی بتائیں کہ جب چاند پر گئے تھے تو کتنی مسافت کتنے وقت میں طے کی تھی؟ یہ سب کچھ نظروں کے سامنے ہے پھر واقعہ معراج میں تردد کیوں ہے؟

صاحب معراج جس براق پر تشریف لے گئے تھے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ حد نظر پر اپنا اگلا قدم رکھتا تھا لیکن یہ بات ابہام میں ہے کہ اس کی نظر کہاں تک پہنچتی تھی۔ اگر سو میل پر نظر پڑتی ہو تو مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک صرف دس بارہ منٹ کی مسافت بنتی ہے اس طرح بیت المقدس تک آنے جانے میں کل بیس منٹ کے لگ بھگ خرچ ہونے کا حساب بنتا ہے اور باقی پوری رات عالم بالا کی سیر کے لیے بچ گئی۔

موسىٰ کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات سنے اور تصدیق کرے۔ والمرتابون ہم
 لعلکون۔

وَأَتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ

(ربط) اوپر کی آیت میں آنحضرت ﷺ کی کرامت اسراء اور شرف معراج کا ذکر تھا اب اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے ایک شرف اور عزت اور کرامت کا ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر بلا کر ان سے کلام کیا اور نبی اسرائیل کی ہدایت کے لیے ان کی توریت دی جس میں یہ تاکید کی حکم تھا کہ اے فرزند ان قوم نوح جن کو ہم نے کشتی میں سوار کیا تھا کہ تم خدا کے سوا کسی کو اپنے کارسار اور حاجت روانہ بنا نا مگر بنی اسرائیل نو سالہ پرستی اور شرک میں پڑ کر ہلاک ہوئے۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانا اور کلام خداوندی سے مشرف ہونا یہ موسیٰ علیہ السلام کی معراج تھی معراج محمدی کے ساتھ معراج موسیٰ کا ذکر نہایت لطیف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ ﷺ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام اولوا العزم صاحب کتاب اور صاحب معجزات خدا تعالیٰ کے عظیم رسول تھے اسی طرح آپ ﷺ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہادی اور رسول برحق ہیں اور توریت کی طرح حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہدایت عالم کے لیے قرآن مجید عظیم کتاب عطا کی جو توحید اور مبداء اور معاد اور مکارم اخلاق کی تعلیم میں بے مثال ہے اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے من وراء الحجاب اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اسی طرح آپ ﷺ نے بھی بیابان المعراج میں بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور دیدار خداوندی سے بھی مشرف ہوئے اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکرین کا انجام خراب ہو اسی طرح آپ ﷺ کی نبوت اور معجزہ معراج کے منکرین کا انجام خراب ہوا۔

اور چونکہ شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ کی امت دن رات میں چپاس نمازوں کا تحمل نہ کر سکے گی اس لیے آپ ﷺ پروردگار کی طرف لوٹ جائے اور تخفیف کا سوال کیجئے اس لیے حق تعالیٰ نے اسراء اور معراج کے ذکر کے بعد خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصراء سے آپ ﷺ بار بار بارگاہ خداوندی میں گئے اور تخفیف کی درخواست کی اور منظور ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا کی اور ہم نے اس کتاب کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت بنایا اور ان کو حکم دیا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ کہ اپنے اموز کو اس کے حوالہ اور سپرد کرو ورنہ اللہ کے سپرد کرو کیونکہ غیر اللہ کو اپنا وکیل بنا نا ایک قسم کا کفر اور کفرانِ نعمت ہے اور تم لوگ ان لوگوں کی ذریت ہو جو نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور سب خدا کے شکر گزار بندے تھے۔ لہذا تم کو چاہئے کہ شکر گزاری اور کفر سے بیزاری میں اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلو چنانچہ فرماتے ہیں۔

اے نسل ان لوگوں کی جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا ان کی اتباع کی برکت سے ہم نے تم کو نجات دی اور ان کے ساتھ تم کو کشتی میں سوار کیا۔ پس تم اپنے باپ کے مشابہ ہو اور ان کے طریقہ پر چلو بے شک نوح علیہ السلام خدا کے بڑے شکر گزار بندے تھے جب کھانا کھاتے یا پانی پیتے یا کپڑا پہنتے تو الحمد للہ کہتے اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کا نام "عبد الشکور" رکھا عبودیت اور بندگی کا اصل دار و مدار شکر گزاری پر ہے۔ شکر گزاری سے ہدایت اور توفیق ملتی ہے اور ناشکر اور ناقدر محروم رہتا ہے۔

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ

(بط) گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے انعام کا ذکر فرمایا کہ ان کی ہدایت کیلئے تورات مازل کی مگر وہ بجائے رشد و ہدایت کے فتنہ و فساد میں جا گرے جس کا نتیجہ اور انجام یہ ہوا کہ دنیا ہی میں طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوئے۔ اب ان آیات میں احکام خداوندی کی مخالفت کرنے والوں کے برے انجام کو بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ عبرت پکریں کہ جو شخص اللہ سے باغی ہو جاتا ہے اللہ دنیا ہی میں اس کے دشمن کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ ان آیات میں اہل ایمان دو واقعوں کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل نے دو مرتبہ سرکشی کی اور دونوں مرتبہ سخت قتل اور غارت اور ذلت اور مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے کتاب توریت یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں فیصلہ کر دیا اور بنی اسرائیل کو اس سے آگاہ کر دیا کہ تم سرزمین شام میں دو مرتبہ ضرور فتنہ اور فساد برپا کرو گے کہ حد و شریعت سے باہر نکل جاؤ گے اور اعلانِ احکام توریت کی خلاف ورزی کرو گے اور بڑا اودھم مچاؤ گے اور لوگوں پر ظلم و ستم ڈھاؤ گے خوب سمجھ لو کہ دونوں مرتبہ تم سخت سزا میں مبتلا ہو جاؤ گے لَتَفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ میں حقوق اللہ کے ضائع کرنے کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے توریت میں یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں یہ پیشینگوئی کر دی تھی کہ بنی اسرائیل ملک میں دو مرتبہ فتنہ اور فساد برپا کریں گے اور ظلم و ستم کا شیوہ اختیار کریں گے تو پھر ہر مرتبہ ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے دردناک سزا کا مزہ چکھنا پڑے گا جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ پھر جب ان دو وعدوں میں سے پہلے وعدہ کا وقت آئے گا تو ہم تمہاری سزا و سز کو بی کے لیے اپنے بندے کھڑے کریں گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے سو وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑیں گے اور ڈھونڈ کر تم کو قتل کریں گے اور گھر گھر تلاش کر کے تم کو گرفتار کریں گے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد نصر بائبل اور اس کا لشکر ہے جنہوں نے بنی اسرائیل کو تہس نہس کر دیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے جاہل مراد ہے جو بعد میں داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔

نصرت: عبادنا (ہمارے بندے) یہ اضافت تشریف و تکریم کے لیے نہیں اور یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ ہمارے خاص بندے ہوں گے بلکہ یہ اضافت تخلیف و تکوین ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کے خاص ظالم بندے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اسی لیے پیدا کیا ہے یعنی مفرورین اور منکبرین پر مسلط کرنے کے لیے پیدا کیا اور ان ظالم بندوں سے بخت نصر اور اس کا لشکر مراد ہے اور یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا سو وہ پورا ہوا پھر جب تم تمام اور تائب ہو کر اپنی شرارتوں سے باز جاؤ گے تو پھر تم کو ہم ان پر غلبہ دے دیں گے تم غالب ہو کے وہ مغلوب ہوں گے اور قسم قسم کے مالوں سے اور بیٹوں سے تمہاری مدد کریں گے اور تمہیں بڑا جتنے والا کر دیں گے اور تمہاری ذلت مبدل بہ عزت ہو جائے گی اور تمہاری قلت مبدل بہ کثرت ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ فتح و نصرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ خلافت میں پورا ہوا یا کسی اور بادشاہ کے زمانے میں پورا ہوا اللہ اعلم۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دوبارہ سلطنت اور شوکت عطا کی جب تک اللہ کی اطاعت اور شریعت کے متابعت قائم رہے سلطنت اور اقتدار قائم رہا۔ اہل دوست کو چاہئے کہ مال و دولت اور شان و شوکت پر مفرور نہ ہوں یہ دنیا آئی اور فانی ہے اس کی ظاہری میپ ناپ کو دیکھ کر خدا کے قہر اور انتقام کو نہ بھولنے نہ معلوم خدا تعالیٰ کس وقت پکڑ لے اور بنی اسرائیل کی طرح ذلیل و خوار نہ کرے آج کل بیت المقدس اور بلاد عربیہ اور ہندوستان میں جو مسلمان کفار کے ہاتھ سے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر کھلم کھلا احکام شریعت کی خلاف ورزی پر اتر آئے ہیں اللہم احفظنا من ذلک آمین۔

اور کتاب میں بطور نصیحت یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تم پہلے واقعہ سے سبق لے کر آئندہ نیکی کرو گے تو اپنے ہی نفع کیلئے نیکی کرو گے اور نہ کوئی ضرر جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آگے اس کا بیان ہے کہ جو خدا سے باغی اور حاغی ہوئے اللہ نے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا اور پھر اس ظالم نے ان کو خوب ذلیل و خوار کیا۔ جزاء وفاقا و ما ربک بظلام للعبید۔ پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آئے گا یعنی جب تم دوبارہ نکتہ برپا کر دو گے اور شریعت عیسویہ کا خلاف کرو گے اور پہلی مرتبہ کی سزا بھلا کر سرکشی کرو گے اور اس طرح دوسری بار سزا کی میعاد آ جائے گی تو حسب سابق پھر دوبارہ ہم تم پر اپنے ظالم بندوں کو مسلط کریں گے۔ تاکہ وہ تم کو مار مار کر تمہارے منہ بگاڑیں اور تاکہ دوبارہ مسجد بیت المقدس میں گھس آئیں۔ جیسا پہلی دفعہ گھس آئے تھے اور تاکہ جس چیز پر ان کا قابو چلے اس کو تمہیں نہیں اور نیست و نابود کر دیا یعنی تمہیں نہیں کرنے میں کسر نہ چھوڑیں۔ پہلی بار بنی اسرائیل نے شریعت موسویہ کی نئی لفت کی اللہ کریم نے ان پر سخت نصر کو مسلط کر دیا جس نے مسجد اقصیٰ کو خراب کیا اور تورات کو جلا یا اور ہزاروں بنی اسرائیل کو قتل کیا اور ہزاروں کولونڈی اور غلام بنایا یہ پہلی سختی اور سزا تھی یہ اللہ کا پہلا وعدہ تھا جو پورا ہوا دوسری بار بنی اسرائیل نے شریعت کہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی سزا دی کہ طیطوس رومی کو کھڑا کیا جس نے بنی اسرائیل کو تباہ اور برباد کیا اور مسجد اقصیٰ کو خراب اور دیر ان کیا۔ یہ دوسری بار سزا اور دوسری سختی تھی جو حسب وعدہ ان کو پہنچی۔ یہ اللہ کا دوسرا وعدہ تھا جو پورا ہوا اور حق تعالیٰ نے اس کتاب میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ ان دو عقوبتوں اور ان دو سختیوں کے بعد بار دیگر تم پر رحم کرنا چاہتا ہے وہ یہ کہ اس دوسری عقوبت نہ کرنا بلکہ شریعت محمدیہ کا اتباع کرنا امید ہے کہ عنقریب تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے۔ یعنی اس کتاب میں یہ بھی بتلادیا تھا کہ اگر اس دوسری سختی اور دوسری مصیبت کے بعد بزمانہ اسلام اپنی شرارتوں سے توبہ کر لو تو امید ہے کہ اللہ تم پر رحم فرمادے اور پھر تمہیں عزت اور نعمت دے اور ذلت اور مصیبت سے تم کو محفوظ رکھے عسیٰ کے معنی امید کے ہیں اور امید سے وعدہ مراد ہے اور اگر تم پھر تیسری بار شرارت کی طرف لوٹے تو ہم پھر تیسری بار سختی اور سزا کی طرف لوٹیں گے مطلب یہ ہے کہ گزشتہ دو عقوبتوں کے بعد اگر تیسری بار پھر تم نے سراٹھایا تو ہم پھر تیسری بار وہی کام کریں گے جو ہم اس سے پہلے دو مرتبہ کر چکے ہیں۔

چنانچہ بنی اسرائیل نے تیسری بار حضور پر نور ﷺ کے وقت میں پھر شرارتیں کیں آپ ﷺ کی تکذیب کی اور آپ ﷺ کے خلاف سازشیں کیں اور حسن سابق کفر اور غرور کی طرف عوف کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نعمت سورج صفت توریت اور انجیل میں مذکور تھی اس کو چھپایا اور آپ ﷺ کے قتل کے درپے ہوئے اللہ تعالیٰ نے پھر تیسری بار ان کی عقوبت کی طرف عود فرمایا جس کی سزا میں وہ قتل اور جلا وطنی کے عقوبت میں مبتلا ہوئے بنو قریظہ کو حضور پر نور ﷺ نے قتل کیا اور بنو نضیر کو جلا وطن کیا اور باقیوں پر جزیہ لگایا اس طرح اللہ کا یہ تیسرا وعدہ بھی پورا ہوا یہ سزا تو ان کو دنیا میں ملی اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے دائمی جیل خانہ بنایا ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نکلنے پر قادر نہ ہوں گے۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں دو واقعات کی طرف اشارہ فرمایا جن کا تعین بہت مشکل ہے کتب تورات میں بنی اسرائیل کی تباہی اور بربادی کے بہت سے واقعات مذکور ہیں اس لیے تعین مشکل ہے ہم نے اپنی اس تفسیر میں امام رازی قدس اللہ سرہ کی پیروی کی اور جو قول ان کے نزدیک مختار تھا اسی کو اختیار کیا کہ پہلے وعدہ میں عباد النانوالی باس شدیدت بخت

نصر اور اس کا لشکر مراوے اور اسی کو شیخ الاسلام ابو سعور رحمۃ اللہ علیہ نے اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے، بہر حال مقصود یہ ہے کہ مال و دولت اور حکومت و سلطنت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن لوگ جب اللہ کی نعمت کو اس کی معصیت کا ذریعہ بنالیں اور کھلم کھلا اس کی نافرمانی اور سرکشی اور ستم رانی پر اتر آئیں تو اللہ تعالیٰ کبھی انتقام بھی لے لیتے ہیں اور ظلم و ستم کی پاداش میں ظالموں پر ظالموں ہی کو مسلح کر دیتے ہیں ظلم کی سزا ظلم ہے ظالم کو ظالم کے ہاتھ سے پڑواتے ہیں کذا لک نو لسی بعض الظلمین بعضا بہا کانوا یکسبون۔

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلْبَقِي ...

ذکر فضیلت قرآن کریم:

(بط) گزشتہ آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہدایت کا ذکر تھا اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر دینی اور دنیوی مصیبتیں آئیں اب اس آیت میں قرآن مجید کا ذکر فرماتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے لوگوں کو چاہئے کہ اس کی مخالفت سے ڈریں کہ بنی اسرائیل کی طرح ان پر مصیبتیں نازل نہ ہوں اور قرآن مجید تو ریت سے بڑھ کر کتاب ہدایت ہے اس لیے کہ توریت کی ہدایت، ہدایت خاصہ تھی بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی اور قرآن کی ہدایت، ہدایت عامہ ہے تمام عالم کے لیے قیامت تک کے لیے ہدایت ہے۔ لہذا اس کی مخالفت سے ڈرنا چاہئے اور قرآن کریم میں جا بجا توریت اور قرآن کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر توریت عطا ہوئی اور آنحضرت ﷺ کو کوہ فاران پر غار حرا میں قرآن عطا ہوا توریت بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی اور قرآن کریم اول بنی اسرائیل اور تمام عالم کی ہدایت کے لیے نازل ہوا اور اس آیت میں اشارہ اس طرف فرمایا کہ یہ قرآن توریت سے کہیں بلند اور برتر ہے اس لیے کہ اس آیت میں قرآن کے دو وصف ذکر فرمائے۔

اول یہ کہ لوگوں کو ایسے راہ راست کی ہدایت کرتا ہے کہ جو تمام راستوں میں سب سے زیادہ سیدھا ہے اور خدا تک پہنچانے کا سب سے زیادہ قریب راستہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اہل ہدایت کو بشارت دیتا ہے اور اہل ضلالت کو ڈراتا ہے۔ لہذا لوگوں کو چاہئے کہ اس پر عمل کریں اور بنی اسرائیل سے عبرت پکڑیں کہ جو لوگ اس کتاب ہدایت پر عمل نہ کریں گے وہ بنی اسرائیل کی طرح ذلیل و خوار ہوں گے۔ تحقیق یہ قرآن اس طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ ٹھیک اور درست ہے مراد ہے اور تمام دینی اور دنیاوی امور میں تمہاری راہنمائی کرتا ہے انسان کی سعادت اور خوشی کی کوئی بات ایسی نہیں چھوڑنی کہ جو قرآن نے نہ بتلا دی ہو اب اس سے بڑھ کر اور کون سا طریقہ درست ہوگا اور خوش خبری سناتا ہے مومنوں کو جو اس پر ایمان لائے اور دل سے اس کو ماننے ہیں اور اسی راہ پر چلتے ہیں یعنی اعمال صالحہ کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں بڑا اجر ہے۔

اور بشارت دیتا ہے بد بختوں کو یعنی ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ہم نے ان کے لیے دوزخ کا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے یہ اہل ایمان کے لیے دوسری خوشخبری ہے کہ ان کے دشمنوں کو عذاب ہوگا اس لیے کہ دشمنوں کی مصیبت سے مسرت ہوتی ہے۔

عَجَلًا ۝ بِالذُّعَاءِ عَلَى نَفْسِهِ وَعَدَمِ النَّظْرِ فِي عَاقِبَتِهِ وَجَعَلْنَا الْيَلَدَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ دَالَّتَيْنِ عَلَى قُدْرَتِنَا
فَحَوَّنَا آيَةَ الْيَلَدِ طَمَسْنَا نُورَهَا بِالظُّلَامِ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالْإِصَابَةَ لِلْبَيِّنِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً أَيْ
مُبْصِرًا فِيهَا بِالضُّوْرِ لِيَتَبَيَّنُوا فِيهِ فَضْلًا مِمَّنْ رَزَقْتُمْ بِالْكَسْبِ وَلِيَتَعَلَّمُوا بِهِمَا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ
لِلْأَوْقَاتِ وَكُلَّ شَيْءٍ يَخْتَارُ إِلَيْهِ فَضَّلْنَاهُ تَفْضِيلًا ۝ أَيْ بَيَّنَّا تَبْيِينًا وَكَلَّ إِسَانُ الزَّمَنُ ظَهْرُهُ عَمَلَهُ يَحْمِلُهُ
فِي عُنُقِهِ خُصَّ بِالذِّكْرِ لِأَنَّ الزُّرُومَ فِيهِ أَشَدُّ وَقَالَ مُجَاهِدٌ مَا مِنْ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ إِلَّا وَفِي عُنُقِهِ وَرَقَّةٌ مَكْتُوبَةٌ
بِهَا شَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ وَتُخْرَجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا مَكْتُوبًا فِيهِ عَمَلُهُ يَلْقَاهُ مَشُورًا ۝ صِفَتَانِ لِكِتَابٍ يُقَالُ لَهُ
قُرْأَ كِتَابُكَ كَلْفٌ يَنْفَسُكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۝ مُحَاسِبًا مِمَّنْ اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَهْتَدَى لِنَفْسِهِ ۝ لِأَنَّ ثَوَابَ
اِهْتِدَائِهِ لَهُ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۝ لِأَنَّ أُمَّةً عَلَيْهَا وَلَا تَزُورُ نَفْسٌ وَإِذْكَ آيَةُ لَاتَحْمِلُ وَزُرَّ
نَفْسٌ أُخْرَى وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ أَحَدًا حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا ۝ يُبَيِّنُ لَهُ مَا يَجِبُ عَلَيْهِ وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً
أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَشَعِبْنَاهَا بِمَعْنَى رُؤُسَائِهَا بِالطَّاعَةِ عَلَى لِسَانِ رُسُلِنَا فَفَسَقُوا فِيهَا خَرَجُوا عَنْ أَمْرِنَا فَحَقَّ
عَلَيْهَا الْقَوْلُ بِالْعَذَابِ فَدَمَرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝ أَهْلَكْنَاهَا بِأَهْلَاكِ أَهْلِهَا وَتَحْرِيبِهَا وَكَمْ أَيْ كَثِيرًا أَهْلَكْنَا مِنَ
الْقُرُونِ الْأُمَمِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ وَكَلْفٌ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَيْرٌ بِبَصِيرَةٍ ۝ عَالِمَاتٍ بِزَاطِنِهَا وَظَوَاهِرَهَا وَبِهِ يَتَعَلَّقُ
بِذُنُوبٍ مَنْ كَانَ يُرِيدُ بِعَمَلِهِ الْعَاجِلَةَ أَيْ الدُّنْيَا عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ مِنْ ثَوَابٍ تُعْجِلُ لَهُ بَدَلٍ مِنْ لَهُ
بِتَاعَادَةِ الْجَارِ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ جَهَنَّمَ يَصْلُهَا بِدُخَانِهَا مَدْمُومًا مَلُومًا قَدْحُورًا ۝ مَطْرُودًا عَنِ
الرَّحْمَةِ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا عَمِلْ عَمَلَهَا الْأَلْبِقْ بِهَا وَهُوَ مَوْمِنٌ خَالٍ فَأُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ
مَشْكُورًا ۝ عِنْدَ اللَّهِ أَيْ مَقْبُولًا مَنَابًا عَلَيْهِ كَلًّا مِنَ الْقَرِيبَيْنِ نَيْدٌ نَعَصِي هَوْلَاءِ وَهَوْلَاءِ بَدَلٌ مِنْ مَتَعَلَّقٍ
بِنَيْدِ عَطَاءِ رَبِّكَ فِي الدُّنْيَا وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ فِيهَا مَحْطُورًا ۝ مَمْنُونًا عَنِ أَحَدٍ أَنْظِرْ كَيْفَ فَطَسْنَا بَعْضَهُمْ
عَلْ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ وَالْجَاهِ وَالْآخِرَةِ الْكَبْرَ أَكْظَمَ دَرَجَتٍ وَ الْكَبْرُ تَفْضِيلًا ۝ مِنَ الدُّنْيَا فَيُنْبَغِي الْإِعْتِنَاءُ بِهَا
دُرْنَهَا لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَدْمُومًا مَقْدُودًا ۝ لَا نَاصِرَ لَكَ

۲

ترجمہ: اور انسان برائی کی ایسی دعا کرتا ہے (اپنے اہل و عیال کے حق میں جب بے ترار ہوتا ہے) جس طرح بھلائی کی
دعا اور انسان (جس مراد ہے) کچھ جلد باز ہوتا ہے (اپنے حق میں بددعا کرنے اور اپنے انجام پر غور نہ کرنے میں) اور ہم

نے رات اور دن کو دو نشانیں بنایا (ہماری قدرت پر درالت کرنے والی) سورات کی نشانی کو ہم نے دھندلا بنا دیا (رات کی روشنی کو ہم نے تاریکی کے ذریعہ ماند کر دیا تاکہ تم اس میں آرام کر سکو، ضافت بیانہ ہے) اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا (روشنی کی وجہ سے دن میں نظر آتا ہے) تاکہ (اس میں) اپنے رب کی روزی تلاش کرو (کمانی کے ذریعہ) اور تاکہ (ان دونوں کے ذریعہ) تم برسوں کا شمار اور حساب معلوم کر لو (اوقات کو پہچان لو) اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے (جس چیز کی انسان کو ضرورت پیش آئے اس کی اچھی طرح سے وضاحت کر دی) اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار بنا رکھا ہے (طاہر قسمت، یعنی نسل، گلے کی تختی، زیادتی لزوم کی بناء پر ہے حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے گلے میں بد بخت یا نیک بخت ایک کاغذ لکھا ہوا ہوتا ہے) پھر قیامت کے دن اس کا اعمال نامہ نکال کر سامنے رکھ دیں گے (جس میں اس کا عمل درج ہوگا) جس کو وہ دکھلا ہوا دیکھ لے گا (یہ دونوں کتبنا کی صفت ہیں اور) اس سے کہہ جائے گا) اپنا عمل نامہ پڑھ لے آج تو خود ہی اپنا حساب جانچنے کے لیے کافی ہے (حسب یہاں اسم فاعل محاسب کے معنی میں ہے) جو کوئی راہ پر آ یا تو اپنے ہی بھلے کو (کیونکہ راہ راست پر آنے کا اجر اس کو ہی ملے گا) اور جو شخص بے راہی اختیار کرتا ہے وہ بھی اپنے ہی نقصان کے لیے بے راہ ہوتا ہے (کیونکہ اس کا گناہ اسی کے سر ہوگا) اور نہیں اٹھائے گا (کوئی شخص) بوجھ (گناہ) کسی دوسرے (شخص) کا اور ہم کبھی سزا نہیں دیتے (کسی کو) یہاں تک کہ کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے (جو اس کے سامنے اس کے فریضہ کی وضاحت کر دے) اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش پیش لوگوں (ناز و نفث میں ملنے والوں، یعنی سرداروں) کو حکم دیتے ہیں (اپنے پیغمبروں کی زبانی اطاعت کرنے کا) پھر وہ لوگ وہاں شرارت چماتے ہیں (ہمارا کہنا نہیں مانتے) ان پر جنت تمام ہو جاتی ہے چنانچہ ہم اس بستی کو تباہ و غارت کر ڈالتے ہیں (بستی والے جب برباد ہو جاتے ہیں تو بستی بھی اجڑ جاتی ہے) اور نوح کے بعد قوموں کے کتنے ہی دور گذر چکے ہیں۔ جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا اور اپنے بندوں کے گناہوں کے لیے آپ کے پروردگار کا باخبر اور واقف ہونا کافی ہے (یعنی ڈھکے چھپے اور کھلے سب گناہوں کو وہ جانتا ہے اور بذنوب کا تعلق خیر الخ کے ساتھ ہے) جو (اپنے نسل سے) فوری فائدہ (دنیاوی) چاہتا ہے تو جس کسی کو جتنا ہم دینا چاہیں اسی دنیا میں دے ڈالتے ہیں (لم نزید بدل ہے لہ سے حرف جار کے امادہ کے ساتھ) پھر بالآخر ہم اس کے لیے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بد حال (پینکار برستا ہوا) راندہ (رندت سے دور) ہو کر داخل ہوگا! لیکن جو کوئی آخرت کا طالب اور اس کے لیے (جس درجہ کی کوشش کرنی چاہئے) ایسی کوشش کرے گا بشرطیکہ وہ ایمان بھی رکھتا ہو (حال واقع ہے) تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کوشش مقبول ہوگی (عند اللہ مقبولیت اور اجر سے نوازے جائیں گے) ہم (دونوں جماعتوں میں سے) ہر فریق کو (دنیا میں) اپنے پروردگار کی بخششوں ہی سے مدد دیتے ہیں (عن کا تعلق نمد سے ہے) ان کو بھی اور ان کو بھی اور آپ کے پروردگار کی بخشش کسی پر بند نہیں ہے آپ دیکھ لیجئے کہ ہم نے ایک دوسرے پر کس طرح فوقیت دی ہے (رزق اور مرتبہ میں) اور البتہ آخرت درجات کے اعتبار سے بہت بڑی ہے (عظیم الشان ہے) اور فضیلت کے اعتبار سے بھی (دنیا سے لہذا آخرت پر ہی توجہ ہونی چاہئے نہ کہ اس کے علاوہ پر) اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود مت تجویز کرو ورنہ توجہ حال ہے یا رد و دگار ہو کر بیخار ہے گا (تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا)۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: كَذَّابًا لَهُ: بددعا کو دعا کی طرح مانگنے میں تشبیہِ بلیغ ہے۔
- قوله: الْجِنُّسُ: یعنی الْإِنْسَانُ پر الف لام جنس کا ہے نہ کہ استغراق کا۔
- قوله: إِضَافَةٌ لِلْبَيَانِ: اس سے اشارہ کر رہے ہیں کہ آیت کی اضافت لیل کی طرف اس طرح ہے جیسے عدد کی معدود کی طرف۔
- قوله: مُبَضَّرٌ أَفِيهَا: اس سے اشارہ کیا کہ ذکر تو یہاں اسم فاعل کا کیا مگر مجازاً اس سے ظرف مراد لیا۔
- قوله: فِيهِ: اس کو اس لیے مقدمانا تا کہ دن کی روشنی کے فائدے کی وضاحت کی جاسکے۔
- قوله: عَمَلَهُ: اس سے اشارہ کیا کہ انسان کا عمل ہمارے طرح اس کے گلے میں لٹکنے والا ہے کبھی اس سے جدا نہیں ہوگا۔
- قوله: خُضَّ بِالذِّكْرِ: گردن کا خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا کہ یہ لزوم میں دوسروں سے بڑھ کر ہے۔
- قوله: يُقَالُ لَهُ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ کلام اس کے بغیر منظم نہیں ہو سکتا۔
- قوله: بِنَفْسِكَ: ب مؤکدہ زائدہ ہے اور نصیباً یہ نفسک کی تیز ہے۔
- قوله: لَا تَحْمِلُ: لاتذی کی تفسیر ہے۔
- قوله: خَيْرًا بَيِّنًا: خیر کو اس لیے مقدم کیا کیونکہ اس کا متعلق مقدم ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ خبر عموماً دیکھنے سے پہلے ہوتی ہے۔
- قوله: بِعَمَلِهِ: اس کے ساتھ اس لیے مقید کیا کہ جو آدمی دنیا کا ارادہ کرتا ہے اپنے عمل کے ذریعے نہ کہ عبادت کے ذریعے تو دوسرے مذکور کا حقدار نہیں ہے۔
- قوله: مَا نَشَاءُ: مَجْلٌ اور مَجْلٌ، کوشیت کے ساتھ مقید کیا کیونکہ ہر تمنا والا اور ہر خواہش والا اپنی ہر تمنا اور خواہش کو نہیں پا سکتا جب تک کہ اللہ کا ارادہ اس سے متعلق نہ ہو۔
- قوله: الْآلِيقِ بِهَا: یہاں سعی کی اضافت آخرت کی طرف ادنی ملاہست کی وجہ سے ہے۔
- قوله: خَالَ: اس سے اشارہ کیا کہ وہ مؤمن میں داخل ہے نہ کہ عاقل۔
- قوله: مِنَ الْفَرِيقَيْنِ: یعنی توین جو ہے یہ مضاف الیہ کے بدلے میں آئی ہے۔
- قوله: بَدَلٌ مِنْ مُتَعَلِّقٍ: اور وہ کلام کا لفظ ہے۔
- قوله: مَخْذُولًا: یہ خذلان سے ہے وہ شخص جس کا کوئی مددگار نہ ہو۔

تفسیر مقبولین

وَيَنْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّيْءِ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ
 یعنی قرآن تو لوگوں کو سب سے بڑی بھلائی کی طرف بلاتا، اجر کبیر کی بشارتیں سنا تا اور بدی کے مہلک نتائج سے آگاہ کرتا ہے۔ لیکن حضرت انسان کا حال یہ ہے کہ وہ سب کچھ سننے کے بعد بھی اپنے لیے برائی کو اسی اشتیاق و الخاح سے طلب کرتا ہے جس طرح کوئی بھلائی مانگتا ہو، یا جیسے بھلائی طلب کرنی چاہیے۔ وہ انجام کی طرف سے آنکھیں بند کر کے بڑی تیزی کے ساتھ گناہوں اور برائیوں کی طرف لپکتا ہے بلکہ بعض بد بخت تو صاف لفظوں میں زبان سے کہہ اٹھتے ہیں۔ (اللَّهُمَّ إِنَّا كَانَتْ هَذِهِ هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمِّطْ عَلَيْنَا حِجَارَةَ قَوْمِ السَّمَاءِ أَوْ ائْتِنَا بِعَذَابِ الْيُسْرِ) (الاندال: ۳۲) (خداوند! اگر پیغمبر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجئے یا اور کوئی سخت عذاب نازل کیجئے) بعض بیوقوف ظہر سے جھنجھلا کر اپنے حق میں یا اپنی اولاد وغیرہ کے حق میں بے سوچے سمجھے بددعا کر بیٹھتے ہیں۔ بعض دنیا کے نفع عاجل کو مسجود بنا کر ہر ایک حلال و حرام طریقہ سے اس کی طرف دوڑتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اس لہلہاتے پودے کے نیچے سب پھوٹی جیسے ہوئے ہیں۔ جو انجام کار ہلاکت کے گڑھے میں پہنچا کر رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنی جلد بازی سے کسی چیز کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکھ لیتا ہے، بدی کے دور رس نتائج پر غور نہیں کرتا۔ بس جو بات کسی وقت سناخ ہوئی فوراً کہہ ڈالی یا ایک دم کر گزرا۔ جدھر قدم اٹھ گیا بے سوچے سمجھے ادھر ہی بڑھتا چلا گیا۔ اگر جلد بازی چھوڑ کر متانت، تدبیر اور انجام بینی سے کام لے تو کبھی ایسی غلطیاں نہ کرے۔

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ

رات کا اندھیرا، دن کا اجالا، دونوں میں سے کبھی اس کا کبھی اس کا چھوٹا بڑا ہونا، پھر رات میں چاند کی آہستہ آہستہ گھٹنے بڑھنے والی ٹھنڈی اور دھیمی چاندنی، دن میں آفتاب حالت تاب کی تیز اور گرم روشنی، یہ سب خداوند قدوس کی قدرت کا نامہ کے نمونے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کا مستقل نظام علیحدہ ہے جس کے ساتھ سینکڑوں فوائد اور مصالح وابستہ ہیں اور سب کا مجموعی نظام الگ ہے جو شروع سے اب تک نہایت مضبوط و محکم قوانین کے ماتحت چل رہا ہے۔

وَكَانَ إِنْسَانٌ أَلْزَمْنَهُ ظَهْرَهُ فِي عُنُقِهِ

نامہ اعمال گلے کا ہار ہونے کا مطلب:

یہ ہے کہ انسان کسی جگہ کسی حال میں رہے اس کا صحیفہ عمل اس کے ساتھ رہتا ہے اس کا عمل لکھا جاتا رہتا ہے جب وہ مرنا بے تو بند کر کے رکھ دیا جاتا ہے پھر قیامت کے روز یہ صحیفہ عمل ہر ایک کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا کہ خود پڑھ کر خود ہی اپنے دل میں فیصلہ کر لے کہ وہ مستحق ثواب ہے یا مستحق عذاب حضرت تبارہ سے منقول ہے کہ اس روز بے پڑھا آدمی بھی نامہ اعمال پڑھ لے گا اس موقع پر اصہبانی نے بروایت حضرت ابوامامہؓ یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز بعض لوگوں کا نامہ اعمال جب ان کے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ دیکھے گا کہ اس کے بعض اعمال صالحہ اس میں لکھے ہوئے

نہیں ہیں تو عرض کرے گا کہ ہم نے ان اعمال کو اس لیے ملایا کہ تم لوگوں کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ (منہدی)

مِنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدَىٰ لِنَفْسِهِ ۗ.....

آجھے یا برے اعمال انسان کے اپنے لیے ہیں:

جس نے راہِ راست اختیار کی حق کی اتباع کی نبوت کی الٰہی اس کے اپنے حق میں اچھائی ہے اور جوق سے بنا سچے راہ سے پھر اس کا وبال اسی پر ہے کوئی کسی کے گناہ میں پکڑا نہ جائے گا برائے ایک کا عمل اسی کے ساتھ ہے۔ کوئی نہ دیکھا دودھ سے کا بوجھ بٹائے اور جگہ قرآن میں ہے: (وَلْيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَنْفَعَالَهُمْ وَالْفَعَالُ مَعَ أَثْقَالِهِمْ وَلَوْ سَأَلْتَنَّهُمْ لَيُسْئِلُنَّكَ عَمَّا كَانُوا يَفْعَلُونَ) (صافات: ۱۳) اور آیت میں ہے: (وَمِنْ أَوْذَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغُلُوِّ عَلَيْهِمُ إِلَّا سَاءَ مَا يَزِيدُونَ) (نمل: ۱۷) یعنی اپنے بوجھ کے ساتھ یہ ان کے بوجھ بھی اٹھائیں گے جنہیں انہوں نے بہکا رکھا تھا۔ لہذا ان دونوں مضمونوں میں کوئی نئی کا پہلو نہ سمجھا جائے اس لیے کہ گمراہ کرنے والوں پر ان کے گمراہ کرنے کا بوجھ ہے نہ کہ ان کے بوجھ ہلکے کئے جائیں گے اور ان پر لادے جائیں گے ہمارا عادل اللہ ایسا نہیں کرتا۔ پھر اپنی ایک اور رحمت بیان فرماتا ہے کہ وہ رسول ﷺ کے پہنچنے سے پہلے کسی امت کو عذاب نہیں کرتا۔ چنانچہ سورۃ تہارک میں ہے کہ روزِ فیوں سے دارِ دُغے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والے نہیں آئے تھے؟ وہ جواب دیں گے پتھک آئے تھے لیکن ہم نے انہیں سچا نہ جانا انہیں جھٹلایا اور مساف بہ دیا کہ تم تو یونہی بہک رہے ہو، سرے سے یہ بات ہی ان ہونی ہے کہ اللہ کسی پر کچھ اتارے۔ اسی طرح جب یہ لوگ جہنم کی طرف کشاں کشاں پہنچائے جا رہے ہوں گے، اس وقت بھی دارِ دُغے ان سے پوچھیں گے کہ کیا تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تمہارے رب کی آیتیں تمہارے سامنے پڑھتے ہوں اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوں؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں یقیناً آئے لیکن کلمہ عذاب کافروں پر ٹھیک اترا۔ اور آیت میں ہے کہ کفار جہنم میں پڑے چیخ رہے ہوں گے کہ اے اللہ ہمیں اس سے نکال تو ہم اپنے قدیم کرتوت چھوڑ کر اب نیک اعمال کریں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ کیا میں نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی تم اگر نصیحت حاصل کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے اور میں نے تم میں اپنے رسول بھی بھیجے تھے جنہوں نے خوب آگاہ کر دیا تھا اب تو عذاب برداشت کر دظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ الغرض اور بھی بہت سی آیتوں سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر رسول بھیجے کسی کو جہنم میں نہیں بھیجتا۔ صحیح بخاری میں: (إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ) (الاعراف: ۵۶) کی تفسیر میں ایک لمبی حدیث مروی ہے جس میں جنتِ دوزخ کا کلام ہے۔ پھر ہے کہ جنت کے بارے میں اللہ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہ کرے گا اور وہ جہنم کے لیے ایک نئی مخلوق پیدا کرے گا جو اس میں ڈال دی جائے گی جہنم کہتی رہے گی کہ کیا ابھی اور زیادہ ہے؟ اس کے بابت علما کی ایک جماعت نے بہت کچھ کلام کیا ہے واصل یہ جنت کے بارے میں ہے اس لیے کہ وہ دارِ فضل ہے اور جہنم دارِ عدل ہے اس میں بغیر عذر توڑے بغیر حجت ظاہر کئے کوئی داخل نہ کیا جائے گا۔ اس لیے حفاظ حدیث کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ راوی کو اس میں اتنا یاد رہ گیا اور اس کی دلیل بخاری مسلم کی وہ روایت ہے جس میں اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ دوزخ پر نہ ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا اس وقت دو کہے گی بس بس اور اس وقت بھر جائے گی اور چاروں طرف سے سمٹ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ ہاں جنت کے لیے ایک نئی مخلوق پیدا

کرے گا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ کافروں کے جو نابالغ چھوٹے بچے بچپن میں مر جاتے ہیں اور جو دیوانے لوگ ہیں اور نیم بہرے اور جو ایسے زمانے میں گزرے ہیں جس وقت زمین پر کوئی رسول یا دین کی صحیح تعلیم نہیں ہوتی اور انہیں دعوت اسلام نہیں پہنچتی اور جو بالکل بڑھے حواس باختہ ہوں ان کے لیے کیا حکم ہے؟ اس بارے میں شروع سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ ان کے

بارے میں جو حدیثیں ہیں وہ میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں پھر ائمہ کا کلام بھی مختصراً ذکر کروں گا، اللہ تعالیٰ مدد کرے۔ پہلی حدیث مسند احمد میں ہے چار قسم کے لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے گفتگو کریں گے ایک تو بالکل بہرا آدمی جو کچھ بھی نہیں سنا، اور دوسرا بالکل احمق پاگل آدمی جو کچھ بھی نہیں جانتا، تیسرا بالکل بڑھا پھوس آدمی جس کے حواس درست نہیں، چوتھے وہ لوگ جو ایسے زمانوں میں گزرے ہیں جن میں کوئی پیغمبر یا اس کی تعلیم موجود نہ تھی۔ بہرا تو کہے گا اسلام آیا لیکن میرے کان میں کوئی آواز نہیں پہنچی، دیوانہ کہے گا کہ اسلام آیا لیکن میری حالت تو یہ تھی کہ بچے مجھ پر بیگنیاں پھینک رہے تھے اور بالکل بڑھے حواس آدمی کہیں گے کہ اسلام آیا لیکن میرے ہوش حواس ہی درست نہ تھے جو میں سمجھ کر سکھار سولوں کے زمانوں کا اور ان کی تعلیم کو موجود نہ پانے والوں کا قول ہوگا کہ نہ رسول آئے نہ میں نے حق پایا پھر میں کیسے نکل کر؟ اللہ تعالیٰ ان کی طرف پیغام بھیجے گا کہ چھا جاؤ جہنم میں کو جاؤ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر وہ فرماں برداری کر لیں اور جہنم میں کود پڑیں تو جہنم کی آگ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جائے گی۔ اور روایت میں ہے کہ جو کوکود پڑیں گے ان پر تو سلامتی اور ٹھنڈک ہو جائے گی اور جو رکھیں گے انہیں حکم عدولی کے باعث گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ابن جریر میں اس حدیث کے بیان کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کا یہ فرمان بھی ہے کہ اگر تم چاہو تو اس کی تصدیق میں کلام اللہ کی آیت: (وَمَا كُنَّا مُعْتَدِبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا) (الاسراء: ۱۵) پڑھ لو دوسری حدیث ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ ہم نے حضرت انسؓ سے سوال کیا کہ ابو حمزہ مشرکوں کے بچوں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ گنہگار نہیں جو دوزخ میں عذاب کئے جائیں اور نیکو کار بھی نہیں جو جنت میں بدلہ دئے جائیں۔ تیسری حدیث ابویعلیٰ میں ہے کہ ان چاروں کے عذر سن کر جناب باری فرمائے گا کہ اوروں کے پاس تو میں اپنے رسول بھیجتا تھا لیکن تم سے میں آپ کہتا ہوں کہ جاؤ اس جہنم میں چلے جاؤ جہنم میں ہے بھی فرمان باری سے ایک گردن اوچی ہوگی اس فرمان کو سنتے ہی وہ لوگ جو نیک طبع ہیں فوراً دوڑ کر اس میں کود پڑیں گے اور جو باطن ہیں وہ کہیں گے اللہ پاک ہم اسی سے بچنے کے لیے تو یہ عذر معذرت کر رہے تھے اللہ فرمائے گا جب تم خود میری نہیں مانتے تو میرے رسولوں کی کیا مانتے اب تمہارے لیے فیصلہ یہی ہے کہ تم جہنمی ہو اور ان فرمان برداروں سے کہا جائے گا کہ تم بیشک جنتی ہو تم نے اطاعت کر لی۔

چوتھی حدیث مسند حافظ ابویعلیٰ موصلیٰ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کی اولاد کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہے۔ پھر مشرکین کی اولاد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے ساتھ، تو کہا گیا یا رسول اللہ انہوں نے کوئی عمل نہیں کیا، آپ نے فرمایا ہاں لیکن اللہ انہیں بخوبی جانتا ہے۔ حدیث۔ حافظ ابوبکر احمد بن عمر بن عبداللہ بن بزار رحمۃ اللہ علیہما نے مسند میں روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اہل جاہلیت اپنے بوجھ اپنی کروں پر لادے ہوئے آئیں گے اور اللہ کے سامنے عذر کریں گے کہ نہ ہمارے پاس تیرے رسول پہنچے نہ تیرا کوئی حکم پہنچا اگر ایسا ہوتا تو ہم جی کھول کر مان لیتے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اب اگر حکم کروں تو مان لو گے؟ وہ کہیں گے

ہاں ہاں بیشک بلا چون و چرا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا اچھا جاؤ جہنم کے پاس جا کر اس میں داخل ہو جاؤ یہ چلیں گے یہاں تک کہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اب جو اس کا جوش اور اس کی آواز اور اس کے عذاب دیکھیں گے تو واپس آ جائیں گے اور کہیں گے اے اللہ ہمیں اس سے تو بچالے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو تو اقرار کر چکے ہو کہ میری فرمانبرداری کرو گے پھر یہ نافرمانی کیوں؟ وہ کہیں گے اچھا اب اسے مان لیں گے اور کر گزریں گے چنانچہ ان سے مضبوط عہد و پیمانہ لیا جائے گا، پھر یہی حکم ہو گا یہ جائیں گے اور پھر خوفزدہ ہو کر واپس لوٹیں گے اور کہیں گے اے اللہ ہم تو ڈر گئے ہم سے تو اس فرمان پر کار بند نہیں ہوا جاتا۔ اب جناب باری فرمائے گا تم نافرمانی کر چکے اب جاؤ ذلت کے ساتھ جہنمی بن جاؤ۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر پہلی مرتبہ ہی یہ حکم الہی اس میں کود جاتے تو آتش دوزخ ان پر سرد پڑ جاتی اور ان کا ایک رواں بھی نہ جلاتی۔ امام بزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کا متن معروف نہیں ایوب سے صرف عباد ہی روایت کرتے ہیں اور عباد سے صرف ریحان بن سعید روایت کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اسے ابن حبان نے ثقہ بتلایا ہے۔ یحییٰ بن معین اور نسائی کہتے ہیں ان میں کوئی ڈر خوف کی بات نہیں۔ ابوداؤد نے ان سے روایت نہیں کی۔ ابوحاتم کہتے ہیں یہ شیخ ہیں ان میں کوئی حرج نہیں۔ ان کی حدیثیں لکھائی جاتی ہیں اور ان سے دلیل نہیں لی جاتی۔

چھٹی حدیث۔ امام محمد بن یحییٰ ذہلی رحمۃ اللہ علیہ روایت مائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے خالی زمانے والے اور مجنون اور بچے اللہ کے سامنے آئیں گے ایک کہے گا میرے پاس تیری کتاب پہنچی ہی نہیں، مجنوں کہے گا میں بھلائی برائی کی تیزی ہی نہیں رکھتا۔ بچہ کہے گا میں نے سمجھ بوجھ کا بلوغت کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ اسی وقت ان کے سامنے آگ شعلے مارنے لگے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے ہٹا دو تو جو لوگ آئندہ نیکی کرنے والے تھے وہ تو اطاعت گزار ہو جائیں گے اور جو اس عذر کے ہٹ جانے کے بعد بھی نافرمانی کرنے والے تھے وہ رک جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا جب تم میری ہی براہ راست نہیں مانتے تو میرے پیغمبروں کی کیا مانتے؟

ساتویں حدیث۔ انہی تین شخصوں کے بارے میں اوپر والی احادیث کی طرح اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ جہنم کے پاس پہنچیں گے تو اس میں سے ایسے شعلے بلند ہوں گے کہ یہ سمجھ لیں گے کہ یہ تو ساری دنیا کو جلا کر بھسم کر دیں گے روزتے ہوئے واپس لوٹ آئیں گے پھر دوبارہ یہی ہو گا اللہ عزوجل فرمائے گا۔ تمہاری پیدائش سے پہلے ہی تمہارے اعمال کی خبر تھی میں نے علم ہوتے ہوئے تمہیں پیدا کیا تھا اسی علم کے مطابق تم ہو۔ اے جہنم نہیں دبوچ لے چنانچہ اسی وقت آگ انہیں لقمہ بنا لے گی۔

آٹھویں حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ان کے اپنے قول سمیت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ بخاری مسلم میں آپ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔ جیسے کہ بکری کے صحیح سالم بچے کے کان کاٹ دیا کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا حضور ﷺ اگر وہ بچپن میں ہی مرجائے تو؟ آپ نے فرمایا نہ وہ ان کے اعمال کی صحیح اور پوری خبر تھی۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ مسلمان بچوں کی کفالت جنت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سپرد ہے۔ صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد کیسے مخلص بنایا ہے۔ ایک روایت میں اس کے ساتھ ہی

مسلمان کا لفظ بھی ہے۔

نویں حدیث حافظ ابو بکر قزاقی اپنی کتاب المستخرج علی البخاری میں روایت لائے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے لوگوں نے با آواز بلند دریافت کیا کہ مشرکوں کے بچے بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں مشرکوں کے بچے بھی۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ مشرکوں کے بچے اہل جنت کے خادم بنائے جائیں گے۔

دسویں حدیث مسند احمد میں ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ جنت میں کون کون جائیں گے۔ آپ نے فرمایا نبی اور شہید بچے اور زندہ درگور کئے ہوئے بچے۔ علماء میں سے بعض کا مسلک تو یہ ہے کہ ان کے بارے میں ہم توقف کرتے ہیں، خاموش ہیں ان کی دلیل بھی گزر چکی۔ بعض کہتے ہیں یہ جنتی ہیں ان کی دلیل معراج والی وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری شریف میں حضرت سرہ بن جندبؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے اس خواب میں ایک شیخ کو ایک جنتی درخت تلے دیکھا، جن کے پاس بہت سے بچے تھے۔ سوال پر حضرت جبرائیلؑ نے بتایا کہ یہ حضرت ابراہیمؑ ہیں اور ان کے پاس یہ بچے مسلمانوں کی اور مشرکوں کی اولاد ہیں، لوگوں نے کہا حضور ﷺ مشرکین کی اولاد بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں مشرکین کی اولاد بھی۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ دوزخی ہیں کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں ان کا امتحان قیامت کے میدانوں میں ہو جائے گا۔ اطاعت گزار جنت میں جائیں گے، اللہ اپنے سابق علم کا اظہار کر کے پھر انہیں جنت میں پہنچائے گا اور بعض بوجہ اپنی نافرمانی کے جو اس امتحان کے وقت ان سے سرزد ہوگی اور اللہ تعالیٰ اپنے پہلے علم آشکارا کر دے گا۔ اس وقت انہیں جہنم کا حکم ہوگا۔ اس مذہب سے تمام احادیث اور مختلف دلیلوں میں جمع ہو جاتی ہے اور پہلے کی حدیثیں جو ایک دوسری کو تقویت پہنچاتی ہیں اس معنی کی کئی ایک ہیں۔ شیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی مذہب اہل سنت والجماعت کا نقل فرمایا ہے۔

اور اسی کی تائید امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاعتقاد میں کی ہے۔ اور بھی بہت سے محققین علماء اور پرکھ والے حافظوں نے یہی فرمایا ہے۔ شیخ ابو عمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے امتحان کی بعض روایتیں بیان کر کے لکھا ہے اس بارے کی حدیثیں قوی نہیں ہیں اور ان سے حجت ثابت نہیں ہوتی اور اہل علم ان کا انکار کرتے ہیں اس لیے کہ آخرت دار جزا ہے، دار عمل نہیں ہے اور جہنم میں جانے کا حکم بھی تو انسانی طاقت سے باہر کا حکم ہے اور اللہ کی یہ عادت نہیں۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا جواب بھی سن لیجیے، اس بارے جو حدیثیں ہیں، ان میں سے بعض تو بالکل صحیح ہیں۔ جیسے کہ ائمہ علماء نے تصریح کی ہے۔ بعض حسن ہیں اور بعض ضعیف بھی ہیں لیکن وہ بوجہ صحیح اور حسن احادیث کے قوی ہو جاتی ہیں۔ اور جب یہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ حدیثیں حجت و دلیل کے قابل ہو گئیں اب رہا امام صاحب کا یہ فرمان کہ آخرت دار عمل اور دار امتحان نہیں وہ دار جزا ہے۔ یہ بیشک صحیح ہے لیکن اس سے اس کی نفی کیسے ہو گئی کہ قیمت کے مختلف میدانوں کی پیشیوں میں جنت دوزخ میں داخلے سے پہلے کوئی حکم احکام نہ دئے جائیں گے۔ شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے تو مذہب اہلسنت والجماعت کے عقائد میں بچوں کے امتحان کو دخل کیا ہے۔ مزید برآں آیت قرآن: (يَوْمَ يُكْشَفُ عَن سَاقِي وَيُذْخَرُونَ إِلَىٰ لِشُجُودٍ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ) (اتم: ۱۲) اس کی کئی دلیل ہے کہ منافق و مؤمن کی تمیز کے لیے پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کا حکم ہوگا۔ صحاح کی احادیث میں ہے کہ مؤمن تو سجدہ کر لیں گے اور منافق اٹلے منہ چہرے کے بل گر پڑیں گے۔

بخاری و مسلم میں اس شخص کا قصہ بھی ہے جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا کہ وہ اللہ سے وعدے و وعید کرے گا سو اس سوال کے اور کوئی سوال نہ کرے گا اس کے پورا ہونے کے بعد وہ اپنے قول قرار سے پھر جائے گا اور ایک اور سوال کر بیٹھے گا وغیرہ۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ابن آدم تو بڑا ہی عہد شکن ہے اچھا جا، جنت میں چلا جا۔ پھر امام صاحب کا یہ فرمنا کہ انہیں ان کی طاقت سے خارج بات کا یعنی جہنم میں کود پڑنے کا حکم کیسے ہو گیا؟ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ یہ بھی صحت حدیث میں کوئی روک پیدا نہیں کر سکتا۔ خود امام صاحب اور تمام مسلمان مانتے ہیں کہ پل صراط پر سے گزرنے کا حکم سب کو ہوگا جو جہنم کی پیٹھ پر ہوگا اور تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا۔ مؤمن اس پر سے اپنی نیکیوں کے اندازے سے گزر جائیں گے۔ بعض مثل بجلی کے، بعض مثل ہوا کے، بعض مثل گھوڑوں کے بعض مثل اونٹوں کے، بعض مثل بھانسنے والوں کے، بعض مثل پیدل جانے والوں کے، بعض گھنٹوں کے بل سرک سرک کر، بعض کٹ کٹ کر، جہنم میں پڑیں گے۔ پس جب یہ چیز وہاں ہے تو انہیں جہنم میں کود پڑنے کا حکم تو اس سے کوئی نہیں بلکہ یہ اس سے بڑا اور بہت بھاری ہے۔ اور سنئے حدیث میں ہے کہ دجال کے ساتھ آگ اور بارش ہوگا۔ شارعِ ناریہ نے مؤمنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ جسے آگ دیکھ رہے ہیں اس میں سے ہمیں وہ ان کے لیے ٹھنڈک اور سلامتی کی چیز ہے۔ پس یہ اس واقعہ کی صاف نظیر ہے۔ اور لیجئے بنو اسرائیل نے جب گوسالہ پرستی کی اس کی سزا میں اللہ نے حکم دیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں ایک ابر نے آ کر انہیں ڈھانپ لیا اب جو تلوار چلی تو صبح ہی صبح ابر پھٹنے سے پہلے ان میں سے ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے تھے۔ بیٹے نے باپ کو اور باپ نے بیٹے کو قتل کیا کیا یہ حکم اس حکم سے کم تھا؟ کیا اس کا عمل نفس پر گراں نہیں؟ پھر تو اس کی نسبت بھی کہہ دینا چاہیے تھے کہ اللہ کسی نفس کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ ان تمام بحثوں کے صاف ہونے کے بعد اب سنئے۔ مشرکین کے بچپن میں مرے ہوئے بچوں کی ہابت بھی بہت سے اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سب جنتی ہیں، ان کی دلیل وہی معراج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مشرکوں اور مسلمانوں کے بچوں کو آنحضرت ﷺ کا دیکھنا ہے اور دلیل ان کی مسند کی وہ روایت ہے جو پہلے گزر چکی کہ آپ نے فرمایا بچے جنت میں ہیں۔ ہاں امتحان ہونے کی جو حدیثیں گزریں وہ ان میں سے خصوصاً ہیں۔ پس جن کی نسبت رب العالمین کو معلوم ہے کہ وہ مطہج اور فرمانبردار ہیں ان کی رو میں عالم برزخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہیں اور مسلمانوں کے بچوں کی رو میں بھی۔ اور جن کی نسبت اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ قبول کرنے والے ہیں، ان کا امر اللہ کے سپرد ہے وہ قیامت کے دن جنہی ہوں گے۔ جیسے کہ احادیث امتحان سے ظاہر ہے۔ امام اشعریؒ نے اسے اہل سنت سے نقل کیا ہے اب کوئی تو کہتا ہے کہ یہ مستقل طور پر جنتی ہیں کوئی کہتا ہے یہ اہل جنت کے خادم ہیں۔ گویا حدیث داؤد علیہ السلام میں ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے واللہ اعلم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مشرکوں کے بچے بھی اپنے باپ دادوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے جیسے کہ مسند وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ وہ اپنے باپ دادوں کے تابعدار ہیں۔ یہ سن کر عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا بھی کہ باوجود بے عمل ہونے کے؟ آپ نے فرمایا وہ کیا عمل کرنے والے تھے، اسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔ ابو داؤد میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کی اولاد کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ اپنے باپ دادوں کے ساتھ ہیں۔ میں نے کہا مشرکوں کی اولاد؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے باپ دادوں کے ساتھ ہیں۔ میرا باپ وغیرہ اس کے کہ انہوں نے کوئی عمل کیا ہو؟ آپ نے فرمایا وہ کیا کرتے یہ اللہ کے علم میں ہے۔ مسند کی حدیث میں ہے آپ

نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں ان کا روٹا پینا اور چیخا چلانا بھی تجھے سنا دوں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے سے روایت لائے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے ان دو بچوں کی نسبت سوال کیا جو جاہلیت کم زمانے میں فوت ہوئے تھے آپ نے فرمایا وہ دونوں دوزخ میں ہیں جب آپ نے دیکھا کہ بات انہیں بھاری پڑی ہے تو آپ نے فرمایا اگر تم ان کی جگہ دیکھ لیتیں تو تم خود ان سے بیزار ہو جاتیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا اچھا جو بچہ آپ سے ہوا تھا؟ آپ نے فرمایا سنو مؤمن اور ان کی اولاد جنتی ہے اور مشرک اور ان کی اولاد جہنمی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: (والذین امنوا واتبعہم ذریعتہم بایمانہم الحقنابہم ذریعتہم) جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کی اتباع کی ایمان کے ساتھ کی۔ ہم ان کی اولاد انہی کے ساتھ ملا دیں گے یہ حدیث غریب ہے اس کی سند میں محمد بن عثمان راوی مجہول الحال ہیں اور ان کے شیخ زاذان نے حضرت علیؓ کو نہیں پایا واللہ اعلم۔

ابوداؤد میں حدیث ہے زندہ درگور کرنے والی اور زندہ درگور کردہ شدہ دوزخی ہیں۔ ابوداؤد میں یہ سند حسن مردی ہے حضرت سلمہ بن قیس اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں اپنے بھائی کو لیے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ حضور ﷺ ہماری ماں جاہلیت کے زمانے میں مر گئی ہیں، وہ صلہ رحمی کرنے والی اور مہمان نواز تھیں، ہماری ایک نابالغ بہن انہوں نے زندہ دفن کر دی تھی۔ آپ نے فرمایا ایسا کرنے والی اور جس کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے دونوں دوزخی ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ اسلام کو پالے اور اسے قبول کر لے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ان کے بارے میں توقف کرنا چاہیے کوئی فیصلہ کن بات ایک طرف نہ کہنیں چاہئے۔ ان کا اعتقاد آپ کے اس فرمان پر ہے کہ ان کے اعمال کا صحیح اور پورا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ بخاری میں ہے کہ مشرکوں کی اولاد کے بارے میں جب آپ سے سواں ہوا تو آپ نے انہی لفظوں میں جواب دیا تھا۔ بعض بزرگ کہتے ہیں کہ یہ اعراف میں رکھے جائیں گے۔ اس قول کا نتیجہ یہی ہے کہ یہ جنتی ہیں اس لیے کہ اعراف کوئی رہنے سہنے کی جگہ نہیں یہاں والے بالآخر جنت میں ہی جائیں گے۔ جیسے کہ سورۃ اعراف کی تفسیر میں ہم اس کی تفسیر کر آئے ہیں، واللہ اعلم۔ یہ تو تھا اختلاف مشرکوں کی اولاد کے بارے میں لیکن مؤمنوں کی نابالغ اولاد کے بارے میں تو علما کا بلا اختلاف یہی قول ہے کہ وہ جنتی ہیں۔ جیسے کہ حضرت امام احمد کا قول ہے اور یہی لوگوں میں مشہور بھی ہے اور ان شاء اللہ عزوجل ہمیں بھی یہی امید ہے۔ لیکن بعض علماء سے منقول ہے کہ وہ ان کے بارے میں توقف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب بچے اللہ کی مرضی اور اس کی چاہت کے ماتحت ہیں۔ اہل فقہ اور اہل حدیث کی ایک جماعت اس طرف بھی گئی ہے۔ موطا امام مالک کی ابواب التدرک احادیث میں بھی کچھ اسی جیسا ہے گو امام مالک کا کوئی فیصلہ اس میں نہیں۔ لیکن بعض متاخرین کا قول ہے کہ مسلمان بچے تو جنتی ہیں اور مشرکوں کے بچے مشیت الہی کے ماتحت ہیں۔ ابن عبد البر نے اس بات کو اسی وضاحت سے بیان کیا ہے لیکن یہ قول غریب ہے۔ کتاب السنہ کہہ میں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی فرمایا ہے واللہ اعلم۔

اس بارے میں ان بزرگوں نے ایک حدیث یہ بھی وارد کی ہے کہ انصاریوں کے ایک بچے کے جنازے میں حضور ﷺ کو بلا یا گیا تو ماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اس بچے کو مر جا ہو یہ تو جنت کی چیز ہے نہ برائی کا کوئی کام کیا نہ اس زمانے کو پہنچا تو آپ نے فرمایا اس کے سوا کچھ اور بھی اے عائشہ؟ سنو اللہ تبارک و تعالیٰ نے جنت والے پیدا کئے ہیں حالانکہ وہ اپنے باپ کی پیٹھ میں تھے۔ اسی طرح اس نے جہنم کو پیدا کیا ہے اور اس میں جلنے والے پیدا کئے ہیں حالانکہ وہ ابھی اپنے

پ کی پیٹھ میں ہیں۔ مسلم اور سنن کی یہ حدیث ہے چونکہ یہ مسلح صحیح دلیل بغیر ثابت نہیں ہو سکتا اور لوگ اپنی بے علمی کے باعث بغیر ثبوت شارع کے اس میں کلام کرنے لگے ہیں۔ اس لیے علماء کی ایک جماعت نے اس میں کلام کرنا ہی ناپسند رکھا ہے۔ ابن عباس، قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق اور محمد بن حنفیہ وغیرہ کا مذہب یہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تو منبر پر خطبے میں فرمایا تھا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس امت کا کام ٹھیک ٹھاک رہے گا جب تک کہ یہ بچوں کے بارے میں اور تقدیر کے بارے میں کچھ کلام نہ کریں گے (ابن حبان) امام ابن حبان کہتے ہیں مراد اس سے مشرکوں کے بچوں کے بارے میں کلام نہ کرنا ہے۔ اور کتابوں میں یہ روایت حضرت عبداللہ کے اپنے قول سے موثوقاً مروی ہے۔

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ مترفین یعنی صاحبان عیش و راحت اور جابر لوگ۔ مجاہد کی قرأت میں اَمْرُنَا آیا ہے یعنی ہم مسلط کر دیتے ہیں اور ان کو حاکم بنا دیتے ہیں، حسن اور قتادہ اور یعقوب نے اَمْر ناپڑھا ہے یعنی راحت و نعمت میں پڑے ہوئے لوگوں کو پیغمبر کی زبانی ہم طاعت و فرمانبرداری کا حکم دیتے ہیں امرنا کے بعد بالطاعة کا لفظ مخدوف ہے، قرینہ یہ ہے کہ پہلے فرمایا تھا ہم پیغمبر کو بھیجے بغیر عذاب نہیں دیا کرتے اور اس آیت کے بعد فرمایا ہے۔

فَفَسَقُوا فِيهَا: پس وہ اس بستی میں نافرمانی کرتے ہیں۔

فسق کا معنی ہے طاعت سے نکل جانا اور سرکش ہو جانا بعض اہل تفسیر کے نزدیک یہ معنی ہے کہ ہم اصحاب راحت و نعمت کو فسق کرنے کا حکم دیتے ہیں اور وہ فاسق ہو جاتے ہیں عرب کا محاورہ ہے: اَمْرًا فَجَلَسَ میں نے اس کو حکم دیا یعنی بیٹھنے کا حکم دیا تو وہ بیٹھ گیا۔ اس مطلب پر امر اپنے حقیقی معنی میں مستعمل نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ گناہ کا حکم نہیں دیتا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ: اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ بلکہ مجازی معنی مراد ہوگا یعنی ہم ان کو فسق پر آمادہ کر دیتے ہیں اسباب فسق فراہم کر دیتے ہیں، نعمتوں کی ان پر بارش کر دیتے ہیں جن کی وجہ سے وہ راحت پسند اور عیش کوش بن جاتے ہیں اور یہ عیش کوش ان کو فسق میں مبتلا کر دیتی ہے۔

بعض علماء نے اَمْرُنَا کا معنی کَثْرًا بیان کیا ہے اَمْرًا الشَّيْءِ میں نے اس چیز کو کثیر کر دیا۔ فَأَمْرًا پس وہ زہ زہ یاد ہو گئی۔ حدیث میں آیا ہے: خَيْرُ الْمَالِ سَكَّةٌ مَأْبُورَةٌ وَمَهْرَةٌ مَأْمُورَةٌ۔ سَكَّةٌ: کھجور کے درختوں کی قطار۔ مَأْبُورَةٌ: ہموار درست۔ مہرہ: بچھیری۔ مأمورہ: کثیر النسل بہت بچے دینے والی۔ یعنی بہترین مال کھجور کے درختوں کی ہموار قطار ہے اور وہ بچھیری ہے جس کی نسل بہت ہو بہت بچے دینے والی ہو۔

ہر قل والی حدیث میں ابوسفیان کا قول آیا ہے لَقَدْ أَمَرَ ابْنُ أَبِي كَبِيْشَةَ ابُو كَبِيْشَةَ (عبداللہ) کے بیٹے (یعنی محمد ﷺ) کی بات تو بہت ہو گئی اس کا مرتبہ اونچا ہو گیا۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا: مَالِيْ أَرَى اَمْرًا كَيَّا مَأْمُورًا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا معاملہ بڑھتا جا رہا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: وَاللّٰهَ لَيَأْمُرَنَّ عَلَيَّ مَا تَزِي، خدا کی قسم جتنا تم دیکھ رہے ہو اس سے اور بڑھتا جائے گا۔

حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہم جاہلیت کے زمانہ میں کہتے تھے: قَدْ أَمَرَ بَنُو فُلَانٍ، فلاں قبیلہ والے بہت ہوئے۔

قاموس میں ہے امرہ اور امرہ دونوں ہم معنی ہیں اس کی نسل اور مویشیوں کو بڑھا دیا بہت کر دیا۔

توبہ کی تین حالتیں
 ۲۵۷
 رہے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ - تیسری اور سب سے زبردست شرط یہ صحیح عقیدہ کی ہوئی، مگر قانون الہی کا عمل کوئی سا بھی مقبول نہیں۔
 كَلَّا لَبِئْسَ مَا تَدْعُو لَوْ لَمْ يَلِدْ وَلَوْ لَمْ يَلِدْ لَأَخَذُوا مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ...

یہاں یہ قانون بیان ہوا ہے کہ نیک دین، سعید و شقی، مقبول و مردود، کموینی طور پر خزانہ غیب سے سب ہی مدد پاتے رہتے ہیں، چنانچہ یہ تو روز کا مشاہدہ ہے کہ ہوا اور پانی اور سورج کی گرمی اور چاند کی ٹھنک اور روشنی اور حیوانی و نباتی موجودات سے جس طرح مؤمن نفع اٹھ سکتے ہیں اسی طرح شدید مکرین بھی نفع اٹھا رہے ہیں۔ کُلًّا یعنی ہر دو فریق۔ اے کل واحد من الغریبین (مبارک)

وَقَضَىٰ أَسْرَ رَبِّكَ بَانَ الْأَعْبُدِ وَالْإِيَّاهُ وَأَنْ تُحْسِنُوا بِالْأُولَادِ الَّذِينَ أَحْسَبْنَاكَ بَانَ تَبَرُّوْهُمَا إِمَّا يَبْلُغْنَ عِنْدَكَ الْكَبَرِ
 أَلَهُمَا فَاعِلٌ أَوْ كِلَهُمَا وَفِي قِرَاءَةِ يَبْلُغَانِ فَاخُذْهُمَا بَدَلٍ مِنْ أَلْفِهِ فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آيٌ بِفَتْحِ أَلْفَاءٍ وَكَشْرِهِمَا
 مُتَوْنًا وَغَيْرِ مُتَوْنٍ مَّضِدَّرٍ بِمَعْنَى تَبَا وَقُبْحًا وَلَا تَنْهَرُهُمَا تَرْجُوهَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ جَمِيلًا لَبِنَا وَ
 اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ إِنَّ لَهُمَا جَانِبَكَ الدَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ أَيْ لِرِقَّتِكَ عَلَيْهِمَا وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا
 رَحِمْتَني حِينَ رَسَلْتَنِي صَغِيرًا ۝ رَبِّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۝ مِنْ إِضْمَارِ الْبَرِّ وَالْعُقُوبِ إِنْ تَكُونُوا صٰلِحِينَ
 طٰلِعِينَ لِلّٰهِ تَعَالٰی فَاِنَّهٗ كَانَ لِلّٰهِ الْاَقْبَابُ الْاَلْبَابُ الرَّجَاعُ عَيْنِ الْاِلٰهِيَّةِ عَقُوبًا ۝ لِمَا صَدِرَ مِنْهُمْ فِي حَقِّ الْوَالِدَيْنِ مِنْ
 بَادِرَةٍ وَهُمْ لَا يَضْمُرُونَ عُقُوبًا وَآتِ اعْطِ ذَا الْقُرْبَىٰ لِقَرَابَةِ حَقِّهِ مِنَ الْبِرِّ وَالصَّلٰةِ وَالسَّكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَلَا
 تَبْدَأُ تَبْدِيرًا ۝ بِالْاِنْفَاقِ فِي غَيْرِ طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی اِنَّ الْمُبْدِرِينَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيْطٰنِ ۝ اَيْ عَلَى طَرِيقَتِهِمْ
 وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُورًا ۝ شَدِيدًا الْكُفْرَ لِنَعْمِهِ فَكَذٰلِكَ اِخْوَةُ الْمُبْدِرِ وَاِمَّا تَعْرِضْنَ عَنْهُمْ اَيْ الْمُدْكُورِينَ
 مِنْ ذِي الْقُرْبَىٰ وَمَا بَعْدَهُ فَلَمْ تُعْطِهِمْ اِبْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَرْجُوْهَا اَيْ لِطَلْبِ رِزْقٍ تَنْتَظِرُهُ يَأْتِيكَ فَتُعْطِيهِمْ
 مِنْهُ فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۝ لَبِنَا سَهْلًا بَانَ تَعَدُّهُمْ بِالْاِعْطَاءِ عِنْدَ مَجِيءِ الرِّزْقِ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً اِلٰى
 عُنُقِكَ اَيْ لَا تُنْسِكْهَا عَنِ الْاِنْفَاقِ كُلِّ الْمَسْكِ وَلَا تَبْسُطْهَا فِي الْاِنْفَاقِ كُلِّ الْبَسِطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا رَاجِع
 لِلارِلِّ مَحْضُورًا ۝ مُنْقَطِعًا اِلٰى شَيْءٍ عِنْدَكَ رَاجِعٍ لَبِنَانِي اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ يُوَسِّعُهُ لِمَنْ يَشَآءُ وَ
 يُقْدِرُ يَضِيقُهُ لِمَنْ يَشَآءُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝ عَالِمًا بِبَوَابِهِمْ وَظَوَاهِرِهِمْ فَزَرَقَهُمْ عَلَى

۲۵۷

حَسْبِ مَصَالِحِهِمْ

توجہ رہا: اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو اور (یہ کہ احسان کرو) اپنے ماں باپ کے

مقابلہ شریعتیہ (۱۵۸)

ساتھ بھلائی سے پیش آؤ (اچھا سلوک کرو) اور اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک (یہ فاعل ہے) یادوںوں (اور ایک قرأت میں لفظ یبلغان ہے پس لفظ احدہما۔ الف سے بدل ہو جائے گا) تمہاری موجودگی میں بڑھاپے کی عمر تک پہنچ کر خیر و برکت ان کی کسی بات پر افسوس مت کرو (فا کے فتح اور کسرہ کے ساتھ تنوین اور بغیر تنوین کے ہر طرح سے یہ مصدر ہے یعنی کبھی تم بن سے ہاں سے ہوں بھی نہ کرو) اور نہ انہیں جھڑکو (ڈانٹو) اور ان سے خوب ادب آداب (خوش اسلوبی) سے بات کرو اور ان کے آگے عاجزی سے جھکے رہنا (ان کے آگے سمرنیہ ز جھکائے رکھنا) مہربانی سے (یعنی ان سے محبت کا برتاؤ کرنا) اور ان کے حق میں دعائے کرتے رہنا کہ پروردگار ان پر رحم کر جس طرح (انہوں نے مجھ پر رحم کھا یا جب کہ) بچپن میں انہوں نے مجھے پالا پوسا اور بڑا کیا تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے جی میں ہوتا ہے (صلہ رحمی کرنا یا بد سلوکی کرنا) اگر تم نیک (اللہ کے فرمانبردار) ہوئے تو اللہ تو یہ کرنے والوں (اللہ کی فرمانبرداری کی طرف رجوع کرنے والوں) کی خطا معاف فرمادیتا ہے (جو کچھ جلدی میں ماں باپ کی حق تلفی ہو جاتی ہے حالانکہ دل میں کسی نافرمانی کا جذبہ نہیں تھا) اور قرا بتدار کو اس کا حق (یعنی حسن سلوک اور صلہ رحمی کر کے) دیتے رہنا اور محتاج اور مسافر کو بھی دیتے رہنا اور روپیہ پیسہ بے موقع مت اڑانا، (کہ اللہ کی مرضی کے خلاف بے محل خرچ کر ڈالو) بلاشبہ بے موقع خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں (یعنی ان کے طریقہ پر ہیں) اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے (اللہ کی نعمتوں کا کھلے بندوں انکار کرنے والا ہے یہی حال ان فضول خرچ شیطان کے بندوں کا ہے) اور اگر آپ کو پہلو تہی کرنی پڑے (ان رشتہ داروں، محتاجوں اور مسافروں سے اور ان کو تم نہ دے سکو) اپنے پروردگار کی طرف سے رزق آنے کی امید میں جس کی تم راہ دیکھ رہے ہو (یعنی اس انتظار میں ہو کہ تمہارے پاس کہیں سے کچھ آجائے تو تم انہیں دے ڈالو) تو انہیں نرمی سے سمجھا دو (یعنی پوری بخیلی پر بھی نہ کمر باندھ لو) اور نہ ہی بالکل پھیلا دو ورنہ نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر طرف سے ملامت پڑے گی (یہ تو پہلی صورت کی خرابی ہوگی) اور خالی ہاتھ ہو کر بیٹھے رہو گے (بالکل تہی دست کہ ایک پھوٹی کوڑی بھی تمہارے پاس نہیں رہے گی) یہ دوسری صورت کا نتیجہ نکلے گا (تمہارا پروردگار جس کی روزنی چاہتا ہے فراخ کرتا ہے) اور جس کی چاہتا ہے اندازہ کی (تنگ) کر دیتا ہے بیشک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا دیکھتا ہے (ظاہر و باطن سے واقف ہے ان کی مصلحتوں کے مطابق ان کو رزق دیتا ہے۔

کلمات تفسیریہ کے توضیح و تشریح

- قولہ: امر: قضی کی تفسیر امر سے کی کیونکہ اللہ کا ہر فیصلہ بہر صورت واقع ہونے والا ہے۔
- قولہ: بیان: اس سے اشارہ کیا کہ ان مصدر یہ ہے لبتہ مفسرہ ہونا بھی جائز ہے۔
- قولہ: اَنْ تُحْسِنُوْا: اس سے اشارہ کیا کہ با احسان سے متعلق نہیں ہے کیونکہ مصدر کا صلہ مقدم نہیں آ سکتا پس یہ عطف الجمل علی الجملہ کے قبیل سے ہے۔
- قولہ: عِنْدَكَ الْكَبِيْرُ: اس کا معنی کفالت و نگرانی ہے۔
- قولہ: فَاَعِيْلٌ: یعنی احدہما بملغن کا فاعل ہے ضمیر فاعل نہیں ہے اور احدہما یہ کلا کی الف سے بدل ہے۔

قولہ: بَرَّ جُرْهُمَا: کیونکہ ممانعت اور ڈانٹ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں یعنی بات میں ان سے سختی مت کر۔

قولہ: اَلَيْسَ لَّهُمَا: یہاں جناح سے مجازاً جانت مراد لی ہے اور یہ خاص کا ذکر کر کے مراد عام لینا اسی کے قسم میں سے ہے۔
نفض سے یہاں نرمی اور تواضع ہی مراد ہے اور عاجزی کے لیے جناح مبالغہ ثابت کیے ہیں۔

قولہ: الذَّلِيل: اس سے اشارہ کیا کہ جَنَاح کی ذلت کی طرف اضافت بیان ہے۔

قولہ: بَرَّ قَنْتِكَ: اس سے اشارہ کیا کہ من جلیہ ہے اور لام مضاف الیہ کے بدلے میں ہے۔

قولہ: مِنْ بَادِرَةٍ: یعنی جو زیادتی غصے کی حالت میں ہوئی یا وہ دل تنگی جو ان کی ایذا کا باعث بنے۔

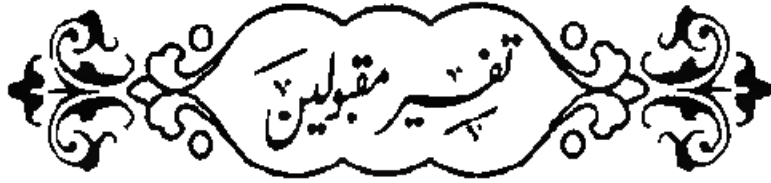
قولہ: بَرَّ غَيْرِ طَاعَةِ اللَّهِ: اس سے اشارہ ہے کہ نیکی میں تہذیر نہیں ہے۔

قولہ: لِيَطْلُبَ: اس سے اشارہ کیا کہ ابتغاء مخاطب سے حال نہیں بلکہ مفعول لہ ہے اور اس کا مفعول فعل اعراض ہے۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ اگر تو نے رزق کے نایاب ہونے کی وجہ سے ان سے عراض کیا جس کے بارے میں تجھے امید ہے تو وہ کھول دیا جائے گا اور تو نے ان کو اچھے انداز سے واپس کیا تو گویا ابتغاء کو نقد کی جگہ رکھا گیا کیونکہ رزق نہ پانے والا اس کا متلاشی ہے تو گویا نقد یعنی تلاش وہ ابتغاء کا سبب بنا گیا یا مستبب وہ سبب کی جگہ آ گیا۔

قولہ: مَلُومًا: یعنی اللہ کے ہاں بخل کی وجہ سے قابل ملامت ہے۔

قولہ: مُنْقَطِعًا: یہ حصہ اس سفر سے لیا گیا ہے جبکہ سفر کا شدید اثر اس پر ہو۔



وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا

والدین کے ساتھ حسن سلوک اور شفقت کے ساتھ زندگی گزارنے کا حکم:

اس آیت کریمہ میں حق سبحانہ و تعالیٰ نے اول تو یہ حکم فرمایا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو، انبیاء کی تمام شرائع کا سب سے بڑا یہی حکم ہے اور اس حکم کی تعمیل کرانے کے لیے اللہ جل شانہ نے تمام نبیوں اور رسولوں کو بھیجا، اور کتابیں نازل فرمائیں اور صحیفے اتارے اللہ جل شانہ کو عقیدہ سے ایک ماننا اور صرف اسی کی عبادت کرنا اور کسی بھی چیز کو اس کی ذات و صفات اور تعظیم و عبادت میں شریک نہ کرنا خداوند قدوس کا سب سے بڑا حکم ہے۔

دوم: یہ فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو، اللہ جل شانہ خالق ہے، اسی نے سب کو وجود بخشا ہے اس کی عبادت اور شکر گزاری بہر حال فرض اور لازم ہے اور اس نے چونکہ انسانوں کو وجود بخشے کا ذریعہ ان کے ماں باپ کو بنایا اور ماں باپ اولاد کی پرورش میں بہت کچھ دکھ تکلیف اٹھاتے ہیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے حکم کے ساتھ ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا بھی حکم فرمایا جو قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے۔ لفظ ”حسن سلوک“ میں سب باتیں آجاتی ہیں جس کو سورۃ بقرہ میں اور سورۃ انعام اور یہاں سورۃ الاسراء میں وَ بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا سے تعبیر فرمایا ہے، ماں باپ کی

فرمانبرداری، ولداری، راحت رسانی، نرم گفتاری اور ہر طرح کی خدمت گزاری ان لفظوں کے عموم میں آجاتی ہے البتہ نہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں۔

سوم: یہ کہ ماں باپ دونوں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک بوڑھا ہو جائے تو ان کو اف بھی نہ کہو، مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی ایسا کلمہ ان کی شان میں زبان سے نہ نکالو جس سے ان کی تعظیم میں فرق آتا ہو یا جس کلمہ سے ان کے دل کو رنج پہنچتا ہو۔

لفظ اُقی بطور مثال کے فرمایا ہے، بیان القرآن میں اردو کے محاورہ کے مطابق اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ”ان کو ہوں بھی مت کہو“ دوسری زبان میں ان کے مطابق ترجمہ ہوگا۔

حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کے علم میں کلمہ اف سے نیچے بھی کوئی درجہ ماں باپ کے تکلیف دینے کا ہوتا تو اللہ جل شانہ اس کو بھی ضرور حرام قرار دے دیتا۔ (درمنثور)

ماں باپ کی تعظیم و تکریم اور فرمانبرداری ہمیشہ واجب ہے بوڑھے ہوں یا جوان ہوں، جیسا کہ آیات اور احادیث کے عموم سے معلوم ہوتا ہے لیکن بڑھاپے کا ذکر خصوصیت سے اس لیے فرمایا کہ اس عمر میں جا کر ماں باپ بھی بعض مرتبہ چڑچڑے ہو جاتے ہیں اور ان کو بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں اولاد کو ان کا اُگال دان صاف کرنا پڑتا ہے، میلے اور ناپاک کپڑے دھونے پڑتے ہیں جس سے طبیعت بور ہونے لگتی ہے اور بعض مرتبہ تنگ دل ہو کر زبان سے اُلٹے سیدھے الفاظ بھی نکلنے لگتے ہیں اس موقع پر صبر اور برداشت سے کام لینا اور ماں باپ کا دل خوش رکھنا اور رنج دینے والے ذرا سے لفظ سے بھی پرہیز کرنا بہت بڑی سعادت ہوتی ہے۔

حضرت مجاہد نے فرمایا کہ تو جوان کے کپڑے وغیرہ سے گندگی اور پیشاب پاخانہ صاف کرتا ہے، تو اس موقع پر اف بھی نہ کہہ، جیسا کہ وہ بھی اف نہ کہتے تھے جب تیرے بچپن میں تیرا پیشاب پاخانہ وغیرہ دھوتے تھے۔ (درمنثور)

چہارم: (اف کہنے کی ممانعت کے بعد) یہ بھی فرمایا کہ ان کو مت جھڑکو، جھڑکنا اف کہنے سے بھی زیادہ برا ہے، جب اف کہنا منع ہے تو جھڑکنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ پھر بھی واضح فرمانے کے لیے خاص طور پر جھڑکنے کی صاف اور صریح لفظوں میں ممانعت فرمادی۔

پنجم: حکم فرمایا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا (ماں باپ سے خوب ادب سے بات کرنا) اچھی باتیں کرنا، لب و لہجہ میں نرمی اور الفاظ میں توقیر و تکریم کا خیال رکھنا یہ سب قَوْلًا كَرِيمًا میں داخل ہے۔

حضرت سعید بن السیب نے فرمایا کہ خطا کار زر خرید غلام جس کا آقا بہت سخت مزاج ہو یہ غلام جس طرح اپنے آقا سے بات کرتا ہے اسی طرح ماں باپ سے بات کی جائے تَوْقَوْلًا كَرِيمًا پر عمل ہو سکتا ہے۔

حضرت زہیر بن محمد نے قولا کریم کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: اِذَا دَعَاكَ فَقُلْ لِيْ كَمَا وَسَعِدِيْ كَمَا (یعنی جب تجھے ماں باپ بلائیں تو کہنا کہ میں حاضر ہوں اور تعمیل ارشاد کے لیے موجود ہوں) ان اکابر کے یہ اقوال تفسیر (درمنثور ص ۱۷۸ ج ۱) میں مذکور ہیں۔

ششم: ارشاد فرمایا: وَاحْفَظْ لَهُمَا جَنَاحَ الدُّلْمِ مِنَ الرَّحْمَةِ (یعنی ماں باپ کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا) اس کی تفسیر میں حضرت عروہ نے فرمایا کہ تو ان کے سامنے ایسی روش اختیار کر کہ ان کی جو دلی رغبت ہو اس کو

پورا ہونے میں تیری وجہ سے فرق نہ آئے، اور حضرت عطاء بن ابی رباح نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ماں باپ سے بات کرتے وقت نیچے اوپر ہاتھ مت اٹھانا (جیسے برابر والوں کے ساتھ بات کرتے ہوئے اٹھاتے ہیں) اور حضرت زہیر بن ثمر نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ماں باپ اگر تجھے گالیاں دیں اور برا بھلا کہیں تو تو جواب میں یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے۔ (درمنثور)

ہفتم: یہ نصیحت فرمائی کہ ماں باپ کے لیے یہ دعا کرتے رہا کرو: **ذَيْبُ اَرْحَمَهُمَا كَمَا رَبَّنِي صَغِيرًا** (کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما۔ جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹے سے کوپالا اور پرورش کیا) بات یہ ہے کہ کبھی اولاد حاجت مند تھی جو بالکل نا سبجہ اور ناتواں تھی، اس وقت ماں باپ نے ہر طرح کی تکلیف سہی اور دکھ سکھ میں خدمت کر کے اولاد کی پرورش کی، اب پچاس ساٹھ سال کے بعد صورت حال الٹ گئی کہ ماں باپ خرچ اور خدمت کے محتاج ہیں اور اولاد کمانے والی ہے، روپیہ پیسہ، اور گھریا اور کاروبار دالی ہے، اولاد کو چاہیے کہ ماں باپ کی خدمت سے نہ گھبرائے اور ان پر خرچ کرنے سے تنگ دل نہ ہو، دل کھول کر جان و مال سے ان کی خدمت کرے اور اپنے چھوٹے پن کا وقت یاد کرے اس وقت انہوں نے جو تکلیفیں اٹھائیں، ان کو سامنے رکھے، اور بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کرے کہ "اے میرے رب ان پر رحم فرما" جیسا کہ انہوں نے مجھے چھوٹے پن میں پالا اور پرورش کی۔

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ ایک شخص اپنی والدہ کو کمر پر اٹھائے ہوئے طواف کر رہا تھا اس نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ کیا میں نے اس طرح خدمت کر کے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا ایک سانس کا حق بھی ادا نہیں ہوا (تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۲) عن مسند البزار بسند فیہ ضعف، و اخرجہ البخاری فی الادب المفرد موقوفاً علی ابن عمر

یہ جو فرمایا کہ **رَبِّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ** درمنثور میں اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ اگر اولاد کی جانب سے ماں باپ کے حقوق میں غفلت سے کوتاہی ہو جائے اور دل سے فرمانبرداری ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور توبہ کرے اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں کو معاف فرمانے والا ہے۔

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک:

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے بیان فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ سب کاموں میں اللہ جل شانہ کو کون سا کام زیادہ پیارا ہے؟ آپ نے فرمایا بروقت نماز پڑھنا (جو اس کا وقت مستحب ہے) میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے زیادہ پیارا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۸ از بحاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل بروقت نماز پڑھنا اور اس کے بعد سب سے زیادہ محبوب عمل یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ پھر تیسرے نمبر پر جہاد فی سبیل اللہ کو فرمایا معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا جہاد فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔

ماں باپ ذریعہ جنت اور ذریعہ دوزخ ہیں:

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ والدین کا ان کی اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں تیری جنت یا تیری جہنم ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱، از ابن ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرتے رہو، زندگی بھر ان کے آرام و راحت کا دھیان رکھو، جان و مال سے ان کی فرمانبرداری میں لگے رہو، تمہارا یہ عمل جنت میں جانے کا سبب بنے گا اور اگر تم نے ان کی نافرمانی کی ان کو ستایا دکھ دیا تو وہ تمہارے دوزخ کے داخلہ کا سبب بنیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ماں باپ کی رضا مندی میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رضا مندی ماں باپ کی رضا مندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی میں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹)

یعنی ماں باپ کو راضی رکھا تو اللہ پاک بھی راضی ہے ورنہ ماں باپ کو ناراض کیا تو اللہ بھی ناراض ہوگا، کیونکہ اللہ جل شانہ نے ماں باپ کو راضی رکھنے کا حکم فرمایا ہے جب ماں باپ کو ناراض رکھا تو اللہ کے حکم کی نافرمانی ہوئی جو اللہ جل شانہ کی ناراضگی کا باعث ہوئی۔

واضح رہے کہ یہی صورت میں ہے جبکہ ماں باپ کسی ایسے کام کے نہ کرنے سے ناراض ہوں جو خلاف شرع نہ ہو، اگر خلاف شرع کسی کام کا حکم دیں تو ان کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔ اس ناراضگی میں اللہ جل شانہ کی ناراضگی نہ ہوگی اس صورت میں اگر وہ ناراض بھی ہو جائیں تو ناراضگی کی پروا نہ کرے، کیونکہ اللہ جل شانہ کی رضا مندی اس کے احکام پر عمل کرنے میں ہے اس کے خلاف کسی کی فرمانبرداری جائز نہیں ہے۔

والد جنت کے دروازوں میں سے بہتر دروازہ ہے:

حضرت ابو الدرداءؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ والد جنت کے دروازوں میں سے سب سے اچھا دروازہ ہے اب تو (اس کی فرمانبرداری کر کے) اس دروازہ کی حفاظت کر لے یا (نافرمانی کر کے) اس کو ضائع کر دے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۶۰)

باپ کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین دعائیں مقبول ہیں ان (کی مقبولیت) میں کوئی شک نہیں (۱) والد کی دعا اولاد کے لیے (۲) مسافر کی دعا (۳) مظلوم کی دعا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۵، از ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ)

اس حدیث سے والد کی دعا کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے داخلی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں، کہ گو اس میں والدہ کا ذکر نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ جب والد کی دعا ضرور قبول ہوگی تو والدہ کی دعا بھی بطریق اولیٰ ضرور قبول ہوگی، اولاد کو چاہیے

ماں باپ کی خدمت کرتی رہے اور دعا لیتی رہے، اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے ان کا دل دکھے اور ان میں سے کوئی دل سے یا زبان سے بددعا کر بیٹھے۔ کیونکہ جس طرح ان کی دعا قبول ہوتی ہے اسی طرح ان کے دکھے دل کی بددعا بھی لگ جاتی ہے، اگرچہ عموماً شفقت کی وجہ سے وہ بددعا سے بچتے ہیں، ان کی دعا سے دنیا و آخرت سدھر سکتی ہے۔ در بددعا سے دونوں جہانوں کی بربادی ہو سکتی ہے۔

ماں باپ کے اکرام و احترام کی چند مثالیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے ساتھ ایک بڑے میاں تھے آپ نے دریافت فرمایا کہ تیرے ساتھ یہ کون ہیں؟ عرض کیا کہ یہ میرے والد ہیں، آپ نے فرمایا کہ باپ کے اکرام و احترام کا خیال رکھ ہرگز اس کے آگے مت چلنا اور اس سے پہلے مت بیٹھنا اور اس کا نام لے کر مت بلانا اور اس کی وجہ سے (کسی کو) گالی مت دینا۔ (تفسیر درمنثور ص ۱۷۸، ج ۱)

ماں باپ کا احترام و اکرام دل سے بھی کرے اور زبان سے بھی، عمل سے بھی اور بتاؤ سے بھی، اس حدیث پاک میں اکرام و احترام کی چند جزئیات ارشاد فرمائی ہیں۔

اول تو یہ فرمایا کہ باپ کے آگے مت چلنا دوسرے یہ فرمایا کہ جب کسی جگہ بیٹھنا ہو تو باپ سے پہلے مت بیٹھنا تیسرے یہ فرمایا کہ باپ کا نام لے کر مت پکارنا، چوتھے یہ کہ باپ کی وجہ سے کسی کو گالی مت دینا مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص تمہارے باپ کو ناگوار بات کہہ دے تو اس کو اور اس کے باپ کو گالی مت دینا۔ کیونکہ اس کے جواب میں وہ پھر تمہارے باپ کو گالی دے گا اور اس طرح سے تم اپنے باپ کو گالی دلانے کا سبب بن جاؤ گے واضح رہے کہ یہ نصیحتیں باپ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں والدہ کے حق میں بھی ان کا خیال رکھنا لازم ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ باپ کے آگے مت چلنا اس سے وہ صورت مستثنیٰ ہے جس میں باپ کی خدمت کی وجہ سے آگے چلنا پڑے مثلاً راستہ دکھانا ہو یا اور کوئی ضرورت درپیش ہو۔

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے رزق اور عمر دونوں بڑھتے ہیں:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر و راز کرے اور اس کا رزق بڑھائے اس کو چاہیے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔

(درمنثور ص ۱۷۲ ج ۱۸۴ از بیہقی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے اور ان کی خدمت میں گھر بننے سے عمر و راز ہوتی ہے اور رزق بڑھتا ہے بلکہ ماں باپ کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے بھی عمر و راز ہوتی ہے اور وسیع رزق نصیب ہوتا ہے نئی نسل کے بہت سے نوخیز نوجوان دوست احباب بیوی بچوں پر تو بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے ہیں اور ماں باپ کے لیے پھوٹی کوڑی خرچ کرنے سے بھی ان کا دل دکھتا ہے یہ لوگ آخرت کے ثواب سے تو محروم ہوتے ہی ہیں دنیا میں بھی نقصان اٹھاتے ہیں ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری اور دیگر رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے جو عمر میں درازی اور رزق میں وسعت ہوتی ہے اس سے محروم ہوتے ہیں۔

ماں باپ کے اخراجات کے لیے محنت کرنے کا ثواب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک ایسے شخص کا (مسجد نبوی کے قریب) گزر ہوا جس کا جسم دبلا پتلا تھا اس کو دیکھ کر حاضرین نے کہا کہ کاش یہ جسم اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد میں) دبلا ہوا ہوتا یہ سن کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ شاید وہ اپنے بوڑھے ماں باپ پر محنت کرتا ہو (اور ان کی خدمت میں لگے اور ان کے لیے روزی کمانے کی وجہ سے دبلا ہو گیا ہو) اگر ایسا ہے تو وہ نبی سبیل اللہ ہے (پھر فرمایا کہ) شاید وہ چھوٹے بچوں پر محنت کرتا ہو (یعنی ان کی خدمت اور پرورش اور ان کے لیے رزق مہیا کرنے میں دبلا ہو گیا ہو) اگر ایسا ہے تو نبی سبیل اللہ ہے (پھر فرمایا کہ) شاید وہ اپنے نفس پر محنت کرتا ہو (اور اپنی جان کے لیے محنت کر کے روزی کما رہا ہو) تاکہ اپنے نفس کو لوگوں سے بے نیاز کر دے اور مخلوق سے سوال نہ کرنا پڑے) اگر ایسا ہے تو نبی سبیل اللہ ہے۔ (در منثور ص ۱۷، ج ۱۱ از بیہقی)

معلوم ہوا کہ ماں باپ اور آل اولاد بلکہ اپنے نفس کے لیے حلال روزی کمانا بھی فی سبیل اللہ میں شمار ہے۔

ماں باپ کی خدمت فصلی جہاد سے افضل ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جہاد میں شریک ہونے کی اجازت مانگی، آپ نے فرمایا کہ کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہیں! آپ نے فرمایا انہیں میں جہاد کر (یعنی ان کی خدمت میں جو تو محنت اور کوشش اور مال خرچ کرے گا یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہوگا) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ واپس جا اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا رہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۳۱ از بخاری و مسلم)

حضرت معاویہ بن جاہمؓ نے بیان فرمایا کہ میرے والد حضرت جاہمؓ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے جہاد کرنے کا ارادہ کیا اور آپ سے مشورہ کرنے کے لیے حاضر ہوا آپ نے فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں زندہ ہے آپ نے فرمایا بس تو اسی کی خدمت میں لگا رہ کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۳۳۱ از احمد، نسائی، بیہقی)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں (جبکہ جہاد فرض عین نہ ہو) جہاد کی شرکت کے لیے جانے سے ماں باپ کی خدمت کرنا زیادہ افضل ہے اگر دوسر بھائی بہن ان کی خدمت کے لیے موجود نہ ہو تو ان کی خدمت میں رہنے کی اہمیت اور زیادہ ہو جائے گی۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے آیا آپ نے اس سے فرمایا کہ تم نے سرزمین شریک سے تو ہجرت کر لی لیکن جہاد (باقی) ہے تو کیا یمن میں تمہارا کوئی (قریبی) عزیز ہے؟ عرض کیا کہ والدین موجود ہیں، آپ نے سوال فرمایا کہ انہوں نے تم کو اجازت دی ہے؟ عرض کیا نہیں فرمایا بس تم واپس جاؤ اور ان سے اجازت لو اگر اجازت دیں تو جہاد میں شرکت کر لینا اور نہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہنا۔

(در منثور ص ۱۷۰، ج ۴، عن احمد والیام، وصفاں صحیح الامام)

ہجرت کی بیعت کیلئے والدین کو روتا چھوڑنے والے کو نصیحت:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ہجرت پر بیعت کرنے کے لیے آیا اور عرض کیا کہ میں آپ سے ہجرت پر بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں اور میں نے اپنے والدین کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ دونوں (میری جدائی کی وجہ سے) رورہے تھے آپ نے فرمایا کہ ان کے پاس واپس جا اور ان کو ہنسا جیسا کہ تو نے ان کو لایا۔ (مسندک حاکم ص ۱۵۳ ج ۱۱ اور وغیرہ)

یہ شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں نیک نیتی سے حاضر ہوا یعنی ہجرت پر بیعت ہونے کے لیے سفر کر کے آیا تھا اول ہجرت کی نیت پھر حضور اقدس ﷺ سے اس عمل پر بیعت ہو یا یہ سب مبارک اور نیک عمل ہے جس میں کوئی شک نہیں لیکن ماں باپ اس کے سفر کرنے پر راضی نہ تھے وہ اس شخص کے سفر میں جانے سے بہت بے چین ہوئے اور جدائی کے صدمہ سے رونے لگے۔ جب حضور اقدس ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا کہ واپس جا اور والدین کو ہنسا جیسا کہ تو نے ان کو لایا ہے۔ اس سے ماں باپ کی دلداری کی اہمیت اور فضیلت معلوم ہوئی یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ہجرت کرنا فرض نہ تھا اسلام خطہ عرب میں پھیل چکا تھا مسلمان ہر جگہ امن و امان کے ساتھ اسلام کے مطابق زندگی گزار سکتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسا کام کرنا جس سے ماں باپ رنجیدہ ہوں اور صدمہ کی وجہ سے روئیں گناہ ہے، اور ایسا کام کرنا جس سے ماں باپ خوش ہوں اور جس سے ان کو اپنی آئے ثواب کا کام ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ: بکاء الوالدین من العقوق والکبائر (یعنی ماں باپ کا رونا عقوق اور کبائر میں سے ہے) جبکہ اولاد ایسا کام کرے جس سے ایذا پہنچنے کی وجہ سے رونے لگیں۔ (الادب المفرد للبخاری)

حضرت اویس قرنیؓ عین کے رہنے والے تھے ان کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے خیر التابعین فرمایا اور حضرت عمرؓ سے یہ بھی فرمایا کہ ان سے اپنے لیے دعائے مغفرت کرنا انہوں نے عہد نبوت میں اسلام قبول کر لیا تھا لیکن والدہ کی خدمت کی وجہ سے بارگاہ رسالت میں حاضر نہ ہو سکے اور شرف صحابیت سے محروم ہو گئے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ نے ان کے اس عمل پر تکریم نہیں فرمائی بلکہ تدردانی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ان سے دعا کرنا، والدین کی خدمت کا جو مرتبہ ہے وہ اس سے ظاہر ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اویس قرنیؓ کی والدہ ہے اس کے ساتھ انہوں نے حسن سلوک کیا اگر اویس (کسی بات میں) اللہ پر قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی قسم پوری فرمائے۔

ماں باپ کی خدمت نفسلی حج اور عمرہ سے کم نہیں:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد کرنے کی خواہش رکھتا ہوں اور اس پر قادر نہیں (ممکن ہے کہ یہ صاحب بہت کمزور ہوں یا بعض اعضاء صحیح سالم نہ ہوں جس کی وجہ سے یہ کہا کہ جہاد پر قادر نہیں ہوں) ان کی بات سن کر آنحضرت سرور عالم ﷺ نے سوال فرمایا کیا تیرے ماں باپ میں سے کوئی زندہ ہے؟ عرض کیا والدہ زندہ ہے، آپ نے فرمایا کہ بس تو اپنی والدہ (کی خدمت اور فرمانبرداری) کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈر جب تو اس پر عمل کرے گا تو حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا اور جہاد کرنے والا ہوگا جب تیری ماں تجھے

بلائے تو (اس کی فرمانبرداری کے بارے میں) اللہ سے ڈرنا (یعنی نافرمانی مت کرنا) اور والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا۔ (درمنثور ص ۱۷۲ ج ۱ از بیہقی وغیرہ)

اس حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ والدہ تم کو بلائے تو اس کی اطاعت کرو، عام حالات میں جب بھی ماں باپ بلائیں ان کے پکارنے پر حاضر ہو جائے اور جو خدمت بتائیں انجام دیدے اگر نماز میں مشغول ہو اور اس وقت والدین میں سے کوئی آواز دے تو اس کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ ماں باپ اگر کسی مصیبت کی وجہ سے پکاریں مثلاً پاخانہ وغیرہ کی ضرورت سے آتے جاتے پاؤں پھسل جائے اور دونوں میں سے کوئی گر جائے یا گر جانے کا قوی اندیشہ ہے اور کوئی دوسرا اٹھانے والا اور سنبھالنے والا نہیں ہے تو ان کو اٹھانے اور سنبھالنے کے لیے فرض نماز کا توڑ دینا واجب ہے اور اگر انہوں نے کسی ایسی ضرورت کے لیے نہیں پکارا جس کا اوپر ذکر ہوا بلکہ یوں ہی پکار لیا تو فرض نماز توڑنا درست نہیں ہے اور اگر کسی نے سنت یا نفل نماز شروع کر رکھی ہے اور ماں باپ نے آواز دی لیکن ان کو معصوم نہیں ہے کہ فلاں لڑکا یا شرکی نماز میں ہے تو اس صورت میں نماز توڑ کر جواب دینا واجب ہے خواہ کسی ضرورت سے پکاریں خواہ بلا ضرورت یوں ہی پکار لیں اس صورت میں اگر نماز نہ توڑی اور ان کا جواب نہ دیا تو گناہ ہوگا البتہ اگر ان کو معلوم ہے کہ نماز میں ہے اور یوں ہی بلا ضرورت پکارا ہے تو نماز نہ توڑے۔ (ذکرہ الثانی فی باب ادراک الفریضہ)

والدین کے ستانے کی سزا دنیا میں مسل جاتی ہے:

حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمام گناہ ایسے ہیں کہ اللہ چاہتا ہے تو انہیں معاف فرما دیتا ہے مگر والدین کے ستانے کا گناہ ایسا ہے جس کی سزا دنیا ہی میں موت سے پہلے دے دیتا ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۲ از شعب الایمان للبیہقی)

والدین کی نافرمانی بڑے کبیرہ گنہوں میں سے ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے بڑے گناہ یہ ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ (۲) والدین کی نافرمانی کرنا۔ (۳) کسی جان کو قتل کر دینا (جس کا قتل کرنا قاتل کے لیے شرعاً حلال نہ ہو)۔ (۴) جھوٹی قسم کھانا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۱۷ از بیہقی)

کبیرہ گناہوں کی فہرست طویل ہے اس حدیث میں ان گناہوں کا ذکر ہے جو بہت بڑے ہیں ان میں شرک کے بعد ہی عقوق الوالدین کو ذکر فرمایا ہے، لفظ عقوق میں بہت عموم ہے ماں باپ کو کسی بھی طرح ستانا، قول یا فعل سے ان کو ایذا دینا دل دکھانا نافرمانی کرنا حاجت ہوتے ہوئے ان پر خرچ نہ کرنا یہ سب عقوق میں شامل ہے پہلے حدیث ذکر کی جا چکی ہے جس میں محبوب ترین اعمال کا بیان ہے اس میں بروقت نماز پڑھنے کے بعد ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا درجہ بتایا ہے بالکل اسی طرح بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کی فہرست میں شرک کے بعد ماں باپ کے ستانے اور ان کی نافرمانی کرنے کو شمار فرمایا ہے ماں باپ کی نافرمانی اور ایذا رسانی کس درجہ کا گناہ ہے اس سے صاف ظاہر ہے۔

وہ شخص ذلیل ہو جس کو ماں باپ نے جنت میں داخل نہ کرایا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے (ایک مرتبہ) ارشاد فرمایا کہ وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، وہ ذلیل ہو، عرض کیا گیا کون یا رسول اللہ ﷺ؟ فرمایا جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں کسی ایک کو بڑھا پے کے وقت میں پایا پھر (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۸۱ از مسلم)

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جنت میں داخل ہونے کا بہترین ذریعہ ہے اور حقوق الوالدین یعنی ماں باپ کی نافرمانی اور ایذا رسانی روزِ خ میں جانے کا ذریعہ ہے، زندگی میں خصوصاً نوجوانی میں انسان سے بہت سے صغیرہ، کبیرہ گناہ سرزد ہو جاتے ہیں اور ماں باپ کی نافرمانی بھی ہو جاتی ہے اگر کسی گنہگار بندہ کو بوڑھے ماں باپ میسر آجائیں یعنی اس کی موجودگی میں بوڑھے ہو جائیں تو گزشتہ گناہوں کے کفارہ کے لیے اور دوزخ سے آزاد ہو کر جنتی بننے کے لیے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کو ہاتھ سے نہ جانے دے جس شخص نے ماں باپ کو بوڑھا پایا لیکن ان کی خدمت نہ کی ان کی دعا نہیں نہ لیں ان کا دس دکھاتا رہا اور جوشِ جوانی میں ان کی طرف سے غفلت برتتا رہا جس کی وجہ سے دوزخ کا مستحق ہو گیا ایسے شخص کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے تین مرتبہ بددعا دی اور فرمایا کہ یہ شخص (دنیا آخرت میں ذلیل و خوار ہو) لا جعلنا اللہ منہم جس کے ماں باپ زندہ ہیں ان کو زندگی کی قدر کرے اور ان کو راضی رکھ کر جنت کمالے۔

ماں باپ کی طرف گھور کر دیکھنا بھی حقوق میں شامل ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص نے اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا جس نے والد کو تیز نظر سے دیکھا۔ (در منثور ص ۱۷۱ ج ۱۱۴ از بیہقی فی شعب الایمان)

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کو تیز نظروں سے دیکھنا بھی ان کے ستانے میں داخل ہے، حضرت حسنؑ سے کسی نے دریافت کیا کہ حقوق یعنی ماں باپ کے ستانے کی کیا حد ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ان کو (خدمت اور مال سے) محروم کرنا اور ان سے ملنا جلنا چھوڑ دینا اور ان کے چہرے کی طرف تیز نظر سے دیکھنا یہ سب حقوق ہے۔

(در مستنور از ابن ابی شیبہ)

حضرت عروہؓ نے بیان فرمایا کہ اگر ماں باپ تجھے ناراض کر دیں یعنی ایسی بات کہہ دیں جس سے تجھے ناگواری ہو تو ان کی طرف ترچھی نظر سے مت دیکھنا کیونکہ انسان جب کسی پر غصہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے تیز نظر سے ہی اس کا پتہ چلتا ہے۔

(در مستنور عن ابن ابی حاتم)

معلوم ہوا کہ ماں باپ کی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے اعضاء و جوارح سے بھی فرما نبرداری انکساری ظاہر کرنا چاہیے۔ رفتار و گفتار اور نظر سے کوئی ایسا عمل نہ کرے جس سے ان کو تکلیف پہنچے۔

ماں باپ کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ

آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے، حاضرین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا کوئی شخص اپنے باپ کو گالی دے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں (اس کی صورت یہ ہے کہ) کسی دوسرے کے باپ کو گالی دے تو وہ پلٹ کر گالی دینے والے کے باپ کو گالی دیدے۔ اور کسی دوسرے شخص کی ماں کو گالی دے تو پلٹ کر گالی دینے والے کی ماں کو گالی دے۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۹ از بحث ساری رسد)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گالی دینے والے نے اپنی ماں یا اپنے باپ کو تو گالی نہ دی لیکن چونکہ دوسرے سے گالی دوانے کا ذریعہ بن گیا اس لیے خود گالی دینے والوں میں شر ہو گیا۔ اس کو حضور انور ﷺ نے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا۔ اسی سے سمجھ لیا جائے کہ جو شخص اپنے ماں باپ کو خود اپنی زبان سے گالی دے گا ظاہر ہے کہ اس کا گناہ عام کبیرہ گناہوں سے بڑھ کر ہوگا۔ حضرات صحابہ کرامؓ کو اپنے ماحول کے اعتبار سے یہ بات بڑے تعجب کی معلوم ہوئی کہ کوئی شخص اپنے والدین کو گالی دے۔ ان کے تعجب پر حضور ﷺ نے گالی کا ذریعہ اور سبب بننے والی صورت بتائی جو اس زمانہ میں پیش آسکتی تھی، لیکن ہمارے اس دور میں تو ایسے لوگ موجود ہیں جو خود اپنی زبان سے ماں باپ کو گالی دیتے ہیں اور برے الفاظ اور برے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

ماں باپ کیلئے دعا اور استغفار کرنے کی وجہ سے نافرمان اولاد کو فسر مانسب درار لکھ دیا جاتا ہے:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ (ایسا بھی ہوتا ہے) کہ بندہ کے ماں باپ وفات پا جاتے ہیں یا دونوں میں سے ایک اس حال میں فوت ہو جاتا ہے کہ یہ شخص ان کی زندگی میں ان کی نافرمانی کرتا رہا اور ستا تا رہا۔ اب موت کے بعد ان کے لیے دعا کرتا رہتا ہے اور ان کے لیے استغفار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ جل شانہ اس کو ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں میں لکھ دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۱)

ماں باپ کیلئے دعائے مغفرت کرنے سے انکے درجات بلند ہوتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ اللہ جل شانہ جنت میں نیک بندہ کا درجہ بلند فرمادیتا ہے وہ عرض کرتا ہے کہ اے رب یہ درجہ مجھے کہاں سے ملا ہے؟ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے کہ تیری اولاد نے جو تیرے لیے مغفرت کی دعا کی یہ اس کی وجہ سے ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۰۰ از احمد)

معلوم ہوا کہ ماں باپ کے لیے دعا کرنا بہت بڑا حسن سلوک ہے، اور یہ حسن سلوک ایسا ہے کہ جو موت کے بعد بھی جاری رکھا جاسکتا ہے، کم سے کم ہر فرض نماز کے بعد ماں باپ کے لیے دعا کر دیا کرے اس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا۔ اور ان کو بڑا ناکہ پہنچ جاتا ہے۔

وَإِنَّ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ

عام رشتے داروں کے حقوق کا اہتمام:

پچھلی آیتوں میں والدین اور ان کے ادب و احترام کی تعلیم تھی اس آیت میں عام رشتہ داروں کے حقوق کا بیان ہے کہ رشتے کا حق ادا کیا جائے جو کم سے کم ان کے ساتھ حسن معاشرت اور عمدہ سلوک ہے اور وہ اگر حاجت مند ہوں تو ان کی مالی

امداد بھی اپنی وسعت کے مطابق اس میں داخل ہے اس آیت سے اتنی بات تو ثابت ہوگئی کہ ہر شخص پر اس کے عام رشتے دار عزیزوں کا بھی حق ہے وہ کیا اور کتنا ہے اس کی تفصیل مذکور نہیں مگر عام صلہ رحمی اور حسن معاشرت کا اس میں داخل ہونا واضح ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی فرمان کے تحت جو رشتہ دار ذی رحم محرم ہوا اگر وہ عورت یا بچہ ہے جن کے پاس اپنے گزارہ کا سامان نہیں اور کمانے پر بھی قدرت نہیں اسی طرح جو رشتہ دار ذی رحم محرم اپنا بیچ یا اندھا ہوا اور اس کی ملک میں اتنا مال نہیں جس سے اس کا گزارہ ہو سکے تو ان کے جن رشتہ داروں میں اتنی وسعت ہے کہ وہ ان کی مدد کر سکتے ہیں ان پر ان سب کا نفقہ فرض ہے اگر ایک ہی درجہ کے کئی رشتہ دار صاحب وسعت ہوں تو ان سب پر تقسیم کر کے ان کا گزارہ نفقہ دیا جائے گا سورۃ بقرہ کی آیت: **وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ** سے بھی یہ حکم ثابت ہے۔ (تفسیر مظہری)

اس آیت میں اہل قرابت اور مسکین و مسافر کو مالی مدد دینے اور صلہ رحمی کرنے کو ان کا حق فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ دینے والے کو ان پر احسان جتانے کا کوئی موقع نہیں کیونکہ ان کا حق اس کے ذمہ فرض ہے دینے والا اپنا فرض ادا کر رہا ہے کسی پر احسان نہیں کر رہا۔

وَإِنَّمَا نُعْرَضُ عَنْهُمْ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ.....

اس آیت میں رسول کریم ﷺ اور ان کے واسطے سے پوری امت کی عجیب اخلاقی تربیت ہے کہ اگر کسی وقت ضرورت مند لوگ سوال کریں اور آپ کے پاس دینے کو کچھ نہ ہو اس لیے ان لوگوں سے اعراض کرنے پر مجبور ہو تو بھی آپ کا یہ اعراض مستعدیانا یا مخاطب کے لیے توہین آمیز نہ ہونا چاہئے بلکہ یہ پہلو تہی کرنا اپنے عجز و مجبوری کے اظہار کے ساتھ ہونا چاہئے

اس آیت کے شان نزول میں ابن زید کی روایت یہ ہے کہ کچھ لوگ رسول کریم ﷺ سے مال کا سوال کیا کرتے تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ ان کو دیا جائے گا تو یہ فساد میں خرچ کریں گے اس لیے آپ ان کو دینے سے انکار کر دیتے تھے کہ یہ انکار ان کو فساد سے روکنے کا ذریعہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

مسند سعید بن منصور میں بروایت سبأ بن حکم مذکور ہے کہ رسول کریم ﷺ کے پاس کچھ کپڑا آیا تھا آپ نے اس کو مستحقین میں تقسیم فرما دیا اس کے بعد کچھ اور لوگ آئے جبکہ آپ فارغ ہو چکے تھے اور کپڑا ختم ہو چکا تھا ان کے پارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ.....

مشریح کرنے میں اعتدال کی ہدایت:

اس آیت میں بلا واسطہ مخاطب خود نبی کریم ﷺ ہیں اور آپ کے واسطے سے پوری امت مخاطب ہے اور مقصود اقتصاد کی ایسی تعلیم ہے جو دوسروں کی امداد میں حائل بھی نہ ہو اور خود اپنے لیے بھی معصیت نہ بنے اس آیت کے شان نزول میں ابن مردود نے بروایت حضرت عبد اللہ بن مسعود اور بغوی نے بروایت حضرت جابرؓ ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں ایک لڑکا حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری والدہ آپ سے ایک کونے کا سوال کرتی ہیں اس وقت رسول کریم ﷺ

کے پاس کوئی کرتا اس کے سوا نہیں تھا جو آپ کے بدن مبارک پر تھا آپ نے لڑکے کو کہا کہ پھر کسی وقت آؤ جبکہ ہرے پاس اتنی وسعت ہو کہ تمہاری والدہ کا سوال پورا کر سکیں لڑکا گھر گیا اور واپس آیا اور کہا کہ میری والدہ کہتی ہیں کہ آپ کے مبارک پر جو کرتا ہے وہی عنایت فرمادیں یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے اپنے بدن مبارک سے کرتہ اتار کر اس کے حوالے کر دیا آپ ننگے بدن رہ گئے نماز کا وقت آیا حضرت بلالؓ نے اذان دی مگر آپ حسب عادت باہر تشریف نہ لائے تو لوگوں کو فکر ہوئی بعض لوگ اندر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ کرتے کے بغیر ننگے بدن بیٹھے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ بِالْوَادِ حُسْبِيَّةً مَخَافَةَ إِمْلَاقٍ فَمَنْ نَزَّوْنَهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِن قَتَلْتُمْ كَانَ خَطَاؤُنَا كَبِيرًا عَظِيمًا وَلَا تَقْرَبُوا الرِّزْقَ أَبْلَغَ مِنْ لَا تَأْتِيهِ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً فَبِيحًا وَسَاءَ بئس سبيلًا طَرِيقَاهُ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قَتَلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِرَبِّهِ لُورًا نَسَلْنَا عَلَى الْقَاتِلِ فَلَا يُسْرِفْ بِتَجَاوِزِ الْحَدِّ فِي الْقَتْلِ بَأْسٌ بِمَنْ قَتَلَ غَيْرَ فَاتِلِهِ أَوْ بَعِيْرِهِ مَا قَتَلَ بِهِ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِذَا عَاهَدْتُمْ اللَّهُ أَوْ النَّاسَ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا عَنْهُ وَأَوْفُوا بِالْكِيلِ إِنَّمُوهُ إِذَا كُنْتُمْ وَرَثَةً بِالْقِسْطِ السُّتَيْمِ الْمِيزَانِ السُّوِي ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا مَالًا وَلَا تَقْفُ تَبِعَ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِن السَّمْعَ وَالبَصَرَ وَالقُوَادَ القَلْبَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا صَاحِبُهُ مَاذَا فَعَلَ بِهِ وَلَا تَشْسِ فِي الأَرْضِ مَرَحًا أَيْ ذَامَرَ حِبالَ الكِبَرِ وَالحَيْلَاءِ إِنَّكَ لَنْ تُخْرِقَ الأَرْضَ تُسْقِهَا حَتَّىٰ تَبْلُغَ آخِرَها بِكِبْرِكَ وَكَنْ تَبْلُغَ الجِبَالَ طُولًا أَلْمَعْنَى إِنَّكَ لَا تَبْلُغُ هَذَا المَبْلَغَ فَكَيْفَ تَحْتَالَ كُلُّ ذَلِكَ المَدُّ كُورٌ كَانَ سَبِيْعُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ذَلِكَ وَمِمَّا أَوْحَى إِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ رَبُّكَ مِنَ الحِكْمَةِ المُرُ عِظَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَلْقَى فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَدْحُورًا مَطْرُودًا عَنْ رَحْمَةِ اللَّهِ أَفَأَصْفَاكُمْ أَحْلَضَكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ بِالْبَيْنِ وَاتَّخَذَ مِنَ المَلِكَةِ إِنَّا كُنَّا بَنَاتًا لِنَفْسِهِ بِزَعْمِكُمْ إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ بِذَلِكَ قَوْلًا عَظِيمًا

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو (زندہ گاڑ کر) افلاس (فقر) کے خوف سے ہم ہی ہیں کہ نہیں بھی اور تمہیں بھی روزی دیتے ہیں بیشک ان کو قتل کرنا بڑے بھاری گناہ کی بات ہے اور زنا کاری کے پاس بھی مت پھٹکو (یہ طرز اس کی بہ نسبت زیادہ بلغی ہے کہ زنا مت کرو) یقین کرو وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے اور بڑی برائی کا چلن ہے اور کسی کا قتل ناحق مت کرو، وہں مگر حق پر، اور جو کوئی ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار و یدیا، چاہئے کہ اسے قتل کرنے میں حدود سے تجاوز نہ کرے (اس

طرح کہ قاتل کے علاوہ کسی اور کو قتل کر دے، یا طریقہ قتل بدل ڈالے) وہ شخص طرف داری کے قاتل ہے اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر ہاں ایسے طریقہ سے جو بہتر ہو یہاں تک کہ یتیم جوان ہو جائے اور اپنا عہد پورا کر دے (جو تم نے اللہ سے یا لوگوں سے کیا ہے) بیشک عہد کے بارے میں باز پرس کی جائے گی اور جب کوئی چیز ناپ کر دو تو پورا ناپو (پیمانہ پورا رکھو) اور جو تو لو تو صحیح ترازو سے (جو برابر برابر ہو) تو لو یہ اچھی بات ہے اور اس کا انجام (نتیجہ) اچھا ہے اور دیکھو جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے مت پڑو یا درکھو کان، آنکھ، عقل ان سب کے بارے میں باز پرس ہونے والی ہے (کہ ان اعضاء سے لوگوں نے کیا کام لیا ہے اور زمین پر اڑ کر (اترا کر) مت چلو، یقیناً تم زمین میں شکاف نہیں ڈال سکتے (کہ اپنے تکبر کی وجہ سے اسے پھاڑ کر آخر تک پہنچ جاؤ) اور نہ پہاڑوں تک پہنچ سکتے ہو لہجے ہو کر (یعنی جب تم پہرڑ کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتے پھر تکبر کیوں کرتے ہو؟) یہ (مذکورہ) سارے برے کام آپ کے پروردگار کے نزدیک سخت ناپسند ہیں یہ باتیں اس حکمت (دانائی) کی باتوں میں سے ہیں جو (اے محمد!) آپ کے پروردگار نے وحی کے ذریعہ آپ پر بھیجی ہیں اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت ٹھہراؤ کہ بالآخر مامت کے مستوجب اور ٹھکرائے ہوئے ہو کر دوزخ میں جھونک دیئے جاؤ اللہ کی رحمت سے راندہ ہو کر) کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں تو اس بزرگی کے لیے چن لیا ہو (اے مکہ والو خاص کر لیا ہو) کہ بیٹے والے ہو اور خود فرشتوں کو بیٹیں بنا لیا ہو (تمہارے خیال کے مطابق بیشک یہ کیسی سخت بات ہے جو تم کہہ رہے ہو)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: بِالْوَالِدِ: وَأُوذُنُهُ دُفِنَ كَرْنَهُ كَوَيْتِهِ هِيَ۔

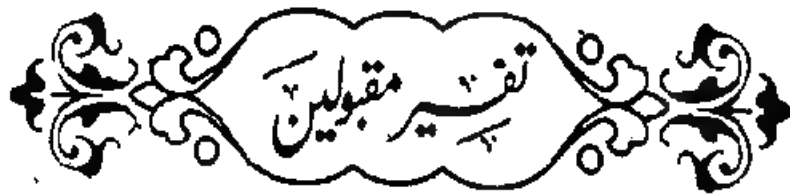
قولہ: لَا تَقْرَبُوا الْوَالِدِ: چہ جائیکہ عزم سے اس کا ارتکاب کر لے قریب جانے سے بھی روک دیا اور یہ انداز لانا تو اس سے بھی زیادہ بلغ ہے۔

قولہ: إِنَّكَ كَانَ مَنصُورًا: اس میں ضمیر منتول کے ولی کی طرف لوثی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص کا حق اس کے لیے رکھا ہے اور یہی ضمی کی علت ہے۔

قولہ: ذَا مَرَحٍ: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف یہاں محذوف ہے۔

قولہ: إِنَّكَ لَا تَجْلُعُ: یہ متکبر کے لیے بطور تکم فرمایا۔

قولہ: بِرَّ عِبَادِكُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ استغہام انکاری ہے۔



اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، زنا کے قریب نہ جاؤ، کسی جان کو بلا شرعی حکم کے قتل نہ کرو، یتیموں کا مال نہ کھاؤ:

ان آیات میں متعدد احکام ذکر فرمائے ہیں، پہلا حکم یہ فرمایا کہ اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل نہ کرو اہل عرب اولاد کو اس وجہ سے قتل کر دیتے تھے کہ ہم اولاد کو کہاں سے کھلائیں گے جو لوگ تنگدستی میں ایسا کرتے تھے ان کے بارے میں فرمایا: (وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ) یہ الفاظ سورۃ النعام میں ہیں اور کچھ لوگ اس لیے قتل کر دیتے تھے کہ ممکن ہے آئندہ تنگدست ہو جائیں۔ ان کے لیے فرمایا: (وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ) تم تنگدستی کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو، یہ سورۃ الاسراء کے الفاظ ہیں نیز اہل عرب لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے تاکہ کسی کو داماد نہ بنانا پڑے یہ سب جاہلانہ رسمیں تھیں، زمانہ جاہلیت میں شیطان نے اہل عرب کو ان چیزوں پر ڈالا تھا اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا: إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے۔ پرانی جاہلیت اب پھر عود کر آئی ہے دشمنان اسلام نے یہ بات اٹھائی ہے کہ اتنے سال کے بعد تک اگر بچوں کی پیداوار کی شرح اسی طرح رہی جو پورے عالم میں ہے تو زمین چھوٹی پڑ جائے گی اور کھانے پینے کی چیزوں کی کفایت نہ ہوگی لہذا ایسی کوششیں جاری کر دی گئی ہیں جو ان کے خیال میں بچوں کی پیدائش روکنے والی ہیں اس کے لیے کئی کئی طرح سے پردے بگڑا ہو رہا ہے۔ بھاری بھاری رقمیں خرچ کی جا رہی ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ دشمنان اسلام جو کچھ کہہ دیتے ہیں مسلمان صاحب اقتدار اسے تسلیم کر لیتے ہیں قرآن وحدیث کی تصریحات کو بالکل نہیں دیکھتے قرآن نے اس جہالت کا پہلے ہی جواب دیدیا اور فرمایا: نَحْنُ نَزَّلْنَاهُمْ وَإِنَّا كُنَّا لَهُمْ رِزْقًا نَحْنُ نَزَّلْنَاهُمْ وَإِنَّا كُنَّا لَهُمْ رِزْقًا (ہم تمہیں بھی رزق دیں گے اور انہیں بھی رزق دیں گے) تمہیں کس نے روزی رساں بنایا ہے اور کس نے اللہ کی مخلوق کو رزق دینے کا ٹھیکہ دیا ہے، درحقیقت جتنے بھی طریقے تقابیل اولاد کے لیے جاری کیے ہیں یہ سب اللہ کی قضاء و قدر کے سامنے ناکام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَانَتْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا وَهِيَ كَائِنَةٌ)) (یعنی اللہ کے علم میں قیامت کے دن تک جتنی بھی جانیں پیدا ہونے والی ہیں وہ ضرور پیدا ہو کر رہیں گی) اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَا مِنْ كَلِّ الْمَاءِ يَكُونُ الْوَلَدُ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ خَلْقَ شَيْءٍ لَمْ يَمْنَعْهُ شَيْءٌ مِنْ نَفْسِهِ مِنْ شَيْءٍ سِوَا مَا يَأْتِيهِ مِنْ عِلْمِهِ (۱۷۰ ص ۱۶۷) دیکھا جاتا ہے کہ مرد و عورت ولادت کو روکنے کے لیے کئی طرح کی چیزیں استعمال کرتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کو تخلیق منظور ہوتی ہے تو ان سب چیزوں کے باوجود استقرار ہو جاتا ہے اور اولاد پیدا ہو جاتی ہے۔

آنے والے انسانوں کے یہی خیر خواہ جوان کی آمد اور پیدائش کو روکنے کے لیے زور لگا رہے ہیں انہیں وقت سے پہلے آنے والوں کی روزی کی تو فکر ہے لیکن موجودہ انسانوں کی جانوں کا فکر نہیں انہیں جگہ جگہ قتل کرتے ہیں اور قتل کرواتے ہیں اور ایسے ایسے آلات حرب تیار کر رکھے ہیں جو دو چار منٹ میں ہی پورے عالم کی تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

وَلَا تَقْرَبُوا الرِّبَا إِذَا كَانَ فَا حِشَّةً وَسَاءَ سَبِيلًا ۝

دور حکم یوں دیا: (اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی اور بری راہ ہے) اس میں زنا کی ممانعت فرمائی اور یوں فرمایا کہ اس کے پاس بھی مت پھٹکو اور اسے بے حیائی اور بری راہ سے تعبیر فرمایا زنا ایسا برائے عمل ہے اور ایسی

لغت کی چیز ہے جو بھی کسی نبی کی شریعت میں حلال نہ تھی بلکہ اسلام کے علاوہ جو دوسرے ادیان میں مذہبی طور پر وہ بھی اسے ممنوع سمجھتے ہیں گو نفسِ شیطان کے ابھار کی وجہ سے اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

آج جب کہ یورپ اور امریکہ میں بے حیائی کو ہنر اور حیا کو عیب سمجھا جانے لگا ہے وہاں زنا کاری بہت عام ہو چکی ہے جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں وہ تو حیا کی ہر سرحد پار کر چکے ہیں اور چونکہ ان کے پادری ہر اتوار کو حاضرین کے ہر گناہ کو معاف کر دیتے ہیں اس لیے خوب دھڑلے سے عوام و خواص زنا کرتے ہیں، جو مسلمان وہاں جا کر بستے ہیں وہ بھی ان بے حیائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہاں رواج کی وجہ سے اتنی زیادہ بے حیائی پھیل چکی ہے کہ بیویاں ہوتے ہوئے زنا کاری میں مبتلا ہوتے ہیں اور شوہر کی رضامندی سے ایک شخص کی بیوی دوسرے شخص کے ساتھ رات گزارتی ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں ایسے لوگوں پر گذرا جن کی کھالیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھیں۔ میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں انہوں نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لیے زینت اختیار کرتے ہیں پھر میں ایسے بدبودار گڑھے پر گذرا جس میں بہت سخت آوازیں آرہی تھیں میں نے کہا جبرائیل یہ کون ہیں انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کاری کے لیے بنتی سنورتی ہیں اور وہ کام کرتی ہیں جو ان کے لیے حلال نہیں۔

(الترغیب والترہیب ص ۵۱۱ ج ۲)

اس گناہ سے بچانے کے لیے شریعت مطہرہ نے بد نظری تک سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں، اور پاؤں بھی زنا کرتے ہیں اور اس گناہ کی دنیاوی سزا یہ رکھی ہے کہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کر لے تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ مرد یا عورت زنا کر لے تو اس کو سنگسار کیا جائے یعنی پتھر مارا مار کر ہلاک کر دیا جائے دنیا میں جو مصیبتیں آرہی ہیں ان کا بہت بڑا سبب بڑے گناہ بھی ہیں اور ان گناہوں میں زنا کاری کا عام ہونا بھی ہے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں زنا کاری پھیل جائے گی قحط بھیج کر ان کی گرفت کی جائے گی اور جن لوگوں میں رشوت کا لین دین ہوگا رعب کے ذریعے ان کی گرفت ہوگی (یعنی دلوں پر رعب طاری ہو جائے گا اور دشمنوں سے ڈرتے رہیں گے) حضرت ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی قوم میں (ایک روایت میں ہے کہ جب کسی بستی میں) زنا اور سوؤ کا ظہور ہو جائے تو ان لوگوں نے اپنی جانوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل کر لیا۔ (الترغیب والترہیب ص ۲۷۸ ج ۲)

جب زنا عام ہو جاتا ہے تو حرام کی اول دہی زیادہ ہو جاتی ہے نسب باقی نہیں رہتا کون کس کا بیٹا اور کس کا بھتیجا یا بھانجا، ان سب باتوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ صلہ رحمی کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ اور انسان، حیوان محض بن کر رہ جاتا ہے۔ حلالی ہونے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ بلکہ حرامی ہونے ہی کو مناسب سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں یورپ کے رہنے والوں پر یہ باتیں مخفی نہیں ہیں۔

حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت برابر خیر پر رہے گی جب تک ان میں زنا کی اولاد کی کثرت نہ ہو جائے۔ سو جب ان میں زنا کی اولاد پھیل جائے گی تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو عام عذاب میں مبتلا فرما دے گا اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ جب زنا ظاہر ہو جائے گا تو تنگدستی اور ذلت کا ظہور ہوگا۔ (الترغیب والترہیب ص ۲۷۷ ج ۲)

مقابلہ شریف جلال الدین

صحیح بخاری میں حضرت سرہ بن جندب سے رسول اللہ ﷺ کا ایک خواب مروی ہے (حضرات انبیاء کرام کا خواب سچا ہوتا ہے) جس میں بہت سی چیزوں کا تذکرہ ہے ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ کا گدرا ایک ایسے سورخ پر ہوا جو تیز کی طرح تھا۔ اس میں جو جھانک کر دیکھا تو اس میں ننگے مرد اور نگی عورتیں نظر آئیں ان کے نیچے سے آگ کی لپٹ آتی تھی جب وہ لپٹ اوپر آتی تھیں تو وہ چیخنے چلاتے اور فریاد کرتے تھے آپ نے اپنے ساتھیوں سے دریافت فرمایا (جن میں ایک جبرائیل اور ایک میکائیل تھے) یہ کیا جرا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ زنا کار مرد اور زنا کار عورتیں ہیں۔

(مشحیح بحاری ص ۱۰۴، صوفی المکتوبہ ص ۲۹)

جب زنا کی عادت پڑ جاتی ہے تو بڑھاپے میں بھی زنا کرتے رہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات نہ کرے گا اور ان کو پاک نہ کرے گا اور ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا (۱) زنا کار بوزھا (۲) جھوٹا بادشاہ (۳) تنگ دست منکبر۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے، ان میں زنا کار بوزھے کو بھی شمار فرمایا اور ایک حدیث میں فرمایا کہ تین شخصوں سے اللہ کو بغض ہے ان میں سے ایک زنا کار بوزھا بھی ہے۔ (الترغیب ص ۲۷۵ ج ۲)

حضرت ابو ثادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی ایسی عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر گھر پر نہیں ہے (اور اس کے غائب ہونے کو اس نے زنا کا ذریعہ بنا لیا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر ایک اڑدھا مسلط فرمائے گا (الترغیب والترہیب ص ۲۷۹ ج ۳) شوہر گھر پر نہ ہو تو عورت مرد کی ضرورت محسوس کرتی ہے زنا کاری کا مزاج رکھنے والے ایسی عورت سے جوڑ بٹھا لیتے ہیں ایسے لوگوں کو مذکورہ بالا وعید سنائی ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ شوہر اگر گھر پر ہو اور دیوٹ ہو تو اس کی اجازت سے گناہ حلال ہو جائے گا زنا ہر حال میں حرام ہے۔

اسلام عفت اور عصمت والا دین ہے۔ اس میں فواحش اور منکرات اور زنا کاری اور اس کے اسباب اور دوامی، ناج رنگ، عریانی وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ یورپ کے شہوت پرست انسان نما حیوانوں میں زنا کاری عام ہے محرم عورتوں تک سے زنا کرتے ہیں قالو نامردوں کو مردوں سے شہوت پوری کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ سے طرح طرح کے بدترین امراض میں مبتلا ہیں۔

ایک حدیث میں برہدی کے اسباب میں سے یہ بھی بتایا جاتا ہے۔ اکتلی الرجال بالرجال والنساء بالنساء کہ مرد مردوں سے شہوت پوری کرنے لگیں اور عورتیں عورتوں سے۔ (الترغیب والترہیب ص ۲۶۷ ج ۲)

یورپ والوں کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی ان کے کرتوتوں کے ساتھی بنتے جا رہے ہیں اور شہوت پرستوں کو ان کے مقاصد میں کامیاب بنا رہے ہیں سورۃ نساء میں فرمایا: (وَ اللّٰهُ يُرِيدُ اَنْ يُّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَ يُرِيدَ الْاٰدِثِيْنَ يَنْتَبِعُوْنَ الشَّهْوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا) (اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمائے، اور جو لوگ شہوتوں کا اتباع کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ۔)

بعض زنا کار عورتوں کی یہ بات سننے میں آئی ہے کہ میرا بدن ہے جس طرح چاہوں استعمال کروں۔ یہ تو کفریہ بات ہے قرآن کا مقابلہ ہے۔ اس کا معنی ہے (العیاذ باللہ) کہ زنا کاری سے قرآن کا منع فرما صحیح نہیں، درحقیقت بہت سے لوگوں نے

یہ سمجھا ہی نہیں کہ ہم بندے ہیں اللہ تعالیٰ خالق ہے اور مالک ہے، سارے بندے اس کی مخلوق ہیں اور مملوک ہیں مملوک کو کیا حق ہے کہ اپنی ذات کو اپنے بارے میں اور اپنے جسم و جان کے بارے میں خود مختار سمجھے۔

بہت سے ملکوں میں یہ قانون نافذ ہے کہ زنا بالجبر تو منع ہے لیکن اگر رضامندی سے کوئی مرد عورت سے زنا کر لے تو اس پر نہ کوئی سزا اخذ ہے اور نہ کوئی سزا۔ بہت سے وہ ممالک جن کے اصحاب اقتدار مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں ان کے ملک میں بھی یہ قانون نافذ ہے اور دشمنوں کے سمجھانے سے یہ قانون پاس کر دیا گیا ہے کہ بیک وقت نکاح میں صرف ایک عورت رہ سکتی ہے لیکن دو ستانیاں جتنی چاہے رکھ سکتا ہے۔ زنا کاری کو عام کر دینا انجام کے اعتبار سے کیا رنگ لائے گا اس کے بارے میں بالکل کوئی فکر نہیں، مسلمان ممالک کے ذمہ دار دشمنوں کے سامنے اس بات سے جھینپتے ہیں کہ ایک سے زیادہ عورتیں نکاح میں رکھنے کا قانون پاس کر دیں۔ مسلمان کو کافر سے کیا جھینپنا؟ اسے تو قرآن و حدیث کے قوانین نافذ کرنا لازم ہے۔

آخر میں ایک حدیث کا ترجمہ لکھ کر یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے مہاجرین کی جماعت پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ گے اور اللہ کرے کہ تم ان چیزوں کو نہ پاؤ (تو طرح طرح کی مصیبتوں اور بلاؤں میں اجتلاء ہوگا۔)

(۱) جس قوم میں کھلم کھلا طریقہ بے حیائی کا رواج ہو جائے گا ان لوگوں میں طاعون پھیلے گا اور ایسے امراض میں مبتلا ہوں گے جو ان کے اسلاف میں نہیں تھے۔

(۲) اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے انکو قحط کے ذریعہ پکڑا جائے گا اور سخت محنت اور بادشاہ کے ظلم میں مبتلا ہوں گے۔

(۳) اور جو لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ کو روک لیں ان سے بارش روک لی جائے گی اور اگر جانور نہ ہوں تو (بالکل ہی) بارش نہ ہو۔

(۴) اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اور اسکے رسول کے عہد کو توڑ دیں گے ان کے اوپر دشمن مسلط کر دیا جائے گا وہ انکے بعض اموال لے لے گا۔

(۵) اور جس قوم کے اصحاب اقتدار اللہ کی کتاب کے ذریعے فیصلے نہ کریں گے اور اللہ نے جو چیز نازل فرمائی اس کو اختیار نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے آپس میں ایسی مخالفت پیدا فرمادے گا جس کی وجہ سے آپس میں لڑتے رہیں گے۔

(رواہ ابن ماجہ فی باب العقوبات ص ۱۱۲)

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ

تیسرا حکم یہ فرمایا کہ اللہ نے جس جان کو قتل کرنے سے منع فرمایا اسے قتل مت کرو۔ جس کسی جان کا قتل کرنا شریعت اسلامیہ میں حلال نہیں ہے اس کا قتل کر دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اور اس بارے میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں قتل کی بعض صورتوں میں قصاص اور بعض صورتوں میں دیت ہے اس کی تفصیلات سورۃ بقرہ کے ایک سو یوں رکوع میں اور سورۃ نساء کے تیرہویں رکوع میں اور سورۃ مائدہ کے ساتویں رکوع میں گزر چکی ہیں۔ (انوار البیان)

قتل نفس کی حرمت بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيِّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ ۗ (اور جو شخص ظلماً قتل کیا گیا اس کے ولی کے لیے ہم نے اختیار رکھا ہے سو وہ قتل کرنے میں حد سے آگے نہ بڑھے)

کسی کے قتل کر دینے پر جو عذاب ہے وہ آخرت سے متعلق ہے۔ اور دنیا میں جو اس کے بارے میں شرعی احکام ہیں ان کے مطابق مقتول کے ولی کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ شرعی اصول کے مطابق قتل کا ثبوت ہو جانے پر انہیں حدود پر ہے جو حدود اس کے لیے مقرر کر دی گئی ہیں مثلاً قتل خطا میں دیت کے بجائے قاتل کو قتل نہ کرے اور قتل عمد میں جو شریعت نے قصاص سینکے اختیار دیا ہے اسے قاتل تک ہی محدود رکھا جائے۔ جوش انتقام میں قاتل کے سوا کسی دوسرے شخص کو اس کے اعزہ و اقربائے سے قتل نہ کر دے۔ نیز قاتل کے قتل کرنے میں زیادتی نہ کرے۔ مثلاً اس کے ہاتھ پاؤں، ناک نہ کاٹے، جسے مثلہ کرنا کہتے ہیں۔

إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا (بلاشبہ مقتول کے ولی کی مدد ہوگی) یعنی ولی مقتول حد شرعی کے اندر رہتے ہوئے قصاص سے ہا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد کی جائے گی۔ یعنی شریعت اسلامیہ اس کی مددگار ہوگی۔ اور اہل ایمان اصحاب اقتدار قصاص دلانے کے لیے راہ ہموار کریں گے اسے قصاص دلائیں گے۔ اس کا دوسرا رخ بھی سمجھ لینا چاہیے اور وہ یہ کہ اگر ولی مقتول حد سے بڑھ گیا تو اب یہ ظالم ہوگا اور معاملہ برعکس ہو جائے گا۔ اور اب شرعی قانون میں اس کا مواخذہ ہوگا۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ أَيْتِيمٍ

چوتھا حکم یہ فرمایا کہ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقے پر جو مستحسن ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اس بارے میں سورۃ نساء کی تفسیر میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔

پانچواں حکم یہ دیا کہ عہد کو پورا کرو اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ: إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا (یعنی عہد کی باز پرس ہوگی) بہت سے لوگ عہد تو کر لیتے ہیں لیکن اس کی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے اور قصداً عہد کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ دفع الوقت کے طور پر وعدہ کر لیتے ہیں اور عین معاہدہ کرتے وقت بھی دل میں عہد توڑنے اور دغا دینے کا ارادہ کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کو تنبیہ فرمائی کہ عہد کی باز پرس ہوگی۔ قرآن مجید کی متعدد سورتوں میں عہد پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطِ أَيْسَ الْمُسْتَقِيمِ

چھٹا حکم یہ دیا کہ ناپ تول پوری کیا کرو اور ٹھیک ترازو سے تول کرو۔

آخر میں فرمایا: ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (کہ احکام پر عمل کرنا بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھی چیز ہے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ

جس بات کا پتہ نہیں اسکے پیچھے پڑنے اور زمین پر اتراتے ہوئے چلنے سے ممانعت:

یہ تین آیات ہیں پہلی آیت میں اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ جس بات کا علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو، اس کی جامعیت بہت سے اعمال کو شامل ہے اس نصیحت پر دھیان نہ دینے کی وجہ سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں معاشرہ میں جو بد مزگی پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کی آبروریزی ہو جاتی ہے مختصر الفاظ میں ان سب کی ممانعت آگئی، غلط حدیثیں بیان کرنا خود حدیثیں وضع کرنا جھوٹے راویوں سے حدیثیں لینا اور انہیں آگے بڑھانا کسی بھی شخص کے بارے میں محض اٹکل سے یا سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر کچھ کہہ دینا تہمت رکھ دینا یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو دینی اعتبار سے گمراہی کا ذریعہ بنتی ہیں اور دنیاوی اعتبار سے آپس میں بغض اور دشمنی پھیلاتی ہیں صرف گمان سے اٹکل بچو کوئی بات ثابت نہیں ہوتی سورۃ الحجرات میں فرمایا: (إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ

انہما (بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) اور غیبت کرنا تو اس بات کا تقین ہوتے ہوئے بھی حلال نہیں ہے کہ فلاں شخص نے فلاں گناہ کیا ہے یا فلاں شخص میں فلاں عیب ہے پھر بھلا محض انکل سے یا خود سے بنا کر کسی کے بارے میں یوں کہہ دینا کہ اس نے تو سمعت ولم تسمعه و علمت ولم تعلمہ، وقال مجاہد لا نرم احدًا بما لیس لک بہ علم، قال القنسی، لا یتبعہ بالحدس والظن وهو فی اللغة اتباع الاثر یقال، فقوت فلانا اقفوه و قصبته واقفیتہ ذاتبعث اثر۔

پھر ارشاد فرمایا: **إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا** کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں باز پرس ہوگی، اللہ تعالیٰ شانہ نے جو یہ اعضا دیئے ہیں یوں ہی نہیں دیئے کہ ان کو جیسے چاہیں اور جہاں چاہیں استعمال کریں جس ذات پاک نے عطا فرمائے ہیں اس نے ان سب کے استعمال کرنے کے مواقع بھی بتائے ہیں اور وہ اعمال بھی بتائے ہیں جن سے ان کو محفوظ رکھنا لازم ہے کہاں دیکھے اور کیا بات سنے اور اپنی قوت لگہ لگہ کر یا جھوٹا بل بنا کر خیانت کر دی یا کسی ایسے مرد یا کسی عورت سے مصافحہ کر لیا جس سے مصافحہ کرنا جائز نہیں تو اس نے اپنے ہاتھ پاؤں کو غیر شرعی امور میں استعمال کیا، بائیں ہاتھ سے کھایا اور داہنے ہاتھ سے استنجا کیا یہ بھی ہاتھ کا غلط استعمال ہے۔ زبان سے کوئی بیجا بات کی کفر کا کلمہ کہا کسی کی غیبت کی کسی پر تہمت دھری گالی دی تھوٹ بولا یہ سب زبان کا غلط استعمال ہوا، کسی شخص نے گانا سنا، باجوں کی آواز کی طرف کان لگانا غیبتیں سننا ہا یہ کان کا غلط استعمال ہوا، کسی شخص نے ایسی جگہ نظر ڈالی جہاں دیکھنا یا نظر ڈالنا ممنوع تھا، بد نظری سے کسی کو دیکھ لیا کسی کے ستر پر نظر ڈالی آنکھوں کو کسی بھی طرح گناہوں میں استعمال کیا تو یہ سب آنکھوں کا غیر جگہ استعمال ہوگا جہاں استعمال کرنا ممنوع تھا، کوئی شخص گناہ کے لیے کہیں چل کر گیا تو اس نے اپنے پاؤں کا غلط استعمال کیا، حدیث شریف میں ہے کہ آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا دیکھنا زنا کرنا ہے اور کان بھی زنا کرتے ہیں ان کا زنا سننا ہے اور زبان بھی زنا کرتی ہے اس کا زنا بات کرنا ہے اور ہاتھ بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا چل کر جانا ہے اور دل خواہش کرتا ہے اور گناہوں کی آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے یعنی موتمد لگ جاتا ہے تو شرم گاہ گناہوں میں استعمال ہو جاتی ہے ورنہ شرم گاہ کا زنا ہو نہیں پاتا لیکن اس سے پہلے دوسرے اعضاء زنا کر چکے ہوتے ہیں اور ان کا گناہ صاحب اعضاء کے ذمہ پڑ جاتا ہے کیونکہ انہیں اسی نے استعمال کیا ہے۔ (مشکوٰۃ لصاح ص ۲۶)

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے لیے چھ چیزوں کے ضامن بن جاؤ میں تمہارے لیے جنت کا ضامن بن جاتا ہوں: (۱) جب بات کر دو تو سچ بولو (۲) وعدہ کر دو تو پورا کرو (۳) جب تمہارے پاس امانت رکھ دی جائے تو اسے ادا کرو (۴) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کر دو (۵) اپنی آنکھوں کو نیچی رکھو (۶) اپنے ہاتھوں کو (بے جا استعمال سے) روک رکھو۔ (مشکوٰۃ لصاح ص ۱۵)

وَالْفُؤَادَ: دل کو کہتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے اور بہت بڑا عطیہ ہے جو زندگی کا ذریعہ ہے سورۃ ملک میں فرمایا: **(وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ)** (آپ فرمادیجئے کہ وہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہارے لیے کان آنکھیں بنا کیں اور دل عطا فرمائے تم کم شکر ادا کرتے ہو) یہ دل ہی تو ہے

جس کے ذریعے جسم میں خون رواں اور دواں ہے اور قوت فکر یہ سوچ سمجھ ہوش گوش کا آلہ ہے، اس کی جو نعمت عظیمہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس کو بے جا استعمال کرنا غیر شرعی امور میں اس کی قوتوں کو صرف کرنا گناہوں کے لیے تدبیریں کرنا یہ سب دل و دماغ کا غلط استعمال ہے اپنی زندگی میں انسان آزاد نہیں ان سب اعضاء کے بارے میں قیامت کے دن باز پرس ہوگی کہ ان کو کہاں لگایا اور کن کاموں میں استعمال کیا یہ اعضاء یہاں دنیا میں تو فرمانبردار ہیں لیکن قیامت کے دن مخالفانہ گواہی دیں گے۔ سورۃ نور میں فرمایا: (يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ) (جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف اس عمل کی گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے) رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو حفاظت اعضاء (از معاصی) کے لیے یہ دعا بتائی: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِىْ وَشَرِّ بَصْرِىْ وَشَرِّ لِسَانِىْ وَشَرِّ قَلْبِىْ وَشَرِّ مَشِيَّتِىْ (اے اللہ میں آپ سے اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں اور اپنی زبان اور اپنے دل اور اپنی منی کے شر سے پناہ مانگتا ہوں) کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ یہ میرے اعضاء ہیں جیسے چاہوں استعمال کروں۔ تو خود اپنا نہیں ہے تو اور تیرے اعضاء سب اللہ جل شانہ کی مخلوق اور مملوک ہیں، میدان آخرت میں کٹ جتنی کام نہ دے گی، اعمال نامہ لکھا ہوا سامنے ہوگا لہذا اپنے نفس کو اپنے قلب کو اپنے اعضاء کو پاک اور صاف لے جاؤ یہ سب اعضاء اللہ تعالیٰ شانہ کا عطیہ ہیں ان کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

دوسری آیت میں اترا کر اور اڑ کر چلنے کی ممانعت فرمائی اور فرمایا: وَلَا تَمْشِيْنَ فِي الْأَرْضِ مَرْحًا (کہ تو زمین میں اترا تا ہوا مت چل) اِنَّكَ كُنْ تَخْرُقُ الْأَرْضَ وَ كُنْ تَبْلُغُ الْجِبَالَ طَوْلًا (بے شک تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کی لمبائی کو نہیں پہنچ سکتا) یعنی اسی چال نہ چل جس سے تکبر اور غرور ظاہر ہوتا ہو کیونکہ یہ ایک احقمانہ فعل ہے تکبر کی چال چلنے والا سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں حالانکہ اللہ کی مخلوق میں اس سے بڑی بڑی چیزیں موجود ہیں۔ زمین ہی کو دیکھ لو جس پر انسان بستے ہیں انسان اسی کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کو دیکھ لو کہ وہ انسان کے قد سے بہت اونچے ہیں اترا کر چلنے والا ذرا اپنی ذات کو تو دیکھے پہاڑوں کی درازی تک تو پہنچ ہی نہیں سکتا پھر کیوں تکبر کرتا ہے اور کیا شان رکھتا ہے اور اڑتا ہوا چلتا ہے، سورۃ لقمان میں فرمایا: (وَلَا تَمْشِيْنَ فِي الْأَرْضِ مَرْحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ) (اور تو زمین میں اترا تا ہوا نہ چل بلاشبہ اللہ ہر اس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو اپنے کو بڑا سمجھنے والا ہو فخر کرنے والا ہو) تکبر انسان کے لیے زیان نہیں، جو ذلیل پانی سے پیدا ہوا جس نے ماں کے پیٹ میں حیض کے خون سے غذا پائی جو آخر میں مردہ نعش ہو کر رہ جائے گا اسے کیا مقام ہے کہ تکبر کرے اترا تا ہوا چلے اور اللہ کی مخلوق کو حقیر جانے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ایک شخص دو چادریں پہنے ہوئے ناز کے انداز میں چل رہا تھا خود پسندی اختیار کیے ہوئے تھا اللہ نے اسے زمین میں دھنسا دیا وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔

(مسح الجناری ص ۴۹، ص ۸۶۱ کتاب اللباس والایمان)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب میری امت اترا کر چلے لگے اور فارس و روم کے شہزادے ان کی خدمت کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ امت کے برے لوگوں کو ان کے اچھے لوگوں پر مسلط فرما دے گا۔ مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۹ انسان کے لیے تواضع ہی بہتر ہے تکبر حرام ہے اور تواضع محبوب چیز ہے، حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تواضع اختیار کرے گا اللہ اسے بلند فرما دے گا وہ اپنے نفس میں چھونا ہوگا اور لوگوں کی نظروں میں بڑا ہوگا

اور جو شخص متکبر ہوگا اللہ اسے گرا دے گا وہ لوگوں کی آنکھوں میں چھوٹا ہوگا اور اپنے نفس میں بڑا ہوگا لوگوں کے نزدیک کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہوگا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۴) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تکبر کرنے والوں کا حشر قیامت کے دن ایسی حالت میں ہوگا کہ صورتیں انسانوں جیسی ہوں گی اور جسم چیونٹیوں کے برابر چھوٹے چھوٹے ہوں گے ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی انہیں دوزخ کے جیل خانے کی طرف ہٹایا جائے گا جس کا نام بولس ہے ان لوگوں پر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوئی ہوگی۔ انہیں دوزخیوں کے جسم کا ٹپوڑ پلایا جائے گا (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۳) حضرت عیاضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ تو واضح اختیار کر دتا کہ کوئی شخص کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے اور کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۷ از مسلم)

تیسری آیت میں مذکورہ بالا برائیوں کی شاعت اور قبحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: كُنْ ذَلِكْ كَمَا كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا (یہ سب برے کام تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں) صاحب معالم التذلیل فرماتے ہیں کہ: (وَقَطْعَى رَبُّكَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ) سے یہاں تک جو امور خیر مذکور ہوئے ان کو ترک کرنا اور جن امور سے بچنے کا حکم فرمایا ہے ان کا ارتکاب کرنا یہ سب بری باتیں ہیں تمہارے رب جل شانہ کے نزدیک مکروہ ہیں ناپسندیدہ ہیں جس نے دوزخ نشا پرورش کے اسباب پیدا فرمائے جو اعمال اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں، ان کو اختیار کرنا عقلاً بھی قبیح ہے، جو رب جل شانہ کو رب نہیں مانتے وہی افعال شنیعہ اور اعمال سیئہ کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔

ذَلِكَ مِمَّا أَوْصَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ

اللہ کے ساتھ معبود ٹھہرانے والوں کیلئے جہنم ہے اور اس کیلئے اوراد تجویز کرنا گمراہ کن:

آیات سابقہ میں جو احکام بیان ہوئے ادل تو ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ سب اس حکمت میں سے ہیں جو اللہ نے آپ پر وحی کے ذریعے بھیجی ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں: هذه من الافعال المحکمة التي تقتضيها حکمة الله عز وجل في عباده وخلقها لهم من محاسن الاخلاق والحكمة وقوانين المعاني المحکمة والافعال الفاضلة۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۶ ج ۱) یعنی یہ وہ محکم افعال ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ بندے انہیں اختیار کریں اور یہ وہ محاسن اخلاق ہیں اور محکم تو انہیں ہیں اور افعال فاضلہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے مشروع فرمایا ہے۔

اس کے بعد یوں فرمایا ہے اے مخاطب اللہ کے سوا کوئی معبود تجویز نہ کرو ورنہ ملامت کیا ہو اور اندہ کیا ہو اور دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ یہ خطاب سرری امت دعوت اور ساری امت اجابت کو ہے جو کوئی شخص بھی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا مستحق ملامت ہوگا اور قیامت کے دن دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا، مدح و رغبت کے اعتبار سے وہ جو ذلیل ہو اور اس پر پشکار پڑی ہو جس کی وجہ سے دور کر دیا گیا ہو چونکہ قَتَلْتُمْ فِي جَهَنَّمَ مَثُومًا قَدْ حُورًا فرمایا ہے اس لیے محاورہ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے کہ: امت کیا ہو اور اندہ کیا ہو اور دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

نُفُورًا ۝ عَنِ الْحَقِّ قُلْ لَهُمْ لَوْ كَانَ مَعَهُ أَيُّ اللَّهِ إِيَّاهُ كَمَا يَقُولُونَ إِذَا ابْتِغَوْا طَلَبُوا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ عِنْدَ اللَّهِ سَبِيلًا ۝ طَرِيقًا لِّبِقَاتِلُوهُ سَبْحَتَهُ تَنْزِيلُهَا لَهُ وَتَعَلَّىٰ عَمَّا يَقُولُونَ ۝ مِنَ الشَّرِّ كَأَيْدِي عَدُوٍّ كَثِيرٍ ۝ تَسْبِيحُهُ تَنْزِيلُهُ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ ۝ وَإِنْ مَا مِنْ شَيْءٍ مِنَ الْمَخْلُوقَاتِ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ ۝ أَيُّ يَقُولُ مُبْحَاثَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَفْهَمُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۝ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِلُغَتِكُمْ إِنَّهُ كَانَ خَلِيفًا خَفِيًّا ۝ حَيْثُ لَمْ يُعَاجِلِكُمْ بِالْعُقُوبَةِ ۝ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَجَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ جَهَنَّمَ مُسْتَوْرًا ۝ أَيُّ سَاتَرَ أَلَكْ عَنْهُمْ فَلَا يَرُونَكَ وَنَزَلَ فِيمَنْ أَرَادَ الْفِتْنَةَ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعَلْنَا عَلَى قلوبِهِمْ أَكِنَّةً ۝ أَعْطِيَهُ أَنْ يَفْقَهُوهُ ۝ مِنْ أَنْ يَفْقَهُوهُ الْقُرْآنَ أَيُّ فَلَا يَفْقَهُونَهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۝ يَقْرَأُونَ فَلَا يَسْمَعُونَهُ ۝ وَإِذَا ذُكِرَتِ رَبِّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ ۝ وَلَوْ عَلَىٰ آذَانِهِمْ نُفُورًا ۝ عَنْهُ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ بِسَبِيهِ مِنْ الْهُرَّةِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ فِرَاتِكَ ۝ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ يَتَخَفَتُونَ بَيْنَهُمْ أَيُّ يَتَخَفَتُونَ إِذْ بَدَلُ مِنْ رَأْيِ قَبْلَهُ يَقُولُ الظَّالِمُونَ فِيمَنْ تَنَاجَيْهِمْ ۝ مَا تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ۝ مَخْدُوعًا مَغْلُوبًا عَلَىٰ عَقْلِهِ قَالَ تَعَالَى أَنْظِرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ ۝ بِالْمَسْحُورِ وَالْكَاهِنِ وَالشَّاعِرِ فَضَلُّوا بِذَلِكَ عَنِ الْهُدَىٰ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝ طَرِيقًا إِلَيْهِ وَقَالُوا مُكْرِمِينَ لِبُعْتِ إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرِقَاتًا ۝ إِنَّا لَنَسْبَعُونَهُ خَلْقًا جَدِيدًا ۝ قُلْ لَهُمْ كُنُوزٌ جَدِيدَةٌ أَوْ حَيَاتٌ أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ۝ يَعْظَمُ عَنْ تَنْزِيلِ الْخَبِيرَةِ فَضْلًا عَنِ الْعِظَامِ وَفَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا ۝ إِلَىٰ الْخَبِيرَةِ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۝ وَلَمْ تَكُنْ أُمَّةً شَيْئًا لَإِنَّ الْقَادِرَ عَلَىٰ النَّاسِ قَادِرٌ عَلَىٰ إِعَادَتِهِمْ ۝ بَلْ هِيَ آمَنُونَ فَسَيُنْغِضُونَ ۝ يُخَزِرُ كَوْنَهُمْ رُءُوسَهُمْ ۝ نَعْجِبًا وَيَقُولُونَ اسْتَخْرَاهُ مَتَىٰ هُوَ ۝ أَيُّ الْبُعْتِ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ۝ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ ۝ يُنَادِيكُمْ مِنَ الْقُبُورِ عَلَىٰ لِسَانِ إِسْرَافِيلَ فَتَسْتَجِيبُونَ ۝ فَتَجِيبُونَ مِنَ الْقُبُورِ بِحَمْدِهِ ۝ بِأَمْرِهِ وَقِيلَ لَهُ الْحَمْدُ وَتَذُكُّونَ ۝ إِنَّ مَا لَبِثْتُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا إِلَّا قَلِيلًا ۝ لِيَهْوِيَ مَا تَزُورُونَ

ترجمہ: ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کی مثال اور وعدہ وعید بیان کر کے سمجھایا تاکہ لوگ سمجھیں نصیحت حاصل کریں لیکن اس سے تو ان کی حق سے نفرت ہی بڑھتی گئی اسے محمد ان سے کہا اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اب تک یہ لوگ عرش کے مالک اللہ کی طرف ضرور راہ ڈھونڈ نکالتے تاکہ اس سے جنگ کریں جن شرکاء کی یہ بات کرتے ہیں وہ ان سے پاک اور بلند و برتر ہے۔ ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں رہنے والے سب اس کی پاکی بیان کر رہے ہیں

اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے (مخلوق میں سے) جو تعریف کے ساتھ حمد و شانہ کرتی ہو (یعنی سبحان اللہ و بحمدہ نہ کہتی ہو) لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو (کیونکہ وہ تمہاری زبان میں نہیں ہوتی) بلاشبہ وہ بڑا بڑا ہی بخشنے والا ہے (کہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان ایک پوشیدہ پردہ حاصل کر دیتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے (وہ پردہ آپ کو کئی نگاہوں سے اوجھل رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ آپ کو دیکھ نہیں سکتے اور آنحضرت ﷺ کو شہید کر دینے کا ارادہ رکھنے والوں کے بارے میں اگلی آیت نازل ہوئی ہے) اور ہم نے ان کے دلوں پر حجاب (پردے) ڈال دیئے ہیں کہ وہ سمجھیں (قرآن کو، یعنی اب وہ قرآن کو نہیں سمجھ سکیں گے) اور ان کے کانوں میں ڈاٹ ٹھوک دی ہے (بہرہ پن پیدا کر دیا ہے تاکہ وہ قرآن کو سن نہ سکیں) اور جب آپ قرآن میں صرف اپنے پروردگار کا ذکر کرتے ہیں تو وہ لوگ نفرت کر کے پیٹھ پھیر کر دوڑنے لگتے ہیں ہم خوب اچھی طرح جانتے ہیں جس غرض سے یہ سنتے ہیں یعنی جس استہزاء کی وجہ سے سنتے ہیں جس وقت یہ لوگ آپ کی قراءت کی طرف کان لگاتے ہیں اور جس وقت یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں (باہم کا نا پھوسی کرتے ہیں) جب کہ یہ ظالم (سرگوشیاں کرتے ہوئے) یوں کہتے ہیں کہ تم جس آدمی کے پیچھے پڑے ہو وہ محض جادو کا مارا ہوا ہے (دھوکہ میں آیا ہوا، پیشینگوئیوں کرنے والا، شاعری کرنے والا) جس کی وجہ سے گمراہی میں پڑ گئے (ہدایت سے ہٹ کر) اب راستہ نہیں پاستے اور یہ بھی کہتے ہیں (منکرین قیامت) کہ جب ہم ہڈیوں کی شکل میں رہ گئے اور گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو گئے تو پھر کیا زسرنو کھڑے کیے جاسکتے ہیں؟ (آپ ان سے) کہہ دیجئے ہاں تم کچھ ہی کیوں نہ ہو جاؤ، پتھر ہو جاؤ لوہا ہو جاؤ یا کوئی اور چیز جو تمہارے خیال میں بہت ہی سخت ہو ہڈیوں اور بوسیدہ ہڈیوں سے بھی بڑھ کر اگر تمہارے نزدیک کوئی چیز ایسی ہو کہ زندگی کو قبول نہ کر سکے تب بھی تم میں روح آ کر رہے گی) یہ سن کر پوچھیں گے کہ وہ کون ہے جو دوبارہ ہمیں زندہ کر دے گا آپ کہہ دیجئے کہ وہ وہ ہے جس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا! (حالانکہ تم کچھ بھی نہیں تھے، کیونکہ جو ذات پہلی بار پیدا کرنے پر قدرت رکھتی ہو وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہوگی بلکہ بدرجہ اولیٰ) اس پر یہ لوگ آپ کے سامنے سر ہلا ہلا کر (مزکا کر) ازراہ تعجب کہیں گے (ٹھٹھا کرنے کے اندر میں) ایسا کب ہوگا؟ آپ کہہ دیجئے عجب نہیں کہ اس (قیامت) کا وقت قریب ہو، یہ اس روز ہوگا کہ اللہ تمہیں بلائے گا (اسرافیل کے ذریعہ تم کو قبروں سے بلا یا جائے گا) اور تم اس کی تعمیل کرو گے (قبروں سے جواب دیتے ہوئے اٹھو گے) اس کے حکم سے (ایک قول یہ ہے کہ قبروں سے اللہ کی تعریف کرتے ہوئے اٹھیں گے) اور خیال کر دے کہ تم نہیں ٹھہرے (دنیا میں) مگر تھوڑی مدت (ہولناک چیزوں کے دیکھنے کی وجہ سے ایسا کہیں گے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: **يَتَعَبَّرُ**: اس سے اشارہ کیا کہ تذکر یہاں نصیحت کے معنی میں ہے۔

قولہ: **عَلَوْا كَيْبَرًا**: اس سے اشارہ کیا کہ وہ ان کی باتوں سے انتہائی بلند بالا ہے۔

قولہ: **فَتَلَبَسَا**: اس سے اشارہ کیا کہ بجمہ کی ب الصاق کے لیے ہے۔

- قولہ: سَابِرَ الْاَلْك: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں مستور مجازاً سائر کے معنی میں ہے کیونکہ حجاب سائر ہوتا ہے نہ کہ مستور۔
- قولہ: مِنْ اَنْ يَّفْهَمُوْا: اشارہ کیا کہ فقہ کا معنی فہم کے ہے اور ان مصدر یہ ہے مفسر نہیں ہے۔
- قولہ: فَلَا يَّفْهَمُوْنَ: مراد یہ ہے کہ پردے سمجھنے میں رکاوٹ ہیں اور یفقہ کے بعد اس کا صلہ من مقدر ہے کیونکہ وہ منع کے معنی کو مضمّن ہے مفعول لہ نہیں ہے۔
- قولہ: نَفُوْرًا: یہ دلوا کا مفعول لہ ہے اور مصدر ہے۔
- قولہ: مِنَ الْهَرَّةِ: یعنی آپ سے اور قرآن سے مزاح کرنے کے لیے۔
- قولہ: فَرَأَيْتُكَ: اس میں اشارہ کیا کہ نحوی کا مضاف ای ذو نحوی مخدوف ہے اور نحوی مصدر ہے۔
- قولہ: مَتَّخِذُوْنَا: مسکور کا ترجمہ مخدوع سے کیا یعنی وہ شخص کہ سحر سے جس کی عقل زائل کر دی جائے۔
- قولہ: رَفَاكًا: کسی چیز کا خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جانا۔
- قولہ: تَعَجُّبًا: اس سے اشارہ کیا کہ وہ بطور استہزاء کے یہ کہتے تھے نہ کہ بطور تسلیم۔
- قولہ: بِنَادِيْكُمْ: یعنی جس دن وہ تم کو اٹھائے گا پھر تم آرازی کی تعمیل میں اٹھائے جاؤ اور یہاں اجابت سے اس بات پہ متنبہ کرنے کے لیے تعبیر کیا کہ وہ جلدی سے روانہ ہو جائیں۔
- قولہ: بِحَمْدِهِ: اس حال میں کہ تم اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر اس کی تعریف کر رہے ہو گے اور زبان سے سبحانک اللهم وبحمدک کہہ رہے ہو گے۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَلَّكُمُوْا.....

تاکید تو حید و بیان حال منکرین نبوت:

(بط) گزشتہ آیات میں سب سے اہم اور اعظم حکم تو حید کا تھا اب ان آیات میں اس کی تاکید اور تاکید کے لیے ابطال شرک پر ایک دلیل عقلی قائم فرماتے ہیں بعد ازاں ان منکرین نبوت کا حال بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اس درجہ سنگ دل ہو چکے ہیں کہ جب قرآن میں تو حید کے مضامین سنتے ہیں تو ان کی وحشت اور نفرت میں زیادتی ہو جاتی ہے اس قرآن کو اللہ تعالیٰ نے تذکر کے لیے نازل کیا تھا مگر یہ نادان بوجہ عدم تدبر کے تشغیر اور تمسخر کی حد میں داخل ہو گئے ہیں یہ ضد اور عناد کی انتہا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں علم و حکمت کی اور موعظت و نصیحت کی باتوں کو پھیر پھیر کر طرح طرح سے بیان کیا تاکہ نصیحت پکڑیں اور علم و حکمت کی باتوں کا مقصدا تو یہ ہے کہ وہ ایک ہی دفعہ سن کر اس قرآن کے عاشق اور دلدادہ ہو جائے لیکن انوس ان کی عقل پر کہ باوجود اس کے تمہیں زیادہ کرتا یہ قرآن ان کے حق میں مگر نفرت کو بجائے اس کے کہ نصیحت قبول کرتے مگر اور ایزہ بدکنے لگے۔ اور وحشت کھا کر بھاگنے لگے۔ خوب سمجھ لو کہ جس کو علم و حکمت کی باتوں سے

دشت اور نفرت ہوتی ہو یہی اس کی کمال حماقت کی دلیل ہے۔ آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جو الوہیت میں اس کے شریک ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اس صورت میں یہ دوسرے معبود اگر کچھ قدرت رکھتے تو ضرور مالک عرش کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھائی کی راہ ڈھونڈتے اور اس کے ساتھ لڑائی کر کے اس کو مغلوب کر دیتے اور اس کا ملک چھین لیتے اور اس کی سلطنت کا تختہ الٹ دیتے۔ جیسا کہ عموماً دنیا کے بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ کسی کا حکومت اور ماتحت رہنا یا کسی کا ہم پلہ ہونا پسند نہیں کرتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو وہ ضرور مالک عرش سے یعنی اللہ تعالیٰ سے جدال و قتال کرتے جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں میں ہوا کرتا ہے اور جدال و قتال کی صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی غالب ہوتا اور کوئی مغلوب اور مغلوبیت شان الوہیت کے بالکل سناپی ہے۔ اور مغلوب اور عاجز کو معبود بنانا پرلے درجے کی حماقت ہے پس جو مغلوب ہوتا وہ خدانہ ہوتا بلکہ جو غالب ہوتا وہی خدا ہوتا پھر توحید ہو جاتی وراگر باغرض مقابلہ میں سب برابر رہتے تو کوئی بھی خدانہ رہتا اس لیے کہ خدائے برحق وہ ہے کہ جو بے مثل و یکساں اور باہمتا ہو اور کوئی اس کا مثل اور ہمسرا اور برابر نہ ہو کیونکہ مماثلت یعنی برابری اور ہمسری ایک قسم کا عیب ہے اور خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر عیب سے پاک ہو اس آیت میں برہان تمانع کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آیت نلو کان فیہا الہة الا اللہ لفسدتا کی تفسیر میں آئے گی۔ یعنی اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور چند خدا ہوتے تو زمین و آسمان تباہ و برباد ہو جاتے یعنی یہ نظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔ پس جب نہ کوئی مقابلہ ہے اور نہ کوئی منازعت ہے اور نہ کوئی برابری اور ہمسری ہے تو معلوم ہوا کہ وہ خداوند بالادپست ایک ہی ہے وہ ذات وال صفات پاک اور منزہ ہے۔ اس سے کہ کوئی اس کا شریک اور اس کا ہمسرا اور اس کا مقابل ہو اور وہ بلند اور برتر ہے ان باتوں سے جو یہ نظام اس کے بارے میں کہتے ہیں۔ بہت زیادہ بلندی اور برتری جہاں وہم و خیال کی بھی رسائی نہیں اس کی بارگاہ عالی میں منزع و اور مقابلہ کا تصور بھی ممکن نہیں اب آگے فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق اللہ ہی کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے سات آسمان اور زمین اور جو کوئی فرشتہ اور جن اور انس ان میں ہے سب اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور انہی پر کیا انحصار ہے کوئی شے بھی ایسی نہیں کہ جو خدا کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو یعنی ہر چیز سبحان اللہ و حمد سبحان اللہ العظیم پڑھی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں وہ عالم ہی دوسرا ہے تم تو صرف اس جہان کی چیزوں کی تسبیح کو سنتے ہو اور سمجھتے ہو جو تمہاری بولی میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے نباتات اور جمادات میں بھی ایک قسم کا علم اور شعور رکھا ہے جس کے ادراک سے ہماری عقلیں قاصر ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ کی خبر کے مطابق اس پر ایمان لانا چاہئے اور اس کے علم کو اللہ کے سپرد کرنا چاہئے۔ پہاڑوں کا اور پرندوں کا اور اود غایلا کے ساتھ تسبیح پڑھنا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ کہ قال اللہ تعالیٰ

نوسفر نامع داود الجبال یسبحن والطیر۔

اور صحیح بخاری میں عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ ہم گوگ طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے اور ابو ذرؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے چند کنکریاں اپنی مٹھی مبارک میں لے لیں مجلس میں ان کی تسبیح سنی گئی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے اور پھر ایسے ہی حضرت ابو بکر و عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاتھوں میں سنی گئی۔ حاضرین مجلس کا سنگرزوں کی تسبیح کو اپنے کانوں سے سننا بطور خرقی عادت تھا۔ حضور پرنور ﷺ کے اعتبار سے معجزہ تھا اور ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اعتبار سے کرامت تھی اور کرامت میں عموم نہیں ہوتا ایسے خوارق کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے۔

مسئلہ: تسبیح نباتات و جمادات کے بارے میں علماء کے دو قول تو یہ ہے کہ زندہ چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے لکڑی اور شاخ جب تک درخت پر ہے اس وقت تک تسبیح کرتی ہے اور شاخیں اور پتے درخت سے علیحدہ ہونے کے بعد تسبیح نہیں کرتے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان اس کی تسبیح کرتی ہے جیسا کہ ستون حنمانہ کی روایت مشہور اور متواتر ہے اور تمام صحاح میں مذکور ہے اور آیات اور احادیث کے عموم سے بھی قول راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمادات اور نباتات بولتے ہیں اور بزبان قال اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو عام طور سنائی نہیں دیتی مگر کبھی بطور خرق عادت اور بطریق کرامت سنی بھی گئی ہے جیسا کہ گزر اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اپنی اپنی زبان میں اس کی تسبیح بیان کرتی ہے جو اس کی زبان کو نہیں سمجھتا وہ اس کی تسبیح کو کیا سمجھتے۔

بذکرش ہر چہ بینی در خروش است
و لے دانہ دریں معنی کہ بخش است
نہ بلبل بر گل تسبیح خون است
کہ ہر غارے بہ سلیخ زبانت

اور جو بے خبر ہے وہ ان آیات اور احادیث میں تاویل کرتا ہے۔

چوں نندارد جان تو قندیلہا بہرینش کردہ تا دیلہا

بے شک خدا تعالیٰ بڑا بردبار اور آمرزگار ہے گستاخانہ کلمات پر نورا نہیں پکڑتا اور تو پہ کرنے والے کو معاف کر دیتا ہے۔

میں مشوم فرور بر علم خدا یر گیر د سخت گیر در ترا

یہاں تک تو مشرکین کی توحید اور قرآن سے نفرت اور وحشت کو بیان فرمایا اب آئندہ آیت میں بھی ان کی نفرت و ران کی استہزاء اور عیب جوئی کو بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی جب آپ ﷺ بغرض دعوت و تبلیغ ان کے سامنے قرآن پڑھتے ہیں تو ہم تیرے درمیان جو اس عالم دنیا کے علاوہ عالم آخرت کو نہیں مانتے ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں کہ آپ ﷺ جو کچھ پڑھتے ہیں یا کہتے ہیں وہ ان کے دلوں تک نہیں پہنچتا اور وہ حجاب (پردہ) حق اور ہدایت کے لیے ساتر بھی ہے اور مستور بھی ہے یعنی ایسا پوشیدہ ہے کہ وہ کسی کو بھی نظر نہیں آتا وہ عجیب پردہ ہے کہ کافروں اور ان کی ہدایت کے درمیان حائل ہے اور وہ ایسا پوشیدہ ہے کہ عام نظریں اس کو دیکھ نہیں سکتیں۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن تو آفتاب کی طرح روشن ہے لیکن ان لوگوں کی آنکھوں پر عناد کا پردہ پڑا ہوا ہے اور پردہ کے عداوہ یہ لوگ اندر سے حق سے آنکھیں بھی بند کیئے ہوتے ہیں اور گمراہی کی اندھیری کوٹھڑی میں دروازے بند کیے بیٹھے ہوتے ہیں تو آفتاب ہدایت کی روشنی ان کو کس طرح پہنچے۔ اگر ان لوگوں کو آخرت کا یقین ہوتا اور انجام کی فکر ہوتی تو دیکھنے کی کوشش کرتے ان لوگوں کی دنیا کے لیے تو آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور آخرت سے بند کئے بیٹھے ہیں اور منجانب اللہ یہ پردہ ان کی نفرت اور وحشت کی سزا ہے۔ یعنی ان کی تضر اور تمسخر کی سزا میں ان کے ور ہدایت کے درمیان ڈال دیا گیا تاکہ ہدایت ان کے دلوں تک نہ پہنچ سکے اور بعض مفسرین نے اس آیت کی دوسری تفسیر کی ہے وہ یہ کہ اے نبی ﷺ جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو بعض کافر آپ ﷺ کی قراءت سن کر آپ ﷺ کو ستانے اور مارنے کے لیے آپ ﷺ کے پاس جاتے ہیں تو حق تعالیٰ آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتا ہے اور وہ آپ ﷺ کو ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب سورۃ تبت ید ابی لہب نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ایک پتھر لے کر حضور پر نور

آنحضرت ﷺ کو مارنے کے ارادہ سے آئی اس وقت ابو بکرؓ آپ ﷺ کے پاس موجود تھے اس نے ہر چند ادھر ادھر دیکھا مگر آپ کو دیکھے اور یہ پتھر آپ کے مارے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ مجھے نہیں دیکھے گی۔ میرے اور اس کے درمیان ایک فرشتہ ماٹل ہو گیا ہے پس یہ آیت ان خاص کافروں کے لیے نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ کا قرآن سن کر آپ کو تنے آپ ﷺ کے پاس جاتے تھے۔ مگر وہ آپ ﷺ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ان کی نظروں سے پوشیدہ رکھتا۔ اس قول کی بناء پر یہ آیت تو خاص آنحضرت ﷺ کے حق میں ہوگی اور آئندہ آنے والی آیت یعنی: **وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً** تمام کافروں کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں بڑی گراں بار ڈاٹ لگا رکھی ہے کہ وہ حق کو نہ سن سکیں۔ کیونکہ الفاظ قرآنی اگر کسی طرح کان میں پہنچ جائیں تو اس بات کا امکان ہے کہ ان کے الفاظ کے معنی ان کے دلوں میں پہنچ جائیں اور منشاء خداوندی یہ ہے کہ یہ مسخرے نور ہدایت سے فیضیاب نہ ہوں اس لیے آنکھوں اور دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں میں ڈاٹ لگا دی اور یہ اس کے مستحق ہیں کیونکہ ان کی وحشت و نفرت کا یہ حال ہے کہ جب آپ ﷺ قرآن میں صرف اپنے یکتا پروردگار کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی وحدانیت کے دلائل اور براہین بیان کرتے ہیں مثلاً **الاله الا الله** کہتے ہیں یا آیت توحید پڑھتے ہیں تو نفرت سے پشت پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔ یعنی قرآن کو سن کر وحشیانہ طریق سے بھاگتے ہیں کہ کہیں کوئی بات کان میں نہ پڑ جائے۔ خدا وحدہ لا شریک کے ذکر سے بدکتے ہیں اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں ہاں اگر کسی طرح سے ان کے بٹوں کا تذکرہ آجائے تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ کہ قال اللہ تعالیٰ: **وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ** ۝ ہم خوب جانتے ہیں کہ جس غرض اور جس نیت سے وہ قرآن سنتے ہیں جب وہ تیری طرف کان لگاتے ہیں یعنی ہمیں معلوم ہے کہ اگر کسی وقت یہ لوگ آپ ﷺ کا قرآن سنتے ہیں تو بغرض استہزاء و عیب جوئی سنتے ہیں تاکہ اس میں کوئی عیب نکال سکیں اور ہم خوب جانتے ہیں اس وقت کو جب کہ وہ لوگ آپ ﷺ کے بارے میں اور قرآن کے بارے میں سرگوشی کرتے ہیں یعنی باہم مشورہ کرتے ہیں کہ کس طرح لوگوں کے دلوں میں سے قرآن کے اعتقاد اور میلان کو دور کریں۔ جب یہ ظالم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ نہیں بیرومی کرتے ہو تم مگر ایسے شخص کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اس کی عقل زائل ہو گئی ہے یعنی کافر مسلمانوں کو حضور پر نور ﷺ سے برگشتہ کرنے کے لیے یہ کہتے تھے کہ تم ایسے شخص کے تابع دار بن گئے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے اور جادو سے اس کی عقل مصلوب ہو گئی ہے اس لیے یہ عجیب عجیب باتیں کرتا ہے۔ دیکھ لیجئے کہ ان گمراہوں نے تیرے لیے کیسی کہاوتیں بنائیں اور تجھ پر کیسی کیسی پھبتیاں اڑائیں کسی نے ساحر کہا کسی نے شاعر۔ کسی نے کاہن اور کسی نے مجنون جس وقت جو منہ میں آیا بک دیا پس ان بے سرو پا باتوں کے کہنے سے خود گمراہ ہوئے کہ علم و حکمت اور نصیحت اور موعظت کی باتوں کو سحر اور جنون بتلنے لگے۔ حالانکہ جو علوم و معارف آپ ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے نکل رہے ہیں اور جن کو یہ اپنے کانوں سے سن رہے ہیں یہ اس امر پر جو عقلی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں جو کچھ بول رہے ہیں وہ اللہ کی تعظیم اور القاء سے بول رہے ہیں مگر چونکہ ان لوگوں کا عند حد سے گزر چکا ہے اس لیے یہ لوگ اب راہ راست کو نہیں پاسکتے جب تک خدا اور عناد کی پٹی آنکھوں پر بندھی رہے گی اس وقت تک راہ راست کا

نظر آنا ممکن نہیں۔

وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا إِنْ كُنَّا نَسْمَعُ لَوْ كُنَّا جَسَدًا ۝

سب دوبارہ پیدا ہوں گے:

کافر جو قیامت کے قائل نہ تھے اور مرنے کے بعد کے جینے کو خیال جانتے تھے وہ بطور انکار پوچھا کرتے تھے کہ کیا ہم جب ہڈی اور مٹی ہو جائیں گے، غبار بن جائیں گے، کچھ نہ رہیں گے بالکل مٹ جائیں گے۔ پھر بھی نئی پیدائش سے پیدا ہوں گے؟ سورۃ نازعات میں ان منکروں کا قول بیان ہوا ہے کہ کیا ہم مرنے کے بعد اٹنے پاؤں زندگی میں لوٹائے جائیں گے؟ اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ ہماری ہڈیاں بھی گل سزگنی ہوں؟ بھی یہ تو بڑے ہی خسارے کی بات ہے۔

سورۃ یسین میں ہے کہ یہ ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے بیٹھ گیا اور اپنی پیدائش کو فراموش کر گیا۔ الخ جس انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ ہڈیاں تو کیا تم خواہ پتھر بن جاؤ خواہ لوہا بن جاؤ۔ خواہ اس سے بھی زیادہ سخت چیز بن جاؤ مثلاً پہاڑ یا زمین بلکہ تم خود موت ہی کیوں نہ بن جاؤ اللہ پر تمہارا اجل نامشکل نہیں جو چاہو ہو جاؤ دوبارہ اٹھو گے ضرور۔ حدیث میں ہے کہ بھیڑیے کی صورت میں موت کو قیامت کے دن جنت دوزخ کے درمیان لایا جاتا ہے اور دونوں سے کہا جائے گا کہ اسے پہچانتے ہو؟ سب کہیں گے ہاں پھر اسے وہیں ذبح کر دیا جائے گا۔ درمنا دی ہو جائے گی کہ اے جنتیو اب دوام ہے موت نہیں اور اے جہنمیو اب ہمیشہ قیام ہے موت نہیں۔ یہاں فرمان ہے کہ یہ پوچھتے ہیں کہ اچھا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں یا پتھر اور لوہا ہو جائیں گے یا جو ہم چاہیں اور جو بڑی سے بڑی سخت چیز ہو وہ ہم ہو جائیں تو یہ تو بتلاؤ کہ کس کے اختیار میں ہے کہ اب ہمیں پھر سے اس زندگی کی طرف لوٹا دے؟ ان کے اس سوال اور بے جا اعتراض کے جواب میں تو انہیں سمجھا کہ تمہیں لوٹانے والا تمہارا سچا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے جب کہ تم کچھ نہ تھے۔ پھر اس پر دوسری بار کی پیدائش کیا گراں ہے؟ بلکہ بہت آسان ہے تم خواہ کچھ بھی بن جاؤ۔ یہ جواب چونکہ لا جواب ہے حیران تو ہو جائیں گے لیکن پھر بھی اپنی شرارت سے باز نہ آئیں گے، بد عقیدگی نہ چھوڑیں گے اور بطور مذاق سر ہلاتے ہوئے کہیں گے کہ اچھا یہ ہو گا کب؟ سچے ہو تو وقت کا یقین کر دو۔ بے ایمانوں کا یہ شیوہ ہے کہ وہ جلدی مچاتے رہتے ہیں۔ ہاں ہے تو وہ وقت قریب ہی، تم اس کے لیے انتظار کر لو، غفلت نہ برتو۔ اس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ آنے والی چیز کو آئی ہوئی سمجھا کرو۔ اللہ کی ایک آواز کے ساتھ ہی تم زمین سے نکل کھڑے ہوؤ گے ایک آنکھ چھپکانے کی دیر بھی تو نہ لگے گی۔ اللہ کے فرمان کے ساتھ ہی تم سے میدان محشر پر ہو جائے گا۔ قبروں سے اٹھ کر اللہ کی تعریفیں کرتے ہوئے اس کے احکام کی بجا آوری میں کھڑے ہو جاؤ گے۔ حمد کے لائق وہی ہے تم اس کے حکم سے اور ارادے سے باہر نہیں ہو۔ حدیث میں ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے والوں پر ان کی قبر میں کوئی وحشت نہیں ہوگی۔ گویا کہ میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ قبروں سے اٹھ رہے ہیں اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ کہیں گے کہ اللہ کی حمد ہے جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔ سورۃ فاطر کی تفسیر میں یہ بیان آ رہا ہے ان شاء اللہ۔

اس وقت تمہارا یقین ہو گا کہ تم بہت ہی کم مدت دنیا میں رہے گویا صبح یا شام کوئی کہے گا دس دن کوئی کہے گا ایک دن کوئی

متن میں شرح جلالین جلد ۱ ص ۲۸۷
 سب سے ایک ساعت ہی۔ سوال پر یہی کہیں گے کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ہی۔ اور اس پر قسمیں کھائیں گے اسی طرح دنیا میں بھی اپنے جھوٹ پر قسمیں کھاتے رہے تھے۔

وَقُلْ لِعِبَادِي الْمُؤْمِنِينَ يُقُولُوا لِلْكَفَّارِ الْكَلِمَةُ الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَلْغُو بِفَسْدٍ بَيْنَهُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُبِينًا ۝ بَيْنَ الْعَدَاوَةِ الْكَلِمَةُ الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ هِيَ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ إِنَّ يَشَأْ يَرْحَمَكُمْ بِالْتَّوْبَةِ وَالْإِيمَانِ أَوْ إِنْ يَشَأْ تُعَذِّبِكُمْ يَعَذِّبُكُمْ بِالْمَوْتِ عَلَى الْكُفْرِ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكَيْلًا ۝ فَخَبِّرْهُمْ عَلَى الْإِيمَانِ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْقِتَالِ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَيُخَصُّهُمْ بِمَا شَاءَ عَلَى قَدْرِ أَحْوَالِهِمْ وَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ بَشَرِيصٍ كُلِّ مِنْهُمْ بِفَضِيلَةٍ كَمُوسَى بِالْكَلامِ وَإِسْرَائِيلَ بِالْحَلَّةِ وَمُحَمَّدٌ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمَا السَّلَامُ بِالإِسْرَاءِ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ وَأَتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۝ قُلْ لَهُمْ أَدْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمُ إِلَهَةٌ مِنْ دُونِهِ كَالْمَلَائِكَةِ وَعِيسَى وَعَزْرِيْرَ فَلَا يَسْبُلُونَ كَشَفِ الضَّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۝ لَهُ إِلَى غَيْرِكُمْ إِلَيْكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ هُمْ إِلَهَةٌ يَبْتَغُونَ يَطْلُبُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ الْقُرْبَةَ بِالطَّاعَةِ إِلَيْهِمْ بَدَلٍ مِنْ وَارٍ يَبْتَغُونَ أَيْ يَبْتَغِيهَا الَّذِي هُوَ أَقْرَبُ إِلَيْهِ فَكَيْفَ بغيرِهِ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ كَعَبْرِهِمْ فَكَيْفَ يَدْعُوْنَهُمْ إِلَهَةٌ إِنْ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْدُورًا ۝ وَإِنْ مَا مِنْ قَرْيَةٍ أُرِيدَ أَهْلُهَا إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ بِالْمَوْتِ أَوْ مَعْلُوبُوها عَذَابًا شَدِيدًا ۝ بِالْقَتْلِ وَغَيْرِهِ كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ مَسْطُورًا ۝ مَكْتُوبًا وَمَا نَعْنَى أَنْ تُرْسِلَ بِالْآيَاتِ الَّتِي افْتَرَحَهَا أَهْلُ مَكَّةَ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ لِمَا نَزَّلْنَا هَاهُنَا فَاهْلِكْنَا هُمْ وَلَوْ أَرْسَلْنَا هَاهُنَا إِلَى هَوْلَاءَ لَكَذَّبُوا بِهَا وَاسْتَحْفُوا الْإِهْلَاكَ وَقَدْ حَكَمْنَا بِأَمْثَالِهِمْ لِإِثْمَانِ أَمْرِ مُحَمَّدٍ وَأَتَيْنَا كُتُوبًا لِقَائِهِمْ آيَةً مُبِينَةً بَيِّنَةً وَأَضْحَى ظَلَمُوا كَفَرُوا بِهَا فَاهْلِكُوا وَمَا تُرْسِلُ بِالْآيَاتِ الْمُعْجَزَاتِ إِلَّا تَحْوِيلًا ۝ لِلْعِبَادِ لِيُؤْمِنُوا أذْكَرَ وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحْسَنُ بِالنَّاسِ عِلْمًا وَتُدْرَهُ فَهُمْ فِي قَبْضَتِهِ فَيَلْعَنُهُمْ وَلَا تَخَفْ أَحَدًا فَهُمْ يَعْبُدُوكَ مِنْهُمْ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ عَيْنَانَا لَيْلَةَ الإِسْرَاءِ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ أَهْلُ مَكَّةَ إِذْ كَذَّبُوا بِهَا وَازْتَدَّ بَعْضُهُمْ لِمَا أَخْبَرَ هُمْ بِهَا وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَهِيَ الزَّقْلُ الَّتِي تَبُثُّ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ جَعَلْنَا فِتْنَةً لَهُمْ إِذْ قَالُوا النَّارُ تَحْرِقُ الشَّجَرَةَ فَكَيْفَ تَبُثُّ وَتُخَوِّفُهُمْ بِهَا فَمَا يَزِيدُهُمْ نُحُورِيْنَا إِلَّا طَغْيًا كَبِيرًا ۝

تَرْجُمَتُهَا: اور کہہ دیجئے میرے (مومن) بندوں سے کہ (کفار سے) جو بات کہو ایسی کہو جو خوبی لی ہو، شیطان لوگوں کے
 درمیان فساد ڈالتا ہے واقعی شیطان انسان کا صریح دشمن ہے (کھانا خالف، اور وہ بہتر بات یہ ہے کہ) تمہارا پروردگار تمہارے
 حال سے واقف ہے وہ جو چاہے تم پر رحم کرے، (توبہ اور ایمان کی وجہ سے) چاہے تو عذاب میں ڈالے (کفر کی حالت
 میں موت دیکر) اور ہم نے آپ کو ان پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا ہے (کہ آپ انہیں ایمان لانے پر مجبور کر سکیں یہ حکم جہاد کے
 حکم سے پہلے کا ہے) آسمان وزمین میں جو کوئی بھی ہے آپ کا پروردگار سب کا حال بہتر جاننے والا ہے (پس ان کے حالات
 کے مناسب جیسے چاہے انہیں خاص کر دیتا ہے اور یقیناً ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر برتری دی ہے) ہر ایک کو مخصوص فضیلت
 بخش کر مثلاً موسیٰ کو کلیم اللہ اور ابراہیم کو خلیل اللہ اور محمد ﷺ کو ان دونوں پر سفر اسراء کے ساتھ اور ہم نے داؤد کو زبور دی
 آپ (ان سے) کہہ دیجئے تم نے جن ہستیوں کو اپنے خیال میں اللہ کے سوا (معبود) سمجھ رکھا ہے (مثلاً فرشتے اور حضرت عیسیٰ
 و حضرت عزیر) انہیں پکارو دیکھو نہ تو تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس کے بدل ڈالنے کا یہ لوگ جن ہستیوں
 کو پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے پروردگار کے حضور وسیلہ (طاعت کے ذریعہ تقرب) ڈھونڈتے ہیں کہ کون ان میں سے (یہ
 یَبْعُونَ کی ضمیر سے بدل واقع ہے تقدیری عبارت یہ ہے: یَبْتَغِيهَا الَّذِي کے) اس راہ میں زیادہ قریب ہوتا ہے ہی
 دوسروں کا تو کیا پوچھنا) اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں (دوسری مخلوق کی
 طرح پھر انہیں معبود کیسے قرار دے رہے ہیں؟ بیشک تمہارے پروردگار کا عذاب بڑے ہی ڈرنے کی چیز ہے اور جتنی
 بستیاں (یعنی بستی والے ہیں) ہم انہیں ضرور ہلاک کریں گے قیامت سے پہلے (موت دیکر) یا قتل وغیرہ کے ذریعہ سخت
 عذاب میں مبتلا کریں گے یہ بات نوشتہ الہی (لوح محفوظ) میں لکھی جا چکی ہے! اور ہمیں خاص قسم کے معجزات (جن کی فرمائش
 یہ مکہ والے کر رہے ہیں) بھیجئے سے صرف یہی بات روک رہی ہے کہ پچھلے عہد کے لوگ ایسی ہی نشانیاں جھٹلا چکے ہیں (چنانچہ
 اس وجہ سے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا، پس ان کے فرمائشی معجزات پورے کئے اور یہ جھٹلانے لگے تو پھر یہ بھی تھا ہی کے سزاوار
 ہو جائیں گے حالانکہ ہم نے محمد کے کام کی تکمیل کے لیے انہیں ڈھیل دینے کا فیصلہ کر رکھا ہے) ہم نے قوم شموک کو اڈنی دی کہ
 واضح (کھلی نشانی تھی) لیکن اس پر انہوں نے ظلم کیا (منکر ہو کر تباہی مولیٰ) اور ہم ایسی نشانیاں صرف ڈرانے کے لیے بھیجا
 کرتے ہیں) تاکہ بندے ایمان لے آئیں) اور اے پیغمبر وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے
 پروردگار نے تمام لوگوں کو گھیرے میں لے رکھا ہے (علم اور قدرت کے لحاظ سے سب لوگ اللہ کے قبضے میں ہیں یہ بات
 لوگوں کو سنا دیجئے اور کسی سے نہ ڈریئے کیونکہ اللہ آپ کا حافظ ہے) اور ہم نے (معراج کی رات کھلم کھلا) جو نظارہ آپ کو دکھایا تھا
 اس کو ان لوگوں کے لیے فتنہ کا سبب بنا دیا (کیونکہ مکہ والوں نے آپ کو جھٹلایا اور جب آپ نے لوگوں کو اس کی اطلاع دی تو بعض
 کچے لوگ اسلام سے پھر گئے) اسی طرح اس درخت کا ذکر جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے (یعنی ناگ پھنی کا درخت جو جنم کی تلی
 میں آگا ہوا ہے، اس درخت کو بھی ان کے لیے فتنہ بنا دیا کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے پھر کیسے آگ میں
 درخت پیدا ہو سکتا ہے؟) اور ہم انہیں ڈراتے رہتے ہیں لیکن ان کی سرکشی حد سے زیادہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

کلماتِ تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: **الْمُؤْمِنِينَ**: اس میں اشارہ کیا کہ عبادی کی اضافت عہد کے لیے ہے۔
 قولہ: **الْكَلِمَةُ**: اس سے اسم موصول کے مؤنث لانے کی وجہ کی طرف اشارہ کیا اس کا موصوف مؤنث ہے۔
 قولہ: **يُفْسِدُ**: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بعض کو بعض کے خلاف برا بیخبر کرتا ہے تاکہ ان میں جھگڑا پیدا ہو اور یہ ناراضگی عناد اور پکار کا باعث بنے۔

قولہ: **هِيَ**: یہ لفظ ہی احسن کی تفسیر ہے اور ان کے درمیان جہد معترضہ ہے۔
 قولہ: **أُولَٰئِكَ يَنْشَأُ**: یعنی ان کو اس جیسے کلمات کہو یہ تصریح نہ کرو کہ وہ جنہی ہیں کیونکہ اس سے وہ بھڑک انھیں گے اور خاتمے کا حال معلوم نہیں۔

قولہ: **فَيُخْضِعُهُمْ**: اس میں قریش کی اس بات کی تردید کی گئی ہے کہ یتیم ابو طالب کیسے پیغمبر بن گیا۔
 قولہ: **وَأَتَيْنَاكَ أَكْوَادًا بُرُوزًا**: اس میں اشارہ کر دیا **أَكْوَادًا** کے شرف کی وجہ وحی اور کتاب ہے نہ کہ ملک اور مال۔
 قولہ: **يَتَنَبَّهِنَّ**: ای اسم موصول ہے یعنی وہ شخص جو ان میں سب سے زیادہ اللہ کے قریب تر ہے وہ اللہ کی بارگاہ میں طاعات سے قرب چاہتا ہے تو جو قریب نہیں کیسے نہ چاہیں گے۔

قولہ: **مَحْذُورًا**: یعنی وہ عذاب اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے یہاں تک کہ فرشتے اور نبی مرسل بھی اس سے ڈرتے ہیں تو اردوں کا کیا حال ہوگا پھر وہ معبود کیسے بن گئے۔

قولہ: **أُرِيدُ أَهْلَهَا**: اشارہ کیا کہ قریہ بول کر مراد اس کے رہنے والے ہیں کیونکہ دیواروں کو تو عذاب نہیں دیا جائے گا۔
 قولہ: **أَنْ تَوَيْلَ**: یہاں منع کو ترک ارہال کے لیے بطور استعارہ کے استعمال کیا گیا ہے اور پہلا اپنے صدمہ سمیت معنا کا مفعول ہو نیکی وجہ سے محل نصب میں ہے اور دوسرا معنا کا فاعل ہو نیکی وجہ سے محل رفع میں ہے۔

قولہ: **آيَةٌ مُّبِينَةٌ**: اس میں اشارہ کیا کہ مبصرہ کا موصوف محذوف ہے الناقض نہیں۔ مبصرہ کا معنی بصیرت کے قابل۔

قولہ: **الْمُعْجَزَاتِ**: اس سے مراد منہ مانگے معجزات ہیں۔

قولہ: **عَيَانًا**: اس سے اشارہ کیا کہ روایا سے مراد رؤیت ہے۔

قولہ: **الْبَلْعُونَ فِي الْقُرْآنِ**: اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن میں اس پر لعنت کی گئی اور اس کے کھانے والے پر لعنت ہے اور

درخت کا یہ وصف بطور مجاز لایا گیا ہے۔

تفسیر مقبولین

وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا لِّلَّهِ هِيَ اَحْسَنُ ۝

مسلمانوں کو حسن تمنا طلب کی تعلیم و تلقین:۔
 سوارشاد فرمایا گیا کہ ”میرے بندوں سے کہو کہ وہ ہمیشہ وہی بات کہا کریں جو سب سے اچھی ہو۔“ جس میں حق کا بیان
 داظہار ہو اور جو حق کیلئے اور حق کے ذریعے کہی جائے اور اس سے مقصود نصیحت و خیر خواہی ہو۔ فایاک نستال اللہم
 التوفیق لذلک والسداد والنبات علیہ بہر کیف بھلی بات کہنے کی تعلیم ایک بڑی اہم اور بنیادی تعلیم ہے جس سے بسا
 اوقات بڑے بڑے فساد نکل جاتے ہیں اور حالات کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ جبکہ غلط بات سے آگ لگ جاتی ہے۔ اس لیے
 حکم دارشاد فرمایا گیا کہ ”میرے بندوں سے کہو کہ وہ ہمیشہ وہی بات کہا کریں جو سب سے اچھی ہو۔“ مخالفین کی یہودہ باتوں
 سے متاثر ہو کر اور اشتعال میں آ کر انہی کی زبان میں ان کا جواب نہ دیں بلکہ صحیح اور سچی بات کہنے اور پہچاننے ہی کو اپنا شیوہ
 اور طریقہ بنا لیں۔ سو حسن تمنا طلب اور ملاطفت کا نتیجہ و انجام بہر حال بہت اچھا اور عمدہ ہوتا ہے۔

شیطان کے شر اور فساد سے محتاط رہنے کی ضرورت:

اس اہم حقیقت سے خبردار کرنے اور آگہی بخشنے کیسے ارشاد فرمایا گیا کہ ”بیشک شیطان تمہارے درمیان فساد ڈالنے کی
 کوشش کرتا ہے۔“ اور اس کیلئے وہ لعین ایسے مواقع کی تاز اور تاک میں رہتا ہے۔ اس لیے تمہیں اے مسلمانوں اس کی
 شرانگیزی سے ہمیشہ محتاط رہنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے اور ایسی ہر بات سے گریز کرنا چاہئے جو فتنے اور فساد کا باعث بن
 سکتی ہو۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو تمہیں ہمیشہ محتاط اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ تمہارا وہ کھلا دشمن ایسے
 کسی موقع سے فائدہ اٹھا کر فتنہ و فساد برپا کر دے اور تمہارے سارے کام کو بگاڑ کر رکھ دے کہ وہ اس طرح کے مواقع کی
 تاک میں رہتا ہے۔

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنۢ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝

اور آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی ہیں ان کے۔

احوال سے آپ کا رب ہی خوب واقف ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کون نبوت اور ولایت کے قابل ہے کس کی تخلیق سعادت
 پر ہوئی اور کون پیدا کئی شقی ہے۔

قریش اعتراض کرتے تھے کہ ابو طالب کا یتیم نبی کیسے ہو سکتا ہے اور بلال و صہیب جیسے محتاج لوگ اللہ کے ولی اور جنتی
 کس طرح ہو سکتے ہیں اور بڑے بڑے شرفاء مکہ و دوزخی کیسے بن سکتے ہیں اس آیت میں ان بے ہودہ خیالات کی تردید کر دی
 گئی (کہ اہلیت اور صلاحیت سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہیں دولت اور ظاہری عزت معیار قابلیت نہیں فطری جو ہر قابل کس
 کو دیا گیا ہے اور کون اس سے محروم ہے اس سے اللہ ہی واقف ہے۔

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ: اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر برتری عطا کی۔ یعنی اخلاقی اور نفسانی فضائل سے نواز اور جسمانی و مادی آلودگیوں سے پاک صاف کیا اور اسی کو معیار فضیلت بنایا مال و اولاد وغیرہ کی کثرت و قلت کو انبیاء کی فضیلت کا ذریعہ نہیں قرار دیا اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں قتادہ نے کہا اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا موسیٰ سے کلام کیا، عیسیٰ کی پیدائش (بغیر باپ کے) صرف لفظ کُن سے کی (حضرت منسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں جب عیسیٰ علیہ السلام گہوارے کے اندر شیر خوارگی کی حالت میں تھے اس وقت ان سے کلام کیا اور ان سے فصیح زبان میں بات کروائی اور ان کو کتاب و حکمت عطا فرمائی اور توریت و انجیل کا علم مرحمت فرمایا اور روح القدس کو (ہر وقت) ان کی امداد پر مامور فرمایا (قتادہ نے کہا) اور سلیمان کو ایسی حکومت عنایت کی جو آپ کے بعد کسی کو ملنا مناسب نہیں یعنی جن و انس کو ان کا تابع حکم بنا دیا اور شیطانوں کو سلیمان کے حکم سے زنجیروں میں مقید کر دیا اور داؤد کو زبور عطا فرمائی۔

وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۗ اور داؤد کو ہم نے زبور دی یعنی وحی کے ذریعہ سے ان کے پاس کتاب بھیج کر فضیلت و بزرگی سے نواز اور حکومت (بھی دی مگر حکومت) کو وجہ برتری نہیں قرار دیا۔

مکہ کے کافروں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار اس وجہ سے کیا کہ اگر کسی کو نبی بنایا جانا ہی تھا تو ایسے آدمی کو کیوں بنایا گیا جس کو کوئی وجہ برتری حاصل نہیں۔ نہ مال و دولت اس کے پاس ہے نہ دنیوی و جاہت و اقتدار۔ مذکورہ بالا آیات میں اللہ نے اس کی تردید کر دی اور فرما دیا کہ بعض انبیاء کو بعض پر ہم نے برتری عطا کی تھی یعنی اخلاقی بندگی، نفسانی بزرگی، جسمانی آلودگیوں سے پاکی، وہی عموم عمومی ہدایت اور مراتب قرب کے لحاظ سے ایک کو دوسرے سے اونچا کیا تھا مال و اولاد کی کثرت وجہ برتری نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو تمام انبیاء سے برگزیدہ بنایا آپ پر نبوت کو ختم کر دیا آپ کی امت کو خیر الامم قرار دیا، کیونکہ زبور میں صراحت فرمادی تھی کہ میری زمین کے دارث اصحاب صلاح ہوں گے اور امت محمدیہ کو زمین کا دارث بنایا، معلوم ہوا کہ یہ امت سب امتوں پر برتری رکھتی ہے، رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید عطا کیا جو حجم میں اگرچہ کم ہے مگر علم و افادیت و اعجاز میں سب سے زائد ہے، رسول اللہ ﷺ کو آخری درجہ قرب پر پہنچایا اور اس قرب کو آیت: قَدْ نَدَىٰ فَيَكُفُّ عَنْ قَبْلِهِ إِذَا يُرِيدُ غَنَمًا ۚ اور آیت: قَدْ نَدَىٰ فَيَكُفُّ عَنْ قَبْلِهِ إِذَا يُرِيدُ غَنَمًا ۚ میں ظاہر فرمایا۔

بخاری نے لکھا ہے کہ زبور اللہ کی کتاب ضرور تھی جو حضرت داؤد کو دی گئی تھی اس میں ایک سو پچاس سورتیں تھیں اور سب سورتیں دعا اور حمد و ثناء سے بھری ہوئی تھیں۔ نہ ان میں جہاں و حلال کا بیان تھا نہ فرائض و حدود کا۔ بخاری وغیرہ نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ آدمی کچھ جنوں کی پوجا کرتے تھے جب وہ جن مسلمان ہو گئے۔ تب بھی یہ مشرک لوگ انہی جنات سے چمپے رہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ

فرمائی معجزات ہم صرف اسلئے نہیں بھیجتے کہ سابقہ امتوں نے انکی تکذیب کی:

معالم التنزیل (۱۲۱/۲۵) اور روح المعانی (ص ۱۰۳ ج ۱۰) بحوالہ حاکم و احمد و نسائی و طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ صفا پہاڑ کو سونا بنا دیجیے اور مکہ میں جو پہاڑ ہیں ان کو ہٹا دیجیے

تاکہ ہمیں کھتی کرنے کا موقع مل جائے (اگر ایسا ہو جائے تو ہم آپ کی رسالت پر ایمان لے آئیں گے) اس پر اللہ تعالیٰ شانہ نے اپنے رسول ﷺ پر وحی بھیجی کہ آپ چاہیں تو میں ان کو ڈھیل دے دوں اور اگر چاہیں تو ان کا سوال پورا کر دوں پھر اگر ایمان نہ لائے تو انہیں ہلاک کر دوں گا۔ جیسے ان سے پہلے (ایمان نہ لانے والوں پر) معجزات خاصہ طلب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عرض کیا کہ اے اللہ میں چاہتا ہوں کہ آپ انہیں ڈھیل دے دیں۔ (ممکن ہے ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں اور ہلاکت سے بچ جائیں) اس پر اللہ جل شانہ نے آیت: **لَا نَنْزِلُ فِرْمَانًا اَوْرِیہ** بتا دیا کہ یہ لوگ جو فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں ایسے معجزات ظاہر کرنے پر ہمیں قدرت ہے لیکن اس لیے ظاہر نہیں کرتے کہ جیسے پہلی امتوں نے فرمائشی معجزے طلب کیے پھر وہ ظہور میں آگئے تو اس پر بھی ایمان نہ لائے اور ہلاک کر دیئے گئے اور اگر اس امت کے سامنے بھی فرمائشی معجزے ظاہر کر دیئے جائیں پھر ایمان نہ مائیں تو تکوینی قانون کے مطابق یہ بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے جیسا کہ سابقہ امتوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے (جو معجزات اب تک ظاہر ہو چکے ہیں طالب حق کے لیے وہ کافی ہیں) اور یہ امت محمدیہ پر مہربانی ہے کہ ان کو ڈھیل دی جا رہی ہے فرمائشی معجزات ظاہر نہیں کیے جاتے تاکہ تکذیب کے جرم میں جلدی ہلاک نہ ہو جائیں۔

اس کے بعد بطور مثال قوم ثمود کی اونٹنی کا تذکرہ فرمایا **اَوْتِنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا** (اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی جو بصیرت کا ذریعہ تھی سو ان لوگوں نے اس کے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا) قوم ثمود نے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام سے کہا کہ پہاڑ سے اونٹنی نکل آئے تو ہم ایمان لے آئیں گے جب ان کی فرمائش کے مطابق پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی اور انہیں بتا دیا گیا کہ ایک دن یہ پانی پیئے گی اور ایک دن تمہارے مویشی پانی پیئیں گے تو ان لوگوں نے اس اونٹنی پر ظلم کیا اور اسے قتل کر ڈالا لہذا ان پر عذاب آگیا اور ہلاک کر دیئے گئے حالانکہ ان پر لازم تھا کہ جب ان کی فرمائش پوری کر دی گئی اور پہاڑ سے اونٹنی نکل آئی تو فوراً ایمان لے آتے، چونکہ ثمود عرب ہی میں سے تھے اور ان کے مکانات (جو انہوں نے پہاڑوں میں بنا رکھے تھے) شام کو جاتے ہوئے قریش مکہ کی نظروں کے سامنے آتے رہتے تھے اس لیے فرمائشی معجزہ طلب کر کے ہلاک ہونے والوں کی مثال میں ان کا تذکرہ فرمایا۔

آخر میں فرمایا: **وَمَا لُرِیْسُلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا** (اور ہم آیات کو صرف ڈرانے کے لیے بھیجا کرتے ہیں) یعنی فرمائشی معجزات جو پہلی امتوں میں ظاہر ہوئے ہیں ان کا مقصد ڈرانا تھا کہ دیکھو معجزہ ظاہر ہوگا اور فرمائش کرنے والے ایمان نہ لائیں گے تو ہلاک کر دیئے جائیں گے چنانچہ وہ ایمان نہیں لاتے تھے اور ہلاک کر دیئے جاتے تھے اور چونکہ اس امت کے ساتھ ایسا نہیں کرنا اس لیے ان کی فرمائش کے مطابق معجزات ظاہر نہیں کیے جاتے۔ قال صاحب الروح (ج ۱/ ۱۰۰)

(والمراد بها اما المقترحة فالتخویف بالاستبصال لانذارها به من عادة الله تعالى ای ما نرسلها الا تخویفا من العذاب المستاصل كالطليعة له فان لم يخافوا فاعل بهم ما فعل)

اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس آخری جملہ سے یہ عام چیزیں مراد ہیں جو کبھی کبھی ظاہر ہوتی رہتی ہیں جیسے چاند اور سورج گرہن ہونا اور گرج اور بجلی کا ظاہر ہونا اور آندھیوں کا آنا اور زلزلوں کا پیش آجانا وغیرہ وغیرہ، ان حضرات کے قول کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ عام طور سے جو ہم نشانیاں بھیجتے ہیں ان کا مقصد ڈرانا ہی ہوتا ہے لوگ ان سے عبرت حاصل

کریں اور حق قبول کریں اور حق پر جئے رہیں۔

وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۗ

آپ کے رب کا علم سب کو محیط ہے، آپ کی رو یا اور شجرہ ملعونہ لوگوں کے لیے فتنہ میں پڑنے کا سبب ہیں:

اس آیت میں اول تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے یوں فرمایا کہ آپ وہ وقت یاد کریں جب ہم نے آپ کو یہ بتایا کہ آپ کا رب اپنے علم کے اعتبار سے سب لوگوں کو احاطہ کیے ہوئے ہے اسے سب احوال ظاہرہ و باطنہ، گزشتہ موجودہ اور آئندہ سب کا علم ہے انہیں احوال میں سے یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ ایمان نہ لائیں گے اور بہت سے لوگ ایمان لا کر بعض آزمائشوں کی باتوں میں جھٹلا ہو کر ایمان پر جمنے کی بجائے ایمان سے پھر جائیں گے۔

اس کے بعد یوں فرمایا کہ ہم نے جو کچھ آپ کو عجیب چیزیں دکھائیں اور قرآن میں جو ایک ملعون درخت کا ذکر کیا یہ دونوں چیزیں لوگوں کی آزمائش کے لیے ہیں کہ ان کو سن کر کون ایمان قبول کرتا ہے اور کون کفر ہی پر جمار ہتا ہے اور کون ایمان قبول کرنے کے بعد کفر میں واپس چلا جاتا ہے۔

لفظ رؤیا عربی زبان میں رؤی یعنی سے فعلی کا وزن ہے یہ صیغہ عام طور سے خواب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بعض مرتبہ بیداری میں دیکھنے کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے۔ آیت بالا میں جو لفظ رؤیا آیا ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے اور وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ سے زقوم کا درخت مراد ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲)

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں معراج ہوئی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچے وہاں حضرات انبیاء کرامؑ کو نماز پڑھائی پھر آسمانوں پر تشریف لے گئے وہاں حضرات انبیاء کرامؑ سے ملاقاتیں ہوئیں البیت المعمور کو ملاحظہ فرمایا سدرۃ کو دیکھا وغیرہ وغیرہ پھر اسی رات میں واپس مکہ معظمہ تشریف لے آئے راتے میں قریش کا ایک تہ فلہ بھی ملا جب آپ نے صبح کو اپنے سفر کا تذکرہ فرمایا اور سفر کے مریات اور مشاہدات بیان فرمائے تو بعض وہ لوگ جو ایمان قبول کر چکے تھے مرتد ہو گئے اور قریش مکہ کو بڑا تحیر ہوا کہ ایک رات میں کوئی شخص اتنی دور جا کر کیسے واپس آسکتا ہے لہذا انہوں نے تکذیب کر دی پھر بیت المقدس کی نشانیاں آپ سے معلوم کرنے اور شافی جواب ملنے اور تجارتی تلافی کے واپس پہنچنے سے جس کے آنے کی آپ نے خبر دی تھی قریش کا منہ بند ہو گیا لیکن جن کی قسمت میں ایمان چھوڑنا تھا انہوں نے ایمان چھوڑ دیا معراج کی رات کی جو باتیں آپ نے بیان فرمائیں بلاشبہ وہ فتنہ تھیں یعنی ان میں آزمائش تھی جو بعض لوگوں کے گمراہ ہونے کا سبب بھی بن گئی (بعض افراد نے لفظ فتنہ کو یہاں گمراہی کے معنی میں لیا ہے)۔

اور وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ سے زقوم کا درخت مراد ہے جو دوزخیوں کی غذا ہوگی جس کا ذکر سورۃ صف میں بھی ہے اور سورۃ واقعہ میں بھی سورۃ حطفت میں فرمایا ہے کہ: (إِنَّا جَعَلْنَا خَافِزِينَ لِلَّذِينَ آمَنُوا) (بے شک ہم نے اس درخت کو نالہوں کے لیے سبب امتحان بنایا) یہ درخت دوزخیوں کو کھانے کو ملے گا اور بھوک کی وجہ سے باوجود ناگواری کے پیٹ بھر کر کھائیں گے پھر ادر سے کھولتا ہوا گرم پانی پیئیں گے جیسا کہ سورۃ واقعہ میں بیان فرمایا ہے۔ یہ درخت صورت میں سانپوں کے پھنوں

کی طرح ہوگا اور دوزخ کی تہ سے نکلے گا کمانی سورۃ الصافات اور بد مزہ اس قدر ہوگا کہ اگر اس کا ایک قطرہ دنیا میں پڑ جائے تو تمام دنیا والوں کی روزی بگاڑ کر رکھ دے۔ (مشکوٰۃ المسابیح ص ۵۰۳)

جب رسول اللہ ﷺ نے اس درخت کا تذکرہ فرمایا تو قریش مکہ مذاق اڑانے لگے ابو جہل نے کہا کہ ان کو دیکھو یہ بہت ہیں کہ تم دوزخ میں ڈالے جاؤ گے اور کہتے ہیں کہ اس میں ایسی آگ ہوگی جو پتھروں کو جلا دے گی پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں سے درخت بھی نکلے گا درخت کو تو آگ جلا دیتی ہے وہاں درخت کیسے ہوگا؟ وہاں عبد اللہ بن زبیر بھی تھا جو اس وقت مشرک تھا اس نے کہا کہ محمد ﷺ ہمیں زقوم سے ڈراتے ہیں ہمارے نزدیک تو زقوم بھی کھن اور کھجور ہے، ابو جہل کہنے لگا کہ اے لونڈی ہمیں زقوم کھلا دے وہ کھن اور کھجوریں لے آئی تو کہنے لگا آؤ لوگو! زقوم کھا لو جس سے محمد ﷺ تم کو ڈرا رہے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زقوم کی کیفیت سورۃ صافات میں بیان فرمائی۔

(ذکرہ ابغوی فی معالم التنزیل ج ۳/ ۱۱۲)

زقوم کے درخت کو جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے دوزخیوں کے عذاب کے ذیل میں فرمایا تھا اسے مشرکین نے کھجور اور کھن پر محمول کر لیا اور مذاق بنایا۔ جس سے مزید کفر میں ترقی کر گئے لہذا واقعہ معراج کی طرح زقوم کا تذکرہ بھی لوگوں کے لیے موجب فتنہ بن گیا۔

درخت زقوم کو جو ملعونہ فرمایا اس کے بارے میں علامہ بخوی لکھتے ہیں کہ اہل عرب کھانے کی ہر مکروہ چیز کو طعام ملعون کہتے تھے لہذا زقوم کو شجر ملعونہ فرمایا۔

آخر میں فرمایا: وَنُحِقُّهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا (یعنی ہم ان کو ڈراتے ہیں آخرت کے عذاب کی خبریں سناتے ہیں لیکن وہ کٹا اثر لیتے ہیں اور ان کی سرکشی اور زیادہ بڑھتی چلتی جاتی ہے۔)

اَذْكُرْ وَاذْكُرْنَا لِلْمَلِكَةِ اسْجُدْ وَالْاَدَمَّ سَجُودَ تَجْبِيَةِ بِالْاُلْحِنَاءِ فَسَجِدْ اِلَّا اِبْلِيسَ قَالَ اَسْجُدْ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا نَضَبَ بِتَرْعِ الْخَافِضِ اَيُّ مِنْ طِينٍ قَالَ رَّبِّكَ اَيُّ اَخْبِرْنِي هَذَا الَّذِي كُومَتِ فَصَلَّتْ عَلَيَّ بِالْاَمْرِبِ لِسُجُودِ وَاَنَا حَيْرٌ مِنْهُ حَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ كَيْنٍ لَا مِ قَسَمِ اَخْرَجْتَنِي اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَأَحْتَكِبَنَّ لَا سَتَاصِلَنَ ذُرِّيَّتَهُ بِالْاَعْوَاءِ اِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ مَّتَمَّنْ عَصَمْتَهُ قَالَ تَعَالَى لَهُ اذْهَبْ مُنْظَرًا اِلَى وَقْتِ النَّفْحَةِ الْاُولَى فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ اَنْتَ وَهُمْ جَزَاءُ مُؤْمَرًا وَاَفِرَا كَامِلًا وَاَسْتَفْزِرْ اِسْتَحْفٍ مِّنْ اَسْتَطَعَتْ وَنُهُمْ بِصَوْتِكَ دُعَايِكَ بِالْعِنَاءِ وَالْمَزَامِيرِ وَكُلِّ دَاعٍ اِلَى الْمُعْصِيَةِ وَاجْلِبْ صِغَ عَلَيْهِمْ بِحَمْلِكَ وَرَجْلِكَ وَهُمْ الرِّكَابُ وَالْمَشَاهُ فِي الْمَعَاصِي وَشَارِكُهُمْ فِي الْاَمْوَالِ الْمُحْرَمَةِ كَالرِّبَا وَالْغَضَبِ وَالْاَوْلَادِ مِنَ الزِّنَا وَعِنْدَهُمْ بَانَ لَا بَعَثَ وَلَا جَزَاءَ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ بِذَلِكَ اِلَّا غُرُورًا بَاطِلًا اِنَّ عِبَادِي الْمُؤْمِنِينَ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ تَسْلُطُ وَقُوَّةٌ وَكُلُّ بِرَبِّكَ وَكَيْلًا حَافِظًا لَهُمْ مِنْكَ

رَبِّكُمْ الَّذِي يُرِيكُمْ يَجْرِي لَكُمْ الْفُلُكُ السُّفُنُ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۗ تَعَالَى بِالتَّجَاوُزِ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ فِي تَسْخِيرِهَا لَكُمْ وَإِذَا مَسَّكُمْ الضَّرُّ الشَّدَةُ فِي الْبَحْرِ خَوْفُ الْغُرُقِ ضَلَّ غَاب عَنْكُمْ مَنْ تَدْعُونَ تَعْبُدُونَ مِنَ الْإِلَهِةِ فَلَا تَدْعُوهُ إِلَّا إِيَّاهُ ۗ تَعَالَى فَإِنَّكُمْ تَدْعُوهُ وَحْدَهُ لِأَنَّكُمْ فِي شِدَّةٍ لَا يَكْشِفُهَا إِلَّا فَلَمَّا نَجَّكُمْ مِنَ الْغُرُقِ وَأَوْصَلَكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۗ عَنِ التَّرْجِيدِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ۝ جُحُودًا لِلنَّعْمِ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْشِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَيِ الْأَرْضِ كَفَّارُونَ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا أَيْ يَرْمِيكُمْ بِالْحَصْبِ كَقَوْمِ لُوطٍ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكَيْلًا ۝ حَافِظًا مِنْهُ أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعَذِّبَكُمْ فِيهِ أَيِ الْبَحْرِ نَارًا مَرَّةً أُخْرَى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ أَيْ رِيحًا شَدِيدَةً لَا تَمُرُّ بِشَيْءٍ إِلَّا قَصَفَتْهُ فَتَكْسِرُ فُلَكُمْ كَمَا فَيَغْرِقُكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۗ بِكُفْرِكُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ۝ نَصِيرًا أَوْ تَابِعًا يُطَابِنَا بِمَا فَعَلْنَا بِكُمْ وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا قَضِيئًا بَنِي آدَمَ بِالْعِلْمِ وَالتَّنطِقِ وَاعْتِدَالِ الْخَلْقِ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَمِنْهُ طَهَّرْتُهُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ وَ حَمَلْتُهُمْ فِي الْبَرِّ عَلَى الدَّوَابِّ وَالْبَحْرِ عَلَى السُّفُنِ وَرَزَقْتُهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْتُهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا كَالْبَهَائِمِ وَالْوَحُوشِ تَفْضِيلًا ۝ فَمَنْ بِمَعْنَى مَا أَوْعَى بِإِبْهَاتِ تَشْمِيلِ الْمَلَائِكَةِ وَالْمُرَادُ تَفْضِيلُ الْحَنِيسِ بِحِجِّ وَلَا يَلْزَمُ تَفْضِيلُ أَفْرَادِهِ إِذْ هُمْ أَفْضَلُ مِنَ الْبَشَرِ غَيْرِ الْأَنْبِيَاءِ

ترجمہ: اور (اس وقت کو یاد کیجئے) جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو (جھک کر تعظیمی آداب بجالاؤ) تو سب سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نہ جھکا بولا کیا میں سجدہ کروں ایک شخص کو جس کو تو نے منی سے بنایا (یہ لفظ حذف جار کے ساتھ منصوب ہے اصل عبارت من طین تھی) کہنے لگا بھلا دیکھ اس شخص کو جو تو نے مجھ سے بڑھا دیا ہے (برتری دی ہے سجدہ کا حکم دیکر حالانکہ میں اس سے بہتر ہوں آگ سے پیدا ہوا ہوں) اگر (لام قسیمہ ہے) تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی تو میں تھوڑے سے آدمیوں کے علاوہ (جنہیں تو نے معصوم بنایا ہوگا) ضرور اس کی اولاد کو ڈھانسی دیکر (ختم کر کے) رہوں گا (بہکا کر اس کو اپنے بس میں کر لوں گا فرمایا (باری تعالیٰ نے) جا) تجھے پہلی دفعہ صور پھونکنے تک مہلت دی) جو شخص ان میں سے تیرے پیچھے چلے گا تو تم سب کی (تیری اور ان کی) سزا جہنم ہے پوری پوری (پھر پور) اور ان میں سے جس جس پر قابو قابو چلے اپنی چیخ پکار سے (گا بجا کر اور ہر گنہ کی طرف لہا کر) اس کے قدم کو اکھاڑ دینا (بہکا لینا) اور ان پر اپنے لشکر کے دار اور پیادے چڑھالانا (جو گناہوں میں سواروں اور پیادوں کی طرح ہیں) اور انکے (سودا و غضب جیسے حرام مال اولاد (زنا) میں اپنا سا جھا کر لینا اور ان سے (قیامت اور سزا نہ ہونے کے بارے میں) وعدے کرتے رہنا اور (اس بارے میں) شیطان کے وعدے سرا سردھوکہ ہوتے ہیں، میرے خاص بندوں (مسلمانوں) پر تیرا دور (دباؤ) ذرا بھی نہ چلے گا تمہارا پروردگار کا سازی کے لیے بس کرتا ہے (تیرے شر سے ان کی حفاظت کرے گا) تمہارا پروردگار تو وہ ہے جو تمہارے کام سنوارنے کے

لیے سمندروں میں جہاز چلاتا ہے تاکہ تم (تجارت کے ذریعہ) رزق تلاش کرو، بلاشبہ وہ تمہارے حال پر بڑا مہربان ہے (کہ جہاز و سمندر کو تمہارے بس میں کر دیا ہے) اور جب کہ سمندر میں کوئی مصیبت (آنت) آگھیرتی ہے (ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے) تو اس وقت وہ تمام ہستیاں تم سے کھوجاتی (غائب ہو جاتی ہیں) جنہیں تم پکارا کرتے تھے (جن کی تم بندگی کرتے ہو لہذا تمہیں ان کی پوجا نہیں کرنی چاہئے) صرف اللہ ہی کی یاد باقی رہ جاتی ہے (کیونکہ تم اس وقت صرف اسی کو پکارتے ہو اس واسطے کہ اس کے علاوہ مصیبت کو کوئی اور دور نہیں کر سکتا) پھر جب وہ تمہیں مصیبت سے بچالے جاتا ہے (ڈوبنے سے اور تمہیں پہنچا دیتا ہے) خشکی کی طرف تو تم پھر (توحید سے) پھر جاتے ہو حقیقت میں انسان بڑا ہی ناشکرا (کفرانِ نعمت کرنے والا ہے) پھر کیا تم اس بات سے بے فکر ہو بیٹھے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی جانب لا کر زمین میں دھنسا دے (قارون کی طرح زمین میں) یا تم پر کوئی ایسی تندہوا بھیج دے جو کنکر پتھر برسائے لگے (یعنی قوم لوط کی طرح تم پر کنکر برسائے) پھر کسی کو اپنا کارساز نہ پاؤ (جو تمہیں اس عذاب سے بچالے) یا تم اس بات سے بے فکر ہو گئے کہ اللہ تمہیں پھر دوبارہ سمندر میں بھیج دے پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے (ہوا کے ایسے جھکڑ کہ جس چیز پر گذریں اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیں وہ تمہارے جہاز کے پیٹھے اڑا دیں) اور تمہارے کفر کی وجہ سے تمہیں غرقاب کر دیا جائے تم پھر کسی کو نہ پاؤ جو اس کے لیے ہم پر دعویٰ کرنے والا ہو (مددگار اور اس کا روانی پر ہمارا چیخا کرنے والا جو ہم نے تمہارے ساتھ کی ہے) البتہ ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی (علم اور گویائی اور پیدائش میں اعتدال کی وجہ سے اسی وجہ سے مرنے کے بعد انسان کو پاک کیا جاتا ہے) اور ہم نے ان کو خشکی میں (جانوروں پر) اور سمندر میں (جہاد پر) سوار کیا اور نفیس نفیس چیزیں انہیں عطا کیں اور اپنی بہت سی مخلوق (جیسے چوپائے اور وحشی جانوروں) پر برتری بخشی (یہاں من بمعنی ما ہے یا اپنے معنی پر باقی رہتے ہوئے فرشتوں کو بھی شامل ہو، اس سے مراد جب انسانی جنس کی برتری ہے جس کے لیے افراد کا برتر ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ فرشتے انبیاء کے علاوہ انسانوں میں افضل ہوتے ہیں)۔

کلماتِ تفسیر کے توضیح و شرح

قولہ: **الْاِلٰہِیْنَ**: اس سے اشارہ کیا کہ سجدے سے مراد تنظیمی سجدہ ہے جو فقط جھک جانے کے ساتھ تھا۔
 قولہ: **جَلِیْنَا**: نصب بنوع الخافض اس سے اشارہ کیا کہ طینا کا نصب برف جر کے اٹھالینے کی وجہ سے ہے اس بناء پر نہیں کہ یہ محذوف کا حال ہے۔

قولہ: **اٰخِزْنِیْ**: یعنی یہاں رویت سے مراد خبر دینا ہے اور کاف تاکید خطاب کے لیے ہے اور یہ اس کا مفعول ہے اول ہے اور مفعول ثانی محذوف ہے۔

قولہ: **فَفَضَّلْتْ**: اس سے کرمت کی تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ اس کا صلہ علی نہیں آسکتا۔

قولہ: **مُنْظَرًا**: اس سے اشارہ کیا کہ اذہب۔ یہ ذہاب سے نہیں جو مٹی (آنے) کی ضد ہے بلکہ اس کا معنی افضس شانک ہے۔

قولہ: **اَنْتَ وَهَلْمْ**: اصل اس طرح ہے: ان جہنم جزاک و جلاؤہم۔ پھر مخاطب کو غائب پر غلبہ دیا۔

مقبولین شریفین جملہ سے
 قولہ: **وَإِفْرَاتًا**: اس سے اشارہ ہے مفعول (موزور) یہ وافر (فاعل) کے معنی میں ہے۔
 قولہ: **أَسْفُذًا**: بیوقوف بنانا۔

قولہ: **بِاطِلًا**: غرور۔ غلطی کو اس طرح مذہب کرنا کہ وہ درست و حق معلوم ہو۔

قولہ: **أَوْصَلَكُم**: اس سے اشارہ ہے کہ ظرف کا متعلق محذوف ہے۔

قولہ: **أَفَأَمِنْتُمْ**: اس میں ہمزہ انکار اور فاء عاطفہ محذوف ہے۔ تقدیر یہ ہے انجو تم فامنتم فحملکم ذلک علی الاعراض۔

قولہ: **الْأَرْضِ كَقَارُونَ**: جانب کا تذکرہ کر کے خبردار کیا کہ جب وہ ساحل پر پہنچے تو کفر شروع کر دیا۔
 قولہ: **بِصَفْتُهُ**: توڑنے کا معنی دیتا ہے۔

قولہ: **بِكُفْرِكُمْ**: ماصدر یہ ہے موصولہ نہیں۔

قولہ: **وَالْمُرَادُ تَفْصِيلُ الْجَنِّسِ**: جنس بنی آدم کی جنس ملا کر تفصیل ہے تمام افراد کی افراد پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

تفسیر مقبولین

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ

محسن کو چھوڑ کر دشمن سے دوستی:

بیان ہو رہا ہے کہ ابلیس تمہارا بلکہ تمہارے اصلی باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی قدیمی دشمن رہا ہے اپنے خالق مالک کو چھوڑ کر تمہیں اس کی بات نہ ماننی چاہئے اللہ کے احسان و اکرام اس کے لطف و کرم کو دیکھو کہ اسی نے تمہیں پیدا کیا پالا پوسا پھر اسے چھوڑ کر اس کے بلکہ اپنے بھی دشمن کو دوست بنانا کس قدر خطرناک غلطی ہے؟ اس کی پوری تفسیر سورۃ بقرہ کے شروع میں مگر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے تمام فرشتوں کو بطور ان کی تشریف، تعظیم اور تکریم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سب نے حکم برداری کی لیکن چونکہ ابلیس بداصل تھا، آگ سے پیدا شدہ تھا، اس نے انکار کر دیا اور فاسق بن گیا۔ فرشتوں کی پیدائش نورانی تھی۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں ابلیس شعلے مارنے والی آگ سے اور آدم علیہ السلام اس سے جس کا بیان تمہارے سامنے کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز اپنی اصلیت پر آ جاتی ہے اور وقت پر برتن میں جو ہو وہی ٹپکتا ہے۔ گوا ابلیس فرشتوں کے سے اعمال کر رہا تھا انہی کی مشابہت کرتا تھا اور اللہ کی رضامندی میں دن رات مشغول تھا، اسی لیے ان کے خطاب میں یہ بھی آ گیا لیکن یہ سنتے ہی وہ اپنی اصلیت پر آ گیا، تکبر اس کی طبیعت میں سا گیا اور صاف انکار کر بیٹھا اس کی پیدائش ہی آگ سے تھی جیسے اس نے خود کہا کہ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے۔ ابلیس کبھی بھی فرشتوں میں سے نہ تھا وہ جنات کی اصل ہے جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام انسان کی اصل ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ یہ جنات ایک قسم تھی فرشتوں کی تیز آگ کے شعلے سے تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابلیس شریف فرشتوں

میں سے تھا اور بزرگ قبیلے کا تھا، جنتوں کا داروغہ تھا، آسمان دینا کا بادشاہ تھا، زمین کا بھی سلطان تھا، اس سے کچھ اس کے دل میں گھمنڈ آ گیا تھا کہ وہ تمام اہل آسمان سے شریف ہے۔ وہ گھمنڈ ظاہر ہو گیا از روئے تکبر کے صاف انکار دیا اور کانٹوں میں جا ملا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ جن تھا یعنی جنت کا خازن تھا جیسے لوگوں کو شہروں کی طرف نسبت کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں مکی مدنی بصری کوئی۔ یہ جنت کا خازن آسمان دنیا کے کاموں کا مدبر تھا یہاں کے فرشتوں کا رئیس تھا۔ اس معصیت سے پہلے وہ ملائکہ میں داخل تھا لیکن زمین پر رہتا تھا۔ سب فرشتوں سے زیادہ کوشش سے عبادت کرنے والا اور سب سے زیادہ علم والا تھا اسی وجہ سے پھوس گیا تھا۔ اس کے قبیلے کا نام جن تھا آسمان وزمین کے درمیان آمد و رفت رکھتا تھا۔ رب کی نافرمانی سے غضب میں آ گیا اور شیطان رجیم بن گیا اور ملعون ہو گیا۔ پس تکبر شخص سے تو بہ کی امید نہیں ہو سکتی ہاں تکبر نہ ہو اور کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے ناامید نہ ہونا چاہئے کہتے ہیں کہ یہ تو جنت کے اندر کام کاج کرنے والوں میں تھا۔ سلف کے اور بھی اس بارے میں بہت سے آثار مروی ہیں لیکن یہ اکثر بیشتر بنی اسرائیلی ہیں صرف اس لیے نقل کئے گئے ہیں کہ نگاہ سے گزر جائیں۔ اللہ ہی کو ان کے اکثر کا صحیح حال معلوم ہے۔ ہاں بنی اسرائیل کی روایتیں وہ تو قطعاً قابل تردید ہیں جو ہمارے ہاں کے دلائل کے خلاف ہوں۔

ہات یہ ہے کہ ہمیں تو قرآن کافی وافی ہے، ہمیں انگی کتابوں کی باتوں کی کوئی ضرورت نہیں، ہم ان سے محض بے نیاز ہیں۔ اس لیے کہ وہ تبدیل ترمیم کی پیشی سے خالی نہیں، بہت سی بناوٹی چیزیں ان میں داخل ہو گئی ہیں اور ایسے لوگ ان میں نہیں پائے جاتے جو اعلیٰ درجہ کے حافظ ہوں کہ میل پچیل دور کر دیں، کھرا کھوٹا پرکھ لیں، زیادتی اور باطل کے ملانے والوں کی دال نہ گلنے دیں جیسے کہ اللہ رحمن نے اس امت میں اپنے فضل و کرم سے ایسے امام اور علماء اور سادات اور بزرگ اور متقی اور پاکباز اور حفاظ پیدا کئے ہیں جنہوں نے احادیث کو جمع کیا، تحریر کیا۔ صحیح، حسن، ضعیف، منکر، متردک، موضوع سب کو الگ الگ کر دکھایا یا گھڑنے والوں، بنانے والوں، جھوٹ بولنے والوں کو چھانٹ کر الگ کھڑا کر دیا تاکہ ختم المرسلین العالمین ﷺ کا پاک اور مبرک کلام محفوظ رہ سکے اور باطل سے بچ سکے اور کسی کا بس نہ چلے کہ پ کے نام سے جھوٹ کو رواج دے لے اور باطل کو حق میں ملا دے۔ پس ہماری دعا ہے کہ اس کل طبقہ پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و رضامندی نازل فرمائے اور ان سب سے خوش رہے آمین! آمین! اللہ انہیں جنت الفردوس نصیب فرمائے اور یقیناً ان سے دوستی نہ کرے اور مجھے چھوڑ کر اس سے تعلق نہ جوڑے۔ ظالموں کو بڑا ابرہہ ملے گا۔ یہ مقام بھی بالکل ایسا ہی ہے جیسے سورۃ یاسین میں قیامت، اس کی ہولناکیوں اور نیک و بد لوگوں کے نتیجوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ اے مجرموں تم آج کے دن الگ ہو جاؤ، ارح۔

اللہ کے سوا سب ہی بے اختیار ہیں:

جنہیں تم اللہ کے سوا اللہ بنائے ہو وہ سب تم جیسے ہی میرے غلام ہیں۔

کسی چیز کی ملکیت انہیں حاصل نہیں۔ زمین و آسمان کی پیدائش میں میں نے انہیں شامل نہیں رکھا تھا بلکہ اس وقت وہ موجود بھی نہ تھے تمام چیزوں کو صرف میں نے ہی پیدا کیا ہے۔ سب کی تدبیر صرف میرے ہی ہاتھ ہے۔ میرا کوئی شریک، وزیر، مشیر، نظیر، نہیں۔ جیسے اور آیت میں فرمایا: (قُلْ اَدْعُوا الَّذِينَ رَزَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْ خِطَابِ ذُرِّيَّتِي

السَّنُوتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهَا مِنْ شِرْكٍَ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ قَبْلِ ظَهْرٍ (سبا: ۲۱) جن کو تم اپنے گمان میں کچھ سمجھ رہے ہو سب کو ہی سوا اللہ کے پکار کر دیکھ لو یاد رکھو انہیں آسمان وزمین میں کسی ایک ذرے کے برابر بھی اختیارات حاصل نہیں نہ ان کا ان میں کوئی سا جہا ہے نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ نہ ان میں سے کوئی شفاعت کر سکتا ہے؛ جب تک اللہ کی اجازت نہ ہو جائے اس لئے مجھے یہ لائق نہیں نہ اس کی ضرورت کہ کسی کو خصوصاً گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو اور مددگار بناؤں۔

وَاسْتَفْزِرُ مَنِ اسْتَفْزَرَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ

اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لانا۔ اسْتَفْزِرُ: ابھار دینا پھسلا دینا بے وقوف بنا لینا۔ قاموس میں ہے اسْتَفْزَرَ: اس کو ابھار دے کر اکھاڑ دیا اور گھر سے نکال دیا۔ بِصَوْتِكَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک صوت سے اس جگہ دعوت گناہ مراد ہے۔ جو بھی اللہ کی نافرمانی کی دعوت دے وہ ابلیس کی جماعت میں شامل ہے۔ از ہری نے اسْتَفْزِرُ بِصَوْتِكَ سے یہ مراد لی ہے کہ ان کو اپنی طرف بلانا اور اکھاڑ کر اپنی جانب مائل کر لینا۔ مجاہد نے کہا صوت سے مراد بے گانا بجانا۔ وَاجْلِبْ عَلَيْهِمْ - جَلَبَتْ (باب نصر) اجْتَلَبَتْ (باب افتعل) ایک جگہ سے کسی کو دوسرے مقام کی طرف لے گیا۔ (قاموس) حدیث میں آیا ہے: لَا جَلَبَتْ یعنی ایک جگہ کا نلہ (جب کہ اس جگہ بھی ضرورت ہو) دوسری جگہ لے جانا جائز نہیں ہے۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے کہ جَلَبَتْ دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) زکوٰۃ کا محصل جا کر کسی خاص مقام پر فروکش ہو جائے اور اپنے کارندوں کو جا بجا ہر طرف بھیج دے تاکہ زکوٰۃ دینے والے خود اپنا مال لا کر جمع کرائیں۔ اس کی شرعاً ممانعت کر دی گئی اور زکوٰۃ کے تحصیلداروں کو حکم دیا گیا کہ خود لوگوں کے گھروں اور قیام گاہوں پر جا کر زکوٰۃ کا مال وصول کریں۔

(۲) گھوڑوں کی دوڑ کے موقع پر کوئی شخص اپنے گھوڑے کے پیچھے کسی اور کو لگا دے تاکہ وہ آدمی گھوڑے کو چیخ چیخ کر زور سے تیز دوڑنے پر بھڑکاتا رہے (اور گھوڑا کہیں سست رفتار نہ ہونے پائے) اس کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔

قاموس میں اجْلَبَتْ عَلَى الْفَرَسِ کا یہی معنی آیا ہے۔ جبستہ کا معنی آواز بھی ہے قاموس میں ہے: وَرَعَدَ فَجَلَبَتْ: لرزا اور چیخا۔ اجْلَبَتْ عَلَيْهِ: اس پر چیخ کر اس کو بھڑکایا اور ابھارا تمہیں نے کہا جلب جلیبۃ کی جمع ہے۔ آوازیں شور جلب بمعنی اجتماع بھی آیا ہے۔ نہایہ میں ہے: اجْلَبُوا عَلَيْهِ اس پر جمع ہو گئے اجْلَبَتْہ اس کی مدد کی۔ اس تنقیح پر آیت کا مطلب اس طرح ہوگا۔ اپنے تمام لشکر کو اور اغواء و مکر کے تمام ذرائع کو جمع کر لینا۔

یابہ مطلب ہے کہ گناہوں پر آمادہ کرنا بھڑکانا یا یہ مطلب ہے کہ گناہوں کی طرف ان کو ہٹکانا یا چلانا یا یہ مطلب ہے کہ گناہ کرنے میں ان کی مدد کرنا۔

بِحَيْلِكَ وَرِجْلِكَ اَل تفسیر نے لکھا ہے کہ گناہوں کے راستہ پر چلنے والا ابلیس کا لشکر ہی ہے سوار ہو کر چمے یا پیادہ۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا جنات اور انسانوں میں سے کچھ اشخاص ابلیس کے سوار بھی ہیں اور پیادے بھی جو بھی معصیت کے راستہ میں لڑے وہ ابلیس کا لشکر ہی ہے۔ بیضاوی نے آیت کا مطلب اس طرح لکھا ہے کہ اپنی طرف سے اغواء کر کے لوگوں کو بھڑکانا سوار ہوں یا پیادے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ عبارت کا حقیقی مفہوم مراد نہ ہو بلکہ اللہ نے جو شیطان کو اغوا پر تسلط عنایت فرمایا تھا کہ وہ کامل طور پر گمراہ کر سکتا تھا اور ہدایت انسانی کو بیخ و بن سے اکھاڑ سکتا تھا اس کو ایسے سپہ سالار سے تشبیہ دی جو اپنے پورے لشکر کے ساتھ دشمن کی بستی پر حملہ کر کے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

وَشَارِكُهُمْ فِي الْأَمْوَالِ
اور انکے مال و اولاد میں اپنا سا جھا کر لینا اور ان سے وعدے کرنا اور شیطان ان سے بالکل جھوٹے

وعدے کرتا ہے:

مجاہد، حسن بھری اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم کے نزدیک شرکت فی الاموال سے مراد یہ ہے کہ حرام کمائی کرنے اور اس کو جمع کر رکھنے پر لوگوں کو آمادہ کرنا اور حرام مال خرچ کرنا۔ عطائے کہا اس سے مراد سود (کالین دین) ہے اور (بتوں اور دوتاؤں کے ناموں پر چھوڑے ہوئے یا خود ساختہ قوانین مذہب کے زیر اثر) آزاد کئے ہوئے جانور بھی مراد ہیں جن کو کھانا (اور بعض اوقات ان سے سواری لینا بھی) مسرک حرام قرار دیتے ہیں۔ ضحاک نے کہا غیر اللہ کے نام جانوروں کی بھیجٹ چڑھانا مراد ہے۔ شرکت فی الاولاد سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک زندہ دفن کی ہوئی لڑکیاں مراد ہیں۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا اولاد زنا مراد ہے، حسن اور قتادہ نے کہا اولاد کو یہودی اور عیسائی اور نجوسی بنانا مراد ہے (جب کہ یہ مذاہب منسوخ ہو چکے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول دوسری روایت میں آیا ہے کہ اولاد کے ناجائز نام رکھنا مراد ہے جیسے عبدالحارث، عبد الشمس، عبدالعزیٰ عبدالدار وغیرہ۔

حضرت امام جعفر بن امام زین العابدین نے فرمایا جب انسان بیوی سے قربت کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان اس کے ذکر پر بیٹھ جاتا ہے اب اگر وہ شخص بسم اللہ کہے بغیر کام شروع کر دیتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان بھی جماع میں مشغول ہو جاتا ہے اور انسان کی طرح عورت کے اندام نہانی میں شیطان بھی انزال کرتا ہے (اس طرح اولاد کی پیدائش میں شیطان شریک ہو جاتا ہے)۔

بغوی نے لکھا ہے بعض احادیث میں آیا ہے کہ تم میں کچھ لوگ مغرب ہیں، دریافت کیا گیا مغرب کون لوگ ہیں۔ فرمایا جن (کی پیدائش) میں شیطان شریک ہوتے ہیں۔ وعدہ دلانے سے مراد ہے جھوٹی غلط امیدیں دلانا مثلاً بتوں کی شفاعت، باپ دادا کی بزرگی پر بھروسہ، توبہ میں تاخیر، عقیدہ پیدا کرنا کہ دوزخ اور قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔

ایک شبہ استغفر ذاجلب شارك عدا۔ یہ سب امر کے صیغے ہیں تو کیا اللہ نے ابلیس کو معصیت کا حکم دیا تھا۔ اللہ تو گناہ کا حکم نہیں دیتا۔

ازالہ صیغے امر کے ضرور ہیں لیکن مفہوم تہدید مراد ہے یا امر سے مقصود تو ہیں ابلیس ہے کہ تو کچھ بھی کر لے تیری کسی حرکت سے میری حکومت میں فرق نہیں آسکتا۔

غرور بمعنی فریب دھوکہ باطل کو بصورت حق دکھانا۔ (یعنی ایسے آراستہ کر کے دکھانا کہ حق معلوم ہونے لگے)

بغوی نے لکھا ہے آثار (اقوال صحابہ) میں آیا ہے کہ ابلیس کو جب نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا تو ابلیس نے عرض کیا اے

میرے رب آدم کی وجہ سے تو نے مجھے جنت سے نکال دیا اب مجھے اس پر اور اس کی اولاد پر قابو عطا فرمادے (کہ میں جس طرح چاہوں ان کو بے راہ کر دوں) اللہ نے فرمایا تجھے قابو دے دیا فرمایا۔ ابلیس نے کہا مجھے تیرے بغیر تو اس کی طاقت نہیں اللہ نے فرمایا: استغفر من استطعت منهم بصوتك.. آدم ﷺ نے عرض کیا اے میرے رب تو نے ابلیس کو مجھ پر اور میری نسل پر مسلط کر دیا اور تیرے بغیر میں اس سے محفوظ رہنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اللہ نے فرمایا تیری جو بھی اولاد ہوگی میں اس کی حفاظت کے لیے محافظ مقرر کر دوں گا آدم ﷺ نے عرض کیا میں اس کلام کی مزید تفصیل چاہتا ہوں اللہ نے فرمایا ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دیا جائے گا آدم ﷺ نے عرض کیا اور کیا۔ اللہ نے فرمایا جب تک روح جسم میں رہے گی تو بہ (کی قبولیت) رہنے رہے گی (یعنی تو بہ کا دروازہ بند نہ ہوگا) آدم ﷺ نے عرض کیا اور کچھ اللہ نے فرمایا: يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا عَلَي أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ سَجِيْعًا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ ابلیس نے عرض کیا اے رب تو نے انبیاء بھیجے اور (ان کے پڑھنے کو) کتابیں نازل کیں میرے پڑھنے کے لیے کیا (مقرر کیا) ہے اللہ نے فرمایا شعر ابلیس نے عرض کیا میری تحریر (رسم خط) کیا ہوگا فرمایا (اعضاء جسم کو) گودنا (گویا گودنا اور گدوانا شیطانی تحریر اور رسم خط ہے) ابلیس نے کہا میرے پیغامبر کون ہیں؟ فرمایا کاہن۔ عرض کیا میرے رہنے کا مقام کون سا ہے فرمایا حمام (جہاں لوگ برہنہ غسل کرتے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں) عرض کیا میرے بیٹھنے کا مقام کہاں ہے فرمایا بازاروں میں۔ عرض کیا میرا کھانا کیا ہے فرمایا وہ چیز جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ عرض کیا میرے پینے کی چیز کیا ہے۔ فرمایا ہرنشہ آور چیز عرض کیا میرا جال کون سا ہے فرمایا عورتیں عرض کیا میرا سامان (تفریح) کیا ہے فرمایا باجے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْوَجْدِ وَالْبَحْرِ.....

یعنی آدمی کو حسن صورت، نطق، تدبیر اور عقل و حواس عنایت فرمائے جن سے دنیاوی و اخروی مضار و منافع کو سمجھتا اور اچھے برے میں تفریق کرتا ہے۔ ہر طرف ترقی کی راہیں اس کے لیے کھلی ہیں دوسری مخلوقات کو قابو میں لا کر اپنے کام میں لگاتا ہے۔ خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر یا دوسری طرح طرح کی گاڑیوں میں سفر کرتا اور سمندروں کو کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ بے تکلف طے کرتا چلا جاتا ہے۔ جسم قسم کے عمدہ کھانے، کپڑے، مکانات، اور دنیاوی آسائش و رہائش کے سامانوں سے منتفع ہوتا ہے۔ ان ہی آدمیوں کے سب سے پہلے باپ آدم ﷺ کو خدا تعالیٰ نے معبود ملائکہ اور ان کے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کل مخلوقات کا سردار بنایا۔ غرض نوع انسانی کو جن تعالیٰ نے کئی حیثیت سے عزت اور بڑائی دے کر اپنی بہت بڑی مخلوق پر فضیلت دی۔ اوپر کے رکوع میں آدم کی نسبت شیطان کا (هَذَا الَّذِي كَرَّمْتُمْ عَلَيَّ) (الاسراء: ۶۲) کہنا اور ملائکہ کا آدم کو مجتہد کرنا، پھر بنی آدم کو کشتی کے ذریعہ دریائی سفر طے کرانا مذکور تھا۔ اس آیت کا مضمون مضامین مذکورہ بالا سے صاف طور پر مرہوٹ ہے۔

(تسنیہ) مفسرین نے اس آیت کے تحت میں یہ بحث چھیڑ دی ہے کہ ملائکہ اور بشر میں کون افضل ہے کون مفضول۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ آیت سے اس مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ حنفی کی رائے یہ نقل کی ہے کہ رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ (باستثنائے رسل بشر کے) باقی تمام فرشتوں اور آدمیوں سے افضل ہیں اور عام فرشتوں کو عام آدمیوں پر

أَذْكَرَ يَوْمَ تَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِأَمْتِهِمْ ۗ يَنْبَغِيهِمْ فَيَقَالُ يَا أُمَّةَ فَلَانِ أَرَأَيْتَ إِنْ بَدَّلْنَا
 الْخَيْرَ يَا صَاحِبَ الشَّرِّ وَهُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ أَوْقَىٰ مِنْهُمْ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ وَهُمْ السَّعْدَاءُ أُولُو الْبَصَائِرِ فِي
 الدُّنْيَا بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يَظْلَمُونَ ۖ يُنْقَضُونَ مِنْ أَعْمَالِهِمْ قَلِيلًا ۖ قَدَرٌ فِشْرَةِ النَّوَاةِ وَمَنْ
 كَانَ فِي هَذِهِ أَى الدُّنْيَا أَعْمَىٰ عَنِ الْحَقِّ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ عَنِ طَرِيقِ النَّجَاةِ وَقِرَاءَةُ الْكِتَابِ وَأَضَلَّ
 سَبِيلًا ۖ أَبْعَدُ طَرِيقًا عَنْهُ وَنَزَلَ فِي تَفْصِيلٍ وَقَدْ سَأَلْتُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُحَرِّمَ وَاذِيهِمْ وَالْحَوَا عَلَيْهِ
 وَإِنْ مُخْفَفَةٌ كَادُوا قَارِبُوا كَيْفَتُونَكَ ۖ يَسْتَرْ لُونَكَ عَنِ الذِّمَىٰ أَوْ حِينًا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِي عَلَيْنَا غَيْرَ كَادٍ وَإِذَا لَو
 فَعَلْتَ ذَلِكَ لَا تَخْذُلُوكَ خَلِيلًا ۖ وَكَوْلَا أَنْ تَبْتَنَّاكَ عَلَى الْحَقِّ بِالْعِصْمَةِ لَقَدْ كِدْتَ قَارِبَتْ تَوَكَّنْ تَمِيل
 إِلَيْهِمْ سَبِيلًا ۖ كُنَّا قَلِيلًا ۖ لِشِدَّةِ احْتِيَاجِهِمْ وَالْحَاجِهِمْ وَهُوَ صَرِيحٌ فِي أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ
 يَرَكُنْ وَلَا قَارِبَ إِذَا لَوَزَّ كُنْتَ لَأَذُنُكَ ضَعْفٌ عَذَابِ الْحَيَوَةِ وَضَعْفٌ عَذَابِ الْمَنَاتِ أَى مِثْلَى
 مَا بَعْدَ غَيْرِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ثُمَّ لَا تَجْمَلُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۖ مَا نَعَا مِنْهُ وَنَزَلَ لَمَّا قَالُ لَهُ الْيَهُودُ إِذْ
 كُنْتَ نَبِيًّا فَالْحَقُّ بِالشَّامِ فَإِنَّهَا أَرْضُ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنْ مُخْفَفَةٌ كَادُوا لَيْسْتَ فَرُّوْكَ مِنَ الْأَرْضِ أَرْضِ الْمَدِينَةِ
 يَخْرُجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَوَاخِرُ جُوكَ لَا يَلْبَثُونَ خَلْفَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۖ ثُمَّ يَهْلِكُونَ سُنَّةً مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا
 عِ ۖ أَى كَسْتِنَا فِيهِمْ مِنْ أَهْلَاكٍ مِنْ آخِرِ جَهَنَّمَ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۖ تَبْدِيلًا

ترجمہ: اس دن کو یاد کیجئے جب ہم انسانوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے (یعنی انبیاء سمیت چنانچہ فداں کی امت کہہ کر پکارا جائے گا یا اعمال نامے مراد ہیں یعنی اس طرح پکارا جائے گا کہ اے اچھے کام کرنے والے! اے برے کام کرنے والے! اور وہ قیامت کا دن ہوگا) پھر جس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا (اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں دانشمند شمار ہوتے تھے) تو ایسے لوگ اپنے اعمال نامے پڑھیں گے اور ان پر زیادتی نہیں کی جائے گی (ان کے اعمال میں کمی کر کے کھجور کی سمٹھلی پر جھلی کے برابر) اور جو شخص اس دنیا میں (حق سے) اندھا بنا رہا تو یقین کر دو آخرت میں بھی وہ اندھا رہے گا (راہ نجات سے اور نامہ اعمال کو پڑھنے سے) اور زیادہ گم کردہ راہ ہوگا (بہت دور پڑا ہوا راہ سے) اگلی آیت تفسیر کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ ان کی رہنمائی گاہ کو بھی حرام بنا دیں اور اس پر انہوں نے اصرار کیا (ان لوگوں نے تو اس میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی) ان مخففہ ہے اور کادوا، قاریوں کے معنی میں ہے) کہ آپ کو اس کلام سے بچلانے ہی لگے تھے جو ہم نے آپ پر بذریعہ وحی نازل کیا ہے تاکہ اس کلام

کی جگہ دوسری باتیں کہہ کر آپ ہماری طرف غلط بات کہ نسبت کر دیں اور ایسی حالت میں (کہ آپ یہ کارروائی کر گزرتے) آپ کو یہ خالص دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے آپ کو جمانہ دیا ہوتا (حق پر معصوم بنا کر) تو آپ نہ ان کی طرف جھکے اور نہ اہل ہوئے اگر ایسا ہوتا (آپ کا کچھ بھی میلان ہو جاتا) تو ہم ضرور آپ کو زندگی میں بھی دوہرا عذاب چکھتے اور موت کا بھی (یعنی دنیا اور آخرت میں) اوروں سے دو گئے عذاب میں آپ کو مبتلا کر دیا جاتا) پھر آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار بھی نہ ملتا (جو عذاب الہی روک لیتا) اگلی آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہودیوں نے یہ کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ملک شام چلے جائے کیونکہ انبیاء کی سرزمین وہی ہے) اور یہ لوگ آپ کے قدم اس سرزمین (مدینہ) سے اکھاڑنے لگے تھے تاکہ آپ کو وہاں سے نکال دیں اور اگر ایسا ہو جاتا (کہ آپ کو یہ باہر نکال دیتے) تو یہ بھی آپ کے بعد بہت کم ٹھہر پاتے (پھر برباد ہو کر رہتے) جیسا کہ آپ سے پہلے جو پیغمبر بھیج چکے ہیں ان سب کے معاملہ میں ہمارا یہی قاعدہ رہا ہے (یعنی جیسا طریقہ ہمارا ان لوگوں کو برباد کرنے کا رہا ہے جنہوں نے پیغمبروں کو نکالا تھا) اور ہمارے ٹھہرائے ہوئے قاعدوں کو آپ کو بدلتا ہوا نہ پائیں گے۔

کلمات تفسیریہ کے توضیح و تشریح

قولہ: يَا صَاحِبَ النَّسْرِ: اس سے اشارہ ہے کہ کسی متقطع ہو جائے گا اور اعمال کا تعلق باقی رہ جائے گا۔

قولہ: قِرَاءَةُ الْكِتَابِ: کتاب کفار کا تذکرہ چھوڑ دیا کیونکہ اس پر اکتفاء کیا گیا۔

قولہ: أَبْعَدُ طَرَفًا عَنَّهُ: یعنی اندھے کی نسبت دنیا میں زیادہ گمراہ۔

قولہ: الْخُورَاعَلَيْهِ: شدید اصرار کرنے کے معنی میں ہے۔

قولہ: رُكُونًا: شبہا کا نصب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے۔

قولہ: لِيَشْذَهِ اَحْبَابِهِمْ: یعنی تم جھکنے کے مقام پر تھے مگر ہماری عصمت نے رکون کے قریب جانے سے بھی بچا لیا چہ جائیکہ آپ جھکیں۔ یہ صریح ہے کہ آپ ذرہ بھر نہیں جھکے کیونکہ لولا دوسرے کی نئی کے لیے اول کے وجود کی وجہ سے آتا ہے۔

قولہ: عَذَابِ الْحَيَوَاتِ: اصل کلام اس طرح ہے عذاباً مضطراً۔

قولہ: فَالْحَقُّ بِالشَّمَامِ: یعنی شام چلے جاؤ تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ ایک مرحلہ جا کر لوٹ آئے۔

قولہ: خَلْفَكَ: یہاں بعد کے معنی میں ہمت کرنے۔



يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَايْنٍ بِاِمَامِهِمْ ؕ.....

یہاں یہ بتلانا ہے کہ دنیا میں فطری حیثیت سے انسان کو جو عزت و فضیلت بخشی تھی اس نے کہاں تک قائم رکھی اور کتنے

ہیں جنہوں نے انسانی عز و شرف کو خاک میں ملادیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر فرقہ اس چیز کی معیت میں حاضر ہوگا جس کی پیروی اور اتباع کرتا تھا۔ مثلاً مؤمنین کے نبی، کتاب، دینی پیشوا، یا کفار کے مذہبی سردار، بڑے شیطان اور جھوٹے معبود، جنہیں فرمایا ہے: (وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُدْعَوْنَ إِلَى الْقَارِ) (القصص: ۳۱) اور حدیث میں ہے: ((التَّبِعِ كُلَّ امَةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ)) اس وقت تمام آدمیوں کے اعمالنا ان کے پاس پہنچا دیے جائیں گے۔ کسی کا اعمالنامہ سامنے سے داہنے ہاتھ میں اور کسی کا پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پہنچ جائے گا۔ گویا یہ ایک حسی علامت ان کے مقبول یا مردود ہونے کی سمجھی جائے گی۔ اصحابِ یمن (داہنے ہاتھ میں اعمالنامہ پکڑنے والے) وہ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں حق کو قبول کر کے اپنی فطری شرافت اور انسانی کرامت کو باقی رکھا۔ جس طرح دنیا میں انہوں نے دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کر کام کیے، آخرت میں ان کی وہ احتیاط کام آئی۔ اس دن وہ خوشی سے پھولے نہ سائیں گے، بڑے سرور و انبساط سے اپنا اعمالنامہ پڑھیں گے اور دوسروں کو کہیں گے (اقْرءُوا كِتَابِيَّةً) (الحاقة: ۱۹) کہ آؤ میری کتاب پڑھ لو۔ باقی دوسرے لوگ یعنی اصحابِ شمال ان کا کچھ حال اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے (بعض نے لفظ امام سے خود اعمالنامہ مراد لیا ہے کیونکہ وہاں لوگ اس کے پیچھے چلیں گے)

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتَنُونَكَ.....

یعنی بعض اندھے ایسے شریر ہیں کہ خود تو راہ پر کیا آتے بڑے بڑے سوا نکھوں کو بچلانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کفار مکہ کی اس بے حیائی اور جسارت کو دیکھئے کہ آپ پر ڈورے ڈالتے ہیں کہ خدا نے جو احکام دیے اور وحی بھیجی اس کا ایک حصہ ان کی خاطر سے آپ (معاذ اللہ) چھوڑ دیں یا بدل ڈالیں۔ کبھی حکومت، دولت اور حسین عورتوں کا مانع دیتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہم آپ کے تابع ہو جائیں گے، قرآن میں سے صرف وہ حصہ نکال دیجئے جو شرک و بت پرستی کے رد میں ہے۔ اگر آپ (العیاذ باللہ) بفرس مجال ایسا کر گزرتے تو پیشک وہ آپ کو گاڑھا دست بنا لیتے۔ لیکن آپ کا جواب یہ تھا کہ خدا کی قسم اگر تم چاند اتار کر میری ایک مٹھی میں اور سورج اتار کر دوسری مٹھی میں رکھو تو تب بھی محمد ﷺ اس چیز کو چھوڑنے والا نہیں جس کے لیے خدا نے اسے کھڑا کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنا کام پورا کرے یا اس راستے سے گزر جائے

وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوكَ مِنَ الْأَرْضِ.....

یعنی چاہتے ہیں کہ تجھے تنگ کر کے اور گھبرا کر مکہ سے نکال دیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ ایسا کیا تو وہ خود زیادہ دنوں تک یہاں نہ رہ سکیں گے چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔ ان کے ظلم و ستم حضور ﷺ کی ہجرت کا سبب بنے۔ آپ ﷺ کا مکہ سے تشریف لے جانا تھا کہ تقریباً بیڑھ سال بعد مکہ کے بڑے بڑے نامور سردار گھروں سے نکل کر میدان بدر میں نہایت ذلت کے ساتھ ہلاک ہوئے۔ اور اس کے پانچ چھ سال بعد مکہ پر اسلام کا قبضہ ہو گیا۔ کفار کی حکومت و شوکت تباہ ہو گئی اور بالآخر بہت قلیل مدت گزرنے پر مکہ بلکہ پورے جزیرۃ العرب میں پیغمبر ﷺ کا ایک مخالف بھی باقی نہ رہا۔

أَقْبِرِ الصَّلَاةَ لِلدُّلُوكِ الشَّمْسِ أَيُّ مِنْ وَقْتِ زَوَالِهَا إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ إِقْبَالِ ظِلْمَتِهِ أَيِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَقُرْآنِ الْعَجْرِ صَلَاةَ الصُّبْحِ إِنَّ قُرْآنَ الْعَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝ تَشْهَدُهُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ فَصَلِّ بِهِ بِالْقُرْآنِ نَافِلَةً لَكَ ۝ فَرِيضَةٌ زَائِدَةٌ لَكَ دُونَ أَمْتِكَ أَوْ فَضِيلَةٌ عَلَى الصَّلَاةِ

النَّفْرُ رُضَةٌ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ يُقْبِنَكَ رَبُّكَ فِي الْأَخِرَةِ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝ يَحْمَدُكَ بِهِ الْأَزَلُونَ وَالْآخِرُونَ
 وَهُوَ مَقَامُ السَّفَاعَةِ فِي فَضْلِ الْقَضَاءِ وَنَزَلَ لَمَّا أَمَرَ بِالْهَجْرَةِ وَقَالَ رَبِّ ادْخُلْنِي الْمَدِينَةَ مَدْخَلَ صِدْقِي
 أَيْ ادْخُلْهَا مَرْضِيًّا لَا أَرَىٰ فِيهِ مَا أَكْرَهُ وَأَخْرِجْنِي مِنْ مَكَّةَ مَخْرَجَ صِدْقِي إِخْرَاجًا لَا تَلْتَفِتُ بِقَلْبِي إِلَيْهَا وَ
 اجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيرًا ۝ قُوَّةٌ تَنْصُرُنِي بِهَا عَلَىٰ أَعْدَائِكَ وَقُلْ عِنْدَ خُذْلِكَ مَكَّةَ جَاءَ الْحَقُّ
 الْإِسْلَامَ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۝ بَطَلَ الْكُفْرُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ مُضْمَحِلًا زَائِلًا وَقَدَدَ خَلَقَهَا ضَلَىٰ اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخُذِلَ الْبَيْتِ ثَلَاثَ مِائَةٍ وَسِتُّونَ صِنْفًا فَجَعَلَ يَطْعُنُهَا بِعُودٍ فِي يَدِهِ وَيَقُولُ جَاءَ الْحَقُّ الْخ
 حَتَّى سَقَطَتْ رِوَاهُ الشُّعْبَانِ وَنُزِّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ مِنَ الضَّلَالَةِ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ بِهِ وَ
 لَا يُزِيدُ الظَّالِمِينَ الْكَافِرِينَ إِلَّا خَسَارًا ۝ لِكُفْرِهِمْ بِهِ وَإِذَا أُنْعِمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ الْكَافِرِ أَعْوَضَ عَنِ الشُّكْرِ وَ
 تَأْبَاهِيهِ ۝ نَبِيٌّ عَطْفُهُ مُتَّبِعٌ خَيْرًا وَإِذَا مَتَّهُ الشَّرُّ الْفَقْرُ وَالسِّدَّةُ كَانَ يُؤَسَّا ۝ فَكُوطًا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ قُلْ كُلُّ
 مَنَّا وَمَنْكُمْ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ ۝ طَرِيقَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا ۝ طَرِيقًا فَيُفِيهِ

۱

تَرْجُمَتِهَا: نمازیں ادا کیجئے سورج کے ڈھلنے کے بعد سے (یعنی زوال آفتاب کے بعد سے) رات کا اندھیرا ہونے
 تک۔ اندھیرا شروع ہونے تک، یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں) اور صبح کا قرآن (نماز صبح) پیشک صبح کا قرآن
 حاضر ہونے کا وقت ہے (جس میں رات دن کے فرشتے حاضر رہتے ہیں اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی (نماز پڑھئے)
 سو تہجد میں (قرآن) پڑھیے یہ آپ کے لیے ایک مزید عمل ہے (آپ کے لیے ایک زائد فریضہ ہے جو آپ کے ذمہ امت پر
 فرض نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس میں فرض نمازوں سے بڑھ کر فضیلت ہے) امید ہے کہ آپ کا پروردگار (آخرت میں)
 آپ کو مقام محمود میں جگہ عنایت کرے گا (جس کی تعریف اولین و آخرین سب کریں گے اور وہ مقدمات کے فیصلوں کے
 وقت سفارش کا ایک مقام ہوگا اور آپ کو ہجرت کا حکم ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی) اور آپ اس طرح دعا کیجئے کہ اے میرے
 پروردگار! مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جائیو (ایسے طریقہ سے کہ مکہ کی طرف میری توجہ نہ رہے) اور مجھے اپنے حضور سے ایسی
 قوت عطا کر جس کے ساتھ مدد شامل ہو (جو تیرے دشمنوں کے خلاف میری مدد کر سکے) اور (مکہ میں داخلہ کے وقت تمہارا یہ
 اعلان ہونا چاہئے کہ دیکھو حق (اسلام) ظاہر ہو گیا اور باطل (کفر) گیا گزرا ہو گیا اور باطل چیز تو یوں ہی نیست و نابود ہو کر رہتی
 ہے (آتی جاتی رہتی ہے چنانچہ جب نبی کریم ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس کے چاروں طرف تین سو ماٹھ بت
 رکھے ہوئے تھے آپ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے اشارہ کرتے جاتے تھے اور جہاں اللہ فرماتے جاتے تھے اور بت گرے جا رہے
 تھے (بخاری و مسلم) اور ہم نے قرآن نازل کیا ہے (من بیانہ ہے) تو وہ ایمان لانے والوں کے حق میں (گمراہی سے) شفا
 اور رحمت ہے اور ناانصافوں (کافروں) کو اور ناانصافان بڑھتا ہے (ان کے کفر کی وجہ سے) اور انسان (کافر) پر جب ہم

انعام کرتے ہیں تو ہم سے (ہمارے شکر سے) منہ پھیر لیتا ہے اور کروٹ پھیر لیتا ہے (اگرتے ہوئے پہلو تہی کرتا ہے) اور جب اسے دکھ ٹھنڈی اور سختی پہنچ جائے تو دیکھو بالکل یوں (اللہ کی رحمت سے ناامید) ہو کر بیٹھ جاتا ہے آپ فرما دیجئے (ہم میں سے اور تم میں سے) ہر انسان اپنے طور (طریقہ) کے مطابق عمل کرتا ہے پس تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون سب سے زیادہ ٹھیک راستہ پر ہے (اس لیے وہ اسے جزا دے گا)۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قولہ: **سنة**: یہ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای من اللہ ذلک سنة اور رسل کی طرف سنت کی اضافت اس لیے ہے کہ یہ ان کی وجہ سے ہے۔
- قولہ: **کستنافہم**: یہ کلام تشبیہ پر ہے۔
- قولہ: **وَوَقَّتْ زَوَالَهَا**: اس سے اشارہ کیا کہ لام یہ من کے معنی میں ہے۔
- قولہ: **صَلْوَةَ الصُّبْحِ**: اس کو قرآن کہا کیونکہ تلاوت قرآن اس کا رکن ہے۔ اس کا عطف الصَّلَاةِ پر ہے نہ کہ قریب پر۔
- قولہ: **مَقَامًا مَّحْمُودًا**: یہ فعل مضر کی وجہ سے منصوب ہے ای فیتقیمک مقامًا یا یہ عیشک کی تفسیر سے۔
- قولہ: **يُحْمَدُكَ فِيهِ الْأَوْلُونَ**: اس میں اشارہ ہے کہ مقام کی توصیف اس مقام والے کی نسبت سے ہے۔
- قولہ: **إِذْ خَالَا**: اس سے اشارہ ہے کہ مدخل یہ مصدر ہے طرف نہیں ہے۔
- قولہ: **مَرَّ ضِيًّا**: اشارہ ہے کہ صدق یعنی پسندیدہ ہے۔
- قولہ: **قُوَّةً تَنْطَرِقُ**: کیونکہ آپ نے سلطنت طلب نہیں فرمائی۔
- قولہ: **لِلْبَيَانِ**: قرآن مکمل طور پر شفاء ہے۔
- قولہ: **وَإِذَا أَنْعَمْنَا**: اس سے مراد رحمت و وسعت کا انعام ہے۔
- قولہ: **بِنَبِيِّ عَظُمَ**: یعنی اپنے پہلو کو سوز لیتا ہے۔
- قولہ: **وَبَشِيرًا**: گویا وہ بے پروائی اختیار کرنے والا اور اپنے معاملے میں مختار ہے۔

تفسیر مقبولین

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِ الشَّمْسِ ...

اوقات صلوٰۃ کی نشاندہی:

نمازوں کو وقتوں کی پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہو رہا ہے دلوک سے مراد غروب ہے یا زوال ہے۔ امام ابن جریر زوال کے قول کو پسند فرماتے ہیں اور اکثر مفسرین کا قول بھی یہی ہے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ کی اور

آپ کے ساتھ ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جنہیں آپ نے چاہا دعوت کی، کھانا کھا کر سورج ڈھل جانے کے بعد آپ میرے ہاں سے چلے، حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا، چلو یہی وقت دلوک شمس کا ہے۔ پس پانچوں نمازوں کا وقت اس آیت میں بیان ہو گیا۔ غسق سے مراد اندھیرا ہے جو کہتے ہیں کہ دلوک سے مراد غروب ہے، ان کے نزدیک ظہر عصر مغرب عشا کا بیان تو اس میں ہے اور فجر کا بیان وقرآن الفجر میں ہے۔ حدیث سے یہ تو اتر اقوال و افعال آنحضرت ﷺ سے پانچوں نمازوں کے اوقات ثابت ہیں اور مسلمان بجز اللہ اب تک اس پر ہیں، ہر پچھلے زمانے کے لوگ اگلے زمانے والوں سے برابر لیتے چلے آتے ہیں۔ جیسے کہ ان مسائل کے بیان کی جگہ اس کی تفصیل موجود ہے والحمد للہ۔ صبح کی تلاوت قرآن پر دن اور رات کے فرشتے آتے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے تنہا شخص کی نماز پر جماعت جماعت کی نماز پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ صبح کی نماز کے وقت دن اور رات کے فرشتے اکٹھے ہوتے ہیں۔ اسے بیان فرما کر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم قرآن کی آیت کو پڑھو لو: *وقرآن الفجر* اے بخاری و مسلم میں ہے کہ رات کے اور دن کے فرشتے تم میں برابر پڑے درپے آتے رہتے ہیں، صبح کی اور عصر کی نماز کے وقت ان کا اجتماع ہو جاتا ہے تم میں جن فرشتوں نے رات گزاری وہ جب چڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہے، باوجود یہ کہ وہ ان سے زیادہ جاننے والے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ان کے پاس پہنچے تو انہیں نماز میں پایا اور واپس آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ یہ چونکہ رات کے صبح کی نماز میں جمع ہوتے ہیں پھر یہ چڑھ جاتے ہیں اور وہ ٹھہر جاتے ہیں۔ ابن جریر کی ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کے نزول فرمانے اور اس ارشاد فرمانے کا ذکر کیا کہ کوئی ہے؟ جو مجھ سے استغفار کرے اور میں اسے بخشوں کوئی ہے؟ کہ مجھ سے سوال کرے اور میں اسے دوں۔ کوئی ہے؟ جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا کو قبول کروں۔ یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی ہے پس اس وقت پر اللہ تعالیٰ موجود ہوتا ہے اور رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ کو تہجد کی نماز کا حکم فرماتا ہے، صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ فرض نماز کے بعد کونسی نماز افضل ہے؟ آپ نے فرمایا رات کی نماز۔ تہجد کہتے ہیں نیند کے بعد کی نماز کو، لغت میں مفسرین کی تفسیروں میں اور حدیث میں یہ موجود ہے آپ کی عادت بھی یہی تھی کہ سو کر اٹھتے پھر تہجد پڑھتے۔ جیسے کہ اپنی جگہ بیان موجود ہے۔ ہاں حسن بصری کا قول ہے کہ جو نماز عشا کے بعد ہو۔ ممکن ہے کہ اس سے بھی مراد سو جانے کے بعد ہو پھر فرمایا یہ زیادتی تیرے لیے ہے۔ بعض تو کہتے ہیں، تہجد کی نماز دیگر نمازوں کے برخلاف صرف حضور ﷺ پر فرض تھی۔ بعض کہتے ہیں یہ خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف تھے اور امتیوں کی اس نماز کے وجہ سے ان کے گناہ دور ہو جاتے ہیں۔ ہمارے اس حکم کی بجا آوری پر ہم تجھے اس جگہ کھڑا کریں گے کہ جہاں کھڑا ہونے پر تمام مخلوق آپ کی تعریفیں کرے گی اور خود خالق اکبر بھی۔ کہتے ہیں کہ مقام محمود پر قیامت کے دن آپ اپنی امت کی شفاعت کے لیے جائیں گے تاکہ اس دن کی گھبراہٹ سے آپ انہیں راحت دیں۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں لوگ ایک ہی میدان میں جمع کئے جائیں گے پکارنے والا اپنی آواز نہیں سنائے گا، آنکھیں کھل جائیں گی، ننگے پاؤں ننگ بدن ہوں گے، جیسے کہ پیدا کئے گئے تھے، سب کھڑے ہوں گے، کوئی بھی بغیر اجازت الہی بات نہ کر سکے گا، آواز آئے گی، اے محمد ﷺ آپ کہیں گے لبیک

وسعد یک۔ اے اللہ تمام بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے۔ برائی تیری جانب سے نہیں۔ راہ یافتہ وہی ہے جسے تو ہدایت بخشے، تیرا غلام تیرے سامنے موجود ہے، وہ تیری ہی مدد سے قائم ہے، وہ تیری ہی جانب بھٹکنے والا ہے۔ تیری پکڑ سے سوائے تیرے دربار کے اور کوئی پناہ نہیں تو برکتوں اور بلند یوں والا ہے اے رب الہیت تو پاک ہے۔

مقام محمود کا تعارف:

یہ مقام محمود جس کا ذکر اللہ عزوجل نے اس آیت میں کیا ہے۔ پس یہ مقام مقام شفاعت ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قیامت کے دن سب سے پہلے زمین سے آپ باہر آئیں گے اور سب سے پہلے شفاعت آپ ہی کریں گے۔ اہل علم کہتے ہیں کہ یہی مقام محمود ہے جس کا وعدہ اللہ کریم نے اپنے رسول مقبول سے کیا ہے۔ پیشک حضور ﷺ کو بہت سی بزرگیاں ایسی ملیں گی جن میں کوئی آپ کی برابری کا نہیں۔ سب سے پہلے آپ ہی کی قبر کی زمین شق ہوگی اور آپ سواری پر سوار محشر کی طرف جائیں گے، آپ کا ایک جھنڈا ہوگا، آپ ان لوگوں کی شفاعت کریں گے جن کی بابت حکم ہو چکا ہوگا کہ انہیں جہنم کی طرف لے جائیں۔ پھر وہ آپ کی شفاعت سے واپس لوٹائے جائیں گے، سب سے پہلے آپ ہی جنت میں لے جانے کی پہلے سفارشی ہوں گے۔ جیسے کہ صحیح مسلم کی حدیث سے ثابت ہے۔ صور کی حدیث میں ہے کہ تمام مؤمن آپ ہی کی شفاعت سے جنت میں جائیں گے۔ سب سے پہلے آپ جنت میں جائیں گے اور آپ کی امت اور امتوں سے پہلے جائیں گے۔ آپ کی شفاعت سے کم درجے کے جنتی اعلیٰ اور بلند درجے پائیں گے۔ آپ ہی صاحب وسیلہ ہیں جو جنت کی سب سے اعلیٰ منزل ہے جو آپ کے سوا کسی اور کو نہیں ملنے کی۔ یہ صحیح ہے کہ بحکم الہی گنہگاروں کی شفاعت فرشتے بھی کریں گے، نبی بھی کریں گے، مؤمن بھی کریں گے لیکن حضور ﷺ کی شفاعت جس قدر لوگوں کے بارے میں ہوگی ان کی گنتی کا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں اس میں کوئی آپ کی مثل اور برابر نہیں۔

اب مقام محمود کے متعلق حدیثیں ملاحظہ ہوں۔ بخاری میں ہے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں لوگ قیامت کے دن گھنٹوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی کہ اے فلاں ہماری شفاعت کیجئے، اے فلاں ہماری شفاعت کیجئے یہاں تک کہ شفاعت کی انتہا محمد ﷺ کی طرف ہوگی۔ پس یہی وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا۔ ابن جریر میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں سورج بہت نزدیک ہوگا یہاں تک کہ پسینہ آدھے کانوں تک پہنچ جائے گا، اسی حالت میں لوگ حضرت آدمؑ سے فریاد کریں گے، وہ صاف انکار کر دیں گے پھر حضرت موسیٰؑ سے کہیں گے آپ یہی جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں پھر حضرت محمد ﷺ سے کہیں گے آپ مخلوق کی شفاعت کے لیے چلیں گے یہاں تک کہ جنت کے دروازے کا کٹا تھا م لیں، پس اس وقت آپ کی تعریفیں کریں گے۔ بخاری میں ہے جو شخص اذان سن کر دعا: (اللهم رب هذه الدعوة التامة....) پڑھ لے اس کے لیے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن میں نبیوں کا امام اور ان کا خطیب اور ان کا سفارشی ہوں گا میں یہ کچھ بطور نذر کے نہیں کہتا۔ اسے ترمذی بھی لائے ہیں اور حسن صحیح کہا ہے۔

ابن ماجہ میں بھی یہ ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ سے وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں قرآن کو سات قراءتوں پر پڑھنے کا

بیان ہے اس کے آخر میں ہے کہ میں نے کہا اے اللہ میری امت کو بخش، الہی میری امت کو بخش، تیری دعا میں نے اس دن کے لیے اٹھا رکھی ہے، جس دن تمام مخلوق میری طرف رعبت کرے گی، یہاں تک کہ اگر ابراہیم علیہ السلام بھی۔ مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن جمع ہوں گے پھر ان کے دل میں خیال ڈالا جائے گا کہ ہم کسی سے کہیں کہ وہ ہماری سفارش کر کے ہمیں اس جگہ سے آرام دے، پس سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے آدم آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، آپ کے لیے اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا آپ کو تمام چیزوں کے نام بتائے آپ اپنے رب کے پاس ہماری سفارش لے جائیے تاکہ ہمیں اس جگہ سے راحت ملے، حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں آپ کو یاد آ جائے گی اور اللہ تعالیٰ سے شرمانے لگیں گے، فرمائیں گے تم حضرت نوح کے پاس جاؤ وہ اللہ کے پہلے رسول ہیں، جنہیں زمین والوں کی طرف اللہ پاک نے بھیجا یہ آئیں گے یہاں سے بھی جواب پائیں گے کہ میں اس کے لائق نہیں ہوں، آپ کو بھی اپنی خضایا آئے گی کہ اللہ سے وہ سوال کیا تھا جس کا آپ کو علم نہ تھا۔ پس اپنے پروردگار سے شرمائیں گے اور فرمائیں گے تم ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ آپ کے پاس آئیں گے، آپ فرمائیں گے، میں اس قابل نہیں تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، ان سے اللہ نے کلام کیا ہے اور انہیں تورات دی ہے لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے لیکن وہ کہیں گے مجھ میں اتنی قابلیت کہاں؟ پھر آپ اس قتل کا ذکر کریں گے جو بغیر کسی مقول کے معاوضے کے آپ نے کر دیا تھا پس بوجہ اس کے شرمانے لگیں گے اور کہیں گے تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جو اللہ کے بندے اس کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ وہ یہاں آئیں گے لیکن آپ فرمائیں گے میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں۔ تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ جن کے اول آخر تمام گناہ بخش دئے گئے ہیں، پس وہ میرے پاس آئیں گے میں کھڑا ہوں گا۔ اپنے رب سے اجازت چاہوں گا جب اسے دیکھوں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا۔ جب تک اللہ کو منظور ہوگا میں سجدے میں ہی رہوں گا پھر فرمایا جائے گا، اے محمد سر اٹھائیے، کہئے، سنا جائے گا، شفاعت کیجئے، قبول کی جائے گی، مانگئے دیا جائے گا، پس میں سر اٹھاؤں گا اور اللہ کی وہ تعریفیں کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا۔ پھر میں سفارش پیش کروں گا، میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی، میں انہیں جنت میں پہنچاؤں گا، پھر دوبارہ جناب باری میں حاضر ہو کر اپنے رب کی وہ حمد بیان کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی میں انہیں بھی جنت میں پہنچاؤں گا۔ پھر تیسری مرتبہ لوٹوں گا اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک وہ چاہے اسی حالت میں پڑا رہوں گا پھر فرمایا جائے گا کہ محمد ﷺ سر اٹھا، بات کر، سنی جائے گی۔ سوال کر، عطا فرمایا جائے گا۔ سفارش کر، قبول کی جائے۔ چنانچہ میں سر اٹھا کر وہ حمد بیان کر کے جو مجھے وہی سکھائے گا سفارش کروں گا۔ پھر چوتھی بار واپس آؤں گا اور کہوں گا باری تعالیٰ اب تو صرف وہی باقی رہ گئے ہیں جنہیں قرآن نے روک لیا ہے۔ فرماتے ہیں جنہم میں سے وہ شخص بھی نکل آئے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور ان کے دل میں ایک ذرے جتنا ایمان ہو۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے آپ فرماتے ہیں میری امت بل صراط سے گزر رہی ہوگی میں وہیں کھڑا دیکھ رہا ہوں گا جو میرے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں اور فرمائیں گے اے محمد ﷺ انبیاء کی جماعت آپ سے کچھ مانگتی ہے وہ سب آپ کے لیے جمع ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ تمام امتوں کو جہاں بھی چاہے، الگ الگ کر دے، اس وقت وہ سخت غم میں ہیں، تمام مخلوق پسینوں میں گویا کام چڑھادی گئی ہے۔ مؤمن پر

تو وہ مثل زکام کے ہے لیکن کافر پر تو موت کا ڈھانپ لینا ہے۔ آپ فرمائیں گے کہ شہر و میں آتا ہوں پس آپ جاؤ گے
 عرش تلے کھڑے رہیں گے اور وہ عزت و آبرو ملے گی کہ کسی برگزیدہ فرشتے اور کسی بھیجے ہوئے نبی رسول کو نہ ملی ہو پھر اللہ تعالیٰ
 حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی کرے گا کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور کہو کہ آپ سر اٹھائیے، مانگئے، ملے گا، سفارش کیجئے
 قبول ہوگی، پس مجھے اپنی امت کی شفاعت ملے گی کہ ہر ننانوے میں سے ایک نکال لاؤں میں بار بار اپنے رب عزوجل سے
 طرف آتا جاتا رہوں گا اور ہر بار سفارش کروں گا یہاں تک کہ جناب باری مجھ سے ارشاد فرمائے گا کہ اے محمد ﷺ جو مخلوق
 الہی میں سے جس نے ایک دن بھی خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی گواہی دی ہو اور اسی پر مراہو، اسے بھی جنت میں پہنچاؤ۔ اور
 مسند احمد میں ہے حضرت بریدہؓ حضرت معاویہؓ سے کہ پاس گئے اس وقت ایک شخص کچھ کہہ رہا تھا، انہوں نے بھی کچھ کہنے کی
 اجازت مانگی، حضرت معاویہؓ نے اجازت دی۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ جو کچھ یہ پہلا شخص کہہ رہا ہے وہی بریدہؓ بھی کہیں گے۔
 حضرت بریدہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے ہیں مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ زمین پر جتنے
 درخت اور کنکر ہیں، ان کی گنتی کے برابر لوگوں کی شفاعت میں کروں گا، پس اے معاویہؓ آپ کو تو اس کی امید ہو اور حضرت
 علیؓ اس سے ناامید ہوں؟ مسند احمد میں ہے کہ لیکہ کے دونوں لڑکے رسول اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہماری ماں
 ہمارے والد کی بڑی ہی عزت کرتی تھیں، بچوں پر بڑی مہربانی اور شفقت کرتی تھیں، مہمانداری میں کوئی دقیقہ اٹھ نہ رکھتی
 تھیں۔ ہاں انہوں نے جاہلیت کے زمانے میں اپنی زندہ لڑکیاں درگور کر دی تھیں، آپ نے فرمایا پھر وہ جہنم میں پہنچی۔ وہ
 دونوں مول خاطر ہو کر بونے تو آپ نے حکم دیا کہ انہیں بلا لاؤ وہ لوٹے اور ان کے چہروں پر خوشی تھی کہ اب حضور ﷺ
 کوئی اچھی بات سنائیں گے۔ آپ نے فرمایا سنو میری ماں اور تمہاری ماں دونوں ایک ساتھ ہی ہیں، ایک منافق یہ سن کر کہنے
 لگا کہ اس سے اس کی ماں کو کیا فائدہ؟ ہم اس کے پیچھے جاتے ہیں ایک انصاری جو حضور ﷺ سے سب سے زیادہ سوالات
 کرنے کا عادی تھا، کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ کیا اس کے یا ان دونوں کے بارے میں آپ سے اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ کیا
 ہے؟ آپ سمجھ گئے کہ اس نے کچھ سنا ہے، فرمے لگے نہ میرے رب نے چاہا نہ مجھے اس بارے میں کوئی طمع دی۔ سنو میں
 قیامت کے دن مقام محمود پر پہنچا یا جاؤں گا انصاری نے کہا وہ کیا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا یہ اس وقت جب کہ تمہیں ننگے
 پن بے تختہ لایا جائے گا۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے
 ظلیل کو کپڑے پہناؤ۔ پس دو چادریں سفید رنگ کی پہنائی جائیں گی اور آپ عرش کی طرف منہ کئے بیٹھ جائیں گے پھر میرا
 لباس لایا جائے گا میں ان کی دائیں طرف اس جگہ کھڑا ہوں گا کہ تمام اگلے پچھلے لوگ رشک کریں گے اور کوثر سے لگ کر حوض
 تک ان کے لیے کھول دیا جائے گا، منافق کہنے لگے پانی کے جاری ہونے کے لیے تو مٹی اور کنکر لازمی ہیں آپ نے فرمایا اس
 کی مٹی مشک ہے اور کنکر موتی ہیں۔ اس نے کہا، ہم نے تو کبھی ایسا نہیں سنا۔ اچھا پانی کے کنارے درخت بھی ہونے چاہئیں،
 انصاری نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا وہاں درخت بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں سونے کی شاخوں والے۔ منافق نے
 کہا آج جیسی بات تو ہم نے کبھی نہیں سنی۔ اچھا درختوں میں پتے اور پھل بھی ہونے چاہئیں۔ انصاری نے حضور ﷺ سے
 پوچھا کہ کیا ان درختوں میں پھل بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں رنگارنگ کے جوہر اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہو گا اور
 شہد سے زیادہ میٹھا ہو گا۔ ایک گھونٹ بھی جس نے اس میں سے پی لیا، وہ کبھی بھی پیاسا نہ ہو گا اور جو اس سے محروم رہ گیا وہ پھر

ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ عز و جل شفاعت کی اجازت دے گا، پس روح القدس حضرت جبرائیل علیہ السلام کھڑے ہوں گے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوں گے آپ سے زیادہ کسی کی شفاعت نہ ہوگی یہی مقام محمود ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے، میں اپنی امت سمیت ایک ٹیلے پر کھڑا ہوں گا، مجھے اللہ تعالیٰ سبز رنگ حلقہ پہنائے گا، پھر مجھے اجازت دی جائے گی اور جو کچھ کہنا چاہوں گا، کہوں گا یہی مقام محمود ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور مجھے ہی سب سے پہلے سرائحہ نے کی اجازت ملے گی، میں اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھ کر اپنی امت کو اور امتوں میں پہچان لوں گا، کسی نے پوچھا حضور ﷺ اور ساری امتیں جو حضرت نوح کے وقت تک کی ہوں گی ان سب میں سے آپ خاص اپنی امت کیسے پہچان لیں گے؟ آپ نے فرمایا وضو کے اثر سے ان کے ہاتھ پاؤں منہ چمک رہے ہوں گے ان کے سوا اور کوئی ایسا نہ ہوگا اور میں انہیں یوں پہچان لوں گا کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے اور نشان یہ ہے کہ ان کی اولادیں ان کے آگے آگے چل پھر رہی ہوں گی۔ مسند احمد میں ہے حضور ﷺ کے پاس گوشت لایا گیا اور شانے کا گوشت چونکہ آپ کو زیادہ مرغوب تھا، وہی آپ کو دیا گیا آپ اس میں سے گوشت تو زوز کر کھانے لگے اور فرمایا قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پتھلوں کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا اور دینے والا انہیں سنائے گا۔ نگاہیں اوپر کو چڑھ جائیں گی سورج بالکل نزدیک ہو جائے گا اور لوگ ایسی سختی اور رنج و غم میں مبتلا ہو جائیں گے جو ناقابل برداشت ہے۔ اس وقت وہ آپس میں کہیں گے کہ دیکھو تو سہمی ہم سب کس مصیبت میں مبتلا ہیں، چلو کسی سے کہہ کر اسے سفارشی بنا کر اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجیں۔

چنانچہ مشورہ سے طے ہوگا اور ہوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے، آپ میں اپنی روح پھونکی ہے، اپنے فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دے کر ان سے سجدہ کرایا ہے۔ آپ کیا ہماری خستہ حالی ملاحظہ نہیں فرما رہے؟ آپ پروردگار سے شفاعت کی دعا کیجئے۔ حضرت آدم علیہ السلام جواب دیں گے کہ میرا بت آج اس قدر غضبناک ہو رہا ہے کہ کبھی اس سے پہلے ایسا غضبناک نہیں ہوا اور نہ اس کے بعد کبھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک درخت سے روکا تھا، لیکن مجھ سے نافرمانی ہو گئی۔ آج تو مجھے خود اپنا خیال لگا ہوا ہے۔ نفسا نفسی لگی ہوئی ہے۔ تم کسی اور کے پاس جاؤ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ وہاں سے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے نوح علیہ السلام آپ کو زمین والوں کی طرف سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا۔ آپ کا نام اس نے شکر گزار بندہ رکھا۔ آپ ہمارے لیے اپنے رب کے پاس شفاعت کیجئے، دیکھئے تو ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ حضرت نوح علیہ السلام جواب دیں گے کہ آج تو میرا پروردگار اس قدر غضبناک ہے کہ اس سے پہلے کبھی ایسا غصے میں ہوا نہ اسے کے بعد کبھی ایسا غصے ہوگا۔ میرے لیے ایک دعا تھی جو میں نے اپنے قوم کے خلاف مانگ لی مجھے تو آج اپنی پڑی ہے، نفسا نفسی لگ رہی ہے تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ گوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے

اور کہیں کے، آپ نبی اللہ ہیں، آپ خلیل اللہ ہیں، کیا آپ ہماری یہ پتا نہیں دیکھتے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میرا رب آج اس قدر غضبناک ہے کہ کبھی اس سے پہلے ایسا ناراض ہوا اور نہ اس کے بعد کبھی اس سے زیادہ غصے میں آئے گا پھر آپ اپنے جھوٹ یاد کر کے نفسی نفسی کرنے لگیں گے اور فرمائیں گے میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے اے موسیٰ علیہ السلام ہماری شفاعت لے جائیے دیکھتے تو کسی سخت آفت میں ہیں؟ آپ فرمائیں گے آج تو میرا رب اس قدر ناراض ہے ایسا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا ناراض نہیں ہوا اور نہ کبھی اس کے بعد ایسا ناراض ہوگا، میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایک انسان کو مار ڈالا تھا۔ نفسی نفسی تم مجھے چھوڑو کسی اور سے کہو تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے عیسیٰ علیہ السلام آپ رسول اللہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں جو مریم علیہا السلام کی طرف بھیجی گئی بچپن میں گہوارے میں ہی آپ نے بولنا شروع کر دیا تھا چاہے ہمارے رب سے ہماری شفاعت کیجئے خیال تو فرمائیے کہ ہم کس قدر بے چین ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے کہ آج جیسا غصہ تو نہ پہلے تھا، نہ بعد میں ہوگا، نفسی نفسی، آپ اپنے کسی گناہ کا ذکر نہ کریں گے۔ فرمائیں گے تم کسی اور ہی کے پاس جاؤ۔ دیکھو میں بتاؤں تم سب محمد ﷺ کے پاس جاؤ چنانچہ وہ سب حضور ﷺ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے محمد ﷺ آپ رسول اللہ ہیں، آپ خاتم الانبیاء ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادئے ہیں۔ آپ ہماری شفاعت کیجئے دیکھئے تو ہم کیسی سخت بلاؤں میں گھرے ہوئے ہیں،

پھر میں کھڑا ہوں گا اور عرش تلے آ کر اپنے رب عزوجل کے سامنے سجدے میں گر پڑوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی حمد و ثنا کے وہ الفاظ کھولے گا جو مجھ سے پہلے کسی اور پر نہیں کھلے تھے۔

پھر مجھ سے فرمایا جائے گا اے محمد ﷺ اپنا سراٹھاؤ، مانگو، تمہیں ملے گا، شفاعت کرو، منظور ہوگی۔ میں اپنا سر سجدے سے اٹھاؤں گا اور کہوں گا میرے پروردگار میری امت، میرے رب میری امت، اے اللہ میری امت، پس مجھ سے فرمایا جائے گا، جاؤ اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر حساب نہیں، جنت میں لے جاؤ انہیں جنت کے داہنی طرف کے دروازے سے پہنچاؤ لیکن اور تمام دروازوں سے بھی روک نہیں۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، جنت کی دو چوکھٹوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ درمیر میں یا مکہ اور بصری میں۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

مسلم شریف میں ہے قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار میں ہوں اس دن سب سے پہلے میری قبر کی زمین شق ہوگی، میں ہی پہلا شفیق ہوں اور پہلا شفاعت قبول کیا گیا۔ ابن جریر میں ہے کہ حضور ﷺ سے اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ شفاعت ہے۔ مسند احمد میں ہے مقام محمودہ مقام ہے، جس میں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ عبد الرزاق میں ہے کہ قیامت کے دن کھال کی طرح اللہ تعالیٰ زمین کو کھینچ لے گا یہاں تک کہ ہر شخص کے لیے صرف اپنے دونوں قدم نکالنے کی جگہ ہی رہے گی سب سے پہلے اسے اس نے نہیں دیکھا۔ میں کہوں گا کہ باری تعالیٰ اس فرشتے نے مجھ سے کہا تھا کہ اسے تو میری طرف بھیج رہا تھا اللہ تعالیٰ عزوجل فرمائے گا اس نے سچ کہا اب میں یہ کہہ کر شفاعت کروں گا کہ اے اللہ تیرے بندوں نے زمین کے مختلف حصوں میں تیری عبادت کی ہے، آپ فرماتے ہیں یہی مقام محمودہ ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

پیغمبر کو ایک خاص دعاء کی تعلیم

سو اس سے پیغمبر کو ہجرت سے قبل ایک خاص دعاء کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے کہ ”اے میرے رب مجھے سچائی کے ساتھ لے جانا اور سچائی کے ساتھ نکالنا“ خواہ وہ مکہ مکرمہ سے خرواج اور مدینہ حبیبہ کا دخول ہو یا قبر کا دخول اور حشر کا خروج و قیام وغیرہ۔ اس کلمات کریمہ کا عموم و شمول ان سب ہی کو حاوی و محیط ہے۔ اگرچہ یہ دعاء حضرت حق جل مجدہ کی طرف سے آپ ﷺ کو ہجرت سے قبل تعلیم و تلقین فرمائی گئی تھی اس لیے اس کا اولین مصداق تو ہجرت مدینہ ہی ہے مگر الفاظ کا عموم ایسے تمام ہی مواقع کو عام اور شامل ہے اور حضور کے توسط سے آپ ﷺ کی امت کے ہر شخص کیلئے بھی یہ تعلیم و تلقین ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرتا رہا کرے و باللہ التوفیق بہر کیف جب آنحضرت ﷺ کی مکہ مکرمہ سے ہجرت ناگزیر ہوئی لیکن اللہ کا رسول اللہ کے ذن کے بغیر ہجرت نہیں کرتا اس لیے آپ سب مشکلات اور اہل کفر و باطل کی جمد فتنہ سامانیوں اور ایذا رسانوں کے باوجود اپنے موقف پر ڈٹے رہے تا آنکہ آپ کو اپنے رب کی طرف سے اس دعاء کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی جس میں نہ صرف یہ کہ ہجرت کی طرف اشارہ تھا بلکہ یہ بشارت بھی مضمون تھی کہ آپ کے اپنے وطن مالوف سے نکلنے سے پہلے ہی آپ کے داخل ہونے کا انتظام کر لیا اور یہ کہ آپ کا نکلنا اور داخل ہونا دونوں ہی عزت و وقار اور رسوخ و استحکام کے ساتھ ہوں گے جیسا کہ بعد میں بالفعل ہوا، مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی حکومت قائم ہوئی، مکہ مکرمہ فتح ہوا اور اسلام کا نور چار دانگ پھیلا، اور ظلمت شرک کا وہاں سے ہمیشہ ہمیش کیلئے خاتمہ ہو گیا، والحمد للہ جل و علا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور نصرت والے غلبے کی دعاء و درخواست:

اس ارشاد سے آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے نصرت والے غلبے کی دعاء و درخواست تعلیم و تلقین فرمائی گئی۔ یعنی ”ایسا غلبہ عطا فرما جو حق اور اہل حق کے غلبے اور ان کی عزت و عظمت کا باعث بنے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اللہ پاک کی نصرت و عنایت سے اسلام کو جملہ ادیان پر غلبہ نصیب ہوا اور مسلمانوں کی عزت و عظمت کو استحکام ملا۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ سو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر مختار کل نہیں ہوتا کیونکہ اختیار کلی اور دعا کے درمیان منافات ہے۔ جو مختار کل ہوتا ہے وہ کسی سے مانگتا نہیں ہے اور جو دوسرے سے مانگتا اور دعا کرتا ہے وہ مختار کل نہیں ہو سکتا۔ پس پیغمبر کا کام ہے اپنے خالق رمالک سے مانگنا اور بس۔ آگے اس کی دعا کو قبول کرنا یا نہ کرنا اس مالک مختار کے حوالے اس کی مشیت و مرضی پر موقوف اور اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہوتا ہے۔ وہ جو چاہے اور جب چاہے قبول فرمائے۔ جیسا کہ اس کے مختلف نمونے خود قرآن پاک کے اندر موجود ہیں اور نہ چاہے تو نہ قبول فرمائے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ان کے والدین کیلئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ان کے بیٹے کیلئے اور خود سرکار و دعوت عالم کی دعا اپنے چچا ابوطالب کیلئے قبول نہیں فرمائی گئی۔ جیسا کہ قرآن و سنت کی مختلف نصوص کریمہ میں اس کی پوری صراحت و وضاحت موجود مذکور ہے۔ بہر کیف پیغمبر کو ہجرت مدینہ سے پہلے اس خاص دعاء کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی جس میں ایک عظیم الشان بشارت بھی مضمون تھی جو بعد میں سفر ہجرت کے دوران حرف بحرف پوری ہوئی اور ظاہر ہے کہ یہ اسی نصرت خداوندی کا نتیجہ تھا جس کی تعلیم و تلقین آنحضرت ﷺ کو فرمائی تھی۔

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ ذَهُوْقًا

اعلان حق کا حکم وارثاؤ:

ارشاد فرمایا گیا "اور کہو اور اعلان کرو (اے پیغمبر!) کہ حق آگیا، یعنی دین حق اسلام جو کہ سراسر حق و صدق ہے۔ اور جس کا نہ کوئی بدل ممکن ہو سکتا ہے نہ مقابل۔ پس اب تمہارے لیے اے مشرک! اور منکر و ایک ہی صورت ہے کہ تم صدق دل سے حق کو قبول کر کے اہل حق کے زمرے میں شامل ہو جاؤ اور اس طرح اپنے لیے دارین کی سعادت و سرخوردگی کا سامان کر لو۔ ورنہ ابدی ہلاکت اور دائمی تباہی و بربادی کیلئے تیار ہو جاؤ۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو دین حق وہی اور صرف وہی ہے جو قرآن حکیم کی صورت میں اللہ رب العالمین کی طرف سے دنیا کی ہدایت و راہنمائی کیلئے نازل فرمایا گیا ہے تاکہ دنیا کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لایا جائے اور یہ اس لیے آیا ہے تاکہ سب دینوں پر غالب ہو کر رہے۔ اگرچہ یہ بات مشرکوں کو ناگوار گزرے۔ لیظہرہ علی الدین کلمہ ولو کراہ المشرکون، سو غیب حق ہی کا حق اور اسی کا مقدر ہے والحمد للہ جل و علا۔

باطل ہے ہی مٹ کر رہنے والی چیز:

ارشاد فرمایا گیا "اور باطل مٹ گیا اور یقیناً باطل ہے ہی مٹ کر رہنے والی چیز" یعنی کفر و شرک جو کہ ہے ہی مٹنے والی چیز کہ اس کی نہ کوئی اساس ہے نہ بنیاد۔ صحیح روایات میں وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ جب فتح مکہ کے موقع پر بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے اور مشرکین نے اس کے اندر جو تین سو ساٹھ بت نصب کر رکھے تھے ان کو توڑا اور آپ ﷺ یہی آیت کریمہ پڑھتے ہوئے اپنی چھڑی سے ان کو ٹھوکر لگاتے جا رہے تھے جس سے وہ اوندھے منہ گرتے جا رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو ٹکڑے کر دیا اور اللہ کے گھر کو ان کے وجود سے ہمیشہ کیلئے پاک کر دیا سو باطل کی مثال پانی کے اوپر اٹھنے والی جھاگ کی سی ہے۔ جس طرح وہ عارضی ہوتی ہے اسی طرح باطل کا بھار بھی عارضی اور وقتی ہوتا ہے یا اس کی مثال ان خود رو جھاڑیوں کی سی ہے جن کا وجود اور پھیلاؤ اسی وقت تک ہوتا ہے جب تک کہ ان کو صاف کرنے والے ہاتھ سامنے نہ آئیں۔ جب ایسے ہاتھ سامنے آجاتے ہیں تو وہ ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ کیونکہ باطل کی انسان فطرت میں کوئی اساس و بنیاد نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کے ثبات و قرار کیلئے کوئی اساس و بنیاد نہیں ہو سکتی۔

وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْقُرْآنِ

قرآن حکیم سراسر شفاء:

اور شفاء کی توفیق تعظیم کیلئے ہے۔ یعنی یہ ایک عظیم الشان اور بے مثال شفاء ہے دل اور روح کی بیماریوں کیلئے۔ یعنی کفر و شرک اور ہر طرح کے زلیخ و مذلل سے شفاء بخشنے والی کتاب عظیم۔ نیز جسمانی بیماریوں کیلئے بھی۔ جبکہ اس سے صحیح طریقہ سے استفادہ کیا جائے جیسا کہ امام زازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اور امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب زاد المعاد اور اغاثة اللہقان میں اس کی تصریح اور تفصیل بیان فرمائی ہے۔ (ابن کثیر محاسن التاویل، صفوة البیان، المراغی اور المعارف وغیرہ) عام طور پر مترجمین حضرات جو شفاء کا ترجمہ شفاء دینے والی یا اس طرح کے دوسرے الفاظ سے کرتے ہیں وہ اس لفظ کا پورا ترجمہ نہیں جنتا، کیونکہ شفاء دینے والی جیسے الفاظ دراصل ترجمہ ہیں شافی کا۔ جبکہ یہاں پر شافی نہیں شفاء فرمایا گیا ہے جو کہ

مصدر ہے۔ جس میں زیادہ زور اور بلاغت ہے۔ ہم نے اپنے ترجمہ کے اندر اسی فرق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے وائسہ بندہ سواں میں منکرین و مکذبین کی محرومی اور شامت زدگی پر اظہارِ افسوس بھی ہے اور ان کی مامت بھی کہ قرآن حکیم تو ان کیلئے ان کے خالق و مالک کی طرف سے ان کے قلب و روح کی بیماریوں کیلئے ایک عظیم الشان اور بے مثال نسخہ کیمیا کی صورت میں آیا تھا مگر انہوں نے اپنے اعراض و انکار سے اس کو اپنے لیے باعثِ محرومی بنا دیا۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

ظالموں کیلئے خسارہ و رخسارہ۔ والعیاذ باللہ:

ان کی بدعتی اور کور باطنی کے سبب جیسا کہ آسمان سے اترنے والی بارانِ رحمت سے پاکیزہ اور زرخیز زمین میں تو طرح طرح کی عمدہ اور مفید انگور یاں آگتی اور فصلیں پیدا ہوتی ہیں لیکن گندی اور بیکار جگہ میں گندی اور بیکار بلکہ مضر اور نقصان دہ جڑی بوٹیاں سر نکالتی ہیں، سو اسی طرح قرآن حکیم کی بارانِ رحمت سے اہل ایمان کی دلوں کو تو زندگی، قوت اور شفاء نصیب ہوتی ہے لیکن کافروں اور منکروں کیلئے ان کی محرومی میں اضافہ ہوتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔ سو اس ارشاد سے ایک طرف تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کی ہدایت سے منہ موڑنا اور اس کے انکار و تکذیب سے کام لینا ظلم اور سراسر ظلم ہے اور یہ ظلم اللہ تعالیٰ کے حق میں ہے کہ اس کے بندے اور اس کی مخلوق ہونے کے باوجود اس کی ہدایت سے منہ موڑا اور یہ ظلم اس کے کلام مجید اور خود اپنی جانوں کے حق میں ہے کہ اس طرح اپنے آپ کو دنیا و آخرت کی سعادت و سرخروئی سے محروم کر کے دائمی محرومی اور نازحجیم کا مستحق بنایا۔ والعیاذ باللہ العظیم اور دوسری طرف اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس طرح کے اعراض و انکار سے انسان حق کا کچھ بھی نہیں بگاڑتا بلکہ خود اپنی ہی ہلاکت و تباہی کا سامان کرتا ہے۔ والعیاذ باللہ العظیم۔

وَيَسْأَلُونَكَ أَيُّ السُّبُورِ وَالْمَصَاحِفِ تَمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۝ إِلَّا لَكِنَ أَجْمَعِينَ ۝
 رَحْمَةً مِن رَّبِّكَ ۝ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ۝ عَظِيمًا ۝ حَيْثُ أَنْزَلَهُ عَلَيْكَ وَأَعْطَاكَ الْمَقَامَ الْمَحْمُودَ وَغَيْرَ ذَلِكَ مِنَ الْفَضَائِلِ ۝ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْأُنسُ وَالْإِنْسُ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ فِي الْفَصَاحَةِ وَالْبَلَاغَةِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ ۝ وَكَوْكَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝ مَعِينًا ۝ نَزَّلَ رِذْوَانًا لَّهُمْ لَوْ نَشَاءُ لَنُفِثَنَّ هَذَا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا بَيْنَنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۝ صِفَةً لِمَحْلُوفٍ أَيْ مَثَلًا مِنْ جِنْسِ كُلِّ مَثَلٍ لِيَتَعَطُّوا فَأَبَى الْأَكْثَرُ النَّاسِ أَيُّ أَهْلِ مَكَّةَ إِلَّا الْكُفُورًا ۝ جُحُودًا لِلْحَقِّ وَقَالُوا عَطْفٌ عَلَىٰ أَبِي كُنْ نُؤْمِنُ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۝ عَيْنًا يَنْبُغُ مِنْهَا الْمَاءُ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ ۝ بستانٍ مِنْ نُجَيْلٍ وَعَيْنٍ فَتَفْجُرُ الْأَنْهَارُ خِلَافًا وَسَطَهَا تَفْجِيرًا ۝ أَوْ تَسْقُطُ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا ۝ قِطْعًا أَوْ تَأْتِي بِنَارٍ ۝ وَاللَّيْلُ كَقَبِيلًا ۝ مُقَابَلَةً وَعَيْنًا

فَتَرَاهُمْ أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ أُخْرَىٰ ذَهَبٌ أَوْ تَرْتَىٰ تَضَعُدُ فِي السَّمَاءِ بِسَلْمٍ وَكَانَ ثَوَمِينَ لِرُقَيْتِكَ لَوْ
رَقَيْتَ فِيهَا حَتَّىٰ تَنْزِلَ عَلَيْنَا مِنْهَا كِتَابًا فِيهِ تَضِدُ بِمَكَ تَقَرُّوهُ قُلْ لَهُمْ سُبْحَانَ رَبِّيَ تَعَجَّبْتَ هَلْ مَا
كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَ سَائِرِ الرُّسُلِ وَلَمْ يَكُنْ نَوَائِثُ أَوَابِيَةِ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

توجیہ:۔ ورسال کرتے ہیں آپ سے (یہود) روح کے بارے میں (کہ جس کے ذریعہ سے بدن کو زندہ کیا جاتا ہے) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ روح پروردگار کے حکم سے ہے (یعنی اللہ کو معلوم ہے تمہیں اس کے بارے میں علم نہیں) اور تمہیں (علم الہی کی بہ نسبت) بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے اور جو کچھ ہم نے آپ پر وحی کی ہے اگر ہم چاہیں تو اس کو بھی سلب کر لیں (یعنی قرآن کو سینوں اور کتابوں سے منادیں) پھر اس کے لیے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حماقتی بھی نہ ملے مگر (لیکن) ہم نے اس کو باقی رکھا ہے) آپ کے پروردگار کی رحمت سے، بلاشبہ آپ پر اس کا بڑا ہی فضل ہے (کہ اس نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے اور آپ کو مقام محمود وغیرہ فضائل عطا فرمائے ہیں) اس بات کا اعلان کر دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن اکٹھے ہو کر چاہیں کہ (فصاحت و بلاغت میں) اس کے مانند کوئی کلام پیش کر دیں تو کبھی نہیں کر سکیں گے اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو (کفار نے جب تو نَشَاءُ لَقُلْنَا وَشَلْ هَذَا کہا تو اس پر اگلی آیت نازل ہوئی) اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کے عمدہ عمدہ مضمون طرح طرح سے بیان کئے ہیں (الْفِظْ وَشَلْ مُحَمَّدٌ صِفَتْ ہے اصل عبارت اس طرح تھی: مثلاً من جنس کل مثل لیتعظوا) پھر بھی (مکہ والے) اکثر لوگ (حق سے) بے انکار کئے نہ رہے اور یہ لوگ (ابی پر عطف ہے) کہتے ہیں کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دیں (جس سے پانی بہ نکلے) یا خاص آپ کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا باغ نہ ہو پھر اس باغ کے بیج میں جگہ جگہ بہت سی نہریں آپ جاری نہ کر دیں یا جیسا آپ کہا کرتے ہیں آسمان کے ٹکڑے ہم پر نہ گرا دیں، یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لا کھڑا نہ کر دیں (کہ ہم انہیں کھلم کھلا دیکھ لیں) یا آپ کے پاس کوئی سونے کا بنا ہوا گھر نہ ہو یا آپ آسمان پر (سیڑھی لگا کر) نہ چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے چڑھنے پر بھی کبھی یقین نہ کریں جب تک ہمارے پاس آپ ایک نوشتہ لے کر نہ آئیں (جس میں آپ کی تصدیق ہو) جسے ہم بھی پڑھ لیں آپ (ان سے) کہہ دیجئے سبحان اللہ میں اس کے سوا کیا ہوں کہ ایک آدمی ہوں پیغام حق پہنچانے والا! (دوسرے انبیاء کی طرح کہ حکم الہی کے بغیر کوئی نشانی نہیں لائے)

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: عَلَّمَهُ: اس سے اشارہ کیا کہ روح ان امور سے ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر رکھا ہے پس امر بمعنی شان ہے جو امور سے ایک ہے۔

قوله: بِالنَّبِيَّةِ الِى عَلِمِهِ: اس میں اشارہ کیا انسانوں کا علم، علم الہی کی نسبت تلیل القلیل ہے۔

قوله: أَبَقَيْنَا: اس کو مقدر مانا گیا تاکہ کلام تام ہو جائے۔

قولہ: **فِي الْفَصَاحَةِ**: کہہ کر اشارہ کیا عدد الفاظ و حروف میں برابر نہیں بلکہ فصاحت و بلاغت، گیرائی اور گہرائی اس کی مثل ہو۔
 قولہ: **صِفَةً لِمَحذُوفٍ**: اس کا مفعول محذوف اور ظرف مذکور اس کی صفت ہے جنس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ کل جنس کے استغراق کے لیے ہے نہ افراد کے۔

قولہ: **مُقَابَلَةٌ وَعَيْنَانَا**: قبلاً مصدر ہے۔ مشتق نہیں ہے پس محذوف کی حاجت نہیں۔

قولہ: **مَا: مَا**: یہ استفہام انکاری ہے۔

قولہ: **أَنْ يَتَوَمَّنُوا**: مطلب یہ ہے کہ ان کو آپ پر ایمان لانے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا سوائے اس کے کہ وہ انکار کریں۔

تفسیر مقبولین

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ.....

آیات صدر میں پہلی آیت میں کفر کی طرف سے روح کے متعلق ایک سوال اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب مذکور ہے لفظ روح لغات و وحی و رات میں نیز قرآن کریم میں متعدد معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے معروف و مشہور معنی تو وہی ہیں جو عام طور پر اس لفظ سے سمجھے جاتے ہیں یعنی جان جس سے حیات اور زندگی قائم ہے قرآن کریم میں یہ لفظ جبرئیل امین کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ **نَزَّلَ بِهِ الرُّوحَ الْأَمِينُ** اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی کئی آیات میں استعمال ہوا ہے اور خود قرآن کریم اور وحی کو بھی روح کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

روح سے مراد کیا ہے؟

اس لیے یہاں پہلی بات غور طلب یہ ہے کہ سوال کرنے والوں نے روح کا سوال کس معنی کے لحاظ سے کیا تھا بعض حضرات مفسرین نے سیاق و سباق کی رعایت سے یہ سوال وحی اور قرآن یا وحی مانے والے فرشتے جبرئیل کے متعلق قرار دیا ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی **وَيُنزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ** میں قرآن کا ذکر تھا اور بعد کی آیات میں پھر قرآن ہی کا ذکر ہے اس کے مناسب اس کو سمجھا کہ اس سوال میں بھی روح سے مراد وحی و قرآن یا جبرئیل ہی ہیں اور مطلب سوال کا یہ ہوگا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے کون لاتا ہے قرآن کریم نے اس کے جواب میں اس پر اکتفا کیا کہ اللہ کے حکم سے وحی آتی ہے تفصیلات اور کیفیات جن کا سوال تھا وہ نہیں بتلائیں۔

لیکن احادیث صحیحہ مرفوعہ میں جو اس آیت کا شان نزول بتلایا گیا ہے وہ تقریباً اس میں صریح ہے کہ سوال کرنے والوں نے روح حیوانی کا سوال کیا تھا اور مقصد سوال کا روح کی حقیقت معلوم کرنا تھا کہ وہ کیا چیز ہے بدن انسانی میں کس طرح آتی جاتی ہے اور کس طرح اس سے حیوان اور انسان زندہ ہو جاتا ہے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ میں ایک روز رسول کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ کے غیر آباد حصے میں چل رہا تھا رسول کریم ﷺ کے دست مبارک میں ایک چھری کھجور کی شاخ کی تھی آپ کا گزر چند یہودیوں پر ہوا یہ لوگ آپس میں کہنے لگے کہ محمد ﷺ آ رہے ہیں ان سے روح

کے متعلق سوال کرو دوسروں نے منع کیا مگر سوال کرنے والوں نے سوال کر ہی ڈالا یہ سوال سن کر رسول کریم ﷺ لکڑی پر ٹیک لگا کر خاموش کھڑے ہو گئے جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ آپ پر وحی نازل ہونے والی ہے کچھ وقفہ کے بعد وحی نازل ہوئی تو آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی: **وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْزُّوجِ** یہاں ظاہر ہے کہ قرآن یا وحی کو روح کہنا یہ قرآن کی ایک خاص اصطلاح تھی ان لوگوں کے سوال کو اس پر معمول کرنا بہت بعید ہے البتہ روح حیوانی و انسانی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کا سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہی ہے اسی لیے جمہور مفسرین ابن کثیر ابن جریر قرطبی بحر محیط روح المعانی سبھی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ سوال روح حیوانی و انسانی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کا سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے اسی لیے جمہور مفسرین ابن کثیر ابن جریر قرطبی بحر محیط روح المعانی سبھی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ سوال روح حیوانی کی حقیقت سے تمہارا یہ معاملہ کی سیاق و سباق میں ذکر قرآن کا چلا آیا ہے درمیان میں روح کا سوال جواب بے جوڑ ہے تو اس کا جواب واضح ہے کہ اس سے پہلی آیت میں کفار و مشرکین کی مخالفت اور معاندانہ سوالات کا ذکر آیا ہے جن سے منظور رسول کریم ﷺ کا دوبارہ رسالت امتحان کرنا تھا یہ سوال بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اس لیے بے جوڑ نہیں خصوصاً شان نزول کے متعلق ایک دوسری حدیث صحیح منقول ہے اس میں یہ بات زیادہ وضاحت سے آگئی ہے کہ سوال کرنے والوں کا مطلب رسول کریم ﷺ کی رسالت کا امتحان لینا تھا۔

چنانچہ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ (قریش مکہ جو جا بے جا سوالات رسول کریم ﷺ سے کرتے رہتے تھے ان کو خیال پیدا ہوا کہ یہود تو علم والے ہیں ان کو پچھلی کتابوں کا بھی علم ہے ان سے کچھ سوالات حاصل کئے جائیں جن کے ذریعہ رسول کریم ﷺ کا امتحان لیا جائے اس لیے قریش نے یہود سے دریافت کرنے کے لیے اپنے آدمی بھیجے انہوں نے کہا کہ تم ان سے روح کے متعلق سوال کرو (ابن کثیر) اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی سے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہود نے رسول کریم ﷺ سے اپنے سوال میں یہ بھی کہا تھا کہ ہمیں یہ بتلائیں کہ روح پر عذاب کس طرح ہوتا ہے اس وقت تک رسول کریم ﷺ پر اس بارے میں کوئی بات نازل نہ ہوئی تھی اس لیے اس وقت آپ نے فوری جواب نہیں دیا پھر جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ **قُلِ الْزُّوجُ مِنْ أَمْوَرٍ رَبِّي** (ابن کثیر ملخصاً)

واقعہ سوال مکہ میں پیش آیا یا مدینہ میں:

اس سے پہلے ایک بات اور قابل نظر ہے کہ شان نزول کے متعلق جو دو حدیثیں ابن مسعود و ابن عباس کی اوپر نقل کی گئیں ہیں ان میں سے ابن مسعود کی روایت کے مطابق یہ واقعہ سوال مدینہ میں پیش آیا اور اسی لیے بعض مفسرین نے اس آیت کو مدنی قرار دیا ہے کہ اگرچہ اکثر حصہ سورۃ بنی اسرائیل کا مکی ہے اور ابن عباس کی روایت کا تعلق مکہ مکرمہ کے واقعہ سے ہے اس کے مطابق یہ آیت بھی پوری سورت کی طرح مکی باقی رہتی ہے اسی لیے ابن کثیر نے اسی احتمال کو راجح قرار دیا ہے اور ابن مسعود کی روایت کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول مدینہ میں دوسری مرتبہ ہوا ہو جیسا کہ بہت سی آیات قرآن کا نزول مکرر سب علماء کے نزدیک مسلم ہے اور تفسیر مظہری نے ابن مسعود کی روایت کو راجح قرار دے کر واقعہ مدینہ کا اور آیت کو مدنی قرار دیا ہے جس کی دو وجہ بتلائیں ایک یہ کہ یہ روایت صحیحین میں ہے اور سند اس کی روایت ابن عباسؓ سے ہے

سے زیادہ قوی ہے دوسرے یہ کہ اس میں خود صاحب واقعہ ابن مسعود اپنا واقعہ بیان کر رہے بخلاف روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کہ اس میں ظاہر یہی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بات کسی سے سنی ہوگی،

سوال مذکور کا جواب:

قرآن کریم نے یہ دیا ہے۔ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي اس جواب کی تشریح میں حضرات مفسرین کے کلمات اور تعبیرات مختلف ہیں ان میں سب سے زیادہ اقرب اور واضح وہ ہے جو تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس جواب میں جتنی بات کا بتلانا ضروری تھا اور جو عام لوگوں کی سمجھ میں آنے کے قابل ہے صرف وہ بتلا دی گئی اور روح کی مکمل حقیقت جس کا سوال تھا اس کو اس لیے نہیں بتلایا کہ وہ عوام کی سمجھ سے باہر بھی تھی اور ان کی کوئی ضرورت اس کے سمجھنے پر موقوف بھی نہ تھی یہاں رسول کریم ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ آپ ان کے جواب میں یہ فرما دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے یعنی وہ عام مخلوقات کی طرح نہیں جو مادہ کے قطرات اور توالد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہیں بلکہ وہ بلا واسطہ حق تعالیٰ کے حکم کن سے پیدا ہونے والی چیز ہے اس جواب نے یہ تو واضح کر دیا کہ روح کو عام مادیات پر قیاس کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں اور انسان کے لیے اتنا ہی علم روح کے متعلق کافی ہے اس سے زائد علم کے ساتھ اس کا کوئی دینی یا دنیوی کام اٹکا ہوا نہیں اس لیے وہ حصہ سوال فضول اور لایعنی قرار دے کر اس کا جواب نہیں دیا گیا خصوصاً جبکہ اس کی حقیقت کا سمجھنا عوام کے لیے تو کیا بڑے بڑے حکماء و عقلاء کے لیے بھی آسان نہیں۔

ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سائل کی دینی مصلحت کی رعایت لازم ہے:

امام جصاص نے اس جواب سے یہ مسئلہ نکالا کہ مفتی اور عالم کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ سائل کے ہر سوال اور اس کی ہر شے کا جواب ضرور دے بلکہ دینی مصالح پر نظر رکھ کر جواب دینا چاہئے جو جواب مخاطب کے فہم سے بالاتر ہو یا اس کے غلط فہمی میں پڑ جانے کا خطرہ ہو تو اس کا جواب نہیں دینا چاہئے اسی طرح بے ضرورت یا لایعنی سوالات کا جواب بھی نہیں دینا چاہئے البتہ جس شخص کو کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس کے متعلق اس کو کچھ عمل کرنا لازم ہے اور خود وہ عالم نہیں تو مفتی اور عالم کو اپنے علم کے مطابق اس کا جواب دینا ضروری ہے (جصاص) امام بخاری نے کتاب العلم میں اس مسئلے کا ایک مستقل ترجمہ الباب رکھ کر بتلایا ہے کہ جس سوال کے جواب سے مغالطہ میں پڑنے کا خطرہ ہو اس کا جواب نہیں دینا چاہئے۔

روح کی حقیقت کا علم کسی کو ہو سکتا ہے یا نہیں:

قرآن کریم نے اس سوال کا جواب مخاطب کی ضرورت اور فہم کے مطابق دے دیا حقیقت روح کو بیان نہیں فرمایا مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح کی حقیقت کو کوئی انسان سمجھ ہی نہیں سکتا اور یہ کہ خود رسول کریم ﷺ کو بھی اس کی حقیقت معلوم نہیں تھی صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت نہ اس کی لفظی کرتی ہے نہ اثبات اگر کسی نبی و رسول کو وحی کے ذریعہ یا کسی ولی کو کشف و الہام کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تو اس آیت کے خلاف نہیں بلکہ عقل و فلسفہ کی رو سے بھی اس پر کوئی بحث و تحقیق کی جائے تو اس کو فضول اور لایعنی تو کہا جائے گا مگر ناجائز نہیں کہا جاسکتا اسی لیے بہت سے علماء متقدمین و متاخرین نے روح

کے متعلق مستقل کتابیں لکھی ہیں آخری دور میں ہمارے استاد محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے ایک مختصر رسالے میں اس مسئلے کو بہترین انداز سے لکھا ہے اور اس میں جس قدر حقیقت سمجھنا عام انسان کے لیے ممکن ہے وہ سمجھا دی ہے۔

جس پر ایک تعلیم یافتہ انسان قناعت کر سکتا ہے اور شبہات و اشکالات سے بچ سکتا ہے۔
فائدہ: امام بغوی نے اس جگہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک مفصل روایت اس طرح نقل فرمائی ہے کہ یہ آیت کہ کرمہ میں نازل ہوئی جبکہ مکہ کے قریشی سرداروں نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ محمد ﷺ ہمارے اندر پیدا ہوئے اور جو ان ہوئے ان کی امانت و دیانت اور سچائی میں کبھی کسی کو شبہ نہیں ہوا اور کبھی ان کے متعلق جھوٹ بولنے کی تہمت بھی کسی نے نہیں لگائی اور اس کے باوجود اب جو دعویٰ نبوت کا وہ کر رہے ہیں ہماری سمجھ میں نہیں آتا اس لیے ایسا کر دو کہ اپنا ایک وفد مدینہ طیبہ کے علماء یہود کے پاس بھیج کر ان سے ان کے بارے میں تحقیقات کرو چنانچہ قریش کا ایک وفد مدینہ علماء یہود کے پاس مدینہ پہنچا علماء یہود نے ان کو مشورہ دیا کہ ہم تمہیں تین چیزیں بتلاتے ہیں تم ان سے ان تینوں کا سوال کرو اگر انہوں نے تینوں کا جواب دے دیا تو وہ نبی نہیں اس طرح تینوں میں سے کسی کا جواب نہ دیا تو بھی نبی نہیں اور اگر دو کا جواب دیا تیسری چیز کا جواب نہ دیا تو سمجھ لو کہ وہ نبی ہیں وہ تین سوال یہ بتلائے کہ ایک تو ان سے ان لوگوں کا حال پوچھو جو قدیم زمانے میں شرک سے بچنے کے لیے کسی غار میں چھپ گئے تھے کیونکہ ان کا واقعہ عجیب ہے دوسرے اس شخص کا حال پوچھو جس نے زمین کے مشرق و مغرب کا سفر طے کیا کہ اس کا کیا واقعہ ہے تیسرے روح کے متعلق دریافت کرو۔

یہ وفد واپس آیا اور تینوں سوال رسول کریم ﷺ کے سامنے پیش کر دیئے آپ نے فرمایا کہ میں اس کا جواب تمہیں کل دوں گا مگر اس پر ان شاء اللہ نہیں کہا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز تک وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا بارہ پندرہ سے لے کر چالیس دن تک کی مختلف روایات ہیں جن میں سلسلہ وحی بند رہا قریش مکہ کو طعن و تشنیع کا موقع ملا کہ کل جواب دینے کو کہا تھا آج اتنے دن ہو گئے جواب نہیں ملا رسول کریم ﷺ کو بھی پریشانی ہوئی پھر حضرت جبرائیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايٍ اِنِّي قَاعِلٌ ذٰلِكَ عَدَاۗءُ الَّذِيْ جِئْتُكَ بِرَبِّكَ عَلٰى حَقٍّ اِنَّكَ لَمِنَ الْكَٰفِرِيْنَ
 کہہ کر کیا جائے اور اس کے بعد روح کے متعلق یہ آیت سنائی جو مذکور ہوئی اور غار میں چھپنے والوں کے متعلق اصحاب کہف کا واقعہ اور مشرق سے مغرب تک سفر کرنے والے ذوالقرنین کا واقعہ جو سورۃ کہف میں آنے والا ہے اس کی آیات نازل ہوئیں جن میں اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ جواب میں بیان فرمایا گیا اور روح کے متعلق جس حقیقت کا سوال تھا اس کا جواب نہیں دیا گیا (جس سے یہود کی بتلائی ہوئی علامت صدق نبوت کی ظاہر ہو گئی اس واقعہ کو ترمذی نے بھی مختصراً بیان کیا ہے۔) (مظہری)

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى

تشریش مکہ کی ہٹ دھرمی اور سسرمانشی معجزات کا مطالب:

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا کام شروع کیا اور مشرکین مکہ کو توحید کی دعوت دی اور بت پرستی چھوڑنے کے لیے فرمایا تو وہ دشمن ہو گئے، حق قبول کرنے سے دور بھاگتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح سے ستاتے تھے کت جنتی

پر تلے ہوئے تھے۔ اگلے سوال کرتے اور بے تکی فرمائش کرتے تھے، جن میں سے چند فرمائشیں آیت بالا میں مذکور ہیں صاحب معالم التنزیل نے لکھا ہے کہ قریش مکہ کے چند افراد جمع ہوئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یہ جو آپ نے نئی باتیں شروع کی ہیں اگر ان کے ذریعہ آپ کو مال طلب کرنا مقصود ہے تو بتا دیجیے ہم آپ کو مال دیدیں گے آپ ہم میں سب سے بڑے مالدار ہو جائیں گے اور اگر بڑا بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر آپ کو کوئی جنون ہو گیا ہے تو وہ بتا دیجیے ہم اپنے اسوال خرچ کر کے آپ کا علاج کرا دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ مجھے اللہ نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کے قبول کرنے پر بشارتیں سناؤں، اور مخالفت کے انجام سے ڈراؤں، میں نے تمہیں پہنچا دیا اور خیر خواہی کے ساتھ سمجھا دیا اگر تم اس کو قبول کرتے ہو تو یہ دنیا و آخرت میں تمہارا نصیب ہوگا اور اگر اس کو نہیں مانتے تو میں صبر کرتا ہوں یہاں تک کہ اللہ پاک میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمائیں۔

وہ لوگ کہنے لگے تو پھر ایسا کر دو کہ اپنے رب سے سوا کر دو کہ یہ پہاڑ مکہ کی سرزمین سے ہٹ جائیں جن کی وجہ سے ہماری جگہ تنگ ہو رہی ہے اور ہمارے شہروں میں وسعت ہو جائے۔ جیسے شام و عراق میں نہریں ہیں اس طرح کی نہریں ہمارے شہر میں جاری ہو جائیں۔ اور ہمارے مردہ باپ دادوں کو قبروں سے اٹھاؤ جن میں سے قصی بن کلاب بھی ہو۔ یہ لوگ قبروں سے اٹھ کر آپ کی تصدیق کر دیں تو ہم مان لیں گے آپ نے فرمایا کہ یہ میرا کام نہیں، میں ایسا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا، مانتے ہو تو مان لو اور نہیں مانتے تو میں صبر کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ ہوگا ہو جائے گا۔

وہ کہنے لگے کہ ایسا نہیں کرتے تو اپنے رب سے یہ سوال کیجیے کہ آپ کی تصدیق کے لیے ایک فرشتہ بھیج دے۔ اور یہ سوال کر دو کہ آپ کو باغات اور محلات دیدے اور سونے چاندی کے خزانے دیدے جن کی وجہ سے آپ غنی ہو جائیں اور یہ آپ کی ظاہری حالت (جو مال کی کمی کی وجہ سے ہے) نہ رہے آپ تو ہماری طرح بازاروں میں کھڑے ہوتے ہیں اور ہماری طرح معاش تلاش کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میرا یہ کام نہیں مجھے تو اللہ تعالیٰ نے نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ کہنے لگے اچھا تم ایسا کر دو کہ ہم پر آسمان کے ککڑے گرا دو۔ آپ کہتے ہیں کہ اللہ کو اس پر قدرت ہے اگر قدرت ہے تو اس کا مظاہرہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اللہ چاہے تو وہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کر سکتا ہے، اس پر ان میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ ہم آپ پر اس وقت ایمان لائیں گے جب آپ اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لائیں۔ ان باتوں کے بعد آپ وہاں سے کھڑے ہو گئے، انہیں میں آپ کی پھوہکی عاتکہ بنت عبد المطلب کا بیٹا عبد اللہ بن ابی اسیہ بھی تھا۔ وہ بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا اے محمد ﷺ آپ کی قوم نے کئی باتیں پیش کیں آپ نے کسی کو قبول نہ کیا اب آپ ایسا کریں کہ ایک سیڑھی لیں اور میرے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں اور ایک نوشتہ لکھی ہوئی کتاب بھی لائیں اور آپ کے ساتھ فرشتے بھی آئیں جو آپ کی تصدیق کریں۔ آپ نے ایسا کر دیا تو میں آپ کی تصدیق کر لوں گا۔

یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ غمگین ہوئے اور اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے آیات بالا نازل فرمائیں اور آپ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو جواب میں فرمادیں **سُبْحَانَ رَبِّيَ** (کہ میرا رب پاک ہے تمہارے طلب کردہ معجزات سے، جز نہیں ہے) اللہ چاہے تو فرمائشی معجزات ظاہر فرمادے لیکن وہ کسی کا پابند نہیں ہے جو لوگوں کے لیے فرمائشی معجزات ظاہر فرمائے۔

هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ﴿۱۰﴾ (میں تو ایک بشر ہی ہوں ایک انسان ہوں ہاں یہ بات ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے) اگر میں دوسرے انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہوں اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہوں تو یہ بشریت کے تقاضوں کے موافق ہے اور جو توحید و رسالت کی باتیں کرتا ہوں یہ رسول ہونے کی حیثیت سے ہیں اور رسول ہونے کے لوازم میں یہ باتیں نہیں ہے جن کا تم نے مطالبہ کیا ہے، جو مجھ پر ایمان لائے گا اس کا یہ ایمان اسے نفع دے گا اور جو منکر ہوگا اپنا برا کرے گا رسول کے ذمہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ واضح طور پر حق بیان کر دے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا دے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَيُّ قُرْلَانِهِم مِّثْلُ شِعْرِ الْإِنْسَانِ ﴿۱۱﴾ وَلَمْ يَخْلُقْنَا إِلَّا رِجَالًا مَّا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۱۲﴾ وَإِن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَلْعَنُوا يَوْمَئِذٍ ﴿۱۳﴾ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُ النَّاسِ بِهِمْ يُخَوِّفُونَ سَاءَ الَّذِي حُكِّمَ فِيهِمْ يَوْمَئِذٍ ﴿۱۴﴾ وَإِن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَلْعَنُوا يَوْمَئِذٍ ﴿۱۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُ النَّاسِ بِهِمْ يُخَوِّفُونَ سَاءَ الَّذِي حُكِّمَ فِيهِمْ يَوْمَئِذٍ ﴿۱۶﴾ وَإِن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَلْعَنُوا يَوْمَئِذٍ ﴿۱۷﴾ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُ النَّاسِ بِهِمْ يُخَوِّفُونَ سَاءَ الَّذِي حُكِّمَ فِيهِمْ يَوْمَئِذٍ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: اور حقیقت یہ ہے کہ جب بھی اللہ کی ہدایت ظاہر ہوئی تو صرف اسی بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا (منکرین کے اس کہنے نے) کہ کیا اللہ نے ایک آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ (اور فرشتے کو نہیں بھیجا) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر زمین پر (انسانوں کے بجائے) فرشتے بسے ہوتے اور اطمینان سے چلتے پھرتے تو ضرور ہم آسمان سے ایک فرشتہ پیغمبر بنا کر اتار دیتے (کیونکہ ہر قوم میں انہیں کے ایک فرد کو نبی بنا کر بھیجا گیا ہے تاکہ بات چیت اور سمجھنے میں آسانی رہے) آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بہت ہے (میری سچائی پر) یقیناً وہ اپنے بندوں سے واقف اور سب کچھ دیکھنے والا ہے (ظاہر و باطن سے باخبر ہے) اور جس کسی کو اللہ راہ پر لگا دے فی الحقیقت وہی راہ پر ہے اور جس کسی کو وہ بے راہ کر دے تو تم اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے (کہ وہ اس کو راستہ دکھا دے) قیمت کے دن ہم ایسے لوگوں کو ان

کے منہ کے بل اٹھائیں گے، اندھے، گونگے، بہرے ان کا آخری ٹھکانہ دوزخ ہوگا جب کبھی اس کی آگ بجھنے کو ہوگی (ذرا دھی ہونے لگے گی) اسے اور زیادہ بھڑکادیں گے (دھونکادیں گے) یہ ہے ان کی سزا اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا اور (قیامت کا انکار کرتے ہوئے) کہا تھا بھلا جب ہماری ہڈیاں بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں؟ کیا ان لوگوں کو اتنا معصوم نہیں کہ جس اللہ نے آسمان زمین کی عظیم الشان یہ پوری کائنات پیدا کر ڈالی وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ وہ ان جیسے (چھوٹے آدمی) دوبارہ پیدا کر دے اور ان کے لیے (موت اور قیامت کی) ایک میعاد معین کر رکھی ہے کہ اس میں کسی طرح کا ذرا بھی شبہ نہیں کیا جاسکتا؟ اس پر بھی دیکھو بے انصاف لوگ انکار کئے بغیر نہ رہے آپ (ان سے) فرمادیجئے اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے (رزق اور بارش کے) تمہارے اختیار میں ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے خوف سے ضرور ہاتھ روک لیتے (کہ کہیں خرچ کرنے سے کلیۃ ختم ہی نہ جائیں اور تم کنگال ہو کر رہ جاؤ) اور انسان کا دل تنگ (بخیل) ہے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: **مُنْكَرٍ يُرِيْنُ**: اس میں اشارہ ہے **أَبْعَثَ اللَّهُ** میں استفہام انکاری ہے۔

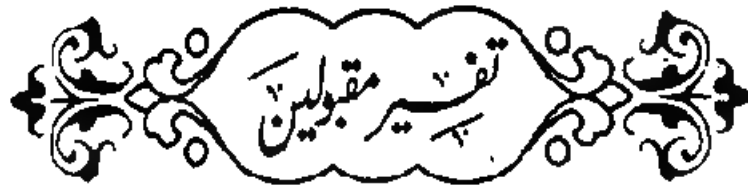
قولہ: **شَهِيدًا**: یہ حال ہے۔

قولہ: **عَسَاءَ وَبِئْسَمَا**: یعنی وہ نہ ایسی چیز دیکھیں گے جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور نہ وہ ایسی چیز نہیں گے جو ان کے لمان کو لذت دے اور اندوہ ایسا بول بولیں گے جو ان سے قبول کیا جائے۔

قولہ: **سَنَكُنْ لَّهُمْ نَبَا**: اس سے اشارہ کیا کہ وہ آگ ان کے چڑے اور گوشت کھا جائے گی۔

قولہ: **تَلْتَهُمْ وَاسْتَعَالَا**: یعنی آگ کی بھڑک بڑھ جائے گی جب ان کے چڑے اور گوشت نئے سرے سے پیدا ہو جائیں گے۔

قولہ: **أَنْتُمْ** یہ فعل سے شروع ہے جس کی تفسیر بعد وال فعل کر رہا ہے۔



وَمَا مَنَعَ النَّاسَ ...

اللہ کا رسول انسان ہی ہو سکتا ہے فرشتے انسانوں کی طرف رسول نہیں ہو سکتے:

عام کفار و مشرکین کا خیال تھا کہ بشر یعنی آدمی اللہ کا رسول نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو ہماری طرح تمام حوائج انسانی کا عادی ہوتا ہے پھر اس کو ہم پر کیا فوقیت حاصل ہے کہ ہم اس کو اللہ کا رسول سمجھیں اور اپنا مقتدا بنالیں ان کے اس خیال کا جواب

قرآن کریم میں کئی جگہ مختلف عنوانات سے دیا گیا ہے یہاں آیت **وَمَا مَنَعَ النَّاسَ مِنْ أَنْ يُؤْتُواهُمْ آيَاتِنَا إِلَّا أَنْ يَقُولُوا إِنَّمَا نَحْنُ بَشَرٌ مِثْلُكُمْ** سے ہونا ضروری ہے اگر یہ آدمی ہیں تو رسول حاصل یہ ہے کہ اللہ کا رسول جن لوگوں کی طرف بھیجا جائے وہ انہیں کی جنس میں سے ہونا ضروری ہے اگر یہ آدمی ہیں تو رسول بھی آدمی ہونا چاہئے کیونکہ غیر جنس کے ساتھ ہاہم مناسبت نہیں ہوتی اور بلا مناسبت کے رشد و ہدایت کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اگر آدمیوں کی طرف کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیں جو نہ بھوک کو جانتا ہے نہ پیاس کو نہ جنسی خواہشات کو نہ سردی گرمی کے احساس کو نہ اس کو کبھی محنت سے تکان لاحق ہوتا ہے تو وہ انسانوں سے بھی ایسے ہی عمل کی توقع رکھتا ہے ان کی کمزوری و مجبوری کا احساس نہ کرتا اسی طرح انسان جب یہ سمجھتے کہ یہ تو فرشتے ہیں ہم اس کے کاموں کی نقل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تو اس کا اتباع خاک کرتے یہ فائدہ اصلاح اور رشد و ہدایت کا صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اللہ کا رسول ہو تو جنس بشر سے جو تمام انسانی جذبات اور طبعی خواہشات کا خود بھی حامل ہو مگر ساتھ ہی اس کو ایک شان ملکیت کی بھی حاصل ہو کہ عام انسانوں اور فرشتوں کے درمیان واسطہ اور رابطہ کا کام کر سکے وحی لانے والے فرشتوں سے وحی حاصل کرے اور اپنے ہم جنس انسانوں کو پہنچائے۔

اس تقریر سے یہ شبہ بھی دور ہو گیا کہ جب انسان فرشتے سے فیض حاصل نہیں کر سکتا تو پھر رسول باوجود انسان ہونے کے کس طرح ان سے فیض وحی حاصل کر سکے گا۔

رہا یہ شبہ کہ جب رسول کریم ﷺ اور امت میں جاننا شرط ہے پھر رسول کریم ﷺ کو جنات کا رسول کس طرح بنایا گیا جنات تو انسان کے ہم جنس نہیں تو جواب یہ ہے کہ رسول صرف انسان نہیں بلکہ اس میں ایک شان ملکیت کی بھی ہوتی ہے اس کی وجہ سے جنات کو بھی مناسبت ان سے ہو سکتی ہے۔

آخر آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ تم انسان ہونے کے باوجود جو یہ مطالبہ کرتے ہو کہ ہمارا رسول فرشتہ ہونا چاہئے یہ مطالبہ تو نامعقول ہے البتہ اگر اس زمین پر فرشتے آباد ہوتے اور ان کی طرف رسول بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو فرشتے ہی کو رسول بنایا جاتا اس میں جو زمین پر بسنے والے فرشتوں کا یہ وصف ذکر کیا گیا ہے کہ **يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ بِأَنبُوتٍ وَإِنَّمَا تَرَوُهُمْ عَلَىٰ آسَافٍ أَوْ فِي سَمَافٍ** یعنی وہ فرشتے زمین پر مطمئن ہو کر چلتے پھرتے اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کی طرف فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجنے کی ضرورت اسی وقت ہو سکتی تھی جبکہ زمین کے فرشتے خود آسمان پر نہ جا سکتے بلکہ زمین ہی پر چلتے پھرتے رہتے ورنہ اگر وہ خود آسمان پر جانے کی قدرت رکھتے تو زمین پر رسول بھیجنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

قُلْ لَوْ أَنَّكُمْ تَعْلَمُونَ حَقَّ آيَاتِنَا لَأَرْسَلْنَا سَمَاوَاتِنَا بِرُسُلٍ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رُسُلًا بِلُغَاتِكُمْ لَئِيْلَ تَعْلَمُونَ

گذشتہ رکوع میں فرمایا تھا: **إِلَّا رَحْمَةً مِنَّا لِيُبَيِّنَ لَكُمْ آيَاتِنَا وَتُعْلَمُوا حَقَّ حَقَائِقِهَا** (اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپ پر بہت بڑا فضل کیا ہے کہ قرآن جیسی بے مثال دولت عطا فرمائی) درمیان میں مخالفین کے تعنت و عناد، دور از کار مطالبات، اعراض و تکذیب، دوران کے نتائج کا ذکر کر کے یہاں پھر اسی پہلے مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے۔ یعنی ایک بندہ کو ایسی عظیم الشان رحمت اور حدیث العظیمہ دولت سے سرفراز فرمانا، اسی جو حقیقی اور وہاب مطلق کی شان ہو سکتی ہے جس کے پاس رحمت کے غیر متناہی خزانے ہوں۔ اور کسی مستحق کو زیادہ سے زیادہ دینے میں نہ اس کو اپنے تہی دست رہ جانے کا خوف

ہو، نہ اس کا اندیشہ کہ دوسرا ہم سے لے کر کہیں مد مقابل نہ بن جائے یا آگے چل کر ہمیں دبا نہ لے۔ خداوند قدوس تمہارے انسان کی طرح (العیاذ باللہ) تنگ دل واقع نہیں ہوا، جسے اگر فرض کرو خزانِ رحمت کا مالک مختار بنا دیا جائے تب بھی اپنی طبیعت سے بخل و تنگ دلی نہ چھوڑے اور کسی مستحق کو دینے سے اس لیے گھبرائے کہ کہیں سارا خرچ نہ ہو جائے اور میں خالی ہاتھ نہ رہ جاؤں یا جس پر آج خرچ کرتا ہوں کل میری ہمسری نہ کرنے لگے۔ بہر حال اگر رحمت الہیہ کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو تم کسے دینے والے تھے اور کہاں گوارا کر سکتے تھے کہ مکہ و طائف کے بڑے متکبر دولت مندوں کو چھوڑ کر وحی و نبوت کی یہ پیش بہاد دولت بنی ہاشم کے ایک درخیم کو مل جائے۔ یہ حق تعالیٰ کا فیض ہے کہ جس میں جیسی استعداد و قابلیت دیکھی اس کے مناسب کمالات و انعامات کے خزانے انڈیل دیے۔ تمہارے تعنت و تعصب سے خدا کا فضل رکنے والا نہیں۔ محمد ﷺ کے طفیل میں جو خزانے آپ کے اتباع کو ملنے والے ہیں مل کر رہیں گے اور پیغمبر ﷺ اور ان کے پیروں کو زیادتی سے اس دولت کو بنی نوع انسان پر خرچ کریں گے تمہاری طرح تنگ دلی نہیں دکھائیں گے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَضْحَاثٍ وَهِيَ ابْتِذَانُ الْعَصَا وَالطُّوفَانُ وَالْجُرَادُ وَالْقُمَّلُ وَالضَّفَادِعُ
وَالدَّمَ وَالطَّمَسُ وَالسَّيِّئِينَ وَنَقِصٍ مِنَ الشَّمْرَاتِ فَسُئِلَ يَا مُحَمَّدُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْهُ سَوَالٌ تَقْرِيرٌ
لِلْمُشْرِكِينَ عَلَى صِدْقِكَ أَوْ قُلْنَا لَهُ إِسْأَلٌ وَفِي قِرَاءَةِ بَلْفِظِ الْمَاضِي إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ
يَوْمَئِذٍ مُّسْحُورًا ۝ مَخْذُوعًا مَّعْلُوبًا عَلَى عَقْلِكَ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنْزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَ
الْأَرْضِ بِصَآئِرٍ ۝ عِبْرًا أَوْ لِكِتَابِكَ تُعَانِدُ وَفِي قِرَاءَةِ بَضْمِ التَّاءِ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ لِيَفِرَّعُونَ مُسْحُورًا ۝ هَالِكًا أَوْ مُضْرُوبًا
عَنِ الْخَيْرِ فَارَادَ فِرْعَوْنُ أَنْ يَسْتَفْزَهُمْ يُخْرِجَ مُوسَى وَقَوْمَهُ مِنَ الْأَرْضِ أَرْضِ مِصْرَ فَأَعْرَفْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ
جَمِيعًا ۝ وَقُلْنَا مَنْ بَعْدَهُ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ لَسْنَا الْأَرْضَ قِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ أَيِ السَّاعَةِ جِئْنَا بِكُمْ كَفِيفًا ۝
جَمِيعًا أَنْتُمْ وَهُمْ بِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ آيِ الْقُرْآنِ بِالْحَقِّ الْمُسْتَمَلِ عَلَيْهِ نَزَلَ ۝ كَمَا أَنْزَلَ لَمْ يَعْزُرَهُ بِجِدِيلٍ وَمَا
أَرْسَلْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ إِلَّا مُبَشِّرًا مِنْ أَمْرٍ بِالْجَنَّةِ وَنَذِيرًا ۝ مَنْ كَفَرَ بِالنَّارِ وَقُرْآنًا مَنْصُوبٌ بِفِعْلِ يَسْتَرَهُ
فَرَفَعْنَاهُ نَزْلَانَهُ مَفْرَقًا فِي عِشْرِينَ سَنَةً أَوْ ثَلَاثَ لِنَقْرَاهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مَكِّ مَهْلٍ وَتُوَدَّعَ لِيَفْهَمُوهُ وَنَزَلْنَاهُ
تَنْزِيلًا ۝ شَيْئًا بَعْدَ شَيْءٍ عَلَى حَسَبِ الْمَصَالِحِ قُلْ لِكُفَّارِ مَكَّةَ امْتِنَابَةً أَوْ لَا تُؤْمِنُوا ۝ نَهْدِيدُهُمْ إِنْ
الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ قَبْلَ نَزْوِيهِ وَهُمْ مُؤْمِنُونَ أَهْلِ الْكِتَابِ إِذَا يُشْلَى عَلَيْهِمْ يَخْرُونَ لِأَذْقَانِ سُجْدًا ۝ وَ
يَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا ۝ نَزَّيْهَا لَكَ عَنْ خُلْفِ الرُّعْدِ إِنْ مَخْفَفَةٌ كَانَتْ وَعَدُّ رَبِّنَا بِنَزْوِيهِ وَنَعْتِ النَّبِيِّ
لَمَفْعُولًا ۝ وَيَخْرُونَ لِأَذْقَانِ يَبْكُونَ عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ وَيَزِيدُهُمُ الْقُرْآنُ خُشُوعًا ۝ تَوَاضَعًا لِلَّهِ وَكَانَ

تفسير

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يَا اللَّهُ يَا رَحْمَنُ فَقَالُوا إِنَّهُ بِهَا نَأَن نَعْبُدُ الْهَيْمِينَ وَهُوَ يُدْعُو إِلَهَا الْخَرَمَةَ فَتَنَزَلَ
قَالَ لَهُمْ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيُّ سَعْوَةٍ بَاتِيَهُمَا أَوْ نَادُوهُ بِأَنْ تَقُولُوا يَا اللَّهُ يَا رَحْمَنُ أَيُّ شَرْطِيَّةٍ قَا
زَائِدَةٌ أَيُّ أَيُّ شَيْءٍ مِنْ هَذَيْنِ تَدْعُوا فَهُوَ حَسَنٌ ذَلَّ عَلَى هَذَا قُلَّةٌ لَوِي لِمُسْتَقَاهُمَا الْأَسْمَاءُ الْحَسَنَى وَ
هَذَا مِنْ مِثْلِهَا فَانْتَهَى كَمَا فِي الْحَدِيثِ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ
الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّبُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ
الْعَلِيمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُنِذِرُ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ الْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ
الْحَكِيمُ الْعَظِيمُ الْغَفُورُ الشَّكُورُ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ الْخَفِيظُ الْمُقَيَّبُ الْحَسِيبُ الْجَلِيلُ الْكَرِيمُ الرَّحِيمُ
الْمُجِيبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيمُ الْوَدُودُ الْمَجِيدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيدُ الْحَقُّ الْوَكِيلُ الْقَوِيُّ الْمَتِينُ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ
الْمُحْصِي الْعَبْدِيُّ الْمُعِيدُ الْمُحْيِي الْمُمِيتُ الْحَيُّ الْقَيُّومُ الْوَاحِدُ الْوَاحِدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ
الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْأَوَّلُ الْآخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِي الْمُنْتَعَلُ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنتَقِمُ الْغَفُورُ الرَّؤُوفُ
مَالِكُ الْمُلْكِ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ الْمُسَبِّطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْمَغْنِيُّ الْمَانِعُ الصَّارُّ النَّافِعُ النَّوَّارُ الْهَادِي
الْبَدِيعُ الْبَاقِي الْوَارِثُ الرَّشِيدُ الصَّبُورُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ قَالَ تَعَالَى وَلَا تَجْهَدْ بِصَلَاتِكَ بِقِرَاءَتِكَ فِيهَا
فَيَسْمَعَكَ الْمُسْرِكُونَ فَيَسْبُؤُوكَ وَيَسْبُو الْقُرْآنَ وَمَنْ أَنْزَلَهُ وَلَا تُفَاغَتْ تُسْرِبُهَا لِيَسْتَفِيعَ أَحْسَابُكَ وَالْمَرْجُ
أَقْبَدُ بَيْنَ ذَلِكَ الْجَهْرُ وَالْمَخَانَتَةُ سَبِيلًا طَرِيقًا وَسَطًا وَقَالَ الْحَدِيثُ لِلَّهِ الَّذِي لَهُ يَتَّخِذُ وَلَدًا وَكَهْنًا لَهُ
شَرِيكَ فِي الْمُلْكِ الْأَلُوهِيَّةِ وَكَهْنًا لَهُ وَلِيًّا يُنْصَرِّهُ مِنْ أَجْلِ الَّذِي أَيُّ لَمْ يَدُلَّ فَيَسْتَفِيعُ إِلَى نَاصِرِهِ وَكَتَبَهُ
عَظْمَةُ عَظْمَةً تَامَةً عَنْ إِتْخَادِ الْوَلَدِ وَالشَّرِيكَ وَالذَّلَّ وَكُلُّ مَا يَلْتَمِسُ بِهِ وَتَرْبِيبِ الْحَمْدِ عَلَى
ذَلِكَ لِلذَّلَالَةِ عَلَى أَنَّهُ الْمُسْتَحَقُّ لِجَمِيعِ الْمَحَامِدِ لِكَمَالِ ذَاتِهِ وَتَفَرُّدِهِ فِي صِفَاتِهِ رَوَى الْإِمَامُ أَحْمَدُ
فِي مُسْنَدِهِ عَنْ مُعَاذِ الْجُهَنِيِّ عَنْهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ آيَةَ الْعِزِّ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ
وَلَدًا إِلَى آخِرِ السُّورَةِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ قَالَ مُؤَلَّفُهُ هَذَا خَيْرٌ مَا كَمَلْتُ بِهِ تَفْسِيرَ الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ الَّذِي أَلْفَهُ الْإِمَامُ
الْعَلَامَةُ الْمُحَقِّقُ جَلَالُ الدِّينِ الْمُحَلِّي الشَّافِعِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَقَدْ أَفْرَعْتُ فِيهِ جُهْدِي وَبَدَلْتُ فِيهِ
فِكْرِي فِي نَقَائِسِ آرَاهَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَجِدِي وَالْفَتْهُ فِي مَدَّةِ قَدْرِ مِيعَادِ الْكَلِيمِ وَجَعَلْتُهُ وَسِيلَةً لِلْفُوزِ

١٧

بِحَبَاتِ النَّعِيمِ وَهُوَ فِي الْحَقِيقَةِ مُسْتَفَادٌ مِنَ الْكِتَابِ الْمَكْمَلِ وَعَلَيْهِ فِي الْأَيِّ الْمُتَشَابِهَةِ الْإِعْتِمَادِ
وَالْمَقُولِ فَرَحِمَ اللَّهُ أَمْرًا أَنْظَرَ بَعَيْنِ الْإِنْصَافِ إِلَيْهِ وَوَقَفَ فِيهِ عَسَى خَطْبَهُ فَاطَّلَعْنِي عَلَيْهِ وَقَدُّمْتُ شِعْرًا
خَمِدْتُ اللَّهُ رَبِّي إِذْ هَدَانِي لِمَا أَبْدَيْتُ مَعَ عِجْزِي وَضَعْنِي لِمَنْ لِي بِالْخَطَأِ فَارَدَّ عَنْهُ وَمَنْ لِي بِالْقَبُولِ
وَلَوْ بِحَرْفٍ هَذَا وَلَمْ يَكُنْ قَطُّ فِي خَلْدِي أَنْ اتَّعَرَّضَ لِذَلِكَ لِيَعْلِمَنِي بِالْعِجْزِ عَنِ الْخَوْضِ فِي هِدْيَةِ
الْمَسَالِكِ وَعَسَى اللَّهُ أَنْ يُنْفَعَ بِهِ نَفْعًا جَمًّا وَيُفْتَحَ بِهِ قُلُوبًا غُلْفًا وَأَغْنِنَا عُمِيًّا وَإِذَا أَنَا صَمًّا وَكَافِيًّا بِمَنْ
اعْتَادَ بِالْمَطْوَلَاتِ وَقَدْ أَضْرَبَ عَنْ هَذِهِ التَّكْمِلَةَ وَأَضْلَهَا حَسْمًا وَعَدَلَ إِلَى صَرِيحِ الْعِنَادِ وَلَمْ يُوجِخْ
إِلَى دَقَائِقِهَا فَهَمَّا فَهَمَّا وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْأَخِرَةِ أَعْمَى رَزَقْنَا اللَّهُ بِهِ هِدَايَةً إِلَى سَبِيلِ الْحَقِّ وَ
تَرْفِيحًا وَإِطْلَاعًا عَلَى دَقَائِقِ كَلِمَاتِهِ وَتَحْقِيقًا وَجَعَلْنَا بِهِ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ
وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَحْدَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَى سَيِّدِنَا
مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا وَحَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ قَالَ مُؤَلِّفُهُ عَامَلَهُ اللَّهُ بِالطُّفْهِ فَرَعَتْ
مِنْ تَالِيهِ يَوْمَ الْأَحَدِ عَاشِرَ شَهْرِ شَوَّالٍ سَنَةَ سَبْعِينَ وَثَمَانٍ مِائَةٍ وَكَانَ الْإِبْتِدَاءُ فِيهِ يَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ مُسْتَهْلٌ
رَمَضَانَ مِنَ السَّنَةِ الْمَدْكُورَةِ وَفَرَّغَ مِنْ تَبْيِضِهِ يَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ سَادِسَ صَفَرٍ سَنَةَ إِحْدَى وَسَبْعِينَ وَثَمَانٍ مِائَةٍ

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو دس نو نشانیاں صاف (کھلی ہوئیں یعنی بد بیضا، اور عصا، اور طوفان، اور ٹی ڈل اور گھن کا کیرا اور مینڈک اور خون اور صورتوں کا بگڑ جانا اور قحط سالی اور پھلوں میں نقصان کا ہونا) پس آپ (اے محمد) بنی اسرائیل سے پوچھ دیکھئے (تاکہ اس پوچھنے سے آپ کی سچائی کا مشرکین کو یقین ہو جائے، یا تقدیری عبارت اس طرح ہے کہ ہم نے موسیٰ سے پوچھنے کو کہا اور ایک قرأت میں لفظ سال ماضی کے ساتھ ہے) یہ اس وقت کی بات ہے جب موسیٰ بنی اسرائیل میں ظاہر ہوئے تو فرعون نے ان سے کہا اے موسیٰ! میرے خیال میں تو ضرور تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے (جس سے تمہاری عقل فریب میں مبتلا ہو گئی اور تمہیں خط ہو گیا ہے) موسیٰ بولے تو خوب جانتا ہے کہ یہ نشانیاں مجھ پر کسی اور نے نہیں اتاری ہیں مگر اس نے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے سچانے کو (عبرت کے لیے مگر تو ہٹ دھرمی سے باز نہیں آ رہا ہے اور ایک قرأت میں علمت تاء کے ساتھ ضمہ کے ساتھ ہے) اور اے فرعون میں سمجھتا ہوں کہ تیری بد بختی کے دن آگئے ہیں (تو نے اپنے ملک کو ہلاکت میں ڈال لیا ہے! یا تو خیر سے محروم کر دیا گیا ہے) پھر (فرعون نے) چاہا کہ بنی اسرائیل کا قدم اکھاڑ دے (موسیٰ اور انکی قوم کو نکال باہر کرے) (سرزمین مصر) سے سو ہم نے اس کو اور ان سب کو جو اس کے ساتھ تھے غرق کر دیا اور ہم نے اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم اس سرزمین میں رہو سو پھر جب آخرت (قیامت) کا وعدہ آ جائے گا تو ہم تم سب کو اپنے حضور اکھا کریں گے (تمہیں اور انہیں سب کو) اور ہم نے قرآن کو سچائی کے ساتھ اتارا اور وہ سچائی کے ساتھ ہی اترا

یہی (جوں کاتوں، ذرا بھی اس میں تغیر نہیں ہوا) اور ہم نے آپ کو (اے محمد ﷺ) صرف خوشخبری سنانے والا بنا کر بھیجا ہے (ایمان لانے والوں کو جنت کی) اور ڈرانے والا (کفر کرنے والوں کو جہنم سے) اور قرآن کو (یہ منصوب ہے ایسے فعل مخذوف سے جس کی تفسیر آگے آرہی ہے) ہم نے الگ الگ نکلڑوں میں تقسیم کر دیا ہے (ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے بیس یا تیس سال میں اتارا ہے) تاکہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے منظر ٹھہر کر پڑھیں (آہستہ اور دیر میں تاکہ لوگ اسے سمجھ سکیں) اور ہم نے اسے دھیرے دھیرے اتارا ہے یعنی یکے بعد دیگرے مصلحت کے مطابق آپ (کفار سے) کہہ دیجئے کہ تم قرآن کو مانو یا نہ مانو (یہ صحت کے طور پر کہا ہے) جن لوگوں کو قرآن سے پہلے علم دیا گیا تھا (یعنی قرآن سے پہلے اس سے اہل کتاب مراد ہیں تو انہیں جب یہ قرآن سنایا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور پکارتے ہیں کہ ہمارے پروردگار کے لیے پاکی ہو (عدہ خلائی سے وہ پاک ہے) البتہ ہمارے پروردگار کا عدہ (قرآن نازل کرنے اور پیغمبر بھیجنے کے بارے میں) ضرور (ان مخفف ہے) پورا ہو کر رہتا ہے اور ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں روتے ہوئے (یہ معطوف ہے صفت زیادہ کر کے) اور یہ قرآن اور بڑھا دیتا ہے ان کا خشوع (اللہ کے آگے عاجزی اور نبی ﷺ جب کہتے تھے باللہ، یا رخصن تو مشرکین اعتراض کرتے کہ ہمیں تو دو خداؤں کی پرستش سے منع کرتے ہیں اور محمد خود اللہ کے ساتھ دوسرے خدا کو بھی پکارتے ہیں؟ اس پر آگلی آیت نازل ہوئی) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ خواہ یا اللہ کہہ کر پکارو یا رخصن کہہ کر پکارو، (جو نسا نام چاہے لے لو جو نئے لفظ سے چاہو یا اللہ کہو یا رخصن) جس نام سے بھی (ای شیطیہ ہے اور ما زائدہ ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے: ای شعیء من ہذین) تم پکارو گے (وہی بہتر ہوگا، اس مخذوف جزاء پر اگلا جملہ دلالت کرتا ہے) (سواں کے) (یعنی یہ دونوں لفظ جس ذات پر صادق آتے ہیں) سارے نام اچھے ہیں (یہ دونوں نام بھی مجملہ ان اچھے ناموں کے ہیں جیسا کہ حدیث اسماء حسنیٰ کی تفصیل آئی ہے اللہ، رخصن، رحیم، ملک، قدوس، سلام، مؤمن، مہیمن، عزیز، جبار، متکبر، خالق، باری، مصور، غفار، قهار، وہاب، رزاق، قناح، علیم، قابض، باسط، خافض، رافع، معز، نذل، سبج، بصیر، حکم، عدل، لطیف، خبیر، حلیم، عظیم، غفور، شکور، علی، کبیر، حفیظ، حسیب، جلیل، کریم، رقیب، مجیب، واسع، حکیم، ودود، مجید، باعث، شہید، حق، وکیل، قوی، متین، ولی، حمید، حمصی، مہدی، معید، محی، مہیت، حی، قیوم، واجد، ماجد، واحد، محمد، قادر، مقتدر، مقدم، مؤخر، اول، آخر، ظاہر، باطن، والی، متعال، بر، تواب، فتح، معطوف، رؤف، الملک، ذوالجلال و الاکرام، مقسط، جامع، غنی، مفتی، مانع، بشار، نافع، نور، حامی، بلج، باق، وارث، رشید، مسبور۔ (ترمذی) حق تعالیٰ نے فرمایا) اور اپنی جبری نماز میں نہ تو بہت چلا کر پڑھیے (کہ مشرکین تک پڑھنے کی آواز آئے اور وہ آپ کو گالیاں دیں اور قرآن پاک اور اس کے اتارنے والے کو گالیاں دیں) اور نہ بالکل ہی چپکے چپکے آہستہ پڑھیے (تاکہ آپ کے صحابہ کو فائدہ ہو) اور چاہئے کہ (بلند آوازی اور آہستگی کے) درمیان (اعتدال) کی راہ اختیار کی جائے اور کہیے کہ ساری خوبیاں اسی اللہ کے لیے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ سلطنت (معبودیت) میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے اس کی در ماندگی کی وجہ سے (یعنی وہ عاجز نہیں کہ اسے مددگار کی ضرورت پڑے) اور اسکی بڑائی کی پکار کو بلند کر دہی پکار بلند کرنی چاہئے (اولاد تجویز کرنے سے اور شریک اور ذلت وغیرہ تمام نامناسب باتوں سے اس کی پاکیاں خوں بیان کیجئے اور حمد کو صفات سلیمیہ پر مرتب کرنے سے اس بات پر دلالت مقصود ہے کہ حق تعالیٰ اپنے کمال ذاتی اور صفات کی یکتائی کی وجہ سے تمام خوبیوں کے لائق ہے امام احمدؒ معاذ جہنمی سے اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ نما

کریم ﷺ فرماتے تھے کہ الحمد للہ الذی سے لے کر آخر تک آیت عزت ہے واللہ اعلم۔ مفسر فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کریم کی اس تفسیر کا آخری حصہ ہے جسے امام، علامہ محقق جلال الدین محیی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تالیف فرمایا تھا میں نے اس میں اپنی انتہائی طاقت صرف کر دی ہے اور ایسی نفیس چیزوں میں جو میرے خیال کے مطابق انشاء اللہ نافع ہوں گی۔ میں نے اپنی قوت فکر یہ خرچ کر دی ہے میں نے اس کتاب کی تالیف صرف ایک چلہ میں پوری کی ہے اور یہ میرے حق میں جنات نعیم کی کامیابیوں کا ایک وسیلہ ہو گا فی الحقیقت میری یہ تالیف ”کتاب کمل“ سے ماخوذ ہے اور آیات مشابہ کے سلسلہ میں میں نے ”کتاب کمل“ پر اعتماد کیا ہے انصاف سے دیکھنے والی آنکھ پر اللہ رحم فرمائے اور اس شخص پر جو میری خطا سے واقف ہو کر مجھے بخبر کر دے میں نے ایک شعر بھی کہا ہے۔

حمدت اللہ ربی اذ هدانی

لما ابدیت مع عجزی وضععی

ومن لی بالخطا فاردعنی

ومن لی بالقبول ولو بحرف

میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ہدایت دی شروع کرنے کے وقت میرے عجز و کمزوری کے باوجود کون ہے جو میری غلطی کی نشاندہی کرے تاکہ میں اس کو دور کر سکوں اور کون ہے جو مجھے اس تعریف کو ہار گاہ ایزدی میں قبولیت کی خوشخبری سنائے اگرچہ ایک حرف ہی کی سہمی۔ خلاصہ یہ ہے کہ میرے دل میں کبھی یہ بات نہیں گذری تھی کہ میں یہ خدمت انجام دوں گا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس قسم کے کاموں میں گھسنے سے میں عاجز ہوں پھر بھی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو اس سے نفع عطا فرمائیں گے اور بستہ دلوں کو اور اندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں کو اس کے ذریعہ کھول دیں گے اور یہ کافی ہے اس شخص کے لیے جو مظلومات کا عادی ہو اور آنحالیکہ وہ اس تکلمہ اور اسکی اصل سے قطعاً بے توجہ ہو اور کھلے عناد کی طرف رخ کرنا چاہتا۔ لیکن اس کی باریکیوں کو سمجھنے کی طرف متوجہ نہ ہو اور جو شخص اس تکلمہ کے بارے میں بے ہوش ہو گا وہ دوسری مہولات کے بارے میں بھی بے بصیرت ہو گا حق تعالیٰ ہمیں اس کے ذریعہ راہ حق کی ہدایت بخشے اور اس کے کلمات کے دقائق کو سمجھنے کی توفیق بخشے اور اطلاع اور تحقیق کی دولت نصیب فرمائے اور اس کے ذریعہ ہمیں اس جماعت میں داخل فرمادے جس پر اللہ کا انعام ہوا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے دوسرے میں کہ جس کا انجام بہتر ہوا ہے۔ اور سب تعریفیں و حمد لا شریک لہ کے لیے ہیں اور ہمارے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ پر اللہ کی جانب سے بے شمار درود و سلام ہو اور اللہ ہمارے لیے بہتری کا ساز ہے اور کافی ہے۔ مولف رحمۃ اللہ نے اللہ سے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ کرنے کا کہا، میں اس کی تالیف سے ماہ شوال ۱۴۷۰ھ بروز اتوار فارغ ہوا اور (تالیف کی) ابتداء شروع رمضان بروز چہار شنبہ مذکورہ سال میں ہوئی اور اس کی تمہیض سے فراغت ۶ صفر ۱۴۷۱ بروز چہار شنبہ کو ہوئی۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: الطمئیس: اموال کی ہلاکت کو کہتے ہیں۔

قوله: اَوْ قُلْنَا لَهُ: اذِیْ قُلْنَا سَے متعلق ہے یا اس کی قراءت کے اس طرح ہے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا تم بنی اسرائیل کے

قولہ: **عَبْرًا**: ایسے دلائل جن سے میری سچائی پر بصیرت ملے گی۔
 قولہ: **أَرْضٍ مَّضْرًا**: لام عہدی مضاف الیہ سے بدل ہے۔
 قولہ: **مِنْ بَعْدِهِ**: یعنی فرعون کو غرق کرنے کے بعد۔
 قولہ: **لَقِيْنَا**: تم کو اور ان کو گنڈا کر کے لائے گا۔
 قولہ: **أَنْزَلَ**: یعنی وہ اسی طرح اترا جیسا اللہ تعالیٰ نے اتارا۔ بلا تغیر و تبدل کے اس حالت سے جس پر اتارا۔
 قولہ: **بِفِعْلِ يَفْتِسِرُهُ**: یہ اعراب عطف سے نہیں آ رہا۔
 قولہ: **نَزَّلْنَا مُفْرَقًا**: یعنی ہم نے تھوڑا تھوڑا اتارا، یہ مطلب نہیں کہ ہم نے اس میں حق و باطل کی تفریق کی۔
 قولہ: **تَهْدِيذًا لَّهُمْ**: اس سے اشارہ ہے کہ تمہارا قرآن پر ایمان قرآن کے کمال میں اضافہ کرنے والا نہیں اور نہ ماننا اس کو نقصان دہ نہیں۔

قولہ: **إِنَّ الَّذِينَ**: اس سے اشارہ کیا کہ یہ اس کی تغلیل ہے۔ یعنی اگر تم ایمان نہ لائے تو تم سے بہتر لوگ ایمان لا چکے۔
 قولہ: **قَبْلَ نُزُولِهِ**: اس کو اس لیے مقدر مانا تا کہ اس بات کی تردید ہو جائے کہ قبلت قرآن پر محال ہے، کیونکہ وہ قدیم ہے۔
 قولہ: **لِلَّذَّكَانِ**: اس کو مقدم کیا سجدہ کرنے والے کا زمین میں سب سے پہلے قریب ہونے والا عضو ہے۔ اس لیے واضح ہوتا ہے کہ ان کے سجدے کا طریق کار اس سے مختلف تھا جو ہمارا ہے۔
 قولہ: **عَطْفٌ بِزِيَادَةِ صِفَةٍ**: وہ صفت ہی یکون ہے۔
 قولہ: **ادْعُوا اللَّهَ**: آیت میں دعاء بمعنی تسمیہ ہے اور یہ دو مفعول کی طرف متعدی ہے جن میں سے اول کو حذف کر دیا یعنی المعبود کو اس لیے کہ اس کی حاجت نہ تھی اور اتخیر کے لیے ہے اور تنوین ایقاً میں مضاف الیہ کے عوض میں ہے جیسا کہ مفسر نے اسے شے کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

قولہ: **سَمَّوُهُ بِأَيْهَمَا**: اس سے اشارہ کیا کہ دعاء سے مراد تسمیہ ہے۔ جو دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ دعاء کے معنی میں نہیں جو کہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ پہلا مفعول محذوف سو اللہ والرحمن ہے۔
 قولہ: **نَادُوهُ**: یعنی اگر یہ دعاء کے معنی میں ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تخیر وتر دید صرف اسم کے اطلاق میں ہے نہ کہ مستثنیٰ میں۔
 قولہ: **فَلَهُوَ حَسَنٌ**: اس کی جزاء محذوف ہے اس کی دلیل کو اس کے قائم مقام بنایا ہے۔
 قولہ: **بِأَيِّ لِمَسْمَأُهَا**: یعنی ضمیر مسئی مقدر کی طرف ہے نہ کہ اسم کی طرف۔
 قولہ: **بِقِرَاءَتِكَ**: اس میں مضاف محذوف ہے اور وہ قراءت ہے کیونکہ التباس کا خطرہ نہیں اس لیے کہ جہر و خفایت دونوں قراءت پر صادق آتی ہیں اور نماز افعال و اذکار ہیں گویا محل کا ذکر کر کے حال مراد لیا ہے۔
 قولہ: **تُسَبَّرُ تَخَافُ**: یہ اخفاء کے معنی میں ہے خوف سے نہیں۔
 قولہ: **مَنْ أَجَلَ**: یہ قنن اجلیہ ہے صلہ نہیں۔

قوله: التَّكْمِيلَةَ: یعنی اڈل نصف مکمل ہوا جس کے ساتھ نصف اخیر بھی مکمل ہوا جس کو جلال الدین محلی نے لکھا تھا۔
قوله: حَسْمًا: تمام تر۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ

ذکر معجزات موسیٰ برائے تحقیق رسالت محمدی:

(وہط) گزشتہ آیات میں مخالفین کے معاندانہ سوالات کا ذکر تھا اب ان آیات میں معجزات موسیٰ یعنی ان نشانیوں کو ذکر کرتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی تہدید کے لیے عطا کی تھیں مگر باوجود اس کے وہ ایمان نہیں لائے اور بالآخر ہلاک ہوئے اور غرق ہوئے اسی طرح تم محمد رسول اللہ ﷺ سے معجزات طلب کرتے ہو اور تمہارا حال یہ ہے کہ اگر تمہاری سفارش کے مطابق وہ معجزات ظاہر کر بھی دیئے جائیں تب بھی تم محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرو گے۔ جس طرح وہ منکبر اور جبار (فرعون) خدا تعالیٰ کے درویش نبی یعنی موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ نہ کر سکا اسی طرح سمجھ لو کہ تم ہمارے کملی والے نبی کا مقابلہ نہ کر سکو گے یہ رسول بھی موسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسماعیل) میں سے معوث ہوا ہے اس کا عصا تر آن ہے سب کفروں کو نکل جائے گا اور ڈکار بھی نہ لے گا تم اپنے انجام کو سوچ لو موسیٰ علیہ السلام کوئی فرشتہ نہ تھے بلکہ ظاہر صورت کے لحاظ سے ایک بے سرو سامان بشر تھے مگر در پردہ فرشتہ سے بڑھ کر نہ کھاؤ اس لہا اس بشری میں خداوند ذوالجلال کی پیغمبری مستور ہے کوئی فرعون اور ہامان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور جس طرح فرعون اور فرعونوں کے غرق کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سرزمین مصر کا وارث بنایا اسی طرح عنقریب مکہ فتح ہوگا اور اس نبی آخر الزمان کے اصحاب اول سرزمین عرب کے وارث ہوں گے اور پھر سرزمین شام کے وارث ہوں گے جو بنی اسرائیل کا آبائی مسکن ہے غرض یہ کہ اس تمام کلام سے اثبات رسالت مقصود ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نور روشن نشانیاں دیں جو ان کی نبوت و رسالت کی روشن دلیلیں تھیں جن کا ذکر نویں پارہ کے چھٹے رکوع میں گزر چکا ہے اور اگر تم کو کچھ شک ہو تو بنی اسرائیل کے علماء سے پوچھ لو کہ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس یہ معجزات لے کر آئے ہیں جن کا ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور پھر ان کے بعد وہ معجزات تم تک بطریق تواتر پہنچے جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں اس لیے کہ تواتر بھی بمنزلہ مشاہدہ کے ہے آپ علماء بنی اسرائیل سے پوچھ لیجئے وہ آپ کے قول کی تصدیق کریں گے اور وہ تو معجزے تمہارے ان فرمائی معجزات کے برابر یا اس سے بڑھ کر تھے ہم اب بھی اس قسم کے معجزات عطا کرنے پر قادر ہیں مگر اس وقت ہماری مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ فی الوقت اس قسم کے معجزات کا ظاہر کرنا سووند نہیں۔ (تفسیر کبیر ص ۴۶۳ ج ۵)

آیت مذکورہ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ میں علماء تفسیر کے روایات ہیں:

قول اول: یہ ہے کہ تسع آیات بیانات سے موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزے مراد ہیں وہ نو بیانات یہ ہیں۔

(۱) عصا اور (۲) بد بیضا اور (۳) قبطیوں پر قحط شدہ اور (۴) طوفانِ باراں اور (۵) جراد یعنی مڈیاں اور (۶) قتل یعنی چمچڑیاں اور (۷) صفادع یعنی مینڈک اور (۸) دم یعنی خون اور (۹) نقصِ ثمرات یعنی پھلوں کی کمی۔

یہ نو آیات بینات اور مفصلات ہیں اور آیات واضحات ہیں جن کا فرعونوں نے مشاہدہ کیا مگر ان ظالموں پر ان آیات واضحات نے کچھ اثر نہ کیا اسی طرح اگر ہم ان لوگوں کے سوالات پورے کر دیں کہ چشمے اور نہریں جاری کر دیں تو یہ ظالم بھی فرعونوں کی طرح ایمن لانے والے نہیں جیسے فرعون نے باوجود مشاہدہ آیات بینات موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ: إِنِّي لَأظُنُّكَ يَهُودِيٌّ مَسْحُورًا ۝ اے موسیٰ! میں تم کو جادو گر گمان کرتا ہوں اسی طرح یہ ظالم ان معجزات کے ظاہر ہونے پر آنحضرت ﷺ کو جادو گر بتلا میں گئے لیکن قوم فرعون کو تو ان آیات بینات پر ایمان نہ لانے کے بعد غرق کر دیا گیا مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ آپ ﷺ کی قوم کو ہلاک کرنے کا نہیں اس لیے ان کے یہ سوالات پورے نہیں کئے اور موسیٰ علیہ السلام کو ان نونشانیوں کے سوا اور بھی نشانیاں عطا ہوئیں مثلاً (۱) دریا کا شق ہونا۔ (۲) عصا کے پتھر پر مارنے سے پتھر سے پانی نکل آنا۔ (۳) پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہو جانا۔ (۴) بنی اسرائیل پر سن و سلوئی نازل ہونا۔ (۵) بنی اسرائیل برابر کا سایہ کرنا وغیر ذالک یہ نشانیاں موسیٰ علیہ السلام کو بلا دمصر سے نکلنے کے بعد عطا ہوئی تھیں لیکن اس جگہ انہیں نونشانیوں کا ذکر ہے جن کا مشاہدہ فرعون لعین نے کیا تھا اور قوم فرعون نے مصر میں ان کو دیکھا تھا اس لیے یہی آیات ان پر حجت تھیں کن کا ازراہ عناد انہوں نے مخالفت کی اور تباہ و برباد ہوئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تسع آیات بینات سے نو معجزات مراد ہیں جو سورۃ اعراف میں مذکور ہیں آیت کی تفسیر میں یہ پہلا قول ہوا اب دوسرا قول سنئے۔

قول دوم: دوسرا قول یہ ہے کہ تسع آیات بینات سے آیات احکام مراد ہیں یعنی نو آیات سے تورات کے نو احکام مراد ہیں جیسا کہ مسند احمد اور ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے دو عالموں نے آنحضرت ﷺ سے تسع آیات کے متعلق سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا وہ احکام یہ ہیں۔

(۱) خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ (۲) چوری مت کرو۔ (۳) زنا مت کرو۔ (۴) ناحق خون مت کرو۔ (۵) سود مت کھاؤ۔ (۶) جادو مت کرو۔ (۷) کسی بے گناہ کو مت بکڑاؤ۔ (۸) کسی عقیفہ عورت پر تہمت نہ لگاؤ۔ (۹) جہر مت بھاگو۔

یہ نو احکام تو عام ہیں یعنی سب کے لیے ہیں اور ایک حکم اے یہود خاص تمہارے لیے ہے کہ سبت یعنی شبہ کے دن حدودِ الہی سے تجاوز نہ کرنا یہود نے سن کر آپ ﷺ کی تصدیق کی اور ان دونوں یہودیوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نبی ہیں آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ پھر تم میرا اتباع کیوں نہیں کرتے انہوں نے کہا کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی تھی کہ آئندہ نبوت ہمیشہ انہی کے خاندان میں رہے (یہ ان کا داؤد علیہ السلام پر افتراء تھا) اور یہ کہا کہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم آپ کا اتباع کریں گے تو یہودی ہم کو قتل کر ڈالیں گے۔

محققین کے نزدیک راجح پہلا قول ہے کہ تسع آیات سے نو معجزات مراد ہیں اور وہ کلمات جو حدیث میں مذکور ہوئے وہ مراد نہیں کیونکہ وہ احکام اور وصایاے تورات ہیں ان میں سے فرعون پر کوئی چیز حجت نہیں لفظ بصائر بھی اسی معنی پر ہی چسپاں ہوتا ہے یعنی یہ میرے معجزات ایسی چیز ہیں جن کو دیکھ کر آنکھیں کھل جائیں اور ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کے نو

معجزات کے علاوہ تو ریت کے ان لواحق کو بھی بیان کیا ہو مگر راوی نے احکام کا تو ذکر کر دیا اور معجزات کو حذف کر دیا۔ واللہ اعلم۔ اور آیات قرآنیہ میں تسبیح ایت بتدبیر سے وہ نشانات مراد ہیں کہ جو بطور دلائل و حجج فرعونیوں کو دکھلائے گئے تاکہ ان پر حجت قائم ہو حافظ ابن کثیر کا خیال یہ ہے کہ اسی روایت میں راوی کو اشتباہ ہوا کہ اس نے کلمات عشر کی جگہ تسبیح آیات کو ذکر کر دیا بہر حال سیاق و سباق کا متقاضی یہ ہے کہ تسبیح آیات بیانات سے وہ معجزات مراد لیے جائیں جو فرعونیوں پر حجت قائم کرنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو اور فرعونوں کو ان آیات بیانات سے ڈرایا تو فرعونوں نے ازراہ تکبر و غرور موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ اے موسیٰ میں بلاشبہ تجھ کو جادو کا مارا ہوا خیال کرتا ہوں جس کی وجہ سے تعبیر مخبوط الحواس ہو گیا ہے اور ایسی ہیکن ہوئی باتیں کرتا ہے جب فرعون نے ان آیات بیانات کو باوجود واضح ہونے کے نہ مانا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا البتہ تحقیق تو ضرور جان چکا ہے اور دل سے مان چکا ہے کہ ان نشانیوں کو سوائے آسمانوں اور زمینوں کے پروردگار کے اور کسی نے نہیں اتارا مگر تو ضد اور عناد سے انکار کرتا ہے اور یہ ایسے نشانات ہیں کہ جن کو سوائے پروردگار عالم کے کوئی اتار ہی نہیں سکتا پروردگار ہی نے ان نشانیوں کو اتارا ہے درآں حالیکہ وہ سامان بصیرت ہیں کہ جن کو دیکھنے سے چشم بصیرت روشن ہو جاتی ہے اور دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور حق نظر آنے لگتا ہے اور انسان پہچان لیتا ہے کہ یہ خدائی کرشمہ ہے کوئی جادو نہیں مگر ضد اور عناد کی پٹی بصارت اور بصیرت سب کو معطل کر ڈالتی ہے چنانچہ فرعون اور اس کی قوم ان بصائر اور عبرت کے باوجود ایسی اندھی بنی کہ بنی اسرائیل کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کیا پس فرعون نے یہ ارادہ کر لیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے سرزمین مصر سے قدم اکھاڑ دے کہ بنی اسرائیل اس سرزمین میں رہنے نہ پائیں جب اس نے چاہا تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو دریائے قلم میں غرق کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی اور اس کے فرق کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ جاؤ اسی سرزمین میں بسو جہاں سے وہ تم کو نکالنا چاہتا تھا اسی طرح اللہ کی قدرت ہے کہ مزرکین مکہ کو تباہ کر کے مسلمانوں کو ان کی سرزمین کا وارث بنائے اور اسی میں ان کو بسائے اسی آیت میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے اور جو لفظ اس آیت میں فرعون کے متعلق لایا گیا ہے: فإرادان يستقرھم من الارض بعینہ اسی قسم کا لفظ اسی سورت میں تین رکوع قبل آنحضرت ﷺ کے متعلق گزر چکا ہے: وان کاھوا يستقرونک من الارض لیخربوک منها یعنی اہل مکہ آپ ﷺ کو اس سرزمین سے نکالنا چاہتے ہیں اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ عنقریب آپ کو اس سرزمین کا وارث بنائے جس سے مشرکین مکہ آپ کو نکالنا چاہتے ہیں۔

بہر حال فرعون اور فرعونوں کا غرق اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی نجات کا ذکر و ماجرا تو اس دنیا میں ہوا پھر آخرت کا وعدہ آپ ﷺ کا تو ہم سب کو گڈنڈ یعنی خلط ملط میدان حشر میں لا موجود کریں گے مؤمن اور کافر اور نیک اور بد سب گڈنڈ اور مخلوط ہوں گے اور سب کو جمع کر کے فیصلہ کر دیا جائے اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر تو ریت کو حق کے ساتھ اتارا اسی طرح ہم نے اس قرآن کو آپ ﷺ پر حق کے ساتھ اتارا اور حق ہی کے ساتھ آپ ﷺ پر نازل ہوا ازاں تا آخر شیاطین سے محفوظ ہے، ازاں تا آخر حق ہی حق ہے اور صدق ہی صدق ہے جس طرح خدا کے پاس سے چلا تھا اسی طرح محفوظ و محروس بلا کم و کاست آپ کے پاس پہنچ گیا غیر کا کلام اس سے مخلوط نہیں ہوا اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ لوگوں کو اللہ کے احکام پہنچادیں مگر ہدایت ان کے اختیار میں نہ تھی اسی طرح ہم نے آپ کو لفظ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا

ہے ایمان پر ثواب اور نجات کی بشارت دیدینا اور کفر و معصیت پر عذاب سے ڈرانا یہ آپ کا کام ہے باقی کسی کو ہدایت دینا وہ سب ہمارے اختیار میں ہے لہذا آپ کسی کے کفر اور معصیت سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں اور علاوہ انہیں کہ ہم نے اس قرآن کو حق اور صدق کے ساتھ نازل کیا ہے بمقتضائے رحمت ہم نے اس میں ایک رعایت یہ بھی رکھی ہے کہ ہم نے اس قرآن کو ٹکڑے کر کے اتارا ہے تاکہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سکیں اور لوگوں کو اس کے یاد کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہو اور ہم نے اس کو حسن حالات و واقعات تدریجاً اتارا ہے تاکہ وہ واقعہ سامنے ہونے سے حقیقت خوب واضح ہو جائے اور آیت اور حکم کا مصداق نظروں کے سامنے آجائے اور ہر آیت اور حکم کا محل اور موقعہ خوب اچھی طرح دلنشین ہو جائے تو گھبرا جاتے۔ یہ اللہ کا کلام ہے اور اس کے احکام ہیں جس کو خدا نے بندوں کی مصلحت سے تھورا تھوڑا اتارا ہے اس تدریجی نزول میں تمہاری مصلحت ملحوظ ہے لہذا تم کو چاہئے کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ تاکہ تم کو فائدہ ہو ورنہ خدا تعالیٰ بے نیاز ہے اسے کسی کے ایمان کی ضرورت نہیں اسے نبی ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اس پر ایمان لاؤ۔ خدا کے یہاں سب برابر ہے تحقیق جن لوگوں کو قرآن کے نزول سے پہلے علم دیا گیا یعنی حق شناس اور نیک دل علماء اہل کتاب ان کا یہ حال ہے کہ جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کلام خداوندی کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں کیونکہ جب انسان پر کسی کی عظمت و ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے تو اکثر وہ زمین پر اوندھا گر جاتا ہے اور اذقان پر گرنا یہ کنا یہ ہے غلبہ خوف اور جذبہ شوق سے اور مطلب یہ ہے کہ غلبہ شوق کی بناء پر اس کی تعظیم کے بجالانے میں جلدی کرتے ہیں حتیٰ کہ سجدہ میں گر جاتے ہیں اور سجدہ کی حالت میں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار وعدہ خلافی سے پاک ہے یہ ناممکن ہے کہ اس نے جو اپنی پہلی کتابوں میں وعدہ کیا ہے وہ پورا نہ کرے بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہونا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی زبانی تو ریت کتاب استثناء میں یہ وعدہ کیا تھا کہ "اے بنی اسرائیل! میں تیرے بھائیوں (یعنی حضرت اسماعیل) میں سے ایک نبی اٹھاؤں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اس بشارت اور وعدہ کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب بشارت النبیین میں لکھ دی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

اس آیت میں ان حق شناس اور طالب حق علماء اہل کتاب کا ذکر ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے ان کو توریہ اور انجیل کا علم دیا گیا تھا جیسے زید بن عمرو بن نفیس اور سلمان فارسی اور ابوذر غفاری وغیرہم۔ یہ لوگ انبیائے سابقین اور کتب سماویہ کی خبروں کی وجہ سے نبی آخر الزمان ﷺ اور قرآن کے منتظر تھے وہ اس قرآن کو سن کر خوش ہوتے اور سجدہ شکر کرتے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کے عیب سے پاک ہے کتب سماویہ مقدسہ میں جو اس نے نبی آخر الزمان ﷺ کے مبعوث کرنے اور قرآن کے نازل کرنے کا وعدہ فرمایا وہ تو ضرور پورا ہونا ہی تھا خدا تعالیٰ نے کتب سابقہ میں جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا فرمایا قرآن کو سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ اس وعدہ کا ایفاء ہے اور ایمان لے آئے اور قرآن سننے کے وقت ان پر ایسی رقت اور کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ قرآن کی موعظت ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی ہے اور یہ قرآن کا سننا بارگاہ خداوندی میں ان کی فروتنی اور عاجزی کو اور زیادہ کرتا ہے یعنی وہ بڑے نرم دل ہیں قرآن سن کر ان پر عیب رقت طاری ہو جاتی ہے یہ حال تو اہل علم کا ہے اور جاہل اور نادان اس قرآن کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر جس نام سے بھی پکارو اس کے اچھے اچھے نام ہیں، آپ نماز میں قراءت کرتے

وقت درمیانی آواز سے پڑھیے

در منثور ص ۶۰۶ ج ۴ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں یا اللہ اور یا رحمن کہا تو مشرکین مکہ نے کہا کہ اس نے دین والے کو دیکھو ہمیں دو معبودوں کی عبادت سے منع کرتا ہے اور خود دو معبودوں کو پکار رہا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ ۔ نازل فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور رحمن کہہ کر پکارنا دو معبودوں کا پکارنا نہیں ہے معبود تو ایک ہے جو وَحْدًا لَا شَرِيكَ لَهٗ ہے یہ دونوں اس کے نام ہیں اس کے جس نام سے بھی پکار لیا تو کوئی شرک لازم نہیں آیا اور تم کو کئی معبودوں کو مانتے ہو تمہارے معبود ایسے نہیں ہیں کہ ذات ایک ہو اور نام کئی ہوں تمہارے عقیدہ میں معبودوں کی ذاتیں متعدد ہیں اور میرا جو معبود ہے ایک ہی ہے وہ معبود حقیقی ہے جس کا نام اللہ بھی ہے رحمن بھی ہے ان دونوں ناموں کے علاوہ اور بھی اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں ان ناموں میں سے جو نام لے کر بھی اسے پکارا جائے گا صحیح ہوگا شرک نہ ہوگا کیونکہ یہ سب ایک ذات پاک کے نام ہیں۔ سنن ترمذی میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام مروی ہیں جو مشکوٰۃ المصابیح میں ص ۱۱۹ پر منقول ہیں۔

وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ صحیح بخاری ص ۶۸۶ ج ۲ میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ میں (ابتداءً اسلام میں) چھپ کر اپنے صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے جس میں قرآن زور سے پڑھتے تھے۔ جب مشرکین قرآن سنتے تھے تو قرآن کو اور قرآن کے نازل کرنے والے کو اور قرآن کے لانے والے کو برے الفاظ میں یاد کرتے تھے اللہ جل شانہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ نماز میں زور سے قراءت نہ پڑھیں جسے سن کر مشرکین برے الفاظ میں ذکر کرنے کا موقع پالیں اور آپ نماز میں قراءت کو آہستہ بھی نہ پڑھیں جس کی وجہ سے آپ کے صحابہ نہ سن سکیں آپ دونوں کے درمیان راستہ اختیار کر لیں، اس سے معلوم ہوا کہ جن نمازوں میں قراءت جہر سے پڑھی جاتی ہے ان میں اتنا جہر کافی ہے کہ اپنے مقتدی سن سکیں اتنے زور سے جہر نہ کیا جائے کہ کافروں تک بھی آواز پہنچے اور نہ متاثر ہونے کے بجائے قرآن مجید کو اور اس کے اتارنے والے اور لانے والے کو برے لفظوں میں یاد کریں، اور یوں بھی جہر مفرط کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام آوازوں کو سنتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ سفر میں رسول اللہ ﷺ ایک پہاڑ کی گھائی میں چڑھ رہے تھے اس وقت ایک شخص نے بلند آواز سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ دیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ بہرے کو اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو پھر آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ جنت کے خزانوں میں سے ہے۔ (صحیح بخاری ص ۹۹)

رسول اللہ ﷺ ایک دن رات کو حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ پر گزرے پھر صبح کو فرمایا کہ ابو بکر میں تمہارے قریب سے گزرا تو معلوم ہوا کہ تم پست آواز میں قرآن شریف پڑھ رہے ہو انہوں نے عرض کیا کہ جس ذات پاک سے مناجات کر رہا تھا اس کو میں نے سنا دیا آپ نے فرمایا کہ تھوڑی سی آواز اونچی کر کے پڑھا کرو، پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ میں تمہارے

قریب سے گزرا تم اوہی آواز سے قراءت پڑھ رہے تھے انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنی بلند آواز سے اونگھنے والے کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگانا ہوں آپ نے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو تھوڑا سا پست کرو۔

(رواہ الترمذی باب ما حباہ فی القراءۃ باللیل)

اس کو فرمایا: وَأَنْتُمْ بَيْنَ ذَلِكَ سَيِّئًا ۝ (اور آپ اس کے درمیان راستہ اختیار کیجیے۔)

سُورَةُ الْكَافِرَاتِ

المکھف
سورۃ ۱۸ مکیہ ۶۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آیتھا ۱۱۰
آیتھا ۱۳

سورہ ہفتمہ میں اترنا شروع ہوئی ہے جو پندرہ باب نہایت رحم والا ہے اور اس کی آیت ۱۳ میں ہے اور آیت ۱۱۰ میں ہے

أَعْتَدَ هُوَ الْوَصْفُ بِالْجَمِيلِ ثَابِتٌ لِلَّهِ وَهَلِ الْمُرَادُ الْإِعْلَامُ بِذَلِكَ لِلْإِيمَانِ بِهِ أَوِ التَّنْبِيْهِ بِهِ أَوْ هُمَا
 اِحْتِمَالَاتٌ أَقْبَدَهَا الثَّالِثُ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ مُحَمَّدٍ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ أَى فِىهِ عَوَجًا
 اِخْتِلَافًا وَتَنَاقُضًا وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنَ الْكِتَابِ قَبْلًا مُسْتَقْبِلًا حَالٌ ثَابِتَةٌ مَوْكِدَةٌ لِيُنذِرَ بِخَوْفِ الْكِتَابِ
 الْكَافِرِينَ بَأْسًا عَذَابًا شَدِيدًا قَبْلَ أَنْ يَكْفُرُوا مِنْ قَبْلِ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا
 حَسَنًا مَا كَثُرِينَ فِيهِ أَبَدًا هُوَ الْجَنَّةُ وَيُنذِرَ مِنَ الْجُمْلَةِ الْكَافِرِينَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا مَا لَهُمْ
 بِهِ بِهَذَا الْقَوْلِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِأَبَائِهِمْ مِنْ قَبْلِهِمْ الْقَائِلِينَ لَهُ كَبُرَتْ عَظُمَتْ كَلِمَةٌ تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ
 كَلِمَةً تَمِيِزُ مُفَسِّرَةً لِلضَّبِيرِ الْمُبْتَهَمِ وَالْمَخْضُوضِ بِالذَّمِّ مَحْدُوفِ أَى مَقَالَتِهِمْ الْمَذْكُورَةَ مِنْ مَا
 يَقُولُونَ فِي ذَلِكَ إِلَّا مَقُولًا كَذِبًا فَلَعَنَّكَ بِأَخِ مَهْلِكِ نَفْسِكَ عَلَى آثَارِهِمْ بَعْدَهُمْ أَى بَعْدَ تَوَلِّيهِمْ
 عَنْكَ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الصَّحِيحِ الْقُرْآنِ أَسْنَا عَظِيمًا وَحُرْنَا مِنْكَ إِجْرِيكَ عَلَى إِيْمَانِهِمْ وَنَصْبِهِ
 عَلَى الْمُفْعُولِ لَهُ إِنْكَاجَةً مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْحَيَوَانَ وَالتَّنْبَاتِ وَالشَّجَرِ وَالْأَنْهَارِ وَغَيْرِ ذَلِكَ زِينَةً لَهَا
 لِيَكْبُلُوهُمْ لِيُنْخَبِرَ النَّاسَ نَاطِرِينَ إِلَى ذَلِكَ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا فِيهِ أَى أَرْهَدَ لَهُ وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا
 صَوِيحَاتًا فَنَاتًا جُرْزَانًا بِأَيْسَالٍ يَنْبُتُ أَمْ حَسِبْتَ أَى أَظُنُّتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ الْعَارِيَةَ الْحَبِيبَةَ وَالرَّقِيْمَةَ
 النَّوْحَ الْمَكْتُوبَ فِيهِ أَسْمَاءُهُمْ وَأَنْسَابُهُمْ وَقَدْ سُئِلَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَصْتِهِمْ كَالْوَأَى فِي قِصَّتِهِمْ
 مِنْ جُمْلَةِ آيَاتِنَا عَجَبًا خَيْرٌ كَانَ وَمَا قَبْلَهُ حَالٌ أَى كَانُوا عَجَبًا ذُرْنًا بَاقِي الْآيَاتِ أَوْ عَجَبًا لَيْسَ الْأَمْرُ
 كَذَلِكَ أَذْكَرُ إِذَا أَدَى الْوَقْفِيَّةُ إِلَى الْكَهْفِ جَمْعٌ فَتَى وَهُوَ الشَّابُّ الْكَامِلُ خَائِفِينَ عَلَى إِيْمَانِهِمْ مِنْ قَوْمِهِمْ

الْكَفَّارِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ مِنْ قَبْلِكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۝ هِدَايَةَ فَضَرَبْنَا
عَلَىٰ أَذَانِهِمْ أَيْ أَمَنَّاهُمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ۝ مَعْدُودَةٌ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ بِمَعْلَمٍ عِلْمٍ
مُشَاهِدَةٍ أَيْ الْحَزْبِيِّنَ الْفَرِيقَيْنِ الْمُخْتَلِفَيْنِ فِي مَدَّةِ لُبِّيهِمْ أَخْطَىٰ فِعْلٌ بِمَعْنَى ضَبَطَ لِيَا كَلِبَتُوا لِلْبَيْتِهِمْ
مُتَعَلِّقٌ بِمَا بَعْدَهُ أَمَدًا غَايَةً

ع ۱۲

ترجمہ چھٹی: سب تعریفیں (خوبیاں ثابت ہیں) اللہ کے لیے اس بات کی اطلاع دینے سے مقصود آیا اس پر ایمان لانا ہے یا اس کے ذریعہ سے تعریف کرنا ہے یا دونوں صورتیں پیش نظر ہیں؟ تینوں احتمالات ہیں لیکن ان میں سے تیسری صورت زیادہ مفید ہے) جس نے اپنے بندے (محمد) پر اس کتاب (قرآن) کو اتارا ہے اور اس کے لیے (یعنی اس میں) کسی طرح کی ذرا بھی کجی نہیں ہے (یعنی لفظی اختلاف یا معنی کے لحاظ سے تضاد بیانی نہیں ہے اور ترکیب میں یہ جملہ کتاب سے حال واقع ہو رہا ہے) بالکل سیدھی بات (انج بیچ سے خالی ہے، یہ بھی ترکیب میں کتاب سے حال ثابتہ موقوفہ واقع ہو رہا ہے) تاکہ لوگوں کو خبردار کرائے (کتاب کے ذریعہ کافروں کو ڈرائے) کہ اللہ کی جانب سے ایک سخت عذاب ہے اور اچھے اچھے کام کرنے والوں کو خوشخبری دیدے کہ ان کے لیے اچھا بدلہ ہے جس میں ہمیشہ رہیں گے (یعنی جنت میں) نیز منجملہ اور کافروں ان لوگوں کو متنبہ کرو جنہوں نے کہا کہ اللہ اولاد بھی رکھتا ہے! (اس بارے میں نہ تو ان کے پاس کوئی دلیل ہے اور نہ ان کے باپ دادوں پاس کوئی دلیل تھی) جو ان لوگوں سے پہلے ایسی باتیں کہتے چلے آئے ہیں (کیسی سخت (بھاری) بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے) لفظ کلہ ترکیب کے لحاظ سے تیز واقع ہے جس سے ضمیر مبہم کی وضاحت ہو رہی ہے اور لفظ کبرت کا مخصوص بالذم مخذوف ہے تقدیری عبارت یوں ہوگی: "کبرت مقالہم المذکورہ" یہ کچھ نہیں کہتے ہیں (اس بارے میں) مگر سرتا سر جھوٹ بات (قرآن) پر ایمان نہ دے، رے افسوس کے (آپ کی طرف سے گھٹن اور رنج ہونے کی وجہ سے کیونکہ آپ کو ان کے ایمان لانے کا شوق لگا رہتا ہے لفظ اسفا مفعول لہ (ہونے کی وجہ سے منصوب ہے) روئے زمین پر جتنی چیزیں ہیں خواہ وہ جانور ہوں یا گھاس پھوس یا درخت اور نہریں وغیرہ ہوں) ہم نے انہیں باعث رونق بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں (لوگوں کا امتحان یہ دیکھتے ہوئے کریں) کون ایسا ہے کہ جس کے کام سب سے زیادہ اچھے ہیں۔ (یعنی کون اچھی باتوں کی طرف سب سے زیادہ جھکتا ہے) اور پھر ہم ہی جو کچھ زمین پر ہے اسے چیل میدان بنا ڈالیں گے۔ (ایسا صاف کہ ایک تنکا تک اس میں پیدا نہیں ہو سکے گا) کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار پہاڑ والے اور تختی والے یعنی ایسی تختی جس میں ان سب کے نام اور نسب تھے اور آپ ﷺ سے ان کا قصہ پوچھا گیا تھا ہمارے عجائبات سے کوئی تعجب خیز نشانی تھی (لفظ عجبا کان کی خبر ہے اور اس سے پہلے من آیاتنا، ترکیب میں حال واقع ہے یعنی تمام نشانیوں میں یہی ایک نشانی عجیب یا عجیب تر تھی؟ ایسا نہیں! ذرا دھیان کیجئے اس طرف جبکہ چند جوان غار میں جا بیٹھے تھے (لفظ لفتیہ فتی کی جمع ہے بٹے کئے جو ان کو کہتے ہیں یہ جو ان اپنے ایمان لانے کی وجہ سے اپنی کافر قوم سے ڈرتے تھے) اور انہوں نے دعا کی تھی پروردگار آپ کی جانب (طرف) سے ہم پر رحمت ہو اور ہمارے اس کام کے لیے کامیابی کا سامان مہیا فرما! سو ہم نے پروردگار دیا ان کے

کانوں پر (یعنی انہیں سلا دیا) غار میں سالہا سال تک پھر انہیں اٹھا کھڑا کیا (یعنی انہیں جگا دیا) تاکہ ہمیں واضح ہو جائے (مشاہدہ کے درجے میں) کہ دونوں جماعتوں میں سے (جو ان کی مدت قیام کے بارے میں مختلف انجیال ہیں) کون ہے جو ان کے رہنے کی مدت سے بے شمار ہو اور ان کے معنی میں ہے یعنی اللبثہم جار مجرور کا متعلق بعد میں آرہا ہے (واقف ہے) لفظ اخصی فعل ہے جو کہ ضبط کے معنی میں ہے اور املا کے معنی انتہاء اور غایت کے ہیں۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: ثَابِتٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یَلُو خبر اَلْحَدِّ کی ہے۔ اَلْحَدُّ کا متعلق نہیں کہ خبر کو محذوف مانا جائے۔
قولہ: زَالِجُمْلَةً خَالٍ: وَ لَمْ يَجْعَلْ... میں واوِ حال ہے، عطف کے لیے نہیں اگر عطف کے لیے ہوتی تو معصوف، معصوف علیہ کے ابغاض کے درمیان فاصلہ سے ہوتا۔

قولہ: مُسْتَقِيمًا: یہاں اس کا معنی افراط و تفریط سے پاک ہونا ہے۔ یہ دوسرا حال ہے۔ فعل مقدر سے منسوب نہیں اور قِنْبًا کو تاکید کے لیے لایا گیا ہے، یہ استدراک نہیں۔

قولہ: الْكَافِرِينَ: مفعول اول کو اکتفاء کی وجہ سے قرینے کی دلالت کے سبب حذف کیا ہے۔

قولہ: مِنَ الْجُمْلَةِ الْكَافِرِينَ: اس کو خصوصاً ذکر کیا اور انذار کو دوبارہ لائے کیونکہ ان کا کفر بھی سخت تھا۔

قولہ: مِنْ عِلْمِهِ: کیونکہ وہ لوگ جھوٹے، توہم پرست یا تقلید جاہلانہ سے کہتے تھے۔ وہ اب، ابن کو مؤثر و اثر کے معنی میں لیتے تھے۔

قولہ: عَظُمَتْ: یعنی کفر میں بہت بڑی بات تھی اس لیے کہ اس میں تشبیہ پائی جاتی تھی۔

قولہ: كَلِمَةً تَمَيِّزٌ: لکھتے یہ تمیز ہے فاعل نہیں۔

قولہ: مَخْضُوضٌ بِالذَّمِّ: یہ ذم کے معنی میں ہے یعنی ساء کا معنی دے رہا ہے۔ کلمہ تمیز مفعول اعلیٰ بتا ہے۔

قولہ: مَقُولًا: یہ موصوف ہے کذب اس کی صفت ہے

قولہ: بَعْدَهُمْ: انثار سے مراد نشانہ قدم نہیں آپ کے ہاں سے جانے کے بعد نہ کہ موت کے بعد۔

قولہ: نَضَبُهُ عَلَى الْمَفْعُولِ: اسفایہ مفعول لہ ہے لہٰذا نہیں۔

قولہ: نَاطِرِينَ: تاکہ اس کو دیکھ کر اس کی قدرت و علم کا پتہ چلے۔

قولہ: فُتَاتًا: ریزہ ریزہ ملائم مٹی۔ الجزء کا ثنا۔

قولہ: أَظْلَمَتْ: اس سے اشارہ کہ یہ حَسْبَتْ، حساب کے معنی میں نہیں ظن کے معنی میں ہے۔

قولہ: جُمْلَةً: اس سے اشارہ ہے کہ من تبعیضہ ہے، بیان نہیں۔

قولہ: رَحْمَةً: اس سے وہ رحمت مراد ہے جو مغفرت و رزق اور اعداء سے حفاظت پر مشتمل ہو۔

قولہ: أَمْرًا: اس سے مفارقت و ظن مراد ہے۔

- قوله: عَلَيَّ أَذَانَهُمْ: اس میں مفعول کو حذف کیا یعنی ہم نے ان کے کانوں پر پردہ ڈال دیا۔
 قوله: أَنَسْنَاهُمْ: اس سے اشارہ کر رہے ہیں کہ ان کو ایسی نیند سلا دیا کہ آوازیں ان کو جگانہ سکیں۔
 قوله: أَبْقَضْنَاهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ بعث یہاں زندہ کرنے کے معنی میں نہیں بلکہ بیدار کرنے کے معنی میں ہے۔
 قوله: عَلِمَ مُشَاهَدَةً: اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز سے متعلق ذاتی ہے۔ یہاں علم کے ساتھ مشاہدہ کی قید لگائی۔
 قوله: أَحْطَى: یہ فعل ماضی ہے اسم تفضیل نہیں۔
 قوله: لِلْبَهْمِ: اس سے اشارہ ہے کہ ما مصدر یہ ہے اور ادا سے حال ہے یہ اوصی سے متعلق نہیں۔
 قوله: أَمَدًا: یہ اوصی کا مفعول ہے۔

تفسیر مقبولین

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۗ

سورہ کہف کو اللہ تعالیٰ نے حمد سے شروع فرمایا ہے جیسا کہ سورۃ فاتحہ اور سورۃ انعام اور سورۃ سبأ اور سورۃ فاطر بھی اسی سے شروع فرمائی ہیں۔ چونکہ یہود نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی تکذیب کرنے کے لیے مشرکین کو یہ سوال سمجھایا تھا کہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ معلوم کر دو اور رسالت کی تکذیب قرآن مجید کی تکذیب کو مستلزم ہے اس لیے سورۃ کی ابتداء میں یوں فرمایا: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۗ کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندہ پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی نہ اس کے لفظوں میں کوئی خلل ہے اور نہ فصاحت و بلاغت میں کمی اور نہ معنی میں تناقض ہے۔ کجی کی نفی فرما کر قَبِيْنًا فرمایا چونکہ یہ لَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا کا مفعول نہیں ہے اس لیے عِوَجًا پر سکتہ یا وقف ہونا چاہیے تاکہ قَبِيْنًا نفی کے تحت داخل نہ ہو جائے۔ صاحب روایت حضرت حفصؓ سے جن چار مواقع میں سکتہ مروی ہے ان میں سے ایک جگہ یہ بھی ہے حضرات قراء کرام نے نقل کیا ہے کہ حضرت حفصؓ تشریف لے جا رہے تھے کسی اعرابی سے سنا کہ اس نے عِوَجًا کے بجائے قَبِيْنًا پر وقف کر دیا۔ حضرت موصوف نے فرمایا: کیف یکون العوج قیبا کہ ٹیڑھی چیز کیسے سیدھی ہوگی؟ اس کے بعد انہوں نے عِوَجًا پر سکتہ کرنے کی تلقین فرمائی۔ قال الامام الجزری فی النشر باب السکت علی الساکن قبل الهمز وغیرہ ووجه السکت فی عوجا قصد بیان ان قیبا بعدہ لیس متصلا بما قبلہ فی الاعراب فیکون منصوبا بفعل مضمر تقدیرہ انزلہ قیبا فیکون حالا من الہاء فی انزلہ۔

قَبِيْنًا، مُسْتَقِيْمًا کے معنی میں ہے جس کا معنی بالکل ٹھیک صحیح ہے، بعض حضرات نے تو اس کا وہی ترجمہ کر دیا جو پہلے جملہ کا تھا یعنی لا خلل فی لفظہ ولانی معنایہ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے احکام میں افراط اور تفریط نہیں ہے صاحب روح المعانی نے دو قول اور لکھے ہیں فراء کا قول ہے کہ قَبِيْنًا سے یہ مراد ہے کہ اس نے اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتب سہادیہ کی تصدیق کی ہے اور ان کی صحت کی گواہی دی ہے اور ابو مسلم سے نقل کیا ہے کہ قیم کا معنی یہ ہے کہ وہ بندوں

کے مصالِح کا کفیل ہے اور وہ سب باتیں بتاتا ہے جن سے بندوں کی معاش و معاد دونوں درست ہو جائیں۔

سورہ کہف کی خصوصیات اور فضائل:

مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، مسند احمد میں حضرت ابوالدرداءؓ سے ایک روایت ہے کہ جس شخص نے سورۃ کہف کی پہلی دس آیتیں حفظ کر لیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا، اور کتب مذکورہ میں حضرت ابوالدرداءؓ ہی سے ایک دوسری روایت میں یہی مضمون سورۃ کہف کی آخری دس آیتیں یاد کرنے کے متعلق منقول ہے اور مسند احمد میں بروایت حضرت سہل بن معاذؓ یہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سورۃ کہف کی پہلی اور آخری آیتیں پڑھ لے تو اس کے لیے اس کے قدم سے سر تک ایک نور ہو جاتا ہے اور جو پوری سورت پڑھ لے جو اس کے لیے زمین سے آسمان تک نور ہو جاتا ہے۔

اور حافظ ضیاء مقدسی نے اپنی کتاب مختارہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھ لے وہ آٹھ روز تک ہر فتنے سے معصوم رہے گا، اور اگر دجال نکل آئے تو یہ اس کے فتنے سے بھی معصوم رہے گا۔ (یہ سب روایات تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں)۔

روح المعانی میں دیلمی سے بروایت حضرت انسؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ کہف پوری کی پوری ایک وقت میں نازل ہوئی، اور ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ آئے، جس سے اس کی عظمت شان ظاہر ہوتی ہے۔

پہلا باب: امام ابن جریر طبری نے بروایت حضرت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ (مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا چرچا ہوا اور قریش مکہ اس سے پریشان ہوئے تو) انہوں نے اپنے دو آدمی نصر بن حارث اور عقبہ ابن ابی معیط کو مدینہ طیبہ کے علماء یہود کے پاس بھیجا کہ وہ لوگ کتب سابقہ تورات و انجیل کے عالم ہیں وہ آپ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ علماء یہود نے ان کو بتلایا کہ تم لوگ ان سے تین سوالات کرو، اگر انہوں نے ان کا جواب صحیح دے دیا تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، اور یہ نہ کر سکتے تو یہ سمجھ لو کہ یہ بات بنانے والے ہیں رسول نہیں۔ ایک تو ان سے ان نوجوانوں کا حال دریافت کرو جو قدیم زمانے میں اپنے شہر سے نکل گئے تھے ان کا کیا واقعہ ہے، کیونکہ یہ واقعہ عجیب ہے، دوسرے ان سے اس شخص کا حال پوچھو جس نے دنیا کی مشرق و مغرب اور تمام زمین کا سفر کیا اس کا کیا واقعہ ہے، تیسرے ان سے روح کے متعلق سوال کرو کہ وہ کیا چیز ہے؟

یہ دونوں قریشی مکہ مکرمہ واپس آئے اور اپنی برادری کے لوگوں سے کہا کہ ہم ایک فیصلہ کن صورت حال سے کر آئے ہیں، علماء یہود کا پورا قصہ سنا دیا، پھر یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ سوالات لے کر حاضر ہوئے، آپ نے سن کر فرمایا کہ میں اس کا جواب کل دوں گا، مگر آپ اس وقت ان شاء اللہ کہنا بھوں گے یہ لوگ لوٹ گئے، اور رسول اللہ ﷺ وحی الہی کے انتظار میں رہے کہ ان سوالات کا جواب وحی سے بتلا دیا جائے گا، مگر وعدے کے مطابق اگلے دن تک کوئی وحی نہ آئی، بلکہ پندرہ دن اسی حال پر گذر گئے کہ نہ جبرائیل امین آئے نہ کوئی وحی نازل ہوئی، قریش مکہ نے مذاق اڑانا شروع کیا، اور رسول اللہ ﷺ کو اس سے سخت رنج و غم پہنچا۔

پندرہ دن کے بعد جبرائیل امین سورۃ کہف لے کر نازل ہوئے (جس میں تاخیر وحی کا سبب بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے کا وعدہ کیا جائے تو ان شاء اللہ کہنا چاہیے، اس واقعہ میں چونکہ ایسا نہ ہوا اس پر تنبیہ کرنے

کے لیے وحی میں تاخیر ہوئی، اس سورۃ میں اس معاملہ کے متعلق یہ آیتیں آگے آئیں گی (وَلَا تُقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكُمْ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ) اور اس سورۃ میں نوجوانوں کا واقعہ بھی پورا بتلایا گیا، جن کو اصحاب کہف کہا جاتا ہے، اور مشرق و مغرب کے سفر کرنے والے ذوالقرنین کے واقعہ کا بھی مفصل بیان آگیا، اور روح کے سوال کا جواب بھی، (قرطبی و مظہری بحوالہ ابن جریر) (مگر روح کے سوال کا جواب اجمال کے ساتھ دینا مقتضائے حکمت تھا، اس کو سورۃ بنی اسرائیل کے آخر میں علیحدہ کر کے بیان کر دیا گیا، اور اسی سبب سے سورۃ کہف کو سورۃ بنی اسرائیل کے بعد رکھا گیا ہے، کذا ذکرہ السیوطی)

قرآن کریم ہر کجی و کجی سے پاک ہے:

وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهُ عِوَجًا ۗ قَيِّمًا ۗ لَفْظِ عِوَجٍ کے معنی کسی قسم کی کجی اور ایک طرف جھکاؤ کے ہیں قرآن کریم اپنے لفظی اور معنوی کلام میں اس سے پاک ہے، نہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے کسی جگہ ذرہ برابر کجی یا کجی ہو سکتی ہے نہ علم و حکمت کے لحاظ سے، جو مفہوم لفظ: وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهُ عِوَجًا ۗ سے ایک منفی صورت میں بتلایا گیا ہے، پھر تاکید کے لیے اسی مضمون کو مثبت طور پر لفظ قیما سے واضح کر دیا ہے، کیونکہ قَيِّمًا کے معنی ہیں مستقیم اور مستقیم رہی ہے جس میں کوئی ادنیٰ کجی اور میلان کسی جانب نہ ہو، اور یہاں قیما کے ایک دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہیں، یعنی نگران اور محافظ، اس معنی کے لحاظ سے اس لفظ کا مفہوم یہ ہوگا کہ قرآن کریم جیسا اپنی ذات میں کامل مکمل ہر قسم کی کجی اور انحراف و تضییع سے پاک ہے، اسی طرح یہ دونوں کو بھی استقامت پر رکھنے والا اور بندوں کی تمام مصالح کی حفاظت کرنے والا ہے، اب خلاصہ ان دونوں کا یہ ہو جائے گا کہ قرآن کریم خود بھی کامل و مکمل ہے اور مخلوق خدا کو بھی کامل و مکمل بنانے والا ہے۔ (مظہری)

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسًا عَلَىٰ أُمَّةٍ ۗ حَرِيمٌ

مشرکین کی گمراہی پر افسوس نہ کرو:

مشرکین جو آپ سے دور بھاگتے تھے، ایمان نہ لاتے تھے اس پر جو رنج و افسوس آپ کو ہوتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ آپ کی تسلی کر رہا ہے جیسے اور آیت میں ہے کہ ان پر اتنا رنج نہ کرو، اور جگہ ہے ان پر اتنے غمگین نہ ہو، اور جگہ ہے ان کے ایمان نہ لانے سے اپنے آپ کو ہلاک نہ کر، یہاں بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ اس قرآن پر ایمان نہ رکھیں تو تو اپنی جان کو روگ نہ لگالے اس قدر غم و غصہ رنج و افسوس نہ کرنے گھبرانہ دل تنگ ہوا اپنا کام کئے جا۔ تبلیغ میں کوتاہی نہ کر۔ راہ یافتہ اپنا بھلا کریں گے۔ گمراہ اپنا برا کریں گے۔ ہر ایک کا عمل اس کے ساتھ ہے۔ پھر فرماتا ہے دنیا فانی ہے اس کی زینت زوال والی ہے آخرت باقی ہے اس کی نعمت دوامی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دنیا میٹھی اور سبز رنگ ہے اللہ تعالیٰ اس میں تمہیں خلیفہ بنا کر دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟ پس دنیا سے اور عورتوں سے بچو، بنو اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں کا ہی تھا۔ یہ دنیا ختم ہونے والی اور خراب ہونے والی ہے اجڑنے والی اور غارت ہونے والی ہے زمین ہموار صاف رہ جائے گی جس پر کسی قسم کی روئیدگی بھی نہ ہوگی۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ کیا لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم غیر آباد بنجر زمین کی طرف پانی کو لے جاتے ہیں اور اس میں سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جسے وہ خود کھاتے ہیں اور ان کے چوپائے بھی۔ کیا پھر بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں زمین اور زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے اور اپنے مالک حقیقی کے سامنے پیش ہونے والے ہیں پس تو کچھ بھی ان سے متانت نہیں

کیسے ہی حال میں دیکھے مطلق افسوس اور رنج نہ کر۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ

اصحاب کہف اور اصحاب رقیم کون تھے:

یہاں سے اصحاب کہف کا قصہ شروع ہو رہا ہے کہف غار کو کہتے ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، چند نوجوان اپنے زمانہ کے بادشاہ اور دیگر کافرین سے اپنی جان اور دین و ایمان بچانے کے لیے ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے تھے اس لیے انہیں اصحاب کہف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان کا واقعہ ان شاء اللہ آئندہ آنے والے دور کوغ میں بیان کیا جائے گا لیکن چونکہ مذکورہ آیت میں (أَصْحَابُ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ) فرمایا ہے اس لیے رقیم کا معنی بھی جاننا چاہیے اس کے بارے میں بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ اصحاب کہف کے کتے کا نام ہے یہ حضرت انس صحابیؓ اور حضرت شعبی تابعیؓ سے منقول ہے اور حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ یہ ایک تختی تھی جو پتھروں سے تراشی ہوئی تھی اس میں اصحاب کہف کا قصہ لکھا ہوا تھا جو غار کے دروازہ پر رکھی ہوئی تھی اور حضرت ابن عباسؓ کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایلم اور فلسطین کے درمیان وادی کا نام ہے اور اسی وادی میں وہ غار تھا جس میں اصحاب کہف نے پناہ لی تھی، حضرت ابن عباس سے یہ مروی ہے کہ جب ان سے رقیم کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں پھر فرمایا کہ میں نے کتب سے پوچھا (جو یہودیوں کے عالم تھے انہوں نے حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں اسلام قبول کیا) کیا رقیم اس بستی کا نام ہے جس میں سے یہ حضرات نکلے تھے۔ صاحب روح المعانی (ص ۹، ۱۰ ج ۱۰) فرماتے ہیں کہ ان سب اقوال کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوا کہ اصحاب الکہف والرقیم کا مصداق ایک ہی جماعت ہے پھر ایک قول نقل کیا ہے کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم الگ الگ دو جماعتیں تھیں لیکن اس قول کی انہوں نے تائید نہیں کی اور اصحاب رقیم کے بارے میں احادیث صحیحہ ملتی بھی نہیں ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اصحاب کہف کا زمانہ:

اصحاب کہف کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (صفحہ ۱۱۴ ج ۲) میں لکھا ہے کہ یہ لوگ دقیا نوس بادشاہ کے زمانہ میں تھے اور بادشاہوں کی اوراد سے تھے ایک دن ایسا ہوا کہ عید کے موقع پر اپنی قوم کے ساتھ جمع ہونے کا اتفاق ہو گیا انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم بتوں کو سجدہ کر رہی ہے اور بتوں کی تعظیم میں مشغول ہے ان کا یہ حال دیکھ کر ان سے نفرت ہو گئی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کے پردے اٹھادیئے اور ان کے دلوں میں ہدایت ڈال دی۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ صحیح دین پر نہیں ہیں لہذا انہیں چھوڑ کر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو اپنا دین بنا لیا چونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم ان لوگوں میں رہیں گے تو یہ ہمیں دین توحید پر نہیں رہنے دیں گے اس لیے انہوں نے غار میں پناہ لے لی، ان کے ساتھ ایک کتا بھی تھا وہ ان کے دروازہ پر بیٹھا رہتا تھا۔

اللہ جل شانہ نے پہلے تو رسول اللہ ﷺ کا تعجب دور فرمایا اور فرمایا کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے کہ کہف، و رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب چیز تھے یہ کوئی عجیب چیز نہیں ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر دوسری عجائبات اور آیات موجود ہیں مثلاً آسمان وزمین کو پیدا فرمانا وغیرہ ذلک یہ چیزیں بالکل معدوم تھیں ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اصحاب کہف کے قصہ میں اتنی

بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مدت دراز تک سلا دیا ان کے جسم نہیں گلے۔ مخالفین ان کے واقعہ کو تو تعجب کی چیز سمجھتے ہیں اور اسی لیے آپ سے سوال کر رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر جو تعجب کی چیزیں ہیں ان میں غور نہیں کرتے اللہ تعالیٰ شانہ نے افرحیبت فرما کر آپ کو خوب فرمایا اور اسی کے ذیل میں دوسروں سے بھی خطاب ہو گیا اور ان کو بھی بتا دیا کہ یہ قصہ جو عجیب ہے لیکن اس سے بڑھ کر جو عجیب چیزیں ہیں ان کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی عجیب نہیں ہے۔

اصحاب کہف کا غار میں داخل ہونا:

اس کے بعد اصحاب کہف کے واقعہ کا بیان شروع فرمایا ارشاد فرمایا کہ اس وقت کو یاد کرو جبکہ نوجوانوں کی جماعت نے کہف میں ٹھکانہ پکڑا اور ٹھکانہ پکڑتے ہوئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں دعا کی رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً (اے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما) وَ هَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا (اور ہمارے لیے ہمارے کام میں اچھی صورت حال مہیا کر دیجیے) سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہوتا ہے اور وہ جس پر فضل فرمانا چاہے ہر جگہ فضل فرما سکتا ہے کوئی شخص جہاں بھی ہو، جس حال میں ہو، تنہا ہو، باجماعت ہو، آبادی میں ہو یا جنگل میں، پہاڑ میں ہو یا غار میں، اللہ تعالیٰ اسے دشمنوں سے بھی محفوظ رکھ سکتا ہے اس کے دین و ایمان کو بھی سالم رکھ سکتا ہے اور اس کے تمام حالات کو بھی درست فرما سکتا ہے، چونکہ اصحاب کہف اپنی قوم کو کفر و شرک میں مبتلا دیکھ کر فرار ہوئے تھے اور اس علاقہ میں غلبہ کافروں ہی کا تھا اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رحمت کی اور خیر و خوبی کی اور اچھی صورت حال کی دعا کی، اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کی دعا قبول فرمائی کافروں سے محفوظ فرمادیا اور اسی غار میں انہیں سلا دیا جس میں انہوں نے پناہ لی تھی اور وہ اس میں اتنی مدت دراز تک سوئے اور سو کر اٹھنے کے بعد آپس میں یوں سوال کرنے لگے کہ بھی اس غار میں آپ لوگ کتنے دن ٹھہرے ہیں؟ اسی کو فرمایا: ثُمَّ بَعَثْنَاَهُمْ لِنَعْلَمَ أَئِنَّ الْجَزْبِيْنَ أَحْضَىٰ لِمَا كَيْبُوتُوا أَمَدًا (پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم جان لیں کہ دونوں گروہ میں سے کونسا گروہ ان کے ٹھہرنے کی مدت کو ٹھیک طرح شمار کرنے والا ہے۔)

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلے گروہ سے انہیں میں سے وہ جماعت مراد ہے جنہوں نے سوال کیا کہ کتنے دن رہے اور دوسرے گروہ سے ان کی وہ جماعت مراد ہے جنہوں نے جواب میں یوں کہا: (وَبِكُمْ أَغْلَمَ مِمَّا تَبْتُغُونَ) (تمہارا رتبہ ہی زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنے دن ٹھہرے۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک گروہ سے اصحاب کہف اور دوسرے گروہ سے بادشاہ مراد ہیں جو اس طویل مدت میں (جس میں یہ حضرات سوتے رہے) یکے بعد دیگرے بادشاہ بنے۔ (ذکرہ صاحب الروح صفحہ ۲۱۲ ج ۱۵)

اللہ جل شانہ نے اصحاب کہف پر جو نیند مسلط فرمادی تھی اسے فَضْرَبْنَا عَلَىٰ أَذَانِهِمْ سے تعبیر فرمایا، انسان سوتا تو ہے آنکھوں سے لیکن گہری نیند وہ ہوتی ہے جبکہ سونے والا آواز سن کر بھی بیدار نہ ہو سکے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: والمراد انمنہم انامة ثقيلة لا تبہم فیہا الاصوات بان يجعل الضراب علی الاذان کنایة عن الانامة الثقيلة۔

نَحْنُ نَقُصُّ نَقْرًا عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ لِأَنَّهُمْ كَانُوا بِرَبِّهِمْ وَرُدُّهُمْ هُدًى وَ رَبَّنَا عَلٰی

قَالُوا رَبُّنَا عَلَى قَوْلِ الْحَقِّ إِذَا قَامُوا بَيْنَ يَدَيْ مَلِكِهِمْ وَتَدَا مَرَّهُمْ بِالسُّجُودِ لِلْأَضْنَامِ فَقَالُوا رَبُّنَا
 رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُو مِنْ دُونِهِ غَيْرِهِ إِيَّاهَا لَقَدْ قُلْنَا إِذَا شَطَطْنَا ۝ أَيْ قَوْلًا ذَا شَطَطٍ أَيْ إِفْرَاطٍ فِي
 الْكُفْرِ إِنْ دَعَوْنَا إِيَّاهَا غَيْرَ اللَّهِ تَعَالَى فَرَضًا هُوَ لِأَنَّ مُبْتَدَأُ قَوْمِنَا عَطْفٌ بَيَانِ التَّخَذُّ وَامِنْ دُونِهِ الْهَاءُ كَقَوْلِهِمْ
 هَلَّا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ عَلَى عِبَادَتِهِمْ بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ بِحُجَّةٍ ظَاهِرَةٍ فَمَنْ أَظْلَمُ أَيْ لَا أَحَدًا ظَلَمَ مِمَّنْ افْتَرَى
 عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۝ بِسَبَبِ الشَّرِيكِ إِلَيْهِ تَعَالَى قَالَ بَعْضُ الْفِتْيَانِ لِنَبْعِضِ وَإِذْ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ
 فَأَوَّا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَهْتَبِ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِمَّا فَرَقْنَا ۝ بِكُسْرِ الْمِيمِ وَفَتْحِ الْغَايَةِ
 وَبِالْعَكْسِ مَا تَرَفَقُونَ بِهِ مِنْ غَدَائِهِ وَعَشَائِهِ وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَوَّارًا بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ تَمِيلُ عَنْ
 كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ نَاجِيَتِهِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقَرَّبُ مِنْهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ تَتَرَكَّهُمْ وَتَتَجَاوَزُ عَنْهُمْ فَلَا تُصِيبُهُمْ
 الْبَسَةُ وَهُمْ فِي فُجُوعٍ مِمَّنْهُ مُتَّبِعٍ مِنَ الْكَهْفِ بِنَالِهِمْ بَرْدُ الرِّيحِ وَنَسِيْمُهُمَا ذَلِكَ الْمَذْكُورُ مِنَ آيَةِ اللَّهِ
 ذَلِيلٌ قُدْرَتِهِ مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلِلْ فَلَنْ يَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْسِدًا ۝

ترجمہ: اور ہم سنا دیں آپ کو ان کا تحقیقی (صحیح) حال وہ چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے ہم نے ان کی ہدایت میں اور اضافہ کر دیا تھا اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے (حق بات پر ان کو ثابت قدم کر دیا تھا) جب کہ وہ کھڑے ہو گئے (اپنے بادشاہ کے سامنے جب بادشاہ نے ان کو بت پرستی پر مجبور کرنا چاہا) اور کہنے لگے ہمارے پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے اس کے سوا (اس کو چھوڑ کر) کسی اور معبود کو پکارنے والے نہیں ہیں اگر ایسا کریں گے تو بڑی ہی بے جا بات ہوگی (بیکار بات یعنی کفر میں حد سے بڑھی ہوئی ہوگی اگر بالفرض ہم اللہ کے علاوہ اور کسی کی بندگی کرنے لگیں) یہ (مبتدا ہے) ہماری قوم کے لوگ ہیں (عطف بیان ہے) جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکڑے بیٹھے ہیں وہ اگر معبود ہیں تو یہ لوگ اس کے لیے (ان کی بندگی پر) کوئی روشن دلیل (کھلی حجت) کیوں نہیں پیش کرتے؟ پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے (یعنی کوئی نہیں) جو اللہ پر جھوٹ کہہ کر بہتان باندھے (اللہ کی طرف شریک کی نسبت کر کے، پھر بعض نوجوان ایک دوسرے سے کہنے لگے) جب تم لوگوں نے ان سے، اور جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پوجتے ہیں ان سے کنارہ کشی کر لی ہے تو چاہئے کہ غار میں چل کر پناہ لیں تم پر تمہارا پروردگار مریم کے کسرہ اور ف کے فتح کے ساتھ اور اسکے برعکس بھی آیا ہے، یعنی صبح یا شام جو کچھ تم کھاؤ گے وہ میا کر دے گا) اور جب دھوپ نکلتی ہے تو تم دیکھو گے کہ وہ اٹھی رہتی ہے (تزاور تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی بچی رہتی ہے) اس غار سے داہنی جانب (سمت) اور جب سورج ڈوبے تو بائیں جانب ہٹی رہتی ہے ان سے بچ کر اور کئی کاٹ کر غرضیکہ ان پر کسی وقت بھی دھوپ نہیں پڑتی) اور وہ لوگ اس غار کی ایک کشادہ جگہ میں پڑے ہیں (جو غار میں وسیع اور فراخ حصہ ہے جس میں انہیں تازہ اور ٹھنڈی ہوا لگتی رہتی ہے) یہ (باتیں) اللہ

کی نشانیوں میں سے ہیں (دلائل قدرت ہیں) جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ بے راہ کر دے تو تم کسی کو اس کے لیے کار ساز راہ بتانے والا نہیں پاؤ گے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: قَوْلًا: اس سے اشارہ ہے کہ شَطَطًا یہ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ منصوب ہے اور ذَا کو اس لیے متدرمانا تاکہ ما قبل سے جوڑ پیدا ہو۔ ذَا شَطَطًا دوری والا۔

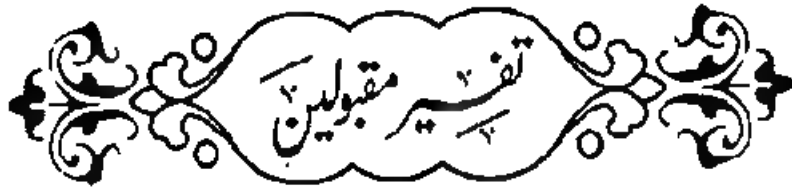
قوله: عَطْفٌ بَيَانٌ: یعنی قَوْمًا یہ عطف بیان ہے خبر نہیں بلکہ اِتَّخَذُوا خَيْرَ هَلَاةٍ مَبْتَدَأَ کی۔

قوله: كَوْلًا: یہاں كَوْلًا یہ تخصیص کے لیے هَلَاةٍ کے معنی میں آیا ہے۔

قوله: لِيَنْعُضَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ بات انہوں نے آپس میں کی نہ کہ کفار کے ساتھ۔

قوله: مِمَّا تَرَفَقُونَ: اس سے اشارہ کیا کہ مِمَّا تَرَفَقُونَ مصدر یہ مفعول کے معنی میں آیا ہے۔

قوله: نَاحِيَتِهِ: اس سے ذات مؤنث کے لانے کی وجہ کی طرف اشارہ ہے کہ مضاف مؤنث ہے۔ غار کی دائیں بائیں طرف مراد ہے۔



نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ

احصاب کہف کا تفصیلی واقعہ:

جیسا کہ ما قبل میں ہم نے ذکر کیا کہ یہ چند نوجوان اپنی بت پرست قوم سے بھاگ نکلے تھے ان کا مقصود اپنا ایمان بچانا تھا اور جان بچانا بھی پیش نظر تھا کیونکہ وہاں جہاں بادشاہ تھا وہ اہل ایمان کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اور جو شخص انکار کر دے اسے قتل کر دیتا تھا۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ نوجوان روم کے بادشاہ اور سرداروں کی اولاد میں سے تھے اس زمانہ کا بادشاہ جس کا نام دقینوس تھا ظالم آدمی تھا اور وہ لوگوں کو بت پرستی کی دعوت دیتا تھا جب یہ نوجوان تہوار کے موقع پر اپنے اپنے خاندان کے ساتھ نکلے تو بت پرستی کا ماحول اور ماجرا دیکھ کر ان کے قلوب میں بہت زیادہ ناگواری کی شان پیدا ہو گئی اور وہاں سے بھاگ نکلے ہر شخص علیحدہ علیحدہ فرار ہوا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ سب ایک جگہ اکٹھے ہو گئے پہلے ایک شخص ایک درخت کے سایہ میں آکر بیٹھا اور پھر دوسرا اور تیسرا آیا اور آتے چلے گئے قلوب کی وحدت ایمانیہ نے یہ مصداق الجنس یمل الی الجنس سب کو ایک جگہ جمع کر دیا۔

احصاب کہف کا ایک جگہ جمع ہونا اور آپس میں متعارف ہو کر باہم گفتگو کرنا:

جمع تو ہو گئے لیکن ایک دوسرے سے ڈر بھی رہے تھے کیونکہ ہر ایک کو ایک دوسرے کے عقیدہ کا پتہ نہ تھا ایسے ہی بیٹھے بٹھائے ان میں سے ایک نے کہا کہ ہر شخص یہ بتائے کہ وہ اپنی قوم سے کیوں جدا ہوا، اور تمہارا کیلا ہو جانا اس نے کیوں گوارا کیا، اس پر ایک شخص بولا کہ میں تو اس لیے قوم سے جدا ہوا ہوں کہ میرے نزدیک میری قوم باطل پر ہے جو غیر اللہ کو سجدہ کر رہی ہے۔ عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمانوں کو زمین کو اور جو کچھ ان کے اندر ہے سب کچھ پیدا کیا، یکے بعد دیگرے دوسرے افراد نے بھی یہی جواب دیا اس پر وہ آپس میں سچے ایمانی بھائی اور ایک دوسرے کے ہمدرد بن گئے اور انہوں نے مل کر ایک عبادت خانہ تجویز کر لیا جس میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے جب ان کی قوم کو صورت حال کا علم ہوا تو بادشاہ کو بات پہنچادی بادشاہ نے ان کو بلوایا اور ان سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا حال ہے اور کیا دین ہے اللہ جل شانہ نے ان کے دل مضبوط کر دیئے اور انہوں نے بغیر کسی خوف و خطر کے نڈر ہو کر اپنا عقیدہ تو حید بیان کر دیا، اور بادشاہ کو بھی تو حید کی دعوت دی، بادشاہ نے ان کی دعوت تو حید قبول کرنے سے انکار کر دیا اور انہیں ڈرایا دھمکایا اور ان کا لباس اترا دیا۔ جو وہ عمدہ لباس پہنے ہوئے تھے اور انہیں مہلت دیدی کہ تم غور کرو اور اپنی قوم کے دین میں واپس آ جاؤ۔

بادشاہ کو اور پوری قوم کو چھوڑ کر راہ فسق و فساد اختیار کرنا:

یہ مہلت ملنا ان کے لیے مبارک ہوا، اس سے انہوں نے فائدہ اٹھایا اور موقع پا کر فرار ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان کا دل بھی مضبوط کر دیا تھا انہوں نے بادشاہ کو تو حید کی دعوت دی اور تو حید کی دلیل بھی بتادی کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمان اور زمین کا رب ہے، اس میں یہ بتا دیا کہ خالق کائنات جل مجدہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا عقلمندی کے خلاف ہے اور ساتھ ہی کُنْ ذٰلِکُمْ مِّنْ دُوْنِیْہِ الْہٰٓءِ اَیْہِمْ ہرگز کبھی اپنے رب کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔ اور مزید یوں کہا: لَقَدْ قُلْنَا اِذَا شَطَطْنَا ﴿۱۰﴾ (اگر بالفرض ہم اپنے رب کے سوا کسی کو معبود بنا سکیں تو یہ تو بڑے ظلم اور زیادتی کی بات ہوگی) آپس میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ جو ہماری قوم کے لوگ ہیں انہوں نے خالق اور مالک جل مجدہ کے علاوہ دوسرے معبود بنا لیے ہیں ان کے پاس اس کی حجت پر کوئی دلیل نہیں ہے اگر بے تو کوئی واضح دلیل بیان کر دیں۔ جب کوئی دلیل نہیں ہے تو ان کا عقیدہ اور عس اور قول ظلم ہی ظلم ہے چونکہ مشرکین یوں بھی کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے عس سے راضی ہے اس لیے ان نوجوانوں نے یہ بھی کہا: فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرٰی عَلٰی اللّٰہِ کَذِبًا ﴿۱۱﴾ (کہ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔)

باہمی مشورہ کر کے عس میں داخل ہو جانا:

اصحاب کہف جب اپنی قوم سے جدا ہوئے اور ان لوگوں کو چھوڑ کر بالکل عیسجدہ ہو گئے تو آپس میں کہنے لگے کہ تم نے اپنی قوم کو چھوڑنا ان کے باطل معبودوں سے گریز کیا اور یہ معلوم ہے کہ دوبارہ انہیں میں واپس ہونے اور اپنے گھروں کو لوٹنے میں خیر نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ پھر اپنا دین اختیار کرنے پر مجبور کریں گے لہذا اب ہمیں کسی غار میں ٹھکانہ پکڑ لینا چاہیے، آپس میں مشورہ سے یہ بات طے تو ہوئی لیکن انسانی ضروریات کا سوال بھی پیش نظر تھا کہ غار میں رہیں گے تو کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا کیا بنے گا؟ اس سوال کو حل کرنے کے لیے آپس میں یوں کہنے لگے کہ ہم کو اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید رکھنی چاہیے

ان شاء اللہ تعالیٰ ہم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا اور وہ ہم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور جس مقصد خیر یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف پوری طرح متوجہ ہونے کے لیے نکلے ہیں اس کے لیے آسانیاں پیدا فرما دے گا، باہمی مشورہ سے غار میں جانا طے ہوا اور اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید باندھ لی اور غار میں داخل ہو گئے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَوَارِدُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْبَيْتِ

غار کی کیفیت، سورج کا کسترا کر جانا کتے کا ہاتھ بچھا کر بیٹھا رہنا:

ان آیات میں اصحاب کہف کی حالت کا بیان فرمایا ہے جو غار میں داخل ہونے کے بعد پیش آئی، یہ لوگ غار کے اندر ایک کشادہ جگہ میں پہنچ کر لیٹ گئے، اس غار کی جائے وقوع اس طرح سے تھی کہ روزانہ سورج مشرق سے نکلتا اور مغرب میں چھپ جاتا تھا لیکن اس کی دھوپ ان پر نہیں پڑتی تھی جب سورج نکل کر چڑھتا تھا اور دھوپ پھیلتی تھی تو غار کی داہنی جانب سے اس طرح ہٹی ہوئی رہ جاتی تھی کہ اس کے دروازہ تک نہ پہنچتی تھی اور جب سورج چھپنے لگتا تھا تو اس وقت جو تھوڑی بہت دھوپ ہوتی ہے وہ غار کی بائیں جانب رہ جاتی تھی یعنی اس وقت بھی دروازہ پر دھوپ نہ پڑتی تھی۔ اصحاب کہف کے اندر رہنے کی کیفیت بتا کر ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا اپنی قوم سے جدا ہونے میں انہوں نے ہمت اور جرأت سے کام لیا پھر اللہ کے توکل پر غار میں داخل ہو گئے اور اللہ سے رحمت کی امید باندھ لی اور اللہ کی طرف سے آسانی حاصل ہونے کی آرزو کرتے ہوئے غار میں چلے گئے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اس نے دل بھی پکا کیا ہمت بھی دی مخلوق سے کٹنے کا حوصلہ بھی دیا انہوں نے اسباب ظاہرہ پر نظر نہ کی، اپنے مولائے حقیقی پر توکل کر کے غار میں داخل ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں غار بھی وہ نصیب فرمایا جس میں دھوپ کا گزر ہی نہ تھا اگر دھوپ پڑتی تو اس سے تکلیف پہنچنے اور گرمی سے پریشان ہونے کا اندیشہ تھا۔

مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ (اللہ جسے ہدایت دے وہی ہدایت پانے والا ہے) وَ مَنْ يُضِلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًا مُرِيْدًا (اور اللہ جسے گمراہ کر دے، تو اسے مخاطب تو اس کے لیے کوئی مددگار ہدایت دینے والا نہ پائے گا) اس میں ایک طرف تو اصحاب کہف کی ہدایت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مشرک قوم میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی اور دوسری طرف یہود، عیسائی اور مشرکین کے بے راہی کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اصحاب کہف کے بارے میں معلوم کیا اور جب آپ نے انہیں بتا دیا پھر بھی ایمان نہ لائے،

وَتَحْسَبُهُمْ لُزُومًا عَلَيْهِمْ أَيُّ مَنْتَبِهِينَ لِأَنَّ أَعْيُنَهُمْ مَفْتَحَةٌ جَمْعٌ يَقْضِي بِكَثْرَةِ الْقَافِ وَ هُمْ رُقُودٌ نِيَامٌ جَمْعٌ رَاقِدٌ وَ نَقَلَهُمْ ذَاتَ الْبَيْتِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ لِأَنَّ تَا كُلَّ الْأَرْضِ لِحَوْمَتِهِمْ وَ كَلْبُهُمْ بِأَيْسَطِ ذِرَاعَيْهِ يَدِيهِ بِالْوَيْدِ بِنِيَاءِ الْكُهْفِ وَ كَانُوا إِذَا انْقَلَبُوا انْقَلَبَ وَ هُوَ مِثْلُهُمْ فِي النَّوْمِ وَ الْبَيْظَةَ لَوْ اطَّلَعَتْ عَلَيْهِمْ لَوَلِيَتْ مِنْهُمْ فِرَادًا وَ لَبَلَّتْ بِالتَّخْفِيفِ وَ التَّشْدِيدِ مِنْهُمْ رُعْمًا ۝ بِسُكُونِ الْعَيْنِ وَ ضَمِّهَا مَنَعَهُمُ اللَّهُ بِالنَّوْمِ مِنْ دُخُولِ أَحَدٍ عَلَيْهِمْ وَ كَذَلِكَ كَمَا فَعَلْنَا بِهِمْ مَا ذَكَرْنَا بَعَثْنَاهُمْ أَفْقَطْنَا هُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ

عَنْ خَالِهِمْ وَرَمَدَةً لُبْنِهِمْ قَالَ قَابِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَيْسْتُمْ قَالُوا لَيْسْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ لِأَنَّهُمْ دَخَلُوا الْكُهْفَ
 عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَبَعَثُوا عِنْدَ غُرُوبِهَا فَظَنُّوا أَنَّهُ غُرُوبُ يَوْمِ الدُّخُولِ ثُمَّ قَالُوا مُتَوَفِّينَ فِي ذَلِكَ رَبِّكُمْ
 أَعْلَمُ بِمَا لَيْسْتُمْ قَابِعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِكِكُمْ بَسِ كُنُوزِ الرَّاءِ وَكَثُرِهَا بِفِضْتِكُمْ هَذِهِ إِنْ السَّيِّئَةِ يُقَالُ أَنَهَا
 الْمُسْتَفَاءُ الْآنَ طَرَطُوشٌ بِفَتْحِ الرَّاءِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَذْكَ طَعَامًا أَىْ أَطْعِمَةَ الْمَدِينَةِ أَحَلُّ فُلْيَا تَكُمُ يَرْزُقُ مِنْهُ
 وَهَيْتَظْفٌ وَلَا يُشْعِرُونَ بِكُمْ أَحَدًا ۝ إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا يُطْلَعُوا عَلَيْكُمْ يَرْجِسُكُمْ وَيَتَّخِذُكُمْ كَذِبًا
 وَيُبَدِّلُكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُلَاحِظُوا إِذَا أَىْ إِنْ عُدْتُمْ فِي مِلَّتِهِمْ أَبَدًا ۝ وَكَذَلِكَ كَمَا بَعَثْنَا هُمُ اعْتَرْنَا إِطْلَعْنَا
 عَلَيْهِمْ قَوْمَهُمْ وَالْمُؤْمِنِينَ لِيَعْلَمُوا أَىْ قَوْمَهُمْ أَنَّ وَعَدَ اللَّهُ بِالْبُعْثِ حَقٌّ بِطَرِيقٍ آخَرَ عَلَى أَنَا مِثْلِهِمْ
 الْمُدَّةُ الطَّوِيلَةُ وَابْتِقَائِهِمْ عَلَى خَالِهِمْ بِأَعْدَاءِ قَادِرٍ عَلَى أَحْيَاءِ الْمَوْتَى وَأَنَّ السَّاعَةَ لَارِيْبَ شَكٍّ فِيهَا
 لِأَنَّ مَعْمُولٌ لِأَعْتَرْنَا يَتَنَازَعُونَ أَىِ الْمُؤْمِنُونَ وَالْكَفَّارَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ أَمْرُ الْفِتْيَةِ فِي الْبِنَاءِ حَوْلَهُمْ فَقَالُوا
 أَىِ الْكُفَّارِ ابْتِغَاءً عَلَيْهِمْ أَىِ حَوْلَهُمْ بِنِيَانًا يَسْتُرُهُمْ رَبَّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَى أَمْرِهِمْ أَمْرُ
 الْفِتْيَةِ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ لَنَنْفَعَنَّ عَلَيْهِمْ حَوْلَهُمْ مَسْجِدًا ۝ يُصَلِّي فِيهِ وَفَعَلَ ذَلِكَ عَلَى بَابِ الْكُهْفِ
 سَيَقُولُونَ أَىِ الْمُتَنَارِ يُؤْمِنُونَ فِي عَدَدِ الْفِتْيَةِ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَىِ يَقُولُ بَعْضُهُمْ هُمْ
 ثَلَاثَةٌ ذَابِعُهُمْ كُلُّهُمْ ۝ وَيَقُولُونَ أَىِ بَعْضُهُمْ خَسَّةٌ سَادِسُهُمْ كُلُّهُمْ وَالْقَوْلَانِ لِنَصَارَى نَجْرَانِ رَجَبًا
 بِالْقَيْبِ ۝ أَىِ ظَنَّا فِي الْعَيْبَةِ عَنْهُمْ وَهُوَ رَاجِعٌ إِلَى الْقَوْلَيْنِ مَعَارِضُهُ عَلَى الْمُقْمُولِ لَهُ أَىِ لُظْنِهِمْ ذَلِكَ وَ
 يَقُولُونَ أَىِ الْمُؤْمِنُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كُلُّهُمْ ۝ الْجُمْلَةُ مِنْ مُبْتَدَأٍ وَخَبْرٍ صِفَةٌ سَبْعَةٌ بِزِيَادَةِ الْوَاوِ وَقِيلَ
 نَاكِدٌ أَوْ دَلَالَةٌ عَلَى لُصُوقِ الصِّفَةِ بِالْمَوْصُوفِ وَوُصِفَ الْأَوَّلِينَ بِالرَّجْمِ دُونَ الثَّالِثِ يُدُلُّ عَلَى أَنَّهُ
 مَرْضِيٌّ وَصَحِيحٌ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ بِعَدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَا مِنْ
 الْقَلِيلِ وَذَكَرَهُمْ سَبْعَةٌ فَلَا تَمَادٍ تُجَادِلُ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا بِمَا أَنْزَلَ عَلَيْكَ وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ
 تَطْلُبُ الْفِتْيَةَ مِنْهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ الْيَهُودِ أَحَادًا ۝

ترجمہ: اور تم (انہیں دیکھو تو) خیال کرو وہ سورہ ہے ہیں (خبر میں ہیں، خود راقہ کی جمع ہے) ہم انہیں دائیں بائیں کروٹ
 دیتے رہتے ہیں (تا کہ زمین کے اثر سے ان کا گوشت گل نہ جائے) اور ان کا کتا چوکت کی جگہ اپنے دونوں

بازو (ہاتھ) پھیلائے بیٹھائی صحن غار میں، اور اصحاب کہف جب کر دت بدلتے ہیں تو کتا بھی الٹی پلٹی لیتا ہے سونے اور جائگے میں بھی کتے کا حال اصحاب کہف کی طرح ہے) تم انہیں جھانک کر دیکھتے تو اٹلے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے اور تم پر ان کی دہشت چھا جاتی (ملت تخفیف و تشدید دونوں طرح ہے رعبا کو عین کے سکون اور ضمہ دونوں طرح پڑھنا جا کر ہے، اس طرح اللہ نے ہیبت پیدا کر کے ان کے پاس جانے سے لوگوں کو روک دیا ہے) اور اسی طرح (جیسے اصحاب کہف کے ساتھ مذکورہ بالا کارروائی کی) ہم نے پھر اٹھا کھڑا کیا (بگادیا) تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے (اپنے حالات اور وہاں ٹھہرنے کی مدت کے بارے میں) پوچھ گچھ کر سکیں ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم یہاں کتنی دیر تک رہے ہوں گے؟ کچھ نے کہا ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم رہے ہوں گے (کیونکہ یہ لوگ غار میں دن نکلے داخل ہوئے تھے اور دن چھپے جاگ اٹھے، اس لیے یہ سمجھے کہ یہ وہی دن ہے پھر) دوسرے کہنے لگے (غور و فکر کرتے ہوئے) یہ تو تمہارے خدا ہی کو خبر ہے کہ تم کس قدر رہے، اچھا اب تم اپنے میں سے کسی کو یہ رقم دے کر (ورق راء کے سکون اور کسرہ کے ساتھ ہے بمعنی چاندی کا ٹکڑا) شہر کی طرف بھیجو (آج کل اس شہر کا نام طرس راء کے فتح کے ساتھ ہے) پھر دیکھو کونسا کھانا ستھرا ہے (یعنی شہر میں کہاں حلال کھانا میسر آ سکتا ہے) سولائے تمہارے پاس اس میں سے کھانا اور نرزی سے جائے اور جتنا دے تمہاری خبر کسی کو وہ لوگ اگر خبر پالیں گے تمہاری (تم پر مطلع ہو جائیں گے تو تمہیں پتھروں سے مار ڈالیں گے) سنگسار کر دیں گے تم کو (یا لوٹالیں گے تم کو اپنے دین میں اگر ایسا ہوا) کہ تم نے پھران کا طریقہ اختیار کر لیا) تو پھر کبھی تم فلاح نہ پاسکو گے اور اسی طرح (جیسے انہیں جگایا) انہیں ہم نے واقف (یا خبر) کیا ان کے (قوم اور ایمان والوں کے) حال سے تاکہ یقین کر لیں (ان کی قوم کے لوگ) کہ (قیامت کے بارے میں) اللہ کا وعدہ سچا ہے (کیونکہ جو ذات تئی لمبی مدت تک سلا سکتی ہے اور جوں کا توں بغیر غذا کے اپنی حالت پر برقرار رکھ سکتی ہے وہ ضرور مردوں کو جلا سکتی ہے) اور یہ کہ قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں! اسی وقت کی بات ہے (اور یہاں اعتقاد کا معمول ہے) کہ لوگ (مؤمن و کافر) ان کے بارے میں آپس میں بحث کرنے لگے (کہ ان نوجوان کی یادگار میں یہاں ایک تعمیر ہونی چاہئے) کچھ لوگوں (کافروں) نے کہا اس غار پر ایک عمارت بنا ڈالو (جو ان پر سہیہ نلگن رہے) ان کا پروردگار ہی ان کی حالت کو خوب جانتا ہے تب ان لوگوں نے کہ معاملات میں غالب تھے (یعنی جو اہل ایمان ان نوجوانوں کے معاملات میں غالب تھے) ٹھیک ہے ہم ضرور ان کی جگہ (ان کی چاروں طرف) ایک مسجد بنائیں گے (جس میں لوگ عبادت کیا کریں گے چنانچہ پہاڑ کے دہانے پر ایسی مسجد بنا ڈالی) کچھ لوگ کہیں گے (نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جو لوگ اصحاب کہف کے بارے میں اختلاف کرنے والے تھے وہ آپس میں کہیں گے کہ) غار والے تین آدمی تھے چوتھا ان کا کتا تھا کچھ لوگ (آپس میں) ایسے بھی کہتے ہیں کہ نہیں پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا) یہ دونوں قول نصاریٰ نجران کے تھے (یہ اٹکل کا تیر چلانا ہے) (اس جگہ سے غائب رہنے کے باوجود محض گمان سے کہتے ہیں۔ اس جملہ کا تعلق مذکورہ دونوں رایوں سے ہے اور لفظ رجما مفعول نہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے لظنہم، ذالک کے معنی میں ہے) لیکن بعض (مسلمانوں) کا کہنا ہے یہ سات تھے اور آٹھواں انکا کتا تھا (یہ جملہ مبتدا اور خبر ہے اور واؤ زائد کے ساتھ لفظ سبب کی صفت ہے اور بعض کا کہنا کہ صفت و موصوف میں ربط پیدا کرنے کیلئے واؤ زائد کی گئی ہے اور صرف پہلے دونوں قولوں کے متعلق رجما بالغیب کہنا اور تیسرے قول کے بارے میں نہ کہنا اس تیسرے قول کے قول مختار اور صحیح ہونے پر دلالت کرتا ہے) آپ

کہہ دیجئے انکی اصل گنتی تو میرا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ ان کا حال تو بہت کم لوگوں کے علم میں آیا ہے (حضرت ابن عباسؓ کا توں ہے کہ میں بھی ان تھورے سے لوگوں میں ہوں اور فرمایا کہ ان کی تعداد سات تھی) اور آپ اس سرسری بحث کے علاوہ (جو آپ پر نازل کی گئی ہے) لوگوں سے زیادہ بحث (نزاع) نہ کیجئے اور نہ (اہل کتاب یہود میں سے) کسی سے اس بارے میں دریافت کیجئے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: لَوْرَ آيْتٍ: اس کو مقدر اس لیے مانا تا کہ کلام اللہ میں کذب لازم نہ آئے کیونکہ مضارع تو مستقبل میں تحقیق پر دلالت کرتا ہے۔

قوله: يَقِظُ: یہ بقیق کی جمع نہیں بلکہ مصدر ہے۔

قوله: جَمْعٌ رَاقِدٌ: یعنی رقد جمع ہے مصدر نہیں۔

قوله: فَوَارًا: اس میں مصدر ہونے کا بھی احتمال ہے کیونکہ اس میں تولیت (پلٹنے) کا معنی ہے اور علت اور حال کا بھی اور مست ملا مصدر ک خوف سے لیا گیا ہے۔ اس کا لام مخفف اور مشدد دونوں طرح آتا ہے۔

قوله: رُعْبًا: یہ خوف کے معنی میں ہے۔

قوله: مَذَّةٌ لُبِّتٌ: تا کہ یہ ہماری کمال قدرت کی نشانی بن جائے۔

قوله: وَ لَيْتَ تَكَلَّفٌ: اس سے اشارہ کیا کہ معاملہ کی نرمی میں تکلف سے کام لے تا کہ دھوکہ کا شکار نہ ہو یا اپنے چھپنے رہنے میں تکلف سے کام لے۔

قوله: اَوْ يَبِينُ وَ كَمْ: یہاں عود بمعنی صبر و رت ہے رجوع کے معنی میں نہیں ہے۔

قوله: اِنْ عُدْتُمْ: ان یہاں اس کے شرط ہونے کی دلیل ہے۔

قوله: مَنَعْمُولٌ لَا عُنْتَرْنَا: یعنی لَدَا بیا طرنا کا معمول ہے نہ کہ قریب کا۔

قوله: اَلْبِنَاءِ حَوْلَهُمْ: یعنی جب اللہ نے ان کو دوسری مرتبہ موت دے دی تو بعض نے کہا کہ وہ فوت ہو گئے تو دوسروں نے کہا کہ وہ سو گئے۔ مومنوں نے کہا کہ ان کے قریب ہم مسجد بنائیں گے۔

قوله: رَبُّهُمْ اَعْلَمُ: یہ جملہ معترضہ ہے جس میں ان کے معاملے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جھگڑنے والوں یا زیادہ ٹوہ لگانے والوں کے رد میں یہ بات ارشاد فرمائی۔

قوله: يَقُولُ بَعْضُهُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ یہ تمام جھگڑنے والوں کی طرف ضمیر لوٹ رہی ہے جو بعض کے لفظ کے لحاظ سے مجاز ہے اور جمع کے لحاظ سے درست ہے۔

قوله: هُمْ: یہ مبتداء مخدوف ہے اور ثلثۃ اس کی خبر ہے اور رجم یہاں ظن کے معنی میں ہے۔

قوله: نَصَبَهُ عَلَى الْمَفْعُولِ لَ: اس سے اشارہ کر دیا کہ یہ فعل مخدوف کا مصدر نہیں ہے۔

قولہ: بِزِيَادَةِ الْوَأْوِ: اس سے اشارہ کیا کہ واؤ زائدہ ہے تاکید کے لیے نہیں ہے۔

قولہ: الصِّفَةِ بِالتَّوَضُّؤِفِ: موصوف کو صفت کے ساتھ لگانے سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ یہ بات پختہ ہے اور وہ لوگ جنہوں نے سبعتہ و ثامنہم کہا ہے وہ پختہ علم کے ساتھ کہا۔

قولہ: وَذَكَرَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ قلیل سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے سبعتہ و ثامنہم کلہم والا قول کیا ہے۔

قولہ: تُجَادِلُ: اس سے اشارہ کر دیا کہ مریتہ یہاں شک کے معنی میں نہیں بلکہ جدال کے معنی میں ہے۔

قولہ: قَنَّهُمْ: اس سے سوال استرشاد مراد ہے۔

تفسیر مقبولین

وَ تَحْسَبُهُمْ آيِقَاتًا وَ هُمْ رُقُودٌ وَ نُقَلِبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ

اس کے بعد اصحاب کہف کے بقیہ احوال بیان فرمائے اول تو یہ فرمایا: وَ تَحْسَبُهُمْ آيِقَاتًا وَ هُمْ رُقُودٌ، اے مخاطب اگر تو ان جوانوں کے کہف میں ہونے کے زمانہ میں ان پر نظر ڈالتا تو ان کے بارے میں یہ خیال کرتا کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے، اس کے بارے میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ گو وہ سو رہے تھے لیکن آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ آنکھیں تو بند تھیں لیکن جسموں پر کوئی نیند کا اثر نہیں تھا۔ یعنی سونے کی وجہ سے جو اعضاء میں فتور اور ڈھیلا پن آجاتا ہے ان میں سے کوئی چیز ظاہر نہ تھی۔

اصحاب کہف کی دوسری حالت اور کیفیت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَ نُقَلِبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ (اور ہم انہیں پلٹ رہے تھے دائیں جانب اور بائیں جانب) چونکہ وہ لوگ ایک بہت بڑی مدت تک سوتے رہے اور ان کے جسم زمین ہی سے لگے ہوئے تھے لہذا زمین کے اثر سے محفوظ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ان کی کروٹیں بدل دیتا تھا جس کی وجہ یہ ہے کہ اگر زمین سے کوئی چیز عرصہ دراز تک لگی رہے (خاص کر گوشت پوست والا جسم) تو وہ اسے کھا جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یوں بھی قدرت ہے کہ الٹ پلٹ کیے بغیر ان کے اجسام کو محفوظ فرماتا لیکن حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کی کروٹیں بدلی جاتیں۔ صاحب معالم التزئیل (ص ۱۵۱، ۱۵۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ ان کو سال میں ایک مرتبہ ایک جانب سے دوسری جانب پلٹ دیا جاتا تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سال میں دو بار ان کو دائیں جانب سے بائیں جانب اور بائیں جانب سے دائیں جانب پلٹ دیا جاتا تھا رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں کوئی چیز مروی نہیں حضرات صحابہ سے جو کروٹیں بدلنے کی مدت کے بارے میں جو کچھ مروی ہے بظاہر اسرائیلی روایات ہیں۔

وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِمَا بِالْوَصِيدِ (اور ان کا کتا دلیز پر اپنے ہاتھ بچھائے ہوئے تھا) جب اصحاب کہف غار کی طرف روانہ ہوئے تھے تو ان کے ساتھ ایک کتا بھی لگ لیا تھا اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اصحاب کہف غار میں سے ایک شخص کا شکاری کتا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ بادشاہ کے طبخ (یعنی باورچی) کا کتا تھا، یہ طبخ بھی اصحاب کہف کا ایک فرد تھا اور اس کا کتا بھی اس کے ساتھ آگیا تھا اس کتے کے رنگ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، لیکن کسی بات کے بارے میں

کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ اس کے ذکر سے کوئی فائدہ ہے لفظ صید کا ترجمہ کسی نے دروازہ، اور کسی نے مٹی، اور کسی نے فناء، اور کسی نے دروازہ سے باہر کی جگہ اور کسی نے دلیر یعنی چوکٹ کیا ہے، چوکٹ وہاں نہیں تھی لہذا اس سے چوکٹ کی جگہ مراد لی جائے گی۔

(ابن کثیر صفحہ ۳۷۶، معالم التنزیل صفحہ ۱۵۴ ج ۴)

اس کے بعد فرمایا: **كُوِ اَظْلَمَتْ عَلَيْهِمْ كَوَلِيَّتٌ مِنْهُمْ فِرَارًا وَ لَمَلَّتْ مِنْهُمْ رُعْبًا** (اے مخاطب تو انہیں جھانک کر دیکھ لیتا تو ان کی طرف سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا اور ان کی وجہ سے تیرے اندر رعب بھر جاتا) ان لوگوں کو دیکھنے سے دل میں رعب سما جانے اور بھاگ کھڑے ہونے کا سبب بیان کرتے ہوئے صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ وہ جس غار میں تھے وہ متوحش غار تھا، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں حالانکہ وہ سو رہے تھے یہ سب تھا خوف کا اور بعض نے کہا کہ ان کے بال، بہت زیادہ تھے اور ناخن بڑھے ہوئے تھے۔

یہ اصحاب کہف کی حفاظت کے انتظامات تھے، ان کی کرڈوں کو بدلنا مٹی سے حفاظت کرنے کے لیے تھا اور ان کے پیچھے کتابھی لگ لیا تھا جو وہیں دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا کتے کی عادت ہے کہ ہر آنے والے اجنبی پر بھونکتا ہے، ظاہری اسباب کے طور پر یہ کتابھی حفاظت کا ذریعہ بنا اور مزید یہ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کیفیت اور صورتحال پیدا فرمادی کہ اگر کوئی شخص ان کو دیکھتا تو ان کے قریب تک جانے کی ہمت نہ کرتا تھا بلکہ واپس جانے میں ہی اپنی خیر سمجھتا۔

وَ كَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ

اصحاب کہف کا بیدار ہو کر آپس میں اپنی مدت قیام کے بارے میں سوال و جواب کرنا اور اپنے ایک

آدمی کو کھانا لانے کے لیے شہر بھیجنا:

اصحاب کہف مدت دراز تک غار میں سوتے رہے پھر جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی تو انہیں جگا دیا ان کا اتنی لمبی مدت تک سلا دینا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر دلالت کرتا ہے پھر ان کا جگا دینا۔ قال صاحب الروح ووجه الشبهه كون كل منها آية دالة على كمال قدرته الباهرة عز وجل۔ جب یہ لوگ جاگ گئے تو ان میں سے ایک شخص نے یہ سوال اٹھایا کہ تم یہاں کتنے دن ٹھہرے ہو؟ پھر آپس میں جواب دیا کہ ہاں ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں یہ مطلب یہ تھا کہ ہم یقینی طور پر تو کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن اندازہ ہے کہ بہت سے بہت ایک دن سوتے ہیں اور احتمال یہ ہے کہ ایک دن سے بھی کم سوتے ہوں، بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ صبح کو سوتے تھے اور جب بیدار ہوئے تو شام کا وقت تھا جیسے دن جا رہا ہو اس لیے ایک یا ایک دن سے کچھ کم سمجھ کر سوال کرنے والے کو جواب دیدیا پھر کہنے لگے کہ بھی ہم یقین کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے تمہارے رب کو ہمارے سونے کی صحیح مدت معلوم ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت زیادہ سونے کی وجہ سے جو دماغ میں ایک قسم کا بھاری پن ہوتا ہے وہ اسے محسوس کر رہے تھے اس لیے ان میں سے بعض نے یہ سمجھا کہ ایک دن کی مدت والی بات ٹھیک نہیں معلوم ہوتی لہذا ہمیں اپنے پاس سے کچھ تجویز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ چونکہ ان کے بال و ناخن زیادہ بڑھے ہوئے تھے اس لیے یہ محسوس ہوا کہ ہمارا یہ سونا ایک دن کی مدت سے زیادہ تھا۔

اس گفتگو کے بعد کہ کتنے دن سوتے رہے کھانے پینے کا سوال پیدا ہوا، جب انسان سو کر اٹھتا ہے تو عام طور پر بھوک لگی

ہوتی ہے پھر ان کا کیا حال ہوگا جو عرصہ دراز تک سوتے رہے ہوں، کہنے لگے کہ اپنے میں سے ایک شخص کو بھیجو جو شہر میں جائے اور ہمارے پاس جو یہ چاندی کے سکے ہیں ان کو لے جائے اور کھانا لے کر واپس آجائے ذرا اچھی طرح دھیان سے خریدے پاکیزہ اور حلال کھانا لے کر آئے شہر میں جو بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا گوشت ملتا ہے اس میں سے نہ لائے اور شہر میں جانے اور کھانا خریدنے میں کھداری اور خوش تدبیری سے کام لے اور کسی کو یہ نہ بتائے کہ ہم کون ہیں اور کہاں ہیں۔ جس وقت یہ غار میں داخل ہو کر سوئے تھے اس وقت مشرکوں اور بت پرستوں کی حکومت تھی اور بادشاہ جبرائیل مشرک بنا لیتا تھا اور اہل توحید کو جان سے مارتا اور سزائیں دیتا تھا، ان حضرات نے یہ سمجھ کر کہ شہر میں ابھی اسی دین شرک کا چرچا ہوگا اور بادشاہ بھی وہی بت پرست ہوگا کھانا خریدنے کے لیے جانے والے سے کہا کہ حلال کھانا لانا اور اس کا دھیان رکھنا کہ لوگوں کو ہمارا پتہ نہ چل جائے ورنہ شہر والے ہمیں بری طرح قتل کر دیں گے اور سنگسار کر دیں گے یا اپنے دین میں واپس کر میں گے ایمان چھوڑ کر کفر میں چل جانا سب سے بڑے خسارہ کی بات اور سب سے بڑی ناکامی ہے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے اگر کوئی شخص کسی مؤمن کو کفر پر مجبور کرے اور ظاہری طور پر کفر کا کلمہ کہہ دے تو کافر نہیں ہوگا تا اگر وہ لوگ کفر پر مجبور کرتے اور اصحاب کفر کا کلمہ کہہ دیتے تو حقیقت میں کافر نہ ہو جاتے اور اس سے ناکامی اور تباہی لازم نہیں آتی، جب دل میں ایمان باقی ہے تو اخروی ناکامی کی کوئی وجہ نہیں لہذا انہوں نے وَ كُنْ تَفْلِحُ اِذَا اَبَدْنَا ۝ کیوں کہا؟ احقر کے خیال میں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لوگ محقق نہیں تھے کسی نبی یا کسی فقیہ کی محبت نہیں اٹھائی تھی لہذا انہوں نے حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہہ دینے کو بھی تباہی سے تعبیر کیا، یہ سب ان کے اپنے خیال کے مطابق تھا اس کی نظیر یہ ہے کہ حضرت حظلہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہی عرض کیا کہ حظلہ منافق ہو گیا آپ نے فرمایا کیوں؟ کہنے لگے کہ ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں آپ ہمیں جنت و دوزخ کی باتیں سناتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ہمارے سامنے ہے پھر جب ہم اپنے گھروں کو جاتے ہیں تو بیوی بچوں میں گھل مل جاتے ہیں اور آپ کے بہت سے ارشادات بھول جاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم ہر وقت اسی حالت میں رہو جو میرے پاس تمہاری حالت ہوتی ہے تو تم سے فرشتے پچھوٹوں میں اور راستوں میں مصافحہ کرتے، لیکن اے حظلہ ایسا کبھی کبھی ہوتا ہے (یعنی جو تمہاری حالت میرے پاس ہوتی ہے وہ ہمیشہ باقی نہیں رہتی) جس طرح حضرت حظلہؓ نے اپنے خیال میں اپنے کو منافق خیال کر لیا اسی طرح اصحاب کفر نے زمان سے کلمہ کفر کہنے کو بھی کفر سمجھ لیا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے فلاح کامل مراد ہے اکراہ کے وقت کلمہ کفر زبان سے جاری کرنا جائز ہے اور یہ رخصت ہے، اور عزیمت یہ ہے کہ قتل ہو جائے اور کلمہ کفر زبان پر نہ لائے، اس اعتبار سے ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم نے حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہہ کر جان بچا بھی لی تو عزیمت سے محروم ہو جائیں گے، ادھر تو آپس میں یہ مشورہ ہوا کہ ہمیں چھپ کر رہنا ہے اور اہل مدینہ کو اپنا حال اور اپنی جگہ نہیں بتانی اور ادھر ان میں سے جو ایک شخص کھانا خریدنے کے لیے رقم لے کر گیا اس نے بازار میں جا کر کچھ خریدنا پرانا سکہ دیکھ کر دکاندار حیران پڑ گیا اور لوگوں میں بھی اس کا چرچا شروع ہو گیا، اس عرصہ دراز میں حکومت بدل چکی تھی اور جو شخص بادشاہ تھا وہ مسلمان تھا جب اسے پتہ چلا کہ ایسا ایسا واقعہ ہے تو وہ شہر والوں کے ساتھ سوار ہو کر غار کی طرف چلا وہ ایک شخص جو کھانا لینے کے لیے آیا تھا جس کا نام بلیغنا بتایا جاتا ہے وہ جلدی سے غار کے اندر گیا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو بتا دیا کہ بات کھل چکی ہے اور بادشاہ تک پہنچ گئی ہے اور اس وقت جو لوگ شہر میں ہیں وہ مسلمان ہیں یہ تحریر فرما کر علامہ

قرطبی (صفحہ ۲۸۹ ج ۱۰) نے دو روایتیں لکھی ہیں اول یہ کہ اصحاب کہف کو اس کی بہت خوشی ہوئی باہر نکلے بادشاہ سے ملاقات کی بادشاہ نے ان کا اور انہوں نے بادشاہ کا اکرام کیا اور دوسری روایت یہ نقل کی ہے کہ جب یملیخانے انہیں واقعہ بتایا تو وہ اسی وقت وہیں غار میں مر گئے قرآن کریم میں ان باتوں کا ذکر نہیں ہے جس کسی نے جو کچھ بتایا وہ اسرائیلی روایات پر مبنی ہے۔

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ دقیانوس بادشاہ مر گیا تھا (جس کے زمانہ میں یہ حضرات کہف میں داخل ہوئے تھے) سینکڑوں سال گزر گئے بادشاہ آتے جاتے رہے آخر میں ایک نیک شخص اس علاقہ کا بادشاہ ہوا اور وہ اور اس کی رعایا اس بات کو تو مانتے تھے کہ موت کے بعد حشر نثر ہے لیکن کچھ لوگوں نے کہا کہ روحیں محسوس ہوں گی۔ کیونکہ جسم کو زمین کھا جاتی ہے، ان لوگوں نے جسم کے ساتھ حشر ہونے کو بعید سمجھا اور کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ جسم اور روح دونوں کو اٹھایا جائے گا بادشاہ کو اس اختلاف سے حیرانی ہوئی اور اصل حقیقت جاننے کے لیے اس نے اتنا اہتمام کیا کہ ٹاٹ کے کپڑے پہن لیے اور راکھ پر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرتا رہا کہ ہمیں کوئی ایسی دلیل مل جائے جس سے یہ واضح ہو جائے کہ روح اور جسم دونوں کا حشر کوئی مستبعد نہیں، اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ شانہ نے اصحاب کہف کو ظاہر فرمایا بادشاہ نے ان کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جو دقیانوس کے زمانہ میں شہر سے چلے گئے تھے میں دعا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان کو دکھا دے جب ان لوگوں کے کئی سو سال ہونے کے بعد اٹھ جانے کا واقعہ معلوم ہوا تو لوگوں کو یقین ہو گیا کہ واقعی اللہ کا وعدہ حق ہے قیامت حق ہے۔

وَ كَذَلِكَ نَعْتَدُكَ عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ بَيْنَ اس بات کو بتایا ہے کہ جب وہ لوگ اصحاب کہف پر مطلع ہوئے تو انہیں قیامت کا یقین آ گیا اصحاب کہف باہر نکل کر واپس غار میں چلے گئے ہوں اور بعد میں انہیں موت آئی ہو۔ یا یملیخانہ کی خبر سننے کی وجہ سے وہیں غار میں انہیں موت آگئی ہو روایات میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

قرآن مجید کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غار ہی میں اندر وفات پا گئے، یہ جو آپس میں جھگڑا ہوا کہ ان کے ہارے میں کیا کیا جائے پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ ان کے اوپر عمارت بناؤ اور جو غالب تھے انہوں نے کہا کہ ہم ان کے اوپر مسجد بنا دیں گے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے غار میں ہوتے ہوئے ہی اس طرح کا اختلاف ہوا۔ روح المعانی ص ۲۳۴ ج ۱ میں لکھا ہے کہ جب بادشاہ کو ان لوگوں کا پتہ چلا تو اس نے وہاں جا کر ان لوگوں سے ملاقات کی اور دیکھا کہ ان کے چہرے روشن ہیں اور کپڑے بھی خراب نہیں ہیں انہوں نے بادشاہ کو وہ حالات سنائے جو دقیانوس کے زمانہ میں پیش آئے تھے ابھی باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اصحاب کہف نے کہا: نستودعک اللہ تعالیٰ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ حفظک اللہ تعالیٰ وحفظ ملکک نعبدک باللہ تعالیٰ من شر الانس والجن (ہم تجھے اللہ کے سپرد کرتے ہیں تجھ پر اللہ کا سلام ہو اور اس کی رحمت۔ اللہ تیری حفاظت کرے اور تیرے ملک کی بھی حفاظت کرے اور ہم تجھے انسانوں اور جنات کے شر سے اللہ کی پناہ میں دیتے ہیں) یہ کہا اور وہ واپس اندر اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری فرما دی پھر بادشاہ نے انہیں لکڑی کے تابتوں میں دفن کر دیا اور غار کے منہ پر مسجد بنا دی، صاحب روح المعانی نے اس کے بعد ایک قول یہ لکھا ہے کہ جب بادشاہ کے پاس اس شخص کو لایا گیا جو غار میں سے کھانا لینے کے لیے آیا تھا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں اس شہر کا رہنے والا ہوں اور یہ بتایا کہ میں کل ہی شہر سے نکلا تھا اس نے اپنا گھر بھی بتایا اور کچھ لوگوں کے نام بھی بتائے جنہیں کوئی بھی نہ پہچان سکا، بادشاہ نے سن رکھا تھا کہ کچھ لوگ پرانے زمانہ میں ردپوش ہو گئے

تھے اور یہ بھی سنا ہوا تھا کہ ان کے نام سرکاری خزانے میں ایک تختی پر لکھے ہوئے رکھے ہیں وہ تختی منگائی اور ان کے نام پڑھے تو وہی نام نکلے جو اصحاب کہف کے نام تھے وہ جو ایک شخص کھانا لینے کے لیے آیا تھا اس کے ساتھ بادشاہ اور چند لوگ چلے جب غار کے دروازہ پر آئے تو وہ نوجوان اندر گیا اور انہیں پوری صورت حال بتادی اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو قبض فرمایا اور بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ اندر داخل نہ ہو سکے لوگوں میں یہ اختلاف ہوا کہ ان کے بارے میں کیا کیا جائے تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ان کے اوپر یعنی غار کے دروازہ پر عمارت بنا دی جائے اور وہ جماعت جو ان کے معاملہ میں غالب ہو گئی یعنی بادشاہ اور اس کے ساتھی انہوں نے کہا کہ ہم مسجد بنا لیں گے چنانچہ انہوں نے مسجد بنا دی یہ مسجد غار کے دروازے پر بنا دی گئی تھی چونکہ یہ مسجد دروازہ پر تھی مرنے والوں کی قبروں پر نہیں تھی اور قبروں کی طرف قبلہ بھی نہیں تھا اس لیے یہ اشکال نہیں ہوتا کہ قبروں پر مسجد بنانے کی ممانعت ہے لہذا تعمیر مسجد کو کیوں اختیار کیا گیا۔

ایک فریق نے کہا کہ ان پر عمارت بنا دو دوسرے فریق نے کہا کہ ہم مسجد بنا دیں گے ان دونوں کے درمیان جو لفظ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهَمَّ آیا ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ جملہ معترضہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اصحاب کہف کے ساتھ کیا کیا جائے اس بارے میں دراصل آ رہی تھیں یہ کون لوگ تھے کن خاندانوں سے تھے یہ کن احوال سے گزرے اور کتنے دن غار میں رہے پھر جب ان چیزوں کا صحیح علم نہ ہو سکا اور ان کے حاصل ہونے کا کوئی راستہ بھی نہ ملا تو کہنے لگے کہ اسے اللہ کے سپرد کر دو وہ علام الغیوب ہے سب کو جانتا ہے ان کا حال بھی اسی کو صحیح معلوم ہے۔

اصحاب کہف کی تعداد میں اختلاف اور اس کا جواب:

جس طرح اصحاب کہف کی مدت قیام فی الکہف میں اختلاف ہوا کہ وہ کتنے دن رہے اور خود وہ بھی اختلاف کر بیٹھے اور صحیح بات تک نہ پہنچ سکے اسی طرح اس میں بھی اختلاف ہوا کہ ان کی تعداد کتنی تھی، آیت مذکورہ بالا میں تین قول نقل فرمائے ہیں ایک قول یہ ہے کہ اصحاب کہف تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا، اور تیسرا قول یہ ہے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ صاحب روح المعانی صفحہ ۲۸۰ ج ۱۵ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ یہ اقوال ان لوگوں کے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان میں سے ایک شخص عاقب تھا اور نصاریٰ کے فرقہ نمطور یہ کا سردار تھا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے پہلی دو باتیں کہی تھیں تیسرا قول بعض مسلمانوں کا ہے پہلے دو قولوں کے ذکر فرمانے کے بعد رَجَبًا بِالْغَيْبِ فرمایا (کہ انکل ہجرات کہہ رہے ہیں) اور تیسرے قول کو علیحدہ ذکر کیا اور ساتھ ہی یوں فرمایا: قُلْ رَبِّي اَعْلَمُ بِعَدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيلٌ (آپ فرمادیجئے کہ میرا رب ان کی تعداد خوب جانتا ہے ان کو صرف تھوڑے سے لوگ جانتے ہیں) اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا کہ اصحاب کہف کی تعداد سات تھی اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ ان کی تعداد کو اللہ ہی خوب جانتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ انہیں صرف تھوڑے لوگ جانتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ میں بھی ان ہی میں سے ہوں جن کو ان کی تعداد کا علم ہے، وہ فرماتے تھے کہ ان کی تعداد سات تھی اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ عام طور پر سے امت مسلمہ میں یہی قول مشہور ہے اور ان کے نام بھی تفسیر کی کتابوں میں لکھے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے یہ نام منقول ہیں: مکسلمینا، یملیخا، مرطولس، ٹینس،

در دونس، کفاشیطیطوس، منطنو اسیس اور کتے کا نام قلمیر نقل کیا گیا ہے بظاہر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اہل کتاب سے ان کے نام سنے ہو گئے جن کو انہوں نے آگے روایت کر دیے یہ نام چونکہ عجمی ہیں اور بہت پرانی کسی زبان کے الفاظ ہیں اس لیے ان کا صحیح اعراب کے ساتھ یقینی طور پر تلفظ کرنا اہل علم سے بھی مخفی ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

و ذکر الحافظ ابن حجر فی شرح البخاری ان فی النطق باسماہم اختلافا کثیرا ولا یقع الوثوق من ضبطها و فی البحر ان اسماہم اصحاب الکہف العجمیة لا تنضب بشکل ولا نقط و السند فی معرفتها ضعیف۔ آیت کے آخر میں دو باتوں کی ممانعت فرمائی ہے اولاً یوں فرمایا: **فَلَا تُنَادُوا بِهِمْ اَسْمَاءَ ظَاهِرًا**۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اصحاب کہف کے عدد وغیرہ کے بارے میں سرسری بحث سے زیادہ بات نہ کیجیے وحی کے موافق انہیں تصدیق دین زیادہ سوال جواب نہ کریں اور دوسری ممانعت یہ فرمائی: **وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ اَحَدًا** (کہ ان کے بارے میں کسی سے سوال نہ کیجیے) اللہ تعالیٰ شانہ نے جو بتا دیا اس سے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں ان میں جو لوگ کچھ باتیں کرتے ہیں وہ انکل اور گمان اور قیاس سے کہتے ہیں لہذا ان سے پوچھنے کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ اس سے کوئی فائدہ۔

وَسَأَلَهُ اَهْلُ مَكَّةَ عَنْ خَيْرِ اَهْلِ الْكَهْفِ فَقَالَ اَخْبِرْكُمْ بِهِ غَدًا وَلَمْ يَقُلْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَتَنَزَّلَ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ اَيُّ لَاجِلٍ شَيْءٍ اِنِّي قَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اَيُّ فَيَمَّا يَسْتَمْتَبِلُ مِنَ الزَّمَانِ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ اَيُّ اِلَّا مُتَابِعًا بِمَشِيئَةِ اللّٰهِ اِنْ تَقُولُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَبَّكَ اَيُّ مَشِيئَتِهِ مُعَلَّقًا بِهَا اِذَا نَسِيتَ التَّعْلِيْقَ بِهَا وَيَكُوْنُ ذِكْرَهَا بَعْدَ النِّسْيَانِ كَذِكْرِ هَامِخِ الْقَوْلِ قَالَ الْحَسَنُ وَغَيْرُهُ مَا دَامَ فِي الْمَجْلِسِ وَقُلْ عَسَى اَنْ يَهْدِيَنِي رَبِّي لِاقْرَبَ مِنْ هٰذَا مِنْ خَيْرِ اَهْلِ الْكَهْفِ فِي الدَّلَالَةِ عَلٰى بُتُوْنِي رَشْدًا هِدَايَةً وَقَدْ فَعَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ذٰلِكَ وَكَبُرُوْا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِاٰثَةٍ بِالتَّوْبِيْنِ سِتِّيْنَ عَطْفُ بَيَانِ لِثَلَاثِ مِاٰثَةٍ وَهٰذِهِ السُّنُوْنُ الثَّلَاثُ مِاٰثَةٌ عِنْدَ اَهْلِ الْكِتَابِ شَمْسِيَّةٌ وَتَزِيْدُ الْقَمَرِيَّةُ عَلَيْهَا عِنْدَ الْعَرَبِ تِسْعَ سِتِّيْنَ وَقَدْ ذُكِرَتْ فِي قَوْلِهِ وَاِذَا دَاوُوا تِسْعًا اَيُّ تِسْعَ سِتِّيْنَ فَالثَّلَاثُ مِاٰثَةُ الشَّمْسِيَّةِ ثَلَاثُمِاٰثَةٌ وَتِسْعَ قَمَرِيَّةٌ قُلْ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَبُرُوْا بِمَنْ اِخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُوَ مَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ لَهٗ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ اَيُّ عِلْمُهُ اَبْصَرُ بِهِ اَيُّ بِاللّٰهِ هِيَ صِيْفَةٌ تُعْجِبُ وَاَسْبَعُ بِهِ كَذٰلِكَ بِمَعْنٰى مَا اَبْصَرَهُ وَمَا سَمِعَهُ وَهُمَا عَلٰى جِهَةِ الْمَخَارِجِ وَالْمَرَادُ اِنَّهُ تَعَالٰى لَا يَغِيْبُ عَنْهُ بَصْرُهُ وَسَمِعِهِ شَيْءٌ مَا لَهُمْ لِاَهْلِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ مِنْ دُوْنِهِ مِنْ وَّلِيٍّ نَاصِرٍ وَلَا يَشْرِكُ فِي حُكْمِهِ اَحَدًا لِاِنَّهُ غَنِيٌّ عَنِ الشَّرِيْكَ وَاتْلُ مَا اَوْحٰى اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مَبْدِئًا لِكَلِمَتِهِ وَلَا كُنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهِ مُلْتَجِدًا مُلْجَا وَاَصْبِرْ نَفْسَكَ اِحْبِسْهَا مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدُوْقِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ

وَجَهَةٌ تَعَالَى لَا شَيْئًا مِنْ أَعْرَاضِ الدُّنْيَا وَمُمْ الْقَمْرَاءِ وَلَا تَعُدُّ تَنْصَرِفُ عَيْنَكَ عَنْهُمْ عَجَبٌ بِهِمَا عَنْ
صَاحِبَيْهِمَا تَزِيدُ زَيْتَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تَطْعَمُ مَنْ أَعْقَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا أَيْ الْقُرْآنِ وَهُوَ عَيْنِيَّةٌ بِنُ حِصْنِ
لَهُ وَأَصْحَابُهُ وَاشْبَعُ هَوَاهُ فِي الشِّرْكِ وَكَانَ أَمْرُهُ قُرْطًا ۝ اسْرَافًا وَقَلَّ لَهُ وَلَا صَحَابِهِ هَذَا الْقُرْآنُ الْحَقُّ مِنْ
رَبِّكُمْ ۝ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ ۝ تَهْدِيذٌ لَهُمْ إِنْكَاعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ أَيْ الْكَافِرِينَ نَارًا أَحَاطَ
بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۝ مَا أَحَاطَ بِهَا وَإِنْ يَسْتَعِينُوا يَعْتَوُوا بِهَا كَالْمُهْلِ كَعَكْرِ الزَّيْتِ يَشْوِي الْوُجُوهُ ۝ مِنْ حَزْرِهِ إِذَا
قُرِبَ إِلَيْهَا يَكْسُ الشَّرَابُ ۝ وَسَاءَتْ أَيْ النَّارُ مُرْتَفَقًا ۝ تَسْبِيحٌ مُنْقَرَلٌ مِنَ الْفَاعِلِ أَيْ قُبْحٌ مُرْتَفَقًا وَهُوَ
مُقَابِلٌ لِقَوْلِهِ الْآتِي فِي الْجَنَّةِ وَحَسُنْتَ مُرْتَفَقًا وَالْأَفَائِ اِزْتِفَاقٌ فِي النَّارِ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا
لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۝ الْجُمْلَةُ خَيْرٌ إِنَّ الَّذِينَ وَفِيهَا إِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامِ الْمُضْمَرِ وَالْمَعْنَى
أَجْرُهُمْ إِنْ يُشَبِّهُهُمْ بِمَا تَضَمَّنَتْهُ أُولَئِكَ لَهُمْ جَنَّاتٌ عَدْنٌ إِقَامَةُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ الْأَنْهَارُ يَحُلُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ
وَقِيلَ مِنْ زَانِدَةٍ وَقِيلَ لِلتَّبَعِيضِ وَهِيَ جَمْعُ أُسُورَةٍ كَأُخْمِرَةٍ جَمْعُ سَوَارٍ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خَضْرَاءَ
مِنْ سُنْدُسٍ حَمْرٍ مِنَ الدُّنْيَا جَ وَاسْتَبْرَقَ مَا عَظَمَتْهُ وَفِي آيَةِ الرَّحْمَنِ نَطَائِنُهُمَا مِنْ اسْتَبْرَقَ مُتَمَكِّينَ فِيهَا
عَلَى الْأَرْبَابِ ۝ جَمْعُ أَرْبَكَةٍ وَهِيَ الشَّرِيذُ فِي الْحَجَلَةِ وَهِيَ بَيْتٌ يُزَيَّنُ بِالْقِيَابِ وَالسُّنُورِ لِلْعُرُوسِ بَعْدَ
عِجِ الثَّوَابِ ۝ الْجَزَاءُ الْجَنَّةُ وَحَسُنْتَ مُرْتَفَقًا ۝

ترجمہ: (اے اللہ نے جب اصحاب کہف کے بارے میں سوال کیا تو آنحضور ﷺ نے ان شاء اللہ کہے بغیر یہ وعدہ کر لیا کہ میں کل اس کا جواب دوں گا اس پر اگلی آیت نازل ہوئی) آپ کسی کام کے بارے میں یہ مت کہا کرو کہ میں اسے کل ضرور کروں گا (یعنی آئندہ زمانہ میں) مگر خدا کے چاہنے کو ملا لیا کیجئے (یعنی یہ سمجھ لو کہ وہی جو اللہ چاہے گا بس انشاء اللہ ملا کر بات کیا کرو) اور اپنے پروردگار کی یاد تازہ کر لیا کیجئے (یعنی اس کام کو اللہ کی مشیت پر معلق کر دیا کیجئے) جب کبھی بھول جاؤ (انشاء اللہ کہنا پس بھولنے کے بعد اسے کہنا ایسا ہی ہے جیسے بات کے ساتھ ملا کر کہنا حسن وغیرہ فرماتے ہیں کہ بھولنے کے بعد اس کلمہ کو کہنا ایک مجلس باقی رہنے تک ہے) آپ کہہ دیجئے کہ امید ہے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ (جو اصحاب کہف کے واقعہ سے بھی زیادہ میری نبوت پر دلالت کرنے والا ہو) مجھ پر کھول دے (چنانچہ حق تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرما دیا ہے) اور یہ اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو برس تک رہے لفظ تینوں کے ساتھ اور تین، ثلاث ماۃ کا عطف بیان ہے اور تین سو سال کی مدت اہل کتاب کے نزدیک شمسی حساب سے ہے اہل عرب نے قمری حساب سے نو سال اور بڑھادیئے جس کو آگے بیان فرمایا جا رہا ہے اور لوگوں نے نو اور بڑھادیئے ہیں (یعنی نو برس، پس تین سو سال تو شمسی حساب سے ہوئے

اور تین سو نو تری حساب سے ہوئے) آپ کہہ دیجئے اللہ ہی بہتر جانتا ہے وہ کتنی مدت رہے جس مدت کے بارے میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں جس کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے) وہ آسمان و زمین کی ساری پوشیدہ چیزوں کو جاننے والا ہے (یعنی اسے سب باتوں کی خبر ہے) بڑا ہی دیکھنے والا ہے (یعنی اللہ یہ صیغہ ہے) بڑا ہی سننے والا ہے یہ لفظ صیغہ تعجب ہے یہ دونوں لفظ مابصرہ و ماسمعہ کے معنی میں ہیں اور یہ کہنا مجاز کے طرز پر ہے اور مراد یہ ہے کہ کوئی چیز بھی اس کی نگاہ اور سننے سے باہر نہیں) ان کا (آسمانی وزبانی مخلوق کا) اللہ کے سوا کوئی بھی کارساز (مددگار) نہیں ہے اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے (اس لیے کہ وہ شریک سے بے نیاز ہے) اور پڑا جو جی ہوئی تجھ کو تیرے رب کی کتاب سے کوئی بدلے والا نہیں اس کی باتیں اور نہ کہیں پائے گا تو اس کے سوا چھپنے کو جگہ (ٹھکانہ) اور روکے رکھانے آپ کو (خود کو مقید رکھ) ان لوگوں کے ساتھ جو حج و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں (کسی دنیاوی غرض سے عبادت نہیں کرتے) ہزار و فقراء صحابہ ہیں) ان کی طرف سے کبھی تمہاری نکالیں ہٹنے (پھرنے) نہ پائیں آنکھوں سے مراد آپ ﷺ کی ذات مبارک ہے دنیاوی زندگی کی رونق کے خیال سے، اور جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا (قرآن سے بے توجہ بنا دیا عینہ بن حصن اور اس کے ساتھی مراد ہیں) اور وہ اپنی خواہش (شرک) کے پیچھے پڑ گیا آپ ایسے آدمی کی باتوں پر کان نہ دھریئے اس کا معاملہ حد سے گذر گیا ہے (آگے بڑھ گیا ہے) اور کہہ دو (عینہ اور اس کے ساتھیوں سے کہ یہ قرآن سچائی تمہارے پروردگار کی جانب سے ہے اب جو چاہے مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے (یہ دھمکی ہے) ہم نے ظالموں (کافروں) کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں (چادریں) چاروں طرف سے انہیں گھیر لیں گی وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد کے جواب میں ایسا پانی ملے گا جیسے بگھلا ہوا سیسہ (یا تیل کا تلچھٹ) ہو وہ ان کے منہ کو بھون ڈالنے کا (منہ کے قریب لانے سے بھی مارے توش کے) کیا ہی برا پانی ہوگا (وہ) اور (دورح) کیا ہی بری جگہ ہوگی (لفظ مرتقا تمیز ہے جو اصل ترکیب میں قائل تھا اور عبارت اس طرح تھی فتح مرتقا۔ اس کے بعد جنت کے بیان میں وحشت مرتقا جو بیان کیا جا رہا ہے یہاں اسی کے مقابلہ میں مَرْتَقًا کہہ دیا گیا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ جہنم میں ارتقا اور انتقا نہیں ہوتا) بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ہم ایسوں کا اجر صالح نہیں کریں گے (جملہ اَنَّا لَا نَطِيعُ۔۔۔ الَّذِیْنِ کِیْ خَبَرْتِیْ ضَمِیْرُ کِیْ جَاءَ اِسْمِ ظَاہِرًا یَا گیا ہے یعنی ان کا اجر و ثواب ہوگا جو آگے بیان کیا جا رہا ہے) یہ لوگ ہیں جن کے لیے ہمیشہ کے باغ ہوں گے اور باغوں کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی ان کو وہاں کنگن پہنائے جائیں گے (بعض حضرات کی رائے ہے کہ من اساور میں من زائد ہے اور بعض کے نزدیک من بعضیہ ہے اساور اسورہ کی جمع ہے بروزن امزہ اور اسورہ سوار کی جمع ہے) سونے کے اور سبز رنگ کے ہار یک (مہین ریشم کے) اور دبیز (موٹے اور سورہ رحمن میں ہے ہطائحا من استبرق) اور وہاں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے (ارائک، اریکۃ کی جمع ہے یہ ایک خاص قسم کی مسہری ہوتی ہے جو لوہوں کے لیے سجائی ہوتی ہے جسے چھپر کھٹ کہتے ہیں) کیا ہی اچھا صلہ (جنت کی صورت میں بدلہ) اور کیا ہی اچھی جگہ ہے)۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: **لَا تَقُولُونَ**: یہ بھی تادیب کے لیے ہے اور جاہل شی میں لام اجلیہ ہے قول کا صلہ نہیں ہے۔
 قوله: **فِيمَا يَسْتَقِيلُ**: خاص کا ذکر کر کے عام مراد لیا ہے یعنی آج کے بعد والا کل مراد نہیں ہے۔
 قوله: **إِلَّا مَثَلَيْتُمَا**: اس سے اشارہ کیا کہ حرف جر مقدر ہے اور ظرف متعلق کے لحاظ سے استثناء ہے یعنی بان تقول یعنی نھی سے استثناء ہے اور وہ نھی لا تقولن ہے اس کا تعلق صیغہ فاعل سے نہیں۔

قوله: **بِمَشِيئَةٍ**: اس سے اشارہ کیا کہ مصناف محذوف ہے۔
 قوله: **قَدْ فَعَلَ اللَّهُ تَعَالَى ذَلِكَ**: ان انبیاء کے واقعات کے سلسلے میں جن کا زمانہ آپ سے بہت پہلے تھا۔
 قوله: **وَمَا كُنَّا بِالنَّوْثِينَ**: اس سے اشارہ کیا کہ ازداد و تسعا میں جن ارسالوں کا ذکر ہے وہ تفری حساب سے ہیں اور تسعا کی تین وہ اضافت کے بدلے میں ہے۔

قوله: **بِاللَّهِ**: اس سے اشارہ کیا کہ ابھر بہ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے اور وہ فاعلیت کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور با زائدہ ہے اور یہ ابھر بہ فعل تعجب ہے۔

قوله: **مَنَا أَبْصَرُهُ**: کے معنی میں اور یہ دونوں صیغہ اسمع اور اجر کے بطور مجاز لائے گئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز بھی کسی وقت بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

قوله: **وَأَحْبَسْنَاهَا**: مبر کی تفسیر جس سے کی کیونکہ مع صبر کا صلہ نہیں بن سکتا۔

قوله: **بِالْقُدْرَةِ**: یعنی تمام اوقات میں اور وجہ سے مراد ضائع الہی ہے۔

قوله: **وَلَا تَعُدُّوا**: اس کا صلہ عن لا کر یہ اشارہ کر دیا کہ یہ ارفع کے معنی کو متفہم ہے۔

قوله: **عَنْ صَاحِبَيْهِمَا**: اس سے اشارہ کر دیا کہ عینان بول کر مجازاً صاحب عین مراد لیا ہے۔

قوله: **تَوَيْدًا**: یہ کاف سے حال ہے۔

قوله: **إِسْرَافًا**: یہ فرط کا معنی ہے اور اس کا مطلب حق پر مقدم کرنا ہے۔

قوله: **هَذَا الْقُرْآنُ**: اس سے اشارہ کیا کہ الحق مبتداء محذوف کی خبر ہے اور من ربکم حال ہے۔

قوله: **فَمَنْ شَاءَ**: اس کا معنی یہ ہے کہ جو ایمان لائے اس کے ایمان اور جو کفر کرے اس کے کفر کی مجھے کوئی پروا نہیں اور یہ تجدید ہے نہ کہ تخمیر۔

قوله: **مَنَا أَخَاطُ بَعْثًا**: بعض نے کہا کہ اس سے مراد اس کے فیہ ہیں، اور اس کے ساتھ تشبیہ وئی اس آگ کو جو ان کو تیرے کی۔ دوسروں نے کہا کہ اس سے مراد کتا ہیں، اب تشبیہ کی ضرورت ہی نہیں۔

قوله: **كَمَعَكِرِ الزَّيْتِ**: زیتون کے تین کی تلچٹ یہ پانی کی پہلی صفت ہے۔ دوسری صفت چروں کا جھلنا ہے۔

قوله: **مَرْتَفَعًا**: یہ تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہو کر آئی ہے اور یہ بطور حکم کے کہا گیا ہے کیونکہ آگ میں تورات کا نام بھی نہیں۔

قوله: اَسْوَرَةٌ: جمع سوار کلمن۔ من ذهب اس کا بیان ہے۔
قوله: قوم الحنة: یہ مخصوص بالمدح ہے۔

تفسیر مقبولین

وَلَا تَقُولُنَّ لِنَشَأِ اللَّهِ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكُمْ عَلٰٓمًا

ان شاء اللہ کہنے کا حکم:

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ختم المرسلین نبی کو ارشاد فرماتا ہے کہ جس کام کو کل کرنا چاہو تو یوں نہ کہہ دیا کرو کہ کل کروں گا بلکہ اس کے ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ لیا کرو کیونکہ کل کیا ہوگا؟ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ علام الغیوب اور تمام چیزوں پر قادر صرف وہی ہے۔ اس کی مدد طلب کر لیا کرو۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی نوے بیویاں تھیں۔ ایک روایت میں ہے سو تھیں۔ ایک میں ہے بہتر (۷۲) تھیں تو آپ نے ایک بار کہا کہ آج رات میں ان سب کے پاس جاؤں گا ہر عورت کو بچہ ہوگا تو سب اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، اس وقت فرشتے نے کہا ان شاء اللہ کہہ۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے نہ کہا، اپنے ارادے کے مطابق وہ سب بیویوں کے پاس گئے، مگر سوائے ایک بیوی کے کسی کے ہاں بچہ نہ ہوا اور جس ایک کے ہاں ہوا بھی وہ بھی آدمی ہی تھا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر وہ ان شاء اللہ کہہ لیتے تو یہ ارادہ ان کا پورا ہوتا اور ان کی حاجت روائی ہو جاتی۔ اور یہ سب بچے جوان ہو کر راہ حق کے مجاہد بنے۔ اسی سورت کی تفسیر کے شروع میں اس آیت کا شان نزول بیان ہو چکا ہے کہ جب آپ سے اصحاب کہف کا قصہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں کل تمہیں جواب دوں گا۔ ان شاء اللہ نہ کہا اس بنا پر پندرہ دن تک وحی نازل نہ ہوئی۔ اس حدیث کو پوری طرح ہم نے اس سورت کی تفسیر کے شروع میں بیان کر دیا ہے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ پھر بیان فرماتا ہے کہ جب بھول جائے تب اپنے رب کو یاد کر یعنی ان شاء اللہ کہنا اگر موقع پر یاد نہ آیا تو جب یاد آئے کہہ لیا کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو حلف کھائے گا اسے پھر بھی ان شاء اللہ کہنے کا حق ہے گو سال بھر گزر چکا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے کلام میں یا قسم میں ان شاء اللہ کہنا بھول گیا تو جب بھی یاد آئے کہہ لے گو کتنی مدت گزر چکی ہو اور گواہ کا خلاف بھی ہو چکا ہو۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ اب اس پر قسم کا کفارہ نہیں رہے گا اور اسے قسم توڑنے کا اختیار ہے۔ یہی مطلب اس قول کا امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اور یہی بالکل ٹھیک ہے اسی پر حضرت عباس کا کلام محمول کیا جاسکتا ہے ان سے اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مراد ان شاء اللہ کہنا بھول جانا ہے۔ اور روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرا کوئی تو اپنی قسم کے ساتھ ہی متصل طور پر ان شاء اللہ کہے تو معتبر ہے۔ یہ بھی ایک مطلب ہے کہ جب کوئی بات بھول جاؤ تو اللہ کا ذکر کرو کیونکہ بھول شیطانی حرکت ہے اور ذکر الہی یاد کا ذریعہ ہے۔ پھر فرمایا کہ تجھ سے کسی ایسی بات کا سوال کیا جائے کہ تجھے اس کا علم نہ ہو تو تو اللہ تعالیٰ سے دریافت کر لیا کرو اس کی طرف توجہ کرتا کہ وہ تجھے ٹھیک بات اور ہدایت والی راہ بتا اور دکھا دے۔ اور بھی

اقوال اس بارے میں مروی ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَلْيَتْلُو فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِتِينَ وَارْدًا وَارْتَعَا ۝

اصحاب کہف کتنا سوئے؟

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اس مدت کی خبر دیتا ہے، جو اصحاب کہف نے اپنے سونے کے زمانے میں گزاری کہ وہ مدت سورج کے حساب سے تین سو سال کی تھی اور چاند کے حساب سے تین سو سال کی تھی۔ فی الواقع شمسی اور قمری سال میں سو سال پر تین ساں کرفرق پڑتا ہے، اسی لیے تین سو سالگ بیان کر کے پھر نو سالگ بیان کئے۔

پھر فرماتا ہے کہ جب تجھ سے ان کے سونے کی مدت دریافت کی جائے اور تیرے پاس اسکا کچھ علم نہ ہو اور اللہ نے تجھے واقف کیا ہو تو تو آگے نہ بڑھ اور ایسے امور میں یہ جواب دیا کر کہ اللہ ہی کو صحیح علم ہے، آسمان اور زمین کا غیب وہی جانتا ہے، ہاں جسے وہ جو بات بتا دے وہ جان لیتا ہے۔ قارہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ تین سو سال ٹھہرے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے اللہ ہی کو اس کا پورا علم ہے حضرت عبداللہ سے بھی اسی معنی کی قراءت مروی ہے۔ لیکن قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول تاہل طلب ہے اس لیے کہ اہل کتاب کے ہاں شمسی سال کا رواج ہے اور وہ تین سو سال مانتے ہیں تین سو نو کا ان کا قول تاہل نہیں، اگر ان ہی کا قول نقل ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ اور لو سال زیادہ کئے۔ بظاہر تو یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ اس بات کی خبر دے رہا ہے نہ کہ کسی کا قول بیان فرماتا ہے، یہی اختیار امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اور ابن مسعود کی قراءت دونوں منقطع ہیں۔ پھر شاذ بھی ہیں، جمہور کی قراءت وہی ہے جو قرآنوں میں ہے پس وہ شاذ دلیل کے قابل نہیں۔ واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے اور ان کی آواز کو خوب سن رہا ہے، ان الفاظ میں تعریف کا مبالغہ ہے، ان دونوں لفظوں میں مدح کا مبالغہ ہے یعنی وہ خوب دیکھنے سننے والا ہے۔ ہر موجود چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر آواز کو سن رہا ہے کوئی کام کوئی کلام اس سے مخفی نہیں، کوئی اس سے زیادہ سننے دیکھنے والا نہیں۔ سب کے علم دیکھ رہا ہے، سب کی باتیں سن رہا ہے، خلق کا خالق، امر کا مالک، وہی ہے۔ کوئی اس کے فرمان کو رد نہیں کر سکتا ہے۔ اس کا کوئی وزیر اور مددگار نہیں نہ کوئی شریک اور مشیر ہے وہ ان تمام کیوں سے پاک ہے، تمام نقائص سے دور ہے۔

وَاقِلْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۝

حکم تلاوت بقرآن و مدارات درویشان:

(دہلوی) شروع سورت میں نزول کتاب کی نعمت کو بیان فرمایا اور اس کے بعد دنیا کے فناء و زوال کو بیان کیا پھر اس کے بعد اصحاب کہف کا قصہ بیان کیا جنہوں نے دنیا پر لالت ماری اور مضبوطی کے ساتھ حق پر قائم رہے بالآخر کامیاب ہوئے اور ظالم اور متکبر دنیا سے رخصت ہوئے اب اصحاب کہف کے قصہ کے بعد پھر اس قرآن کی تلاوت کا حکم دیتے ہیں جس میں دشمنان اسلام کے سوالات کے جوابات نازل ہوئے۔ جس سے آنحضرت ﷺ کی نبوت ثابت ہوئی اور پھر اصحاب کہف جیسے درویشان اسلام اور اہل خرقہ یعنی گدڑی اور کھل پوشوں کی مجالست اور مدارات اور خاطر دہاری کا حکم دیتے ہیں اور نبی ﷺ کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ عمار اور سلمان اور صہیب اور بلال اور ابن مسعود جیسے درویشوں کو جو زہد و قناعت اور صبر اور

استقامت میں اصحاب کہف کا نمونہ ہیں ان پر خاص نظر عنایت رکھئے اور اہل دنیا اور مالداروں کے کہنے سے ان درویشوں کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجئے اور جو لوگ اپنے مال و دولت پر فخر کرتے ہیں ان کی پرواہ نہ کیجئے چاہے ایمان لائیں یا نہ لائیں ان اہل دنیا کی طرف التفات نہ کیجئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ ان آیات میں پہلے تلاوت قرآن کا حکم دیا بعد ازاں ان لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا جو رضائے الہی کے طالب ہوتے ہیں اور صبح و شام عبادت الہی میں مشغول رہتے ہیں اور ایسے لوگوں سے منہ موڑنے کی ممانعت فرمائی اور اہل غفلت سے اعتراز اور کنارہ کشی کا حکم دیا اور اس آیت میں جس جماعت کی مجالست اور مصابحت رکھنے کا حکم دیا گیا وہ مہاجرین اولین تھے جو کثرت عبادت و اطاعت کے ساتھ موسوف تھے اور خواہ ابتداء ہی سے وہ فقیر تھے یا اپنا مال و متاع راہ خدا میں خرچ کر کے تنگ دست ہو گئے تھے۔ یہ ان کا منصب و صفت تھی۔
وہذا هو المقصور۔

کفار یہ کہتے تھے کہ اگر آپ ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی بات کو سنیں اور آپ پر ایمان لے آئیں تو جب ہم آپ ﷺ کے پاس آیا کریں تو آپ ان فقراء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹا دیا کریں ہمارا اور انکا مل کر بیٹھنا ہماری شان کے خلاف ہے ان کے جیوں اور کپڑوں سے نبوأتی ہے یہ لوگ ہمارے برابر کے نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی اور آپ ﷺ کو ان کی درخواست قبول کرنے سے منع کر دیا۔ اور آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان متکبرین اور معزورین کی بات کی طرف توجہ اور التفات نہ کریں اور ان درویشان اسما کی صحبت اور مجالست کو برقرار رکھیں اور ان سے اپنی نظر التفات نہ ہٹائیں یہ درویشان اسلام صبح و شام اللہ کی ذکر اور دعا میں مشغول ہیں اور ہمارے غلص بندے ہیں اور اصحاب کہف نہ ہنہ ان اہل غفلت کے کہنے سے آپ ان فقراء مؤمنین کو اپنے پاس سے نہ ہٹائیں اور نہ اٹھائیں ان متکبرین کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی ان کے برابر بیٹھ سکے اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ ان کی یہ درخواست قابل منظوری نہیں اصل عزت والے یہ فقراء صادقین ہیں اور یہ معزورین اور متکبرین اللہ کے نزدیک چھڑ کے پر کے برابر بھی نہیں اور اسی مضمون کی ایک آیت سورت انعام میں گزر چکی ہے: وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاوَةِ وَالْعَشَىٰ حَضْرَتِ مَسْئُومٍ اور حضرت خضر علیہا السلام کے قصہ تک یہی مضمون چلا گیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ! آپ اپنے پروردگار کی اس کتاب کو جو بذریعہ وحی آپ کے اس بھیجی گئی ہے اس کو پڑھئے اور دوسروں کو بھی سنائیے اور لوگوں تک اس کو پہنچائیے یہی آپ کی نبوت کی کافی اور شافی دلیل ہے اور یہ خیال نہ کیجئے کہ ان دولت مندوں کے اسلام میں داخل ہو جانے سے، سلام کو ترقی ہوگی ان پر دین کی ترقی کا دار و مدار نہیں اس دین کی ترقی کے ہم ذمہ دار ہیں۔ ہم آپ ﷺ سے وعدہ کر چکے ہیں اللہ کی باتوں کو یعنی اس کے وعدوں کو کوئی بدنے والا نہیں۔ خدا کے تمام وعدے اور تمام پیشین گوئیاں پوری ہو کر رہیں گی کسی کی موفقت یا مخالفت وعدہ الہی پر اثر انداز نہیں ہو سکتی یا یہ معنی کہ کافروں کے اس قول کی پرواہ نہ کیجئے جو یہ کہتے ہیں انت بقران غیر خدا او بدلہ: یعنی اس قرآن کے سوا دوسرا قرآن لاؤ جس میں جنوں کی مذمت اور شرک کا رد نہ ہو یا اس میں کچھ رد و بدل کر دو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کے کلمات میں کوئی متغیر و تبدل ممکن نہیں اور بجز ذات خداوندی کے آپ کوئی پناہ نہ پائیں گے اس کے سوا کوئی پناہ دینے والا نہیں۔

پاس بیٹھنے سے دنیا نظروں میں خوار ہوتی ہے یہ آیت بلالؓ اور عمارؓ اور صہیبؓ اور خبابؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے بارے میں نازل ہوئی جو صوف کے جبے پہنے ہوئے حضور پر نور ﷺ کی مجلس میں آتے تھے اور ان میں پسینا آ جاتا تھا جس سے ان اشراف قریش کو کراہت محسوس ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ صوف کا جبہ درویشان اسلام کا لباس ہے۔ اسی لیے صوفی کو صوفی کہتے ہیں کہ جواز راہ تو واضح و درویشی صوف (بالوں) کا لباس پہنے۔

اور مت کہنا مانو اس شخص کا جس کا دس ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور دنیا کے دن کا اس کو دیوانہ بنا دیا ہے اور وہ شخص ہمہ تن اپنی نفسانی کا تابع اور بیروہ ہو گیا ہے نفس کا بندہ (غلام) بنا ہوا ہے جدھر اس کا نفس اس کو لے جاتا ہے ادھر دوڑا چلا جاتا ہے ذلت اور عزت سے کو کوئی بحث نہیں اور اس کا کام جدا اعتدال سے گزرا ہوا ہے آپ ہرگز ہرگز ایسے لوگوں کا کہنا نہ اپنے اور ان کے کہنے سے فقراء صادقین اور اہل مخلصین کو اپنے پاس سے ہرگز نہ ہٹائیے اور ذرہ برابر ان اہل غفلت کی پرواہ نہ کیجئے اور ان اہل غفلت اور اہل ذکر مخلصین کو اپنے پاس سے ہرگز نہ ہٹائیے اور ذرہ برابر ان اہل غفلت کی پرواہ نہ کیجئے اور ان اہل غفلت اور اہل ثروت سے صاف کہہ دیجئے کہ یہ دین حق تمہارے پروردگار کے پاس سے آیا ہے جو مشغل ہدایت ہے۔ پس جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر کرے خدا تعالیٰ کو نہ تمہارے ایمان کی ضرورت ہے اور نہ تمہارے کفر سے ڈر ہے تمہارے کہنے سے میں ان فقراء صادقین و اکابرین مخلصین کو اپنے پاس سے نہیں ہٹا سکتا اور جو حق کا کافر و درمگر ہو وہ قابل التفات نہیں اور یہ کلام بطور تہدید اور تحریف سے نہ کہ بطور تخمیر و اباحت، اس کے بعد کافروں اور مسلمانوں کے اخروی درجات اور درجات کو بیان فرماتے ہیں اس میں شک نہیں کہ ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے وہ ان کی منتظر ہے۔ اس کی قائمیں اور پردے ہر طرف سے ان کو گھیر لیں گے اس کی چار دیواری سے باہر نہیں نکل سکیں گے اور اگر وہ پیاس سے چل سکیں گے اور فریاد کریں گے تو ان کی فریاد سی ایسے پانی سے کی جائے گی جو گھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا۔ یا تیل کے تپھٹ کی مانند ہوگا جو برتن کی تہہ میں رہ جاتا ہے اور اس قدر تیز گرم ہوگا کہ پاس لاتے ہی منہ کو بھون ڈالے گا اور دوزخ بہت ہی بری آرام گاہ ہوگی۔ اور وہ پانی بہت ہی برا ہوگا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اشقیاء کے بعد سعداء کا حال اور مال ذکر کرتے ہیں تحقیق جو لوگ اس حق پر ایمان لائے جو آپ ﷺ دے کر بھیجے گئے ہیں اور اس کی ہدایت کے مطابق اچھے عمل کیے تو بلاشبہ ایسے نیک و کاروں کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے ایسے ہی لوگوں کے لیے ہمیشہ کے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہاں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے جو بادشاہوں کی زینت ہے۔

زاد المسیر میں سعید بن جبیرؓ سے منقول ہے کہ ہر جنتی کے لیے تین کنگن ہوں گے ایک چاندی کا ایک موتی کا ایک راکہ یا قوت کا یا یہ مطلب ہے کہ کسی کے ہاتھ میں سونے کا کنگن ہوگا اور کسی کے ہاتھ میں چاندی کا اور کسی کے ہاتھ میں موتیوں کا اور ایک احتمال یہ بھی ہے چنیں اور گاہے چنناں ہو۔ مطلب یہ ہے کہ عالم آخرت میں معاملہ برعکس ہوگا اہل ایمان اگرچہ وہ درویش اور فقیر ہوں وہ تو ایسے مخلوق اور بانوں اور عیش و عشرت میں ہوں گے اور اہل کفر ذلت و خواری میں ہوں گے اور سبز کپڑے پہنیں گے۔ ہر ایک ریشم کے اور دبیز ریشم کے، اور کافروں کو گندھک کے کرتے پہنائے جائیں گے تکیہ لگانے والے ہوں گے۔

تحتوں پر جیسا کہ امیروں کی عادت ہے مطلب یہ ہے کہ غایت درجہ عین و آرام میں ہوں گے کیا خوب جزاء ہے ایمان کی اور اعمال صالحہ کی اور جنت خوب آرام گاہ ہے یا رہتخت خوب تکیہ گاہ ہیں جن پر یہ رویشاں اسلام شاہانہ لباس میں بیٹھے ہوں گے۔

وَاضْرِبْ لَهُم لِكْفَارِ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ مَثَلًا وَجَلْنِي بَدَلٌ وَهُوَ وَمَا بَعْدَهُ تَفْسِيرٌ لِمَثَلِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا الْكَافِرَ جَنَّتَيْنِ بَشْتَاتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَظْنَاهُمَا أَحْدَقْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا ۖ يَفْتَاتُ بِهِ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ كِلْتَا مُفْرَدٍ يَدُلُّ عَلَى التَّشْبِيهِ مُبْتَدَأُ أَنْتَ خَيْرُهُ أَكَلَهَا ثُمَّ هَا وَ لَمْ تَظْلَمْ تَنْقُصُ مِنْهُ شَيْئًا ۖ فَجَرْنَا خِلْمَهُمَا نَهْرًا ۖ يَجْرِي بَيْنَهُمَا وَكَانَ لَهُ مَعَ الْجَنَّتَيْنِ نَهْرٌ ۖ يَفْتَحُ النَّارَ وَالْجِيمَ وَضَمَّهِمَا وَبِضْمِ الْأَوَّلِ وَشُكُونِ الثَّانِي وَهُوَ جَمْعُ ثَمْرَةٍ كَشَجَرَةٍ وَخَشْبِيَّةٌ وَخَشْبٌ وَبَدَنِيَّةٌ وَبَدَنٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ الْمُؤْمِنِ وَهُوَ يَحَارُّهُ يَفَاخِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَاعْرُفْنَا ۖ عَشِيرَةٌ وَدَخَلَ جَنَّتَهُ بِصَاحِبِهِ يَطُوفُ بِهِ فِيهَا وَيُرِيهِ أَمَارَها وَلَمْ يَقُلْ جَنَّتِيهِ إِزَادَةُ لِلرُّوضَةِ وَقِيلَ اكْتَفَى بِالْوَاحِدِ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ ۖ بِالْكَفْرِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ تَعْدَمُ هَذِهِ أَبَدًا ۖ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً ۖ وَكَيْنَ زُوْدْتُ إِلَى رَبِّي فِي الْآخِرَةِ عَلَى رَعْمِكَ لِأَجْدَنَ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا ۖ مَرَّ جَعًا قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَارُّهُ يُجَاوِزُهُ أَكْفَرْتُ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تَوَابٍ لَإِنْ أَدَمَ خَلْقَ مِنْهُ ثُمَّ مِنْ لُطْفِي مَبْنِي ثُمَّ سَوَّيْتُكَ عَدْلَكَ وَضَمِيرُكَ رَجُلًا ۖ لَكِنَّا أَضَلُّهُ لَكِنْ أَنَا نُقِلْتُ حَرْكَةُ الْهَمْزَةِ إِلَى النَّوْنِ وَحَدِفَتِ الْهَمْزَةُ ثُمَّ أُدْغِمَتِ النَّوْنُ فِي مِثْلِهَا هُوَ ضَمِيرُ الشَّانِ يُفَسِّرُهُ الْجُمْلَةُ بَعْدَهُ وَالْمَعْنَى أَنَا أَقُولُ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أَشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ۖ وَكَوْلًا هَلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتُ عِنْدَ اعْجَابِكَ بِهَا هَذَا مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۖ فِي الْحَدِيثِ مَنْ أُعْطِيَ خَيْرًا مِنْ أَهْلِ أَوْ مَالٍ فَيَقُولُ عِنْدَ ذَلِكَ مَا شَاءَ ۖ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ لَمْ يَرَفِهِ مَكْرُوهًا إِنْ تَرَى أَنَا ضَمِيرٌ نَضَلِ بَيْنَ الْمُفْعُولَيْنِ أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا ۖ فَحَسَى رَبِّي أَنْ يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِنْ جَنَّتِكَ جَوَابُ الشَّرْطِ وَيُرْسِلُ عَلَيْهَا حُسْبَانًا جَمْعُ حُسْبَانَةٍ أَيْ صَوَاعِقٍ مِنَ السَّمَاءِ كَتُصْبِحُ صَعِيدًا أَرْزَأُ مَلَسًا ۖ لَا يَثْبُتُ عَلَيْهَا قَدَمٌ أَوْ يُصْبِحُ مَا وَهَى عَوْرًا بِمَعْنَى غَائِبًا عَطْفٌ عَلَى يَرْسِلُ دُونَ تَصْبِيحٍ لِأَنَّ غُرْرَ الْمَاءِ لَا يَتَسَبَّبُ عَنِ الصَّوَاعِقِ ۖ فَكُنْ سَطِيعٌ لَهُ طَلْبًا ۖ حَيْلَةُ نَدْرِ كُهُ بِهَا وَحَيْطٌ بِشَمْرِهِ بِأَوْجِهِ الضَّبْطُ السَّابِقَةُ مَعَ جَنَّتِهِ بِالْهَلَاكِ فَهَلَاكَتُ فَاصْبِحْ يَقْلِبُ كَفَيْهِ نَدْمًا وَتَحَشُرًا عَلَى مَا أَلْفَقَ فِيهَا فِي عِمَارَةِ جَنَّتِهِ وَهِيَ خَاوِيَةٌ سَاقِطَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا دَعَائِمُهَا

لَلْكَرَمِ بَانَ سَقَطَتْ ثُمَّ سَقَطَ الْكَرْمُ وَيَقُولُ بِالنَّبِيهِ يَلِيَّتُنِي لَمْ أَشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا ۝ وَ لَمْ تَكُنْ لَهُ بِالنَّبَاِ وَالْبَايِ فَتَنَةً جَمَاعَةً يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِنْدَ هَلَاكِهَا وَمَا كَانَ مُلْتَصِرًا ۝ عِنْدَ هَلَاكِهَا بِنَفْسِهِ هَذَا لِكَ أَيْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ الْوَلَايَةُ بِفَتْحِ الْوَاوِ التُّصَرُّهُ وَبِكَسْرِ هَا الْمَلِكُ رَبُّهُ الْحَقُّ بِالرَّفْعِ صِفَةُ الْوَلَايَةِ وَ بِالْجَرِّ صِفَةُ الْجَلَالَةِ هُوَ خَيْرٌ نَوَابًا مِنْ نَوَابٍ غَيْرِهِ لَوْ كَانَ يُثِيبُ وَ خَيْرٌ عَقْبًا ۝ بِضَمِّ الْقَافِ وَ سُكُونِهَا عَاقِبَةُ الْمُؤْمِنِينَ وَ نَضَبِهِمَا عَلَى التَّمْيِيزِ

ترجمہ: اور آپ بتلا دیجئے (بیان کر دیجئے) ان (کفار مکہ اور اہل ایمان) کو مثال ان دو شخصوں کی (یہ بدل واقع ہے اور لفظ رَجُلَيْنِ بعد کی عبارت سمیت لفظ مثلاً کی تفسیر ہے) ان میں سے ایک (کافر) کو ہم نے انور کے دو باغ دیئے تھے اور ان کے ارد گرد کھجور کے درختوں کی باڑ لگا رکھی تھی اور ان دونوں کے بیچ کی زمین میں ہم نے کھیتی بھی لگا رکھی تھی (جس سے کھانے پینے کا کام چلتا تھا) دونوں باغ (یکلنًا مفرد ہے اور تشبیہ کے معنی میں ہے اور یہاں مبتدا واقع ہے) اپنا پورا پھل دیتے اور کسی کے پھل میں ذرا بھی کمی نہیں رہتی تھی اور ان باغوں کے درمیان ایک نہر جاری کر رکھی تھی (جو وہاں بہ رہی تھی) اور اس شخص کے پاس (ان باغوں کے علاوہ) اور بھی پھل تھا شرم میں تین لغتیں ہیں تختیمین کے ساتھ، صمتمین کے ساتھ، ضم اول اور سکون ثانی کے ساتھ ثمرہ کی جمع ہے جیسے شجرہ کی جمع شجر اور شجرہ کے جمع حشب اور بدنتہ کی جمع بدن آتی ہے) چنانچہ اپنے (مسلمان دوست سے ایک دن ادھر ادھر کی (خمریہ) باتیں کرتے ہوئے بولا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور میرا جنتہ (جمع) بھی زیادہ ہے اور اپنے باغ میں پہنچا (ساتھی کو لے کر گھما پھر رہا تھا پھل پھل پھل پھل دیکھا رہا تھا یہاں حق تعالیٰ نے جنتیہ تشبیہ کے ساتھ استعمال نہیں فرمایا۔ مطلقاً باغ مراد لیتے ہوئے اور بعض کی رائے ہے کہ صرف ایک ہی باغ دکھلانے پر اکتفا کیا ہے) اپنے اوپر جرم (کفر) قائم کرتے ہوئے بولا کہ میں نہیں سمجھتا ایسا شاداب باغ کبھی ختم ہوگا اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچا دیا گیا (آخرت میں اے دوست تمہارے کہنے کے مطابق تو وہاں بھی مزے کریں گے یہ سن کر اس کے دوست نے) گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے (جواب کے طرز پر کہا کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے پہلے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا) کیونکہ آدم مٹی سے پیدا ہوئے) پھر نطفہ سے پیدا کیا اور پھر حج سالم (اچھا خاصا) آدمی بنا دیا؟ لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں (اس کیا صل لکن اتا ہے ہمزہ کی حرکت نون کو دیکر ہمزہ کو حذف کیا گیا اور نون کا نون میں ادغام کر دیا گیا) وہی (لفظ حوضیر شان ہے جس کی تفسیر بعد والا جملہ کر رہا ہے حاصل یہ ہوا کہ میرا یقین ہے کہ) اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اور پھر جب تم اپنے باغ میں پہنچے (تو اس کی شادابیاں دیکھتے ہی) یہ کیوں نہ کہا وہی ہوتا ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے اس کی مدد کے بغیر میں کچھ نہیں کر سکتا؟ (حدیث میں ہے کہ جو شخص مال اولاد کے ملنے پر ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ پڑھے اسے کوئی ناگوار بات پیش نہیں آسکتی) اور یہ جو تمہیں دکھائی رہا ہے کہ میں (لفظ اتا و مفعولوں کے درمیان ضمیر فصل ہے) تم سے مال و اولاد میں کمتر ہوں کیا عجب ہے میرا پروردگار تمہارے اس باغ سے بہتر مجھے دیدے (یہ جواب شرط ہے) اور تمہارے باغ پر کوئی تقدیری آفت (حسان، حسانہ، کی جمع

ہے یعنی بجلی کی کڑک) آسمان سے بھیج دے جس سے وہ باغ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے (پھسلن والی زمین کہ جس سے پاؤں رپٹ جائیں) یا پھر اس کی نہر کا پانی بالکل ہی نیچے اتر جائے (غور بمعنی غائر ہے اس کا عطف لفظ یرسل پر ہو گا نہ کہ صبح پر کیونکہ پانی اترنے کا سبب بجلی اور کڑک نہیں ہوا کرتی) اور پھر کسی طرح بھی اس تک نہ پہنچ سکے (تمہاری کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکے) اور پھر ایسا ہی ہوا کہ اس کی دولت گھیرے میں آگئی (لفظ ثمر میں وہی تین لغتیں ہیں جن کا بیان سابق میں آچکا، باغ سمیت پھل پھلوا رہی تباہ ہو گئے) اور وہ (حسرت و ندامت کے ساتھ) ہاتھ مل کر افسوس کرنے لگا کہ (ان دونوں باغوں کی درستگی پر) میں نے کیا کچھ خرچ کیا تھا اور اب حال یہ ہے کہ باغ کی ساری ٹیٹیاں گر کر زمین کے برابر ہو گئیں (انگور کی بیلیں جن ٹٹیوں پر چڑھ تھیں وہ بھی برباد ہو گئی اور انگور بھی) اب وہ کہتا ہے اے کاش میں (یا تمہیہ کے لیے) اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا اور کوئی ایسا جتھ (مجمع) نہ ہوا (تکن تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح ہے) جو اللہ کے سوا (بربادی کے وقت) اس کی مدد کرتا اور نہ (اپنی بربادی کے وقت) خود بدلہ لے سکا ایسے موقع پر (قیامت کے دن) مدد کرنا ولایہ داؤ کے فتح کے ساتھ مدد کرنا اور داؤ کے کسرہ کے ساتھ مالک ہوتا ہے) اللہ برحق ہی کام کا ہے وہی ہے جو سب سے بہتر ثواب دینے والا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: بَدَّلْ: اس میں اشارہ کیا کہ زمین مثلاً کا بدل ہے اور بعد اس کی تفسیر ہے جو جعلنا لاجدھما سے شروع ہوتی ہے۔
قولہ: بَلَّغْنَا: یعنی کلام لفظ کے لحاظ سے مفرد ہے اسی وجہ سے عطف کے اندر ضمیر مفرد لائی گئی اور یہ مبتداء ہے اور اتنا اس کی خبر ہے۔

قولہ: تَنْقِصْ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا پھل عام باغوں کی طرح کم نہیں ہوتا بلکہ ہر سال زیادہ ہوتا ہے۔

قولہ: يَجْرِي: اس سے اشارہ کیا کہ باغ کی سیرابی کے لیے پانی وافر مقدار میں موجود رہتا ہے۔

قولہ: كَثْرًا: اس سے اشارہ کیا کہ ان دو باغوں کے علاوہ اس کے مال کے ثمرات بھی موجود تھے۔

قولہ: لِلزَّوْضَةِ: روضہ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے دنیا میں فائدہ اٹھایا جائے اس سے اشارہ کیا کہ اس کے لیے ان دو کے علاوہ اور کوئی باغ نہیں تھا۔

قولہ: عَلِي زَعْمِكَ: اس سے اشارہ کیا کہ وہ بعث کو نہیں مانتا تھا اور یہ اشیاء مجھے استحقاق کی وجہ سے ملی ہیں۔

قولہ: اَكْفَرْتَ بِالَّذِي: اس سے اشارہ کیا کہ بعث کا انکار کفر ہے اور اس کا منشاء اللہ کی کمال قدرت میں شک ہے۔

قولہ: هَلَا: اس سے اشارہ کیا کہ لولا یہاں محضیض کے لیے آیا ہے۔

قولہ: هَذَا: اس سے اشارہ کیا کہ ماشاء اللہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قولہ: اَنْ يُّؤْتِيَنَّ خَيْرًا: یعنی دنیا میں یا آخرت میں، اگر ایمان لائے۔

قولہ: يُرْسِلْ عَلَيْهَا حُمْحُمًا: یعنی تیرے باغ پر تیرے کفر کی وجہ سے بگولہ بھیج دیا۔

قولہ: صَوَاعِقُ: اس سے اشارہ کر دیا کہ حسابان حسابانہ کی جمع ہے جس کا معنی کڑک ہے یہ حساب سے نہیں۔
 قولہ: بِمَعْنَى غَائِبًا: اس سے اشارہ کر دیا کہ غور مصدر بمعنی اسم فاعل مشتق کے لیے۔
 قولہ: حَيْلَةُ نُذْرٍ مَكَّةَ: اس سے اشارہ کر دیا کہ طلب سے یہاں طلب ماء مراد نہیں ہے۔ بلکہ مطلقاً پانی کا کسی بھی سبب سے حاصل ہو سکتا مراد ہے۔

قولہ: أُحِيطَ بِشَمِيرَةٍ: اس احاطہ سے مراد مال کا مکمل طور پر ہلاک کرنا اور بالہلاک کا تعلق احیط سے ہے۔
 قولہ: نَدَمْنَا: اس کو مقدر اس لیے مانا کہ علی تقلیل کا صلہ نہیں بن سکتا اور حشر یہ یقلب سے متعلق ہے۔
 قولہ: فِي عِمَارَةِ جَنَّتِهِ: اس سے اشارہ کیا کہ مصناف محذوف ہے۔
 قولہ: بِرَبِّي أَحَدًا: اس میں یہ احتمال ہے کہ اس نے شرک سے توبہ کی لیکن اضطرار و جزع دالی توبہ قابل قبول نہیں۔
 قولہ: مُنْتَصِرًا: اس کا معنی رکاوٹ ڈالنے والا۔
 قولہ: لَوْ كَانَ يَتَيْبُ: اس سے اشارہ کیا کہ ثواب کا اس کے غیر کے لیے بالفرض و التقدیر ہے۔

تفسیر مقبولین

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا زَكَاةً ...

بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی مثال:

(رہط) گزشتہ آیات میں کفار کی اس درخواست کو رد فرمایا جو اپنے مال و دولت کے نشہ میں چور تھے اور فقراء مسلمین کو حقیر سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھنے میں عار محسوس کرتے تھے اور اپنے مال و دولت پر فخر محسوس کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ جب ہم آپ ﷺ کے پاس آیا کریں تو آپ ان درویشان اسلام اور فقراء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹا دیا کریں اب ان آیات میں ان متکبرین کے سنانے کیلئے اور دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری بتلانے کے لیے بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی ایک مثال ذکر فرماتے ہیں جن میں سے ایک مالدار کافر تھا اور آخرت کا منکر تھا اور اپنے مالی و دولت پر مغرور تھا اور دوسرا ایک مؤمن اور درویش تھا مال دار کافر مال و دولت کے نشہ میں سلسلہ عالم کو قدم سمجھتا تھا اور آخرت کا منکر تھا اور فقیر مسلمان بھائی، اس کو خدا کی عظمت اور جلال کی تلقین کرتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ یہ عالم قدیم نہیں اور اس کا رخا نہ عالم کی باگ ڈور اس پروردگار کے ہاتھ میں ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا اصل دولت اور اصل عزت پروردگار عالم کی اطاعت اور عبادت میں ہے جو فقراء مسلمین کو حاصل ہے اور تو اس عزت سے محروم ہے یہ درویش بھائی اپنے دولت مند بھائی کو ڈراتا تھا کہ خدا کی ناشکری نہ کر مبادا کہ کوئی بلا نازل ہو جائے۔ چنانچہ اس پر ایک بلا آسانی ناگہانی طور پر نازل ہوئی جس سے دم کے دم میں وہ تمام باغ ابرو گیا اور مالک باغ حسرت سے ہاتھ ملتا رہ گیا تب اس کی آنکھ کھلی کہ اللہ ہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ آئندہ آیات میں ایک طالب دنیا اور ایک طالب آخرت کا قصہ بیان فرماتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اموال کی کثرت اور اموال انصار کی قوت قابل فخر چیز نہیں ہو سکتی ہو سکتا ہے کہ دم کے دم میں تو نگر۔ فقیر ہو جائے اور

فقیر۔ تو نگر ہو جائے قابل فخر تو ایمان اور عمل صالح اور تقویٰ ہے اور یہ دنیا تو چند روزہ باغ و بہار ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اسے نبی ﷺ! دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری ظاہر کرنے کے لیے دو شخصوں کا قصہ بیان کر۔ وہ دو آدمی تھے آپس میں بھائی بھائی تھے ان میں سے ایک کو جو کافر تھا ہم نے انگوروں کے دو باغ دیئے تھے اور ان دونوں باغوں کو ہم نے کھجوروں کے درختوں سے گھیر دیا تھا۔ یعنی ہر چار طرف کھجور کے درخت تھے اور ان دونوں باغوں کے درمیان ہم نے کھیتی بھی کر دی تھی جس سے قوت روزینہ ان کو حاصل ہوتی تھی اس میں کوئی جگہ خالی نہ تھی تمام زمین سے قسم قسم کی پیداوار تھی دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور باغ کی پیداوار میں ذرہ برابر کمی نہ تھی اور ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان نہر بھی جاری کر دی تھی جس کا پانی کبھی منقطع نہیں ہوتا تھا اور وہ نہر دونوں کو ہمیشہ پانی پہنچاتی اور اس پیداوار کے علاوہ اس شخص کے لیے اور بھی قسم قسم کے پھل تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ علیہ اور قتادہ رحمہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ثمر سے مال مراد ہے۔ یعنی سوائے ان دو باغوں کے اس کے پاس اور بھی قسم قسم کا مال تھا یعنی سونا اور چاندی وغیرہ تھا۔ پس یہ مالدار کافر اپنے ساتھی یعنی مؤمن بھائی سے جو غریب تھا۔ بولا۔ درآں حالیکہ وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا یعنی یہ کہتا جاتا تھا اور وہ جواب دیتا جاتا تھا۔ دونوں میں باہم گفتگو ہو رہی تھی اثناء گفتگو میں اس کافر بھائی نے فخر کہا کہ میں تجھ سے مال میں بڑھا ہوا ہوں اور حشم و خدم کے اعتبار سے زیادہ عزت والا ہوں پھر یہ مالدار کافر اپنے غریب مؤمن ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے باغات اور ان کی پیداوار اور مال و دولت کو دکھلاتا تھا اور فخر کرتا جاتا تھا اور اسی طرح اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنے باغ میں داخل ہوا درآں حالیکہ وہ اپنے کفر اور فخر کے سبب اپنی جان پر ظلم کر رہا تھا۔ فخر اور خود بینی کی وجہ سے اور پھر دنیا کی محبت کے سبب سے مؤمن بھائی نے اس کو فخر اور کفران نعمت کی شامت سے ڈرایا مگر ایک نہ سنی اور بولا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی اجڑے۔ کفار کا ہمیشہ یہی خیال ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ عیش و آرام میں ہی رہیں گے اور بولا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر بفرض مجال تیرے اعتقاد کے مطابق میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹا یا بھی جاؤں تو اس سے بہتر مکان میں وہاں پاؤں گا کیونکہ میری یہ امیری اس بات کی دلیل ہے کہ میری شان اسی لائق ہے کہ مجھے یہ مال و دولت ملے اور میرا رب مجھ سے راضی ہے جب اس نے مجھے یہاں دیا تو وہ مجھ کو وہاں بھی دے گا۔ اور اس سے بہتر دے گا۔ اکثر کفار اور ارضیاء کا یہی حال ہے کہ وہ اپنی دولت اور عیش و عشرت اور دنیاوی عزت و راحت کو اپنی مقبول خداوندی اور کرم خداوند ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں یہ حال تو کافروں کا ہے اور بہت سے مالدار مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے بزبان قال تو ہمیں بزبان حال وہ بھی یہی کہہ رہے ہیں اور عملاً فقر اور غرباء کی مجالست سے عار کرتے ہیں۔ اس کی یہ باتیں سن کر اس سے اس کے دیدار و نادار ساتھی نے اثناء گفتگو میں کہا کیا تو اس خدا کی قدرت کا منکر ہو گیا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا پھر تجھ کو نطفہ سے نکالا جبکہ تو مردہ بدست زندہ تھا اور کسی چیز کا مالک نہ تھا ماں اور دایہ کی گود میں پرورش پارہا تھا۔ پھر خدا نے تجھ کو اپنی قدرت سے پورا مرد بنا دیا اب تجھے اس خدا کی قدرت میں شک ہو گیا کہ جب میں مر جاؤں گا اور مر کر مٹی میں ہو جاؤں گا تو وہ مجھے کیسے دوبارہ پیدا کرے گا جس خدا نے تجھ کو پہلی بار مٹی سے پیدا کیا وہی خدا تجھ کو دوبارہ مٹی سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ بھلا ایسے قادر مطلق کو قیامت کا قائم کرنا کیا مشکل ہے۔ خیر تو مانے یا نہ مانے لیکن میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے یہی میرے دل میں ہے اور یہی میری زبان پر ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرتا۔ نہ اعتقاد میں نہ قوس میں اور نہ فعل میں اس جواب سے الوہیت اور وحدانیت کا بھی

انعام اور جزا دینے میں سب سے بہتر ہے اور اسی کی اطاعت کا انجام سب سے بہتر ہے۔ یعنی انجام اور عاقبت کے اعتبار سے اہل ایمان اور اہل طاعت سے بڑھ کر کوئی نہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو مردوں کی مثال بیان کی ان کی تمیین میں مفسرین نے مختلف احوال ذکر کئے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں بھائی بنی اسرائیل میں سے تھے اور انھی دو بھائیوں کا قصہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصافات میں ذکر کیا ہے کما قال تعالیٰ قال قائل قائل منکم انی کان لی توین ارح اور بعض کہتے ہیں کہ اہل مکہ میں سے قبیلہ مخزوم کے دو بھائیوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جن میں سے ایک بھائی مسلمان تھا اور دوسرا کافر اور مقصود یہ ہے کہ مال و دولت پر فخر کرنا اور فقراء مسلمین کو حقیر سمجھنا بہت ہی برا ہے اصل عزت حق تعالیٰ کے تعلق اور اس کی اطاعت میں ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص ۵۰۰ جلد ۵ تفسیر مستطی ص ۲۹۹ جلد ۱)

فائلا: حق تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اکثر اپنے مقبول بندوں کو دنیا سے دور رکھتا ہے اور کافروں کو دنیا کی عیش و آرام

سے خوب نوازتا ہے اور اہل ایمان پر بلائیں نازل کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

یعنی اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ کفر کے فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے تو ہم کافروں کو اتنا مال و دوست دیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں بھی چاندی کی کر دیتے قاعدہ اکثر یہ تو یہ ہے مگر بعض مرتبہ کافر کا غرور اور تکبر توڑ دینے کے لیے کوئی بلاء آسانی اس کے مال و دولت پر نازل کرتے ہیں کہ متنبہ ہو جائے کہ یہ دنیا ہیچ ہے۔ اور امیری اور فقیری سب اس کے ہاتھ میں ہے وہ دم کے دم میں بڑے سے بڑے مشکبر اور سرکش کو محتاج اور خوار بنا ڈالتا ہے اس لیے آئندہ آیت میں دنیا کی حقیقت سمجھانے کے لیے ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔

وَاضْرِبْ صَبْرًا لَهُمْ لِقَوْمِكَ مَثَلِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَفْعُولٌ اَوَّلٌ كَمَا مَاءٌ مَفْعُولٌ ثَانٍ اَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ تَكَثُفٌ بِسَبَبِ نَزْوِلِ الْمَاءِ نَبَاتُ الْاَرْضِ وَاسْتَرْجَ الْمَاءُ بِالنَّبَاتِ فَرَوَى وَحَسَنٌ فَاَصْبَحَ فَصَارَ النَّبَاتُ هَشِيمًا يَا بَسْمًا مَتَفَرِّقَةً اَجْزَاءَهُ تَدْرُوهُ تَبَيُّرُهُ وَتَفْرِقُهُ الرِّيحُ فَتَذْهَبُ بِهِ الْمَعْنَى شَبَهَةَ الدُّنْيَا بِنَبَاتٍ حَسَنٍ فَيَسُّ وَتَكْسِرُ فَفَرَّقَتْهُ الرِّيحُ وَفِي قِرَاءَةِ الرِّيحِ وَكَانَ اللهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ قَادِرًا اَلْمَالِ وَ اَلْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا يَتَجَمَّلُ بِهَمَّا فِيهَا وَ اَلْبَقِيَّتُ الصَّالِحَةُ هِيَ سُبْحَانَ اللهِ وَ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ وَ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَ اَللهُ اَكْبَرُ وَ زَادَ بَعْضُهُمْ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللَّهِ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَ خَيْرٌ اَمَلًا ۝ اَيُّ مَا يَأْمُرُهُ الْاِنْسَانُ وَ يَنْهَى جُؤُهُ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى وَ اَذْكَرُ يَوْمَ تُسْأَرُ الْجِبَالُ يَذْهَبُ بِهَا عَنْ وَجْهِ الْاَرْضِ فَتَصِيرُ هَبَاءً مُتْبَعًا وَ فِي قِرَاءَةِ اَلْبَنُونَ وَ كَسْرِ الْبَاءِ وَ نَصْبِ الْجِبَالِ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِدَةً ۝ ظَاهِرَةٌ لَيْسَ عَلَيْهَا شَيْءٌ مِنْ جَبَلٍ وَ لَا غَيْرِهِ وَ حَشَرْتَهُمُ الْمُؤْمِنِينَ وَ اَلْكَافِرِينَ فَلَمَّا نَغَادِرُنْ نُرُكُ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ وَ عَرَضُوا عَلَى رَبِّكَ صَفًّا ۝ خَالَ اَيُّ مُصْطَفَيْنِ كُلُّ اُمَّةٍ صَفٌّ وَيُقَالُ لَهُمْ لَقَدْ جِئْتُنَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۝ اَيُّ فُرَادَى حُفَاةً عُرَاةً

عُرُوا وَيُقَالُ لِلْمُكْرِي الْبُعْثِ بَلْ دَعَمْتُمْ ن مُخَفَّفَةٌ مِنَ التَّثْبِيلَةِ أَيْ أَنَّهُ الْكُنْ نُجْعَلْ لَكُمْ قَوْعِدًا ۝ لِلبُعْثِ وَ
 وَضِعَ الْكُتُبِ أَيْ كِتَابِ كُلِّ امْرِءٍ فِيمَنْ يَمِينِهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَفِي شِمَالِهِ مِنَ الْكَافِرِينَ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ
 الْكَافِرِينَ مُشْفِقِينَ خَائِفِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ عِنْدَ مُعَاتَبَتِهِمْ مَا فِيهِ مِنَ الشَّيْئَاتِ لِتَثْبِيهِ يَوْمَئِذٍ هَلَكْنَا
 وَهُوَ مُصَدَّرٌ لِأَفْعَلٍ لَهُ مِنْ لَفْظِهِ مَا لِي هَذَا الْكُتُبِ لَا يَخَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً مِنْ ذُنُوبِنَا إِلَّا أَحْصَاهَا عَذَابُهَا
 وَتَثْبِيهَا نَعَجِبُوا مِنْهُ فِي ذَلِكَ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا مُتَّبِئِينَ كِتَابِهِمْ وَلَا يُظْلَمُونَ مِنْهُ شَيْئًا لَا يُعَاقِبُهُ
 بِغَيْرِ حُجْمٍ وَلَا يُنْقِضُ مِنْ ثَوَابِ مُؤْمِنِينَ

۱۸

ترجمہ: اور آپ انہیں (اپنی قوم کو) دنیاوی زندگی کی مثال سنا دیجئے (یہ مفعول اول ہے اضر ب معنی صیر کا) اس کی مثال
 ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا (یہ مفعول ثانی ہے) اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھرائی (بارش کا پانی
 مٹی میں مل کر زمین کی پیداوار میں تراوٹ اور تازگی آگئی اور خوب پھلی پھولی) پھر سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا (گھس
 پھوس خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو گئی) ہوا کے جھونکے اسے اڑا کر منتشر کر رہے ہیں (ہوا انہیں لیے پھرتی ہے حاصل یہ کہ دنیا کی
 مثال ایک ایسی گھاس کی ہے جو پہلے تروتازہ تھی پھر سوکھ کر چورہ چورہ ہو گئی اور ہوا میں اڑ گئی، ایک قراءت میں ریح کے
 بجائے ریح ہے) اور کون سی بات ہے جس کے کرنے پر اللہ قادر نہیں ہیں (سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر، اور بعض
 نے اس میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا اضافہ کیا ہے) وہ آپ کے پروردگار کے نزدیک اجر و ثواب کے لحاظ سے ہزار درجہ بہتر ہیں
 اور وہی ہیں جن کے نتائج سے بہتر امید کی جاسکتی ہے (انسان جو امید اور توقع اللہ سے قائم کرے) اور اس دن کو یاد کرنا
 چاہئے جب ہم پہاڑوں کو چلائیں گے (زمین سے ہٹا دیے جائیں گے بہت ہی ہوتی ریت کے مانند ہو جائیں گے اور ایک
 قراءت میں یسر کے بجائے نسیر، نون کے ساتھ اور یاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور جبال منصوب ہے) اور آپ زمین کو دیکھیں
 گے کھلا میدان پڑا ہے (بالکل صاف، نہ اس پر پہاڑ ہوگا اور نہ کچھ اور) اور ہم سب (مسلمانوں اور کافروں) کو اکٹھا کریں
 گے اور ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے اور ان سب کی صفیں تمہارے پروردگار کے روبرو پیش ہوں گی (صفا، حال واقع
 ہے یعنی ہر جماعت صف بستہ ہو کر برابر کھڑی ہوگی اور ان سے کہا جائے دیکھو جس طرح تمہیں ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا
 آخر پھر تم ہمارے پاس آئے بھی) یعنی ایک ایک کر کے الگ الگ ننگے پاؤں، ننگے بدن بغیر ختنہ کے اور منکرین قیامت سے
 کہا جائے گا) مگر تم نے خیال کیا تھا کہ ہم نے (ان کو محفوظ رکھا ہے اصل میں انہی کو تمہارے لیے) قیامت کا) کوئی وقت نہیں ٹھہرایا
 ہے اور نامہ اعمال رکھ دیا جائے گا (یعنی ہر انسان کا نامہ اعمال سامنے آ جائیگا نیک لوگوں کا داہنے ہاتھ میں اور بدکاروں کا
 بائیں ہاتھ میں) اور اس وقت آپ دیکھیں گے کہ جو کچھ ان میں لکھا ہوا ہوگا مجرم (کافر) اس سے ہراساں (خائف) ہو
 رہے ہوں گے وہ چیخ اٹھیں گے (اپنی بربادی دیکھ کر) ہائے (یہ کلمہ تنبیہ کے لیے آتا ہے) ہماری کبختی (یہ مصدر ہے،
 لفظوں میں اس کا فعل نہیں آتا) یہ نامہ اعمال کیسا ہے کہ (ہمارے گناہوں کی) کوئی بات بڑی ہو یا چھوٹی اس سے چھوٹی ہوئی
 نہیں ہے سب قلمبند ہے (اس کو گن کر رکھا ہے اور محفوظ کر دیا ہے اسے دیکھ کر یہ حیرت کریں گے) غرضیکہ جو کچھ انہوں نے کیا

تھا وہ اپنے سامنے (نامہ اعمال میں محفوظ کیا ہوا) موجود پائیں گے اور آپ کا پروردگار کسی پر زیادتی نہیں کرتا (کہ بغیر جرم کے کسی کو سزا دے یا کسی کی نیکی میں کمی کر دے)

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: **صَيَّرَ**: اس سے اشارہ ہے کہ اضرب یہاں میسر اور مثل الحیوۃ یہ اس کا مفعول اول ہے۔

قولہ: **بِهِ**: باسویہ ہے مع کے معنی میں نہیں ہے۔ یا بالصلاق کے لیے ہے۔

قولہ: **الْمَعْنَى شَبَّهَ الدُّنْيَا**: مشبہ بہ۔ نباتات ہے نہ کہ پانی ہشیم، ریزہ ریزہ ہوتا۔

قولہ: **يُنْتَجَمَلُ بِهِمَا**: زینت کی زندگی کی طرف اضافت ظرفیت کے لحاظ سے ہے۔ مصدر الزینت بمعنی مفعول ہے۔

قولہ: **وَالْبَقِيَّتُ الصَّالِحَاتُ**: اس سے وہ اعمال خیر مراد ہیں جنکا ثمرہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

قولہ: **بِمَا يَأْمَلُهُ**: یہ مصدر بمعنی مفعول ہے۔

قولہ: **حَسَّرْنَاهُمْ**: یعنی موقف کی طرف جمع کریں گے۔ ماضی کے صیغہ سے تذکرہ قطعی و یقینی ہونے کی وجہ سے ہے۔

قولہ: **عَرَضُوا عَلَى رَبِّكَ**: اس سے اشارہ کیا ان کی پیش کا حال اس طرح جیسے لشکر کو بادشاہ کے دربار میں پیش کیا جاتا ہے اور

یہ معرفت کے لیے نہیں بلکہ حساب کے لیے تعریض ہوگی۔

قولہ: **مُصْطَفَيْنَ**: اس سے اشارہ ہے کہ صفا مصدر بمعنی مشتق ہے۔

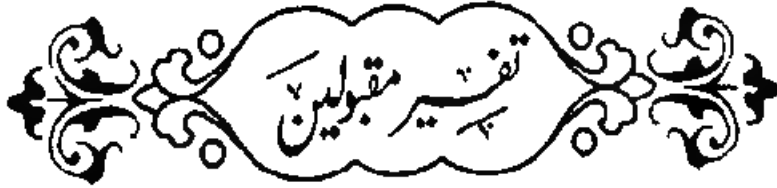
قولہ: **يُقَالُ لَهُمْ**: اس کو تنظیم کلام کے لیے مقدر مانا گیا۔ اور یہ بھی اشارہ ہے اس کا مخاطب ماقبل کے علاوہ ہے۔

قولہ: **كِتَابٍ كُتِبَ**: اس سے اشارہ ہے کہ کتاب میں لام استغراقی ہے۔

قولہ: **خَائِفِينَ**: اس سے اشارہ ہے کہ یہ اشفاق بمع خوف ہے نہ شفقت۔

قولہ: **عَذَّهَا**: سے اشارہ ہے۔ احصاء انتہاء کے معنی میں نہیں بلکہ گنتی اور شمار کے معنی میں ہے۔

قولہ: **تَعَجَّبُوا**: اس سے اشارہ ہے کہ یہ استفہام تمجیہ ہے۔



وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا.....

دنیا کے فناء و زوال کی ایک مثال:

(روبط) گزشتہ آیات میں دو مخصوص کی مثال بیان کی تھی جس سے دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو بتلانا مقصود تھا اب پھر دنیا کی بے ثباتی کے لیے ایک دوسری مثال بیان فرماتے ہیں تاکہ دنیا کی اندرونی حقیقت ظاہر ہو جائے اور لوگ اس کی ظاہری زیب و زینت کو دیکھ کر فریفتہ نہ ہوں اور اس کی ظاہری آرائش سے دھوکہ نہ کھائیں اور سمجھ جائیں کہ یہ دنیا بچ ہے۔

قابل فخر نہیں قابل فخر اور قابل شکر باقیات صالحات یعنی اعمال صالحہ ہیں جن کے مقابلہ میں ساری دنیا کی آرائش اور زیبائش بیچ ہے۔ دنیا تو خمیس ہے اگر نفیس کی خواہش ہے تو آخرت کی تیاری کریں اور آخرت کے لیے کوئی ذخیرہ اور خزیئہ تیار کریں اور وہ خزانہ اعمال صالحہ کا ہے دیکھ لو کہ ابلیس تکبر اور اپنی اصل پر غرور کی وجہ سے کیسا ذلیل و خوار ہو کر نکلا۔ اور آخر میں فرمایا کہ قوم عاد اور ثمود کی بستیوں کو دیکھ لیں کہ تکبر اور غرور کی وجہ سے کیسے ہلاک ہوئے

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ متکبرین ایک حقیر اور فانی چیز پر فخر کر رہے ہیں حالانکہ ایک خمیس اور سربلج الزوال چیز پر فخر کرنا نادانی ہے۔ پھر قیامت کے ہولناک منظر کو بیان کیا کہ اس دنیا کے فناء و زوال کے بعد جب قیامت قائم ہوگی تو اس وقت ایمان اور عمل صالح کام آئے گا۔ دنیا کی مال و دولت کچھ کام نہ آئے گی چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ ﷺ ان کافروں کے لیے جو اموال و اولاد پر فخر کرتے ہیں دنیاوی زندگی کی مثال بیان کر دیجئے کہ وہ کیسی ہری بھری معلوم ہوتی ہے اور پھر کیسی جلدی زائل اور فنا ہو جاتی ہے وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس پانی کے ذریعہ سے گنجان روئیدگی حاصل ہوئی۔ جس سے وہ زمین تر و تازہ اور سرسبز و شاداب ہو گئی اور خوش نما معلوم ہونے لگی پھر آخر کار وہ خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو گئی جس کو ہوائیں اڑانے لگیں اور اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے وہی اپنی قدرت سے سبزہ اگاتا ہے اور پھر اس کو خشک کر کے ہوا میں اڑاتا ہے۔ اسی طرح دنیا کا حال ہے کہ اول اول سبزہ اور کھیتی کی مانند تر و تازہ اور خوش نما معلوم ہوتی ہے اور خوب بہار دکھاتی ہے پھر جس طرح چند روز کے بعد سبزہ سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور دائیں اور بائیں ہوائیں اس کو اڑالے جاتی ہیں اسی طرح چند روز بعد یہ دنیا بھی فنا ہو جائے گی۔ لہذا چند روزہ رونق اور بہار پر پھولنا اور اترانا عقل کا کام نہیں خوب سمجھ لو کہ جس خدا نے تم کو آل و اولاد کی زینت عطا کی ہے وہ اس کے نناء کرنے پر بھی قادر ہے مال اور بیٹے جن پر کافر اترتے ہیں اور فخر کرتے ہیں محض دنیاوی زندگی کی زینت ہیں زاد آخرت نہیں اور ایسی چیز پر دل لگانا اور فخر کرنا جو چند روز کے بعد زائل ہو جائے اور آخرت میں کچھ کام نہ آئے عاقل کا کام نہیں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ ماں اور بیٹے دنیا کی کھیتی ہے اور اعمال صالحہ آخرت کی کھیتی ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں یعنی وہ اعمال صالحہ جو خالص اللہ کے لیے کئے گئے ہوں اور طمع اور غرض کا شائبہ اس میں نہ ہو وہ تیرے پروردگار کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے خوب تر ہیں اور باعتبار امید اور توقع کے بہتر ہیں یعنی اعمال صالحہ پر اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھی جاسکتی ہے کیونکہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ جو نیک عمل کرے گا وہ بہشت میں من مانی مراد پائے گا اس کے سوا تمام امیدیں موهوم ہیں اعمال صالحہ کا ثمرہ دائمی اور باقی ہے اور غیر اعمال صالحہ کا نتیجہ وقتی اور عارضی ہے۔

باقیات صالحات کی تفسیر میں سلف اور خلف سے مختلف اقوال منقول ہیں (قول اول) ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے منقول ہے کہ باقی رہنے والی نیکیاں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوة الا باللہ العلیٰ العظیم۔ یہ کلمات شورہ ہیں اور اس کی تائید مرفوع حدیثوں سے بھی ہوتی ہے۔

قول دوم: باقیات صالحات سے نماز ہائے پنجگانہ مراد ہیں۔

قول سوم: باقیات صالحات سے وہ تمام اعمال صالحہ مراد ہیں جن کے ثمرات باقی رہنے والے ہیں جیسے کسی کو علم سکھایا جائے جو جاری رہے یا کوئی نیک رسم جاری کرے یا مسجد یا کواں یا سرائے یا باغ یا کھیت خدا کے لیے وقف کر جائے یا اولاد کو

ترتیب کر کے صالح یا عالم یا عمل چھوڑ جاتے تو یہ سب صدقات جاریہ ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی اس کو ملتا رہے گا اور یہی قول سب اقوال میں راجح اور صحیح ہے اور یہی قول سب سے اعم اور اشمل ہے جس میں نماز اور اعمال حج اور روزہ اور کلمات ماثورہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وغیرہ وغیرہ اور تمام پاکیزہ اقوال اور افعال جن کا ثمرہ آخرت کے لیے باقی رہے وہ سب باقیات صالحات میں داخل ہیں اور اسی قول کو امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ باقیات صالحات کی تلقین سے آخرت کی ترغیب مراد ہے کہ اس کے لیے تیاری کریں اب آئندہ آیات میں قیامت کے ہولناک واقعات سے آگاہ کرنے کے لیے چند انواع کا ذکر فرمایا۔

(نوع اول) وَ یَوْمَ نُسَبِّرُ الْجِبَالَ اور اس دن کو یاد کرنا چاہئے کہ جس دن ہم پہاڑوں کو انگی جگھوں سے ہٹا کر چلا دیں گے جن کا وجود اور بقاء لوگوں کی نظروں میں مستحکم ہے ان کو روٹی کے گالوں کی طرح اڑا دیں گے۔

(نوع دوم) وَ تَوَمَّى الْأَرْضُ لَکَرْدًا اور تو اس دن زمین کو کھلا ہوا چیل میدان دیکھے گا نہ اس پر کوئی پہاڑ ہوگا نہ درخت نہ مکان پوری طرح زمین قار صاف ہوگی یعنی برابر اور ہموار میدان ہوگی نہ اس میں اونچائی ہوگی نہ نچائی کسی چیز کا اس پر نام و نشان نہ ہوگا زمین کے مردے اور اس کے خزینے اندر سے نکل کر سب باہر آجائیں گے غرض یہ کہ اس دن زمین صاف ہموار میدان بن جائے گی اور کوئی چیز زمین کے جوف (پیٹ) میں نہ رہے گی اس کا اندرونی جوف سب ظاہر ہو جائے گا۔

(نوع سوئم) اور اس دن ہم سب لوگوں کو میدان حشر میں حساب و کتاب کے لیے جمع کریں گے پھر ہم اولین و آخرین میں سے بغیر جمع کئے کسی کو نہیں چھوڑیں گے کہ وہاں نہ لایا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر نہ بھول چوک ممکن ہے نہ عجز ممکن ہے۔ قل ان الاولین والآخرین لمجموعون الی میقات یوم معلوم۔

(نوع چہارم) وَ عَرِضُوا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا اور اس دن تمام اولین و آخرین حساب کے لیے تیرے پروردگار کے روبرو کھڑے کئے جائیں گے یعنی اس دن تمام لوگ حساب کے لیے حکم الحاکمین کے روبرو کھڑے کئے جائیں گے کما قال تعالیٰ: یوم یقوم الناس لرب العالمین۔

(نوع پنجم) لَقَدْ جَسَّوْنَا کَمَا خَلَقْنَاکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ پھر پیش ہونے کے بعد منکرین قیامت کو ملامت کی جائے گی اور سن سے کہا جائے گا البتہ تحقیق تم آج ہرے حضور میں حاضر ہوئے ہو بے حشمت و وقار اور بے خدمت گزار اور بے مال و منال اور بے کرتے پاچا مے ننگے بے پردہ بال جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اب تو تم نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور تم کو یقین آ گیا کہ خدا تعالیٰ کس طرح دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور وہ اموال و اولاد اور وہ باغات و مکانات جن پر تم فخر کیا کرتے تھے ان میں سے کوئی چیز اس وقت تمہارے پاس نہیں جس طرح پہلی مرتبہ تم ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے تھے اسی طرح پھر تم کو پیدا کیا گیا ہے تم کو چاہئے تھا کہ پہلی مرتبہ کی پیدائش دیکھ کر تم دوسری مرتبہ کی پیدائش کے قائل ہو جاتے مگر تم قائل نہ ہوئے۔ بلکہ تم نے دینا میں یہ گمان کیا کہ ہم تمہارے حساب کے لیے کوئی وقت موعود نہ لائیں گے۔ یعنی تم قیامت کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیاوی حیات پر مغرور اور مفتون تھے اس لیے تم نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور آخرت کے ماننے والوں پر طعن کیا اور ان کو ذلیل و خوار جانا اور بے یار و مددگار سمجھ کر ان کو ستایا تمہارا سارا محمد مذہب تم ہوا اب خالی ہاتھ آئے ہو اس وقت اللہ کے

آگے نکلے پاؤں اور نکلے بدن اور غیر محتون مشور ہوئے ہو۔ یعنی ختنہ کے وقت تمہارے بدن کی جو ذرا کھال کٹ گئی تھی وہ بھی واپس کر دی گئی۔ دیکھ لیا کہ خدا تعالیٰ کس طرح دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

(نوع ششم) وَوَضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمَجْرُومِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا، اور اس دن ہر شخص کا نامہ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا پس تو اس دن مجرموں کو دیکھے گا کہ خوف سے ڈرنے والے اور کانپنے والے ہوں گے ان جرائم کی سزا کے ڈر سے جو ان کے نامہ اعمال میں درج ہوں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی بات کو مگر سب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے کرنا کاتبین نے ایک ایک ذرہ لکھ دیا ہے کوئی چیز چھوڑی نہیں یہ بات وہ اپنے نامہ اعمال کو پڑھ کر کہیں گے۔
(نوع ہفتم) وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا اور جو انہوں نے دنیا میں کیا تھا وہ سب اس نامہ اعمال میں لکھا ہوا موجود پائیں گے تاکہ ان پر حجت قائم ہو اور تیرا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا نہ وہ کسی کو بے قصور پکڑتا ہے اور نہ کسی کی نیکی کو ضائع کرتا ہے اس وقت جو کچھ تم دیکھ رہے ہو وہ سب تمہارے عمل کا پھل ہے۔

وَإِذْ مَنَّوْنَا بِالَّذِينَ اسْجَدُوا لِآدَمَ سَجُودًا لِّلْحِنَاءِ لَا وَضِعَ جَنَّةً تَحِيَّةً لَهُ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ
كَانَ مِنَ الْجِنِّ قِيلَ لَهُمْ نَزِعْ مِنَ الْمَلِكَةِ فَالَا سْتَسْتَأْذِنُ مَنصِلٌ وَقِيلَ هُوَ مُنْقَطِعٌ وَإِبْلِيسَ أَبُو الْجِنِّ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ
ذُكِرَتْ مَعَهُ بَعْدُ وَالْمَلِكَةُ لَا ذُرِّيَّةَ لَهُمْ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ أَي خَرَجَ عَنْ طَاعَتِهِ بِتَرِكِ السُّجُودِ
أَفْتَكِبُوا وَنَهَى وَذُرِّيَّتَهُ الْخِطَابُ لِأَدَمَ وَذُرِّيَّتِهِ وَالنَّهْيُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِإِبْلِيسَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي تُطِيعُونَهُمْ وَ
هُمُ لَكُمْ عَدَاوَةٌ أَي أَخْدَائِي حَالِ يَكْسُ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا ۝ إِبْلِيسَ وَذُرِّيَّتَهُ فِي طَاعَتِهِمْ بَدَلِ إِطَاعَةِ اللَّهِ
نَعَالِي مَا أَشْهَدُهُمْ أَي إِبْلِيسَ وَذُرِّيَّتَهُ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلَقَ الْفِئْسَمَ أَي لَمْ أَحْضَرْ بَعْضُهُمْ
خَلْقَ بَعْضٍ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذًا لِلضَّالِّينَ الشَّيَاطِينَ عَضَدًا ۝ أَعْوَانًا فِي الْخَلْقِ فَكَيْفَ تُطِيعُونَهُمْ وَيَوْمَ
مَنْصُوبٍ بِأَذْكَرٍ يَقُولُ بِالْبَاءِ وَالنُّونِ نَادُوا شُرَكَاءِي الَّذِينَ دَعَمْتُمْ لِيَسْفَعُوا لَكُمْ بِرِعْمِكُمْ
فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ لَمْ يُجِيبُوهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ بَيْنَ الْأَوْثَانِ وَعَابَدُوهَا فَوَيْحًا ۝ وَإِنِّي مِنَ
أُودِيَةِ جَهَنَّمَ يَهْلِكُونَ فِيهَا جَمِيعًا وَهُوَ مِنْ وَبَقٍ بِالْفَتْحِ هَلَكٌ وَرَأَى الْمَجْرُمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَي اتَّقَنُوا أَنَّهُمْ
فَرَأَوْهَا أَي رَأَوْهَا فِيهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرَفًا ۝ مَعْدَلًا

۱۵

ترجمہ: اور جب (فعل محذوف اذکر سے منصوب ہے) ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم (صرف جبکہ مراد ہے پیشانی زمین پر ٹیکنا مراد نہیں ہے) تو سب جھک گئے مگر ابلیس نہیں جھکا وہ جنات میں سے تھا (بعض حضرات کے نزدیک جنات فرشتوں ہی کی ایک نوع ہوتی ہے پس اس صورت میں یہ استثناء متصل ہوگا اور بعض کے نزدیک استثناء منقطع ہے اور ابلیس

جنات کی اصل اول ہے اس کی ذریت کا بھی آگے ذکر ہے اور فرشتوں کی اولاد نہیں ہوتی) اس لیے وہ اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا پھر بھی کیا تم اس کو اور اس کے چیلوں کو (اسمیں آدم اور اولاد آدم کو خطاب ہے دونوں ضمیریں ایلیس کی طرف راجع ہیں) اپنا کار ساز بناتے ہو مجھے چھوڑ کر (شیاطین کا کہنا مانتے ہو) حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہی (عدو بمعنی اعداء ترکیب میں حال واقع ہے) ظلم کرنے والوں نے کیا ہی بری تہدیلی قبول کی (اللہ کی فرمانبرداری کے بجائے ایلیس اور اس کی نسل کی پرستش کی) میں نے (ایلیس اور اس کی نسل کو) آسمان وزمین کے پیدا کرنے کے وقت نہیں بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت (ایک کے بنانے میں دوسرے کو شریک و مددگار نہیں کیا تھا) بھلا میں ان گمراہ کرنے والوں (شیطانوں) کو کیسے مددگار بنا سکتا تھا (کہ پیدا کرنے میں ان سے مدد لیتا پھر تم ان کی فرمانبرداری کیسے کرتے ہو؟) اور اس روز کو کو یاد کرو (لفظ یوم اذکر فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے) جب اللہ فرمائے گا (بقول یا اور لون کے ساتھ دونوں طرح آیا ہے) جن ہستیوں (بتوں) کو تم (اپنے گمان میں شفیع جانتے ہوئے) میرے ساتھ شریک سمجھتے تھے انہیں بلا لو وہ پکاریں گے مگر کچھ جواب نہیں پائیں گے (انہیں جواب نہیں دیں گے) اور ہم ان (بتوں اور ان کی پوجا کرنے والوں) کے درمیان ایک آزر کر دیں گے (جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہوگی جس میں سب تباہ ہو جائیں گے) (لفظ موبق وبق سے بنا ہے باء کے فتنہ کے ساتھ تباہ ہو جانے کے معنی میں) اور مجرم دیکھیں گے آگ بھڑک رہی ہے اور سمجھ جائیں گے انہیں یقین ہو جائیگا کہ اس میں انہیں گمراہ ہے (وہ اس میں گر کر رہیں گے) اور اس سے گریز (فرار) کی کوئی راہ نہیں پائیں گے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: تحیة له: یہ اسجد و اکا معمرل ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ کان بمعنی صر ہے ای صادر من الجن، کان من الجن جملہ متانفہ ہے اور لم یسجد کی علت ہے

قولہ: ففسق عن امر ربہ: فاعلیلیہ اور سیبہ دونوں ہو سکتی ہے فسق بمعنی خزیج ہے عرب بولتے ہیں: فسقت الرطبة عن قشرها جبکہ کھجور اپنے پھلکے سے نکل جائے اسی طرح یہ بھی بولتے ہیں: فسقت الفارۃ من خبزها جو اپنے بل سے نکل گیا (ض ن ک) اس کے اصطلاحی معنی ہیں حق و صلح کے راستے سے ہٹ جانا، نافرمان ہو جانا، حدود شریعت سے نکل جانا۔

قولہ: ہم نوع من الملائکة: یہ مستثنیٰ متصل کی توجیہ ہے اور ایلیس ابوالجن یہ مستثنیٰ منقطع کی توجیہ ہے افتخذونہ میں ہمزہ انکار اور اظہار حیرت کے لئے ہے اور فاتعیب کے لئے ہے ذریت کا عطف تتخذونہ کی ضمیر پر ہے مجاہد نے کہا ہے کہ ایلیس کی ذریت میں لاقس اور ولھان ہیں ان دونوں کا کام طہارت میں وسوسہ ڈالنا ہے۔

قولہ: ذریۃ: یہ ابوالجن پر تفریح ہے فسق کی تفسیر خرج سے کر کے لغوی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے اور عن طاعنہ بترک السجود کا اضافہ کر کے اصطلاحی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قولہ: افتخذونہ: ہمزہ مخذوف پر داخل ہے فا عاطفہ ہے معطوف علیہ فعل مخذوف ہے، استفہام تو بیگی ہے نقدیر عبارت

یہ ہے: اَبْنَدَمَا حَصَلَ مِنْهُ مَا حَصَلَ مِنَ الْإِبَاءِ وَالْفُسُقِ يَلِيْقُ مِنْكُمْ اتِّخَاذَهُ أَوْلِيَاءَ۔
 قولہ: من دونی: مخذوف سے متعلق ہو کر اولیاء کی صفت ہے۔ من رونی کا تعلق تنخذا سے بھی ہو سکتا ہے وہم لکم
 عذو مفعول یا فاعل سے حال ہے عذو مصدر ہونے کی وجہ سے معنی میں اعداء کے ہے لفظ لیلین بدلنا سے متعلق ہے اور بدلنا
 بس کے فاعل ضمیر مستتر محو سے تیز واقع ہے اور ابلیس و ذریۃ مخصوص بانذم مخذوف کا بیان ہے تقدیر عبارت یہ ہے: بنس
 البدل بدلنا ہو ابلیس و ذریۃ

قولہ: شرکائی: شرکائی کے قرینہ سے زعمتمونی کے دونوں مفعول مخذوف ہیں۔ ای زعمتمو ہم شرکائی۔
 قولہ: زءی: زءی کوئی رءی کے آخر یا لکھتے ہیں بھری نہیں لکھتے، رءی کی اصل رآی ہے یا متحرک یا قبل مشعر ہونے
 کی وجہ سے الف سے بدل گئی تو رآ ہو عربی زبان میں کو فیوں کا رسم الخط رآج ہے لہذا رآ کے آخر میں یا لکھی گئی
 قولہ: مَوَاقِعُوا: اسم فاعل جمع مذکر اصل میں مَوَاقِعُونَ تھا، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، ایک دوسرے سے قریب
 ہونے والے، مصدر موقعة ہے، مصرف ظرف مکان ہے لوٹنے کی جگہ۔

تفسیر مقبولین

منصوب باذکر یعنی اذکر مقدر کا یہ ظرف ہوگا تقدیر عبارت اس طرح ہے: اذکر یا محمد لقومک وقت قولنا
 للملائکة، آدم و ابلیس کا یہ واقعہ قرآن کریم میں بار بار دہرایا گیا ہے کیونکہ سب سے پہلے یہ نافرمانی ہوئی۔ سجود
 انحناء الخ یہ ایک اشکال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا کفر ہے جو قبیح ہے، اور قبیح کا حکم کرنا بھی قبیح ہوتا
 ہے حاصل جواب یہ ہے کہ یہاں عبادتی سجدہ مراد نہیں بلکہ تحقیقی سجدہ مراد ہے جو ایک طرح کے شاہی آداب میں سمجھنا
 چاہیے اور یا کہا جائے کہ سجدہ تو صرف اللہ کو کیا گیا مگر بظاہر درمیان میں آدم ﷺ تھے جیسے قبلہ کی طرف منہ کر کے سجدہ اللہ تعالیٰ
 کو کیا جاتا ہے پس اس طرح سجدہ کرنا اور وہ بھی جب کہ حکم سے ہو کفر نہیں ہوگا بلکہ ایسے وقت سجدہ نہ کرنا کفر شمار ہوگا۔ نوع من
 للملائکة اس قول پر فرشتوں کی دو قسمیں ہو جائیں گی، معصوم اور غیر معصوم، جنات غیر معصوم ہیں جن میں سلسلہ نسل بھی
 ہے۔ اس صورت میں اگر وحدت حقیقت کا خیال کیا جائے تو استثناء متصل ہو سکتا ہے اور تغیر و صفی کا خیال کیا جائے تو استثناء
 منقطع ہو جائے گا۔ کان بمعنی صار ہے یعنی معصیت کی وجہ سے اس کی ماہیت ہی مسخ ہو گئی۔ ذکر ت معہ لبد یعنی
 افتخذ ونہ و ذریۃ میں ذریت کا ذکر ہے غرضیکہ و ابلیس ابو الجن الخ یہ استثناء منقطع کی توجیہ ہے اس صورت میں
 جنات ناری مخلوق اور فرشتے نوری مخلوق ہوں گے۔ افتخذ ونہ ہمزہ کا دخول مخذوف ہے اور ناعاطفہ ہے اور استفہام تو
 یعنی ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: العبد ما حصل منه ما حصل یلیق منکم اتخاذه ذریۃ شیطان کی ذریت
 میں لاقس اور ولہان نامی دو شیطان ہیں جو وضو اور طہارت میں دوسرا اندازی کرتے رہتے ہیں اور مرآۃ اور زلیخو رایسے شیطان
 ہیں جو بازاری لہو لعب اور جموٹی قسموں کو آراستہ کر کے پیش کرتے ہیں اور ہتر کے ذمہ مصائب کے وقت داویلا مچانے اور بے
 مبری ظاہر کرنے کو مزین کرنا ہے۔ اور اور کے سپرد زنا کرانا ہے اور مطردس جھوٹی خبریں پھیلانا ہے۔ اور واسم کا کام یہ ہے جو

شخص گھر میں بغیر بسم اللہ پڑھے اور اللہ کا نام لئے بغیر داخل ہو جاتا ہے یہ بھی اس کے ساتھ گھس جاتا ہے بس۔ اس کا فاعل مضر ہے اور تمیز اس کی تفسیر کر رہی ہے اور مخصوص بالمدت مخذوف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے: بس البدل ابلیس وذریۃ اور لفظ للظالمین مخذوف سے متعلق ہو کر یا لفظ بدلا سے حال واقع ہو رہا ہے اور یہ فعل ذم سے متعلق ہے۔ عضد اس کے معنی بازو کے آتے ہیں لیکن کلام میں استعارہ ہی بولتے ہیں۔ فلان عضدی اور مراد دو گار ہوتی ہے، چنانچہ دوسری آیت میں ہے: سَنَسُئِدُ عَضُدَكَ بِأَجِينِكَ مَوْبِقًا اس کی تفسیر مجاہد اور ابن عباس نے دادی جہنم سے کی ہے: وراى لمجرمون جہنم چالیس سال کی راہ سے فظنوا آئے گی۔ فظنوا۔ ظن معنی میں یقین کے ہے۔ وہی اہلاک المقدر۔ لفظ مقدر بڑھا کر ایک شبہ کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا۔ شبہ یہ ہے کہ ایمان نہ لانا پہلے ہو اور ہلاک ہونا بعد میں، پس ہلاک ہونا ایمان لانے کے لئے مانع نہ بنا؟ جواب کا ما حاصل یہ ہے کہ ہلاک مقدر مراد ہے اور وہ عدم ایمان سے پہلے ہے۔ قبلاً کو فیوں کے نزدیک ضمہ قاف اور ضمہ با کے ساتھ ہے اور دوسرے قراء کے نزدیک کس قاف کے ساتھ اور فتحہ با کے ساتھ ہے، قبیلہ ایسی جماعت جو ایک باپ میں شریک ہو اور قبیل وہ جماعت جو ایک باپ میں شریک نہ ہو، ویجاہل، اس کا فاعل الذین ہے جس سے مراد کفار ہیں اور مفعول مخذوف ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے: ویجادل الکفار المرسلین۔ الحق بہتر یہ ہے کہ حق سے مراد باطل کا مقابل لیا جائے۔ تاکہ تمام کتب دادیان سادہ کو شامل ہو جائے اور آیات سے مراد بھی عام معجزات لئے جائیں۔ موعداً قیامت کا زمان و مکان دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ مونا بمعنی مرجع باب ضرب سے آتا ہے بمعنی بجا۔

پہلے آیت: وَلَا تُطِغْ مَنْ أَغْطَلْنَا نَارِجَ كَعَامِ الْفَظَاظِ مِی رُو سَا كَفَارِ كَعِ فِخْرٍ وَ مِبَاهَاتِ، کبر و غرور جیسی اخلاقی گندگیوں اور کفر و انکار جیسی بد عقیدگیوں کا حال معلوم ہوا تھا۔ آگے اسی آیت: وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ مِی اِی مَنَابِتِ سَعِ اِبْلِیْسَ كَعِ تَكْبِرِ كِی بَدَانجَای جَلَاى جَارِہی ہے اور یہ کہ یہ لوگ اگرچہ شیطان کے پیروکار ہیں مگر قیامت میں یہ پیروکاری ان کے لئے قطعاً سود مند نہیں ہوگی۔ اس کے بعد آیت: وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِی هٰذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِی كَلِّ مَثَلٍ ۙ سَعِ قُرْآنِ اَوْرِ رَسَالَتِ كَعِ سَلْسَلِہِ مِی كَفَارِ كَا اِنْكَارِ اَعْرَاضِ اَوْرِ دَلٰلِ صِیْحُو سَعِ اِن كِی رُو گِرْدَانِی اَوْرِ مِیْمَانِ سَعِ مَحْرُومِی بِلَا نِ كَرِ كَعِ اَمْحَضْرَتِ مَنَظْمِ كَو سَلِی دِی نَا مَقْصُودِ ہے اور یہ کہ استحقاق کے باوجود ان کے عذاب میں کسی مصلحت سے دیر ہو رہی ہے۔

قرآن کریم میں بعض مطالب کو بار بار دہرایا جاتا ہے اور مختلف شکلوں میں ایک ہی بات لوٹ لوٹ کر آتی ہے، یہاں نہیں کہ ہماری علمی کتابوں کی طرح ضبط و ترتیب کے ساتھ تمام مطالب مدون کر دیئے جاتے! بلکہ قرآن کریم ایک ہی بات کو جا بجا آجوں، مثالوں اور نصیحتوں کے پیرایہ میں بیان کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ ان مقامات میں غور کرنے سے اس کے اسلوب بیان کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ آدم و ابلیس کے واقعہ میں چونکہ یہ سب سے پہلی نافرمانی تھی اس لئے اس کو بار بار دہرایا گیا۔ تاکہ اپنی کوتاہی اور قصور وار ہونے کا نقش انسان کے دل پر قائم ہو جائے۔

آیت: وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِی هٰذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِی كَلِّ مَثَلٍ ۙ میں بھی اس دہرانے کی ایک غرض کو بیان کیا جا رہا ہے۔ یعنی قرآن میں مطالب کا بار بار دہرانا اس لئے ہے کہ تذکیر و معظمت کا ذریعہ ہے۔ اس نکتہ پر غور کرتے جاؤ۔ قرآن کے اسلوب بیان کے سارے بھید کھلتے جائیں گے۔ بس قرآن کا مقصد تذکیر ہے اور تذکیر کا مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ

نہیں ہے بلکہ کفر و ایمان اطاعت و معصیت دونوں پر قدرت دی گئی ہے چنانچہ ابلیس خود اپنے اختیار سے فسق و عصیان کی راہ اختیار کر کے حکم خداوندی کا منکر ہو گیا، فرشتوں کا یہ سجدہ ایک رمزی سجدہ، انقیاد و اطاعت کی علامت کے طور پر تھا اور اس قسم کا سجدہ ام سابقہ میں جائز تھا یہ سجدہ تحیہ (سلامی کا سجدہ) تھا شریعت محمدیہ میں غیر اللہ کے لئے ہر قسم کا سجدہ حرام ہے، اور سجدہ کرنے کا حکم صرف جن و ملائکہ ہی کو نہیں تھا بلکہ تمام مخلوقات کو تھا اور روح المعانی میں ایک قول یہ لکھا ہے کہ صرف زمینی مخلوق کو تھا اور فرشتوں میں سے جو زمین پر رہتے تھے انہی کو تھا قرآن کریم میں یہ واقعہ متعدد جگہ آیا ہے مگر کسی جگہ کوئی لفظ ایسا نہیں ہے کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ حکم صرف فرشتوں کے لئے تھا بلکہ یہاں صراحت ہے کہ ابلیس کو بھی تھا اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ سجدہ کا حکم ملائکہ کے علاوہ دیگر مخلوقات کو بھی دیا گیا تھا اور فرشتوں کا تذکرہ ہر جگہ اس لئے کیا گیا ہے کہ اس وقت کی مخلوق میں سب سے بہتر مخلوق تھے اس لئے جب ان کو حکم ہوا تو دیگر مخلوقات کو بدرجہ اولیٰ حکم ہوگا، ابلیس کے بارے میں جو یہ بات مشہور ہے کہ وہ فرشتہ بلکہ فرشتوں کا استاد تھا یہ خیال اسرائیلی روایات کی پیداوار ہے اور (وکان من الجن) سے مقصد ابلیس کی اصل بتانا نہیں ہے بلکہ اس بات کی علت بیان کرنا ہے کہ ابلیس نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ اور وجہ یہ بتائی گئی ہے چونکہ وہ جنی تھا فرشتہ نہ تھا اس لئے اطاعت سے باہر ہو جانا اس کے لئے ممکن ہوا اگر فرشتہ ہوتا تو یہ بات ممکن نہ ہوتی اس لئے کہ فرشتے فطرہ مطیع اور معصوم ہوتے ہیں۔ (دیکھئے سورہ تحریم)

وَجَدِيَّتُهُ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے اولاد ہے تو والد و تناسل کا سلسلہ جس طرح انسانوں میں ہے اسی طرح جنات میں بھی البتہ فرشتوں میں یہ سلسلہ نہیں ہے اس لئے یہ بات تو طے ہے کہ ابلیس کی بھی اولاد ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ ان میں تو والد و تناسل کی کیا صورت ہے، ایک صحیح حدیث جس کو حمیدی نے کتاب الحج میں حضرت سلمان فارسی سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو نصیحت فرمائی کہ تم ان لوگوں میں سے نہ بنو جو سب سے پہلے بازار میں داخل ہوتے ہیں یا سب آخر میں بازار سے نکلتے ہیں کیونکہ بازار ایسی جگہ ہے کہ جہاں سب سے پہلے بازار میں داخل ہوتے ہیں یا سب سے آخر میں بازار سے نکلتے ہیں کیونکہ بازار ایسی جگہ ہے کہ جہاں شیطان نے انڈے بچے دے رکھے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی ذریت انڈوں بچوں سے پھیلتی ہے اور بعض حضرات نے اس جگہ ذریت سے مراد اس کے معاون و مددگار مراد لئے ہیں خواہ جن ہوں یا انس۔

ابلیس چونکہ کی جنات میں سے تھا اس لئے اس نے اپنے پروردگار کی حکم عدولیٰ کی کیا پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی ذریت کو اپنا کارساز بناتے ہو؟ لاکھ وہ تمہارے دشمن ہیں یہ شیاطین کا رساز تو کیا ہوتے ہیں نے آسمان اور زمین پیدا کرتے وقت ان کو دکھلایا بھی نہیں، کیونکہ زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت یہ موجود ہی نہیں تھے اور نہ خود ان کی تخلیق ان کو دکھلانی گئی یعنی ان میں سے ایک کی تخلیق دوسرے کو نہیں دکھلانی گئی تھی اور میں ایسا نہیں کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بناؤں اور اس دن کو یاد کرو جب حق تعالیٰ فرمائیں گے پکارو ان کو جن کو تم میرا شریک مانتے تھے لہذا وہ پکاریں گے تو وہ ان کو جواب ہی نہ دیں گے یعنی وہ ان کی کچھ مدد نہ کر سکیں گے اور ہم ان (عابدین و معبودین) کے درمیان ہلاکت کی جگہ حائل کر دیں گے یعنی دونوں کے درمیان آگ کی وسیع ظلیج حائل کر دی جائے گی جس کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریب بھی نہ

آئیں گے کام آنا تو درکنار اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں مستند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ کافر چالیس سالہ مسافت کے جنم کو دیکھ لیں گے اور وہ یقین کر لیں گے کہ انہیں ضرور اس میں گرنا ہے یعنی ان کے لئے فرار کی کوئی راہ نہ ہوگی

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِيْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ صِفَةً لِمُخْذَوِبٍ أَيْ مَثَلًا مِنْ جِنْسِ كُلِّ مَثَلٍ لِيَتَعَطَّفُوا ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَيْ الْكَافِرُ أَكْثَرُ شَيْءٍ جَدَلًا ۖ خُضُومَةٌ فِي الْبَاطِلِ وَهُوَ تَمَيُّزٌ مُتَقَوْلٌ مِنْ اِسْمِ كَانِ الْمَعْنَى وَكَانَ جَدُلَ الْإِنْسَانِ أَكْثَرُ شَيْءٍ فِيهِ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَيْ كَفَّارَ مَكَّةَ أَنْ يُؤْمِنُوا مَفْعُولٌ ثَانٍ إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَى أَيْ الْقُرْآنُ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ فَاعِلٌ أَيْ سَتَبْنَا فِيهِمْ وَبَيْنَ الْإِهْلَاكِ الْمَقْدَرِ عَلَيْهِمْ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قَبْلًا ۖ مُقَابَلَةٌ وَعَيَانًا وَهُوَ الْقَتْلُ يَوْمَ بَدْرٍ وَفِي قِرَاءَةِ بَضْمَتَيْنِ جَمْعُ قَبِيلٍ أَيْ أَنْوَاعًا وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَمُنذِرِينَ لِلْمُخَلَّفِينَ لِلْكَافِرِينَ وَيَجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ بِقَوْلِهِمْ آتَيْتُكَ اللَّهُ بِشَرِّ شَيْءٍ لَوْ أَنَّكَ تَعْلَمُ الْغَيْبَ لِيُجَادِلَهُمُ الْحَقُّ الْقُرْآنُ وَاتَّخَذُوا إِلَهًا قَبْلَ الْإِنْسَانِ وَمَا أَنْذَرُوا بِهِ مِنَ النَّارِ هُزُوًا ۖ سُخْرِيَّةٌ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَكَرَ بآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ ۚ مَا عَمِلَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِي فَلَمْ يَتَفَكَّرْ فِي عَاقِبَتِهَا إِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ مِنْ أَنْ يَفْقَهُوا الْقُرْآنَ أَيْ فَلَا يَفْهَمُونَهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ ثَمَلًا فَلَا يَسْمَعُونَهُ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَى لَنْ يَهْتَدُوا إِذَا أَيْ بِالْجَعْلِ الْمَذْكُورِ آيَاتًا ۖ وَرَبُّكَ الْغَلُوبُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَلَهُمُ الْعَذَابُ ۚ بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ ۚ وَهُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَنْ يُجَادُوا مِنْ دُونِهِ مَوْلًى ۖ مُلْجَأٌ مِنَ الْعَذَابِ وَتِلْكَ الْقُرَى أَيْ أَهْلِهَا كَعَادٍ وَثَمُودَ وَغَيْرِهِمَا أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا كَفَرُوا وَجَعَلْنَا لِبَهْلِكِهِمْ لِيَهْلِكَ مِنْهُمْ وَيُؤْتَى الْيَتِيمَ مِمَّا كُنْتُمْ يَكْتُمُونَ ۚ

پ

ترجمہ: اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لیے ہر قسم کے عمدہ عمدہ مضامین بیان کر دیے ہیں غفلت موصوفہ مزدلف کی صفت ہے اصل عبارت میں یوں تھی مثلاً من جنس کل مثل اور یہ مثالیں اس لیے بیان کر دیں تاکہ نصیحت حاصل کر لیں (مگر انسان (کافر) بڑا ہی جھگڑاوا واقع ہوا ہے (جو غلط باتوں میں جھگڑے نکالتا رہتا ہے جدا تیز واقع ہے اصل میں کان کا اسم تھا عبارت اصل میں یوں تھی: وکان جدل الانسان اکثر شئی فیہ یعنی انسان جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر ہے) اور لوگوں (کہہ کے کافروں) (کو کون سی بات روک سکتی ہے ایمان لانے سے) (یہ منع کا مفعول ثانی ہے) جب ان کے سامنے ہدایت (قرآن) آگئی اور اپنے پروردگار سے طلب کیا مغفرت ہونے سے مگر یہی کہ اگلی قوموں کا سارا معاملہ انہیں بھی

پیش آجائے (مسئہ فاعل ہے یعنی کافروں کے بارے میں ہمارا قانون تقدیری ان کی ہلاکت کا ہے) یا اذہرا عذاب آسانے کھڑا ہو (آمنے سامنے، اور وہ غرور و ہر میں ان کا قتل ہوتا ہے اور ایک قراءت میں لفظ قبلت اور بادولوں کے ضمہ کے ساتھ ہے اس صورت میں یہ قبیل کی جمع ہوگی یعنی قسم قسم کا عذاب ان پر آجائے) اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ (مسلمانوں کو) بشارت سنائیں اور (انکار پر بد عملی کرنے والوں کو) ڈرائیں مگر جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ جھوٹی باتوں کی آڑ پکڑ کر جھگڑا کرتے ہیں (اس قسم کی باتیں کہتے ہیں کہ خدا نے ان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟) تاکہ اس طرح (اپنی غلط ناحق بات کر کے) سچائی (قرآن) کو منزلزل کر دیں (بچلا دیں) انہوں نے ہماری آیات (قرآن) کو اور جس (آگ) سے انہیں ڈرایا گیا تھا دل لگی (مذاق) بنا رکھا ہے اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جسے اس کے پروردگار کی آیتیں یاد دلائی جائیں اور وہ اس سے گردن موڑ لے اور اپنے پچھلے کرتوت بھول جائے (اور گناہوں کے انجام پر غور نہ کرے) بلاشبہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے (غلاف) ڈال دیئے ہیں کوئی بات پانہیں سکتے (یعنی قرآن کو اگر سمجھنا چاہیں تو نہیں سمجھ سکتے) اور ان کانوں میں ڈانٹ دے دی ہے تم انہیں کتنا ہی سیدھی راہ کی طرف بلاؤ (مگر وہ اس ڈانٹ کی وجہ سے) کبھی بھی راہ پانے والے نہیں آپ کا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے اگر (دنیا میں) ان کے عمل کی کمائی پر دارو گیر کرنا چاہتا تو اس دنیا میں ہی ان پر فوراً عذاب نازل کر دیتا لیکن ان کے لیے ایک میعاد (قیامت کا دن ٹھہرا رکھی ہے) اس کے سوا جائے پناہ کر دیا جب انہوں نے ظلم (کفر) کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے (ایک قراءت میں لفظ مہلکہم میم کے فتح کے ساتھ ہے بمعنی ہلاکت) ایک وقت مقرر کر دیا تھا۔ اس کے سوا (عذاب سے) کوئی پناہ کی جگہ نہیں پائیں گے۔

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: لَقَدْ صَرَّفْنَا: صرّف تصريفًا مختلف طریقوں سے بیان کرنا اور مختلف انداز سے سمجھانا، من کلّ مثل میں من زائد ہے، من کلّ مثل، مثلاً محذوف کی صفت ہو کر صرّفنا کا مفعول بہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے: صرّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ مَثَلًا كَانَتْ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ۔

قولہ: جَدَلًا أَكْثَرُ شَيْءٍ: کی نسبت سے تیز ہے، کان کے اسم سے منقول ہے، ای کان جدال الانسان اکثر شئ فیہ ای جدالہ اکثر من کلّ مجادلٍ مَنَعَ فَعَلَ مَا ضَى (ف) الناس مفعول اول اور ان یومنا جملہ بتاویل مصدر ہو کر مفعول ثانی ان سے پہلے من محذوف ہے۔

قولہ: اِذْ جَاءَهُمْ: یومنا کا ظرف ہے یستغفروا کا عطف یومنا پر ہے

قولہ: اَنْ تَاتِيَهُمْ: بتاویل مصدر ہو کر مَنَعَ کا فاعل ہے انتظار مضاف محذوف ہے اور اَنْ تَاتِيَهُمْ مضاف الیہ ہے جو کہ مضاف کے قائم مقام ہے اور یَاتِيَهُمْ کا عطف تَاتِيَهُمْ پر ہے

قولہ: قَبْلًا: العذاب سے حال ہے بمعنی سامنے، روبرو اور ایک قراءت میں قَبْلًا ہے جو قبیل کی جمع ہے اس کے معنی انواع و اقسام کے ہیں جیسے سنبل مسبل کی جمع ہے بمعنی انواع

قولہ: مبشرین و منذرین: مرسلین سے حال ہیں یجادل کا مفعول المرسلین مخذوف ہے لیند جضوا ایجادل سے متعلق ہے اذحاض (افعال) پھسلانا، تلاتا،

قولہ: ما اندزوا: میں ما موصولہ ہے اور اندزوا میں ما موصولہ ہے اور اندزوا جملہ ہو کر صلہ یہ عامہ مخذوف ہے یا ما مصدر یہ ہے اندازہم کے معنی میں اندزوا جملہ عاطفہ ہو کر اتخذوا کا مفعول اول ہے

قولہ: من لفظاً مفرد ہے اور معنای جمع ہے لہذا اس کی طرف واحد اور جمع دونوں قسم کی ضمیریں لوٹ سکتی ہیں جیسا کہ آئندہ پانچ ضمیریں مفرد اور پانچ جمع کی من کی طرف لوٹ رہی ہیں۔

قولہ: اکتہ: یہ کنان کی جمع ہے بمعنی پردہ یہ جملہ اغراض اور نسیان کی علت ہے

قولہ: بالجعل المذكور: اس جملہ کا اضافہ اذا کے مفہوم کی تعیین کے لئے ہے

قولہ: بزئک: مبتداء الفطور خبر اول ذوالرحمۃ خبر ثانی

قولہ: مؤئل: طرف ہے بمعنی جائے پناہ (ض) وال یثیل وال الیہ، پناہ لی

قولہ: تلک القرئ: مبتداء اهلکنا ہم خبر تلک القرئ فعل مخذوف کی وجہ سے منصوب بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں باب اشتغال سے ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی: اهلکنا تلک القرئ اهلکنا ہم

قولہ: مہلک: مصدر یہی ہے، ہلاک کرنا یا طرف زمان ہے ہلاک ہونے کا وقت جمع مہالک، مہلک میں تین قراءتیں ہیں (۱) میم کا ضمہ اور لام کا فتح مہلک (۲) میم اور لام دونوں کا فتح مہلک (۳) میم کا فتح اور لام مکسور

مہلک۔

تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ.... اللہ تبارک و تعالیٰ نے گمراہ لوگوں کی ہدایت کے لئے قرآن پاک میں کیسے کیسے قیمتی مضامین بیان فرمائے اور مختلف قسم کی مثالوں اور عبرت آموز واقعات کے مضامین کو ذہن نشین کرانے کی کوشش فرمائی مگر جن لوگوں کی سمت ہی ماری گئی ہو ان کا کیا علاج؟ وہ ہر خیر خواہی کو بدخواہی سمجھتے ہیں کفار کے رویہ سے ان کی ہٹ دھرمی اور ضد روز روشن کی طرح واضح ہو گئی ہے ورنہ جہاں تک دلیل کا تعلق ہے قرآن کریم نے حق واضح کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مگر کفار ٹس سے مس نہ ہوئے، غالباً اب صرف انہیں عذاب الہی کا ہی انتظار ہے جیسا کہ عذاب الہی نے پہلی قوموں کو بالکل تباہ و برباد کر ڈالا، مذکورہ آیات میں تین باتوں کو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے (۱) انسان بڑا ہی جھگڑاؤ ہے وہ جھوٹے جھگڑے کھڑا کرنے میں طاق ہے اللہ کی وعیدوں کا مذاق اڑاتا ہے مگر یاد رکھو حجت تام کر دی گئی ہے، موثر انداز اور بہتر طریقہ سے بات پیش کی جا چکی ہے اب بس عذاب کا کوڑا برسنا باقی ہے، (۲) کفار کی حق بیزاری اور دین دشمنی کی وجہ سے ان سے حق بات سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لی گئی ہے لہذا اب ان کے ایمان لانے کی امید نہ رکھی جائے۔ (۳) اللہ تعالیٰ انسانوں کی حرکتوں پر فوراً گرفت نہیں کرتے ڈھیل پر ڈھیل دیتے ہیں تاکہ انسان راہ راست پر آجائے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم

سے امہال کا قانون مقرر کر رکھا ہے مگر جب عذاب کا وقت موعود آئے گا تو اس وقت کوئی راہ فرار نہ ملے گی، ارشاد خداوندی ہے: اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کے عہد مضامین مختلف طریقوں سے بیان کئے ہیں قرآن کریم میں مختلف عنوانوں سے اور قسم قسم کے دلائل و شواہد سے سچی باتیں سمجھائی گئی ہیں، فہمائش کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی مگر سرکش اور نافرمان انسان ماننے کے لئے تیار اور انسان بڑا جھگڑالو ہے کتنی ہی صاف اور سیدھے بات ہو وہ کٹ جیتی کے بغیر نہیں رہتا جب دلائل کا جواب نہیں بن پڑتا تو بے ہودہ اور مہمل باتیں شروع کر دیتا ہے، حدیث میں ایک جھگڑالو آدمی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرے گا، اسے بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ ہم نے جو رسول بھیجے تھے ان کے ساتھ تیرا کیا طرز عمل رہا؟ وہ کہے گا اے پروردگار میں آپ پر بھی ایمان لایا اور آپ کے رسول پر بھی اور عمل میں بھی اس کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ تیرا اعمال نامہ ہے اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے وہ کہے گا میں اس اعمال نامہ کو نہیں مانتا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ہمارے یہ فرشتے جو تیری نگرانی کرتے تھے تیرے خلاف گواہی دیتے ہیں وہ کہے گا میں ان کی شہادت بھی نہیں مانتا ورنہ ان کو پہنچاتا ہوں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو یہ لوح محفوظ ہے اس میں بھی تیرا یہی حال لکھا ہے وہ کہے گا کہ اے پروردگار کیا آپ نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ بیشک تو ظلم سے ہماری پناہ میں ہے تب وہ کہے گا کہ اے میرے رب میں ایسی بن دیکھی شہادتوں کو کیسے مان لوں؟ میں ایسے شہادت کو مان سکتا ہوں جو میرے اندر سے ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اب ہم تیرے خلاف تیری ہی ذات میں سے گواہ کھڑا کرتے ہیں وہ سوچ میں پڑ جائے گا کہ اس کی ذات میں سے اس کے خلاف کون گواہی دے گا؟ پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی (اور اس کی قوت گویائی اس کے اعضاء کی طرف منتقل کر دی جائے گی) اس کے ہاتھ پیراس کے کفر و شرک کی گواہی دیں گے پھر اس کی مہر توڑ دی جائے گی اور اس کو جہنم رسید کر دیا جائے گا اس کا بعض حصہ بعض پر لعنت کرے گا، وہ اپنے اعضاء سے کہے گا تمہارا بیڑا غرق ہو میں تو تمہارے ہی لئے جھگڑا کر رہا تھا اس کے اعضاء جواب دیں گے تجھ پر خدا کی مار ہو کیا تو سمجھتا تھا کہ خدا سے کوئی بات چھپائی جاسکتی ہے؟ یہ روایت قرطبی سے لی ہے اور اس کا آخری حصہ مسلم شریف میں بروایت حضرت انس (رض) مروی ہے۔ (ماخوذ از ہدایت القرآن)

وَمَا مَنَعَكَ الْيَأَسَ أَنْ يُدْعَىٰ وَنُوحًا عِصْيَٰ هِدَايَتٍ يَخْلُجُ جَانِيهِ بَعْدَ إِيمَانِهِ لَوْلَا نِعْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ لَرَدِدْتُمْ كَمَا فُتِنْتُمْ بِهِ قَبْلَ هَٰذَا أَلَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ

کے پاس نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس اب ان کو اس بات کا انتظار ہے کہ گذشتہ اقوام کی طرح عام تباہی ان پر ڈال دی جائے یا وہ زعمہ رہیں اور مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا کر دیئے جائیں اور وہ ان عذابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

وَمَا تُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ عِصْيَٰ رُسُلِهِمْ لِيُحَدِّثُوا بِالْحَقِّ وَالْحَقَّ يَحَدِّثُ كَمَا نَزَّلْنَا فِي الْقُرْآنِ عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ

کے برے انجام سے خبردار کر دیں ان کے پاس کوئی کوڑا نہیں ہوتا کہ وہ زبردستی لوگوں سے منوالیں اور نہ عذاب لے کر آنا ان کے اختیار میں ہے کہ جب مانگو عذاب لا کھڑا کریں، اور یہ کفار جھوٹے جھگڑے کھڑے کر کے اور کٹ جیتی کر کے چاہتے ہیں کہ حق کی آواز کو زیر کر دیں اور جھوٹ کے زور سے سچائی کا قدم ڈگر گدیں مگر ایسا کبھی نہ ہوگا، آیات الہی اور تنبیہات خداوندی کے ساتھ ان کا برتاؤ دیکھئے، اور انہوں نے میری آیتوں کا اور اس عذاب کو جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا مذاق اڑایا یعنی تذکیر بالعذاب کا مقصد نہیں تھا کہ ان کے دل دہل جاتے اور بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا اور اپنی غلط روش ترک کر دیتے مگر اس کے بر

عکس سنگ دل مکروں نے انہی کا مذاق اڑایا اور تمسخر کے انداز میں کہنے لگے کہ خدایا اگر واقعی یہ قرآن آپ کی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسایا ہم پر کوئی دردناک عذاب ڈال دے (انفال آیت ۳۲) اور ان ظالموں سے ان کی بد اعمالیوں کے سبب سے توفیق حق سب کر لی گئی ہے اس لئے کہ ان کے ایمان سے اب یوسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی پھر اس نے اعراض کیا اور وہ اپنے ان کرتوتوں کو بھول گیا جن کو وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکا ہے یعنی سب سے بڑا ظالم اور نا انصاف وہ شخص ہے جس کو اللہ کا کلام سنایا گیا اور مختلف طریقوں سے اسے نصیحت کی گئی مگر پھر بھی بات پر کان نہ دھرا اور اونٹ کی طرح سر اٹھا کر چل دیا اس کو اس بات کا خیال تک نہ آیا کہ وہ کیسی کیسی حرکتیں کر رہا ہے، آخرت میں اسے کیسی کچھ سزا بھگتنی ہوگی، اس لئے کہ بندہ جب اپنے اختیار سے عرصہ تک حق کی مخالفت کرتا رہتا ہے اور خیر خواہانہ نصیحت کے مقابلہ پر جھگڑوں پر تل جاتا ہے اور حق کا مقابلہ مکر فریب سے کرنے لگتا ہے تو اس سے حق کو سمجھنے اور سننے کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے دلوں پر پردے ڈال دئے جاتے ہیں اور کانوں میں ڈاٹ ٹھوک دی جاتی ہے۔

اور اب چونکہ ان کے کان اور دل ان کی ضد کی وجہ سے قبول حق کی استعداد کھو چکے ہیں تو اب ان بد بختوں کے راہ راست پر آنے کی کبھی توقع نہیں اس لئے آپ ان کا زیادہ غم نہ کریں۔

اور آپ ان کی فوری گرفت نہ کرنے سے یہ نہ سمجھیں کہ یہ عذاب الہی سے بچ جائیں گے بلکہ بات یہ ہے کہ مجرموں کی فوری گرفت ہماری سنت نہیں ہے ہم مجرموں کو سنہلنے کی کافی مہلت دیتے ہیں، ارشاد ہے: اور آپ کے پروردگار بڑے ہی درگزر کرنے والے ہیں رحم فرمانے والے ہیں اگر وہ ان کی حرکتوں پر فوراً گرفت کرنے لگیں تو فوراً ہی (دنیا میں) عذاب بھیج دیں یعنی حرکتیں تو ان کی ایسی ہیں کہ عذاب بھیجنے میں لمحہ بھر کی بھی تاخیر نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جہاں کسی نے تصور کیا فوراً ہی سزا دے دی بلکہ وہ اپنی صفت غفار اور ستاری اور شان رحیمی سے مجرموں کو سنہلنے کا خوب موقعہ دیتا ہے اور ان کے لئے عذاب کا وقت موعود ہے اس سے کوئی ہرگز بچنے کی جگہ نہ پائے گا کہ اس میں چھپ چھپا کر خود کو محفوظ کر لے۔

اور ہم نے عاد و ثمود کی بستیوں کو اس وقت ہلاک کیا جب انہوں نے نا انصافی کی اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک میعاد مقرر کر رکھی تھی اے کفار مکہ تمہیں اس سے سبق لینا چاہئے اگر تم بھی ان کے نقش قدم پر چلتے رہے تو وقت مقررہ پر تمہیں بھی عذاب الہی آگھیرے گا اور اس وقت تمہارے لئے بھی کوئی راہ فرار نہ ہوگی۔

وَ اذْکُرْ اِذْ قَالَ مُوسٰی هُوَ اَبْنُ عِمْرَانَ لِقَدْسِهِ یُوشَعَ بْنِ نُونٍ وَ کَانَ یَتَّبِعُهُ وَ یَخْدُمُهُ وَ یَاخُدُّ مِنْهُ الْعِلْمَ لَا اَبْرَاحَ لَا اَزَالَ اَسِیْرٌ حَتّٰی اَهْلُغَ مَجْمَعِ الْبَحْرِیْنِ مَلْتَقٰی بَحْرِ الرُّومِ وَ بَحْرِ فَارِسٍ مِمَّا یَلِی الْمَشْرِقِ اٰی الْمَکَانَ الْجَامِعَ لِذٰلِکَ اَوْ اَمْطِیْ حَقِّهَا ۝ دَهْرًا طَوِیْلًا فِیْ بُلُوْغِهِ اِنْ بَعْدَ فَلْتًا بَلٰغًا مَجْمَعٍ بَیْنَهُمَا بَیْنَ الْبَحْرِیْنِ نَسِیًا حَوْتَهُمَا نَسِیَ یُوشَعَ حَمَلَهُ عِنْدَ الرَّحْمِیْلِ وَ نَسِیَ مُوسٰی تَذْکِیْرًا فَاتَّخَذَ الْحَوْتُ سَیْبِلَکَ فِی الْبَحْرِ اٰی جَعَلَهُ بِجَعْلِ اللّٰهِ سَرَبًا ۝ اٰی مِثْلَ الشَّرْبِ وَ هُوَ الشُّقُّ الطَّوِیْلُ لَا نِفَاذَیْهِ وَ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ

تعالى أمسك عن الحوت جزي الماء فانجابت عنه فتبقى كالكرة لم يلتصق وجمد ما تحته منه فلما
جاوزا ذلك المكان بالشير الى وقت الغداء من ثاني يوم قال لفته ايتنا غداً اننا هؤما يؤكل اول
النهار لقد لقيتنا من سفرنا هذا نصيباً * تعبنا وحرصوله بعد المجاوزة قال اريدت اى تنبتة اذ اويتنا الى
الصخرة بذلك المكان فاني نسيت الحوت * وما انسينيه الا الشيطان يبدل من الهاء ان اذكرة بدل
اشتمال اى اسابيع ذكره واتخذ الحوت سبيله في البحر عجباً * مفعول ثان اى يتعجب منه موسى
وفاته لما تقدم في بيانه قال موسى ذلك اى فقدنا الحوت ما الذي كنا نبيع نطلبه فانه علامة لنا
على وجود من نطلبه فانزدا جعنا على اثارها بمضائها قصصاً * فاتيا الصخرة فوجدنا عبداً من عبادنا
هو الغضير اتيناه رحمة من عندنا نبوة في قول وولاية في اخر وعليه اكثر العلماء وعلمته من لدنا من
قبلنا علماً * مفعول ثان اى معلوما من المعينات روى البخارى حديث ان موسى قام خطيباً في بي
اسرائيل فسئل اى الناس اعلم فقال انا فعتب الله عليه اذ لم يرد العلم اليه فارخى الله اليه ان لى عبداً
بمجمع البحرين هو اعلم منك قال موسى يا رب فكيف لى به قال تاخذ معك حوتاً فتجعلها في
مكتل فتحيثما فقدت الحوت فهو ثم فاخذ حوتاً فجعله في مكتل ثم انطلق وانطلق معه فتاه بوشع بن
نون حتى اتيا الصخرة فوضعا رؤسهما فناما واضطرب الحوت في المكتل فخرج منه فسقط في
البحر فاتخذ سبيله في البحر سرباً وامسك الله عن الحوت جزية الماء فصار عليه مثل الطاق فلما
اشيقت نسي صاحبه ان يخبزه بالحوت فانطلقا بقية يوميهما وليتيهما حتى اذا كان من الغداة قال
موسى لفتاه ايتنا غداً نالي قوله واتخذ سبيله في البحر عجباً قال وكان للحوت سرباً وللموسى ولفتاه
عجباً قال له موسى هل اتبعك على ان تعلمين مما علمت رشداً * اى صواباً ازشده وفيه قرارة بضم الزاء و
سكون السين وسأله ذلك لان الزيادة في العلم مطلوبة قال انا ان كنت تستطيع معي صبوا * وكيف تصير
على ما لم تحط به خبراً * في الحديث السابق عقب هذه الآية يا موسى انى على علم من علم الله
علمت لا تعلمه وانت على علم من علم الله علمك الله لا اعلمه وقوله خبراً مضروباً بمعنى لم تحط
اى لم تخبر حقيقته قال سجدت ان شاء الله صابراً ولا اخوى اى وغير عاص لك امراً * تامرني به و

قَدَّ بِالْمَسْتَبَةِ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ عَلَى نَفْسِهِ فِيمَا التَّرَمَّ وَهَذِهِ عَادَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ أَنْ لَا يَتَّقُوا عَلَى
 أَنْفُسِهِمْ طَوْفَةً عَيْنٍ قَالَ فَإِنْ اشْتَعَلْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي وَفِي قِرَاءَةِ بِنْتِ اللَّامِ وَتَشْدِيدِ التَّنُونِ عَنْ شَيْءٍ
 تُنْكِرُهُ مِثْلِي فِي عِلْمِكَ وَاصْبِرْ حَتَّى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا أَيْ أَذْكَرُهُ لَكَ بِعَلَّتِهِ فَقَبِلَ مُؤَسَّسِي سُرْطَهُ
 رِعَايَةَ لِأَدَبِ الْمُتَعَلِّمِ مَعَ الْعَالِمِ

توجہ دینا: اور (اس وقت کو بھی یاد کیجئے) جب کہ موسیٰ (عمران کے بیٹے) نے اپنے جوان سے کہا (ان کا نام یوشع بن نون تھا جو حضرت موسیٰ کے ساتھ ایک خدمت گزار کی حیثیت سے رہتے تھے اور تعلیم حاصل کرتے تھے) کہ میں نہ ہوں گا (برابر چلتا رہوں گا) جب تک پہنچ جاؤں اس جگہ تک جہاں دو دور یا ملتے ہیں (بحر روم و فارس کا ملاپ جس شرقی سمت میں ہو رہا ہے اس سنگم پر جب تک نہ پہنچ جاؤں) یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا) اگر وہ جگہ بہت دور ہوئی تو برابر چلتا ہی رہوں گا) پھر جب موسیٰ دونوں سمندروں کے سنگم پر پہنچے تو انہیں اس مچھلی کا خیال نہ رہا جو اپنے ساتھ رکھ لی تھی (یوشع تو کوچ کے وقت اٹھانا بھول گئے اور موسیٰ کو یاد دلانے کا دھیان نہ رہا) نوراً ہی مچھلی نے سمندر کی راہ لی اور جلدی (یعنی حکم الہی سے مچھلی دریا میں سرنگ کی طرح راستہ بناتی چلی گئی سرب لمبی سرنگ کو کہتے ہیں جس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ نے مچھلی کے لیے پانی روک کر راستہ بنا دیا سب طرف سے پانی رک کر طاق اور سر نہ کی طرح ہو گیا) پھر جب دونوں (اس مقام سے چل کر اگلے روز صبح) آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے جوان نے کہا کہ ہمارا ناشتہ (صبح کا کھانا) تو لاؤ آج کے سفر نے ہمیں بہت زیادہ تھکا دیا ہے (مقام مقصود سے آگے بڑھے جانے پر تعجب محسوس ہوا) جوان نے کہا لیجئے دیکھئے (لفظ رايت تمبیہ کے لیے ہے) جب ہم (وہاں) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں اس مچھلی کی بات ہی بھول گیا تھا اور یہ شیطان ہی کا کام ہے کہ میں اس کا ذکر کرنا بالکل ہی بھول گیا (انسانہ کی ضمیر سے لفظ ان اذکرہ بدل اشتغال واقع ہے تقریری عمارت اس طرح ہے انسانی ذکرہ) اس (مچھلی) نے عجب طریقہ پر سمندر میں جانے کی راہ نکالی (لفظ عَجَباً مفعول ثانی ہے غرضیکہ مچھلی کے سرنگ بنانے کا ذکر جو پہلے گذرا ہے۔ اس سے موسیٰ علیہ السلام اور انکے خادم کو تعجب ہوا) کہنے لگے (موسیٰ) یہ ہی موقع ہے (جہاں مچھلی گم ہو گئی) جس کی ہمیں تلاش تھی (کیونکہ جسے ہم ڈھونڈ رہے ہیں یہی اس کی نشانی ہے) پس وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے اٹلے لوٹے (اور چٹان پر پہنچ گئے) تو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے (خضر) کو پایا جنہیں ہم نے اپنی خاص رحمت عنایت کی تھی (ایک قول کے مطابق نبوت مراد ہے اور اکثر کی رائے یہ ہے کہ رحمت سے مراد ولایت ہے) اور انہیں ہم نے اپنے پاس سے ایک خاص طریقہ کا سکھایا تھا (علما مفعول ثانی ہے یعنی یہی معلومات میں سے کچھ حصہ عطا کیا تھا۔ امام بخاری نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک بار خطبہ دینے کے لیے بنی اسرائیل کے سامنے کھڑے ہوئے، کسی نے پوچھا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ فرمایا کہ میں، اس پر عتاب الہی ہوا کہ اللہ کی طرف نسبت کیوں نہ کی؟ چنانچہ وحی الہی نازل ہوئی کہ ”مجمع البحرین“ پر ہمارے ایک خال بندے ہیں جو آپ سے بڑے عالم ہیں موسیٰ علیہ السلام نے شوق سے پوچھا ان تک رسائی کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ ارشاد ہوا کہ اپنے ساتھ مچھلی لے کے ناشتہ دان میں رکھ لو، پس جہاں

مچھلی گم ہو جائے سمجھو کہ وہیں ہیں غرضیکہ انہوں نے مچھلی لے کر ناشتہ دان میں رکھ لی اور چھل پڑے ساتھ یوشع بن نون بھی ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک چٹان پر پہنچ کر ان کی آنکھ لگ گئی مچھلی ناشتہ دان سے تڑپ کر دریا میں جا پہنچی اور سرنگ بناتی چلی گئی بحکم خدا ندی اتنے حصے میں اس کے لیے پانی روک دیا گیا اور طاق کی طرح سوراخ بن گیا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ کھلی تو خادم مچھلی کا ماجر سنانا بھول گئے اور پورا دن اور رات دونوں سفر ہی میں رہے جب اگلا دن ہوا تو صبح کا ناشتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طلب فرمایا۔ بہر حال مچھلی نے تو سرنگ بنائی اور موسیٰ اور خادم حیران رہ گئے (موسیٰ نے ان سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ جو مفید علم آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے سکھا دیں) درست اور صحیح علم ایک قراءت میں لفظ رشذ ضمہ را اور سکون شین کے ساتھ آیا ہے (اور موسیٰ نے یہ فرمائش اس لیے کہ علم میں ترقی مطلوب چیز ہے) ان بزرگ نے جواب دیا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے اور ایسی بات پر تم صبر بھی کیسے کر سکتے ہو جو تمہاری سمجھ سے باہر ہو؟ گذشتہ حدیث میں اسی آیت کے بعد یہ بھی آیا ہے کہ ان بزرگ نے کہا کہ اے موسیٰ! جو مخصوص علم مجھے دیا گیا ہے اس سے آپ بے تعلق ہیں اور آپ کو جو علم عطا فرمایا گیا ہے اس سے میں پوری طرح واقف نہیں ہوں اور لفظ خبر مصدر ہے یعنی حقیقت حال کی آپ کو اطلاع نہیں) موسیٰ نے کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے میں آپ کے کسی حکم کے خلاف درزی (نافرمانی) نہیں کروں گا (حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان شاء اللہ اس لیے کہ انہیں وعدے کے بارے میں اپنے نفس پر اعتماد نہیں ہوا اور انبیاء و اولیاء کی عدت یہی رہتی ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کیا کرتے) بولے اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو مجھ سے کچھ مت پوچھنا (اور ایک قراءت م میں فلا تلتنی لام کے فتح اور نون کی تشدید کے ساتھ ہے) کسی بات کی نسبت جو تمہارے علم کے رو سے اوپر معلوم ہو بلکہ اس پر تم صبر کرنا) جب تک میں خود تم سے کچھ نہ کہوں (اس کا سبب نہ بتلاؤں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس شرط کو منظور کر لیا، استاذی شاگردی کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے)۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: فنی لوجوان، خادم، غلام (ج) ۱۰۱۰ مفسرین نے یہاں عام طور پر خادم مراد لیا ہے لا ابریح فعل ناقص بمعنی لا ازال اس کا اسم اناس میں وجوباً مستتر ہے اس کی خبر حتی ابلغ کے قرینہ کی وجہ سے محذوف ہے آیۃ اسبیؤ اور اگر اس کو فعل تام مانا جائے تو اس کو خبر کی ضرورت نہیں مفسر غلام نے موسیٰ (علیہ السلام) کی تفسیر ابن عمران سے کر کے بعض لوگوں کے اس قول کی تردید کر دی جو کہتے ہیں کہ موسیٰ سے مراد موسیٰ ابن عمران نہیں ہیں بلکہ موسیٰ بن میشی بن یوسف بن یعقوب ہیں:

قولہ: لا ابریح: کی تفسیر لا ازال اسبیؤ سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ ابریح فعل ناقص ہے اور اس کی خبر اسبیؤ محذوف ہے اور حذف پر قرینہ حتی ابلغ سے ہی لا ابریح سائر احوقبا حقب زمانہ دراز کو کہتے ہیں، ایک مقررہ مدت کو بھی کہتے ہیں، بعض حضرات نے ستر سال اور بعض نے اسی سال، اور ایک قول تیس ہزار سال کا بھی ہے یہاں مجازاً مدت دراز مراد ہے سبز مرنگ، نالی، سوراخ سزنا اتخذ کا مفعول ثانی ہے اور سبیلہ مفعول اول ہے نصباً اسم ہے بمعنی مکان، کوفت، تکلیف، نصباً لقیبنا کا مفعول بہ ہے از آیت میں ہمزہ استفہامیہ تعبیہ ہے یعنی موسیٰ (g) کو یہ بتانا

مقصود ہے کہ ایسا واقعہ جو کہ عجیب ہونے کی وجہ سے ناقابل فراموش تھا مگر میں اس کو بھول گیا، اُرأیت کا مفعول محذوف ہے اُرأیت مانا بنی فی ذلک الوقت محاورہ میں اخیر نبی کے معنی میں مستعمل ہے جیسے اردو محاورے میں بولتے ہیں (بھلا بتلائے) چونکہ یہاں کوئی دریافت طلب بات نہیں ہے اس لئے محض اظہار تعجب کے لئے ہے اُرأینا ماضی جمع متکلم اوی یاوی (ع) اُرأینا واوا ٹھکانہ لیما، اترنا، اس لفظ کی پوری تحقیق سورہ کہف کی آیت ۱۶ میں گذر چکی ہے اُنسانِیہ اُنسانِیسیہ اُنسانہ بھلا دینا نون و قاری ضمیر واحد متکلم مفعول اولہ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول ثانیہ میں اصل یہ ہے کہ وہ مضموم ہو مگر جب اس کے ماقبل ی ساکنہ یا کسرہ آتا ہے تو وہ کو بھی کسرہ دیتے ہیں جیسے عَلَیْہِ فِیہ بہ مگر وجہ امام حفص نے اصل کے مطابق پڑھا ہے ایک یہاں اور دوسرے سورہ الفتح آیت ۱۰ میں عَلَیْہِ اللہ جس کو ملا علی قاری نے شاطبیہ کی شرح میں تفصیل سے لکھا ہے ص ۳۲۰، اُن اذکرہ میں اُن مصدر یہ ہے جملہ اذکر بتاویل مصدر ہو کر اُنسانِیہ کے مفعول ثانی سے بدل اشتمال ہے ای ما اُنسانی ذکرہ الا الشیطان، ذکرہ دل میں یاد کرنا اور کسی کے سامنے ذکر کرنے کیلئے ذکر لہ استعمال ہوتا ہے عَجَبًا اتخذ کا مفعول ثانی بھی ہو سکتا ہے اور مفعول مطلق بھی اس صورت میں موصوف محذوف ہوگا ای اِتخاذًا عَجَبًا اور فی البحر بنا بر حال منصوب ہے ای کائنائی البحر اور اِتخاذ سے متعلق بھی ہو سکتا تھا بقیہ اصل میں بقیہ تھا قرآنی رسم الخط میں یہاں حذف کر دی گئی ہے اور سورہ یوسف آیت ۶۵ میں لکھی گئی ہے، ی کا حذف اسماء میں تو شائع ذائع ہے جیسے قاضی میں، مگر افعال میں میں شاذ اور خلاف قیاس ہے قبضًا یا تو مصدر ہے (ن) اِنْقَضًا پیروی کرنا ای نَقْضٌ قَبْضًا یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای قاضِینَ قَبْضًا من عندنا محذوف سے متعلق ہو کر رحمة کا حال ہے اور من لَدُنَّا بھی محذوف سے متعلق ہو کر علما سے حال ہے رعایت فواصل کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

قوله: عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنَ اَنْ تُبْعَثَکَ کَ کَاف سے حال ہے: ای حال کونک فَعَلِمَا لَی، رَشِدًا اُنْعَلِمَنَ کا مفعول ثانی ہے ای تعلمن علما اذکر شید، اُنْ عَلِمَنَ میں اُنْ مصدر یہ اور آخر میں نون وقایہ ہے اور یا متکلم کی محذوف ہے نون کا کسرہ حذف یا کی علامت ہے، رَشِدًا اَوْ رَشِدًا (ن) ہدایت پانا

قوله: لَمْ یُحِطْ اَحَاطَ بِہ: گھیرنا، اَحَاطَ بِہ عَلِمًا پوری طرح جاننا، بَرَا اِی تو فاعل سے منقول ہو کر نسبت سے تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یا مفعول مطلق برائے تاکید ہے اس لئے کہ لَمْ یُحِطْ ہمعنی لَمْ یُحِظْ ہے اور حُبْرٌ بمعنی علم ہے، ای لَمْ تَعْلَمَ عَلِمًا۔

قوله: لَا اَعْصٰی لَکَ: اس کا عطف صائب پر ہے اور لامعنی غیر ہے

قوله: وَ غَیْرِ غَاوِسَ: سے مفسر غلام نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ لامعنی غیر ہے اور اس کا عطف صائب پر ہے

قوله: تَامَرْنٰی: سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اموا، تَامَرٌ نَظَرٌ محذوف کا مفعول مطلق ہے اِمْرًا عَجِیْبًا بات وہ بات جو خلاف شرع اور خلاف عقل سلیم ہو قَائِلًا کَلْبًا (ج) فُرُوسَ

قوله: اَصْبَرَ: اَصْبَرَ محذوف مان کر اس بات کی اشارہ کر دیا کہ حتی اُخْبِتْ لَکَ مَغْیَا محذوف کی جزء ہے اور مَغْیَا اصبر ہے۔

تفسیر مقبولین

ابن عمر ان، حضرت موسیٰ علیہ السلام لادی ابن یعقوب کی اولاد میں سے ہیں اور بنی اسرائیل کے اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ قول صحیح یہی ہے جس پر آثار مشفق ہیں لیکن کعب الاحبار کے نزدیک موسیٰ بن یثا بن یوسف بن یعقوب مراد ہیں جو مشہور حضرت موسیٰ سے پہلے ہوئے ہیں۔ باقی حضرت خضر سے افضل ہونے کے باوجود اکتساب کرنا، عم کے باب میں ان کی حسن طلب اور سچی سعی پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ یوشع بن نون یہ صاحبزادہ ہیں افرایم بن یوسف کے۔ اور بعض کتابوں میں افرایم کی بجائے افرایم لکھا ہے۔ وکان یتبعہ۔ بعض نے حضرت یوشع کو غلام کہا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آزاد ہونا شرائط نبوت میں سے ہے۔ لفظ تھی سے قرآن کا اشارہ اس طرف ہے کہ طلب علم اصل زمانہ نوجوانی کا ہے اور دستخود مد سے معلوم ہوا کہ استاد شاگرد اور گرد اور چیلہ میں یہ تعلق قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے شاگرد اور چیلہ کی خدمت ہی استاد اور گرد کی محبت و شفقت اور کشش کا باعث بنتی ہے اور پھر یہی مناسبت اکتساب کمالات کا ذریعہ بنتی ہے۔ البتہ اس سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ نبوت و رسالت اگر خدمت کرنے کے حاصل کی جاسکتی ہے تو پھر کسی ہوئی کہا جائے گا کہ نبوت و رسالت تو محض وہی اور عطائی ہے۔ البتہ اس عطا کے لئے جس صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے اس کے پیدا کرنے میں خدمت و طاعت کو ضرور دخل ہو سکتا ہے۔

ہر کہ خدمت کرد اذمذوم شد

مجمع البحرین بعض نے بحر روم و فارس کا سٹم مانا ہے اور بعض کے نزدیک بحر اردن اور بحر قلزم کا سٹم ہے، لیکن یہ موقع صرف بحر محیط یا اس کے آس پاس ہے۔ اور بعض نے بحرین سے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر کی ذوات مراد لی ہیں کیونکہ دونوں اپنے اپنے علوم کے دریا ہیں۔ ایک علم شریعت کا ایک علم مکاشفہ کا۔ لیکن حافظ کی رائے اس بارے میں یہ ہے کہ نہ یہ بات کسی روایت سے ثابت ہے اور نہ الفاظ اس کے مؤید ہیں۔ البتہ بطور نکتہ اور لطیفہ کے اس کو کہا جاسکتا ہے۔
حقبا۔ حقبہ کے معنی آبی (۸۰) سال کی مدت کے ہیں، غرضیکہ مدت طویل مراد ہے۔ اس سے طلب علم کے لئے سفر کرنا اور اس کے لئے ضروری ذرا راہ لینا اور صعوبت سفر کا جھیلنا اور گوارا کرنا معلوم ہوا۔ نسی۔ معلوم ہوا کہ وہ مچھلی خشکی کے حصہ پر رکھی ہوئی تھی۔ مگر حضرت یوشع کو یاد نہ رہی تھی اور وہاں سے تڑپ کر دریا میں چلی گئی۔ لیکن بعض کی رائے یہ ہے کہ چٹان کے پاس ایک چشمہ حیات تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سوکرائے اور اس چشمے سے وضو فرمایا تو اس کے پانی کی چھٹیں ناشتہ دان میں رکھی ہوئی مچھلی پر پڑیں تو مچھلی زندہ ہو گئی اور اس نے دریا کی راہ لی۔ پس اس صورت میں بھولنے سے مراد یہ ہو گی کہ خادم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چٹان نامعلوم گئے۔ رہا یہ شبہ کہ ایسی عجیب بات تو بھولنی نہیں چاہئے۔ بلکہ ایسی باتیں تو حافظہ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جایا کرتی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ عجیب و غریب بات اگر گاہ بگاہ پیش آئے تب تو اس شبہ کی گنجائش ہے۔ لیکن جہاں ایک سے ایک بڑھ کر خوارق و عجائب پیش آتے رہیں تو وہاں نہ غیر معمولی توجہ ہوتا ہے اور نہ لوح حافظہ پر اس کا نقش رہنا ضروری ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یوشع بن نون اللہ کی قدرت و عظمت میں اس قدر مستغرق ہو گئے کہ انہیں دوسری باتوں سے ذہول ہو گیا، فاتحہ مچھلی کا دریا میں چلا جانا پہلے اور اس واقعہ کو بھول جانا بعد میں ہوا۔ پس آیت میں تقدیم تا

خیر ہوگی اصل عبارت اس طرح ہے: فادرکنہ الحیاء فمخرج من المکتل وسقط فی البحر فانخذ سیلہ لفظ سربا انخذ کا مفعول ثانی یا ضمیر مستتر سے حال ہے، بہل اصل عبارت اس طرح ہے: ما انسانی ذکرہ الا الشیطان، اس پر اشکال ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر شیطان کا تسلط نہیں ہو سکتا۔ پھر شیطان کی طرف سے کیسے حضرت یوشع پر لسیان طاری ہوا؟ جواب یہ ہے کہ شیطان کی طرف بطور کسوفی کے اس لسیان کو منسوب کر دیا ہے ورنہ سمود لسیان کا پیش آنا نقصانے بشر ہوتا ہے۔ عجباً مفعول ثانی ہے اور بعض کے نزدیک یہ مصدر ہے جس کا فعل مضر ہے۔ اسی قال فی خبر کلام، یا قال موسیٰ فی جرابہ عجبت عجبا۔ اور بعض نے عجبا کو سبیل کی صفت کہا ہے اور بعض نے استخاذا کی صفت مانا ہے۔ اسی اتخذو موسیٰ سبیل الحرث فی البحر عجبا کتنا نبغ یا کو فو اصل کی رعایت سے حذف کر کے کسرہ چھوڑ دیا گیا ہے اور دوسری وجہ حذف یا کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ موصولہ کا عائد چونکہ حذف کر دیا گیا ہے۔ اس لئے حذف سے حذف کو مناسبت ہوتی ہے۔ پس یا کو بھی حذف کر دیا گیا۔ فوجہ عبد بعض کی رائے ہے کہ حضرت موسیٰ و یوشع علیہم السلام پھلی کے پیچھے سرنگ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت خضرؑ کو بیٹھا دیکھا اور بعض کے نزدیک چٹان پر سفید چادر تانے حضرت خضرؑ لیٹے ہوئے پائے گئے۔ حضرت موسیٰ نے سلام کیا تو اٹھ کر بیٹھ گئے اور جواب میں انہوں نے کہا وعلیک السلام یا نبی بنی اسرائیل۔ موسیٰ علیہ السلام نے بطور تعجب پوچھا کہ آپ کو میرا ضمیر ہونا کس نے بتلایا؟ انہوں نے جواب دیا کہ جس نے آپ کو میرا پتہ نشان بتایا اور کہا کہ آپ کو تو بنی اسرائیل کی مصروفیت رہتی ہے پھر آپ یہاں کیسے تشریف لائے؟ فرمایا کہ میں آپ سے کچھ سیکھنے اور اس بارہ میں آپ کی پیروی کرنے آیا ہوں۔ من عبادنا اس میں اضافت تشریف کے لئے ہے۔ خضر اس میں تین لغات ہیں خضر اور خضر اور خضر یہ لقب اس لئے ہوا کہ جہاں یہ جاتے وہاں سرسبز ہو جاتی اور آپ کی کنیت ابو العباس تھی۔ اور آپ کا نام ہلتا ہے، تفسیر خازن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بنی اسرائیل میں سے تھے اور بعض نے ان کو ان شہزادوں میں شمار کیا ہے جو تارک الدنیا ہو گئے ہیں۔ ابن عطیہ اور بغوی اور قرطبی کی رائے ہے کہ اکثر کے نزدیک یہ نبی ہوئے ہیں۔ لیکن قشیری اور اکثر علماء ان کو ولی مانتے ہیں اور من لدنا علماء سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو علم لدنی عطا ہوا تھا۔ یعنی علم مکافہ اور علم باطن جو کسی ظاہری معلم کے بغیر حاصل ہو۔ اور لفظ عبد کی تفسیر حضرت خضر کے نام سے حدیث میں آئی ہے۔ جیسا کہ داؤد قال موسیٰ لفتاہ میں نبتی سے مراد حضرت یوشع ہیں۔ حضرت خضرؑ کشتگان راہ کی رہبری کرتے ہیں ظاہر انہی اور باطن انہی۔ جیسا کہ اہل اللہ کے واقعات اس کے شاہد ہیں لیکن کنوؤں اور چشموں پر ان کی تعیناتی یا ان کے نام کی نیازیوں کرنا، راستوں اور کنوؤں پر چراغ رکھنا وغیرہ باتیں بے اصل ہیں۔ البتہ سکندر ذوالقرنین کے ساتھ ان کا آب حیات پینے کے لئے جانا اور سکندر کا محروم اور ان کا کامیاب ہونا۔ شاید ذوالقرنین کے واقعہ کو واقعہ خضر کے بعد موصولاً بیان کرنے سے سمجھایا گیا ہو لیکن ان باتوں کا ماننا نہ ماننا اور حضرت خضر کے زمانہ اور خاندان وغیرہ کی تعیین یہ سب باتیں صحیح تاریخی شہادتوں پر موقوف ہیں۔ قام خطیباً۔ قوم قبلی کی تہا ہی اور مصر میں حضرت موسیٰ کی واپسی کے بعد یہ بلغ اور مؤثر خطبہ ارشاد فرمایا گیا تھا۔ جس کی تاثیر سے لوگوں کی آنکھیں اشکبار اور دل پھل گئے تھے۔ فقال انا۔ علم شرايع کے اعتبار سے یہ جواب اگرچہ صحیح تھا۔ کیونکہ نبی سے بڑھ کر علوم شریعت میں دوسرا اور کوئی مخلوق میں نہیں ہوتا لیکن جواب میں اس طرح کی کوئی قید ذکر نہیں کی گئی تھی اس لئے شبہ ہو سکتا تھا کہ مطلق علم میں اتانیت کا دعویٰ کیا گیا ہے جو خلاف واقعہ اور خلاف ادب ہے۔ کیونکہ اول تو سب سے بڑھ کر اللہ کا تعالیٰ علم مطلق ہے اور پھر علم شرايع کے علاوہ

دوسری قسمیں بھی دوسرے افراد میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے احتیاط کلام کی تعلیم دینے کے لئے اس یقین کا مشاہدہ واقعات کے ذریعہ کرایا گیا۔ لیکن حضرت موسیٰ کا یہ کمال تو واضح اور سچی طلب علم ہے کہ انہوں نے استاد بنانے میں اپنے سے چھوٹے کا بھی خیال نہیں کیا اور فوراً سفر شروع کر دیا۔ بلکہ اپنے شاگرد یوشع کو بھی ہمراہ لے لیا۔ اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ یوشع پر میرا اعتقاد اور اثر کم ہو جائے گا۔ کس مجھے چھوڑ کر وہ ان کا دامن نہ پکڑ لے۔ اور اس میں حضرت یوشع کا بھی کمال سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنے استاد حضرت موسیٰ سے پھر بھی بے اعتقاد نہ ہوئے۔ اسی کو اصطلاح تصوف میں توحید مطلب کہتے ہیں کہ اپنے مخدوم کے علاوہ سب سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔ اور اپنا فائدہ صرف اپنے مخدوم میں منحصر سمجھ لیا جائے کیونکہ عبادۃ اللہ یہ ہے کہ فائدہ اسی صورت میں حاصل ہوتا ہے لیکن نظر جب ہر جائی ہو تو کما حقہ، کامیابی نہیں ہو سکتی، اور پھلی کی تخصیص اس لئے ہو کہ وہ زندہ ہو کر جب اپنے اصلی ٹھکانہ پر پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمایاں طور پر ظہور ہو سکے گا۔ اور اس سے پھر اگلے واقعات سے یقین حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ قال موسیٰ: لفتناہ اتنا غداءنا۔ جب اگلے روز ظہر کی نماز سے فراغت ہوئی تو بھوک لگی اور صبح کا کھانا طلب فرمایا۔ منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے چونکہ مقصد کی دھن سوار تھی اور اسی میں مگن تھے۔ اسی لئے راستہ کی تکالیف اور صعوبت سفر محسوس نہیں ہوئی۔ لیکن جو نبی مقصود اصلی سے آگے قدم دھرا تو راتکان محسوس ہونے لگی، گویا پہلے قدم اٹھ نہیں رہے تھے بلکہ اٹھائے جا رہے تھے اور اب ایک ایک قدم سوسن کا ہو کر رہ گیا۔ و سأل ذلک یہ ایک شبہ کا جواب ہے، شبہ کی تقریر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک اولو لعزم پیغمبر اور صاحب کتاب و شریعت نبی ہونے کی حیثیت سے یقیناً حضرت خضر سے افضل ہیں۔ پھر ایک افضل شخص اپنے سے کم درجہ شخص کے پاس کیوں جاتا ہے اور کیسے اس سے درخواست کرتا ہے! جواب کا حاصل یہ ہے کہ علم میں زیادتی اور اضافہ چونکہ مطلوب ہے اس لئے حضرت موسیٰ نے یہ سب کچھ گوارا کیا۔ پس حضرت موسیٰ اور ان کا علم شریعت اگرچہ افضل تھا اور حضرت خضر اور ان کا علم مکاشفہ اگرچہ مفضل ہیں۔ اسی لئے حضرت موسیٰ نے کسی موقع پر بھی اس کی تردید نہیں کی اور اعتراض کرنے سے نہیں چوٹے۔ تاہم مزید شرف و کمال کے لئے حق تعالیٰ نے اس کی تحصیل کا حکم فرمایا۔ پس حضرت موسیٰ اس جملہ سے یہ یقین دلانا چاہتے تھے کہ میرے یہاں آنے کا مقصد بجز تحصیل اور افزائش علم کے اور کچھ نہیں ہے۔ انک لستطیع اول تو علم شریعت جس کے عمبر در حضرت موسیٰ ہیں اس کے تقاضے مخصوص اور مستقل ہیں اور حضرت موسیٰ انہی تقاضوں کے پابند ہیں۔ کیونکہ دوسرے انسانوں کی راہنمائی ان سے وابستہ ہے۔ ادھر علم مکاشفہ جس کے حامل حضرت خضر ہیں۔ اس کے طور و طریق بالکل الگ ہیں۔ ان میں زیادہ تر تکنیکی مصالح ہوتی ہیں۔ پس دونوں کے تقاضے مختلف ہونے کی صورت میں یقیناً توافق نہیں ہو سکے گا۔ نہ حضرت موسیٰ ظاہر شرع کا خلاف دیکھتے ہوئے مدہنت کر سکیں گے، اور نہ حضرت خضر تکنیکی مصالح کے پیش نظر اپنے مفوضہ فرائض انجام دینے میں کوتاہی کریں گے، دوسرے طلبگار علم و طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو بالکل سیکھتا اور ناواقف مبتدی، ان کا معاملہ تو نہایت سہل اور آسان ہوتا ہے جو کہہ دیا اور بتلا دیا اسی پر وہ قناعت کرتے ہیں۔ لیکن دوسری قسم ان طلبگاروں کی ہوتی ہے جو خود بھی ماہر ہوتے ہیں اور مہارت ہی کی خاطر وہ پوری بصیرت سے چلنا چاہتے ہیں انہیں عامیانی سطحی و تقلیدی انداز مطمئن نہیں کر سکتا، پس یہاں حضرت موسیٰ جس دریا کے شادہ تھے ان کو سیری بغیر تحقیق اور چھان بچھوڑ کے نہیں ہو سکتی تھی۔ ادھر حضرت خضر جس کو چہ کے واقف کار تھے۔ وہاں گم نم رہنا ہی اصل کمال تھا۔ ہر بات میں کج کاؤ، کھوج، کرید نامناسب تھی۔ غرضیکہ ایک جگہ ٹیل و

قال باعث کمال اور دوسری جگہ لائق زوال اس لئے بھی دونوں کا نہجاً مشکل نظر آیا۔ ان دونوں طالب علموں کی راہوں کے فرق کو بعض عرفا و اہل علم نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے

”ہر طالب علم کو چونکہ چہرا کند و ہر طالب علم کو چونکہ چہرا کند ہر دو راہوں پر اگلا باید لرتاز“

انی علی علم اس علم سے مراد علم مکاشفہ ہے۔ جو باعث افضلیت ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ اگرچہ عام صحابہؓ سے نماز روزہ میں بڑھے ہوئے نہیں تھے۔ لیکن انہما افضلہم بشیء و قر فی صدرہ و ہو علم المکاشفہ۔ چنانچہ اگر علوم شرع کے ساتھ کسی کو علم باطن کی دولت بھی حاصل ہو جائے تو سبحان اللہ ورنہ تنہا علم مکاشفہ، علم شرع کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ مستجدنی انشاء اللہ، علم ظاہر شریعت کی پابندی کرتے ہوئے حضرت موسیٰ نے انشاء اللہ کہا۔ یعنی اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا۔ لیکن حضرت خضرؑ کا علم چونکہ کشفی تھا انہیں تکویناً معلوم تھا کہ یہ خلاف شرع پر صبر نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے انہوں نے صاف طور پر لن تستطیع معی صبرا بغیر تحقیق کے کہہ دیا۔ فلا تستلنی الخ اس سے معلوم ہو کہ حضرت خضرؑ جو کچھ بھی کر رہے تھے وہ بھی مبنی بر مصراع تھا اس میں بھی تکوینی حکمتیں تھیں۔ اس لئے تنبیہ کرنی پڑی کہ تا وقتیکہ ان مصراع کو خود بیان نہ کروں خاموش دیکھتے رہنا۔ اپنی طرف سے سوال میں پہل نہ کرنا۔ چہ جائیکہ مناقشہ قائم کر دینا۔ ایک متعلم کو اپنے معلم کے ساتھ انہی آداب کے ساتھ رہنا چاہیے۔ اور معلم کو متعلم سے مناسب شرطیں طے کرنے اور منوانے کا حق ہے، فانطلقا۔ اس موقع پر حضرت یوشعؑ بھی اگرچہ ساتھ تھے۔ مگر اصل مقصود حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ ہیں۔ اس لئے تنزیہ کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ حتیٰ اذ ارکبافی السفینۃ کشتی میں کچھ لوگوں نے شبہ بھی کیا کہ یہ چور اچکے معلوم ہوتے ہیں جو بغیر سامان کے سفر کر رہے ہیں، لیکن کشتی بان ان کی صورتوں اور لباس سے متاثر ہوا اور اس خیال کی تردید کرنے لگا۔ اور ابی ابن کعبؓ کی روایت میں ہے کہ حضرت خضرؑ کو پہچان کر بغیر کراہیہ کے سب کو سوار کر لیا۔ لیکن کشتی جب بھنور میں جا کر پہنچی تو بجائے اس کے کہ اس کو نکالنے میں مدد دیتے، اُلٹنا اس پر تیر چلانے لگے اور نیچے سے تختے نکال کر دروازہ پیدا کر دی جس سے کشتی کے لئے خطرات پیدا ہو گئے، کہتے ہیں کہ اس موقع پر ایک چڑیا تختے پر آ بیٹھی اور اس نے سمندر میں چونچ ڈال کر پانی پیا تو حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰ کو توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ جو نسبت اس کے چونچ پر لگے ہوئے پانی کو سمندر کے پانی سے ہے وہی نسبت ہمارے علم کو علم الہی سے ہے۔ بیبا نسبت صحیح روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ سے اول وعدہ کا نسیان ہوا ہے، اسی لئے مفسر علام نے نسبت کا ترجمہ غفلت کے ساتھ کیا ہے۔ یعنی آپ نے جو خاموش رہنے کی تلقین اور وصیت کی تھی مجھے اس کا ذہول ہو گیا اور بعض نے نسیان سے مراد مطلقاً ترک لیا ہے۔ بہر حال پہلا سوال تو مہول سے ہوا۔ لیکن دوسری مرتبہ دریافت کرنا بطور شرط کے ہوا اور تیسری مرتبہ کا سوال علیحدگی کے لئے ہوا۔ لم یبلغ الحنث۔ حنث کے کئی معنی آتے ہیں، قسم توڑنا، گناہ کرنا۔ لیکن یہاں لازم معصیت یعنی حد تکلیف کے معنی مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ لڑکا غیر مکلف تھا، اس لڑکے کا نام جیسور تھا۔ فقئلہ مفسر علام نے تین قول بیان کیئے ہیں جیسا کہ اثر سے ثابت ہے اور تینوں قول جمع بھی ہو سکتے ہیں کہ پہلے اس لڑکے کو دیوار سے دے مارا، پھر زمین پر ڈال کر ذبح کر ڈالا اور گردن الگ کر دی بغیر نفس اس کا تعلق لفظ اقلنت سے بھی ہو سکتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ مخدوف سے متعلق ہو کر فاعل یا مفعول سے حال ہے۔ اسی قتلہ ظلماً او مظلوما تیسری صورت یہ ہے کہ مصدر مخدوف کی صفت بھی ہو سکتی ہے۔ اسی قتلہ

بغیر نفس ممکن ہے ان کی شریعت میں بچے سے بھی قصاص لینے کا قانون ہو۔ جیسا کہ ابتداء اسلام میں ہجرت سے پہلے ہمارے یہاں بھی بچوں سے قصاص کا قانون تھا۔ بقول بیہقیؒ غزوہ احد کے بعد صرف باغلوں کے لئے قصاص خاص ہوا۔ شیخ تہجدی الدین سبکی نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ کراکشتی میں دراز ڈالنے کو ”شبتنا امرا“ سے تعبیر کیا تھا۔ اور یہاں چھوٹے بچے کے مار ڈالنے کو ”شبتنا نکرا“ سے بیان کیا ہے۔ یہ بتلانے کے لئے کہ یہ جرم پہلے تصور سے بڑھ کر ہے کیونکہ کشتی کے نقصان کی تلافی تو ممکن ہے لیکن مردہ بچہ کو زندہ کرنا عاۃً ممکن نہیں ہے اور بعض نے اس کے برعکس مطلب کہا ہے کہ پہلا نقصان دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ یہاں صرف ایک بچے کا اٹلاف ہے اور کشتی ڈوبنے سے بہت سوں کا اٹلاف ہو سکتا تھا۔

پچھلی آیات میں چونکہ سردارانِ مشرکین کی اس درخواست کی بُرائی بیان کی تھی کہ وہ چاہتے تھے ہماری تعلیم و تبلیغ کے وقت آنحضرتؐ کی مجلس میں مسلمان فقراء اور غرباء شریک نہ ہوں اس لئے آیت: **وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَدْعُكُم لِمَا تَكْفُرُونَ** میں حضرت موسیٰؑ و حضرت خضرؑ کی ملاقات کا واقعہ بیان کر کے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے باوجود اکل و فضل ہونے کے اپنے سے چھوٹے حضرت خضرؑ سے استفادہ کرنے اور ان کو استاد بنانے میں بھی کوئی عار نہیں محسوس کی۔ مگر انہوں نے تمہیں ان غریبوں کے محض شریکِ تعلیم ہونے سے بھی عار آتی ہے اور اس قصہ کے بتلانے سے آپؐ کی نبوت بھی ثابت ہو گئی۔

اسی طرح ادھر کی آیات میں اس حقیقت کو بتلایا گیا تھا کہ منکروں کی سرکشوں کا نتیجہ اچانک ظہر ہونے اور ان کی خوشحائیاں چھن جانے کے اگرچہ کئی اسباب پائے جاتے ہیں۔ مگر ایک بڑی رکاوٹ بھی ہے اور وہ ہے قانونِ رحمت کہ ایک خاص وقت تک رحمتِ الہیہ کی وجہ سے عذاب رکا ہوا ہے۔ جوں ہی وہ مقرر آن آ پہنچی پھر ان کے بچنے کی کوئی صورت نہیں! **وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَدْعُكُم لِمَا تَكْفُرُونَ** میں اسی معاملہ کے ایک دوسرے پہلو کو لایا جا رہا ہے، فرمایا کہ بلاشبہ موجودہ حالت ایسی ہی ہے کہ سرکشوں کے لئے کامرانیاں دکھائی دیتی ہیں، اور مومنوں کے لئے محرمیاں۔ لیکن صرف اتنی ہی بات دیکھ کر حقیقتِ حال کا فیصلہ نہ کر لو، یہاں معاملات کی حقیقت وہی نہیں ہو کر تھی جو بظاہر دکھائی دیا کرتی ہے۔ کتنی ہی اچھائیاں ہیں جو فی الحقیقت برائیاں ہوتی ہیں اور کتنی ہی برائیاں ہیں جو فی الحقیقت اچھائیاں ہوتی ہیں تمہاری عقل صرف ظواہر کو دیکھ کر حکم لگا دیتی ہے۔ مگر نہیں جانتی کہ ظواہر کی تہہ میں کتنے بواطن پوشیدہ ہیں۔ سرکشوں کے لئے اس وقت کامرانیاں ہیں اور مومنوں کے لئے محرمیاں۔ لیکن کیا فی الحقیقت سرکشوں کی کامرانیاں، کامرانیاں ہیں اور مومنوں کی محرمیاں، محرمیاں۔ اس کا فیصلہ تم نہیں کر سکتے۔ جب پردہ اٹھے گا تو دیکھ لو گے کہ حقیقتِ حال کیا تھی۔ چنانچہ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ علیہ السلام کی باہمی ملاقات کا واقعہ پیش کیا جا رہا ہے حضرت خضرؑ کو جو علم خاص دیا گیا تھا تو یقیناً بعض چیزوں کے اسرار و رموز اور بواطن ان پر کھول دیئے گئے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات میں تین موڑ ایسے آئے کہ ہر مرتبہ حضرت موسیٰؑ خاموش رہنے کا ارادہ اور عہد کرتے تھے، لیکن ان کا ارادہ نہ چل سکا اور ہر مرتبہ بول اٹھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانی عقل کسی درجہ میں مجبور بھی ہے کہ ظواہر پر حکم لگائے وہ اس سے رک نہیں سکتی مگر کہا جائے گا کہ وہ یہیں آ کر ٹھوکر کھاتی ہے کہ بواطن و حقائق تک نہیں پہنچ سکتی، حضرت خضرؑ نے تین کام کئے، تینوں کا ظاہر بُرا تھا لیکن تینوں کی تہہ میں بہتری ہی بہتری تھی۔ حضرت موسیٰؑ ظاہر دیکھ رہے تھے لیکن حضرت خضرؑ پر اللہ تعالیٰ نے باطن روشن کر دیا تھا۔ اگر اسی طرح ہر کام میں ظاہر کا پردہ اٹھ جائے اور وہ حقیقتیں سب کے سامنے آ جائیں جو حضرت خضرؑ کے سامنے آ گئی تھیں تو دنیا کا کیا حال ہوگا؟ سارے احکام کس طرح بدل

جائیں؟ مگر حکمت الہی یہی ہے کہ پردہ نہ اٹھے۔ کیونکہ اس پردہ سے عمل کی ساری آزمائش قائم ہے اور ضروری ہے کہ آزمائش ہوتی رہے۔

و قدہ کی تفصیل حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو نہایت مؤثر اور بیش بہا نصیحتیں فرما رہے تھے کہ لوگوں کی آنکھیں شدت تاثر سے بہہ نکلیں اور دل کانپ اٹھے۔ ایک شخص نے پوچھا اے موسیٰ! کیا آپ رُوئے زمین پر اپنے سے بڑا عالم کسی کو پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں! یہ جواب واقع میں اگر صحیح تھا۔ کیونکہ اولوالعزم پیغمبر ہونے کی وجہ اس زمانہ میں اسرار شریعت ان سے زیادہ جاننے والا اور کون ہو سکتا تھا، تاہم عنوان جواب اور تعبیر کے عموم سے ظاہر ہوتا تھا کہ رُوئے زمین پردہ خود کو ہر طرح سب سے بڑھ کر عالم خیال کر رہے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ کو یہ الفاظ اور عدوے کالب و لہجہ پسند نہیں آیا۔ اللہ والے اگر سب سے افضل اور بہتر بھی ہوں تو اپنے آپ کو بہتر نہیں سمجھتے اور کہتے اور کبھی بھول چوک سے کہہ گزریں تو حق تعالیٰ کی طرف سے انہیں تنبیہ و تادیب کر دی جاتی ہے۔ یہاں بھی اللہ کی مرضی یہ تھی کہ جواب میں اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے حوالہ کر کے یہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندے بہت سے ہیں جن کا حال اسے ہی معلوم ہے۔ چنانچہ حضرت خضر کی ملاقات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ بعض علوم میں وہ موسیٰ سے بھی بڑھ کر نکلے۔ اگرچہ ان علوم کو قرب الہی میں کچھ دخل نہ ہو۔ مگر مطلقاً اپنے کو سب سے بڑا عالم کہنا تو صحیح نہ رہا۔

مجمع البحرین سے کیا مراد ہے؟

مجمع البحرین سے کیا مراد ہے۔ مفسر علامہ نے بحر فارس اور بحر روم مراد لیا ہے۔ لیکن یہ دونوں دریا ملتے نہیں ہیں۔ شاید ملاپ سے مراد ان کا نزدیک ہونا ہوگا۔ یعنی دونوں کا فاصلہ کم رہ جانا۔ اور بعض نے افریقہ کے دو دریا مراد لئے ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک وہ مقام مراد ہے جہاں پہنچ کر دجلہ اور فرات، دونوں خلیج فارس میں جا گرتے ہیں۔ بہر حال حضرت موسیٰ نے درخواست کی کہ مجھے ان کا پورا پورا پتہ نشان بتلادیا جائے تاکہ سفر کر کے ان سے کچھ استفادہ کر سکوں، حکم ہوا کہ ان کی تلاش میں نکلو، تو ایک مچھلی تل کر ساتھ رکھ لو، جہاں مچھلی گم ہو وہیں سمجھنا کہ وہ بندہ موجود ہے، گویا مجمع البحرین سے جو ایک وسیع خطہ مراد ہو سکتا تھا۔ اس کی پوری تعیین کے لئے یہ علامت مقرر فرمادی، موسیٰ علیہ السلام نے ہدایت الہی کے مطابق اپنے خاص خادم حضرت یوشع کو ساتھ لے کر سفر شروع کر دیا۔ اور تاکید کر دی کہ دیکھو مچھلی کا خیال رکھنا میں اس وقت تک برابر سفر کرتا رہوں گا جب تک منزل مقصود تک نہ پہنچ جاؤں، اگر فرض کرو برس اور قرن بھی گزر جائیں تب بھی مقصد حاصل کئے بغیر سفر سے نہ ہٹوں گا۔

آب حیات اور قدرت کی نشانیاں:

غرضیکہ ایک چٹان پر جس کے نیچے ”آب حیات“ کا چشمہ جاری تھا حضرت موسیٰ سو گئے۔ یوشع نے دیکھا کہ مچھلی نے زنبیل سے نکل کر دریا میں جست لگا دی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ بناتی اور سوراخ کرتی چلی گئی، یوشع کو حیرت ہوئی اور چاہا کہ حضرت موسیٰ بیدار ہوں تو ان سے عرض کروں، لیکن یوشع نہ معلوم کن حالات میں کھو گئے اور کہنا بھول گئے، ایسی عجیب بات کا بھول جانا اگرچہ عجیب بات ہے مگر جو شخص ہر وقت عجائب و غرائب اور خوارق کا مشاہدہ کرتا رہتا ہو وہ کسی غیر

معمولی بات کو بھی اپنے معمول کے مطابق ہی پائے گا۔ اس لئے اگر کسی خیال کے غلبہ سے اس کا ذہول ہو جائے تو حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ اور روایات میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے جب یوشع سے چلنے وقت مچھلی کی خبر گیری کو کہا تھا تو ان کی زبان سے نکل گیا تھا کہ یہ کوئی مستقل اور بڑا کام نہیں۔ اس لئے یہاں متنبہ کیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی انسان کو اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ غرضیکہ نہ یوشع کو کہنا یاد رہا اور نہ حضرت موسیٰ کو پوچھنے کا دھیان رہا۔

حضرت موسیٰ کو پورے سفر میں کہیں تکان محسوس نہیں ہوئی جب مطلب مچھوٹ رہا تھا اس وقت چلنے سے تکان محسوس ہوئی اور دَمًا اَنْسَنِیْہُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ کا مطلب یہ ہے کہ مطلب کی بات بھول جانا اور یادداشت کے عین موقع پر ذہول ہو جانا شیطان کی کڑوت ہے لیکن یوشع جب کہ نبی ہیں پھر ان پر شیطان کا تصرف نسیان کیسے ہوا؟ جواب یہ ہے کہ ایسے تصرفات میں کوئی حرج نہیں جب تک وہ کسی برائی اور گناہ تک نہ پہنچادیں۔ جیسے کسی کافر کے پتھر مار دینے سے نبی کے چوٹ لگ جائے ایسے ہی یہ بھی ہے۔ اور مچھلی کے دریا میں چھاٹک لگانے کو عجیب اس لئے کہا کہ: اول تو خود تلی ہوئی مچھلی کا زندہ ہونا عجیب تھا۔ دوسری پانی جیسی سیال چیز کا سرنگ کی شکل میں کچھ دیر کے لئے تبدیل ہو کر برقرار رہنا عجیب تر تھا۔

حضرت خضرؑ نبی تھے یا ولی؟

حضرت خضرؑ کی نبوت و ولایت میں اختلاف ہو ہے۔ تاہم محققین کا رجحان ان کی نبوت کی طرف ہے جو انبیاء مستقل شریعت لے کر آتے ہیں ان کو تصرف و اختیار من جانب اللہ عطا ہوتا ہے کہ خاص مصالح کے پیش نظر شریعت کے کسی عام حکم کی تخصیص یا مطلق کی تقید کسی عام ضابطہ سے کچھ جزئی تصرفات کے اختیارات حضرت خضرؑ کو حاصل تھے۔ یا کہا جائے کہ حضرت موسیٰؑ اسرار الہیہ میں بڑھے ہوئے تھے۔ جنہیں قرب الہی میں بڑھا دخل ہوتا ہے اور حضرت خضرؑ اسرار کونیہ میں بڑھے ہوئے تھے۔ اگرچہ قرب الہی میں ان اسرار کونیہ کو کوئی دخل نہ ہو۔ غرضیکہ حضرت موسیٰؑ و خضرؑ کی ملاقات ہوئی۔ علیک سبیلک کے بعد حضرت خضرؑ نے آنے کا سبب پوچھا، حضرت موسیٰؑ نے مقصد ملاقات بتا دیا۔ خضرؑ بولے، اے موسیٰؑ! بلاشبہ آپ اسرار الہیہ کے امین ہیں۔ پر بات یہ ہے کہ اسرار کونیہ کا علم مجھے عطا ہوا ہے، ایک میں تم بڑھے ہوئے ہو، ایک میں میں! اس کے بعد ایک چڑیا جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی اسے دکھا کر خضرؑ نے کہا کہ ساری مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے ایسا ہے جیسے اس کی چونچ پر گاہا ہوا پانی دریا کے سامنے، یہ بھی محض سمجھانے کیلئے کہا۔ ورنہ ایک متناہی علم کو غیر متناہی علم سے کیا نسبت۔ متاثر ہو کر حضرت موسیٰؑ نے ان کے ساتھ رہنے کی خوشی کی۔ معلوم ہوا کہ طلب علم کی درخواست طالب علم کی جانب سے ہونی چاہیے۔ لیکن حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کے مزاج و غیرہ کا اندازہ کر کے سمجھ لیا کہ میرا ان کا نبھاؤ نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ حضرت خضرؑ واقعات کونیہ کا علم پاکر موافق عمل کرنے پر مامور تھے اور حضرت موسیٰؑ جن علوم کے حامل تھے ان کا تعلق تشریحی قوانین و کلیات سے تھا پس جن جزئیات میں عوارض اور خصوصیات کی وجہ سے ظاہر عام ضابطہ پر عمل نہ ہوگا۔ حضرت موسیٰؑ اپنی معلومات اور فرض منصبی کے اعتبار سے ضرور ان پر روک ٹوک کریں گے۔ آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ جدا ہونا پڑے گا اور یوں بھی متعلم کی طرف سے معلم پر روک ٹوک اور اعتراض کی صورت میں تعلیمی سلسلہ کا باقی اور جاری رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت موسیٰؑ نے طالب علمانہ صورت کو برقرار رکھتے ہوئے، ان شرطوں کی منظوری دیتے ہوئے صبر و سکون سے

ساتھ رہنے کا وعدہ کر لیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ غالب صادق کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ مگر وعدہ کرتے وقت: "ابا، ذی کو اس کا تصور بھی نہ ہو گا کہ ایسے مقبول و مقرب بندے سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئے گی جو علانیہ ان کی شریعت پر تمام انسانی اخلاق اور شرائع کے بھی خلاف ہو، غیبت ہوا کہ انہوں نے انشاء اللہ کہہ لیا تھا۔ ورنہ ایک قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا آپ اولوالعزم پیغمبر کے شایان شان نہ ہوتا۔ معلم کی طرف سے مناسب اور ضروری شرطوں کا مان لینا۔ ایک سچے طالب علم کی شایان شان ہے۔ حضرت خضر نے پیش بندی کے طور پر یہ پابندی لگا دی کہ اگر کوئی بات بظاہر باحق نظر آئے تو فوراً مجھ سے باز پرس نہ کرنے لگنا۔ جب تک میں خود اپنی طرف سے کہنا شروع نہ کروں، چپ رہنا، از خود بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سفر کے تین اہم واقعات:

غرضیکہ ناؤ کے ذریعہ دریائی سفر طے ہوا۔ ناؤ والوں نے پہچان کر مفت سوار کر لیا لیکن کچھ دور چل کر جب حضرت خضر نے کشتی کے نچلے تختے توڑ کر دروازہ ڈال دی تو اس احسان کے بدلہ میں یہ نقصان دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو تاب نہ رہی اور بول اٹھے کہ کیا آپ لوگوں کو ڈرنا چاہتے ہیں؟ کشتی کے تختوں کا توڑنا کنارہ کے قریب جا کر ہوا ہو گا اور یا اتنا توڑا ہو گا کہ کشتی غرق نہ ہو جائے۔ البتہ عیب دار کر دی تھی۔ بہر حال لوگوں کا ڈرنا اور نقصان اٹھانا اگرچہ یقینی نہیں تھا مگر محتمل ضرور تھا۔ اور جب تک کوئی مصلحت غالب نہ ہو اس وقت تک احتمال ضرر سے بچنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اور یہاں بظاہر کوئی مصلحت معلوم نہیں ہوتی اس لئے حضرت موسیٰ نے روک ٹوک فرمائی۔ حضرت خضر نے کہا آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا کہ اپنے قول پر نہ ٹھہر سکے اور فوراً جھلک گئے! موسیٰ علیہ السلام نے معذوری انداز میں فرمایا کہ مجھے بالکل خیال نہیں رہا تھا۔ بھول چوک پر بھی اگر گرفت کریں گے تو ساتھ رہنا یقیناً مشکل ہو جائے گا، خیر "گذشتہ راصلوۃ آئندہ را احتیاطاً" بات آئی گئی ہوئی۔ دونوں کسی آبادی کی طرف چلے۔ ایک گاؤں کے قریب کچھ لڑکے کھیل رہے تھے۔ ان میں سے ایک ہونہار اور خوبصورت لڑکے کو پکڑ کر جان سے مار ڈالا اور چل کھڑے ہوئے۔ یہ لڑکا بالغ تھا یا نابالغ، دونوں ہی قول ہیں۔ جمہور مفسرین نے نابالغ کہا ہے۔ اور لفظ غلام اور زکینہ بھی اس کے مؤید ہیں۔ بہر حال اس بھیا نک اور لدوز منظر کو دیکھتے ہی موسیٰ علیہ السلام بے تاب ہو گئے اور چیخ اٹھے کہ اؤل تو نابالغ جو قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جاسکتا، اس پر طرہ یہ کہ یہاں قصاص کا بھی کوئی قصہ نہیں، بے خطا بے قصور ایک معصوم بچہ کو اس بیدردی سے مار ڈالا آخر اس نے آپ کا کیا بگاڑا تھا۔ بھلا اس سے بڑھ کر اور کون سی بات ہوگی؟ حضرت موسیٰ کے پیش میں آنے کی غالباً یہ وجہ بھی ہوگی کہ کشتی کے واقعہ میں نقصان مال اگرچہ یقینی تھا مگر جانی نقصان کا صرف احتمال تھا۔ مگر یہاں تو جانی نقصان کھلی آنکھوں نظر آ رہا ہے اور وہ بھی ایک معصوم بچہ کا۔ اور پھر بے قصور! بھلا اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے؟ حضرت موسیٰ کا پہلا پوچھنا بھول سے تھا اور یہ پوچھنا بطور اقرار کے ہوا اور تیسرا پوچھنا رخصتی ہو گیا۔ خضر نے کہا ہم نے کہا نہیں تھا کہ ایسے حالات و واقعات پیش آئیں گے جن پر تم خدوشی سے صبر نہیں کر سکو گے؟ آخر وہی ہوا نہ موسیٰ علیہ السلام بولے خیر اب کے اور جانے دیجیے۔ آئندہ پھر اگر ایسی بات ہوئی تو بے شک مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا۔

شہادت و جوابات:

(۱) کچھ اہل کتاب کہتے ہیں کہ یہ واقعہ مشہور پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش نہیں آیا، ورنہ تورات و انجیل پچھلی

کتابوں میں ضرور ذکر ہوتا، جواب یہ ہے کہ اول تو اہل کتاب کی بعض کتابیں چونکہ دنیا سے ناپید ہو چکی ہیں اس لئے ممکن ہے ان گمشدہ کتابوں میں یہ واقعہ بھی مذکور ہو، اور اب ان کتابوں کے گم ہونے سے یہ واقعہ بھی لوگوں کو معلوم نہ رہا ہو۔ دوسرے ہمارے پیغمبرؐ کی حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہی پیش آیا ہے۔ پس پچھلی کتاب میں زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس سے ساکت ہیں اور ہماری کتابیں اس کو مانتی ہیں اور ثبوت، انکار کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہوتا ہے، چہ جائیکہ سکوت کے مقابلہ میں وہاں تو اور بھی راجح ہونا چاہیے (۲) بعض اس سفر اور اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں کیونکہ اگر یہ سفر ہوا ہوتا تو بنی اسرائیل میں ضرور مشہور ہوتا؟ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کی غباوت کے خیال سے کہ طرہ طرہ کے شبہات اور فتنہ میں لوگ مبتلا ہو جائیں گے۔ کسی سے تذکرہ نہ کیا ہو اور بنی اسرائیل کے لوگ سمجھے ہوں کہ حسب عادت و ضرورت کہیں تشریف لے گئے ہوں گے اس لئے مشہور نہیں ہو اور یا لوگوں کو آپ کا جانا معلوم بھی ہوا ہو لیکن اس خیال سے کہ لوگوں میں حضرت موسیٰ کی سبکی ہوگی کہ اتنے بڑے عالم ہو کر دوسرے کے پاس سیکھنے کیلئے گئے۔ اس واقعہ کا لوگوں میں چہ چاند ہونے دیا اور آہستہ آہستہ پھر یہ تذکرہ ہی موقوف ہو گیا ہو (۳) حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے اس واقعہ سے بعض لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہے کہ علم باطن، علم شریعت سے افضل ہے؟ جواب یہ ہے کہ علم باطن کے دو شعبے ہیں۔ (۱) مرضیات الہی کا علم، جس کا تعلق نفس سے ہے (۲) اور اسرار کوئیہ کا علم، پس پہلا شعبہ تو شریعت کا ایک جز ہے اور ظاہر ہے کہ جز کبھی بھی کل سے افضل نہیں ہو سکتا پھر علم باطن شریعت سے کیسے افضل ہو! اور دوسرا شعبہ، سوا سے چونکہ مرضیات الہی میں کچھ بھی دخل نہیں اس لئے اس کے افضل ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں ہو سکتا (۴) اسی طرح اس سے بعض کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہوئے! جواب یہ ہے کہ حضرت خضر کو علم باطن کے دوسرے شعبہ کا حاصل ہونا اس قصہ سے معلوم ہوا اور ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ علم شریعت سے کمتر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھا۔ پھر حضرت خضر افضل کیسے ہوئے۔ بلکہ اس سے تو حضرت موسیٰ کی افضلیت ثابت ہوئی۔ رہا حضرت خضر کے پاس حضرت موسیٰ کا تشریف لے جانا سوا اس کی بنیاد حضرت کی افضلیت نہیں تھی بلکہ حضرت موسیٰ کو کلام میں احتیاط کرنے اور بولنے میں ادب کی رعایت رکھنے کی تعلیم دینا مقصود تھا کہ آئندہ اپنے مرتبہ کی شان کے مناسب دیکھ بھال کر بولا کریں اور مقید کی جگہ مطلق نہ بول دیا کریں (۵) بعض کو یہ دھوکا ہو گیا ہے کہ پھر اگر کوئی کام خلاف شرع بھی کرے تو اس پر انکار و اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی قصہ کے سلسلہ میں حدیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر صبر کرتے تو خوب ہوتا۔ یعنی اگر اعتراض نہ کرتے اور خاموشی سے دیکھتے رہتے تو نہ معلوم کتنے عجائبات کھلتے۔ مگر انہوں نے بول کر بندش لگا دی۔ چنانچہ مشہور ہے۔

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغول گوید کہ سالک بے خبر نہ بود راہ در رسم منزلہا

جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا باکمال ہونا تو نص سے معلوم تھا اس لئے انہیں خلاف ظاہر پر خاموش رہنے کی گنجائش تھی ان کیلئے جب رہنا جائز تھا۔ دوسروں کو ن پر قیاس کر کے خاموش رہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ حضرت خضر نے جن رازوں کو بیان کیا وہ اگرچہ حضرت موسیٰ کے علوم کے برابر مفید عام نہیں تھے کیونکہ وہ لائق اتباع نہیں۔ لیکن اس معنی کو مفید خاص ضرور تھے کہ ان کے ذریعہ بعض حکمتیں مفصل طور پر منکشف ہوئیں۔ اگرچہ قرب الہی کیلئے صرف اتنا اجمالی عقیدہ بھی کافی ہو سکتا ہے کہ ہر کام میں حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں مگر حکمتوں کی تفصیل معلوم ہونے سے جو خاص فائدہ ہوتا ہے۔

وہ اپنی جگہ ناقابل انکار ہے۔ حدیث ہالامیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خاموش رہنے کیلئے حضرت موسیٰ کے متعلق تمنا فرمائی ہے، اس کا منشاء قصے اور واقعات کا سننا نہیں بلکہ خود ان اسرار اور رموز کی تمنا ہے جو حضرت موسیٰ کے خاموش رہنے کی صورت میں زیادہ ساتھ رہنے اور حضرت خضر کے از خود بیان فرمانے سے حاصل ہوتے کیونکہ حضرت موسیٰ اگر چہ رہتے تو حضرت خضر کے ساتھ رہنے کا موقع زیادہ ملتا اور زیادہ واقعات اور ان کے اسرار سامنے آتے جنہیں موقع ہوتے حضرت خضر علیہ السلام از خود بیان فرمادیتے لیکن ملاقات کے طول نہ دینے اور مختصر کر دینے میں بھی نہ معلوم خدائی مصلحتیں کتنی ہوں گی (۶) بعض کو دھوکا ہوا ہے کہ الہام اگر خلاف شرع ہو تو اس پر عمل کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت خضر اپنے الہامات پر عمل کر رہے تھے مگر وہ الہامات حضرت موسیٰ کی شرع کے خلاف تھے۔ اسی لئے تو ہر موقع پر انہوں نے نکیر فرمائی ہے۔ جواب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اگر خود نبی تھے تب تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ کیونکہ ہر نبی اپنی شریعت اور الہام کے مطابق عمل کرتا ہے ایک کو دوسرے کی تقلید کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر حضرت خضر نبی نہیں، بلکہ ولی تھے تو ممکن ہے پہلی شریعتوں میں اس کی گنجائش ہو کہ ولی اپنے الہام پر عمل کر سکتا ہو چاہے وہ اس شرع کے خلاف ہو، مگر ہر شریعت میں ایسا کرنا جائز نہیں۔

خلاف تبیین کے راہ گزید کہ ہر گز بمنزل نخواہ رسید

(۷) حضرت موسیٰ کے بولنے پر جب حضرت خضر نے نکیر فرمائی تو حضرت موسیٰ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ تمہارے یہ سب کام خلاف شرع ہیں؟ جواب یہ ہے کہ غصہ فرو ہونے کے بعد اجمالاً اتنا حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ حق تعالیٰ نے جب مجھے ان کے پاس بھیجا تو ضرور ان کا فعل اللہ کی مرضی کے موافق ہوگا۔ (۸) موسیٰ علیہ السلام نے وعدہ کرنے کے بعد پھر کیوں اعتراض کیا؟ یہ تو وعدہ کی خلاف ورزی ہوئی جو ایک پیغمبر کے شایان شان نہیں اور پھر بار بار ایسا کرنا تو اور بھی برا ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ وعدہ موسیٰ علیہ السلام نے بطور خود کیا تھا۔ منجانب اللہ ان کو یہ حکم نہیں ہوا تھا اور اس کی پابندی کرنے اور اس پر قائم رہنے میں خود انہی کا فائدہ تھا اور پابندی نہ کرنے میں حضرت خضر کا کوئی نقصان نہیں تھا۔ بالخصوص جب کہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام صبر نہیں کر سکیں گے اور جو کام شرعاً واجب نہ ہو بلکہ کوئی اپنی مصلحت سے اپنے اوپر لازم کر لے اور اس کے چھوڑنے میں دوسرے کا نقصان بھی نہ ہو تو ایسے کام کا کرنا شرعاً گناہ نہیں ہوگا۔ پس وعدہ خلافی کا گناہ لازم نہیں آیا اور جیسے ایک دفعہ ایسے وعدہ کا خلاف کرنا جائز ہے، بار بار بھی خلاف ورزی کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اس لئے کوئی شبہ نہیں رہا۔ اصل سبب اس وعدہ کا محض خوش طبعی ہوگا جو کالمین کی طرف سے بھی کبھی کبھی پیش آ سکتی ہے۔

آیت: وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتْنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ كَذِبٌ كَذِبٌ سے شیخ کمال کی تلاش میں حد درجہ کوشش کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس سے بڑھ کر کوئی واجب حق نہ چھوٹتا ہو، آیت: نَسِيًا حَتَّىٰ تَهْتَبُوا مِنْهَا آيَةً سے ثابت ہوا کہ زاد راہ وغیرہ اسباب کا سفر میں ساتھ رکھنا خلاف توکل نہیں ہے۔ آیت: لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا ۝ سے معلوم ہوا کہ بیماری وغیرہ کسی حالت کو ظاہر کرنا خلاف توکل نہیں ہے۔ آیت: وَمَا أُنسِيْنَهُ سِوَا مَا كُنَّا نَعْمَلُ ۝ سے معلوم ہوا کہ شیطانی اثر اور تصرف سے دوسرا اور بھول چوک کا پیش آ جانا ولایت کے خلاف توکل یا نبوت کے بھی منافی نہیں ہے۔ البتہ اتنا شیطانی تصرف جو گناہ تک پہنچا دے وہ بے شک نبوت کے شایان شان نہیں مگر وہ ثابت نہیں ہے۔ آیت: عِنْدَنَا وَعِنْدُنَا مِنَ الْغَيْبِ عَلْمًا ۝ سے جس علم لدنی کا عطا ہونا معلوم ہوا ممکن ہے وہ وحی یا الہام کے ذریعہ سے ہوا ہو اور یہ الہام انبیاء اور اولیاء دونوں کو ہوتا ہے۔ اس علم لدنی کو علم حقیقت اور علم باطن ہی کہتے

ہیں۔ جن واقعات کا ذکر اس قصہ میں کیا گیا ہے، ان کا علم اگرچہ علم لدنی کی اس نوع میں داخل ہے جو حضرت خضر کو عطا ہوا۔ بہر حال یہ آیت علم لدنی کی اصل ہے آیت نَهَلْ أَتَّبَعَكَ مِیْن حضرت موسیٰ کی طرف سے ادب و تواضع اور لطف کی کس قدر رعایت ہے جو سلوک و تعلیم کیسے نہایت ضروری ہے۔ آیت: فَإِنْ أَتَّبَعْتَنِي أَنْخُ سے معلوم ہوا کہ شیخ کو مرید سے مناسب شرطوں کے لگانے کا حق ہے۔ آیت: قَالَ أَخَذَتْهَا أَنْخُ سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک تو یہ کہ اکابر سے کچھ ایسے کام بھی سر زد ہو سکتے ہیں، جن کا ظاہر اگرچہ خلاف شرع ہوتا ہے۔ مگر الاعتقاد خلاف شرع نہیں ہوتے، دوسرے یہ کہ بعض اہل اللہ جن کو قلب الکلوین اور صاحب خدمت کہتے ہیں، حکم الہی سے کچھ کنوینی تصرنات کرتے رہتے ہیں۔

سورہ کہف میں موسیٰ (علیہ السلام) اور خضر کے قصہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے یہودیینہ کے سکھانے سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے تین سوال کئے تھے اور یہ کہہ دیا تھا کہ اگر ان سوالوں کو جواب دے دیں تو نبی نہیں ہیں اور اگر لا علمی کا اظہار کریں تو سمجھنا کہ ان کا دعوہ نبوت جھوٹا ہے، گویا کہ بعض باتوں کے عدم علم کو عدم نبوت کی دلیل قرار دیا تھا، حضرت موسیٰ و خضر (علیہ السلام) کے قصہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ موسیٰ جن کو تم بھی نبی مانتے ہو ان کو بھی تمام چیزوں کا علم نہیں تھا بلکہ ان کو بعض چیزوں کا علم حاصل کرنے کے لئے غیر نبی (خضر علیہ السلام) کے پاس جانا پڑا تھا، اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بعض باتوں کا فوری جواب نہ دے سکیں تو یہ کوئی نقص کی بات نہیں ہے حتیٰ کہ غیر نبی کو نبی پر جزوی فضیلت حاصل بھی ہو تو اس سے کلی فضیلت کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو بھی بعض باتوں کا علم نہیں تھا جن کے حصول کے لئے خضر کے پاس جانا پڑا، موسیٰ و خضر (علیہ السلام) کے دلچسپ واقعہ کو سنانے سے مذکورہ مقصد کے علاوہ اور متعدد مقاصد کے پیش نظر یہ قصہ سنایا گیا ہے دراصل یہ قصہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا تعلیمی سفر نامہ ہے جو کہ عوم و معارف کا خزینہ ہے، جب یہ واقعہ پورا ہوا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ کاش موسیٰ کچھ اور صبر فرمالتے تو دونوں کی اور خبریں معلوم ہوتیں۔

واقعہ کا آغاز:

بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم بنی اسرائیل کے سامنے وہ خط کہا جس میں حاضرین کی آنکھیں نم ہو گئیں، اور دل نرم ہو گئے، لوگوں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے دریافت کیا کہ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا میں ہوں، اللہ تعالیٰ کو یہ جواب ناپسند آیا، اس لئے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو چاہئے تھا (واللہ اعلم) کہتے یہ جواب واقع میں صحیح تھا ظاہر ہے کہ ان کے زمانہ میں اسرارِ شرعیہ کا علم ان سے زیادہ کس کو ہو سکتا تھا؟ لیکن حق تعالیٰ کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے (اس جواب پر تنبیہ کرنے کے لئے وحی آئی) ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین میں رہتا ہے وہ آپ سے زیادہ علم رکھتا ہے موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا خدا یا مجھے اس کا پتہ، نشان بتا دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی تل کر اپنے تھیلے میں رکھ لو، اور مجمع البحرین کی طرف سفر کرو جس جگہ مچھلی گم ہو جائے سمجھ لینا کہ اسی جگہ ہمارا وہ بندہ ہے، موسیٰ (علیہ السلام) نے حسب ہدایت سفر شروع کیا اور اپنے خادم یوشع بن نون کو اپنے ہمراہ لے لیا اور مچھلی والا تھیلا دے کر فرمایا مچھلی کا خیال رکھنا اور فرمایا کہ مجمع البحرین پہنچنے تک برابر سفر کرتا رہوں گا اگرچہ منزل مقصود تک پہنچنے میں ایک طویل زمانہ ہی کیوں نہ گزر جائے، مطلب یہ کہ میں منزل مقصود پر پہنچ کر ہی دم لوں گا۔

فائدہ: یہ ہے طلب صادق اور حصول علم کی سچی لگن، موسیٰ (علیہ السلام) کے اس مختصر ارشاد میں طالب علموں کے لئے بڑا سبق ہے علم کبھی سچی طلب کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور طلب علم کے لئے ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کرنا سنت انبیاء ہے۔

مجمع البحرین کی تعین یقین کے ساتھ تو مشکل ہے موسیٰ (علیہ السلام) کو یہ سفر قیام مصر کے دوران پیش آیا تھا تو ملک سوڈان کے شہر خرطوم کے پاس جہاں دریائے نیل کی دو شاخیں ملتی ہیں وہ جگہ مراد ہو سکتی ہے، جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہ واقعہ وادی سینا میں اسارت کے زمانہ کا ہے اگر ایسا ہے تو بحر قلزم کے شمال میں دو شاخوں کے اتصال کی جگہ مراد ہے یعنی جہاں طلح عقبہ اور خلیج سویز ملتی ہیں، صاحب فتح القدر نے بحر فارس اور بحر روم مراد لیا ہے مگر یہ دونوں دریا ملتے نہیں ہیں، ملنے سے دونوں کا قرب مراد ہو سکتا ہے (فوائد عثمانی) اور بحر اردن اور بحر قزم کا احتمال بھی پیش کیا ہے۔

جب دونوں حضرات دریاؤں کے سنگم پر پہنچے وہاں ایک بڑا بھاری پتھر تھا اور اس کے نیچے چشمہ آب حیات جاری تھا، اس کے قریب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سو گئے تو حضرت یوشع نے دیکھا کہ مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر تھیلے سے نکل کر جلدی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ بناتی چلی گئی، حضرت یوشع کو اس واقعہ اور مچھلی کے پانی میں سرنگ سی بنانے کی کیفیت سے بڑا تعجب ہوا اور سوچا کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) بیدار ہوں گے تو پورا واقعہ سناؤں گا، جب موسیٰ (علیہ السلام) بیدار ہوئے تو فوراً ہی چل کھڑے ہوئے اور یوشع واقعہ سنانا بھول گئے، روایات میں ہے کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) نے یوشع سے کہا تھا کہ مچھلی کا خیال رکھنا تو ان کی زبان سے نکلا تھا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں، لہذا مچھلی کی گمشدگی کے واقعہ کو بھلا کر اللہ تعالیٰ نے متنبہ کر دیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام کے بارے میں بھی اپنے اوپر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے، ہر چھوٹے بڑے کام میں اللہ ہی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ یہ دونوں حضرات آگے کے لئے سفر پر روانہ ہو گئے اور یوشع مچھلی والا تھیلہ اٹھانا اور مچھلی کا واقعہ سنانا بھول گئے اور موسیٰ (علیہ السلام) کو یاد دلانا بھول گئے اور باقی دن اور رات سفر کرتے رہے دوسرے روز موسیٰ (علیہ السلام) نے خادم سے ناشتہ مانگا اور یہ بھی فرمایا آج ہم بہت تھک گئے ہیں، اس موقع پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کو تھکان محسوس نہیں ہوئی، اگرچہ موسیٰ (علیہ السلام) کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ اب وہ بے مقصد سفر کر رہے ہیں مگر نفس الامری واقعات کا قلب نبوت پر انعکاس ہوا اور طبیعت نے اس کا اثر قبول کیا جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو تھکان محسوس ہوئی، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ نفس الامری واقعہ کا آپ کے قلب مبارک پر انعکاس ہوا ہے ایک مرتبہ کھانا کھایا جا رہا تھا آپ نے بھی ایک بوٹی لی کر وہ چہی نہیں آپ نے چھینک دی اور فرمایا یہ گوشت مجھ سے کہہ رہا ہے کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر لیا گیا ہے، ایک مرتبہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جہری نماز کے بعد مقتدیوں سے دریافت فرمایا کہ کیا کسی نے میرے پیچھے قرأت کی؟ ایک صاحب نے عرض کیا جی ہاں، میں نے قرأت کی، تو آپ نے فرمایا میں سوچ رہا تھا کہ قرآن پڑھنے میں مجھ سے جھگڑا کیوں کیا جا رہا ہے؟ یعنی امر منکر کا قلب نبوت پر اثر پڑا اور آپ کے لئے قرأت دشوار ہو گئی۔

فائدہ: موسیٰ (علیہ السلام) کے اس ارشاد سے کہ ہم آج تھک گئے ہیں، معصوم ہوتا ہے کہ اپنی تکلیفوں کا اظہار رجا تہ ہے یہ کمال کے منافق نہیں ہے البتہ بے صبری اور شکوہ و شکایت ممنوع ہے۔ (بصالح)

فائدہ: موسیٰ (علیہ السلام) کے ناشتہ طلب کرنے سے معلوم ہوا کہ نبیوں کو بھی بھوک پیاس لگتی ہے، زادہ راہ بھی ساتھ رکھتے ہیں اور تھکن بھی محسوس کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی چیز نبوت و ولایت کے منافی نہیں ہے جو خوش عقیدہ مرید بزرگوں کا جانب بھوک پیاس اور دیگر بشری ضرورتوں کے انتساب کو بے ادبی سمجھتے ہیں ان کے لئے اس میں بڑا سبق ہے (تفسیر ماجدی) الفصہ دونوں حضرات اگلی صبح تک چتے رہے اور اس پورے سفر میں پھلی والے تھیلے کا دونوں میں سے کسی کو بھی خیال تک نہ آیا یہاں تک کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) نے ناشتہ مانگا تو خادم کو احساس ہوا کہ وہ ٹھسی والا تھیلا تو میں وہیں بھول آیا ہوں اس وقت خادم ہی ہوتا ہے مگر مخدوم کی بھی کچھ ذمہ داری ہوتی ہے اسی لئے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ دونوں اپنی پھلی بھول گئے، اور ساتھ ہی خادم نے یہ بھی کہہ دیا کہ شیطان نے مجھے بھلا دیا، شریعت کی اصطلاح میں ہر بری بات کا انتساب شیطان اور نفس کی طرف کیا جاتا ہے کیونکہ شیطان نے مجھے بھلا دیا، شریعت کی اصطلاح میں ہر بری بات کا انتساب شیطان و نفس کی طرف کیا جاتا ہے کیونکہ شیطان ہی تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے اور نفس ہی اس کے فریب میں آتا ہے، موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا اس موقع کی تو ہم کو تلاش تھی سو دونوں اپنے نشان قدم کو دیکھتے ہوئے واپس پلٹے اور اس چٹان کے پاس پہنچے وہاں ہمارے ایک خاص بندے سے ملاقات ہوئی، یہ بندہ کون تھا؟ اس کا نام کیا تھا؟ یہ انسان تھے یا فرشتے اور اگر فرشتے تھے تو علوی یا سفلی اور اگر انسان تھے تو نبی تھے یا ولی؟ اس بارے میں یقین سے کچھ کہنا دشوار ہے، آراء مختلف ہیں علامہ عثمانی کی رائے یہ ہے کہ یہ نبی ہیں صحیح احادیث میں ان کو خضر کہا گیا ہے یہ ان کا وہلی نام ہے حدیث میں اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک بار خضر (علیہ السلام) ایک سوکھی سفید زمین پر بیٹھے ہوئے تھے وہ یکا یک ببزہ زار ہو گئی اسی وجہ سے ان کا لقب خضر (سبزہ) ہو گیا (رواہ البخاری و الترمذی) اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو خصوصی رحمت سے نوازا تھا اور اسرار کو نبیہ سے وافر مقدار میں حصہ عطا فرمایا تھا، جو حضرات انسان ہونے کے قائل ہیں ان میں سے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ ولی ہیں، اور جو حضرات ان کو ملائکہ میں شمار کرتے ہیں وہ ملائکہ سفلی میں شمار کرتے ہیں جن کو اصطلاح میں رجال الغیب کہا جاتا ہے، بعض محققین کی رائے یہ بھی ہے کہ خضر ایک عہدہ ہے جس پر یکے بعد دیگرے فائز ہونے والے کو خضر کہا جاتا ہے۔

قَالَ لَكَ مُؤْمِنِي هَذَا أَتَبَعَكَ.... موسیٰ (علیہ السلام) نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو میں چند روز آپ کے ساتھ رہ کر اس مخصوص علم کا کچھ حصہ حاصل کروں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) باوجودیکہ جلیل القدر جنمیر ہیں ان بزرگ سے درخواست کر رہے ہیں کہ اجازت ہو تو میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ سے اس مخصوص علم میں سے کچھ حاصل کروں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے اس طلب اجازت میں کس قدر فروتنی اور حسن ادب ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ متعلم فضیلت و فوقیت کے باوجود معلم کے تابع ہوتا ہے اور جزوی فضیلت سے کلی فضیلت لازم نہیں آتی اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاضل بھی مغضول سے وہ علم حاصل کر سکتا ہے جو اس کے پاس نہ ہو، موسیٰ (علیہ السلام) کا علم شرعی احکام کا علم تھا اور خضر کو بعض مغیبات کا علم اور بوطن کی معرفت حاصل تھی۔

خضر (علیہ السلام) نے کہا آپ قطعاً میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے، اس لئے کہ جب آپ میرے کاموں کو ظاہر شریعت کے خلاف پائیں گے تو ان پر آپ ضرور روک ٹوک کریں گے، حضرت خضر (علیہ السلام) نے اندازہ کر لیا تھا کہ میرے ساتھ ان کا نباہ نہ ہو سکے گا اس لئے کہ موسیٰ (علیہ السلام) جن علوم شرعیہ کے حامل تھے ان کا حلق ظاہری تشریحی قوانین سے تھا اور خضر (علیہ السلام) نامور

تھے کہ واقعات کونہیہ کے علم کے مطابق عمل کریں اور وہ علم تکوینی کے مطابق عمل کریں گے تو بظاہر علم تشریحی کے خلاف ہوگا جس پر موئی روک ٹوک کئے بغیر نہ رہ سکیں گے جو کہ نبی کا فرض منصبی ہے انہی وجوہات کے بنا پر حضرت خضر (ؑ) نے کہا اور ایسی باتوں پر آپ مہر کیسے کر سکتے ہیں جن کی حقیقت سے آپ پوری طرح واقف نہ ہوں، ایسے موقع پر خاموشی اختیار کرنا شان پیغمبری سے بعید اور لرض منصبی کے خلاف ہے۔

موئی (ؑ) نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائی گئے غرضیکہ موئی (ؑ) نے شرائط کو قبول کرتے ہوئے مہر کرنے اور سکوت اختیار کرنے کا وعدہ کر لیا مگر وعدہ کرتے وقت موئی (ؑ) کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ ایسے مقرب اور مقبول بندے سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئے گی جو علانیہ ان کی شریعت بلکہ عام شرائع و اخلاق کے بھی خلاف ہوگی اور واکبر کرنے پر مجبور ہوں گے یہ تو غنیمت ہوا کہ موئی (ؑ) نے انشاء اللہ کہہ لیا تھا ورنہ قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا لازم آتا جو پیغمبر کی شایان شان نہ ہوتا۔

قَالَ فَإِنِ اشْبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أُحَدِّثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا

یعنی اگر مجھ سے کوئی بات مجھ سے بظاہر نامناسب اور ناختم معلوم ہو تو مجھ سے فوراً باز پرس نہ کریں جب تک کہ میں کسی مناسب وقت پر اپنے کام کی حقیقت اور علت خود ہی بیان نہ کر دوں اگر یہ بات منظور ہے تو اجازت ہے میرے ساتھ چلنے چنانچہ دونوں بزرگ چل دیئے اس واقعہ پر قرآن کریم نے حضرت یوشع کا ذکر نہیں کیا یا تو اس لئے کہ عام طور پر ایسے موقع پر متبوع کا ذکر کیا جاتا ہے نہ کہ تابع کا، کشتی کی تلاش میں ساحل سمندر پر چلے رہے تھے تو ایک کشتی نظر پڑی، کشتی والوں سے سوار ہونے کی درخواست کی اول تو کشتی والوں نے سوار کرنے سے انکار کر دیا، چونکہ ان کے پاس کوئی سامان سفر وغیرہ نہیں تھا اس لئے ان کو چور ڈاکو سمجھا مگر ملاحوں نے حضرت خضر (ؑ) کو پہچان لیا اور شکل و صورت سے بھی بھلے آدمی معلوم ہوئے تو بغیر کرایہ کے ان کو سوار کر لیا، جب یہ حضرات کشتی میں سوار ہو گئے تو خضر (ؑ) نے وہ کشتی نمایاں جگہ سے توڑ دی تاکہ عیب دار ہو جائے، حضرت موئی (ؑ) سے یہ نازیبا حرکت دیکھ کر نہ رہا گیا تو فرمایا آپ نے کشتی کو توڑ دیا تاکہ کشتی میں سوار لوگوں کو غرق کر دیں آپ کی یہ حرکت شرعی و اخلاقی طور پر کسی طرح مناسب نہیں ہے آپ نے یہ بہت ہی ناپسندیدہ حرکت کر ڈالی۔

فَانطَلَقَا ۗ يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ حَتَّى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ الَّتِي مَرَّتْ بِهِمَا خَرَقَهَا الْخَضِرُ بِأَنِ افْتَلَعَ لَوْحًا أُولَٰئِكَ مِنْهَا مِنْ جِهَةِ الْبَحْرِ بَقَايَا لَمَّا تَبَعَتِ اللَّجُّ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا ۚ وَفِي قِرَاءَةِ بِنْتِ النَّحْتَانِيَةِ وَالزَّوَاهِ وَرَفَعَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ۖ أَيُّ عَظِيمًا مُشْكِرًا ۖ رَوَى أَنَّ الْمَاءَ لَمْ يَدْخُلْهَا قَالَ أَلَمْ أَكُلْ مِنْكَ كُنْ كَسَطِيعٍ مَعِيَ صَبْرًا ۖ قَالَ لَا تَأْتِنِي بِمَا كَسَيْتُ أَيُّ عَفَلْتُ عَنِ التَّسْلِيمِ لَكَ وَتَرَكِ الْإِنكَارِ عَلَيْكَ وَلَا تُرْهِقْنِي تُكَلِّفْنِي مِنْ أَمْرِي عَسْرًا ۖ مُشَقَّةٌ فِي طَبَقَتِي أَيُّ عَامِلِينَ فِيهَا بِالْعُقُورِ وَالْبُسْرِ فَاطَلَقَا ۗ بَعْدَ خُرُوجِهِمَا مِنَ السَّفِينَةِ يَمْشِيَانِ حَتَّى إِذَا لَقِيَا غُلَامًا يَتْلُو الْحِثَّ يَلْعَبُ مَعَ الصَّبْيَانِ أَحْسَنُهُمْ وَجْهًا فَقَتَلَهُ الْخَضِرُ بِأَنِ ذَبَحَهُ بِالسِّكِّينِ مُضْطَّجِعًا ۖ وَاقْتَلَعَ رَأْسَهُ بِيَدِهِ

أَوْ ضَرَبَ رَأْسَهُ بِالْجِدَارِ أَقْوَالٍ وَآتَى هُنَا بِالْفَاءِ الْعَاطِفَةَ لِأَنَّ الْقَتْلَ عَقِبَ اللَّقَاءِ وَجَوَابُ إِذَا قَالَ لَهُ
 مُوسَى أَقْتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً أَي طَاهِرَةً لَمْ يَبْلُغْ حَدَّ التَّكْلِيفِ وَفِي قِرَاءَةِ هَذِهِ كَيْفَةٌ بِتَشْدِيدِ الْبَاءِ بِأَلْفٍ بِغَيْرِ
 نَفْسٍ أَي لَمْ تَقْتُلْ نَفْسًا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا كَرَامًا ۝ بِسُكُونِ الْكَافِ وَضَعَهَا أَي مُشْكِرًا

ترجمہ: پھر دونوں سفر کے لیے نکلے (سائل سمندر پر ہوتے ہوئے) یہاں تک کہ دونوں کشتی پر سوار ہوئے (جوان کے سامنے سے گذر رہی تھی) تو اس نے ایک جگہ دراز ڈال دی (حضرت خضر نے کشتی کے نیچے کلباڑی مار کر ایک دو تختے نکال دیے اور وہ بھی ایسے وقت جب کشتی منجھار میں پھنس گئی تھی) یہ دیکھتے ہی (موسیٰ) چیخ اٹھے کہ آپ نے کشتی میں اس لیے دراز ڈال دی کہ مسافر ڈوب جائیں (اور ایک قراءت میں یغرق یا اور راء کے فتح کے ساتھ اور لفظ اہلہا مرفوع آیا ہے) آپ نے کیسی خطرناک بات کی (جو نہایت بے جا ہے روایت ہے کہ پانی کشتی میں داخل نہ ہو سکا تھا) تو وہ بولا کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے؟ موسیٰ بولے کہ بھول ہو گئی اس پر گرفت نہ کیجئے (یعنی آپ کی بات مان لینے اور اس پر اعتراض نہ کرنے کا وعدہ مجھے یاد نہیں رہا) اگر ایک بات بھول چوک ہو جائے تو مجھ پر سخت گیری نہ کیجئے (اپنے ساتھ رکھنے میں سختی نہ برتتے بلکہ اس معاملہ میں نرمی اور سہولت کا برتاؤ رکھئے) پھر دونوں آگے بڑھے (کشتی سے نکل کر آگے چلے) یہاں تک کہ جب ایک لڑکے سے ملے (جو نابالغ تھا اور بھولی بچوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھا) تو اس نے اسے مار دالا (حضرت خضر نے زمین پر پچھاڑ کر چھری پھیر ڈالی یا ہاتھ سے کھوپڑی اتار لی یا اس کا سردیوار میں دسے مارا یہ تہی قول ہوئے اور فاء عاطفہ اس لیے لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ بچہ سے ملنے ہی فوراً اسے مار دالا اور ازا کا جواب آگے آ رہا ہے) اس پر موسیٰ چیخے کہ آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی (جو معصوم اور غیر مکلف تھا اور ایک قراءت میں لفظ زکبہ بغیر الف کے تشدید کے ساتھ آیا ہے) حالانکہ اس نے کسی جان نہیں لی تھی (کسی کو جان سے نہیں مارا تھا) بلاشبہ آپ نے بڑی ناپسندیدہ حرکت کی ہے (نکمر اسکون کاف اور ضمہ کے ساتھ دونوں طرح ہے یعنی بری بات کی ہے)

کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: لَنْ تَسْتَطِيعَ: استطاعت سے مضارع واحد مذکر حاضر، تو ہرگز نہ کر سکے گا
 قولہ: بِهَا نَسِيتَ: موصولہ ہے جار مجرور لائے اخذنی سے متعلق ہے تاکہ مفرد ہے ای لا تاخذنی بامر الذی نسیئہ
 بعض حضرات نے کہا ہے کہ نسیئہ بمعنی ترک ہے جو کہ نسیئہ کے لازم معنی ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ما مصدریہ ہوا:
 ی لا تاخذنی نسیئہ، نسیئہ کی تفسیر غفلت سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں نسیئہ کے لغوی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ
 لازم معنی جو کہ غفلت اور ترک کے ہیں مراد ہیں اس لئے کہ لسان کے لئے ترک لازم ہے
 قولہ: لا ترهقنی من امر عسرا: عسرا لا ترهقنی کا مفعول ثانی ہے اور ترهقنی میں یا مفعول اول ہے بقال
 ازہقہ عسرا اس کو تکلیف میں ڈالا، اس کے ساتھ نکل کا معاملہ کیا

قولہ: زاکية: وہ نفس جس نے ابھی تم گناہ نہ کیا ہو اور زکية وہ نفس جس نے گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لی ہو، کسائی نے کہا ہے کہ دونوں ہم معنی ہیں۔

قولہ: بغیر نفس: اس میں تین وجوہ اعراب ہیں: (۱) قتل کے متعلق ہے (۲) محذوف سے متعلق ہے اور فاعل یا مفعول سے حال ہے: ای قتلته ظلماً او مظلوماً بغیر نفس (۳) مصدر محذوف کی صفت: ہو ای قتلتم قتلًا مَنَلَبَسًا بغیر نفس۔

تفسیر مقبولین

فَأَنْطَلَقًا حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا ...

(پس وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو حضرت خضر نے اس کشتی میں شکاف کر دیا، موسیٰ نے کہا کیا آپ نے اس کشتی میں اس لیے شکاف کیا ہے کہ اہل کشتی کو غرق کر دیں، یقیناً آپ نے بہت برا کام کیا ہے۔)
 اِمْرًا ۞ عجیب اور منکر کام کو کہتے ہیں۔ جب کوئی برا کام ہو جائے تو عرب کہتے ہیں: اَمْرٌ اَلَا مَرٌ، علامہ بغوی نے کہا ہے کہ عربی لغت میں اِمْرٌ کا معنی داهية (خونناک) ہے۔

کشتی کا واقعہ

حضرت موسیٰ (ؑ) اور حضرت خضر (ؑ) کے درمیان جب قول و قرار ہو گیا یعنی حضرت موسیٰ (ؑ) نے وعدہ کر لیا کہ میں آپ (ؑ) کے کسی معاملے پر اعتراض نہیں کروں گا تو پھر دونوں تریقی سفر پر روانہ ہوئے چونکہ دونوں ساحل دریا پر تھے تو دریا کے پار جانے کے ارادے سے ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ کچھ آگے چل کر دریا ہی میں حضرت خضر (ؑ) نے کشتی کا ایک تختہ توڑ ڈالا۔ شریعت کے اعتبار سے حضرت خضر (ؑ) نے ایک ایسا کام کیا جو نہ صرف گناہ تھا بلکہ بدتر گناہ یا دہرا گناہ، ایک تو گناہ اس بات کا کہ کسی شخص کی مملوک کشتی کو بغیر کسی وجہ کے توڑ ڈالا جو کہ ایک جرم اور ظلم ہے اور دوسری یہ بات کہ اس سے سوار یوں کے ڈوب جانے کا امکان پیدا کر دیا کیونکہ اگر اس شکاف سے پانی کشتی میں بھر گیا اور کشتی ڈوب گئی تو سواریاں بھی ساتھ ڈوبیں گی۔ اتنے بڑے گناہ پر حضرت موسیٰ (ؑ) جیسا صاحب جلال پیغمبر کیسے خاموش رہ سکتا تھا۔ چنانچہ آپ (ؑ) بھڑک اٹھے اور کہا یہ آپ (ؑ) نے کیا ظلم کیا؟ ایک تو آپ (ؑ) نے کشتی کو عیب دار بنا دیا اور دوسرا لوگوں کے ڈوبنے کا انتظام کر دیا حالانکہ انسان وہ ہے جو انسان کو بچاتا ہے اور اگر انسان انسانوں کو ڈوبنے لگیں تو یہ دنیا تو درندوں کا بھٹ بن کر رہ جائے۔ "جگر" نے کیسی بات کہی:

جب تک کہ غم انساں سے جگر انساں کا دل معمور نہیں۔ جنت ہی سہی دنیا لیکن جنت سے جہنم دور نہیں

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو حضرت موسیٰ (ؑ) کا بولنا احقاق حق تھا جو آپ (ؑ) کی ذمہ داری تھی۔ لیکن دوسری طرف یہ حال تھا کہ آپ (ؑ) حضرت خضر (ؑ) سے وعدہ کر چکے تھے کہ میں آپ (ؑ) کے کسی کام پر اعتراض نہیں

کروں گا۔ اس لیے حضرت خضر (ؑ) نے کہا:

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَنْ تَسْتَطِيعَ ...

(حضرت خضر نے کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ موسیٰ (ؑ) نے کہا میری بھول چوک پر مواخذہ نہ کیجیے اور میرے معاملہ میں زیادہ سخت گیری نہ فرمائیے۔)

ارہاق کا مفہوم

ارہاق ... کے معنی، کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا، کسی کو بتلائے آنت کرنا۔ لَا تَرْهَقُنِي، بَيْلُ مَفْتَاحٍ لَا تُكَافِنِي مَشَقَّةً۔

حضرت خضر (ؑ) نے حضرت موسیٰ (ؑ) کی بات کا جواب دینے کی بجائے صرف انھیں ان کا وعدہ یاد دلا یا اور اپنی بات یاد دلائی کہ میں نے پہلے ہی آپ (ؑ) سے کہا تھا کہ آپ (ؑ) میرے ساتھ سفر نہیں کر سکیں گے۔ اس پر حضرت موسیٰ (ؑ) نے معذرت چاہی اور آئندہ کے لیے محتاط ہونے کا یقین دلایا۔ البتہ یہ ضرور کہا کہ آپ (ؑ) میرے معاملے میں سخت گیری سے کام نہ لیجئے بلکہ نرمی اختیار فرمائیے۔

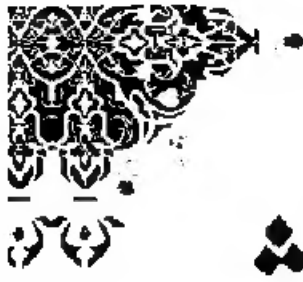
فَانْطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا ...

(پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی تو حضرت خضر (ؑ) نے اسے قتل ڈالا، حضرت موسیٰ (ؑ) بول پڑے، آپ (ؑ) نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلے کے بغیر قتل کر ڈالا، یہ تو آپ (ؑ) نے بڑی ہی مکر بات کی۔)

لڑکے کے قتل کا واقعہ

گزشتہ واقعہ پر معافی تلافی کے بعد پھر دونوں بزرگ روانہ ہوئے تو راستے میں ایک لڑکا ملا، حضرت خضر (ؑ) نے بغیر کسی وجہ کے اسے قتل کر ڈالا۔ ایک نابالغ اور بے گناہ کے قتل پر ایک پیغمبر کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ (ؑ) بھڑک اٹھے۔ کہنے لگے یہ آپ (ؑ) نے کیا کر ڈالا؟ ایک نابالغ اور معصوم بچے کو جس نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا آپ (ؑ) نے کس جرم میں قتل کر دیا، یہ تو آپ (ؑ) نے بہت نازیبا حرکت کی۔

ابن ابی شیبہ نے یزید بن جریر سے روایت کیا کہ مجاہد نے ابن عباسؓ سے بچوں کے قتل کے بارے میں سوال کیا اور اس نے اپنے خط میں لکھا کہ موسیٰؑ کے ساتھ عالم نے (یعنی خضر) نے ایک بچے کو قتل کیا یزید نے کہا میں اپنے ہاتھ سے ابن عباسؓ کے خط میں لکھا مجاہد کی طرف تو نے مجھے بچوں کے قتل کے بارے میں سوال کیا ہے اور وہ تو نے موسیٰؑ کے ساتھی عالم کا حوالہ دیا ہے کہ اس نے لڑکوں کو قتل کیا تھا اگر ایسا ہی علم رکھتا ہے بچوں کے بارے میں جو وہ عالم (موسیٰؑ کا ساتھی) علم رکھتا تھا پھر تو لڑکوں کو قتل کر دے یقیناً تو ایسا علم نہیں رکھتا رسول اللہ ﷺ لڑکوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا پس تو اس سے علیحدہ ہو جا۔



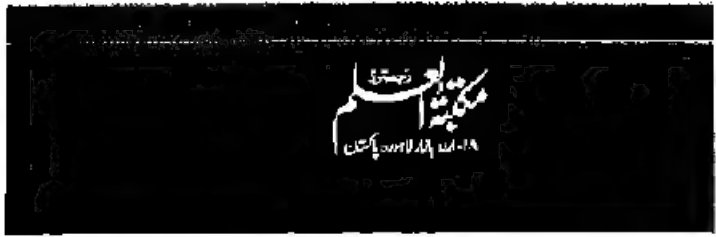
تفسیر ابن کثیر

در تفسیر القرآن

عزیز عطاء الدین ابوالفضل ابن کثیر



تفسیر القرآن



مکتبہ اسلامیہ
لاہور پاکستان

مکتبہ اسلامیہ رجسٹرڈ

۱۸- اردو بازار لاہور، پاکستان

37231788-37211788

